ترمذی ثانی کی جدید اردو شرح جس میں
احادیث کی تشریح آسان انداز میں کی گئی ہے
معارفِ ترمذی
پسند فرمودہ و تقریظ
شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم
مؤلف
مفتی محمد طارق
استاذ الحدیث جامعہ فریدیہ، اسلام آباد
جلد چہارم
مکتبہ شیخ الہند
سیکٹر F-10/3 سٹریٹ C-7 ہاؤس 172 اسلام آباد
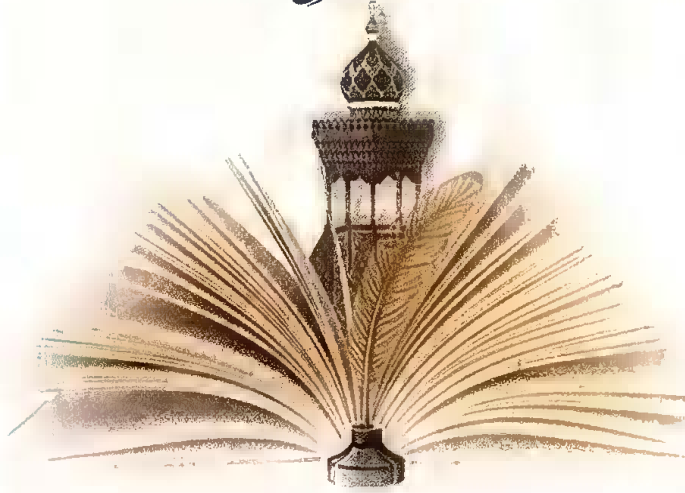
معارفِ ترمذی

مع

ترمذی ثانی کی جدید اردو شرح جس میں
احادیث کی تشریح آسان انداز میں کی گئی ہے

جلد چہارم

پسند فرمودہ و تقریظ

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم

مؤلف

مفتی محمد طارق

استاذ الحدیث جامعہ فریدیہ اسلام آباد

مکتبہ شیخ الہند

سیکٹر F-10/3 سٹریٹ C-7 ہاؤس 172 اسلام آباد

0333-5375336

نام کتاب : معارف ترمذی جلد چہارم
مصنف: مفتی محمد طارق
کمپوزنگ: محمد آصف لطیف 0343-5261568
ناشر: مکتبہ شیخ الہند، F10/3 اسلام آباد
تاریخ اشاعت: جون ۲۰۱۶ء

ہماری مطبوعات ملنے کے پتے

اسلام آباد : مکتبہ فریدیہ، E-7 اسلام آباد
: مکتبہ شیخ الہند، F10/3 اسلام آباد 0333-5375336
راولپنڈی : قرآن محل، اقبال مارکیٹ، کمیٹی چوک راولپنڈی
: احمد بک کارپوریشن اقبال روڈ کمیٹی چوک راولپنڈی
: الخلیل پبلشرز اقبال روڈ راولپنڈی
لاہور : مکتبہ رحمانیہ اردو بازار لاہور
: مکتبہ سید احمد شہید اردو بازار لاہور
: مکتبہ الحسن اردو بازار لاہور
کراچی : ادارہ المعارف، جامعہ دار العلوم کراچی
: قدیمی کتب خانہ، آرام باغ کراچی
: کتب خانہ اشرفیہ اردو بازار کراچی
: مکتبہ عمر فاروق، شاہ فیصل کالونی کراچی
ملتان : جامعہ حقانیہ، ٹی بی ہسپتال روڈ ملتان
فیصل آباد : مکتبہ العارفی، نزد جامعہ امدادیہ فیصل آباد
پشاور : دار الاخلاص پشاور
اکوڑہ خٹک : مکتبہ علمیہ اکوڑہ خٹک
تیمر گرہ : دینی کتب خانہ تیمر گرہ
: مکتبہ عباسیہ تیمر گرہ

اپنے شہر کے ہر بڑے کتب خانے میں ہماری مطبوعات دستیاب ہیں

فہرست

معارف ترمذی جلد چہارم

اجمالی فہرست

فہرست

معارف ترمذی جلد چہارم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تقریظ

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم العالیہ

شیخ الحدیث، ونائب صدر جامعہ دار العلوم کراچی

الحمد للہ رب العالمین والصلوۃ والسلام علی رسولہ الکریم وعلی آلہ وصحبہ اجمعین وعلی من تبعھم باحسان الی یوم الدین۔

برادر عزیز ومکرم جناب مولانا محمد طارق صاحب فاضل جامعہ دار العلوم کراچی واستاد حدیث جامعہ فریدیہ اسلام آباد نے جامع ترمذی جلد ثانی کی شرح اردو میں ''معارف ترمذی'' کے نام سے لکھی ہے جس کی بحمد اللہ تعالیٰ دو جلدیں شائع ہوئی ہیں جو فاضل مؤلف حفظہ اللہ تعالیٰ نے بندہ کے پاس بھیجی ہیں، بندہ کو اس شرح کے مکمل مطالعہ کا تو موقع نہیں مل سکا، لیکن جستہ جستہ مقامات سے دیکھ کر اندازہ ہوا کہ ماشاء اللہ انہوں نے مستند مآخذ سے استفادہ کر کے احادیث کی تشریح دلنشین انداز میں کی ہے، انداز بیان بھی آسان، عام فہم اور شگفتہ ہے جو علماء وطلبہ کے علاوہ عام مسلمانوں کے لئے بھی مفید ہے۔ باقی مقامات جو میرے مطالعے سے نہیں گذرے، ان کے بارے میں ذمہ دارانہ رائے دینی تو ممکن نہیں ہے، لیکن فاضل مؤلف کی قابلیت اور مآخذ، مستند ہونے کی بنا پر باقی کے بارے میں یہی امید ہے۔

جامع ترمذی کی بیشتر شروح جامع ترمذی جلد اوّل ہی تک پہنچی ہیں، اور جلد ثانی کی مفصل شروح، بالخصوص حنفیہ کی طرف سے بہت کم ہیں، اس لئے امید ہے کہ انشاء اللہ تعالیٰ یہ شرح اس کمی کو پورا کرے گی۔ اللہ تعالیٰ فاضل مؤلف کو اس کی بہترین جزا عطا فرما کر اسے نافع اور مقبول بنائیں، اور ان کی عمر، علم اور عمل میں برکت عطا فرمائیں۔ آمین

بندہ

محمد تقی عثمانی عفی عنہ

۲۵ ربیع الاوّل ۱۴۳۴ھ

عرض مؤلف

الحمد للہ و کفی والصلاۃ والسلام علی رسولہ محمد و علی الہ و صحبہ و من تبعھم باحسان الی یوم الدین و بعد:

اللہ جل جلالہ کے فضل و کرم سے سنن ترمذی جلد ثانی کی اردو شرح کا یہ سفر دھیرے دھیرے اپنی منزل کی طرف رواں ہے، اس وقت بحمد اللہ آپ کی خدمت میں:

معارف ترمذی جلد چہارم

پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں، اس جلد میں درج ذیل تین ابواب کی شرح ہے:

۱۔ابواب الدعوات:

ان میں دعاء کی فضیلت، مختلف اوقات کی دعائیں اور اذکار منقول ہیں، اللہ جل جلالہ کے اسماء حسنی، ان کے انوار و برکات اور خصوصیات، تسبیح و تقدیس اور تکبیر کے بہت سے فضائل، چار کروڑ نیکیوں والا ایک ذکر، یادداشت اور حفظ کی پختگی اور بہتری کے لیے ایک مخصوص نماز اور چند مخصوص دعائیں، ذکر کے اجتماعی حلقوں کا حکم، اور دیگر بہت سی اہم مباحث کا تذکرہ ہے۔

۲۔ابواب المناقب:

ان ابواب میں نبی کریم ﷺ کی ولادت، بچپن کا زمانہ، آپ کی عمر، نبوت کی علامات و معجزات اور آپ کی سیرت کے مختلف گوشوں کو اجاگر کیا گیا ہے، خلفاء اربعہ، عشرہ مبشرہ، اہل بیت، ازواج مطہرات، اور دیگر بہت سے صحابہ کے مخصوص حالات اور ان کے اہم کارناموں اور خصوصیات کا بیان ہے، حدیث غدیر اور اس سے متعلق معاشرے میں پھیلے باطل نظریات کا بھی مضبوط دلائل سے رد کیا گیا ہے، ویسے بھی عظیم شخصیات کی زندگی کے مطالعہ سے انسان میں بلند ہمتی اور افکار و احساسات میں نئی تازگی اور جلا پیدا ہوتا ہے، اور یہ تو وہ خوش نصیب ہستیاں ہیں جنہیں سرکار دو عالم ﷺ کا شرف صحبت حاصل ہے، ان کی زندگی کے مطالعہ سے یقیناً ایمان میں کمال اور زندگی گذارنے کا صحیح سلیقہ آتا ہے، اور اس کے ضمن میں اور بھی بہت سے امور کو بیان کیا گیا ہے۔

۳۔کتاب العلل:

یہ امام ترمذی رحمہ اللہ کا ایک رسالہ ہے، جس میں انہوں نے فقہاء کے اقوال کی سندیں، حدیث کی علتیں، ضعیف،

متکلم فیہ، مختلف فیہ اور ثقہ راویوں کو بیان کیا ہے، روایت بالمعنیٰ، حدیث روایت کرنے کے مختلف طرق، حدیث مرسل، امام ترمذی کی حدیث حسن کی اصطلاح، غریب اور اس کی اقسام کو مثالوں سے واضح کیا گیا ہے، اس کے مطالعہ سے انسان کو یہ معلوم ہوتا ہے کہ امام ترمذی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب ''جامع ترمذی'' میں کیا اسلوب اختیار کیا ہے، کس قسم کے راویوں سے احادیث کو حاصل کیا ہے، اور فقہاء کرام کے مذاہب کن کن اسناد سے بیان کئے ہیں، اس لیے میری نظر میں اگر ایک طالب علم کتاب العلل کا مطالعہ پہلے کرے اور پھر جامع ترمذی پڑھے تو اسے بہت فائدہ ہوگا اور پھر وہ پوری بصیرت اور وثوق کے ساتھ اس کتاب سے استفادہ کر سکے گا۔

جلد چہارم کی تصنیف و تالیف میں اسی اسلوب اور طریقہ کار کو اختیار کیا گیا ہے جو معارف ترمذی کی پہلی تین جلدوں میں تھا، نیز ہر حدیث کی تخریج اور جس صحابی یا صحابیہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیث روایت کی ہے، ان کے بھی مختصر سے حالات لکھے گئے ہیں۔

انسانی ہمت کے بقدر اس بات کا مکمل اہتمام کیا گیا ہے کہ اس کتاب کی تالیف میں کسی قسم کی کوئی غلطی نہ ہو، ہر بات کو مکمل احتیاط، غور و فکر اور مستند حوالوں سے تحقیق کے ساتھ لکھا گیا ہے، اس کے باوجود اگر کسی صاحب علم کی نظر میں اس کی کوئی بات غلط ثابت ہو تو از راہ کرم دلیل کے ساتھ اس غلطی کے بارے میں آگاہ کر دیں، میں اس پر ان کا شکر گذار ہوں گا، اور وہ بات واقعی اگر خلاف حقیقت ثابت ہوگئی تو آئندہ اس غلطی کی انشاء اللہ اصلاح کر دی جائے گی۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ محض اپنے فضل و کرم سے اس ادنیٰ سی محنت کو اپنی بارگاہ عالی میں قبول فرمائے، اس میں کمی کوتاہی کو معاف فرما دے، ان احادیث پر مجھے اور تمام پڑھنے والوں کو عمل کی توفیق عطا فرمائے، اس شرح کو میرے لیے، میرے والدین اور میرے تمام اساتذہ کے لیے صدقہ جاریہ، عفو و درگذر، اپنی رضاء و خوشنودی اور مغفرت و بخشش کا ذریعہ بنائے اور اپنے فضل و کرم سے دین کی مخلصانہ خدمت کے لیے مزید سے مزید قبول فرمائے اور اس شرح کو مکمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین یارب العالمین۔

طالب دعا

محمد طارق

استاذ حدیث و مفتی جامعہ فریدیہ E-7 اسلام آباد

و مدیر جامعہ مریم للبنات F-10/3،

سٹریٹ C-7، مکان نمبر 72، اسلام آباد

15 شعبان 1437ھ

27 مئی 2016م

0333-5375336

أَبْوَابُ الدَّعَوَاتِ عَنْ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

یہ ابواب ان احادیث پر مشتمل ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دعاؤں سے متعلق منقول ہیں

بَاب مَا جَاءَ فِي فَضْلِ الدُّعَاءِ

یہ باب دعا کی فضیلت سے متعلق ہے

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: لَيْسَ شَيْءٌ أَكْرَمَ عَلَى اللّٰهِ تَعَالَى مِنَ الدُّعَاءِ۔ (۱)

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ جل جلالہ کے نزدیک دعا سے زیادہ کوئی چیز افضل نہیں۔

بَابٌ: عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: الدُّعَاءُ مُخُّ الْعِبَادَةِ.

حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دعا عبادت کا مغز ہے۔

عَنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِيرٍ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: الدُّعَاءُ هُوَ الْعِبَادَةُ، ثُمَّ قَرَأَ: وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُونِي أَسْتَجِبْ لَكُمْ إِنَّ الَّذِينَ يَسْتَكْبِرُونَ عَنْ عِبَادَتِي سَيَدْخُلُونَ جَهَنَّمَ دَاخِرِينَ. (۲)

حضرت نعمان بن بشیر سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دعا عین عبادت ہے، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت پڑھی: وقال ربکم .... (اور تمہارے پروردگار نے کہا ہے کہ: "مجھے پکارو، میں تمہاری دعائیں قبول کروں گا، بیشک جو لوگ تکبر کی بنا پر میری عبادت سے منہ موڑتے ہیں، وہ ذلیل ہو کر جہنم میں داخل ہوں گے)

بَابٌ: عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَنْ لَمْ يَسْأَلِ اللّٰهَ يَغْضَبْ عَلَيْهِ. (۳)

حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص اللہ جل جلالہ سے نہیں مانگتا، اللہ تعالیٰ اس سے ناراض ہو جاتے ہیں۔

مشکل الفاظ کے معنی: اکرم: (صیغہ اسم تفضیل) زیادہ فضیلت والا، افضل، زیادہ مکرم۔ مخ: (میم پر پیش) مغز، بھیجا۔ استجب: (صیغہ متکلم) میں قبول کروں گا۔ داخرین: ذلیل ورسوا ہو کر۔ یستکبرون: تکبر، روگردانی اور اعراض کرتے ہیں۔ یغضب علیہ: (ضاد پر زبر، یہ لفظ باب سمع سے ہے) اللہ تعالیٰ ان سے ناراض ہو جاتے ہیں، اس پر غصہ ہو جاتے ہیں۔

---

(۱) سنن ابن ماجة، کتاب الدعاء، باب فضل الدعاء، رقم: ۳۸۲۹

(۲) سنن ابی داؤد، کتاب الصلاة، باب: الدعاء، رقم: ۱۴۷۹

(۳) سنن ابن ماجة، کتاب الدعاء، باب فضل الدعاء، رقم: ۳۸۲۷

دعا ایک اہم عبادت

مذکورہ احادیث میں دعا کی فضیلت کو بیان کیا گیا ہے کہ دعا ہی اصل عبادت بلکہ تمام عبادات کا مغز اور خلاصہ ہے، کیونکہ دعا میں انسان اللہ جل جلالہ کے سامنے اپنی بے کسی، اور عجز و انکساری کو ظاہر کرتا ہے، تواضع کی یہ ادا اللہ کو بہت پسند ہے، جو شخص جس قدر زیادہ مانگتا ہے، اللہ تعالیٰ اس سے اتنا ہی خوش ہوتے ہیں، اور جو اللہ سے نہیں مانگتا، روگردانی اور اعراض کرتا ہے، تو اللہ تعالیٰ اس سے ناراض ہو جاتے ہیں، ایک اور حدیث میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ جس کے لئے دعا کا دروازہ کھول دیا گیا، تو اس کے لئے گویا رحمت کے دروازے کھول دیئے گئے، اس لئے ہر مشکل اور ہر ضرورت کے موقع پر اللہ جل شانہ سے دعا کرنے اور مانگنے کا اہتمام کرنا چاہیے، اس یقین کے ساتھ کہ میری دعا کو اللہ جل شانہ ضرور قبول فرماتے ہیں، (۱)

بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ اس آیت میں "عبادۃ" سے "دعا" مراد ہے، مطلب یہ ہے کہ جو لوگ محض تکبر کی وجہ سے مجھ سے نہیں مانگتے تو انہیں ذلیل کر کے جہنم میں ڈالا جائے گا۔ (۲)

بَابُ مَا جَاءَ فِي فَضْلِ الذِّكْرِ

یہ باب اس حدیث پر مشتمل ہے جس میں ذکر کی فضیلت کا بیان ہے

عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ بُسْرٍ، أَنَّ رَجُلًا قَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ: إِنَّ شَرَائِعَ الإِسْلَامِ قَدْ كَثُرَتْ عَلَيَّ، فَأَخْبِرْنِي بِشَيْءٍ، أَتَشَبَّثُ بِهِ، قَالَ: لَا يَزَالُ لِسَانُكَ رَطْبًا مِنْ ذِكْرِ اللهِ. (۳)

حضرت عبداللہ بن بسر سے روایت ہے کہ ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ: اسلام کے احکام (یعنی نوافل) مجھ پر بہت زیادہ (یعنی بھاری) ہیں، لہذا آپ مجھے ایک ایسی چیز بتا دیجئے جسے میں اچھی طرح تھام لوں (یعنی میں اس پر پابندی سے عمل کر سکوں) آپ ﷺ نے فرمایا: تمہاری زبان ہمیشہ اللہ کے ذکر سے تر رہے۔

مشکل الفاظ کے معنی: شرائع: شریعۃ کی جمع ہے: اللہ کی جانب سے مقرر کردہ احکام، خواہ وہ فرض ہوں یا سنت، البتہ یہاں حدیث میں ملا علی قاری فرماتے ہیں کہ اس لفظ سے "نوافل" مراد ہیں، اس پر قرینہ اگلا جملہ ہے: قد کثرت علیّ، کیونکہ فرائض، واجبات اور سنن، صحابہ کرام پر شاق نہیں تھے، اتشبث بہ: (صیغہ واحد متکلم) میں اس چیز کو اچھی طرح تھام لوں، مضبوطی سے لے لوں، رطب: (را پر زبر اور طاء ساکن) تر، گیلی۔

---

(۱) فتح الباری ۱۱/۱۱۴، کتاب الدعوات و قول اللہ تعالی ادعونی استجب لکم

(۲) تفسیر ابن کثیر ۵/۴۵۸ ط: پشاور، عمدۃ القاری ۲۲/۲۷۶، کتاب الدعوات و قولہ ادعونی استجب لکم

(۳) سنن ابن ماجۃ، کتاب الأدب، باب فضل الذکر، رقم الحدیث: ۳۷۹۳

حضرت عبداللہ بن بسر رضی اللہ عنہ

حضرت عبداللہ بن بسر سلمی مازنی رضی اللہ عنہ کم عمر صحابی تھے، ان کے والدین، ان کے بھائی عطیہ اور بہن صماء کو بھی صحابیت کا شرف حاصل ہے، شام میں ۸۸ھ یا ۹۶ھ میں سو سال کی عمر میں ان کی وفات ہوئی، شام میں وفات پانے والے یہ آخری صحابی تھے۔(۱)

ذکر اللہ کی فضیلت

اس حدیث سے اللہ کے ذکر کی فضیلت ثابت ہوتی ہے کہ اس سے اللہ جل جلالہ خوش ہوتے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس صحابی کو یہ تاکید فرمائی کہ تم اس بات کا اہتمام کرو کہ تمہاری زبان اللہ کے ذکر سے تر اور ہر وقت مشغول رہے، خواہ وہ ذکر جونسا بھی ہو، ملا علی قاری فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں ''شرائع'' سے نوافل مراد ہیں، مطلب یہ ہے کہ نوافل مجھ پر زیادہ یعنی غالب آگئے ہیں، میں ان کو اپنے ضعف اور کمزوری کی وجہ سے ادا نہیں کر پاتا، اس لیے مجھے ایسا کوئی مختصر سا نفلی کام بتا دیجئے کہ میں اس پر پابندی سے عمل کر سکوں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمہاری زبان ہمیشہ اللہ کے ذکر سے تر اور اس میں مشغول رہے، اللہ تعالیٰ عمل کی توفیق عطا فرمائے۔(۲)

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حدیث میں ذکر سے ان الفاظ کے ساتھ ذکر کرنا مراد ہے، جن کے بارے میں حدیث میں ترغیب آئی ہے، جیسے سبحان اللہ و الحمدللہ و لا الٰہ الا اللہ و اللہ اکبر، لا حول و لا قوۃ الا باللہ وغیرہ، اسی طرح اس میں وہ تمام دعائیں اور مناجات بھی داخل ہیں، جو اللہ تعالیٰ کے مبارک ناموں پر مشتمل ہیں، توبہ، استغفار، دینی تعلیم، فرائض و واجبات میں مشغولیت، اور قرآن کریم کی تلاوت بھی ''ذکر اللہ'' میں داخل ہے، بلکہ قرآن کریم کی تلاوت تو عام اذکار اور وظائف کے مقابلے میں سب سے اعلیٰ اور افضل ذکر ہے۔

ذکر میں سب سے افضل صورت تو یہ ہے کہ زبان سے ذکر کرنے کے ساتھ ساتھ دل سے بھی استحضار ہو، ان الفاظ کے معنیٰ میں غور و فکر اور اللہ کی قدرت پیش نظر ہو، لیکن اگر دل متوجہ نہ ہو، تب بھی زبان سے ذکر کرتے رہنا چاہیے، اس پر بھی انسان کو اجر و ثواب دیا جاتا ہے۔

بعض عارفین کہتے ہیں کہ ذکر کی سات قسمیں ہیں: فَذِكْرُ الْعَيْنِ بِالْبُكَاءِ وَ ذِكْرُ الْأُذُنَيْنِ بِالْإِصْغَاءِ، وَ ذِكْرُ اللِّسَانِ بِالثَّنَاءِ، وَ ذِكْرُ الْيَدَيْنِ بِالْعَطَاءِ وَ ذِكْرُ الْبَدَنِ بِالْوَفَاءِ وَ ذِكْرُ الْقَلْبِ بِالْخَوْفِ وَ الرَّجَاءِ وَ ذِكْرُ الرُّوحِ

---

(۱) الاصابة ۲۰۲/۴، رقم: ۴۵۸۲

(۲) مرقاة المفاتيح ۱۶۲/۵، كتاب الدعوات، باب ذكر الله عز و جل والتقرب اليه

بِالتَّسْلِيْمِ وَالرِّضَاءِ: آنکھ کا ذکر رونے سے ہے، کانوں کا ذکر حق بات کو خوب توجہ سے سننا ہے، زبان کا ذکر اللہ کی حمد و تعریف کرنے سے ہے، ہاتھوں کا ذکر اللہ کے راستے میں دینے سے ہے، بدن کا ذکر اللہ کے احکام پر عمل کرنا ہے، دل کا ذکر اللہ تعالیٰ سے ڈرنے اور امید سے ہے، اور روح کا ذکر تسلیم و رضا سے ہے۔ (۱)

باب: عَنْ أَبِي سَعِيْدِ الْخُدْرِيِّ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سُئِلَ أَيُّ الْعِبَادِ أَفْضَلُ دَرَجَةً عِنْدَ اللّٰهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ؟ قَالَ: الذَّاكِرُونَ اللّٰهَ كَثِيْرًا وَالذَّاكِرَاتُ. قَالَ: قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ: وَمِنَ الْغَازِيْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ؟ قَالَ: لَوْ ضَرَبَ بِسَيْفِهِ فِي الْكُفَّارِ وَالْمُشْرِكِيْنَ حَتّٰى يَنْكَسِرَ وَيَخْتَضِبَ دَمًا لَكَانَ الذَّاكِرُونَ اللّٰهَ كَثِيْرًا أَفْضَلَ مِنْهُ دَرَجَةً. (۲)

حضرت ابو سعید خدری سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے پوچھا گیا کہ قیامت کے دن اللہ کے نزدیک کونسے بندے درجہ کے اعتبار سے افضل ہوں گے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: کثرت سے اللہ کا ذکر کرنے والے مرد اور عورتیں، میں نے پوچھا یا رسول اللہ: کیا وہ اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والوں سے بھی افضل ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اگر مجاہد اپنی تلوار سے کفار اور مشرکین کو مارے یہاں تک کہ وہ تلوار ٹوٹ جائے اور وہ مجاہد یا اس کی تلوار خون سے لت پت ہو جائے تب بھی کثرت سے اللہ کا ذکر کرنے والوں کا درجہ اس مجاہد سے افضل ہے۔

عَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ، قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَلَا أُنَبِّئُكُمْ بِخَيْرِ أَعْمَالِكُمْ، وَأَزْكَاهَا عِنْدَ مَلِيْكِكُمْ، وَأَرْفَعِهَا فِيْ دَرَجَاتِكُمْ وَخَيْرٍ لَكُمْ مِنْ إِنْفَاقِ الذَّهَبِ وَالْوَرِقِ، وَخَيْرٍ لَكُمْ مِنْ أَنْ تَلْقَوْا عَدُوَّكُمْ فَتَضْرِبُوا أَعْنَاقَهُمْ وَيَضْرِبُوا أَعْنَاقَكُمْ؟ قَالُوا: بَلٰى. قَالَ: ذِكْرُ اللّٰهِ تَعَالٰى، قَالَ مُعَاذُ بْنُ جَبَلٍ: مَا شَيْءٌ أَنْجٰى مِنْ عَذَابِ اللّٰهِ مِنْ ذِكْرِ اللّٰهِ. (۳)

حضرت ابوالدرداء کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کیا میں تمہیں ایک ایسے عمل سے آگاہ نہ کروں، جو تمہارے اعمال میں سب سے بہتر، تمہارے بادشاہ کے نزدیک بہت پاکیزہ، تمہارے درجات بہت بلند اور تمہارے لیے سونا اور چاندی کو خرچ کرنے سے افضل ہے اور اس سے بہتر ہے کہ تم اپنے دشمنوں (یعنی کفار) سے ملو اور تم ان کی گردنیں مارو اور وہ تمہاری گردنیں ماریں؟ صحابہ نے عرض کیا: کیوں نہیں (ضرور بتا دیجئے) آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کا ذکر، حضرت معاذ بن جبل ؓ فرماتے ہیں کہ اللہ کے ذکر سے بڑھ کر ایسی کوئی چیز نہیں، جو اللہ کے عذاب سے نجات دینے والی ہو)۔

---

(۱) فتح الباری ۲۵۰/۱۱، کتاب الدعوات، باب فضل ذکر اللہ عز و جل، ارشاد الساری ۲۰۳/۱۳

(۲) مسند احمد ۷۵/۳، عن ابی سعید الخدری۔

(۳) سنن ابن ماجۃ، کتاب الأدب، باب فضل الذکر، رقم: ۳۷۹۰

مشکل الفاظ کے معنی: ینکسر: وہ تلوار ٹوٹ جائے، یختضب دما: اس فعل کی ضمیر غازی اور تلوار دونوں کی طرف لوٹ سکتی ہے، معنی یہ ہوں گے: وہ مجاہد خون سے لت پت ہو جائے یعنی شہید ہو جائے یا اس مجاہد کی تلوار خون آلود ہو جائے، از کاھا: (اسم تفضیل) سب سے پاکیزہ عمل، زیادہ برکت والا عمل، عند ملیککم: تمہارے بادشاہ یعنی اللہ کے ہاں، ان تلقوا عدوکم: یہ کہ تم اپنے دشمن سے ملو یعنی لڑو، الورق: (راء کے نیچے زیر) چاندی، انجی: (اسم تفضیل) زیادہ نجات کا باعث بننے والی چیز۔

کیا ذاکرین مجاہدین سے افضل ہیں

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ وہ لوگ جو کثرت سے پابندی کے ساتھ اللہ جل جلالہ کا ذکر کرتے ہیں، اس کے احکام کے مطابق عمل کرتے ہیں، وہ اللہ کے ہاں درجہ اور مقام کے لحاظ سے اس مجاہد سے افضل ہیں، جو اللہ کی راہ میں مقابلہ کرتا ہوا شہید ہو جائے۔

یہاں دو قسم کی احادیث میں تعارض ہے، وہ اس طرح کہ ترمذی کی مذکورہ روایت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کا ذکر کرنے والا میدان جہاد میں اپنی جان، کا نذرانہ پیش کرنے والے مجاہد سے بھی افضل ہے، جبکہ جہاد سے متعلق فضیلت والی احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کے راستے میں جہاد کرنے والا، اللہ کا ذکر کرنے والوں اور دیگر تمام اعمال صالحہ کرنے والوں سے افضل ہے، بظاہر ان دونوں باتوں میں تعارض سا ہے، اس تعارض کو تین طرح سے حل کیا گیا ہے:

۱۔ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اصل فضیلت ذکر اللہ اور ذاکرین کی ہے، کیونکہ یہ بذات خود ایک عبادت ہے، جبکہ جہاد اصلاً عبادت نہیں، اس میں انسانی جانوں اور مال و دولت کا ضیاع ہوتا ہے، لیکن چونکہ اس کے ذریعے اسلامی نظام کا نفاذ، دین کی سربلندی اور مسلمانوں کے لئے دینی احکام پر عمل کرنا آسان ہو جاتا ہے، اس لئے ان خصوصیات کی وجہ سے اسے ایک جزوی فضیلت ضرور حاصل ہے۔ (۱)

۲۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ایسا کامل ذکر، جس میں انسان کی زبان اللہ کے ذکر میں مشغول ہو اور دل سے بھی وہ پوری طرح اللہ کی طرف متوجہ ہو، تو یہ ذکر اس جہاد سے افضل ہے، جس میں انسان کا دل اللہ کی طرف متوجہ نہ ہو، اور ایسے ہی وہ جہاد جس میں ظاہری اعمال کے ساتھ اس مجاہد کا دل بھی اللہ کی طرف متوجہ ہو، اس ذکر سے افضل ہے، جس میں محض زبان سے ذکر کیا جائے، گویا ایک لحاظ سے ذکر جہاد سے افضل ہے اور ایک لحاظ سے جہاد ذکر سے افضل ہے۔ (۲)

۳۔ علامہ عینی رحمہ اللہ نے امام قفال کبیر شافعی شاشی یعنی ابو بکر محمد بن علی رحمہ اللہ کے حوالے سے لکھا ہے کہ یہ احادیث مختلف احوال اور اشخاص کے اعتبار سے ہیں، بعض احوال اور افراد کے لحاظ سے ایک چیز افضل ہوتی ہے اور بعض کے اعتبار سے دوسری چیز

---

(۱) الکوکب الدری ۳۳۲/۴

(۲) فتح الباری ۲۵۱/۱۱، کتاب الدعوات، باب فضل ذکر اللہ عز و جل

افضل ہوتی ہے، اگر کفار مسلمانوں پر حملہ کردیں، جس کی وجہ سے نفیر عام کا حکم ہوجائے، تو ایسی حالت میں جہاد کا عمل سب سے افضل عمل ہوگا، اور جیسے ایک حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے حج نہیں کیا، اس کے لئے حج کرنا چالیس غزوات میں شرکت سے افضل ہے، اور جو حج فرض کر چکا ہو، اس کے لئے جہاد کرنا، چالیس مرتبہ حج کرنے سے افضل ہے، اس سے معلوم ہوا کہ ذکر اور جہاد میں سے ہر عمل بعض حالات اور بعض لوگوں کے اعتبار سے افضل ہے اور بعض کے لحاظ سے افضل نہیں ہے۔(۱)

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْقَوْمِ يَجْلِسُونَ فَيَذْكُرُونَ اللهَ عَزَّ وَجَلَّ مَا لَهُمْ مِنَ الْفَضْلِ

یہ باب ان لوگوں کی فضیلت کے بارے میں ہے، جو بیٹھ کر اللہ جل شانہ کا ذکر کرتے ہیں

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ وَأَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ، أَنَّهُمَا شَهِدَا عَلَى رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ: مَا مِنْ قَوْمٍ يَذْكُرُونَ اللهَ إِلَّا حَفَّتْ بِهِمُ الْمَلَائِكَةُ، وَغَشِيَتْهُمُ الرَّحْمَةُ، وَنَزَلَتْ عَلَيْهِمُ السَّكِينَةُ، وَذَكَرَهُمُ اللهُ فِيمَنْ عِنْدَهُ.(۲)

حضرت ابوسعید خدری اور حضرت ابو ہریرہؓ دونوں اس بات کی گواہی دیتے ہیں (یعنی انہوں نے سنا) کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو لوگ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے ہیں، فرشتے انہیں گھیر لیتے ہیں، اور رحمت انہیں ڈھانپ لیتی ہے اور ان پر سکینہ نازل ہوتا ہے، اور اللہ تعالیٰ ان کو اپنے پاس موجود فرشتوں کی جماعت میں یاد کرتے ہیں۔

عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ، قَالَ: خَرَجَ مُعَاوِيَةُ إِلَى الْمَسْجِدِ فَقَالَ: مَا يُجْلِسُكُمْ؟ قَالُوا: جَلَسْنَا نَذْكُرُ اللهَ، قَالَ: آللهِ مَا أَجْلَسَكُمْ إِلَّا ذَاكَ؟ قَالُوا: وَاللهِ مَا أَجْلَسَنَا إِلَّا ذَاكَ. قَالَ: أَمَا إِنِّي لَمْ أَسْتَحْلِفْكُمْ تُهْمَةً لَكُمْ، وَمَا كَانَ أَحَدٌ بِمَنْزِلَتِي مِنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَقَلَّ حَدِيثًا عَنْهُ مِنِّي، إِنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَرَجَ عَلَى حَلْقَةٍ مِنْ أَصْحَابِهِ فَقَالَ: مَا يُجْلِسُكُمْ؟ قَالُوا: جَلَسْنَا نَذْكُرُ اللهَ وَنَحْمَدُهُ لِمَا هَدَانَا لِلْإِسْلَامِ وَمَنَّ عَلَيْنَا بِهِ، فَقَالَ: آللهِ مَا أَجْلَسَكُمْ إِلَّا ذَاكَ؟ قَالُوا: آللهِ مَا أَجْلَسَنَا إِلَّا ذَاكَ. قَالَ: أَمَا إِنِّي لَمْ أَسْتَحْلِفْكُمْ لِتُهْمَةٍ لَكُمْ، إِنَّهُ أَتَانِي جِبْرِيلُ وَأَخْبَرَنِي أَنَّ اللهَ يُبَاهِي بِكُمُ الْمَلَائِكَةَ.(۳)

حضرت ابوسعید خدری فرماتے ہیں کہ (ایک مرتبہ) حضرت معاویہ مسجد میں آئے تو پوچھا کہ کس چیز نے تمہیں یہاں بٹھایا ہے؟ لوگوں نے کہا کہ ہم اللہ کے ذکر کے لئے بیٹھے ہیں، حضرت معاویہؓ نے فرمایا: اللہ کی قسم کیا واقعی تم اسی لئے

---

(۱) عمدۃ القاری ۱/۱۸۹، کتاب الایمان، باب من قال ان الایمان ہو العمل، الکوکب الدری ۴/۳۳۳

(۲) الصحیح لمسلم، کتاب الذکر والدعاء، باب فضل الاجتماع علی تلاوۃ القرآن، رقم: ۲۷۰۰، سنن ابن ماجۃ، کتاب الأدب، باب فضل الذکر، رقم: ۳۷۹۱۔

(۳) الصحیح لمسلم، کتاب الذکر والدعاء، باب فضل الاجتماع، رقم: ۲۷۰۱۔

بیٹھے ہو، انہوں نے عرض کیا: اللہ کی قسم ہم واقعی اسی لئے بیٹھے ہیں، پھر حضرت معاویہؓ نے فرمایا: میں کسی تہمت کی وجہ سے تم سے قسم نہیں لے رہا، (بات یہ ہے کہ) کوئی صحابی بھی رسول اللہ ﷺ کے ہاں (قرب کے لحاظ سے) میرے درجے میں نہیں تھا، اس کے باوجود میں (زیادہ احتیاط کی وجہ سے) رسول اللہ ﷺ سے بہت کم احادیث روایت کرتا ہوں، واقعہ یہ ہے کہ (ایک مرتبہ) رسول اللہ ﷺ اپنے صحابہ کے ایک حلقہ کی طرف تشریف لائے، آپ ﷺ نے پوچھا کہ تم کیسے بیٹھے ہو؟ انہوں نے عرض کیا: ہم بیٹھ کر اللہ کا ذکر اور اس کی تعریف کر رہے ہیں، جس نے ہمیں اسلام کی ہدایت دی اور اس کی وجہ سے ہم پر اس نے احسان کیا، آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ کی قسم کیا تم لوگ اسی لئے بیٹھے ہو، انہوں نے عرض کیا: اللہ کی قسم ہم اسی لئے بیٹھے ہیں، پھر آپ ﷺ نے فرمایا: میں تم سے کسی تہمت (اور جھوٹ) کی وجہ سے قسم نہیں لے رہا، بات یہ ہے کہ جبرئیل امین میرے پاس آئے، اور انہوں نے بتایا کہ اللہ تعالیٰ فرشتوں کے سامنے تمہاری وجہ سے فخر کر رہے ہیں۔

مشکل الفاظ کے معنی: شهدا: ان دونوں حضرات نے گواہی دی، یہاں اس سے سماع اور سننا مراد ہے، تاکید کے طور پر یہ لفظ استعمال کیا گیا ہے، حفت بهم: فرشتے ان کو گھیر لیتے ہیں، السکینة: سکون قلب، اطمینان، بعض کے نزدیک سکینة سے: رحمت مراد ہے مگر اسے ضعیف قرار دیا گیا ہے، اللہ: لفظ اللہ پر دو طرح کا اعراب پڑھا جا سکتا ہے: (۱) اس میں ہمزہ استفہام حرف قسم کے بدلے میں ہے، اور لفظ ''اللہ'' مجرور ہے: اللہ کی قسم، (۲) علامہ طیبی فرماتے ہیں کہ لفظ اللہ پر زبر ہے یعنی منصوب بنزع الخافض ہے، اصل عبارت یوں ہے: أتقسمون باللہ پھر فعل اور با کو حذف کر دیا گیا، من به علینا: اللہ نے اسلام کے ذریعہ ہم پر احسان کیا، انی لم استحلفکم: میں تم سے قسم نہیں لے رہا، یباهی بکم: اللہ تعالیٰ تمہاری وجہ سے فخر کرتے ہیں، انه اتانی جبرئیل: انه میں ''ہ'' ضمیر شان ہے۔

ذکر کرنے والوں کی فضیلت

مذکورہ احادیث میں ذاکرین کی فضیلت بیان کی گئی ہے، جس کی تفصیل یہ ہے:

۱۔ جب لوگ اجتماعی شکل میں اللہ کو یاد کرتے ہیں تو ان پر آسمان سے سکینہ نازل ہوتا ہے اور اللہ کی رحمت ان کو ڈھانپ لیتی ہے، اور اللہ تعالیٰ فرشتوں کی جماعت میں ان کا تذکرہ کرتے ہیں اور ان کے سامنے فخر کرتے ہیں۔

۲۔ ''سکینہ'' سے دل کا سکون و اطمینان اور اس کی وہ مخصوص کیفیت مراد ہے، جس کی وجہ سے انسان کی نظر دنیا کی لذتوں اور خواہشات سے اٹھ جاتی ہے، اور اللہ جل شانہ کے ساتھ ایک خاص قسم کا تعلق قائم ہو جاتا ہے۔

۳۔ ''اما انی لم استحلفکم لتهمة لکم'' نبی کریم ﷺ نے اس ذکر کی اہمیت اور صحابہ کو خوش کرنے کے لئے یہ فرمایا کہ میں تم سے کسی تہمت کی وجہ سے قسم نہیں لے رہا، پھر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے بھی جب ذاکرین کا حلقہ دیکھا تو نبی کریم

صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی میں ان سے بھی قسم لی۔

"وما كان احد بمنزلتی....." حضرت معاویہؓ کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا بڑا قرب حاصل تھا، ان کی بہن حضرت ام حبیبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ مطہرہ ہیں، آپ کاتبین وحی میں سے تھے، اس قرب کا تقاضا تو یہ تھا کہ حضرت معاویہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کثرت سے روایت حدیث کرتے، لیکن وہ فرماتے ہیں کہ میری روایت کردہ احادیث کم ہیں، کیونکہ میں حدیث کو روایت کرنے میں بہت احتیاط کرتا ہوں۔

۴۔ اس روایت سے درس وتدریس، بیان وخطاب اور ذکر کے اجتماعی حلقوں کا جواز ثابت ہوتا ہے۔

۵۔ حدیث کے آخری جملے "ان الله يباهي بكم الملائكة" کا مطلب یہ ہے کہ ذاکرین کے اجتماعی حلقے کو دیکھ کر اللہ تعالیٰ فرشتوں کے سامنے بطور فخر کے فرماتے ہیں کہ میرے ان بندوں کو دیکھو، جن کے ساتھ نفس وشیطان اور نفسانی خواہشات کے تقاضے موجود ہیں، اس کے باوجود استقامت کے ساتھ وہ میری عبادت کرتے ہیں، میری یاد میں مشغول رہتے ہیں، اس لئے مجھے ان پر فخر ہے، لہذا میں انہیں اپنے مزید انعامات سے نوازوں گا۔(۱)

ذکر بالجہر اور اس کے اجتماعی حلقوں کا حکم

"ذکر" بلند آواز سے کرنا بہتر ہے یا آہستہ آواز سے، اس بارے میں احادیث دونوں قسم کی منقول ہیں، بعض سے بلند آواز سے ذکر کرنے کی فضیلت ثابت ہوتی ہے، جبکہ بعض سے آہستہ انداز سے، اس بناء پر محقق علماء کا مسلک یہی ہے کہ ذکر دونوں طرح جائز ہے آہستہ آواز سے بھی اور بلند آواز سے بھی، احادیث میں جو بظاہر تعارض ہے، ان میں شارحین حدیث نے یوں تطبیق دی ہے کہ یہ حکم مخصوص حالات، اشخاص اور افراد کے لحاظ سے بدلتا رہتا ہے، اگر ریاکاری کا اندیشہ ہو یا بلند آواز سے ذکر کرنے سے کسی نمازی کی نماز میں خلل واقع ہو یا کسی کی نیند خراب ہو یا کسی مریض وغیرہ کو اس سے تکلیف ہوتی ہو تو پھر آہستہ آواز سے ذکر کرنا افضل ہے، اور اگر ان میں سے کوئی خرابی نہ ہو، ریاکاری وغیرہ تو پھر بلند آواز سے ذکر کرنا بہتر ہے، کیونکہ اس سے اس ذکر کرنے والے کو خود بھی بہت فائدہ ہوتا ہے، سامعین کی غفلت اور بے فکری بھی اس سے دور ہوتی ہے اور دلوں کو اس سے خاص انوار وبرکات اور سکون حاصل ہوتا ہے، لہذا اگر کسی پابند شریعت شیخ کامل نے اصلاح کی غرض سے کسی مرید کے مخصوص حالات کے پیش نظر اسے بلند آواز سے ذکر کرنے کا کہا ہو تو اس کے لیے جہراً ذکر کرنا جائز ہے، اسی طرح اگر کوئی بزرگ تربیتی نقطہ نظر سے ذکر بالجہر کے اجتماعی حلقے قائم کرے تو یہ بھی شرعاً جائز ہے، لیکن دو شرطوں کے ساتھ:

- جہراً ذکر سے کسی کو تکلیف نہ پہنچے، جس کی تفصیل اوپر آچکی ہے۔
- بلند آواز سے ذکر کرنے کو اصل عبادت اور ضروری نہ سمجھا جائے، بلکہ اسے محض علاج کے طور پر اختیار کیا جائے۔

---

(۱) مرقاۃ المفاتیح ۵/۱۶۰ کتاب الدعوات، باب ذکر اللہ عز وجل، الفصل الثالث، شرح الطیبی ۴/۳۴۰

اس تفصیل سے یہ بات واضح ہوگئی ہے کہ بلند آواز سے ذکر کرنا بعض افراد کے لیے مخصوص حالات میں افضل ہے، یہ بدعت نہیں، کیونکہ قرآن وحدیث میں جہراً ذکر کا بھی ثبوت موجود ہے، چند دلائل پیش خدمت ہیں:

۱۔ وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ مَنَعَ مَسَاجِدَ اللّٰهِ أَنْ يُذْكَرَ فِيهَا اسْمُهُ۔ (سورۃ البقرہ:۱۱۴) (اور اس شخص سے بڑا ظالم کون ہوگا جو لوگوں کو اللہ کی مسجدوں میں ان کا ذکر کرنے سے منع کرے)

اس آیت سے دو باتیں ثابت ہوتی ہیں:۱۔ بلند آواز سے ذکر جائز ہے، کیونکہ ذکر سے منع کرنا جب ہی ہوسکتا ہے جب وہ جہراً کیا جائے۔ ۲۔ کئی لوگوں کا جمع ہوکر اجتماعی مجلس ذکر قائم کرنا بھی جائز ہے۔

۳۔ صحیح مسلم میں حضرت عبداللہ بن زبیر سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے بعد بلند آواز سے یہ کلمات پڑھتے تھے:

لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ، لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ۔(۱)

۴۔ ترمذی کی اس باب کی مذکورہ دو روایتوں سے بھی ذکر بالجہر کی افضلیت ثابت ہوتی ہے۔

۴۔ سنن ترمذی، ابواب الدعوات میں حدیث نمبر:۳۵۱۰ ہے، جس میں حضرت انس سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: إِذَا مَرَرْتُمْ بِرِيَاضِ الْجَنَّةِ فَارْتَعُوا، قَالَ: وَمَا رِيَاضُ الْجَنَّةِ؟ قَالَ: حِلَقُ الذِّكْرِ (جب تم لوگ ریاض الجنۃ یعنی جنت کے باغات کے پاس سے گذرو، تو چرلیا کرو، تو حضرت انس نے پوچھا کہ ریاض الجنۃ سے کیا مراد ہے؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ذکر کے اجتماع اور حلقے۔)

اس کے علاوہ اور بھی بے شمار دلائل ہیں جن سے ذکر بالجہر کا جواز بعض حالات میں اس کی افضلیت اور اجتماعی مجلس ذکر کا جواز ثابت ہوتا ہے۔(۲)

بَابٌ فِي الْقَوْمِ يَجْلِسُونَ وَلَا يَذْكُرُونَ اللّٰهَ

یہ باب ان لوگوں (کی حسرت) کے بارے میں ہے، جو بیٹھتے ہیں اور اللہ کو یاد نہیں کرتے

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: مَا جَلَسَ قَوْمٌ مَجْلِسًا لَمْ يَذْكُرُوا اللّٰهَ فِيهِ، وَلَمْ يُصَلُّوا عَلَى نَبِيِّهِمْ، إِلَّا كَانَ عَلَيْهِمْ تِرَةً، فَإِنْ شَاءَ عَذَّبَهُمْ وَإِنْ شَاءَ غَفَرَ لَهُمْ.(۳)

---

(۱) الصحیح لمسلم ۲۱۸/۱، کتاب الصلاۃ باب استحباب الذکر بعد الصلاۃ

(۲) رد المحتار ۳۹۸/۶، کتاب الحظر والاباحۃ، الفتاوی الخیریۃ ۱۸۱/۲، ط: بولاق مصر، حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح (ص:۱۷۴) ط: قدیمی کراچی، امداد الفتاوی ۱۶۶/۵ کتاب السلوک، حکم ذکر جلی، امداد المفتین ۲۲۱، کتاب الذکر والدعاء، ذکر جہر کے متعلق معتدل فیصلہ، ذکر اجتماعی و جہری (ص:۹۷)) مفتی رضاء الحق صاحب، فتاویٰ عثمانی ۲۶۰/۱، کتاب الذکر والدعاء، ذکر جہراً افضل ہے یا سراً۔

(۳) سنن ابو داؤد، کتاب الادب، باب کراھیۃ ان یقوم الرجل من مجلسہ

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو لوگ کسی ایسی مجلس میں بیٹھیں، جس میں وہ نہ تو اللہ کا ذکر کریں اور نہ ہی اپنے نبی پر درود بھیجیں، تو وہ مجلس ان کے لئے باعث حسرت اور افسوس ہوگی، اب چاہے تو اللہ تعالیٰ انہیں عذاب دے اور چاہے تو انہیں بخش دے۔

مشکل الفاظ کے معنی: ترۃ: (تا کے نیچے زیر اور را پر زبر) حسرت، افسوس، سامان حسرت۔ **ولم یصلوا**: اور وہ درود نہ بھیجیں۔

جس مجلس میں اللہ کا ذکر نہ ہو اس کا حکم

اگر مجلس میں بالکل ہی ذکر نہ کیا جائے تو اللہ تعالیٰ اس گناہ اور ان کے دیگر گناہوں کی وجہ سے اہل مجلس کو عذاب میں مبتلی کر سکتے ہیں، اس حدیث سے اس طرف اشارہ ہے کہ اگر اہل مجلس اللہ جل شانہ کو یاد کریں تو اللہ تعالیٰ ان کو عذاب میں مبتلی نہیں کرتا بلکہ یقینی طور پر ان کی مغفرت کر دیتا ہے، اور فان شاء عذبھم و ان شاء غفر لھم یہ اسلوب زجر و وعید اور ڈرانے کے لیے ہے، تا کہ لوگ مجلس میں کوئی گناہ نہ کریں، بلکہ اللہ جل شانہ کو یاد کرتے رہیں۔ (۱)

بَابُ مَا جَاءَ أَنَّ دَعْوَةَ الْمُسْلِمِ مُسْتَجَابَةٌ

یہ باب اس بیان میں ہے کہ مسلمان کی دعا کو قبول کیا جاتا ہے

عَنْ جَابِرٍ، قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: مَا مِنْ أَحَدٍ يَدْعُو بِدُعَاءٍ إِلَّا آتَاهُ اللَّهُ مَا سَأَلَ، أَوْ كَفَّ عَنْهُ مِنَ السُّوءِ مِثْلَهُ، مَا لَمْ يَدْعُ بِإِثْمٍ أَوْ قَطِيعَةِ رَحِمٍ. (۲)

حضرت جابر فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جب کوئی شخص کوئی دعا کرتا ہے، تو ضرور اللہ تعالیٰ اسے یا تو وہی چیز عطا کر دیتے ہیں، جو اس نے مانگی ہے یا اس دعا کے برابر اس سے کسی برائی کو دور کر دیتے ہیں، جب تک کہ وہ کسی گناہ یا رشتہ کو توڑنے کی دعا نہ کرے۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَنْ سَرَّهُ أَنْ يَسْتَجِيبَ اللَّهُ لَهُ عِنْدَ الشَّدَائِدِ وَالْكُرَبِ فَلْيُكْثِرِ الدُّعَاءَ فِي الرَّخَاءِ. (۳)

حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس کو یہ بات اچھی لگتی ہے کہ اللہ تعالیٰ سختیوں اور غموں کے وقت بھی اس کی دعا کو قبول کرے، تو اسے چاہیے کہ وہ خوشحالی کے زمانے میں اللہ تعالیٰ سے کثرت سے مانگا کرے۔

---

(۱) مرقاۃ المفاتیح ۵/۱۵۷، رقم الحدیث: ۲۲۷۴
(۲) مسند احمد ۳/۳۶۰، عن جابر بن عبد اللہ۔
(۳) المستدرک للحاکم ۱/۵۴۴۔

عَنْ جَابِرِ بْنَ عَبْدِ اللهِ، يَقُولُ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: أَفْضَلُ الذِّكْرِ لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ، وَأَفْضَلُ الدُّعَاءِ الْحَمْدُ لِلَّهِ.(۱)

حضرت جابر بن عبداللہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ: سب سے زیادہ فضیلت والا ذکر: لا الہ الا اللہ ہے اور سب سے افضل دعا: الحمد للہ ہے۔

عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَذْكُرُ اللهَ عَلَى كُلِّ أَحْيَانِهِ.(۲)

حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ہر وقت اللہ جل شانہ کا ذکر کرتے رہتے تھے۔

مشکل الفاظ کے معنی: او کف عنه: یا اس سے اللہ تعالیٰ دور کر دیتے ہیں، من سرّه: جس کو یہ بات خوش کرتی ہے، شدائد: شدیدۃ کی جمع ہے: مصیبت، سختی، کرب: (کاف پر پیش اور را پر زبر) کربۃ کی جمع ہے: سخت غم، رنج و ملال، پریشانی، علی کل احیانه: حین کی جمع ہے: اپنے تمام اوقات میں، رخاء: (را پر زبر) صحت و عافیت اور خوشحالی۔

مسلمان کی دعا کب قبول ہوتی ہے

مذکورہ احادیث سے درج ذیل امور ثابت ہوتے ہیں:

۱۔ جب کوئی مسلمان دعا کرتا ہے تو اس کو تین باتوں میں سے کوئی ایک بات ضرور حاصل ہو جاتی ہے، یا تو اس کو وہ چیز عطا کر دی جاتی ہے، جس کا وہ سوال کر رہا ہوتا ہے، یا اس کی برکت سے کوئی آفت، بیماری وغیرہ کو دور کر دیا جاتا ہے یا اس دعا کو آخرت میں ذخیرہ کر دیا جاتا ہے، لیکن دعا کی قبولیت کے لئے چند شرائط کا پایا جانا ضروری ہے، جن کی تفصیل یہ ہے:

- پوری توجہ، اخلاص اور دلجمعی سے دعا کی جائے۔
- اس یقین کے ساتھ دعا کی جائے کہ اللہ تعالیٰ میری دعا کو قبول فرماتے ہیں۔
- دعا میں کوئی گناہ کی بات نہ ہو اور نہ رشتے توڑنے کی دعا ہو۔
- آدمی کا کھانا پینا رزق حلال سے ہو، اگر حرام سے کھانا پینا ہوا تو دعا قبول نہ ہوگی۔
- دعا کی قبولیت میں جلد بازی نہ کرے، جب اللہ چاہیں گے تو اس کے اثرات ظاہر فرما دیں گے۔

ان شرائط اور آداب کا لحاظ کیا جائے تو اللہ تعالیٰ ایک مسلمان کی دعا کو ضرور قبول فرماتے ہیں۔

۲۔ خوش حالی کے زمانے میں جب انسان کی صحت و تندرستی، فرصت و فراغت اور عافیت و سکون ہو تو اس وقت اللہ جل شانہ کی خوب عبادت کرنی چاہیے، اور اس موقع پر دعا کا اہتمام کیا جائے تو مشکلات اور مصائب کے وقت اللہ تعالیٰ دعا کو ضرور قبول کر

---

(۱) سنن ابن ماجة، كتاب الأدب، باب فضل الحامدين، رقم: ۳۸۰۰

(۲) الصحيح لمسلم، كتاب الحيض، باب ذكر الله تعالى في حالة الجنابة، رقم: ۳۷۳

لیتے ہیں۔

۳۔ نبی کریم ﷺ قضاء حاجت اور جماع کے علاوہ ہر وقت اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے تھے، اس لئے مسلمانوں کو بھی اس سنت پر پابندی سے عمل کرنا چاہیے، اور سب سے افضل ذکر لا الہ الا اللہ ہے، اس لیے کہ یہ کلمہ توحید ہے، جو کفر اور اسلام میں فرق کرتا ہے، اور الحمد للہ سب سے فضیلت والی دعا ہے، شارحین نے اس کی دو وجہیں لکھی ہیں:

- دعا میں انسان اللہ کو یاد کرتا ہے، اور اس سے اپنی حاجت مانگتا ہے، الحمد للہ میں یہ دونوں باتیں پائی جاتی ہیں۔
- یہ بھی ہوسکتا ہے کہ الحمد للہ سے حقیقت میں اهدنا الصراط المستقیم کی طرف اشارہ ہو، ظاہر ہے کہ سیدھے راستے کی ہدایت کی دعا سے بڑھ کر کوئی دعا افضل نہیں، اس لیے الحمد للہ کو افضل دعا کہا گیا ہے۔(۱)

بَاب مَا جَاءَ أَنَّ الدَّاعِيَ يَبْدَأُ بِنَفْسِهِ

یہ باب اس حدیث پر مشتمل ہے، جس میں ہے کہ دعا کرنے والا پہلے اپنے لئے دعا کا آغاز کرے

عَنْ أُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ إِذَا ذَكَرَ أَحَدًا فَدَعَا لَهُ بَدَأَ بِنَفْسِهِ.(۲)

حضرت ابی بن کعب کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب کسی کا ذکر فرماتے ہوئے ان کے لئے دعا کرنے کا ارادہ کرتے تو پہلے اپنے لئے دعا مانگتے۔

پہلے اپنے لئے دعا کی جائے

مذکورہ حدیث سے دعا کا ایک ادب معلوم ہوا کہ جب انسان دعا کرے تو پہلے اپنے لئے کرے پھر دوسروں کے لئے دعا کرے، کیونکہ خود کو چھوڑ کر دوسروں کے لئے دعا کرنا اس میں ایک گونہ اعراض اور دعا سے بے رخی کا وہم ہوتا ہے، جو درست نہیں۔(۳)

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس حدیث کے بعد بعض ایسی روایات ذکر کی ہیں، جن میں نبی کریم ﷺ نے صرف دوسروں کے لئے دعا کی ہے، اپنا ذکر نہیں کیا، اس سے معلوم ہوا کہ اگر کبھی کسی کا تذکرہ آجائے یا کسی نے کوئی احسان کیا ہو، تو ایسے موقع پر اپنا ذکر کئے بغیر متعلقہ آدمی کے لئے دعا کی جاسکتی ہے، اس میں کوئی ممانعت نہیں۔(۴)

---

(۱) مرقاۃ المفاتیح ۲۱۷/۵، کتاب الدعوات باب ثواب التسبیح، رقم: ۲۳۰۶، تحفۃ الاحوذی ۳۰۳/۹

(۲) سنن ابی داؤد، کتاب الحروف والقراءات، رقم الحدیث: ۳۹۸۴

(۳) الکوکب الدری ۳۳۵/۴

(۴) فتح الباری ۱۶۴/۱۱ کتاب الدعوات، باب قول اللہ تعالی وصل علیهم

بَابُ مَا جَاءَ فِي رَفْعِ الأَيْدِي عِنْدَ الدُّعَاءِ

یہ باب دعاء کے وقت ہاتھ اٹھانے کے بیان میں ہے

عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ، قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا رَفَعَ يَدَيْهِ فِي الدُّعَاءِ، لَمْ يَحُطَّهُمَا حَتَّى يَمْسَحَ بِهِمَا وَجْهَهُ، قَالَ مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى فِي حَدِيثِهِ: لَمْ يَرُدَّهُمَا حَتَّى يَمْسَحَ بِهِمَا وَجْهَهُ.

حضرت عمر بن خطاب ؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب دعا کے لئے ہاتھ اٹھاتے تو ان کو نیچے نہ لاتے، یہاں تک کہ ان دونوں ہاتھوں کو اپنے چہرے پر پھیرتے تھے، اور محمد بن مثنی کی حدیث میں لم یحطھما کی جگہ لم یردھما ہے، دونوں کا مطلب ایک ہی ہے۔

مشکل الفاظ کے معنی: لم یحطھما: ان دونوں ہاتھوں کو نیچے نہ لاتے، حتی یمسح بھا: یہاں تک کہ وہ ان دونوں ہاتھوں کو پھیر دیتے۔

ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنے کا ثبوت

بہت سی احادیث میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے دعا میں ہاتھوں کا اٹھانا ثابت ہے، چنانچہ ترمذی کی مذکورہ روایت میں بھی اسی کا ذکر ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہاتھ اٹھا کر دعا مانگتے تھے، اور پھر نیک فالی کے طور پر ان ہاتھوں کو چہرے پر پھیر لیتے تھے کہ گویا اللہ تعالیٰ نے آسمانی برکات، انوار الٰہی اور اپنی رحمت سے انہیں بھر دیا ہے، یہ دعا کے آداب میں سے ہے۔

لیکن یہاں ایک اشکال ہوتا ہے کہ ترمذی کی اور صحیح بخاری کی بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم دعا میں ہاتھ اٹھاتے تھے جبکہ صحیح بخاری میں ہی حضرت انس کی روایت ہے، جس میں وہ فرماتے ہیں: ''لَمْ يَكُنِ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم يَرْفَعُ يَدَيْهِ فِي شَيْءٍ مِنْ دُعَائِهِ إِلَّا فِي الْإِسْتِسْقَاءِ'' ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے استسقاء کے علاوہ دعا میں کبھی ہاتھ نہیں اٹھائے'' بظاہر ان دونوں قسم کی روایات میں تعارض ہے۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ان دونوں روایتوں میں تعارض نہیں، اس لئے کہ حدیث انس کا مطلب یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جس طرح استسقاء میں خوب مبالغہ کے ساتھ دعا میں ہاتھ اٹھاتے تھے کہ ہاتھ چہرہ انور کے برابر آجاتے، اس طرح عام دعا کے وقت ہاتھ اٹھانے کا معمول نہیں تھا، عام دعا میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہاتھ شانوں کے برابر تک اٹھاتے تھے۔

دعا میں ہاتھ کہاں تک اٹھانے چاہئیں، اس سلسلے میں روایات مختلف ہیں، سینے کے برابر، کندھوں کے برابر، چہرے کے برابر اور سر کے برابر، حضرت عبداللہ بن عباس نے سینے کے برابر ہاتھ اٹھانے کو دعا کے آداب میں شمار کیا ہے۔(۱)

---

(۱) فتح الباری ۱۱/۱۷۱ کتاب الدعوات، باب رفع الأیدی فی الدعاء عمدۃ القاری ۲۲/۳۰۱

بَابُ مَا جَاءَ فِيمَنْ يَسْتَعْجِلُ فِي دُعَائِهِ

یہ باب اس شخص کے بارے میں ہے، جو اپنی دعا میں جلد بازی کرے

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: يُسْتَجَابُ لِأَحَدِكُمْ مَا لَمْ يَعْجَلْ، يَقُولُ: دَعَوْتُ فَلَمْ يُسْتَجَبْ لِي. (۱)

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: تم میں سے ہر ایک کی دعا کو قبول کیا جاتا ہے بشرطیکہ وہ جلد بازی سے کام نہ لے کہ یوں کہے: میں نے دعا کی لیکن قبول نہیں ہوئی۔

دعا کی قبولیت میں جلد بازی نہ کی جائے

اس روایت سے معلوم ہوا کہ انسان کو دعا کی قبولیت میں جلد بازی کا مظاہرہ نہیں کرنا چاہیے، کہ یوں کہنے لگے کہ میں نے بار بار دعا مانگی، مگر مجھے نہیں لگتا کہ میری دعا قبول ہو جائے گی، پھر وہ مایوس ہو کر دعا مانگنا چھوڑ دیتا ہے، کیونکہ اگر بالفرض دنیا میں اس دعا کا اثر ظاہر نہ بھی ہو تو آخرت میں تو ضرور اس پر اجر وثواب ملے گا، دعا ایک اہم عبادت ہے، اس میں ہرگز مایوسی کی کیفیت اور اکتاہٹ نہیں ہونی چاہیے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الدُّعَاءِ إِذَا أَصْبَحَ وَإِذَا أَمْسَى

یہ باب ان دعاؤں کے بارے میں ہے جو انسان صبح وشام کے وقت پڑھے

عَنْ عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ، يَقُولُ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَا مِنْ عَبْدٍ يَقُولُ فِي صَبَاحِ كُلِّ يَوْمٍ وَمَسَاءِ كُلِّ لَيْلَةٍ: بِسْمِ اللهِ الَّذِي لَا يَضُرُّ مَعَ اسْمِهِ شَيْءٌ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاءِ، وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ، فَيَضُرَّهُ شَيْءٌ وَكَانَ أَبَانُ، قَدْ أَصَابَهُ طَرَفُ فَالِجٍ، فَجَعَلَ الرَّجُلُ يَنْظُرُ إِلَيْهِ، فَقَالَ لَهُ أَبَانُ: مَا تَنْظُرُ؟ أَمَا إِنَّ الْحَدِيثَ كَمَا حَدَّثْتُكَ، وَلَكِنِّي لَمْ أَقُلْهُ يَوْمَئِذٍ لِيُمْضِيَ اللهُ عَلَيَّ قَدَرَهُ. (۲)

حضرت عثمانؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو شخص روزانہ صبح وشام یہ دعا پڑھے "بسم اللہ الذی لا یضر مع اسمه شیء فی الارض و لا فی السماء و هو السمیع العلم" (اللہ کے نام سے میں شروع

---

(۱) الموطأ للامام مالک، کتاب القرآن، باب ما جاء فی الدعاء، رقم الحدیث: ۲۹، الصحیح للبخاری، کتاب الدعوات، باب یستجاب للعبد... رقم: ۶۳۴۰، الصحیح لمسلم، رقم: ۲۷۳۵

(۲) سنن ابی داؤد، کتاب الأدب، باب ما یقول اذا اصبح، رقم: ۵۰۸۸

کرتا ہوں جس کے نام کے ساتھ آسمان وزمین کی کوئی چیز ضرر نہیں پہنچاسکتی اور وہی سننے والا اور جاننے والا ہے) تو اسے کوئی چیز نقصان نہیں پہنچاسکتی، حدیث کے راوی حضرت ابان کو فالج ہوگیا تھا، تو جو شخص ان سے حدیث سن رہا تھا، تعجب سے ان کی طرف دیکھنے لگا، ابان نے اس سے کہا: تم مجھے کس لئے دیکھ رہے ہو، حدیث تو اسی طرح ہے جیسے میں نے تمہیں بیان کی ہے، لیکن اس (فالج) کی وجہ یہ ہے کہ میں اس دن یہ دعا نہ پڑھ سکا (یعنی مجھے توفیق نہیں ہوئی) تا کہ اللہ تعالیٰ مجھ پر اپنی تقدیر کو نافذ فرمادیں۔

عَنْ ثَوْبَانَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَنْ قَالَ حِينَ يُمْسِي: رَضِيتُ بِاللّٰهِ رَبًّا، وَبِالْإِسْلَامِ دِينًا، وَبِمُحَمَّدٍ نَبِيًّا، كَانَ حَقًّا عَلَى اللّٰهِ أَنْ يُرْضِيَهُ۔(۱)

حضرت ثوبان کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص روزانہ شام کے وقت یہ دعا پڑھے: ”رضیت.....“ (میں اللہ کے پروردگار ہونے، اسلام کے دین ہونے اور محمد ﷺ کے رسول ہونے پر راضی ہوں) تو اللہ پر یہ حق ہے کہ وہ اسے راضی کرے (یعنی اسے بہت زیادہ اجر وثواب عطا کرے)۔

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ، قَالَ: كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أَمْسَى قَالَ: أَمْسَيْنَا وَأَمْسَى الْمُلْكُ لِلّٰهِ، وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ - أُرَاهُ قَالَ -: لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ، وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ، أَسْأَلُكَ خَيْرَ مَا فِي هٰذِهِ اللَّيْلَةِ وَخَيْرَ مَا بَعْدَهَا، وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ شَرِّ هٰذِهِ اللَّيْلَةِ وَشَرِّ مَا بَعْدَهَا، وَأَعُوذُ بِكَ مِنَ الْكَسَلِ وَسُوءِ الْكِبَرِ، وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ عَذَابِ النَّارِ وَعَذَابِ الْقَبْرِ، وَإِذَا أَصْبَحَ قَالَ ذٰلِكَ أَيْضًا: أَصْبَحْنَا وَأَصْبَحَ الْمُلْكُ لِلّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ۔(۲)

حضرت عبداللہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ شام کے وقت یہ دعا پڑھتے تھے: أمسینا.... سے ....عذاب القبر تک (ہم نے اور ساری کائنات نے اللہ کے حکم سے شام کی، تمام تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہیں، جس کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ تنہا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں، حدیث کے راوی حسن بن عبید اللہ کہتے ہیں کہ میرا خیال یہ ہے کہ ابراہیم بن سوید نے اس روایت میں یہ بھی روایت کیا ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ ہی کی بادشاہت ہے اور اس کے لئے ہی تمام تعریفیں ہیں اور وہ ہر چیز پر قادر ہے، اے اللہ میں تجھ سے اس رات اور اس کے بعد کی بھلائی مانگتا ہوں، اور اس رات کے شر اور اس کے بعد آنے والے شر سے پناہ مانگتا ہوں، اور میں سستی اور بڑھاپے کی برائی سے آپ کی پناہ مانگتا ہوں، اور میں جہنم اور قبر کے عذاب سے آپ کی پناہ مانگتا ہوں) پھر جب صبح ہو تو بھی آپ ﷺ اسی طرح دعا کرتے اور امسینا اور امسیٰ کی جگہ اصبحنا اور اصبح کا لفظ ارشاد فرماتے۔

---

(۱) سنن ابی داؤد، رقم الحدیث: ۵۰۷۲

(۲) الصحیح لمسلم، کتاب الذکر والدعاء، باب التعوذ من شر... رقم: ۲۷۲۳

أراه قال فیھا، اس جملے کے قائل حدیث کے راوی حضرت حسن بن عبید اللہ ہیں، اور ''ہ'' ضمیر حضرت ابراہیم بن سوید کی طرف لوٹ رہی ہے، معنی یہ ہیں کہ حسن بن عبید اللہ کہتے ہیں کہ میرا خیال یہ ہے کہ ابراہیم بن سوید نے اس روایت میں ان الفاظ کو بھی ذکر کیا ہے۔(۱)

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُعَلِّمُ أَصْحَابَهُ يَقُولُ: إِذَا أَصْبَحَ أَحَدُكُمْ فَلْيَقُلْ: اللَّهُمَّ بِكَ أَصْبَحْنَا، وَبِكَ أَمْسَيْنَا، وَبِكَ نَحْيَا وَبِكَ نَمُوتُ وَإِلَيْكَ الْمَصِيرُ، وَإِذَا أَمْسَى فَلْيَقُلْ: اللَّهُمَّ بِكَ أَمْسَيْنَا، وَبِكَ أَصْبَحْنَا، وَبِكَ نَحْيَا، وَبِكَ نَمُوتُ، وَإِلَيْكَ النُّشُورُ۔(۲)

حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اپنے صحابہ کو سکھایا کرتے تھے کہ صبح کے وقت یہ دعا پڑھا کرو: ''اللھم بک أصبحنا...... (اے اللہ ہم نے تیرے ہی حکم کے ساتھ صبح کی اور تیرے ہی حکم سے شام کی، اور تیرے ہی حکم سے ہم جیتے ہیں اور تیرے ہی حکم سے ہم مریں گے، اور تیرے ہی طرف ہم نے لوٹنا ہے) اور جب شام ہو تو یہ دعا پڑھا کرو: اللھم بک امسینا..... (اے اللہ ہم نے تیرے ہی حکم سے شام کی ہے، اور تیرے ہی حکم سے ہم نے صبح کی، تیرے ہی حکم سے ہم جیتے ہیں اور تیرے ہی حکم سے ہم مریں گے، اور تیری طرف ہی ہم نے اٹھنا ہے۔)

بَابٌ مِنْهُ: عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ أَبُو بَكْرٍ: يَا رَسُولَ اللَّهِ مُرْنِي بِشَيْءٍ أَقُولُهُ إِذَا أَصْبَحْتُ وَإِذَا أَمْسَيْتُ؟ قَالَ: قُلْ: اللَّهُمَّ عَالِمَ الغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ، فَاطِرَ السَّمَوَاتِ وَالأَرْضِ، رَبَّ كُلِّ شَيْءٍ وَمَلِيكَهُ، أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ، أَعُوذُ بِكَ مِنْ شَرِّ نَفْسِي وَمِنْ شَرِّ الشَّيْطَانِ وَشِرْكِهِ، قَالَ: قُلْهُ إِذَا أَصْبَحْتَ، وَإِذَا أَمْسَيْتَ، وَإِذَا أَخَذْتَ مَضْجَعَكَ۔(۳)

حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ صدیق اکبرؓ نے عرض کیا اے اللہ کے رسول: مجھے ایک ایسی دعا کا حکم کر دیجئے، جسے میں صبح اور شام کے وقت پڑھا کروں، آپ ﷺ نے فرمایا: (یہ دعا پڑھا کریں) اللھم عالم الغیب..... (اے اللہ، اے غیب اور موجود کے جاننے والے، آسمان وزمین کے پیدا کرنے والے، ہر چیز کے پالنے والے اور اے ہر چیز کے مالک: میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ تیرے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، میں تجھ سے اپنے نفس کے شر، شیطان کے شر اور اس کے شرک سے پناہ مانگتا ہوں) آپ ﷺ نے فرمایا: جب تم صبح اور شام کرو اور اپنے بستر کو لو یعنی سوتے وقت اس دعا کو پڑھ لیا کرو۔

مشکل الفاظ کے معنی: لیمضی: (باب افعال) تاکہ اللہ تعالیٰ جاری کر دیں، نافذ کر دیں، فالج: ایک بیماری ہے، جس سے

---

(۱) تحفة الاحوذی ۳۱۲/۹

(۲) سنن ابی داؤد، کتاب الادب، باب مایقول اذا اصبح، رقم: ۵۰۶۸، سنن ابن ماجة، رقم: ۳۸۶۸

(۳) مسند احمد ۴۱/۱ عن ابی بکر الصدیق۔

جسم کا ایک حصہ جام ہو جاتا ہے، اس میں کوئی حرکت نہیں ہوتی، قدرہ: (دال پر زبر) اپنی تقدیر، طے شدہ فیصلہ، سوء الکبر: (کاف کے نیچے زیر اور باء پر زبر) بڑھاپے کی برائی، عمر کا وہ زمانہ جس میں انسان دوسروں کا محتاج ہو جائے، نشور: اٹھنا، لوٹنا۔ و شرکہ: (شین کے نیچے زیر اور راء ساکن) شیطان کے شرک سے یعنی ایسے اعمال اور کاموں سے پناہ مانگتا ہوں، جن کی وجہ سے انسان اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرا لے، اور اس لفظ کو شرک (شین اور را پر زبر کے ساتھ) پڑھا جائے تو اس کے معنی "شیطان کے جال" کے ہوں گے، مطلب یہ ہے کہ میں شیطان کے جال سے پناہ مانگتا ہوں، جس کی وجہ سے وہ لوگوں کو فتنہ میں مبتلی کرتا ہے، مضجعک: اپنے بستر پر۔

صبح وشام کے چند اذکار اور دعائیں

امام ترمذی رحمہ اللہ نے مذکورہ احادیث میں صبح وشام کے چند اذکار ذکر کئے ہیں، جن کی تفصیل یہ ہے:

۱۔ بِسْمِ اللّٰهِ الَّذِيْ لَا يَضُرُّ مَعَ اسْمِهٖ شَيْءٌ فِي الْأَرْضِ وَ لَا فِي السَّمَاءِ وَ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ (اللہ کے نام سے، جس کے نام کے ساتھ آسمان و زمین کی کوئی چیز ضرر نہیں پہنچا سکتی، اور وہی سننے والا اور جاننے والا ہے)

جو شخص ان کلمات کو صبح وشام تین تین بار پڑھ لیا کرے تو اسے کوئی چیز نقصان نہیں پہنچا سکتی، وہ شخص اللہ تعالیٰ کے حفظ و امان میں آجاتا ہے، اور جب اللہ تعالیٰ اس انسان پر اپنی تقدیر کا کوئی خاص حکم نافذ فرمانا چاہتے ہیں تو پھر اسے ان کلمات کے پڑھنے کی توفیق نہیں ہوتی، جیسا کہ اس حدیث کے راوی حضرت ابان نے ایک دن یہ کلمات نہیں پڑھے تو انہیں فالج ہو گیا، کیونکہ اللہ کے ہاں یہی بات طے شدہ تھی۔

۲۔ رَضِيْتُ بِاللّٰهِ رَبًّا وَ بِالْإِسْلَامِ دِيْنًا وَ بِمُحَمَّدٍ نَبِيًّا (میں اللہ کے پروردگار ہونے، اسلام کے دین ہونے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نبی ہونے پر راضی ہوں)

جو شخص صبح وشام یہ کلمات پڑھے تو اللہ تعالیٰ اپنے ذمے کر لیتے ہیں کہ میں اس بندے کو ضرور خوش کروں گا۔

۳۔ أَمْسَيْنَا وَ أَمْسَى الْمُلْكُ لِلّٰهِ، وَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ - أُرَاهُ قَالَ - : لَهُ الْمُلْكُ وَ لَهُ الْحَمْدُ، وَ هُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ، أَسْأَلُكَ خَيْرَ مَا فِيْ هٰذِهِ اللَّيْلَةِ وَ خَيْرَ مَا بَعْدَهَا، وَ أَعُوْذُ بِكَ مِنْ شَرِّ هٰذِهِ اللَّيْلَةِ وَ شَرِّ مَا بَعْدَهَا، وَ أَعُوْذُ بِكَ مِنَ الْكَسَلِ وَ سُوْءِ الْكِبَرِ، وَ أَعُوْذُ بِكَ مِنْ عَذَابِ النَّارِ وَ عَذَابِ الْقَبْرِ، اس کا ترجمہ اوپر گذر چکا ہے۔

اور صبح کے وقت پڑھے تو امسینا اور أمسی کی جگہ أصبحنا اور أصبح پڑھے۔

۴۔ اَللّٰهُمَّ بِكَ أَمْسَيْنَا وَ بِكَ أَصْبَحْنَا وَ بِكَ نَحْيَا وَ بِكَ نَمُوْتُ وَ إِلَيْكَ النُّشُوْرُ۔ اس کا ترجمہ بھی حدیث کے ترجمہ میں گذر چکا ہے۔

۵۔ اللَّهُمَّ عَالِمَ الغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ، فَاطِرَ السَّمٰوَاتِ وَالأَرْضِ، رَبَّ كُلِّ شَيْءٍ وَمَلِيكَهُ، أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ، أَعُوذُ بِكَ مِنْ شَرِّ نَفْسِي وَمِنْ شَرِّ الشَّيْطَانِ وَشِرْكِهِ۔ (اے اللہ، اے غائب اور موجود کے جاننے والے، آسمان وزمین کے پیدا کرنے والے، ہر چیز کے پروردگار اور اس کے مالک، میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ آپ کے علاوہ کوئی عبادت کے لائق نہیں، میں آپ سے اپنے نفس کے شر، شیطان کے شر اور اس کے شرک سے پناہ مانگتا ہوں) صبح وشام اور سوتے وقت یہ دعا پڑھی جائے۔

بَابٌ مِنْهُ: عَنْ شَدَّادِ بْنِ أَوْسٍ: أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَهُ: أَلَا أَدُلُّكَ عَلَى سَيِّدِ الِاسْتِغْفَارِ: اللَّهُمَّ أَنْتَ رَبِّي، لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ، خَلَقْتَنِي وَأَنَا عَبْدُكَ، وَأَنَا عَلَى عَهْدِكَ وَوَعْدِكَ مَا اسْتَطَعْتُ، أَعُوذُ بِكَ مِنْ شَرِّ مَا صَنَعْتُ، وَأَبُوءُ لَكَ بِنِعْمَتِكَ عَلَيَّ، وَأَعْتَرِفُ بِذُنُوبِي، فَاغْفِرْ لِي ذُنُوبِي إِنَّهُ لَا يَغْفِرُ الذُّنُوبَ إِلَّا أَنْتَ، لَا يَقُولُهَا أَحَدُكُمْ حِينَ يُمْسِي فَيَأْتِي عَلَيْهِ قَدَرٌ قَبْلَ أَنْ يُصْبِحَ إِلَّا وَجَبَتْ لَهُ الْجَنَّةُ، وَلَا يَقُولُهَا حِينَ يُصْبِحُ فَيَأْتِي عَلَيْهِ قَدَرٌ قَبْلَ أَنْ يُمْسِيَ إِلَّا وَجَبَتْ لَهُ الْجَنَّةُ۔(۱)

حضرت شداد بن اوس سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: کیا میں تمہیں سید الاستغفار (استغفار کے سردار) کے متعلق نہ بتاؤں؟ (وہ یہ ہے): اللھم ...... لا یغفر الذنوب الا أنت تک، (اے اللہ تو ہی میرا پروردگار ہے، تیرے علاوہ کوئی عبادت کے لائق نہیں، تو نے ہی مجھے پیدا کیا، میں تیرا بندہ ہوں، اور میں اپنی طاقت کے بقدر تیرے عہد اور وعدے پر قائم ہوں، میں تیری اس چیز کے شر سے پناہ مانگتا ہوں جو میں نے خود کیا، اور میں تیری ان تمام نعمتوں کا اقرار کرتا ہوں، جو مجھ پر ہیں اور میں اپنے گناہوں کا اعتراف کرتا ہوں، لہذا تو میرے گناہوں کو معاف کردے، کیونکہ گناہوں کو صرف تو ہی بخش سکتا ہے) (پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ) جو شخص شام کو یہ دعا پڑھے اور صبح ہونے سے پہلے اس کی موت آجائے تو جنت اس کے لئے واجب ہے، اور جو شخص صبح کو یہ دعا پڑھے اور شام سے پہلے اس کی موت آجائے تو جنت اس کے لئے واجب ہے۔

مشکل الفاظ کے معنی: الا أدلک: کیا میں آپ کو نہ بتاؤں؟ ابوء: (صیغہ متکلم) میں اقرار کرتا ہوں، اعترف: (صیغہ متکلم) میں تسلیم کرتا ہوں، قدر: (دال پر زبر) تقدیر، یہاں اس حدیث میں اس سے ''موت'' مراد ہے، ما صنعت: جو میں نے کیا۔

صبح وشام سید الاستغفار پڑھنے کی فضیلت

ان کلمات کو سید الاستغفار اس لئے کہتے ہیں کہ ان کے الفاظ انتہائی شاندار معنی پر مشتمل ہیں، چنانچہ اس میں اللہ تعالیٰ کی عظمت ووحدانیت، اور اس کے خالق ومالک ہونے کا اعتراف ہے، اور اس عہد اور وعدے کا اقرار ہے جو اس نے اپنے بندوں سے

---

(۱) الصحیح للبخاری، کتاب الدعوات، باب افضل الاستغفار، رقم: ۶۳۰۶

لیا ہے، نیز اس میں ان گناہوں کے شر سے پناہ مانگی ہے جو بندے نے کیے ہیں اور گناہوں کی معافی کا ذکر ہے اور اس بات کا کہ اللہ جل شانہ کے علاوہ اور کوئی گناہوں کو معاف نہیں کر سکتا، اور اللہ کے احسانات کا بڑے جامع انداز سے ذکر ہے، اس وجہ سے ان کلمات کو سید الاستغفار کہتے ہیں، چنانچہ جو شخص صبح وشام سید الاستغفار پڑھے تو اس کے لیے جنت واجب ہو جاتی ہے، اس لیے استغفار کا کثرت سے اہتمام کرنا چاہیے کیونکہ اس کی بڑی برکتیں اور فضائل ہیں، سب سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ اس سے اللہ جل شانہ خوش ہو جاتے ہیں۔

حدیث میں عہد اور وعدے سے کیا مراد ہے؟

"وانا علی عهدک و وعدک" میں "عہد" اور "وعد" سے کیا مراد ہے، اس میں دو قول ہیں:

۱۔ عہد سے عام عہد مراد ہے یعنی ایمان اور شرک نہ کرنے کا عہد اور یہ کہ میں تمام امور میں اللہ کی اطاعت کروں گا، اور وعدہ سے یہ مراد ہے کہ اللہ تعالیٰ آخرت میں ایمان واسلام اور اعمال صالحہ پر اجر وثواب عطا کریں گے۔

۲۔ بعض حضرات فرماتے ہیں کہ عہد سے "عہد الست" مراد ہے اور وعد سے اللہ جل شانہ کا وہ وعدہ مراد ہے جس میں ہے کہ جو شخص اخلاص کے ساتھ اسلام قبول کرے اور اسی پر اس کی وفات ہو جائے تو اللہ تعالیٰ اسے جنت میں داخل کریں گے۔(۱)

اس حدیث میں "قدر" سے موت مراد ہے اور وجبت له الجنة کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص ایمان کے ساتھ اعمال صالحہ، اذکار اور خاص طور پر سید الاستغفار پر پابندی اور صدق دل کے ساتھ عمل پیرا رہے تو وہ ابتداء میں ہی جنت میں داخل ہو سکتا ہے، اگرچہ محض ایمان کی وجہ سے بھی مسلمان بالآخر جنت میں داخل ہو جائے گا۔(۲)

بَابُ مَا جَاءَ فِي الدُّعَاءِ إِذَا أَوَى إِلَى فِرَاشِهِ

یہ باب اس دعا کے بارے میں ہے (جو انسان اس وقت پڑھے) جب اپنے بستر پر پناہ لے یعنی جب سونے لگے

عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَهُ: أَلَا أُعَلِّمُکَ كَلِمَاتٍ تَقُولُهَا إِذَا أَوَيْتَ إِلَى فِرَاشِکَ، فَإِنْ مِتَّ مِنْ لَيْلَتِکَ مِتَّ عَلَى الْفِطْرَةِ، وَإِنْ أَصْبَحْتَ أَصْبَحْتَ وَقَدْ أَصَبْتَ خَيْرًا، تَقُولُ: اللَّهُمَّ أَسْلَمْتُ نَفْسِي إِلَيْکَ، وَوَجَّهْتُ وَجْهِي إِلَيْکَ، وَفَوَّضْتُ أَمْرِي إِلَيْکَ، رَغْبَةً وَرَهْبَةً إِلَيْکَ، وَأَلْجَأْتُ ظَهْرِي إِلَيْکَ، لَا مَلْجَأَ وَلَا مَنْجَى مِنْکَ إِلَّا إِلَيْکَ، آمَنْتُ بِكِتَابِکَ الَّذِي أَنْزَلْتَ وَبِنَبِيِّکَ الَّذِي أَرْسَلْتَ قَالَ الْبَرَاءُ: فَقُلْتُ: وَبِرَسُولِکَ الَّذِي أَرْسَلْتَ، قَالَ: فَطَعَنَ بِيَدِهِ فِي صَدْرِي، ثُمَّ قَالَ: وَبِنَبِيِّکَ

---

(۱) فتح الباری ۱۱/ ۱۲۰، کتاب الدعوات باب افضل الاستغفار

(۲) تحفۃ الاحوذی ۹/ ۲۱۴

الَّذِي أَرْسَلْتَ. (۱)

حضرت براء بن عازب سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: آگاہ ہو جاؤ: میں تمہیں ایسے کلمات سکھاتا ہوں جن کو تم اس وقت پڑھا کرو جب تم اپنے بستر پر پناہ لو یعنی سونے لگو، (ان کو پڑھنے کے بعد) اگر تم اسی رات مر گئے تو فطرت پر یعنی اسلام پر مرو گے اور اگر تم نے صبح کر لی تو تم صبح اس طرح کرو گے کہ خیر کو پالو گے، (وہ دعا یہ ہے) اللھم سے ارسلت تک (اے اللہ میں نے اپنی جان تیرے سپرد کر دی، اپنے چہرے کو تیری طرف متوجہ کر لیا، اور اپنا امر تیرے سپرد کر دیا، تیری طرف رغبت اور تجھ سے خوف کی وجہ سے، اور میں نے اپنی پشت تیری پناہ میں دی، تیرے عذاب سے تیرے علاوہ کوئی پناہ اور نجات کی جگہ نہیں، میں تیری اس کتاب پر ایمان لایا جس کو تو نے نازل فرمایا اور تیرے اس نبی پر ایمان لایا جس کو تو نے بھیجا ہے، براء کہتے ہیں کہ میں نے کہا برسولک الذی أرسلت تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے سینے پر ہاتھ مارا اور پھر فرمایا: (برسولک.... نہ کہو، بلکہ وہی کلمہ بولو جو میں نے بتایا ہے، یعنی) بنبیک الذی ارسلت۔

عَنْ رَافِعِ بْنِ خَدِيجٍ: أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: إِذَا اضْطَجَعَ أَحَدُكُمْ عَلَى جَنْبِهِ الأَيْمَنِ ثُمَّ قَالَ: اللَّهُمَّ أَسْلَمْتُ نَفْسِي إِلَيْكَ، وَوَجَّهْتُ وَجْهِي إِلَيْكَ، وَأَلْجَأْتُ ظَهْرِي إِلَيْكَ، وَفَوَّضْتُ أَمْرِي إِلَيْكَ، لَا مَلْجَأَ مِنْكَ إِلَّا إِلَيْكَ، أُومِنُ بِكِتَابِكَ وَبِرَسُولِكَ، فَإِنْ مَاتَ مِنْ لَيْلَتِهِ دَخَلَ الْجَنَّةَ۔ (۲)

حضرت رافع بن خدیج کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی اپنی دائیں کروٹ پر لیٹے اور یہ دعا پڑھے: "اللھم سے برسولک تک" تو اگر وہ اسی رات مر جائے تو جنت میں داخل ہوگا۔

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ: أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ إِذَا أَوَى إِلَى فِرَاشِهِ قَالَ: الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي أَطْعَمَنَا وَسَقَانَا وَكَفَانَا وَآوَانَا، فَكَمْ مِمَّنْ لَا كَافِيَ لَهُ وَلَا مُؤْوِيَ۔ (۳)

حضرت انس بن مالک فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب اپنے بستر پر پناہ لیتے یعنی سونے لگتے تو یہ دعا پڑھا کرتے تھے: "الحمد للہ سے آخر تک" (تمام تعریفیں اس اللہ کے لئے ہیں، جس نے ہمیں کھلایا اور پلایا، جس نے ہمیں (تکلیف دہ چیزوں کے شرور سے) بچایا (یا جس نے ہماری ضروریات کو پورا کیا) اور جس نے (رہنے کے لئے) ہمیں ٹھکانہ عطا فرمایا، اس لئے کہ کتنے ہی ایسے لوگ ہیں، جن کو کوئی بچانے والا نہیں، اور نہ کوئی ان کو ٹھکانہ دینے والا ہے)

بَابٌ مِنْهُ: عَنْ أَبِي سَعِيدٍ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: مَنْ قَالَ حِينَ يَأْوِي إِلَى فِرَاشِهِ: أَسْتَغْفِرُ اللهَ

(۱) الصحیح للبخاری، کتاب الدعوات، باب اذا بات طاهرا، رقم: ۶۳۱۱، الصحیح لمسلم، رقم: ۲۷۱۰
(۲) عمل الیوم واللیلۃ للنسائی، باب مایقول من یفزع فی منامه، رقم: ۱۰۶۰۷
(۳) الصحیح لمسلم، کتاب الذکر والدعاء، باب مایقول عند النوم، رقم: ۲۷۱۵

الَّذِي لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّومُ وَأَتُوبُ إِلَيْهِ، ثَلَاثَ مَرَّاتٍ، غَفَرَ اللّٰهُ ذُنُوبَهُ وَإِنْ كَانَتْ مِثْلَ زَبَدِ الْبَحْرِ، وَإِنْ كَانَتْ عَدَدَ وَرَقِ الشَّجَرِ، وَإِنْ كَانَتْ عَدَدَ رَمْلِ عَالِجٍ، وَإِنْ كَانَتْ عَدَدَ أَيَّامِ الدُّنْيَا۔(۱)

حضرت ابوسعید خدری سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص یہ دعا تین مرتبہ اس وقت پڑھے، جب وہ اپنے بستر پر پناہ لے یعنی سونے لگے: "استغفر الله .... واتوب اليه" (میں اس اللہ جل شانہ سے مغفرت کا طلب گار ہوں، جس کے علاوہ کوئی عبادت کے لائق نہیں، جو زندہ ہے اور قائم کرنے والا ہے، میں اس کی طرف رجوع کرتا ہوں) تو اللہ تعالیٰ اس کے تمام گناہوں کو معاف کر دیں گے، اگر چہ وہ گناہ سمندر کی جھاگ کے برابر ہی ہوں، اور خواہ وہ درخت کے پتوں کے برابر ہوں، اگر چہ وہ مقام عالج کی ریت کے برابر ہوں، اور خواہ وہ دنیا کے دنوں کی تعداد کے برابر ہوں۔

بَاب مِنْهُ: عَنْ حُذَيْفَةَ بْنِ الْيَمَانِ: أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ إِذَا أَرَادَ أَنْ يَنَامَ وَضَعَ يَدَهُ تَحْتَ رَأْسِهِ، ثُمَّ قَالَ: اللّٰهُمَّ قِنِي عَذَابَكَ يَوْمَ تَجْمَعُ - أَوْ تَبْعَثُ - عِبَادَكَ۔(۲)

حضرت حذیفہ بن یمان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب سونے کا ارادہ فرماتے تو اپنا ہاتھ سر کے نیچے رکھ لیتے اور یہ دعا پڑھتے: اللهم سے آخر تک (یا اللہ مجھے اس دن کے عذاب سے بچا جس دن تو اپنے بندوں کو جمع کرے گا یا (یوں فرمایا) اٹھائے گا۔

عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ، قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَوَسَّدُ يَمِينَهُ عِنْدَ الْمَنَامِ، ثُمَّ يَقُولُ: رَبِّ قِنِي عَذَابَكَ يَوْمَ تَبْعَثُ عِبَادَكَ۔(۳)

حضرت براء بن عازب فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سوتے وقت اپنے دائیں ہاتھ کو تکیہ بنا لیتے اور یہ دعا کرتے: رب قنی سے آخر تک۔

بَاب مِنْهُ: عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَأْمُرُنَا إِذَا أَخَذَ أَحَدُنَا مَضْجَعَهُ أَنْ يَقُولَ: اللّٰهُمَّ رَبَّ السَّمٰوَاتِ، وَرَبَّ الْأَرَضِينَ، وَرَبَّنَا وَرَبَّ كُلِّ شَيْءٍ، فَالِقَ الْحَبِّ وَالنَّوَى، وَمُنْزِلَ التَّوْرَاةِ وَالْإِنْجِيلِ وَالْقُرْآنِ، أَعُوذُ بِكَ مِنْ شَرِّ كُلِّ ذِي شَرٍّ، أَنْتَ آخِذٌ بِنَاصِيَتِهِ، أَنْتَ الْأَوَّلُ فَلَيْسَ قَبْلَكَ شَيْءٌ، وَأَنْتَ الْآخِرُ فَلَيْسَ بَعْدَكَ شَيْءٌ، وَالظَّاهِرُ فَلَيْسَ فَوْقَكَ شَيْءٌ، وَالْبَاطِنُ فَلَيْسَ دُونَكَ شَيْءٌ، اقْضِ

---

(۱) مسند احمد ۱۰/۳ عن ابی سعید الخدری

(۲) مسند احمد ۳۸۲/۵

(۳) سنن ابی داؤد، کتاب الادب، باب مایقول عند النوم رقم: ۵۰۴۵

عَنِّي الدَّيْنَ وَأَغْنِنِي مِنَ الْفَقْرِ۔(۱)

حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ ہم میں سے کوئی جب اپنے بستر پر آتا تو رسول اللہ ﷺ اسے حکم دیتے کہ وہ یہ دعا پڑھے: اللھم سے آخر تک (اے اللہ، اے آسمانوں اور زمینوں کے پروردگار، اور اے ہمارے پروردگار، اے ہر چیز کے رب، اے دانے اور گٹھلی کو چیرنے اور پھاڑنے والے اور اے تورات، انجیل اور قرآن نازل کرنے والے، میں تجھ سے ہر شر پہنچانے والی چیز کے شر سے پناہ مانگتا ہوں، تو ہی اسے اس کی پیشانی سے پکڑنے والا ہے، تو ہی سب سے پہلے ہے (یعنی قدیم ہے) تجھ سے پہلے کچھ نہ تھا، اور تو ہی آخر ہے، تیرے بعد کچھ نہیں، تو ہی ظاہر یعنی غالب ہے تجھ سے اوپر کوئی چیز نہیں، تو ہی باطن ہے (یعنی مخلوقات کی نظروں سے پوشیدہ ہے) لیکن تجھ سے نیچے کوئی چیز نہیں (یعنی تیری نظروں سے کوئی چیز مخفی نہیں) اے اللہ تو ہی میرا قرض ادا کردے اور فقر و تنگدستی سے مجھے کافی ہو جا۔

بَاب مِنْهُ: عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: إِذَا قَامَ أَحَدُكُمْ عَنْ فِرَاشِهِ ثُمَّ رَجَعَ إِلَيْهِ فَلْيَنْفُضْهُ بِصَنِفَةِ إِزَارِهِ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ، فَإِنَّهُ لَا يَدْرِي مَا خَلَفَهُ عَلَيْهِ بَعْدُ، فَإِذَا اضْطَجَعَ فَلْيَقُلْ: بِاسْمِكَ رَبِّي وَضَعْتُ جَنْبِي، وَبِكَ أَرْفَعُهُ، فَإِنْ أَمْسَكْتَ نَفْسِي فَارْحَمْهَا، وَإِنْ أَرْسَلْتَهَا فَاحْفَظْهَا بِمَا تَحْفَظُ بِهِ عِبَادَكَ الصَّالِحِينَ، فَإِذَا اسْتَيْقَظَ فَلْيَقُلْ: الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي عَافَانِي فِي جَسَدِي، وَرَدَّ عَلَيَّ رُوحِي وَأَذِنَ لِي بِذِكْرِهِ۔(۲)

حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی اپنے بستر سے اٹھ کر جائے پھر دوبارہ بستر کی طرف لوٹے (یعنی سونے لگے) تو اسے چاہیے کہ اس بستر کو اپنے تہ بند کے کنارے سے تین بار جھاڑ لے، کیونکہ اسے معلوم نہیں کہ اس نے اپنے بعد اس بستر پر کیا چھوڑا ہے، پھر جب لیٹنے لگے تو یہ دعا پڑھے: باسمک سے صالحین تک (اے میرے رب، میں نے تیرے نام سے اپنا پہلو رکھا، اور تیرے ہی نام سے میں اسے اٹھاتا ہوں، لہٰذا اگر تو میری جان کو روک لے (یعنی قبض کرلے، موت آجائے) تو اس پر رحم کرنا، اور اگر تو اسے چھوڑ دے (یعنی مجھے بیدار کردے) تو اس کی اس طرح حفاظت کرنا جس طرح تو اپنے نیک بندوں کی حفاظت کرتا ہے (یعنی نیکی کی توفیق دینا اور گناہوں سے بچانا) اور جب وہ بیدار ہو تو یہ دعا پڑھے: الحمد للہ سے آخر تک (تمام تعریفیں اس اللہ کے لئے ہی ہیں جس نے میرے جسم کو عافیت بخشی، میری روح کو مجھ پر لوٹایا، اور مجھے اپنی یاد کی توفیق عطا فرمائی۔

مشکل الفاظ کے معنی: وجهت: میں نے متوجہ کیا، لا ملجأ: کوئی ٹھکانہ نہیں، طعن: اس نے مارا، کفانا: اس نے ہمیں بچایا، یا ہماری ضروریات کو پورا کیا، آوانا: اس نے ہمیں ٹھکانہ دیا، لا کافی: کوئی بچانے والا نہیں، کوئی کفایت کرنے والا نہیں، لا مووی:

---

(۱) الصحیح لمسلم، کتاب الذکر، باب مایقول عند النوم، رقم: ۲۷۱۰

(۲) الصحیح للبخاری، کتاب الدعوات، رقم: ۶۳۲۰

کوئی ٹھکانہ دینے والا نہیں، زبد: (زا اور با پر زبر) جھاگ، رمل عالج: مقام عالج کی ریت، یہ بطور محاورے کے ہے، اس سے کثرت مراد ہے، یتوسد: تکیہ بنا لیتے، فالق: چیرنے والا، پھاڑنے والا، حب: (حا پر زبر) دانہ۔ نوی: گٹھلی۔ باطن: تو مخلوقات کی نظروں سے پوشیدہ ہے، فلیس دونک شیء: تجھ سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں، أغنني من الفقر: تو مجھے فقر سے کافی ہو جا۔ فلینفضه: اسے چاہیے کہ وہ بستر کو جھاڑے، صنفة: (صاد اور فا پر زبر اور نون کے نیچے زیر) کنارا، ما خلفه: (خاء اور لام پر زبر) اس نے اپنے بستر پر کیا چھوڑا، امسکت نفسی: تو میری جان کو روک لے یعنی موت آجائے، فوضت: (صیغہ متکلم) میں نے سپرد کیا، علی جنبه: اپنے پہلو اور کروٹ پر، وان ارسلتها: (واحد حاضر) اور اگر تو اس جان کو چھوڑ دے یعنی دوبارہ زندگی دے دے اور مجھے بیدار کر دے، واذن لی بذکرہ: اور اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنی یاد کی اجازت دی یعنی توفیق عطا فرمائی۔

سونے کے وقت کی چند دعائیں

امام ترمذی رحمہ اللہ نے مذکورہ ابواب میں سونے کی چند دعائیں ذکر کی ہیں، جنہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سونے کے وقت پڑھا کرتے تھے، ان کی تفصیل یہ ہے:

۱۔ **اللَّهُمَّ أَسْلَمْتُ نَفْسِي إِلَيْكَ، وَوَجَّهْتُ وَجْهِي إِلَيْكَ، وَفَوَّضْتُ أَمْرِي إِلَيْكَ، رَغْبَةً وَرَهْبَةً إِلَيْكَ، وَأَلْجَأْتُ ظَهْرِي إِلَيْكَ، لَا مَلْجَأَ وَلَا مَنْجَى مِنْكَ إِلَّا إِلَيْكَ، آمَنْتُ بِكِتَابِكَ الَّذِي أَنْزَلْتَ وَبِنَبِيِّكَ الَّذِي أَرْسَلْتَ،** اگر رات میں یہ دعا پڑھی جائے اور اس رات انسان کی وفات ہو جائے تو ایمان پر اس کی وفات ہوگی، اور زندہ رہے تو صبح کو خیر پائے گا۔

قال البراء: فقلت وبرسولک الذی أرسلت ....، حضرت براء فرماتے ہیں کہ میں نے اس دعا میں بنبیک الذی کی جگہ برسولک الذی کا لفظ بول دیا، تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے سینے پر ہاتھ مار کر فرمایا کہ یوں کہو: وبنبیک الذی أرسلت، یہاں معنیٰ کے اعتبار سے کوئی فرق نہیں تھا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو نبی بھی کہہ سکتے ہیں اور رسول بھی کہہ سکتے ہیں، لیکن چونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نبی کا لفظ سکھایا تھا، اس لئے آپ نے فرمایا کہ اس کو رسول کے لفظ سے نہ بدلو، بلکہ وہی لفظ استعمال کرو، جو میں نے سکھایا ہے، اس سے علماء کرام نے یہ مسئلہ مستنبط فرمایا کہ جو اذکار اور دعائیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہیں، ان کے الفاظ توقیفی ہیں، لہٰذا ان میں ردوبدل نہ کیا جائے کیونکہ ان کی اپنی خصوصیات اور اسرار ہوتے ہیں، اگر انہیں تبدیل کیا گیا تو پھر یہ خصوصیات حاصل نہیں ہوتیں، ان میں صرف معنیٰ ہی مقصود نہیں ہوتے بلکہ الفاظ بھی مقصود ہوتے ہیں، اس لئے جن الفاظ کے ساتھ دعائیں اور اذکار منقول ہیں، ان کا لحاظ رکھنا ضروری ہے، ان میں تبدیلی سے حتی الامکان احتراز کرنا چاہیے۔(۱)

۲۔ **الحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي أَطْعَمَنَا وَسَقَانَا وَكَفَانَا وَآوَانَا، فَكَمْ مِمَّنْ لَا كَافِيَ لَهُ وَلَا مُؤْوِيَ۔**

---

(۱) فتح الباری ۱۱/۱۳۵، کتاب الدعوات، باب إذا بات طاهرا، تکملة فتح الملهم ۵/۵۷۸، الکوکب الدری ۴/۳۳۷

۳۔ أَسْتَغْفِرُ اللهَ الَّذِي لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ، وَأَتُوْبُ إِلَيْهِ. جو شخص تین مرتبہ یہ کلمات پڑھے، تو اس کی برکت سے اللہ تعالیٰ اس کے تمام گناہوں کو معاف فرمادیتے ہیں، اگرچہ ان کی تعداد سمندر کی جھاگ کے برابر ہو، اس سے کثرت مراد ہے، یعنی گناہ خواہ کتنے ہی زیادہ ہوں، تب بھی اللہ تعالیٰ ان کو معاف فرمادیتے ہیں۔

۴۔ اَللّٰهُمَّ قِنِي عَذَابَكَ يَوْمَ تَجْمَعُ- أَوْ تَبْعَثُ- عِبَادَكَ۔

۵۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سوتے وقت اپنے دائیں ہاتھ کو تکیہ بنا لیتے اور یہ دعا پڑھتے: رَبِّ قِنِي عَذَابَكَ يَوْمَ تَبْعَثُ عِبَادَكَ۔

۶۔ اَللّٰهُمَّ رَبَّ السَّمٰوَاتِ، وَرَبَّ الْأَرَضِينَ، وَرَبَّنَا وَرَبَّ كُلِّ شَيْءٍ، فَالِقَ الْحَبِّ وَالنَّوٰى، وَمُنْزِلَ التَّوْرَاةِ وَالْإِنْجِيْلِ وَالْقُرْآنِ، أَعُوْذُ بِكَ مِنْ شَرِّ كُلِّ ذِي شَرٍّ أَنْتَ آخِذٌ بِنَاصِيَتِهِ، أَنْتَ الْأَوَّلُ فَلَيْسَ قَبْلَكَ شَيْءٌ، وَأَنْتَ الْآخِرُ فَلَيْسَ بَعْدَكَ شَيْءٌ، وَالظَّاهِرُ فَلَيْسَ فَوْقَكَ شَيْءٌ، وَالْبَاطِنُ فَلَيْسَ دُوْنَكَ شَيْءٌ، اقْضِ عَنِّي الدَّيْنَ وَأَغْنِنِي مِنَ الْفَقْرِ۔(۱)

"الظاهر" اس کے دو مطلب ہیں: (۱) اللہ ہی غالب اور کامل قدرت والے ہیں۔ (۲) اللہ تعالیٰ اپنے وجود اور قدرت میں قطعی دلائل کی وجہ سے ظاہر و باہر ہے، "الباطن" اس کے بھی دو مطلب ہیں: (۱) اللہ جل جلالہ مخلوق کی نظروں سے مخفی اور پوشیدہ ہیں۔ (۲) اللہ تعالیٰ تمام پوشیدہ امور کو جاننے والا ہے۔

۷۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات کی تاکید فرمائی کہ سونے سے پہلے اپنے بستر کو اچھی طرح جھاڑ لیا جائے، تاکہ اس پر اگر کوئی کیڑا یا کوئی گند وغیرہ ہو، تو وہ دور ہو جائے، حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: فلینفضه بصنفة ازاره اپنے تہ بند کے کنارے سے بستر کو جھاڑ لینا چاہیے، اور بعض احادیث میں بداخلة ازاره ہے، تہ بند کے کنارے یا تہ بند کے اندر کی جانب سے صفائی کرنے کا کیوں فرمایا ہے؟ ملا علی قاری فرماتے ہیں کہ اس وقت عربوں کے پاس کپڑے بہت کم ہوتے تھے، تہ بند اور چادر ہی ان کے پاس ہوتی تھی جسکو انہوں نے اوڑھ رکھا ہوتا تھا، اس لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تہہ بند کے کنارے سے ہی بستر کو صاف کر لیا کرو، اہل عرب کے ہاں یہ طریقہ تھا کہ وہ بستر کو لپیٹتے نہیں تھے، بلکہ وہ یوں ہی کھلا رہتا تھا، ایسے میں یہ ممکن تھا کہ اس میں کوئی کیڑا سانپ بچھو وغیرہ آجائے، مٹی اور گندگی اس پر پڑ جائے، اس لیے آپ نے صفائی کی تاکید فرمائی، اور تہ بند کی اندر والی جانب سے صفائی کا اس لیے فرمایا کہ کپڑے کی باہر کی جانب صاف ستھری رہے، بہر حال مقصود صفائی ہے، کسی بھی صاف کپڑے سے بستر کو جھاڑا جا سکتا ہے، (۲) اور پھر انسان یہ دعا بھی پڑھ لے: بِاسْمِكَ رَبِّي وَضَعْتُ جَنْبِي وَبِكَ أَرْفَعُهُ فَإِنْ أَمْسَكْتَ نَفْسِي فَارْحَمْهَا وَإِنْ أَرْسَلْتَهَا فَاحْفَظْهَا بِمَا تَحْفَظُ بِهِ عِبَادَكَ الصَّالِحِيْنَ، اور جب بیدار ہو تو یہ دعا پڑھے:

---

(۱) تکملة فتح الملهم ۵/ ۵۸۰، كتاب الدعوات، باب مايقول عند النوم۔

(۲) مرقاة ۵/ ۲۹۲، كتاب الدعوات، باب مايقول عند الصباح والمساء والمنام، رقم: ۲۳۸۴

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ عَافَانِیْ فِیْ جَسَدِیْ وَرَدَّ عَلَیَّ رُوْحِیْ وَاَذِنَ لِیْ بِذِکْرِہٖ۔

اقض عنی الدین (میرے دین کو ادا کردے) امام نووی فرماتے ہیں کہ یہاں پر لفظ دین سے حقوق اللہ اور حقوق العباد دونوں ہی مراد ہوسکتے ہیں۔(۱) و اغننی من الفقر (تو ہی مجھے فقر سے کافی ہوجا) مطلب یہ ہے کہ مجھے مال و دولت کے فتنہ سے بچا، میری تمام ضروریات کو پورا فرمادے، نہ تو اتنا زیادہ مال ہو کہ اللہ کی عبادت سے غفلت ہوجائے اور نہ اتنی تنگدستی اور فقر ہو کہ جو انسان کو اسلام سے دور ہی کردے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِیْمَنْ یَقْرَأُ الْقُرْآنَ عِنْدَ الْمَنَامِ

یہ باب اس شخص سے متعلق ہے، جو سوتے وقت قرآن مجید میں سے کچھ پڑھتا ہے

عَنْ عَائِشَةَ: أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ إِذَا أَوَى إِلَى فِرَاشِهِ كُلَّ لَيْلَةٍ جَمَعَ كَفَّيْهِ ثُمَّ نَفَثَ فِيهِمَا، فَقَرَأَ فِيهِمَا: قُلْ هُوَ اللّٰهُ أَحَدٌ، وَقُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ، وَقُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ النَّاسِ ثُمَّ يَمْسَحُ بِهِمَا مَا اسْتَطَاعَ مِنْ جَسَدِهِ، يَبْدَأُ بِهِمَا عَلَى رَأْسِهِ وَوَجْهِهِ، وَمَا أَقْبَلَ مِنْ جَسَدِهِ يَفْعَلُ ذَلِكَ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ۔(۲)

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ رات کے وقت جب اپنے بستر پر تشریف لاتے تو دونوں ہتھیلیوں کو جمع کرتے پھر ان میں پھونک مارتے، جن میں (یہ سورتیں) پڑھتے: سورہ اخلاص، سورہ فلق اور سورہ ناس، پھر ان دونوں ہاتھوں کو جہاں تک ہوسکتا اپنے جسم پر مل لیتے، آپ پہلے اپنے سر اور چہرے پر دونوں ہاتھ پھیرتے اور پھر جسم کے اگلے حصے پر، آپ ﷺ یہ عمل تین مرتبہ کرتے۔

بَابٌ مِنْهُ: عَنْ فَرْوَةَ بْنِ نَوْفَلٍ، أَنَّهُ أَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ: عَلِّمْنِي شَيْئًا أَقُولُهُ إِذَا أَوَيْتُ إِلَى فِرَاشِي، قَالَ: اقْرَأْ: قُلْ يَا أَيُّهَا الْكَافِرُونَ فَإِنَّهَا بَرَاءَةٌ مِنَ الشِّرْكِ۔(۳)

حضرت فروہ بن نوفل فرماتے ہیں کہ وہ نبی کریم ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: اے اللہ کے رسول: مجھے ایسی کوئی چیز سکھا دیجئے، جسے میں اس وقت پڑھا کروں، جب میں اپنے بستر پر پناہ لوں (یعنی سونے لگوں) آپ نے فرمایا: سورہ کافرون پڑھا کرو، کیونکہ اس میں شرک سے براءت ہے۔

عَنْ جَابِرٍ، قَالَ: كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَنَامُ حَتَّى يَقْرَأَ تَنْزِيلُ السَّجْدَةِ، وَتَبَارَكَ۔(۴)

---

(۱) شرح مسلم للنووی ۳۴۹/۲، کتاب الذکر باب الدعاء عند النوم، تحفة الاحوذی ۳۲۳/۹

(۲) الصحیح للبخاری، کتاب الطب، باب النفث من الرقیۃ، رقم: ۵۷۴۸

(۳) سنن ابی داؤد، کتاب الأدب، باب مایقول عند النوم رقم: ۵۰۵۵

(۴) الادب المفرد للبخاری ص: ۳۵۲، رقم: ۱۲۱۱، سنن الدارمی ۴۵۵/۲، کتاب فضائل القرآن، باب فضل سورۃ السجدۃ۔

حضرت جابر فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب تک سورہ سجدہ اور سورہ ملک نہ پڑھ لیتے، اس وقت تک نہ سوتے تھے۔

عَنْ عَائِشَةَ، كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَنَامُ حَتَّى يَقْرَأَ الزُّمَرَ، وَبَنِي إِسْرَائِيلَ۔(۱)

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نہیں سوتے تھے، یہاں تک کہ آپ سورہ زمر اور سورہ بنی اسرائیل پڑھ لیتے۔

عَنِ الْعِرْبَاضِ بْنِ سَارِيَةَ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ لَا يَنَامُ حَتَّى يَقْرَأَ الْمُسَبِّحَاتِ، وَيَقُولُ: فِيهَا آيَةٌ خَيْرٌ مِنْ أَلْفِ آيَةٍ۔(۲)

حضرت عرباض بن ساریہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اس وقت تک نہ سوتے، جب تک مسبحات یعنی سبح، یسبح اور سبحان سے شروع ہونے والی سورتیں نہ پڑھ لیتے اور فرماتے: ان سورتوں میں ایک ایسی آیت ہے، جو ہزار آیتوں سے بہتر ہے۔

بَاب مِنْهُ: عَنْ رَجُلٍ مِنْ بَنِي حَنْظَلَةَ، قَالَ: صَحِبْتُ شَدَّادَ بْنَ أَوْسٍ فِي سَفَرٍ، فَقَالَ: أَلَا أُعَلِّمُكَ مَا كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُعَلِّمُنَا أَنْ نَقُولَ: اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ الثَّبَاتَ فِي الْأَمْرِ، وَأَسْأَلُكَ عَزِيمَةَ الرُّشْدِ، وَأَسْأَلُكَ شُكْرَ نِعْمَتِكَ، وَحُسْنَ عِبَادَتِكَ، وَأَسْأَلُكَ لِسَانًا صَادِقًا، وَقَلْبًا سَلِيمًا، وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ شَرِّ مَا تَعْلَمُ، وَأَسْأَلُكَ مِنْ خَيْرِ مَا تَعْلَمُ، وَأَسْتَغْفِرُكَ مِمَّا تَعْلَمُ إِنَّكَ أَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوبِ۔ قَالَ: وَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَا مِنْ مُسْلِمٍ يَأْخُذُ مَضْجَعَهُ يَقْرَأُ سُورَةً مِنْ كِتَابِ اللَّهِ، إِلَّا وَكَّلَ اللَّهُ بِهِ مَلَكًا، فَلَا يَقْرَبُهُ شَيْءٌ يُؤْذِيهِ حَتَّى يَهُبَّ مَتَى هَبَّ۔(۳)

قبیلہ بنی حنظلہ کے ایک شخص کہتے ہیں کہ میں شداد بن اوس کے ساتھ ایک سفر میں تھا، وہ فرمانے لگے: میں تمہیں وہ دعا سکھاتا ہوں، جو رسول اللہ ﷺ ہمیں سکھایا کرتے تھے کہ ہم کہیں: اللهم سے علام الغيوب تک (اے اللہ میں تجھ سے امر یعنی دین میں ثابت قدمی مانگتا ہوں، اور میں تجھ سے ہدایت کی پختگی کا سوال کرتا ہوں، تیری نعمت کا شکر اور تیری اچھی طرح عبادت کرنے کی توفیق مانگتا ہوں، اور میں تجھ سے سچی زبان اور قلب سلیم مانگتا ہوں، اور میں تجھ سے اس چیز کے شر سے پناہ مانگتا ہوں، جو تو جانتا ہے اور تجھ سے ہر وہ خیر مانگتا ہوں، جو تیرے علم میں ہے، اور میں تجھ سے اس چیز (یعنی گناہ) کی مغفرت مانگتا ہوں، جو تو جانتا ہے، تو ہی غیب کی چیزوں کو خوب جاننے والا ہے۔)

اور کہنے لگے کہ رسول اللہ ﷺ فرمایا کرتے تھے کہ جو مسلمان سوتے وقت قرآن کریم کی کوئی سورت پڑھ لے، تو اللہ تعالیٰ اس کی حفاظت کے لئے ایک فرشتہ مقرر کر دیتے ہیں، پھر ایسی کوئی چیز اس کے قریب نہیں ہوتی، جو اسے

---

(۱) للمستدرک للحاکم ۱/۴۳۴

(۲) سنن ابی داود، کتاب الأدب، باب مایقول عند النوم، رقم: ۵۰۵۷

(۳) مسند احمد ۴/۱۲۵، عن شداد بن أوس

تکلیف پہنچائے، یہاں تک کہ وہ بیدار ہو جائے جب بھی وہ بیدار ہو۔

مشکل الفاظ کے معنی: أوی الی فراشه: اپنے بستر پر پناہ لیتے یعنی سونے لگتے، وما اقبل من جسده: اور جسم میں جو اگلا حصہ ہے، نفث: پھونک مارتے، ثم یمسح بهما: پھر وہ دونوں ہاتھ اپنے جسم پر پھیر لیتے، مسبحات: اس سے وہ سورتیں مراد ہیں، جن کے شروع میں سبحان، سبح (صیغہ ماضی) یسبح اور سبح (صیغہ امر) کے الفاظ ہیں، یہ کل سات سورتیں ہیں: سورہ اسراء، حدید، حشر، صف، جمعہ، تغابن اور سورہ سبح اسم ربک الاعلی، ثبات فی الامر: دین میں ثابت قدمی اور استقامت، عزیمة: پختگی، رشد: (را پر پیش اور شین ساکن) ہدایت، صلاح وفلاح، مضجع: خواب گاہ، حتی یهب: یہاں تک کہ وہ بیدار ہو، متی یهب: جب بھی وہ بیدار ہو۔

سونے سے پہلے چند سورتوں کی تلاوت مسنون ہے

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سونے سے پہلے جس طرح دیگر اذکار اور دعائیں پڑھا کرتے تھے، اسی طرح آپ کا معمول تھا کہ سونے سے پہلے چند سورتیں تلاوت فرمایا کرتے تھے، جن کی تفصیل مذکورہ احادیث میں ہے، اس کا حاصل یہ ہے:

۱۔ سورہ کافرون، اخلاص، فلق اور سورہ ناس کی تلاوت فرماتے، انہیں پڑھ کر ہاتھوں میں پھونک مارتے اور پھر انہیں اپنے جسم پر جہاں تک ہو سکتا، مل لیتے تھے۔

حضرت عائشہ کی مذکورہ روایت سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ہاتھوں پر دم تو پہلے کرتے تھے اور سورتیں بعد میں پڑھتے تھے، حالانکہ یہ مراد بالکل نہیں، اس کا صحیح مطلب یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پہلے دم کرنے کا ارادہ فرماتے، پھر پڑھتے اور اس کے بعد دم کرتے، حدیث میں صرف آپ کے عمل کو بیان کرنا مقصود ہے، ترتیب پیش نظر نہیں۔(۱) اس روایت سے معلوم ہوا کہ قرآن مجید کی آیات کی تلاوت کر کے یا اذکار وتسبیحات کے بعد ہاتھوں پر پھونک مار کر جسم پر پھیرنا اور ملنا مسنون ہے۔

۲۔ سورہ سجدہ اور سورہ ملک کی بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم تلاوت فرماتے تھے۔

۳۔ مسبحات یعنی وہ سورتیں جو لفظ سبحان، سبح، یسبح اور سبح (صیغہ امر) سے شروع ہوتی ہیں، جن کی تفصیل مشکل الفاظ کے معنی میں گذر چکی ہے۔

فیه آیة خیر من الف آیة، اس سے کونسی آیت مراد ہے؟ اس میں شارحین حدیث کے اقوال، معارف ترمذی جلد سوم، کتاب فضائل القرآن میں "مسبحات اور دوسری سورتوں کی فضیلت" کے عنوان کے تحت گذر چکے ہیں، انہیں وہاں دیکھ لیا جائے۔

یقرأ سورة من القرآن، اس سے معلوم ہوا کہ سونے سے پہلے انسان کوئی بھی سورت پڑھ لے، خواہ وہ چھوٹی ہی ہو مثلاً سورہ اخلاص اور کوثر وغیرہ، تب بھی اسے یہ فضیلت حاصل ہوگی کہ اللہ تعالیٰ ایک خصوصی فرشتہ مقرر کر دیتا ہے، جو بیدار ہونے تک

---

(۱) مرقاة المفاتیح ۲۹/۵، کتاب فضائل القرآن، رقم: ۲۱۳۲۔

اس کی ہر تکلیف دہ چیز، کیڑوں وغیرہ سے حفاظت کرتا رہتا ہے۔ (۱)

بَاب مَا جَاءَ فِي التَّسْبِيحِ وَ التَّكْبِيرِ وَ التَّحْمِيدِ عِنْدَ الْمَنَامِ

یہ باب سوتے وقت سبحان اللہ، اللہ اکبر اور الحمد للہ پڑھنے کے بیان میں ہے۔

عَنْ عَلِيٍّ، قَالَ: شَكَتْ إِلَيَّ فَاطِمَةُ مَجَلَ يَدَيْهَا مِنَ الطَّحِينِ، فَقُلْتُ: لَوْ أَتَيْتِ أَبَاكِ فَسَأَلْتِهِ خَادِمًا، فَقَالَ: أَلَا أَدُلُّكُمَا عَلَى مَا هُوَ خَيْرٌ لَكُمَا مِنَ الْخَادِمِ؟ إِذَا أَخَذْتُمَا مَضْجَعَكُمَا تَقُولَانِ: ثَلَاثًا وَثَلَاثِينَ، وَثَلَاثًا وَثَلَاثِينَ، وَأَرْبَعًا وَثَلَاثِينَ مِنْ تَحْمِيدٍ وَتَسْبِيحٍ وَتَكْبِيرٍ وَفِي الْحَدِيثِ قِصَّةٌ۔ (۲)

حضرت علی فرماتے ہیں کہ فاطمہ نے مجھ سے چکی پیسنے کی وجہ سے اپنے دونوں ہاتھوں پر چھالے پڑ جانے، کھردرا اور سخت ہو جانے کی شکایت کی، میں نے کہا: اگر تم اپنے والد صاحب کے پاس آؤ (یعنی جاؤ) اور ان سے کسی خدمت گار کی درخواست کرلو (تو بہت ہی اچھا ہوگا، چنانچہ وہ گئیں اور غلام کی درخواست کی) تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا میں تم دونوں کو ایک ایسی چیز نہ بتادوں جو تمہارے لئے خادم سے بہتر ہے، (وہ یہ ہے) جب تم سونے لگو تو تینتیس مرتبہ الحمد للہ، تینتیس مرتبہ سبحان اللہ اور چونتیس دفعہ اللہ اکبر پڑھ لیا کرو، اور حدیث میں ایک قصہ ہے۔

عَنْ عَلِيٍّ قَالَ: جَاءَتْ فَاطِمَةُ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَشْكُو مَجَلَ يَدَيْهَا، فَأَمَرَهَا بِالتَّسْبِيحِ وَالتَّكْبِيرِ وَالتَّحْمِيدِ۔ (۳)

حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ حضرت فاطمہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئیں، اور اپنے ہاتھوں پر چھالے پڑ جانے کی شکایت کرنے لگیں، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں سبحان اللہ، اللہ اکبر اور الحمد للہ پڑھنے کا حکم دیا۔

مشکل الفاظ کے معنی: شکت: حضرت فاطمہ نے شکایت کی، مجل: (میم پر زبر اور جیم پر زبر اور سکون دونوں پڑھ سکتے ہیں) سخت کام کرنے کی وجہ سے ہاتھ پر آبلہ یعنی چھالا پڑ جائے، ہاتھ کھردرا اور سخت ہو جائے، طحین: چکی۔

حضرت علی و فاطمہ کو سوتے وقت تسبیحات کی خصوصی ترغیب

حضرت فاطمہؓ کے ہاتھوں میں چکی چلانے کی وجہ سے چھالے پڑ گئے تھے، شب و روز کی اس تھکاوٹ سے تنگ آ کر اپنے والد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ ہمیں کوئی خادم عنایت کر دیں تا کہ مجھے سہولت ہو جائے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے

---

(۱) تحفۃ الاحوذی ۱۰/۳۲۹

(۲) الصحیح للبخاری، الدعوات، باب التسبیح والتکبیر عند المنام

(۳) الصحیح للبخاری، الدعوات، باب التسبیح والتکبیر عند المنام

حضرت علی و فاطمہ سے فرمایا کہ میں تمہیں ایک ایسی چیز بتاتا ہوں، جو تمہارے لئے خادم سے کہیں زیادہ بہتر ہے، پھر آپ نے سوتے وقت تسبیحات پڑھنے کا حکم دیا کہ ۳۳ بار الحمد للہ، ۳۳ بار الحمد للہ اور ۳۴ بار اللہ اکبر۔

خادم کے مقابلے میں یہ تسبیحات ان کے حق میں کیسے بہتر ہیں؟ علامہ عینی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ دو وجہ سے بہتر ہیں:

۞ ان تسبیحات کا تعلق آخرت سے ہے جبکہ اس غلام کا تعلق دنیا سے ہے، ظاہر ہے دنیا کے مقابلے میں آخرت ہی باقی رہنے والی ہے اور بہتر ہے، اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی آخرت کی بہتری کے لئے انہیں تسبیحات کا حکم دیا۔

۞ سوتے وقت یہ تسبیحات پڑھنے سے ایک تو دن بھر کی تھکاوٹ دور ہو جائے گی اور دوسرا فائدہ یہ ہے کہ ان کی برکت سے تمہارے اندر اتنی زیادہ طاقت اور ہمت پیدا ہو جائے گی کہ تم خادم سے کہیں زیادہ کام کر سکو گی۔(۱) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ خواتین کو اپنے گھروں میں خود ہی کام کرنے کا اہتمام کرنا چاہیے، اس میں ان کی صحت ہے اور یہی مسنون عمل ہے۔

وفی الحدیث قصة، سے امام ترمذی رحمہ اللہ ان احادیث کی طرف اشارہ کر رہے ہیں، جو صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں ہیں، جن میں یہ واقعہ ذرا تفصیل سے ہے۔

بَاب مِنْهُ: عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: خَلَّتَانِ لَا يُحْصِيهِمَا رَجُلٌ مُسْلِمٌ إِلَّا دَخَلَ الْجَنَّةَ، أَلَا وَهُمَا يَسِيرٌ، وَمَنْ يَعْمَلُ بِهِمَا قَلِيلٌ: يُسَبِّحُ اللّٰهَ فِي دُبُرِ كُلِّ صَلَاةٍ عَشْرًا، وَيَحْمَدُهُ عَشْرًا، وَيُكَبِّرُهُ عَشْرًا، قَالَ: فَأَنَا رَأَيْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَعْقِدُهَا بِيَدِهِ، قَالَ: فَتِلْكَ خَمْسُونَ وَمِائَةٌ بِاللِّسَانِ، وَأَلْفٌ وَخَمْسُ مِائَةٍ فِي الْمِيزَانِ، وَإِذَا أَخَذْتَ مَضْجَعَكَ تُسَبِّحُهُ وَتُكَبِّرُهُ وَتَحْمَدُهُ مِائَةً، فَتِلْكَ مِائَةٌ بِاللِّسَانِ، وَأَلْفٌ فِي الْمِيزَانِ، فَأَيُّكُمْ يَعْمَلُ فِي الْيَوْمِ وَاللَّيْلَةِ أَلْفَيْنِ وَخَمْسَمِائَةِ سَيِّئَةٍ؟ قَالُوا: فَكَيْفَ لَا نُحْصِيهَا؟ قَالَ: يَأْتِي أَحَدَكُمُ الشَّيْطَانُ وَهُوَ فِي صَلَاتِهِ، فَيَقُولُ: اذْكُرْ كَذَا، اذْكُرْ كَذَا، حَتَّى يَنْفَتِلَ، فَلَعَلَّهُ أَلَّا يَفْعَلَ، وَيَأْتِيهِ وَهُوَ فِي مَضْجَعِهِ، فَلَا يَزَالُ يُنَوِّمُهُ حَتَّى يَنَامَ۔(۲)

حضرت عبداللہ بن عمرو کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دو خصلتیں ایسی ہیں، جن پر جو مسلمان بھی پابندی کرے گا، تو وہ جنت میں داخل ہوگا، ہیں وہ دونوں آسان، لیکن ان پر عمل کرنے والے کم ہیں، (پہلی خصلت یہ ہے کہ) ہر نماز کے بعد دس مرتبہ سبحان اللہ، دس مرتبہ الحمد للہ اور دس مرتبہ اللہ اکبر پڑھا کرے، راوی کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا آپ اپنی انگلیوں پر ان تسبیحات کو گنا کرتے تھے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ تسبیحات (پانچوں نمازوں کے بعد پڑھی جائیں تو) زبان پر ڈیڑھ سو ہیں اور (قیامت کے دن) ترازو میں ڈیڑھ ہزار ہونگی (کیونکہ ہر نیکی کا ثواب دس گناہ ہوتا ہے) اور (دوسری خصلت یہ ہے کہ) جب تم اپنے بستر پر سونے لگو تو

---

(۱) عمدة القاری ۲۸۸/۲۲، کتاب الدعوات، باب التسبیح والتکبیر عند المنام، ط: کوئٹہ

(۲) الأدب المفرد للبخاری (ص:۳۵۵) رقم:۱۲۲۱ سنن ابی داؤد، کتاب الصلاۃ، باب التسبیح بالحصی، رقم:۱۵۰۲۔

۳۳ بار سبحان اللہ، ۳۳ بار الحمد للہ اور ۳۴ بار اللہ اکبر پڑھے، یہ زبان سے پڑھنے کے لحاظ سے سو ہیں اور ترازو میں (نیکیوں کے لحاظ سے) ایک ہزار ہیں، تم میں سے کون ہے، جو دن اور رات میں اڑھائی ہزار برائیاں کرتا ہو؟ صحابہ کرام نے عرض کیا: ہم ان مذکورہ اذکار کا کیسے احاطہ نہیں کر سکتے (یعنی ہم کیسے ان کی پابندی نہیں کر سکتے، یعنی ہم ضرور ان پر مداومت کریں گے۔) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے ایک کے پاس شیطان آتا ہے جب وہ نماز میں ہوتا ہے، شیطان اسے کہتا ہے (یعنی دل میں وسوسہ ڈالتا ہے) کہ تم فلاں چیز کو یاد کرو، تم فلاں چیز کو یاد کرو، یہاں تک کہ وہ نماز سے فارغ ہوتا ہے تو ہو سکتا ہے کہ وہ یہ اذکار نہ کرے، اور شیطان اس کے پاس آتا ہے جب وہ اپنے بستر پر ہوتا ہے تو مسلسل وہ اسے سلاتا رہتا ہے، یہاں تک کہ وہ سو جاتا ہے (یعنی تھپکیاں اور لوریاں دے دے کر اسے سلا دیتا ہے اور یوں وہ سونے کے وقت یہ اذکار بھول جاتا ہے)۔

عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ عَمْرٍو، قَالَ: رَأَیْتُ رَسُولَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَعْقِدُ التَّسْبِیحَ۔

حضرت عبد اللہ بن عمرو فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سبحان اللہ انگلیوں پر گنتے ہوئے دیکھا۔

عَنْ کَعْبِ بْنِ عُجْرَۃَ، عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ: مُعَقِّبَاتٌ لَا یَخِیبُ قَائِلُہُنَّ، یُسَبِّحُ اللّٰہَ فِی دُبُرِ کُلِّ صَلَاۃٍ ثَلَاثًا وَثَلَاثِینَ، وَیَحْمَدُہُ ثَلَاثًا وَثَلَاثِینَ، وَیُکَبِّرُہُ أَرْبَعًا وَثَلَاثِینَ۔(۱)

حضرت کعب بن عجرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کچھ باری باری پڑھی جانے والی ایسی تسبیحات ہیں جن کا پڑھنے والا (اجر و ثواب سے) محروم نہیں ہوتا، وہ یہ ہیں کہ ہر نماز کے بعد ۳۳ بار سبحان اللہ، ۳۳ مرتبہ الحمد للہ اور ۳۴ مرتبہ اللہ اکبر پڑھے۔

مشکل الفاظ کے معنی: خلتان: (خاء پر زبر) دو خصلتیں، لا یحصیھما: ان دو خصلتوں کی پابندی نہیں کرتا، محافظت نہیں کرتا، یعقدھا بیدہ: آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ہاتھ کی انگلیوں سے ان تسبیحات کو گنا کرتے تھے، و کیف لا نحصیھا: ہم کیسے ان اذکار کا احاطہ نہیں کریں گے، ان پر پابندی سے کیسے عمل نہیں کریں گے یعنی ضرور کریں گے، معقبات: (میم پر پیش، عین پر زبر اور قاف کے نیچے زیر اور تشدید) وہ تسبیحات جو باری باری پڑھی جائیں یا وہ تسبیحات جو نمازوں کے بعد پڑھی جاتی ہیں، لا یخیب: ناکام نہیں ہوتا، محروم نہیں ہوتا، فلا یزال ینومہ: یہ تنویم سے ہے: وہ مسلسل اسے تھپکیاں دے کر سلاتا رہتا ہے۔

ہر نماز کے بعد اور سوتے وقت تسبیحات پڑھنے کی فضیلت

مذکورہ احادیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر نماز کے بعد اور سوتے وقت تسبیحات پڑھنے کی فضیلت بیان فرمائی ہے، جس کا حاصل یہ ہے:

---

(۱) الصحیح لمسلم، کتاب المساجد، باب استحباب الذکر بعد الصلاۃ، رقم: ۱۴۴

۱۔ جو شخص ہر نماز کے بعد دس مرتبہ سبحان اللہ، دس مرتبہ الحمد للہ اور دس مرتبہ اللہ اکبر پڑھے تو یہ پانچوں نمازوں کے بعد پڑھنے کے لحاظ سے ایک سو پچاس ہوں گے، اور نامہ اعمال میں ایک ہزار پانچ سو نیکیاں ہوں گی کیونکہ ہر نیکی کا ثواب دس گنا ہوتا ہے، اور بعض روایتوں میں ہر نماز کے بعد ۳۳ بار سبحان اللہ، ۳۳ بار الحمد للہ اور ۳۴ بار اللہ اکبر کا بھی ذکر ہے۔

۲۔ سونے سے پہلے بھی ۳۳ بار سبحان اللہ ۳۳ مرتبہ الحمد للہ اور ۳۴ مرتبہ اللہ اکبر پڑھا جائے، یہ زبان سے پڑھنے کے لحاظ سے سو ہیں اور نامہ اعمال میں ایک ہزار نیکیاں لکھی جاتی ہیں، کیونکہ ہر نیکی کا دس گنا ثواب ملتا ہے۔

فأيكم يعمل في اليوم والليلة، یہ سوالیہ جملہ ہے، مطلب یہ ہے کہ جو شخص ان دونوں موقعوں پر پابندی کے ساتھ یہ تسبیحات پڑھے، تو اسے یہ فضیلت حاصل ہوگی کہ اسے دن رات میں دو ہزار پانچ سو نیکیاں حاصل ہوں گی، اور کون ہے کہ دن رات میں اتنی برائیاں کرے، اگر برائیاں ہو بھی گئیں تو ان اذکار سے اس کے گناہ معاف ہو جائیں گے، آپ ﷺ نے صحابہ سے فرمایا کہ پھر تمہیں ان تسبیحات کی پابندی کرنی چاہیے، صحابہ نے عرض کیا: یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ اتنی فضیلت والی تسبیحات پر ہم مداومت اور پابندی نہ کریں، گویا ان کے چھوڑ دینے کو بہت بعید سمجھا، مگر آپ ﷺ نے انہیں بتایا کہ تم یہ مت سمجھو کہ تمہیں ان اذکار کے کرنے سے کوئی روکنے والا نہیں، شیطان مسلمان کا ازلی دشمن ہے، وہ نماز میں طرح طرح کے وسوسوں میں انسان کو مبتلی کر دیتا ہے، وہ خیالات کے ہجوم میں جب نماز سے فارغ ہوتا ہے تو پھر فوراً اپنے کاموں میں لگ جاتا ہے، نماز کے بعد کی تسبیحات سے شیطان اسے یوں غافل کر دیتا ہے، ایسے ہی بستر پر جب انسان سونے لگتا ہے تو اسے تھپکیاں اور لوریاں دیتا رہتا ہے، یہاں تک کہ اسی میں وہ سو جاتا ہے، اور سونے کے یہ اذکار پڑھنے سے وہ محروم ہو جاتا ہے، اس لئے اللہ کی توفیق کا سوال کرتے رہیں اور پابندی کے ساتھ ان تسبیحات میں مشغول رہیں۔

۳۔ يعقدها بيده (آپ ﷺ اپنے ہاتھ کی انگلیوں سے یہ تسبیحات گنتے تھے) اس سے معلوم ہوا کہ ہاتھ کی انگلیوں یا پوروں سے تسبیحات کرنا مسنون عمل ہے، اسی حکم میں مروجہ تسبیحات بھی ہیں، انہیں استعمال کرنے میں کوئی کراہت اور قباحت نہیں۔(۱)

بَابُ مَا جَاءَ فِي الدُّعَاءِ إِذَا انْتَبَهَ مِنَ اللَّيْلِ

یہ باب اس دعا کے بیان میں ہے، جو اس وقت پڑھی جاتی ہے، جب رات کو آدمی بیدار ہو، یعنی آنکھ کھل جائے

عَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ، عَنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: مَنْ تَعَارَّ مِنَ اللَّيْلِ، فَقَالَ: لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ، لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ، وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ، وَسُبْحَانَ اللهِ، وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ، وَلَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ، وَاللهُ أَكْبَرُ، وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللهِ، ثُمَّ قَالَ: رَبِّ اغْفِرْ لِي - أَوْ قَالَ: ثُمَّ دَعَا - اسْتُجِيبَ لَهُ، فَإِنْ عَزَمَ

(۱) مرقاۃ المفاتیح ۵/۳۱۵، کتاب الدعوات باب مایقول عند الصباح والمساء

وَتَوَضَّأَ ثُمَّ صَلّٰى قُبِلَتْ صَلَاتُهُ. (۱)

حضرت عبادہ بن صامت سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص رات کو بیدار ہوا اور یہ دعا پڑھے: لا اله سے الا باللہ تک (اللہ کے علاوہ کوئی عبادت کے لائق نہیں، وہ اکیلا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں، اسی کی بادشاہت ہے، تمام تعریفیں بھی اسی کی ہیں، وہ ہر چیز پر قادر ہے، میں اللہ جل شانہ کی پاکی بیان کرتا ہوں، تمام تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں، اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، اللہ بہت بڑا ہے، گناہ سے بچنے اور نیکی کرنے کی طاقت و قوت صرف اللہ ہی کی طرف سے ہے)، پھر یہ دعا کرے: اے میرے رب میری بخشش فرمادے، یا آپ نے یوں فرمایا: پھر آدمی دعا مانگے تو اس کی دعا کو قبول کرلیا جاتا ہے، پھر اگر وہ پختہ ارادہ کرے (یعنی ہمت کر کے اٹھے) اور وضو کرے پھر نماز پڑھے تو اس کی نماز کو قبول کرلیا جاتا ہے۔

عَنْ رَبِيعَةَ بْنِ كَعْبٍ الأَسْلَمِيِّ، قَالَ: كُنْتُ أَبِيتُ عِنْدَ بَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَأُعْطِيهِ وَضُوءَهُ، فَأَسْمَعُهُ الْهَوِيَّ مِنَ اللَّيْلِ يَقُولُ: سَمِعَ اللهُ لِمَنْ حَمِدَهُ، وَأَسْمَعُهُ الْهَوِيَّ مِنَ اللَّيْلِ يَقُولُ: الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ. (۲)

حضرت ربیعہ بن کعب اسلمی فرماتے ہیں کہ میں (دورانِ سفر) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دروازے کے پاس سویا کرتا تھا، اور آپ کو وضو کا پانی دیا کرتا تھا، پھر میں رات کو بہت دیر تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سنتا رہتا کہ آپ پڑھتے: سمع اللہ لمن حمدہ (اللہ نے اس شخص کی تعریف سن لی، جس نے اللہ کی تعریف کی) اور بہت دیر تک یہ ذکر فرماتے رہتے: الحمد للہ رب العالمین۔

مشکل الفاظ کے معنیٰ: تعار: (را پر تشدید) بیدار ہو، آنکھ کھل جائے، او قال: ثم دعا: ولید بن مسلم راوی کو شک ہے کہ یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں فرمایا، فان عزم: پھر اگر وہ پختہ ارادہ کرلے یعنی ہمت کر کے اٹھے، کنت ابیت: میں رات گذارتا تھا، اسمعہ: میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سنتا رہتا، الھوی: (ہاء پر زبر، واؤ کے نیچے زیر اور یاء پر زبر اور تشدید) طویل وقت، کافی دیر۔

رات کو آنکھ کھل جائے تو ذکر کرنے کی فضیلت

پہلی حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو یہ ترغیب دی کہ جس شخص کی رات کو آنکھ کھل جائے اور وہ یہ ذکر کرے: لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ، لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ، وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ، وَسُبْحَانَ اللهِ، وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ، وَلَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ، وَاللهُ أَكْبَرُ، وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللهِ، پھر یہ دعا کرے: رب اغفر لی یا یہ کہ کوئی بھی دعا مانگے تو یقیناً اس کی دعا کو قبول

---

(۱) الصحیح للبخاری، کتاب التہجد، باب فضل من تعار من اللیل، رقم: ۱۱۵۴

(۲) سنن النسائی، کتاب قیام اللیل باب ذکر ما یستفتح بہ القیام، رقم: ۱۶۱۸

کرلیا جاتا ہے، اور اگر وہ ہمت کر کے اٹھے اور طہارت کے بعد نوافل پڑھ لے تو اس کی نماز کو بھی قبول کرلیا جاتا ہے۔

دوسری حدیث میں حضرت ربیعہ فرماتے ہیں کہ میں سفر میں آپ ﷺ کے دروازے کے پاس ہی آرام کرتا تھا، تاکہ میں رات کو آپ کی کچھ خدمت کرسکوں، چنانچہ میں آپ ﷺ کو وضو کے لئے پانی دیتا تھا، آپ جب بیدار ہوتے تو نماز سے پہلے کافی دیر تک یہ اذکار کرتے رہتے تھے: سمع الله لمن حمده اور الحمد لله رب العالمين اس کے بعد آپ طہارت حاصل کر کے نماز میں مشغول ہوجاتے تھے۔(۱) ان روایات سے ہمیں دو سبق حاصل ہوتے ہیں:

- رات کو آنکھ کھل جائے تو مذکورہ اذکار پڑھنے کا اہتمام کیا جائے۔
- اور ہوسکے تو نماز تہجد بھی پڑھ لی جائے، ان معمولات سے اس کی دعا کو ضرور قبول کرلیا جاتا ہے۔

بَاب مِنْهُ: عَنْ حُذَيْفَةَ بْنِ الْيَمَانِ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ إِذَا أَرَادَ أَنْ يَنَامَ، قَالَ: اللَّهُمَّ بِاسْمِكَ أَمُوتُ وَأَحْيَى وَإِذَا اسْتَيْقَظَ، قَالَ: الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي أَحْيَا نَفْسِي بَعْدَ مَا أَمَاتَهَا وَإِلَيْهِ النُّشُورُ۔(۲)

حضرت حذیفہ بن یمان فرماتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ جب سونے کا ارادہ فرماتے تو یہ دعا پڑھتے: اللهم باسمک أموت و أحي... (اے اللہ! میں تیرے نام سے ہی مرتا اور جیتا ہوں) اور جب بیدار ہوتے تو یہ دعا پڑھتے: الحمدللہ سے آخر تک (ترجمہ: تمام تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہیں، جس نے مجھے موت دینے کے بعد زندہ کیا اور اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے)۔

سونے اور بیدار ہونے کی دعا

سونے کی ایک دعا یہ ہے: اللَّهُمَّ بِاسْمِكَ أَمُوتُ وَأَحْيى۔ (اے اللہ میں تیرے نام سے ہی مرتا ہوں اور جیتا ہوں)۔ اور بیدار ہونے کی دعا: وَالْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي أَحْيَا نَفْسِي بَعْدَ مَا أَمَاتَهَا وَإِلَيْهِ النُّشُورُ۔ (تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہی ہیں، جس نے مجھے موت کے بعد زندہ کیا اور اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔)

بَابُ مَا جَاءَ مَا يَقُولُ إِذَا قَامَ مِنَ اللَّيْلِ إِلَى الصَّلَاةِ

یہ باب ان دعاؤں پر مشتمل ہے، جو انسان اس وقت پڑھے، جب نماز تہجد کے لئے اٹھے

عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَبَّاسٍ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ إِذَا قَامَ إِلَى الصَّلَاةِ مِنْ جَوْفِ اللَّيْلِ، يَقُولُ: اللَّهُمَّ لَكَ الْحَمْدُ، أَنْتَ نُورُ السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضِ، وَلَكَ الْحَمْدُ، أَنْتَ قَيَّامُ السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضِ، وَلَكَ

---

(۱) الکوکب الدری ۳۴۰/۴

(۲) الصحیح للبخاری، کتاب الدعوات، باب مایقول اذانام، رقم: ۶۳۱۲

الحمدُ، أَنْتَ رَبُّ السَّمٰوٰاتِ وَالأَرْضِ وَمَنْ فِيهِنَّ، أَنْتَ الحَقُّ، وَوَعْدُكَ الحَقُّ، وَلِقَاؤُكَ حَقٌّ، وَالجَنَّةُ حَقٌّ، وَالنَّارُ حَقٌّ، وَالسَّاعَةُ حَقٌّ، اللّٰهُمَّ لَكَ أَسْلَمْتُ، وَبِكَ آمَنْتُ، وَعَلَيْكَ تَوَكَّلْتُ، وَإِلَيْكَ أَنَبْتُ، وَبِكَ خَاصَمْتُ، وَإِلَيْكَ حَاكَمْتُ، فَاغْفِرْ لِي مَا قَدَّمْتُ، وَمَا أَخَّرْتُ، وَمَا أَسْرَرْتُ، وَمَا أَعْلَنْتُ، إِنَّكَ إِلٰهِي، لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ.(۱)

حضرت عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ جب رات کے وقت تہجد کے لئے اٹھتے تو یہ دعا پڑھتے: اللھم لک الحمد..... آخر تک (اے اللہ! تیرے لئے ہی تمام تعریفیں ہیں، تو ہی آسمان وزمین کا نور ہے، تیرے لئے ہی تمام تعریفیں ہیں، تو ہی آسمان وزمین کا منتظم ومدبر ہے، تیرے لئے ہی تمام تعریفیں ہیں، تو ہی آسمان وزمین اور ان میں موجود چیزوں کا پروردگار ہے، تو ہی حق ہے، تیرا وعدہ سچا ہے اور تیری ملاقات حق ہے، جنت حق ہے، دوزخ ثابت ہے، اور قیامت حق ہے، اے اللہ میں تیرا ہی تابعدار ہوں، تجھ پر ہی ایمان لایا ہوں، اور تجھ ہی پر بھروسہ کیا، تیری طرف ہی میں نے رجوع کیا، تیری مدد سے ہی میں (دین کے دشمنوں سے، دلائل سے) بحث مباحثہ (اور تلوار سے) جھگڑتا ہوں، اور تجھ ہی کو (ہر معاملے میں) حاکم تسلیم کیا، لہذا تو میرے ان گناہوں کو بھی بخش دے، جو میں نے پہلے کئے، اور ان گناہوں کو بھی، جو اس کے بعد مجھ سے سرزد ہوں گے، اور ان گناہوں کو بھی، جو میں نے پوشیدہ اور علانیہ طور پر کئے، تو ہی میرا معبود ہے، تیرے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔)

مشکل الفاظ کے معنی: قیام: (قاف پر زبر اور یاء پر زبر وتشدید، صیغہ مبالغہ) مخلوقات کے امور کا منتظم ومدبر، ذمہ دار، قائم کرنے والا، یہ اللہ جل شانہ کا صفاتی نام ہے، لک أسلمت: میں تیرا ہی فرمانبردار اور تابعدار ہوں، أنبت: میں نے رجوع کیا، بک خاصمت: تیری مدد سے ہی میں تیرے دشمنوں سے دلائل کے اعتبار سے بحث مباحثہ اور ضرورت کے وقت تلوار وشمشیر سے لڑائی کرتا ہوں، الیک حاکمت: میں تجھ ہی کو ہر معاملے میں اپنا حاکم اور فیصل مانتا ہوں، ماأسررت: جو گناہ میں نے چھپ کر کئے، ماأعلنت: جو گناہ میں نے کھلم کھلا کئے، علانیہ طور پر کئے۔

تہجد کے لئے اٹھنے کے وقت کی دعا

نبی کریم ﷺ جب نماز تہجد کے لئے اٹھتے تو احادیث میں اس وقت آپ سے بہت سی دعائیں اور اذکار منقول ہیں، جن میں سے ایک دعا کا مذکورہ حدیث میں بیان ہے:

وہ دعا یہ ہے: اللّٰهُمَّ لَكَ الحَمْدُ، أَنْتَ نُورُ السَّمٰوٰاتِ وَالأَرْضِ، وَلَكَ الحَمْدُ، أَنْتَ قَيَّامُ السَّمٰوٰاتِ وَالأَرْضِ،

---

(۱) الموطأ للامام مالک، کتاب القرآن، باب ماجاء فی الدعاء، رقم الحدیث: ۳۴، الصحیح للبخاری کتاب التہجد، باب التہجد باللیل، رقم: ۱۱۲۰

وَلَکَ الحَمْدُ، أَنْتَ رَبُّ السَّمٰوَاتِ وَالأَرْضِ وَمَنْ فِيهِنَّ، أَنْتَ الحَقُّ، وَوَعْدُکَ الحَقُّ، وَلِقَاؤُکَ حَقٌّ، وَالجَنَّةُ حَقٌّ، وَالنَّارُ حَقٌّ، وَالسَّاعَةُ حَقٌّ، اللّٰهُمَّ لَکَ أَسْلَمْتُ، وَبِکَ آمَنْتُ، وَعَلَيْکَ تَوَکَّلْتُ، وَإِلَيْکَ أَنَبْتُ، وَبِکَ خَاصَمْتُ، وَإِلَيْکَ حَاکَمْتُ، فَاغْفِرْلِي مَا قَدَّمْتُ وَمَا أَخَّرْتُ، وَمَا أَسْرَرْتُ وَمَا أَعْلَنْتُ، إِنَّکَ إِلٰهِي لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ.

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی کریم ﷺ یہ ذکر نماز تہجد شروع کرنے کے بعد پڑھتے تھے، اور بعض روایات میں ہے کہ نماز فجر کے لئے جاتے وقت آپ ﷺ نے یہ دعا پڑھی ہے، ان تمام روایات میں کوئی تعارض نہیں، مذکورہ تمام مواقع پر یہ ذکر اور دعا کی جاسکتی ہے۔(۱)

اس دعا میں نبی کریم ﷺ نے اپنے لیے ہر قسم کے گناہوں سے مغفرت کی دعا مانگی ہے، حالانکہ آپ تو گناہوں سے پاک اور معصوم ہیں؟ اس کی دو وجہیں امام نووی نے لکھی ہیں:

- عجز وانکساری اور اللہ جل شانہ کی عظمت، جلال اور اس سے خوف کی وجہ سے آپ یہ دعا مانگا کرتے تھے۔
- امت کی تعلیم کے لیے آپ نے ایسا کیا، تاکہ میری امت کے لوگ بھی اس انداز سے آہ وزاری کے ساتھ اللہ سے مانگا کریں۔(۲)

بَاب مِنْهُ: عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ لَيْلَةً حِينَ فَرَغَ مِنْ صَلَاتِهِ: اللّٰهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُکَ رَحْمَةً مِنْ عِنْدِکَ تَهْدِي بِهَا قَلْبِي، وَتَجْمَعُ بِهَا أَمْرِي، وَتَلُمُّ بِهَا شَعَثِي، وَتُصْلِحُ بِهَا غَائِبِي، وَتَرْفَعُ بِهَا شَاهِدِي، وَتُزَکِّي بِهَا عَمَلِي، وَتُلْهِمُنِي بِهَا رُشْدِي، وَتَرُدُّ بِهَا أُلْفَتِي، وَتَعْصِمُنِي بِهَا مِنْ کُلِّ سُوءٍ۔

اللّٰهُمَّ أَعْطِنِي إِيمَانًا وَيَقِينًا، لَيْسَ بَعْدَهُ کُفْرٌ وَرَحْمَةً، أَنَالُ بِهَا شَرَفَ کَرَامَتِکَ فِي الدُّنْيَا وَالآخِرَةِ، اللّٰهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُکَ الفَوْزَ فِي القَضَاءِ، وَنُزُلَ الشُّهَدَاءِ، وَعَيْشَ السُّعَدَاءِ، وَالنَّصْرَ عَلَى الأَعْدَاءِ، اللّٰهُمَّ إِنِّي أُنْزِلُ بِکَ حَاجَتِي، وَإِنْ قَصُرَ رَأْيِي وَضَعُفَ عَمَلِي، افْتَقَرْتُ إِلَى رَحْمَتِکَ، فَأَسْأَلُکَ يَا قَاضِيَ الأُمُورِ، وَيَا شَافِيَ الصُّدُورِ، کَمَا تُجِيرُ بَيْنَ البُحُورِ أَنْ تُجِيرَنِي مِنْ عَذَابِ السَّعِيرِ، وَمِنْ دَعْوَةِ الثُّبُورِ، وَمِنْ فِتْنَةِ القُبُورِ، اللّٰهُمَّ مَا قَصُرَ عَنْهُ رَأْيِي، وَلَمْ تَبْلُغْهُ نِيَّتِي، وَلَمْ تَبْلُغْهُ مَسْأَلَتِي مِنْ خَيْرٍ وَعَدْتَهُ أَحَدًا مِنْ خَلْقِکَ، أَوْ خَيْرٍ أَنْتَ مُعْطِيهِ أَحَدًا مِنْ عِبَادِکَ، فَإِنِّي أَرْغَبُ إِلَيْکَ فِيهِ، وَأَسْأَلُکَهُ بِرَحْمَتِکَ رَبَّ العَالَمِينَ، اللّٰهُمَّ ذَا الحَبْلِ الشَّدِيدِ، وَالأَمْرِ الرَّشِيدِ، أَسْأَلُکَ الأَمْنَ يَوْمَ الوَعِيدِ، وَالجَنَّةَ يَوْمَ الخُلُودِ، مَعَ المُقَرَّبِينَ الشُّهُودِ الرُّکَّعِ، السُّجُودِ المُوفِينَ بِالعُهُودِ، إِنَّکَ رَحِيمٌ وَدُودٌ، وَإِنَّکَ تَفْعَلُ مَا تُرِيدُ۔

---

(۱) فتح الباری ۳/۴ کتاب التہجد باب التہجد باللیل۔

(۲) شرح مسلم للنووی ۱/۲۶۲، کتاب صلاۃ المسافرین، باب صلاۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم ودعائہ باللیل۔

اللَّهُمَّ اجْعَلْنَا هَادِينَ مُهْتَدِينَ، غَيْرَ ضَالِّينَ وَلَا مُضِلِّينَ، سِلْمًا لِأَوْلِيَائِكَ، وَعَدُوًّا لِأَعْدَائِكَ، نُحِبُّ بِحُبِّكَ مَنْ أَحَبَّكَ، وَنُعَادِي بِعَدَاوَتِكَ مَنْ خَالَفَكَ، اللَّهُمَّ هَذَا الدُّعَاءُ وَعَلَيْكَ الإِجَابَةُ، وَهَذَا الجُهْدُ وَعَلَيْكَ التُّكْلَانُ، اللَّهُمَّ اجْعَلْ لِي نُورًا فِي قَلْبِي، وَنُورًا فِي قَبْرِي، وَنُورًا مِنْ بَيْنِ يَدَيَّ، وَنُورًا مِنْ خَلْفِي، وَنُورًا عَنْ يَمِينِي، وَنُورًا عَنْ شِمَالِي، وَنُورًا مِنْ فَوْقِي، وَنُورًا مِنْ تَحْتِي، وَنُورًا فِي سَمْعِي، وَنُورًا فِي بَصَرِي، وَنُورًا فِي شَعْرِي، وَنُورًا فِي بَشَرِي، وَنُورًا فِي لَحْمِي، وَنُورًا فِي دَمِي، وَنُورًا فِي عِظَامِي، اللَّهُمَّ أَعْظِمْ لِي نُورًا، وَأَعْطِنِي نُورًا، وَاجْعَلْ لِي نُورًا۔

سُبْحَانَ الَّذِي تَعَطَّفَ العِزَّ وَقَالَ بِهِ، سُبْحَانَ الَّذِي لَبِسَ المَجْدَ وَتَكَرَّمَ بِهِ، سُبْحَانَ الَّذِي لَا يَنْبَغِي التَّسْبِيحُ إِلَّا لَهُ، سُبْحَانَ ذِي الفَضْلِ وَالنِّعَمِ، سُبْحَانَ ذِي المَجْدِ وَالكَرَمِ، سُبْحَانَ ذِي الجَلَالِ وَالإِكْرَامِ۔(۱)

حضرت عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں کہ میں نے آپ ﷺ کو ایک رات یہ دعا کرتے ہوئے سنا، جب آپ نماز تہجد سے فارغ ہوئے: اللھم سے آخر تک (ترجمہ: اے اللہ! میں تجھ سے تیری خاص رحمت کی درخواست کرتا ہوں، جس سے تو میرے دل کو ہدایت دے دے، اور اس کے ذریعہ میرے کاموں کو جمع کردے، اور اس سے میرے خیالات کو درست کردے، اور اس سے میرے باطن کو (کامل ایمان اور اخلاق حسنہ سے) سنوار دے اور اس سے میرے شاہد یعنی ظاہر کو بلند کردے، اور اس سے میرے عمل کو (ریاء وشہرت وغیرہ سے) پاک صاف بنادے، اور اس کے ذریعہ میرے دل میں میری ہدایت ڈال دے، اور اس سے میری مانوس چیزوں کو لوٹادے، اور اس کے واسطہ سے مجھے ہر برائی سے بچائے رکھ۔

اے اللہ! مجھے ایسا ایمان ویقین عطا فرما، جس کے بعد کفر نہ ہو، اور ایسی رحمت عطا کر کہ جس کے ذریعہ میں دنیا وآخرت میں تیری کرامت (یعنی عزت) کا مقام پالوں، اے اللہ! میں تجھ سے قضاء وقدر میں کامیابی، شہیدوں کی سی مہمانی (یعنی درجہ) نیک بختوں کی سی زندگی، اور دشمنوں پر تیری مدد کا طلب گار ہوں، اے اللہ! میں تیرے سامنے اپنی حاجت پیش کررہا ہوں، گو میری سمجھ کوتاہ اور میرا عمل کمزور ہے، میں تیری رحمت کا محتاج ہوں، اس لئے میں: اے سب کاموں کو پورا کرنے والے اور اے دلوں کو (بیماریوں سے) شفا دینے والے، تجھ سے درخواست کرتا ہوں کہ جس طرح تو نے سمندروں کے درمیان فاصلہ رکھا ہے (کہ وہ آپس میں خلط ملط نہیں ہوتے) اسی طرح مجھے بھی جہنم کے عذاب، ہلاکت کی دعا مانگنے اور قبر کے فتنہ سے بچا کر رکھنا۔

اے اللہ! جو بھلائی بھی ایسی ہو کہ اس سے میری سمجھ کوتاہ ہو (اور میرا عمل اسے حاصل کرنے سے کمزور ہو) اور اس تک میری نیت اور میرے سوال کی رسائی نہ ہو اور تو نے اس بھلائی کا وعدہ اپنی مخلوق میں سے کسی سے بھی کیا ہو، یا جو ایسی

(۱) المعجم الکبیر للطبرانی وسنن البیہقی، کتاب الدعوات

بھلائی ہو کہ جسے تو اپنے بندوں میں سے کسی کو بھی وہ دینے والا ہو، میں تجھ سے اسے حاصل کرنے کی رغبت رکھتا ہوں، اس لئے میں تجھ سے وہ خیر تیری رحمت کے واسطہ سے مانگتا ہوں اے تمام جہانوں کے پروردگار، اے اللہ! اے مضبوط رسی والے (یعنی طاقت والے) اور اے درست حکم والے، میں تجھ سے قیامت کے دن امن وچین، اور ہیشگی کے دن، ان لوگوں کے ساتھ جنت کا سوال کرتا ہوں، جو مقرب ہیں، جو اپنے رب کو دیکھنے والے ہیں، جو کثرت سے رکوع وسجود یعنی نماز پڑھنے والے ہیں، جو اللہ کے عہود کو پورا کرنے والے ہیں، بیشک تو بڑا مہربان ہے، بہت محبت کرنے والا ہے، اور تو جو چاہتا ہے کر گذرتا ہے۔

اے اللہ! تو ہمیں (لوگوں کی) راہنمائی کرنے والا اور ہدایت یافتہ بنادے نہ کہ گمراہ اور لوگوں کو گمراہ کرنے والوں میں سے، اور (اے اللہ) ہمیں اپنے دوستوں سے صلح اور اپنے دشمنوں میں دشمنی کرنے والا بنا دے، (تاکہ) ہم تیرے ساتھ محبت کی وجہ سے صرف اسی سے محبت کریں، جو تجھ سے محبت رکھتا ہو، اور ہم اس شخص کے ساتھ دشمنی رکھیں، جو تیرے ساتھ دشمنی کی وجہ سے تیری مخالفت کرے، اے اللہ دعا تو یہی ہے، بس قبول کرنا تیرا کام ہے، یہ تو (میری) کوشش ہے، اور بھروسہ تو تجھ پر ہی ہے، اے اللہ! میرے دل میں، میری قبر میں، میرے سامنے، میرے پیچھے، میرے دائیں بائیں، میرے اوپر، نیچے، میرے کانوں میں، میری بینائی میں، میرے بالوں میں، میرے بدن میں، میرے گوشت میں، میرے خون میں، اور میری ہڈیوں میں میرے لئے نور ڈال دے، اے اللہ! میرا نور بڑھا دے، مجھے نور عطا فرما، اور میرے لئے نور پیدا کردیجئے۔

میں اس ذات کی پاکی بیان کرتا ہوں، جس نے عزت کی چادر اوڑھ رکھی ہے، اور اسے اپنی ذات کے ساتھ مخصوص کر دیا ہے، پاک ہے وہ ذات جس نے عظمت وکبریائی کا جامہ پہنا اور اسی سے وہ معزز ومکرم ہوئی، پاک ہے وہ ذات جس کے علاوہ کوئی تسبیح کے لائق نہیں، وہ ذات پاک ہے جو فضل وکرم اور نعمتوں والی ہے، پاک ہے وہ ذات جو فضل اور کرم والی ہے، پاک ہے وہ ذات جو جلال اور اکرام والی ہے۔

مشکل الفاظ کے معنی: **تلم بھا:** (تاء پر زبر اور لام پر پیش) تو اس رحمت کے ذریعہ جمع کردے، **شعثی:** (شین اور عین پر زبر) میرے پراگندہ اور منتشر حالات کو درست کردے، **غائبی:** میری غائب چیز کو، اس سے باطن مراد ہے کہ اے اللہ میرے باطن کو کامل ایمان اور اخلاق حسنہ سے سنوار دے، درست کردے، **شاھدی:** میرے حاضر کو، اس سے انسان کا ظاہر مراد ہے کہ میرے ظاہر کو اعمال صالحہ سے بلند وبرتر کردے، **تزکی:** تو پاکیزہ کردے، پاک صاف بنادے، **تلھمنی:** تو میرے دل میں ڈال دے، **رشدی:** (را پر پیش اور شین ساکن) میری ہدایت، **تردبھا الفتی:** تو اس رحمت سے میری مانوس چیزوں کو لوٹا دے، تاکہ میں صرف انہی چیزوں سے الفت کروں جس میں تیری رضا ہو، **تعصمنی:** تو مجھے بچا، محفوظ رکھ، **شرف کرامتک:** تیرے ہاں مقام شرف وعزت، **الفوز فی القضاء:** قضاء وقدر میں کامیابی، **نزل:** (نون اور زا پر پیش) مہمانی، مرتبہ، درجہ، **سعداء:** سعید کی

جمع ہے: نیک بخت لوگ، وان قصر رأیی: گو میری سمجھ کوتاہ اور قاصر ہے، ولم تبلغه نیتی: اور اس بھلائی تک میری درست نیت نہ پہنچ سکے، افتقرت: میں محتاج ہوں، یاقاضی الامور: اے کاموں کو پورا کرنے والے، کما تجیر: جیسے تو فاصلہ رکھتا ہے، روکتا ہے، ملنے سے بچاتا ہے، ان تجیرنی: تو مجھے بچادے، دور کردے، دعوة الثبور: ہلاکت کی دعا کرنے سے مجھے بچانا، اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اہل دوزخ کے بارے میں بتایا: و اذا القوا منها مکانا ضیقا مقرنین دعوا هنالک ثبورا، کہ وہ کافر تنگ آکر اپنے لئے ہلاکت اور تباہی کی دعا کریں گے، مجھے اس طرح کی صورتحال سے دوچار نہ کرنا، ذاالحبل الشدید: لفظ "حبل" (باء کے ساتھ) ہو تو اس کے معنی رسی کے ہیں، اس سے قرآن مجید، یا دین مراد ہے، اسی کا ذکر اس آیت میں ہے: واعتصموا بحبل الله جمیعاً، اور اگر یہ لفظ یاء کے ساتھ ہو، تو اس کے معنی قوت کے ہیں، مطلب یہ ہے: اے خوب طاقت و قدرت والے، الرشید: درست، الشهود: شاہد کی جمع ہے: اپنے رب کو دیکھنے والے، الموفین: پورا کرنے والے، مهتدین: ہدایت یافتہ، سلما: (سین کے نیچے زیر اور زبر، اور لام ساکن) صلح، نعادی: ہم دشمنی کریں گے، اجابة: قبول کرنا، تکلان: (تا پر پیش اور کاف ساکن) اعتماد، بھروسہ، تعطف: (باب تفعل سے واحد مذکر) چادر اوڑھی، قال به: اللہ تعالیٰ نے اس عزت کو اپنے ساتھ خاص کیا، لبس المجد: اس نے عظمت و کبریائی کی چادر اوڑھ رکھی ہے، تکرم به: اس مجد اور بزرگی سے ہی وہ مکرم و مشرف ہوا ہے، ذی الفضل: فضل و کرم والا، ذی نعم: (نون کے نیچے زیر اور عین پر زبر) نعمة کی جمع ہے: نعمتوں والا۔

نماز تہجد کے بعد کی ایک طویل اور جامع دعا

مذکورہ حدیث میں نماز تہجد سے فراغت کے بعد ایک دعا کا ذکر ہے، جسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نماز تہجد کے بعد مانگا کرتے تھے، بہت اہم اور جامع قسم کی دعا ہے، ہر مسلمان کو یہ دعا عربی الفاظ کے ساتھ یاد کر کے مانگنی چاہیے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الدُّعَاءِ عِنْدَ افْتِتَاحِ الصَّلَاةِ بِاللَّيْلِ

یہ باب ان احادیث پر مشتمل ہے جن میں تہجد کی نماز شروع کرتے وقت کی دعاؤں کا ذکر ہے

عَنْ أَبِي سَلَمَةَ، قَالَ: سَأَلْتُ عَائِشَةَ، بِأَيِّ شَيْءٍ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَفْتَتِحُ صَلَاتَهُ إِذَا قَامَ مِنَ اللَّيْلِ؟ قَالَتْ: كَانَ إِذَا قَامَ مِنَ اللَّيْلِ افْتَتَحَ صَلَاتَهُ، فَقَالَ: اللَّهُمَّ رَبَّ جِبْرِيلَ، وَمِيكَائِيلَ، وَإِسْرَافِيلَ، فَاطِرَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ، عَالِمَ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ، أَنْتَ تَحْكُمُ بَيْنَ عِبَادِكَ فِيمَا كَانُوا فِيهِ يَخْتَلِفُونَ، اهْدِنِي لِمَا اخْتُلِفَ فِيهِ مِنَ الْحَقِّ بِإِذْنِكَ، إِنَّكَ عَلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ. (۱)

---

(۱) الصحیح لمسلم، کتاب صلاۃ المسافرین، باب الدعاء فی صلاۃ اللیل، رقم: ۲۰۰

حضرت ابوسلمہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ سے پوچھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کس چیز سے اپنی نماز شروع کرتے جب آپ رات کو (تہجد کے لئے) اٹھتے، حضرت عائشہ نے جواب دیا کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم رات کو اٹھتے تو اپنی نماز کو اس دعا سے شروع کرتے: اللھم رب جبرئیل سے آخر تک (ترجمہ: اے جبرئیل ومیکائیل اور اسرافیل کے رب، اے آسمانوں اور زمین کو پیدا کرنے والے، اے غیب اور حاضر کو جاننے والے، تو ہی اپنے بندوں کے درمیان (قیامت کے دن) ان چیزوں میں فیصلہ کرے گا جن میں وہ (دنیا میں) اختلاف کیا کرتے تھے، میری اپنی توفیق سے اس راہ حق کی طرف رہنمائی کردیجئے (یعنی مجھے ثابت قدم رکھئے) جس میں اختلاف کیا گیا، تو ہی سیدھے راستے پر ہے۔

بَابٌ مِنْهُ: عَنْ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ إِذَا قَامَ فِي الصَّلَاةِ قَالَ: وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِي فَطَرَ السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضَ حَنِيفًا وَمَا أَنَا مِنَ الْمُشْرِكِينَ، إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ، لَا شَرِيكَ لَهُ، وَبِذٰلِكَ أُمِرْتُ وَأَنَا مِنَ الْمُسْلِمِينَ، اللّٰهُمَّ أَنْتَ الْمَلِكُ، لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ، أَنْتَ رَبِّي وَأَنَا عَبْدُكَ، ظَلَمْتُ نَفْسِي وَاعْتَرَفْتُ بِذَنْبِي، فَاغْفِرْ لِي ذُنُوبِي جَمِيعًا، إِنَّهُ لَا يَغْفِرُ الذُّنُوبَ إِلَّا أَنْتَ، وَاهْدِنِي لِأَحْسَنِ الْأَخْلَاقِ، لَا يَهْدِي لِأَحْسَنِهَا إِلَّا أَنْتَ، وَاصْرِفْ عَنِّي سَيِّئَهَا، لَا يَصْرِفُ عَنِّي سَيِّئَهَا إِلَّا أَنْتَ، آمَنْتُ بِكَ، تَبَارَكْتَ وَتَعَالَيْتَ، أَسْتَغْفِرُكَ وَأَتُوبُ إِلَيْكَ، فَإِذَا رَكَعَ قَالَ: اللّٰهُمَّ لَكَ رَكَعْتُ، وَبِكَ آمَنْتُ، وَلَكَ أَسْلَمْتُ، خَشَعَ لَكَ سَمْعِي وَبَصَرِي وَمُخِّي وَعَظْمِي وَعَصَبِي، فَإِذَا رَفَعَ رَأْسَهُ قَالَ: اللّٰهُمَّ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ مِلْءَ السَّمٰوَاتِ وَالْأَرَضِينَ وَمَا بَيْنَهُمَا، وَمِلْءَ مَا شِئْتَ مِنْ شَيْءٍ، فَإِذَا سَجَدَ قَالَ: اللّٰهُمَّ لَكَ سَجَدْتُ، وَبِكَ آمَنْتُ، وَلَكَ أَسْلَمْتُ، سَجَدَ وَجْهِيَ لِلَّذِي خَلَقَهُ فَصَوَّرَهُ، وَشَقَّ سَمْعَهُ وَبَصَرَهُ، تَبَارَكَ اللّٰهُ أَحْسَنُ الْخَالِقِينَ، ثُمَّ يَكُونُ آخِرَ مَا يَقُولُ بَيْنَ التَّشَهُّدِ وَالتَّسْلِيمِ، اللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِي مَا قَدَّمْتُ وَمَا أَخَّرْتُ، وَمَا أَسْرَرْتُ وَمَا أَعْلَنْتُ، وَمَا أَنْتَ أَعْلَمُ بِهِ مِنِّي، أَنْتَ الْمُقَدِّمُ، وَأَنْتَ الْمُؤَخِّرُ، لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ۔(۱)

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز میں کھڑے ہوتے تو (تکبیر کے بعد ثناء کی جگہ) یہ دعا پڑھتے: وجہت وجہی سے آخر تک (ترجمہ: میں نے اپنے چہرے کو مکمل یکسوئی سے اس ذات کی طرف متوجہ کرلیا، جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا، اور میں شرک کرنے والوں میں سے نہیں ہوں، یقیناً میری نماز، میری عبادت، میرا جینا اور میرا مرنا خالص اس اللہ کے لئے ہے جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے، اس کا کوئی شریک نہیں، اور مجھے اسی (خالص توحید) کا حکم دیا گیا ہے، اور میں (اس امت میں سے) ماننے والوں میں سے پہلا

(۱) الصحیح لمسلم ۱/ ۲۶۳ کتاب صلاۃ المسافرین و قصرھا، باب: صلاۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم ودعاءہ باللیل، ط: قدیمی۔

ہوں،) اے اللہ! تو ہی بادشاہ ہے، تیرے علاوہ کوئی عبادت کے لائق نہیں، تو ہی مجھے پالنے والا ہے اور میں تیرا بندہ ہوں، میں نے اپنی جان پر ظلم کیا، اور اپنے گناہوں کا اعتراف کیا، لہٰذا میرے تمام گناہ معاف فرما دیجئے، کیونکہ گناہوں کو صرف تو ہی بخش سکتا ہے، اور میری اچھے اخلاق کی طرف رہنمائی کر دیجئے (یعنی توفیق عطا فرما، کیونکہ) اچھے اخلاق کی طرف صرف تو ہی رہنمائی کر سکتا ہے، اور مجھ سے برے اخلاق پھیر دے (یعنی دور کر دے، کیونکہ) مجھ سے برے اخلاق تو ہی دور کر سکتا ہے، میں نے تجھ پر ایمان لایا، تو ہی برکت والا اور برتر ہے، میں تجھ سے اپنے گناہوں کی مغفرت طلب کرتا ہوں، اور تیری طرف رجوع کرتا ہوں۔

اور جب آپ رکوع کرتے تو یہ دعا پڑھتے: اللھم لک رکعت... اے اللہ میں نے تیرے لئے ہی رکوع کیا اور تجھ ہی پر ایمان لایا، اور تیرا فرمانبردار بنا، تیرے لئے میرے کان، میری آنکھ، میرا مغز (یعنی میرا دماغ) میری ہڈیاں اور میرے پٹھے جھک گئے، اور جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم رکوع سے سر اٹھاتے تو یہ دعا پڑھتے: اللھم لک الحمد ... اے اللہ تیرے لئے تمام تعریفیں ہیں تمام آسمانوں اور زمینوں کے بھراؤ کے بقدر، اور اس چیز کے بھراؤ کے برابر، جو آسمان و زمین کے درمیان ہے اور اس چیز کے بھراؤ کے برابر جو تو چاہے، اور جب آپ سجدہ کرتے تو یہ دعا پڑھتے: اللھم لک سجدت ..... اے اللہ میں نے تیرے لئے ہی سجدہ کیا، تجھ ہی پر ایمان لایا، اور تیرا ہی تابع بنا، میرے چہرے نے اس ذات کے لئے سجدہ کیا جس نے اسے پیدا کیا، اور اس کی صورت بنائی، جس نے اس میں کان اور آنکھ پیدا کی، سو اللہ جل شانہ برکتوں والا ہے اور سب سے اچھا پیدا کرنے والا ہے۔

پھر آخر میں تشہد کے بعد سلام سے پہلے یہ دعا پڑھتے: اللھم اغفر لی ... اے اللہ میرے ان تمام گناہوں کو معاف فرما دیجئے، جو میں نے پہلے کئے تھے اور جو بعد میں کئے ہیں اور ان گناہوں کو بھی معاف فرما دے، جن کو میں نے چھپ کر کیا اور جن کو میں نے کھلم کھلا کیا، اور ان گناہوں کو بھی، جن کو تو مجھ سے زیادہ جانتا ہے، تو ہی آگے کرنے والا ہے، اور تو ہی پیچھے کرنے والا ہے، تیرے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔

عَنْ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ إِذَا قَامَ إِلَى الصَّلَاةِ قَالَ: وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِي فَطَرَ السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضَ حَنِيفًا وَمَا أَنَا مِنَ الْمُشْرِكِينَ، إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ، لَا شَرِيكَ لَهُ وَبِذٰلِكَ أُمِرْتُ وَأَنَا مِنَ الْمُسْلِمِينَ، اللّٰهُمَّ أَنْتَ الْمَلِكُ لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ، أَنْتَ رَبِّي وَأَنَا عَبْدُكَ، ظَلَمْتُ نَفْسِي وَاعْتَرَفْتُ بِذَنْبِي، فَاغْفِرْ لِي ذُنُوبِي جَمِيعًا إِنَّهُ لَا يَغْفِرُ الذُّنُوبَ إِلَّا أَنْتَ، وَاهْدِنِي لِأَحْسَنِ الْأَخْلَاقِ، لَا يَهْدِي لِأَحْسَنِهَا إِلَّا أَنْتَ، وَاصْرِفْ عَنِّي سَيِّئَهَا، لَا يَصْرِفُ عَنِّي سَيِّئَهَا إِلَّا أَنْتَ، لَبَّيْكَ وَسَعْدَيْكَ، وَالْخَيْرُ كُلُّهُ فِي يَدَيْكَ، وَالشَّرُّ لَيْسَ إِلَيْكَ، أَنَا بِكَ وَإِلَيْكَ، تَبَارَكْتَ وَتَعَالَيْتَ، أَسْتَغْفِرُكَ وَأَتُوبُ إِلَيْكَ، فَإِذَا رَكَعَ قَالَ: اللّٰهُمَّ لَكَ رَكَعْتُ، وَبِكَ آمَنْتُ، وَلَكَ

أَسْلَمْتُ، خَشَعَ لَکَ سَمْعِي وَبَصَرِي وَعِظَامِي وَعَصَبِي، فَإِذَا رَفَعَ قَالَ: اللّٰهُمَّ رَبَّنَا لَکَ الحَمْدُ مِلْءَ السَّمَاءِ، وَمِلْءَ الأَرْضِ، وَمِلْءَ مَا بَيْنَهُمَا، وَمِلْءَ مَا شِئْتَ مِنْ شَيْءٍ بَعْدُ، فَإِذَا سَجَدَ قَالَ: اللّٰهُمَّ لَکَ سَجَدْتُ، وَبِکَ آمَنْتُ، وَلَکَ أَسْلَمْتُ، سَجَدَ وَجْهِي لِلَّذِي خَلَقَهُ وَصَوَّرَهُ، وَشَقَّ سَمْعَهُ وَبَصَرَهُ، تَبَارَکَ اللّٰهُ أَحْسَنُ الخَالِقِينَ، ثُمَّ يَقُولُ مِنْ آخِرِ مَا يَقُولُ بَيْنَ التَّشَهُّدِ وَالتَّسْلِيمِ: اللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِي مَا قَدَّمْتُ وَمَا أَخَّرْتُ، وَمَا أَسْرَرْتُ وَمَا أَعْلَنْتُ، وَمَا أَسْرَفْتُ وَمَا أَنْتَ أَعْلَمُ بِهِ مِنِّي، أَنْتَ المُقَدِّمُ وَأَنْتَ المُؤَخِّرُ، لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ.

حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ جب نماز کے لئے کھڑے ہوتے تو یہ دعا پڑھتے: وجهت وجهي....

(یہ دعا گذشتہ روایت میں لا یصرف عنی سیئا الا انت تک گذر چکی ہے، اس لئے اس کے بعد کا ترجمہ یہ ہے: لبیک وسعدیک...... اے اللہ میں حاضر ہوں اور تیری ہی اطاعت کرتا ہوں، ساری بھلائی تیرے قبضہ قدرت میں ہے، اور برائی تیری جانب منسوب نہیں کی جاتی، میں تجھ پر ہی اعتماد کرتا ہوں اور تیری طرف ہی پناہ لیتا ہوں، تو ہی بابرکت اور برتر ہے، میں تجھ سے مغفرت چاہتا ہوں اور تیری طرف ہی رجوع کرتا ہوں۔)

(اس کے بعد جتنی دعائیں ہیں ان کا ترجمہ گذشتہ روایت میں گذر چکا ہے)

عَنْ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ، عَنْ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ كَانَ إِذَا قَامَ إِلَى الصَّلَاةِ المَكْتُوبَةِ، رَفَعَ يَدَيْهِ حَذْوَ مَنْكِبَيْهِ، وَيَصْنَعُ ذٰلِکَ إِذَا قَضَى قِرَاءَتَهُ وَأَرَادَ أَنْ يَرْكَعَ، وَيَصْنَعُهُ إِذَا رَفَعَ رَأْسَهُ مِنَ الرُّكُوعِ، وَلَا يَرْفَعُ يَدَيْهِ فِي شَيْءٍ مِنْ صَلَاتِهِ وَهُوَ قَاعِدٌ، فَإِذَا قَامَ مِنْ سَجْدَتَيْنِ رَفَعَ يَدَيْهِ كَذٰلِکَ فَكَبَّرَ، وَيَقُولُ حِينَ يَفْتَتِحُ الصَّلَاةَ بَعْدَ التَّكْبِيرِ: وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِي فَطَرَ السَّمٰوَاتِ وَالأَرْضَ حَنِيفًا وَمَا أَنَا مِنَ المُشْرِكِينَ، إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلّٰهِ رَبِّ العَالَمِينَ، لَا شَرِيکَ لَهُ، وَبِذٰلِکَ أُمِرْتُ وَأَنَا مِنَ المُسْلِمِينَ، اللّٰهُمَّ أَنْتَ المَلِکُ لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ، سُبْحَانَکَ أَنْتَ رَبِّي، وَأَنَا عَبْدُکَ، ظَلَمْتُ نَفْسِي وَاعْتَرَفْتُ بِذَنْبِي، فَاغْفِرْ لِي ذُنُوبِي جَمِيعًا، إِنَّهُ لَا يَغْفِرُ الذُّنُوبَ إِلَّا أَنْتَ، وَاهْدِنِي لِأَحْسَنِ الأَخْلَاقِ، لَا يَهْدِي لِأَحْسَنِهَا إِلَّا أَنْتَ، وَاصْرِفْ عَنِّي سَيِّئَهَا، لَا يَصْرِفُ عَنِّي سَيِّئَهَا إِلَّا أَنْتَ، لَبَّيْکَ وَسَعْدَيْکَ، أَنَا بِکَ وَإِلَيْکَ، وَلَا مَنْجَا، وَلَا مَلْجَأَ إِلَّا إِلَيْکَ، أَسْتَغْفِرُکَ وَأَتُوبُ إِلَيْکَ، ثُمَّ يَقْرَأُ، فَإِذَا رَكَعَ كَانَ كَلَامُهُ فِي رُكُوعِهِ أَنْ يَقُولَ: اللّٰهُمَّ لَکَ رَكَعْتُ، وَبِکَ آمَنْتُ، وَلَکَ أَسْلَمْتُ، وَأَنْتَ رَبِّي، خَشَعَ سَمْعِي وَبَصَرِي وَمُخِّي وَعَظْمِي لِلّٰهِ رَبِّ العَالَمِينَ، فَإِذَا رَفَعَ رَأْسَهُ مِنَ الرُّكُوعِ قَالَ: سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهُ، ثُمَّ يُتْبِعُهَا: اللّٰهُمَّ رَبَّنَا لَکَ الحَمْدُ مِلْءَ السَّمٰوَاتِ وَالأَرْضِ، وَمِلْءَ مَا شِئْتَ مِنْ شَيْءٍ بَعْدُ، فَإِذَا سَجَدَ قَالَ فِي سُجُودِهِ: اللّٰهُمَّ لَکَ سَجَدْتُ، وَبِکَ آمَنْتُ، وَلَکَ أَسْلَمْتُ، وَأَنْتَ رَبِّي، سَجَدَ وَجْهِي لِلَّذِي خَلَقَهُ وَشَقَّ سَمْعَهُ

وَبَصَرَهُ، تَبَارَكَ اللهُ أَحْسَنُ الْخَالِقِينَ. وَيَقُولُ عِنْدَ انْصِرَافِهِ مِنَ الصَّلَاةِ: اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِي مَا قَدَّمْتُ وَمَا أَخَّرْتُ، وَمَا أَسْرَرْتُ وَمَا أَعْلَنْتُ، وَأَنْتَ إِلٰهِي لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ.

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ جب فرض نماز کے لئے کھڑے ہوتے تو اپنے دونوں ہاتھوں کو شانوں کے برابر اٹھاتے، اور اسی طرح رفع یدین کرتے جب اپنی قراءت سے فارغ ہو جاتے اور رکوع کرنے کا ارادہ کرتے اور اس وقت بھی رفع یدین کرتے جب آپ اپنا سر مبارک رکوع سے اٹھاتے اور آپ اس وقت نماز میں رفع یدین نہ کرتے جبکہ آپ بیٹھے ہوتے (یعنی تشہد اور دونوں سجدوں میں رفع یدین نہ کرتے) اور جب دو سجدے یعنی دو رکعتیں پڑھنے کے بعد کھڑے ہوتے تو بھی رفع یدین کرتے، اور جب نماز شروع کرتے تو تکبیر کے بعد یہ دعا پڑھتے: وجهت وجهي...... سبحانک (تیری ذات پاک ہے)...... لا منجأ منک و لا ملجأ الا الیک (اور تیرے عذاب سے صرف تو ہی پناہ دے سکتا ہے اور تیرے علاوہ اور کوئی پناہ کی جگہ نہیں) و اذا رفع رأسه من الرکوع...... اور جب آپ اپنا سر رکوع سے اٹھاتے تو سمع اللہ لمن حمدہ (اللہ نے اس شخص کی تعریف سن لی جس نے اس کی تعریف کی ہے) کہتے، اور اس کے بعد یہ کہتے: اللھم ربنا و لک الحمد.... اے اللہ، اے ہمارے رب تمام تعریفیں تیرے لئے ہیں تمام آسمانوں اور زمین کے بھراؤ کے بقدر، اور اس چیز کے بھراؤ کے برابر جس کو تو چاہے، (ان الفاظ کے علاوہ باقی تمام احادیث کا ترجمہ پچھلی حدیث میں گذر چکا ہے)

مشکل الفاظ کے معنی: کانوا فیہ یختلفون: دین کا وہ امر جس میں وہ دنیا میں اختلاف کیا کرتے تھے، باذنک: آپ کی توفیق سے، حکم سے، وجھت: میں نے متوجہ کیا، نسکی: (نون اور سین پر پیش) میری عبادت، و اصرف عنی سیئھا: مجھ سے برے اخلاق دور کر دیجئے، تعالیت: تو بلند و برتر ہے، مخی: (میم پر پیش اور خاء کے نیچے زیر و تشدید) میرا مغز یعنی میرا دماغ، عصبی: میرے پٹھے، ثم یتبعھا: (باب افعال سے) پھر اس کے بعد یہ دعا پڑھتے، ملأ السموات و الارض: آسمانوں اور زمین کے بھراؤ کے بقدر، شق سمعہ و بصرہ: اس نے اس کے کان اور آنکھ بنائی، ما اسررت: جو گناہ میں نے چھپ کر کیا، لبیک: میں حاضر ہوں، سعدیک: میں تیری ہی اطاعت کرتا ہوں، والشر لیس الیک: اور شر کو تیری طرف منسوب نہیں کیا جاتا، اور شر سے تیرا قرب حاصل نہیں کیا جا سکتا، أنا بک و الیک: اصل عبارت اس طرح ہے انا اثق بک و التجی الیک میں تجھ پر ہی بھروسہ کرتا ہوں اور تیری طرف ہی رجوع کرتا ہوں، حذو منکبیہ: اپنے کندھوں کے برابر، لا منجأ منک: تیرے عذاب سے کوئی نجات کا راستہ نہیں۔

نماز میں تکبیر کے بعد اور رکوع وسجود کے چند مسنون اذکار

مذکورہ اذکار نماز میں تکبیر کے بعد ثناء کی جگہ پڑھنے چاہئے، فرض اور نفل دونوں طرح کی نمازوں میں انہیں پڑھا جا سکتا

ہے، البتہ اگر امام ہو تو اسے صرف ثناء پر یا اس طرح کے اور مختصر ذکر پر اکتفا کرنا چاہیے، تاکہ لوگوں کو تکلیف نہ ہو، چنانچہ روایات میں سے بعض میں نفل نماز جبکہ بعض میں فرض نماز کا بھی ذکر ہے، اس لئے اگر مقتدی اس قسم کے ہوں کہ وہ طویل قیام اور قراءت سے اکتاتے نہیں، بلکہ انہیں اس چیز کی رغبت ہوتی ہے تو پھر ان کا امام اگر فرض نماز میں بھی یہ طویل اذکار پڑھ لے، تو اس میں کوئی حرج نہیں۔(۱) نیز مذکورہ احادیث میں رکوع اور اس سے اٹھنے کے وقت اور سجود کے اذکار بھی ہیں، انہیں بھی اپنی نمازوں میں پڑھنے کا معمول بنانا چاہیے۔

والشر لیس الیک اور شر کو تیری طرف منسوب نہیں کیا جاتا، اس جملے کا کیا مطلب ہے، حالانکہ خیر اور شر دونوں کا خالق اللہ جل جلالہ ہی ہے، اس لیے امام نووی فرماتے ہیں کہ شارحین حدیث نے اس کے مختلف مطلب بیان کئے ہیں:

۱۔ شر کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل نہیں کیا جا سکتا۔

۲۔ شر اللہ تعالیٰ تک نہیں پہنچتا بلکہ اعمال صالحہ ہی اللہ تک پہنچائے جاتے ہیں۔

۳۔ شر کو اللہ کی طرف منسوب نہیں کیا جاتا کیونکہ اللہ نے تو اپنی کسی حکمت سے اس شر کو پیدا کیا ہے بلکہ وہ مخلوق کے اعتبار سے شر ہے۔(۲)

بَابُ مَا يَقُولُ فِي سُجُودِ الْقُرْآنِ

یہ باب ان احادیث پر مشتمل ہے جن میں قرآن کے سجدوں یعنی تلاوت کے سجدوں میں پڑھی جانے والی بعض تسبیحات کا ذکر ہے

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: جَاءَ رَجُلٌ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ يَا رَسُولَ اللهِ: رَأَيْتُنِي اللَّيْلَةَ وَأَنَا نَائِمٌ كَأَنِّي كُنْتُ أُصَلِّي خَلْفَ شَجَرَةٍ، فَسَجَدْتُ فَسَجَدَتِ الشَّجَرَةُ لِسُجُودِي، فَسَمِعْتُهَا وَهِيَ تَقُولُ: اللَّهُمَّ اكْتُبْ لِي بِهَا عِنْدَكَ أَجْرًا، وَضَعْ عَنِّي بِهَا وِزْرًا، وَاجْعَلْهَا لِي عِنْدَكَ ذُخْرًا، وَتَقَبَّلْهَا مِنِّي كَمَا تَقَبَّلْتَهَا مِنْ عَبْدِكَ دَاوُدَ - قَالَ ابْنُ جُرَيْجٍ: قَالَ لِي جَدُّكَ: قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ - فَقَرَأَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَجْدَةً ثُمَّ سَجَدَ، قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: فَسَمِعْتُهُ وَهُوَ يَقُولُ مِثْلَ مَا أَخْبَرَهُ الرَّجُلُ عَنْ قَوْلِ الشَّجَرَةِ.(۳)

حضرت عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں کہ ایک شخص (یعنی حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ) نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا اے اللہ کے رسول! آج رات میں نے خواب میں اپنے آپ کو یوں دیکھا کہ گویا میں ایک درخت کے پیچھے نماز پڑھ رہا ہوں، میں نے سجدہ (تلاوت) کیا تو اس درخت نے بھی میرے ساتھ سجدہ

---

(۱) الکوکب الدری ۴/۳۴۲

(۲) شرح مسلم للنووی ۱/۲۶۳، کتاب صلاۃ المسافرین باب صلاۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم ودعاءہ باللیل۔

(۳) سنن ابن ماجۃ، کتاب اقامۃ الصلاۃ، باب سجود القرآن، رقم: ۱۰۵۳۔

(تلاوت) کیا، میں نے سنا کہ وہ درخت یہ دعا پڑھ رہا تھا: اللھم اکتب لی بھا ..... عبدک داؤد۔ (ترجمہ: اے اللہ! میرے لئے اس سجدے کا اجر لکھ دے، اور اس کی وجہ سے مجھ سے (گناہوں کا) بوجھ ہلکا کردے (یعنی گناہ معاف فرمادے) اور اس سجدے کو میرے لئے اپنے پاس ذخیرہ بنالیجئے اور اس سجدے کو مجھ سے اسی طرح قبول کر جس طرح تو نے اپنے بندے داؤد سے اسے قبول کیا تھا) حدیث کے راوی حسن بن محمد کہتے ہیں کہ مجھ سے ابن جریج نے کہا کہ مجھے تمہارے (یعنی حسن کے) دادا عبید اللہ بن ابی یزید نے کہا کہ ابن عباس فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے (سورہ ص کی) آیت سجدہ تلاوت کی پھر سجدہ (تلاوت) کیا، ابن عباس فرماتے ہیں کہ میں نے آپ ﷺ کو (سجدہ تلاوت میں) وہی کلمات کہتے ہوئے سنا، جو اس آدمی نے اس درخت کے نقل کئے تھے۔

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ فِي سُجُودِ الْقُرْآنِ بِاللَّيْلِ: سَجَدَ وَجْهِي لِلَّذِي خَلَقَهُ، وَشَقَّ سَمْعَهُ وَبَصَرَهُ بِحَوْلِهِ وَقُوَّتِهِ.(۱)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ رات کو قرآن مجید کی تلاوت کے سجدوں میں یہ تسبیح پڑھا کرتے تھے: سجد وجھی للذی خلقه وشق سمعه وبصره بحوله وقوته (میرے چہرے نے اس ذات کے لئے سجدہ کیا، جس نے اسے پیدا کیا، اور جس نے اپنی طاقت وقدرت سے اس کے کان اور آنکھیں بنائیں)۔

مشکل الفاظ کے معنی: ضع عنی: (صیغہ امر) تو مجھ سے دور کردے، ختم کردے، وزراً: (واؤ کے نیچے زیر اور زا ساکن): بوجھ، وبال، عذاب، ذخراً: (ذال پر پیش اور خاء ساکن) ذخیرہ، شق سمعه وبصره: اللہ نے اس کے کان اور آنکھیں بنائیں۔

سجدہ تلاوت کی چند تسبیحات

مذکورہ احادیث میں سجدہ تلاوت کی دو تسبیحات بیان کی گئی ہیں جن کی تفصیل یہ ہے:

۱۔ پہلی روایت میں حضرت ابوسعید خدری نے نبی کریم ﷺ کو بتایا کہ میں ایک درخت کے پاس سجدہ تلاوت کرنے لگا تو میرے ساتھ درخت نے بھی سجدہ کیا، اور وہ درخت سجدہ تلاوت میں یہ تسبیح یعنی دعا پڑھ رہا تھا: اللھم اکتب لی بھا عندک أجراً......

فقرأ النبی ﷺ سجدة ثم سجد، ملا علی قاری فرماتے ہیں کہ بظاہر آپ ﷺ نے سورہ ص کی آیت سجدہ پڑھی یا سورہ سجدہ کی آیت تلاوت فرمائی تھی۔(۲)

---

(۱) سنن ابی داؤد، الصلاۃ، باب مایقول اذا سجد، رقم: ۱۴۱۴۔

(۲) مرقاۃ المفاتیح ۱۰۸/۳، کتاالصلاۃ، باب سجود القرآن۔

قال ابن جريج: قال لی جدک، یہ کلام حدیث کے راوی حسن بن محمد بن عبید اللہ بن ابی یزید کا ہے کہ ابن جریج نے مجھے کہا کہ تمہارے دادا عبید اللہ بن ابی یزید فرماتے ہیں کہ ابن عباس نے یوں فرمایا ہے۔(۱)

۲۔ حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ رات کو جب آپ ﷺ آیت سجدہ تلاوت فرماتے تو سجدہ تلاوت میں آپ یہ تسبیح پڑھتے: سجد وجهی……

اس حدیث میں "رات" کی قید اتفاقی ہے، یہ بات حضرت عائشہ نے اپنے علم کے مطابق فرمائی ہے ورنہ تو آپ ﷺ دن میں بھی سجدہ تلاوت میں یہ تسبیح بسا اوقات پڑھا کرتے تھے، اس سے معلوم ہوا کہ اتباع سنت کی نیت سے کبھی سجدہ تلاوت میں بھی یہ تسبیحات پڑھنی چاہئیں، صرف سبحان ربی الاعلیٰ پر ہی اکتفاء نہیں کرنا چاہیے۔

بَابُ مَا يَقُولُ إِذَا خَرَجَ مِنْ بَيْتِهِ

یہ باب اس دعا کے بیان میں ہے، جو آدمی گھر سے نکلتے وقت کہے

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَنْ قَالَ - يَعْنِي - إِذَا خَرَجَ مِنْ بَيْتِهِ: بِسْمِ اللّٰهِ، تَوَكَّلْتُ عَلَى اللّٰهِ، لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ، يُقَالُ لَهُ: كُفِيتَ، وَوُقِيتَ، وَتَنَحَّى عَنْهُ الشَّيْطَانُ.(۲)

حضرت انس بن مالک سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو شخص گھر سے نکلتے وقت یہ پڑھے بسم اللہ…… الا باللہ (میں اللہ کے نام سے نکل رہا ہوں، میں نے اللہ پر ہی بھروسہ کیا، گناہ سے بچنے اور نیکی کرنے کی طاقت صرف اللہ ہی کی طرف سے ہے) تو اسے کہا جاتا ہے تیری کفایت کر دی گئی اور تجھے شر سے بچا لیا گیا، اور شیطان اس سے دور ہو جاتا ہے۔

بَابٌ مِنْهُ: عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ إِذَا خَرَجَ مِنْ بَيْتِهِ قَالَ: بِسْمِ اللّٰهِ، تَوَكَّلْتُ عَلَى اللّٰهِ، اللّٰهُمَّ إِنَّا نَعُوذُ بِكَ مِنْ أَنْ نَزِلَّ، أَوْ نَضِلَّ، أَوْ نَظْلِمَ، أَوْ نُظْلَمَ، أَوْ نَجْهَلَ، أَوْ يُجْهَلَ عَلَيْنَا.(۳)

حضرت ام سلمہ فرماتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ جب گھر سے نکلتے تو یہ دعا پڑھتے: بسم اللہ…… (ترجمہ: اللہ کے نام سے، میں نے اللہ ہی پر بھروسہ کیا، اے اللہ ہم تجھ سے اس بات کی پناہ مانگتے ہیں کہ ہم پھسل جائیں، یا ہم گمراہ ہو جائیں، یا ہم ظلم کریں یا ہم پر ظلم کیا جائے یا ہم جاہل ہوں یا ہمیں جاہل رکھا جائے۔)

مشکل الفاظ کے معنی: کفیت: (صیغہ مجہول) تیری کفایت کی گئی یعنی تجھے شر اور برائی سے محفوظ کر دیا گیا، بچا لیا گیا، وقیت:

---

(۱) تحفۃ الاحوذی ۳/۲۰۷، کتاب الصلاۃ باب ما یقول فی سجود القرآن۔

(۲) سنن ابی داؤد، کتاب الأدب، باب ماجاء فیمن دخل بیتہ ما یقول، رقم:۵۰۹۵۔

(۳) ایضا، رقم الحدیث:۵۰۹۴

(صیغہ مجہول) تجھے بچالیا گیا، تنحی: دور ہو گیا، نزل: (نون پر زبر، زا کے نیچے زیر اور لام پر زبر و تشدید) ہم پھسل جائیں، نجهل: (معروف) ہم جاہل ہوں، یجهل علینا: (باب افعال سے صیغہ مجہول) ہمیں جاہل بنایا جائے، جاہل رکھا جائے، ہمارے ساتھ جاہلوں والا معاملہ کیا جائے یعنی ایذاء پہنچائی جائے۔

گھر سے نکلتے وقت کی مسنون دعا

مذکورہ دو حدیثوں میں گھر سے نکلنے کی دو دعائیں ذکر کی گئی ہیں، انہیں گھر سے نکلتے وقت پڑھنے کا اہتمام کرنا چاہیے، ان کی برکت سے انسان ہر قسم کے شر سے محفوظ ہو جاتا ہے، اس کا گھر اور وہ خود اللہ جل شانہ کے حفظ و امان میں آجاتا ہے۔

بَاب مَا يَقُولُ إِذَا دَخَلَ السُّوقَ

یہ باب اس دعا کے بیان میں ہے جو انسان بازار میں داخل ہوتے وقت کہے

عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ وَاسِعٍ، قَالَ: قَدِمْتُ مَكَّةَ فَلَقِيَنِي أَخِي سَالِمُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ، فَحَدَّثَنِي، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ جَدِّهِ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: مَنْ دَخَلَ السُّوقَ، فَقَالَ: لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ، لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ يُحْيِي وَيُمِيتُ، وَهُوَ حَيٌّ لَا يَمُوتُ، بِيَدِهِ الْخَيْرُ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ، كَتَبَ اللَّهُ لَهُ أَلْفَ أَلْفِ حَسَنَةٍ، وَمَحَا عَنْهُ أَلْفَ أَلْفِ سَيِّئَةٍ، وَرَفَعَ لَهُ أَلْفَ أَلْفِ دَرَجَةٍ. (۱)

محمد بن واسع کہتے ہیں کہ میں مکہ مکرمہ آیا، مجھ سے میرے دینی بھائی سالم بن عبداللہ بن عمر نے ملاقات کی اور انہوں نے اپنے دادا حضرت عمر سے حدیث بیان کی کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو شخص بازار میں داخل ہوتے وقت لا الہ الا اللہ سے قدیر تک پڑھ لے (ترجمہ: اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، وہ تنہا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں، بادشاہت اور تمام تعریفیں صرف اسی کے لئے ہی ہیں، وہی مارتا اور زندہ کرتا ہے، وہ ہمیشہ سے زندہ ہے کبھی وہ مرے گا نہیں، تمام بھلائی اسی کے قبضہ میں ہے، اور وہ ہر چیز پر قادر ہے) اللہ تعالیٰ اس کے لئے دس لاکھ نیکیاں لکھ دیتے ہیں، اس کی دس لاکھ برائیاں مٹا دیتے ہیں اور اس کے دس لاکھ درجے بلند کر دیتے ہیں۔

عَنْ سَالِمِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ جَدِّهِ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: مَنْ قَالَ فِي السُّوقِ: لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ، لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ، يُحْيِي وَيُمِيتُ وَهُوَ حَيٌّ لَا يَمُوتُ، بِيَدِهِ الْخَيْرُ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ، كَتَبَ اللَّهُ لَهُ أَلْفَ أَلْفِ حَسَنَةٍ، وَمَحَا عَنْهُ أَلْفَ أَلْفِ سَيِّئَةٍ، وَبَنَى لَهُ بَيْتًا فِي الْجَنَّةِ.

---

(۱) سنن ابن ماجة، کتاب التجارات، باب الاسواق، رقم: ۲۲۳۵

حضرت عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص بازار میں یہ دعا: لا الہ الا اللہ سے قدیر تک پڑھے، تو اللہ تعالیٰ اس کی دس لاکھ نیکیاں لکھ دیتے ہیں، اور اس کے دس لاکھ گناہ مٹا دیتے ہیں اور اس کے لئے جنت میں ایک گھر بنا دیتے ہیں۔

مشکل الفاظ کے معنی: الف الف: دس لاکھ۔ محی: مٹا دیتے ہیں۔

بازار میں داخل ہونے کی دعا پر دس لاکھ نیکیاں

مذکورہ احادیث میں بازار میں داخل ہوتے وقت کی دعا کو بیان کیا گیا ہے، اس دعا کی اس قدر فضیلت ہے کہ اس کو پڑھنے سے انسان کو دس لاکھ نیکیاں عطا کی جاتی ہیں، دس لاکھ گناہ مٹا دیئے جاتے ہیں، دس لاکھ درجات بلند کئے جاتے ہیں، اور مزید یہ کہ جنت میں اس کے لئے اللہ جل شانہ ایک محل بنا دیتے ہیں اور یہ فضیلت اس لیے کہ بازار ایک غفلت، تجارت اور شیطان کے غلبہ کی جگہ ہے، اس پرفتن مقام پر اس نے ذکر کر کے گویا شیطان کے ساتھ مقابلہ کیا، اور اللہ کی عظمت و کبریائی بیان کی، اس بناء پر اسے یہ اعزاز حاصل ہوئے ہیں۔(۱)

بَاب مَا يَقُولُ العَبْدُ إِذَا مَرِضَ

یہ باب اس دعا کے بیان میں ہے جو بندہ اس وقت کہے جب وہ بیمار ہو

عَنِ الأَغَرِّ أَبِي مُسْلِمٍ، قَالَ: أَشْهَدُ عَلَى أَبِي سَعِيدٍ، وَأَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّهُمَا شَهِدَا عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ: مَنْ قَالَ: لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ وَاللهُ أَكْبَرُ، صَدَّقَهُ رَبُّهُ، فَقَالَ: لَا إِلَهَ إِلَّا أَنَا، وَأَنَا أَكْبَرُ، وَإِذَا قَالَ: لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ وَحْدَهُ قَالَ: يَقُولُ اللهُ: لَا إِلَهَ إِلَّا أَنَا وَحْدِي، وَإِذَا قَالَ: لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ، قَالَ اللهُ: لَا إِلَهَ إِلَّا أَنَا وَحْدِي لَا شَرِيكَ لِي، وَإِذَا قَالَ: لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ، لَهُ المُلْكُ، وَلَهُ الحَمْدُ، قَالَ اللهُ: لَا إِلَهَ إِلَّا أَنَا، لِيَ المُلْكُ وَلِيَ الحَمْدُ، وَإِذَا قَالَ: لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللهِ، قَالَ اللهُ: لَا إِلَهَ إِلَّا أَنَا، وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِي، وَكَانَ يَقُولُ: مَنْ قَالَهَا فِي مَرَضِهِ، ثُمَّ مَاتَ، لَمْ تَطْعَمْهُ النَّارُ.(۲)

حضرت اغر ابو مسلم کہتے ہیں کہ میں حضرت ابو سعید اور حضرت ابو ہریرہ دونوں کے بارے میں گواہی دیتا ہوں کہ ان دونوں نے گواہی دی (یعنی سنا) کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو شخص یہ کہے: لا الہ الا اللہ و اللہ اکبر تو اللہ تعالیٰ اس کی تصدیق کرتے ہیں اور (جواب میں) فرماتے ہیں: لا الہ الا انا و انا اکبر (میرے علاوہ کوئی عبادت

---

(۱) مرقاۃ المفاتیح ۱۴۳/۵، کتاب الدعوات، باب الدعوات فی الاوقات، رقم: ۲۴۳۱۔

(۲) سنن ابن ماجۃ، کتاب الادب، باب فضل لا الہ الا اللہ، رقم: ۳۷۹۴

کے لائق نہیں، میں ہی بہت بڑا ہوں) اور جب بندہ یہ کہے: لا الہ الا اللہ وحدہ تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: لا الہ الا انا وحدی (میرے علاوہ کوئی عبادت کے لائق نہیں، میں اکیلا ہوں) اور جب مسلمان کہے: لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ، تو اللہ تعالیٰ جواب میں کہتے ہیں: میرے علاوہ کوئی عبادت کے لائق نہیں، میں اکیلا ہوں، میرا کوئی شریک نہیں، اور جب آدمی یہ کہے: لا الہ الا اللہ، لہ الملک و لہ الحمد تو اللہ تعالیٰ جواب میں فرماتے ہیں: میرے علاوہ کوئی عبادت کے لائق نہیں، میرے لئے ہی تمام بادشاہت اور تمام تعریفیں ہیں، اور جب بندہ کہے: لا الہ الا اللہ ولا حول ولا قوۃ الا باللہ تو اللہ تعالیٰ جواب میں فرماتے ہیں: میرے علاوہ کوئی عبادت کے لائق نہیں، اور گناہ سے بچنے یا نیکی کرنے کی طاقت صرف میری طرف سے ہی ہے، اور نبی کریم ﷺ فرمایا کرتے تھے کہ جو شخص بیماری میں یہ کلمات پڑھے اور پھر مر جائے تو اسے آگ نہیں کھائے گی۔

بیماری میں ایک مسنون ذکر

مذکورہ حدیث میں جو اذکار آپ ﷺ نے بیان فرمائے ہیں، انہیں ہر مسلمان کو پڑھنے کا اہتمام کرنا چاہیے، اور فرمایا کہ اگر یہ کلمات بیماری میں پڑھے جائیں اور پھر انسان اسی بیماری میں مر جائے تو جہنم کی آگ اس کو نہیں کھائے گی۔

انہما شہدا علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم امام سیوطی نے تدریب الراوی میں ذکر کیا ہے کہ لفظ شہادت بھی حدیث کو روایت کرنے کے الفاظ میں سے ایک لفظ ہے، جس سے سماع اور اس میں مزید پختگی مراد ہوتی ہے۔(۱)

بَابُ مَا يَقُولُ إِذَا رَأَى مُبْتَلًى

یہ باب اس دعا کے بارے میں ہے، جو آدمی اس وقت کہے، جب کسی کو آزمائش اور مصیبت میں مبتلی دیکھے

عَنْ عُمَرَ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: مَنْ رَأَى صَاحِبَ بَلَاءٍ، فَقَالَ: الحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي عَافَانِي مِمَّا ابْتَلَاكَ بِهِ، وَفَضَّلَنِي عَلَى كَثِيرٍ مِمَّنْ خَلَقَ تَفْضِيلًا، إِلَّا عُوفِيَ مِنْ ذَلِكَ البَلَاءِ، كَائِنًا مَا كَانَ، مَا عَاشَ. (۲)

حضرت عمر سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو شخص کسی آزمائش میں مبتلی شخص کو دیکھے اور یہ دعا پڑھے: الحمد للہ سے تفضیلا تک (تمام تعریفیں اس اللہ کے لئے ہیں، جس نے مجھے اس آزمائش سے عافیت عطا فرمائی، جس میں اس نے تجھے مبتلی کیا اور مجھے اپنی مخلوقات میں سے بہت سوں پر فضیلت عطا فرمائی ہے) تو وہ جب تک زندہ رہے، اسے اس آزمائش سے عافیت دے دی جاتی ہے، خواہ وہ آزمائش اور مصیبت کوئی سی بھی ہو۔

---

(۱) تدریب الراوی ۲/۲۲، النوع الرابع والعشرون، کیفیۃ سماع الحدیث، تحفۃ الاحوذی ۹/۳۶۱

(۲) العجم الصغیر للطبرانی۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَنْ رَأَى مُبْتَلًى، فَقَالَ: الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي عَافَانِي مِمَّا ابْتَلَاكَ بِهِ، وَفَضَّلَنِي عَلَى كَثِيرٍ مِمَّنْ خَلَقَ تَفْضِيلًا، لَمْ يُصِبْهُ ذٰلِكَ الْبَلَاءُ.(۱)

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو شخص کسی مصیبت زدہ کو دیکھے اور یہ دعا پڑھے: اَلحمد للہ الذی عافانی...... تو اسے وہ مصیبت اور آزمائش نہیں پہنچے گی۔

مشکل الفاظ کے معنیٰ: صاحب بلاء: آزمائش میں مبتلی انسان، وفضلنی: (تفضیل سے) اور اس نے مجھے فضیلت عطا فرمائی، عوفی: (صیغہ مجہول) اسے عافیت دے دی جاتی ہے، کائناما کان: خواہ وہ آزمائش کوئی سی بھی ہو، ماعاش: جب تک وہ زندہ رہے، لم یصبہ ذلک البلاء: اسے وہ آزمائش نہیں پہنچتی۔

کسی کو آزمائش میں دیکھ کر یہ دعا مانگی جائے

مذکورہ احادیث سے ہمیں یہ درس حاصل ہو رہا ہے کہ ہم اپنی زندگی کا یہ معمول بنائیں کہ جب بھی کسی انسان کو کسی آزمائش میں دیکھیں تو اس مسنون دعا کا اہتمام کریں، الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي عَافَانِي مِمَّا ابْتَلَاكَ بِهِ، وَفَضَّلَنِي عَلَى كَثِيرٍ مِمَّنْ خَلَقَ تَفْضِيلًا، اس کی برکت سے اللہ تعالیٰ ہمیں اس آزمائش اور مصیبت سے عافیت عطا فرمادیں گے، اور ہمیں وہ آزمائش اور مصیبت نہیں پہنچے گی، یہ آزمائش خواہ جسمانی ہو، جیسے کوئی بیماری ہو یا معذور اپاہج انسان ہو، برص کی بیماری والا یا نابینا وغیرہ اور یا یہ دنیاوی آزمائش ہو جیسے مال و دولت کی محبت اور لالچ وغیرہ اور یا وہ آزمائش ذہنی ہو جیسے کوئی شخص کسی گناہ میں یا کفر و شرک میں ہے، غرض یہ کہ ہر قسم کی آزمائش میں مبتلی انسان کو دیکھ کر یہ دعا پڑھنا مسنون ہے، البتہ کسی بیمار کو دیکھ کر اس کے سامنے اونچی آواز سے یہ دعا نہیں پڑھنی چاہیے، تاکہ اس کا دل رنجیدہ اور پریشان نہ ہو، ہاں اگر کوئی کسی گناہ میں یا دنیا کی محبت میں پھنسا ہوا ہو، تو یہ دعا بلند آواز سے پڑھنی چاہیے، تاکہ اسے عبرت ہو، لیکن اگر بلند آواز سے پڑھنے میں کسی فتنہ وفساد کا اندیشہ ہو، تو پھر اس صورت میں بھی یہ دعا آہستہ مانگنی چاہیے۔(۲)

بَابُ مَا يَقُولُ إِذَا قَامَ مِنْ مَجْلِسِهِ

یہ باب اس دعا کے بیان میں ہے جسے مجلس سے اٹھتے وقت آدمی پڑھے

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَنْ جَلَسَ فِي مَجْلِسٍ، فَكَثُرَ فِيهِ لَغَطُهُ، فَقَالَ قَبْلَ أَنْ يَقُومَ مِنْ مَجْلِسِهِ ذٰلِكَ: سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ، أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ أَسْتَغْفِرُكَ وَأَتُوبُ

(۱) مجمع الزوائد للهیثمی، المعجم الصغیر للطبرانی۔

(۲) مرقاۃ المفاتیح ۵/۳۴۲، کتاب الدعوات باب الدعوات فی الاوقات، رقم: تحفۃ الاحوذی ۹/۳۶۲۔

إِلَيْكَ، إِلَّا غُفِرَ لَهُ مَا كَانَ فِي مَجْلِسِهِ ذَلِكَ. (۱)

حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو شخص کسی مجلس میں بیٹھے اور اس میں شور و غل (یعنی بے فائدہ باتیں، شور شرابا) زیادہ ہو جائے اور پھر اس مجلس سے اٹھنے سے پہلے یہ دعا پڑھ لے: سبحانک اللّٰهم ... أتوب إليك (تیری ذات ہر قسم کے عیب سے پاک ہے اے اللہ! تمام تعریفیں تیرے لئے ہی ہیں، میں گواہی دیتا ہوں کہ تیرے علاوہ کوئی عبادت کے لائق نہیں، میں تجھ سے بخشش طلب کرتا ہوں، اور تیری طرف رجوع کرتا ہوں) تو اس کی برکت سے اس مجلس کی تمام باتیں معاف کر دی جاتی ہیں۔

عَنِ ابْنِ عُمَرَ، قَالَ: كَانَ تُعَدُّ لِرَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْمَجْلِسِ الْوَاحِدِ مِائَةُ مَرَّةٍ مِنْ قَبْلِ أَنْ يَقُومَ: رَبِّ اغْفِرْ لِي وَتُبْ عَلَيَّ، إِنَّكَ أَنْتَ التَّوَّابُ الْغَفُورُ. (۲)

حضرت عبداللہ بن عمر فرماتے ہیں کہ ہر مجلس کے اٹھنے سے پہلے سو مرتبہ حضور ﷺ سے یہ دعا گنی جاتی تھی (یعنی ہر ایک مجلس میں آپ سو سو بار یہ دعا پڑھا کرتے تھے): رَبِّ اغْفِرْ لِي وَتُبْ عَلَيَّ، إِنَّكَ أَنْتَ التَّوَّابُ الْغَفُورُ. (اے اللہ مجھے بخش دے، مجھے توبہ کی توفیق دے، بے شک تو ہی توبہ کو قبول کرنے والا اور بخشنے والا ہے)

مشکل الفاظ کے معنی: لغط: (لام اور غین پر زبر) شور و غل، بے فائدہ باتیں، تعد: (صیغہ مجہول) گنا جاتا، اس کا نائب فاعل: رب اغفر لی..... ہے اور مائۃ مرۃ اس کا مفعول مطلق ہے، اور بعض نسخوں میں یہ لفظ "یعد" یاء کے ساتھ ہے، تب علی: اس کے تین معنی ہیں: میری طرف نظر رحمت فرما، مجھے توبہ کی توفیق عطا فرما، میری توبہ قبول فرما۔

مجلس سے اٹھتے وقت کی دعا

مذکورہ احادیث میں مجلس سے اٹھتے وقت کی دو دعائیں ذکر کی گئی ہیں، ان کو پڑھنے کا فائدہ یہ ہے کہ اس مجلس میں جو بھی بے ہودہ باتیں ہوئی ہوں گی، ان کو معاف کر دیا جاتا ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ مَا يَقُولُ عِنْدَ الْكَرْبِ

یہ باب اس دعا کے بیان میں ہے جو غم اور پریشانی میں انسان پڑھا کرے

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، أَنَّ نَبِيَّ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَدْعُو عِنْدَ الْكَرْبِ: لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ الْحَلِيمُ الْحَكِيمُ، لَا إِلَهَ

---

(۱) مسند احمد ۳۶۹/۲، عن ابی ہریرۃ

(۲) سنن ابی داؤد، کتاب الصلاۃ، باب فی الاستغفار، رقم: ۱۵۱۶

إِلَّا اللهُ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ، لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ رَبُّ السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضِ وَرَبُّ الْعَرْشِ الْكَرِيمِ. (۱)

حضرت عبداللہ بن عباس سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم غم اور پریشانی کے وقت یہ دعا پڑھا کرتے تھے: لا الہ الا اللہ...... (اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، وہی بردبار اور حکمت والا ہے، اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، وہی عرش عظیم کا مالک ہے، اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، وہی آسمانوں، زمین اور عرش کریم کا رب ہے)

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ إِذَا أَهَمَّهُ الْأَمْرُ رَفَعَ رَأْسَهُ إِلَى السَّمَاءِ، فَقَالَ: سُبْحَانَ اللهِ الْعَظِيمِ، وَإِذَا اجْتَهَدَ فِي الدُّعَاءِ قَالَ: يَا حَيُّ، يَا قَيُّومُ. (۲)

حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب کوئی امر پریشان کرتا تو اپنا سر آسمان کی طرف اٹھاتے اور یہ پڑھتے: سبحان اللہ العظیم (میں عظمت والے اللہ کی پاکی بیان کرتا ہوں) اور جب دعا میں کوشش کرتے یعنی خوب مبالغہ اور اہتمام فرماتے تو یہ پڑھتے: یاحی یا قیوم۔

مشکل الفاظ کے معنیٰ: الکرب: (کاف پر زبر اور را ساکن) جان لیوا غم، سخت پریشانی، الحکیم: حکمت والا، کامل علم والا، اذا أھمہ الامر: آپ کو جب کوئی امر پریشان کرتا، غمگین کرتا، و اذا اجتہد فی الدعاء: جب آپ دعا میں کوشش کرتے یعنی خوب مبالغہ اور اہتمام فرماتے۔

غم اور پریشانی کی دعا

مذکورہ احادیث میں غم، پریشانی اور بے چینی کی دعا کو بیان کیا گیا ہے، اس لئے ایسے موقع پر ان دعاؤں کا اہتمام کرنا چاہئے، طبری فرماتے ہیں کہ ہمارے اسلاف یہ دعا مانگا کرتے تھے، اور اسے وہ "دعاء الکرب" (غم سے نجات کی دعا) کہا کرتے تھے، لیکن سوال یہ ہے کہ یہ کلمات تو ذکر کے ہیں، دعا کے نہیں، پھر انہیں دعا کیسے کہا گیا ہے؟ اس کے دو جواب دیئے گئے ہیں:

- ان کلمات میں اللہ جل شانہ کی عظمت وتقدس اور بادشاہت کا ذکر ہے، یہ تمہید اً ہیں، ان کلمات کے بعد پھر آدمی جو چاہے دعا کرے، چنانچہ ایک روایت میں ہے: ثم یدعو بعد ذلک (پھر اس کے بعد دعا مانگے) اس وجہ سے انہیں دعا کہا گیا ہے۔
- سفیان بن عیینہ فرماتے ہیں کہ جو شخص اذکار میں مشغول رہتا ہو، تو اللہ تعالیٰ اسے مانگنے والوں سے بہتر عطا فرماتے ہیں، یہ ایک حدیث قدسی کا مفہوم ہے، اس لحاظ سے ان کلمات کو دعا کہا جاتا ہے۔ (۳)

---

(۱) الصحیح لمسلم ۳۵۱/۲، کتاب الذکر والدعاء، باب دعاء الکرب۔

(۲) شرح السنۃ للبغوی ۱۲۵/۳، رقم: ۱۳۲۶

(۳) شرح مسلم للنووی ۳۵۱/۲، کتاب الذکر والدعاء باب دعاء الکرب، تحفۃ الاحوذی ۳۶۶/۹۔

بَابُ مَا جَاءَ مَا يَقُولُ إِذَا نَزَلَ مَنْزِلًا

یہ باب اس دعا میں ہے، جسے آدمی اس وقت پڑھا کرے، جب کسی جگہ (دورانِ سفر) ٹھہرے

عَنْ خَوْلَةَ بِنْتِ حَكِيمٍ السُّلَمِيَّةِ، عَنْ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: مَنْ نَزَلَ مَنْزِلًا ثُمَّ قَالَ: أَعُوذُ بِكَلِمَاتِ اللّٰهِ التَّامَّاتِ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ، لَمْ يَضُرَّهُ شَيْءٌ حَتَّى يَرْتَحِلَ مِنْ مَنْزِلِهِ ذٰلِكَ.(۱)

حضرت خولہ بنت حکیم سلمیہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص کسی جگہ ٹھہرے اور یہ پڑھ لے: أعوذ بكلمات الله التامات من شر ما خلق (میں اللہ تعالیٰ کے کامل کلمات کے ذریعہ، ہر اس چیز کے شر سے پناہ مانگتا ہوں، جس کو اللہ جل شانہ نے پیدا کیا) تو اسے کوئی چیز نقصان نہیں پہنچائے گی، یہاں تک کہ وہ اس جگہ سے منتقل ہو جائے۔

سفر کے دوران کسی جگہ ٹھہرنے کی دعا

اسلام سے پہلے زمانہ جاہلیت میں لوگوں کا دستور یہ تھا کہ جب وہ سفر کے دوران کسی جگہ پڑاؤ ڈالتے تو یہ کہا کرتے: "نَعُوذُ بِسَيِّدِ هٰذَا الْوَادِي" ہم اس وادی کے سردار یعنی بڑے جن سے پناہ مانگتے ہیں، اسی کا سورہ جن کی اس آیت: ۶ میں ذکر ہے: وانه كان رجال من الانس يعوذون برجال من الجن فزاد وهم رهقا۔ اسلام نے آکر اس رسم کو باطل کیا اور یہ کہا کہ جب سفر میں کہیں ٹھہریں تو یہ کلمات پڑھا کریں: اعوذ بكلمات الله ...... اس کا فائدہ یہ ہے کہ جب تک وہ مسافر اس منزل پر ہوگا، تو اسے کوئی چیز تکلیف نہیں پہنچائے گی۔

اعوذ بكلمات الله التامات، اس میں "کلمات" سے قرآن مجید مراد ہے اور "تامات" کا مطلب یہ ہے کہ وہ کلمات اس قدر کامل ہیں کہ ان میں کوئی نقص اور عیب نہیں، وہ سراسر نافع اور باعث شفا ہیں۔(۲)

بَابُ مَا يَقُولُ إِذَا خَرَجَ مُسَافِرًا

یہ باب اس دعا پر مشتمل ہے جو سفر کے لئے جاتے ہوئے آدمی پڑھے

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا سَافَرَ فَرَكِبَ رَاحِلَتَهُ، قَالَ بِإِصْبَعِهِ - وَمَدَّ شُعْبَةُ إِصْبَعَهُ - قَالَ: اللّٰهُمَّ أَنْتَ الصَّاحِبُ فِي السَّفَرِ، وَالْخَلِيفَةُ فِي الْأَهْلِ، اللّٰهُمَّ اصْحَبْنَا بِنُصْحِكَ، وَاقْلِبْنَا بِذِمَّةٍ، اللّٰهُمَّ ازْوِ لَنَا الْأَرْضَ، وَهَوِّنْ عَلَيْنَا السَّفَرَ، اللّٰهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنْ وَعْثَاءِ السَّفَرِ، وَكَآبَةِ

(۱) صحیح مسلم ۳۴۷/۲، کتاب الذکر والدعاء باب الدعوات والتعوذ

(۲) شرح مسلم للنووی ۳۴۷/۲، کتاب الذکر والدعاء، باب الدعوات والتعوذ، تحفة الاحوذی ۳۶۸/۹

المنقلب.(۱)

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب سفر کا ارادہ کرتے تو اپنی سواری پر سوار ہوتے اور اپنی انگلی سے (آسمان کی طرف) اشارہ کرتے (اور شعبہ نے بھی اپنی انگلی دراز کر کے دکھلائی) پھر آپ ﷺ یہ دعا پڑھتے: اللهم انت الصاحب .... و کابة المنقلب (ترجمہ: اے اللہ تو ہی سفر کا ساتھی اور اہل وعیال میں جانشین ہے، اے اللہ تو اپنی خیر خواہی سے (سفر کے دوران) ہمارے ساتھ ہو جا (یعنی سفر میں ہماری خصوصی حفاظت فرمانا) اور ہمیں اپنے حفظ وامان سے (اپنے گھر) واپس لوٹا دینا، اے اللہ تو ہمارے لئے زمین کو سمیٹ دے اور ہم پر سفر آسان کر دے، اے اللہ میں تجھ سے سفر کی مشقت وسختی اور غمگین لوٹنے سے پناہ مانگتا ہوں)۔

عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ سَرْجِسَ، قَالَ: كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا سَافَرَ يَقُولُ: اللَّهُمَّ أَنْتَ الصَّاحِبُ فِي السَّفَرِ، وَالْخَلِيفَةُ فِي الأَهْلِ، اللَّهُمَّ اصْحَبْنَا فِي سَفَرِنَا، وَاخْلُفْنَا فِي أَهْلِنَا، اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنْ وَعْثَاءِ السَّفَرِ وَكَآبَةِ الْمُنْقَلَبِ، وَمِنَ الْحَوْرِ بَعْدَ الْكَوْرِ، وَمِنْ دَعْوَةِ الْمَظْلُومِ، وَمِنْ سُوءِ الْمَنْظَرِ فِي الأَهْلِ وَالْمَالِ.

حضرت عبداللہ بن سرجس فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ جب سفر کے لئے نکلتے تو یہ دعا پڑھتے: اللهم ......

(ترجمہ: اے اللہ! تو ہی سفر کا ساتھی اور اہل وعیال میں جانشین ہے، اے اللہ سفر میں تو ہمارا ساتھی ہو جا، اور ہمارے اہل میں جانشین ہو جا، اے اللہ میں تجھ سے سفر کی مشقت اور غمناک لوٹنے سے پناہ مانگتا ہوں، میں تجھ سے (رزق میں) زیادتی کے بعد کمی سے، مظلوم کی بددعا سے اور اہل وعیال اور مال میں برے منظر سے پناہ مانگتا ہوں)۔

مشکل الفاظ کے معنی: راحلة: سواری، قال باصبعه: آپ نے اپنی انگلی سے آسمان کی طرف اشارہ کیا، قال کا لفظ اشار کے معنی میں ہے، خليفة: جانشین، قائم مقام، اصحبنا: (باب سمع سے صیغہ امر) تو ہمارا ساتھی ہو جا، بنصحک: (نون پر زبر اور پیش دونوں پڑھ سکتے ہیں اور صاد ساکن) اپنی خیر وخواہی سے یعنی اپنی خصوصی حفاظت سے، اقلبنا: (باب ضرب سے صیغہ امر) تو ہم کو لوٹانا، بذمة: حفظ وامان سے، اور بعض نسخوں میں بذمتک ہے یعنی اپنے حفظ وامان سے، ازو: (باب ضرب سے صیغہ امر) تو فاصلے کو سمیٹ دے، هون: (صیغہ امر) تو آسان کر دے، وعثاء: مشقت وسختی، كابة: رنج وغم، منقلب: لوٹنا، لوٹنے کی جگہ، كابة المنقلب: غمگین لوٹنے سے، مطلب یہ ہے کہ سفر سے اس طرح لوٹوں کہ مجھے کوئی پریشانی لاحق ہو یا گھر میں اہل وعیال میں کوئی پریشان کن معاملہ درپیش ہو، میں ان تمام چیزوں سے اللہ کی پناہ مانگتا ہوں، واخلفنا: (باب نصر سے صیغہ امر) اور تو ہی ہمارا خلیفہ اور جانشین ہو جا، الحور: (حا پر زبر اور واؤ ساکن) اس کے اصل معنی ہیں: پگڑی کو لپیٹنے کے بعد کھول دینا، مگر یہاں کمی، فساد اور خرابی کے معنی مراد ہیں، الكور: (کاف پر زبر اور واؤ ساکن) اس کے اصل معنی ہیں: پگڑی کو باندھنا، یہاں صلاح، بہتری اور

---

(۱) سنن النسائی، کتاب الاستعاذة، باب الاستعاذة من کابة المنقلب، رقم: ۵۵۰۱۔
(۲) الصحیح لمسلم، کتاب الحج، باب مایقول اذا رکب الی سفر الحج۔

زیادتی کے معنی مراد ہیں، دعا کا مطلب یہ ہے کہ نعمتوں میں زیادتی کے بعد کمی سے آپ کی پناہ مانگتا ہوں، معاملہ کی بہتری کے بعد خراب ہونے اور سدھرنے کے بعد بگڑنے سے پناہ مانگتا ہوں، امام ترمذی نے اس کے معنی یہ بیان کئے ہیں: الرجوع من الایمان الی الکفر او من الطاعۃ الی المعصیۃ یعنی میں ایمان سے کفر کی طرف یا طاعت سے نافرمانی کی طرف یعنی بری حالت کی طرف لوٹنے سے پناہ مانگتا ہوں۔

سفر کی چند دعائیں

نبی کریم ﷺ کا معمول تھا کہ آپ سفر میں مذکورہ دعاؤں کا بہت اہتمام فرماتے تھے، حادثات کے اس مشینی دور میں ان دعاؤں کی اہمیت اور زیادہ بڑھ جاتی ہے، لہذا تمام مسلمانوں کو اتباع سنت کی نیت سے سفر کی یہ دعائیں ضرور پڑھنی چاہئیں، تا کہ ایک مسافر ہر طرح سے اللہ جل شانہ کے حفظ و امان میں آجائے، اللہ تعالیٰ عمل کی توفیق عطا فرمائے۔

حدیث میں خاص طور پر سفر کے وقت و من الحور بعد الکور و من دعوۃ المظلوم سے پناہ مانگی گئی ہے، کیونکہ سفر میں طرح طرح کے مسائل، مصائب اور آزمائشیں پیش آتی ہیں، اس وجہ سے سفر کا ذکر کیا گیا ورنہ سفر نہ ہو تب بھی ان کا حکم وہی ہے یعنی ان چیزوں سے اللہ کی پناہ مانگی جائے۔(۱)

بَابُ مَا يَقُولُ إِذَا رَجَعَ مِنَ السَّفَرِ

یہ باب اس دعا کے بیان میں ہے جسے آدمی اس وقت پڑھے جب وہ اپنے سفر سے لوٹے

عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ، يُحَدِّثُ عَنْ أَبِيهِ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ إِذَا قَدِمَ مِنْ سَفَرٍ قَالَ: آيِبُونَ، تَائِبُونَ عَابِدُونَ، لِرَبِّنَا حَامِدُونَ.(۲)

حضرت براء بن عازب اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ جب سفر سے واپس آتے تو یہ دعا پڑھتے: آئبون سے آخر تک۔ (ترجمہ: ہم سفر سے امن و سلامتی کے ساتھ لوٹنے والے، توبہ کرنے والے، اپنے رب کی عبادت کرنے والے، اور اس کی تعریف کرنے والے ہیں)

سفر سے واپسی کی دعا

مذکورہ حدیث میں سفر سے واپسی کی ایک دعا کا ذکر ہے، نبی کریم ﷺ یہ دعا اس موقع پر پڑھا کرتے تھے۔

---

(۱) تحفۃ الاحوذی ۳۷۱/۹

(۲) مسند احمد ۲۸۱/۴، عن براء بن عازب۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ لفظ "آئبون" سے محض لوٹنے کے معنی ہی مراد نہیں، بلکہ اس سے مخصوص کیفیت کے ساتھ لوٹنا مراد ہے کہ ہم اللہ جل شانہ کی خاص قسم کی عبادت کے ساتھ لوٹ رہے ہیں، اور پھر اس میں جو کمی کوتاہی رہ گئی ہو، اسے "تائبون" کے لفظ سے اس کے ازالے کی درخواست کر رہے ہیں، مطلب یہ ہے کہ ہم نے اپنی ہمت وطاقت کے بقدر عبادت تو ضرور کی ہے، لیکن اس میں ضرور کوئی کمی رہ گئی ہوگی، اس سے ہم توبہ کرتے ہیں اور معافی کی درخواست کرتے ہیں۔(۱)

عَنْ أَنَسٍ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ إِذَا قَدِمَ مِنْ سَفَرٍ، فَنَظَرَ إِلَى جُدْرَانِ الْمَدِينَةِ، أَوْضَعَ رَاحِلَتَهُ، وَإِنْ كَانَ عَلَى دَابَّةٍ حَرَّكَهَا مِنْ حُبِّهَا. (۲)

حضرت انس فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ جب کسی سفر سے لوٹتے اور مدینہ منورہ کی دیواروں پر نظر پڑتی، تو اپنی اونٹنی کو تیز کر لیتے اور اگر کسی اور جانور (یعنی خچر یا گھوڑے) پر ہوتے، تو اسے بھی مدینہ کی محبت کی وجہ سے حرکت دیتے (یعنی اسے بھی تیز چلاتے)

مشکل الفاظ کے معنی: جدران: جدار کی جمع ہے: دیواریں، أوضع: تیز دوڑاتے، راحلة: سواری، اونٹنی، حرکها: اس جانور کو حرکت دیتے یعنی اسے تیز کر لیتے۔

وطن کی محبت ایک فطری چیز ہے

اس حدیث میں دو باتیں ہیں:

- اس سے مدینہ منورہ کی فضیلت ثابت ہوتی ہے، آپ ﷺ سفر سے واپسی میں مدینہ کو دیکھتے ہی بہت خوش ہو جاتے، اور اپنی سواری کو تیز کر لیتے۔
- وطن کی محبت ایک فطری چیز ہے، نبی کریم ﷺ بھی مدینہ منورہ سے بہت محبت فرماتے تھے، لیکن یہ ذہن میں رہے کہ وطن کی محبت اس وقت پسندیدہ ہے جبکہ وہ شرعی دائرے کے اندر ہو، اگر وطن کی محبت کو اپنے دل ودماغ پر اس قدر سوار کر لیا جائے کہ شریعت کے احکام کا کوئی لحاظ نہ ہو، قدم قدم پر شرعی احکام کو پامال کیا جا رہا ہو تو اس طرح کی محبت کا شرعاً کوئی اعتبار نہیں، یہ سراسر ناجائز ہے۔(۳)

---

(۱) فتح الباري ۱۱/۲۲۵، کتاب الدعوات، باب الدعاء اذا اراد سفرا أو رجع
(۲) الصحیح للبخاري، کتاب العمرة، باب من أسرع ناقته، رقم: ۱۸۰۲۔
(۳) تحفة الاحوذي ۹/۳۷۳

بَاب مَا يَقُولُ إِذَا وَدَّعَ إِنْسَانًا

یہ باب ان کلمات پر مشتمل ہے، جو آدمی کسی انسان کو رخصت کرتے وقت کہتا ہے۔

عَنِ ابْنِ عُمَرَ، قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا وَدَّعَ رَجُلًا أَخَذَ بِيَدِهِ، فَلَا يَدَعُهَا حَتَّى يَكُونَ الرَّجُلُ هُوَ يَدَعُ يَدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَيَقُولُ: اسْتَوْدِعُ اللهَ دِينَكَ وَأَمَانَتَكَ وَآخِرَ عَمَلِكَ.(۱)

حضرت عبداللہ بن عمر فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ جب کسی آدمی کو رخصت فرمانے لگتے تو اس کا ہاتھ پکڑ لیتے، اور اس ہاتھ کو اس وقت تک نہ چھوڑتے، جب تک کہ وہ خود نبی کریم ﷺ کا ہاتھ نہ چھوڑ لیتا اور پھر یہ کلمات ارشاد فرماتے: استودع اللہ...... (میں تیرے دین، تیری امانت اور تیرے آخری عمل کو اللہ کی حفاظت میں دیتا ہوں)۔

عَنْ سَالِمٍ، أَنَّ ابْنَ عُمَرَ، كَانَ يَقُولُ لِلرَّجُلِ إِذَا أَرَادَ سَفَرًا: أَنِ ادْنُ مِنِّي أُوَدِّعْكَ كَمَا كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُوَدِّعُنَا، فَيَقُولُ: أَسْتَوْدِعُ اللهَ دِينَكَ، وَأَمَانَتَكَ، وَخَوَاتِيمَ عَمَلِكَ.(۲)

حضرت سالم فرماتے ہیں کہ جب کوئی آدمی سفر کرنا چاہتا تو عبداللہ بن عمر اسے فرماتے: میرے قریب آجاؤ، تاکہ میں تمہیں اسی طرح رخصت کروں، جس طرح رسول اللہ ﷺ ہم کو رخصت کیا کرتے تھے، پھر اسے فرماتے: استودع اللہ...... سے آخر تک۔

عَنْ أَنَسٍ، قَالَ: جَاءَ رَجُلٌ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ، إِنِّي أُرِيدُ سَفَرًا فَزَوِّدْنِي. قَالَ: زَوَّدَكَ اللهُ التَّقْوَى، قَالَ: زِدْنِي، قَالَ: وَغَفَرَ ذَنْبَكَ قَالَ: زِدْنِي بِأَبِي أَنْتَ وَأُمِّي، قَالَ: وَيَسَّرَ لَكَ الْخَيْرَ حَيْثُمَا كُنْتَ.(۳)

حضرت انس فرماتے ہیں کہ ایک شخص رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا: یارسول اللہ: میں سفر کے لئے روانہ ہو رہا ہوں، لہٰذا مجھے توشہ دے دیجئے، آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ تجھے تقویٰ کا توشہ دے، اس نے پھر عرض کیا: میرے لئے اضافہ کیجئے (یعنی مزید ارشاد فرمادیجئے) آپ ﷺ نے فرمایا: اور اللہ تعالیٰ تیرے گناہ معاف کردے، عرض کیا اور زیادہ کیجئے، میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں، آپ ﷺ نے فرمایا: اور تو جہاں کہیں بھی ہو، تیرے لئے اللہ تعالیٰ خیر کو آسان کردے۔

بَابٌ مِنْهُ: عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ رَجُلًا قَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ، إِنِّي أُرِيدُ أَنْ أُسَافِرَ فَأَوْصِنِي، قَالَ: عَلَيْكَ بِتَقْوَى اللهِ،

---

(۱) سنن ابن ماجۃ، کتاب الجھاد، باب تشییع الغزاۃ، رقم:۲۸۲۶

(۲) مسند احمد ۷/۲، عن ابن عمر۔

(۳) مسند ابن خزیمۃ ۱۳۸/۴، رقم:۲۵۳۲، عن انس بن مالک۔

وَالتَّكْبِيرِ عَلَى كُلِّ شَرَفٍ، فَلَمَّا أَنْ وَلَّى الرَّجُلُ، قَالَ: اللَّهُمَّ اطْوِ لَهُ الأَرْضَ، وَهَوِّنْ عَلَيْهِ السَّفَرَ.(۱)

حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ: میں سفر پر جانے کا ارادہ کر رہا ہوں، لہذا مجھے کوئی وصیت کر دیجئے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم پر لازم ہے اللہ سے ڈرتے رہنا اور ہر بلندی پر اللہ اکبر کہنا، پھر جب اس آدمی نے پیٹھ پھیر لی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے لئے یہ دعا کی: اے اللہ تو اس کے لئے سفر کی دوری کو لپیٹ دے (یعنی سفر کی مسافت کو قریب کر دے) اور اس پر سفر آسان کر دے۔

مشکل الفاظ کے معنی: ودع: (باب تفعیل) رخصت کیا، الوداع کیا، استودع اللہ: میں اللہ تعالیٰ کی حفاظت میں دیتا ہوں، ادن منی: (دنا سے صیغہ امر) مجھ سے قریب ہو جاؤ، فلا یدعھا: آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے ہاتھ کو نہ چھوڑتے، زودنی: مجھے توشہ دے دیجئے، مجھے زادراہ عنایت فرمایئے، اصل میں تو ''زاد'' اس سامان اور توشہ کو کہا جاتا ہے، جو انسان سفر میں ساتھ لے جاتا ہے، یہاں حدیث میں اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تجھے تقویٰ کی دولت عطا فرمائے، تاکہ تم اس کے احکام پر عمل کر سکو اور نافرمانی سے محفوظ رہو کہ یہی ساری زندگی کا زادراہ اور توشہ ہے، حیثما کنت: تو جہاں کہیں بھی ہو، شرف: (شین اور راء پر زبر کے ساتھ) بلند جگہ، جہاں سے آس پاس کی چیزیں نظر آئیں، فلما ان ولی الرجل: جب اس آدمی نے پیٹھ پھیر لی یعنی واپس چل پڑا، اطو: (باب ضرب سے صیغہ امر) تو لپیٹ دے یعنی سفر کی مسافت قریب کر دے اور اسے آسان کر دے۔

مسافر کو رخصت کرتے وقت کی چند دعائیں

مذکورہ احادیث میں مسافر کو رخصت کرتے وقت کی چند دعاؤں کا ذکر ہے، جن کی تفصیل یہ ہے:

۱۔ أَسْتَوْدِعُ اللّٰهَ دِيْنَكَ، وَأَمَانَتَكَ، وَخَوَاتِيمَ عَمَلِكَ، دوسری روایت میں خواتیم عملک کے الفاظ ہیں، اس میں ''امانۃ'' سے کیا مراد ہے؟ اس میں تین قول ہیں:

✿ دوران سفر اللہ تعالیٰ تمہاری خصوصی حفاظت فرمائے، تاکہ تم صحیح طرح سفر کی منازل طے کر لو، اور تم سے کوئی خیانت اور بد دیانتی سرزد نہ ہو۔ ✿ اس سے اہل وعیال اور اولاد مراد ہے، جو وہ اپنے گھر چھوڑ کر آیا ہے، مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہارے اہل و عیال کو امن اور سلامتی سے رکھے۔ ✿ ''امانۃ'' سے تمام تکالیف شرعیہ یعنی شرعی احکام مراد ہیں، جن کی ادائیگی کا انسان مکلف بنایا گیا ہے، جیسا کہ سورہ احزاب کی آیت نمبر ۷۲: انا عرضنا الامانۃ میں امانۃ سے یہی معنی مراد ہیں۔

واخر عملک اس میں آخری عمل سے کیا مراد ہے؟ اس میں دو قول ہیں:

✿ سفر کا آخری عمل۔ ✿ ملا علی قاری فرماتے ہیں کہ ظاہر یہی ہے کہ اس سے موت کے وقت حسن خاتمہ مراد ہے کہ انسان کی وفات ایمان پر ہو، اس معنی کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے، جس میں خواتیم عملک کے الفاظ ہیں۔

---

(۱) مسند احمد ۲/۷، عن ابن عمر۔

۲۔ جب مسافر کسی بلند جگہ پر چڑھے تو اللہ اکبر کہے تاکہ اس کے ذہن میں اپنی بڑائی کا خیال نہ آئے، کیونکہ عظمت و کبریائی تو اللہ جل جلالہ کی صفت ہے، لہذا اس کا اظہار وہ تکبیر کہہ کر کرے۔

۳۔ مسافر کو رخصت کرتے وقت میزبان یہ دعا دے: اَللّٰهُمَّ اَطْوِلَهُ الْبُعْدَ وَهَوِّنْ عَلَيْهِ السَّفَرَ۔

۴۔ مسافر کو یہ دعائیں بھی دی جائیں: اللہ تعالیٰ تمہیں تقویٰ عطا فرمائیں، گناہ معاف کرے اور اللہ تعالیٰ تمہارے لئے خیر کو آسان کردے، خواہ تم جہاں کہیں بھی ہو۔(۱)

باب ماذکر فی دعوة المسافر

یہ باب اس حدیث پر مشتمل ہے جس میں مسافر کی دعا کا ذکر ہے۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ثَلَاثُ دَعَوَاتٍ مُسْتَجَابَاتٌ: دَعْوَةُ الْمَظْلُومِ، وَدَعْوَةُ الْمُسَافِرِ، وَدَعْوَةُ الْوَالِدِ عَلَى وَلَدِهِ.(۲)

حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تین دعائیں ضرور قبول کی جاتی ہیں: مظلوم کی دعا، مسافر کی دعا اور والد کی دعا اپنے بیٹے (یعنی اولاد) کے لئے۔

مسافر کی دعا کی قبولیت

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اللہ جل جلالہ تین آدمیوں کی دعا ضرور قبول فرماتے ہیں: ایک مظلوم کی دعا، دوسری مسافر کی دعا اور تیسری والدین کی دعا، جو وہ اپنی اولاد کے لئے کریں، حدیث میں اگرچہ صرف باپ کا ذکر ہے، لیکن اس حکم میں والدہ بھی داخل ہے، چنانچہ والدہ کی دعا اپنی اولاد کے لئے باپ کے مقابلے زیادہ جلدی قبول کی جاتی ہے۔(۳)

بَابُ مَا يَقُولُ إِذَا رَكِبَ دَابَّةً

یہ باب اس دعا کے بیان میں ہے، جسے آدمی اس وقت کہے جب وہ کسی سواری پر سوار ہو

عَنْ عَلِيِّ بْنِ رَبِيعَةَ، قَالَ: شَهِدْتُ عَلِيًّا، أُتِيَ بِدَابَّةٍ لِيَرْكَبَهَا، فَلَمَّا وَضَعَ رِجْلَهُ فِي الرِّكَابِ، قَالَ: بِسْمِ اللهِ ثَلَاثًا، فَلَمَّا اسْتَوَى عَلَى ظَهْرِهَا، قَالَ: الْحَمْدُ لِلّٰهِ، ثُمَّ قَالَ: سُبْحَانَ الَّذِي سَخَّرَ لَنَا هٰذَا، وَمَا كُنَّا لَهُ مُقْرِنِينَ

---

(۱) مرقاۃ المفاتیح ۳۴۷/۵ کتاب الدعوات، باب الدعوات فی الاوقات

(۲) الادب المفرد للبخاری، رقم: ۴۷۷، سنن ابی داؤد، الدعاء، باب الدعاء بظهر الغیب، رقم: ۱۵۳۶

(۳) تحفۃ الاحوذی ۳۸۱/۹

وَإِنَّا إِلَى رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُونَ، ثُمَّ قَالَ: الْحَمْدُ لِلّٰهِ ثَلَاثًا، وَاللّٰهُ أَكْبَرُ ثَلَاثًا، سُبْحَانَكَ إِنِّي قَدْ ظَلَمْتُ نَفْسِي فَاغْفِرْ لِي، فَإِنَّهُ لَا يَغْفِرُ الذُّنُوبَ إِلَّا أَنْتَ، ثُمَّ ضَحِكَ. فَقُلْتُ: مِنْ أَيِّ شَيْءٍ ضَحِكْتَ يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ؟ قَالَ: رَأَيْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَنَعَ كَمَا صَنَعْتُ، ثُمَّ ضَحِكَ، فَقُلْتُ: مِنْ أَيِّ شَيْءٍ ضَحِكْتَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ؟ قَالَ: إِنَّ رَبَّكَ لَيَعْجَبُ مِنْ عَبْدِهِ إِذَا قَالَ: رَبِّ اغْفِرْ لِي ذُنُوبِي إِنَّهُ لَا يَغْفِرُ الذُّنُوبَ غَيْرُكَ.(۱)

حضرت علی بن ربیعہ کہتے ہیں کہ میں حضرت علیؓ کے پاس موجود تھا کہ ان کے پاس ایک سواری لائی گئی، تاکہ وہ اس پر سوار ہوں، جب انہوں نے اپنا پاؤں زین میں لگے ہوئے لوہے کے حلقہ میں رکھا تو بسم اللہ کہا، پھر جب اس کی پشت پر بیٹھ گئے تو الحمد للہ کہا پھر سبحان الذی سخر لنا...... سے لمنقلبون تک پڑھا، (آیت کا ترجمہ: پاک ہے وہ ذات جس نے اس سواری کو ہمارے لئے مسخر کر دیا، ہم تو اسے قابو میں کرنے کی طاقت نہیں رکھتے تھے، اور ہمیں اپنے رب کی طرف لوٹ کر جانا ہے) پھر تین مرتبہ الحمد للہ، تین مرتبہ اللہ اکبر کہا پھر یہ دعا پڑھی: سبحانک انی قد ظلمت نفسی..... (تیری ذات پاک ہے، میں نے ہی اپنی جان پر ظلم کیا، لہٰذا تو مجھے معاف کر دے، کیونکہ تیرے علاوہ اور کوئی گناہوں کو بخش نہیں سکتا) پھر ہنسنے لگے، تو میں نے پوچھا اے امیر المؤمنین آپ کیوں ہنس رہے ہیں؟ امیر المؤمنین نے فرمایا: میں نے رسول اللہ ﷺ کو اسی طرح کرتے ہوئے دیکھا ہے جیسے میں نے کیا، پھر آپ ﷺ ہنسے، میں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول آپ کس وجہ سے ہنسے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: بے شک تیرا رب اپنے بندے سے خوش ہوتا ہے، جب وہ کہے اے میرے پروردگار میرے گناہوں کو معاف کر دے، کیونکہ تیرے علاوہ اور کوئی گناہوں کو معاف نہیں کر سکتا۔

عَنِ ابْنِ عُمَرَ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ إِذَا سَافَرَ فَرَكِبَ رَاحِلَتَهُ كَبَّرَ ثَلَاثًا وَقَالَ: {سُبْحَانَ الَّذِي سَخَّرَ لَنَا هٰذَا وَمَا كُنَّا لَهُ مُقْرِنِينَ وَإِنَّا إِلَى رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُونَ}، ثُمَّ يَقُولُ: اللّٰهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ فِي سَفَرِي هٰذَا مِنَ الْبِرِّ وَالتَّقْوَى، وَمِنَ الْعَمَلِ مَا تَرْضَى، اللّٰهُمَّ هَوِّنْ عَلَيْنَا الْمَسِيرَ، وَاطْوِ عَنَّا بُعْدَ الْأَرْضِ، اللّٰهُمَّ أَنْتَ الصَّاحِبُ فِي السَّفَرِ، وَالْخَلِيفَةُ فِي الْأَهْلِ، اللّٰهُمَّ اصْحَبْنَا فِي سَفَرِنَا، وَاخْلُفْنَا فِي أَهْلِنَا، وَكَانَ يَقُولُ إِذَا رَجَعَ إِلَى أَهْلِهِ: آيِبُونَ إِنْ شَاءَ اللّٰهُ تَائِبُونَ، عَابِدُونَ لِرَبِّنَا حَامِدُونَ.(۲)

حضرت عبداللہ بن عمر سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ جب سفر کرنے لگتے اور اپنی اونٹنی (یعنی سواری) پر سوار ہوتے تو تین مرتبہ اللہ اکبر کہتے، پھر سبحان الذی سے لمنقلبون تک دعا پڑھتے، پھر یہ دعا کرتے: اللھم انی أسألک فی سفری.... فی اھلنا، (اے اللہ مجھے اس سفر میں نیکی، تقوی اور ایسے عمل کی توفیق عطا فرما، جس سے تو

(۱) سنن ابی داؤد، کتاب الجھاد، باب مایقول الرجل اذا رکب، رقم: ۲۶۰۲

(۲) الصحیح لمسلم، کتاب الحج، باب مایقول اذا رکب الی الحج، رقم: ۱۳۴۲۔

راضی ہو، اے اللہ تو ہمارے لئے چلنا آسان کر اور ہم سے زمین کی دوری کو لپیٹ دے (یعنی مسافت قریب کر دے) اے اللہ تو ہی سفر کا ساتھی اور اہل وعیال میں خلیفہ ہے، اے اللہ تو سفر میں ہمارے ساتھ رہ اور تو ہمارے اہل میں خلیفہ ہو جا، اور آپ جب اپنے اہل میں واپس لوٹتے تو یہ دعا پڑھتے: آئبون .... (ان شاء اللہ ہم لوٹنے والے، توبہ کرنے والے، اپنے رب کی عبادت کرنے والے اور تعریف کرنے والے ہیں)۔

مشکل الفاظ کے معنی: رکاب: زین میں لگا ہوا لوہے کا حلقہ، کڑا جس میں پاؤں رکھا جاتا ہے، مقرنین: (باب افعال سے صیغہ اسم فاعل) قابو پانے والے، کنٹرول کرنے والے، لیعجب: (جیم پر زبر) اللہ تعالیٰ خوش ہوتے ہیں، راحلۃ: اونٹنی، سواری، ہون: (صیغہ امر) تو آسان کر، المسیر: چلنا، آئبون: لوٹنے والے۔

سواری اور گاڑی پر سوار ہونے کی دعائیں

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی سواری پر سوار ہوتے تو مندرجہ ذیل دعائیں مانگتے تھے، لہذا اہتمام مسلمانوں کو بھی سوار ہوتے وقت ان دعاؤں کے مانگنے کا اہتمام کرنا چاہیے:

۞ ایک پاؤں رکاب یعنی لوہے کے کڑے میں رکھتے تو بسم اللہ پڑھتے، اس لئے جب انسان کار، بس یا ریل اور جہاز پر ایک پاؤں رکھے تو بسم اللہ پڑھا کرے۔

۞ جب سواری کی پشت پر بیٹھ جاتے تو اس نعمت کا شکر ادا کرنے کے لیے الحمد للہ پڑھتے، لہذا اسیٹ پر بیٹھ کر الحمد للہ پڑھنا چاہیے۔

۞ اور پھر سبحان الذی سَخَّرَ لنا ..... پڑھتے۔ پھر تین مرتبہ الحمد للہ، تین مرتبہ اللہ اکبر اور یہ دعا مانگتے: سُبْحَانَکَ اِنِّیْ قَدْ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ فَاغْفِرْ لِیْ فَاِنَّهٗ لَا یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا أَنْتَ، اور یہ دعا مانگتے: اَللّٰهُمَّ اِنِّی أَسْأَلُکَ فِی سَفَرِی هٰذَا مِنَ الْبِرِّ وَالتَّقْوٰی، وَمِنَ الْعَمَلِ مَا تَرْضٰی، اَللّٰهُمَّ هَوِّنْ عَلَیْنَا الْمَسِیْرَ، وَاطْوِ عَنَّا بُعْدَ الْأَرْضِ، اَللّٰهُمَّ أَنْتَ الصَّاحِبُ فِی السَّفَرِ وَالْخَلِیْفَةُ فِی الْأَهْلِ، اَللّٰهُمَّ اصْحَبْنَا فِی سَفَرِنَا، وَاخْلُفْنَا فِی أَهْلِنَا۔

بَاب مَا یَقُوْلُ إِذَا هَاجَتِ الرِّیحُ

یہ باب اس دعا کے بیان میں ہے جسے آدمی اس وقت کہے جب ہوا سخت چلے

عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: کَانَ النَّبِیُّ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ إِذَا رَأَی الرِّیحَ قَالَ: اَللّٰهُمَّ إِنِّی أَسْأَلُکَ مِنْ خَیْرِهَا، وَخَیْرِ مَا فِیهَا، وَخَیْرِ مَا أُرْسِلَتْ بِهِ، وَأَعُوذُبِکَ مِنْ شَرِّهَا، وَشَرِّ مَا فِیهَا، وَشَرِّ مَا أُرْسِلَتْ بِهِ.(۱)

(۱) الصحیح لمسلم، کتاب صلاۃ الاستسقاء باب التعوذ عند رؤیۃ الریح، رقم:۸۹۹۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ جب آندھی دیکھتے تو یہ دعا پڑھتے: اللھم انی اسئالک من خیرھا... (اے اللہ میں تجھ سے اس ہوا کی بھلائی اور اس چیز کی بھلائی مانگتا ہوں، جو اس ہوا میں ہے، اور وہ بھلائی مانگتا ہوں، جس کے ساتھ یہ ہوا بھیجی گئی ہے، اور میں تیری پناہ مانگتا ہوں، اس ہوا کے شر سے اور اس شر سے، جو اس ہوا میں ہے، اور اس شر سے تیری پناہ مانگتا ہوں، جس کے ساتھ اس ہوا کو بھیجا گیا ہے۔)

آندھی اور تیز وتند ہوا کے موقع پر پڑھنے کی دعا

مذکورہ حدیث میں آپ ﷺ نے وہ دعا ذکر فرمائی ہے، جسے تیز وتند ہوا کے موقع پر پڑھنا چاہیے، اس کے الفاظ یہ ہیں: اَللّٰھُمَّ إِنِّی أَسْأَلُکَ مِنْ خَیْرِھَا، وَخَیْرِ مَا فِیْھَا، وَخَیْرِ مَا أُرْسِلَتْ بِہٖ، وَأَعُوذُ بِکَ مِنْ شَرِّھَا، وَشَرِّ مَا فِیھَا، وَشَرِّ مَا أُرْسِلَتْ بِہٖ.

بَابُ مَا يَقُولُ إِذَا سَمِعَ الرَّعْدَ

یہ باب اس دعا پر مشتمل ہے جو آدمی اس وقت کہے جب وہ بادل کی گرج سنے

عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ إِذَا سَمِعَ صَوْتَ الرَّعْدِ وَالصَّوَاعِقِ، قَالَ: اللَّهُمَّ لَا تَقْتُلْنَا بِغَضَبِكَ، وَلَا تُهْلِكْنَا بِعَذَابِكَ، وَعَافِنَا قَبْلَ ذَلِكَ.(۱)

حضرت عبداللہ بن عمر سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ جب بادل کی گرج اور آسمانی بجلیوں کی تڑتڑاہٹ سنتے تو یہ دعا پڑھتے اللھم سے آخر تک (ترجمہ: اے اللہ ہمیں اپنے غضب سے قتل نہ کر، ہمیں اپنے عذاب سے ہلاک نہ کر اور ہمیں اس (عذاب) سے پہلے ہی عافیت کی موت دیدے)۔

مشکل الفاظ کے معنی: صواعق: صاعقة کی جمع ہے، آسمانی بجلیاں جو بادلوں پر چمکتی ہیں، اور زمین پر بسا اوقات گرتی ہیں، وَعَافِنَا قَبْلَ ذٰلِکَ: اور ہمیں اس عذاب سے پہلے عافیت کی موت دیدے۔

بادل کے گرجنے کے وقت کی مسنون دعا

"رعد" سے کیا مراد ہے؟ اس میں دو قول ہیں: ۞ بادل کی وہ آواز جو بادلوں کے باہمی ٹکراؤ سے پیدا ہوتی ہے، ۞ بعض روایات میں ہے کہ رعد اس فرشتے کا نام ہے جو بارش برسانے اور بادلوں کو ادھر ادھر ہانکنے پر کاموراور مسلط ہوتا

(۱) الأدب المفرد للبخاری (ص:۲۱۲) رقم:۷۲۸۔

ہے۔(۱)

مذکورہ حدیث میں نبی کریم ﷺ نے بادل کے گرجنے اور بجلیوں کی تڑتڑاہٹ کے وقت کی دعا کا ذکر فرمایا ہے، وہ دعاء یہ ہے: اللّٰھُمَّ لَا تَقْتُلْنَا بِغَضَبِکَ، وَلَا تُھْلِکْنَا بِعَذَابِکَ، وَعَافِنَا قَبْلَ ذٰلِکَ۔

بَاب مَا یَقُولُ عِنْدَ رُؤْیَةِ الْھِلَالِ

یہ باب اس دعا کے بارے میں ہے جو چاند دیکھنے کے وقت آدمی کہے

عَنْ طَلْحَۃَ بْنِ عُبَیْدِ اللّٰہِ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَانَ إِذَا رَأَی الْھِلَالَ قَالَ: اللّٰھُمَّ أَھْلِلْہُ عَلَیْنَا بِالْیُمْنِ وَالإِیْمَانِ وَالسَّلَامَۃِ وَالإِسْلَامِ، رَبِّي وَرَبُّکَ اللّٰہُ.(۲)

حضرت طلحہ بن عبید اللہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ جب چاند دیکھتے تو یہ دعا پڑھتے: اللھم سے آخر تک...

(اے اللہ! ہم پر اس چاند کو برکت، ایمان، سلامتی اور اسلام کے ساتھ طلوع فرما، میرا اور تیرا رب اللہ ہی ہے)۔

مشکل الفاظ کے معنی: ھلال: اصل میں اس آواز کو کہتے ہیں، جو چاند نظر آنے کے وقت لوگ نکالتے ہیں، پھر چاند کو ہلال کہا جانے لگا، مہینے کے شروع کے تین دنوں تک چاند کو ہلال اور پھر اسے قمر کہا جاتا ہے، أھلله علینا: (باب افعال سے) اس چاند کو ہم پر طلوع فرما، بالیمن: (یاء پر پیش) برکت کے ساتھ۔

چاند نظر آنے کے وقت کی دعا

اس حدیث میں چاند دیکھنے کے وقت کی دعا کا ذکر ہے، اس دعا کو عربی الفاظ کے ساتھ یاد کر لینا چاہیے تا کہ اس کی برکتیں کامل طرح سے حاصل ہو سکیں، اس کے الفاظ یہ ہیں: اللّٰھُمَّ أَھْلِلْہُ عَلَیْنَا بِالْیُمْنِ وَالإِیْمَانِ وَالسَّلَامَۃِ وَالإِسْلَامِ، رَبِّي وَرَبُّکَ اللّٰہُ

بَاب مَا یَقُولُ عِنْدَ الْغَضَبِ

یہ باب اس دعا پر مشتمل ہے جسے انسان غصہ کے وقت پڑھے

عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ قَالَ: اسْتَبَّ رَجُلَانِ عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ حَتّٰی عُرِفَ الْغَضَبُ فِي وَجْہِ أَحَدِھِمَا، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: إِنِّي لَأَعْلَمُ کَلِمَۃً لَوْ قَالَھَا لَذَھَبَ غَضَبُہُ: أَعُوذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ

---

(۱) تحفۃ الاحوذی ۹/۳۸۲، معارف القرآن ۵/۱۸۴، سورہ رعد

(۲) سنن الدارمی ۲/۴، کتاب الصوم، باب مایقال عند رؤیۃ الھلال۔

الرَّجِيم.(۱)

حضرت معاذ بن جبل فرماتے ہیں کہ دو شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں ایک دوسرے کو برا بھلا کہنے لگے، یہاں تک کہ ان میں سے ایک کے چہرے پر غصہ کے آثار نمایاں ہو گئے، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں ایک ایسا کلمہ جانتا ہوں کہ اگر یہ شخص وہ کلمہ کہہ لے تو اس کا غصہ زائل ہو جائے: اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم (میں اللہ سے شیطان مردود کی پناہ مانگتا ہوں)

مشکل الفاظ کے معنی: استب: برا بھلا کہا، حتی عرف الغضب: (صیغہ مجہول) یہاں تک کہ غصہ دکھائی دینے لگا، غصہ کا اثر ظاہر اور نمایاں ہوا، لذھب غضبہ: اس کا غصہ ختم ہو جائے۔

غصہ کو ختم کرنے کی دعا

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جب انسان کو غصہ آجائے تو اس وقت اعوذ باللہ پڑھ لے تو غصہ کی کیفیت زائل ہو جاتی ہے، کیونکہ غصہ شیطان کے جوش دلانے سے آتا ہے، اور یہ بھی کرے کہ وہ جگہ بدل لے، کھڑا ہے تو بیٹھ جائے، بیٹھا ہے تو لیٹ جائے، غرض غصہ پر قابو پانے کی ہر ممکن کوشش کرے کہ یہی پرہیزگاروں کا شیوہ ہوتا ہے۔

امام ترمذی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث مرسل ہے یعنی منقطع ہے، کیونکہ اس حدیث کے راوی عبدالرحمن بن ابی لیلی کا سماع حضرت معاذ بن جبل سے نہیں ہوا، عہد فاروقی میں حضرت معاذ کی وفات ہوئی، اور جس وقت حضرت عمر رضی اللہ عنہ شہید ہوئے، اس وقت عبدالرحمن چھ سال کے تھے، البتہ حضرت عبدالرحمن نے حضرت عمر فاروق کو دیکھا ہے اور ان سے روایت حدیث بھی کی، اور خود عبدالرحمن کہتے ہیں کہ میں نے ایک سو بیس صحابہ کرام کا زمانہ پایا ہے، لیکن حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ حفاظ کے ہاں عبدالرحمن بن ابی لیلی کا سماع حضرت عمر فاروق سے ثابت نہیں۔(۲)

بَابُ مَا يَقُولُ إِذَا رَأَى رُؤْيَا يَكْرَهُهَا

یہ باب اس دعا کے بیان میں ہے، جسے آدمی اس وقت پڑھے، جب وہ ایسا کوئی خواب دیکھ لے، جسے وہ ناپسند کرتا ہے

عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ، أَنَّهُ سَمِعَ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: إِذَا رَأَى أَحَدُكُمُ الرُّؤْيَا يُحِبُّهَا فَإِنَّمَا هِيَ مِنَ اللهِ فَلْيَحْمَدِ اللهَ عَلَيْهَا وَلْيُحَدِّثْ بِمَا رَأَى، وَإِذَا رَأَى غَيْرَ ذَلِكَ مِمَّا يَكْرَهُهُ فَإِنَّمَا هِيَ مِنَ

(۱) سنن ابی داؤد، کتاب الأدب، باب مایقال عند الغضب، رقم: ۴۷۸۔

(۲) تهذيب التهذيب ۲۶۰/۶، تحفة الاحوذی ۳۸۶/۹

الشَّيطَانِ، فَلْيَسْتَعِذْ بِاللّٰهِ مِنْ شَرِّهَا وَلَا يَذْكُرْهَا لِأَحَدٍ فَإِنَّهَا لَا تَضُرُّهُ.(۱)

حضرت ابوسعید خدری نے نبی کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: جب تم میں سے کوئی ایسا خواب دیکھے، جس کو وہ پسند کرتا ہے (یعنی اچھا خواب دیکھے) تو یہ اللہ کی طرف سے ہے، اسے چاہیے کہ اس پر وہ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرے اور جو دیکھا ہے اسے وہ لوگوں کو بتائے، اور جو شخص اس کے علاوہ ایسا کوئی خواب دیکھے جسے وہ ناپسند کرتا ہے، تو یہ شیطان کی طرف سے ہے، اسے چاہیے کہ وہ اس خواب کے شر سے اللہ کی پناہ مانگے، اور کسی کے سامنے اس کا تذکرہ نہ کرے، کیونکہ یہ خواب اسے کوئی نقصان نہیں پہنچائے گا۔

اچھا اور برا خواب دیکھنے کے چند مسنون اعمال

نبی کریم ﷺ نے مذکورہ حدیث اور اس کے علاوہ مختلف احادیث میں اچھے اور برے خواب دیکھنے کے چند مسنون اعمال ذکر فرمائے ہیں:

اچھا خواب دیکھنے کے تین آداب ہیں:

۱۔ اچھا خواب محض اللہ کے فضل وکرم سے ہے، لہذا اس پر اللہ کا شکر ادا کیا جائے، ۲۔ اس سے وہ خوش ہو جائے، ۳۔ اور اس خواب کی تعبیر کسی ایسے بندے سے پوچھے جو واقعی اس کا خیر خواہ ہو، اور تعبیر دینا بھی جانتا ہو، کیونکہ خواب کی جیسی تعبیر بتائی جائے اسی طرح اس کا حکم ثابت ہو جاتا ہے، لہذا ایسے کسی بندے کے سامنے خواب کا ذکر نہ کرے جو اس کا حاسد اور بدخواہ ہو یا وہ تعبیر کو سمجھتا ہی نہ ہو۔(۲)

ناپسندیدہ خواب کے چھ مسنون اعمال یہ ہیں:

۱۔ انسان اللہ تعالیٰ سے برے خواب کے شر سے پناہ مانگے، ۲۔ اللہ سے شیطان کی پناہ مانگے، ۳۔ اپنی بائیں جانب تین مرتبہ تھوک دے، ۴۔ کسی کے سامنے اس کا تذکرہ نہ کرے، ۵۔ دو رکعت نماز پڑھ لے، ۶۔ وہ کروٹ بدل لے جس میں اسے برا خواب نظر آیا ہے۔

ان تمام اعمال وآداب یا ان میں سے اکثر پر عمل کر لیا جائے، تو پھر برے خواب کا کوئی نقصان اسے نہیں پہنچے گا، یہ اعمال گویا ایک طرح سے اس کے لئے حفاظت کا باعث بن جائیں گے، جیسا کہ صدقہ دینا مال کی حفاظت اور دفع بلا کا سبب ہوتا ہے۔(۳)

---

(۱) الصحیح للبخاری، کتاب التعبیر، باب الرؤیا الصادقة، رقم: ۶۹۸۵

(۲) فتح الباری ۱۲/۴۵۸ کتاب التعبیر، باب الرؤیا من اللہ

(۳) تکملة فتح الملہم ۴/۴۳۹، کتاب الرؤیا، تحفة الاحوذی ۹/۳۸۷

بَابُ مَا يَقُولُ إِذَا رَأَى الْبَاكُورَةَ مِنَ الثَّمَرِ

یہ باب اس دعا پر مشتمل ہے، جسے آدمی اس وقت پڑھے جب وہ (موسم کا) پہلا پھل دیکھے

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: كَانَ النَّاسُ إِذَا رَأَوْا أَوَّلَ الثَّمَرِ، جَاءُوا بِهِ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَإِذَا أَخَذَهُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: اللَّهُمَّ بَارِكْ لَنَا فِي ثِمَارِنَا، وَبَارِكْ لَنَا فِي مَدِينَتِنَا وَبَارِكْ لَنَا فِي صَاعِنَا وَمُدِّنَا، اللَّهُمَّ إِنَّ إِبْرَاهِيمَ عَبْدُكَ وَخَلِيلُكَ وَنَبِيُّكَ وَإِنِّي عَبْدُكَ وَنَبِيُّكَ، وَإِنَّهُ دَعَاكَ لِمَكَّةَ وَأَنَا أَدْعُوكَ لِلْمَدِينَةِ بِمِثْلِ مَا دَعَاكَ بِهِ لِمَكَّةَ وَمِثْلِهِ مَعَهُ، ثُمَّ يَدْعُو أَصْغَرَ وَلِيدٍ يَرَاهُ، فَيُعْطِيهِ ذَلِكَ الثَّمَرَ. (۱)

حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ لوگ جب موسم کا پہلا پھل دیکھتے، تو اسے نبی کریم ﷺ کی خدمت اقدس میں پیش کرتے، تو آپ ﷺ یہ دعا پڑھتے: اللهم سے و مثله معه تک، (اے اللہ ہمارے لئے ہمارے پھلوں، ہمارے شہر مدینہ، ہمارے صاع اور ہمارے مد میں برکت پیدا فرما، اے اللہ! بے شک ابراہیم تیرے بندے، دوست اور تیرے نبی تھے، اور میں بھی تیرا بندہ اور نبی ہوں، انہوں نے تجھ سے مکہ کے لئے دعا کی تھی، میں تجھ سے مدینہ کے لئے وہی کچھ مانگتا ہوں، جو انہوں نے مکہ کے لئے مانگا تھا، بلکہ اس سے دوگنا مانگتا ہوں، راوی کہتے ہیں پھر آپ ﷺ جس چھوٹے بچے کو دیکھتے، اسے بلاتے اور وہ پھل اسے دے دیتے)۔

موسم کا پہلا پھل دیکھنے کی دعا

"باکورہ" موسم کے پہلے پھل کو کہا جاتا ہے، نبی کریم ﷺ موسم کا پہلا پھل جب دیکھتے تو مذکورہ دعا پڑھتے، مسلمانوں کو بھی اس دعا کا اہتمام کرنا چاہیے، اس دعا میں نبی کریم ﷺ نے پھلوں میں برکت کی دعا کی، اور یہ کہ ہمارے لئے مدینہ منورہ اور اس کے مد اور صاع میں برکت عطا فرما، چنانچہ اس دعا کی ہی برکت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مدینہ کو ظاہری اعتبار سے بھی خوب وسعت عطا فرمائی ہے، اس شہر کا رقبہ چاروں طرف سے کئی میلوں تک پھیلا ہوا ہے، مسجد نبوی میں بھی کئی بار توسیع ہوئی، اور اس میں رہنے والوں کی تعداد میں بھی بہت اضافہ فرمایا، چنانچہ حضرت عمر فاروق کے زمانے میں ایک دفعہ صرف جنگی گھوڑوں کو شمار کیا گیا تو ان کی تعداد چالیس ہزار تھی، یہ تو اس دور کی بات ہے، اور اب تو اس سے کہیں زیادہ مدینہ کے باشندوں میں اضافہ ہو گیا ہے، یہ سب نبی کریم ﷺ کی دعا کی قبولیت کی برکات ہیں۔

و بارک لنا فی صاعنا و مدنا، مدینہ کے صاع اور مُدّ میں برکت عطا فرما، اس سے کیا مراد ہے؟ قاضی عیاض فرماتے ہیں کہ

---

(۱) الموطأ للمالک، کتاب الجامع، باب الدعاء للمدینۃ، الصحیح لمسلم، کتاب الحج، باب فضل المدینۃ، رقم: ۱۳۷۳

مدینہ کے صاع اور مد میں برکت، دینی اور دنیاوی دونوں اعتبار سے ہے، دینی لحاظ سے برکت یہ ہے کہ شریعت نے زکوۃ اور کفارہ کے وجوب میں مدینہ کے صاع اور مد کا اعتبار کیا ہے اور اسی کو لازم قرار دیا ہے اور دنیاوی اعتبار سے برکت اس طرح ہے کہ اس کا ایک صاع اور مد غلہ کئی سارے بندوں کے لئے کافی ہوجاتا ہے، جبکہ مدینہ کے علاوہ دوسرے شہروں کے صاع اور مد میں یہ بات نہیں، اور جو شخص ان پیمانوں کو اپنے کاروبار میں استعمال کرتا ہے، تو اس کے مال و دولت میں اضافہ اور تجارت میں خوب ترقی ہوتی ہے، یہی وجہ ہے کہ پھر پوری دنیا سے اور خاص طور پر عالم اسلام سے ہر قسم کی چیز حرمین شریفین میں وافر مقدار میں ہر موسم میں دستیاب ہوتی ہے۔(۱)

و انه دعاک بمکة، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تجھ سے مکہ کے لئے دعا کی، جس کا ذکر قرآن کریم کی اس آیت میں ہے: فَاجْعَلْ أَفْئِدَةً مِنَ النَّاسِ تَهْوِي إِلَيْهِمْ وَارْزُقْهُمْ مِنَ الثَّمَرَاتِ لَعَلَّهُمْ يَشْكُرُونَ ○ (سورہ ابراہیم/آیت: ۳۷) (بعض لوگوں کے دل اس طرح کر دیجئے کہ وہ ان کی طرف مائل ہوں اور ان کو میووں سے روزی دے، شاید وہ شکر کریں)

فیعطیه ذلک الثمر، وہ پھل پھر آپ ﷺ کسی ولید یعنی چھوٹے بچے کو دے دیتے، یہ آپ کے عمدہ اخلاق کا ایک کرشمہ اور نمونہ ہے کہ آپ اسے خود تناول نہ فرماتے اور نہ ہی کسی اور بڑے شخص کو دیتے، بلکہ شفقت کی وجہ سے چھوٹے کو دیتے، اس لئے کہ چھوٹا بچہ ایسے موقع پر پھل کا زیادہ خواہش مند ہوتا ہے۔(۲)

بَاب مَا يَقُولُ إِذَا أَكَلَ طَعَامًا

یہ باب اس دعا کے بیان میں ہے، جسے آدمی اس وقت پڑھے، جب وہ کھانا کھانے کا ارادہ کرے

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: دَخَلْتُ مَعَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَا وَخَالِدُ بْنُ الْوَلِيدِ عَلَى مَيْمُونَةَ فَجَاءَتْنَا بِإِنَاءٍ مِنْ لَبَنٍ فَشَرِبَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَنَا عَلَى يَمِينِهِ وَخَالِدُ عَلَى شِمَالِهِ، فَقَالَ لِي: الشَّرْبَةُ لَكَ، فَإِنْ شِئْتَ آثَرْتَ بِهَا خَالِدًا، فَقُلْتُ: مَا كُنْتُ أُوثِرُ عَلَى سُؤْرِكَ أَحَدًا، ثُمَّ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَنْ أَطْعَمَهُ اللهُ الطَّعَامَ فَلْيَقُلْ: اللَّهُمَّ بَارِكْ لَنَا فِيهِ وَأَطْعِمْنَا خَيْرًا مِنْهُ، وَمَنْ سَقَاهُ اللهُ لَبَنًا فَلْيَقُلْ: اللَّهُمَّ بَارِكْ لَنَا فِيهِ وَزِدْنَا مِنْهُ، وَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَيْسَ شَيْءٌ يُجْزِئُ مَكَانَ الطَّعَامِ وَالشَّرَابِ غَيْرُ اللَّبَنِ.(۳)

حضرت عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں کہ میں اور خالد بن ولید رسول اللہ ﷺ کے ساتھ حضرت میمونہ کے ہاں

---

(۱) شرح مسلم للنووی ۱/۴۴۲، کتاب الحج، باب فضل المدینة۔

(۲) تحفة الاحوذی ۹/۳۸۹

(۳) سنن أبی داؤد، کتاب الأشربة، باب مایقول، اذا شرب اللبن، رقم: ۳۷۳۰۔

داخل ہوئے، وہ ایک برتن میں دودھ لے کر ہمارے پاس آئیں، آپ ﷺ نے دودھ پیا، میں آپ ﷺ کی دائیں اور خالد بن ولید آپ ﷺ کی بائیں جانب بیٹھے تھے، آپ ﷺ نے مجھے فرمایا: پینے کا حق تو تمہارا ہے لیکن اگر تم چاہو تو اس میں خالد کو اپنے اوپر مقدم کر سکتے ہو، میں نے کہا: میں آپ کے جوٹھے پر کسی کو اپنے سے ترجیح نہیں دے سکتا، پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس شخص کو اللہ تعالیٰ کچھ کھلائیں، تو اسے یہ دعا پڑھنی چاہیے: اے اللہ ہمارے لئے اس میں برکت پیدا فرما، اور ہمیں اس سے بہتر کھلا، اور جس شخص کو اللہ تعالیٰ دودھ پلائیں، تو اسے چاہیے کہ وہ یہ دعا پڑھے: اے اللہ ہمارے لئے اس میں برکت پیدا فرما، اور اس میں ہمارے لئے اضافہ فرما، پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: دودھ کے علاوہ ایسی کوئی چیز نہیں، جو کھانے اور پینے دونوں کے لئے کافی ہو۔

مشکل الفاظ کے معنی: اذا أکل طعاماً: جب کھانا کھانے کا ارادہ کرے، فجاءتنا باناء: حضرت میمونہ ہمارے پاس برتن لے آئیں، الشربة لک: (شین پر پیش اور را ساکن) پینے کا حق تمہارا ہے کیونکہ تم دائیں جانب بیٹھے ہو، اثرت بھا: (باب افعال سے) پینے کے حق میں تم ترجیح دے دو، مقدم کر دو، واطعمنا: (باب افعال سے صیغہ امر) تو ہم کو کھلا دے، علی سؤرک: آپ کے جوٹھے پر، آپ کے بچے ہوئے پانی پر، وزدنامنہ: اور تو ہمارے لیے اس دودھ میں اضافہ فرما، یجزئ: (یاء پر پیش، زاء کے نیچے زیر اور ہمزہ) کافی ہے۔

کھانے کے شروع اور دودھ پینے کے بعد کی دعائیں

جب انسان کھانے کا ارادہ کرے تو یہ دعا پڑھے: اَللّٰھُمَّ بَارِکْ لَنَا فِیهِ وَأَطْعِمنَا خَیراً مِنْهُ، اور دودھ پینے کے بعد یہ دعا پڑھنی چاہیے: اَللّٰھُمَّ بَارِکْ لَنَا فِیهِ وَزِدْنَا مِنْهُ۔

بَابُ مَا يَقُولُ إِذَا فَرَغَ مِنَ الطَّعَامِ

یہ باب اس دعا پر مشتمل ہے، جسے آدمی اس وقت پڑھے جب وہ کھانے سے فارغ ہو جائے۔

عَنْ أَبِي أُمَامَةَ، قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا رُفِعَتِ الْمَائِدَةُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ يَقُولُ: الْحَمْدُ لِلّٰهِ حَمْدًا، كَثِيرًا، طَيِّبًا مُبَارَكًا فِيهِ، غَيْرَ مُوَدَّعٍ، وَلَا مُسْتَغْنًى عَنْهُ رَبَّنَا.(۱)

حضرت ابوامامہ فرماتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ کے سامنے سے دسترخوان اٹھایا جاتا تو آپ یہ دعا پڑھا کرتے تھے: الحمد للہ ...... (ہر قسم کی تعریف اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہے، ایسی تعریف جو بہت زیادہ ہو، پاک ہو اور جس

(۱) الصحیح للبخاری، کتاب الأطعمة، باب مایقول اذا فرغ من طعامه، رقم: ۵۴۵۸

میں برکت ڈالی گئی ہو، اس تعریف کو یا اس کھانے کو نہ تو چھوڑا جاسکتا ہے اور نہ اس سے بے نیازی اختیار کی جاسکتی ہے، وہی ہمارا پروردگار ہے۔)

عَنْ أَبِي سَعِيدٍ قَالَ: كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أَكَلَ أَوْ شَرِبَ قَالَ: الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي أَطْعَمَنَا وَسَقَانَا وَجَعَلَنَا مُسْلِمِينَ.(۱)

حضرت ابوسعید خدری فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ جب کھاتے یا پی لیتے تو یہ دعا پڑھتے: الحمد للہ..... (تمام تعریفیں اس اللہ کے لئے ہیں، جس نے ہمیں کھلایا، پلایا، اور ہمیں مسلمان بنایا۔)

عَنْ مُعَاذِ بْنِ أَنَسٍ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَنْ أَكَلَ طَعَامًا، فَقَالَ: الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي أَطْعَمَنِي هَذَا، وَرَزَقَنِيهِ مِنْ غَيْرِ حَوْلٍ مِنِّي وَلَا قُوَّةٍ، غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ.(۲)

حضرت معاذ بن انس کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص کھانا کھا کر یہ دعا پڑھے: الحمد للہ الذی... (تمام تعریفیں اس اللہ کے لئے ہیں، جس نے مجھے یہ کھانا کھلایا، اور مجھے یہ کھانا میری طرف سے کسی قسم کی طاقت اور قوت نہ ہونے کے باوجود عطا فرمایا (یعنی میری کسی کوشش اور تدبیر کے بغیر ہی عنایت فرما دیا) تو اس کے گذشتہ تمام (صغیرہ) گناہوں کو معاف کر دیا جاتا ہے۔

کھانے کے بعد کی چند دعائیں

اس باب میں کھانے کے بعد کی چند دعاؤں کا ذکر ہے:

۱۔ الْحَمْدُ لِلَّهِ حَمْدًا، كَثِيرًا، طَيِّبًا مُبَارَكًا فِيهِ، غَيْرَ مُوَدَّعٍ، وَلَا مُسْتَغْنًى عَنْهُ رَبُّنَا.

اس میں لفظ "غیر" حالتِ نصب میں ہے، اس کی تین وجوہ ہوسکتی ہیں:

۞ یا تو یہ الحمد سے حال ہے، مطلب یہ ہے کہ اللہ جل شانہ کی حمد وثنا کو نہ تو چھوڑا جاسکتا ہے اور نہ ہی اس سے بے نیازی برتی جاسکتی ہے، ۞ یا یہ لفظ طعام سے حال ہے جو محذوف ہے، معنی یہ ہیں کہ اس کھانے کو نہ چھوڑا جاسکتا ہے اور نہ اس سے استغناء کیا جا سکتا ہے، ۞ یا یہ لفظ "اللہ" سے حال ہے، اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ اللہ جل شانہ کو نہ چھوڑا جاسکتا ہے اور نہ اس سے بے نیازی اختیار کی جاسکتی ہے، وہ خالق ومالک ہے، ہم ہر چیز میں ان کے محتاج ہیں۔

"ربنا" اس لفظ کو ترکیبی لحاظ سے تینوں طرح پڑھا جاسکتا ہے:

۞ یہ خبر ہونے کی وجہ سے مرفوع ہے، اصل عبارت اس طرح ہے: ھو ربنا (وہی ہمارا پروردگار ہے)۔

---

(۱) سنن ابی داؤد، کتاب الأطعمة، باب مایقول الرجل اذا طعم رقم: ۳۸۵۰۔
(۲) سنن ابی داؤد، کتاب اللباس، رقم: ۴۰۲۳۔

✿ یہ منادی ہونے کی وجہ سے منصوب ہے یعنی یا ربنا (اے ہمارے پروردگار)۔

✿ یہ مجرور ہے، لفظ اللہ سے یا عنہ کی ضمیر سے بدل ہے۔

۲۔ الحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي أَطْعَمَنَا وَسَقَانَا وَجَعَلَنَا مُسْلِمِينَ.

اس دعا میں دو طرح کی نعمتوں پر شکر کا ذکر ہے، ایک ظاہری نعمتوں پر یعنی کھانے پینے کی چیزوں پر شکر کا بیان ہے، اور دوسری باطنی نعمت یعنی اسلام کا ذکر ہے، کہ یہی انسان کے لئے دنیا اور آخرت میں فلاح اور کامیابی کی ضامن ہے، اس دعا کے آخر میں اسلام کا ذکر فرمایا، اس طرف اشارہ کرنے کے لئے کہ موت کے وقت انسان کا حسن خاتمہ ایمان واسلام پر ہو، تب حقیقت میں وہ کامیاب ہوگا۔

۳۔ الحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي أَطْعَمَنِي هٰذَا، وَرَزَقَنِيهِ مِنْ غَيْرِ حَوْلٍ مِنِّي وَلَا قُوَّةٍ۔

اس دعا کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل سے مجھے یہ کھانا کھلایا، میرا کوئی بس اور طاقت نہیں، اور میری طرف سے کسی قسم کی کوئی تدبیر اور قوت نہ ہونے کے باوجود اللہ تعالیٰ نے مجھے یہ کھانا کھلایا۔(۱)

بہر حال ان تمام دعاؤں سے ہمیں یہ درس دیا جا رہا ہے کہ جب بھی اللہ جل شانہ کچھ کھلائیں اور پلائیں، تو اسے اپنی ذات کا کمال نہ سمجھا جائے، بلکہ یہ سب اس کا فضل وکرم ہے، لہٰذا تہ دل سے ان دعاؤں سے اس کا شکر ادا کیا جائے۔

بَابُ مَا يَقُولُ إِذَا سَمِعَ نَهِيقَ الحِمَارِ

یہ باب اس دعا پر مشتمل ہے، جسے آدمی اس وقت پڑھے، جب وہ گدھے کی آواز سنے

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: إِذَا سَمِعْتُمْ صِيَاحَ الدِّيَكَةِ فَاسْأَلُوا اللّٰهَ مِنْ فَضْلِهِ فَإِنَّهَا رَأَتْ مَلَكًا، وَإِذَا سَمِعْتُمْ نَهِيقَ الحِمَارِ فَتَعَوَّذُوا بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ فَإِنَّهُ رَأَى شَيْطَانًا.(۲)

حضرت ابو ہریرہ ؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب تم مرغ کی آواز سنو، تو اللہ سے اس کا فضل مانگو، کیونکہ اس نے فرشتے کو دیکھا ہے اور جب گدھے کی آواز سنو، تو تم اللہ سے مردود شیطان کی پناہ مانگو، کیونکہ اس نے شیطان کو دیکھا ہے۔

مشکل الفاظ کے معنیٰ : نهيق: گدھے کی آواز، گدھے کا ہینگنا، ديكة: دیک کی جمع ہے، مرغ، صياح: مرغ کا چیخنا، مرغ کا بانگ دینا، فتعوذوا بالله: تم اللہ کی پناہ مانگو۔

---

(۱) فتح الباری ۹/۷۲۵، کتاب الاطعمة، باب مایقول اذا فرغ من طعامه، تحفة الاحوذی ۲/۳۹۳

(۲) الصحیح للبخاری، کتاب بدء الخلق، باب خیر مال المسلم غنم، رقم: ۳۳۰۳۔

گدھے کی آواز سن کر پناہ مانگنے کا حکم

اس حدیث سے دو باتیں ثابت ہوتی ہیں:

۱۔ جب مرغ کی آواز سنی جائے کہ وہ بانگ دے رہا ہے تو اس وقت اللہ جل شانہ سے اس کے فضل کی دعا کی جائے، کیونکہ مرغ یہ آواز اس وقت نکالتا ہے، جب وہ فرشتے کو دیکھتا ہے، ایسے میں دعا کی جائے گی تو فرشتے اس پر امین کہتے ہیں۔

۲۔ گدھا جب شیطان کو دیکھتا ہے تو آواز نکالتا ہے، اس وقت اللہ تعالیٰ سے شیطان کی پناہ مانگی جائے، اور یہ کلمہ پڑھا جائے: اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم، یا اس کے علاوہ کوئی بھی ایسا کلمہ پڑھا جا سکتا ہے، جس میں پناہ کا ذکر ہو۔(۱)

بَابُ مَا جَاءَ فِي فَضْلِ التَّسْبِيحِ وَالتَّكْبِيرِ وَالتَّهْلِيلِ وَالتَّحْمِيدِ

یہ باب سبحان اللہ، اللہ اکبر، لا الہ الا اللہ اور الحمد للہ کی فضیلت پر مشتمل احادیث کے بارے میں ہے

عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَا عَلَى الأَرْضِ أَحَدٌ يَقُولُ: لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ وَاللهُ أَكْبَرُ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللهِ، إِلَّا كُفِّرَتْ عَنْهُ خَطَايَاهُ وَلَوْ كَانَتْ مِثْلَ زَبَدِ الْبَحْرِ.(۲)

حضرت عبداللہ بن عمرو کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: زمین پر ایسا کوئی شخص نہیں جو لا الہ الا اللہ و اللہ اکبر و لا حول و لا قوۃ الا باللہ کہے مگر یہ کہ اس کے تمام (چھوٹے) گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں، اگر چہ وہ سمندر کی جھاگ کے برابر ہوں۔

عَنْ أَبِي مُوسَى الأَشْعَرِيِّ، قَالَ: كُنَّا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي غَزَاةٍ، فَلَمَّا قَفَلْنَا أَشْرَفْنَا عَلَى الْمَدِينَةِ فَكَبَّرَ النَّاسُ تَكْبِيرَةً وَرَفَعُوا بِهَا أَصْوَاتَهُمْ، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنَّ رَبَّكُمْ لَيْسَ بِأَصَمَّ وَلَا غَائِبٍ، هُوَ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَ رُءُوسِ رِحَالِكُمْ، ثُمَّ قَالَ: يَا عَبْدَ اللهِ بْنَ قَيْسٍ: أَلَا أُعَلِّمُكَ كَنْزًا مِنْ كُنُوزِ الْجَنَّةِ: لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللهِ.(۳)

حضرت ابو موسیٰ اشعری فرماتے ہیں کہ ہم ایک جنگ میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے، جب ہم واپس لوٹے اور مدینہ منورہ پر ہماری نظر پڑی، تو لوگوں نے تکبیر کہی اور اس میں اپنی آوازوں کو بلند کیا، (ان کی آواز سن کر) نبی کریم ﷺ نے فرمایا: یقیناً تمہارا پروردگار نہ تو بہرا ہے اور نہ غائب ہے، بلکہ وہ تمہارے اور تمہاری سواریوں کے درمیان

---

(۱) مرقاۃ المفاتیح ۵/۳۳۰، کتاب الدعوات، باب الدعوات فی الأوقات، رقم: ۲۴۱۹۔
(۲) مسند احمد ۲/۱۵۸، عن عبداللہ بن عمرو۔
(۳) الصحیح للبخاری، کتاب المغازی، باب غزوۃ خیبر، رقم: ۴۲۰۲۔

موجود ہے، پھر نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اے عبداللہ بن قیس! کیا میں تمہیں جنت کے خزانوں میں سے ایک خزانے کے متعلق نہ بتاؤں؟ وہ لاحول ولا قوۃ الا باللہ کا کلمہ ہے۔

مشکل الفاظ کے معنی: کفرت: (تکفیر سے صیغہ مجہول) معاف کردی جاتی ہیں، زائل کردی جاتی ہیں، زبد: (زا اور با پر زبر کے ساتھ) جھاگ، زبد البحر سے اہل عرب کثرت اور زیادتی کے معنی مراد لیتے ہیں، قفلنا: ہم لوٹے، اشرفنا علی المدینۃ: ہم مدینہ کے قریب ہوگئے، ہم نے مدینہ کو اوپر سے دیکھا، رحال: رحل کی جمع ہے: کجاوہ، لیکن اہل عرب اس لفظ کو ذکر کرکے سواریاں مراد لیتے ہیں، اصم: بہرا، کنوز: کنز کی جمع ہے: خزانہ، یہاں اس حدیث میں اس سے وہ ثواب مراد ہے، جو آخرت میں اس کے لئے ذخیرہ ہوگا، حول: حرکت، حیلہ، تدبیر، قوت۔

تسبیح وتہلیل اور حوقلہ یعنی لاحول ولا قوۃ کی فضیلت

اس باب میں امام ترمذی رحمہ اللہ نے دو روایتیں ذکر کی ہیں:

پہلی روایت میں یہ بات ہے کہ جو شخص بہ دل سے لا الہ الا اللہ واللہ اکبر ولا حول ولا قوۃ الا باللہ کہے تو اس کے گذشتہ تمام صغیرہ گناہ معاف کردیئے جاتے ہیں، خواہ وہ کتنے ہی زیادہ ہوں، اس کثرت کو بیان کرنے کے لئے حدیث میں آپ ﷺ نے ولو کانت مثل زبد البحر فرمایا کہ اگرچہ وہ سمندر کی جھاگ کے برابر ہوں، یعنی بہت ہی زیادہ ہوں، تب بھی انہیں معاف کردیا جاتا ہے۔

دوسری حدیث میں حضرت ابوموسیٰ اشعری فرماتے ہیں کہ ہم ایک غزوے یعنی غزوہ خیبر سے نبی کریم ﷺ کے ساتھ واپس لوٹ کر آرہے تھے، جب دور سے صحابہ کی نظر مدینہ پر پڑی، تو خوشی کی وجہ سے انہوں نے بلند آواز سے تکبیر کہی، آپ ﷺ نے انہیں تنبیہ فرمائی کہ تم اللہ جل شانہ کو یہ کلمہ سنا رہے ہو، وہ نہ بہرہ ہے اور نہ غائب، وہ ہر جگہ موجود، بلکہ وہ تمہارے اور تمہاری سواریوں کے درمیان موجود ہے، تو پھر اس قدر بلند آواز سے تکبیر کہنے کے کیا معنی ہیں۔

ان ربکم لیس بأصم ولا بغائب، حدیث کے اس جملے کی روشنی میں بعض حضرات فرماتے ہیں کہ ذکر بالجہر یعنی بلند آواز سے ذکر کرنا ممنوع ہے، آپ ﷺ نے صحابہ کرام کو اونچی آواز سے ذکر کرنے سے منع فرمایا ہے، لیکن یہ بات بالعموم درست نہیں، چنانچہ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے صحابہؓ کو اس وجہ سے منع نہیں کیا کہ ذکر بالجہر ممنوع ہے، بلکہ اس کی وجہ یہ تھی تا کہ یہ آواز سن کر آس پاس کے کافروں کو مسلمانوں کا پتہ نہ چل جائے، ورنہ وہ کوئی بھی ایذاء رسانی کا طریقہ اختیار کرسکتے ہیں، لہٰذا ذکر کسی بھی وقت کیا جاسکتا ہے خواہ وہ آہستہ آواز سے ہو یا بلند آواز سے، البتہ بلند آواز سے ذکر اس وقت ممنوع ہوتا ہے، جب اس سے خود اسی بندے کو خطرہ لاحق ہوجائے، یا اس سے کسی اور کو تکلیف پہنچے۔

تفسیر روح البیان میں ہے کہ ذکر بالجہر کا حکم حالات ومقامات اور افراد کے لحاظ سے بدلتا رہتا ہے، بعض دفعہ کسی موقع پر

کچھ لوگوں کے لئے اونچی آواز سے ذکر کرنے کا حکم ہوتا ہے، اور بعض اوقات آہستہ آواز سے کرنے کا حکم ہوتا ہے، چنانچہ ایک موقع پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت صدیق اکبر سے فرمایا کہ آپ ذرا اپنی قراءت بلند آواز سے کریں اور حضرت عمر فاروق سے فرمایا کہ آپ اپنی آواز کو قراءت میں پست کریں، اس سے معلوم ہوا کہ ہر حالت میں بالعموم ذکر بالجہر ممنوع نہیں، بلکہ بعض مواقع میں اونچی آواز سے ذکر کرنے سے منع کیا گیا ہے، جس کی تفصیل اوپر گذری ہے۔(۱)

و هو بينكم و بين رؤوس رحالكم، وہ رب تمہارے اور تمہاری سواریوں کے درمیان موجود ہے، امام ترمذی فرماتے ہیں کہ اس سے اللہ جل شانہ کا علم اور قدرت مراد ہے، کہ اس کے علم نے ہر جگہ کا احاطہ کر رکھا ہے، اور وہ ہر چیز پر قادر ذات ہے۔

عَنْ ابْنِ مَسْعُودٍ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَقِيتُ إِبْرَاهِيمَ لَيْلَةَ أُسْرِيَ بِي، فَقَالَ: يَا مُحَمَّدُ، أَقْرِئْ أُمَّتَكَ مِنِّي السَّلَامَ وَأَخْبِرْهُمْ أَنَّ الْجَنَّةَ طَيِّبَةُ التُّرْبَةِ عَذْبَةُ الْمَاءِ، وَأَنَّهَا قِيعَانٌ، وَأَنَّ غِرَاسَهَا سُبْحَانَ اللهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ وَاللهُ أَكْبَرُ.(۲)

حضرت عبداللہ بن مسعود کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میں نے ابراہیم علیہ السلام سے اس رات ملاقات کی، جس میں مجھے معراج پر لے جایا گیا، تو انہوں نے کہا: اے محمد اپنی امت کو میرا سلام پہنچا دیجئے گا اور ان کو بتا دیجئے کہ جنت کی مٹی پاکیزہ ہے، اس کا پانی میٹھا ہے، اور چٹیل میدان (یعنی ہموار خالی زمین) ہے اور اس کے درخت: سبحان اللہ، والحمد للہ و لا الہ الا اللہ و اللہ اکبر ہیں۔

مشکل الفاظ کے معنی: أسری بی: (صیغہ مجہول) مجھے معراج کے موقع پر رات کو لے جایا گیا، اقرئ: (باب افعال یا باب فتح سے صیغہ امر) آپ پڑھیے یعنی پہنچا دیجئے۔ طيبة التربة: پاکیزہ مٹی، چنانچہ جنت کی مٹی مشک اور زعفران کی ہوگی، عذبة الماء: میٹھے پانی والی، قيعان: (قاف کے نیچے زیر) قاع کی جمع ہے: ہموار خالی زمین، چٹیل میدان، غراس: (غین کے نیچے زیر)، غرس کی جمع ہے: بویا ہوا درخت۔

تسبیحات جنت کے درخت ہیں

مذکورہ حدیث میں ہے کہ سفر معراج میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ساتویں آسمان پر ملاقات فرمائی، وہ بیت المعمور کے ساتھ ٹیک لگا کر بیٹھے ہوئے تھے، اس وقت انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا کہ اپنی امت کو میرا

---

(۱) تفسیر روح البیان جلد نمبر ۱، سورہ البقرۃ، آیت نمبر: ۱۸۶، بذل المجهود ۲۲۸/۷، کتاب التطوع باب فی الاستغفار حدیث: ۱۵۲۶، الکوکب الدری ۳۴۶/۴

(۲) الترغیب والترہیب للمنذری ۴۰۷/۲، رقم: ۲۲۹۴۔

سلام پہنچادینا اور بتادینا: کہ جنت ایک چٹیل میدان اور ہموار خالی زمین ہے، جو مشک اور زعفران سے بنائی گئی ہے، دنیا میں جو شخص جس قدر یہ تسبیحات پڑھتا ہے: سبحان اللہ و الحمدللہ و لا الہ الا اللہ و اللہ اکبر تو اسی طرح اس کے لئے جنت میں درخت لگا دیئے جاتے ہیں، گویا انسان اپنے نیک اعمال اور تسبیحات کے ذریعہ اس جنت کو اپنے لئے تعمیر کرتا چلا جاتا ہے۔

لیکن اس پر اشکال ہوتا ہے کہ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جنت مشک وزعفران سے بنی ایک خالی زمین ہے، لیکن قرآن مجید میں ہے: جنت تجری من تحتها الانهار، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جنت صرف خالی زمین نہیں، بلکہ اس پر درخت ہیں، جن کے نیچے دریا رواں دواں ہیں، تو بظاہر دونوں باتوں میں تعارض ہے، شارحین حدیث نے اس کے دو جواب دیئے ہیں:

۞ جنت دراصل ایک چٹیل میدان اور ہموار خالی زمین ہے، پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے نیک اعمال کرنے والوں کے لئے اس پر درخت اور محلات بنادیئے ہیں، مذکورہ حدیث میں گویا جنت کی اصل کیفیت کا ذکر ہے، جبکہ قرآن مجید کی آیت میں بعد کی حالت کا ذکر ہے کہ جس وقت نیکوکاروں کے لئے ان کے نیک اعمال کی وجہ سے اس پر طرح طرح کے درخت اور محل بنادیئے گئے، اس لئے دونوں باتوں میں کوئی تعارض نہیں۔

۞ ملا علی قاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مذکورہ حدیث سے یہ بات ثابت نہیں ہوتی کہ جنت کی زمین مکمل طور پر درختوں سے خالی ہے، بلکہ یوں معلوم ہوتا ہے کہ جنت کی زمین پر درخت دو طرح کے ہیں، ایک تو وہ ہیں، جنہیں اللہ تعالیٰ نے خود ہی نیکوکاروں کے لئے اس پر لگادیئے ہیں بغیر کسی ظاہری سبب کے، اور دوسرے درخت وہ ہیں، جو جنت کی خالی زمین پر انسانوں نے بوئے ہیں نیک اعمال، تسبیحات اور عبادات کے ذریعہ، تو قرآن مجید کی آیت میں جنت کے ان اصلی درختوں کا ذکر ہے، جنہیں اللہ تعالیٰ نے خود ہی لگایا ہے اور مذکورہ حدیث میں ان درختوں کا ذکر ہے، جو انسان تسبیحات کے ذریعہ اپنے لئے جنت میں لگاتا ہے، لہذا دونوں باتوں میں کوئی تعارض نہیں ہے۔(۱)

عَنْ سَعْدِ بْنِ أَبِي وَقَّاصٍ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لِجُلَسَائِهِ: أَيَعْجِزُ أَحَدُكُمْ أَنْ يَكْسِبَ أَلْفَ حَسَنَةٍ؟ فَسَأَلَهُ سَائِلٌ مِنْ جُلَسَائِهِ: كَيْفَ يَكْسِبُ أَحَدُنَا أَلْفَ حَسَنَةٍ؟ قَالَ: يُسَبِّحُ أَحَدُكُمْ مِائَةَ تَسْبِيحَةٍ تُكْتَبُ لَهُ أَلْفُ حَسَنَةٍ، وَتُحَطُّ عَنْهُ أَلْفُ سَيِّئَةٍ.(۲)

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ساتھ بیٹھے صحابہؓ سے فرمایا: کیا تم میں سے کوئی ایک ہزار نیکیاں کمانے سے بھی عاجز ہے؟ آپ کے ہمنشینوں میں سے ایک نے عرض کیا کہ کیسے ایک آدمی ہزار نیکیاں کما سکتا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے کوئی شخص جب سو مرتبہ سبحان اللہ کہے تو اس کے لئے ایک ہزار نیکیاں لکھ دی جاتی ہیں، اور اس کے ایک ہزار (صغیرہ) گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں۔

---

(۱) مرقاۃ المفاتیح ۲۲۵/۵، کتاب الدعوات، باب ثواب التسبیح رقم: ۲۳۱۵، الکوکب الدری ۳۴۹/۴۔
(۲) الصحیح لمسلم، کتاب الذکر والدعاء، باب فضل التهلیل، رقم: ۲۶۹۸

مشکل الفاظ کے معنی: جلساء: (جیم پر پیش اور لام پر زبر) جلیس کی جمع ہے: ہمنشین، أیعجز: (جیم کے نیچے زیر) کیا عاجز ہے، ان یکسب: یہ کہ وہ کمائے، حاصل کرے، و تحط: (صیغہ مجہول) اور برائی معاف کردی جاتی ہے۔

سومرتبہ سبحان اللہ پڑھنے کی فضیلت

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جو شخص ۱۰۰ مرتبہ سبحان اللہ پڑھتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی برکت سے اسے ایک ہزار نیکیاں عطا فرماتے ہیں اور اس کے ایک ہزار صغیرہ گناہ معاف کردیئے جاتے ہیں، کیونکہ ایک نیکی کا اجر کم از کم دس گنا ہوتا ہے، اور اللہ چاہیں تو اس سے بھی زیادہ عطا فرمادیتے ہیں،

و تحط عنه السيئة، اس حدیث میں واؤ ہے، بعض روایتوں میں واؤ کے بجائے ''أوْ'' ہے، اصل عبارت یوں ہے: تكتب الف حسنة او تحط عنه الف سيئة، تو بظاہر دونوں روایتوں میں منافات اور تعارض ہے؟ ملا علی قاری نے اس تعارض کو دو طرح سے حل کیا ہے:

۱۔ ترمذی کی اس روایت میں ''واوْ'' ''أوْ'' کے معنیٰ میں ہے، مطلب یہ ہے کہ ایسے بندے کے نامہ اعمال میں ہزار نیکیاں لکھ دی جاتی ہیں، اگر اس کے گناہ نہ ہوں، اگر گناہ ہوں تو کچھ گناہوں کو معاف کردیا جاتا ہے اور کچھ کو لکھ دیا جاتا ہے۔

۲۔ جس روایت میں ''اوْ'' کا لفظ ہے، وہ ''واوْ'' یا ''بل'' کے معنیٰ میں ہوسکتا ہے، اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ ایسے بندے کو یہ دونوں چیزیں حاصل ہوجاتی ہیں یعنی ایک ہزار نیکیاں بھی لکھ دی جاتی ہیں اور ایک ہزار صغیرہ گناہ بھی معاف کردیئے جاتے ہیں،(۱)

عَنْ جَابِرٍ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: مَنْ قَالَ: سُبْحَانَ اللهِ الْعَظِيمِ وَبِحَمْدِهِ، غُرِسَتْ لَهُ نَخْلَةٌ فِي الْجَنَّةِ.(۲)

حضرت جابر کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص سبحان الله العظيم و بحمده (میں عظمت والے اللہ کی پاکی بیان کرتا ہوں، ایسی پاکی جو اس کی تعریف سے ملی ہوئی ہو) کہتا ہے، تو اس کے لئے جنت میں کھجور کا ایک درخت لگادیا جاتا ہے۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: مَنْ قَالَ: سُبْحَانَ اللهِ وَبِحَمْدِهِ مِائَةَ مَرَّةٍ، غُفِرَتْ لَهُ ذُنُوبُهُ، وَإِنْ كَانَتْ مِثْلَ زَبَدِ الْبَحْرِ.(۳)

---

(۱) مرقاة ۵/۲۱۲، كتاب الدعوات، باب ثواب التسبيح، رقم: ۲۲۹۹

(۲) صحيح ابن حبان، رقم الحديث: ۸۲۶

(۳) الموطا للمالک، كتاب القرآن، باب ماجاء من ذكر الله۔

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص سو مرتبہ سبحان اللہ وبحمدہ (میں اللہ کی تسبیح اس کی حمد کے ساتھ بیان کرتا ہوں) کہے تو اس کے تمام گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں، اگرچہ وہ سمندر کی جھاگ کے برابر ہی ہوں۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: كَلِمَتَانِ خَفِيفَتَانِ عَلَى اللِّسَانِ، ثَقِيلَتَانِ فِي الْمِيزَانِ، حَبِيبَتَانِ إِلَى الرَّحْمَنِ، سُبْحَانَ اللهِ وَبِحَمْدِهِ سُبْحَانَ اللهِ الْعَظِيمِ. (۱)

حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دو کلمے ایسے ہیں، جو زبان پر ادائیگی کے لحاظ سے ہلکے (یعنی آسان) ہیں، لیکن ترازو میں بھاری ہیں، اور رحمن کو بہت پسند ہیں، وہ کلمے یہ ہیں: سبحان اللہ و بحمدہ سبحان اللہ العظیم، (میں اللہ کی پاکی اس کی تعریف کے ساتھ بیان کرتا ہوں، اور میں عظمت والے اللہ کی تسبیح بیان کرتا ہوں)

مشکل الفاظ کے معنی: غرست: (صیغہ مجہول) اگایا جاتا ہے، درخت لگایا جاتا ہے، نخلۃ: کھجور کا درخت، کلمتان: دو مفید جملے، خفیفتان علی اللسان: وہ دو کلمے زبان پر آسانی سے جاری ہوتے ہیں، ثقیلتان فی المیزان: ترازو میں اجر وثواب کے لحاظ سے بہت وزنی اور بھاری ہوں گے، کلمتان ترکیبی لحاظ سے موصوف ہے خفیفتان ... ثقیلتان ... اور حبیبتان اس کی صفات ہیں، یہ سب خبر مقدم ہے، اور "سبحان وبحمدہ سبحان اللہ العظیم "مبتداء مؤخر ہے۔

رحمن کے ہاں دو محبوب کلمے

حضرت ابوہریرہؓ کی حدیث میں ہے کہ سبحان اللہ وبحمدہ سبحان اللہ العظیم یہ دو کلمے ایسے ہیں جنہیں آسانی کے ساتھ آدمی زبان سے پڑھ سکتا ہے، مگر اجر وثواب کے لحاظ سے ترازو میں بہت وزنی ہیں، اور رحمن کو بہت پسند ہیں، دیکھئے کس قدر اجر وثواب اور فضیلت والے یہ کلمات ہیں، اللہ تعالیٰ ہمیں کثرت سے پڑھنے کی توفیق عطا فرمائے۔

ثقیلتان فی المیزان، آخرت میں ترازو میں کیا چیز تولی جائے گی؟ اس میں تین احتمال ہیں:

(۱) اعمال (۲) نامہ اعمال (۳) عمل کرنے والا انسان

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ صحیح یہی ہے کہ میزان عدل پر اعمال کو تولا جائے گا، اور اس دن اعمال کو ایک جسم کی صورت دے دی جائے گی، اگر اعمال کو جسم کی صورت نہ بھی دی جائے، تب بھی ان اعمال کو تولا جا سکتا ہے جس طرح اس زمانے میں اعراض کی پیمائش کرنے کے آلات موجود ہیں سردی، گرمی وغیرہ اشیاء کو مختلف آلات کے ذریعہ تولا اور ناپا جاتا ہے، اسی طرح

(۱) الموطأ للامام مالک، کتاب القرآن، باب ما جاء من ذکر اللہ، الصحیح للبخاری، رقم: ۳۲۹۳۔

قیامت کے دن ان اعمال کو تولا جائے گا، اس بات کا ثبوت حدیث بطاقہ سے ہوتا ہے۔(۱)

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: مَنْ قَالَ: لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ، لَهُ الْمُلْكُ، وَلَهُ الْحَمْدُ، يُحْيِي وَيُمِيتُ، وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ فِي يَوْمٍ مِائَةَ مَرَّةٍ، كَانَتْ لَهُ عِدْلَ عَشْرِ رِقَابٍ، وَكُتِبَتْ لَهُ مِائَةُ حَسَنَةٍ، وَمُحِيَتْ عَنْهُ مِائَةُ سَيِّئَةٍ، وَكَانَ لَهُ حِرْزًا مِنَ الشَّيْطَانِ يَوْمَهُ ذَلِكَ، حَتَّى يُمْسِيَ، وَلَمْ يَأْتِ أَحَدٌ بِأَفْضَلَ مِمَّا جَاءَ بِهِ، إِلَّا أَحَدٌ عَمِلَ أَكْثَرَ مِنْ ذَلِكَ.

وَبِهَذَا الإِسْنَادِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: مَنْ قَالَ: سُبْحَانَ اللهِ وَبِحَمْدِهِ مِائَةَ مَرَّةٍ حُطَّتْ خَطَايَاهُ، وَإِنْ كَانَتْ أَكْثَرَ مِنْ زَبَدِ الْبَحْرِ.(۲)

حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص دن میں سو مرتبہ لا الہ الا اللہ سے قدیر تک پڑھے تو اس کے لئے دس غلام آزاد کرنے کے برابر ثواب لکھ دیا جاتا ہے، اور اس کے لئے سو نیکیاں لکھی جاتی ہیں، اور سو گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں، اور یہ کلمات اس کے لئے اس دن شیطان سے حفاظت کا ذریعہ بن جاتے ہیں، یہاں تک کہ شام ہو جائے، اور (قیامت کے دن) اس شخص سے اچھے اعمال صرف وہی شخص لائے گا، جو ان کلمات کو اس شخص سے زیادہ پڑھتا رہا ہوگا۔

اور اسی سند سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بھی منقول ہے کہ جس نے سو مرتبہ سبحان اللہ و بحمدہ پڑھا تو اس کے تمام صغیرہ گناہ مٹا دیئے جاتے ہیں، اگرچہ وہ سمندر کی جھاگ سے بھی زیادہ ہوں۔

مشکل الفاظ کے معنی: عدل: (دال ساکن اور عین پر زبر اور زیر دونوں پڑھ سکتے ہیں): برابر، مانند، رقاب: رقبۃ کی جمع ہے: اس کے اصل معنی تو گردن کے ہیں مگر اب یہ لفظ انسان کی ذات اور جان کے لیے استعمال ہوتا ہے، محیت عنہ: (صیغہ مجہول) برائیاں اس کی مٹا دی جاتی ہیں، حرزا: (حاء کے نیچے زیر اور را ساکن): حفاظت، خطت خطایا: اس کی غلطیوں کو مٹا دیا جاتا ہے، ختم کر دیا جاتا ہے، زبد البحر: سمندر کی جھاگ۔

لا الہ الا اللہ... پڑھنے کی فضیلت

جو شخص دن میں سو مرتبہ لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ، لَهُ الْمُلْكُ، وَلَهُ الْحَمْدُ، يُحْيِي وَيُمِيتُ، وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ پڑھے تو اسے دس غلام آزاد کرنے کے برابر ثواب دیا جاتا ہے، اس کے لئے سو نیکیاں لکھ دی جاتی ہیں اور سو ہی گناہ معاف کئے جاتے ہیں اور وہ شام تک شیطان کے مکر و فریب سے محفوظ ہو جاتا ہے اور قیامت کے دن اس سے بہتر عمل کوئی

---

(۱) فتح الباری ۶۵۸/۱۳، کتاب التوحید، باب و نضع الموازین القسط۔

(۲) الصحیح للبخاری، کتاب الدعوات، باب فضل التسبیح، رقم: ۶۴۰۶

شخص نہیں لاسکے گا، ہاں وہ شخص جس نے اس کے برابر یا اس سے زیادہ بار یہ کلمات پڑھے ہوں گے، تو اس کا عمل اس سے زیادہ ہو گا۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: مَنْ قَالَ حِينَ يُصْبِحُ وَحِينَ يُمْسِي: سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهِ مِائَةَ مَرَّةٍ لَمْ يَأْتِ أَحَدٌ يَوْمَ الْقِيَامَةِ بِأَفْضَلَ مِمَّا جَاءَ بِهِ إِلَّا أَحَدٌ قَالَ مِثْلَ مَا قَالَ أَوْ زَادَ عَلَيْهِ. (۱)

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص صبح وشام سبحان اللہ وبحمدہ سو سو مرتبہ پڑھے گا تو قیامت کے دن اس سے بہتر کوئی شخص عمل نہیں لا سکے گا مگر وہ شخص جس نے اتنی بار ہی یہ کلمہ پڑھا ہوگا جتنی بار اس نے پڑھا ہے یا وہ جس نے اس سے زیادہ پڑھا ہوگا۔

عَنِ ابْنِ عُمَرَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَاتَ يَوْمٍ لِأَصْحَابِهِ: قُولُوا: سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهِ مِائَةَ مَرَّةٍ، مَنْ قَالَهَا مَرَّةً كُتِبَتْ لَهُ عَشْرًا، وَمَنْ قَالَهَا عَشْرًا كُتِبَتْ لَهُ مِائَةً، وَمَنْ قَالَهَا مِائَةً كُتِبَتْ لَهُ أَلْفًا، وَمَنْ زَادَ زَادَهُ اللّٰهُ، وَمَنِ اسْتَغْفَرَ اللّٰهَ غَفَرَ لَهُ.

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے اپنے صحابہؓ سے ایک دن ارشاد فرمایا: تم لوگ سبحان اللہ وبحمدہ سو مرتبہ پڑھا کرو، جو شخص اسے ایک مرتبہ پڑھے تو اس کے لئے دس نیکیاں لکھ دی جاتی ہیں، اور جو اسے دس مرتبہ پڑھے، تو اس کے لیے سو نیکیاں لکھ دی جاتی ہیں، اور جو شخص یہ کلمہ سو مرتبہ پڑھے تو اس کے لئے ایک ہزار نیکیاں لکھ دی جاتی ہیں، اور جو شخص اس سے زیادہ پڑھے گا، تو اللہ تعالیٰ بھی اس کی نیکیوں میں اضافہ کر دیتے ہیں، اور جو اللہ جل شانہ سے بخشش طلب کرے تو اللہ تعالیٰ اسے معاف کر دیتے ہیں۔

مشکل الفاظ کے معنیٰ: سبحان الله و بحمده: اس کا ترجمہ دو طرح سے ہوسکتا ہے: (۱) وبحمدہ میں "واؤ" زائد ہے یا واؤ حالیہ ہے، اس صورت میں ترجمہ یوں ہوگا: أسبحه تسبيحا مقرونا بحمده یعنی اللہ تعالیٰ کی ایسی پاکی بیان کرتا ہوں، جو اس کی تعریف کے ساتھ ملی ہوئی ہے، یعنی اس کی حمد کے ساتھ ہر قسم کے عیب سے پاکی بیان کرتا ہوں، (۲) سبحان الله کو الگ جملہ اور وبحمده کو الگ جملہ قرار دیا جائے اور بحمدہ فعل محذوف کے ساتھ متعلق ہو، تقدیر عبارت یوں ہوگی: اسبح سبحان الله و ابتدئ بحمده یعنی اللہ تعالیٰ کی پاکی بیان کرتا ہوں اور اس کی حمد وثناء کے ساتھ (دن وغیرہ کا) آغاز کرتا ہوں۔ (۲)

---

(۱) الصحیح لمسلم، کتاب الذکر والدعاء، باب فضل التهليل، رقم: ۲۶۹۲

(۲) فتح الباری ۱۱/۲۴۷، کتاب الدعوات، باب فضل التسبیح، مرقاة ۵/۲۰۹، کتاب الدعوات باب ثواب التسبیح، رقم: ۲۲۹۶۔

سبحان اللہ وبحمدہ پڑھنے کی فضیلت

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف احادیث میں سبحان الله و بحمدہ یا سبحان الله العظیم و بحمدہ کی فضیلت بیان فرمائی ہے، امام ترمذی نے یہاں کئی سندوں کے ساتھ مختلف الفاظ کے ساتھ اس تسبیح کی فضیلت بیان کی ہے، کلمتان حبیبتان والی روایت سے پہلے بھی اس تسبیح کی فضیلت میں دو روایتیں ذکر کی گئی ہیں، ان روایات کا حاصل یہ ہے:

(۱) جو شخص یہ کلمات ایک بار پڑھے تو جنت میں اس کے لیے کھجور کا ایک درخت لگا دیا جاتا ہے، کھجور کے درخت کی تخصیص اس لیے کی کہ اس کا نفع بہت ہے اور اس کا پھل بھی عمدہ اور پاکیزہ ہوتا ہے، قرآن مجید میں بھی اللہ نے مؤمن اور اس کے ایمان کی مثال میں اسی درخت کا ذکر کیا ہے، سورہ ابراہیم (آیت: ۲۴) میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: کشجرۃ طیبۃ، اس سے کھجور کا درخت مراد ہے۔(۱)

۲۔ جو مسلمان سو مرتبہ سبحان الله و بحمدہ پڑھے تو اس کی برکت سے اس کے تمام صغیرہ گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں، اگر چہ وہ سمندر کی جھاگ سے بھی زیادہ ہوں۔

۳۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی مذکورہ روایت میں ہے کہ جو شخص صبح وشام سو سو مرتبہ یہ کلمات پڑھے، تو قیامت کے دن اس سے بہتر کوئی شخص عمل نہیں لا سکے گا، مگر وہ شخص جس نے اتنی بار ہی یہ کلمہ پڑھا ہوگا، جتنی بار اس نے پڑھا ہے، یا وہ جس نے اس سے زیادہ مرتبہ پڑھا ہوگا۔

”الا احد قال مثل ما قال او زاد علیہ“ کے ظاہری مفہوم پر اشکال اور اس کا جواب

یہاں ایک مشہور اشکال ہے، وہ یہ کہ حدیث کی ظاہری عبارت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جس شخص نے پہلے شخص کی طرح صبح وشام یہ کلمہ سو سو مرتبہ پڑھا، تو وہ قیامت کے دن پہلے شخص سے افضل عمل لائے گا، حالانکہ ایسا نہیں ہے، بلکہ دوسرے شخص نے اگر پہلے شخص کی طرح سبحان اللہ وبحمدہ صبح وشام سو سو مرتبہ پڑھا تو وہ قیامت کے دن پہلے شخص کی طرح ہی یہ عمل لے کر حاضر ہوگا، اس تسبیح کی وجہ سے وہ پہلے شخص سے افضل عمل نہیں لائے گا، تو سوال یہ ہے کہ پھر اس حدیث کا صحیح مفہوم کیا ہے؟ شارحین حدیث نے اس کے دو جواب دیئے ہیں:

۞ شیخ عبدالحق محدث دہلوی فرماتے ہیں: ”الا احد قال مثل ما قال او زاد علیہ“ حدیث کا یہ جملہ مختصر ہے، اصل عبارت یہ ہے: الا احد قال مثل ما قال فانہ أتی بمثلہ او احد زاد علیہ فانہ یاتی بافضل منہ، مطلب یہ ہے کہ دوسرا شخص اگر پہلے آدمی کی طرح صبح وشام صرف سو سو مرتبہ ہی سبحان اللہ وبحمدہ پڑھے، تو یہ شخص پہلے آدمی کے ساتھ اس عمل میں برابر ہو گیا ہے۔ (۱)

---

(۱) مرقاۃ ۲۱۶، رقم الحدیث: ۲۳۰۴۔

سے افضل نہیں، البتہ جو شخص پہلے شخص سے یہ کلمہ سو بار سے زیادہ پڑھے گا، تو ایسا آدمی اس پہلے شخص کے عمل سے افضل عمل لائے گا، کیونکہ اس نے یہ کلمہ پہلے آدمی سے زیادہ پڑھا ہے۔(۱)

ملا علی قاری فرماتے ہیں کہ ''أوزادعلیہ'' میں لفظ ''أو'' یہاں واو کے معنی میں ہے، حدیث کی عبارت اب یوں ہوگی: الا احد قال مثل ما قال و زاد علیه، یعنی جو شخص یہ کلمہ سو بار اور اس سے زیادہ مرتبہ پڑھے گا، تو وہ پہلے شخص سے افضل عمل کے ساتھ قیامت کے دن حاضر ہوگا، کیونکہ پہلے آدمی نے صرف سو مرتبہ پڑھا ہے، جبکہ دوسرے نے سو بار سے بھی زیادہ بار پڑھا ہے۔(۲)

عَنْ عَمْرِو بنِ شُعَيْبٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ جَدِّهِ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَنْ سَبَّحَ اللهَ مِائَةً بِالغَدَاةِ، وَمِائَةً بِالعَشِيِّ كَانَ كَمَنْ حَجَّ مِائَةَ حَجَّةٍ، وَمَنْ حَمِدَ اللهَ مِائَةً بِالغَدَاةِ، وَمِائَةً بِالعَشِيِّ كَانَ كَمَنْ حَمَلَ عَلَى مِائَةِ فَرَسٍ فِي سَبِيلِ اللهِ، أَوْ قَالَ: غَزَا مِائَةَ غَزْوَةٍ، وَمَنْ هَلَّلَ اللهَ مِائَةً بِالغَدَاةِ وَمِائَةً بِالعَشِيِّ كَانَ كَمَنْ أَعْتَقَ مِائَةَ رَقَبَةٍ مِنْ وَلَدِ إِسْمَاعِيلَ، وَمَنْ كَبَّرَ اللهَ مِائَةً بِالغَدَاةِ، وَمِائَةً بِالعَشِيِّ لَمْ يَأْتِ فِي ذَلِكَ اليَوْمِ أَحَدٌ بِأَكْثَرَ مِمَّا أَتَى، إِلَّا مَنْ قَالَ: مِثْلَ مَا قَالَ أَوْ زَادَ عَلَى مَا قَالَ.(۳)

حضرت عمرو بن شعیب اپنے والد سے اور وہ ان کے دادا سے نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے صبح و شام سو سو مرتبہ سبحان اللہ پڑھا، تو اس نے گویا سو حج کیے، اور جس نے صبح و شام سو سو مرتبہ الحمد للہ پڑھا، تو یہ اس شخص کی طرح ہے، جس نے اللہ کے راستے میں سو مجاہدوں کو سو گھوڑوں پر سوار کیا، یا یوں فرمایا کہ اس نے سو جہاد کیے، اور جو شخص صبح و شام سو سو مرتبہ لا الہ الا اللہ کہے تو یہ اس شخص کی طرح ہے، جس نے حضرت اسماعیل کی اولاد میں سے سو غلام آزاد کیے ہوں، اور جو شخص صبح و شام سو سو مرتبہ اللہ اکبر پڑھے تو قیامت کے دن اس سے زیادہ اعمال، وہی شخص لا سکے گا، جس نے اس کے برابر پڑھا ہوگا یا اس سے زیادہ مرتبہ پڑھا ہوگا۔

مشکل الفاظ کے معنیٰ: حمل علی مائة فرس: سو گھوڑوں پر سو انسانوں کو سوار کیا، ولد اسماعیل: (واؤ اور لام دونوں پر زبر بھی پڑھ سکتے ہیں اور واؤ پر زبر اور لام کے سکون کے ساتھ بھی درست ہے) یہ لفظ واحد، تثنیہ اور جمع سب کے معنیٰ میں استعمال ہوتا ہے: اولاد، الا من قال مثل ما قال: مگر وہ شخص جس نے تکبیر کو اتنا ہی پڑھا، جتنا کہ اس نے پڑھا ہے۔

چار اذکار کی خصوصی فضیلت

اس حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے چار اذکار کی خصوصی فضیلت کو بیان فرمایا ہے:

---

(۱) حاشیہ مشکاۃ ۱/۲۰۰، کتاب الدعوات باب ثواب التسبیح والتحمید، الکوکب الدری ۴/۲۵۰
(۲) مرقاۃ المفاتیح ۵/۲۱۰، کتاب الدعوات، باب ثواب التسبیح رقم: ۲۲۹۷
(۳) عَمَلُ اليَوْمِ وَاللَّيْلَةِ، باب من أوى الى فراشه، رقم: ۱۰۶۵۷

صبح وشام سو سو مرتبہ سبحان اللہ پڑھنے سے اس شخص کی طرح اجر وثواب ملتا ہے، جس نے سو نفلی حج ادا کیے ہوں۔

صبح وشام الحمد للہ سو سو مرتبہ پڑھنا ایسا ہے، جیسے اس نے اللہ کے راستے میں سو آدمیوں کو سواری پر سوار کیا ہو یا سو جنگوں میں شرکت کی ہو۔

لا الہ الا اللہ صبح وشام سو سو مرتبہ پڑھنا اس شخص کی طرح ہے، جس نے حضرت اسماعیل کی اولاد سے سو غلام آزاد کیے ہوں، حدیث میں ولد اسماعیل کی تخصیص اس لیے ہے کہ اس خاندان کے غلاموں کو آزاد کرنے کا اجر وثواب زیادہ ہے۔

جو شخص صبح وشام سو سو مرتبہ اللہ اکبر پڑھتا ہے، تو وہ قیامت کے دن سب سے افضل عمل کے ساتھ حاضر ہوگا، لیکن اگر کسی نے اس سے زیادہ مرتبہ پڑھا ہوگا تو وہ پہلے آدمی سے زیادہ افضل عمل کے ساتھ حاضر ہوگا۔

اس پر اشکال یہ ہوتا ہے کہ اللہ اکبر کی اس فضیلت سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ ان تمام تسبیحات سے افضل ہے، جو اوپر حدیث میں بیان کی گئی ہیں، حالانکہ بہت سی صحیح احادیث میں ہے کہ ان اذکار میں سب سے افضل ذکر لا الہ الا اللہ ہے، پھر الحمد للہ، پھر اللہ اکبر، پھر سبحان اللہ، اس لیے شارحین نے حدیث کے اس جملے کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ جو شخص صبح وشام سو سو مرتبہ اخلاص کے ساتھ اللہ اکبر پڑھے گا تو لا الہ الا اللہ اور الحمد للہ کا سو سو مرتبہ ذکر کرنے والے کے علاوہ اور کوئی شخص قیامت کے دن اتنا ثواب لے کر نہیں آئے گا، جتنا کہ اللہ اکبر کو پڑھنے والا ثواب کے ساتھ حاضر ہوگا، گویا تکبیر کی یہ فضیلت تہلیل اور تحمید کے علاوہ کے اعتبار سے ہے۔(۱)

عَنْ تَمِيمٍ الدَّارِيِّ، عَنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ: مَنْ قَالَ: أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ، إِلَهًا، وَاحِدًا، أَحَدًا، صَمَدًا، لَمْ يَتَّخِذْ صَاحِبَةً، وَلَا وَلَدًا، وَلَمْ يَكُنْ لَهُ كُفُوًا أَحَدٌ، عَشْرَ مَرَّاتٍ، كَتَبَ اللهُ لَهُ أَرْبَعِينَ أَلْفَ أَلْفِ حَسَنَةٍ.(۲)

حضرت تمیم داری سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص دس مرتبہ أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ، إِلَهًا، وَاحِدًا، أَحَدًا، صَمَدًا، لَمْ يَتَّخِذْ صَاحِبَةً، وَلَا وَلَدًا، وَلَمْ يَكُنْ لَهُ كُفُوًا أَحَدٌ، (میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے علاوہ کوئی عبادت کے لائق نہیں، وہ اکیلا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں، وہ اکیلا ہی معبود ہے، وہ تنہا ہے، وہ بے نیاز ہے، اس نے نہ تو کسی کو بیوی بنایا، اور نہ کسی کو اپنی اولاد، اور اس کا کوئی ہمسر نہیں) پڑھتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے چار کروڑ نیکیاں لکھ دیتے ہیں۔

مشکل الفاظ کے معنی: صمد: وہ بے نیاز ذات، جو کسی چیز کی محتاج نہ ہو، اور باقی سب ہی اس کے محتاج ہوں اور وہ ذات سب

---

(۱) فتح الباری ۲۴۶/۱۱، کتاب الدعوات، باب فضل التهليل، مرقاة ۲۲۲/۵، کتاب الدعوات، باب ثواب التسبيح، رقم: ۲۳۱۲

(۲) مسند احمد ۱۰۳/۴، عن تمیم الداری۔

کی ضرورتیں پورا کرنے پر قدرت رکھتی ہو، لم یتخذ صاحبة: اس نے کوئی بیوی نہیں بنائی، کفو: (کاف اور فاء پر پیش) ہمسر، برابر، اربعین ألف ألف: چار کروڑ

چار کروڑ نیکیوں والا ایک ذکر

جو شخص دس مرتبہ یہ کلمات پڑھے: أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ، إِلٰهًا، وَاحِدًا، أَحَدًا، صَمَدًا، لَمْ يَتَّخِذْ صَاحِبَةً، وَلَا وَلَدًا، وَلَمْ يَكُنْ لَهُ كُفُوًا أَحَدٌ تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے چار کروڑ نیکیاں لکھ دیتے ہیں، دیکھئے ان کلمات کو پڑھنے میں کتنا زیادہ اجر وثواب ہے، اللہ تعالیٰ عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

عَنْ أَبِي ذَرٍّ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: مَنْ قَالَ فِي دُبُرِ صَلَاةِ الْفَجْرِ، وَهُوَ ثَانٍ رِجْلَيْهِ قَبْلَ أَنْ يَتَكَلَّمَ: لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ، لَهُ الْمُلْكُ، وَلَهُ الْحَمْدُ، يُحْيِي وَيُمِيتُ، وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ عَشْرَ مَرَّاتٍ، كُتِبَتْ لَهُ عَشْرُ حَسَنَاتٍ، وَمُحِيَ عَنْهُ عَشْرُ سَيِّئَاتٍ، وَرُفِعَ لَهُ عَشْرُ دَرَجَاتٍ، وَكَانَ يَوْمَهُ ذٰلِكَ كُلَّهُ فِي حِرْزٍ مِنْ كُلِّ مَكْرُوهٍ، وَحُرِسَ مِنَ الشَّيْطَانِ، وَلَمْ يَنْبَغِ لِذَنْبٍ أَنْ يُدْرِكَهُ فِي ذٰلِكَ الْيَوْمِ إِلَّا الشِّرْكَ بِاللهِ.(۱)

حضرت ابوذر سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص نماز فجر کے بعد جبکہ وہ اپنے دونوں پاؤں موڑ کر بیٹھا ہو (یعنی تشہد کی حالت میں ہی بیٹھا رہے) کسی سے بات کرنے سے پہلے دس مرتبہ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ، لَهُ الْمُلْكُ، وَلَهُ الْحَمْدُ، يُحْيِي وَيُمِيتُ، وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ پڑھے تو اس کے لئے دس نیکیاں لکھ دی جاتی ہیں، اس کے دس گناہ مٹا دیئے جاتے ہیں، اور اس کے دس درجے بلند کر دیئے جاتے ہیں، اور وہ اس پورے دن ہر قسم کی ناپسندیدہ چیز سے حفظ وامان میں ہو جاتا ہے، اور شیطان کے مکر سے محفوظ ہو جاتا ہے، اور کسی گناہ کے لئے یہ مناسب نہیں کہ وہ اسے اس دن ہلاک کرے، سوائے اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرانے سے (کہ شرک کی وجہ سے آدمی ہلاک ہو جاتا ہے)۔

مشکل الفاظ کے معنی: دبر الصلاة: (دال اور با پر پیش) بعد، پیچھے، وھو ثانی رجلیه: اس حال میں کہ اس نے اپنے دونوں پاؤں موڑ رکھے ہوں، یعنی تشہد کی حالت میں ہی بیٹھا ہو، من کل مکروہ: ہر قسم کی ناپسندیدہ چیز سے، وحرس من الشیطان: (حاء پر زبر اور را ساکن) شیطان سے حفاظت، لم ینبغ: مناسب نہیں، حلال نہیں، ان یدرکه: یہ کہ کوئی گناہ اسے ہلاک کر دے۔

---

(۱) مسند احمد ۴/۲۲۷، عن أبی ذر۔

نماز فجر اور مغرب کے بعد کا ایک خاص ذکر

حضرت ابوذر کی روایت میں ہے کہ جو شخص فجر کی نماز پڑھنے کے بعد کسی سے بات کرنے سے پہلے، اسی حالت میں بیٹھ کر جس طرح وہ نماز میں تشہد کی حالت میں بیٹھا تھا، یہ کلمات دس مرتبہ پڑھے: لا الٰہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ، لہ الملک و لہ الحمد، یحیی و یمیت و ھو علی کل شیء قدیر، ایسے شخص کے لئے دس نیکیاں لکھ دی جاتی ہیں، دس گناہ معاف کئے جاتے ہیں، اور دس درجے بلند کر دیئے جاتے ہیں، اور وہ اس دن ہر قسم کی بلا اور مصیبت وغیرہ سے اور شیطان سے حفظ و امان میں ہو جاتا ہے، پھر اسے شرک کے علاوہ کوئی گناہ ہلاک نہیں کر سکتا، یعنی اللہ جل شانہ اس کی ضرور مغفرت فرمائیں گے۔

ترمذی کی مذکورہ روایت میں صرف نماز فجر کا ذکر ہے لیکن اس حدیث کے دوسرے طریق جسے مسند احمد میں نقل کیا گیا ہے، اس میں نماز مغرب کا بھی ذکر ہے۔(۱)

بَابُ جَامِعِ الدَّعَوَاتِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

یہ باب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جامع دعاؤں کے بیان میں ہے

عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ بُرَيْدَةَ الأَسْلَمِيِّ، عَنْ أَبِيهِ، قَالَ: سَمِعَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَجُلًا يَدْعُو وَهُوَ يَقُولُ: اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ بِأَنِّي أَشْهَدُ أَنَّكَ أَنْتَ اللهُ، لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ، الأَحَدُ، الصَّمَدُ، الَّذِي لَمْ يَلِدْ، وَلَمْ يُولَدْ، وَلَمْ يَكُنْ لَهُ كُفُوًا أَحَدٌ، قَالَ: فَقَالَ: وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَقَدْ سَأَلَ اللهَ بِاسْمِهِ الأَعْظَمِ، الَّذِي إِذَا دُعِيَ بِهِ أَجَابَ، وَإِذَا سُئِلَ بِهِ أَعْطَى۔

قَالَ زَيْدٌ: فَذَكَرْتُهُ لِزُهَيْرِ بْنِ مُعَاوِيَةَ بَعْدَ ذَلِكَ بِسِنِينَ، فَقَالَ: حَدَّثَنِي أَبُو إِسْحَاقَ، عَنْ مَالِكِ بْنِ مِغْوَلٍ، قَالَ زَيْدٌ: ثُمَّ ذَكَرْتُهُ لِسُفْيَانَ، فَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ.(۲)

حضرت بریدہ اسلمی فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو ان الفاظ سے دعا مانگتے ہوئے سنا: اللّٰھم انی اسئلک..... کفوا احد (اے اللہ میں تجھ سے اس وسیلے سے مانگتا ہوں کہ میں نے اس بات کی گواہی دی ہے کہ تو ہی اللہ ہے، تیرے علاوہ کوئی عبادت کے لائق نہیں، تو تنہا اور بے نیاز ہے، جس نے نہ کسی کو جنا، اور نہ اسے جنا گیا (یعنی نہ کوئی اس کی اولاد اور نہ وہ کسی کی اولاد ہے) اور کوئی اس کے برابر نہیں) راوی کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قسم ہے اس ذات کی، جس کے قبضہ میں میری جان ہے: اس شخص نے اللہ سے اس کے اسم اعظم کے وسیلے سے

---

(۱) تحفۃ الاحوذی ۹/۴۱۱

(۲) سنن ابی داؤد، کتاب الصلاۃ، باب الدعاء، رقم: ۱۴۹۳

مانگا ہے جس کے وسیلے سے جب دعا کی جائے، تو اللہ تعالیٰ قبول کرتے ہیں، اور جب اس کے ذریعے مانگا جائے، تو اللہ تعالیٰ عطا فرماتے ہیں۔

زید کہتے ہیں کہ میں نے کئی سال کے بعد یہ حدیث زہیر بن معاویہ کے سامنے بیان کی، تو انہوں نے فرمایا کہ مجھے یہ حدیث ابو اسحاق نے مالک بن مغول کے حوالے سے سنائی تھی، پھر میں نے سفیان کے سامنے بیان کی تو انہوں نے بھی میرے سامنے یہ حدیث مالک کے حوالے سے روایت کی۔

عَنْ أَسْمَاءَ بِنْتِ يَزِيدَ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: اسْمُ اللهِ الأَعْظَمُ فِي هَاتَيْنِ الآيَتَيْنِ {وَإِلَهُكُمْ إِلَهٌ وَاحِدٌ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الرَّحْمَنُ الرَّحِيمُ} [البقرة: 163] وَفَاتِحَةِ آلِ عِمْرَانَ {الم اللهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الحَيُّ القَيُّومُ} [آل عمران: 2].(۱)

حضرت اسماء بنت یزید کہتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ کا اسم اعظم ان دو آیتوں میں ہے: و الهکم اله واحد، لا اله الا هو الرحمن الرحیم، (ترجمہ: اور معبود تم سب کا ایک ہی معبود ہے، کوئی اس کے سوا عبادت کے لائق نہیں، بڑا مہربان ہے، نہایت رحم والا) اور سورہ آل عمران کی ابتدائی آیت: الم اللہ لا اله الا هو الحی القیوم۔ (ترجمہ: اللہ، اس کے سوا کوئی معبود نہیں، زندہ ہے، سب کا تھامنے والا)

اسم اعظم

اللہ تعالیٰ کے ناموں میں ایک مبارک نام ایسا ہے کہ اس کے ساتھ جو بھی دعا کی جائے، قبول ہوتی ہے، اسے "اسم اعظم" کہتے ہیں، لیکن وہ نام کونسا ہے؟ اس کی تعیین میں مختلف اقوال ہیں: جن کی تفصیل یہ ہے:

۱۔ بعض کے نزدیک لفظ "اللہ" اسم اعظم ہے، لفظ "اللہ" اسم ذات ہے، جس کے معنی ہیں: وہ ذات جو تمام کمالات کی جامع اور ہر قسم کے عیب اور نقص سے پاک ہے۔

۲۔ الرحمن، الرحیم (بڑا مہربان، نہایت رحم والا)۔

۳۔ الحی، القیوم، (ہمیشہ ہمیشہ زندہ رہنے والا، خود بھی قائم اور سب کو قائم رکھنے اور سنبھالنے والا)

۴۔ الحنان، المنان، (بہت زیادہ محبت اور شفقت کرنے والا، بڑا محسن)

۵۔ یاذا الجلال والاکرام، (اے بزرگی اور اکرام والے)

۶۔ حدیث مذکور کے کلمات: لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ، الأَحَدُ، الصَّمَدُ، الَّذِي لَمْ يَلِدْ، وَلَمْ يُولَدْ، وَلَمْ يَكُنْ لَهُ كُفُوًا أَحَدٌ۔ (تیرے علاوہ کوئی عبادت کے لائق نہیں، تو ہی تنہا اور بے نیاز ہے، جس نے نہ کسی کو جنا اور نہ اسے جنا گیا، اور کوئی اس کا

(۱) سنن ابی داؤد، کتاب الصلاۃ، باب الدعاء، رقم: ۱۴۸۱

ہمسر اور برابر نہیں)

۷۔ یا بدیع السموات والارض۔ (اے زمین اور آسمانوں کو بغیر نمونے کے بنانے والے)

بہتر یہ ہے کہ ان تمام اسماء کو دعا میں شامل کر کے اللہ جل شانہ سے مانگا جائے تو ان شاء اللہ، ضرور اس کی دعا قبول ہوگی۔ (۱)

ترمذی کی مذکورہ روایت میں نبی کریم ﷺ نے دو آیتیں ذکر فرمائی ہیں کہ ان میں اسم اعظم ہے، وہ نام بھی اوپر ذکر کر دیئے گئے ہیں۔

الذی اذا دعی بہ أجاب و اذا سئل بہ اعطی دعا اور سوال میں فرق یہ ہے کہ دعا میں بندہ یوں کہتا ہے: یا رب یا رب (اے میرے پروردگار) اللہ تعالیٰ اس کی دعا کو قبول کر کے فرماتے ہیں: لبیک یا عبدی (میرے بندے میں حاضر ہوں) میں نے تمہاری دعا کو قبول کر لیا ہے، اور سوال میں بندہ یوں کہتا ہے، یا اللہ مجھے فلاں چیز عطا کر دیجئے، میں تجھ سے فلاں چیز مانگتا ہوں، اور بعض حضرات کے نزدیک یہ دونوں لفظ یعنی دعا اور سوال مترادف ہیں، ایک دوسرے کے معنی میں استعمال ہوتے رہتے ہیں۔ (۲)

عَنْ فَضَالَةَ بْنِ عُبَيْدٍ، قَالَ: بَيْنَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَاعِدٌ، إِذْ دَخَلَ رَجُلٌ، فَصَلَّى فَقَالَ: اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِي وَارْحَمْنِي، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: عَجِلْتَ أَيُّهَا الْمُصَلِّي، إِذَا صَلَّيْتَ فَقَعَدْتَ، فَاحْمَدِ اللهَ بِمَا هُوَ أَهْلُهُ، وَصَلِّ عَلَيَّ ثُمَّ ادْعُهُ، قَالَ: ثُمَّ صَلَّى رَجُلٌ آخَرُ بَعْدَ ذَلِكَ، فَحَمِدَ اللهَ وَصَلَّى عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ لَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَيُّهَا الْمُصَلِّي ادْعُ تُجَبْ. (۳)

حضرت فضالہ بن عبید فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اکرم ﷺ تشریف فرما تھے کہ ایک شخص آیا اور اس نے نماز پڑھی، پھر اس نے (نماز کے آخر میں یا نماز کے بعد) کہا: اے اللہ میری مغفرت کر دے اور مجھ پر رحم فرما، آپ ﷺ نے فرمایا: اے نمازی تو نے جلدی کی، جب نماز سے فارغ ہو جاؤ، اور دعا کے لئے بیٹھو، تو اللہ کی حمد و ثناء اس طرح بیان کرو، جیسا کہ اس کا حق ہے، پھر مجھ پر درود بھیجو، پھر اللہ تعالیٰ کو پکارو (یعنی دعا کرو) راوی کہتے ہیں کہ اس کے بعد ایک اور شخص نے نماز پڑھی، پھر اللہ کی تعریف بیان کی اور نبی کریم ﷺ پر درود بھیجا، تو نبی کریم ﷺ نے اسے فرمایا: اے نمازی: تم دعا کرو، اسے قبول کیا جائے گا۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ادْعُوا اللهَ وَأَنْتُمْ مُوقِنُونَ بِالْإِجَابَةِ، وَاعْلَمُوا أَنَّ

---

(۱) فتح الباری ۱۱/۲۶۸، کتاب الدعوات، باب للہ مائۃ اسم غیر واحدۃ

(۲) تحفۃ الاحوذی ۹/۴۱۲

(۳) سنن ابی داؤد، کتاب الصلاۃ، باب الدعاء۔

اللهَ لَا يَسْتَجِيبُ دُعَاءً مِنْ قَلْبٍ غَافِلٍ لَاهٍ. (۱)

حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم لوگ اللہ جل شانہ سے اس یقین کے ساتھ دعا مانگو کہ وہ تمہاری دعا کو قبول کرنے والا ہے، اور یہ جان لو کہ اللہ تعالیٰ غافل اور لہو ولعب میں مشغول دل کی دعا قبول نہیں کرتے۔

عَنْ فَضَالَةَ بْنَ عُبَيْدٍ، يَقُولُ: سَمِعَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَجُلًا، يَدْعُو فِي صَلَاتِهِ، فَلَمْ يُصَلِّ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: عَجِلَ هَذَا، ثُمَّ دَعَاهُ فَقَالَ لَهُ أَوْ لِغَيْرِهِ: إِذَا صَلَّى أَحَدُكُمْ فَلْيَبْدَأْ بِتَحْمِيدِ اللهِ وَالثَّنَاءِ عَلَيْهِ، ثُمَّ لْيُصَلِّ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، ثُمَّ لْيَدْعُ بَعْدُ بِمَا شَاءَ. (۲)

حضرت فضالہ بن عبید کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص کو نماز میں دعا مانگتے ہوئے سنا، اس نے نبی کریم ﷺ پر درود نہیں بھیجا تھا، آپ ﷺ نے فرمایا: اس نے جلدی کی ہے، پھر آپ ﷺ نے اسے بلایا، اس سے یا اس کے علاوہ کسی اور سے آپ نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی نماز پڑھے تو اسے چاہیے کہ وہ اللہ کی حمد وثناء سے آغاز کرے، پھر نبی کریم ﷺ پر درود بھیجے، پھر اس کے بعد جو چاہے، دعا کرے۔

مشکل الفاظ کے معنی: تجب: (صیغہ مجہول) تمہاری دعا کو قبول کیا جائے گا، موقنون: تم یقین کرنے والے ہو، اجابۃ: قبولیت، لاہ: لہو سے صیغہ اسم فاعل ہے: لہو ولعب اور کھیل کود میں مشغول، قلب غافل لاہ میں قلب کی غافل کی طرف اضافت اور ترک اضافت دونوں جائز ہیں۔

دعا کے چند آداب

مذکورہ احادیث میں نبی کریم ﷺ نے دعا کے چند آداب بیان فرمائے ہیں، جن کا اگر لحاظ رکھا جائے تو دعا ضرور قبول ہوتی ہے:

۱۔ سب سے پہلے ایسے کلمات سے دعا کا آغاز کیا جائے، جن میں اللہ جل شانہ کی حمد وثناء اور عظمت وبرتری کا ذکر ہو۔

۲۔ پھر نبی کریم ﷺ پر درود بھیجا جائے۔

۳۔ اس یقین کے ساتھ مانگا جائے کہ اللہ تعالیٰ میری دعا ضرور قبول فرماتے ہیں۔

۴۔ پوری توجہ اور بیداری سے دعا کی جائے، کیونکہ دل کی حضوری کے بغیر اس دعا کا کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوتا۔

۵۔ گناہوں سے بچنے کا اہتمام ہو۔

---

(۱) ایضاً رقم: ۱۴۹۶۔

(۲) المستدرک للحاکم ۱/۴۹۳۔

۶۔ رزق حلال ہو، اگر انسان کا کھانا پینا مال حرام سے ہو، تو آہ وزاری کے باوجود، وہ دعا قبول نہیں ہوتی۔

عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: اللَّهُمَّ عَافِنِي فِي جَسَدِي، وَعَافِنِي فِي بَصَرِي، وَاجْعَلْهُ الْوَارِثَ مِنِّي، لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ الْحَلِيمُ الْكَرِيمُ، سُبْحَانَ اللَّهِ رَبِّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ، الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ. (۱)

حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اس طرح بھی دعا کیا کرتے تھے: اللہم ..... (اے اللہ میرے جسم کو صحت وتندرستی اور میری نگاہ کو عافیت عطا فرما، اور اس نگاہ کو میرا وارث بنا، اللہ کے علاوہ کوئی عبادت کے لائق نہیں، جو حکمت اور کرم والا ہے، اللہ کی ذات پاک ہے، وہ جو عرش عظیم کا مالک ہے، اور تمام تعریفیں اس اللہ کے لئے ہیں، جو تمام جہانوں کا پالنے والا ہے۔)

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: جَاءَتْ فَاطِمَةُ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَسْأَلُهُ خَادِمًا، فَقَالَ لَهَا: قُولِي: اللَّهُمَّ رَبَّ السَّمَوَاتِ السَّبْعِ، وَرَبَّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ، رَبَّنَا وَرَبَّ كُلِّ شَيْءٍ مُنْزِلَ التَّوْرَاةِ وَالْإِنْجِيلِ وَالْقُرْآنِ، فَالِقَ الْحَبِّ وَالنَّوَى، أَعُوذُ بِكَ مِنْ شَرِّ كُلِّ شَيْءٍ أَنْتَ آخِذٌ بِنَاصِيَتِهِ، أَنْتَ الْأَوَّلُ فَلَيْسَ قَبْلَكَ شَيْءٌ، وَأَنْتَ الْآخِرُ فَلَيْسَ بَعْدَكَ شَيْءٌ، وَأَنْتَ الظَّاهِرُ فَلَيْسَ فَوْقَكَ شَيْءٌ، وَأَنْتَ الْبَاطِنُ فَلَيْسَ دُونَكَ شَيْءٌ، اقْضِ عَنِّي الدَّيْنَ، وَأَغْنِنِي مِنَ الْفَقْرِ. (۲)

حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ حضرت فاطمہ نبی کریم ﷺ کے پاس آئیں اور آپ سے ایک خادم مانگنے لگیں، تو آپ ﷺ نے ان کو یہ دعا پڑھنے کا فرمایا: اللہم ..... (اے اللہ! اے سات آسمانوں اور عرش عظیم کے مالک، اے ہمارے اور ہر چیز کے پروردگار، اے تورات وانجیل اور قرآن کو نازل کرنے والے، اے دانے اور گٹھلی کو پھاڑنے والے، میں ہر اس چیز کے شر سے تیری پناہ چاہتا ہوں، جسے تو ہی اسے اس کی پیشانی سے پکڑ سکتا ہے، تو ہی اول ہے، تجھ سے پہلے کچھ نہیں، تو ہی آخر ہے تیرے بعد کچھ نہیں، تو ہی ظاہر وغالب ہے تجھ سے اوپر کچھ نہیں، اور تو ہی (اپنی حقیقت وماہیت کے لحاظ سے بہت) پوشیدہ ہے، تجھ سے زیادہ کوئی پوشیدہ نہیں، تو ہی میرا قرض ادا کردے اور مجھے فقر وتنگدستی سے بے نیاز کردے)۔

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو، قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنْ قَلْبٍ لَا يَخْشَعُ، وَمِنْ دُعَاءٍ لَا يُسْمَعُ، وَمِنْ نَفْسٍ لَا تَشْبَعُ، وَمِنْ عِلْمٍ لَا يَنْفَعُ، أَعُوذُ بِكَ مِنْ هَؤُلَاءِ الْأَرْبَعِ. (۳)

---

(۱) المستدرک للحاکم ۱/ ۵۳۰۔
(۲) الصحیح لمسلم، کتاب الذکر والدعاء، باب مایقول عند النوم۔
(۳) الصحیح لمسلم، رقم الحدیث: ۲۷۲۲۔

حضرت عبداللہ بن عمرو فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ یہ دعا کیا کرتے تھے: اللھم ..... (اے اللہ! میں تجھ سے ایسے دل سے پناہ مانگتا ہوں جس میں خشوع نہ ہو، اور ایسی دعا سے جسے سنا نہ جائے (یعنی جو قبول نہ ہو) اور ایسے نفس سے، جو سیراب نہ ہوتا ہو، اور ایسے علم سے، جو فائدہ نہ دے، بس میں ان چار چیزوں سے تیری پناہ مانگتا ہوں)۔

مشکل الفاظ کے معنی: اجعله الوارث منی: اس میں "ہ" ضمیر "بصر" کی طرف لوٹ رہی ہے، مطلب یہ ہے کہ اس نگاہ کو میرا وارث بنادے یعنی جب تک میں زندہ رہوں، تا حیات اسے میرے ساتھ باقی رکھ، فالق: پھاڑنے والے، چیرنے والے، الحب: دانہ، النوی: گٹھلی، قلب لا یخشع: ایسا دل جس میں خشوع نہ ہو، یعنی جس میں اللہ کے ذکر سے آہ وزاری اور سکون کی کیفیت حاصل نہ ہو، دعاء لا یسمع: وہ دعا جسے نہ سنا جائے یعنی جو قبول نہ ہو، لا تشبع: جو نفس سیراب نہ ہو، انت الباطن: تو اپنی ذات اور حقیقت کے اعتبار سے اتنا پوشیدہ ہے کہ اس سے زیادہ اور کوئی چیز پوشیدہ نہیں۔

خادم کے مطالبے پر ایک دعا کا حکم

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے گھریلو کاموں کے لیے نبی کریم ﷺ سے ایک خادم کا مطالبہ کیا، آپ ﷺ نے انہیں ایک دعا کی تلقین فرمائی، کہ تم اللہ کی طرف رجوع کرو، وہ دعا یہ ہے: اللھم رب السموات السبع ..... وأغنی من الفقر۔

چار چیزوں سے پناہ مانگنے کا حکم

نبی کریم ﷺ چار چیزوں سے خاص طور پر پناہ مانگا کرتے تھے، اور امت کو بھی ان سے پناہ مانگنے کا حکم دیا، ایسے دل سے جس میں خشوع نہ ہو، وہ دعا جو قبول نہ ہو، وہ نفس جو سیراب نہ ہو اور وہ علم جو انسان کی زندگی میں تبدیلی نہ لائے، وہ علم اس کے لئے نفع بخش نہ ہو، اس لئے ان چار چیزوں سے پناہ مانگنے کا خوب اہتمام کرنا چاہیے۔

من نفس لا تشبع، ایسا نفس جو سیراب نہ ہو، مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو نعمتیں اسے عطا فرمائی ہیں، جو رزق دیا ہے، مال و دولت اور دنیوی عہدے اور مناصب دیئے ہیں، ان سے وہ نفس سیر نہیں ہوتا، قناعت نہیں کرتا، مزید در مزید کی جستجو اور تلاش میں ہر وقت لگا رہتا ہو، اور بعض اوقات جائز و ناجائز کی بھی اسے کوئی پرواہ نہیں ہوتی، اس قسم کے نفس سے نبی کریم ﷺ نے پناہ مانگی ہے۔

و من علم لا ینفع، جو علم نافع نہ ہو، یعنی اس پر اس کا عمل نہ ہو، اور نہ ہی اپنے نفس کا تزکیہ اور اصلاح کی، اور نہ دوسروں کو سکھانے کی ترتیب اختیار کی، ایسا علم انسان کے لئے دنیا اور آخرت دونوں میں وبال جان بنتا ہے، ایسے شخص کا دل انتہائی

سخت اور قاسی ہو جاتا ہے، اس لئے نبی کریم ﷺ نے خاص طور پر ایسے علم سے پناہ مانگی ہے، جو نفع بخش نہ ہو۔(۱)

بَابٌ: عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ، قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِأَبِي: يَا حُصَيْنُ كَمْ تَعْبُدُ الْيَوْمَ إِلَهًا؟ قَالَ أَبِي: سَبْعَةً، سِتَّةً فِي الْأَرْضِ وَوَاحِدًا فِي السَّمَاءِ، قَالَ: فَأَيُّهُمْ تَعُدُّ لِرَغْبَتِكَ وَرَهْبَتِكَ؟ قَالَ: الَّذِي فِي السَّمَاءِ، قَالَ: يَا حُصَيْنُ أَمَا إِنَّكَ لَوْ أَسْلَمْتَ عَلَّمْتُكَ كَلِمَتَيْنِ تَنْفَعَانِكَ، قَالَ: فَلَمَّا أَسْلَمَ حُصَيْنٌ قَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ عَلِّمْنِي الْكَلِمَتَيْنِ اللَّتَيْنِ وَعَدْتَنِي، فَقَالَ: قُلْ: اللَّهُمَّ أَلْهِمْنِي رُشْدِي، وَأَعِذْنِي مِنْ شَرِّ نَفْسِي. (۲)

حضرت عمران بن حصین فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے میرے والد سے پوچھا اے حصین: تم آج کتنے خداؤں کی عبادت کرتے ہو؟ میرے والد نے کہا: سات معبودوں کی، چھ زمین پر اور ایک آسمان پر ہے، پھر آپ ﷺ نے پوچھا: ان میں سے کونسا معبود ایسا ہے، جسے تم اپنی رغبت اور دہشت یعنی امید وخوف کے لئے شمار کرتے ہو (یعنی کس سے امید اور خوف کرتے ہو) اس نے کہا: اس سے جو آسمان پر ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: اے حصین اگر تم مسلمان ہو جاؤ، تو میں تمہیں دو ایسے کلمے سکھاؤں گا، جو تمہیں فائدہ پہنچائیں گے، راوی کہتے ہیں: جب حصین مسلمان ہوئے، تو عرض کیا یا رسول اللہ! مجھے وہ دو کلمے سکھا دیجئے، جن کا آپ نے مجھ سے وعدہ کیا تھا، آپ ﷺ نے فرمایا: تم یہ دعا کیا کرو: اللَّهُمَّ أَلْهِمْنِي رُشْدِي، وَأَعِذْنِي مِنْ شَرِّ نَفْسِي (اے اللہ! میرے دل میں ہدایت ڈال دیجئے اور مجھے میرے نفس کے شر سے بچا)۔

مشکل الفاظ کے معنی: تعد: (تا پر زبر اور عین پر پیش، باب نصر) تم شمار کرتے ہیں، رهبة: دہشت یعنی خوف وہراس، ألهمني: (صیغہ امر) میرے دل میں ڈال دیجئے، رشدي: (را پر پیش اور شین ساکن یا دونوں پر زبر) میری ہدایت، أعذني: (صیغہ امر) مجھے پناہ میں رکھئے، یعنی مجھے بچا اور محفوظ رکھ۔

حضرت حصین بن عبید کو دو خاص دعاؤں کی تعلیم

حضرت حصین کے بیٹے حضرت عمران بن حصین اپنے والد سے پہلے اسلام لے آئے تھے، ان کے والد حضرت حصین کفار مکہ کے لیڈروں میں سے تھے اور آپ ﷺ اور مسلمانوں کے خلاف کافروں کے ساتھ تھے، مذکورہ حدیث میں ان کے زمانہ کفر کے ایک واقعہ کا بیان ہے کہ ایک دفعہ نبی کریم ﷺ نے ان سے پوچھا کہ تمہارے کتنے معبود ہیں؟ انہوں نے بتایا کہ ہم سات کی عبادت کرتے ہیں چھ زمین پر ہیں اور ایک آسمان پر ہے، اور آسمان والے سے ہی ہمیں امید ہوتی ہے، اسی سے ہم ڈرتے ہیں، آپ ﷺ

---

(۱) مرقاة المفاتيح ۵/ ۳۷۰، كتاب الدعوات باب الاستعاذة، رقم: ۲۴۶۰، تحفة الاحوذی ۹/ ۴۲۰۔

(۲) المستدرک للحاکم، ۱/ ۵۱۰۔

نے انہیں اسلام کی دعوت دی اور یہ فرمایا کہ اگر تم اسلام قبول کرلو، تو میں تمہیں دو کلمے سکھاؤں گا، جو تمہیں بہت نفع پہنچائیں گے۔

پھر ایک وقت آیا کہ حضرت عمران کے والد حضرت حصین نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے، اسلام قبول کرلیا تو مجلس میں موجود ان کے بیٹے حضرت عمران نے اپنے والد کی پیشانی پر بوسہ دیا، ہاتھ اور پاؤں چومے، یہ منظر دیکھ کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں میں آنسو آگئے کہ جس وقت حصین مجلس میں آئے تھے تو ان کے بیٹے نے اپنے کافر باپ کی طرف دیکھا بھی نہیں، کوئی توجہ نہ کی اور اب جب انہوں نے اسلام قبول کرلیا تو خوشی کی وجہ سے ان کے ہاتھ پاؤں چوم رہے ہیں۔

اسلام قبول کرنے کے بعد حضرت حصین نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو وعدہ یاد دلایا کہ آپ نے زمانہ کفر میں مجھے یہ فرمایا تھا کہ اگر تم اسلام قبول کرلو، تو میں تمہیں ایسے دو کلمے سکھاؤں گا، جو تمہیں نفع دیں گے، لہذا اب جب میں نے اسلام قبول کرلیا ہے، تو مجھے وہ دو کلمے سکھا دیجیے،(۱) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ کلمے یہ ہیں: اللهم ألهمني رشدي و أعذني من شر نفسي، اس دعا میں دو چیزوں کا ذکر ہے:

- یا اللہ مجھے سیدھے راستے کی توفیق عطا فرما۔
- مجھے اپنے نفس کے شر سے بچا کر رکھ، کیونکہ تمام برائیوں اور فساد کی جڑ انسان کا سرکش نفس ہوتا ہے، جب وہ نفس سیدھا ہو جائے تو پھر انسان کے لیے تمام نیکیوں کے راستے آسان ہو جاتے ہیں۔(۲)

بَابٌ: عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ: كَثِيرًا مَا كُنْتُ أَسْمَعُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَدْعُو بِهَؤُلَاءِ الْكَلِمَاتِ: اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنَ الْهَمِّ، وَالْحَزَنِ، وَالْعَجْزِ، وَالْكَسَلِ، وَالْبُخْلِ، وَضَلَعِ الدَّيْنِ، وَقَهْرِ الرِّجَالِ.(۳)

حضرت انس فرماتے ہیں کہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو کثرت سے یہ دعا کرتے سنتا تھا: اللهم .... (اے اللہ میں تجھ سے فکر، غم، بے بسی، سستی، بخل، قرض کے بوجھ اور لوگوں کے غالب آجانے سے پناہ مانگتا ہوں)

عَنْ أَنَسٍ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، كَانَ يَدْعُو يَقُولُ: اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنَ الْكَسَلِ، وَالْهَرَمِ، وَالْجُبْنِ، وَالْبُخْلِ، وَفِتْنَةِ الْمَسِيحِ، وَعَذَابِ الْقَبْرِ.(۴)

حضرت انس سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا کیا کرتے تھے: اللهم..... (اے اللہ میں سستی، بڑھاپے، بزدلی، بخل، دجال کے فتنے اور قبر کے عذاب سے تیری پناہ مانگتا ہوں)۔

مشکل الفاظ کے معنی: حزن: (حاء پر پیش اور زاء ساکن) شدید فکر و غم، جو انسان کے مزاج میں سختی اور کھردراپن پیدا کردے،

---

(۱) الاصابة في تمييز الصحابة ۱/۳۸۴، رقم: ۱۷۳۷
(۲) مرقاة المفاتيح ۵/۳۸۲، كتاب الدعوات باب الاستعاذة رقم: ۲۴۷۶
(۳) الصحيح للبخاري، كتاب الدعوات، باب الاستعاذة من الجبن، رقم: ۶۳۶۹۔
(۴) سنن النسائي، كتاب الاستعاذة، باب الاستعاذة من الهم، رقم: ۵۴۵۱۔

اور حزن (حاء پر زبر اور زا ساکن) کے معنی ہوتے ہیں: سخت جگہ، اکھڑ مزاج آدمی، هم: وہ پریشانی اور غم، جو انسان کو ختم کر کے رکھ دے، گویا ہم، حزن سے خاص ہے، بعض نے کہا کہ لفظ "هم" اس غم کے لئے استعمال ہوتا ہے جو مستقبل میں پیش آئے اور جو ماضی میں پیش آچکا ہے وہ حزن ہے اور بعض حضرات کے نزدیک یہ دونوں لفظ مترادف ہیں، ایک ہی معنی میں استعمال ہوتے ہیں، عجز: (عین پر زبر اور جیم ساکن) بے بسی، لاچاری، ضلع الدین: (ضاد اور عین پر زبر) قرض کا بوجھ اور سختی، قهر الرجال: مردوں کے غالب آنے سے، کسل: (کاف اور سین پر زبر) سستی، لاپرواہی، جبن: (جیم پر پیش اور با ساکن) بزدلی، هرم: (ہاء اور را پر زبر کے ساتھ) بڑھاپا۔

قرض اتارنے کی دعا

مذکورہ احادیث میں وہ دعائیں ہیں، جن میں مختلف چیزوں سے پناہ مانگنے کا ذکر ہے، اور سنن ابوداؤد کی روایت میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک پریشان آدمی کو قرض اتارنے کے لئے مذکورہ دعا کرنے کی تاکید فرمائی، چنانچہ اس صحابی نے اس دعا مانگنے کا اہتمام کیا، تو اللہ تعالیٰ نے اس دعا کی برکت سے اس کے قرض کی ادائیگی کی صورت بنادی، اس لئے جب انسان کو کوئی غم اور پریشانی ہو، لوگوں کا خوف اور قرض کا بوجھ ہو، تو اس دعا کا اہتمام کرے، تو ان شاء اللہ اس کی برکت سے اس کے مسائل حل ہوجائیں گے۔

دعا کے چند الفاظ کی تشریح:

"العجز" بے بسی سے پناہ مانگتا ہوں، مطلب یہ ہے کہ اس بے بسی اور عاجزی سے پناہ مانگتا ہوں، جس میں نیکی اور اللہ کی عبادت میں نہ کرسکوں اور اپنے ذمے کے حقوق میں ادا نہ کرسکوں، اس سے میں پناہ مانگتا ہوں۔

"و من البخل" بخل سے پناہ مانگنے کے معنی یہ ہیں کہ میں زکوٰۃ، صدقہ فطر اور مالی واجبات اور معاملات میں کوتاہی کرنے سے پناہ مانگتا ہوں،

"والجبن" بزدلی سے مراد یہ ہے کہ جہاد کے وقت دشمنوں کے خوف کی وجہ سے مقابلے سے ہمت ہار بیٹھنا اور دوسروں کو نیکی کا حکم اور برائی سے روکنے کی جرأت نہ کرنا اور نیکی نہ کرنا۔(۱)

بَابُ مَا جَاءَ فِي عَقْدِ التَّسْبِيحِ بِالْيَدِ

یہ باب اس حدیث پر مشتمل ہے جس میں ہاتھ (یعنی انگلیوں یا پوروں) کے ذریعہ تسبیح کو گرہ لگانے یعنی گننے کا بیان ہے

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو، قَالَ: رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَعْقِدُ التَّسْبِيحَ بِيَدِهِ.(۲)

(۱) مرقاۃ المفاتیح ۵/۳۶۷، کتاب الدعوات باب الاستعاذۃ

(۲) سنن ابی داؤد، کتاب الصلاۃ، باب التسبیح بالحصی۔

حضرت عبداللہ بن عمرو فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو اپنے ہاتھ (یعنی انگلیوں یا پوروں) کے ذریعہ تسبیح کو گرہ لگاتے ہوئے یعنی گنتے ہوئے دیکھا ہے۔

مروجہ تسبیح کے استعمال کا شرعی حکم

اس میں کوئی شک نہیں کہ ہمارے زمانے میں ذکر و وظائف کے لئے جو دانوں والی تسبیحات یا گنتی والی تسبیحیں رائج ہیں اس شکل میں یہ نبی کریم ﷺ کے زمانے میں نہیں تھیں، بلکہ آپ کے زمانے میں بعض لوگ کھجور کی گٹھلیاں، چھوٹی کنکریاں اور بعض لوگ دھاگے پر گرہیں لگا کر تسبیحات کو شمار کیا کرتے تھے، چنانچہ امام ترمذی رحمہ اللہ نے کتاب الدعوات میں ہی ایسی بہت سی روایات ذکر کی ہیں، جن سے عہد رسالت کا مذکورہ طریقہ کار ثابت ہوتا ہے، ان احادیث کی تفصیل یہ ہے:

۱۔ حضرت سعد اور نبی کریم ﷺ ایک خاتون کے پاس گئے تو وہ کنکریوں سے تسبیح پڑھ رہی تھیں۔

۲۔ حضرت صفیہ فرماتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ میرے پاس تشریف لائے، اس وقت میرے سامنے چار ہزار کھجور کی گٹھلیاں تھیں، جن سے میں تسبیح پڑھ رہی تھی، یہ دونوں حدیثیں امام ترمذی نے آگے ابواب الدعوات میں ہی ذکر کی ہیں،

۳۔ حضرت علی سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: تسبیح ایک بہترین یاد دلانے والی چیز ہے۔

۴۔ حضرت حسن بصری، جن کے استاد صحابہ کرام تھے، وہ تسبیح کا استعمال کیا کرتے تھے، کسی نے کہا کہ آپ اسے چھوڑ کیوں نہیں دیتے؟ انہوں نے جواب دیا کہ مجھے اللہ جل جلالہ نے جو بھی مقام قرب عطا فرمایا ہے، اس کا ذریعہ یہ تسبیح ہی ہے، اس لئے اب میں اسے کیسے چھوڑ سکتا ہوں۔

مذکورہ احادیث اور اس مفہوم کی دیگر روایات سے جس طرح گٹھلیوں اور کنکریوں پر تسبیحات پڑھنے کا جواز ثابت ہوتا ہے، اسی طرح ان سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ مروجہ تسبیح کے ذریعہ اذکار کرنا جائز ہے، اس کا استعمال بدعت نہیں، بلکہ بعض بزرگ تو یہ فرماتے ہیں کہ یہ شیطان کے لئے کوڑا ہے۔(۱)

ترمذی کی مذکورہ روایت میں ہے کہ نبی کریم ﷺ انگلیوں یا ان کے پورے سے تسبیحات شمار کر کے پڑھا کرتے تھے، ایک اور حدیث میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ قیامت کے دن یہ انگلیاں بول کر انسان کے حق میں گواہی دیں گی، اس لیے مسنون طریقے کے مطابق انگلیوں سے تسبیحات پڑھنے کا معمول بنانا چاہیے۔

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَادَ رَجُلًا قَدْ جُهِدَ، حَتّٰى صَارَ مِثْلَ الْفَرْخِ، فَقَالَ لَهُ: أَمَا كُنْتَ تَدْعُو؟ أَمَا كُنْتَ تَسْأَلُ رَبَّكَ الْعَافِيَةَ؟ قَالَ: كُنْتُ أَقُولُ: اَللّٰهُمَّ مَا كُنْتَ مُعَاقِبِي بِهِ فِي الْآخِرَةِ فَعَجِّلْهُ

---

(۱) مجموعہ رسائل اللکھنوی ۱/۸، نزهة النظر فی سبحة الذکر، ط: بیروت، تحفة الاحوذی ۹/۲۲۴، مرقاة المفاتیح ۵/۲۲۱، کتاب الدعوات، باب ثواب التسبیح والتحمید، رقم: ۲۳۱۱۔

لِي فِي الدُّنْيَا، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: سُبْحَانَ اللهِ، إِنَّكَ لَا تُطِيقُهُ أَوْ لَا تَسْتَطِيعُهُ، أَفَلَا كُنْتَ تَقُولُ: اللَّهُمَّ آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً، وَفِي الآخِرَةِ حَسَنَةً، وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ.(۱)

حضرت انس سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ ایک صحابی کی بیمار پرسی کے لئے تشریف لے گئے، جو چوزے کی طرح انتہائی نحیف اور لاغر ہو گئے تھے، آپ ﷺ نے ان سے پوچھا کہ کیا تم دعا نہیں مانگتے تھے؟ کیا تم اللہ تعالیٰ سے عافیت نہیں مانگتے تھے؟ اس نے عرض کیا: میں اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کیا کرتا تھا کہ اے اللہ: جو عذاب مجھے تو نے آخرت میں دینا ہے، تو وہ تُو دنیا میں ہی پیشگی دے دے، آپ ﷺ نے فرمایا: سبحان اللہ! تم اس کی (دنیا میں) طاقت نہیں رکھتے یا یوں فرمایا کہ تم میں اس کی استطاعت نہیں ہے، تم یہ دعا کیوں نہیں کرتے تھے: اللهم آتنا في الدنيا.... (اے اللہ ہمیں دنیا میں بھی بھلائی عطا فرما اور آخرت میں بھی، اور ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچا)

مشکل الفاظ کے معنیٰ: عاد: بیمار پرسی کی، جهد: (صیغہ مجہول) وہ انتہائی کمزور، نحیف، اور لاغر ہو گئے تھے، فرخ: (فا پر زبر اور را ساکن) پرندے کا بچہ یعنی چوزا، معاقبی: میری سزا، عجله: (صیغہ امر) اس عذاب کو پیشگی دے دے، حسنة: بھلائی اور نیکی، حسنہ کی تفسیر میں دو قول ہیں: (۱) دنیا میں بھلائی یہ ہے کہ عبادت کی توفیق ہو جائے اور ہر طرح کی عافیت ہو، کوئی آزمائش نہ ہو اور آخرت میں حسنہ یہ ہے کہ مغفرت ہو جائے اور جنت مل جائے۔ (۲) حسنہ سے دنیا اور آخرت کی تمام نعمتیں مراد ہیں۔(۲)

بیماری اور آزمائش کی دعا نہ کی جائے

مذکورہ حدیث سے درج ذیل امور ثابت ہوتے ہیں:

۱۔ دنیا میں اپنے لئے یہ دعا کرنا جائز نہیں کہ جو سزا مجھے آخرت میں ملنی ہے، اسے دنیا میں ہی مجھ پر جاری کر دیا جائے۔

۲۔ اپنے لئے آزمائش اور بیماری کی دعا کرنا جائز نہیں اور اگر خدانخواستہ کوئی آزمائش اور بیماری آ جائے تو اس پر صبر کیا جائے، اللہ تعالیٰ کے بارے میں اس وجہ سے زبان پر کوئی شکایت کا لفظ نہ آئے۔

۳۔ اس دعا کا اہتمام کرنا چاہیے: "رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً، وَفِي الآخِرَةِ حَسَنَةً، وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ"۔

۴۔ تعجب کے اظہار کے لئے سبحان اللہ کا لفظ بولا جا سکتا ہے۔

۵۔ بیمار پرسی کرنا سنت ہے، اور مریض کے لیے دعا کرنا مستحب ہے۔

۶۔ بیماری کے زمانے میں مریض کی دعا قبول ہوتی ہے، اس لیے ایسے موقع پر دعاؤں کا خوب اہتمام کرنا چاہیے اور مریض

---

(۱) الصحيح لمسلم، كتاب الذكر والدعاء، باب كراهية الدعاء... رقم: ۲۶۸۸۔
(۲) تحفة الاحوذي ۴۲۶/۹

سے اپنے لیے دعا کی درخواست بھی کرنی چاہیے۔(۱)

عَنْ عَبْدِ اللهِ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَدْعُو: اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ الهُدَى وَالتُّقَى وَالعَفَافَ وَالغِنَى۔(۲)

حضرت عبداللہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا کیا کرتے تھے: اللھم.... (اے اللہ میں تجھ سے ہدایت، تقویٰ، پاک دامنی اور لوگوں سے استغناء مانگتا ہوں)

ایک اہم دعا

اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ الهُدَى وَالتُّقَى وَالعَفَافَ وَالغِنَى، یہ ایک اہم دعا ہے، اس لئے اس کو مانگنے کا معمول بنانا چاہیے، اس میں "ہدایت" سے ہر قسم کی رہنمائی اور ہدایت مراد ہے، خواہ وہ معاملات سے متعلق ہو یا انفرادی، اجتماعی اور معاشرت سے متعلق ہو، اور "تقی" سے مراد یہ ہے کہ مجھے تقوی کی دولت عطا فرما، تاکہ میں طاعات کو سرانجام دے سکوں اور گناہوں سے بچ سکوں، "عفاف" سے مراد یہ ہے کہ میں پاکدامن رہوں، اپنی نفسانی خواہشات کو کسی ناجائز مقام پر صرف نہ کروں، صرف جائز جگہ تک ہی میں محدود رہوں، "الغنی" سے مراد یہ ہے کہ مجھے معاشی لحاظ سے اس قدر کفیل بنادے کہ میں لوگوں سے مستغنی ہو جاؤں، ان سے مجھے کوئی حرص وہوس اور لالچ نہ ہو۔

عَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: كَانَ مِنْ دُعَاءِ دَاوُدَ يَقُولُ: اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ حُبَّكَ، وَحُبَّ مَنْ يُحِبُّكَ، وَالعَمَلَ الَّذِي يُبَلِّغُنِي حُبَّكَ، اللَّهُمَّ اجْعَلْ حُبَّكَ أَحَبَّ إِلَيَّ مِنْ نَفْسِي وَأَهْلِي، وَمِنَ المَاءِ البَارِدِ قَالَ: وَكَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا ذَكَرَ دَاوُدَ يُحَدِّثُ عَنْهُ قَالَ: كَانَ أَعْبَدَ البَشَرِ۔(۳)

حضرت ابوالدرداء سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: حضرت داؤد علیہ السلام کی دعاؤں میں سے ایک دعا یہ تھی: اللھم انی اسئلک.... و من الماء البارد (اے اللہ میں تجھ سے تیری محبت اور ہر اس شخص کی محبت مانگتا ہوں، جو تجھ سے محبت کرتا ہے، اور ہر اس عمل (کی توفیق) مانگتا ہوں، جو مجھے تیری محبت تک پہنچادے، اے اللہ اپنی محبت کو میری نظر میں میری جان، میرے اہل وعیال اور ٹھنڈے پانی سے بھی زیادہ محبوب بنادیجئے) راوی کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب حضرت داؤد علیہ السلام کا ذکر کرتے، تو ان کے بارے میں بیان فرماتے کہ: وہ بندوں میں

---

(۱) تحفۃ الاحوذی ۹/۴۲۶

(۲) الصحیح لمسلم، کتاب الذکر، رقم: ۲۷۲۱۔

(۳) المستدرک للحاکم ۲/۴۳۳۔

سب سے زیادہ عبادت گذار تھے۔

مشکل الفاظ کے معنیٰ: والعمل الذی یبلغنی: اس کا عطف حب من یحبک پر ہے، وہ عمل جو مجھے پہنچادے، یحدث عنہ: آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت داؤد علیہ السلام کے بارے میں بیان فرماتے، ترکیب میں یحدث عنہ، اذا ذکر کی جزاء ہے اور اسے مرفوع ہی پڑھا جائے گا، کیونکہ شرط جب ماضی اور جزاء مضارع ہو تو اسے مرفوع پڑھا جا سکتا ہے، اعبد البشر: (صیغہ اسم تفضیل) بندوں میں سب سے زیادہ عبادت گذار۔

حضرت داؤد علیہ السلام کی ایک دعا کا ذکر

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حضرت داؤد علیہ السلام اللہ جل شانہ کے بہت بڑے عبادت گذار اور شکر گذار نبی تھے، ان کی دعاؤں میں ایک اہم دعا، کا اس حدیث میں ذکر ہے: اللّٰهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ حُبَّكَ، وَحُبَّ مَنْ يُحِبُّكَ، وَالعَمَلَ الَّذِي يُبَلِّغُنِي حُبَّكَ، اللّٰهُمَّ اجْعَلْ حُبَّكَ أَحَبَّ إِلَيَّ مِنْ نَفْسِي وَأَهْلِي، وَمِنَ الْمَاءِ البَارِدِ، اس دعا میں ٹھنڈے پانی کا خاص طور پر ذکر ہے، کیونکہ یہ پانی اللہ کی ایک بہت بڑی نعمت ہے، خاص کر اس علاقے میں کہ جہاں پانی میسر ہی نہ آتا ہو، تو وہاں اس کی اہمیت اور بڑھ جاتی ہے۔

کان اعبد البشر، حضرت داؤد علیہ السلام انسانوں میں سب سے بڑے عبادت گذار تھے، یہ ایک جزوی فضیلت ہے، کامل فضیلت تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل ہے۔(۱)

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ يَزِيدَ الخَطْمِيِّ الأَنْصَارِيِّ، عَنْ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ كَانَ يَقُولُ فِي دُعَائِهِ: اللّٰهُمَّ ارْزُقْنِي حُبَّكَ، وَحُبَّ مَنْ يَنْفَعُنِي حُبُّهُ عِنْدَكَ، اللّٰهُمَّ مَا رَزَقْتَنِي مِمَّا أُحِبُّ، فَاجْعَلْهُ قُوَّةً لِي فِيمَا تُحِبُّ، اللّٰهُمَّ وَمَا زَوَيْتَ عَنِّي مِمَّا أُحِبُّ، فَاجْعَلْهُ فَرَاغًا لِي فِيمَا تُحِبُّ.(۲)

حضرت عبداللہ بن یزید خطمی انصاری سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، اپنی دعا میں یہ بھی فرماتے تھے: اللھم ..... (اے اللہ مجھے اپنی محبت اور اس شخص کی محبت عطا فرما، جس کی محبت تیرے ہاں فائدہ مند ہو، اے اللہ جو کچھ تو نے مجھے میری پسند کی چیز عطا کی ہے، اس کو میرے لئے اس چیز میں قوت کا باعث بنادے، جسے تو پسند کرتا ہے، اے اللہ جو کچھ تو نے مجھ سے اس چیز میں سے روک لیا ہے، جسے میں پسند کرتا ہوں، تو اسے میرے لئے فراغت کا سبب بنا دے اس چیز میں، جس کو تو پسند کرتا ہے)۔

مشکل الفاظ کے معنیٰ: ارزقنی: مجھے عطا کر، مازویت عنی: جو نعمت تو نے مجھ سے روک لی، عطا نہیں کی، فاجعلہ قوۃ لی: اس

---

(۱) الکوکب الدری ۴/۳۵۳، مرقاۃ المفاتیح ۵/۲۰۶، کتاب الدعوات باب جامع الدعاء، رقم: ۲۴۹۶۔

(۲) کنز العمال، رقم الحدیث: ۳۶۳۲۔

کو میرے لیے قوت کا ذریعہ بنادے۔

اللہ سے اس کی محبت مانگئے

مذکورہ حدیث میں نبی کریم ﷺ کی ایک دعا کا ذکر ہے، جس میں اللہ سے اسی کی محبت مانگنے کا ذکر ہے، اور اس شخص کی محبت کا، جس کی محبت انسان کے لئے فائدے مند ہو، اور یہ کہ جو نعمت تو نے مجھے میری پسند کی عطا فرمائی ہے، اسے اپنی مرضی کے مقام پر صرف فرمانے کی طاقت فراہم کردے اور جو پسند کی نعمت مجھے تو نے عطا نہیں فرمائی، تو میرے دل کو اس سے فارغ فرما کہ میں اس سے بے پرواہ ہو جاؤں، میرا دل اس میں مشغول نہ رہے، تاکہ میں پورے اطمینان کے ساتھ تیری عبادت میں مشغول رہوں اور تیری پسند کے اعمال کرسکوں۔

عَنْ شَكَلِ بْنِ حُمَيْدٍ، قَالَ: أَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ: يَا رَسُولَ اللهِ عَلِّمْنِي تَعَوُّذًا أَتَعَوَّذُ بِهِ، قَالَ: فَأَخَذَ بِكَفِّي فَقَالَ: قُلْ: اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنْ شَرِّ سَمْعِي، وَمِنْ شَرِّ بَصَرِي، وَمِنْ شَرِّ لِسَانِي، وَمِنْ شَرِّ قَلْبِي، وَمِنْ شَرِّ مَنِيِّي يَعْنِي فَرْجَهُ.(۱)

حضرت شکل بن حمید فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، اور عرض کیا یا رسول اللہ: مجھے کچھ ایسے کلمات سکھا دیجئے کہ جن کے ذریعہ میں پناہ مانگ سکوں، کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے میرا ہاتھ پکڑا اور فرمایا: یہ پڑھا کرو: اللھم .... (اے اللہ میں اپنے کان، آنکھ، زبان، دل اور منی کے شر سے تیری پناہ مانگتا ہوں) منی سے مراد یہ ہے کہ میں اپنی شرمگاہ کے شر سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔

پانچ چیزوں سے پناہ مانگنے کی دعا

حضرت شکل بن حمید نے نبی کریم ﷺ سے درخواست کی کہ مجھے کچھ ایسے کلمات سکھا دیجئے جن میں پناہ کا ذکر ہو، تو نبی کریم ﷺ نے ان کا ہاتھ پکڑا اور یہ دعا ارشاد فرمائی: اللھم انی اعوذبک من شر سمعی و من شر بصری .....۔ اس لیے اس دعا کو اہتمام سے مانگنا چاہیے۔

عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَبَّاسٍ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُعَلِّمُهُمْ هَذَا الدُّعَاءَ كَمَا يُعَلِّمُهُمُ السُّورَةَ مِنَ الْقُرْآنِ: اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنْ عَذَابِ جَهَنَّمَ، وَعَذَابِ الْقَبْرِ، وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ فِتْنَةِ الْمَسِيحِ الدَّجَّالِ، وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ فِتْنَةِ الْمَحْيَا وَالْمَمَاتِ.(۲)

---

(۱) الادب المفرد للبخاری (ص:۱۹۶) رقم:۶۶۸

(۲) الموطأ للمالک، کتاب القرآن، باب ماجاء فی الدعاء۔

حضرت عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ یہ دعا ان کو اس طرح سکھایا کرتے تھے، جس طرح ان کو قرآن مجید کی کوئی سورت سکھاتے تھے، (وہ دعا یہ ہے) اللھم سے آخر تک (اے اللہ میں دوزخ اور قبر کے عذاب سے تیری پناہ مانگتا ہوں، اور میں مسیح دجال کے فتنہ سے تیری پناہ مانگتا ہوں، اور میں زندگی اور موت کے فتنہ سے تیری پناہ مانگتا ہوں)۔

عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَدْعُو بِهَؤُلَاءِ الْكَلِمَاتِ: اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنْ فِتْنَةِ النَّارِ، وَعَذَابِ النَّارِ، وَعَذَابِ الْقَبْرِ، وَفِتْنَةِ الْقَبْرِ، وَمِنْ شَرِّ فِتْنَةِ الْغِنَى، وَمِنْ شَرِّ فِتْنَةِ الْفَقْرِ، وَمِنْ شَرِّ الْمَسِيحِ الدَّجَّالِ، اللَّهُمَّ اغْسِلْ خَطَايَايَ بِمَاءِ الثَّلْجِ وَالْبَرَدِ، وَأَنْقِ قَلْبِي مِنَ الْخَطَايَا كَمَا أَنْقَيْتَ الثَّوْبَ الْأَبْيَضَ مِنَ الدَّنَسِ، وَبَاعِدْ بَيْنِي وَبَيْنَ خَطَايَايَ كَمَا بَاعَدْتَ بَيْنَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ، اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنَ الْكَسَلِ وَالْهَرَمِ وَالْمَأْثَمِ وَالْمَغْرَمِ.(۱)

حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ان کلمات سے دعا کرتے تھے: اللھم .... (اے اللہ میں تجھ سے دوزخ کے فتنے، اس کے عذاب، قبر کے فتنے، مالداری کے فتنے، تنگدستی کے فتنے، اور مسیح دجال کے شر سے تیری پناہ مانگتا ہوں، اے اللہ میری خطاؤں کو برف اور اولوں کے پانی سے دھو دے، اور میرے دل کو غلطیوں سے، اس طرح پاک صاف کر دے، جیسے تو سفید کپڑے کو میل کچیل سے صاف کر دیتا ہے، اور میرے اور میری خطاؤں کے درمیان اس طرح دوری پیدا فرما دیجئے، جیسے تو نے مشرق و مغرب کے درمیان دوری پیدا کر رکھی ہے، اے اللہ میں تجھ سے سستی، بڑھاپے، گناہ، تاوان اور جرمانے سے پناہ مانگتا ہوں)۔

عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ عِنْدَ وَفَاتِهِ: اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِي وَارْحَمْنِي، وَأَلْحِقْنِي بِالرَّفِيقِ الْأَعْلَى.(۲)

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو وفات کے وقت یہ دعا کرتے ہوئے سنا: اللھم.... (اے اللہ میری مغفرت فرما، مجھ پر رحم فرما، اور مجھے رفیق اعلیٰ میں شامل کر لیجئے)۔

مشکل الفاظ کے معنیٰ: فتنة: آزمائش، ناپسندیدہ چیز کو ظاہر کرنا۔ مسیح الدجال: لفظ مسیح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا لقب ہے اور دجال کو بھی مسیح کہا جاتا ہے، دجال کو مسیح کہنے کی تین وجہیں ہیں: ۱۔ اس کی آنکھ نہیں ہوگی، اس پر گویا ہاتھ پھیر دیا گیا ہے، ۲۔ اس کے چہرے کی ایک جانب صاف ہوگی، اس میں نہ آنکھ ہوگی اور نہ ہی بھویں، ۳۔ وہ زمین کو طے کرے گا، اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو مسیح کہنے کی وجہ: ۱۔ وہ اپنی ماں کے پیٹ سے اس طرح پیدا ہوئے جیسے انہیں تیل ملا گیا ہو، ۲۔ حضرت زکریا علیہ

---

(۱) الصحیح للبخاری، کتاب الدعوات، باب الاستعاذة، رقم: ۶۳۷۶۔

(۲) الموطا للمالک، کتاب الجنائز، باب جامع الجنائز۔

السلام نے ان پر اپنا ہاتھ پھیرا، ۳۔ کسی بیمار پر ہاتھ پھیر دیتے تو وہ تندرست ہوجاتا، ۴۔ نابینا کی آنکھ پر ہاتھ پھیرتے تو وہ بینا ہو جاتا، ۵۔ روئے زمین کو وہ طے کریں گے، ۶۔ وہ اپنے جسم پر ٹاٹ پہنا کرتے تھے، ۷۔ ان کے پاؤں کا تلوا نہیں تھا، ۸۔ عبرانی زبان میں یہ ماشیخ تھا، عربی میں مسیح ہوگیا، ۹۔ بعض کہتے ہیں کہ مسیح کے معنی صدیق کے ہیں، فتنة المحیا: زندگی کے فتنے، مطلب یہ ہے کہ میں زندگی میں اللہ کی عبادت نہ کروں بلکہ اپنی مرضی کے مطابق خواہشات کی زندگی گزاروں، اس سے میں پناہ مانگتا ہوں، فتنة الممات: موت کے فتنے سے مراد یہ ہے کہ عذاب قبر اور اس کے بعد کے تمام مراحل میں کسی آزمائش اور سختی کا سامنا نہ ہو، فتنة النار: آگ کی آزمائش یعنی میں ایسے فتنے سے پناہ مانگتا ہوں، جو دوزخ میں جانے کا سبب بن جائے اور یہ بھی ممکن ہے کہ اس سے جہنم کے داروغوں کا پوچھنا مراد ہو جیسا کہ اللہ نے فرمایا: کلما القی فیھا فوج سالھم خزنتھا الم یاتکم نذیر، فتنة القبر: اس سے مراد یہ ہے کہ میں قبر میں فرشتوں کے سوالوں کا جواب نہ دے سکوں یا مجھے تردد ہوجائے، اس سے دراصل امت کے لیے قبر کے عذاب سے پناہ مانگی گئی ہے، یا امت کی تعلیم کے لیے آپ ﷺ نے یہ فرمایا، اپنے لحاظ سے آپ نے یہ نہیں فرمایا، کیونکہ انبیاء علیہم السلام کو عذاب نہیں دیا جاتا، وہ ہر قسم کی لغزش اور گناہوں سے معصوم ہوتے ہیں، فتنة الغنی: مالداری کے فتنے سے مراد ہے: تکبر، سرکشی، مال حرام حاصل کرنا، مال و دولت اور عہدوں کی وجہ سے فخر کرنا اور مال کو ناجائز جگہوں پر خرچ کرنا، فتنة الفقر: فقر و فاقہ کے فتنے کے معنی ہیں: مالداروں سے حسد کرنا، اور ان کے مال کی طمع رکھنا، اور اپنی عزت کو پامال کرکے مال حاصل کرنا، ثلج: (ثاء پر زبر اور لام ساکن) برف، البرد: (با اور را پر زبر کے ساتھ) اولے، یہ مبالغے کے طور پر ہے کہ میرے گناہوں کو بالکل مٹادے، صاف کردے جیسے اولوں کا پانی کپڑے کو صحیح صاف کرتا ہے، انق: (انقاء سے صیغہ امر ہے) تو صاف کردے، دنس: (دال اور نون پر زبر) میل کچیل، مغرم: تاوان، جرمانہ، قرض، رفیق اعلی: اعلیٰ دوست، یہاں حدیث میں اس سے حضرات انبیاء علیہم السلام کی جماعت مراد ہے، جو اعلیٰ علیین میں رہتے ہیں۔(۱)

چند چیزوں سے پناہ مانگنے کی دعائیں

حضرت عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ ہمیں یہ دعا اللھم انی اعوذبک من عذاب جھنم..... یوں سکھاتے تھے، جیسے آپ ﷺ ہمیں قرآن کی کوئی سورت سکھاتے تھے۔

دوسری حدیث میں یہ دعا ہے: اللھم انی اعوذبک من فتنة النار و عذاب النار..... حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ یہ دعا بھی بڑے اہتمام سے کرتے تھے۔

---

(۱) فتح الباری ۲/ ۴۰۵، کتاب الأذان، باب الدعاء قبل السلام، رقم: ۸۳۲، تکملة فتح الملھم ۵/ ۵۷۰، کتاب الذکر والدعاء باب التعوذ من شر الفتن۔

”رفیق اعلیٰ“ سے کیا مراد ہے

نبی کریم ﷺ نے اپنی وفات کے وقت یہ دعا مانگی: اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِي وَارْحَمْنِي وَأَلْحِقْنِي بِالرَّفِيْقِ الاَعْلٰى، اس میں ”رفیق اعلیٰ“ سے کیا مراد ہے؟ شارحین حدیث کے اس میں پانچ اقوال ہیں:

۱۔ بعض کے نزدیک اس سے جنت مراد ہے۔

۲۔ اس سے حضرت جبرئیل، میکائیل اور اسرافیل کے ساتھ رفاقت مراد ہے۔

۳۔ اس سے انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین مراد ہیں، جن کی طرف قرآن کی اس آیت میں اشارہ کیا گیا ہے: مع الذين انعم الله عليهم من النبيين و الصديقين.....

۴۔ بعض حضرات فرماتے ہیں کہ اللہ جل شانہ کے اسماء حسنیٰ میں سے ایک ”رفیق“ بھی ہے، اس لیے ”رفیق اعلیٰ“ سے اللہ تعالیٰ کی ذات اقدس مراد ہے۔

۵۔ یہاں اس دعاء میں ”رفیق اعلیٰ“ سے انبیاء کی جماعت مراد ہے، جو اعلیٰ علیین میں رہتے ہیں، لفظ رفیق (فعیل کے وزن پر ہے) اگرچہ بظاہر مفرد ہے، لیکن اس سے جماعت مراد ہے، کیونکہ فعیل کا وزن واحد اور جمع دونوں کے لئے استعمال ہوتا ہے، جیسے اللہ تعالیٰ کا قول ہے: وحسن اولئک رفیقا۔

حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ جب کسی نبی کی روح قبض ہونے لگتی ہے، تو اسے دنیا میں رہنے اور آخرت کی طرف جانے کا اختیار دیا جاتا ہے، چنانچہ نبی کریم ﷺ نے اس حالت میں اپنی زبان سے یہ جملہ ارشاد فرمایا: مع الذين انعم الله عليهم، تو مجھے یقین ہو گیا کہ آپ ﷺ کو بھی اختیار دیا گیا، تو آپ نے رفیق اعلیٰ یعنی انبیاء علیہم السلام کے پاس جانے کا یعنی آخرت کو اختیار کر لیا۔(۱)

بَاب: عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: كُنْتُ نَائِمَةً إِلَى جَنْبِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَفَقَدْتُهُ مِنَ اللَّيْلِ، فَلَمَسْتُهُ، فَوَقَعَتْ يَدِي عَلَى قَدَمَيْهِ وَهُوَ سَاجِدٌ وَهُوَ يَقُولُ: أَعُوذُ بِرِضَاكَ مِنْ سَخَطِكَ، وَبِمُعَافَاتِكَ مِنْ عُقُوبَتِكَ، لَا أُحْصِي ثَنَاءً عَلَيْكَ، أَنْتَ كَمَا أَثْنَيْتَ عَلَى نَفْسِكَ.(۲)

حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ میں ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ کے ساتھ سو رہی تھی، تو میں نے رات (کے ایک حصے میں) آپ کو (بستر سے) گم پایا (یعنی آپ بستر پر نہ تھے) میں نے آپ کو ٹٹولا تو میرا ہاتھ آپ کے قدموں پر پڑا، آپ اس

---

(۱) فتح الباری ۸/۱۷۳، کتاب المغازی، باب مرض النبی صلی اللہ علیہ وسلم و وفاتہ، رقم: ۴۴۳۷۔ شرح الزرقانی علی الموطا للامام مالک ۲/۱۱۷، کتاب الجنائز باب جامع الجنائز، ط: بیروت

(۲) الموطا للمالک، کتاب القرآن، باب ماجاء فی الدعاء۔

وقت سجدے میں مشغول تھے، اور یہ دعا کر رہے تھے: اعوذ برضاک .... ((یا اللہ) میں تیری رضا کے ذریعہ تیری ناراضگی اور غصے سے، اور تیرے عفو و درگذر کے ذریعہ تیرے عذاب سے پناہ مانگتا ہوں، میں اس طرح تیری تعریف نہیں شمار کر سکتا، جس طرح تو نے خود اپنی تعریف کی ہے)۔

مشکل الفاظ کے معنیٰ: جنب رسول اللہ: رسول اللہ ﷺ کے پہلو میں یعنی آپ کے ساتھ، فقدته: (صیغہ متکلم) میں نے حضور ﷺ کو (بستر سے) گم پایا، لمسته: میں نے آپ کو ٹٹولا، چھویا، وقعت یدی: میرا ہاتھ پڑا، سخطک: تیری ناراضگی، تیرا غصہ، لا أحصی: میں شمار نہیں کر سکتا، میں احاطہ نہیں کر سکتا، اثنیت: تو نے خود تعریف کی، من عقوبتک: آپ کے عذاب سے۔

سجدے کی ایک دعا

مذکورہ حدیث سے درج ذیل امور ثابت ہوتے ہیں:

۱۔ نبی کریم ﷺ اہتمام سے نماز تہجد کے لئے اٹھا کرتے تھے، اس لئے مسلمانوں کو بھی رات کے آخری حصے کے لمحات میں بیدار ہو کر اللہ جل شانہ کی عبادت اور اس سے راز و نیاز کرنا چاہیے۔

۲۔ آپ ﷺ سجدے میں تھے کہ حضرت عائشہ کا ہاتھ آپ کے پاؤں پر پڑا، اس سے معلوم ہوا کہ وضو کی حالت میں عورت کو چھونے سے وضو نہیں ٹوٹتا۔(۱)

۳۔ اس حدیث سے یہ حکم ثابت ہوتا ہے کہ نماز نفل کے سجدے میں اگر آدمی کوئی عربی دعا کرنا چاہے، تو یہ جائز ہے، چنانچہ آپ ﷺ یہ دعا پڑھ رہے تھے، أَعُوذُ بِرِضَاكَ مِنْ سَخَطِكَ، وَبِمُعَافَاتِكَ مِنْ عُقُوبَتِكَ، لَا أُحْصِي ثَنَاءً عَلَيْكَ، أَنْتَ كَمَا أَثْنَيْتَ عَلَى نَفْسِكَ.

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: لَا يَقُولُ أَحَدُكُمْ: اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِي إِنْ شِئْتَ، اللَّهُمَّ ارْحَمْنِي إِنْ شِئْتَ، لِيَعْزِمِ الْمَسْأَلَةَ، فَإِنَّهُ لَا مُكْرِهَ لَهُ.(۲)

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم میں سے کوئی اس طرح دعا نہ کرے کہ اے اللہ اگر تو چاہے تو میری مغفرت فرمادے، اے اللہ اگر تو چاہے تو مجھ پر رحم فرمادے، اسے چاہیے کہ مانگنے میں وہ پختہ عزم کرے، کیونکہ اللہ تعالیٰ پر کوئی زبردستی کرنے والا نہیں۔

مشکل الفاظ کے معنیٰ: لیعزم المسئلة: اسے چاہیے کہ وہ مانگنے میں پختہ عزم کرے، اللہ کی مشیت کے ساتھ متعلق نہ کرے،

---

(۱) الکوکب الدری ۴/۳۵۴

(۲) الصحیح للبخاری، کتاب الدعوات، باب یعزم المسئلة، رقم: ۶۳۳۹

یعنی یہ نہ کہے کہ اگر آپ چاہیں، تو ایسا کردیں، لا مکرہ لہ: اللہ جل شانہ پر کوئی جبر اور زبردستی کرنے والا نہیں۔

دعا میں پختہ عزم کا حکم

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جب انسان اللہ جل شانہ سے مانگے، تو ان دو آداب کا بھی خیال رکھے:

۞ پوری توجہ اور طلب سے مانگے، اس میں غفلت اور لاپرواہی کا کوئی پہلو نہ ہو، تاکہ یہ واضح ہو جائے کہ واقعی یہ اس چیز کا خواہش مند ہے اور وہ چیز اس کی ضرورت ہے۔

۞ دعا میں یوں نہ کہے کہ یا اللہ آپ اگر چاہیں تو یہ کام کردیں، بلکہ پختہ عزم کے ساتھ مانگے، اس میں اپنی دعا کو اللہ کے چاہنے کے ساتھ معلق نہ کرے، مثلاً یوں کہے: یا اللہ اپنے فضل وکرم سے میری مغفرت فرما دیجئے .... میرا فلاں کام ضرور کر دیجئے، اگر اللہ چاہیں گے تو قبول فرما کر اس کا مسئلہ حل کر دیں گے، کیونکہ اللہ پر اکراہ اور جبر کرنے والا کوئی نہیں، اسے منع کرنے اور روکنے والا کوئی نہیں، وہ بے نیاز ذات ہے، اسے کسی سے کوئی غرض نہیں، وہ جو چاہتا ہے، کر گذرتا ہے۔(۱)

بَاب: عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: يَنْزِلُ رَبُّنَا كُلَّ لَيْلَةٍ إِلَى السَّمَاءِ الدُّنْيَا، حِينَ يَبْقَى ثُلُثُ اللَّيْلِ الآخِرِ، فَيَقُولُ: مَنْ يَدْعُونِي فَأَسْتَجِيبَ لَهُ؟ وَمَنْ يَسْأَلُنِي فَأُعْطِيَهُ؟ وَمَنْ يَسْتَغْفِرُنِي فَأَغْفِرَ لَهُ_(۲)

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ہمارے پروردگار روزانہ رات کو آسمان دنیا پر اترتے ہیں، جب رات کی آخری تہائی باقی رہ جاتی ہے، اور یہ فرماتے ہیں: کون ہے جو مجھے پکارے کہ میں اس پکار کو قبول کروں، کون ہے جو مجھ سے مانگے کہ میں اسے عطا کروں، اور کوئی ہے جو مجھ سے مغفرت مانگے، تاکہ میں اس کی بخشش کردوں۔

عَنْ أَبِي أُمَامَةَ، قَالَ: قِيلَ يَا رَسُولَ اللهِ: أَيُّ الدُّعَاءِ أَسْمَعُ؟ قَالَ: جَوْفَ اللَّيْلِ الآخِرِ، وَدُبُرَ الصَّلَوَاتِ الْمَكْتُوبَاتِ.(۳)

حضرت ابوامامہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سے پوچھا گیا کہ کونسی دعا زیادہ سنی جاتی ہے (یعنی قبول ہوتی ہے) آپ ﷺ نے فرمایا: رات کے آخری حصے میں اور فرض نمازوں کے بعد مانگے جانے والی دعا۔

---

(۱) تحفۃ الاحوذی ۹/۴۳۶

(۲) الموطا للمالک، کتاب القرآن، باب ماجاء فی الدعاء۔

(۳) الترغیب والترہیب للمنذری، رقم: ۲۴۵۵۔

کونسے وقت میں دعا قبولیت کے زیادہ لائق ہے

مذکورہ احادیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بیان فرمایا کہ دو اوقات میں دعا قبول ہونے کے زیادہ لائق ہے، اس میں قبولیت کی زیادہ امید ہے، ایک رات کے آخری حصے میں کی جانے والی دعا اور دوسری فرض نماز کے بعد جو دعا کی جائے، اس لئے مسلمانوں کو ان اوقات میں دعا مانگنے کا خوب اہتمام کرنا چاہیے چنانچہ حضرات انبیاء کرام، صحابہ عظام اور امت کے اولیاء اور صالحین کا ان اوقات میں دعائیں مانگنے کا معمول چلا آرہا ہے، اس سے انسان کے درجات بہت بلند ہوتے ہیں، ناجائز خواہشات اور گناہوں کے جذبات مغلوب ہوتے ہیں۔

آسمان دنیا پر نزول رب سے کیا مراد ہے؟

باب کی پہلی حدیث میں ہے کہ رات کے آخری حصے میں اللہ جل شانہ آسمان دنیا پر نزول فرماتے ہیں، اللہ جل شانہ کے آسمان دنیا پر نازل ہونے سے کیا مراد ہے؟ اس میں مختلف اقوال ہیں:

۱۔ جمہور اہل سنت والجماعت کا مذہب یہ ہے کہ اللہ جل شانہ کا یہ نزول حقیقۃً ہوتا ہے، گو کہ ہم اس کی صورت اور کیفیت سے ناواقف اور جاہل ہیں، اس لئے بہتر یہ ہے کہ اس بارے میں خاموشی اور توقف اختیار کیا جائے، کیونکہ یہ مسئلہ کسی عمل کے ساتھ متعلق نہیں ہے، اور نہ ہی قیامت کے دن اس بارے میں باز پرس ہوگی۔

۲۔ پھر جمہور میں سے ہی بعض حضرات اس قسم کی آیات اور احادیث کی تاویل کرتے ہیں، وہ یہ فرماتے ہیں کہ اس نزول سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی خصوصی رحمت متوجہ ہوتی ہے۔(۱)

حتی یبقی ثلث اللیل الاخر، اس میں روایات مختلف ہیں کہ نزول کا اصل وقت کیا ہے، چنانچہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس بارے میں چھ روایات ہیں:

۱۔ ترمذی کی مذکورہ روایت ہے، جس میں نزول کا وقت رات کا آخری حصہ بیان کیا گیا ہے۔ ۲۔ جب رات کا پہلا تہائی حصہ گذر جائے۔ ۳۔ پہلی تہائی یا نصف لیل۔ ۴۔ نصف رات کے وقت نزول ہوتا ہے۔ ۵۔ نصف رات یا رات کی آخری تہائی۔ ۶۔ مطلق روایات جن میں صرف نزول کا ذکر ہے لیکن وقت کا ذکر نہیں ہے، نزول کے اعتبار سے وقت میں جو روایات میں تعارض ہے، اسے دور کرنے کے لئے شارحین حدیث نے مختلف توجیہات ذکر کی ہیں، ہم صرف دو توجیہات ذکر کرتے ہیں:

۱۔ روایات میں یہ اختلاف اس وجہ سے پیش آیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو پہلے ایک وقت کا علم دیا گیا، تو آپ نے اس وقت کا

---

(۱) فتح الباری ۳/۳۸، کتاب التہجد، باب الدعاء والصلاۃ من اخر اللیل، تحفۃ الاحوذی ۲/۵۳۷، کتاب الصلاۃ باب ماجاء فی نزول الرب۔

ذکر کردیا، پھر دوسرے وقت کا آپ کو بتایا گیا، تو آپ نے نزول کا وہ وقت ذکر کردیا، گویا یہ روایات مختلف اوقات میں ارشاد فرمائی گئی ہیں، اس لئے ان میں تعارض نہیں۔

۲۔ ان تمام اوقات میں اللہ جل شانہ نزول فرماتے ہیں، جن کا ان روایات میں ذکر ہے، چنانچہ اس نزول کا آغاز رات کی پہلی تہائی کے بعد ہو جاتا ہے، اور پھر رات کے آخری حصے میں اس میں مزید اضافہ ہوتا ہے، اس جواب کو حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ اور دوسرے شارحین حدیث نے بہترین تطبیق قرار دیا ہے۔(۱)

بَاب:عَنْ اَنَسٍ أَنَّ النبی ﷺ قَالَ: مَنْ قَالَ حِيْنَ يُصْبِحُ: اَللّٰهُمَّ اَصْبَحْنَا نُشْهِدُكَ وَنُشْهِدُ حَمَلَةَ عَرْشِكَ وَمَلَائِكَتِكَ وَ جَمِيْعَ خَلْقِكَ بِأَنَّكَ اللهُ، لَا إِلٰهَ إِلاَّ أَنْتَ وَحْدَكَ، لَا شَرِيْكَ لَكَ، وَأَنَّ مُحَمَّداً عَبْدُكَ وَرَسُوْلُكَ، إِلاَّ غَفَرَ اللهُ لَهُ مَا أَصَابَ فِي يَوْمِهِ ذٰلِكَ، وَإِنْ قَالَهَا حِيْنَ يُمْسِي، غَفَرَ اللهُ لَهُ مَا أَصَابَ فِي تِلْكَ اللَّيْلَةِ مِنْ ذَنْبٍ۔(۲)

حضرت انس کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو شخص صبح کے وقت یہ دعا پڑھے: اللھم اصبحنا..... (اے اللہ ہم نے صبح کی اس حال میں کہ ہم تجھے گواہ بناتے ہیں اور تیرے حاملین عرش فرشتوں کو، اور تیرے دیگر فرشتوں کو اور تیری تمام مخلوق کو اس بات کا گواہ بناتے ہیں کہ اللہ تو ہی ہے، تیرے علاوہ کوئی عبادت کے لائق نہیں، تو تنہا ہے، تیرا کوئی شریک نہیں، اور یہ کہ محمد ﷺ تیرے بندے اور رسول ہیں) تو اس کے اس دن کے تمام (صغیرہ) گناہ اللہ معاف کردیتے ہیں، اور اگر کوئی شخص شام کے وقت یہ کلمات پڑھے تو اللہ تعالیٰ اس رات اس سے سرزد ہونے والے تمام گناہ معاف کردیتے ہیں۔

مشکل الفاظ کے معنی: نشھدک: (باب افعال سے) ہم آپ کو گواہ بناتے ہیں، حملة: (حاء اور میم پر زبر): حامل کی جمع ہے: اٹھانے والے۔

صبح وشام کی ایک دعا

مذکورہ حدیث میں صبح وشام کی ایک دعا کا ذکر ہے کہ جو شخص اس دعا کو صبح پڑھے، تو شام تک اس کے تمام صغیرہ گناہ معاف کردیئے جاتے ہیں اور جو شام کو پڑھے تو رات میں سرزد ہونے والے اس کے تمام گناہ معاف کردیئے جاتے ہیں۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ رَجُلاً قَالَ: يَارَسُوْلَ اللهِ سَمِعْتُ دُعَاءَكَ اللَّيْلَةَ، فَكَانَ الَّذِي وَصَلَ إِلَيَّ مِنْهُ أَنَّكَ تَقُوْلُ:

---

(۱) الکوکب الدری ۳۵۵/۴، فتح الباری ۳۹/۳، کتاب التھجد، باب الدعاء والصلاۃ من أخر اللیل۔

(۲) سنن ابی داؤد، کتاب الأدب، باب مایقول اذا أصبح، رقم:۵۰۷۸۔

اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِي ذَنْبِي، وَوَسِّعْ لِي فِي دَارِي، وَبَارِكْ لِي فِيمَا رَزَقْتَنِي قَالَ: فَهَلْ تَرَاهُنَّ تَرَكْنَ شَيْئًا.(۱)

حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ ایک شخص نے عرض کیا یارسول اللہ! میں نے آج رات آپ کی دعا سنی، چنانچہ وہ الفاظ جو اس دعا میں سے مجھ تک پہنچے، وہ یہ تھے کہ آپ یہ دعا مانگ رہے تھے: اللھم اغفر لی..... رزقتنی (اے اللہ میری مغفرت فرما، میرے گھر میں کشادگی پیدا کر، اور میرے لئے اس چیز میں برکت پیدا فرما، جو تو نے مجھے عطا فرمائی ہے) آپ ﷺ نے فرمایا: کیا تم نے ان کلمات کو دیکھا کہ انہوں نے (دنیا اور آخرت کی بھلائی میں سے) کسی چیز کو چھوڑا ہے۔

مشکل الفاظ کے معنی: ووسع لی: (صیغہ امر) اور میرے لیے کشادہ کردے، ھل تراھن: یہ استفہام انکاری ہے، اور "ھن" ضمیر دعائیہ کلمات کی طرف لوٹ رہی ہے: کیا تم ان کلمات کو دیکھ رہے ہو، دیکھ لیا، ترکن شیئا: ان کلمات نے کسی چیز کو چھوڑا ہے۔

گھر میں وسعت اور رزق میں برکت کی دعا

ایک صحابی نے نبی کریم ﷺ کی رات کی دعاؤں میں یہ دعا سنی: اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِي ذَنْبِي، وَوَسِّعْ لِي فِي دَارِي، وَبَارِكْ لِي فِيمَا رَزَقْتَنِي، اس دعا کو آپ ﷺ نے جامع قرار دیا کہ اس نے دنیا اور آخرت کی بھلائی میں سے کسی کو ترک نہیں کیا، ان تین امور کی تفصیل یہ ہے:

۱۔ میرے تمام گناہ معاف فرما، کیونکہ اگر انسان کا دامن گناہوں سے لبریز ہو تو پھر کسی بھی عبادت میں لطف اور سرور نہیں آتا۔

۲۔ میرے گھر کو دنیا اور آخرت دونوں میں کشادہ کردے، دنیا میں اگر آدمی کی رہائش تنگ ہو تو دل تنگ پڑ جاتا ہے، طبیعت پر بوجھ اور دماغ پریشان رہتا ہے، سوچ اور فکر میں بھی وسعت پیدا نہیں ہوتی، گویا مکان کی تنگی، بسا اوقات انسان کی اخلاقیات پر اثر انداز ہو جاتی ہے، اور آخرت کے گھر سے مراد یہ ہے کہ میری قبر کو کشادہ کردے۔

۳۔ جو نعمتیں تو نے مجھے محض اپنے فضل سے عطا فرمائی ہیں، ان تمام میں برکت پیدا فرمادے، تاکہ میں تیری طاعت کر سکوں، میری جان، مال اور وقت تیری مرضی کی جگہ پر صرف ہو، اور ہر موڑ پر تیری نافرمانی سے محفوظ رہوں۔(۲)

فھل تراھن ترکن شیئا: اس جملے سے اس دعا کی جامعیت اور اہمیت کو بتانا مقصود ہے کہ اس دعا کے کلمات اتنے جامع ہیں کہ دنیا اور آخرت کی تمام بھلائیاں ان میں موجود ہیں، اس لیے اہتمام سے یہ دعا مانگنی چاہیے۔

عَنِ ابْنِ عُمَرَ، قَالَ: قَلَّمَا كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُومُ مِنْ مَجْلِسٍ حَتَّى يَدْعُوَ بِهَؤُلَاءِ الْكَلِمَاتِ

---

(۱) تفرد بہ الترمذی۔

(۲) تحفۃ الاحوذی ۹/۴۴۰

لِأَصْحَابِهِ: اللَّهُمَّ اقْسِمْ لَنَا مِنْ خَشْيَتِكَ مَا يَحُولُ بَيْنَنَا وَبَيْنَ مَعَاصِيكَ، وَمِنْ طَاعَتِكَ مَا تُبَلِّغُنَا بِهِ جَنَّتَكَ، وَمِنَ الْيَقِينِ مَا تُهَوِّنُ بِهِ عَلَيْنَا مُصِيبَاتِ الدُّنْيَا، وَمَتِّعْنَا بِأَسْمَاعِنَا وَأَبْصَارِنَا وَقُوَّتِنَا مَا أَحْيَيْتَنَا، وَاجْعَلْهُ الْوَارِثَ مِنَّا، وَاجْعَلْ ثَأْرَنَا عَلَى مَنْ ظَلَمَنَا، وَانْصُرْنَا عَلَى مَنْ عَادَانَا، وَلَا تَجْعَلْ مُصِيبَتَنَا فِي دِينِنَا، وَلَا تَجْعَلِ الدُّنْيَا أَكْبَرَ هَمِّنَا وَلَا مَبْلَغَ عِلْمِنَا، وَلَا تُسَلِّطْ عَلَيْنَا مَنْ لَا يَرْحَمُنَا.(۱)

حضرت عبداللہ بن عمر فرماتے ہیں کہ ایسا بہت ہی کم ہوتا تھا کہ رسول اللہ ﷺ کسی مجلس سے اٹھے ہوں، یہاں تک کہ آپ اپنے صحابہ کے لئے ان کلمات کے ذریعہ ضرور دعا کر کے اٹھتے تھے، (وہ دعا یہ ہے): اللھم...... آخر تک (اے اللہ ہم میں اپنے خوف اور خشیت کو اتنا ضرور تقسیم کردے یعنی عطا کردے کہ وہ خوف ہمارے اور ہمارے گناہوں کے درمیان مانع ہوجائے، اور اپنی طاعت وفرمانبرداری میں سے اتنا ضرور عطا کردے کہ وہ طاعت ہمیں جنت تک پہنچادے، اور اپنی ذات کے ساتھ اتنا یقین ضرور دے دے کہ اس کے ذریعہ تو ہم پر دنیا کی مصیبتیں آسان کردے، اور تو ہمیں اپنے کانوں، آنکھوں اور اپنی قوتوں سے فائدہ اٹھانے کی توفیق عطا فرما، جب تک کہ ہم زندہ رہیں، اور ان چیزوں (یعنی کانوں آنکھوں اور قوت) کو ہمارا وارث بنا (یعنی انہیں تاحیات ہمارے لئے باقی رکھ) اور ہمارا انتقام صرف اسی سے لے، جو ہم پر ظلم کرے، اور اس شخص پر ہماری مدد فرما، جو ہمارے ساتھ دشمنی کرے، اور تو ہمارے دین میں کوئی مصیبت نازل نہ فرما (کہ جس کی وجہ سے ہم دین سے دور ہوجائیں) اور تو دنیا (کے مال و دولت اور جاہ ومنصب) کو ہمارا سب سے بڑا مقصد اور غم نہ بنا اور نہ ہی دنیا کو ہمارے علم کا منتہی بنا، اور ہم پر اس شخص کو مسلط نہ فرما، جو ہم پر رحم نہ کرے)۔

عَنْ مُسْلِمِ بْنِ أَبِي بَكْرَةَ، قَالَ: سَمِعَنِي أَبِي، وَأَنَا أَقُولُ: اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنَ الْهَمِّ وَالْكَسَلِ وَعَذَابِ الْقَبْرِ. قَالَ: يَا بُنَيَّ مِمَّنْ سَمِعْتَ هَذَا؟ قُلْتُ: سَمِعْتُكَ تَقُولُهُنَّ، قَالَ: الْزَمْهُنَّ، فَإِنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُهُنَّ.(۲)

حضرت مسلم بن ابی بکرہ کہتے ہیں کہ میرے والد نے مجھے یہ دعا کرتے ہوئے سنا: اللھم..... عذاب القبر (اے اللہ میں تجھ سے غم، سستی، اور عذاب قبر کی پناہ مانگتا ہوں) تو میرے والد نے مجھ سے پوچھا کہ بیٹے: تم نے یہ دعا کس سے سنی ہے؟ میں نے عرض کیا کہ آپ سے سنی ہے کہ آپ یہ دعا مانگ رہے تھے، تو والد صاحب کہنے لگے: ان کلمات کو لازم پکڑلو (یعنی پابندی سے یہ دعا مانگا کرو) کیونکہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ دعا مانگتے ہوئے سنا ہے۔

مشکل الفاظ کے معنی: قلما: ایسا بہت کم ہوتا، یعنی ایسی نہیں ہوتا تھا، مایحول: جو خوف وخشیت مانع اور رکاوٹ بن جائے، ما

---

(۱) المستدرک للحاکم ۵۲۸/۱

(۲) کنز العمال ۲۰۳/۲، رقم: ۳۷۶۳۔

تھون بہ: تو اس یقین کے ذریعہ آسان کردے، و من الیقین: ای بک یعنی اپنی ذات پر اس قدر یقین تقسیم کردے یعنی عطا کر دے، و متعنا: (تمتیع سے صیغہ امر) اور تو ہمیں فائدہ پہنچا، اسماع: سمع کی جمع ہے: کان، سننے کی طاقت جس کے ذریعہ آواز کو سنا جاتا ہے، ابصار: بصر (باء اور صاد پر زبر) کی جمع ہے: آنکھ، دیکھنے کی طاقت، ما احییتنا: جب تک تو ہمیں زندہ رکھے، واجعله الوارث منا: اس میں "ہ" ضمیر مذکور کی تاویل سے اسماع و ابصار اور قوۃ کی طرف لوٹ رہی ہے: اور تو ان چیزوں کو ہمارے لیے باقی رکھ، ان کو ہمارا وارث بنا، الوارث: باقی، ثأرنا: ثأر اصل میں غصہ، دشمنی اور حسد کو کہتے ہیں مگر یہاں انتقام اور بدلہ کے معنی میں ہے، من عادانا: جو ہم سے دشمنی کرے، اکبر همنا: ہمارا سب سے بڑا مقصود و مطلوب، ہمارا سب سے بڑا غم اور فکر، مبلغ: منتہی، انتہاء، لا تسلط علینا: تو ہم پر مسلط نہ فرما، ہمیں مغلوب نہ فرما، الزمهن: (صیغہ امر) تم ان کلمات کو لازم پکڑلو، یعنی اہتمام سے یہ دعا اللہ جل شانہ سے مانگا کرو۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک انتہائی پسندیدہ دعا

حضرت عبداللہ بن عمر فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی مجلس سے اٹھتے تو اپنے صحابہ کے لئے یہ دعا ضرور مانگتے تھے: اللھم اقسم لنا من خشیتک.... الی آخرہ، یہ دعا گویا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت پسند تھی، اور حقیقت بھی یہی ہے کہ اس دعا میں دنیا اور آخرت کی تمام بھلائیاں سمودی گئی ہیں، اس لئے یہ دعا اس قابل ہے کہ اسے یاد کیا جائے اور ہر مجلس کے برخاست ہونے کے وقت اور نمازوں کے بعد اسے مانگا جائے۔

اس دعا کے بعض جملوں کی تشریح اور وضاحت یہ ہے:

ما یحول به بیننا و بین معاصیک، اس قدر ہمیں اپنا خوف اور خشیت عطا فرما کہ یہ خوف ہمارے اور گناہوں کے درمیان رکاوٹ بن جائے، کیونکہ یہ حقیقت ہے کہ جب تک دل میں خوف خدا نہ ہو، اس وقت تک انسان اللہ کی نافرمانی اور سرکشی سے باز نہیں آسکتا، اور جب دل کی دنیا میں اللہ جل جلالہ کا خوف صحیح طرح رچ بس جائے، تو پھر انسان اور اس کے تمام اعضاء خود ہی نافرمانی سے دور، اور اللہ کی طاعات میں مشغول ہو جاتے ہیں، لیکن شرط یہ ہے کہ اسے صحیح طرح خوف کا مقام حاصل ہو جائے، آج ہم دیکھتے ہیں کہ بہت سے لوگ خوف خدا کی باتیں تو بہت کرتے ہیں، ان کی باتیں سن کر بڑا لطف بھی آتا ہے، لیکن خود ان کی عملی زندگی میں اس کا کوئی اثر دکھائی نہیں دیتا، اور نہ ہی ان کے سامعین پر اس کلام کا کوئی اثر باقی رہتا ہے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو ایسا خوف عطا فرمائے، جو ہمیں اس کی نافرمانی کرنے سے روک دے، آمین یارب العالمین۔

و من طاعتک..... ایسے اعمال کرنے کی توفیق عطا فرما، جو جنت میں جانے کا سبب بن جائیں۔

و من الیقین..... اور اپنی ذات پر اس قدر یقین عطا فرما کہ اس کی وجہ سے دنیا کی مصیبتیں تو آسان کردے، کیونکہ جب انسان کو اس بات کا یقین ہو کہ تکلیفوں پر اللہ جل شانہ آخرت میں اجر و ثواب عطا فرمائیں گے تو پھر بڑی بڑی مشکلات اور

آزمائشوں کو برداشت کرنا آسان ہوجاتا ہے اور اسے کوئی غم نہیں ہوتا۔

ومتعنا باسماعنا و ابصارنا و قوتنا ما أحييتنا: ہمیں تاحیات اپنے کانوں اور آنکھوں سے فائدہ اٹھانے کی توفیق عطا فرما تاکہ ہم انہیں آپ کی طاعت میں استعمال کرسکیں، یہاں خاص طور پر کان اور آنکھوں کا ذکر اس لئے کیا کہ اللہ کی قدرت کی نشانیاں یا تو کانوں سے سنی جاتی ہیں اور یا آنکھوں سے دیکھی جاتی ہیں، آپ ﷺ نے اللہ سے اس بات کی دعا کی کہ ہمیں تادم حیات ان نعمتوں سے فائدہ اٹھانے کی اور صحیح طرح استعمال کرنے کی ہمت عطا فرما۔

واجعله الوارث منا، اس میں ''ہ'' ضمیر کس طرف لوٹ رہی ہے؟ اس میں تین احتمال ہیں، جن کی تفصیل یہ ہے:

۱۔ عبدالحق محدث دہلوی اپنی کتاب ''اللمعات'' میں فرماتے ہیں کہ یہ ضمیر اجعلہ میں جو مصدر ہے یعنی ''جَعْل'' اس کی طرف لوٹ رہی ہے، مطلب یہ ہے کہ تو ہمارا وارث پیدا فرمادے، ہمیں بغیر وارث کے نہ چھوڑنا یعنی ہمیں کلالہ نہ بنانا۔

۲۔ یہ ضمیر لفظ ''متعنا'' میں جو ''تمتیع'' مصدر ہے، اس کی طرف لوٹ رہی ہے، معنی یہ ہیں کہ ان کانوں، آنکھوں اور قوتوں سے فائدہ اٹھانا ہمارے لئے برقرار رکھ، اور اس کو ہمارے لئے اس طرح باقی رکھ کہ ہمارے مرنے کے بعد بھی ہماری نسلوں میں یہ فائدہ اٹھانا منتقل ہوتا رہے۔

عربی زبان میں اگرچہ ضمیر کا مرجع اس طرح مصدر کی طرف لوٹایا جاسکتا ہے لیکن اس میں ایک طرح کا تکلف ہے، اس لئے ان دو احتمالوں کو پسند نہیں کیا گیا۔

۳۔ اس میں ''ہ'' ضمیر مذکور کی تاویل سے اسماع و ابصار اور قوی کی طرف لوٹ رہی ہے، اس صورت میں اس جملے کا مطلب یہ ہوگا کہ جب تک ہم زندہ رہیں، اس وقت تک ہمیں اپنے کانوں، آنکھوں اور قوتوں سے فائدہ اٹھانے کی ہمت عطا فرما، اس تیسرے احتمال کو پسند کیا گیا ہے۔

ولا تجعل مصيبتنا فی ديننا، ہمیں کسی ایسی مصیبت اور آزمائش میں مبتلی نہ کر کہ جس سے ہماری دینی زندگی خراب ہوجائے، اور ہمارا عقیدہ بدل جائے، اور جائز و ناجائز کی تفریق ہم چھوڑ دیں، اس سے ہم پناہ مانگتے ہیں۔

اكبر همنا ولا مبلغ علمنا، دنیا کو ہمارا سب سے بڑا مقصد اور بڑا غم نہ بنا کہ ہم ہر وقت دنیا کے پیچھے بھاگتے رہیں، مال و دولت اور جاہ و منصب کی تلاش میں لگے رہیں، اور ہم شرعی حدود کا بھی خیال نہ رکھیں، اس سے ہم پناہ مانگتے ہیں، البتہ معمولی فکر اور غم جو انسان رزق حلال کی تلاش میں کرتا ہے، وہ اس کے منافی نہیں، اس لئے وہ جائز ہے، اور یہ علم دنیا طلبی کا ذریعہ نہ بنانا، ہمارے علم کی منتہی محض دنیا کو نہ بنانا، بلکہ اس علم سے ہمیں آخرت کے امور کے بارے میں غور و فکر کرنے کی توفیق عطا فرما۔

ولا تسلط علينا من لا يرحمنا، اس کے دو مطلب ہوسکتے ہیں:

- ہمیں کفار اور ظالم کے سامنے مغلوب نہ کرنا۔
- ظالم لوگوں کو ہمارا حکمران نہ بنانا، کیونکہ ظالم اپنے ماتحتوں کے ساتھ کوئی رعایت نہیں کرتا، اس لئے ہم اس سے پناہ

مانگتے ہیں۔(۱)

عَنْ عَلِيٍّ قَالَ: قَالَ لِي رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَلَا أُعَلِّمُكَ كَلِمَاتٍ إِذَا قُلْتَهُنَّ غَفَرَ اللهُ لَكَ وَإِنْ كُنْتَ مَغْفُورًا لَكَ؟ قَالَ: قُلْ: لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ الْعَلِيُّ الْعَظِيمُ، لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ الْحَلِيمُ الْكَرِيمُ، لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ سُبْحَانَ اللهِ رَبِّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ. قَالَ: عَلِيُّ بْنُ خَشْرَمٍ: وَأَخْبَرَنَا عَلِيُّ بْنُ الْحُسَيْنِ بْنِ وَاقِدٍ، عَنْ أَبِيهِ، بِمِثْلِ ذٰلِكَ إِلَّا أَنَّهُ قَالَ فِي آخِرِهَا: الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ. (۲)

حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا: کیا میں تمہیں ایسے کلمات نہ سکھاؤں کہ جب تم انہیں پڑھ لو، تو اللہ تعالیٰ تمہاری مغفرت فرمادیں اور اگر تمہیں بخش دیا ہو (تو تمہارے درجات بلند کردیں) آپ نے فرمایا: تم یہ پڑھو: لا الہ الا اللہ العلی العظیم..... (اللہ کے علاوہ کوئی عبادت کے لائق نہیں، وہی بلند اور عظیم ہے، اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، وہ بردبار اور مہربان ہے، اللہ کے علاوہ کوئی عبادت کے لائق نہیں، اللہ کی ذات پاک ہے وہی عرش عظیم کا مالک ہے) علی بن خشرم کہتے ہیں کہ علی بن حسین بن واقد بھی اپنے والد سے اسی طرح کی حدیث نقل کرتے ہیں، مگر اس کے آخر میں الحمد للہ رب العالمین کے الفاظ کا اضافہ ہے۔

مشکل الفاظ کے معنی: اذا قلتھن: جب تو ان کلمات کو پڑھے، العلي: وہ ذات جو مرتبہ اور حکم کے لحاظ سے سب سے بلند ہو، اس سے اوپر کوئی ذات نہ ہو، العظیم: وہ عظمت و بڑائی والی ذات جس کی حقیقت کا احاطہ انسانی عقل وشعور کے تصور میں نہیں آسکتا، الحلیم: بردبار جو نافرمانی پر فوراً گرفت نہیں کرتا، الکریم: خوب عطا کرنے والا سخی، جس کی نوازشیں کبھی ختم نہیں ہوتیں۔

مغفرت کا ذریعہ بننے والے چند بابرکت کلمات

لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ الْعَلِيُّ الْعَظِيمُ، لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ الْحَلِيمُ الْكَرِيمُ، لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ سُبْحَانَ اللهِ رَبِّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ، یہ وہ بابرکت کلمات ہیں جن کی تعلیم آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی کو دی اور فضیلت میں فرمایا کہ ان کو پڑھنے سے تمہاری مغفرت ہو جائے گی، اور اگر اس سے پہلے تمہارے لئے اللہ کے ہاں مغفرت کا فیصلہ ہو چکا ہو تو پھر ان کے پڑھنے سے تمہارے درجے بلند ہوں گے، اللہ تعالیٰ عمل کی توفیق عطا فرمائے۔

وان کنت مغفورا لک، ترکیب نحوی کے اعتبار سے اس جملے کے بارے میں تین احتمال ہیں، (۱) یہ ان وصلیہ ہے، مطلب یہ ہے کہ اگرچہ تمہاری مغفرت ہو چکی ہو تو بھی تمہاری مغفرت کردی جائے گی یعنی درجات بلند ہوں گے، (۲) اور یہ بھی ممکن ہے کہ یہ ان شرطیہ ہو اور اس کی جزاء محذوف ہو: فیرفع اللہ بہ الدرجات بمعنی یہ ہوں گے کہ اگر تمہاری مغفرت ہو چکی ہو تو ان

---

(۱) مرقاۃ المفاتیح ۳۹۸/۵، کتاب الدعوات، باب جامع الدعاء، رقم: ۲۴۹۲، تحفۃ الاحوذی ۴۴۱/۹

(۲) مجمع الزوائد للهیثمی ۱۸۳/۱۰۔

کلمات کے پڑھنے سے اللہ کے ہاں تمہارے درجات مزید بلند ہوں گے، (۴) یہ "ان" مخففہ من المثقلہ ہو، اس صورت میں یہ جملہ پہلے جملے کے لیے تاکید بنے گا۔(۱)

عَنْ سَعْدٍ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: دَعْوَةُ ذِي النُّونِ إِذْ دَعَا وَهُوَ فِي بَطْنِ الحُوتِ: لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ، سُبْحَانَكَ إِنِّي كُنْتُ مِنَ الظَّالِمِينَ، فَإِنَّهُ لَمْ يَدْعُ بِهَا رَجُلٌ مُسْلِمٌ فِي شَيْءٍ قَطُّ إِلَّا اسْتَجَابَ اللّٰهُ لَهُ.(۲)

حضرت سعد بن ابی وقاص کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مچھلی والے (یعنی حضرت یونس علیہ السلام) کی دعا جب انہوں نے اس وقت دعا کی، جب وہ مچھلی کے پیٹ میں تھے (وہ یہ ہے) لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ، سُبْحَانَكَ إِنِّي كُنْتُ مِنَ الظَّالِمِينَ (تیرے علاوہ کوئی عبادت کے لائق نہیں، تیری ذات پاک ہے، میں ہی ظلم کرنے والوں میں سے ہوں) (تمہیں بھی یہ دعا کرنی چاہیے) کیونکہ جو مسلمان بھی ان کلمات کے ذریعہ کسی بھی ضرورت میں دعا کرے تو اللہ تعالیٰ اس کی دعا کو ضرور قبول کرتے ہیں۔

مشکل الفاظ کے معنی: دعوة ذی النون: مچھلی والے یعنی حضرت یونس علیہ السلام کی دعا۔ فی بطن الحوت: مچھلی کے پیٹ میں۔ فانه لم یدع بها: کیونکہ ان کلمات کے ذریعہ کوئی مسلمان دعا نہیں مانگتا۔ الا استجاب الله له: مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ اس کی دعا کو ضرور قبول فرماتے ہیں۔

مچھلی کے پیٹ میں حضرت یونس علیہ السلام کی دعاء

حضرت یونس علیہ السلام نے مچھلی کے پیٹ میں جن کلمات کے ذریعہ اللہ جل شانہ کو پکارا، یعنی: لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ، سُبْحَانَكَ إِنِّي كُنْتُ مِنَ الظَّالِمِينَ، ان کے بارے میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص بھی ان کلمات کے ذریعہ کوئی دعا کرے گا، خواہ وہ کسی بھی جائز حاجت سے متعلق ہو تو اللہ تعالیٰ اس کی دعا کو ضرور قبول فرمائیں گے، جس طرح اللہ نے حضرت یونس علیہ السلام کی دعا کو قبول کر لیا تھا اور ان کو اس غم سے نجات عطا فرما دی تھی۔

ایک صحابی نے عرض کیا: یا رسول اللہ یہ دعا صرف حضرت یونس کے لیے مخصوص تھی یا تمام مؤمنین کے لیے عام ہے؟ آپ ﷺ نے اس صحابی سے فرمایا کہ نہیں، یہ دعا تمام مؤمنین کے لیے عام ہے، اس کا ذکر اس دعا کے بعد والی آیت میں ہے: ونجینه من الغم و کذلک ننجی المؤمنین، چنانچہ ہر مشکل، غم اور پریشانی میں اس آیت کو پڑھنے سے وہ پریشانی دور ہو جاتی ہے، اور جس مقصد کے لئے اسے پڑھا جائے تو وہ مقصد بھی پورا ہو جاتا ہے، یہ بات قرآن مجید کی آیت اور مذکورہ حدیث سے ثابت ہے، لیکن شرط یہ ہے کہ انسان مکمل صدق و اخلاص اور توجہ سے اللہ جل شانہ سے مانگے اور اس یقین کے ساتھ مانگے کہ اللہ تعالیٰ

---

(۱) تحفة الاحوذی ۹/۴۴۴

(۲) مسند احمد ۱/۱۷۰، عن سعد۔

میری دعا ضرور قبول فرمائیں گے تو پھر وہ مقصد ضرور حاصل ہو جائے گا ان شاء اللہ تعالیٰ۔(۱)

سوا لاکھ مرتبہ آیت کریمہ پڑھنے کا حکم

مذکورہ حدیث سے یہ حکم ثابت ہوتا ہے کہ جو شخص کسی بھی جائز مقصد کے لیے جس وقت بھی آیت کریمہ لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ سُبْحَانَكَ إِنِّي كُنْتُ مِنَ الظَّالِمِينَ پڑھے تو اس کی برکت سے اللہ جل شانہ چاہیں تو اس کی مشکل کو حل کر دیتے ہیں، مگر یہ ذہن میں رہے کہ سوا لاکھ کا عدد یا اس کے علاوہ کوئی مخصوص تعداد قرآن وسنت سے ثابت نہیں، یہ بزرگوں کا عمل ہے، جو انہوں نے محض تجربہ سے اسے مفید پایا ہے، اس لیے دفع بلاء کے لیے اس مخصوص طریقے سے اس کا وظیفہ کیا جاسکتا ہے۔(۲)

بَابٌ: عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: إِنَّ لِلهِ تِسْعَةً وَتِسْعِينَ اسْمًا مِائَةً غَيْرَ وَاحِدٍ، مَنْ أَحْصَاهَا دَخَلَ الْجَنَّةَ.(۳)

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کے ننانوے یعنی ایک کم سو نام ہیں، جو ان کو یاد کرلے گا، تو وہ جنت میں داخل ہو جائے گا۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنَّ لِلهِ تَعَالَى تِسْعَةً وَتِسْعِينَ اسْمًا مِائَةً غَيْرَ وَاحِدٍ مَنْ أَحْصَاهَا دَخَلَ الْجَنَّةَ،

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کے ننانوے یعنی ایک کم سو نام ہیں، جو ان کو یاد کرلے گا، تو وہ جنت میں داخل ہو جائے گا۔(ان ناموں کی تفصیل یہ ہے):

هُوَ اللهُ، الَّذِي لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ (وہ اللہ ہے، جس کے علاوہ کوئی عبادت کے لائق نہیں) الرَّحْمٰنُ (جو بڑا مہربان)، الرَّحِيمُ (بہت رحم والا)، الْمَلِكُ (حقیقی بادشاہ)، الْقُدُّوسُ (بہت ہی پاک)، السَّلَامُ (عیب اور نقص سے پاک ذات)، الْمُؤْمِنُ (امن دینے والا)، الْمُهَيْمِنُ (ہر چیز کا اچھی طرح محافظ ونگران)، الْعَزِيزُ (ہر ایک پر غالب)، الْجَبَّارُ (بندوں کو اس چیز کی طرف لانے والا جس کا وہ ارادہ کرتا ہے)، الْمُتَكَبِّرُ (بڑی عظمت اور اقتدار والا)، الْخَالِقُ (ہر چیز کا ایجاد کرنے والا)، الْبَارِئُ (پیدا کرنے والا)، الْمُصَوِّرُ (صورت بنانے والا)، الْغَفَّارُ (بخشنے والا)، الْقَهَّارُ (سب کو اپنے قابو میں رکھنے والا)، الْوَهَّابُ (بغیر کسی بدلے کے سب کچھ عطا کرنے والا)، الرَّزَّاقُ (رزق کو پیدا کرنے والا اور دینے والا)، الْفَتَّاحُ (رزق ورحمت کے دروازے کھولنے والا)، الْعَلِيمُ (ظاہر

---

(۱) معارف القرآن ۶/۲۲۴، سورۃ الانبیاء، آیت: ۸۷، تحفۃ الاحوذی ۹/۴۴۵

(۲) نجم الفتاوی ۱/۱۷۱ کتاب العقائد، آپ کے مسائل اوران کا حل ۴/۲۵۷، اوراد و وظائف

(۳) الصحیح للبخاری، کتاب الشروط، باب مایجوز من الاشتراط، رقم: ۲۷۳۶۔

وباطن کو جاننے والا)، القَابِضُ (روزی تنگ کرنے والا)، البَاسِطُ (روزی کشادہ کرنے والا)، الخَافِضُ (پست کرنے والا)، الرَّافِعُ (بلند کرنے والا)، المُعِزُّ (عزت دینے والا)، المُذِلُّ (ذلت دینے والا)، السَّمِيعُ (سب کچھ سننے والا)، البَصِيرُ (سب کچھ دیکھنے والا)، الحَكَمُ (حاکم مطلق)، العَدْلُ (انصاف کرنے والا)، اللَّطِيفُ (نرمی کرنے والا)، الخَبِيرُ (خبر رکھنے والا)، الحَلِيمُ (بردبار)، العَظِيمُ (عظمت و بزرگی والا)، الغَفُورُ (بہت بخشنے والا)، الشَّكُورُ (قدردان)، العَلِيُّ (بہت بلند و برتر)، الكَبِيرُ (بہت بڑا)، الحَفِيظُ (سب کا محافظ)، المُقِيتُ (خوراک وروزی عطا کرنے والا)، الحَسِيبُ (سب کے لیے کفایت کرنے والا)، الجَلِيلُ (بڑی شان والا)، الكَرِيمُ (بہت کرم کرنے والا)، الرَّقِيبُ (ہر چیز کی نگہبانی کرنے والا)، المُجِيبُ (دعائیں قبول کرنے والا)، الوَاسِعُ (وسعت و کشادگی والا)، الحَكِيمُ (بڑی حکمت والا)، الوَدُودُ (بہت محبت کرنے والا)، المَجِيدُ (بڑا بزرگ)، البَاعِثُ (مردوں کو زندہ کرنے والا)، الشَّهِيدُ (حاضر وناظر)، الحَقُّ (حقیقۃ موجود ذات)، الوَكِيلُ (بڑا کارساز)، القَوِيُّ (بڑی طاقت وقوت والا)، المَتِينُ (شدید قوت والا)، الوَلِيُّ (مددگار اور حامی)، الحَمِيدُ (قابل تعریف)، المُحْصِي (ہر چیز کو اپنے علم کے ذریعہ شمار میں رکھنے والا)، المُبْدِئُ (پہلی بار پیدا کرنے والا)، المُعِيدُ (دوبارہ زندہ کرنے والا)، المُحْيِي (زندہ کرنے والا)، المُمِيتُ (موت دینے والا)، الحَيُّ (ہمیشہ ہمیشہ زندہ رہنے والا)، القَيُّومُ (خود بھی قائم اور سب کو قائم رکھنے اور سنبھالنے والا)، الوَاجِدُ (غنی کہ جو کسی کا محتاج نہ ہو یا ہر چیز کو پانے والا))، المَاجِدُ (بزرگی اور بڑائی والا)، الوَاحِدُ (ایک اکیلا)، الصَّمَدُ (بے نیاز)، القَادِرُ (قدرت والا)، المُقْتَدِرُ (پوری قدرت والا)، المُقَدِّمُ (آگے کرنے والا)، المُؤَخِّرُ (پیچھے کرنے والا)، الأَوَّلُ (سب سے پہلے)، الآخِرُ (سب کے بعد)، الظَّاهِرُ (اپنی مخلوقات کے اعتبار سے ظاہر وآشکارا)، البَاطِنُ (اور اپنی حقیقت کے لحاظ سے وہم وگمان سے پوشیدہ وپنہاں)، الوَالِي (مالک اور متصرف)، المُتَعَالِي (سب سے بلند وبرتر)، البَرُّ (نہایت احسان کرنے والا)، التَّوَّابُ (بہت زیادہ توبہ قبول کرنے والا)، المُنْتَقِمُ (خوب بدلہ لینے والا)، العَفُوُّ (بہت زیادہ معاف کرنے والا)، الرَّءُوفُ (مہربان)، مَالِكُ المُلْكِ (سارے جہاں کا مالک)، ذُو الجَلَالِ وَالإِكْرَامِ (عظمت وجلال اور اکرام والا)، المُقْسِطُ (عدل وانصاف کرنے والا)، الجَامِعُ (سب کو جمع کرنے والا (قیامت کے دن))، الغَنِيُّ (بڑا بے نیاز وبے پروا)، المُغْنِي (بے نیاز وغنی بنادینے والا)، المَانِعُ (روکنے والا)، الضَّارُّ (ضرر پہنچانے والا)، النَّافِعُ (نفع پہنچانے والا)، النُّورُ (روشنی والا)، الهَادِي (راستہ دکھانے والا)، البَدِيعُ (بغیر مثال کے چیزوں کو ایجاد کرنے والا)، البَاقِي (ہمیشہ ہمیشہ باقی رہنے والا)، الوَارِثُ (سب کے بعد موجود رہنے والا)، الرَّشِيدُ (سب کا رہنما)،

الصَّبُوْرُ (بڑا بردبار اور صابر)۔(۱)

اسماء حسنٰی کو یاد کرنے کی بشارت

مذکورہ احادیث میں اللہ جل شانہ کے جن ننانوے ناموں کا ذکر ہے، اس سے یہ مراد نہیں کہ بس اللہ کے یہی نام ہیں، اس سے حصر اور تحدید مراد نہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ کے ان کے علاوہ بھی بہت اسماء ہیں، بلکہ ننانوے کا عدد ذکر کرنے سے یہ مقصود ہے کہ حدیث میں جو اسماء حسنیٰ کی یہ فضیلت بیان کی گئی ہے کہ جو شخص انہیں یاد کر لے، وہ جنت میں داخل ہوگا، یہ ان ننانوے ناموں کے ساتھ خاص ہے، یہ فضیلت انسان کو اسی وقت حاصل ہو سکتی ہے جب وہ ان ننانوے ناموں کو یاد کرے۔

من احصاھا سے کیا مراد ہے؟ اس میں شارحین کے دو قول ہیں:

- جو شخص ان ناموں کو یاد کرے، ان کے معنیٰ اور مفہوم کو سمجھے اور ان صفات سے اپنے آپ کو آراستہ کرے، تو اسے جنت میں داخل کیا جائے گا۔ اس کی تائید ان روایات سے بھی ہوتی ہے جن میں من حفظھا کے الفاظ منقول ہیں۔
- بعض علماء کے نزدیک اس کے معنیٰ یہ ہیں: جو شخص ان پر ایمان لائے، اور انہیں اخلاص سے پڑھے۔(۲)

اللہ تعالیٰ کے ننانوے ناموں کی شرح اور بعض خصوصیات

یہ ذہن میں رہے کہ ذیل میں جو اسماء حسنیٰ کی خصوصیات اور ان کو مختلف مقاصد کے لیے مخصوص تعداد میں پڑھنے کا ذکر ہے، ان میں سے اکثر بزرگوں کے تجربہ کی بنیاد پر ہیں، انہیں اس انداز سے پڑھنا جائز ہے، مگر اس کا ثبوت قرآن وسنت سے نہیں ہے، اس لیے انہیں ضروری نہ سمجھا جائے۔

اللہ تعالیٰ کے ناموں میں سب سے افضل نام "اللہ" ہے، اور یہ ذاتی اور اصل نام ہے، اس کے معنیٰ ہیں: "وہ ذات جو عبادت کے لائق ہے"، مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ اس نام کو کثرت سے اپنی زبان پر جاری رکھا کریں، اس کے معنیٰ ومفہوم میں غور وفکر کیا کریں اور یہ جانیں کہ یہ اس ذات کا نام ہے، جو ہمارا خالق ومالک ہے، جو ہمیشہ سے ہے اور ابد تک رہے گا، وہ باقی ہے، کبھی فنا نہ ہوگا، اس کے علاوہ ہر چیز فانی اور باطل ہے، چنانچہ ایک حدیث میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا: شاعروں کے کلام میں سب سے صحیح کلام لبید شاعر کا یہ مصرع ہے: أَلَا كُلُّ شَيْءٍ مَا خَلَا اللهَ بَاطِلُ، یاد رکھو: اللہ کے علاوہ ہر چیز فانی اور باطل ہے۔

خصوصیت: جو شخص لفظ "اللہ" کو جس قدر زیادہ پڑھے گا پوری توجہ کے ساتھ تو اسے مزید اللہ کی ذات پر یقین حاصل ہو گا، اور اگر اسے نماز کے بعد کم از کم سو بار پڑھا جائے، تو انسان کی فہم وبصیرت میں اضافہ ہوتا ہے۔

---

(۱) سنن ابن ماجة، كتاب الدعاء، باب أسماء الله، رقم: ۳۸۶۱

(۲) مرقاة المفاتيح ۱۶۷/۵، كتاب الدعوات باب أسماء الله تعالى، رقم: ۲۲۸۷۔

الرحمن الرحیم: ان دونوں ناموں میں اللہ تعالیٰ کے رحم وکرم اور خاص مہربانی کا ذکر ہے، کہ وہ دنیا میں تمام انسانوں پر خواہ وہ مسلمان ہوں یا کافر، ان پر رحم کرتا ہے، ان پر طرح طرح کی نعمتوں کی ہمہ وقت بارشیں برساتا ہے، اور آخرت میں اس کا خصوصی کرم واحسان اہل ایمان پر ہوگا۔

ان ناموں سے مسلمانوں کو یہ درس دینا مقصود ہے کہ تم بھی اپنے مزاج میں لطف وکرم اور نرمی پیدا کرو، کیونکہ یہ صفت اللہ جل شانہ کو بہت پسند ہے، اس سے انسان اللہ کے ہاں بھی مقام قرب حاصل کرسکتا ہے، اور انسانوں کے ہاں بھی وہ ہر دل عزیز بن جاتا ہے۔

خصوصیت: جو شخص ہر نماز کے بعد سو بار الرحمن الرحیم پڑھے تو اللہ تعالیٰ اس کے دل سے غفلت، نسیان اور دل کی سختی دور کردیتے ہیں، اور تمام مخلوق اس پر مہربان ہوجاتی ہے۔

الملک: حقیقی بادشاہ، یعنی آسمان وزمین اور تمام مخلوقات کا اصل مالک اور بادشاہ ہے، سب اس کے محتاج ہیں، وہ کسی کا محتاج نہیں، وہ بے نیاز ہے، جب اتنی قدرت وعظمت والے خالق پر ہم نے ایمان لایا ہے تو اس کا تقاضا یہ ہے کہ ہم اس کے مکمل فرمانبردار اور اطاعت گذار بن جائیں، جس چیز کا اس نے حکم دیا ہے اسے بجالائیں اور جس کام سے منع کیا ہے اس سے رک جائیں، اپنے نفس اور اس کے تمام اعضاء کو اپنے کنٹرول میں رکھیں تاکہ وہ اللہ کی نافرمانی نہ کریں۔

خصوصیت: جو شخص اس نام کو القدوس کے ساتھ ملاکر یعنی الملک القدوس پابندی سے پڑھے تو اگر وہ مال والا ہے تو اس کا مال باقی رہے گا، ضائع اور ہلاک نہیں ہوگا، اور اگر اس کا عہدہ اور سلطنت ہے، تو اسے اللہ تعالیٰ قائم رکھیں گے۔

القدوس: نہایت پاک ذات، جو ہر قسم کے عیب اور نقص سے پاک ہے۔

خصوصیت: ا۔ جو شخص زوال کے بعد اس اسم کو ایک سو ستر بار پڑھے، اس کا دل روشن اور روحانی امراض سے پاک ہو جائے گا،

السلام: ہر قسم کے عیب اور نقص سے پاک ذات، جس میں کسی قسم کا کوئی عیب نہ ہو، اس نام سے بندے کے لئے یہ درس ہے کہ وہ اپنے آپ کو ہر برے کام اور برے اخلاق سے محفوظ اور سالم رکھے، اور اس انداز سے زندگی گذارے کہ اس کی زبان، عمل اور ہاتھ وغیرہ سے کسی انسان کو کوئی تکلیف نہ پہنچے، گویا وہ ہر دل عزیز ہو، اور کسی انسان کو اپنے سے حقیر اور کم تر نہ سمجھے، تاکہ اللہ جل شانہ کے ہاں اسے خاص مقام حاصل ہوجائے۔

خصوصیات: ا۔ جو شخص اس اسم مبارک کو مریض پر ایک سو گیارہ بار پڑھ کر دم کرے تو اس کو شفاء حاصل ہوگی، یا کم از کم اس بیماری میں کمی ہوجائے گی، ۲۔ جو شخص اسے جس قدر کثرت سے پڑھے گا، اسی قدر اس کے دل میں قوت پیدا ہوگی اور اس کا دل کبھی خوف زدہ نہیں ہوگا، ۳۔ ہر فرض نماز کے بعد پندرہ مرتبہ "اَللّٰهُمَّ يَا سَلَامُ سَلِّمْ" پڑھنا ہر طرح کی سلامتی کے لئے بہت مفید ہے۔

المؤمن: امن وامان دینے والا، بندے کو بھی اس صفت سے آراستہ ہونا چاہیے کہ وہ تمام مخلوق کو اپنے اور دوسرے لوگوں کے شر سے امن میں رکھے۔

خصوصیات: ۱۔ جو شخص اس نام کو کثرت سے پڑھے گا تو لوگ اس کے فرمانبردار اور مطیع بن جائیں گے، اور اس کا ایمان قائم رہے گا، ۲۔ اگر کوئی ایک سو چھتیس بار پڑھا کرے وہ ظالموں کے ظلم اور تمام آفات سے محفوظ رہے، ۳۔ جو شخص ایک سو پندرہ بار پڑھ کر اپنے اوپر دم کرے گا، انشاء اللہ ہر طرح کے خوف اور نقصان سے محفوظ رہے گا۔

المهيمن: ہر چیز کا اچھی طرح محافظ اور نگران ونگہبان، اس نام سے انسان کے لئے حکم یہ ہے کہ وہ بری عادتوں، برے اخلاق مثلاً حسد، بغض، کینہ اور غلط عقائد سے اپنے دل کی نگہبانی کرے۔

خصوصیت: جو شخص غسل کر کے تنہائی میں نماز پڑھے اور سو بار اس اسم کو پڑھے، اس کے دل میں نور پیدا ہوگا، اس کی مراد پوری ہوگی، اور بلند ہمت ہو جائے گا۔

العزیز: ہر چیز پر غالب، کوئی اس پر غالب نہیں، انسان کو چاہیے کہ وہ اپنے نفس، اپنی خواہشات، برے معاشرے اور شیطان پر غالب رہنے کی مسلسل کوشش کرتا رہے۔

خصوصیات: ۱۔ جو شخص چالیس دن تک چالیس مرتبہ اس اسم کو پڑھے گا، اللہ تعالیٰ اس کو معزز اور مستغنی بنا دیں گے، ۲۔ جو شخص نماز فجر کے بعد اکتالیس مرتبہ پڑھتا رہے، وہ ان شاء اللہ کسی کا محتاج نہ ہوگا اور لوگوں میں بہت عزت پائے گا۔

الجبار: بگڑے کاموں کو درست کرنے والا، اس نام سے بندے کے لئے یہ درس ہے کہ اپنی اصلاح کر کے اپنے نفس کی خرابیوں کو درست کرے، اور تقویٰ و پرہیزگاری پر پابندی کرے۔

خصوصیات: ۱۔ جو شخص روزانہ صبح وشام دو سو چھبیس مرتبہ اس اسم کو پڑھے گا، ان شاء اللہ ظالموں کے ظلم سے محفوظ رہے گا، ۲۔ اس اسم کو ذو الجلال والاکرام کے ساتھ ملا کر پڑھنا بھی حفاظت کے لئے بہت مفید ہے، ۳۔ جو شخص اس اسم کو ہمیشہ پڑھتا رہے، وہ مخلوق کی غیبت اور بدگوئی سے امان میں رہے گا۔

المتکبر: بڑائی اور بزرگی والا، اس اسم سے بندے کے لئے یہ حکم ہے کہ وہ بھی نفسانی خواہشات اور اللہ کی نافرمانی سے تکبر سے اعراض اور پرہیز کرے، تب اسے اللہ کا قرب حاصل ہوگا۔

خصوصیت: جو شخص اپنے ہر کام کی ابتداء میں یہ اسم پڑھا کرے تو وہ ان شاء اللہ اپنے مقاصد میں کامیاب ہوگا۔

الخالق: اپنی حکمت اور مصلحت کے مطابق ہر چیز کا اندازہ کرنے والا، پہلی بار پیدا کرنے والا۔

خصوصیت: اس کے پڑھنے سے اللہ تعالیٰ اس شخص کا دل اور چہرہ نورانی کر دیتا ہے، اور اسے جس قدر زیادہ پڑھا جائے، اسی قدر اسے لوگوں پر غلبہ حاصل ہوگا۔

الباری: پیدا کرنے والا، یہ لفظ عموماً جانداروں کے پیدا کرنے کے لئے استعمال ہوتا ہے، اور لفظ ''خلق'' عام ہے، یہ

ہر چیز کے پیدا کرنے کے لئے استعمال ہوتا ہے مثلاً کہا جاتا ہے: برأ الله النسمة و خلق السماوات والارض اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا کیا، اور اللہ نے آسمان وزمین کو پیدا کیا۔

المصور: صورت بنانے والا، مذکورہ ان تینوں ناموں میں بندے کے لئے یہ درس ہے کہ جب وہ کوئی چیز دیکھے اور کسی چیز کا تصور کرے تو اللہ تعالیٰ کی قدرت میں غور وفکر کرے، تا کہ اس کے دل میں اللہ کی محبت بیٹھ جائے۔

الغفار: بخشنے والا، یہ نام بندے کو یہ درس دیتا ہے کہ اگر تم سے خدانخواستہ کوئی غلطی ہو جائے تو فوراً رب کریم کے حضور تہ دل سے معافی مانگیں، تاخیر نہ کریں، وہ بخش دے گا، کیونکہ وہ گناہوں کو بخشنے والا ہے۔

خصوصیات: ا۔ جو شخص یا غفار کو پابندی سے پڑھے گا، اس کے تمام گناہ بخش دیئے جائیں گے، اور اس کا نفس گناہوں سے محفوظ رہے گا۔ ۲۔ جو نماز جمعہ کے بعد یا غفار اغفر لی ذنوبی سو بار پڑھے گا، اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کے ساتھ لطف وکرم کا معاملہ فرمائیں گے اور اس کی بخشش کر دیں گے، ۳۔ غصہ کرنے والوں پر یہ اسم پڑھا جائے تو ان کا غصہ ختم ہو جاتا ہے۔

القہار: سب کو اپنے قابو میں رکھنے والا، غالب آنے والا، بندے کو چاہیے کہ وہ اپنے نفس اور شیطان کو مغلوب کر کے رکھے، انہیں اپنے اوپر غالب نہ آنے دے۔

خصوصیات: ا۔ جو شخص اشراق کی نماز کے بعد سجدہ کر کے سات بار یا قہار پڑھے گا، اللہ تعالیٰ اسے مالدار کر دیں گے، ۲۔ جس شخص کو دشمنوں سے خطرہ ہو وہ سورج نکلتے وقت اور رات کے آخری حصے میں دشمنوں کی ہلاکت کے لئے ان الفاظ میں یہ اسم ایک سو بار پڑھے: يَا جَبَّارُ يَا قَهَّارُ يَا ذَا الْبَطْشِ الشَّدِيدِ پھر یہ کہے: خُذْ حَقِّي مِمَّنْ ظَلَمَنِي وَعَدَا عَلَيَّ، (ترجمہ: اے زبردست اللہ، اے غالب اللہ، اے سخت پکڑ والے اللہ! مجھے اس شخص سے میرا حق دلا دیجئے جس نے مجھ پر ظلم اور زیادتی کی)، ۳۔ جو کسی ظالم سے ڈرتا ہو وہ اس نام کو فرض نماز کے بعد تین سو چھ بار پڑھا کرے، اللہ تعالیٰ اسے امن وامان میں رکھے گا۔ دشمن پر غالب ہوگا، اس پر حکمران مہربان ہوگا، اور دل سے خوف ختم ہو جائے گا۔

الوہاب: بغیر کسی معاوضے کے بہت زیادہ دینے والا، بندے کے لئے اس میں یہ عبرت ہے کہ وہ بھی اپنی جان، وقت اور مال کو اللہ کے راستے میں خرچ کرے، اور اس سے صرف اس کا مقصد اللہ کی رضا ہو، نام ونمود اور لوگوں میں شہرت پیش نظر نہ ہو۔

خصوصیات: ا۔ جو شخص فقر وفاقہ سے پریشان ہو، وہ اس نام کو کثرت سے پڑھے، اس کی پریشانی دور ہوگی اور راحت پائے گا، ۲۔ اور جو نماز چاشت کے بعد سجدہ کی آیت پڑھ کر سجدے میں سر رکھ کر سات مرتبہ الوہاب پڑھے تو وہ مخلوق سے بے پرواہ ہو جائے گا، ۳۔ جو کوئی رزق میں فراخی کا طلب گار ہو، وہ چاشت کے وقت چار رکعت پڑھے، پھر سلام کے بعد سجدے میں جا کر الوہاب ایک سو چار مرتبہ اور اگر فرصت نہ ہو تو پچاس بار پڑھے، مالدار ہو جائے گا۔

الرزاق: رزق پیدا کرنے والا اور مخلوقات تک رزق پہنچانے والا، پھر اس رزق کی دو قسمیں ہیں: ا۔ ظاہری۔ ۲۔ باطنی۔ رزق ظاہری سے مراد یہ ہے کہ وہ چیزیں جن سے جسم کو فائدہ پہنچے مثلاً کھانے پینے کی چیزیں اور کپڑے وغیرہ، اور رزق باطنی

سے وہ چیزیں مراد ہیں، جن سے دل کو فائدہ ہو جیسے علوم و معارف اور اللہ کی معرفت، اس اسم سے بندے کو یہ بتانا مقصود ہے کہ رزق دینے والا صرف اللہ جل جلالہ ہے، اللہ کے علاوہ کوئی رزق دینے کے قابل نہیں، لہٰذا وہ رزق کی توقع صرف اور صرف اللہ ہی سے رکھے، اسی سے مانگے۔

خصوصیات: ا۔ جو شخص اپنے مکان کے چاروں کونوں میں نماز صبح سے پہلے دس دس مرتبہ یہ اسم پڑھ کر دم کرے گا اس پر اللہ تعالیٰ رزق کے دروازے انشاء اللہ کھول دیں گے، اس کے گھر میں بیماری اور تنگدستی ہرگز نہ آئے گی، پڑھنے کا آغاز داہنے کونے سے کرے اور منہ قبلہ کی طرف رکھے، ۲۔ جو یہ اسم مبارک ایک سو بار کسی قیدی کے لئے پڑھے گا، اسے قید سے خلاصی ملے گی اور اگر بیمار کے لئے پڑھے گا، اسے انشاء اللہ شفا ملے گی، ۳۔ جو شخص اس اسم کو صبح نہار منہ بیس مرتبہ پڑھنے کا معمول بنالے، اللہ تعالیٰ اسے ایسا ذہن عطا فرماتا ہے، جو باریکیوں اور مشکلات کو سمجھ لیتا ہے۔

الفتاح: رزق و رحمت کے دروازے کھولنے والا اور بعض نے اس کا ترجمہ یوں کیا: حکم کرنے والا، فیصلہ کرنے والا، بندے کے لئے اس میں یہ حکم ہے کہ وہ لوگوں کے درمیان صلح و صفائی اور انصاف کے لئے فیصلہ کرنے کی سعی و کوشش کرتا رہے اور ستم زدہ لوگوں کی مدد و نصرت کرتا رہے۔

خاصیت: جو شخص نماز فجر کے بعد اپنے سینہ پر دونوں ہاتھ رکھ کر اکہتر بار یہ اسم پڑھے گا، تو اس کا دل پاک اور منور ہو جائے گا، اور اسے انشاء اللہ تمام امور میں آسانی اور رزق میں برکت عطاء کی جائے گی۔

العلیم: ظاہر و باطن کا جاننے والا، بہت وسیع علم رکھنے والا، اس اسم سے بندے کو یہ جان لینا چاہیے کہ وہ جو کچھ بھی کر رہا ہے، وہ اللہ کے علم میں ہے خواہ وہ دن کو کرے یا رات کو، سامنے کرے یا چھپ کر، جب یہ بات ہے تو پھر اسے کسی بھی وقت اللہ کی نافرمانی نہیں کرنی چاہیے، ہر وقت گناہوں سے پاک زندگی گذارنے کی کوشش کرنی چاہیے۔

خصوصیات: ا۔ جو شخص کثرت سے یا علیم پڑھا کرے گا، اللہ تعالیٰ اس پر انشاء اللہ علم و معرفت کے دروازے کھول دے گا، اس کا حافظہ مضبوط اور قوی ہوگا، ۲۔ اور جو شخص کوئی نا معلوم بات دریافت کرنا چاہے تو وہ دو رکعت نماز پڑھے، پھر درود شریف پھر ستر بار سُبحَانَکَ لَا عِلمَ لَنَا اِلَّا مَا عَلَّمتَنَا اِنَّکَ اَنْتَ الْعَلِیْمُ الحکیمُ پڑھ کر یَا عَلِیمُ عَلِّمنِی یَا خَبِیر اَخبِرنِی یَا مُبِینُ بَین لِی سو سو بار پڑھ کر اپنا مطلب تصور کر کے لیٹ جائے تو اسے ضرور کوئی اشارہ ہو جائے گا، ۳۔ جو استخارہ کرنا چاہے، شب جمعہ کو نماز کے بعد سو بار مسجد میں پڑھ کر سو رہے، ان شاء اللہ مطلوبہ مقصد سے آگاہی پالے گا۔

القابض: روزی تنگ کرنے والا اور روح قبض کرنے والا۔

خاصیت: جو شخص آدھی رات کو یہ نام پڑھے گا اس کا دشمن مغلوب ہوگا۔

الباسط: روزی میں وسعت و فراخی پیدا کرنے والا۔

خاصیت: جو شخص دس بار آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا کر اس نام کو پڑھے اور پھر اپنے چہرے پر ہاتھ پھیر لے تو اس کے لئے

غنا کا ایک دروازہ کھول دیا جاتا ہے۔

الخافض: پست کرنے والا، یعنی وہ ذات جو کافروں اور سرکشوں کو ذلیل وخوار اور پست کر دیتی ہے، اور اپنی بارگاہ سے انہیں دور کر دیتی ہے۔

خاصیت: اس نام کو جس قدر زیادہ پڑھا جائے، اسی قدر انسان کو اطمینان، تسلی اور دشمنوں پر غلبہ حاصل ہوتا ہے۔

الرافع: بلند کرنے والا، اللہ تعالیٰ اہل ایمان کی مدد کر کے انہیں بلند کرتا ہے، اور امت کے نیک اور اولیاء کرام کو اپنا قرب عطا کر کے بلند کرتا ہے۔

خاصیت: جو شخص اس نام کو آدھی رات یا دوپہر کو سو بار پڑھے گا، اللہ جل شانہ اسے تمام مخلوق میں برگزیدہ کرے گا اور وہ مالدار اور بے نیاز ہوگا۔

المعز: عزت دینے والا۔

خاصیت: جو شخص نماز عشاء کے بعد پیر یا جمعہ کی رات ایک سو چالیس بار یا معز پڑھے گا اللہ تعالیٰ اس کی ہیبت وحرمت مخلوق کے دل میں ڈال دے گا اور وہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی سے نہیں ڈرے گا، اور اسی کے پناہ میں رہے گا، اور جو ایک سو چالیس دن تک ہر روز اکتالیس بار بغیر کسی ناغے کے پڑھے گا، دنیا و آخرت میں عزت پائے گا، پڑھنے کا آغاز پیر یا جمعہ کی شب سے کرے۔

المذل: ذلت دینے والا، ان دونوں ناموں یعنی المعز اور المذل سے معلوم ہوا کہ عزت وذلت دینا صرف اللہ جل شانہ کے قبضہ میں ہے، وہ جسے چاہے عزت دے، اور جسے چاہے ذلیل ورسوا کر دے، بس بندے کا کام یہ ہے کہ وہ اللہ کی اطاعت کے مطابق زندگی گذارتا رہے، اس کی نافرمانی کے قریب بھی نہ جائے، یوں اسے اللہ کے ہاں عزت کا مقام مل جائے گا۔

خاصیت: جو شخص کسی ظالم یا حاسد سے ڈرتا ہو، اسے چاہیے کہ وہ پچھتر بار یہ نام مبارک پڑھ کر سجدہ کرے اور اس میں یہ دعا کرے: اے میرے رب مجھے فلاں ظالم کے شر سے محفوظ رکھ تو اللہ تعالیٰ اسے امان دے گا اور اسے اپنی حفاظت میں رکھے گا۔

السمیع: سب کچھ سننے والا، البصیر: سب کچھ دیکھنے والا، اگر بندے کو اس بات کا یقین ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ مجھے ہر وقت ہر جگہ دیکھ رہے ہیں اور سب کچھ سن رہے ہیں تو پھر کسی بھی وقت وہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہ کرے، اللہ تعالیٰ ہمیں ایسا یقین کامل عطا فرمائے آمین یارب العالمین۔

خاصیت: ا۔ جو شخص السمیع نام کو جمعرات کے دن چاشت کی نماز کے بعد پانچ سو بار پڑھے اور درمیان میں کوئی کلام نہ کرے، اس کے بعد جو دعا مانگے گا، قبول ہوگی، ۲۔ اور جو شخص فجر کی سنت وفرض کے درمیان ''البصیر'' کو ایک سو ایک بار پڑھا کرے، تو اللہ تعالیٰ اسے اپنی خصوصی نظر عنایت فرمائیں گے۔

الحکم: حاکم مطلق کہ اس کے حکم کو کوئی رد نہیں کر سکتا، خاصیت: جو شخص اخیر شب میں ننانوے مرتبہ باوضو یہ اسم مبارک پڑھے، اللہ تعالیٰ اس کے دل کو اسرار و رموز کا محل بنا دے گا۔

العدل: عدل وانصاف کرنے والا۔

خاصیت: جو شخص ہر نماز کے بعد پابندی سے اس اسم کو پڑھے تو اللہ تعالیٰ غیب سے اس کے لئے روزی کا بندوبست کرتے ہیں اور اسے نیک کام کرنے کی توفیق حاصل ہوتی ہے۔

اللطیف: اپنے بندوں پر لطف و کرم اور نرمی کرنے والا، اس اسم سے بندے کو یہ درس دینا مقصود ہے کہ وہ اپنے رویے میں نرمی اختیار کرے اور لوگوں کو نرمی اور حکمت سے دین پر لانے کی کوشش کرے۔

خصوصیات: ۱۔ جو شخص ۱۳۳ مرتبہ یالطیف پڑھا کرے انشاء اللہ اس کے رزق میں برکت ہوگی اور اس کے سارے کام حسن وخوبی سے پورے ہوں گے، ۲۔ جو فقر و فاقہ، دکھ، بیماری، تنہائی، کسمپرسی یا کسی اور مصیبت میں گرفتار ہو وہ اچھی طرح وضو کر کے دو رکعت نماز پڑھے اور اپنے مقصد کو دل میں رکھ کر سو مرتبہ یہ اسم پڑھے، انشاء اللہ مقصد پورا ہوگا، ۳۔ بیٹیوں کے رشتے اور نصیب کے لئے اور بیماریوں سے شفایاب ہونے کے لئے روزانہ تحیۃ الوضوء کے بعد سو مرتبہ یہ نام مبارک پڑھنا بہت ہی مفید ہے، ۴۔ ہر دین اور دنیاوی مقصد کے لئے کسی خالی جگہ پر، دعا کی شرائط کے ساتھ، یہ اسم مبارک سولہ ہزار چھ سو اکتالیس بار پڑھا جائے، انشاء اللہ اس کی مراد پوری ہوگی اور اس کا مقصد حاصل ہو جائے گا، ۵۔ پریشانیوں اور مصیبتوں سے نجات کے لئے اس نام کا وظیفہ بہت مفید ہے۔

الخبیر: دل کے بھید اور تمام چیزوں کی خبر رکھنے والا، اس اسم سے بندے کو یہ سمجھ لینا چاہیے کہ میں ہر وقت ایک باخبر ذات کی نظروں میں ہوں، وہ میرے نہ صرف یہ کہ ظاہری اعمال کو دیکھ رہا ہے، بلکہ وہ میرے دل کے بھید اور تصورات وخیالات سے بھی مکمل باخبر ہے، یہ سوچ کر اللہ کی نافرمانی سے مکمل اجتناب کیا جائے۔

خاصیت: جس شخص کا نفس اس کے کنٹرول میں نہ ہو، اسے ہر وقت گناہوں کی دعوت دیتا ہو وہ اس اسم مبارک کو پابندی کے ساتھ کثرت سے پڑھے تو ان شاء اللہ اس کا نفس سیدھا ہو جائے گا اور نیکی کے کاموں پر آمادہ ہو جائے گا۔

الحلیم: بردبار، یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ عذاب دینے میں جلدی نہیں کرتا، ڈھیل دیتا ہے کہ شاید وہ اپنی اصلاح کر لے، کافر ہے تو ایمان قبول کر لے، مومن ہے تو اپنی غلطیوں سے باز آ جائے، اس نام میں بندے کے لئے یہ درس ہے کہ لوگوں کے غلط رویوں پر صبر کرے، اور ان کی ایذاء پر صبر و تحمل کرے، ان پر غصہ نہ ہوا کرے، اور یہ مقام حاصل کرنے کی کوشش کرے کہ اگر کوئی اس کے ساتھ برائی کرے تو وہ انتقام لینے کے بجائے اس کے ساتھ نیکی کرے۔

خاصیت: جو شخص اس اسم کو کثرت سے پڑھے تو اس کے مزاج میں بردباری پیدا ہو جائے گی اور اس کا دل صبر وسکون سے آراستہ ہو جائے گا۔

العظیم: عظمت و بزرگی والا، اللہ جل جلالہ کی اس قدر عظمت اور بڑائی ہے کہ کوئی شخص اس کی حقیقت تک نہیں پہنچ سکتا، انسان کی عقل اور اس کا فہم و شعور اس کی عظمت کو سمجھنے سے قاصر ہے، بس انسان کا کام یہ ہے کہ وہ اللہ اور اس کے رسول کی مکمل اطاعت کرے، اس کی نافرمانی سے مکمل پرہیز کرے، اس طرح وہ کامیاب ہوسکتا ہے۔

خاصیت: جو شخص اس نام کو کثرت سے پڑھے اس کو عزت نصیب ہوتی ہے اور وہ لوگوں کے ہاں ہر دل عزیز ہو جاتا ہے۔

الغفور: بہت بخشنے والا، اس نام سے بندے کو یہ پیغام دیا جا رہا ہے کہ وہ اللہ جل جلالہ سے کثرت سے استغفار کیا کرے اور رات کے آخری حصے میں خصوصیت کے ساتھ اللہ سے معافی مانگا کرے، اور انسانوں میں جو اسے تکلیف پہنچائے، اسے معاف کر دے، یہی سنت نبوی ہے۔

خصوصیات: ۱۔ جو شخص سجدے میں تین بار رب اغفر لی پڑھ لے تو اللہ جل شانہ اس کے تمام گناہ بخش دیں گے، ۲۔ جو آدمی اس اسم کو بکثرت پڑھے گا تو برے اخلاق اور بیماریوں سے انشاء اللہ محفوظ رہے گا اور اس کے مال و اولاد میں برکت ہو جائے گی، ۳۔ تین کاغذوں پر یا غفور اس طرح لکھا جائے کہ ہر کاغذ پر تین سطریں ہوں اور ہر سطر میں دو بار یا غفور لکھا ہو، یہ کاغذ ایسا شخص جو بیمار ہو اور اس کے سر میں درد ہو، نگل لے تو انشاء اللہ اسے شفاء نصیب ہو جائے گی۔

الشکور: قدردان اور تھوڑے سے عمل پر بہت زیادہ ثواب دینے والا، ملا علی قاری رحمہ اللہ نے ایک واقعہ لکھا ہے کہ ایک مردہ شخص کو خواب میں دیکھا گیا تو اس سے پوچھا کہ تمہارے ساتھ اللہ تعالیٰ نے کیا معاملہ کیا ہے؟ اس نے بتایا کہ حساب میں میرے گناہوں کا پلڑا بھاری ہو گیا، میں مایوس کھڑا تھا کہ اچانک نیکیوں کے پلڑے میں ایک تھیلی آ گری جس سے میرے نیکیوں کا پلڑا بھاری ہو گیا، میں نے پوچھا کہ یہ کیا ہوا ہے؟ تو مجھے بتایا گیا کہ یہ ایک مٹھی بھر مٹی ہے جو تو نے اپنے ایک مسلمان بھائی کی قبر پر ڈالی تھی، دیکھئے بظاہر یہ ایک چھوٹا سا عمل ہے، اللہ نے اس کی کتنی قدردانی کی کہ اس کی مغفرت کر دی۔

بندے کو چاہیے کہ اللہ جل جلالہ کی نعمتوں کا تہ دل سے شکر ادا کیا کرے، زبان سے بھی شکر ادا کرے اور اپنے عمل سے بھی شکر ادا کرے کہ کسی بھی نعمت کو اللہ کی نافرمانی اور خلاف شرع مقام پر استعمال نہ کرے، اور جو شخص اس کے ساتھ کوئی احسان کرے تو اس کا بھی زبان سے شکریہ ادا کرے، کیونکہ حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو لوگوں کا شکر ادا نہیں کرتا، وہ اللہ کا بھی شکر نہیں کرتا، اور قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اگر تم میرا شکر ادا کرو گے تو میں تمہاری نعمتوں میں اضافہ کر دوں گا، اور ایک جگہ فرمایا کہ "میرے بندوں میں شکر گذار تو بہت کم لوگ ہیں، مقصد یہ ہے کہ انسان کو اللہ جل جلالہ کی نعمتوں کا صحیح طرح سے شکر ادا کرنے کا اہتمام کرنا چاہیے۔

خواص: ۱۔ جو شخص معاشی تنگی یا کسی اور دکھ، درد یا رنج و غم میں مبتلی ہو، وہ اس اسم کو اکتالیس مرتبہ روزانہ پڑھے، انشاء اللہ اس سے رہائی نصیب ہو گی، ۲۔ جس شخص کی آنکھوں کی روشنی جاتی رہی ہو وہ اس اسم کو اکتالیس بار ہر روز پڑھا کرے، پھر اپنا

لعاب آنکھوں پر لگادے اور پانی پر دم کر کے پی لے، انشاء اللہ روشنی برقرار ہو جائے گی، ۳۔ دمہ کی بیماری میں بھی اس نام کو پڑھنا بہت مفید ہے۔

العلی: بہت بلند و برتر، اس کے برابر کوئی نہیں، بندے کے لئے اس میں یہ درس ہے کہ وہ اپنی تمام تر توانائیاں اللہ کی عبادت اور طاعت میں صرف کر دے، اپنے نفس کو اس میں ذلیل کر دے تا کہ اسے اللہ کے ہاں بلند مرتبہ حاصل ہو، اور حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ اعلیٰ امور کو پسند اور ادنی امور کو ناپسند کرتا ہے، حضرت علی رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے: علو الهمة من الايمان عزم وہمت میں بلندی ایمان سے پیدا ہوتی ہے، پھر انسان جس قدر ایمان میں اعمال کے ذریعہ کمال پیدا کرتا چلا جاتا ہے، اسی قدر اسے بلند ہمتی حاصل ہوتی چلی جاتی ہے۔

خواص: ۱۔ جو شخص اس اسم کو ہمیشہ پڑھتا رہے اور لکھ کر اپنے پاس رکھے، انشاء اللہ اسے بلند مرتبہ، خوشحالی اور مقصد میں کامیابی حاصل ہوگی، ۲۔ فقر و فاقہ میں مبتلی ہو تو اسے مالداری حاصل ہوگی، ۳۔ سفر کی مصیبتوں میں پھنس گیا تو ان سے خلاصی نصیب ہوگی اور جلد وطن پہنچے گا۔

الکبیر: بہت بڑا، اللہ جل جلالہ کے اس نام کو سامنے رکھ کر بندے کو یہ سوچنا چاہیے کہ میرے دل میں اللہ کی بڑائی کے علاوہ کسی کی بڑائی نہیں آنی چاہیے، اس کی بڑائی ہمیشہ ذہن میں رکھے، علم و عمل کے ذریعہ اپنے نفس کو کامل بنانے کی کوشش کرے، تا کہ اسے بھی فائدہ ہو اور دوسروں کو بھی اس سے استفادہ کا موقع حاصل ہو، اپنے مزاج میں تعلّی اور بڑائی نہیں بلکہ عجز و انکساری اور تواضع پیدا کرے۔

خاصیت: اس اسم کو زیادہ اور پابندی کے ساتھ پڑھنے سے علم و عمل کا دروازہ کھلتا ہے، باہمی الفت پیدا ہوتی ہے اور وہ ہر دل عزیز ہو جاتا ہے۔

الحفیظ: کائنات کو آفتوں اور نقصانات سے محفوظ رکھنے والا، اور جب تک اس کی مشیت و ارادہ ہے، اس وقت تک تمام جہانوں کی حفاظت کرنے والا، بندے کے لئے اس نام میں یہ درس ہے کہ وہ اپنے جسم کے تمام اعضاء کی حفاظت کرے اور انہیں اللہ کی نافرمانی میں استعمال نہ کرے، اور اللہ کے فیصلوں پر راضی رہے، ایک بزرگ نے کیا خوب فرمایا: جو اللہ جل جلالہ کی رضا کے لئے اپنے اعضاء کی حفاظت کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے قلب کی حفاظت فرماتے ہیں اور جو اللہ کے لئے اپنے دل کی حفاظت کرے اللہ تعالیٰ اس کے لئے اپنے ہاں ایک خاص حصہ محفوظ کر لیتے ہیں۔

ملا علی قاری نے اس مقام پر ایک بزرگ کا واقعہ نقل کیا ہے کہ ایک بزرگ کی نظر ایک دن کسی ممنوع چیز پر پڑ گئی تو انہوں نے اللہ سے یوں دعا کی: الہی! مجھے اپنی بینائی کی بقاء کی تمنا اس لئے تھی تا کہ میں اس کی وجہ سے آسانی سے تیری عبادت کر سکوں اور اب جبکہ یہ نظر تیرے حکم کی مخالفت کا سبب بن گئی ہے اس لئے اسے مجھ سے چھین لیجئے، چنانچہ ان کی بینائی جاتی رہی، وہ اندھے ہو گئے، وہ بزرگ رات میں نماز تہجد پڑھا کرتے تھے، نظر نہ ہونے کی وجہ سے رات کو انہیں طہارت حاصل کرنے میں دشواری ہوتی تو

دوبارہ اللہ سے عرض کرنے لگے: پروردگار میں نے خود ہی کہا تھا کہ میری بینائی مجھ سے چھین لے لیکن اب رات کے وقت تیری عبادت کے لئے مجھے اس کی بہت ضرورت ہے، اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اس کی بینائی واپس لوٹا دی اور وہ بالکل ٹھیک ہو گئے۔

خواص: ۱۔ جو شخص کثرت سے یا حفیظ کا ورد رکھے گا، اور لکھ کر اپنے پاس رکھے گا وہ انشاء اللہ ہر طرح کے خوف وخطر اور نقصان وضرر سے محفوظ رہے گا، ۲۔ اس کو پڑھنے اور اسے اپنے پاس لکھ کر رکھنے والا ڈوبنے، جلنے، جادو اور بدنظری سے انشاء اللہ محفوظ رہے گا۔

المقیت: قوت وغذا دینے والا، اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی تمام مخلوقات کے لئے روزی کا بندوبست کر رکھا ہے بلکہ ذمہ لے لیا ہے، اس لئے انسان رزق حلال کے حصول کے لئے ایک حد تک محنت وکوشش ضرور کرے، لیکن اسے مقصد حیات نہ سمجھے کہ اپنا تمام وقت اسی میں صرف کرتا پھرے اور اللہ کے احکام کی طرف اس کی کوئی توجہ نہ ہو، کیونکہ اس کا اصل کام اللہ کی عبادت اور طاعت ہے، اسے ہر چیز پر مقدم رکھے تاکہ اس میں کوئی فرق نہ آئے۔

خاصیت: جو اس نام مبارک کو کثرت سے پڑھے اس کی روزی میں برکت ہوتی ہے، اور بیماریوں سے شفا حاصل ہوتی ہے۔

الحسیب: سب کے لئے کفایت کرنے والا، یا قیامت کے دن مخلوقات سے حساب لینے والا، اس نام میں بندے کے لئے یہ حکم ہے کہ وہ اپنی وسعت کے مطابق تنگدست اور محتاجوں کی کفایت کرنے والا یعنی ان کی ضرورتوں کو پورا کرنے والا ہو اور اپنے نفس کا محاسبہ اور جائزہ لیتے رہا کرے تاکہ کل قیامت کے دن کے حساب سے بچ جائے۔

خواص: ۱۔ جو شخص کسی چور، حاسد، ہمسایہ، دشمن اور بدنظری سے ڈرتا ہو، اسے چاہیے کہ وہ ایک ہفتہ تک صبح طلوع سے پہلے اور شام غروب سے پہلے ستر بار حسبی اللہ الحسیب پڑھے اللہ تعالیٰ اسے ہفتہ گذرنے سے پہلے امن عطا فرمادے گا، اور انشاء اللہ اس کے تمام کام درست ہو جائیں گے، پڑھنے کا آغاز جمعرات سے کرے، ۲۔ روزانہ حسبی اللہ الحسیب پڑھنے سے ہر آفت سے حفاظت رہتی ہے۔

الجلیل: بڑی شان والا، اس اسم سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ انسان کو بلند مقام اور اونچی شان اللہ کی اطاعت اور اس کی عبادت سے حاصل ہو سکتی ہے، لہذا وہ اس کا خوب اہتمام کرے، اس میں سستی ہرگز نہ کرے۔

خاصیت: اس اسم کو زیادہ پڑھنے سے انسان لوگوں کی نظر میں عزت مند اور باوقار ہو جاتا ہے۔

الکریم: بہت کرم اور مہربانی والا، اس کی جود وسخا اور کرم وعطا نہ کبھی بند ہوتا ہے، اور نہ ہی اس کے خزانے خالی ہوتے ہیں، لہذا بندے کو چاہیے کہ وہ بھی اپنی حیثیت اور دسترس کے مطابق خلق خدا پر جود وسخا کرتا رہے۔

خواص: ۱۔ جو شخص روزانہ سوتے وقت یا کریم پڑھتے پڑھتے سو جایا کرے فرشتے اس کے لئے یہ دعا کرتے ہیں: اکرمک اللہ، اللہ جل شانہ تجھے معزز ومکرم اور محترم بنائے، اور اسے عزت نصیب ہوتی ہے، اور اللہ تعالیٰ غیب سے اس کے لئے روزی

کا بندوبست کردیتے ہیں، ۲۔ جو شخص اس اسم کو کثرت سے پڑھے، اسے تمام امور میں برکت حاصل ہوجاتی ہے، کہا جاتا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اس اسم کو بہت زیادہ پڑھا کرتے تھے۔

الرقیب: بڑا نگہبان یا بقول بعض: ''بندوں کے احوال اور افعال جاننے والا'' اس سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ انسان ہروقت اپنے نفس کی نگرانی کرتا رہے تاکہ وہ اسے برے کاموں میں نہ مبتلی کرے، ایسے ہی یہ بھی لازم ہے کہ وہ اپنے ماتحتوں کی نگہداشت رکھے، ان کی زندگی آیا دین کے مطابق ہے یا نہیں، دینی تعلیم وتربیت پر خصوصی نظر رکھے، ان کی اصلاح کرتا رہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حدیث میں ارشاد فرمایا ہے کہ تم میں سے ہر شخص سے اس کے ماتحتوں کے بارے میں پوچھا جائے گا، والد ہے تو اس سے اولاد کے بارے میں، استاذ ہے تو اس سے اس کے شاگردوں کے بارے میں اور وزیر اعظم، گورنر..... ہے تو اس سے اس کی رعایا کے بارے میں باز پرس ہوگی کہ تم نے ان کی تعلیم وتربیت کی ذمہ داری کہاں تک نبھائی ہے۔

یہ حقیقت ہر وقت پیش نظر رہے کہ اللہ تعالیٰ مجھ سے ایک ایک لمحہ، اور ایک ایک عمل کا حساب لے گا خواہ وہ چھوٹا عمل ہو یا بڑا، ملا علی قاری نے ایک بزرگ کا قصہ ذکر کیا ہے کہ ان کے انتقال کے بعد انہیں کسی نے خواب میں دیکھا، تو ان سے پوچھا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے ساتھ کیا معاملہ کیا ہے؟ انہوں نے بتایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ پر بہت احسان کیا: مجھے بخش دیا، لیکن حساب پورا پورا لیا یہاں تک کہ مجھ سے اس عمل کا بھی مواخذہ کیا کہ میں ایک دن روزے سے تھا، افطار کے وقت میں نے ایک دوست کی دوکان سے گندم کا ایک دانہ اٹھالیا اور میں نے اسے توڑ دیا، لیکن فوراً میرے ذہن میں یہ بات آگئی کہ یہ دانہ تو میرا نہیں، میرے دوست کا ہے، یہ خیال آتے ہی میں نے اس دانے کو اسی جگہ ڈال دیا، جہاں سے اٹھایا تھا، اب جب کہ میرا حساب لیا گیا، تو گندم کا دانہ توڑنے کے بقدر نیکیاں، میری نیکیوں میں سے لی گئیں۔

غور کرنے کی بات ہے کہ جس شخص کو یہ معلوم ہوجائے کہ اسے ایک دن اللہ کی بارگاہ میں اتنی چھوٹی سے چھوٹی باتوں کا بھی حساب دینا ہے تو کیا وہ گوارا کرے گا کہ اپنی عمر عزیز لہو ولعب، کھیل کود اور فضول کاموں میں ضائع کرے، اور اپنا وقت گناہوں اور غفلتوں میں گنوادے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حدیث میں ارشاد فرمایا: تم اپنے نفسوں کے اعمال کا خود محاسبہ کرتے رہا کرو، اس سے پہلے کہ تم سے تمہارے اعمال کا حساب لیا جائے، اللہ جل شانہ ہمیں عقل سلیم اور فہم سلیم عطا فرمائے۔

خواص: ۱۔ اگر کسی کی کوئی چیز گم ہوجائے تو بکثرت اس کا وظیفہ کرنے سے وہ چیز ان شاء اللہ واپس مل جائے گی، ۲۔ جو شخص اس اسم کو سات بار یا ستر بار اپنی بیوی، بیٹے یا مال پر پڑھ کر دم کردے تو جنات، تمام دشمنوں اور آفتوں سے انشاء اللہ محفوظ رہیں گے اور اس کا رعب بھی بڑھ جائے گا، ۳۔ جو کوئی اپنے مال واسباب گاڑی وغیرہ کسی جگہ چھوڑتے وقت اس اسم کو پڑھ لے تو انشاء اللہ چوری سے حفاظت رہے گی۔

المجیب: دعائیں قبول کرنے والا، لاکھوں کروڑوں انسانوں کی بیک وقت دعائیں سنتا ہے اور انہیں قبول کرتا ہے، بشرطیکہ دعا کی قبولیت کی شرائط پائی جائیں اور مکمل آداب کے ساتھ دعا کی جائے۔

خاصیت: جو شخص کثرت سے یا مجیب پڑھا کرے انشاء اللہ اس کی دعائیں بارگاہ الٰہی میں قبول ہونے لگیں گی اور جو اسے لکھ کر اپنے پاس رکھے گا، اللہ تعالیٰ کی امان میں رہے گا۔

الواسع: وسعت والا، اس کا علم بھی بہت وسیع ہے اور اپنی نعمتوں سے سب کو ہر وقت بہت نوازتا بھی ہے، بندے کے لیے اس نام میں یہ پیغام ہے کہ وہ اپنے اندر بھی وسعت پیدا کرے، اپنے علوم و معارف اور عادات و اخلاق میں وسعت پیدا کرے، تنگ ظرفی اور بخل سے کام نہ لے، یوں اس پر بھی اللہ جل جلالہ اپنی وسعت و کشائش کے دروازے کھول دیں گے۔

خاصیت: اس اسم کو زیادہ پڑھنے سے غنا اور مالداری حاصل ہوتی ہے، انسان کو عزت، حوصلہ، بردباری، وسعت قلبی، اور دل کی صفائی حاصل ہوتی ہے، اور اللہ تعالیٰ اس کے لئے معاملات میں کشادگی اور برکت پیدا فرما دیتے ہیں۔

الحکیم: بڑی حکمت والا، وہ بڑا دانا اور علم و حکمت والا ہے، اس کی حکمت و مصلحت کو کوئی سمجھ بھی نہیں سکتا، بندے کو چاہیے کہ وہ علم و حکمت کو حاصل کرنے کی انتھک جد و جہد اور مسلسل کوشش کرتا رہے، تا کہ اسے نور علم اور اللہ جل جلالہ کی معرفت حاصل ہو، اس حکمت کو قرآن مجید میں ''خیر کثیر'' (بہت زیادہ بھلائی) کہا گیا ہے۔

خاصیت: اگر کسی شخص کو اپنے کسی جائز کام میں پریشانی ہو، اور وہ پورا نہ ہو رہا ہو، تو اسے چاہیے کہ اس مبارک نام کو پابندی کے ساتھ بکثرت پڑھے، انشاء اللہ اس کا کام پورا ہو جائے گا۔

الودود: بہت محبت کرنے والا، لفظ ''ودود'' یا تو مفعول کے معنی میں ہے، مطلب یہ ہے کہ اللہ جل جلالہ بندوں اور اولیاء کرام کا محبوب ہے، اس سے سب محبت کرتے ہیں، اور یا یہ لفظ فاعل کے معنی میں ہے، یعنی اللہ تعالیٰ اپنے نیک بندوں سے محبت کرتا ہے اور ان سے خوش ہوتا ہے، اس میں یہ پیغام ہے کہ مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ سے دل سے محبت کرنی چاہیے اور یہ کہ ایک مسلمان دوسرے مسلمان سے محبت کرے اور اس کے لئے وہی کچھ پسند کرے جو اپنے لئے پسند کرتا ہے، ان صفات سے ایمان کو کمال کا درجہ حاصل ہوتا ہے۔

خاصیت: میاں بیوی کے درمیان ناچاقی اور جھگڑا ہو تو یہ اسم کھانے کی چیز پر ایک ہزار ایک بار پڑھ کر دم کر دیں، یہ کھانا اسے کھلا دیا جائے جس کی طرف سے ناچاقی ہے، ان شاء اللہ جھگڑا ختم ہو جائے گا، اور آپس میں محبت پیدا ہو جائے گی۔

المجید: بڑا بزرگ، جس کی عظمت و کبریائی کو نہ زبان سے بیان کیا جا سکتا ہے اور نہ نوک قلم سے تحریر کیا جا سکتا ہے، بس انسان کا کام یہ ہے کہ اس کی بڑائی کو ہر وقت ذہن میں رکھے اور ہمہ وقت اس کی اطاعت میں مشغول رہے، اور اسی میں اپنے آپ کو کھپا دے۔

خاصیت: جو شخص کسی سخت بیماری مثلاً برص اور جذام وغیرہ میں مبتلی ہو، وہ ایام بیض یعنی چاند کی ۱۳، ۱۴ اور ۱۵ تاریخ کو روزے رکھے اور افطار کے وقت اس اسم کو بہت پڑھے اور پانی پر دم کر کے پی لے، انشاء اللہ وہ بیماری دور ہو جائے گی۔

الباعث: مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کرنے والا، بندے کے لئے اس میں یہ درس ہے کہ وہ اپنی آخرت کی زندگی کو

سنوارنے کی کوشش کرے، وہ ہمیشہ کی زندگی ہے جس کے بعد نہ اور کوئی زندگی ہے اور نہ موت، وہاں کی عزت بہت بڑی کامیابی اور ناکامی سب سے بڑی ناکامی ہوگی، جس کی تلافی کی کوئی صورت نہیں ہوگی، اس لئے دنیا کو نہیں، آخرت کو بنانے کی فکر اور عمل کیا جائے۔

خاصیت: جو شخص روزانہ سوتے وقت سینے پر ہاتھ رکھ کر ایک سو بار یہ نام پڑھا کرے، انشاء اللہ اس کا دل نور سے پُر اور علم وحکمت سے زندہ ہو جائے گا۔

الشہید: ہر جگہ حاضر و ناظر، اس سے کوئی چیز، کوئی جگہ، کسی بھی وقت پوشیدہ نہیں، وہ ہر وقت، ہر جگہ موجود اور حاضر ہے، جب یہ بات ہے تو پھر بندے کو اپنی عمر کے لمحات کسی بھی ناجائز جگہ اور خلاف شرع کام میں ضائع نہیں کرنے چاہییں کیونکہ بندہ ہر وقت اللہ جل شانہ کی نظروں میں ہے، اللہ ہمیں ایسی کیفیت عطا فرمائے جس سے ہمیں اللہ کے ہر جگہ موجود اور حاضر و ناظر ہونے کا یقین ہو جائے، ایسے میں ہم پھر ہر قسم کی نافرمانی سے محفوظ ہو جائیں گے۔

خاصیت: جس شخص کی بیوی یا اولاد نافرمان ہو، وہ صبح کے وقت اس کی پیشانی پر ہاتھ رکھ کر اکیس مرتبہ یا شہید پڑھ کر دم کرے، انشاء اللہ فرمانبردار بن جائے گا۔

الحق: موجود وثابت ذات، جو ہر جگہ موجود ہے، وہ برحق ہے۔

خواص: ا۔ جو روزانہ ہزار بار اس نام کو پڑھے، ان کے اخلاق اچھے ہو جائیں گے، اور انشاء اللہ اس کی طبیعت کی اصلاح ہو جائے گی، ۲۔ جو روزانہ ایک سو بار لا الہ الا اللہ الملک الحق المبین پڑھے گا اللہ تعالیٰ اسے فقر سے غنا عطا فرمائیں گے، اور انشاء اللہ اس کے تمام معاملات آسانی سے حل ہو جائیں گے، ۳۔ اگر کوئی چیز گم ہو جائے تو ایک چوکور کاغذ لے کر ہر کونے پر اس اسم کو لکھے اور آدھی رات کو ہتھیلی پر کاغذ رکھ کر آسمان کے نیچے کھڑا ہو جائے، اور یہ اسم ایک سو ننانوے بار پڑھے انشاء اللہ گم شدہ چیز مل جائے گی، ۴۔ اگر قیدی آدھی رات کو سر ننگا کر کے ایک سو آٹھ بار یہ اسم پڑھے، انشاء اللہ قید سے خلاصی ہو جائے گی۔

الوکیل: کارساز، کام بنانے والا، ہر ایک کی کفایت کرنے والا، اس نام میں یہ حکم ہے کہ انسانوں کو ایک دوسرے کی خدمت کرنی چاہیے اور آپس میں ایک دوسرے کا ہاتھ بٹانا چاہیے۔

خواص: ا۔ آسمانی بجلی یا کسی آفت کے اندیشہ کے وقت کثرت سے یا وکیل پڑھا جائے تو اللہ تعالیٰ اس سے حفاظت عطا فرماتے ہیں، ۲۔ ہر ضرورت کے لئے اس نام کو پڑھنا بہت مفید ہے، ۳۔ جو اسے بہت پڑھے گا، اللہ تعالیٰ اس کے کاموں کا ذمہ دار ہوگا اور ہر قسم کے خوف سے امن حاصل ہوگا۔

القوی: بڑی طاقت وقوت والا، المتین: شدید قوت والا، لفظ "متین" میں زیادہ مبالغہ ہے، ان دونوں اسماء سے بندے کو یہ حکم دیا جا رہا ہے کہ اللہ نے جو تمہیں طاقت وقدرت دی ہے، اسے دین کے کاموں پر صرف کرے، اسے ناجائز جگہ پر صرف کرنا جائز نہیں۔

خواص: ۱۔ یا قوی کثرت سے پڑھنے سے ہمت میں قوت، ظلم سے حفاظت اور دشمن کے شر سے حفاظت ہو جاتی ہے، ۲۔ جس عورت کا دودھ نہ ہو یا کم ہو، اس کے لئے المتین کو کاغذ پر لکھ کر دھو کر پلائیں، انشاء اللہ دودھ بڑھ جائے گا، پہلے نہیں تھا تو اب جاری ہو جائے گا، ۳۔ بچے کو دودھ چھڑانے کے لئے المتین دس بار لکھ کر اسے پلایا جائے تو بچہ دودھ کے بغیر صبر کرے گا، ۴۔ المتین کو کثرت سے پڑھنے سے مشکلات حل ہوتی ہیں۔

الولی: مددگار، مؤمنوں کو دوست رکھنے والا، تمام جہانوں اور مخلوقات کے متولی، حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اہل ایمان سے محبت کرتا ہے، انہیں اپنا دوست بنالیتا ہے، جبکہ وہ اپنے ایمان میں کامل ہوں، اللہ کی نافرمانی سے سو فیصد پرہیز کرتے ہوں، اللہ ان کی حفاظت فرماتے ہیں اور اگر ان سے کوئی غلطی ہو جائے تو فوراً توبہ کی توفیق عطا فرماتے ہیں۔

خصوصیات: ۱۔ اس اسم کو زیادہ پڑھنے سے اللہ کا قرب نصیب ہوتا ہے، ۲۔ جو شخص اپنی بیوی اور ماتحت ملازم کی عادتوں سے تنگ ہو، خوش نہ ہو، وہ جب ان کے سامنے جائے تو یہ اسم پڑھا کرے انشاء اللہ وہ نیک خصلت ہو جائیں گے، ۳۔ جس کو کوئی مشکل پیش آئے وہ شب جمعہ میں اس اسم کو ہزار بار پڑھے انشاء اللہ مشکل دور ہو جائے گی، اور اسے اولیاء اللہ میں شامل کر دیا جائے گا۔

الحمید: اپنی ذات وصفات کی تعریف کرنے والا، یا وہ ذات جس کی تعریف کی جائے جو حمد وثناء کے قابل اور مستحق ہو، اس میں بندے کے لئے یہ درس ہے کہ وہ اپنے اندر ایسی صفات اور خوبیاں پیدا کرے جس سے وہ لوگوں کی نظروں اور اللہ جل شانہ کے ہاں قابل تعریف ہو جائے۔

خواص: ۱۔ جو شخص ۴۵ دن تک مسلسل ۹۳ بار تنہائی میں یا حمید پڑھا کرے اس کی تمام بری خصلتیں اور عادتیں انشاء اللہ دور ہو جائیں گی، ۲۔ جو شخص اس اسم کو کثرت سے پڑھے اس کے اخلاق وافعال پسندیدہ ہو جائیں گے، ۳۔ جو فحش اور بری باتیں کرنے کا عادی ہو اور اس سے وہ بچ نہ سکے، وہ پیالہ پر الحمید لکھے پھر ۹۰ بار پڑھ کر دم کرے، ان شاء اللہ فحش گوئی اور بدزبانی سے محفوظ رہے گا۔

المحصی: اپنے علم اور شمار میں رکھنے والا، احاطہ کرنے والا، اس کے علم اور شمار سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں، بندے کو چاہیے کہ وہ کسی بھی وقت غفلت میں مبتلی نہ ہو، اس کا ہر سانس یاد الٰہی میں مشغول ہونا چاہیے، ایک حدیث میں ہے کہ "اہل جنت اس لمحے پر حسرت اور افسوس کریں گے جو اللہ کی یاد کے بغیر دنیا میں گذرا ہوگا"، نیز اللہ کی نعمتوں کو سوچ کر ہر طرح کا شکر ادا کرتا رہے، اور اپنے نفس اور اعمال کا مراقبہ اور محاسبہ لیتا رہے، تاکہ وہ اللہ کی نافرمانی کے راستے پر نہ آجائیں۔

خاصیت: جو شخص شب جمعہ میں اس نام کو ایک ہزار ایک مرتبہ پڑھ لیا کرے، اللہ تعالیٰ اسے قبر اور قیامت کے عذاب سے محفوظ رکھے گا۔

المبدئ: پہلی بار پیدا کرنے والا، المعید: دوبارہ زندہ کرنے والا، انسان کو چاہیے کہ وہ ہر وقت اپنی پیدائش کو سامنے

رکھے کہ اللہ جل شانہ نے اسے کس طرح ایک قطرہ ناپاک سے بنایا، اسے کیسے اعضاء عطا فرمائے.... اور یہ کہ میں نے مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہو کر اپنے کئے کا حساب دینا ہے، اس سوچ سے وہ نیکیوں کے حصول میں لگا رہے، اور جو نیکی رہ گئی ہے، اسے بعد میں کرلے، بس کرے ضرور۔

خواص: ۱۔ جسے حمل کے ساقط ہونے کا اندیشہ ہو وہ سحری کے وقت نوے بار المبدی پڑھ کر شہادت کی انگلی، بیوی کے پیٹ کے چاروں طرف پھیر دے، انشاء اللہ حمل ساقط نہ ہوگا اور آسانی سے ولادت ہو جائے گی، ۲۔ جس شخص کا مال چوری ہو گیا ہو، وہ المعید کو بکثرت پڑھے، انشاء اللہ مال مل جائے گا اور جو اسے لکھ کر اپنے پاس رکھ لے، اللہ تعالیٰ اسے تمام مصیبتوں سے نجات عطا فرمائیں گے، ۳۔ اگر کسی شخص کا کوئی عزیز وغیرہ گم ہو گیا ہو اور یہ اس کی آمد یا خیریت کا طلب گار ہو، تو جب گھر کے تمام بندے سو جائیں تو گھر کے چاروں کونوں میں ستر ستر مرتبہ یا معید پڑھے، انشاء اللہ سات روز میں غائب واپس آ جائے گا یا اس کا پتہ چل جائے گا۔

المحیی: زندہ کرنے والا، الممیت: موت دینے والا، بندے کے لئے ان اسماء میں یہ پیغام ہے کہ وہ اپنے اور لوگوں کے دلوں کو علم و معرفت اور ذکر الٰہی سے زندہ کرتا رہے، اور نفسانی خواہشات اور شیطانی کاموں کو موت کی گھاٹ اتارتا رہے، اور اللہ جل شانہ سے یہ دعا مانگتا رہے: اَللّٰهُمَّ اَحْيِنِيْ مَا كَانَتِ الْحَيَاةُ خَيْرًا لِّيْ وَتَوَفَّنِيْ اِذَا كَانَتِ الْوَفَاةُ خَيْرًا لِّيْ وَاجْعَلِ الْحَيَاةَ زِيَادَةً لِّي فِي كُلِّ خَيْرٍ وَاجْعَلِ الْمَوْتَ رَاحَةً لِّي مِنْ كُلِّ شَرٍّ۔ (''اے اللہ! مجھے اس وقت تک زندہ رکھئے جب تک زندہ رہنا میرے لئے بہتر ہو، اور اس وقت مجھے موت دے دینا جب مرنا میرے لئے بہتر ہو، اور میری زندگی کو میرے لئے ہر خیر و بھلائی میں زیادتی کا سبب، اور موت کو میرے لئے ہر قسم کے شر اور برائی سے راحت کا ذریعہ بنادے۔'')

خواص: ۱۔ جو شخص کسی درد، یا ریح، یا کسی عضو کے ضائع ہونے کے خوف میں ہو، وہ اس اسم ''المحیی'' کو سات بار پڑھے، انشاء اللہ محفوظ رہے گا، ۲۔ جو شخص اس نام کو بکثرت پڑھتا رہے انشاء اللہ اس کا دل زندہ ہو جائے گا اور بدن سے اسے خاص طاقت حاصل ہوگی، ۳۔ جو شخص نواسی بار المحیی پڑھ کر اپنے اوپر دم کرے، وہ انشاء اللہ ہر طرح کی قید و بند سے محفوظ رہے گا۔ ۴۔ جس کو فضول خرچی کی عادت ہو یا اس کا نفس نیکی پر آمادہ نہ ہوتا ہو تو وہ اس اسم الممیت کو کثرت سے پڑھے، اس کا ایک طریقہ یہ ہے کہ سوتے وقت سینہ پر ہاتھ رکھ کر الممیت پڑھتے پڑھتے سو جائے، انشاء اللہ اس کا نفس فرمانبردار ہو جائے گا۔

الحی: ہمیشہ، ہمیشہ زندہ رہنے والا، بندے کو چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کی یاد کے ذریعہ اپنے دل کو زندہ رکھے، اور اپنی جان، مال اور وقت اس کی راہ میں قربانی کردے۔

خواص: ۱۔ اس نام کو زیادہ پڑھنے سے بیماریوں سے شفا حاصل ہوتی ہے، ۲۔ جو شخص روزانہ ستر بار اس نام مبارک کو پڑھ لیا کرے، تو اس کی عمر انشاء اللہ دراز ہوگی اور روحانی قوت میں اضافہ ہوگا،

القیوم: خود بھی قائم اور سب کو قائم رکھنے اور سنبھالنے والا، اللہ تعالیٰ نے جب انسانوں کو سنبھالنے کا ذمہ خود لے لیا ہے،

تو اب انہیں اللہ کے ماسوا سے بالکل بے نیاز ہو جانا چاہیے، دنیا کی حرص وہوس اور جاہ ومنصب کو دل سے نکال دے، اسی پر اعتماد اور بھروسہ کرے، اللہ کے راستے خرچ کرنے میں بخل سے کام نہ لے، اور اپنی زندگی کے قیمتی لمحات یاد الٰہی میں مشغول رکھا کرے۔

خواص: ۱۔ اگر کوئی چاہے کہ اس کا دل زندہ ہو جائے اور کبھی نہ مرے، تو وہ ہر دن چالیس بار پڑھا کرے: یا حی یا قیوم لا الہ الا انت، ۲۔ یا حی یا قیوم، اللہ جل شانہ کے اسم اعظم میں سے ہیں، نبی کریم ﷺ نے اپنی بیٹی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو یہ دعا کرنے کی تاکید فرمائی تھی: یَا حَیُّ یَا قَیُّومُ بِرَحْمَتِکَ اَسْتَغِیْثُ، اَصْلِحْ لِیْ شَأْنِیْ کُلَّهٗ وَ لَا تَکِلْنِیْ اِلٰی نَفْسِیْ طَرْفَةَ عَیْنٍ۔

۳۔ سحر کے وقت بلند آواز سے جو شخص اس نام کو پڑھے، تو لوگوں کے دلوں میں اس کی محبت ہو جائے گی، لوگ اسے اپنا دوست بنالیں گے، اور جو اس نام کو زیادہ پڑھے گا، اس کی تمام حاجتیں پوری ہوں گی۔

الواجد: غنی جو کسی چیز میں کسی کا محتاج نہ ہو یا ہر چیز کو پانے والا، بندے کے لئے یہ پیغام ہے کہ وہ ہر چیز کے لئے اللہ کی طرف رجوع کرے، لوگوں سے مستغنی اور بے نیاز رہے۔

خواص: ۱۔ جو شخص کھانا کھاتے وقت ہر نوالے کے ساتھ یا واجد پڑھے تو وہ کھانا اس کے پیٹ میں نور بن جائے گا یعنی اس کا دل نورانی اور روحانی قوت میں اضافے کا باعث ہوگا، ۲۔ اس نام کو زیادہ پڑھنے سے غناء ومالداری حاصل ہوتی ہے۔

الماجد: بزرگی اور بڑائی والا، خاصیت: اس نام کو زیادہ پڑھنے سے آدمی کو لوگوں کے ہاں عزت حاصل ہوتی ہے۔

الواحد، الاحد: ایک اکیلا، ذات وصفات میں یکتا اور منفرد، بندے کے لئے ان اسماء میں یہ پیغام ہے کہ وہ بھی اللہ کی عبادت وطاعت اور اخلاق وصفات میں یکتا انسان بنے، تاکہ دوسروں کے لئے وہ نمونہ اور قابل اقتداء ہو۔

خواص: ۱۔ جو کوئی روزانہ ایک ہزار مرتبہ الواحد الاحد پڑھا کرے، اس کے دل سے انشاء اللہ مخلوق سے محبت اور اس کا خوف جاتا رہے گا، ۲۔ جس شخص کی اولاد نہ ہوتی ہو یا اسے نرینہ اولاد چاہیے ہو، تو وہ اپنے پاس الواحد الاحد لکھ کر رکھے، اور کثرت سے اسے پڑھتا بھی رہے انشاء اللہ اسے اولاد صالح نصیب ہوگی اور نرینہ اولاد بھی اللہ جل شانہ اس کی برکت سے عطا فرمائیں گے۔

الصمد: بے نیاز، بے پروا جو کسی کا محتاج نہیں اور سب اس کے محتاج ہیں، اس میں بندے کو اس طرف متوجہ کیا جا رہا ہے کہ وہ اپنے اندر استغناء کی صفت پیدا کرے، اس کی نظر اللہ جل جلالہ پر ہو، اس کے علاوہ مخلوق کی طرف نظر نہ ہو۔

خواص: ۱۔ جو سحر کے وقت سجدے میں سر رکھ کر ایک سو پندرہ مرتبہ اس اسم کو پڑھے گا، اس کو انشاء اللہ ظاہری اور باطنی سچائی نصیب ہوگی اور کسی ظالم کے ہاتھ گرفتار نہ ہوگا، ۲۔ اس نام کو بکثرت پڑھنے سے مشکلیں آسان ہوتی ہیں، ۳۔ جو شخص باوضو اس نام کا وظیفہ کرے گا وہ انشاء اللہ مخلوق سے بے نیاز ہو جائے گا۔

القادر، المقتدر: پوری قدرت والا، اس کی قدرت کے برابر کسی کی قدرت نہیں، بندے کو چاہیے کہ وہ اپنی تمام تر توانائیاں اور طاقتیں اللہ جل شانہ کی عبادت وطاعت میں لگا دے۔

خواص: ا۔ اگر وضو کے وقت ہر عضو کو دھوتے وقت القادر پڑھتا رہے، تو کسی ظالم کے ہاتھ انشاء اللہ گرفتار نہ ہوگا، اور کوئی دشمن اس پر فتح نہ پائے گا، ۲۔ اگر مشکل پیش آئے تو اکتالیس بار القادر پڑھے وہ کام انشاء اللہ آسانی سے حل ہو جائے گا، ۳۔ جو شخص سو کر اٹھنے کے بعد بکثرت المقتدر کا وظیفہ کرے یا کم از کم بیس مرتبہ پڑھا کرے انشاء اللہ اس کے تمام کام آسان اور درست ہو جائیں گے۔

المقدم: آگے کرنے والا، المؤخر: پیچھے کرنے والا، اللہ تعالیٰ نیکی کرنے والوں کو آگے بڑھاتے ہیں اور اپنا قرب عطا فرماتے ہیں، اور دشمنوں کو اپنے لطف ورحمت سے پیچھے کر دیتے ہیں، ان اسماء میں بندے کے لئے یہ عبرت ہے کہ وہ اللہ کی عبادت اور نیکی کے ذریعہ اپنے آپ کو دوسروں سے آگے کرے، اور نفس وشیطان کی اطاعت نہ کرے، ان کی باتوں کو پس پشت ڈال دے۔

خواص: ا۔ جو شخص جنگ کے وقت المقدم کثرت سے پڑھتا رہے، اللہ تعالیٰ اسے پیش قدمی کی قوت عطا فرمائے گا، دشمنوں سے اسے کوئی نقصان نہ ہوگا، ۲۔ جو شخص المقدم کا وظیفہ کثرت سے کرے گا وہ انشاء اللہ، اللہ تعالیٰ کا فرمانبردار اور اطاعت گذار ہو جائے گا، ۳۔ المؤخر کا وظیفہ پڑھنے سے سچی توبہ نصیب ہوتی ہے، ۴۔ جو اکتالیس بار المؤخر کا ورد کرے گا، اس کا نفس تابع ہو جائے گا۔

الاوّل: سب سے پہلے، الآخر: سب سے پیچھے، وہ اللہ سب چیزوں سے پہلے سے موجود ہے، اس کی اولیت کی کوئی ابتداء نہیں، اور تمام مخلوق کے فنا ہو جانے کے بعد بھی ہمیشہ ہمیشہ کے لئے باقی رہے گا۔

خواص: ا۔ جس شخص کا لڑکا نہ ہو، وہ چالیس دن تک ہر روز چالیس مرتبہ الاوّل پڑھا کرے، انشاء اللہ اس کی مراد پوری ہوگی، اور سب مشکلیں آسان ہوں گی، ۲۔ جو شخص روزانہ ایک ہزار مرتبہ الآخر پڑھا کرے، اس کے دل سے غیر اللہ کی محبت دور ہو جائے گی، اسے نیک اعمال کی توفیق ہوگی اور خاتمہ بالخیر ہوگا۔

الظاہر: ظاہر وآشکارا، الباطن: پوشیدہ وپنہاں، اپنی مصنوعات اور مخلوقات کے اعتبار سے ظاہر وباہر اور آشکارا ہے، اور ذات کی حقیقت وماہیت کے اعتبار سے وہم وگمان سے بھی پوشیدہ اور مخفی ہے۔

خواص: ا۔ نماز اشراق کے بعد پانچ سو مرتبہ الظاہر پڑھنے سے آنکھوں میں روشنی اور دل میں نور پیدا ہوتا ہے، ۲۔ اگر ہوا کے طوفان اور نقصان دہ بارش کا اندیشہ ہو تو بکثرت الظاہر کو پڑھنے سے امان حاصل ہو جاتا ہے، ۳۔ جو شخص دو رکعت ادا کر کے ھو الاول والآخر والظاہر والباطن وھو علی کل شیء قدیر ایک سو پینتالیس بار پڑھا کرے، انشاء اللہ اس کی تمام حاجتیں پوری ہوں گی۔

الوالی: مالک ومتصرف، ہر چیز کا وہ مالک ہے، کارساز اور متصرف ہے، اس کا کوئی شریک نہیں۔

اللہ تعالیٰ نے بندے کو جو چیزیں دنیا میں دی ہیں، انہیں وہ اللہ کی منشاء کے مطابق استعمال کرے، اس طرح کرنے سے وہ اللہ کا قرب حاصل کرسکتا ہے۔

خاصیت: ا۔ جو شخص کثرت سے الوالی کا ورد رکھے گا، وہ انشاء اللہ ناگہانی آفتوں سے محفوظ رہے گا، ۲۔ اگر کسی کو تسخیر کرنے کی نیت سے گیارہ بار پڑھے گا، وہ آدمی اس کا مطیع اور فرمانبردار ہوگا، ۳۔ اس اسم کو زیادہ پڑھنے سے لوگوں کے ہاں انسان عزیز بن جاتا ہے۔

المتعالی: بہت ہی بلند مرتبہ، خاصیت: جو شخص اس اسم کو کثرت سے پڑھے گا اس کی تمام مشکلات دور ہوں گی۔

البر: نہایت احسان کرنے والا، اس نام میں بندے کے لئے یہ پیغام ہے کہ وہ اپنے والدین، اساتذہ، بزرگانِ دین، عزیز واقارب اور تمام دوست واحباب سے حسن سلوک کرے۔

خواص: ا۔ جو کوئی شراب خوری یا بدکاری میں گرفتار ہو، وہ روزانہ سات باریہ اسم پڑھے، انشاء اللہ اس کا دل گناہوں سے ہٹ جائے گا، ۲۔ ہوا کے طوفان کا خوف ہو تو یہ اسم بکثرت پڑھنے سے امن ہو جاتا ہے۔

التواب: بہت زیادہ توبہ قبول کرنے والا، بندے کو اس میں یہ پیغام ہے کہ جب بھی کوئی غلطی سرزد ہو جائے، توفوراً اللہ جل جلالہ کی طرف رجوع کرے، صدقِ دل سے توبہ کی جائے تو اسے ضرور قبول کیا جاتا ہے۔

خاصیت: جو شخص نماز چاشت کے بعد یہ دعا کرے: اللھم اغفرلی وتب علی انک انت التواب الرحیم، ان شاء اللہ اس کے تمام گناہ بخش دیئے جائیں گے۔

المنتقم: بدلہ لینے والا، اللہ تعالیٰ کافروں اور سرکشوں سے عذاب کے ذریعہ بدلہ لیتا ہے، شرعی حدود میں رہتے ہوئے ظلم وزیادتی کا بدلہ لینا جائز ہے، سرے سے ظلم کو معاف کردینا بہت ہی اجروثواب کا باعث ہے۔

خاصیت: جو شخص حق پر ہونے کے باوجود اپنے دشمن سے انتقام نہ لے سکتا ہو، تین جمعہ تک بکثرت یا منتقم پڑھے، اللہ تعالیٰ خود اس سے انشاء اللہ انتقام لے لیں گے۔

العفو: بہت زیادہ معاف کرنے والا، اگر کسی کے ساتھ کوئی شخص ظلم اور زیادتی کرے تو سنت یہ ہے کہ انسان اسے معاف کردے، اس سے بدلہ نہ لے۔

خواص: ا۔ جو شخص کثرت سے العفو پڑھا کرے، انشاء اللہ اس کے گناہوں کو اللہ تعالیٰ معاف فرمادیں گے، اور اسے نیکی کی توفیق ہوگی، ۲۔ اگر اس اسم کے ساتھ الغفور کا اسم بھی ملا دیا جائے، تو یہ قبولیت کے زیادہ قریب ہوگا۔

الرؤف: بہت مہربان، بندے کو اس نام سے یہ پیغام ہے کہ وہ بھی لوگوں کے ساتھ رحم وکرم اور مہربانی کا معاملہ کیا کرے۔

خاصیت: جو اس نام کو کثرت سے پڑھے گا، ظالم کا دل اس پر مہربان ہوگا، اور سب لوگ اس کو دوست رکھیں گے اور اس پر مہربان ہوں گے انشاء اللہ۔

مالک الملک: سارے جہان کا مالک، اس کا کوئی شریک نہیں، ذو الجلال و الاکرام: بزرگی، عظمت وجلال اور انعام واکرام والا، بندے کو یہ پیغام ہے کہ وہ طاعات اور عبادات کے ذریعہ اللہ کے ہاں مقام ولایت حاصل کرنے کی کوشش کرے۔

خواص: ۱۔ جو شخص کثرت سے یا مالک الملک یا ذا الجلال والاکرام پڑھے گا، وہ غنی اور مالدار ہوگا، ۲۔ کثرت سے یا ذا الجلال والاکرام پڑھنے سے اللہ تعالیٰ عزت وعظمت اور مخلوق سے استغناء عطا فرماتے ہیں، ۳۔ جو کوئی روزانہ پابندی سے تین سو تینتیس بار یا مالک الملک یا ذا الجلال والاکرام پڑھے گا دنیا اس کی فرمانبردار رہے گی۔

المقسط: عدل وانصاف کرنے والا، اس نام میں بندے کے لئے وہی پیغام ہے جو العدل میں گذر چکا ہے۔

خواص: ۱۔ جو کوئی روزانہ اس اسم کو پڑھا کرے وہ انشاء اللہ شیطانی وسوسوں سے محفوظ رہے گا، ۲۔ اگر کسی خاص اور جائز مقصد کے لئے سات سو مرتبہ اس اسم کو پڑھے گا انشاء اللہ وہ مقصد پورا ہوگا۔

الجامع: قیامت کے دن سب کو جمع کرنے والا، بندے کو چاہیے کہ وہ علم وعمل، کامل صفات اور اعلیٰ اخلاق کو اپنے اندر جمع کرنے کی مسلسل کوشش کرتا رہے۔

خاصیت: اپنے بچھڑے ہوئے رشتہ داروں سے ملنے کے لئے اس اسم کا ایک سو چودہ بار کھلے آسمان کے نیچے پڑھنا بہت مفید ہے۔

الغنی: بڑا بے نیاز وبے پروا، خاصیت: جو شخص ستر بار روزانہ یا غنی پڑھا کرے، اللہ تعالیٰ اس کے مال میں برکت عطا فرمائے گا اور انشاء اللہ کسی کا محتاج نہ رہے گا۔

المغنی: بے نیاز اور غنی بنا دینے والا، بندے کو چاہیے کہ اپنے اندر استغناء کی صفت پیدا کرے اور اللہ کے علاوہ کسی کو حاجت روا قرار نہ دے۔

خاصیت: جو شخص اول اور آخر میں گیارہ گیارہ مرتبہ درود شریف پڑھ کر گیارہ سو مرتبہ یہ اسم پڑھے، اللہ تعالیٰ اس کو ظاہری وباطنی غنا عطا فرمائے گا، یہ عمل فجر اور عشاء کی نماز کے بعد کرے اور اس کے ساتھ سورہ مزمل کی بھی تلاوت کرے، نیز اس اسم کو کثرت سے پڑھنے سے استغناء کی صفت حاصل ہوتی ہے۔

المانع: روکنے والا، اللہ تعالیٰ اپنے اطاعت گذار بندوں کو دین ودنیا کے نقصان اور ہلاکت سے باز رکھتا ہے، بندے کو یہ پیغام ہے کہ اپنے آپ کو نفسانی خواہشات سے روک کر رکھے، تاکہ وہ دینی اور دنیاوی ہلاکت اور نقصان سے محفوظ رہے۔

خواص: ۱۔ اگر بیوی سے جھگڑا یا ناچاقی ہو، تو بستر پر لیٹتے وقت بیس مرتبہ یہ اسم پڑھا کرے، انشاء اللہ جھگڑا ختم اور ناچاقی دور ہو جائے گی، اور باہمی الفت ومحبت پیدا ہو جائے گی، ۲۔ بکثرت اس نام کو پڑھنے سے ہر شر سے حفاظت رہتی ہے، اور جائز

مقصد بھی حاصل ہوجاتا ہے،

الضار: ضرر اور نقصان پہنچانے والا، النافع: نفع پہنچانے والا، ان اسماء میں اس طرف اشارہ ہے کہ ضرر نفع اور ہر چیز اللہ تعالیٰ کی قضاء وقدر سے ہے، جو اس تقدیر پر راضی رہے گا، وہ راحت وسکون سے رہے گا، اور جو قضاء وقدر پر خوش نہ ہو، وہ آفت ومصیبت میں مبتلی ہو جائے گا۔

خواص: ۱۔ جو شخص شب جمعہ میں سو مرتبہ الضار پڑھا کرے، وہ انشاء اللہ تمام ظاہری اور باطنی آفتوں سے محفوظ رہے گا، اور اسے اللہ کا قرب حاصل ہوگا، ۲۔ شب جمعہ میں سو بار الضار النافع پڑھنے سے قوم میں عزت اور جسمانی طور پر عافیت نصیب ہوتی ہے، ۳۔ جو شخص کشتی اور سواری پر سوار ہونے کے بعد یا نافع کثرت سے پڑھے، وہ انشاء اللہ تمام آفات سے محفوظ رہے گا، ۴۔ جو شخص کسی کام کو شروع کرتے وقت اکتالیس مرتبہ یا نافع پڑھا کرے، تو اس کے تمام کام خواہش کے مطابق انجام پذیر ہوں گے۔

النور: روشنی والا، اللہ جل جلالہ آسمان کو ستاروں کے ساتھ، زمین کو انبیاء اور اولیاء وغیرہ کے ذریعہ، اور مسلمانوں کے قلوب کو نور معرفت اور طاعت کے ذریعہ روشن کرتا ہے، بندے کو چاہیے کہ وہ ایمان ومعرفت کے نور سے اپنے نفس کو آراستہ کرے۔

خاصیت: جو شخص شب جمعہ میں سات مرتبہ سورہ نور اور ایک ہزار بار اس اسم کو پڑھے، ان شاء اللہ اس کا دل، اللہ کے نور سے منور ہو جائے گا۔

الهادي: راستہ دکھانے والا، انسان کے لئے اس میں یہ پیغام ہے کہ وہ اپنی طاقت کے بقدر لوگوں کو حکمت کے ساتھ سیدھے راستے پر لانے کی کوشش کرتا رہے، خاصیت: اس نام کو زیادہ پڑھنے سے آدمی کو اللہ کی معرفت حاصل ہوتی ہے۔

البديع: بغیر کسی مثال سابق اور نمونے کے پہلی بار پیدا کرنے والا، ایجاد کرنے والا۔

خواص: ۱۔ جس شخص کو کوئی غم، مصیبت یا کوئی بھی مشکل پیش آئے، وہ ایک ہزار مرتبہ یا بديع السموات والارض پڑھے انشاء اللہ کشادگی حاصل ہوگی، ۲۔ جو نماز عشاء کے بعد یا بديع العجائب بالخير يا بديع بارہ سو مرتبہ بارہ دن پڑھے گا، تو جس کام یا مقصد کے لئے پڑھے گا، انشاء اللہ اس عمل کے پورا ہونے سے پہلے وہ کام یا مقصد حاصل ہو جائے گا، ۳۔ کسی غم یا اہم حاجت کے لئے ستر ہزار مرتبہ یا بديع السموات والارض پڑھے انشاء اللہ غم دور ہوگا اور حاجت پوری ہوگی۔

الباقي: ہمیشہ باقی رہنے والا، خاصیت: شب جمعہ میں ایک ہزار بار پڑھنے سے اللہ تعالیٰ اس کی برکت سے ہر قسم کے ضرر اور نقصان سے محفوظ رکھتے ہیں۔

الوارث: سب کے فنا ہو جانے کے بعد باقی رہنے والا، اس میں یہ پیغام ہے کہ انسان مال ودولت اور میراث کے جمع کرنے کی فکر میں نہ رہے، بلکہ یہ فکر کرے کہ میرا کوئی صدقہ جاریہ ہو جائے، کوئی شاگرد تیار ہو جائے، کوئی تصنیف وتالیف چھوڑ

جائے الغرض کوئی بھی ایسا کام کرجائے جس کا فائدہ اس کے مرنے کے بعد بھی لوگ اس سے اٹھا رہے ہوں تو اس کا ثواب اسے پہنچتا رہتا ہے۔

خاصیت: جو شخص طلوع آفتاب کے وقت سو مرتبہ یا وارث پڑھے گا، انشاء اللہ دنیا و آخرت میں ہر رنج وغم اور سختی و مصیبت سے محفوظ رہے گا۔

الرشید: سب کا رہنما، بندے کو چاہیے کہ اللہ سے ہدایت مانگتا رہے، تاکہ اسے صراط مستقیم پر چلنا نصیب ہو جائے۔

خاصیت: جسکو اپنے کسی کام یا مقصد کی تدبیر سمجھ میں نہ آئے وہ مغرب وعشاء کے درمیان ایک ہزار بار یا رشید پڑھے انشاء اللہ خواب میں تدبیر نظر آئے گی یا اس کے دل میں بات ڈال دی جائے گی۔

الصبور: بڑا بردبار کہ گنہگار کو عذاب دینے میں جلدی نہیں کرتا، موقع دیتا ہے کہ شاید وہ توبہ کرلے اور عذاب سے بچ جائے، اور اگر توبہ کے بغیر دنیا سے چلا جائے تو اگر اللہ چاہے تو اسے عذاب دے سکتے ہیں۔

خواص: ۱۔ جو شخص طلوعِ آفتاب سے پہلے سو مرتبہ یا صبور پڑھے وہ انشاء اللہ ہر مصیبت سے محفوظ رہے گا، دشمنوں اور حاسدوں کی زبانیں بند ہوں گی، ۲۔ جس کو درد، رنج یا مصیبت پیش آئے وہ ۳۳ بار اس اسم کو پڑھے انشاء اللہ اطمینان حاصل ہو گا۔(۱)

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِذَا مَرَرْتُمْ بِرِيَاضِ الجَنَّةِ فَارْتَعُوا. قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللهِ وَمَا رِيَاضُ الجَنَّةِ؟ قَالَ: المَسَاجِدُ، قُلْتُ: وَمَا الرَّتْعُ يَا رَسُولَ اللهِ؟ قَالَ: سُبْحَانَ اللهِ وَالحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ وَاللهُ أَكْبَرُ. (۲)

حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب تم جنت کے باغات کے پاس سے گذرو تو وہاں چر لیا کرو، میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! باغ کیا ہیں؟ آپ نے فرمایا: وہ مسجدیں ہیں، میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! ان میں چرنا کس طرح ہوگا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: سبحان اللہ والحمد للہ ولا الہ الا اللہ واللہ اکبر۔

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: إِذَا مَرَرْتُمْ بِرِيَاضِ الجَنَّةِ فَارْتَعُوا قَالُوا: وَمَا رِيَاضُ الجَنَّةِ؟ قَالَ: حِلَقُ الذِّكْرِ. (۳)

حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اگر تم جنت کے باغوں پر سے گذرو، تو وہاں چر لیا کرو، صحابہ نے پوچھا کہ جنت کے باغ کیا ہیں؟ فرمایا: ذکر کے حلقے۔

---

(۱) مرقاۃ المفاتیح ۵/۱۶۸، کتاب الدعوات، باب أسماء اللہ تعالیٰ۔

(۲) الترغیب والترھیب للمنذری، رقم: ۲۳۲۳۔

(۳) مسند احمد ۳/۱۵۰، عن أنس۔

مشکل الفاظ کے معنی: ریاض: روضۃ کی جمع ہے: باغات، فارتعوا: رتع سے صیغہ امر: تم چرلیا کرو، حلق: (حاء کے نیچے زیر اور لام پر زبر) حلقۃ کی جمع ہے: مجالس، وما الرتع: چرنا کیا ہے؟

دنیا میں جنت کے باغات

مذکورہ احادیث میں تین امور کا ذکر ہے:

۱۔ دنیا میں مسجدیں جنت کے باغات ہیں، اور زمین کے سب سے افضل خطے ہیں۔

۲۔ مساجد میں جا کر اللہ کی عبادت ذکر و تلاوت اور دعائیں مانگی جائیں، ذکر و فکر، درس و تدریس، اور اصلاحی بیانات کی مجلسیں اور حلقے لگائے جائیں چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے بعد صحابہ کرام کا یہی عمل تھا اور اب تک امت کے نیک لوگوں کا یہی عمل چلا آ رہا ہے، اللہ تعالیٰ اخلاص عطا فرمائے۔

۳۔ نیز اس حدیث سے ذکر کے اجتماعی حلقوں اور مجلسوں کا جواز ثابت ہوتا ہے۔(۱)

بَاب مِنْهُ: عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: إِذَا أَصَابَ أَحَدَكُمْ مُصِيبَةٌ فَلْيَقُلْ: إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ، اللَّهُمَّ عِنْدَكَ أَحْتَسِبُ مُصِيبَتِي، فَأْجُرْنِي فِيهَا، وَأَبْدِلْنِي مِنْهَا خَيْرًا، فَلَمَّا احْتُضِرَ أَبُو سَلَمَةَ، قَالَ: اللَّهُمَّ اخْلُفْ فِي أَهْلِي خَيْرًا مِنِّي، فَلَمَّا قُبِضَ قَالَتْ: أُمُّ سَلَمَةَ: إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ، عِنْدَ اللهِ أَحْتَسِبُ مُصِيبَتِي فَأْجُرْنِي فِيهَا.(۲)

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا، حضرت ابو سلمہ سے نقل کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے کسی کو کوئی مصیبت پہنچے، تو اسے چاہیے کہ وہ یہ پڑھے: انا للہ و انا الیہ راجعون (یقیناً ہم سب اللہ جل شانہ کی ملکیت میں ہیں اور اسی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں، اے اللہ میں اپنی مصیبت کا ثواب تجھ سے چاہتا ہوں، مجھے تو اس میں اجر عطا فرما، اور مجھے اس کے بدلے بہتر چیز عنایت فرما دے) پھر جب ابو سلمہ کی وفات کا وقت قریب آیا، تو انہوں نے دعا کی: اے اللہ میری بیوی کو مجھ سے بہتر شخص عطا فرما، جب ابو سلمہ فوت ہو گئے تو ام سلمہ نے یہ دعا کی: انا للہ و انا الیہ راجعون، عند اللہ احتسب مصیبتی فأجرنی فیھا، (ہم سب اللہ ہی کی ملک میں ہیں اور اسی کی طرف ہم لوٹ کر جانے والے ہیں، میں اللہ ہی سے اپنی مصیبت کا اجر چاہتی ہوں، لہٰذا مجھے تو اے اللہ: اس مصیبت میں اجر و ثواب عطا فرما دے)

مشکل الفاظ کے معنی: احتسب: (صیغہ واحد متکلم) میں ثواب کی امید رکھتا ہوں، فأجرنی فیھا: اس لفظ کو باب نصر اور باب

---

(۱) مرقاۃ المفاتیح ۵/۱۵۵، کتاب الدعوات باب ذکر اللہ عزوجل، رقم: ۲۳۷۱۔

(۲) سنن ابن ماجۃ، کتاب الجنائز، باب ماجاء فی الصبر علی المصیبۃ۔

افعال دونوں سے پڑھا جاسکتا ہے، باب نصر سے صیغہ امر: ہمزہ ساکن اور جیم پر پیش ہوگا، اور ایجار سے ہوتو ہمزے پر مد اور جیم کے نیچے زیر ہوگی، دونوں صورتوں میں ترجمہ یہی ہے: اس مصیبت میں مجھے اجر وثواب عطا فرما، فلما احتضر: (صیغہ مجھول) جب ابو سلمہ کی وفات کا وقت قریب آیا، اخلف: اس لفظ کو باب نصر اور باب افعال دونوں سے پڑھا جا سکتا ہے: باب نصر کی صورت میں خاء ساکن اور لام پر پیش ہوگا، اور باب افعال سے ہوتو ہمزے پر زبر، خاء ساکن اور لام کے نیچے زیر ہوگا: تو جانشین عطا فرما، فی اھلی: میری اہل میں، یعنی میری بیوی کو۔

حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ

حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کا اصل نام عبداللہ بن عبدالاسد ہے، سابقین فی الاسلام میں سے ہیں، چنانچہ دس آدمیوں کے بعد انہوں نے اسلام قبول کرلیا تھا، اور یہ نبی کریم ﷺ کے رضاعی بھائی تھے، ان کی شادی آپ کی پھوپھی حضرت برہ بنت عبدالمطلب کی بیٹی حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے ہوئی تھی، مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کے بعد غزوہ بدر اور احد میں بھی شریک ہوئے، غزوہ احد میں ان کو ایک ایسا زخم لگ گیا تھا کہ پھر اسی میں سن چار ہجری میں ان کی وفات ہوگئی۔(۱)

مصیبت کے وقت انا للہ... پڑھنے کی برکت

جب کوئی شخص کسی تکلیف اور مصیبت میں مبتلی ہو اور وہ انا للہ.... اور مذکورہ دعا پڑھ لے تو اللہ تعالیٰ اس مصیبت کا نعم البدل اور اچھا بدلہ عطا فرما دیتے ہیں چنانچہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے شوہر حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کی جب وفات ہوئی، تو حضرت ام سلمہ نے انا للہ.... پڑھا تو اللہ تعالیٰ نے حضرت ابوسلمہ سے بہتر شوہر ان کو عطا فرما دیا اور ان کی شادی سرکار دو عالم نبی کریم ﷺ سے ہوگئی۔

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، أَنَّ رَجُلًا جَاءَ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ أَيُّ الدُّعَاءِ أَفْضَلُ؟ قَالَ: سَلْ رَبَّكَ العَافِيَةَ وَالمُعَافَاةَ فِي الدُّنْيَا وَالآخِرَةِ، ثُمَّ أَتَاهُ فِي اليَوْمِ الثَّانِي فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ أَيُّ الدُّعَاءِ أَفْضَلُ؟ فَقَالَ لَهُ مِثْلَ ذَلِكَ، ثُمَّ أَتَاهُ فِي اليَوْمِ الثَّالِثِ فَقَالَ لَهُ مِثْلَ ذَلِكَ، قَالَ: فَإِذَا أُعْطِيتَ العَافِيَةَ فِي الدُّنْيَا، وَأُعْطِيتَهَا فِي الآخِرَةِ فَقَدْ أَفْلَحْتَ.(۲)

حضرت انس بن مالک سے روایت ہے کہ ایک شخص نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا: یا رسول اللہ! کون سی دعا زیادہ فضیلت والی ہے؟ آپ نے فرمایا: اپنے رب سے دنیا اور آخرت میں عافیت اور عفو و درگذر مانگا

(۱) الاصابة ۲/۱۰۸۰، رقم: ۴۷۸۵

(۲) سنن ابن ماجة، كتاب الدعاء، باب الدعاء بالعفو، رقم: ۳۸۴۸

کرو، وہ دوسرے دن پھر حاضر ہوا اور عرض کیا یا رسول اللہ! کونسی دعا زیادہ فضیلت والی ہے؟ آپ نے اسے وہی سابقہ جواب دیا، تیسرے دن پھر وہ آیا اور وہی سوال کیا، آپ ﷺ نے فرمایا: جب تمہیں دنیا اور آخرت دونوں میں عافیت عطا کردی گئی تو واقعی تم کامیاب ہوگئے۔

عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللهِ أَرَأَيْتَ إِنْ عَلِمْتُ أَيُّ لَيْلَةٍ لَيْلَةُ القَدْرِ، مَا أَقُولُ فِيهَا؟ قَالَ: قُولِي: اللَّهُمَّ إِنَّكَ عَفُوٌّ، تُحِبُّ العَفْوَ فَاعْفُ عَنِّي.(۱)

حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ: اگر مجھے معلوم ہوجائے کہ شب قدر کونسی ہے تو میں اس میں کیا دعا کروں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: تم یہ دعا مانگنا: **اللَّهُمَّ إِنَّكَ عَفُوٌّ، تُحِبُّ العَفْوَ فَاعْفُ عَنِّي** (اے اللہ تو ہی معاف کرنے والا ہے، معافی کو پسند کرتا ہے، لہذا مجھے معاف کردے)۔

عَنِ العَبَّاسِ بْنِ عَبْدِ المُطَّلِبِ، قَالَ: قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللهِ عَلِّمْنِي شَيْئًا، أَسْأَلُهُ اللهَ عَزَّ وَجَلَّ، قَالَ: سَلِ اللهَ العَافِيَةَ، فَمَكَثْتُ أَيَّامًا ثُمَّ جِئْتُ فَقُلْتُ: يَا رَسُولَ اللهِ عَلِّمْنِي شَيْئًا، أَسْأَلُهُ اللهَ، فَقَالَ لِي: يَا عَبَّاسُ، يَا عَمَّ رَسُولِ اللهِ: سَلِ اللهَ، العَافِيَةَ فِي الدُّنْيَا وَالآخِرَةِ.(۲)

حضرت عباس بن عبد المطلب فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! مجھے ایسی کوئی چیز سکھادیجئے، جسے میں اپنے رب سے مانگا کروں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: تم اللہ جل شانہ سے عافیت مانگا کرو، پھر چند دن میں ٹھہرا، پھر میں آیا اور عرض کیا: اے اللہ کے رسول! مجھے ایسی کوئی چیز سکھادیجئے، جسے میں اللہ سے مانگوں؟ آپ نے مجھ سے فرمایا: اے عباس، اے اللہ کے رسول کے چچا: اللہ جل شانہ سے دنیا اور آخرت میں عافیت مانگا کرو۔

عافیت کی دعا مانگنے کا حکم

مذکورہ احادیث میں نبی کریم ﷺ نے دنیا اور آخرت دونوں میں عافیت اور معافی مانگنے کی تاکید اور ترغیب دی ہے، مختلف موقعوں میں آپ سے پوچھا گیا کہ کون سی دعا سب سے زیادہ فضیلت کی حامل ہے، تو آپ یہی جواب دیتے رہے کہ دنیا اور آخرت میں اللہ سے عافیت اور معافی مانگا کرو، کیونکہ یہی اصل فلاح اور کامیابی ہے، لیلۃ القدر میں بھی یہی دعا مانگنے کا آپ نے ارشاد فرمایا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ سے اپنے لئے کسی آزمائش اور بیماری کا سوال نہ کیا جائے، اس قسم کی دعا اسلام کی نظر میں پسندیدہ نہیں، لہذا ہر موقع پر اللہ سے عافیت اور عفو و درگذر کی دعا کرنی چاہیے۔

"عافیت" کا مطلب یہ ہے کہ انسان ہر قسم کی بیماری سے محفوظ ہو، اس پر کوئی آزمائش نہ آئے، اور "معافاۃ" کے معنی یہ

---

(۱) سنن ابن ماجۃ، کتاب الدعاء، باب الدعاء بالعفو، رقم: ۳۸۵۰۔

(۲) الأدب المفرد للبخاری (ص: ۲۱۳) رقم: ۷۲۶

ہیں کہ اللہ تعالیٰ انسان کو لوگوں کی تکلیف اور ایذاء سے اور لوگوں کو اس کی ایذاء اور شر سے بچا کر رکھے، اور اللہ تعالیٰ اس آدمی کو معاف کردے اور انسان لوگوں سے عفو ودرگذر کا معاملہ کرے۔(۱)

عَنْ أَبِي بَكْرٍ الصِّدِّيقِ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ إِذَا أَرَادَ أَمْرًا قَالَ: اللَّهُمَّ خِرْ لِي وَاخْتَرْ لِي۔(۲)

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ جب کسی کام کا ارادہ فرماتے، تو یہ دعا فرماتے:
اللهم خرلی واخترلی (اے اللہ میرے لئے بہتر کر، اور بہتر چیز کا انتخاب فرما)۔

استخارہ کی مختصر دعا

اس حدیث میں استخارہ کی مختصر دعا کا ذکر ہے کہ جب بھی انسان کوئی معاملہ کرنے لگے مثلاً کوئی چیز خریدنے لگے یا فروخت کرنے لگے یا اور کوئی امر درپیش ہو تو اس سے پہلے دل ہی دل میں اللہ جل شانہ سے یہ دعا کرلے، تاکہ اللہ تعالیٰ اس کے لئے اس میں خیر پیدا فرمادیں، نبی کریم ﷺ کا یہی معمول تھا۔

عَنْ أَبِي مَالِكٍ الْأَشْعَرِيِّ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: الْوُضُوءُ شَطْرُ الْإِيمَانِ، وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ تَمْلَأُ الْمِيزَانَ، وَسُبْحَانَ اللهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ تَمْلَآنِ أَوْ تَمْلَأُ مَا بَيْنَ السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضِ، وَالصَّلَاةُ نُورٌ، وَالصَّدَقَةُ بُرْهَانٌ، وَالصَّبْرُ ضِيَاءٌ، وَالْقُرْآنُ حُجَّةٌ لَكَ أَوْ عَلَيْكَ، كُلُّ النَّاسِ يَغْدُو فَبَائِعٌ نَفْسَهُ، فَمُعْتِقُهَا أَوْ مُوبِقُهَا۔(۳)

حضرت ابومالک اشعری کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: وضو نصف ایمان ہے، الحمد للہ ترازو کو بھر دیتا ہے، اور سبحان اللہ والحمد للہ اس چیز کو بھر دیتے ہیں، جو آسمانوں اور زمین کے درمیان ہے، نماز ایک نور اور روشنی ہے، صدقہ دلیل ہے، صبر ایک روشنی ہے، قرآن مجید تیرے حق میں یا تیرے خلاف دلیل ہوگا، اور ہر شخص اس طرح صبح کرتا ہے کہ وہ اپنے نفس کو بیچ رہا ہوتا ہے، یا تو وہ اسے (طاعت کے ذریعہ جہنم کی آگ سے) آزاد کرنے والا ہوتا ہے یا (نافرمانی کی وجہ سے) اس نفس کو ہلاک کرنے والا ہوتا ہے۔

عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: التَّسْبِيحُ نِصْفُ الْمِيزَانِ، وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ يَمْلَؤُهُ، وَلَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ لَيْسَ لَهَا دُونَ اللهِ حِجَابٌ حَتّٰى تَخْلُصَ إِلَيْهِ۔(۴)

---

(۱) مرقاۃ المفاتیح ۳۹۶/۵، کتاب الدعوات، باب جامع الدعاء، رقم: ۲۴۸۹۔
(۲) شرح السنۃ للبغوی، رقم: ۱۰۱۲۔
(۳) الصحیح لمسلم، کتاب الطهور، باب فضل الوضوء، رقم: ۲۲۳۔
(۴) الترغیب والترهیب للمنذری، رقم: ۲۲۶۹۔

حضرت عبداللہ بن عمرو کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: سبحان اللہ (اجر سے) آدھے ترازو (کو بھر دیتا) ہے اور الحمد للہ اسے بھر دیتا ہے، اور لا الہ الا اللہ اور اللہ کے درمیان کوئی پردہ (اور رکاوٹ) نہیں، یہاں تک کہ کلمہ لا الہ.... اللہ کے پاس (فوراً) پہنچ جاتا ہے۔

عَنْ رَجُلٍ، مِنْ بَنِي سُلَيْمٍ، قَالَ: عَدَّهُنَّ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي يَدِي أَوْ فِي يَدِهِ: التَّسْبِيحُ نِصْفُ الْمِيزَانِ، وَالْحَمْدُ يَمْلَؤُهُ، وَالتَّكْبِيرُ يَمْلَأُ مَا بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ، وَالصَّوْمُ نِصْفُ الصَّبْرِ، وَالطُّهُورُ نِصْفُ الْإِيمَانِ.(۱)

قبیلہ بنو سلیم کے ایک شخص فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے میرے ہاتھ یا اپنے ہاتھ پر یہ چیزیں شمار کر کے بتائیں کہ سبحان اللہ آدھا ترازو ہے (یعنی آدھے ترازو کو اجر سے بھر دیتا ہے) اور الحمد للہ اس ترازو کو بھر دیتا ہے، اور اللہ اکبر آسمان و زمین کے درمیان خلا کو بھر دیتا ہے، روزہ آدھا صبر ہے اور پاکی نصف ایمان ہے۔

مشکل الفاظ کے معنی: برهان: دلیل، یغدو: صبح کرتا ہے، معتقها: (اعتاق سے صیغہ اسم فاعل) اس نفس کو آزاد کرنے والا ہے، موبقها: (ایاقتہ سے اسم فاعل) اس نفس کو ہلاک کرنے والا ہے، حتی تخلص الیه: (تاء پر زبر، خاء ساکن اور لام پر پیش) یہاں تک کہ لا الہ الا اللہ کا کلمہ اللہ تک پہنچ جاتا ہے، حجاب: رکاوٹ، پردہ، عدهن: رسول اللہ ﷺ نے ان تسبیحات کو شمار کیا، اس میں "هن" ضمیر بعد میں ذکر کردہ تسبیحات کی طرف لوٹ رہی ہے، جیسے قرآن مجید کی آیت: فسوهن سبع سموات میں "هن" ضمیر "سبع سموات" کی طرف لوٹ رہی ہے۔

تسبیح وتحمید اور لا الہ الا اللہ کے فضائل

مذکورہ احادیث میں درج ذیل امور بیان کئے گئے ہیں:

۱۔ سبحان اللہ اور الحمد للہ اتنی عظمت والے کلمات ہیں کہ اگر ان کا جسم فرض کر لیا جائے تو آسمان و زمین کے درمیانے حصے کو بھر دیں، اور ان پر اتنا زیادہ اجر و ثواب ملتا ہے کہ سبحان اللہ کو قیامت کے دن جب ترازو پر رکھا جائے گا تو یہ آدھے ترازو کو بھر دے گا، ایسے ہی الحمد للہ کا کلمہ بھی حقیقۃً ترازو کو یا پورے ترازو کو بھر دے گا، اور لا الہ الا اللہ کا کلمہ بھی اس قدر فضیلت والا ہے کہ اس پر اتنا زیادہ اجر و ثواب ملتا ہے کہ آسمان و زمین کی درمیانی فضا کو بھر دے اور یہ کلمہ براہ راست اللہ جل شانہ تک بغیر کسی رکاوٹ کے پہنچ جاتا ہے یعنی اسے فوراً قبولیت کا شرف حاصل ہو جاتا ہے۔(۲)

۲۔ پاکیزگی اور طہارت کو نصف ایمان قرار دیا گیا ہے، کیونکہ ایمان سے چھوٹے اور بڑے سب گناہ معاف ہو جاتے ہیں،

---

(۱) ایضاً، رقم: ۲۳۰۱۔

(۲) مرقاۃ المفاتیح ۵/۲۲۳، کتاب الدعوات باب ثواب التسبیح، رقم: ۲۳۱۳۔

جبکہ وضو سے صرف چھوٹے گناہ معاف ہوتے ہیں، اس لئے طہارت کو ایمان کا نصف کہا ہے، نیز وضو ایمان پر موقوف ہے، اس لحاظ سے طہارت ایمان کا جزء ہے۔

بعض حضرات کے نزدیک "الطھور شطر الایمان" میں "ایمان" سے نماز مراد ہے جیسے قرآنی آیت: وما کان اللہ لیضیع ایمانکم میں ایمان سے نماز مراد ہے۔

۳۔ نماز نور ہے، کس وجہ سے: ۞ نماز قبر کے اندھیرے اور قیامت کی تاریکی میں روشنی کا مینارہ ہوگی، ۞ نماز روشنی کی مانند ہے جو مومن کو گناہوں اور بری باتوں سے بچاتی ہے، اچھے کاموں اور ثواب کی طرف رہنمائی کرتی ہے، ۞ اس سے مؤمن کو اللہ کی معرفت حاصل ہوتی ہے، اسے پابندی اور مکمل آداب و شرائط کے ساتھ پڑھنے سے چہرے پر ایک خاص نور اور چمک پیدا ہوتی ہے۔

۴۔ صدقہ برہان اور دلیل ہے، اسے برہان اور دلیل دو وجہ سے کہا گیا ہے:

۞ جو شخص اللہ کے راستے میں مال خرچ کرتا ہے تو یہ اس کے مخلص ایماندار ہونے کی دلیل اور علامت ہے، کیونکہ منافق اللہ کے راستے میں خرچ نہیں کرتا، گویا صدقہ اس بات کی دلیل ہے کہ یہ اللہ کے ساتھ ایمان کے دعویٰ میں سچا ہے۔

۞ قیامت کے دن جب مالدار سے پوچھا جائے گا کہ تم نے مال کو کہاں خرچ کیا، اچھی جگہ یا برے مصرف پر تو یہ جواب میں کہے گا کہ یا اللہ میں نے تیرے راستے میں خرچ کیا ہے، یہ صدقہ اس دن اس کے لئے برہان اور دلیل ثابت ہوگا۔

۵۔ صبر ایک روشنی ہے، کیونکہ جو شخص اللہ کی اطاعت پر صبر واستقامت اور گناہوں سے بچنے پر صبر اور مداومت کرتا ہے تو وہ گویا سیدھے راستے پر چل پڑا ہے، اور اسے ہدایت حاصل ہوگئی، ایسے آدمی کو اللہ کی جانب سے ایک خاص نور حاصل ہو جاتا ہے۔

۶۔ قرآن مجید کی تلاوت اور اس پر عمل کیا جائے تو قیامت کے دن یہ اس آدمی کے حق میں دلیل ہوگا اور جس نے اس کی تعلیمات کے مطابق زندگی نہ گذاری، اس پر عمل نہ کیا تو پھر یہ قرآن اس کے خلاف حجت اور دلیل ہوگا۔

۷۔ صبح اٹھنے کے بعد ہر انسان اپنے کام میں مشغول ہو جاتا ہے، اگر وہ جائز کام میں مشغول ہو، اللہ کی اطاعت والے اعمال ہوں تو اس نے گویا اپنے نفس کو ہلاکت اور عذاب سے آزاد کرا لیا، اور اگر اپنی خواہشات کے مطابق اعمال میں مصروف ہو جائے، شریعت کا اسے کوئی لحاظ نہ ہو تو اس نے اپنے کو تباہی کے گڑھے میں ڈال دیا۔

۸۔ روزہ نصف صبر ہے، صبر میں دو چیزیں ہوتی ہیں ایک طاعت پر صبر اور دوسرا گناہوں اور اللہ کی نافرمانی سے بچنے پر صبر، جو شخص روزہ رکھ لے، اس نے طاعت پر صبر کر لیا، اس لحاظ سے روزہ نصف صبر ہے، اب اگر اس نے اپنے نفس کو گناہوں سے بھی بچا لیا تو اسے صبر کا پورا درجہ حاصل ہو جائے گا، لہذا اس کی اسے فکر کرنی چاہیے۔(۱)

عَنْ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ، قَالَ: أَكْثَرُ مَا دَعَا بِهِ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَشِيَّةَ عَرَفَةَ فِي الْمَوْقِفِ: اَللّٰهُمَّ

(۱) مرقاۃ المفاتیح ۲/۴، کتاب الطہارۃ، الفصل الاول، رقم الحدیث: ۲۸۱۔

لَکَ الحَمْدُ کَالَّذِي تَقُولُ وَخَیْرًا مِمَّا نَقُولُ، اللّٰهُمَّ لَکَ صَلَاتِي، وَنُسُکِي، وَمَحْیَايَ، وَمَمَاتِي، وَإِلَیْکَ مَآبِي، وَلَکَ رَبِّ تُرَاثِي، اللّٰهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِکَ مِنْ عَذَابِ القَبْرِ، وَوَسْوَسَةِ الصَّدْرِ، وَشَتَاتِ الأَمْرِ، اللّٰهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِکَ مِنْ شَرِّ مَا یَجِيءُ بِهِ الرِّیحُ.(۱)

حضرت علی بن ابی طالب فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم وقوف عرفہ کی شام کو اکثر یہ دعا مانگا کرتے تھے: اللھم.... (اے اللہ تمام تعریفیں تیرے لئے ہی ہیں، جس طرح تو خود اپنی تعریف کرتا ہے، اور وہ حمد اس تعریف سے بہتر ہے، جو ہم بیان کریں، اے اللہ تیری نماز، میری قربانی، میرا جینا اور مرنا تیرے لئے ہی ہے، اور تیری طرف ہی میرا لوٹنا ہے، اور اے میرے پروردگار میری باقی ماندہ چیز یعنی میراث بھی تیرے لئے ہی ہے، اے اللہ میں تجھ سے عذاب قبر، سینے کے وسوسے اور معاملے کے بگڑنے کی پناہ مانگتا ہوں، اے اللہ! میں تجھ سے اس شر سے بھی پناہ مانگتا ہوں، جسے ہوا لاتی ہے)۔

مشکل الفاظ کے معنی: عشیة عرفة: عرفہ کی شام یعنی زوال کے بعد وقوف عرفہ میں، کالذی تقول: جس طرح تو خود اپنی تعریف کرتا ہے، مابی: میرا لوٹنا، تراثی: میری باقی ماندہ چیز یعنی میراث، ترکہ، وسوسة الصدر: سینے کے وسوسے اور خیال، شتات الامر: معاملے کا بگڑ جانا، منتشر اور منضبط نہ ہونا۔

وقوف عرفہ کی ایک خاص مسنون دعا

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم وقوف عرفہ کی شام اکثر یہ دعا مانگا کرتے تھے، یہ ایک انتہائی اہم اور جامع دعا ہے جسے مانگنے کا ہر مسلمان کو اہتمام کرنا چاہیے۔ اللھم لک الحمد کالذی .....، اس کا مطلب یہ ہے کہ تمام تعریفیں تیرے لئے ہیں، جس طرح تو نے خود اپنی تعریف کی ہے اور یہ ہماری تعریفات سے کہیں زیادہ بہتر ہے، ہم تو تیری تعریف، تیری شان کے مطابق کر ہی نہیں سکتے۔

و لک رب تراثی، میں جو کچھ چھوڑ کر جاؤں وہ سب تیرے لئے ہے، اس میں کوئی میراث جاری نہیں ہوگی، وسوسة الصدر: معنی یہ ہیں کہ میں سینے کے خیال اور وسوسے سے پناہ مانگتا ہوں، کیونکہ ان سے انسان کو سکون نہیں بلکہ بے چینی اور بے قراری پیدا ہوتی ہے، وشتات الامر: میں اس سے بھی پناہ مانگتا ہوں کہ میرے معاملے بگڑ جائیں، ان میں کوئی نظم و ضبط اور ترتیب نہ ہو، "من شر ما تجیی بہ الریح" ہوا کے شر سے اس لئے پناہ مانگی ہے کہ اس کا شر ہر جگہ اور ہر وقت پہنچ سکتا ہے، اور خاص کر عرفہ کے دن اگر خدانخواستہ نقصان دہ ہوا چل پڑے تو اس کی تباہی اور زیادہ ہوگی، اس لئے آپ نے خاص اس موقع پر

(۱) مسند ابن خزیمة، رقم: ۲۸۴۱۔

اس کے شر سے پناہ مانگی ہے۔(۱)

عَنْ أَبِي أُمَامَةَ، قَالَ: دَعَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِدُعَاءٍ كَثِيرٍ لَمْ نَحْفَظْ مِنْهُ شَيْئًا، قُلْنَا: يَا رَسُولَ اللهِ دَعَوْتَ بِدُعَاءٍ كَثِيرٍ لَمْ نَحْفَظْ مِنْهُ شَيْئًا، فَقَالَ: أَلَا أَدُلُّكُمْ عَلَى مَا يَجْمَعُ ذٰلِكَ كُلَّهُ، تَقُولُ: اللّٰهُمَّ إِنَّا نَسْأَلُكَ مِنْ خَيْرِ مَا سَأَلَكَ مِنْهُ نَبِيُّكَ مُحَمَّدٌ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَنَعُوذُ بِكَ مِنْ شَرِّ مَا اسْتَعَاذَ مِنْهُ نَبِيُّكَ مُحَمَّدٌ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَأَنْتَ الْمُسْتَعَانُ، وَعَلَيْكَ الْبَلَاغُ، وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللهِ.(۲)

حضرت ابو امامہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے بہت سی دعائیں کیں جنہیں ہم یاد نہ کر سکے، ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ نے بہت سی دعائیں کیں، جو ہم یاد نہ کر سکے، تو آپ ﷺ نے فرمایا: کیا میں تمہیں ایک ایسی دعا نہ بتادوں، جو ان تمام دعاؤں کو جامع ہو، تم یہ دعا مانگا کرو: اللھم انا نسألک.... (اے اللہ ہم تجھ سے ہر اس بھلائی کا سوال کرتے ہیں، جن کا تجھ سے تیرے نبی محمد ﷺ نے سوال کیا ہے، اور تجھ سے ہر اس شر کی پناہ مانگتے ہیں، جس سے تیرے نبی محمد ﷺ نے تجھ سے پناہ مانگی ہے، تو ہی مددگار ہے، تجھ پر ہی کفایت ہے، اور گناہ سے بچنے کی طاقت اور نیکی وخیر کی قدرت بھی صرف اللہ جل جلالہ ہی کی طرف سے ہے)۔

مشکل الفاظ کے معنی: استعاذ منه: جن چیزوں سے نبی کریم ﷺ نے پناہ مانگی ہے، مستعان: مددگار، البلاغ: کفایت کرنا، کافی ہونا، مطلب یہ ہے کہ تو ہی ہمارے لئے کافی ہے، تو ہی ہمیں لوگوں سے بے نیاز کرنے والا ہے، حول: حرکت، طاقت، حیلہ وتدبیر۔

ایک جامع دعا مانگنے کی تاکید

حضرت ابوامامہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے بہت سی دعائیں کیں، لیکن ہم انہیں یاد نہ رکھ سکے، ہم نے اس کا تذکرہ نبی کریم ﷺ سے کیا تو آپ نے فرمایا کہ میں تمہیں ایک ایسی دعا بتاتا ہوں جو تمام دعاؤں کے مضمون کو جامع ہے اور وہ تمام امور کو شامل ہے اور پھر آپ نے مذکورہ دعا سکھلائی، جس کا مطلب یہ ہے کہ یا اللہ میں تجھ سے وہ تمام خیر مانگتا ہوں، جو کسی بھی وقت نبی کریم ﷺ نے تجھ سے مانگی ہے، اور ہر اس شر سے پناہ مانگتا ہوں جس سے آپ ﷺ نے پناہ مانگی ہے، تو ہی ہماری مدد کرنے والا ہے، اور تو ہی ہمیں کافی ہے، نفع ونقصان سب تیرے قبضہ قدرت میں ہے، گناہ اور شر سے بچنے کی ہمت اور نیکی اور خیر کے کاموں کی توفیق بھی صرف اور صرف اللہ جل جلالہ ہی کی طرف سے ہے۔

عَنْ شَهْرِ بْنِ حَوْشَبٍ، قَالَ: قُلْتُ لِأُمِّ سَلَمَةَ: يَا أُمَّ الْمُؤْمِنِينَ مَا كَانَ أَكْثَرُ دُعَاءِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ

---

(۱) الکوکب الدری ۴/۳۶۲

(۲) الادب المفرد للبخاری، رقم: ۶۸۲۔

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا كَانَ عِنْدَكِ؟ قَالَتْ: كَانَ أَكْثَرُ دُعَائِهِ: يَا مُقَلِّبَ الْقُلُوبِ ثَبِّتْ قَلْبِي عَلَى دِينِكَ قَالَتْ: فَقُلْتُ: يَا رَسُولَ اللهِ: مَا لِأَكْثَرِ دُعَائِكَ يَا مُقَلِّبَ الْقُلُوبِ ثَبِّتْ قَلْبِي عَلَى دِينِكَ؟ قَالَ: يَا أُمَّ سَلَمَةَ إِنَّهُ لَيْسَ آدَمِيٌّ إِلَّا وَقَلْبُهُ بَيْنَ أُصْبُعَيْنِ مِنْ أَصَابِعِ اللهِ، فَمَنْ شَاءَ أَقَامَ، وَمَنْ شَاءَ أَزَاغَ، فَتَلَا مُعَاذٌ رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوبَنَا بَعْدَ إِذْ هَدَيْتَنَا.(۱)

حضرت شہر بن حوشب فرماتے ہیں کہ میں نے ام سلمہ سے پوچھا کہ اے ام المومنین! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب آپ کے پاس ہوتے تو کونسی دعا زیادہ کیا کرتے تھے؟ انہوں نے فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کثرت سے یہ دعا کیا کرتے: يَا مُقَلِّبَ الْقُلُوبِ ثَبِّتْ قَلْبِي عَلَى دِينِكَ (اے دلوں کے پھیرنے والے، میرے دل کو اپنے دین پر ثابت قدم رکھ) پھر ام سلمہ کہنے لگیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ اتنی کثرت سے یہ دعا کیوں کرتے ہیں؟ آپ نے فرمایا: اے ام سلمہ! کوئی شخص ایسا نہیں کہ اس کا دل اللہ کی انگلیوں میں سے دو انگلیوں کے درمیان نہ ہو، چنانچہ جسے اللہ تعالیٰ چاہتا ہے، اس کے دل کو ثابت قدم رکھتا ہے، اور جسے چاہتا ہے اس کے دل کو ٹیڑھا کر دیتا ہے، پھر حدیث کے راوی حضرت معاذ نے یہ آیت تلاوت فرمائی: ربنا لا تزغ قلوبنا بعد اذ هديتنا (اے ہمارے پروردگار! ہمارے دلوں کو ہدایت کے بعد ٹیڑھا نہ کیجئے)۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس دعا کو کثرت سے مانگتے

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کثرت سے یہ دعا مانگتے تھے يَا مُقَلِّبَ الْقُلُوبِ ثَبِّتْ قَلْبِي عَلَى دِينِكَ، کیونکہ یہ دل سب اللہ جل جلالہ کے قبضے میں ہیں، وہ جدھر چاہتا ہے پھیر دیتا ہے، وہ چاہے تو اس دل کو سیدھا ہی رکھے، اور چاہے تو ٹیڑھا کر دے، اس لئے اہتمام سے اس دعا کو مانگنا چاہیے تا کہ اللہ تعالیٰ دین کے اس راستے پر ثابت قدم رکھے، آمین یا رب العالمین۔

عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ بُرَيْدَةَ، عَنْ أَبِيهِ، قَالَ: شَكَا خَالِدُ بْنُ الْوَلِيدِ الْمَخْزُومِيُّ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ: مَا أَنَامُ اللَّيْلَ مِنَ الْأَرَقِ، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِذَا أَوَيْتَ إِلَى فِرَاشِكَ فَقُلْ: اللَّهُمَّ رَبَّ السَّمَوَاتِ السَّبْعِ وَمَا أَظَلَّتْ، وَرَبَّ الْأَرَضِينَ وَمَا أَقَلَّتْ، وَرَبَّ الشَّيَاطِينِ وَمَا أَضَلَّتْ، كُنْ لِي جَارًا مِنْ شَرِّ خَلْقِكَ كُلِّهِمْ جَمِيعًا أَنْ يَفْرُطَ عَلَيَّ أَحَدٌ مِنْهُمْ أَوْ أَنْ يَبْغِيَ عَلَيَّ عَزَّ جَارُكَ، وَجَلَّ ثَنَاؤُكَ، وَلَا إِلَهَ غَيْرُكَ، وَلَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ.(۲)

---

(۱) مسند احمد ۶/۲۹۴۔

(۲) مجمع الزوائد ۱۰/۱۲۹۔

حضرت بریدہ فرماتے ہیں کہ خالد بن ولید مخزومی نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی بیماری کا ذکر کیا، انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ: میں رات کو بیدار رہنے کی وجہ سے سو نہیں سکتا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم سونے کے لئے اپنے بستر پر پناہ لو، تو یہ دعا پڑھ لیا کرو: "اللھم .... آخر تک (اے اللہ، اے ساتوں آسمان اور ہر اس چیز کے پروردگار، جن پر آسمان نے سایہ کر رکھا ہے، اے تمام زمینوں اور ہر اس چیز کے رب، جن کو زمینوں نے اٹھا رکھا ہے، اور اے شیاطین اور ان کے گمراہ کردہ لوگوں کے پروردگار: تو اپنی تمام مخلوق کے شر سے میرا اس بات کا محافظ و مددگار اور ہمسایہ بن جا کہ کوئی مجھ پر زیادتی یا ظلم کرے، تیری ہمسائیگی اور پناہ زبردست ہے، تیری ثناء عظیم اور برتر ہے، تیرے علاوہ کوئی عبادت کے لائق نہیں، عبادت کے لائق صرف تو ہی ہے)۔

مشکل الفاظ کے معنی: شکا: بیماری کا ذکر کیا، ارق: (ہمزہ اور را پر زبر) بیداری، بیدار رہنا، أویت: تو پناہ لے، سونے لگے، وما اظلت: وہ تمام چیزیں جن پر آسمانوں نے سایہ کر رکھا ہے، وما اقلت: وہ تمام چیزیں جن کو زمینوں نے اٹھا رکھا ہے، وما أضلت: وہ لوگ جن کو شیاطین نے گمراہ کر دیا، جار: ہمسایہ، محافظ و مددگار، یفرط: زیادتی کرے، یبغی علی: مجھ پر ظلم کرے، عز جارک: تیری ہمسائیگی اور پڑوس غالب ہے، زبردست ہے، جل ثناءک: تیری حمد و ثناء بلند و برتر ہے۔

نیند کی دعا

صحابی نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ عرض کیا کہ یا رسول اللہ مجھے رات کو خیالات یا کسی پریشانی وغیرہ کی وجہ سے نیند نہیں آتی، بس رات بیداری میں گذرتی ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں مذکورہ دعا پڑھنے کی تلقین فرمائی کہ جب تم بستر پر لیٹا کرو تو یہ دعا پڑھ لیا کرو اللھم رب السماوات ...... اس لئے اگر کسی انسان کو کسی وجہ سے نیند نہ آ رہی ہے، تو اسے یہ مسنون دعا پڑھ لینی چاہیے، ان شاء اللہ اسے نیند آ جائے گی۔(۱)

ان یفرط علی أحد او ان یبغی علی، ان دونوں الفاظ میں فرق یہ ہے کہ افراط میں زیادتی کرنے والا کا قصد اور ارادہ نہیں ہوتا جبکہ "بغی" میں ظالم دوسرے شخص پر جان بوجھ کر یہ ظلم کرتا ہے،(۲)

عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ جَدِّهِ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: إِذَا فَزِعَ أَحَدُكُمْ فِي النَّوْمِ فَلْيَقُلْ: أَعُوذُ بِكَلِمَاتِ اللهِ التَّامَّاتِ مِنْ غَضَبِهِ وَعِقَابِهِ وَشَرِّ عِبَادِهِ، وَمِنْ هَمَزَاتِ الشَّيَاطِينِ وَأَنْ يَحْضُرُونِ فَإِنَّهَا لَنْ تَضُرَّهُ. فَكَانَ عَبْدُ اللهِ بْنُ عَمْرٍو، يُلَقِّنُهَا مَنْ بَلَغَ مِنْ وَلَدِهِ، وَمَنْ لَمْ يَبْلُغْ مِنْهُمْ كَتَبَهَا فِي

---

(۱) مرقاۃ ۳۲۱/۵، کتاب الدعوات، باب مایقول عند الصباح والمنام، رقم: ۲۴۱۱۔

(۲) الکوکب الدری ۳۶۲/۴

صَكٍّ ثُمَّ عَلَّقَهَا فِي عُنُقِهِ.(۱)

حضرت عمرو بن شعیب اپنے والد سے اور وہ ان کے دادا سے نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی نیند میں ڈر جائے تو وہ یہ دعا پڑھے: اعوذ..... وان یحضرون (میں اللہ تعالیٰ کے کامل کلمات کے ذریعہ اس کے غصے، عذاب، اس کے بندوں کے شر اور شیاطین کے وسوسوں سے پناہ مانگتا ہوں اور اس بات سے کہ شیاطین میرے پاس آئیں (میرے کاموں میں خرابی اور فساد ڈالنے کے لئے، اگر انسان یہ دعا پڑھ لے تو) پھر وہ وساوس ہرگز اسے نقصان نہیں پہنچا ئیں گے، راوی کہتے ہیں کہ عبداللہ بن عمر اپنی بالغ اولاد کو یہ کلمات سکھایا کرتے تھے، اور جوان میں نابالغ ہوتا تو پھر یہ کلمات ایک کاغذ پر لکھتے اور (تعویذ بنا کر) اس کے گلے میں لٹکا دیتے۔

مشکل الفاظ کے معنی: فزع: (فاء پر زبر اور زا کے نیچے زیر) خوف زدہ ہو جائے، ڈر جائے، همزات: ہمزہ کی جمع ہے: وسوسے، خیالات، یلقنها: ان کلمات کو سکھاتے تھے، صک: (صاد پر زبر) کاغذ، ثم علقها: پھر ان کلمات کو لٹکا دیتے، فی عنقه: اس کی گردن میں۔

نیند میں ڈر جائے تو یہ دعا پڑھے

مذکورہ حدیث سے دو امر ثابت ہوتے ہیں:

۞ جب کوئی شخص نیند میں ڈر جائے تو اسے چاہیے کہ وہ مذکورہ دعا پڑھے: اعوذ بکلمات اللّٰہ التامات..... اس کی برکت سے پھر وہ خواب میں نہیں ڈرے گا انشاء اللہ۔

۞ تعویذ لکھ کر گلے میں لٹکانا جائز ہے، یہ شرک نہیں، چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمر اپنی بالغ اولاد کو مذکورہ کلمات سکھایا کرتے تھے اور جو اولاد نابالغ ہوتی تو کاغذ پر یہ کلمات لکھ کر تعویذ بنا کر اس کے گلے میں لٹکا دیا کرتے تھے۔(۲)

اس کی مزید بحث ابواب الطب، باب کراھیۃ التعلیق میں گذر چکی ہے، اس کے لئے معارف ترمذی جلد اول کو دیکھ لیا جائے۔

عَنْ عَمْرِو بْنِ مُرَّةَ، قَالَ: سَمِعْتُ أَبَا وَائِلٍ، قَالَ: سَمِعْتُ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ مَسْعُوْدٍ، يَقُوْلُ: قُلْتُ لَهُ: أَنْتَ سَمِعْتَهُ مِنْ عَبْدِ اللّٰهِ؟ قَالَ: نَعَمْ، وَرَفَعَهُ أَنَّهُ قَالَ: لَا أَحَدَ أَغْيَرُ مِنَ اللّٰهِ، وَلِذٰلِكَ حَرَّمَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ، وَلَا أَحَدَ أَحَبُّ إِلَيْهِ الْمَدْحُ مِنَ اللّٰهِ، وَلِذٰلِكَ مَدَحَ نَفْسَهُ.(۳)

---

(۱) سنن ابی داؤد، کتاب الطب، باب کیف الرقی، رقم: ۳۸۹۳۔

(۲) تحفۃ الاحوذی ۹/۴۷۵

(۳) الصحیح للبخاری، کتاب التفسیر، باب انما حرم... رقم: ۴۶۳۷۔

عمرو بن مرہ، ابووائل سے اور وہ عبداللہ بن مسعود سے نقل کرتے ہیں، راوی کہتے ہیں کہ میں نے ابووائل سے پوچھا کہ تم نے خود یہ حدیث عبداللہ بن مسعود سے سنی، انہوں نے کہا: جی ہاں، ابن مسعود نے اس حدیث کو مرفوعا روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ سے زیادہ کوئی غیرت مند نہیں، اسی لئے اللہ جل شانہ نے فواحش یعنی بے حیائی کے کاموں کو حرام قرار دیا، خواہ وہ ان میں سے ظاہر ہوں یا وہ پوشیدہ ہوں، اور اللہ کے علاوہ ایسا بھی کوئی نہیں جسے اپنی تعریف زیادہ پسند ہو، اسی لئے اللہ تعالیٰ نے خود اپنی تعریف فرمائی ہے۔

اللہ سے زیادہ کوئی غیرت مند نہیں

مذکورہ حدیث سے دو امر ثابت ہوتے ہیں:

۞ اللہ تعالیٰ بہت زیادہ غیرت مند ہے، اسے بے حیائی کی کوئی بات یا عمل ہرگز قبول نہیں، خواہ وہ بے حیائی کی بات ظاہر اور کھلم کھلا ہو یا درپردہ اور پوشیدہ ہو، لہذا تمام مسلمانوں کو بھی غیرت وحمیت کرنی چاہیے اور انہیں ہر قسم کے گناہوں سے مکمل پرہیز کرنی چاہیے۔

۞ اللہ جل شانہ کو اپنی حمد وثناء بہت پسند ہے، یہی وجہ ہے کہ اللہ نے خود اپنی تعریف فرمائی ہے، اس لئے مسلمانوں کو بھی اللہ کی زیادہ سے زیادہ حمد وثنا اور مدح کرنی چاہیے، یوں اللہ تعالیٰ ان سے خوش ہو جائیں گے۔

عَنْ أَبِي بَكْرٍ الصِّدِّيقِ، أَنَّهُ قَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ عَلِّمْنِي دُعَاءً أَدْعُو بِهِ فِي صَلَاتِي، قَالَ: قُلْ: اللَّهُمَّ إِنِّي ظَلَمْتُ نَفْسِي ظُلْمًا كَثِيرًا، وَلَا يَغْفِرُ الذُّنُوبَ إِلَّا أَنْتَ، فَاغْفِرْ لِي مَغْفِرَةً مِنْ عِنْدِكَ، وَارْحَمْنِي إِنَّكَ أَنْتَ الغَفُورُ الرَّحِيمُ.(۱)

حضرت ابوبکر صدیق فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! مجھے ایسی کوئی دعا سکھا دیجئے، جسے میں اپنی نماز میں مانگا کروں؟ آپ نے فرمایا: یہ دعا مانگا کرو: اللھم انی ظلمت نفسی..... (اے اللہ! یقیناً میں نے اپنی جان پر بہت ہی زیادہ ظلم کیا، اور گناہوں کو تیرے علاوہ کوئی معاف بھی نہیں کر سکتا، لہذا تو اپنی طرف سے مجھے مکمل معاف کر دے اور مجھ پر رحم فرما دے، کیونکہ تو ہی بخشنے والا اور مہربان ہے)۔

نماز میں تشہد کے بعد کی ایک دعا

حضرت صدیق اکبر نے پوچھا کہ یا رسول اللہ! مجھے ایسی کوئی دعا سکھا دیجئے، جسے میں نماز میں تشہد کے بعد مانگا کروں، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مذکورہ دعا سکھلائی: اللھم انی ظلمت نفسی....، اس لئے نماز میں اور نماز کے علاوہ بھی اس دعا کا اہتمام

---

(۱) الصحیح للبخاری، کتاب الاذان باب الدعاء قبل السلام، رقم: ۸۳۴۔

کرنا چاہیے۔

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، قَالَ: كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا كَرَبَهُ أَمْرٌ قَالَ: يَا حَيُّ يَا قَيُّومُ بِرَحْمَتِكَ أَسْتَغِيثُ.

وَبِإِسْنَادِهِ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: أَلِظُّوا بِيَاذَا الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ۔(۱)

حضرت انس بن مالک فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کو جب کوئی پریشان کن معاملہ پیش آتا تو آپ یہ دعا مانگتے: يَا حَيُّ يَا قَيُّومُ بِرَحْمَتِكَ أَسْتَغِيثُ. (اے زندہ اور (آسمان وزمین وغیرہ کو) قائم کرنے والے! میں تیری رحمت کے واسطے سے مدد طلب کرتا ہوں)۔

اسی سند سے یہ بھی منقول ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: یا ذالجلال والاکرام (اے بڑائی اور بزرگی والے) کو لازم پکڑو (یعنی دوام کے ساتھ یہ جملہ پڑھا کرو)

مشکل الفاظ کے معنی: کربہ امر: آپ ﷺ کو کوئی معاملہ پریشان کرتا: استغیث: میں مدد طلب کرتا ہوں، الظوا: (باب افعال سے صیغہ امر) تم لازم پکڑلو۔

پریشانی اور غم کو دور کرنے کی دعا

مذکورہ حدیث سے معلوم ہوا کہ جب کسی کو کوئی سختی اور غم پیش آجائے تو اس دعا یعنی یا حی یا قیوم.... کو زیادہ سے زیادہ مانگنا چاہیے، اس کی برکت سے ان شاء اللہ اس کی پریشانی دور ہوجائے گی، اور فرمایا کہ اپنی دعا میں یا ذالجلال والاکرام کے کلمات کو لازم پکڑلو، یہ بقول بعض اسم اعظم ہے، اس سے اس کی دعا قبول ہوگی۔(۲)

عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ، قَالَ: سَمِعَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَجُلًا يَدْعُو يَقُولُ: اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ تَمَامَ النِّعْمَةِ. فَقَالَ: أَيُّ شَيْءٍ تَمَامُ النِّعْمَةِ؟ قَالَ: دَعْوَةٌ دَعَوْتُ بِهَا أَرْجُو بِهَا الخَيْرَ. قَالَ: فَإِنَّ مِنْ تَمَامِ النِّعْمَةِ دُخُولَ الجَنَّةِ وَالفَوْزَ مِنَ النَّارِ. وَسَمِعَ رَجُلًا وَهُوَ يَقُولُ: يَا ذَا الجَلَالِ وَالإِكْرَامِ. فَقَالَ: اسْتُجِيبَ لَكَ فَسَلْ. وَسَمِعَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَجُلًا وَهُوَ يَقُولُ: اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ الصَّبْرَ. فَقَالَ: سَأَلْتَ اللهَ البَلَاءَ فَسَلْهُ العَافِيَةَ. (۳)

حضرت معاذ بن جبل فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ایک شخص کو دعا مانگتے ہوئے سنا، جو اس طرح کہہ رہا تھا:

---

(۱) کنز العمال للمتقی الهندی، رقم الحدیث: ۵۰۰۲۔

(۲) مرقاۃ المفاتیح ۵/۳۶۴، کتاب الدعوات باب الدعوات فی الاوقات رقم: ۲۴۵۴

(۳) الأدب المفرد للبخاری، رقم: ۷۳۲

اے اللہ: میں تجھ سے پوری نعمت مانگتا ہوں، نبی کریم ﷺ نے اس سے پوچھا کہ پوری نعمت کیا چیز ہے؟ اس شخص نے عرض کیا: یہ دعا ہے جس کے ذریعہ میں زیادہ مال کے حصول کی امید رکھتا ہوں، نبی کریم ﷺ نے فرمایا: پوری نعمت تو جنت میں داخل ہونا اور جہنم سے نجات پانا ہے، اور آپ ﷺ نے ایک اور شخص کو دعا مانگتے ہوئے سنا، جو (ان الفاظ سے) مانگ رہا تھا: یاذا الجلال والاکرام (اے عظمت و کبریائی اور بخشش و اکرام والے) آپ نے اس سے فرمایا: تمہاری دعا قبول کرلی گئی، لہذا جو مانگتا ہو، مانگ لو، اور آپ ﷺ نے ایک اور شخص کو یہ دعا کرتے ہوئے سنا: اے اللہ میں تجھ سے صبر مانگتا ہوں، آپ نے اس سے فرمایا: تم اللہ تعالیٰ سے آزمائش مانگ رہے ہو، تمہیں تو اللہ سے عافیت کا سوال کرنا چاہیے۔

دنیا کی کوئی نعمت ''پوری نعمت'' نہیں

نبی کریم ﷺ نے اس شخص کی دعا میں سنا کہ وہ دنیا کے مال و دولت اور نعمتوں کے حاصل کرنے کو ''پوری نعمت'' سمجھ کر اللہ سے مانگ رہا تھا، نبی کریم ﷺ نے اسے سمجھایا کہ دنیا کے مال و دولت اور کوئی نعمت ''پوری نعمت'' نہیں، یہ سب فنا ہو جانے والی ہیں، ''پوری نعمت'' یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ محض اپنے فضل سے جہنم سے نجات اور جنت میں داخل کردیں، اس لئے اس نعمت کے حصول کی دعا اہتمام سے مانگنی چاہیے، چنانچہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَأُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ (جس شخص کو جہنم سے دور اور جنت میں داخل کردیا گیا تو واقعی وہ کامیاب ہوگیا)۔

جو شخص اللہ جل شانہ سے صبر مانگ رہا تھا، اسے بھی نبی کریم ﷺ نے منع فرمایا کہ اللہ سے صبر کا سوال نہ کرو، کیونکہ صبر کی ضرورت اسی وقت پیش آتی ہے، جب کوئی مصیبت اور آزمائش پہنچ جائے، گویا صبر کا سوال ایک طرح سے آزمائش اور مصیبت کا مانگنا ہے، اس لئے آپ نے اس دعا سے منع فرمایا، اور یہ فرمایا کہ تم صبر کے بجائے اللہ سے عافیت کا سوال کیا کرو، عافیت سے بڑھ کر کوئی نعمت نہیں، ہاں اگر غیر اختیاری طور پر کوئی مصیبت اور آزمائش آجائے تو اس موقع پر اللہ سے صبر مانگ سکتے ہیں، ایسے میں زبان پر کوئی اور شکوہ نہیں لانا چاہیے۔(۱)

عَنْ أَبِي أُمَامَةَ الْبَاهِلِيِّ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ: مَنْ أَوٰى إِلٰى فِرَاشِهٖ طَاهِرًا، يَذْكُرُ اللّٰهَ، حَتّٰى يُدْرِكَهُ النُّعَاسُ، لَمْ يَتَقَلَّبْ سَاعَةً مِنَ اللَّيْلِ، سَأَلَ اللّٰهَ شَيْئًا مِنْ خَيْرِ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ، إِلَّا أَعْطَاهُ إِيَّاهُ۔(۲)

حضرت ابوامامہ باہلی کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ جو شخص اپنے بستر پر باوضو ہو کر سوئے اور وہ اللہ کا ذکر کرتا رہے یہاں تک کہ نیند اسے پالے (یعنی اسے نیند آجائے) وہ رات کے کسی بھی حصے میں بیدار ہو کر اللہ تعالیٰ سے دنیا اور

(۱) مرقاۃ المفاتیح ۳۴۵/۵، کتاب الدعوات، باب الدعوات فی الاوقات، رقم: ۲۴۳۲

(۲) الترغیب والترہیب للمنذری، رقم: ۸۶۹۔

آخرت کی جو بھی بھلائی مانگے گا، اللہ تعالیٰ اسے ضرور عطا فرمائیں گے۔
مشکل الفاظ کے معنیٰ: أوی: پناہ لے یعنی سونے کے لئے آئے، طاهرا: طہارت کی حالت میں یعنی باوضو ہو کر، یدرکه: اس کو پالے یعنی آجائے، النعاس: (نون پر پیش) نیند، لم ینقلب: وہ بیدار نہیں ہوتا۔

باوضو سونے کی فضیلت

اس حدیث میں باوضو سونے کی فضیلت بیان کی گئی ہے کہ جو شخص وضو کرکے سوئے، اور نیند آنے تک اللہ جل شانہ کے ذکر میں مشغول رہے، پھر وہ رات کے کسی حصے میں بیدار ہو کر دنیا اور آخرت کی بھلائی سے متعلق، جو بھی اللہ سے مانگے گا، اللہ تعالیٰ اس کی دعا کو ضرور قبول فرمائیں گے، دیکھئے بظاہر ایک چھوٹا سا عمل ہے، لیکن اس پر اتنی زیادہ فضیلت حاصل ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ ہمیں اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

عَنْ أَبِي رَاشِدٍ الْحُبْرَانِيِّ قَالَ: أَتَيْتُ عَبْدَ اللهِ بْنَ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ فَقُلْتُ لَهُ: حَدِّثْنَا مِمَّا سَمِعْتَ مِنْ رَسُوْلِ اللهِ ﷺ، فَأَلْقَى إِلَيَّ صَحِيْفَةً، فَقَالَ: هٰذَا مَا كَتَبَ لِي رَسُوْلُ اللهِ ﷺ قَالَ: نَظَرْتُ فِيْهَا، فَإِذَا فِيْهَا: إِنَّ أَبَا بَكْرٍ الصِّدِّيْقَ رضي الله عنه، قَالَ: يَا رَسُوْلَ اللهِ: عَلِّمْنِي مَا أَقُوْلُ إِذَا أَصْبَحْتُ وَإِذَا أَمْسَيْتُ، فَقَالَ: يَا أَبَا بَكْرٍ، قُلْ: اَللّٰهُمَّ فَاطِرَ السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضِ، عَالِمَ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ، لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ، رَبَّ كُلِّ شَيْءٍ وَمَلِيْكَهُ، أَعُوْذُ بِكَ مِنْ شَرِّ نَفْسِي، وَمِنْ شَرِّ الشَّيْطَانِ وَشِرْكِهِ، وَأَنْ أَقْتَرِفَ عَلٰى نَفْسِي سُوْءًا أَوْ أَجُرَّهُ إِلٰى مُسْلِمٍ۔ (۱)

ابوراشد حبرانی کہتے ہیں کہ میں عبداللہ بن عمرو بن عاص کے پاس آیا اور ان سے عرض کیا کہ مجھے ایسی کوئی حدیث بتا دیجئے، جسے آپ نے خود نبی کریم ﷺ سے سنا ہو، تو عبداللہ بن عمرو نے مجھے ایک لکھا ہوا کاغذ دیا اور فرمایا کہ یہ رسول اللہ ﷺ نے میرے لئے لکھوایا تھا، راوی کہتے ہیں کہ میں نے اس کاغذ کو دیکھا تو اس میں یہ لکھا تھا: ابوبکر صدیق نے عرض کیا یارسول اللہ! مجھے کوئی دعا سکھا دیجئے، جسے میں صبح وشام مانگا کروں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اے ابوبکر! یہ دعا مانگا کرو: اے اللہ، اے آسمان وزمین کو پیدا کرنے والے، اے غائب اور حاضر کو جاننے والے، تیرے علاوہ کوئی عبادت کے لائق نہیں، اے ہر چیز کے پروردگار اور اس کے مالک: میں اپنے نفس کے شر، شیطان کے شر اور اس کے شرک سے تیری پناہ مانگتا ہوں، اور اس بات سے بھی پناہ مانگتا ہوں کہ میں خود کوئی برائی کروں یا کسی مسلمان سے برائی کرانے میں سبب بنوں۔

مشکل الفاظ کے معنیٰ: القی الی: میری طرف ڈالا یعنی مجھے دیا، صحیفة: لکھا ہوا کاغذ، و شرکه: (شین کے نیچے زیر اور را

(۱) الادب المفرد، رقم: ۸: ۱۲۰۴۔

ساکن): اور شیطان کے شرک سے، ان اقترف: (صیغہ واحد متکلم) میں ارتکاب کروں یعنی گناہ اور برائی کروں، أجرہ: اس میں "ہ" ضمیر "سوء" کی طرف لوٹ رہی ہے، میں برائی کو کسی مسلمان کی طرف کھینچوں، کسی مسلمان سے برائی کرانے میں سبب بنوں، اس سے برائی کراؤں۔

صبح وشام کی ایک اہم دعا

مذکورہ حدیث میں نبی کریم ﷺ نے حضرت صدیق اکبر کو صبح وشام پڑھنے کی ایک اہم دعا بتلائی ہے، جس کے شروع کے کلمات میں اللہ جل جلالہ کی عظمت وبڑائی کا ذکر ہے اور آخر میں نفس وشیطان کے شر اور برائی سے پناہ کا ذکر ہے۔

أو أجره الى مسلم، یعنی میں اس بات کی پناہ مانگتا ہوں کہ کسی اور مسلمان سے کوئی برائی کراؤں، اس کو برے کام کی دعوت دوں، گناہ میں اس کا سبب اور ذریعہ بنوں۔

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَرَّ بِشَجَرَةٍ، يَابِسَةِ الْوَرَقِ، فَضَرَبَهَا بِعَصَاهُ، فَتَنَاثَرَ الْوَرَقُ، فَقَالَ: إِنَّ الْحَمْدَ لِلّٰهِ وَسُبْحَانَ اللّٰهِ وَلَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ أَكْبَرُ لَتُسَاقِطُ مِنْ ذُنُوبِ الْعَبْدِ كَمَا تَسَاقَطَ وَرَقُ هٰذِهِ الشَّجَرَةِ.(۱)

حضرت انس سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایک مرتبہ ایک ایسے درخت کے پاس سے گذرے، جس کے پتے خشک ہو چکے تھے، آپ ﷺ نے اپنی لاٹھی اس (کی شاخوں) پر ماری، جس سے اس کے پتے جھڑنے لگے، پھر آپ نے فرمایا: الحمد للہ، سبحان اللہ، لا الہ الا اللہ اور اللہ اکبر بندوں کے گناہوں کو اسی طرح جھاڑتے ہیں، جس طرح اس درخت کے پتے جھڑ رہے ہیں۔

مشکل الفاظ کے معنی: شجرة یابسة الورق: خشک پتوں والا درخت، ضربها: آپ نے اس کی شاخوں پر مارا، کما تساقط ورق: (باب تفاعل سے صیغہ ماضی) جیسے اس درخت کے پتے گر رہے ہیں، تناثر: پتے جھڑتے ہیں، لتساقط: (تا پر پیش اور قاف کے نیچے زیر) اس کی "ھی" ضمیر ان کلمات کی طرف لوٹ رہی ہے: یہ کلمات جھاڑ دیتے ہیں، ختم کر دیتے ہیں۔

تسبیحات سے گناہ جھڑ جاتے ہیں

مذکورہ حدیث میں نبی کریم ﷺ نے ایک مثال کے ذریعہ یہ سمجھایا کہ جس طرح خشک پتوں والے درخت کو ہلانے سے اس کے پتے گرنے لگتے ہیں، اسی طرح سبحان اللہ، الحمد للہ، اللہ اکبر اور لا الہ الا اللہ پڑھنے سے انسان کے صغیرہ گناہ جھڑ جاتے ہیں، اللہ جل جلالہ ہمیں کثرت سے اپنا ذکر کرنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین یارب العالمین۔

---

(۱) کنز العمال للهندی، رقم: ۲۰۱۲۔

عَنْ عُمَارَةَ بْنِ شَبِيبٍ السَّبَائِيِّ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَنْ قَالَ: لَا إِلٰهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ، لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ، يُحْيِي وَيُمِيتُ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ، عَشْرَ مَرَّاتٍ عَلَى إِثْرِ الْمَغْرِبِ بَعَثَ اللَّهُ لَهُ مَسْلَحَةً، يَحْفَظُونَهُ مِنَ الشَّيْطَانِ حَتَّى يُصْبِحَ، وَكَتَبَ اللَّهُ لَهُ بِهَا عَشْرَ حَسَنَاتٍ مُوجِبَاتٍ، وَمَحَا عَنْهُ عَشْرَ سَيِّئَاتٍ مُوبِقَاتٍ، وَكَانَتْ لَهُ بِعَدْلِ عَشْرِ رِقَابٍ مُؤْمِنَاتٍ.(۱)

حضرت عمارہ بن شبیب سبائی کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص لا الہ سے قدیر تک مغرب کی نماز کے بعد دس مرتبہ پڑھے گا اللہ تعالیٰ اس کے لئے فرشتے بھیج دیتے ہیں، جو اس کی شیطان سے صبح تک حفاظت کرتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ اس کے لئے ان کی وجہ سے دس ایسی نیکیاں لکھ دیتے ہیں، جو جنت کو واجب کرنے والی ہیں، اور اس کی دس ہلاک کرنے والی برائیاں مٹا دیتے ہیں، اور اس کے لئے دس مسلمان غلام آزاد کرنے کے برابر اجر و ثواب ہوتا ہے۔

مشکل الفاظ کے معنی: مسلحة: اسلحہ سے لیس سپاہی اور فوج، جو ملکی سرحدوں کی حفاظت پر مامور ہوتے ہیں، اور جب دشمن دراندازی کی کوشش کرتا ہے، تو یہ لوگ اپنے دوسرے ساتھیوں کو بتاتے ہیں، تاکہ پوری تیاری کر کے دشمن کا مقابلہ کیا جائے، یہاں حدیث میں مسلحہ سے فرشتوں کی جماعت مراد ہے، جو اس بندے کی خصوصی حفاظت کرتے ہیں، اس لفظ کی جمع مسالح ہے، عدل: (عین پر زبر اور زیر اور دال ساکن) برابر، موجبات: موجبة کی جمع ہے: اللہ کی رحمت اور جنت کو واجب کرنے والی نیکیاں، موبقات: موبقة کی جمع ہے، تباہ و برباد اور ہلاک کرنے والی، رقاب: رقبة کی جمع ہے، گردنیں، یہاں غلام مراد ہیں۔

نماز مغرب کے بعد دس مرتبہ لا الہ الا اللہ... پڑھنے کی فضیلت

اس حدیث میں نبی کریم ﷺ نے نماز مغرب کے بعد کا ایک ذکر بیان فرمایا ہے، جو شخص اس ذکر کو نماز مغرب کے بعد دس مرتبہ پڑھے گا، تو اسے یہ فضیلت حاصل ہوگی کہ اللہ تعالیٰ اس کی حفاظت کے لئے فرشتوں کی ایک خاص جماعت مقرر کر دیتے ہیں، جو اس کی صبح تک حفاظت کرتے ہیں، نیز اس کے لئے ایسی دس نیکیاں لکھ دی جاتی ہیں، جو اللہ تعالیٰ کی رحمت اور جنت میں داخلے کا ذریعہ بنتی ہیں، اور دس برائیاں معاف کر دی جاتی ہیں، جو اس کے لئے ہلاکت کا باعث تھیں، اور اسے ایمان والے دس غلام آزاد کرنے کے برابر ثواب حاصل ہوتا ہے، اللہ جل شانہ ہمیں عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

بَابٌ فِي فَضْلِ التَّوْبَةِ وَالِاسْتِغْفَارِ وَمَا ذُكِرَ مِنْ رَحْمَةِ اللَّهِ بِعِبَادِهِ

یہ باب ان احادیث پر مشتمل ہے، جن میں توبہ اور استغفار کی فضیلت کا بیان ہے، اور اللہ کی اس رحمت کا ذکر ہے جو اس کی اپنے بندوں پر

(۱) عمل الیوم واللیلة للنسائی۔

ہے۔

عَنْ زِرِّ بْنِ حُبَيْشٍ، قَالَ: أَتَيْتُ صَفْوَانَ بْنَ عَسَّالٍ الْمُرَادِيَّ، أَسْأَلُهُ عَنِ الْمَسْحِ عَلَى الْخُفَّيْنِ، فَقَالَ: مَا جَاءَ بِكَ يَا زِرُّ؟ فَقُلْتُ: ابْتِغَاءَ الْعِلْمِ، فَقَالَ: إِنَّ الْمَلَائِكَةَ لَتَضَعُ أَجْنِحَتَهَا لِطَالِبِ الْعِلْمِ رِضًا بِمَا يَطْلُبُ، فَقُلْتُ: إِنَّهُ حَكَّ فِي صَدْرِي الْمَسْحُ عَلَى الْخُفَّيْنِ بَعْدَ الْغَائِطِ وَالْبَوْلِ، وَكُنْتَ امْرَأً مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَجِئْتُ أَسْأَلُكَ هَلْ سَمِعْتَهُ يَذْكُرُ فِي ذَلِكَ شَيْئًا، قَالَ: نَعَمْ، كَانَ يَأْمُرُنَا إِذَا كُنَّا سَفْرًا أَوْ مُسَافِرِينَ أَنْ لَا نَنْزِعَ خِفَافَنَا ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ وَلَيَالِيهِنَّ إِلَّا مِنْ جَنَابَةٍ، لَكِنْ مِنْ غَائِطٍ وَبَوْلٍ وَنَوْمٍ۔

فَقُلْتُ: هَلْ سَمِعْتَهُ يَذْكُرُ فِي الْهَوَى شَيْئًا؟ قَالَ: نَعَمْ، كُنَّا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي سَفَرٍ، فَبَيْنَا نَحْنُ عِنْدَهُ، إِذْ نَادَاهُ أَعْرَابِيٌّ بِصَوْتٍ لَهُ جَهْوَرِيٍّ يَا مُحَمَّدُ، فَأَجَابَهُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى نَحْوٍ مِنْ صَوْتِهِ هَاؤُمُ وَقُلْنَا لَهُ: وَيْحَكَ، اغْضُضْ مِنْ صَوْتِكَ، فَإِنَّكَ عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَدْ نُهِيتَ عَنْ هَذَا، فَقَالَ: وَاللَّهِ لَا أَغْضُضُ، قَالَ الْأَعْرَابِيُّ: الْمَرْءُ يُحِبُّ الْقَوْمَ، وَلَمَّا يَلْحَقْ بِهِمْ، قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: الْمَرْءُ مَعَ مَنْ أَحَبَّ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، فَمَا زَالَ يُحَدِّثُنَا حَتَّى ذَكَرَ بَابًا مِنْ قِبَلِ الْمَغْرِبِ مَسِيرَةُ عَرْضِهِ، أَوْ يَسِيرُ الرَّاكِبُ فِي عَرْضِهِ أَرْبَعِينَ أَوْ سَبْعِينَ عَامًا، قَالَ سُفْيَانُ: قِبَلَ الشَّامِ، خَلَقَهُ اللَّهُ يَوْمَ خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ مَفْتُوحًا يَعْنِي لِلتَّوْبَةِ لَا يُغْلَقُ، حَتَّى تَطْلُعَ الشَّمْسُ مِنْهُ.(۱)

حضرت زر بن حبیش فرماتے ہیں کہ میں صفوان بن عسال کے پاس آیا، تاکہ میں ان سے موزوں پر مسح کے بارے میں پوچھوں، انہوں نے فرمایا: اے زر! تمہیں کیا چیز لائی ہے (یعنی تم کیوں آئے ہو)؟ میں نے کہا: علم حاصل کرنے کے لئے، صفوان نے فرمایا: طلب علم کی وجہ سے فرشتے طالب علم کو خوش کرنے کے لئے اپنے پر (زمین پر) بچھاتے ہیں، میں نے کہا: میرے دل میں پیشاب پاخانے کے بعد موزوں پر مسح کرنے کے بارے میں تردد ہوا (کہ آیا یہ جائز ہے یا نہیں) اور آپ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں سے ہیں، تو میں آپ سے یہ پوچھنے کے لئے آیا ہوں کہ کیا آپ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس بارے میں کچھ فرماتے ہوئے سنا ہے؟ صفوان نے فرمایا: جی ہاں (میں نے سنا ہے)؛ ہم جب سفر پر ہوتے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم یہ حکم دیتے تھے کہ ہم تین دن اور تین راتوں تک موزے نہ اتاریں، مگر جنابت کی وجہ سے (اتارنا ضروری ہے)، لیکن پیشاب، پاخانے اور سونے کے بعد یہی حکم تھا (کہ موزوں پر مسح کر سکتے ہیں)۔

راوی کہتے ہیں کہ میں نے کہا: کیا آپ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو محبت سے متعلق کچھ فرماتے ہوئے سنا ہے؟ حضرت صفوان نے فرمایا: جی ہاں، ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک سفر میں تھے، ہم آپ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ

---

(۱) سنن ابن ماجۃ، المقدمۃ، باب فضل العلماء۔

اچانک ایک بدو نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بلند آواز سے پکارا، اے محمد! نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اسے اسی طرح بلند آواز سے جواب دیا کہ آ جاؤ، ہم نے اس سے کہا: تیرا برا ہو، اپنی آواز کو پست کر، کیونکہ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ہے، اور تمہیں (حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے) اس طرح آواز کو بلند کرنے سے منع کیا گیا ہے، وہ کہنے لگا: اللہ کی قسم میں اپنی آواز دھیمی نہیں کروں گا، پھر وہ پوچھنے لگا کہ ایک آدمی ایک قوم سے محبت کرتا ہے، حالانکہ وہ ابھی تک (اعمال کے لحاظ سے) ان تک نہیں پہنچا (یا اس نے ابھی تک ان سے ملاقات بھی نہیں کی) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قیامت کے دن ہر شخص اس کے ساتھ ہوگا، جس سے وہ محبت کرتا ہوگا۔

زر بن حبیش کہتے ہیں کہ پھر صفوان مسلسل ہم سے باتیں کرتے رہے، یہاں تک کہ انہوں نے مغرب کی جانب ایک دروازے کا ذکر کیا، جس کی چوڑائی چالیس یا ستر برس کی مسافت کے بقدر ہے؟ سفیان راوی کہتے ہیں کہ وہ دروازہ شام کی جانب ہے، اللہ تعالیٰ نے اسے اسی دن پیدا کر دیا تھا، جس دن کہ آسمان وزمین کو پیدا کیا، وہ دروازہ توبہ کے لئے کھلا رہے گا، اسے بند نہیں کیا جائے گا، یہاں تک کہ مغرب سے سورج طلوع ہو جائے۔

عَنْ زِرِّ بْنِ حُبَيْشٍ، قَالَ: أَتَيْتُ صَفْوَانَ بْنَ عَسَّالٍ الْمُرَادِيَّ، فَقَالَ لِي: مَا جَاءَ بِكَ؟ قُلْتُ: ابْتِغَاءَ الْعِلْمِ، قَالَ: بَلَغَنِي أَنَّ الْمَلَائِكَةَ تَضَعُ أَجْنِحَتَهَا لِطَالِبِ الْعِلْمِ رِضًا بِمَا يَفْعَلُ، قَالَ: قُلْتُ لَهُ: إِنَّهُ حَاكَ، أَوْ قَالَ: حَكَّ فِي نَفْسِي شَيْءٌ مِنَ الْمَسْحِ عَلَى الْخُفَّيْنِ، فَهَلْ حَفِظْتَ مِنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيهِ شَيْئًا؟ قَالَ: نَعَمْ، كُنَّا إِذَا كُنَّا سَفْرًا أَوْ مُسَافِرِينَ أُمِرْنَا أَنْ لَا نَخْلَعَ خِفَافَنَا ثَلَاثًا إِلَّا مِنْ جَنَابَةٍ، وَلَكِنْ مِنْ غَائِطٍ وَبَوْلٍ وَنَوْمٍ، قَالَ: فَقُلْتُ: فَهَلْ حَفِظْتَ مِنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْهَوَى شَيْئًا؟ قَالَ: نَعَمْ، كُنَّا مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي بَعْضِ أَسْفَارِهِ، فَنَادَاهُ رَجُلٌ كَانَ فِي آخِرِ الْقَوْمِ بِصَوْتٍ، جَهْوَرِيٍّ، أَعْرَابِيٌّ، جِلْفٌ، جَافٍ، فَقَالَ: يَا مُحَمَّدُ، يَا مُحَمَّدُ، فَقَالَ لَهُ الْقَوْمُ: مَهْ، إِنَّكَ قَدْ نُهِيتَ عَنْ هَذَا، فَأَجَابَهُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَحْوًا مِنْ صَوْتِهِ، هَاؤُمُ، فَقَالَ: الرَّجُلُ يُحِبُّ الْقَوْمَ، وَلَمَّا يَلْحَقْ بِهِمْ، قَالَ: فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: الْمَرْءُ مَعَ مَنْ أَحَبَّ.

قَالَ زِرٌّ: فَمَا بَرِحَ يُحَدِّثُنِي، حَتَّى حَدَّثَنِي أَنَّ اللَّهَ عَزَّ وَجَلَّ جَعَلَ بِالْمَغْرِبِ بَابًا، عَرْضُهُ مَسِيرَةُ سَبْعِينَ عَامًا لِلتَّوْبَةِ، لَا يُغْلَقُ حَتَّى تَطْلُعَ الشَّمْسُ مِنْ قِبَلِهِ، وَذَلِكَ قَوْلُ اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ {يَوْمَ يَأْتِي بَعْضُ آيَاتِ رَبِّكَ، لَا يَنْفَعُ نَفْسًا إِيمَانُهَا} الآيَةَ.(۱)

حضرت زر بن حبیش کہتے ہیں کہ میں صفوان بن عسال کے پاس آیا، تو انہوں نے مجھ سے پوچھا کہ کیا چیز تمہیں لائی ہے (یعنی کیسے آنا ہوا) میں نے کہا: علم حاصل کرنے کے لئے، حضرت صفوان نے فرمایا: مجھ تک یہ بات پہنچی ہے کہ

---

(۱) مسند احمد ۲۳۹/۴۔

فرشتے طلب علم کی وجہ سے طالب علم کی خوشی کے لئے اپنے پر بچھاتے ہیں، راوی کہتے ہیں: میں نے ان سے کہا: میرے دل میں موزوں پر مسح کے بارے میں کچھ تردد سا ہو گیا، تو کیا اس بارے میں آپ نے رسول اللہ ﷺ سے کچھ سن کر محفوظ کیا ہے؟ انہوں نے فرمایا: جی ہاں، ہم جب سفر پر تھے تو ہمیں آپ ﷺ نے یہ حکم دیا کہ ہم اپنے موزے تین دن تک نہ اتاریں، مگر جنابت کی وجہ سے (اتارنے ہوں گے) لیکن پیشاب، پاخانے اور سونے کے بعد (مسح کر سکتے ہیں)

کہتے ہیں میں نے ان سے کہا: کیا آپ نے رسول اللہ ﷺ سے محبت کے بارے میں کچھ فرماتے ہوئے سنا ہے؟ فرمایا: جی ہاں، ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ایک سفر میں تھے کہ لوگوں کے پیچھے سے ایک شخص نے آپ ﷺ کو بلند آواز سے پکارا، وہ ایک بے وقوف اور سخت مزاج دیہاتی تھا، یوں پکارنے لگا: اے محمد، اے محمد، لوگوں نے اسے کہا کہ: چپ ہو، کیونکہ تمہیں اس طرح آواز بلند کرنے سے منع کیا گیا ہے، نبی کریم ﷺ نے اسے اسی طرح بلند آواز سے جواب دیا کہ آجاؤ، اس دیہاتی نے پوچھا: ایک شخص ایک قوم سے محبت کرتا ہے، لیکن وہ ابھی تک ان سے ملا نہیں یا اعمال کے لحاظ سے ان تک نہیں پہنچا، راوی کہتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: آدمی قیامت کے دن اس شخص کے ساتھ ہوگا، جس سے وہ محبت کرتا ہوگا۔

زر بن حبیش کہتے ہیں کہ مسلسل حضرت صفوان مجھ سے باتیں کرتے رہے، یہاں تک کہ انہوں نے مجھے بتایا کہ اللہ تعالیٰ نے مغرب کی جانب ایک دروازہ بنایا ہے، جس کی چوڑائی ستر سال کی مسافت کے بقدر ہے، یہ دروازہ توبہ کے لئے ہے، اسے بند نہیں کیا جائے گا، یہاں تک کہ مغرب کی جانب سے سورج طلوع ہو جائے (پھر توبہ کا دروازہ بند ہو جائے گا) اور یہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: یوم یأتی بعض اٰیات ربک..... (جس دن تیرے رب کی بعض نشانیاں آئیں گی تو کسی نفس کو اس کا ایمان، اسے کوئی نفع نہیں دے گا)۔

مشکل الفاظ کے معنی: لتضع: البتہ رکھتے ہیں بچھاتے ہیں، اجنحتھا: جناح کی جمع ہے: اپنے پر، حک: میرے دل میں تردد اور کھٹکا ہوا، سفرا: (یہ لفظ واحد اور جمع دونوں معنی کے لیے استعمال ہوتا ہے:) مسافر، لا ننزع: ہم نہ اتاریں، خفافنا: خف کی جمع ہے: اپنے موزے، ھوی: (ہاء اور واؤ پر زبر کے ساتھ) محبت، الفت، صوت جھوری: بلند آواز، ھاؤم: تعال کے معنی میں ہے: آجاؤ، ویحک: تیرا برا ہو، اغضض: تو پست کر، اپنی آواز دھیمی کر، ولما یلحق بھم: اس کے دو معنی ہو سکتے ہیں: (۱) ابھی تک وہ اعمال اور نیکی کے لحاظ سے اس قوم کے برابر نہیں پہنچ سکا، اعمال میں پیچھے ہے۔ (۲) ابھی تک اس نے اس قوم سے کوئی ملاقات نہیں کی، ملا تک نہیں، لا یغلق: (اغلاق سے صیغہ مجہول) اس دروازے کو بند نہیں کیا جائے گا، حاک: بننے لگا یعنی کھٹکا پیدا ہونے لگا، جلف: (جیم کے نیچے زیر اور لام ساکن) بیوقوف، احمق، جاف: یہ جفاء سے ہے، سخت مزاج، اکھڑ اور تندخو، مه: (اسم فعل) رک جا، چپ ہو جا، فما برح یحدثنی: مسلسل حضرت صفوان مجھ سے باتیں کرتے رہے۔

قیامت تک توبہ کا دروازہ کھلا ہے

مذکورہ احادیث میں بہت سے امور کا ذکر ہے، جن کا خلاصہ یہ ہے:

۱۔ جو شخص دینی علم حاصل کرنے کے لئے اللہ کے راستے میں ہو، تو فرشتے بطور اعزاز اور اس کی رضا کے لئے اپنے پر، اس کے قدموں کے نیچے بچھاتے ہیں، یہ طلب علم کی فضیلت ہے۔

۲۔ مسافر آدمی چمڑے کے موزوں پر تین دن اور تین رات اور مقیم ایک دن اور ایک رات تک ان پر مسح کر سکتا ہے، پیشاب، پاخانے اور سونے سے اس میں کوئی فرق نہیں پڑتا، ان کے بعد بھی مسح کیا جا سکتا ہے، البتہ اگر موزے پہننے کے بعد غسل فرض ہو جائے تو پھر موزوں کا اتارنا ضروری ہو جاتا ہے۔

مسح کا یہ حکم صرف چمڑے کے موزوں کے ساتھ خاص ہے، وہ جرابیں جو موسم سرما وغیرہ میں استعمال ہوتی ہیں، ان پر مسح کرنا جائز نہیں ہے۔

۳۔ جو شخص دنیا میں جس کے ساتھ محبت کرتا ہوگا، قیامت کے دن وہ اس کے ساتھ ہوگا، ہاں ان میں درجات کے لحاظ سے فرق ہو سکتا ہے۔(۱)

۴۔ ایک دیہاتی جو سخت مزاج اور بیوقوف سا تھا، اس نے آپ ﷺ کو بلند آواز سے پکارا، تو صحابہ نے اسے سمجھانے کی کوشش کی کہ حضور ﷺ کے سامنے اونچی آواز سے نہ بولیں، لیکن وہ کہنے لگا کہ میں اپنی آواز دھیمی نہیں کروں گا، لیکن چونکہ وہ مخلص تھا، اس لئے آپ ﷺ نے اسے بلند آواز سے جواب دیا کہ آجاؤ، آپ نے یہ انداز اس لئے اختیار کیا تا کہ وہ دیہاتی آواز بلند کرنے کی وجہ سے گنہگار نہ ہو، پھر اس نے آپ سے سوال کیا۔

۵۔ حضرت صفوان نے بیان فرمایا کہ مغرب کی جانب ایک دروازہ ہے جس کی چوڑائی چالیس یا ستر سال کی مسافت کے بقدر ہے، وہ توبہ کے لئے ہر وقت کھلا ہے جو بھی توبہ کرنا چاہے، کر سکتا ہے، پھر جب مغرب سے سورج طلوع ہوگا، اس وقت توبہ کا یہ دروازہ بند ہو جائے گا، اس وقت ایمان لانے اور توبہ کرنے کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔(۲)

عَنِ ابْنِ عُمَرَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: إِنَّ اللّٰهَ يَقْبَلُ تَوْبَةَ الْعَبْدِ مَا لَمْ يُغَرْغِرْ.(۳)

حضرت عبداللہ بن عمر سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ بندے کی توبہ اس وقت تک قبول کرتے ہیں، جب تک کہ اس کی روح گلے تک نہ پہنچے۔

---

(۱) شرح مسلم للنووی ۳۳۱/۲، کتاب البر والصلة، باب المرأ مع من أحب، تکملة فتح الملهم ۲۶۳/۵، رقم: ۶۶۶۸۔

(۲) تحفة الاحوذی ۴۸۱/۹

(۳) سنن ابن ماجة، کتاب الزهد، باب ذکر التوبة، رقم: ۴۲۵۳۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَلّٰهُ أَفْرَحُ بِتَوْبَةِ أَحَدِكُمْ مِنْ أَحَدِكُمْ بِضَالَّتِهِ إِذَا وَجَدَهَا.(۱)

حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ تم میں سے ہر ایک کی توبہ سے کہیں زیادہ خوش ہوتے ہیں، جتنا کہ تم میں سے کوئی اپنے گم شدہ اونٹ کے دوبارہ ملنے پر خوش ہوتا ہے۔

مشکل الفاظ کے معنی: مالم یغرغر: یہ غرغرۃ سے ہے: جب تک کہ اس کی روح گلے تک نہ پہنچے۔ للہ افرح: (لفظ اللہ پر لام تاکید ہے اور اس پر زبر ہے، اور افرح صیغہ اسم تفضیل ہے) اللہ تعالیٰ بہت زیادہ خوش اور راضی ہوتا ہے۔ ضالۃ: گم شدہ سامان، گم شدہ اونٹ وغیرہ۔

اللہ تعالیٰ توبہ سے بہت خوش ہوتے ہیں

مذکورہ حدیث سے دو باتیں ثابت ہوتی ہیں:

۞ موت کے وقت جب تک انسان کی روح گلے تک نہ پہنچ جائے، اس وقت تک توبہ کی جا سکتی ہے، کافر اپنے کفر سے اور مسلمان اپنے گناہوں سے توبہ کر سکتا ہے۔(۲)

۞ لق ودق بیابان اور صحرا میں اگر کسی کی سواری گم ہو جائے، اور سواری بھی ایسی کہ جس پر اس مسافر کا سارا ساز و سامان اور کھانے پینے کی اشیاء ہوں، ایسے میں اس کی پریشانی کا کیا عالم ہوگا، مایوسی کے اس وقت میں اچانک اسے اپنی سواری دوبارہ مل جاتی ہے، تو آپ بتایئے کہ وہ کتنا خوش ہوگا، اس کی خوشی کی کوئی انتہا نہیں ہوگی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مثال سے سمجھایا کہ اللہ جل جلالہ کے دربار میں جب کوئی گنہگار انسان توبہ کے لئے حاضر ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس بندے سے اس مسافر سے کہیں زیادہ خوش ہوتے ہیں، جسے اپنی سواری دوبارہ ملنے پر خوشی ہوتی ہے، اس لئے اگر انسان سے کوئی گناہ ہو جائے تو وہ مایوس نہ ہو، بلکہ فوراً اللہ جل جلالہ کے سامنے معافی کا دامن پھیلائے، اس کے سامنے روئے، گڑگڑائے، اس یقین کے ساتھ کہ اللہ تعالیٰ میری دعا کو ضرور قبول کریں گے، یقیناً اللہ جل جلالہ اس کے ساتھ اس کے گمان سے کہیں زیادہ رحم وکرم کا معاملہ فرمائیں گے، کوئی اس کے دربار میں آئے تو سہی، پھر دیکھے کہ اس کے ساتھ لطف وکرم کا کیا معاملہ ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو صحیح طرح سے توبہ کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔(۳)

عَنْ أَبِي أَيُّوبَ، أَنَّهُ قَالَ حِينَ حَضَرَتْهُ الوَفَاةُ: قَدْ كَتَمْتُ عَنْكُمْ شَيْئًا سَمِعْتُهُ مِنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ

---

(۱) الصحیح لمسلم، کتاب التوبۃ، باب فی الحض علی التوبۃ، رقم: ۲۶۷۵۔

(۲) مرقاۃ ۲۵۰/۵، کتاب الدعوات باب الاستغفار، رقم: ۲۳۴۳

(۳) ایضاً ۲۶۶/۵، رقم: ۲۳۵۸

وَسَلَّمَ يَقُولُ: لَوْ لَا أَنَّكُمْ تُذْنِبُونَ، لَخَلَقَ اللهُ خَلْقًا، يُذْنِبُونَ فَيَغْفِرُ لَهُمْ. (۱)

حضرت ایوب انصاری کی وفات کا وقت جب قریب ہوا تو کہنے لگے: میں نے تم لوگوں سے ایک بات چھپا رکھی تھی، جسے میں نے نبی کریم ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا تھا کہ: اگر تم لوگ گناہ نہیں کروگے، تو اللہ تعالیٰ ایک اور ایسی مخلوق پیدا کردے گا، جو گناہ کرے گی اور اللہ تعالیٰ ان کو معاف کردیں گے۔

رحمت الٰہی کی وسعت

اس حدیث سے یہ بتانا مقصود ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت بہت وسیع ہے، وہ جس طرح نیکوکاروں کو اپنی رحمت اور نعمتوں سے نوازتا ہے، گنہگاروں کو بھی یوں نوازتا ہے کہ ان کی توبہ کو قبول کرلیتا ہے اور ان کے گناہوں کو معاف کردیتا ہے، کیونکہ وہ غفار ہے، غفور ہے اور حلیم و کریم ہے، اس حدیث کے ذریعہ نہ تو گنہگاروں کو مزید گناہ پر ہمت اور حوصلہ دلانا پیش نظر ہے اور نہ ہی گناہ کی ترغیب دینا مقصود ہے کیونکہ گناہوں سے بچنے کا حکم اللہ تعالیٰ نے بڑی تاکید کے ساتھ قرآن مجید کے مختلف مقامات پر دیا ہے، اور نبی کریم ﷺ کو اس دنیا میں بھیجا ہی اس لئے ہے، تاکہ آپ لوگوں کو گناہ کی زندگی سے نکال کر طاعت اور عبادت کی راہ پر لگائیں، بس اس حدیث سے اللہ جل جلالہ کی رحمت اور قدرت کاملہ کا ذکر ہے، وہ چاہتا ہے کہ لوگ گناہ کرکے مجھ سے معافی مانگیں، تاکہ میں ان کی مغفرت کردوں۔ (۲)

حضرت ابو ایوب انصاری نے وفات تک یہ حدیث چھپا کر رکھی، لوگوں کے سامنے اسے بیان نہیں کیا، تاکہ لوگ اللہ تعالیٰ کی وسیع رحمت پر بھروسہ کرکے اعمال میں غفلت وسستی اور گناہوں میں منہمک نہ ہوجائیں، اور وفات کے وقت اس حدیث کو اس لیے بیان کردیا، تاکہ کتمان علم یعنی علم کی بات کو چھپانا لازم نہ آئے، (۳)

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: قَالَ اللهُ تَبَارَكَ وَتَعَالَى: يَا ابْنَ آدَمَ إِنَّكَ مَا دَعَوْتَنِي، وَرَجَوْتَنِي، غَفَرْتُ لَكَ، عَلَى مَا كَانَ فِيكَ، وَلَا أُبَالِي، يَا ابْنَ آدَمَ لَوْ بَلَغَتْ ذُنُوبُكَ عَنَانَ السَّمَاءِ، ثُمَّ اسْتَغْفَرْتَنِي، غَفَرْتُ لَكَ، وَلَا أُبَالِي، يَا ابْنَ آدَمَ، إِنَّكَ لَوْ أَتَيْتَنِي بِقُرَابِ الأَرْضِ خَطَايَا، ثُمَّ لَقِيتَنِي، لَا تُشْرِكُ بِي شَيْئًا، لَأَتَيْتُكَ بِقُرَابِهَا مَغْفِرَةً. (۴)

حضرت انس کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، اے ابن آدم: جب تک تو مجھ سے

---

(۱) الصحیح لمسلم، کتاب التوبۃ، باب سقوط الذنوب، رقم: ۲۷۴۸۔
(۲) مرقاۃ المفاتیح ۵/۲۳۹، کتاب الدعوات باب الاستغفار / رقم: ۲۳۲۸
(۳) تحفۃ الاحوذی ۹/۴۸۶
(۴) الترغیب والترھیب للمنذری، رقم: ۲۴۰۴

(گناہوں کی معافی) مانگتا رہے گا، اور مجھ سے مغفرت کی امید رکھے گا، میں تجھے معاف کرتا رہوں گا، خواہ تو جس گناہ میں بھی مبتلی ہو جائے، اور مجھے اس کی کوئی پرواہ نہیں، (یعنی اس معافی سے میری قدرت میں کوئی کمی نہیں آئے گی) اے ابن آدم! اگر تیرے گناہ آسمان کی بلندیوں تک بھی پہنچ جائیں، پھر تو مجھ سے مغفرت طلب کرے تو میں تجھے بخش دوں گا، اور مجھے کوئی پرواہ نہیں، اے ابن آدم! اگر تو زمین کے بھرنے کے بقدر میرے پاس غلطیاں لے کر آئے، اور تو مجھے اس حالت میں ملے کہ تو نے میرے ساتھ کسی چیز کو شریک نہیں ٹھہرایا ہوگا، تو میں بھی زمین کے بھراؤ کے برابر تمہارے پاس مغفرت لاؤں گا۔

مشکل الفاظ کے معنی: مادعوتنی: جب تک تو مجھے پکارتا رہے، علی ما کان فیک: خواہ تو جس گناہ میں بھی مبتلی ہو، ولا أبالی: اور مجھے کوئی پرواہ نہیں، یعنی میری قدرت میں کوئی کمی اور فرق نہیں پڑتا، عنان السماء: (عین پر زبر) بادل، آسمان کی طرح بلندی، قراب الارض: (قاف پر پیش اور زیر) زمین کے بھرنے کے بقدر، زمین کے بھراؤ کے برابر گناہ ہوں۔

اللہ تعالیٰ کی مغفرت کی اس قدر وسعت

اس حدیث کے ذریعہ ایک گنہگار مسلمان کو تسلی دی جارہی ہے کہ اگر تمہارے گناہ اتنے زیادہ ہو جائیں، جن سے زمین بھر جائے، اور آسمان کی بلندی تک وہ پہنچ جائیں تو بھی تم اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہونا، اس سے امید کے ساتھ تہِ دل سے معافی مانگو گے تو اللہ جل شانہ تمہاری توبہ کو قبول فرمالیں گے اور نامۂ اعمال کو گناہوں سے بالکل صاف کر دیا جائے گا، لیکن شرط یہ ہے کہ تمہارا عقیدہ توحید درست ہو، اللہ کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ ٹھہراتے ہوں، ایسے میں تم جتنے بھی گناہوں کے ساتھ، اللہ کے سامنے آؤ گے، اللہ تعالیٰ ان گناہوں کے بقدر مغفرت لے آئیں گے یعنی ان تمام گناہوں کو فوراً معاف کر دیں گے اور موت سے پہلے اگر تم شرک سے توبہ کرو گے تو اسے بھی معاف کر دیا جائے گا، اس طرح کرنے سے اللہ کی قدرت میں کوئی فرق نہیں آتا، اسی کو مذکورہ حدیث قدسی میں یوں بیان فرمایا کہ "مجھے کوئی پرواہ نہیں" اللہ تعالیٰ عمل کی توفیق عطا فرمائے۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: خَلَقَ اللهُ مِائَةَ رَحْمَةٍ، فَوَضَعَ رَحْمَةً وَاحِدَةً بَيْنَ خَلْقِهِ يَتَرَاحَمُونَ بِهَا، وَعِنْدَ اللهِ تِسْعٌ وَتِسْعُونَ رَحْمَةً.(۱)

حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے سو رحمتیں پیدا کیں، ان میں سے صرف ایک رحمت اپنی مخلوق کے درمیان رکھی (یعنی نازل فرمائی) اسی کی وجہ سے لوگ آپس میں ایک دوسرے پر رحم کرتے ہیں، اور باقی ننانوے رحمتیں اللہ جل شانہ کے پاس ہیں۔

---

(۱) الصحیح لمسلم، کتاب التوبۃ، باب فی سعۃ رحمۃ اللہ، رقم: ۲۷۵۲۔

اللہ کی سو رحمتیں

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے سو رحمتیں پیدا فرمائی ہیں، جن میں سے صرف ایک رحمت اس دنیا پر نازل فرمائی، اس کا یہ اثر ہے کہ انسان، جنات، جانور اور کیڑے مکوڑے آپس میں ایک دوسرے پر رحم اور محبت کرتے ہیں، رحمت کے باقی ننانوے درجے اللہ جل شانہ کے پاس ہیں، ان کا ظہور قیامت کے دن ہوگا، اور اہل ایمان اور فرمانبرداروں کو نوازا جائے گا، اس سے آپ اندازہ لگائیے کہ اللہ کی رحمت اور اس کی قدرت کتنی وسیع ہے، اللہ ہمارے اوپر دنیا اور آخرت دونوں میں خصوصی رحم فرمائے آمین یارب العالمین۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: لَوْ يَعْلَمُ الْمُؤْمِنُ مَا عِنْدَ اللّٰهِ مِنَ الْعُقُوبَةِ، مَا طَمِعَ فِي الْجَنَّةِ أَحَدٌ، وَلَوْ يَعْلَمُ الْكَافِرُ مَا عِنْدَ اللّٰهِ مِنَ الرَّحْمَةِ، مَا قَنَطَ مِنَ الْجَنَّةِ أَحَدٌ.(۱)

حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اگر مومن کو اس عذاب کا پتہ چل جائے، جو اللہ کے پاس ہے تو پھر کوئی شخص جنت کی امید بھی نہ رکھے (یعنی عذاب کے خوف سے جنت کی امید ہی ختم ہو جائے) اور اگر یہ جان لے کہ اللہ کی رحمت کس قدر ہے، تو پھر کوئی بھی اس کی جنت سے مایوس نہ ہو۔

مشکل الفاظ کے معنی: ماطمع: امید نہ رکھے، ماقنط: مایوس اور ناامید نہ ہو۔

بندے کو امید وخوف میں رہنا چاہیے

اس حدیث میں درحقیقت اللہ جل جلالہ کی وسیع رحمت اور کثرتِ عذاب کو بیان کیا گیا ہے، تاکہ مومن اللہ کی رحمت کا سہارا لے کر اعمال سے غافل اور اس کے عذاب سے بالکل بے خوف اور نڈر نہ ہو جائے، اور کافر کو اگر اللہ کی وسیع رحمت کا یقین ہو جائے تو پھر کوئی بھی جنت کی امید سے مایوس نہ ہو، گویا یہ حدیث بندے کو یہ درس دے رہی ہے کہ بندے کو امید اور خوف میں رہنا چاہیے، اللہ جل جلالہ کی رحمت کی امید بھی ہو، کیونکہ وہ رحمن ورحیم ہے اور اس کے عذاب سے بھی ڈرتا رہے کیونکہ وہ قہار بھی ہے، کوئی بھی نیک عمل کرے تو یہ فکر ہو کہ معلوم نہیں کہ یہ قبول ہوا ہے یا نہیں، یہ میرے لئے باعثِ رحمت ہوگا یا گرفت اور عذاب کا سبب، چنانچہ حضرت عمر فاروق کے بارے میں منقول ہے کہ انہوں نے فرمایا: اگر قیامت کے دن یہ اعلان کیا جائے کہ ایک شخص جنت میں داخل ہوگا تو میں امید رکھوں گا کہ وہ شخص میں ہوں، اور ایسے ہی اگر یہ اعلان کیا جائے کہ ایک شخص کو دوزخ میں داخل کیا جائے گا تو میں گمان کروں گا کہ وہ شخص میں ہی ہوں، (۲)

---

(۱) ایضا، رقم: ۲۷۵۵۔

(۲) مرقاۃ المفاتیح ۲۷۴/۵، کتاب الدعوات باب سعۃ رحمۃ اللہ تعالی، رقم: ۲۳۶۷۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، عَنْ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: إِنَّ اللّٰهَ حِينَ خَلَقَ الْخَلْقَ كَتَبَ بِيَدِهِ عَلَى نَفْسِهِ: إِنَّ رَحْمَتِي تَغْلِبُ غَضَبِي. (۱)

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے جب مخلوق کو پیدا کیا تو اپنے ہاتھ سے اپنی ذات کے متعلق تحریر فرمایا کہ: میری رحمت میرے غصے پر غالب ہے۔

اللہ کی رحمت غالب ہے

اللہ تعالیٰ نے اپنے دست مبارک سے ایک خصوصی کتاب میں یہ لکھ دیا کہ میری رحمت میرے غضب پر غالب ہے، یہ کتاب اللہ جل شانہ کے پاس عرش کے اوپر موجود ہے، یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس دنیا میں ہر لحہ اپنی مخلوق پر بے شمار نعمتوں کی بارش برساتا رہتا ہے، اور جو اس کے نافرمان اور کافر ہیں، ان کو بھی اپنے عذاب میں فوراً نہیں پکڑتا، انہیں ڈھیل دیتا رہتا ہے، کہ شاید یہ اپنی اصلاح کرلیں، اور راہ راست پر آجائیں، اس سب کچھ کے باوجود ان پر بھی رحم وکرم کرتا ہے، انہیں بھی اپنی نعمتوں سے نوازتا ہے، یہ اس لئے کہ وہ رحیم وکریم ہے، اس کی رحمت کے سائے اس کے غضب کے بادلوں پر غالب ہیں۔(۲)

عَنْ أَنَسٍ قَالَ: دَخَلَ النَّبِيُّ الْمَسْجِدَ وَرَجُلٌ قَدْ صَلَّى وَهُوَ يَدْعُو وَيَقُولُ فِي دُعَاءِهِ: اَللّٰهُمَّ، لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ الْمَنَّانُ، بَدِيعُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ، ذَا الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ فَقَالَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم: أَتَدْرُونَ بِمَ دَعَا اللّٰهَ؟ دَعَا اللّٰهَ بِاسْمِهِ الْأَعْظَمِ، الَّذِي إِذَا دُعِيَ بِهِ أَجَابَ، وَإِذَا سُئِلَ بِهِ أَعْطَى۔(۳)

حضرت انس فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں داخل ہوئے، ایک شخص نماز پڑھنے کے بعد ان الفاظ سے دعا مانگ رہا تھا: اے اللہ، تیرے علاوہ کوئی عبادت کے لائق نہیں، تو ہی احسان کرنے والا، اور آسمان وزمین کو پیدا کرنے والا ہے، اے عظمت وکرم والے اللہ، (یہ سن کر) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تم جانتے ہو کہ اس نے کن الفاظ سے دعا کی ہے؟ اس نے اللہ سے اس کے اسم اعظم کے وسیلے سے دعا کی ہے، جس کے وسیلے سے جب دعا کی جائے تو اللہ تعالیٰ قبول فرماتا ہے اور جب اس کے ذریعہ سے سوال کیا جائے تو اللہ تعالیٰ ضرور عطا فرماتا ہے۔

دعا کی قبولیت کا ایک راز

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جب انسان اللہ جل جلالہ سے مانگے تو دعا میں اللہ کی عظمت و بڑائی اور اس کی تعریف میں

---

(۱) سنن ابن ماجة، المقدمة، باب فيما انكرته الجهمية، رقم:۱۸۹۔

(۲) مرقاة المفاتيح ۲۷۱/۵، رقم: ۲۳۶۴۔

(۳) ابن ماجة، رقم: ۳۸۵۸

ان کلمات کا استعمال کرے: اَللّٰهُمَّ، لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ الْمَنَّانُ، بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ، ذَا الْجَلَالِ وَ الْاِكْرَامِ تو اللہ تعالیٰ اس دعا کو ضرور قبول فرماتا ہے، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس میں اللہ کا ایک ایسا نام ہے یعنی اسم اعظم ہے، جس کے وسیلے سے جب بھی کوئی شخص کسی چیز کی دعا کرے تو اسے ضرور قبول کیا جاتا ہے اور اسے وہ چیز عطا کر دی جاتی ہے، اس لئے اپنی دعاؤں میں ان الفاظ کو ضرور شامل کرنا چاہیے، تاکہ ہماری دعا قبولیت کے نور سے آراستہ ہو جائے۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: رَغِمَ أَنْفُ رَجُلٍ ذُكِرْتُ عِنْدَهُ، فَلَمْ يُصَلِّ عَلَيَّ، وَرَغِمَ أَنْفُ رَجُلٍ دَخَلَ عَلَيْهِ رَمَضَانُ، ثُمَّ انْسَلَخَ قَبْلَ أَنْ يُغْفَرَ لَهُ، وَرَغِمَ أَنْفُ رَجُلٍ، أَدْرَكَ عِنْدَهُ أَبَوَاهُ الْكِبَرَ فَلَمْ يُدْخِلَاهُ الْجَنَّةَ قَالَ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ: وَأَظُنُّهُ قَالَ: أَوْ أَحَدُهُمَا. (۱)

حضرت ابوہریرہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اس شخص کی ناک خاک آلود ہو، جس کے پاس میرا ذکر کیا جائے اور وہ مجھ پر درود نہ بھیجے اور اس شخص کی ناک خاک آلود ہو، جس پر رمضان کا مہینہ آیا پھر وہ اس کی مغفرت ہونے سے پہلے ہی ختم ہو گیا (گذر گیا) اور اس شخص کی ناک خاک آلود ہو، جس کے پاس اس کے والدین نے بڑھاپے کا زمانہ پایا، لیکن انہوں نے اسے جنت میں (خدمت کے ذریعہ) داخل نہیں کیا۔

راوی عبدالرحمن کہتے ہیں کہ میرا خیال ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا: یا والدین میں سے کسی ایک نے اس کے پاس بڑھاپے کا زمانہ پایا۔

عَنْ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: الْبَخِيلُ الَّذِي مَنْ ذُكِرْتُ عِنْدَهُ، فَلَمْ يُصَلِّ عَلَيَّ. (۲)

حضرت علی بن ابی طالب فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: بخیل تو وہ ہے جس کے سامنے میرا تذکرہ ہو اور وہ مجھ پر درود نہ بھیجے۔

مشکل الفاظ کے معنی: رغم انف رجل: (را پر زبر اور غین کے نیچے زیر): آدمی کی ناک خاک آلود ہو، ذکرت عندہ: (صیغہ مجہول) اس کے پاس مجھے ذکر کیا جائے، ادرک: پالیا، ثم انسلخ: پھر وہ مہینہ گذر جائے، الکبر: (کاف کے نیچے زیر اور با پر زبر) بڑھاپا۔

تین آدمیوں کی ناک خاک آلود ہو

تین آدمیوں کی ناک خاک آلود ہو یعنی وہ ذلیل و رسوا ہو جائیں کہ جن کے سامنے یہ چیزیں پیش آئیں، لیکن انہوں نے

---

(۱) مسند احمد ۲/۲۵۴، عن أبي هريرة۔

(۲) مسند احمد ۱/۲۰۱، عن علي بن ابي طالب۔

ان پر عمل نہیں کیا، ان کی تفصیل یہ ہے:

۱۔ جس شخص کے سامنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا نام مبارک کا ذکر ہو اور وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر صلاۃ وسلام نہ بھیجے، اور دوسری روایت میں ایسے شخص کو بخیل کہا گیا ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجنے کا کیا حکم ہے؟ اس بارے میں دو قول ہیں:

❁ مذکورہ دو حدیثوں کی روشنی میں امام طحاوی اور بعض دیگر حضرات فرماتے ہیں کہ مجلس میں جب بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا نام مبارک آئے تو آپ پر درود بھیجنا واجب ہے۔

❁ جمہور اہل سنت کے نزدیک حکم یہ ہے کہ مجلس میں نام مبارک آئے تو ایک مرتبہ درود پڑھنا واجب ہے، اور مستحب یہ ہے کہ جب بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم مبارک آئے، تو درود پڑھا جائے، اسی طرح لکھتے وقت بھی جب آپ کا نام آئے تو قلم سے پورا صلاۃ وسلام یعنی صلی اللہ علیہ وسلم لکھنا چاہیے، صرف "صلعم" لکھنا کافی نہیں۔

جمہور کا استدلال ترمذی کی ایک اور روایت سے ہے، جسے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس مجلس میں لوگ جمع ہوں، اور وہ اس میں اللہ تعالیٰ کا ذکر اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر صلاۃ وسلام نہ بھیجیں، تو یہ ان پر قیامت کے دن باعث حسرت اور افسوس ہوگا، اگر اللہ چاہے تو انہیں عذاب دے، اور چاہے تو انہیں معاف کردے۔(۱)

۲۔ آپ نے فرمایا: جس شخص کی زندگی میں رمضان کا مہینہ آجائے اور وہ اس میں عبادات اور دعاؤں کے ذریعہ اپنی مغفرت نہ کرا سکا اور نہ ہی اس نے کوئی خاص کوشش کی تو اس کی ناک خاک آلود ہو یعنی وہ ذلیل وخوار ہو جائے، لہذا جب رمضان کا مہینہ آجائے تو خوب عبادت کرنی چاہیے، تاکہ اللہ تعالیٰ مغفرت فرمادیں۔

۳۔ وہ شخص بھی ذلت اور رسوائی سے دوچار ہو، جس نے والدین کو یا ان میں سے کسی ایک کو بڑھاپے میں پایا، لیکن اس نے ان کی خدمت نہ کی کہ جس سے وہ جنت میں داخل ہو جاتا، اس لئے اگر کسی کے والدین زندہ ہوں، تو اسے چاہیے کہ اپنی ہمت اور طاقت کے بقدر ان کی ہر لحاظ سے خوب خدمت کرے، تاکہ اس کے والدین اس سے خوش ہو جائیں، یوں اس سے اللہ جل جلالہ بھی خوش ہو جائیں گے اور ان شاء اللہ اسے جنت میں داخل کردیں گے۔

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ أَبِي أَوْفَى، قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: اللَّهُمَّ بَرِّدْ قَلْبِي بِالثَّلْجِ وَالْبَرَدِ، وَالْمَاءِ الْبَارِدِ، اللَّهُمَّ نَقِّ قَلْبِي مِنَ الْخَطَايَا، كَمَا نَقَّيْتَ الثَّوْبَ الْأَبْيَضَ مِنَ الدَّنَسِ.(۲)

حضرت عبداللہ بن ابی اوفی کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا کیا کرتے تھے: اے اللہ میرے دل کو برف، اولے اور ٹھنڈے پانی سے ٹھنڈا کردے، اے اللہ میرے دل کو گناہوں سے اس طرح پاک صاف کردے، جس طرح تو سفید کپڑے کو میل کچیل سے صاف کردیتا ہے۔

---

(۱) تحفۃ الاحوذی ۹/۴۹۴، معارف القرآن ۷/۲۲۴۔

(۲) مسند احمد ۴/۳۵۴۔

مشکل الفاظ کے معنی: برد: (تبرید سے صیغہ امر) تو ٹھنڈا کر دے، ثلج: برف، برد: (با اور را پر زبر) اولے، نق: (تنقیہ سے صیغہ امر) تو پاک صاف کر دے، دنس: (دال اور نون پر زبر) میل کچیل، خطایا: خطیۃ کی جمع ہے: غلطیاں، گناہ۔

ایک مسنون دعا

اس حدیث میں نبی کریم ﷺ کی ایک دعا کا ذکر ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ اے اللہ میرے دل کو برف، اولے اور ٹھنڈے پانی سے ٹھنڈا کر دے، تاکہ اسے سکون حاصل ہو، اور میرے دل کو گناہوں سے یوں صاف کر جس طرح تو میلے کپڑے کو میل سے صاف کر دیتا ہے، اللہ تعالیٰ ہمیں بھی یہ دعا مانگنے کی توفیق عطا فرمائے۔

عَنِ ابْنِ عُمَرَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَنْ فُتِحَ لَهُ مِنْكُمْ بَابُ الدُّعَاءِ، فُتِحَتْ لَهُ أَبْوَابُ الرَّحْمَةِ، وَمَا سُئِلَ اللهُ شَيْئًا يَعْنِي أَحَبَّ إِلَيْهِ مِنْ أَنْ يُسْأَلَ العَافِيَةَ، وَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنَّ الدُّعَاءَ يَنْفَعُ مِمَّا نَزَلَ وَمِمَّا لَمْ يَنْزِلْ، فَعَلَيْكُمْ عِبَادَ اللهِ بِالدُّعَاءِ. (۱)

حضرت عبداللہ بن عمر کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس کے لئے دعا کا دروازہ کھول دیا گیا (یعنی اسے زیادہ دعا کرنے کی توفیق ہوگئی) اس کے لئے گویا رحمت کے دروازے کھول دیئے گئے، اور اللہ سے عافیت کا سوال کرنا، اس کے ہاں ہر چیز کے مانگنے سے زیادہ محبوب ہے، اور آپ نے فرمایا: دعا اس مصیبت کے لئے بھی فائدے مند ہے، جو نازل ہو چکی ہے، اور اس کے لئے بھی جو ابھی نازل نہیں ہوئی، لہذا اے اللہ کے بندو! دعا کو اپنے اوپر لازم کرلو۔

کثرت سے دعا مانگا کرو

مذکورہ حدیث سے تین باتیں معلوم ہوئیں:

۞ جسے اللہ سے زیادہ دعا مانگنے کی توفیق مل جائے، تو اس کے لئے گویا رحمت الٰہی کے دروازے کھول دیئے گئے، اس کی برکت سے انشاء اللہ اس کے تمام مسائل حل ہو جائیں گے۔

۞ اللہ جل شانہ کو تمام دعاؤں میں سب سے زیادہ محبوب وہ دعا ہے، جس میں انسان اللہ سے اپنے لئے عافیت مانگے، اس میں اپنی بے کسی کو ظاہر کر کے اپنے لئے عافیت مانگے، اس لئے کثرت سے اس دعا کو مانگنے کا اہتمام کرنا چاہیے۔ (۲)

---

(۱) المستدرک للحاکم ۱/۴۹۸۔

(۲) مرقاۃ المفاتیح ۵/۱۲۴، کتاب الدعوات، رقم: ۲۲۳۹۔

❁ دعا انسان کے لئے ہر حال میں نفع مند ہے، جو مصیبت آچکی ہو، اس کے لئے بھی فائدے مند ہے، اس کی برکت سے وہ مصیبت ختم یا کم ہو جاتی ہے، اور جو مصیبت ابھی تک نہیں آئی، اس کے لئے بھی دعا فائدہ مند ہے، اس کی برکت سے اس کو دفع کر دیا جاتا ہے، اس لئے ہر حال میں اللہ کی طرف ہی متوجہ رہنا چاہیے۔(۱)

عَنْ بِلَالٍ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: عَلَيْكُمْ بِقِيَامِ اللَّيْلِ، فَإِنَّهُ دَأْبُ الصَّالِحِينَ قَبْلَكُمْ، وَإِنَّ قِيَامَ اللَّيْلِ قُرْبَةٌ إِلَى اللهِ، وَمَنْهَاةٌ عَنِ الإِثْمِ، وَتَكْفِيرٌ لِلسَّيِّئَاتِ، وَمَطْرَدَةٌ لِلدَّاءِ عَنِ الجَسَدِ.(۲)

حضرت بلال فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم پر رات کے قیام یعنی نماز تہجد کا اہتمام لازم ہے، کیونکہ یہ تم سے پہلے نیک لوگوں کا طریقہ رہا ہے، اور یقیناً رات کا قیام اللہ کی نزدیکی کا باعث ہے، گناہ سے روکنے والا اور برائیوں کو مٹانے والا ہے، اور جسم کی بیماریوں کو دور کرنے والا ہے۔

مشکل الفاظ کے معنی: قیام اللیل: نماز تہجد، دأب: (دال پر زبر اور ہمزہ ساکن) طریقہ، منھاۃ: مصدر میمی اسم فاعل کے معنی میں ہے: روکنے والا، مطردۃ: دھتکارنے والا، دور کرنے والا، قربۃ: قرب اور نزدیکی کا ذریعہ۔

نماز تہجد کی چند خصوصیات

مذکورہ حدیث میں نماز تہجد پڑھنے کی ترغیب دی گئی ہے، فرمایا کہ اس نماز کا اہتمام کیا کرو، یہی نیک لوگوں کا طریقہ رہا ہے، اس کی خصوصیت یہ ہے کہ اس نماز سے اللہ کا قرب اور نزدیکی حاصل ہوتی ہے، گناہوں اور بدکاریوں سے یہ روکتی ہے، جو گناہ ہو چکے ہوں، ان کو معاف کر دیتی ہے، اور جسمانی امراض بھی اس کی برکت سے دور ہو جاتے ہیں، کیونکہ زیادہ سونے سے نقصان ہوتا ہے، اس کے علاوہ بھی اس نماز کی بہت سی خصوصیات ہیں، اللہ تعالیٰ ہمیں اس نماز کو پابندی کے ساتھ پڑھنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَعْمَارُ أُمَّتِي مَا بَيْنَ السِّتِّينَ إِلَى السَّبْعِينَ، وَأَقَلُّهُمْ مَنْ يَجُوزُ ذٰلِکَ.(۳)

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میری امت (کے افراد) کی عمریں ساٹھ سے ستر سال کے درمیان ہوں گی، اور ان میں ایسے تو بہت ہی کم ہوں گے، جو اس سے تجاوز کریں۔

مشکل الفاظ کے معنی: اعمار: عمر کی جمع ہے: زندگی، و أقلھم: اور ان میں سے بہت کم ایسے لوگ ہوں گے، من یجوز

(۱) مرقاۃ المفاتیح ۵/۱۲۱، رقم: ۲۲۳۴۔

(۲) الترغیب والترهیب ۱/۲۸۱۔

(۳) ابن ماجة، کتاب الزهد، باب الأمل والأجل، رقم: ۴۲۳۶۔

ذلک: جو ستر سال سے تجاوز کرے۔

امت محمدیہ کی عمریں کتنی ہوں گی

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ امت محمدیہ کے افراد کی عمریں زیادہ سے زیادہ ساٹھ سے ستر سال کے درمیان ہوں گی، اس سے زیادہ بہت کم لوگوں کی عمریں ہوں گی، چنانچہ صحابہ کرام میں حضرت سلمان فارسی کی عمر دو سو پچاس سال، حضرت حسان بن ثابت کی عمر ایک سو بیس سال، اسماء بنت ابی بکر کی سو سال، اور حضرت انس بن مالک کی عمر ایک سو تیس سال تھی، (۱)

اس حدیث سے مقصود یہ ہے کہ اس مختصر سی عمر کو ضائع کرنے کے بجائے اسے زیادہ سے زیادہ اللہ کی عبادت اور دینی کاموں میں صرف کیا جائے، شاید کہ اس سے ہماری آخرت سنور جائے، بس شب و روز اسی تگ و دو اور فکر میں رہے اور زندگی کے ان قیمتی لحات کو اللہ کی نافرمانی میں لگانے سے مکمل اجتناب کرے۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَدْعُو يَقُولُ: رَبِّ أَعِنِّي وَلَا تُعِنْ عَلَيَّ، وَانْصُرْنِي وَلَا تَنْصُرْ عَلَيَّ، وَامْكُرْ لِي وَلَا تَمْكُرْ عَلَيَّ، وَاهْدِنِي وَيَسِّرِ الْهُدَى لِي، وَانْصُرْنِي عَلَى مَنْ بَغَى عَلَيَّ، رَبِّ اجْعَلْنِي لَكَ شَكَّارًا، لَكَ ذَكَّارًا، لَكَ رَهَّابًا، لَكَ مِطْوَاعًا، لَكَ مُخْبِتًا، إِلَيْكَ أَوَّاهًا مُنِيبًا، رَبِّ تَقَبَّلْ تَوْبَتِي، وَاغْسِلْ حَوْبَتِي، وَأَجِبْ دَعْوَتِي، وَثَبِّتْ حُجَّتِي، وَسَدِّدْ لِسَانِي، وَاهْدِ قَلْبِي، وَاسْلُلْ سَخِيمَةَ صَدْرِي. (۲)

حضرت عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ یہ دعا مانگا کرتے تھے: اے میرے پروردگار! میری مدد کر، میرے خلاف دوسروں کی مدد نہ کر، میری نصرت فرما، میرے خلاف دوسروں کی نصرت نہ فرما، میرے حق میں تدبیر کر اور میرے مقابلے میں کسی کی تدبیر نہ چلا، مجھے سیدھی راہ دکھا، اور سیدھے راستے پر چلنا میرے لئے آسان بھی کر دے، اور اس شخص کے مقابلے میں میری مدد کر، جو مجھ پر زیادتی کرے، اے میرے پروردگار: مجھے اپنا ایسا بندہ بنا دے کہ میں تجھے بہت زیادہ یاد کیا کروں، تیرا بہت شکر ادا کیا کروں، تجھ سے بہت ڈرا کروں، تیری بہت فرمانبرداری کیا کروں، تیرا بہت اطاعت گذار رہوں، تیرے ہی سامنے عاجزی کرنے والا رہوں، تیری ہی طرف متوجہ ہونے والا بنوں، اور تیری ہی طرف رجوع کروں، اے میرے پروردگار میری توبہ قبول کر، اور میرے گناہ دھو دے، اور میری دعا قبول کر، اور (دنیا و آخرت میں دشمنوں کے سامنے) میری دلیل و حجت کو ثابت کر، اور میری زبان درست رکھ، اور میرے دل کو ہدایت پر رکھ اور میرے سینے سے حسد و بغض اور کینے کو نکال دے۔

---

(۱) مرقاۃ المفاتیح ۴۶۱/۹، کتاب الرقاق باب الأمل والحرص، رقم الحدیث: ۵۲۸۰

(۲) سنن ابی داؤد، کتاب الصلاۃ، باب دعاء رسول اللہ، رقم: ۳۸۳۰۔

مشکل الفاظ کے معنی: ولا تعن علي: میرے خلاف میرے کسی دشمن کی مدد نہ کر، وامکرلي: میرے حق میں تدبیر کر، خفیہ چال چل، "مکر" کے لغوی معنی "دھوکہ اور فریب" کے ہیں، جب اس لفظ کی نسبت اللہ کی طرف کی جائے تو اس سے یہ مراد ہوتا ہے کہ دین اسلام کے دشمنوں پر اس طرح سے کوئی بلاء اور مصیبت آجائے کہ جہاں سے انہیں وہم وگمان بھی نہ ہو، یعنی دشمن کے خلاف ایسی خفیہ چال چلی جائے، جس سے اسے نقصان بھی ہوجائے اور اسے یہ سمجھ ہی نہ آسکے کہ یہ کیسے ہوا ہے، ولا تمکر علي: اور میرے خلاف کسی دشمن کی چال کامیاب نہ بنا، لک رھابا: تجھ سے بہت ڈرنے والا رہوں، لک مطواعا: تیرا بہت زیادہ اطاعت گذار رہوں، لک مخبتا: تیرے لئے خشوع وخضوع اور عاجزی کرنے والا رہوں، اواھا: بہت زیادہ اللہ کی طرف متوجہ ہونے والا، منیباً: اللہ کی طرف رجوع کرنے والا، حوبتي: (حاء پر پیش اور زبر) میرے گناہ، ثبت حجتي: میری دلیل ثابت کر یعنی دنیا میں دشمنانِ اسلام کے خلاف مجھے غلبہ عطا فرما، قبر اور آخرت میں مجھے استقامت کے ساتھ رکھنا، تاکہ میں فرشتوں کے سوالات کا جواب دے سکوں، سدد: (تسدید سے صیغہ امر) سیدھا رکھ، درست کر، اسلل: (باب نصر سے صیغہ امر) تو نکال دے، سخیمة: حسد وبغض اور کینہ، کھوٹ، دل کی میل۔

ایک جامع دعا

مذکورہ حدیث میں ایک ایسی دعا کا ذکر ہے، جو بہت سے امور کو جامع ہے، دنیا اور آخرت کی تمام بھلائیاں اس میں موجود ہیں، اس لئے اس دعا کو یاد کرکے اللہ جل شانہ سے مانگنے کا اہتمام کیا جائے، اللہ تعالیٰ اس کی ہمیں توفیق عطا فرمائے۔

عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَنْ دَعَا عَلَى مَنْ ظَلَمَهُ فَقَدِ انْتَصَرَ. (۱)

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے اپنے ظالم کے خلاف بددعا کردی، اس نے اس سے اپنا انتقام اور بدلہ لے لیا۔

کیا بددعا سے ظلم کا انتقام ہوجاتا ہے

اس حدیث میں ہے کہ جو شخص اپنے ظالم کے خلاف بددعا کرے، تو اس نے گویا اپنے اوپر ظلم کا اس سے بدلہ اور انتقام لے لیا، اس سے کیا مراد ہے؟ شارحین حدیث نے اس کی شرح میں تین صورتیں ذکر کی ہیں:

- اگر اس نے ظالم کے خلاف اتنی ہی بددعا کی اور اسی قدر برا بھلا کہا، جس قدر کہ اس کا ظلم تھا تو پھر ظلم کا بدلہ ادا ہوگیا، اب کسی پر کوئی حق باقی نہیں رہا اور نہ کسی پر کوئی گناہ ہے۔
- اگر بددعا وغیرہ کے باوجود ظالم کا ظلم زیادہ ہی ہے، تو ایسی صورت میں مظلوم پر کوئی گناہ نہیں، جس قدر اس نے بددعا کی،

(۱) الدر المنثور للسیوطی ۲/۲۳۷۔

اس کے بقدر اس نے گویا بدلہ لے لیا۔

۞ اگر ظلم کے مقابلے میں مظلوم نے زیادہ بددعا اور زیادہ سب وشتم کیا، تو اب الٹا یہ ظالم ہو جائے گا۔

شریعت کی نظر میں اگرچہ اپنے اوپر کئے گئے ظلم کا بدلہ انسان لے سکتا ہے، لیکن ظالم کو سرے سے معاف کر دینا، یہ زیادہ اجر وثواب اور فضیلت والا عمل ہے۔(۱)

عَنْ أَبِي أَيُّوبَ الأَنْصَارِيِّ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَنْ قَالَ عَشْرَ مَرَّاتٍ: لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ، لَهُ المُلْكُ وَلَهُ الحَمْدُ، يُحْيِي وَيُمِيتُ، وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ، كَانَتْ لَهُ عِدْلَ أَرْبَعِ رِقَابٍ مِنْ وَلَدِ إِسْمَاعِيلَ.(۲)

حضرت ابوایوب انصاری فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جو شخص دس مرتبہ یہ کلمات پڑھے: لا الٰہ الا اللہ .... قدیر، اسے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے چار غلام آزاد کرنے کے برابر ثواب حاصل ہوتا ہے۔

تہلیل کی ایک اور فضیلت

اس حدیث میں ان کلمات لا الہ .... کی فضیلت کا ذکر ہے کہ جو شخص انہیں دس مرتبہ پڑھے، تو اسے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے چار غلام آزاد کرنے کا ثواب حاصل ہوتا ہے، "ولد اسماعیل" سے دو باتوں کی طرف اشارہ ہے:

۞ اس بات کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہے کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کا خاندان دیگر تمام عرب سے افضل اور اعلیٰ ہے، حدیث کا مطلب یہ ہے کہ اس نے گویا چار عمدہ قسم کے غلام آزاد کئے، جو حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد سے تعلق رکھتے ہیں۔

۞ نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ عربوں کو بھی غلام بنایا جا سکتا ہے۔(۳)

عَنْ صَفِيَّةَ، تَقُولُ: دَخَلَ عَلَيَّ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَبَيْنَ يَدَيَّ أَرْبَعَةُ آلَافِ نَوَاةٍ أُسَبِّحُ بِهَا، قَالَ: لَقَدْ سَبَّحْتِ بِهٰذِهِ، أَلَا أُعَلِّمُكِ بِأَكْثَرَ مِمَّا سَبَّحْتِ؟ فَقُلْتُ: بَلَى عَلِّمْنِي، فَقَالَ: قُولِي: سُبْحَانَ اللهِ عَدَدَ خَلْقِهِ.(۴)

حضرت صفیہ فرماتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ میرے پاس تشریف لائے تو میرے سامنے کھجور کی چار ہزار گٹھلیاں تھیں، جن سے میں تسبیح پڑھ رہی تھی، آپ ﷺ نے فرمایا: تم نے ان گٹھلیوں سے تسبیح پڑھی ہے، کیا میں تمہیں ایسی تسبیح نہ

(۱) شرح مسلم للنووی ۳۲۱/۲، کتاب البر والصلة باب النهی عن الساب، تکملة فتح الملهم ۳۹۶/۵ کتاب البر والصلة باب النهی عن الساب، فیض القدیر للعلامة للمناوی ۱۲۶/۶، حدیث: ۸۲۶۵، ط: بیروت، الکوکب الدری ۳۶۷/۴

(۲) الصحیح للبخاری، الدعوات، باب فضل التهلیل، رقم: ۶۴۰۴۔

(۳) تحفة الاحوذی ۵۰۲/۹

(۴) المستدرک للحاکم ۵۴۷/۱۔

بتادوں، جو اجر و ثواب میں اس تسبیح سے زیادہ ہے جو تسبیح تم نے کی ہے، میں نے عرض کیا: کیوں نہیں، ضرور مجھے سکھا دیجئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم یہ تسبیح پڑھا کرو: سبحان الله عدد خلقه (میں اللہ تعالیٰ کی پاکی، اس کی مخلوق کی تعداد کے برابر بیان کرتی ہوں)۔

مشکل الفاظ کے معنیٰ: بین یدی: میرے سامنے، نواۃ: گٹھلی، عدد خلقه: اس کی مخلوق کی تعداد کے بقدر۔

ذکر کے لئے تسبیح یا گٹھلیوں کے استعمال کا حکم

اس حدیث سے دو امر ثابت ہوتے ہیں:

۱۔ "سبحان اللہ عدد خلقہ" اس ذکر کی بہت فضیلت ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کو یہ ذکر کرنے کی تاکید فرمائی کہ اس میں اجر و ثواب زیادہ ہے۔

۲۔ ذکر و اذکار اور وظیفہ کے لئے گٹھلیوں اور تسبیح کا استعمال شرعاً جائز ہے، یہ بدعت نہیں۔

عَنْ جُوَيْرِيَةَ بِنْتِ الحَارِثِ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَرَّ عَلَيْهَا وَهِيَ فِي مَسْجِدِهَا، ثُمَّ مَرَّ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِهَا قَرِيبًا مِنْ نِصْفِ النَّهَارِ، فَقَالَ لَهَا: مَا زِلْتِ عَلَى حَالِكِ فَقَالَتْ: نَعَمْ، قَالَ: أَلَا أُعَلِّمُكِ كَلِمَاتٍ تَقُولِينَهَا: سُبْحَانَ اللهِ عَدَدَ خَلْقِهِ، سُبْحَانَ اللهِ عَدَدَ خَلْقِهِ، سُبْحَانَ اللهِ عَدَدَ خَلْقِهِ، سُبْحَانَ اللهِ رِضَا نَفْسِهِ، سُبْحَانَ اللهِ رِضَا نَفْسِهِ، سُبْحَانَ اللهِ رِضَا نَفْسِهِ، سُبْحَانَ اللهِ زِنَةَ عَرْشِهِ، سُبْحَانَ اللهِ زِنَةَ عَرْشِهِ، سُبْحَانَ اللهِ زِنَةَ عَرْشِهِ، سُبْحَانَ اللهِ مِدَادَ كَلِمَاتِهِ، سُبْحَانَ اللهِ مِدَادَ كَلِمَاتِهِ، سُبْحَانَ اللهِ مِدَادَ كَلِمَاتِهِ. (۱)

حضرت جویریہ بنت الحارث فرماتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس سے گذرے، جبکہ وہ اپنی (گھر کی) مسجد میں بیٹھی تھیں، پھر دوپہر کے قریب دوبارہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس سے گذرے، تو آپ نے ان سے پوچھا: تم ابھی تک اسی حال پر بیٹھی ہو (یعنی صبح سے تم اسی طرح بیٹھ کر تسبیح کر رہی ہو) عرض کیا: جی ہاں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں تمہیں کچھ کلمات بتاتا ہوں، تم وہ پڑھا کرو: سبحان الله عدد خلقه تین مرتبہ (میں اللہ کی پاکی اس کی مخلوق کی تعداد کے برابر بیان کرتا ہوں) اور سبحان الله رضا نفسه تین بار (میں اللہ کی پاکی، اس کے نفس کی رضا کے مطابق بیان کرتا ہوں) اور سبحان الله زنة عرشه تین بار (میں اللہ کی پاکی اس کے عرش کے وزن کے برابر بیان کرتا ہوں) اور سبحان الله مداد کلماته تین بار (میں اللہ تعالیٰ کی پاکی اس کے کلمات کی سیاہی کے بقدر بیان کرتا ہوں)۔

---

(۱) الصحیح لمسلم، کتاب الذکر، باب: التسبیح اول النہار، رقم: ۲۷۲۶۔

بہت ہی اجر وثواب والے چار کلمات

اس حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ام المومنین حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا کو ایک ذکر بتایا، جسے پڑھنے سے بہت زیادہ اجر وثواب حاصل ہوتا ہے وہ ذکر یہ ہے: سبحان اللہ عدد خلقه، سبحان اللہ رضا نفسه، سبحان اللہ زنة عرشه اور سبحان اللہ مداد کلماته تین تین بار یہ کلمات پڑھے جائیں، ان کلمات کا مطلب یہ ہے کہ اللہ جل جلالہ کی جس قدر مخلوقات ہیں، میں اس کے بقدر اللہ کی پاکی بیان کرتا ہوں، اور اللہ کی مخلوقات بے شمار ہیں، ان کا علم اللہ کے علاوہ کسی کو نہیں، دوسرے جملے میں اللہ کی خوشنودی اور رضا کے مطابق پاکی کا بیان ہے، تیسرے جملے میں اللہ کے عرش کے وزن کے برابر اور چوتھے جملے میں اللہ کے کلمات کی سیاہی کے بقدر اللہ کی پاکی کا بیان ہے، عرش رحمن کا وزن بھی اللہ کے علاوہ کسی کو معلوم نہیں، اس کے کلمات بھی کسی کے احاطہ میں نہیں آسکتے، چونکہ ان اذکار میں اللہ کی تسبیح اور پاکی نہایت بلیغ انداز میں بیان کی گئی ہے، اس لئے ان کلمات کے پڑھنے سے بہت زیادہ اجر وثواب حاصل ہوتا ہے۔

عَنْ سَلْمَانَ الْفَارِسِيِّ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: إِنَّ اللَّهَ حَيِيٌّ كَرِيمٌ يَسْتَحْيِي إِذَا رَفَعَ الرَّجُلُ إِلَيْهِ يَدَيْهِ، أَنْ يَرُدَّهُمَا صِفْرًا خَائِبَتَيْنِ. (۱)

حضرت سلمان فارسی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ بہت زیادہ حیا والے اور مہربان ہیں، جب کوئی بندہ اس کے سامنے اپنے ہاتھ پھیلاتا ہے تو اللہ تعالیٰ کو اس بات سے حیا آتی ہے کہ وہ انہیں خالی اور محروم لوٹائے۔

مشکل الفاظ کے معنی: مداد کلماته: (میم کے نیچے زیر) اللہ کے کلمات کی سیاہی کے بقدر، حیی: بہت زیادہ حیا والے، اللہ کے لئے حیا کی اس صفت کی کیا کیفیت ہے، یہ معلوم نہیں، بس اللہ ہی کو معلوم ہے، صِفرا: (صاد کے نیچے زیر اور فا ساکن) خالی ہاتھ، خائبتین: دونوں ہاتھ ناکام اور محروم ہو کر لوٹیں۔

اللہ تعالیٰ کسی ہاتھ کو خالی نہیں لوٹاتے

مذکورہ حدیث سے دو باتیں ثابت ہوتی ہیں:

- اللہ تعالیٰ بہت حیا والے اور مہربان ہیں، جب ان سے دعا کے آداب کا لحاظ کر کے دعا کی جائے، تو وہ ضرور قبول کرتے ہیں، دعا کے ان ہاتھوں کو خالی اور محروم نہیں لوٹاتے، ضرور عطا فرماتے ہیں، خالی ہاتھ لوٹانا ان کی شان حیا کے خلاف ہے۔
- نیز اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا مستحب ہے، یہ بات بہت سی احادیث سے ثابت ہے، اور آپ

(۱) سنن ابی داؤد، کتاب الصلاۃ، باب الدعاء، رقم الحدیث: ۱۴۸۸۔

صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ نماز استسقاء میں تو خوب مبالغہ کے ساتھ ہاتھ اٹھا کر اللہ جل جلالہ سے دعا مانگی ہے۔(۱)

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ رَجُلًا كَانَ يَدْعُو بِإِصْبَعَيْهِ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَحِّدْ أَحِّدْ۔(۲)

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص (نماز میں حالت تشہد میں) اپنی دو انگلیوں سے اشارہ کر رہا تھا، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے فرمایا: ایک انگلی سے اشارہ کر، ایک انگلی سے اشارہ کر۔

حالت تشہد میں ایک انگلی سے اشارہ کیا جائے

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ تشہد کی حالت میں دو انگلیوں سے نہیں، صرف ایک ہی شہادت کی انگلی سے اشارہ کیا جائے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک صحابی کو دیکھا کہ وہ دو انگلیوں سے اشارہ کر رہے تھے تو آپ نے اسے بعد میں فرمایا کہ ایک ہی انگلی سے اشارہ کیا کرو۔

اس ''رجل'' سے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ مراد ہیں۔(۳)

احادیث شتی من ابواب الدعوات

دعاؤں کے ابواب سے متعلق مختلف احادیث

عَنْ رِفَاعَةَ بْنِ رَافِعٍ قَالَ: قَامَ أَبُو بَكْرٍ الصِّدِّيقُ، عَلَى الْمِنْبَرِ ثُمَّ بَكَى فَقَالَ: قَامَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَامَ الْأَوَّلِ عَلَى الْمِنْبَرِ، ثُمَّ بَكَى، فَقَالَ: اسْأَلُوا اللّٰهَ الْعَفْوَ وَالْعَافِيَةَ، فَإِنَّ أَحَدًا لَمْ يُعْطَ بَعْدَ الْيَقِينِ خَيْرًا مِنَ الْعَافِيَةِ.(۴)

حضرت رفاعہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابوبکر منبر پر کھڑے ہوئے اور رونے لگے، پھر فرمایا: (ہجرت کے) پہلے سال نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی جب منبر پر کھڑے ہوئے تو رونے لگے اور فرمایا: اللہ تعالیٰ سے گناہوں کی معافی اور عافیت مانگا کرو، کیونکہ ایمان کے بعد عافیت سے بہتر کوئی چیز کسی کو عطا نہیں کی گئی (یعنی عافیت سے زیادہ بہتر کوئی چیز نہیں)۔

مشکل الفاظ کے معنی: عام الاوّل: ہجرت کے پہلے سال۔ العفو: مٹانا، یہاں حدیث میں اس سے گناہوں سے درگذر اور معافی مراد ہے، تاکہ کوئی عذاب نہ ہو۔ عافیۃ: امن اور سلامتی دین اور دنیا دونوں لحاظ سے ہو، دین محفوظ رہے، کسی فتنے میں ابتلاء نہ

---

(۱) تحفۃ الاحوذی ۵۰۵/۹

(۲) سنن النسائی، کتاب السہو، باب النہی عن الاشارۃ، رقم: ۱۲۷۳۔

(۳) الکوکب الدری ۳۶۷/۴

(۴) مسند احمد ۳/۱، عن ابی بکر الصدیق۔

ہو اور دنیا میں جسمانی اعتبار سے صحت وتندرستی رہے، کوئی بیماری نہ لگے، ہر مصیبت اور آفت سے حفظ وامان رہے، الیقین: یہاں حدیث میں اس سے ایمان مراد ہے۔

اللہ تعالیٰ سے ”عافیت“ مانگنے کا حکم

نبی کریم ﷺ نے ہجرت کے پہلے سال بیان کے لئے منبر کی سیڑھی پر پاؤں رکھا تو رو پڑے، اس رونے کی کیا وجہ تھی؟ شارحین فرماتے ہیں کہ اس وقت آپ کو یہ بتایا گیا کہ اس امت میں کیا کیا فتنے رونما ہوں گے، یہ لوگ مال و دولت، جاہ و منصب کی محبت اور اپنی خواہشات کے مطابق زندگی گذاریں گے، اسی وجہ سے آپ نے پھر یہ حکم دیا کہ اللہ جل جلالہ سے عفوو درگذر اور عافیت کا سوال کیا کرو، کیونکہ یقین یعنی ایمان کے بعد سب سے بڑی نعمت عافیت ہی ہے، اور ”عافیۃ“ کے مفہوم میں اگرچہ عفوودرگذر بھی داخل ہے، لیکن اس کے باوجود آپ نے اسے الگ ذکر کیا، یہ بتانے کے لئے کہ عفوودرگذر، عافیت کا سب سے اہم حصہ ہے۔(۱)

آپ کے بعد جب حضرت ابوبکر صدیق ؓ منبر پر کھڑے ہوئے تو وہ بھی رو پڑے، صدیق اکبر ؓ کیوں روئے؟ حضور ﷺ کا وہ وقت یاد آ گیا کہ جب آپ منبر پر کھڑے ہو کر وعظ و نصیحت کیا کرتے تھے اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ محض سنت پر عمل کے ارادے سے انہوں نے ایسا کیا ہو، کیوں کہ آپ ﷺ بھی اس موقع پر روئے تھے۔(۲)

عَنْ أَبِي بَكْرٍ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ مَا أَصَرَّ مَنِ اسْتَغْفَرَ، وَلَوْ فَعَلَهُ فِي الْيَوْمِ سَبْعِينَ مَرَّةً۔(۳)

حضرت ابوبکر ؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اس نے گناہ پر اصرار نہیں کیا، جس نے (گناہ کے بعد) استغفار کیا، اگرچہ اس نے دن میں ستر بار ایسا کیا ہو۔

کثرت سے استغفار کرنے کی فضیلت

جس شخص نے کوئی گناہ کیا اور پھر اسے اس پر ندامت ہوئی اور آئندہ نہ کرنے کا پختہ عزم کر کے وہ اللہ سے معافی مانگتا ہے، استغفار کرتا ہے، تو ایسا بندہ گناہ پر اصرار کرنے والا شمار نہیں ہوتا، اگرچہ وہ دن میں ستر بار بھی ایسا کرے یعنی اگر ہر گناہ کے بعد ندامت کے ساتھ معافی مانگتا رہے، پھر اس سے کوئی گناہ سرزد ہو جائے پھر توبہ کرتا ہے پھر اس سے گناہ ہو جاتا ہے..... یوں ستر بار بھی وہ ایسا کر لے، تب بھی اسے گناہ پر اصرار کرنے والا نہیں کہا جا سکتا، کیونکہ گناہ پر اصرار کرنے والا وہ شخص ہوتا ہے، جسے اپنے

---

(۱) مرقاۃ المفاتیح ۳۹۶/۵ کتاب الدعوات، باب جامع الدعاء، رقم الحدیث: ۲۴۸۹

(۲) الکوکب الدری ۳۶۸/۴

(۳) سنن ابی داؤد، کتاب الصلاۃ، باب من الاستغفار، رقم: ۱۵۱۴۔

گناہ پر کوئی شرمندگی اور ندامت نہ ہو، اپنے کئے پر وہ کوئی توبہ اور استغفار نہ کرے، ایسا بندہ گناہ بہت زیادہ کرتا چلا جاتا ہے، یہ اللہ کی نظر میں ناپسندیدہ ہوجاتا ہے۔

سبعین مرۃ سے مخصوص عدد مراد نہیں، بلکہ اس سے کثرت اور زیادتی مراد ہے یعنی خواہ وہ کتنے زیادہ ہی گناہ کرلے، اسے گناہ پر اصرار کرنے والا نہیں لکھا جاتا؛ اس حدیث سے یہ حکم معلوم ہوتا ہے کہ جب بھی انسان سے کوئی گناہ ہوجائے، اللہ کی نا فرمانی ہوجائے تو اس پر وہ ڈٹا نہ رہے بلکہ فوراً اللہ کے سامنے تہ دل سے معافی مانگے، عجز وانکساری اور ندامت کے ساتھ حاضر ہو جائے تو اللہ کو بہت کریم، مہربان اور غفار پائے گا، یوں اس کا نامہ اعمال گناہ کی سیاہی سے پاک صاف ہوجائے گا، لیکن اگر اس نے کسی انسان کا کوئی حق تلف کیا ہے، یا اس پر ظلم وغیرہ کیا ہے، ایسی صورت میں اس پر لازم ہے کہ پہلے اس بندے کا حق ادا کرے، اس کے ساتھ اپنا معاملہ صاف کرے، پھر اللہ جل شانہ سے معافی مانگے، تب اس کا وہ گناہ معاف ہوگا۔

عَنْ أَبِي أُمَامَةَ، قَالَ: لَبِسَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ ثَوْبًا جَدِيدًا، فَقَالَ: الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي كَسَانِي مَا أُوَارِي بِهِ عَوْرَتِي، وَأَتَجَمَّلُ بِهِ فِي حَيَاتِي، ثُمَّ عَمَدَ إِلَى الثَّوْبِ الَّذِي أَخْلَقَ فَتَصَدَّقَ بِهِ، ثُمَّ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: مَنْ لَبِسَ ثَوْبًا جَدِيدًا فَقَالَ: الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي كَسَانِي مَا أُوَارِي بِهِ عَوْرَتِي، وَأَتَجَمَّلُ بِهِ فِي حَيَاتِي، ثُمَّ عَمَدَ إِلَى الثَّوْبِ الَّذِي أَخْلَقَ فَتَصَدَّقَ بِهِ، كَانَ فِي كَنَفِ اللَّهِ، وَفِي حِفْظِ اللَّهِ، وَفِي سَتْرِ اللَّهِ حَيًّا وَمَيِّتًا. (۱)

حضرت ابو امامہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت عمر بن خطاب نے نئے کپڑے پہنے تو یہ دعا کی: الحمد لله ...... حیاتی (تمام تعریفیں اس اللہ کے لئے ہیں جس نے مجھے وہ لباس پہنایا، جس کے ذریعے میں اپنا ستر ڈھانپ رہا ہوں، اور جس کے ذریعے میں اپنی زندگی میں آراستہ ہوتا ہوں، زیب وزینت اختیار کرتا ہوں) پھر انہوں نے اس کپڑے کا ارادہ کیا، جو پرانا ہوچکا تھا، اسے صدقہ کردیا، پھر فرمایا: میں نے نبی کریم ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ جو شخص نیا کپڑا پہنے اور یہ دعا پڑھے اور پرانے کپڑے کو صدقہ کردے، تو وہ اللہ کی حفاظت، اس کی پناہ اور پردے میں رہے گا زندگی میں بھی اور موت کے بعد بھی (یعنی دنیا اور آخرت دونوں میں اللہ کی حفاظت میں ہوگا)۔

مشکل الفاظ کے معنی: کسانی: مجھے پہنایا، أواری: (صیغہ متکلم) میں ڈھانپتا ہوں، عورتی: اپنا ستر، اتجمل به: (صیغہ متکلم) میں اس لباس سے زیب وزینت اختیار کرتا ہوں، آراستہ ہوتا ہوں، ثم عمد: (میم پر زبر اور زیر کے ساتھ): پھر وہ قصد کرے، أخلق: (ہمزے پر زبر اور خا ساکن) پرانا ہوگیا، فی کنف الله: (کاف اور نون پر زبر) اللہ کی حفاظت میں، اللہ کی پناہ میں، کنف کے اصل معنی جانب اور کنارے کے ہیں، حدیث میں اس کے بعد جو "فی حفظ الله و فی ستر الله" کے الفاظ ہیں یہ فی کنف اللہ کی تاکید اور مزید مبالغے کے لئے ہیں کہ ایسا شخص اللہ تعالیٰ کی خصوصی حفاظت میں رہتا ہے، فی ستر الله: اللہ کے

(۱) ابن ماجة، اللباس، باب مايقول الرجل اذالبس، رقم: ۳۵۵۷۔

پردے میں یعنی اللہ کی حفاظت میں، حیا و میتا: زندگی میں اور موت کے بعد یعنی دنیا اور آخرت دونوں میں۔

نیا کپڑا پہننے کی دعا

مذکورہ حدیث میں درج ذیل امور کا ذکر ہے:

۞ نئے کپڑے پہننے کے وقت یہ دعا پڑھنا مسنون ہے: الحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي كَسَانِي مَا أُوَارِي بِهِ عَوْرَتِي، وَأَتَجَمَّلُ بِهِ فِي حَيَاتِي، اس دُعا کی برکت سے انسان اللہ جل جلالہ کی حفظ و امان اور پناہ میں رہتا ہے۔

۞ پرانے کپڑے کو صدقہ کر دیا جائے اس سے وہ دنیا اور آخرت دونوں میں اللہ تعالیٰ کی خصوصی حفاظت میں آجاتا ہے۔

عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعَثَ بَعْثًا قِبَلَ نَجْدٍ فَغَنِمُوا غَنَائِمَ كَثِيرَةً وَأَسْرَعُوا الرَّجْعَةَ، فَقَالَ رَجُلٌ مِمَّنْ لَمْ يَخْرُجْ: مَا رَأَيْنَا بَعْثًا أَسْرَعَ رَجْعَةً، وَلَا أَفْضَلَ غَنِيمَةً مِنْ هَذَا الْبَعْثِ، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَلَا أَدُلُّكُمْ عَلَى قَوْمٍ أَفْضَلَ غَنِيمَةً وَأَسْرَعَ رَجْعَةً؟ قَوْمٌ شَهِدُوا صَلَاةَ الصُّبْحِ ثُمَّ جَلَسُوا يَذْكُرُونَ اللهَ، حَتَّى طَلَعَتِ الشَّمْسُ، فَأُولَئِكَ أَسْرَعُ رَجْعَةً، وَأَفْضَلُ غَنِيمَةً. (۱)

حضرت عمر فاروق فرماتے ہیں کہ (ایک موقع پر) نبی کریم ﷺ نے نجد کی طرف ایک لشکر بھیجا، چنانچہ ان لوگوں نے (فتح کے بعد) بہت زیادہ غنیمتیں حاصل کیں، اور جلد ہی واپس (مدینہ منورہ) لوٹ آئے، ہم میں سے ایک شخص جو لشکر کے ساتھ نہیں گیا تھا، کہنے لگا: ہم نے تو ایسا کوئی لشکر نہیں دیکھا، جو اس لشکر کی طرح اسقدر جلد واپس آیا ہو، اور اپنے ساتھ اتنا زیادہ مال غنیمت بھی لایا ہو، (یہ سن کر) نبی کریم ﷺ نے فرمایا: کیا میں تمہیں ایسے لوگوں کے بارے میں نہ بتاؤں، جو مال غنیمت کے لحاظ سے ان سے زیادہ ہیں، اور ان سے بھی زیادہ جلدی واپس لوٹ آتے ہیں، (تو سنو) یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے فجر کی نماز جماعت کے ساتھ پڑھی، پھر وہیں بیٹھ کر اللہ کو یاد کرتے رہے، یہاں تک کہ ان پر سورج طلوع ہو گیا، یہ وہ لوگ ہیں، جو جلد واپس آنے اور زیادہ مال غنیمت حاصل کرنے میں (اس لشکر سے کہیں زیادہ) آگے بڑھے ہوئے ہیں۔

مشکل الفاظ کے معنی: بعث: (باء پر زبر اور عین ساکن) ایک جماعت، ایک لشکر، فوج، غنموا: انہوں نے مال غنیمت پایا، أسرعوا الرجعة: لوٹنے میں جلدی کی یعنی بہت جلد ہی اپنے مشن کو پورا کر کے واپس آگئے۔

نماز فجر کے بعد طلوع آفتاب تک ذکر کی فضیلت

نجد کی طرف بھیجا گیا لشکر جب جلد ہی فتح حاصل کر کے مدینہ پہنچ گیا اور غنیمت کے اموال بھی بہت زیادہ انہیں ملے تو

(۱) صحیح ابن حبان، رقم: ۲۸۱۴۔

ایک صحابی رشک کر کے کہنے لگے کہ کس قدر اچھا یہ لشکر ہے کہ جو انتہائی مختصر وقت میں بہت زیادہ غنیمتیں حاصل کر کے آگیا ہے، یہ بات سن کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ اس لشکر کے علاوہ کچھ اور لوگ ایسے ہیں، جو جلد ہی اپنے اہل وعیال کے پاس لوٹ آتے ہیں، اور انہیں غنیمت کے اموال ان سے کہیں زیادہ حاصل ہوتے ہیں۔

پھر فرمایا: یہ وہ لوگ ہیں جو فجر کی نماز باجماعت ادا کر کے، وہیں مسجد میں بیٹھ کر طلوع آفتاب تک اللہ کے ذکر میں مشغول رہتے ہیں، یہ ان لوگوں سے ہر لحاظ سے بہتر اور افضل ہیں، کیونکہ اس لشکر کے لوگوں کو تو دنیا کی دولت اور مال ومتاع ملے، جو فنا ہو جانے والے ہیں، جبکہ مسجد میں طلوع آفتاب تک ذکر کرنے والے تھوڑی سی دیر میں بہت زیادہ اجر وثواب حاصل کر لیتے ہیں، جو باقی رہنے والا ہے، اور پھر جلد ہی وہ اپنے گھر آجاتے ہیں، (۱) لہذا ایک مسلمان کو یہ فضیلت حاصل کرنے کی مکمل کوشش کرنی چاہیے، اللہ تعالیٰ عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

عَنْ عُمَرَ، أَنَّهُ اسْتَأْذَنَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْعُمْرَةِ، فَقَالَ: أَيْ أُخَيَّ أَشْرِكْنَا فِي دُعَائِكَ، وَلَا تَنْسَنَا. (۲)

حضرت عمر سے منقول ہے کہ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عمرے پر جانے کی اجازت طلب کی، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: اے میرے چھوٹے بھائی: ہمیں بھی اپنی دعا میں شریک کرنا، اور ہمیں نہ بھلانا۔

کسی سے دعا کی درخواست کرنا سنت ہے

اس حدیث میں آپ نے دیکھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر سے اپنے لئے دعا کی درخواست کی، حالانکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک نبی ہیں ہر اعتبار سے افضل ہیں، اور گناہوں سے معصوم ہیں، پھر بھی آپ ان سے دعا کا فرما رہے ہیں، اس سے دراصل امت کو یہ تعلیم دینا پیش نظر ہے کہ وہ اپنے لئے نیک لوگوں سے دعا کی درخواست کیا کریں، شاید کہ ان کی دعا اس کے حق میں قبول ہو جائے اور اس کا کام بن جائے، دعا کی یہ درخواست اللہ تعالیٰ کو اس لحاظ سے پسند بھی بہت ہے کہ اس میں ایک طرح سے تواضع اور عاجزی کا اظہار ہے کہ وہ دوسرے سے دعا کی گذارش کر رہا ہے، اللہ تعالیٰ ہمیں اس سنت پر اہتمام سے عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائیں۔

عَنْ عَلِيٍّ، أَنَّ مُكَاتَبًا جَاءَهُ فَقَالَ: إِنِّي قَدْ عَجَزْتُ عَنْ مُكَاتَبَتِي فَأَعِنِّي، قَالَ: أَلَا أُعَلِّمُكَ كَلِمَاتٍ عَلَّمَنِيهِنَّ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، لَوْ كَانَ عَلَيْكَ مِثْلُ جَبَلِ صِيرٍ دَيْنًا، أَدَّاهُ اللّٰهُ عَنْكَ، قَالَ: قُلْ: اللّٰهُمَّ

---

(۱) مرقاة المفاتیح ۳/۵۱ کتاب الصلاة، باب الذکر بعد الصلاة

(۲) سنن ابی داؤد، کتاب الصلاة، باب الدعاء، رقم: ۱۴۹۸۔

اكْفِنِي بِحَلَالِكَ عَنْ حَرَامِكَ، وَأَغْنِنِي بِفَضْلِكَ عَمَّنْ سِوَاكَ. (۱)

حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ ان کے پاس ایک مکاتب غلام آیا، اور عرض کیا: میں اپنا بدل کتابت ادا کرنے سے عاجز ہوں، لہٰذا آپ میری (مالی) مدد کردیں (تاکہ میں غلامی سے آزاد ہو جاؤں) حضرت علیؓ نے فرمایا: سنو، میں تمہیں ایسے کلمات سکھاتا ہوں، جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے سکھائے تھے، اگر تم پر صیر پہاڑ کے برابر بھی قرض ہوگا، تو اللہ تعالیٰ اسے تیری طرف سے ادا کردیں گے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم یہ دعا کیا کرو: اے اللہ! تو مجھے اپنے حلال مال کے ذریعہ حرام مال سے کافی ہو جا، (یعنی مجھے حلال مال عطا فرما، تاکہ میں مال حرام سے بے نیاز ہو جاؤں) اور اپنے فضل وکرم سے اپنے علاوہ دوسروں سے بے نیاز کردے (تاکہ مجھے کسی کا احتیاج نہ ہو)۔

مشکل الفاظ کے معنی: مکاتب: اس غلام کو کہتے ہیں جسے اس کا آقا یہ کہدے یا لکھ کر دیدے کہ تم اتنے پیسے ادا کردو تو پھر تم آزاد ہو جاؤ گے، عجزت: میں عاجز ہو گیا ہوں یعنی میں بدل کتابت ادا نہیں کرسکتا، کتابتی: بدل کتابت، وہ مال جو غلام نے اپنی آزادی کے لیے آقا کو دینا ہوتا ہے، فأعنی: (اعانۃ سے صیغہ امر) لہٰذا آپ میری مالی مدد کریں، اکفنی: (کفایۃ سے صیغہ امر) تو مجھے کافی ہو جا، أغننی: (اغناء سے صیغہ امر) مجھے بے نیاز کردے، جبل صیر: (صاد کے نیچے زیر) صیر پہاڑ، یہ قبیلہ طی کے علاقے کا ایک پہاڑ ہے، اور بعض روایتوں میں صبیر (صاد پر زبر اور با کے نیچے زیر) کا لفظ ہے یعنی صبیر پہاڑ۔

اداءِ قرض کی دعا

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جس آدمی پر قرض ہو تو وہ یہ دعا کیا کرے: "اللہم اکفنی ......"، اس کی برکت سے اللہ تعالیٰ اس کے قرض کی ادائیگی کا بندوبست کردیں گے، خواہ اس کا قرض اتنا زیادہ ہو، جتنا کہ قبیلہ طے کے علاقے کا صیر پہاڑ ہے۔

اس غلام نے اپنے بدل کتابت کی ادائیگی کے لئے حضرت علیؓ سے مدد چاہی، تو حضرت علیؓ نے اسے یہ دعا بتلائی، سوال یہ ہے کہ حضرت علیؓ نے اس کی مالی مدد کیوں نہ کی؟ اس کی دو وجہیں ہو سکتی ہیں:

۞ علامہ طیبی فرماتے ہیں کہ ہوسکتا ہے کہ اس وقت حضرت علیؓ کے پاس مال نہ ہو، اس لئے انہوں نے اسے دعا سکھادی۔

۞ یہ بھی ممکن ہے کہ تربیتی نقطۂ نظر سے انہوں نے ایسا کیا کہ اسے صرف اللہ جل جلالہ سے ہی مانگنا چاہئے، اللہ کے علاوہ کسی پر اس کی نظر نہیں ہونی چاہیے، اس لئے انہوں نے اسے مسنون دعا سکھادی تاکہ وہ اس کے ذریعہ اللہ سے رجوع کرلے۔ (۲)

عَنْ عَلِيٍّ، قَالَ: كُنْتُ شَاكِيًا، فَمَرَّ بِي رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَنَا أَقُولُ: اللَّهُمَّ إِنْ كَانَ أَجَلِي قَدْ حَضَرَ فَأَرِحْنِي، وَإِنْ كَانَ مُتَأَخِّرًا فَأَرْفِغْنِي، وَإِنْ كَانَ بَلَاءً فَصَبِّرْنِي، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ:

---

(۱) مجمع الزوائد ۱/۱۵۳۔

(۲) مرقاۃ المفاتیح ۵/۳۶۰، کتاب الدعوات باب الدعوات فی الاوقات رقم الحدیث: ۲۴۴۹، تحفۃ الاحوذی ۱۰/۱۱۔

كَيْفَ قُلْتَ؟ قَالَ: فَأَعَادَ عَلَيْهِ مَا قَالَ، قَالَ: فَضَرَبَهُ بِرِجْلِهِ فَقَالَ: اَللّٰهُمَّ عَافِهِ، أَوِ اشْفِهِ - شُعْبَةُ الشَّاكُّ، فَمَا اشْتَكَيْتُ وَجَعِي بَعْدُ.(۱)

حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ میں (ایک مرتبہ) بیمار تھا، نبی کریم ﷺ میرے پاس سے گذرے، میں اس وقت یہ دعا کررہا تھا: اے اللہ! اگر میری موت کا وقت ہو چکا ہے تو مجھے (موت دے کر) راحت پہنچادے، اور اگر وہ مؤخر ہے تو مجھے خوشگوار زندگی عطا فرما، اور اگر میری یہ بیماری آزمائش کے طور پر ہے تو مجھے اس پر صبر واستقامت عطا فرما، (یہ سن کر) نبی کریم ﷺ نے فرمایا: علی! تم نے کیا کہا؟ راوی عبداللہ بن سلمہ کہتے ہیں: حضرت علی نے حضور ﷺ کے سامنے اپنی دعا کے کلمات کو دوبارہ ذکر کیا، راوی کہتے ہیں: نبی کریم ﷺ نے حضرت علی کو اپنا پاؤں مارا، اور یہ دعا کی: اے اللہ! اسے عافیت عطا فرما، یا فرمایا: اے اللہ! اسے شفا عنایت فرما، شعبہ راوی کو ان الفاظ میں شک ہوا ہے، حضرت علی فرماتے ہیں: نبی کریم ﷺ کی دعا کے بعد پھر کبھی میں اس بیماری میں مبتلی نہیں ہوا۔

عَنْ عَلِيٍّ، قَالَ: كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا عَادَ مَرِيضًا قَالَ: اَللّٰهُمَّ أَذْهِبِ الْبَأْسَ رَبَّ النَّاسِ، وَاشْفِ فَأَنْتَ الشَّافِي، لَا شِفَاءَ إِلَّا شِفَاؤُكَ شِفَاءً، لَا يُغَادِرُ سَقَمًا.(۲)

حضرت علی فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ جب کسی بیمار کی بیمار پرسی کرتے، تو یہ دعا کیا کرتے تھے: اے اللہ، بیماری کو دور کردے اے لوگوں کے پروردگار، تو شفا دے دے، تو ہی شفاء دینے والا ہے، شفا تو صرف تیری طرف سے ہی ہو سکتی ہے، (لہذا) ایسی شفا عطا فرما کہ جو بیماری کو باقی نہ چھوڑے۔

مشکل الفاظ کے معنی: شاکیا: بیمار، فأرحني: (اراحة سے صیغہ امر) تو مجھے موت دے کر راحت پہنچادے، فارفغني: یہ "ارفاغ" سے ہے، معنی یہ ہیں: تو مجھے خوشگوار زندگی عطا فرما، آسودہ حال بنادے، فصبرني: (تصبیر سے صیغہ امر) مجھے صبر کی توفیق عطا فرما، فأعاد علیه: حضرت علی نے حضور ﷺ کے سامنے اپنی بات کو دہرایا، ما اشتکیت: میں نے شکایت نہیں کی یعنی بیمار نہیں ہوا، مبتلی نہیں ہوا، وجعي: اپنا درد یعنی اپنی بیماری، بعد: حضور ﷺ کی دعا کے بعد، أذهب: (صیغہ امر) تو دور کردے، ختم کردے، باس: سختی اور بیماری، لا یغادر: نہ چھوڑے، سقما: (سین اور قاف پر زبر یا سین پر پیش اور قاف ساکن) بیماری۔

بیمار پرسی کی دعائیں

مذکورہ احادیث سے درج ذیل امور ثابت ہوتے ہیں:

۱۔ انسان کو چاہیے کہ اپنے لئے وہ کسی بیماری اور آزمائش کی دعا نہ کرے، بلکہ اللہ جل شانہ سے عافیت اور سلامتی کا سوال کیا

---

(۱) مسند احمد ۱/۸۳۔

(۲) مسند احمد ۱/۷۶۔

کرے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تنبیہ کے طور پر از راہ شفقت، حضرت علی کو پاؤں مار کر یہ بات سمجھائی کہ بیماری میں اپنے لئے یہ دعا نہ کرو بلکہ اللہ سے عافیت اور شفا مانگو، یہی حکم تمام مسلمانوں کے لئے ہے۔

۲۔ مذکورہ احادیث میں مریض کی عیادت کی دو دعائیں ذکر کی گئی ہیں:

❁ اَللّٰهُمَّ عَافِهِ، أَوِ اشْفِهِ۔ (اے اللہ اسے عافیت عطا فرما، اے اللہ اسے شفا اور تندرستی عطا فرما دے)

❁ اَللّٰهُمَّ أَذْهِبِ الْبَأْسَ رَبَّ النَّاسِ، وَاشْفِ فَأَنْتَ الشَّافِي، لَا شِفَاءَ إِلَّا شِفَاؤُكَ شِفَاءً، لَا يُغَادِرُ سَقَمًا۔

یہاں ایک سوال ہوتا ہے کہ ان احادیث میں بیمار کے لئے عافیت اور شفاء وسلامتی کی دعا کا ذکر ہے، جبکہ دیگر بہت سی احادیث میں بیماری کی وجہ سے گناہ کی معافی اور اجر وثواب کو بیان کیا گیا ہے، لہذا جب بیماری سے گناہ معاف ہوتے ہیں اور ثواب ملتا ہے تو پھر عافیت اور مریض کے لئے شفاء کی دعا کیوں کی جاتی ہے؟

جواب: اس میں کوئی شک نہیں کہ بیماری لگنے اور اس پر صبر کرنے سے بیمار مسلمان کے گناہ معاف ہوتے ہیں اور اسے اجر وثواب بھی دیا جاتا ہے، لیکن چونکہ انسان بیماری اور آزمائش کا متحمل نہیں، اس لئے سنت یہ ہے کہ مریض اپنے لئے صحت و سلامتی، عافیت اور شفاء کی دعا کیا کرے، آزمائش اور بیماری کی دعا نہ مانگے، اور دعا بھی ایک اہم عبادت ہے، اس کا یہ اثر ہوتا ہے کہ یا تو مریض کو شفاء دے دی جاتی ہے یا اسے کوئی فائدہ حاصل ہو جاتا ہے، یا اس سے کسی نقصان وضرر اور آفت کو ٹال دیا جاتا ہے، اس لئے بیماری سے گناہ معاف ہونے، اجر وثواب کے ملنے اور بیماری سے شفا کی دعا کرنے میں کوئی تضاد اور تعارض نہیں۔(۱)

عَنْ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَقُولُ فِي وِتْرِهِ: اَللّٰهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِرِضَاكَ مِنْ سَخَطِكَ، وَأَعُوذُ بِمُعَافَاتِكَ مِنْ عُقُوبَتِكَ، وَأَعُوذُ بِكَ مِنْكَ لَا أُحْصِي ثَنَاءً عَلَيْكَ، أَنْتَ كَمَا أَثْنَيْتَ عَلَى نَفْسِكَ۔(۲)

حضرت علی فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی وتر کی نماز میں یہ دعا (بھی) مانگا کرتے تھے: اللھم انی اعوذ برضاک من سخطک..... (اے اللہ! میں تیری رضا کی پناہ مانگتا ہوں تیرے غصے سے، اور تیری معافی کی پناہ مانگتا ہوں تیرے عذاب سے، میں تیری ذات کی پناہ مانگتا ہوں تیرے عذاب سے، میں تیری تعریف پوری طرح کر ہی نہیں سکتا، جس طرح تو نے خود اپنی ذات کی تعریف کی ہے)۔

مشکل الفاظ کے معنی: من سخطک: (سین اور خاء پر زبر) تیرے غصے سے، تیری ناراضگی سے، اعوذبک منک: میں تیری ذات کی پناہ مانگتا ہوں تیرے عذاب سے، لاأحصی: میں پوری طرح کر ہی نہیں سکتا، میں احاطہ نہیں کر سکتا۔

---

(۱) مرقاۃ المفاتیح ۹/۴، کتاب الجنائز، باب عیادۃ المریض، رقم: ۱۵۳۰، تحفۃ الاحوذی ۱۰/۱۳

(۲) سنن ابی داؤد، کتاب الصلاۃ، باب القنوت فی الوتر، رقم: ۱۴۲۷۔

نماز وتر کی ایک دعا

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نبی کریم ﷺ بسا اوقات نماز وتر میں یہ دعا بھی مانگا کرتے تھے: اللھم انی اعوذ برضاک .... علی نفسک، نبی کریم ﷺ سے وتر کے علاوہ بھی یہ دعا کرنا ثابت ہے، بہت ہی جامع دعا ہے، وتر میں بھی اور وتر کے علاوہ بھی اس دعا کا معمول ہونا چاہیے، اس دعا کا مطلب یہ ہے کہ اے اللہ! میں تیری رضا چاہتا ہوں اور تیری ناراضگی اور غصے سے پناہ مانگتا ہوں، عفوودرگذر چاہتا ہوں تیرا عذاب نہیں، میں تیری ذات کی پناہ میں آتا ہوں تیرے عذاب سے، تو ہی ہر قسم کی حمد وثناء کا مستحق ہے، میں تو تیری اس طرح پوری تعریف کر ہی نہیں سکتا، جس طرح تو نے اپنی ذات کی خود تعریف کی ہے، اس میں بندہ گویا اپنی عجز وانکساری اور درماندگی کو ذکر کر رہا ہے کہ میں تیری تعریف کا کسی طرح حق ادا کر ہی نہیں سکتا، بہت پیاری دعا ہے، اسے یاد کر لینا چاہیے۔

عَنْ مُصْعَبِ بْنِ سَعْدٍ، وَعَمْرِو بْنِ مَيْمُونٍ، قَالَا: كَانَ سَعْدٌ يُعَلِّمُ بَنِيهِ هَؤُلَاءِ الكَلِمَاتِ، كَمَا يُعَلِّمُ المُكَتِّبُ الغِلْمَانَ وَيَقُولُ: إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَتَعَوَّذُ بِهِنَّ دُبُرَ الصَّلَاةِ: اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنَ الجُبْنِ، وَأَعُوذُ بِكَ مِنَ البُخْلِ، وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ أَرْذَلِ العُمُرِ، وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ فِتْنَةِ الدُّنْيَا، وَعَذَابِ القَبْرِ.(۱)

حضرت مصعب بن سعد اور عمرو بن میمون فرماتے ہیں کہ حضرت سعد اپنے بیٹوں کو یہ کلمات (یعنی دعا) سکھایا کرتے تھے، جس طرح کوئی استاد بچوں کو لکھنا سکھاتا ہے، اور فرماتے کہ نبی کریم ﷺ نماز کے بعد ان کلمات کو پڑھ کر اللہ کی پناہ لیتے تھے: اے اللہ، میں بزدلی سے تیری پناہ مانگتا ہوں، اے اللہ! میں بخل سے تیری پناہ مانگتا ہوں، اے اللہ! میں ناکارہ اور گھٹیا عمر سے تیری پناہ مانگتا ہوں، اے اللہ! میں دنیا کی آزمائش اور قبر کے عذاب سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔

مشکل الفاظ کے معنی: مکتب: اکتاب یا تکتیب سے صیغہ اسم فاعل ہے: لکھنا سکھانے والا استاد، املا کرانے والا، الغلمان: غلام کی جمع ہے، بچے، شاگرد، یتعوذ بھن: ان کلمات کی پناہ لیتے تھے یعنی ان کلمات کو پڑھ کر اللہ کی پناہ لیتے تھے، جبن: (جیم اور باء پر پیش یا جیم پر پیش اور باء ساکن) بزدلی، ارذل العمر: ناکارہ عمر، گھٹیا عمر، عمر کا آخری حصہ، جس میں انسان کی کمزوری بڑھ جاتی ہے اور سمجھ جاتی رہتی ہے اور انسان دوسروں کا محتاج ہو جاتا ہے۔

نماز کے بعد چند چیزوں سے پناہ مانگنے کی دعا

مذکورہ حدیث میں دو چیزوں کا ذکر ہے:

---

(۱) الصحیح للبخاری، کتاب الجہاد، باب ما یتعوذ من الجبن، رقم: ۲۸۲۲۔

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ اپنے بچوں کو پناہ کے کلمات پر مشتمل مذکورہ دعا سکھایا کرتے تھے، جس طرح ایک استاذ بچوں کو املا کراتا ہے، انہیں لکھنا سکھاتا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ اپنے بچوں کو یہ دعا یاد کرانی چاہیے، تاکہ ابھی سے وہ یہ دعا مانگا کریں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہر نماز کے بعد اللہ جل جلالہ سے پانچ چیزوں سے پناہ مانگتے تھے، بزدلی سے کیونکہ اس سے دینی زندگی کو نقصان پہنچتا ہے، اگر میدان جہاد سے انسان بھاگ کر آ جائے تو یہ بہت بڑا گناہ ہے، جو اللہ کی ناراضگی کا سبب ہوتا ہے، اس لئے اس سے پناہ مانگی گئی ہے، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم بخل سے پناہ مانگتے تھے، کیونکہ بخیل آدمی اپنے ذمے کے واجب خرچے بھی ادا نہیں کرتا، اور ناکارہ عمر سے پناہ مانگی ہے، جس میں انسان دوسروں کا محتاج ہو جاتا ہے، اور اپنے قریبی رشتہ دار بھی اس کی موت کی تمنا اور دعا کرتے ہیں، اور عمر کے اس زمانے میں انسان اللہ کی عبادت بھی نہیں کر پاتا، اس لئے اس سے بہت سی احادیث میں پناہ مانگی گئی ہے، دنیا کے فتنے اور آزمائش سے پناہ کا ذکر ہے، دنیا اس کی نظر میں اتنی مزین، محبوب اور آراستہ ہو جائے کہ وہ سرے سے شرعی احکام کو پس پشت ڈال دے، یا ان میں غفلت اور سستی کرے، نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عذاب قبر سے یعنی ایسے کاموں سے پناہ مانگی ہے، جو قبر میں عذاب کا باعث بنتے ہیں، اللہ تعالیٰ ہمیں بھی اہتمام سے یہ دعا مانگنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین یا رب العالمین۔(۱)

عَنْ سَعْدِ بْنِ أَبِي وَقَّاصٍ، أَنَّهُ دَخَلَ مَعَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى امْرَأَةٍ، وَبَيْنَ يَدَيْهَا نَوَاةٌ، أَوْ قَالَ: حَصَاةٌ تُسَبِّحُ بِهَا، فَقَالَ: أَلَا أُخْبِرُكِ بِمَا هُوَ أَيْسَرُ عَلَيْكِ مِنْ هَذَا أَوْ أَفْضَلُ؟ سُبْحَانَ اللهِ عَدَدَ مَا خَلَقَ فِي السَّمَاءِ، وَسُبْحَانَ اللهِ عَدَدَ مَا خَلَقَ فِي الأَرْضِ، وَسُبْحَانَ اللهِ عَدَدَ مَا بَيْنَ ذَلِكَ، وَسُبْحَانَ اللهِ عَدَدَ مَا هُوَ خَالِقٌ، وَاللهُ أَكْبَرُ مِثْلَ ذَلِكَ، وَالحَمْدُ لِلَّهِ مِثْلَ ذَلِكَ، وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللهِ مِثْلَ ذَلِكَ.(۲)

حضرت سعد بن ابی وقاص سے روایت ہے کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک عورت کے پاس گئے، اس کے سامنے کھجور کی گٹھلیاں یا کنکریاں پڑی تھیں، جن سے وہ تسبیح پڑھ رہی تھیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سنو، میں تمہیں چند ایسے کلمات بتاتا ہوں، جو تم پر اس سے زیادہ آسان بلکہ زیادہ فضیلت والے ہیں (وہ کلمات یہ ہیں): سبحان اللہ عدد ما خلق فی السماء..... آخر تک میں اللہ کی تسبیح بیان کرتا ہوں اس مخلوق کی تعداد کے برابر، جو اللہ نے آسمان میں پیدا کی ہے، میں اللہ کی تسبیح بیان کرتا ہوں اس مخلوق کی تعداد کے بقدر، جو اللہ نے زمین پر پیدا کی ہے، میں اللہ کی پاکی بیان کرتا ہوں اس چیز کی تعداد کے برابر، جو آسمان و زمین کے درمیان ہے، میں اللہ کی پاکی بیان کرتا ہوں اس مخلوق کی تعداد کے بقدر، جو اللہ تعالیٰ قیامت تک پیدا کرے گا، اور اللہ اکبر کا جملہ اسی طرح ہے (یعنی اَللهُ أَكْبَرُ عَدَدَ

(۱) فتح الباری ۲۰۱۳/۱۱، کتاب الدعوات، باب التعوذ من البخل، رقم: ٦٣٧٠، تحفۃ الاحوذی ۱۵/۱۰، مرقاۃ ۳۶۷/۵، کتاب الدعوات باب الاستعاذۃ، رقم الحدیث: ۲۴۵۹

(۲) سنن ابی داؤد، الصلاۃ، باب التسبیح بالحصی، رقم: ۱۵۰۰۔

مَا خَلَقَ فِي السَّمَاءِ، اللهُ أَكْبَرُ عَدَدَ مَا خَلَقَ فِي الأَرْضِ، اللهُ أَكْبَرُ عَدَدَ مَا بَيْنَ ذٰلِكَ، اللهُ أَكْبَرُ عَدَدَ مَا هُوَ خَالِقٌ") اور الحمد للہ بھی اسی کی مثل ہے اور لاحول ولاقوۃ الا باللہ بھی اسی کی مانند ہے۔

تسبیح وتحمید، تکبیر اور لاحول... کی فضیلت

نبی کریم ﷺ اور حضرت سعد ایک خاتون کے ہاں تشریف لے گئے، دیکھا کہ وہ اپنے سامنے کھجور کی گٹھلیاں یا کنکریاں رکھ کر ان سے تسبیح پڑھ رہی تھیں، نبی کریم ﷺ نے ان سے فرمایا کہ میں تمہیں اس سے زیادہ آسان بلکہ زیادہ فضیلت والی تسبیحات بتاتا ہوں، پھر آپ ﷺ نے وہ کلمات ارشاد فرمائے، جو اوپر حدیث میں موجود ہیں، یہ خاتون یا تو آپ کی محرم تھیں یا یہ کہ پردے کے احکام نازل ہونے سے پہلے کا یہ واقعہ ہے، اور بعض حضرات فرماتے ہیں کہ یہ خاتون ازواج مطہرات میں سے حضرت صفیہ یا حضرت جویریہ تھیں، اس لئے آپ ان کے گھر میں تشریف لے گئے، اور ویسے بھی کسی کے گھر میں جانے سے یہ کوئی ضروری نہیں کہ آدمی کی نظر کسی خاتون پر ضرور ہی پڑی ہوگی، یہ سارا کچھ پردے میں بھی ہوسکتا ہے۔

او افضل، اس میں لفظ "او" بل کے معنی میں ہے، بلکہ زیادہ فضیلت والی تسبیحات ہیں، کس وجہ سے یہ زیادہ فضیلت والی ہیں، اس کی تین وجہیں ہوسکتی ہیں:

۱۔ یہ کلمات اس وجہ سے فضیلت والے ہیں کہ ان میں بندے کی طرف سے گویا اس بات کا اعتراف ہے کہ میں اللہ کی تقدیس وتحمید اور پاکی بیان کرنے سے قاصر ہوں، اور میں اس کی پوری طرح تعریف کر ہی نہیں سکتا جبکہ گٹھلیوں کے ذریعہ شمار کرکے تسبیح کرنے میں کسی کے ذہن میں یہ بات آسکتی ہے کہ میں اللہ کی حمد وثناء کا احاطہ کرنے پر ایک طرح سے قدرت رکھتا ہوں، لہذا اللہ جب بغیر کسی شمار کے طرح طرح کی نعمتوں سے نواز رہا ہے تو اس کی حمد وثناء بھی اسی طرح کسی مخصوص تعداد اور شمار کے بغیر ہی ہر وقت ہونی چاہیے۔

۲۔ اور اس وجہ سے بھی کہ ان کلمات میں اللہ کی تسبیح وتحمید..... ایک ایک قید کے ساتھ یعنی عدد ما خلق فی السماء، عدد ما خلق فی الارض وغیرہ کے ساتھ ہے، یوں تھوڑے وقت میں اس ذکر کی مقدار بہت بڑھ جاتی ہے۔(۱)

۳۔ مذکورہ قیود کے ساتھ ان کلمات کے کہنے میں کوئی دشواری اور مشقت نہیں، تھوڑے وقت میں بغیر کسی اکتاہٹ کے بہت زیادہ اجر وثواب مل جاتا ہے اور اس خاتون کی تسبیح میں چونکہ قید نہیں، اس لیے ایک تو اس خاتون کی تسبیح کی تعداد زیادہ نہیں ہوسکے گی، دوسرا اس میں وقت بھی زیادہ خرچ ہوتا ہے، اور تیسرا اس میں زیادہ مشقت کی وجہ سے انسان اکتا جاتا ہے، اور اکتاہٹ کی وجہ سے ثواب میں کمی بھی آسکتی ہے، اس لئے آپ ﷺ نے اس خاتون سے فرمایا کہ میں اس سے زیادہ فضیلت والے کلمات تمہیں

---

(۱) مرقاۃ المفاتیح ۵/۲۲۲ کتاب الدعوات باب ثواب التسبیح، رقم: ۲۳۱۱۔

بتاتا ہوں۔(۱)

اللہ اکبر مثل ذلک، والحمد للہ مثل ذلک، ولا حول ولا قوۃ الا باللہ مثل ذلک، ان تینوں جملوں میں "مثل ذلک" سے مراد یہ ہے کہ اسی طرح ان کے ساتھ قیود ہیں، جس طرح سبحان اللہ کے ساتھ ہیں، یعنی اللہ اکبر عدد ما خلق فی السماء، اللہ اکبر عدد ما خلق فی الارض، اللہ اکبر عدد ما خلق بین ذلک، اللہ اکبر عدد ما ھو خالق۔

اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کسی راوی نے اختصار کے پیش نظر یہ قیدیں نہیں لکھیں اور مثل ذلک سے اشارہ کر کے اس حدیث کو روایت کر دیا۔(۲)

عَنِ الزُّبَيْرِ بْنِ الْعَوَّامِ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَا مِنْ صَبَاحٍ يُصْبِحُ الْعَبْدُ فِيهِ إِلَّا وَمُنَادٍ يُنَادِي: سَبِّحُوا الْمَلِكَ الْقُدُّوسَ.

حضرت زبیر بن عوام کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب بندہ صبح کرتا ہے تو ہر صبح ایک پکارنے والا پکارتا ہے: تم اس بادشاہ کی پاکی بیان کرو، جو بہت پاک اور بے عیب ہے۔

ہر صبح ایک فرشتہ کی طرف سے تسبیح کرنے کی نداء

ہر صبح فرشتہ کہتا ہے: اس بادشاہ کی پاکی بیان کرو، جو ہر عیب سے پاک ہے، اس جملے کے دو مطلب ہو سکتے ہیں:

۱۔ روزانہ صبح کے وقت ایک فرشتہ پکار پکار کر انسانوں کو اس بات کی تاکید کرتا ہے کہ وہ یہ کہیں: سبحان الملک القدوس یا یوں کہیں: سبوح، قدوس، رب الملائکۃ والروح یا اس مفہوم کے جو بھی کلمات ہوں، ان سے تسبیح پڑھ سکتے ہیں مثلاً سبحان اللہ وبحمدہ، سبحان اللہ العظیم۔

۲۔ یا اس جملے کے معنی یہ ہیں کہ روزانہ صبح کے وقت ایک فرشتہ لوگوں کو آگاہ کرتا ہے کہ وہ اس بات کا یقین اور اعتقاد رکھیں کہ ان کا رب، ہر قسم کے عیب اور نقص سے ازل سے ابد تک یعنی ہمیشہ ہمیشہ کے لئے پاک ہے۔(۳)

بَابٌ فِي دُعَاءِ الحِفْظِ

یہ باب اس حدیث پر مشتمل ہے جس میں حفظ کی دعا کا ذکر ہے

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، أَنَّهُ قَالَ: بَيْنَمَا نَحْنُ عِنْدَ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذْ جَاءَهُ عَلِيُّ بْنُ أَبِي طَالِبٍ فَقَالَ:

---

(۱) بذل المجہود ۲۱۸/۷، کتاب الصلاۃ باب التسبیح بالحصی

(۲) مرقاۃ المفاتیح ۲۲۲/۵ کتاب الدعوات باب ثواب التسبیح، رقم: ۲۳۱۱۔

(۳) مرقاۃ المفاتیح ۲۱۶/۵، کتاب الدعوات، باب التسبیح، رقم: ۲۳۰۵، تحفۃ الاحوذی ۱۹/۱۰

بِأَبِي أَنْتَ وَأُمِّي، تَفَلَّتَ هَذَا الْقُرْآنُ مِنْ صَدْرِي، فَمَا أَجِدُنِي أَقْدِرُ عَلَيْهِ. فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: يَا أَبَا الْحَسَنِ: أَفَلَا أُعَلِّمُكَ كَلِمَاتٍ يَنْفَعُكَ اللهُ بِهِنَّ، وَيَنْفَعُ بِهِنَّ مَنْ عَلَّمْتَهُ، وَيُثَبِّتُ مَا تَعَلَّمْتَ فِي صَدْرِكَ؟ قَالَ: أَجَلْ يَا رَسُولَ اللهِ فَعَلِّمْنِي.

قَالَ: إِذَا كَانَ لَيْلَةُ الْجُمُعَةِ، فَإِنِ اسْتَطَعْتَ أَنْ تَقُومَ فِي ثُلُثِ اللَّيْلِ الْآخِرِ فَإِنَّهَا سَاعَةٌ مَشْهُودَةٌ، وَالدُّعَاءُ فِيهَا مُسْتَجَابٌ، وَقَدْ قَالَ أَخِي يَعْقُوبُ لِبَنِيهِ {سَوْفَ أَسْتَغْفِرُ لَكُمْ رَبِّي} [يوسف: 98] يَقُولُ: حَتَّى تَأْتِيَ لَيْلَةُ الْجُمُعَةِ، فَإِنْ لَمْ تَسْتَطِعْ فَقُمْ فِي وَسَطِهَا، فَإِنْ لَمْ تَسْتَطِعْ فَقُمْ فِي أَوَّلِهَا، فَصَلِّ أَرْبَعَ رَكَعَاتٍ، تَقْرَأُ فِي الرَّكْعَةِ الْأُولَى بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ وَسُورَةِ يس، وَفِي الرَّكْعَةِ الثَّانِيَةِ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ وَحم الدُّخَانِ، وَفِي الرَّكْعَةِ الثَّالِثَةِ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ وَالم تَنْزِيلُ السَّجْدَةِ، وَفِي الرَّكْعَةِ الرَّابِعَةِ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ وَتَبَارَكَ الْمُفَصَّلِ، فَإِذَا فَرَغْتَ مِنَ التَّشَهُّدِ فَاحْمَدِ اللهَ، وَأَحْسِنِ الثَّنَاءَ عَلَى اللهِ، وَصَلِّ عَلَيَّ وَأَحْسِنْ، وَعَلَى سَائِرِ النَّبِيِّينَ، وَاسْتَغْفِرْ لِلْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ وَلِإِخْوَانِكَ الَّذِينَ سَبَقُوكَ بِالْإِيمَانِ۔

ثُمَّ قُلْ فِي آخِرِ ذَلِكَ: اللَّهُمَّ ارْحَمْنِي بِتَرْكِ الْمَعَاصِي أَبَدًا مَا أَبْقَيْتَنِي، وَارْحَمْنِي أَنْ أَتَكَلَّفَ مَا لَا يَعْنِينِي، وَارْزُقْنِي حُسْنَ النَّظَرِ فِيمَا يُرْضِيكَ عَنِّي، اللَّهُمَّ بَدِيعَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ، ذَا الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ وَالْعِزَّةِ الَّتِي لَا تُرَامُ، أَسْأَلُكَ يَا أَللهُ، يَا رَحْمَنُ، بِجَلَالِكَ وَنُورِ وَجْهِكَ أَنْ تُلْزِمَ قَلْبِي حِفْظَ كِتَابِكَ كَمَا عَلَّمْتَنِي، وَارْزُقْنِي أَنْ أَتْلُوَهُ عَلَى النَّحْوِ الَّذِي يُرْضِيكَ عَنِّي۔

اللَّهُمَّ بَدِيعَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ، ذَا الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ وَالْعِزَّةِ الَّتِي لَا تُرَامُ، أَسْأَلُكَ: يَا أَللهُ، يَا رَحْمَنُ، بِجَلَالِكَ وَنُورِ وَجْهِكَ: أَنْ تُنَوِّرَ بِكِتَابِكَ بَصَرِي، وَأَنْ تُطْلِقَ بِهِ لِسَانِي، وَأَنْ تُفَرِّجَ بِهِ عَنْ قَلْبِي، وَأَنْ تَشْرَحَ بِهِ صَدْرِي، وَأَنْ تَغْسِلَ بِهِ بَدَنِي، فَإِنَّهُ لَا يُعِينُنِي عَلَى الْحَقِّ غَيْرُكَ وَلَا يُؤْتِيهِ إِلَّا أَنْتَ، وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيمِ، يَا أَبَا الْحَسَنِ: فَافْعَلْ ذَلِكَ ثَلَاثَ جُمَعٍ، أَوْ خَمْسًا، أَوْ سَبْعًا، تُجَبْ بِإِذْنِ اللهِ، وَالَّذِي بَعَثَنِي بِالْحَقِّ مَا أَخْطَأَ مُؤْمِنًا قَطُّ۔

قَالَ عَبْدُ اللهِ بْنُ عَبَّاسٍ: فَوَاللهِ مَا لَبِثَ عَلِيٌّ إِلَّا خَمْسًا أَوْ سَبْعًا، حَتَّى جَاءَ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي مِثْلِ ذَلِكَ الْمَجْلِسِ فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ، إِنِّي كُنْتُ فِيمَا خَلَا، لَا آخُذُ إِلَّا أَرْبَعَ آيَاتٍ أَوْ نَحْوَهُنَّ، فَإِذَا قَرَأْتُهُنَّ عَلَى نَفْسِي تَفَلَّتْنَ، وَأَنَا أَتَعَلَّمُ الْيَوْمَ أَرْبَعِينَ آيَةً أَوْ نَحْوَهَا، وَإِذَا قَرَأْتُهَا عَلَى نَفْسِي فَكَأَنَّمَا كِتَابُ اللهِ بَيْنَ عَيْنَيَّ، وَلَقَدْ كُنْتُ أَسْمَعُ الْحَدِيثَ فَإِذَا رَدَّدْتُهُ تَفَلَّتَ، وَأَنَا الْيَوْمَ أَسْمَعُ الْأَحَادِيثَ، فَإِذَا تَحَدَّثْتُ بِهَا، لَمْ أَخْرِمْ مِنْهَا حَرْفًا، فَقَالَ لَهُ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عِنْدَ ذَلِكَ: مُؤْمِنٌ وَرَبِّ الْكَعْبَةِ يَا أَبَا

الحَسَنِ.(۱)

حضرت عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں کہ ہم نبی کریم ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ اچانک حضرت علی بن ابی طالبؓ آئے، اور عرض کیا: یا رسول اللہ میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں، یہ قرآن میرے سینے سے نکلتا جا رہا ہے، میں اپنے آپ کو اس کے یاد رکھنے پر قادر نہیں پا رہا، نبی کریم ﷺ نے ان سے فرمایا: اے ابوالحسن، کیا میں تمہیں چند ایسے کلمات نہ سکھا دوں، جن کے ذریعہ اللہ تعالیٰ تمہیں فائدہ پہنچائیں گے اور ان لوگوں کو بھی فائدہ پہنچائیں گے، جن کو تم سکھاؤ گے اور اللہ تعالیٰ تمہارے سینے میں اس چیز کو ثابت رکھیں گے، جو تم سیکھو گے، حضرت علی نے عرض کیا: جی ہاں یا رسول اللہ: مجھے ضرور سکھا دیجئے۔

آپ ﷺ نے فرمایا: جب جمعہ کی رات ہو، تو اگر تم یہ کر سکو کہ رات کے آخری حصے میں اٹھ جاؤ، تو یہ ایسی گھڑی ہے جس میں فرشتے حاضر ہوتے ہیں اور اس میں دعا کو قبول کر لیا جاتا ہے، چنانچہ میرے بھائی یعقوب علیہ السلام نے بھی اپنے بیٹوں سے یہی کہا تھا: ''میں عنقریب تمہارے لئے اپنے رب سے استغفار کروں گا، حضرت یعقوب فرما رہے تھے: یہاں تک کہ شب جمعہ آجائے''، لیکن اگر تم اس وقت نہ اٹھ سکو تو رات کے درمیانے حصے میں اٹھ جاؤ، اور اگر اس وقت بھی تم نہ اٹھ سکو تو رات کے پہلے تہائی حصے میں ہی اٹھو اور چار رکعت نماز پڑھو: پہلی رکعت میں سورہ فاتحہ کے بعد سورہ یسین، دوسری رکعت میں سورہ فاتحہ کے بعد حم دخان، تیسری رکعت میں سورہ فاتحہ کے بعد الم تنزیل السجدہ اور چوتھی رکعت میں سورہ فاتحہ کے بعد سورہ ملک پڑھو، جب تم (قعدہ اخیرہ میں) تشہد یعنی التحیات سے فارغ ہو جاؤ تو اللہ کی حمد بیان کرو، اور اچھے طریقے سے اس کی ثناء کرو، اور اچھے طریقے سے مجھ پر اور تمام انبیاء پر درود بھیجو اور تمام مومن مرد و عورت کے لئے استغفار کرو، اور اپنے ان بھائیوں کے لئے بھی مغفرت مانگو، جو تم سے پہلے ایمان لا چکے ہیں۔

پھر اس کے بعد یہ دعا مانگو: اے اللہ! مجھ پر جب تک میں زندہ ہوں، اس طرح اپنا رحم فرما، کہ میں ہمیشہ کے لئے گناہ ترک کر دوں، اور مجھ پر اس طرح رحم فرما، کہ میں ان کاموں یا باتوں کا پیچھا چھوڑ دوں، جو میرے لئے بے مقصد ہوں، اور مجھے ان امور میں اچھی طرح غور و فکر کی توفیق عطا کر، جو میری طرف سے تجھے خوش کر دیں، اے اللہ! اے آسمان و زمین کو پیدا کرنے والے، اے اس عزت والے کہ جس کا قصد نہیں کیا جاتا، اے اللہ! اے رحمن، میں تجھ سے تیرے جلال اور تیرے چہرے کے نور کے وسیلے سے سوال کرتا ہوں کہ میرے دل پر اپنی کتاب کا حفظ، اسی طرح لازم کر دے، جس طرح تو نے مجھے یہ (کتاب) سکھائی ہے، اور مجھے اس بات کی توفیق عطا فرما کہ میں قرآن کی تلاوت اس انداز سے کروں، جو میری طرف سے تجھے خوش کر دے۔

---

(۱) المستدرک للحاکم ۳۱۷/۱۔

اے اللہ! اے آسمان وزمین کے پیدا کرنے والے، اے عظمت وجلال اور اکرام والے، اے اس عزت والے کہ جس کا قصد نہیں کیا جاتا، اے اللہ! اے رحمن، میں تجھ سے تیری عظمت اور تیرے چہرے کے نور کے وسیلے سے، اس بات کا سوال کرتا ہوں کہ میری نظر کو اپنی کتاب سے پرنور کردے، اور اسے میری زبان پر جاری کردے، اور اس کے ذریعہ میرے دل کو کھول دے اور سینے کو مطمئن کردے، اور اس سے میرے بدن کو دھودے (یا اس کے ذریعہ میرے جسم کو عمل کرنے والا بنادے) کیونکہ تیرے علاوہ کوئی بھی میری، حق پر مدد نہیں کرسکتا، اور یہ حق تیرے علاوہ کوئی عطا بھی نہیں کرسکتا، کسی گناہ سے بچنے کی طاقت یا نیکی کی قدرت بھی صرف اللہ ہی کی طرف سے ہے، جو بہت بلند اور عظیم ہے، اے ابوالحسن! تم اسے تین، پانچ یا سات جمعہ تک پڑھو، اللہ کے حکم سے تمہاری دعا قبول کرلی جائے گی، قسم ہے اس ذات کی جس نے مجھے حق کے ساتھ بھیجا ہے، یہ دعا کسی مومن سے کبھی تجاوز نہیں کرتی (یعنی اس کی دعا کو ضرور قبول کرلیا جاتا ہے)۔

عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں: حضرت علی صرف پانچ یا سات جمعہ ٹھہرے، پھر وہ اسی طرح کی مجلس میں، نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور عرض کیا: اے اللہ کے رسول! میں تو ایسا آدمی تھا کہ پہلے میں قرآن مجید کی چار آیتیں یا ان کے برابر آیات سیکھتا اور جب انہیں خود پڑھتا تو وہ (مجھ سے) ایک دم چھوٹ جاتیں (یعنی میں ایک دم بھول جاتا) اور آج میں چالیس یا ان کے برابر آیتیں سیکھتا ہوں اور پھر جب انہیں خود پڑھتا ہوں، تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ کتاب اللہ میری آنکھوں کے سامنے ہے اور (اسی طرح) جب میں حدیث سنتا تھا، تو جب میں اسے دہراتا تو وہ ایک دم سے چھوٹ جاتی (یعنی دل سے نکل جاتی) اور اب میں بہت سی احادیث کو سن لیتا ہوں، پھر جب میں ان کو بیان کرتا ہوں، تو ان میں سے ایک حرف کو بھی کم نہیں کرتا، چنانچہ اس وقت نبی کریم ﷺ نے ان سے فرمایا: ابوالحسن، رب کعبہ کی قسم: واقعی تم ایمان والے ہو۔

مشکل الفاظ کے معنی: **تفلت**: قرآن مجید ایک دم چھوٹ جاتا ہے، یعنی دل سے نکل جاتا ہے، بھول جاتا ہے، **ابو الحسن**: یہ حضرت علی کی کنیت ہے، **فما اجدني اقدر عليه**: میں اپنے آپ کو قرآن مجید کے یاد رکھنے پر قادر نہیں پا رہا، **ساعة مشهودة**: یہ ایک ایسی گھڑی ہے، جس میں فرشتے حاضر ہوتے ہیں، **مستجاب**: قبول کیا جاتا ہے، **يقول حتى تأتي ليلة الجمعة**: اس میں یقول کی ضمیر حضرت یعقوب علیہ السلام کی طرف لوٹ رہی ہے، یعنی حضرت یعقوب فرما رہے تھے کہ شب جمعہ آجائے تو میں تمہارے لئے اللہ سے توبہ واستغفار کروں گا، **أحسن الثناء**: (صیغہ امر) تو اچھے طریقے سے اللہ کی حمد وثناء کر، **ما ابقيتني**: جب تک تو مجھے باقی اور زندہ رکھے، **ان اتكلف ما لا يعنيني**: میں اس بات یا کام سے تعرض ترک کردوں، جو میرا مقصود نہ ہو، میں اس قول اور فعل کی مشقت اٹھانا چھوڑ دوں، جو میرے مطلب کا نہ ہو، یعنی لایعنی اور فضول چیزوں کو چھیڑوں ہی نہیں، ان کے درپے ہی نہ ہوں، ان کا پیچھا ہی نہ کروں، حدیث کی اصل عبارت اس طرح ہے: **ارحمني بترك ان اتكلف**....، **ارزقني**: مجھے توفیق

عطا فرما، حسن النظر: اچھی طرح غور وخوض کرنا، والعزة التی لا ترام: اصل عبارت اس طرح ہے: یا ذالعزة...، اے اس عزت والے کہ جس کا قصد اور ارادہ ہی نہیں کیا جاسکتا، یعنی تجھے عزت کا وہ مقام حاصل ہے کہ کوئی انسان اسے حاصل کرنے کا سوچ بھی نہیں سکتا، قصد کرنا تو دور کی بات ہے، اسی کو اللہ نے یوں بیان فرمایا: وللہ العزة ولرسولہ (اور اللہ اور اس کے رسول کے لیے ہی عزت ہے) ان تلزم قلبی: (یہ الزام سے ہے) میرے دل پر تو لازم کردے، چسپاں کردے، علی النحو الذی: اس طریقے پر جو، ان تطلق: اطلاق سے ہے: تو جاری کردے: ان تفرج به: (یہ تفریج سے ہے) تو اس کے ذریعہ سے کھول دے، ان تشرح به: تو اس کے ذریعہ مطمئن کردے، ان تغسل به بدنی: اس کے دو ترجمے ہیں: (۱) تو اس قرآن کے ذریعہ میرے بدن کو گناہوں سے دھودے، (۲) تو اس کے ذریعہ میرے جسم کو عمل کرنے والا بنادے چنانچہ بعض نسخوں میں "تعمل" کا لفظ ہے، لا یوتیہ الا انت: حق تو صرف تو ہی عطا کرتا ہے، تجب: (صیغہ مجہول): تیری دعا کو قبول کرلیا جاتا ہے ما أخطأ: اس کی "ھو" ضمیر دعا کی طرف لوٹ رہی ہے، یہ دعا کسی مؤمن سے تجاوز نہیں کرتی یعنی اس کی دعا کو ضرور قبول کرلیا جاتا ہے،: مالبث علی: حضرت علی رضی اللہ عنہ نہیں ٹھہرے، فیما خلا: اس سے پہلے، گذشتہ ایام میں، اذا قرأتهن علی نفسی: جب ان آیات کو میں خود پڑھتا، تفلتن: وہ آیتیں ایک دم سے میرے دل سے نکل جاتیں، فاذا ردذتہ: پھر جب میں اس حدیث کو دہراتا، لم اخرم منها حرفا: (صیغہ متکلم) میں ان احادیث سے ایک حرف بھی کم نہیں کرتا۔

حافظے کو تیز کرنے کا ایک مسنون عمل

مذکورہ حدیث سے درج ذیل امور ثابت ہوتے ہیں:

۱۔ حضرت علی نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اپنی پریشانی کا ذکر کیا کہ میں قرآن مجید کی چند آیات سیکھتا ہوں، انہیں یاد کرتا ہوں پھر جب میں ان کو خود پڑھتا ہوں تو میں انہیں بھول جاتا ہوں، ایک دم میرے ذہن سے وہ نکل جاتی ہیں، اپنے حافظے کی کمزوری کا ذکر کیا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک نسخہ بتایا، اس پر تم عمل کرو تو انشاء اللہ تمہارا حافظہ تیز ہوجائے گا۔

وہ نسخہ یہ ہے کہ شب جمعہ میں تہجد کے وقت چار رکعت نفل پڑھو، اس طرح کہ پہلی رکعت میں سورہ فاتحہ اور یسین، دوسری رکعت میں سورہ فاتحہ اور حم الدخان، تیسری رکعت میں سورہ فاتحہ اور الم تنزیل السجدہ اور چوتھی رکعت میں سورہ فاتحہ اور سورہ ملک پڑھو، اس کے بعد تم اللہ جل شانہ کی حمد وثناء بیان کرو، مجھ پر درود بھیجو اور پھر یہ دعا کریں: اللهم ارحمنی بترک المعاصی.... لاحول ولا قوة الا باللہ العلی العظیم تک، یہ عمل تم تین یا پانچ یا سات دفعہ شب جمعہ میں جاری رکھو، انشاء اللہ تمہاری دعا کو قبول کرلیا جائے گا، اور تمہارا حافظہ تیز ہوجائے گا۔

سات شب جمعہ میں یہ عمل کرنے کے بعد حضرت علی نے آکر بتایا کہ میں اب قرآن مجید کی چالیس آیتیں یاد کر کے، جب انہیں خود دہراتا ہوں، تو ایسا لگتا ہے کہ کتاب اللہ میرے سامنے موجود ہے، جبکہ اس سے پہلے میرا یہ حال تھا کہ تین آیتیں بھی

یاد کرنے کے بعد بھی خود نہیں پڑھ سکتا تھا، اب میں احادیث بھی سننے کے بعد خود انہیں دہرالیتا ہوں، بھولتا نہیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ اگر آدمی کا حافظہ کمزور ہو، تو اسے چاہیے کہ وہ یہ عمل کرے، انشاء اللہ اس کا حافظہ تیز ہو جائے گا۔

۲۔ استاد کے لئے اس واقعہ میں یہ پیغام ہے کہ وہ اپنے شاگردوں کے لئے دعا کیا کرے، تاکہ ان کا ذہن پڑھائی میں کھل جائے، اوران کا حافظہ تیز ہو جائے، یہ مسنون عمل ہے۔

۳۔ حدیث میں جو چار رکعت نماز نفل میں قراءت کے لیے سورتیں ذکر کی گئی ہیں، ان میں ایک جگہ ترتیب نہیں ہے، کیونکہ دوسری رکعت میں سورہ فاتحہ کے بعد سورہ دخان ہے، جبکہ تیسری رکعت میں سورہ فاتحہ اور الم السجدہ کا ذکر ہے، حالانکہ الم سجدہ، سورہ دخان سے پہلے ہے، یہاں ان میں ترتیب برقرار نہیں رہی، حالانکہ نماز میں سورتوں میں ترتیب کا لحاظ رکھنے کا حکم ہے؟

شارحین حدیث نے اس اشکال کے چار جواب ذکر کئے ہیں:

ا۔ نفل نماز میں اصل یہ ہے کہ وہ دو رکعتیں ہی ہوں، لہٰذا اگر کوئی چار رکعت نفل ایک ساتھ پڑھ رہا ہے، تو حکماً وہ دو دو رکعتیں الگ الگ ہیں، اس لیے اگر تیسری رکعت میں سورہ فاتحہ کے بعد سورہ الم سجدہ پڑھی جائے، تو اس میں ترتیب کے خلاف نہیں ہوا کیونکہ یہ دو رکعتیں حکماً الگ ہیں۔

۲۔ نفل نماز میں اگر قراءت میں ترتیب باقی نہ رہے، تو کوئی حرج نہیں، اس میں گنجائش ہے۔

۳۔ یہ ایک مخصوص نماز ہے، اس لیے اس میں جو ترتیب نبی کریم ﷺ نے بیان کر دی ہے، اسی پر عمل کیا جائے گا، ہاں اس کے علاوہ باقی نمازوں میں قراءت میں ترتیب قائم رکھنے کا حکم ہے۔

۴۔ اس حدیث کے بعض طرق میں یوں ہے: دوسری رکعت میں سورہ فاتحہ کے بعد الم سجدہ اور تیسری رکعت میں سورہ دخان کا ذکر ہے، اگر اس روایت کو سامنے رکھا جائے تو پھر کوئی اشکال ہی نہیں ہوگا۔(۱)

شب جمعہ میں دعا قبول ہوتی ہے

اس حدیث میں ہے کہ شب جمعہ میں تہجد کے وقت جو دعا کی جائے، وہ ضرور قبول ہوتی ہے، حضرت یعقوب علیہ السلام سے جب ان کے بیٹوں نے معافی اور استغفار کی درخواست کی تو انہوں نے فرمایا: سوف استغفر لکم ربی، مقصد ان کا یہ تھا کہ شب جمعہ آجائے تو میں اس میں تمہارے لئے استغفار کروں گا، اس لئے اس رات میں خاص طور پر اللہ جل شانہ کی عبادت اور اس سے کثرت سے مانگنے کا معمول بنانا چاہیے، اللہ تعالیٰ عمل کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔(۲)

---

(۱) الکوکب الدری ۳۷۰/۴

(۲) تفسیر ابن کثیر، ۵۴۲/۳، سورہ یوسف، آیت نمبر: ۹۸، ط: بیروت۔

بَابٌ فِي انْتِظَارِ الْفَرَجِ وَغَيْرِ ذٰلِكَ

یہ باب ان احادیث پر مشتمل ہے جن میں کشادگی کے انتظار اور دوسری چیزوں کا ذکر ہے

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: سَلُوا اللّٰهَ مِنْ فَضْلِهِ، فَإِنَّ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ يُحِبُّ أَنْ يُسْأَلَ، وَأَفْضَلُ الْعِبَادَةِ انْتِظَارُ الْفَرَجِ.(۱)

حضرت عبداللہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ سے اس کا فضل مانگا کرو، کیونکہ اللہ جل شانہ اس بات کو پسند کرتے ہیں کہ ان سے ان کا فضل مانگا جائے، اور سب سے فضیلت والی عبادت غم، آزمائش کے دور ہونے اور کشادگی کا انتظار ہے۔

عَنْ زَيْدِ بْنِ أَرْقَمَ، قَالَ: كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: اللّٰهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنَ الْكَسَلِ وَالْعَجْزِ وَالْبُخْلِ. وَبِهٰذَا الْإِسْنَادِ عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم أَنَّهُ كَانَ يَتَعَوَّذُ مِنَ الْهَرَمِ وَعَذَابِ الْقَبْرِ۔(۲)

حضرت زید بن ارقم فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا کیا کرتے تھے: اے اللہ میں سستی، عجز اور بخل سے تیری پناہ مانگتا ہوں، اور اسی سند سے یہ بھی منقول ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بڑھاپے اور عذاب قبر سے پناہ مانگا کرتے تھے۔

مشکل الفاظ کے معنی: الفرج: (فا اور را پر زبر کے ساتھ) کشادگی، غم اور آزمائش کا ختم ہوجانا، هرم: (ہاء اور را پر زبر) بڑھاپے کی عمر، ناکارہ عمر کہ جس میں انسان اپنے حواس کھودیتا ہے اور دوسروں کا محتاج ہوجاتا ہے۔

اللہ سے اس کا فضل مانگا جائے

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ جل شانہ سے کثرت سے اس کا فضل وکرم مانگا جائے، کیونکہ اس کے خزانوں میں کوئی کمی نہیں، وہ اس بات کو پسند بھی کرتا ہے کہ میرے بندے مجھ سے میرا فضل مانگیں، اور فرمایا کہ سب سے افضل عبادت یہ ہے کہ انسان پر اگر کوئی غم، پریشانی اور آزمائش آجائے تو بغیر کسی گلے شکوے کے اس کے دور ہونے کا انتظار کرے، کیونکہ آزمائش میں صبر کرنا گویا تقدیر کے فیصلے پر راضی رہنے کا اظہار ہے، یہ چیز اللہ کو بہت پسند ہے، اس لئے یہ سب سے فضیلت والی عبادت ہے۔

عَنْ جُبَيْرِ بْنِ نُفَيْرٍ أَنَّ عُبَادَةَ بْنَ الصَّامِتِ، حَدَّثَهُمْ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: مَا عَلَى الْأَرْضِ مُسْلِمٌ يَدْعُو اللّٰهَ بِدَعْوَةٍ، إِلَّا آتَاهُ اللّٰهُ إِيَّاهَا، أَوْ صَرَفَ عَنْهُ مِنَ السُّوءِ مِثْلَهَا مَا لَمْ يَدْعُ بِإِثْمٍ، أَوْ قَطِيعَةِ رَحِمٍ،

---

(۱) الحلیة لأبی نعیم ۱۲۷/۱۔

(۲) الصحیح لمسلم، کتاب الذکر، باب التعوذ، رقم: ۲۷۲۲۔

فَقَالَ رَجُلٌ مِنَ الْقَوْمِ: إِذًا نُكْثِرُ، قَالَ: اللهُ أَكْثَرُ. (۱)

حضرت جبیر بن نفیر سے روایت ہے کہ حضرت عبادہ بن صامت نے اپنے شاگردوں کو یہ حدیث بتائی کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: روئے زمین پر کوئی مسلمان ایسا نہیں کہ جو اللہ تعالیٰ سے کوئی دعا کرے مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ اس کو یا تو وہی چیز عطا کر دیتا ہے، یا اس سے اس دعا کے بقدر کوئی برائی دور کر دیتا ہے جب تک کہ وہ کسی گناہ یا تعلق توڑنے کی دعا نہ کرے، اس پر لوگوں میں سے ایک شخص نے عرض کیا: پھر تو ہم کثرت سے دعا مانگا کریں گے، نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ تمہاری دعاؤں کو اس سے کہیں زیادہ قبول کرنے والا ہے، (یا اس کی عطا اور فضل بہت زیادہ ہے، اس میں کوئی کمی نہیں آتی، بھلے تم جتنی زیادہ دعائیں کرتے رہو)

کوئی دعا فائدے سے خالی نہیں

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جب بھی کوئی مسلمان دعا کرتا ہے تو اسے تین چیزوں میں سے کوئی ایک چیز ضرور عطا کر دی جاتی ہے: ا۔ اللہ تعالیٰ اس کی دعا کو قبول کر کے وہی چیز دے دیتے ہیں جو اس نے مانگی ہے۔ ۲۔ یا اس کی دعا کے بقدر کسی برائی، آزمائش اور آفت کو اس سے ہٹا دیا جاتا ہے۔ ۳۔ ایک اور حدیث میں تیسری چیز کا ذکر ہے کہ یا اس دعا کو آخرت میں اس کے لئے ذخیرہ کر دیا جاتا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ مؤمن کی ہر دعا نفع بخش ہے ہاں اس میں یہ شرط ہے کہ وہ دعا کسی گناہ پر یا قطع رحمی کے امر پر مشتمل نہ ہو، اور اس کا رزق حلال ہو، حرام نہ ہو۔

"اذا نکثر" صحابہ نے عرض کیا کہ جب دعا مومن کے لئے اس قدر نفع بخش ہے، تو پھر ہم کثرت سے دعا مانگا کریں گے، نبی کریم ﷺ نے جواب میں فرمایا: اللہ اکثر، اللہ اکثر سے کیا مراد ہے؟ اس میں شارحین حدیث کے مختلف اقوال ہیں:

- تمہاری دعائیں جتنی زیادہ ہوں، اللہ تعالیٰ ان سے کہیں زیادہ انہیں قبول کرنے والا ہے۔
- اللہ کا فضل بہت زیادہ ہے، وہ تمہاری دعاؤں کے مقابلے میں اپنے فضل و کرم سے، بہت زیادہ دینے والا ہے۔
- اللہ کے خزانے لامحدود ہیں، ان کا کوئی شمار نہیں، وہ تم سب کی دعاؤں پر جس قدر کثرت سے عطا کر دے، پھر بھی اس کے خزانوں میں ذرہ بھر کمی نہیں آتی۔
- اللہ تعالیٰ بہت زیادہ اجر و ثواب دینے والا ہے، جسے تم لوگ حاشیہ خیال میں بھی نہیں لا سکتے۔ (۲)

عَنِ الْبَرَاءِ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: إِذَا أَخَذْتَ مَضْجَعَكَ فَتَوَضَّأْ وُضُوءَكَ لِلصَّلَاةِ، ثُمَّ اضْطَجِعْ عَلَى شِقِّكَ الْأَيْمَنِ، ثُمَّ قُلْ: اللَّهُمَّ أَسْلَمْتُ وَجْهِي إِلَيْكَ، وَفَوَّضْتُ أَمْرِي إِلَيْكَ، وَأَلْجَأْتُ

(۱) مجمع الزوائد ۱۰/۲۹۳۔
(۲) مرقاۃ المفاتیح ۵/۱۳۲، کتاب الدعوات، رقم الحدیث: ۲۲۵۹، الکوکب الدری ۴/۳۷۱

ظَهْرِي إِلَيْكَ، رَغْبَةً وَرَهْبَةً إِلَيْكَ، لَا مَلْجَأَ وَلَا مَنْجَا مِنْكَ إِلَّا إِلَيْكَ، آمَنْتُ بِكِتَابِكَ الَّذِي أَنْزَلْتَ، وَبِنَبِيِّكَ الَّذِي أَرْسَلْتَ، فَإِنْ مُتَّ فِي لَيْلَتِكَ مُتَّ عَلَى الْفِطْرَةِ، قَالَ: فَرَدَدْتُهُنَّ لِأَسْتَذْكِرَهُ، فَقُلْتُ: آمَنْتُ بِرَسُولِكَ الَّذِي أَرْسَلْتَ، فَقَالَ: قُلْ: آمَنْتُ بِنَبِيِّكَ الَّذِي أَرْسَلْتَ. (۱)

حضرت براء بن عازب سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب تم سونے کے لئے اپنے بستر پر جانے کا ارادہ کرو، توتم اسی طرح وضو کرو، جس طرح تم نماز کے لئے وضو کرتے ہو، پھر اپنی دائیں کروٹ پر لیٹ جاؤ، پھر یہ دعا پڑھو، (اے اللہ میں نے اپنی ذات کو تیرے سامنے جھکا دیا، اور میں نے اپنا معاملہ تیرے سپرد کیا، اور میں نے اپنی کمر کو تیرا سہارا دیا تجھ سے رغبت کرتے ہوئے اور ڈرتے ہوئے، تیرے علاوہ نہ تو کوئی پناہ کی جگہ ہے اور نہ ہی تیرے عذاب سے خلاصی کی کوئی جگہ ہے، میں تیری اس کتاب پر ایمان لایا، جو تو نے نازل کی اور تیرے اس نبی پر ایمان لایا، جس کو تو نے رسول بنا کر بھیجا ہے) پھر اگر تم اس رات ہی مر گئے تو تم فطرت یعنی دین اسلام پر مروگے۔

براء بن عازب کہتے ہیں کہ میں نے ان کلمات کو دہرایا، تا کہ میں انہیں یاد کرلوں، تو میں نے امنت برسولک... کہدیا، تو آپ ﷺ نے فرمایا: تم وہی کلمات کہو: امنت بنبیک الذی أرسلت، (یعنی بنبیک کی جگہ برسولک نہ پڑھو)

مشکل الفاظ کے معنی: اذا اخذت: جب تم ارادہ کرو، جب تم سونے کے لیے آؤ، مضجع: (میم اور جیم پر زبر) بستر، سونے کی جگہ، علی شقک الایمن: (شین کے نیچے زیر اور قاف پر تشدید): اپنی دائیں کروٹ پر، دائیں پہلو پر، اسلمت: میں نے جھکا دیا، تابع بنادیا، فوضت: (صیغہ متکلم) میں نے سپرد کیا، ألجأت: (صیغہ متکلم) میں نے پناہ دی، میں نے سہارا دیا، ظهری: اپنی پشت کو، رهبة: خوف، ملجا: جائے پناہ، منجی: نجات اور خلاصی کی جگہ، علی الفطرة: دین اسلام پر، فرددتهن: پھر میں نے ان کلمات کو دہرایا، لاستذکره: "ہ" ضمیر دعا کی طرف لوٹ رہی ہے: تا کہ میں اس دعا کو یاد کرلوں؛ اور بعض نسخوں میں یہاں "هن" ضمیر ہے، جو "کلمات" کی طرف لوٹ رہی ہے۔

حضرت براء بن عازب انصاری

حضرت براء مدینہ منورہ کے رہنے والے ایک جلیل القدر انصاری صحابی تھے، نبی کریم ﷺ کے ساتھ پندرہ کے لگ بھگ غزوات میں شریک رہے، غزوہ بدر میں شریک نہیں ہو سکے، اس وقت ان کی عمر کم تھی، اس لئے نبی کریم ﷺ نے ان کو شرکت کی اجازت نہیں دی۔

انہوں نے نبی کریم ﷺ اور دوسرے صحابہ سے بہت سی روایات نقل کی ہیں، حضرت ابوموسیٰ کے ساتھ غزوہ تستر میں

(۱) الصحیح للبخاری، الوضوء، باب فضل من بات طاهراً، رقم: ۲۴۷۔

بھی پیش پیش تھے، جنگ جمل، صفین اور خوارج کے ساتھ قتال میں حضرت علی کے ساتھ رہے، کوفہ میں ہی رہائش اختیار کرلی تھی، اور پھر حضرت مصعب بن عمیر کی امارت کے زمانے میں ان کی وفات ہوئی۔(۱)

سونے کے وقت کی ایک مسنون دعا اور اعمال

اس حدیث میں نبی کریم ﷺ نے پانچ چیزیں ذکر فرمائی ہیں:

۱۔ سونے کے وقت اگر باوضو نہ ہو تو وضو کرلیا جائے، اس کا یہ اثر ہوگا کہ اسے اچھے اور سچے خواب نظر آئیں گے، شیطان کے مکر و فریب سے محفوظ رہے گا اور رات میں جب اس کی آنکھ کھل جائے تو جو دعا کرے گا، اسے قبول کرلیا جاتا ہے۔

۲۔ دائیں پہلو پر لیٹے، کیونکہ نبی کریم ﷺ دائیں جانب کو پسند فرماتے تھے، نیز اس طرح لیٹنا صحت اور معدہ کے لئے بھی فائدہ مند ہوتا ہے اور آدمی جلد بیدار بھی ہوجاتا ہے، اور پھر بائیں کروٹ پر ہوجائے کہ اس طرح نظام ہضم اپنا کام اچھی طرح کرتا ہے۔

۳۔ اللہ جل جلالہ کا ذکر کرتے کرتے سوجاتے، تاکہ اس کا آخری عمل یہ ذکر ہوجائے۔

۴۔ مذکورہ مسنون دعا پڑھنے کا اہتمام کیا جائے۔

۵۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص مذکورہ چار کام کرکے سوجائے اور پھر اسی رات اگر اس کی موت آجائے تو یقیناً اس کی موت فطرت پر یعنی دین اسلام پر ہوگی۔

یہ ذہن میں رہے کہ اگر کوئی مسلمان مذکورہ مسنون کام کئے بغیر سوجائے اور اسی رات اس کی وفات ہوجائے، تو اس کی موت بھی فطرت پر ہی ہوگی، لیکن جو شخص ان سنتوں پر عمل کرنے کے بعد مرجائے، تو اس کی وفات فطرت کے اعلیٰ درجے پر ہوگی، کیونکہ فطرت کی کئی قسمیں ہیں، ایک عام مومنین کی فطرت ہے، اور ایک اللہ کے انتہائی مقرب اور صلحاء و اولیاء کی فطرت ہے، چنانچہ ان کلمات کو پڑھنے والوں کی موت صلحاء اور نیک لوگوں کی فطرت پر ہوگی، جبکہ ان کے علاوہ دیگر لوگوں کی موت عام مؤمنین کی فطرت پر ہوگی، یوں ان سنتوں پر عمل کرنے والوں کی فطرت دوسروں سے ممتاز ہوجاتی ہے۔(۲)

ماثور دعاؤں اور اذکار کے الفاظ میں ردوبدل درست نہیں

حضرت براء بن عازب نے اس مسنون دعا کو یاد کرنے کے لئے دہرایا تو زبان سے یوں الفاظ نکلے امنت برسولک تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ امنت بنبیک .... ہی کہو، برسولک نہ کہو۔

---

(۱) الاصابة فی تمییز الصحابة ۱/۴۱۱، حرف الباء

(۲) فتح الباری ۱۱/۱۳۴، ۱۳۵، کتاب الدعوات باب اذابات طاهرا۔

اس سے استدلال کر کے حافظ ابن حجر اور دیگر شارحین حدیث فرماتے ہیں کہ روایت بالمعنیٰ گو کہ مخصوص شرائط کے ساتھ جائز ہے، اس لحاظ سے رسول کی جگہ نبی کہنے اور پڑھنے کی گنجائش ہے، لیکن مسنون دعاؤں، اذکار اور جھاڑ پھونک کے کلمات میں انہی الفاظ کا استعمال کرنا ضروری ہے، جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہیں، ان میں الفاظ کے لحاظ سے رد و بدل یعنی روایت بالمعنیٰ جائز نہیں، کیونکہ ان میں معنیٰ کے ساتھ ان کے الفاظ بھی مقصود ہوتے ہیں، جبکہ ان کے علاوہ دیگر روایات میں صرف معنیٰ اور مفہوم مقصود ہوتا ہے، الفاظ مقصود نہیں ہوتے، اس لئے ان میں لفظی تبدیلی مخصوص شرائط کے ساتھ جائز ہوتی ہے، لیکن مسنون دعاؤں، اذکار، وظائف اور جھاڑ پھونک کے کلمات اور الفاظ میں تبدیلی کرنا درست نہیں ہے، کیونکہ ان کے کلمات اور الفاظ توقیفی ہوتے ہیں، ان کی اپنی خصوصیات، اثرات، برکات اور اسرار و رموز ہوتے ہیں، جنہیں عقل و فہم سے نہیں سمجھا جا سکتا، اس لئے ان میں منقول الفاظ ہی استعمال کرنے کا حکم ہے، انہیں تبدیل نہیں کیا جا سکتا، اسی وجہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت براء سے فرمایا کہ تم لفظ میں تبدیلی نہیں کر سکتے۔(۱)

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ خُبَيْبٍ، قَالَ: خَرَجْنَا فِي لَيْلَةٍ مَطِيرَةٍ، وَظُلْمَةٍ شَدِيدَةٍ، نَطْلُبُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي لَنَا، قَالَ: فَأَدْرَكْتُهُ، فَقَالَ: قُلْ، فَلَمْ أَقُلْ شَيْئًا، ثُمَّ قَالَ: قُلْ، فَلَمْ أَقُلْ شَيْئًا، قَالَ: قُلْ، فَقُلْتُ: مَا أَقُولُ؟ قَالَ: قُلْ: قُلْ هُوَ اللّٰهُ أَحَدٌ، وَالْمُعَوِّذَتَيْنِ حِينَ تُمْسِي وَتُصْبِحُ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ، تَكْفِيكَ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ.(۲)

حضرت عبداللہ بن خبیب فرماتے ہیں کہ ہم (ایک مرتبہ) سخت تاریکی اور برسات کی رات میں نکلے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تلاش کر رہے تھے، تاکہ آپ ہمیں نماز پڑھائیں، فرماتے ہیں کہ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پالیا (یعنی تلاش کر لیا) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہو، میں نے کچھ نہیں کہا، پھر آپ نے فرمایا: کہو، میں نے کچھ نہیں کہا (پھر) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے (تیسری مرتبہ) فرمایا: کہو، میں نے عرض کیا: کیا کہوں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم سورہ اخلاص اور معوذتین صبح و شام، تین بار پڑھا کرو، یہ چیزیں تمہیں ہر چیز سے بے نیاز کر دیں گی یا یہ سورتیں تم سے ہر بری چیز کو دور کر دیں گی۔

مشکل الفاظ کے معنیٰ: لیلۃ مطیرۃ: بارش والی رات، فأدرکتہ: (صیغہ متکلم) پھر میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پالیا، تکفیک من کل شيء: اس کے دو ترجمے ہو سکتے ہیں: (۱) یہ سورتیں تمہیں ہر چیز سے مستغنی اور بے نیاز کر دیں گی، (۲) یہ سورتیں تم سے ہر شر اور بری چیز کو دور کر دیں گی۔

حضرت عبداللہ بن خبیب رضی اللہ عنہ

حضرت عبداللہ بن خبیب جہنی مدینہ منورہ کے رہنے والے تھے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام سے انہوں نے روایات

(۱) فتح الباری ۱۱/۱۳۵، تکملۃ فتح الملھم ۵/۵۷۸، کتاب الذکر و الدعا، باب مایقول عند النوم۔
(۲) سنن ابی داؤد، الأدب، باب مایقول اذا أصبح، رقم: ۵۰۸۲۔

نقل فرمائی ہیں، ابن عبد البر فرماتے ہیں کہ یہ انصار کے حلیف تھے۔(۱)

صبح وشام سورہ اخلاص اور معوذتین کو تین تین بار پڑھنے کی فضیلت

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ کو تین بار خاص طور پر متوجہ فرما کر فرمایا کہ تم صبح وشام سورہ اخلاص اور معوذتین کو تین تین بار پڑھ لیا کرو، اس کی برکت سے تم ہر قسم کے شر اور برائی سے محفوظ رہو گے، اور یہ سورتیں تمہیں ہر چیز سے مستغنی اور بے نیاز کر دیں گی، اس لئے آدمی کو چاہیے کہ دیگر مسنون اذکار کے ساتھ ساتھ یہ اہم ذکر بھی صبح وشام کر لیا کرے، تاکہ اسے یہ فضیلت حاصل ہو جائے، اللہ جل شانہ عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔(۲)

بَابٌ فِي دُعَاءِ الضَّيْفِ

یہ باب اس حدیث پر مشتمل ہے جس میں مہمان کی دعا کا ذکر ہے

عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ بُسْرٍ، قَالَ: نَزَلَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى أَبِي، فَقَرَّبْنَا إِلَيْهِ طَعَامًا، فَأَكَلَهُ، ثُمَّ أُتِيَ بِتَمْرٍ فَكَانَ يَأْكُلُ وَيُلْقِي النَّوَى بِإِصْبَعَيْهِ جَمَعَ السَّبَّابَةَ وَالْوُسْطَى - قَالَ شُعْبَةُ: وَهُوَ ظَنِّي فِيهِ إِنْ شَاءَ اللهُ وَأَلْقَى النَّوَى بَيْنَ أُصْبُعَيْنِ - ثُمَّ أُتِيَ بِشَرَابٍ فَشَرِبَهُ، ثُمَّ نَاوَلَهُ الَّذِي عَنْ يَمِينِهِ، قَالَ: فَقَالَ أَبِي وَأَخَذَ بِلِجَامِ دَابَّتِهِ: ادْعُ لَنَا، فَقَالَ: اللَّهُمَّ بَارِكْ لَهُمْ فِيمَا رَزَقْتَهُمْ، وَاغْفِرْ لَهُمْ وَارْحَمْهُمْ.(۳)

حضرت عبداللہ بن بسر فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم میرے والد کے پاس تشریف لائے، فرماتے ہیں کہ ہم نے آپ کی خدمت میں کھانا پیش کیا، آپ نے اس میں سے کھایا، پھر کھجوریں لائی گئیں، آپ ان میں سے کھاتے رہے، اور گٹھلیاں اپنی دونوں انگلیوں میں رکھ دیتے، آپ نے شہادت کی انگلی اور درمیانی انگلی کو جمع کیا، شعبہ کہتے ہیں کہ یہ میرا خیال ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم گٹھلیاں اپنی دونوں انگلیوں کے درمیان رکھ دیتے، اور انشاء اللہ یہ صحیح ہوگا، پھر کوئی پینے کی چیز لائی گئی تو وہ بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پی لی، پھر آپ نے وہ چیز اس شخص کو دے دی جو آپ کی دائیں جانب تھا، فرماتے ہیں کہ پھر میرے والد نے عرض کیا، جبکہ انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سواری کی لگام پکڑ رکھی تھی، کہ ہمارے لئے دعا فرما دیجئے؟ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی: اللھم بارک.... (اے اللہ! تو ان کے لئے ان تمام چیزوں میں برکت ڈال دے، جو تو نے ان کو عطا فرمائی ہیں، اور ان کو بخش دے اور ان پر رحم فرما دے)۔

---

(۱) تهذيب التهذيب ۴/۲۸۱، حرف العين، من اسمه عبدالله۔

(۲) بذل المجهود ۲۰/۱۴ كتاب الادب، باب ما يقول اذا اصبح، حديث: ۵۰۸۲

(۳) الصحيح لمسلم، كتاب الأشربة، باب استحباب وضع النوى، رقم: ۲۰۴۲۔

حضرت عبداللہ بن بسر رضی اللہ عنہما

یہ نبی کریم ﷺ کے صحابہ میں سے ہیں، ان کے والدین اور دو بھائیوں کو یعنی عطیہ اور صماء کو بھی نبی کریم ﷺ کی صحبت کا شرف حاصل تھا، نبی کریم ﷺ سے اور دیگر صحابہ سے بھی انہوں نے روایات نقل کی ہیں، حدیث باب کے راوی بھی حضرت عبداللہ بن بسر ہیں، ایک موقع پر نبی کریم ﷺ نے ان کے بارے میں فرمایا: یعیش هذا الغلام قرنا کہ یہ لڑکا ایک صدی کا زمانہ پائے گا، چنانچہ ان کی وفات کے بارے میں دو قول ہیں: (۱) شام کے مقام حمص میں ان کی وفات ہوئی، اس وقت ان کی عمر ۹۴ سال تھی، (۲) قاسم بن سعد کہتے ہیں کہ ان کا انتقال چھیانوے ہجری میں ہوا، ان کی عمر اس وقت پورے سو سال ہو چکی تھی۔(۱)

مہمان سے دعا کی درخواست کرنا سنت ہے

مذکورہ حدیث سے درج ذیل امور ثابت ہوتے ہیں:

۱۔ گھر میں جب کوئی مہمان آجائے تو اس کا اکرام کیا جائے، اسے بوجھ سمجھ کر اس کے ساتھ بے رخی کا معاملہ کرنا سنت کے خلاف ہے، نبی کریم ﷺ جب حضرت بسر کے ہاں تشریف لے گئے، تو انہوں نے آپ ﷺ کا کھانے، کھجوریں اور پینے کی چیز سے اکرام کیا۔

۲۔ جب کوئی چیز لوگوں کو دینی ہو، تو اس کا آغاز دائیں طرف بیٹھے ہوئے بندے سے کرنا مسنون ہے۔

۳۔ پھلوں کے چھلکے اور کھجور کی گٹھلیاں رکھنے کا الگ سے کوئی برتن نہ ہو تو انہیں سر دست ہاتھ میں رکھا جا سکتا ہے، تا کہ بعد میں انہیں کسی مناسب جگہ پر ڈال دیا جائے۔

۴۔ حضرت بسر نے نبی کریم ﷺ سے دعا کی درخواست کی، اس سے معلوم ہوا کہ جب کوئی نیک مہمان ہو، تو اس سے دعا کی گذارش کی جائے، یہ مسنون عمل ہے۔

۵۔ میزبان لوگ جب اس مہمان سے دعا کی درخواست کریں تو مہمان کو چاہیے کہ انہیں وسیع ظرفی کے ساتھ اچھی دعائیں دے، اس سے اس گھر والے بھی خوش ہوں گے اور اللہ تعالیٰ بھی اس مہمان سے راضی ہوں گے، چنانچہ نبی کریم ﷺ نے انہیں یہ دعا دی، جو انتہائی اہم اور جامع قسم کی دعا ہے: اَللّٰهُمَّ بَارِكْ لَهُمْ فِيمَا رَزَقْتَهُمْ، وَاغْفِرْ لَهُمْ وَارْحَمْهُمْ. اے اللہ جو کچھ تو نے انہیں نعمتیں عطا کر رکھی ہیں، ان میں ان کے لئے برکت پیدا فرما دے، ان کی بخشش کر دے اور ان پر رحم فرما دے۔

قال شعبة: وهو ظني فيه إن شاء الله وألقى النوى بين الاصبعين، امام شعبہ فرماتے ہیں کہ میرا گمان یہ ہے

---

(۱) الاصابۃ ۲/۱۰۱۳، رقم: ۴۵۶۶، دار المعرفۃ، بیروت

کہ اس حدیث میں انگلیوں کے درمیان گٹھلیاں رکھنے کا بھی ذکر ہے، اور ان شاء اللہ میرا گمان صحیح ہوگا، گویا انہیں ان الفاظ کے بارے میں تردد اور شک ہے، لیکن صحیح مسلم میں اس حدیث کو شعبہ کے طریق سے ایک دوسری سند سے ذکر کیا گیا ہے، اس میں شعبہ نے یقین کے ساتھ یہ الفاظ ذکر کئے ہیں، لہٰذا اسی یقین والی روایت کو اختیار کیا جائے گا کیونکہ یقین، شک پر مقدم ہوتا ہے۔

یلقی النوی باصبعیه یابین الاصبعین سے کیا مراد ہے؟ شارحین حدیث کے اس میں دو قول ہیں:

۞ اکثر حضرات نے اس کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ گٹھلیاں اپنی دونوں انگلیوں سبابہ اور وسطی کے درمیان جمع کر لیتے، انہیں کھجور کے برتن میں نہ ڈالتے تاکہ وہ کھجوروں کے ساتھ خلط ملط نہ ہو جائیں، اور نہ اس زمین پر ڈالتے تاکہ گندنہ بنے پھر بعد میں کسی مناسب جگہ پر ڈال دیتے۔(۱)

۞ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ شہادت کی انگلی اور درمیانی انگلی کو جمع کر کے ان کی پشت پر گٹھلیاں جمع کر لیتے اور پھر انہیں زمین پر پھینک دیتے، اس بات کی تائید مسند احمد کی ایک روایت سے ہوتی ہے، جس میں یوں الفاظ ہیں: فکان یاکل التمر ویضع النوی علی ظهر اصبعیه (آپ ﷺ کھجوریں تناول فرماتے، اور ان کی گٹھلیاں اپنی دونوں انگلیوں کی پشت پر رکھ دیتے)۔

شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مذکورہ تفصیل سے معلوم ہوا کہ اس بارے میں دو قسم کی روایات ہیں ایک میں یلقی النوی باصبعیه یابین الاصبعین کے الفاظ ہیں اور دوسری میں یضع النوی علی ظهر اصبعیه کے کلمات ہیں، فرماتے ہیں کہ ان دونوں باتوں میں کوئی تعارض نہیں کیونکہ نبی کریم ﷺ سے دونوں طرح کا عمل منقول ہے، کبھی تو آپ ﷺ اس مقام کے لحاظ سے فوراً گٹھلیاں زمین پر نہ پھینکتے، بلکہ انہیں اپنی انگلیوں میں جمع کر لیتے، جیسا کہ ترمذی کی مذکورہ روایت میں ہے، اور کبھی موقع اور محل کے اعتبار سے یوں کرتے کہ گٹھلیاں انگلیوں کی پشت پر رکھتے اور پھر انہیں زمین پر پھینک دیتے، جیسا کہ مسند احمد کے طریق میں ہے، اس تشریح سے دونوں قسم کی روایات میں تطبیق اور موافقت پیدا ہو جاتی ہے۔(۲)

عَنْ عُمَرَ بْنِ مُرَّةَ، قَالَ: سَمِعْتُ بِلَالَ بْنَ يَسَارِ بْنِ زَيْدٍ، حَدَّثَنِي أَبِي، عَنْ جَدِّي، سَمِعَ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، يَقُولُ: مَنْ قَالَ أَسْتَغْفِرُ اللهَ الَّذِي لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ، الحَيَّ، القَيُّومَ، وَأَتُوبُ إِلَيْهِ، غُفِرَ لَهُ وَإِنْ كَانَ فَرَّ مِنَ الزَّحْفِ.(۳)

عمر بن مرہ کہتے ہیں کہ میں نے بلال بن یسار بن زید کو فرماتے ہوئے سنا کہ میرے والد یسار بن زید نے میرے دادا

---

(۱) تکملة فتح الملهم ۴/۵۲، کتاب الاطعمة باب استحباب وضع النوی، شرح مسلم للنووی ۲/۱۸۰ کتاب الاطعمة، باب استحباب النوی خارج التمر۔

(۲) الکوکب الدری ۴/۳۷۱

(۳) سنن ابی داؤد، الصلاۃ، باب الاستغفار، رقم: ۱۵۱۷

زید بن بولا سے روایت کی کہ انہوں نے (یعنی میرے دادا زید بن بولا نے) نبی کریم ﷺ کو یہ فرماتے سنا کہ جو شخص یہ پڑھے: استغفر اللہ ..... (میں اللہ سے بخشش چاہتا ہوں، جو عظمت والا ہے، جس کے علاوہ کوئی عبادت کے لائق نہیں، وہی ہمیشہ کے لئے زندہ اور کائنات کو قائم رکھنے والا ہے، اور میں اس کی طرف رجوع کرتا ہوں) اس کے تمام گناہوں کو معاف کردیا جاتا ہے، اگرچہ وہ دشمن کی طرف پیش قدمی سے (یعنی میدان جہاد سے) بھاگ کر آیا ہو۔

حضرت زید بن بولا رضی اللہ عنہ

حضرت زید بن بولا کا تعلق نوبی قوم سے تھا، جو مصر کے جنوبی حصے میں آباد تھی، غزوہ بنی ثعلبہ میں گرفتار ہو گئے اور پھر نبی کریم ﷺ کے غلام ہو گئے، آپ ﷺ نے انہیں آزاد کردیا تھا، پھر انہوں نے اسلام قبول کرلیا، صحابی بن گئے، انہوں نے نبی کریم ﷺ سے مذکورہ روایت نقل کی ہے۔(۱)

ایک اہم استغفار

اس حدیث میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص ان کلمات سے استغفار کرے: أَستَغفِرُ اللهَ الَّذِي لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ، الحَيَّ، القَيُّومَ، وَأَتُوبُ إِلَيهِ، تو اللہ تعالیٰ اس کے تمام گناہ معاف کردیتے ہیں، اگرچہ وہ میدان جہاد میں دشمن کی طرف پیش قدمی کرنے سے بھاگ آیا ہو، یہ ایک کبیرہ گناہ ہے، جہاد سے بھاگ کر آنا جائز نہیں، تاہم اگر کوئی بھاگ کر آجائے اور پھر ان کلمات سے معافی طلب کرے تو اللہ تعالیٰ اس کے اس کبیرہ گناہ کو بھی معاف کردیتے ہیں۔(۲)

عَنْ عُثْمَانَ بْنِ حُنَيْفٍ، أَنَّ رَجُلًا، ضَرِيرَ البَصَرِ، أَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: ادْعُ اللهَ أَنْ يُعَافِيَنِي قَالَ: إِنْ شِئْتَ دَعَوْتُ، وَإِنْ شِئْتَ صَبَرْتَ فَهُوَ خَيْرٌ لَكَ. قَالَ: فَادْعُهْ، قَالَ: فَأَمَرَهُ أَنْ يَتَوَضَّأَ، فَيُحْسِنَ وُضُوءَهُ وَيَدْعُوَ بِهَذَا الدُّعَاءِ: اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ وَأَتَوَجَّهُ إِلَيْكَ بِنَبِيِّكَ مُحَمَّدٍ، نَبِيِّ الرَّحْمَةِ، إِنِّي تَوَجَّهْتُ بِكَ إِلَى رَبِّي فِي حَاجَتِي هَذِهِ، لِتُقْضَى لِيَ، اللَّهُمَّ فَشَفِّعْهُ فِيَّ.(۳)

حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک نابینا شخص نبی کریم ﷺ کے پاس حاضر ہوا، اور عرض کیا کہ اللہ جل شانہ سے میرے لئے عافیت کی دعا کردیجئے (تاکہ میرا نابینا پن ختم ہوجائے) آپ ﷺ نے فرمایا: اگر تم چاہو، تو میں دعا کردیتا ہوں اور اگر تم چاہو، تو (اس نابینا پن پر) صبر کرو، اور یہ تمہارے لئے بہتر ہے، اس نے عرض

---

(۱) الاصابة ۲/۴۹۰، حرف الزاء

(۲) مرقاة المفاتیح ۵/۲۶۲، کتاب الدعوات باب الاستغفار، رقم الحدیث: ۲۳۵۳۔

(۳) ابن ماجة، کتاب اقامة الصلاة، باب ماجاء فی صلاة الحاجة، رقم: ۱۳۸۵۔

کیا: آپ اللہ تعالیٰ سے میرے لئے دعا فرمادیں، راوی کہتے ہیں کہ پھر آپ ﷺ نے اسے حکم دیا کہ وہ وضو کرے اور اچھی طرح وضو کرے، اور پھر یہ دعا مانگے: اللهم.... (اے اللہ! میں تجھ سے مانگتا ہوں اور تیری طرف متوجہ ہوتا ہوں تیرے نبی محمد ﷺ کے وسیلے سے، جو رحمت والے نبی ہیں، میں آپ کے وسیلے سے اپنی اس حاجت میں اپنے رب کی طرف متوجہ ہوتا ہوں، تا کہ میری اس ضرورت کو پورا کر دیا جائے، اے اللہ: میرے حق میں اپنے نبی کی سفارش کو قبول فرمالے)۔

مشکل الفاظ کے معنیٰ: ضریر البصر: نابینا شخص، یا وہ شخص جس کی بینائی کمزور ہو، اتوجه الیک: میں تیری طرف متوجہ ہوتا ہوں، نبی الرحمة: رحمت والے نبی، آپ ﷺ کو سارے جہانوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا گیا ہے، لتقضی لی: (صیغہ مجہول): تا کہ میری حاجت اور ضرورت کو پورا کیا جائے، فَشَفِّعْهُ لی: (صیغہ امر): آپ میرے حق میں نبی کریم ﷺ کی سفارش کو قبول فرمالیں، تو جهت بک: میں آپ کے ذریعہ اور وسیلے سے متوجہ ہوتا ہوں، میں آپ کی اللہ کے ہاں سفارش چاہتا ہوں۔

حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ

حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ قبیلہ اوس کے مشہور انصاری صحابی ہیں، امام ترمذی کے نزدیک سب سے پہلے یہ غزوہ بدر میں شریک ہوئے جبکہ جمہور کا کہنا یہ ہے کہ سب سے پہلے یہ غزوہ احد میں شریک ہوئے، پھر دیگر غزوات میں شریک ہوتے رہے، حضرت عمر نے انہیں کوفہ کی زمین کی پیمائش پر گورنر بنایا تھا، اور پھر حضرت علی نے جنگ جمل سے پہلے انہیں بصرہ کا گورنر مقرر کیا تھا، بعد میں انہوں نے کوفہ میں رہائش اختیار کر لی تھی، اور حضرت معاویہ کی خلافت کے زمانے میں ان کی وفات ہوئی۔(۱)

دعا میں وسیلہ اختیار کرنا جائز ہے

توسل اور وسیلہ کے معنیٰ ہیں: نزدیکی طلب کرنا، کسی کو رابطہ کا ذریعہ بنانا، قرآن مجید میں یہ لفظ دو جگہ آیا ہے: ابتغوا الیه الوسیلة (مائدہ/آیت: ۳۵): اولئک الذین یدعون یبتغون الی ربهم الوسیلة (بنی اسرائیل: ۵۷)

ان دونوں مقامات پر وسیلہ سے یہ مراد ہے کہ ایمان، نیک اعمال اور طاعت کے ذریعہ اللہ جل شانہ کی نزدیکی حاصل کی جائے، اس کا قرب تلاش کیا جائے، مسند احمد کی ایک صحیح حدیث میں ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ وسیلہ جنت کا ایک اعلیٰ درجہ ہے، جس کے اوپر اور کوئی درجہ نہیں ہے، تم اللہ تعالیٰ سے دعا کرو کہ وہ درجہ مجھے عطا کر دے، اور صحیح مسلم کی ایک حدیث میں نبی

(۱) الاصابة ۱۲۳۴/۲، حرف العین

کریم ﷺ نے فرمایا کہ اذان کے کلمات کا جواب دینے کے بعد مجھ پر درود پڑھا کرو اور میرے لئے وسیلہ کی دعا کیا کرو، ان احادیث سے معلوم ہوا کہ وسیلہ ایک خاص درجہ ہے جنت کا، اور خاص مقام ہے جو رسول کریم ﷺ کے ساتھ مخصوص ہے۔

لیکن یہ ذہن میں رہے کہ قرآن مجید کی مذکورہ آیت میں جو مؤمنین کو حکم دیا گیا ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کا وسیلہ تلاش کرو، وہ اس خصوصیت کے منافی نہیں، کیونکہ جس طرح ہدایت کے مختلف درجات ہیں، ان کا اعلیٰ درجہ نبی کریم ﷺ کے ساتھ خاص ہے اور آپ ہمیشہ اس کے لئے دعا کیا کرتے تھے، اسی طرح وسیلہ کا اعلیٰ درجہ نبی کریم ﷺ کے لئے مخصوص ہے، اور اس کے نیچے کے درجات تمام مؤمنین کے لئے عام ہیں، جو نبی کریم ﷺ کے واسطہ اور ذریعے سے حاصل ہوں گے۔

یہاں حدیث میں وسیلہ کا مطلب یہ ہے کہ انسان اپنے کسی نیک عمل یا کسی نبی یا نیک بندے کے واسطے سے اللہ تعالیٰ سے دعا مانگے اور اس سے برکت حاصل کرے، مثلاً یوں کہے: فلاں کے طفیل سے، فلاں کے وسیلے سے، فلاں کی برکت سے، فلاں کا امتی ہونے کی وجہ سے، فلاں کے صدقے سے، ان میں سے کسی لفظ سے بھی وسیلہ اختیار کیا جا سکتا ہے۔(۱)

وسیلہ کی اقسام اور ان کے احکام

وسیلہ کا لفظ مختلف معنیٰ اور مفہوم کے لئے استعمال ہوتا ہے، اسی اعتبار سے اس کا حکم بھی الگ الگ ہوتا ہے، لہذا جب تک اس کے مفہوم کی تعیین نہ ہو جائے، اس وقت تک اس پر جائز یا ناجائز ہونے کا حکم نہیں لگایا جا سکتا، اس کی اقسام اور صورتیں یہ ہیں:

۱۔ دعا کرنے والے کا یہ ذہن ہے کہ نفع اور نقصان دینے والا اصل تو اللہ تعالیٰ ہی ہے، لیکن اللہ تعالیٰ اپنے نیک بندوں کو یہ کام سپرد کر دیتا ہے، اس لئے یہ بندہ اس نیک بندے کے وسیلہ سے دعا کرتا ہے، گویا کہ وہی نفع اور نقصان کا مالک ہے، اس طرح کا وسیلہ جائز نہیں، یہ شرک ہے، کیونکہ نفع اور نقصان پہنچانے کا اختیار صرف اللہ جل شانہ کو ہے۔

۲۔ بسا اوقات آدمی جس ذات کے وسیلے سے دعا کرتا ہے، اس کی اللہ تعالیٰ کو قسم دیتا ہے اللہ ایسا ضرور کرے، کیونکہ میں نے اس شخص کا وسیلہ اختیار کیا ہے، اب اللہ تعالیٰ پر العیاذ باللہ لازم ہو جاتا ہے کہ میرا وہ کام ضرور کرے، اس طرح کا وسیلہ بھی جائز نہیں، کسی ذات کے وسیلے سے اللہ تعالیٰ پر کسی بھی کام کا کرنا لازم نہیں ہوتا، وہ خالق کائنات ہے، وہ جو چاہتا ہے، کر گزرتا ہے، اس پر کسی کا کوئی جبر نہیں اور نہ ہی جبر ہو سکتا ہے، اللہ سے تو اس کے فضل وکرم اور جود وسخا کے وسیلے سے دعا کرنی چاہیے۔

۳۔ اپنے کسی نیک عمل کے وسیلے اور واسطے سے اللہ جل شانہ سے دعا کی جائے، یہ صورت تمام حضرات کے نزدیک جائز ہے۔

اس کا ثبوت صحیح مسلم کی حضرت عبداللہ بن عمر کی روایت سے ہے، اس میں ان تین افراد کا ذکر ہے، جو ایک غار میں پھنس گئے تھے، پھر ان میں سے ہر ایک نے اپنے ایک ایک نیک عمل کے وسیلے سے دعا کی تھی اور اللہ تعالیٰ نے ان کی دعاؤں کو قبول فرما

---

(۱) معارف القرآن ۱۲۶/۳، سورہ مائدہ

لیا تھا۔

۴۔ کسی زندہ نیک آدمی کی فضیلت کی وجہ سے، اس کے ساتھ تعلق کے وسیلے سے دعا کرنا، تاکہ اللہ تعالیٰ اس کی دعا کو قبول کر لے، وسیلہ کا یہ انداز بھی شرعاً درست ہے، اس کے دلائل:

✿ چنانچہ حدیث باب میں ایکؓ نابینا صحابی نے نبی کریم ﷺ کے سامنے آپ ﷺ کے وسیلے سے دعا کی ہے اور وہ قبول ہوئی ہے، اللہ تعالیٰ نے انہیں فوراً بینائی عطا فرمادی تھی۔

✿ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ کی وفات کے بعد قحط کے زمانے میں یوں دعا کرتے: اَللّٰھُمَّ اِنَّا کُنَّا نَتَوَسَّلُ اِلَیْکَ بِنَبِیِّنَا فَتَسْقِیْنَا وَ اِنَّا نَتَوَسَّلُ اِلَیْکَ بِعَمِّ نَبِیِّنَا فَاسْقِنَا: اے اللہ ہم تجھ سے نبی کریم ﷺ کے وسیلے سے بارش کے لئے دعا کرتے، تو آپ ہمیں بارش عطا فرمادیتے، آج ہم تجھ سے اپنے نبی ﷺ کے محترم چچا حضرت عباس کے وسیلے سے بارش کے لئے دعا کرتے ہیں، لہٰذا آپ ہمیں بارش عطا فرمادیجئے۔(۱)

۵۔ کسی نبی کے دنیا سے جانے کے بعد یا ایسا کوئی نیک آدمی جیسے صحابہ کرام اور امت کے نیک اور پرہیزگار انسان، جن کا خاتمہ یقیناً ایمان پر ہوا ہو، ان کے وسیلے سے دعا کرنا جائز ہے، مثلاً یوں کہے: نبی کریم ﷺ کے صدقے، یا آپ کے طفیل میری دعا قبول فرما۔

جمہور علماء امت کے نزدیک دعا میں اس طرح کا وسیلہ اختیار کرنا جائز ہے، یہ ذہن میں رہے کہ انسان اگر دعا میں نبی کریم ﷺ یا کسی نیک آدمی کا وسیلہ اختیار کرتا ہے، تو یہ بھی درحقیقت ان کے نیک اعمال کا وسیلہ ہے، کیونکہ کسی بھی شخص کے ساتھ محبت اور تعلق اس کے نیک اعمال کی وجہ سے ہی ہوتا ہے، اور اسی وجہ سے دعا میں اس کا وسیلہ اختیار کیا جاتا ہے، اور اعمال صالحہ کے ذریعہ سے وسیلہ اختیار کرنا امام ابن تیمیہ کے نزدیک بھی جائز ہے۔

وسیلے کی اس پانچویں صورت کی دلیل بھی ترمذی کی مذکورہ باب کی روایت ہے جس میں نابینا آدمی کا واقعہ ہے، اس روایت کی مزید تفصیل معجم طبرانی میں اس طرح ہے:

ایک شخص حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں کسی کام کے لئے ان کے پاس آیا، یہ بار بار ان کے پاس آتا مگر حضرت عثمان کسی وجہ سے اس کی طرف توجہ نہیں کرتے تھے، اور نہ اس کے کام پر غور کرتے، اتنے میں اس شخص کی ملاقات حضرت عثمان بن حنیف سے ہوئی، اس نے ان کے سامنے اس بات کا شکوہ کیا، حضرت عثمان بن حنیف نے ان سے کہا کہ تم وضو کر کے دو رکعت نماز نفل پڑھو اور پھر یہ دعا کرو: اَللّٰھُمَّ اِنِّي أَسْأَلُکَ وَ أَتَوَجَّهُ إِلَیْکَ بِنَبِیِّکَ مُحَمَّدٍ نَبِيِّ الرَّحْمَةِ یَا مُحَمَّدُ اِنِّی أَتَوَجَّهُ بِکَ اِلٰی رَبِّي فَیَقْضِي حَاجَتِي. (اے اللہ میں آپ سے مانگتا ہوں اور آپ کی طرف اپنے رحمت والے نبی ﷺ سے متوجہ ہوتا ہوں، اے محمد میں آپ کے وسیلہ سے اپنے رب کی طرف متوجہ ہوں، تاکہ اللہ میری ضرورت کو پورا کردے) اپنی

---

(۱) الصحیح للبخاری ۱۳۷/۱، کتاب الاستسقاء، باب سؤال الناس الامام الاستسقاء اذا قحطوا۔

حاجت کا تصور کر کے یہ دعا کرو، پھر میرے پاس آجانا، میں تمہارے ساتھ حضرت عثمان غنی کے پاس جاؤں گا، وہ کہتے ہیں کہ میں یہ دعا کر کے سیدھا حضرت عثمان غنی کے پاس چلا گیا، ان کے خادم نے میرا ہاتھ پکڑا اور حضرت عثمان کے پاس لے گیا، حضرت عثمان نے اپنے ساتھ قالین پر بٹھایا، بڑی توجہ سے میری بات سنی اور میرا کام کر دیا، اور تاخیر پر معذرت بھی کی اور فرمایا کہ تمہیں جب بھی کوئی کام درپیش ہو، تو میرے پاس آجایا کرو، میں ان شاء اللہ تمہاری حاجت کو پورا کروں گا، پھر یہ شخص وہاں سے فارغ ہو کر حضرت عثمان بن حنیف کے پاس آیا، ان کا شکریہ ادا کیا اور کہا کہ اللہ تعالیٰ آپ کو جزاء خیر عطا فرمائے، حضرت عثمان غنی تو میرے کام پر غور ہی نہیں کرتے تھے اور نہ میری طرف کوئی توجہ فرماتے تھے، آپ نے میرے بارے میں ان سے گفتگو کی، تو انہوں نے میری طرف توجہ کی اور میرا کام کیا، حضرت عثمان بن حنیف نے اس آدمی سے کہا کہ بھائی میں نے حضرت عثمان غنی سے تمہارے بارے میں کوئی بات نہیں کی، بلکہ واقعہ یہ ہے کہ میری موجودگی میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک نابینا شخص آیا، ..... جس کی تفصیل ترمذی کی مذکورہ روایت میں ہے، حضرت عثمان بن حنیف کہتے ہیں کہ ہم ابھی اس مجلس میں ہی بیٹھے تھے کہ وہ نابینا شخص ہمارے پاس اس طرح آیا، گویا کہ اس کو کچھ بھی تکلیف نہیں تھی، یعنی ان کی نگاہ بالکل درست ہوگئی تھی۔ (۱)

یہ اس دعا کی برکت ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلے سے مانگی گئی ہے، اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد حضرت عثمان بن حنیف نے اس آدمی کو وسیلے کی یہ دعا سکھلائی، انہوں نے اس انداز سے دعا مانگی، تو اللہ تعالیٰ نے فوراً اسے قبول فرما لیا، اس سے معلوم ہوا کہ دعا میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا وسیلہ جس طرح آپ کی زندگی میں اختیار کیا جاسکتا ہے، اسی طرح آپ کی وفات کے بعد بھی آپ کے وسیلے اور صدقے سے دعا مانگی جاسکتی ہے، یہ جائز ہے، شرک نہیں۔

امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ چونکہ وسیلہ کی اس صورت کے قائل نہیں، اس لئے وہ ترمذی کی مذکورہ روایت کے بارے میں یہ فرماتے ہیں کہ اس میں اس نابینا صحابی نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے دعا کی درخواست کی ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات سے وسیلہ اختیار نہیں کیا، ان کے نزدیک ”توسل“ سے یہاں دعا مراد ہے۔

لیکن شارحین حدیث فرماتے ہیں کہ حدیث کا یہ مفہوم درست نہیں، کیونکہ اس نابینا صحابی نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے دعا کی درخواست کی، تو آپ نے اسے حکم دیا کہ تم میری ذات کے وسیلے سے اللہ جل شانہ سے دعا مانگو، دیکھئے اگر اس وسیلے کا مطلب محض دعا مانگنا ہی ہوتا تو پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خود ہی اس کے لئے دعا کر دیتے اور بس، آپ نے ایسا نہیں کیا، بلکہ آپ نے خود بھی اس کے لئے دعا کی، اور اسے بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کے وسیلے سے دعا مانگنے کا طریقہ سکھلایا، چنانچہ اس صحابی نے دعا میں اللہ جل شانہ سے عرض کیا: اللهم فشفعه فی: اے اللہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا اور سفارش میرے حق میں قبول فرما، اس لئے امام ابن تیمیہ کا یہ کہنا

---

(۱) المعجم الصغیر للطبرانی ۳۰۶/۱، باب من اسمه طاهر، رقم: ۵۰۸، المعجم الکبیر للطبرانی ۳۰/۹، باب ما أسند عثمان بن حنیف، رقم الحدیث: ۸۳۱۰، الدعاء للطبرانی ۳۲۰/۱، باب القول عند الدخول علی السلطان، رقم: ۱۰۵۰۔

کہ سنن ترمذی کی اس حدیث میں صرف دعا کا ذکر ہے، وسیلہ کا نہیں، درست نہیں۔(۱)

بحق فلان یا بجاہ فلاں کے لفظ سے دعا کرنے کا مسئلہ

اگر کوئی شخص دعا میں وسیلے کے طور پر یوں کہے: یا اللہ بحق فلاں میرا کام کر دے یا فلاں کے جاہ و منصب اور مرتبہ کے وسیلے سے میری ضرورت پوری کر دے، اس کا کیا حکم ہے، آیا جائز ہے یا نہیں؟ اس کی دو صورتیں ہیں:

۱۔ اگر ان الفاظ سے قائل کا یہ عقیدہ ہو کہ اللہ تعالیٰ پر لازم ہے کہ وہ ان کی وجہ سے میرا کام کر دے، تو یہ جائز نہیں، حرام ہے۔

۲۔ اور اگر ان الفاظ سے وسیلے کے متعلق یہ ذہن ہو کہ فلاں نیک آدمی کے سبب میرا کام کر دے یا فلاں نیک آدمی، جس کا اللہ کے ہاں نیکی کی وجہ سے بڑا مرتبہ اور مقام ہے، اس کے اس مقام اور مرتبہ کے واسطے سے میرا یہ کام کر دے، اس تصور کے ساتھ ان الفاظ سے وسیلہ اختیار کرنا شرعاً درست ہے، لیکن چونکہ یہ الفاظ پہلے معنیٰ کا بھی احتمال رکھتے ہیں جو کہ غلط معنیٰ ہیں، اور عموماً لوگ ان الفاظ سے غلط معنیٰ ہی مراد لیتے ہیں، اس لئے فقہاء کرام نے ان الفاظ کو اس موقع پر استعمال کرنے کو پسند نہیں کیا، مکروہ قرار دیا ہے بلکہ فقہاء حنفیہ نے منع کیا ہے۔

اور جب کوئی شخص اپنی دعا میں نبی کریم ﷺ کا وسیلہ اختیار کرے مثلاً یوں کہے: اللّٰھم انی اتوسل الیک بنبیک محمد ﷺ (اے اللہ میں آپ کے نبی محمد ﷺ کے وسیلے سے دعا کرتا ہوں) تو یہ جائز ہے، اس میں کوئی قباحت اور کراہت نہیں، کیونکہ اس کے معنیٰ یہ ہیں کہ میری نبی کریم ﷺ کے ساتھ جو محبت اور الفت ہے، میں اس کے واسطے اور ذریعہ سے دعا کرتا ہوں، اور حضور سے محبت کرنا ایک نیک عمل ہے، اور نیک اعمال کا وسیلہ اختیار کیا جا سکتا ہے، اس لئے آپ ﷺ کا وسیلہ اختیار کرنا جائز ہے۔

تاہم اگر کسی علاقے میں لوگوں کا عقیدہ اس قدر بگڑ جائے کہ وہ اس سے ناجائز اور غلط معنیٰ ہی مراد لیتے ہوں، تو ایسی صورت میں وسیلے کو چھوڑ دینا ہی زیادہ بہتر ہوگا، کیونکہ دعا میں وسیلے کا ذکر، صرف چند واقعات سے ثابت ہے، آپ ﷺ کی اکثر مسنون دعاؤں میں وسیلہ کا ذکر نہیں، اس لئے اگر وسیلہ سے لوگوں کے عقائد خراب ہونے کا اندیشہ ہو، یا خراب ہو چکے ہوں، تو پھر اپنی دعاؤں میں وسیلہ کا سہارا نہ لیا جائے۔(۲)

---

(۱) تکملة فتح الملهم ۲۲۳/۵ كتاب الرقاق، باب قصة أهل الغار الثلاثة، مسئلة التوسل فی الدعاء، تحفة الاحوذی ۳۳/۱۰

(۲) تکملة فتح الملهم ۲۱۴/۵ تا ۲۲۴، باب قصة اصحاب الغار الثلاثة، رد المحتار ۳۹۷/۶، کتاب الحظر والاباحة، فصل فی البیع۔

وسیلہ سے متعلق حضرت تھانویؒ کا فتویٰ

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ سے وسیلہ سے متعلق فتویٰ پوچھا گیا تو انہوں نے ان الفاظ سے جواب تحریر فرمایا:

''توسل دعا میں مقبولانِ حق کا، خواہ وہ احیاء ہوں یا اموات ہوں، درست ہے، قصہ استسقاء میں حضرت عمر کا توسل حضرت عباس سے، اور قصہ ضریر (یعنی نابینا صحابی کے واقعے میں جسے امام ترمذی نے یہاں حدیث باب میں ذکر فرمایا ہے) میں توسل جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بعد وفات نبوی بھی احادیث میں وارد ہے، اس لئے جواز میں کوئی شبہ نہیں، ہاں اگر کہیں عوام کو ان کا غلو دیکھ کر بالکل بھی باز رکھا جائے، یہ بھی درست ہے، مگر حق تعالیٰ پر اجابت کو ضرور سمجھنا یا ان بزرگوں سے سہارے کی امید رکھنا یا ان کے اسماء کو اسماء الٰہیہ کے برابر سمجھنا، یہ زیادۃ علی الشرع ہے''۔(۱)

اس فتویٰ میں وسیلے کی اس تمام بحث کا خلاصہ آگیا ہے جو اوپر ذکر کی گئی ہے، اسی لئے اس فتویٰ پر ہی اس بحث کو ختم کیا گیا ہے۔

عَنْ عَمْرِو بْنِ عَبَسَةَ، أَنَّهُ سَمِعَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، يَقُولُ: أَقْرَبُ مَا يَكُونُ الرَّبُّ مِنَ الْعَبْدِ فِي جَوْفِ اللَّيْلِ الآخِرِ، فَإِنِ اسْتَطَعْتَ أَنْ تَكُونَ مِمَّنْ يَذْكُرُ اللّٰهَ فِي تِلْكَ السَّاعَةِ فَكُنْ. (۲)

حضرت عمرو بن عبسہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ آپ نے فرمایا: رات کے آخری حصے میں پروردگار اپنے بندے سے سب سے زیادہ قریب ہوتا ہے، لہٰذا اگر تم بھی اس بات کی طاقت رکھتے ہو کہ تم ان لوگوں میں سے ہو جاؤ، جو اس وقت میں اللہ کو یاد کرتے ہیں تو ضرور ہو جاؤ (یعنی تم بھی ان میں شامل ہو کر اس وقت اللہ کا ذکر کرنے والے ہو جاؤ)۔

حضرت عمرو بن عبسہ رضی اللہ عنہ

حضرت عمرو بن عبسہ رضی اللہ عنہ ان خوش نصیب صحابہ کرام میں سے ہیں، جنہوں نے مکہ مکرمہ میں ابتداء میں ہی اسلام قبول کر لیا تھا، یہ زمانہ کفر میں بھی شرک اور بت پرستی کو پسند نہیں کرتے تھے، ایک دن انہوں نے ایک عیسائی پادری سے اپنی اس پریشانی کا ذکر کیا کہ مجھے کوئی صحیح مذہب بتادو، تا کہ میں اسے قبول کر کے اپنی زندگی اس کی روشنی میں گذاروں، اس نے بتایا کہ مکہ مکرمہ میں ایک آخری نبی آنے والا ہے، جس کی یہ یہ صفات اور خوبیاں ہوں گی، ان کے شہر والے ان کے ساتھ ایسا ایسا رویہ اختیار

(۱) امداد الفتاوی ۴/۳۷۲، ط: مکتبہ دار العلوم کراچی

(۲) الصحیح لمسلم، کتاب صلاۃ المسافرین، باب اسلام عمرو بن عبسۃ، رقم: ۸۳۲۔

کریں گے، تم ان کے دین کو قبول کر لینا، جب وہ نبوت کا اعلان کر دیں۔

ان کے دل میں یہ بات بیٹھ گئی، لوگوں سے مکہ کے اس اہم اعلان اور نبی کے بارے میں پوچھتے رہتے، ایک دن انہیں پتہ چلا کہ مکہ مکرمہ میں نبی آخر الزمان نے نبوت کا اعلان کر دیا ہے، یہ مکہ مکرمہ پہنچ کر بیت اللہ کے غلاف کے ساتھ ایک طرف چھپ کر کھڑے ہو گئے، اچانک اتنے میں رات کی تاریکی میں ایک شخص کو آتا ہوا دیکھا، جو نور نبوت اور اسکی تجلی سے سرشار تھا، قریب ہو کر سلام کیا اور پوچھا کہ آپ کون ہیں اور آپ کا دین کیا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں اللہ کا نبی محمد ہوں، اور میرا دین لا الہ الا اللہ ہے، یہ جواب سن کر عمرو بن عبسہ انتہائی خوش ہو گئے، ان کی مدتوں کی بے قراری کو قرار آ گیا، آگے بڑھے اور اسی وقت دل سے اسلام قبول کر لیا، یہ تیسرے یا چوتھے مسلمان ہیں، ان سے پہلے صرف دو یا تین آدمی ہی اسلام کی دولت سے مشرف ہوئے تھے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ ابھی تم اپنے وطن چلے جاؤ، اللہ تعالیٰ نے مجھ سے ہجرت کا وعدہ کیا ہے، جب وہ پورا ہو جائے، تو پھر میرے پاس آجانا، چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کر کے جب مدینہ منورہ تشریف لے آئے، تو عمرو بن عبسہ رضی اللہ عنہ آپ کے پاس پہنچ گئے، آپ کے ساتھ مختلف غزوات میں شریک ہوتے رہے۔

پھر یہ شام میں رہنے گئے، اور حضرت عثمان غنی کے زمانہ خلافت کے آخر میں ''حمص'' میں ان کی وفات ہوئی۔(۱)

رات کے آخری حصے میں عبادت کی فضیلت

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ رات کے آخری حصے میں اللہ تعالیٰ کی خصوصی رحمت اور اس کا قرب اس شخص کو حاصل ہوتا ہے جو رات کے آخری حصے میں اٹھ کر اللہ کی عبادت کرتا ہے اور اس کا ذکر کرتا ہے، کیونکہ دوسری روایات میں یہ بات موجود ہے کہ اللہ جل شانہ رات کے آخری حصے میں آسمان دنیا پر تشریف لے آتے ہیں، اور اللہ کی طرف سے مسلسل یہ ندا رہتی ہے کہ ہے کوئی معافی طلب کرنے والا، تا کہ میں اسے معاف کروں، ہے کوئی رزق کا سوالی، تا کہ میں اسے رزق دوں .... رحم و کرم اور نوازشات کے اس پرنور ماحول میں جو شخص اپنی نیند اور آرام کو چھوڑ کر اللہ کے سامنے کھڑے ہو کر اس کی عبادت کرتا ہے، اس سے مانگتا ہے، اللہ تعالیٰ اسے اپنا خاص قرب عطا فرماتے ہیں۔

دو حدیثوں میں تعارض اور اس کا حل

یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ ترمذی کی مذکورہ روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ رات کے آخری حصے میں بندے کے بہت قریب ہوتا ہے جبکہ حضرت ابوہریرہ کی حدیث میں ہے: اقرب ما یکون العبد من ربه و هو ساجد بندہ اپنے پروردگار کے زیادہ قریب، اس وقت ہوتا ہے جب وہ سجدے میں ہو، تو بظاہر دونوں حدیثوں میں تعارض ہے؟ شارحین حدیث نے

---

(۱) الاصابة ۵۴۵/۴، حرف العین

اس کے دو جواب دیئے ہیں:

۱۔ حضرت ابو ہریرہؓ کی حدیث میں ہے کہ "اللہ تعالیٰ ہر رات آسمان دنیا پر نازل ہوتا ہے" یعنی اس وقت اللہ تعالیٰ کی خصوصی رحمت نازل ہوتی ہے، جس کی وجہ سے بندے کو سجدہ کرنے کی توفیق ہوتی ہے، جب وہ سجدہ کرتا ہے تو اس وقت اپنے رب کے بہت زیادہ قریب ہوتا ہے جیسے قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: واسجدوا قترب (سورہ علق)، گویا ابتدا میں اللہ جل جلالہ بندے کے قریب تر ہوتے ہیں اور پھر اس کے نتیجہ میں سجدے کی حالت میں بندہ اپنے رب کے قریب تر ہوتا ہے۔

۲۔ مذکورہ دونوں حدیثوں میں دو الگ الگ باتیں بیان کی گئی ہیں، ترمذی کی اس روایت میں اللہ تعالیٰ کے بارے میں بتایا گیا ہے کہ وہ رات کے آخری حصے میں بندوں کے بہت زیادہ قریب ہوتا ہے، اور حضرت ابو ہریرہ کی حدیث میں بندے کے بارے میں بیان کیا گیا ہے کہ وہ سجدے کی حالت میں اللہ جل شانہ کے بہت قریب ہوتا ہے، اس لیے دونوں حدیثوں میں کوئی تعارض نہیں۔(۱)

ترکیب: اقرب ما یکون.... مبتدا ہے، فی جوف اللیل الاخر، خبر ہے، اور "الاخر" "جوف" کی صفت ہے، (رات کا آخری حصہ)

عَنْ عُمَارَةَ بْنِ زَعْكَرَةَ، قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: إِنَّ اللهَ عَزَّ وَجَلَّ يَقُولُ: إِنَّ عَبْدِي كُلَّ عَبْدِيَ، الَّذِي يَذْكُرُنِي، وَهُوَ مُلَاقٍ قِرْنَهُ يَعْنِي: عِنْدَ الْقِتَالِ.(۲)

حضرت عمارہ بن زعکرہ کہتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: بیشک میرا بندہ یعنی میرا کامل بندہ وہ ہے جو مجھے اس وقت بھی یاد کرتا ہے جبکہ وہ لڑائی کے وقت اپنے ہمسر (یعنی طاقتور مقابل) سے ملتا ہے (یعنی عین لڑائی کے وقت بھی وہ مجھے یاد کر رہا ہوتا ہے)۔

مشکل الفاظ کے معنی: کل عبدی: میرا کامل بندہ، ملاق: (صیغہ اسم فاعل) ملنے والا ہے، ملتا ہے، یعنی لڑائی کر رہا ہوتا ہے، قرن: (قاف کے نیچے زیر اور را ساکن) ہمسر، بہادری میں برابر کا مقابل، جو طاقتور اور دلیر ہو، یعنی عند القتال: یہ جملہ کسی راوی کی طرف سے تفسیر کے طور پر ہے، حدیث کے الفاظ نہیں۔

حضرت عمارہ بن زعکرہ رضی اللہ عنہ

حضرت عمارہ بن زعکرہ رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ کے صحابہ میں سے ہیں ان کی رہائش شام میں تھی، اور پھر وہیں پر ان کا انتقال ہوا۔(۳)

(۱) مرقاة المفاتيح ۲۷۶/۳ کتاب الصلاة باب التحريض على قيام الليل، رقم الحديث: ۱۲۲۹

(۲) الطبقات الكبرى لابن سعد، رقم الترجمة: ۳۷۸۴۔

(۳) الاصابة ۱۳۰۳/۲، رقم: ۵۷۱۸۔

میدان جہاد میں لڑائی کے وقت ذکر اللہ کی برکت

امام ترمذی رحمہ اللہ نے نبی کریم ﷺ کی حدیث قدسی کو ذکر کیا ہے کہ اللہ جل شانہ فرماتے ہیں کہ میرے کامل بندوں میں سے ایک وہ شخص بھی ہے جو میری رضا کے لئے جہاد کرتا ہے، اور دشمن سے عین لڑائی کے وقت بھی وہ یاد کر رہا ہوتا ہے، اس کا دل بھی میری طرف متوجہ ہوتا ہے، اور زبان بھی میرے ذکر میں مشغول ہوتی ہے، ایسا شخص اللہ کی نظر میں ایک کامل بندہ ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ محض اپنے فضل و کرم سے ہمیں بھی اپنے کامل بندوں میں شامل فرمائے، آمین یا رب العالمین۔(۱)

بَاب فِي فَضْلِ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللهِ

یہ باب اس حدیث پر مشتمل ہے جس میں لاحول... کی فضیلت کا ذکر ہے

عَنْ قَيْسِ بْنِ سَعْدِ بْنِ عُبَادَةَ، أَنَّ أَبَاهُ دَفَعَهُ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَخْدُمُهُ، قَالَ: فَمَرَّ بِيَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَدْ صَلَّيْتُ فَضَرَبَنِي بِرِجْلِهِ وَقَالَ: أَلَا أَدُلُّكَ عَلَى بَابٍ مِنْ أَبْوَابِ الْجَنَّةِ؟ قُلْتُ: بَلَى؟ قَالَ: لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللهِ.(۲)

حضرت قیس بن سعد بن عبادہؓ فرماتے ہیں کہ ان کے والد سعد بن عبادہ نے انہیں نبی کریم ﷺ کے حوالے کر دیا تھا تاکہ وہ یعنی میں آپ ﷺ کی خدمت کروں، چنانچہ (ایک مرتبہ) نبی کریم ﷺ میرے پاس سے گذرے، میں اس وقت نماز پڑھ چکا تھا، آپ نے مجھے اپنے پاؤں سے مارا اور فرمایا: کیا میں تمہیں جنت کے دروازوں میں سے ایک دروازے کے متعلق نہ بتادوں؟ میں نے عرض کیا: جی ہاں، کیوں نہیں (ضرور بتادیجئے) آپ ﷺ نے فرمایا: وہ لاحول ولا قوۃ الا باللہ ہے (ترجمہ: گناہ سے بچنے کی طاقت اور نیکی کرنے کی توفیق صرف اللہ جل شانہ سے ہی حاصل ہوتی ہے)۔

حضرت قیس بن سعد

حضرت قیس رضی اللہ عنہ حضرت سعد بن عبادۃ انصاری رضی اللہ عنہ کے بیٹے ہیں، انہوں نے اپنے بیٹے قیس بن سعد کو نبی کریم ﷺ کی خدمت پر مامور کر دیا تھا، چنانچہ دس سال تک انہوں نے نبی کریم ﷺ کی خدمت کی، اسی دوران ایک بار نبی کریم ﷺ نے ان کو اپنے پاؤں سے مار کر فرمایا کہ لاحول... جنت کا ایک اہم دروازہ ہے، ترمذی کی مذکورہ روایت میں اسی

---

(۱) تحفۃ الاحوذی ۱۰/ ۴۰۔

(۲) مسند احمد ۳/ ۴۲۲۔

واقعہ کا ذکر ہے۔

مختلف غزوات میں شریک ہوتے رہے، فتح مکہ کے دن آپ ﷺ نے انصار کا جھنڈا ان کے ہاتھ میں دیا تھا، بہت غیرت منداور سخی تھے، کسی کو قرض دیتے تو اس سے واپس نہ لیتے، بلکہ اسے معاف کر دیتے تھے، ان کی ڈاڑھی نہیں تھی، چنانچہ قبیلہ انصار کے لوگ حسرت کے طور پر کہا کرتے کہ ہم یہ چاہتے ہیں کہ قیس بن سعد کے لیے ڈاڑھی خرید لیں، اگرچہ اس میں کتنا ہی مال خرچ ہو جائے۔

بعد میں یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھیوں میں شامل ہو گئے تھے، جنگ صفین میں بھی شریک ہوئے اور حضرت معاویہ کے دور کے آخر میں مدینہ منورہ میں ان کی وفات ہوئی۔(۱)

لاحول ولاقوۃ کی فضیلت

مذکورہ حدیث سے درج ذیل امور ثابت ہوتے ہیں:

۱۔ اپنے شیخ، استاذ اور کسی بزرگ کی خدمت کے لئے اپنے آپ کو یا اپنی اولاد میں سے کسی بچے کو مامور کر دینا، ایک سنت عمل ہے، حضرت قیس نے آپ ﷺ کی خدمت میں دس سال لگائے۔

۲۔ اپنے شاگرد کو متوجہ کرنے کے لئے اسے ہاتھ یا پاؤں سے مار سکتے ہیں۔

۳۔ لاحول ولاقوۃ الا باللہ کو کثرت سے پڑھا جائے، یہ جنت کا ایک اہم دروازہ ہے، اس جملے میں انسان اللہ کے سامنے اپنی عاجزی اور بے کسی کو ظاہر کرتا ہے، کہ میں جس گناہ کو چھوڑوں اور مجھے کسی نیکی کی توفیق ہو تو یہ سب کچھ اللہ جل جلالہ کی مدد و نصرت، فضل و کرم اور اس کی ہمت سے ہوتا ہے، اس میں میرا کوئی کمال نہیں، ایک اور حدیث میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ لاحول ولا قوۃ الا باللہ، جنت کے خزانوں میں سے ایک اہم خزانہ ہے۔

عَنْ يُسَيْرَةَ، وَكَانَتْ مِنَ الْمُهَاجِرَاتِ، قَالَتْ: قَالَ لَنَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: عَلَيْكُنَّ بِالتَّسْبِيحِ وَالتَّهْلِيلِ وَالتَّقْدِيسِ، وَاعْقِدْنَ بِالْأَنَامِلِ فَإِنَّهُنَّ مَسْئُولَاتٌ مُسْتَنْطَقَاتٌ، وَلَا تَغْفُلْنَ فَتَنْسَيْنَ الرَّحْمَةَ.(۲)

حضرت یسیرہ رضی اللہ عنہا، جو مدینہ کی طرف ہجرت کرنے والی خواتین میں سے ہیں، بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ہم عورتوں سے فرمایا: تم سبحان اللہ، لا الہ الا اللہ اور سبحان الملک القدوس یا سبوح قدوس رب الملائکۃ والروح کو پڑھنا اپنے لئے ضروری قرار دو، اور انگلیوں کے پوروں سے ان تسبیحات کو گنا کرو، کیونکہ (قیامت کے دن) ان پوروں سے پوچھا جائے گا اور انہیں گویائی دی جائے گی، اور ذکر سے غافل نہ ہونا (یعنی ذکر نہ

---

(۱) الاصابۃ ۵/۳۶۰، حرف القاف مع الیاء۔

(۲) سنن ابی داؤد، الصلاۃ، باب التسبیح بالحصی، رقم: ۱۵۰۱۔

چھوڑنا) ورنہ تم رحمت کو بھول جاؤ گی (یعنی اللہ کی رحمت لانے والے اعمال یعنی ذکر وعبادت تم بھول جاؤ گی، یوں تم اللہ کی رحمت کو ہی چھوڑ دو گی)

مشکل الفاظ کے معنی: علیکن: تم پر لازم ہے، التسبیح: سبحان اللہ کہنا، التهلیل: لا الہ الا اللہ کہنا، تقدیس: اللہ کی پاکی بیان کرنا، یوں کہنا: سبوح قدوس رب الملائکۃ والروح یا: سبحان الملک القدوس کہنا، اعقدن: تم گرہ لگاؤ یعنی شمار کرو، گنا کرو، الأنامل: انملۃ کی جمع ہے: انگلیوں کے پورے، مسؤلات: مسؤلۃ کی جمع ہے پوروں سے پوچھا جائے گا، مستنطقات: (صیغہ اسم مفعول) مستنطقۃ کی جمع ہے، انہیں گویائی دی جائے گی، ان سے بلوایا جائے گا، انہیں بولنے کی قدرت دی جائے گی، لا تغفلن: تم ذکر سے غفلت نہ اختیار کرنا، تنسین: اس لفظ کو دو طرح سے پڑھ سکتے ہیں (۱) یہ نسیان سے صیغہ جمع مؤنث حاضر معلوم (تاء پر زبر کے ساتھ): تم رحمت کو بھول جاؤ گی، اس صورت میں یہ نسیان سے ہوگا، (۲) (تاء پر پیش کے ساتھ) إنساء سے صیغہ مجہول، ترجمہ: تم رحمت سے بھلا دی جاؤ گی یعنی جب اللہ کا ذکر نہیں کرو گی، تو اللہ کی رحمت سے تم محروم ہو جاؤ گی۔

حضرت یسیرہ رضی اللہ عنہا

حضرت یسیرہ رضی اللہ عنہا ایک انصاری صحابیہ ہیں، ام یاسر ہیں، مدینہ کی طرف ہجرت کرنے والی خواتین میں سے ہیں، انہوں نے آپ ﷺ سے صرف یہی ایک ہی حدیث روایت کی ہے، جسے امام ترمذی نے روایت کیا ہے۔(۱)

خواتین کو اہتمام سے ذکر کرنے کی ترغیب

مذکورہ حدیث میں نبی کریم ﷺ نے خواتین کو تین چیزوں کا حکم دیا کہ تم ان پر اہتمام اور پابندی سے عمل کیا کرو، خطاب تو براہ راست خواتین سے ہے لیکن مردوں کے لئے بھی یہی حکم ہے، ان امور کی تفصیل یہ ہے:

۱۔ تسبیح یعنی سبحان اللہ، تہلیل یعنی لا الہ الا اللہ اور تقدیس یعنی اللہ کی پاکی بیان کرنا مثلاً یوں کہنا: سبحان الملک القدوس، یا سبوح قدوس رب الملائکہ والروح پڑھنا، آپ نے خواتین سے فرمایا کہ ان تسبیحات کو اپنے اوپر لازم کرلو۔

۲۔ ان تسبیحات کو شمار کرنے کے لئے انگلیوں کے پورے اور انگلیاں استعمال کیا کرو، تا کہ ان کے گناہ معاف ہو جائیں، نیز قیامت کے دن ان پوروں سے تمہارے بارے میں پوچھا جائے گا کہ تمہارے ذریعے سے یہ آدمی کیا کرتا تھا، اگر ان سے تسبیحات شمار کی ہوں گی تو وہ اس کے حق میں گواہی دیں گے۔

قیامت کے دن اللہ تعالی خرق عادت کے طور پر جس طرح جسم کے دیگر اعضاء کو بولنے کی طاقت دیں گے، اسی طرح ان پوروں کو بھی اللہ کی طرف سے بولنے کی قدرت دی جائے گی، چنانچہ وہ بول کر بتائیں گے کہ اس انسان نے ہمارے ذریعے سے

---

(۱) الاصابۃ ۲۶۶۸/۴، حرف الیاء۔

تسبیحات کی ہیں اور اس کے علاوہ کیا کیا کام کیے ہیں، لہذا انسان کی سمجھ داری اور کامیابی اسی میں ہے کہ اپنے ہاتھ، پاؤں اور جسم کے تمام اعضاء کو اپنے حق میں اچھا گواہ بنائے، یعنی اعمال صالحہ میں مشغول ہو، اور برے اعمال سے بچے، تاکہ اس کے ہاتھ پاؤں اس کے خلاف گواہی نہ دیں۔

۳۔ اور فرمایا کہ ذکر اللہ سے غافل نہ ہونا، ورنہ تم رحمت سے بھلادی جاؤ گی، یعنی اللہ تعالیٰ کی خصوصی رحمتوں اور برکتوں سے محروم ہو جاؤ گی، اس لئے چلتے پھرتے ہر وقت انسان کو اللہ کے ذکر میں مشغول رہنا چاہیے، زندگی کا کوئی لمحہ اللہ کی یاد کے بغیر نہیں گذرنا چاہیے، خواتین عموماً گھریلو کاموں میں مصروف رہتی ہیں، انہیں چاہیے کہ وہ اس دوران اپنی زبان کو ادھر اُدھر کی باتوں کے بجائے اللہ کے ذکر میں مشغول رکھیں، اگر ان کی ناپاکی کے دن آجائیں، تب بھی ذکر اللہ کو نہ چھوڑیں، کیونکہ ذکر کے لئے انسان کا پاک اور باوضو ہونا ضروری نہیں۔

فتنسین الرحمة تم رحمت کو بھول جاؤ گی یعنی تم ان اسباب کو فراموش کر دوگی، جو اللہ کی رحمت کو انسان کی طرف متوجہ کرتے ہیں، یعنی اللہ کی اطاعت اور اس کا ذکر، اور اگر اس لفظ تنسین کو باب افعال سے صیغہ مجہول پڑھا جائے تو مطلب یہ ہوگا کہ تم رحمت سے بھلوادی جاؤ گی، تم پر غفلت اور سستی کے پردے چھا جائیں گے یوں تم اللہ کی رحمت کے انوار و برکات اور تجلیات سے محروم ہو جاؤ گی۔(۱)

عقد انامل یعنی انگلیوں پر تسبیح شمار کرنے کا مسنون طریقہ

ترمذی کی مذکورہ حدیث سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ تسبیحات کو شمار کرنے کے لئے جن انگلیوں اور پوروں کو استعمال کیا جائے تو قیامت کے دن یہ اس شخص کے حق میں گواہی دیں گے، انگلیوں سے شمار کرنے کا جو طریقہ اور کیفیت بھی اختیار کی جائے، یہ فضیلت اسے بہرحال حاصل ہو جائے گی، تاہم انگلیوں سے شمار کرنے کا وہ طریقہ جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں رائج تھا، اور اسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بھی اختیار فرمایا اور صحابہ وصحابیات کو بھی ترغیب دی بلکہ انہیں تاکید فرمائی، اس کیفیت کے ساتھ تسبیحات کو انگلیوں سے شمار کرنا مسنون ہے، اس لئے یہ طریقہ اچھی طرح سمجھ لینا چاہیے، تاکہ اس سنت پر صحیح طرح سے عمل ہو سکے۔

نیز کئی ساری روایات میں اسی خاص طریقہ کے مطابق کسی عدد کو یا تسبیح کو بیان کیا گیا ہے، کیونکہ عہد رسالت میں انگلیوں کی مخصوص کیفیت کے ساتھ ہی عام حساب وکتاب ہوا کرتا تھا، اس لئے اہتمام کے ساتھ عقد انامل کے اس طریقے کو سمجھنے کی ضرورت ہے، یہ کہنا کہ اس زمانے میں عہد رسالت میں رائج عقد انامل کے اس طریقے کی ضرورت نہیں، بالکل غلط اور خلاف حقیقت بات ہے، ورنہ تو بہت سی وہ احادیث سمجھ میں نہیں آئیں گی جن میں عقد انامل کے کسی طریقے کے مطابق تسبیح کا کوئی عدد بیان کیا گیا ہے۔

---

(۱) الکوکب الدری ۴/۳۷۲

آیئے اب ہم عقد انامل کے اس طریقے کو تفصیل کے ساتھ دیکھتے ہیں، اور پھر ان کی شکلیں ہاتھ کی صورتوں کے ساتھ بنائی جائیں گی، تا کہ ہر اکائی اور دہائی کی شکل ذہن نشین ہو جائے۔

چند ضروری باتوں کی وضاحت

عقد انامل کا تفصیلی طریقہ جاننے سے پہلے درج ذیل باتوں کا جاننا ضروری ہے، تا کہ اصل بات کو سمجھنے میں آسانی ہو جائے:

- اکائیاں: اس سے ایک سے نو تک کے عدد مراد ہیں (۱...۹)
- دہائیاں: یعنی دس، بیس، تیس..... سے لے کر نوے تک۔
- سینکڑے: سو، دوسو، تین سو..... سے نوسو تک۔
- ہزاروں: ہزار، دوہزار،..... دس ہزار تک۔
- اکائی اور دہائی: دائیں ہاتھ پر شمار کی جاتی ہیں، سینکڑا اور ہزار بائیں ہاتھ پر شمار کئے جاتے ہیں۔
- اکائیاں: دائیں ہاتھ کی تین انگلیوں: چھنگلی، اس کے ساتھ والی انگلی اور درمیانی انگلی پر شمار کی جاتی ہیں۔
- دہائیاں دائیں ہاتھ کی دو انگلیوں: شہادت کی انگلی اور انگوٹھے پر شمار ہوتی ہیں۔
- سینکڑے: بائیں ہاتھ کی تین انگلیوں: چھنگلی، اس کے ساتھ والی انگلی اور درمیانی انگلی پر شمار ہوتے ہیں۔
- ہزار: بائیں ہاتھ کی دو انگلیوں: شہادت کی انگلی اور انگوٹھے پر شمار ہوتے ہیں۔

عقد انامل کا تفصیلی طریقہ

۱۔ ایک کا اشارہ: دائیں ہاتھ کی چھوٹی انگلی یعنی چھنگلی کو موڑ کر بند کریں اور اس طرح بند کریں کہ وہ اپنی جڑ سے مل جائے۔

۲۔ دو کا اشارہ: چھنگلی کے ساتھ والی انگلی اس طرح موڑ کر بند کریں، جس طرح چھوٹی انگلی کو ایک کے اشارے میں بند کیا گیا ہے۔

۳۔ تین کا اشارہ: درمیانی انگلی کو پہلی دو انگلیوں کی طرح موڑ کر بند کریں اور اس طرح بند کریں کہ وہ اپنی جڑ سے قریب تر ہو جائے۔

۴۔ چار کا اشارہ: تین بند انگلیوں میں سے صرف چھنگلی کو کھول دیا جائے۔

۵۔ پانچ کا اشارہ: چھنگلی کے ساتھ والی انگلی کو کھول دیا جائے۔

۶۔ چھ کا اشارہ: درمیانی انگلی کو کھول دیا جائے لیکن چھنگلی کے ساتھ والی انگلی کو بند کر دیا جائے، اس طرح درمیانی انگلی کے ساتھ، چھنگلی بھی کھڑی رہے گی۔

۷۔ سات کا اشارہ: چھنگلی کو اس طرح بند کریں کہ انگوٹھے سے نیچے جو گوشت والا حصہ ہے اس پر جا لگے، اور باقی انگلیاں اپنی

جگہ سیدھی کھڑی رکھیں۔

۸۔ آٹھ کا اشارہ: چھنگلی کے ساتھ والی انگلی اسی طرح بند کریں کہ انگوٹھے سے نیچے گوشت والے حصے پر اس کا سرا جا لگے اور درمیانی انگلی سیدھی کھڑی رہے۔

۹۔ نو کا اشارہ: درمیانی انگلی بھی پہلی دو انگلیوں کی طرح انگوٹھے کے گوشت والے حصے پر بند کرلیں۔

اکائیوں کا یہ طریقہ دہائیوں کے علاوہ تمام جگہوں پر یکساں ہے، اس میں کوئی فرق نہیں چنانچہ یہی طریقہ گیارہ سے انیس تک، اکیس سے انتیس تک، اکتیس سے انتالیس تک، اکتالیس سے انچاس تک، اکاون سے انسٹھ تک، اکسٹھ سے انہتر تک، اکہتر سے اناسی تک، اکاسی سے نواسی تک، اکانوے سے ننانوے تک، ایک سو ایک سے ایک سو نو تک ...... دہائیوں کے علاوہ ان انگلیوں پر جو بھی اور جتنا بھی شمار کریں، اس کا طریقہ اور کیفیت یہی ہوگی۔

اب اس کے بعد دہائیوں کے اشارے اور شکلیں بیان کی جاتی ہیں:

۱۔ دس کا اشارہ: شہادت کی انگلی کا سرا انگوٹھے کی درمیانی لکیر پر رکھ دیں۔

۲۔ بیس کا اشارہ: شہادت کی انگلی اور درمیانی انگلی کے درمیان انگوٹھے کو اس طرح رکھیں کہ اس کا ناخن شہادت کی انگلی کی جڑ سے مل جائے۔

۳۔ تیس کا اشارہ: شہادت کی انگلی کا سرا اور ایسے ہی انگوٹھے کے سرے کو ملا کر حلقہ بنالیں۔

۴۔ چالیس کا اشارہ: انگوٹھے کو شہادت کی انگلی کے ساتھ ملا کر اس طرح کھڑا کریں کہ دونوں کے درمیان کوئی خلا نہ رہے، اور انگوٹھا، شہادت کی انگلی کی طرف ذرا مائل ہو۔

۵۔ پچاس کا اشارہ: انگوٹھے کے سرے کو شہادت کی انگلی کی جڑ کی لکیر کے ساتھ لگائیں۔

۶۔ ساٹھ کا اشارہ: شہادت کی انگلی کا درمیانی حصہ انگوٹھے کے ناخن پر اس طرح رکھیں کہ ناخن چھپ جائے۔

۷۔ ستر کا اشارہ: انگوٹھے کا سرا شہادت کی انگلی کے آخری پورے پر لگائیں۔

۸۔ اسی کا اشارہ: شہادت کی انگلی کا سرا، انگوٹھے کی پشت پر لگائیں۔

۹۔ نوے کا اشارہ: شہادت کی انگلی کا حلقہ بنا کر، اس کا سرا انگوٹھے کی جڑ کی لکیر پر لگائیں۔

۱۰۔ سو کا اشارہ: ننانوے تک اکائیاں بنا کر انگلیوں کو کھول لیا جائے تو یہ سو کا اشارہ ہوگا۔

ان دہائیوں کے درمیان کی اکائیوں کو گننے کا وہی طریقہ ہے جو ایک سے نو تک کے عدد کا ہے، مثلاً:

- گیارہ کا اشارہ: پہلے دس کا اشارہ بنایا جائے اور پھر چھنگلی کو بند کر کے ایک کا اشارہ بنالیا جائے۔
- بارہ کا اشارہ: دس کا اشارہ بنا کر چھنگلی اور ساتھ والی انگلی کو بند کرلیا جائے۔
- تیرہ کا اشارہ: دس کا اشارہ بنا کر چھنگلی، اس کے ساتھ والی انگلی اور درمیانی انگلی کو قریب سے بند کردیا جائے۔

۞ تینتیس کا اشارہ: تیس کا اشارہ بنا کر تین کا اشارہ بنالیا جائے۔

سینکڑے اور ہزار شمار کرنے کا طریقہ

سینکڑے اور ہزار کے عدد شمار کرنے کے لئے بایاں ہاتھ استعمال ہوتا ہے، بائیں ہاتھ کی چھنگلی، اس کے ساتھ والی انگلی اور درمیانی انگلی سے سینکڑے کے عدد گنے جاتے ہیں، انگوٹھے اور شہادت کی انگلی سے ہزار کے عدد شمار کئے جاتے ہیں، چنانچہ ایک سو کا اشارہ بالکل اسی طرح ہے جس طرح ایک کا اشارہ ہے، دوسو کا اشارہ، دو کے اشارے کی طرح، تین سو کا اشارہ تین کے اشارہ کی طرح، اور چار سو کا اشارہ چار کے اشارہ کی طرح، پانچ سو کا اشارہ، پانچ کے اشارے کی طرح، چھ سو کا اشارہ، چھ کے اشارے کی طرح، سات سو کا اشارہ، سات کے اشارے کی طرح، آٹھ سو کا اشارہ، آٹھ کی طرح، اور نو سو کا اشارہ، نو کے اشارے کی طرح ہے۔

اسی طرح ایک ہزار کا اشارہ، دس کے اشارے کی طرح، دو ہزار کا اشارہ، بیس کے اشارے کی طرح، تین ہزار کا اشارہ، تیس کے اشارے کی طرح، چار ہزار کا اشارہ، چالیس کے اشارے کی طرح، پانچ ہزار کا اشارہ، پچاس کے اشارے کی طرح، چھ ہزار کا اشارہ، ساٹھ کے اشارے کی طرح، سات ہزار کا اشارہ، ستر کے اشارے کی طرح، آٹھ ہزار کا اشارہ، اسی کے اشارے کی طرح، نو ہزار کا اشارہ، نوے کے اشارے کی طرح اور دس ہزار کا اشارہ، سو کے اشارے کی طرح ہوگا، اسی طریقے سے اس سے زیادہ اعداد کو شمار کیا جائے۔

عقد انامل کا تصویری نقشہ

یہ ایک کا اشارہ ہے۔ یہ دو کا اشارہ ہے۔ یہ تین کا اشارہ ہے۔
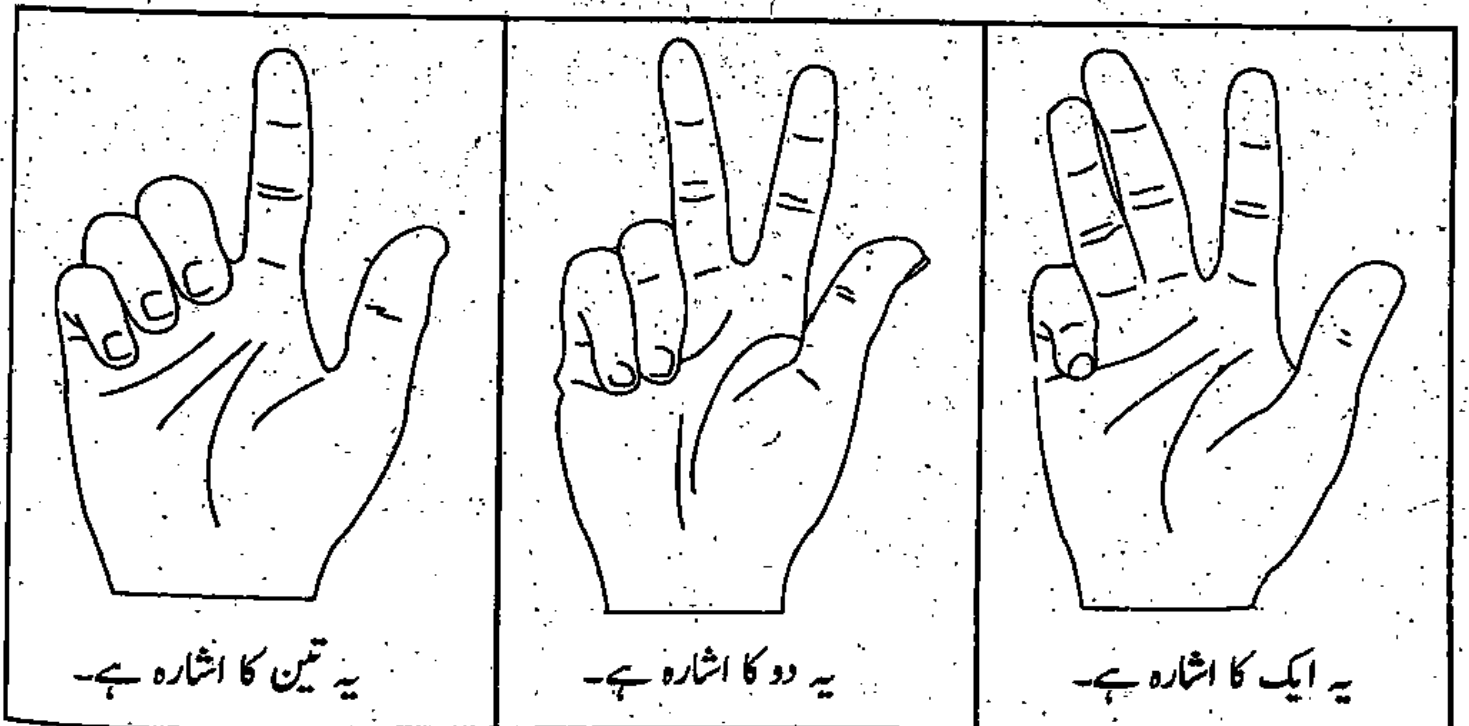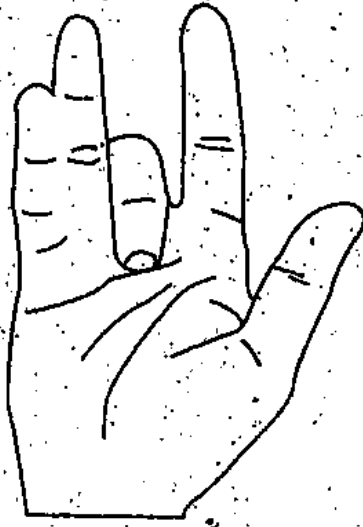
یہ چار کا اشارہ ہے۔

یہ پانچ کا اشارہ ہے۔
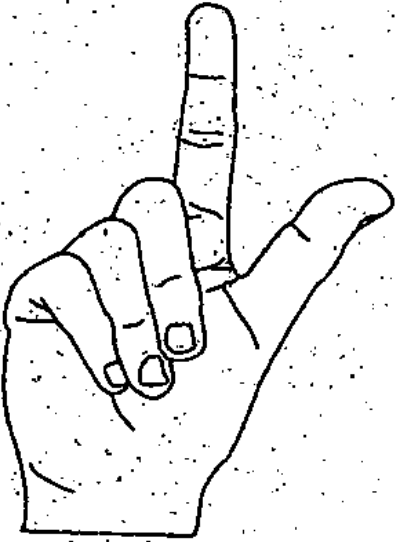
یہ چھ کا اشارہ ہے۔

یہ سات کا اشارہ ہے۔
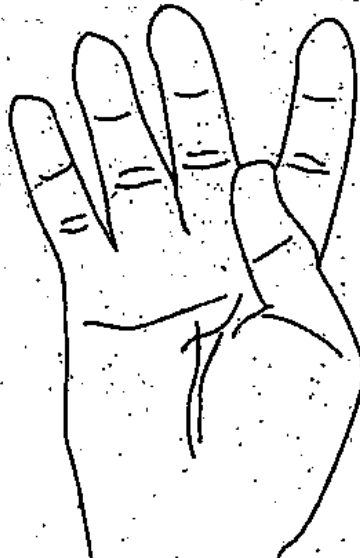
یہ آٹھ کا اشارہ ہے۔

یہ نو کا اشارہ ہے۔

یہ دس کا اشارہ ہے۔
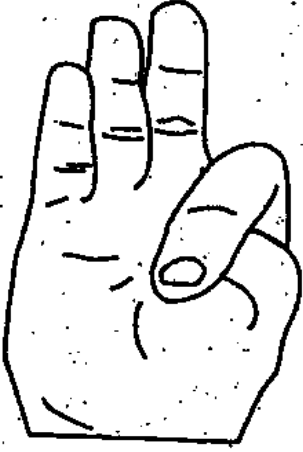
یہ بیس کا اشارہ ہے۔
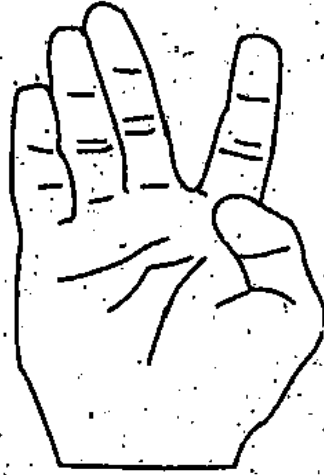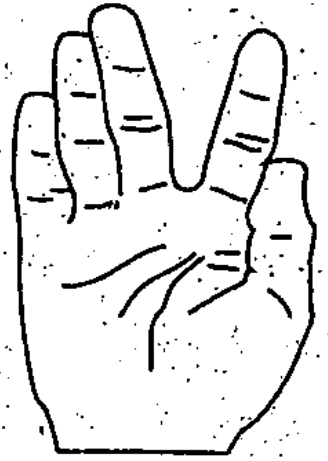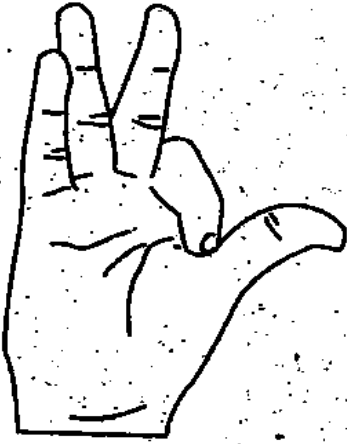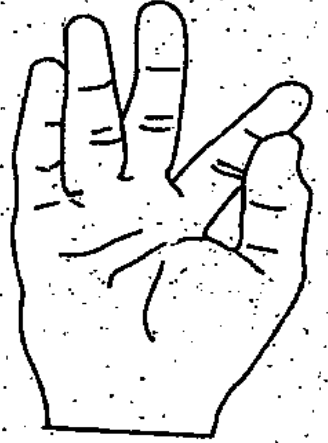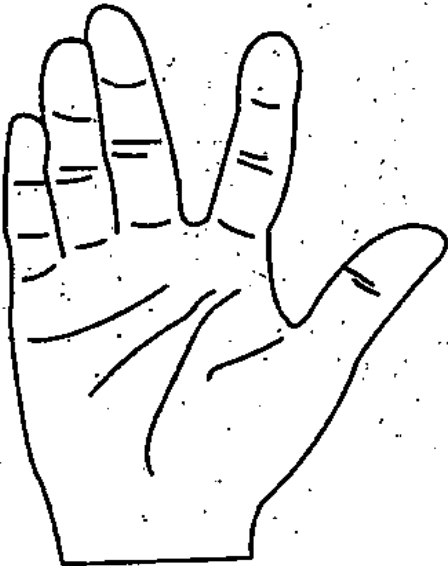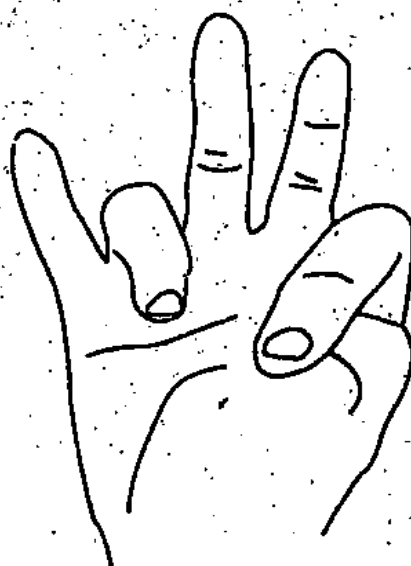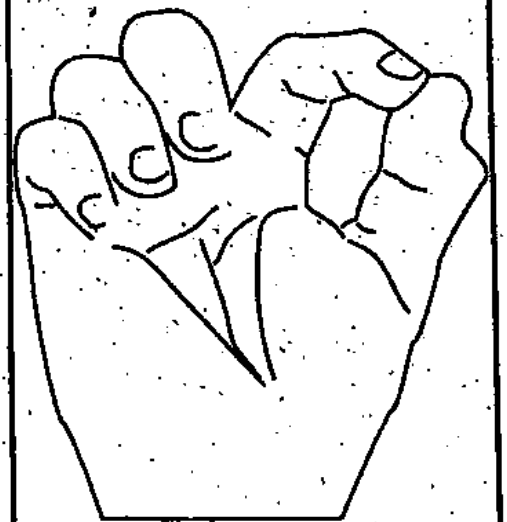
یہ تیس کا اشارہ ہے۔

عَنْ أَنَسٍ، قَالَ: كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا غَزَا، قَالَ: اللَّهُمَّ أَنْتَ عَضُدِي، وَأَنْتَ نَصِيرِي وَبِكَ أُقَاتِلُ. (۱)

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب جہاد کرتے تو یہ دعا (بھی) مانگتے تھے: اے اللہ تو ہی میرا بازو اور تو ہی میرا معاون و مددگار ہے، اور میں تیری مدد ہی سے جنگ کرتا ہوں۔

جہاد کے وقت کی ایک مسنون دعا

اس حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک عمل بیان کیا گیا ہے، وہ یہ کہ میدان جہاد میں لڑائی کے وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا مانگتے تھے، اے اللہ تو میرا بازو ہے، عضد کے لفظی معنیٰ تو بازو کے ہیں، لیکن اس سے معاون اور مددگار کے معنیٰ مراد ہیں، دعا میں لفظ عضد کے بعد لفظ نصیریٰ ہے یعنی میرا مددگار، یہ اسی لفظ عضد کی مزید وضاحت اور تفسیر ہے، اور تیری مدد سے میں تیرے دشمنوں سے برسرپیکار ہوتا ہوں، تاکہ تیرا کوئی دشمن روئے زمین پر باقی نہ رہے، سارے کے سارے تیرے دین کے ماننے والے بن جائیں یا وہ جوٹیکس اور جزیہ ادا کر کے مسلمانوں کے ماتحت رہیں۔ (۲)

عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ جَدِّهِ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: خَيْرُ الدُّعَاءِ دُعَاءُ يَوْمِ عَرَفَةَ، وَخَيْرُ مَا قُلْتُ أَنَا وَالنَّبِيُّونَ مِنْ قَبْلِي: لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ، لَهُ الْمُلْكُ، وَلَهُ الْحَمْدُ، وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ. (۳)

حضرت عمرو بن شعیب اپنے والد (حضرت شعیب) سے اور وہ یعنی شعیب اپنے دادا حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: سب سے بہتر دعا عرفہ کے دن کی دعا ہے، (خواہ وہ میدان عرفات میں مانگی جائے یا کسی بھی جگہ) اور ان کلمات میں جو میں نے اور مجھ سے پہلے کے نبیوں نے (بطور دعا کے) مانگے ہیں، سب سے بہتر یہ کلمات ہیں: لا الہ الا اللہ وحدہ، لا شریک لہ، لہ الملک، و لہ الحمد، و ہو علی کل شیء قدیر (ترجمہ: اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، وہ اکیلا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں، اسی کے لئے بادشاہت ہے، اور اسی کے لئے ہر قسم کی تعریف ہے، اور وہی ہر چیز پر قادر ہے)

یوم عرفہ کی ایک اہم دعا

یوم عرفہ کا سب سے اہم ذکر اور سب سے زیادہ اجر وثواب والی دعا یہ کلمہ ہے، جس میں اللہ جل شانہ کی وحدانیت اور اس

---

(۱) سنن ابی داؤد، الجہاد، باب مایدعی عند اللقاء، رقم: ۲۶۳۲۔

(۲) تحفة الاحوذی: ۱۰/۴۴۔

(۳) مسند احمد ۲/۲۱۰۔

کی قدرت کاملہ کا ذکر ہے، وہ کلمہ یہ ہے: لا الہ الا اللہ......، نبی کریم ﷺ اور آپ سے پہلے تمام انبیاء علیہم السلام یوم عرفہ کو خاص طور پر یہ دعا کرتے تھے۔

ترمذی کی اس حدیث میں آپ ﷺ نے دو جملے ارشاد فرمائے ہیں ایک: خیر الدعاء دعاء یوم عرفہ اور دوسرا: و خیر ما قلت انا والنبیون....، ان دونوں کا مطلب اور مفہوم ایک ہی ہے یا الگ الگ ہے؟ اس بارے میں شارحین حدیث کے دو نقطہ نظر ہیں:

۱۔ بعض حضرات فرماتے ہیں کہ ان دونوں جملوں کی مراد ایک نہیں، بلکہ الگ الگ ہے، پہلے جملے کا مطلب یہ ہے کہ یوم عرفہ کی دعا، خواہ وہ کوئی بھی دعا ہو، سب سے بہتر دعا ہے، اس میں اجر وثواب بھی زیادہ ہوتا ہے، اور اسے قبول بھی کر لیا جاتا ہے، اور دوسرے جملے میں ایک اہم ذکر کا بیان ہے، جسے نبی کریم ﷺ اور تمام انبیاء علیہم السلام اہتمام سے پڑھا کرتے تھے۔

اور ہو سکتا ہے کہ دوسرے جملے سے اس طرف اشارہ کرنا مقصود ہو کہ یوم عرفہ کی دعا کے شروع میں اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء ان کلمات سے کی جائے۔(۱)

۲۔ علامہ طیبی رحمہ اللہ اور اکثر حضرات کی رائے یہ ہے کہ دوسرا جملہ پہلے جملے کی تفسیر وتشریح ہے، اس میں الگ کوئی چیز بیان نہیں کی گئی، اور ان کلمات یعنی لا الہ الا اللہ...... کو دعا اس لئے کہا گیا کہ اللہ کی حمد وثنا اور تعریف کے ضمن میں بندے کی درخواست اور اپنی حاجت کا سوال بھی داخل ہوتا ہے، کیونکہ کریم ذات کی تعریف سے اس سے مانگنا ہی مقصود ہوتا ہے، یوں ان کلمات کے اندر دعا کے معنی بھی پائے جاتے ہیں، اس لئے ان کو بہترین دعا ارشاد فرمایا ہے(۲) اس بات کی تائید ان دو روایتوں سے بھی ہوتی ہے:

- طبرانی کی روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: سب سے افضل وہ کلمہ ہے، جو میں نے اور مجھ سے پہلے انبیاء نے یوم عرفہ کی شام کو مانگا ہے: لا الہ الا اللہ......۔(۳)
- مسند احمد میں روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ یوم عرفہ کو اکثر یہ دعا مانگتے تھے: لا الہ الا اللہ وحدہ......۔(۴)

عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ، قَالَ: عَلَّمَنِي رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: قُلْ: اللَّهُمَّ اجْعَلْ سَرِيرَتِي خَيْرًا مِنْ عَلَانِيَتِي، وَاجْعَلْ عَلَانِيَتِي صَالِحَةً، اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ مِنْ صَالِحِ مَا تُؤْتِي النَّاسَ مِنَ الْمَالِ وَالْأَهْلِ وَالْوَلَدِ، غَيْرِ الضَّالِّ وَلَا الْمُضِلِّ.(۵)

---

(۱) تحفۃ الاحوذی ۱۰/۴۵

(۲) مرقاۃ المفاتیح ۵/۵۱۲، کتاب المناسک، باب الوقوف بعرفۃ، رقم الحدیث: ۲۵۹۸۔

(۳) کتاب الدعاء ۱/۱۲۰۶، باب الدعاء بعرفات، حدیث نمبر: ۸۷۴، ط: دار البشائر الاسلامیۃ۔

(۴) مسند احمد ۲/۲۱۰ مسند عبداللہ بن عمرو، ط: القاہرۃ۔

(۵) الحلیۃ لابی نعیم ۱/۵۳۔

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے یہ دعا سکھلائی کہ تم یوں کہو: اے اللہ میرے باطن کو میرے ظاہر سے بہتر بنا دے اور میرے ظاہر کو (بھی) نیک بنا دے، اے اللہ تو لوگوں کو جو مال، اہل اور اولاد دیتا ہے، ان میں سے میں تجھ سے بہترین چیزیں مانگتا ہوں، جو نہ خود گمراہ ہوں اور نہ کسی کو گمراہ کرنے والی ہوں۔

مشکل الفاظ کے معنی: سریرتي: میرا باطن، علانیتي: میرا ظاہر، ما تؤتي: جو تو عطا کرتا ہے، دیتا ہے، غير الضال ولا المضل: علامہ طیبی فرماتے ہیں کہ غیر الضال والمضل.... بدل ہیں، المال و الأهل و الولد سے: مطلب یہ ہے کہ مال، اہل اور اولاد میں سے وہ بہترین چیزیں عطا کر، جو نہ خود گمراہ ہوں، اور نہ اور کسی کو گمراہ کرنے والی ہوں۔(۱)

ظاہر و باطن کو بہتر بنانے کی دعا

اس حدیث میں بڑی اہم دعا کا ذکر ہے، جس میں ظاہر و باطن کو بہتر بنانے کی درخواست ہے، اور مال و دولت اور اہل و عیال میں سے وہ بہترین چیزیں عطا کرنے کا سوال ہے، جو نہ خود گمراہ ہوں اور نہ کسی کو گمراہ کرنے والی ہوں، جو دنیا اور آخرت دونوں میں امن و سکون اور عافیت کا باعث بنیں، اللہ تعالیٰ یہ دعا مانگنے کی توفیق عطا فرما دیجئے۔

عَنْ عَاصِمِ بْنِ كُلَيْبِ الْجَرْمِيِّ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ جَدِّهِ، قَالَ: دَخَلْتُ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ يُصَلِّي وَقَدْ وَضَعَ يَدَهُ الْيُسْرَى عَلَى فَخِذِهِ الْيُسْرَى، وَوَضَعَ يَدَهُ الْيُمْنَى عَلَى فَخِذِهِ الْيُمْنَى وَقَبَضَ أَصَابِعَهُ وَبَسَطَ السَّبَّابَةَ، وَهُوَ يَقُولُ: يَا مُقَلِّبَ الْقُلُوبِ، ثَبِّتْ قَلْبِي عَلَى دِينِكَ.(۲)

حضرت عاصم بن کلیب اپنے والد کلیب سے اور وہ ان کے دادا شہاب بن مجنون سے روایت کرتے ہیں، کہتے ہیں کہ میں نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا آپ نماز پڑھ رہے تھے، اور بایاں ہاتھ اپنی بائیں ران پر اور دایاں ہاتھ اپنی دائیں ران پر رکھا تھا، اور اپنی انگلیوں کو بند کر رکھا تھا اور شہادت کی انگلی کو پھیلا کر یہ دعا کر رہے تھے: یا مقلب القلوب.... (اے دلوں کو الٹنے پلٹنے والے! میرے دل کو اپنے دین پر ثابت قدم رکھ)۔

حضرت شہاب بن مجنون رضی اللہ عنہ

حضرت شہاب بن مجنون رضی اللہ عنہ حضرت عاصم بن کلیب رضی اللہ عنہ کے دادا ہیں، ان کا اصل نام تو شہاب ہے لیکن ان کو شبیب، اور شتیر بھی کہا جاتا ہے، یہ بھی نبی کریم ﷺ کے صحابہ میں سے ہیں، اگرچہ یہ اتنے زیادہ مشہور نہیں، نبی کریم ﷺ

---

(۱) مرقاۃ المفاتیح ۵/۴۱۷، کتاب الدعوات، باب جامع الدعاء، رقم: ۲۵۰۴۔

(۲) المستدرک ۴/۳۲۱۔

سے چند احادیث انہوں نے نقل کی ہیں۔(۱)

دین پر ثابت قدم رہنے کی دعا

اس حدیث سے یہ درس دیا جارہا ہے کہ مسلمان کو بڑے اہتمام سے دین پر استقامت اور ثابت قدم رہنے کی دعا کرنی چاہیے، ہوسکے تو ان الفاظ سے دعا مانگے: یا مقلب القلوب ثبت قلبی علی دینک، چنانچہ ترمذی کی مذکورہ روایت میں حضرت شہاب رضی اللہ عنہ نے نبی کریم ﷺ کو نماز کے آخری قعدے میں یہ دعا کرتے ہوئے سنا، اس سے اس دعا کی اہمیت اور زیادہ بڑھ جاتی ہے، اللہ تعالیٰ عمل کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

تشہد میں شہادت کی انگلی کو پھیلانے کا مطلب

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک تشہد میں لا الہ پر انگلی اٹھائی جائے اور الا اللہ پر اسے جھکا دیا جائے، مگر حلقہ کی شکل نماز کے آخر تک برقرار رہے، حدیث میں ''وبسط السبابۃ'' کا مطلب یہ ہے کہ تشہد میں اشارے کے وقت باقی انگلیاں تو بند رکھی جائیں، اور شہادت کی انگلی کو پھیلا کر رکھا جائے، باقی انگلیوں کی طرح اسے موڑا نہ جائے، البتہ شہادت کی انگلی کا اشارہ ختم کر کے اسے ذرا نیچے کرلیا جائے، نماز کے آخر تک اشارہ کو باقی نہ رکھا جائے، پھیلانے کا یہ مطلب نہیں کہ اشارہ کو آخر تک برقرار رکھا جائے، کیونکہ حدیث کا یہ جملہ: وبسط السبابۃ اس معنیٰ میں صریح نہیں ہے، محض احتمال کے درجے میں ہے۔(۲)

ابو یعلی کے طریق میں بسط کے بجائے یشیر السبابۃ کے الفاظ ہیں، اگر یہ طریق درست ہو تو پھر اس سے یہی حکم ثابت ہوتا ہے، کہ نماز کے آخر تک اشارے کو برقرار رکھا جائے، جیسا کہ حضرت امام شافعی رحمہ اللہ کا مسلک ہے۔(۳)

عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ سَالِمٍ قَالَ: حَدَّثَنَا ثَابِتٌ الْبُنَانِيُّ، قَالَ: قَالَ لِي يَا مُحَمَّدُ: إِذَا اشْتَكَيْتَ فَضَعْ يَدَكَ حَيْثُ تَشْتَكِي، ثُمَّ قُلْ: بِسْمِ اللهِ، أَعُوذُ بِعِزَّةِ اللهِ وَقُدْرَتِهِ، مِنْ شَرِّ مَا أَجِدُ مِنْ وَجَعِي هٰذَا، ثُمَّ ارْفَعْ يَدَكَ، ثُمَّ أَعِدْ ذٰلِكَ وِتْرًا، فَإِنَّ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ، حَدَّثَنِي أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَدَّثَهُ بِذٰلِكَ.(۴)

محمد بن سالم کہتے ہیں: مجھ سے ثابت بنانی نے کہا: اے محمد جب تو بیمار ہو تو اپنا (دایاں) ہاتھ اس جگہ رکھو، جہاں تمہیں تکلیف ہے، پھر یہ پڑھو: بسم اللہ ..... من وجعی ھذا (میں اللہ کے نام سے شفا طلب کرتا ہوں، میں اللہ تعالیٰ

---

(۱) الاصابة ۱/۸۶۴، باب الشین بعدها الهاء

(۲) امداد الفتاوی ۱/۱۸۷، کتاب الصلاۃ، تشہد کے وقت رفع سبابہ کی حکمت

(۳) اعلاء السنن ۳/۱۱۰، کتاب الصلاۃ، هیئة جلسة التشهدین والاشارة

(۴) المستدرک للحاکم ۴/۲۱۹، کتاب الطب۔

کی عزت اور اس کی قدرت کی پناہ مانگتا ہوں ہر اس درد کے شر سے، جسے میں محسوس کر رہا ہوں) پھر تم اس جگہ سے اپنا ہاتھ اٹھالو، اور پھر تم یہ عمل طاق عدد میں دہراؤ (یعنی تین مرتبہ یا پانچ مرتبہ یا سات مرتبہ کرو) کیونکہ انس بن مالک نے مجھے بتایا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں یہ عمل بیان فرمایا ہے۔

مشکل الفاظ کے معنیٰ: اذا اشتکیت: جب تم بیمار ہو، حیث تشتکی: جس جگہ پر تمہیں تکلیف ہو، اعد ذلک وترا: (اعادہ سے صیغہ امر) تم یہ عمل طاق عدد میں دہراؤ، مطلب یہ ہے کہ تکلیف والی جگہ پر ہاتھ رکھنے اور اس پر یہ دعا پڑھنے کا عمل، تین مرتبہ کرو، یا پانچ مرتبہ کرو، یا سات مرتبہ کرو، اس سے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کی برکت سے تمہیں شفا عطا فرمادیں گے۔

ہر قسم کے درد کی دعا

اس حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دعا بتلائی ہے، جو ہر درد میں مفید ہے، اس کا طریقہ یہ ہے کہ جس جگہ پر درد ہو وہاں ہاتھ رکھ کر یہ دعا پڑھیں: بِسْمِ اللهِ، أَعُوذُ بِعِزَّةِ اللهِ وَقُدْرَتِهِ مِنْ شَرِّ مَا أَجِدُ مِنْ وَجَعِي هٰذَا، یہ عمل طاق عدد میں کیا جائے، تین بار یا پانچ مرتبہ یا سات دفعہ کیا جائے، ان شاء اللہ وہ درد جاتا رہے گا۔

عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ، قَالَتْ: عَلَّمَنِي رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: قُولِي: اللّٰهُمَّ هٰذَا اسْتِقْبَالُ لَيْلِكَ وَاسْتِدْبَارُ نَهَارِكَ، وَأَصْوَاتُ دُعَاتِكَ، وَحُضُورُ صَلَوَاتِكَ، أَسْأَلُكَ أَنْ تَغْفِرَ لِي.(۱)

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے یہ دعا سکھلائی، آپ نے فرمایا: تم (مغرب کی اذان کے وقت) یہ دعا پڑھا کرو۔ اللهم هذا...... (اے اللہ! یہ آپ کی رات کے آنے کا، آپ کے دن کے جانے کا، آپ کی (نمازوں کی) طرف بلانے والوں یعنی اذان دینے والوں کی آوازوں کا اور آپ کی نمازوں کے حاضر ہونے کا بھی وقت ہے، میں آپ سے درخواست کرتا/کرتی ہوں کہ آپ میری مغفرت فرمادیں)

مشکل الفاظ کے معنیٰ: استقبال لیلک: تیری رات کے آنے کا، استدبار نهارک: آپ کے دن کے جانے کا، أصوات: صوت کی جمع ہے: آوازیں یعنی اذان کی آوازیں، دعاة: داعی کی جمع ہے: بلانے والے یعنی موذن حضرات، حضور صلواتک: آپ کی نمازوں کی حاضری ہے یعنی ان کا وقت ہے۔

مغرب کی اذان کے وقت کی ایک دعا

ترمذی کی اس حدیث میں اگرچہ مغرب کی اذان کا ذکر نہیں، لیکن سنن ابوداؤد کی روایت میں اذان مغرب کی تصریح ہے، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو یہ دعا سکھلائی کہ جب مغرب کی اذان ہو، تو یہ دعا پڑھا کریں: اللهم هذا

(۱) سنن ابی داؤد، الصلاۃ، باب ما یقول عند اذان المغرب، رقم: ۵۳۰۔

اقبال لیلک.... اس دعا میں اللہ جل شانہ کی کامل قدرت کا ذکر کر کے اپنی مغفرت مانگنے کا ذکر ہے، اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمادیں، آمین۔(۱)

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَا قَالَ عَبْدٌ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ قَطُّ مُخْلِصًا، إِلَّا فُتِحَتْ لَهُ أَبْوَابُ السَّمَاءِ، حَتَّى تُفْضِيَ إِلَى الْعَرْشِ، مَا اجْتَنَبَ الْكَبَائِرَ.(۲)

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب بھی کوئی بندہ اخلاص سے لا الہ الا اللہ کہتا ہے، تو اس کلمہ کے لئے آسمان کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں، یہاں تک کہ وہ کلمہ عرش تک جا پہنچتا ہے، جب تک کہ وہ بندہ کبیرہ گناہوں سے بچا رہے۔

اخلاص سے کلمہ طیبہ کہنے کا اجر و ثواب

جو شخص محض اللہ کو خوش کرنے کے لئے، بغیر کسی نام و نمود اور ریاکاری کے، کلمہ طیبہ پڑھتا ہے، تو اس کلمہ کے لئے آسمان کے دروازے فوراً کھول دیئے جاتے ہیں، یہاں تک کہ یہ کلمہ عرش رحمن تک جا پہنچتا ہے، یعنی اس آدمی کا یہ ذکر اللہ تعالیٰ بہت جلد قبول کر لیتے ہیں، لیکن شرط یہ ہے کہ وہ بندہ کبیرہ گناہوں سے بچتا ہو، یہ جلدی قبول ہونے کی شرط ہے، اصل ثواب کے لئے شرط نہیں، اصل ثواب تو اسے یہ کلمہ پڑھنے سے بہر حال مل جاتا ہے، خواہ وہ کبیرہ گناہوں سے بچے یا نہ بچے، لیکن اگر وہ اس کے ساتھ کبیرہ گناہوں سے بھی بچتا ہوگا، تو اللہ تعالیٰ اس کا یہ عمل فوراً قبول کر لیتے ہیں، حدیث میں اس کو یوں تعبیر کیا کہ یہ کلمہ عرش رحمن تک جا پہنچتا ہے۔(۳)

عَنْ زِيَادِ بْنِ عِلَاقَةَ، عَنْ عَمِّهِ، قَالَ: كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنْ مُنْكَرَاتِ الأَخْلَاقِ، وَالأَعْمَالِ وَالأَهْوَاءِ.(۴)

حضرت زیاد بن علاقہ اپنے چچا حضرت قطبہ بن مالک ثعلبی سے روایت کرتے ہیں، حضرت قطبہ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ دعا کیا کرتے تھے: اے اللہ! میں برے اخلاق، برے اعمال اور بری خواہشات سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔

حضرت قطبہ بن مالک ثعلبی رضی اللہ عنہ

حضرت قطبہ بن مالک ثعلبی رضی اللہ عنہ حضرت زیاد بن علاقہ رضی اللہ عنہ کے چچا اور نبی کریم ﷺ کے محترم صحابی

---

(۱) مرقاۃ المفاتیح ۳۴۲/۲، کتاب الصلاۃ، باب فضل الأذان، رقم: ۶۶۹۔

(۲) الکبری للنسائی، رقم: ۱۰۶۶۹۔

(۳) مرقاۃ المفاتیح ۲۴/۵، کتاب الدعوات، باب ثواب التسبیح، رقم: ۲۳۱۴۔

(۴) المستدرک للحاکم ۵۳۲/۱۔

ہیں، کوفہ میں ان کی رہائش تھی، نبی کریم ﷺ اور زید بن ارقم سے احادیث روایت کی ہیں۔(۱)

تین بری چیزوں سے پناہ مانگنے کی دعا

اس حدیث میں تین چیزوں سے پناہ مانگنے کی دعا کا ذکر ہے، (۱) برے اخلاق اور عادات سے، اس سے باطنی اخلاق مراد ہیں مثلاً حسد، تکبر، بغض، خود پسندی وغیرہ۔ (۲) برے اعمال سے، ان سے ظاہری اعمال مراد ہیں۔ (۳) بری اور ناجائز خواہشات سے، الاھواء جمع ہے ھوی کی، یہ لفظ عموماً ناجائز خواہشات کے لئے استعمال ہوتا ہے، حقیقت یہ ہے کہ اگر انسان کی یہ تین چیزیں درست ہو جائیں تو وہ ایک کامل ایمان والا مسلمان بن جاتا ہے، اللہ تعالیٰ ہماری ان چیزوں کی اصلاح فرمائے، اور ہمیں اپنے حفظ وامان میں داخل فرمالے۔(۲)

عَنِ ابْنِ عُمَرَ، قَالَ: بَيْنَا نَحْنُ نُصَلِّي مَعَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، إِذْ قَالَ رَجُلٌ مِنَ الْقَوْمِ: اللهُ أَكْبَرُ كَبِيرًا، وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ كَثِيرًا، وَسُبْحَانَ اللهِ بُكْرَةً وَأَصِيلًا، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَنِ الْقَائِلُ كَذَا وَكَذَا؟ فَقَالَ رَجُلٌ مِنَ الْقَوْمِ: أَنَا يَا رَسُولَ اللهِ، قَالَ: عَجِبْتُ لَهَا، فُتِحَتْ لَهَا أَبْوَابُ السَّمَاءِ قَالَ ابْنُ عُمَرَ: مَا تَرَكْتُهُنَّ مُنْذُ سَمِعْتُ مِنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.(۳)

حضرت عبداللہ بن عمر کہتے ہیں: اس دوران کہ ہم نبی کریم ﷺ کے ساتھ نماز پڑھ رہے تھے، اچانک لوگوں میں سے ایک شخص نے کہا: اللہ اکبر کبیراً...... (اللہ بہت ہی بڑا ہے اور اللہ تعالیٰ کے لئے ہی بہت زیادہ تعریف ہے، اور میں اللہ جل جلالہ کی صبح اور شام (یعنی ہر وقت) پاکی بیان کرتا ہوں، نبی کریم ﷺ نے (بعد میں) پوچھا کہ کس نے یہ کلمات کہے ہیں؟ لوگوں میں سے ایک شخص نے کہا: میں نے کہے ہیں یا رسول اللہ، نبی کریم ﷺ نے فرمایا: مجھے ان کلمات کی وجہ سے تعجب ہوا کہ ان کے لئے آسمان کے دروازے کھول دیئے گئے، ابن عمر فرماتے ہیں: میں نے ان کلمات کا پڑھنا نہیں چھوڑا، جب سے میں نے ان کو نبی کریم ﷺ سے سنا ہے)۔

اللہ اکبر کبیراً... کی فضیلت

ایک صحابی نے یہ کہا: اللہ اکبر کبیراً والحمد للہ کثیراً وسبحان اللہ بکرۃ وأصیلا تو نبی کریم ﷺ نے اس کی فضیلت میں فرمایا کہ ان کلمات کی وجہ سے آسمان کے دروازے کھول دیئے گئے، حضرت عبداللہ بن عمر فرماتے ہیں کہ جب سے

---

(۱) الاصابۃ ۵/۳۴۰، حرف القاف

(۲) مرقاۃ المفاتیح ۵/۳۱۸، کتاب الدعوات، باب الاستعاذۃ

(۳) سنن النسائی، کتاب الافتتاح، باب القول الذی یفتتح بہ الصلاۃ، رقم: ۸۸۵۔

میں نے ان کلمات کو نبی کریم ﷺ سے سنا ہے، اس وقت سے پابندی کے ساتھ انہیں پڑھتا ہوں، میں نے ان کا پڑھنا ترک نہیں کیا، آج بھی اگر کوئی شخص پورے جذبے اور اخلاص سے یہ کلمات پڑھے گا، تو اسے بھی مذکورہ فضیلت حاصل ہوگی، اللہ تعالیٰ محض اپنے فضل سے ان کلمات کو پابندی سے پڑھنے کی توفیق عطا فرمائے آمین یارب العالمین۔

سبحان الله بکرة و اصیلاً، اس میں صبح وشام کا جملہ اس وجہ سے ہے کہ ان اوقات میں دن اور رات کے فرشتوں کا تبادلہ ہوتا ہے، ورنہ اس سے دوام اور ہمیشگی مراد ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ ہمیشہ کے لئے، خواہ دن ہو یا رات، ہر قسم کے عیب اور نقص سے پاک ہے۔(۱)

بَابٌ أَيُّ الْكَلَامِ أَحَبُّ إِلَى اللهِ

باب: کون سا کلام اللہ جل شانہ کو زیادہ محبوب ہے

عَنْ أَبِي ذَرٍّ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَادَهُ، -أَوْ أَنَّ أَبَا ذَرٍّ عَادَ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ- فَقَالَ: بِأَبِي أَنْتَ وَأُمِّي يَا رَسُولَ اللهِ: أَيُّ الْكَلَامِ أَحَبُّ إِلَى اللهِ عَزَّ وَجَلَّ؟ قَالَ: مَا اصْطَفَى اللهُ لِمَلَائِكَتِهِ: سُبْحَانَ رَبِّي وَبِحَمْدِهِ، سُبْحَانَ رَبِّي وَبِحَمْدِهِ.(۲)

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کی بیمار پرسی کی یا حضرت ابوذر نے رسول اللہ ﷺ کی بیمار پرسی کی (راوی کو شک ہے) حضرت ابوذر غفاری نے کہا: اے اللہ کے رسول، میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں: کونسا کلام اللہ جل شانہ کو زیادہ پسند ہے؟ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: وہ کلام جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنے فرشتوں کے لئے منتخب فرمایا ہے: سبحان ربی وبحمده، سبحان ربی وبحمده (میں اپنے پروردگار کی پاکی بیان کرتا ہوں، اس کی تعریف کے ساتھ اور میں اپنے رب کی تسبیح بیان کرتا ہوں اس کی تعریف کے ساتھ)۔

تسبیح افضل ہے یا تہلیل

نبی کریم ﷺ نے حضرت ابوذر غفاری سے فرمایا کہ سب سے بہتر ذکر وہ ہے، جسے اللہ جل شانہ نے اپنے فرشتوں کے لئے منتخب فرمایا، وہ یہ ہے سبحان ربی و بحمده، اور صحیح مسلم میں اس ذکر کے یہ الفاظ ہیں: سبحان الله و بحمده، دونوں ہی درست ہیں، معنیٰ اور مفہوم کے لحاظ سے دونوں میں کوئی فرق نہیں۔

علامہ طیبی فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے اس میں قرآن مجید کی اس آیت نحن نسبح بحمدک و نقدس لک کی

---

(۱) مرقاة المفاتيح ۲/۵۰۰، كتاب الصلاة، باب مايقرأ بعد التكبير، رقم الحديث: ۸۱۷

(۲) الصحيح لمسلم، كتاب الذكر، باب فضل سبحان الله، رقم: ۲۷۳۱۔

طرف اشارہ فرمایا ہے۔(۱)

امام نووی فرماتے ہیں کہ حدیث میں: ای الکلام.... کے معنی یہ ہیں کہ انسانوں کے کلام میں سے اللہ کے ہاں کونسا کلام زیادہ محبوب ہے، اس سے قرآن مجید کے ساتھ تقابل کرنا مقصود نہیں، کیونکہ قرآن مجید تو تمام کلاموں سے افضل ہے، یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید کی تلاوت، تسبیح یعنی سبحان اللہ اور تہلیل یعنی لا الہ الا اللہ اور دیگر تمام اذکار سے افضل ہے، البتہ وہ مخصوص اذکار جو کسی خاص وقت یا کسی خاص حالت سے متعلق ہیں، ان میں مشغولیت قرآن مجید کی تلاوت سے افضل ہے۔(۲)

یہاں ایک سوال ہوتا ہے کہ ترمذی کی مذکورہ حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ سبحان ربی و بحمدہ یا سبحان اللہ و بحمدہ افضل کلام ہے، اسی کو اللہ جل شانہ نے اپنے فرشتوں کے لئے منتخب فرمایا ہے، جبکہ حضرت جابر کی حدیث میں یوں ہے: افضل الذکر لا الہ الا اللہ، سب سے فضیلت والا ذکر لا الہ الا اللہ ہے، بظاہر دونوں باتوں میں تعارض ہے، کہ افضل تسبیح ہے یا تہلیل؟

شارحین حدیث نے اس تعارض کے حل میں مختلف توجیہات ذکر کی ہیں:

۱۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ سبحان اللہ و بحمدہ دراصل ان چار کلمات کا اختصار ہے: سبحان اللہ و الحمدللہ و لا الہ الا اللہ و اللہ اکبر۔ کیونکہ سبحان اللہ و بحمدہ میں جس طرح اللہ جل شانہ کی پاکی اور اس کی تعریف کا ذکر صراحت کے ساتھ ہے، اسی طرح اس میں اللہ کی بڑائی اور اس کے معبود ہونے کا بھی ضمناً ذکر ہے، اس لئے کہ جو ذات ہر عیب اور نقص سے پاک ہو اور ہر قسم کی تعریف کے لائق ہو، وہی سب سے بڑی ذات ہے اور وہ اس قابل ہے کہ اس کی عبادت کی جائے۔

تاہم اس سے سبحان اللہ و بحمدہ کا لا الہ الا اللہ سے افضل ہونا ثابت نہیں ہوتا، بلکہ تہلیل کا ہی افضل ہونا معلوم ہوتا ہے، ایک تو اس لئے کہ حدیث میں تہلیل کو افضل الذکر کہا ہے، دوسرا اس لئے کہ تہلیل میں عقیدہ توحید کا ذکر صراحت کے ساتھ ہے کہ اس کے علاوہ کوئی عبادت کے لائق نہیں، تیسرا اس لئے کہ لا الہ الا اللہ پڑھنے سے دس غلاموں کے آزاد کرنے کا ثواب ملتا ہے، اور ایک حدیث میں یہ ہے کہ جس نے ایک غلام آزاد کیا، اس کے ہر عضو کے بدلے، آزاد کرنے والے آدمی کے ہر عضو کو جہنم سے آزاد کیا جائے گا تو یہ گویا جہنم سے مکمل خلاصی اور آزادی کا ذریعہ ہے، اس کے علاوہ اور بھی اس کے فضائل احادیث میں منقول ہیں۔(۳)

۲۔ بعض کی رائے یہ ہے کہ یہ چاروں کلمات سبحان اللہ والحمدللہ.... فضیلت کے لحاظ سے برابر ہیں، کیونکہ ان کے مفہوم کا خلاصہ دو باتیں ہیں: ایک اللہ کی عظمت و کبریائی اور تعظیم، اور دوسرا تنزیہ یعنی اللہ کو ہر عیب سے پاک قرار دینا، لہذا جو شخص اللہ کی

---

(۱) شرح الطیبی ۷۴/۵، کتاب الدعوات، باب ثواب التسبیح، رقم: ۲۳۰۰۔

(۲) شرح مسلم نووی ۳۵۱/۲ کتاب الذکر باب فضل سبحان اللہ

(۳) فتح الباری ۲۴۸/۱۱، کتاب الدعوات، باب فضل التسبیح، تکملۃ فتح الملہم ۵۵۴/۵، کتاب الذکر باب فضل التہلیل والتسبیح

بڑائی بیان کرتا ہے تو وہ اس کی پاکی بھی بیان کر رہا ہوتا ہے، اور جو اس کی پاکی بیان کرتا ہے، وہ اس کی عظمت و کبریائی بھی بیان کر رہا ہوتا ہے، اس لئے اگر کسی حدیث میں ایک جملے کے لئے افضل الذکر یا احب الکلام کہا ہے تو اس فضیلت میں وہ چاروں کلمات اور اذکار داخل ہیں۔

۳۔ بعض حضرات نے یہ تعارض یوں حل کیا ہے کہ ان احادیث: افضل الذکر اور احب الکلام.... کے شروع میں لفظ ''من'' مقدر ہے یعنی من افضل الذکر، من احب الکلام، کیونکہ احب اور افضل معنیٰ کے لحاظ سے برابر ہیں، گویا فضیلت کے لحاظ سے یہ تمام کلمات برابر ہیں، لیکن اس کے باوجود تہلیل تمام اذکار سے افضل ہی ہے، جیسا کہ اس کی تفصیل توجیہ نمبر ایک میں لکھی جا چکی ہے۔(۱)

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: الدُّعَاءُ لَا يُرَدُّ بَيْنَ الْأَذَانِ وَالإِقَامَةِ، قَالُوا: فَمَاذَا نَقُولُ يَا رَسُولَ اللهِ؟ قَالَ: سَلُوا اللهَ الْعَافِيَةَ فِي الدُّنْيَا وَالآخِرَةِ.(۲)

حضرت انس سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اذان اور اقامت کے درمیان دعا کو رد نہیں کیا جاتا، لوگوں نے پوچھا: اے اللہ کے رسول اس وقت ہم کونسی دعا مانگا کریں؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ سے (اس وقت میں) دنیا اور آخرت کی عافیت کا سوال کیا کرو۔

امام ترمذی فرماتے ہیں کہ اس حدیث کے آخری جملے یعنی قالوا فماذا نقول یا رسول اللہ؟ قال: سلوا اللہ العافیۃ فی الدنیا والاخرۃ یہ حدیث کے راوی یحیی بن یمان کا اضافہ ہے۔

اذان واقامت کے درمیان دعا قبول ہوتی ہے

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اذان اور اقامت کے درمیان جو بھی دعا کی جائے، وہ قبول ہوتی ہے، بشرطیکہ اس میں دعا کے قبول ہونے کی دیگر شرائط پائی جائیں مثلاً رزق حلال کھاتا ہو، دعا کا مفہوم شرعاً درست ہو، اور مکمل آداب کے ساتھ مانگی جائے، حدیث کے راوی یحیی بن یمان نے اپنی طرف سے اضافہ کرتے ہوئے یہ کہا کہ اس وقت دنیا اور آخرت کی عافیت کی دعا کرنی چاہیے، یہ ان کی رائے ہے، ورنہ حدیث میں کسی خاص دعا کا ذکر نہیں، جو بھی دعا کی جائے، وہ درست ہے۔

بَاب: عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: سَبَقَ الْمُفْرِدُونَ، قَالُوا: وَمَا الْمُفْرِدُونَ يَا رَسُولَ اللهِ؟ قَالَ: الْمُسْتَهْتَرُونَ فِي ذِكْرِ اللهِ، يَضَعُ الذِّكْرُ عَنْهُمْ أَثْقَالَهُمْ، فَيَأْتُونَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ خِفَافًا.(۳)

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تنہا ہونے والے آگے بڑھ گئے، صحابہ نے پوچھا:

---

(۱) فتح الباری ۱۱/۲۴۸

(۲) سنن أبی داؤد، الصلاۃ، باب ماجاء فی الدعاء، رقم: ۵۲۱۔

(۳) الصحیح لمسلم، کتاب الذکر، باب الحث علی ذکر اللہ، رقم: ۲۶۷۶۔

اے اللہ کے رسول! تنہا ہونے والے کون لوگ ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ کے ذکر کے شیدائی اور عاشق، یہ ذکر ان کے گناہوں کے بوجھ کو ختم کردے گا، چنانچہ قیامت کے دن وہ (گناہوں کے بوجھ سے) ہلکے ہو کر آئیں گے۔

مشکل الفاظ کے معنی: مفردون: (یہ باب افعال اور تفعیل دونوں سے ہوسکتا ہے) مفرد کی جمع ہے: (۱) وہ لوگ جن کے ساتھی ہلاک ہوجائیں اور وہ اکیلے رہ کر اللہ کے ذکر میں مشغول رہیں، (۲) لوگوں سے الگ ہو کر تنہائی میں عبادت کرنے والے، **المستھترون:** مستھتر کی جمع ہے: ہر قسم کی باتوں سے بے پرواہ ہو کر کسی چیز کا شیدائی ہونے والے، اور اس کو پابندی سے اختیار کرنے والے، **یضع الذکر:** ذکر ختم کردے گا، اتار دے گا، **اثقالھم:** ان کے بوجھ، ثقل کی جمع ہے، **خفافا:** خفیف کی جمع ہے: ہلکا آدمی، جس پر کوئی بوجھ اور وزن نہ ہو۔

''مفردون'' سے کون لوگ مراد ہیں؟

ترمذی کی مذکورہ حدیث کی کچھ تفصیل:

صحیح مسلم میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک دفعہ مکہ مکرمہ سے صحابہ کرام کے ساتھ تشریف لا رہے تھے، مدینہ منورہ جب قریب آیا تو بعض صحابہ قافلہ سے آگے نکل گئے، تا کہ گھر جلدی پہنچ جائیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے باقی رہنے والوں سے فرمایا کہ یہ جمدان پہاڑ ہے، مدینہ قریب ہے، اس لئے چلتے رہو، کیونکہ ''مفردون'' سبقت کر گئے، یعنی جو لوگ قافلے سے آگے نکلے ہیں، وہ گھر پہنچ گئے ہیں، صحابہ نے پوچھا کہ مفردون کون ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: المستھترون فی ذکر اللہ....، آپ کے جواب کا منشا اور حاصل یہ ہے کہ تم ان کے بارے میں کیا پوچھتے ہو، جو ہم سے آگے مدینہ پہنچ چکے ہیں، یہ تو ظاہر بات ہے، اصل مفردین وہ لوگ ہیں، جو ہر وقت اللہ تعالیٰ کے ذکر میں مشغول رہیں، کسی بات اور تنقید کی پرواہ کئے بغیر ذکر اللہ میں محو ہوں، اس کے شیدائی ہوں، یہ ذکر قیامت کے دن ذاکرین کے گناہوں کے بوجھ کو ختم یا کم کردے گا، یوں وہ بوجھ سے ہلکے ہو کر آئیں گے، (۱)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ذکر الٰہی سے آدمی کے گناہ معاف ہوجاتے ہیں، گناہوں کے بوجھ اس کے کندھوں سے اتار لئے جاتے ہیں، اس لئے یہ کوشش کی جائے کہ ہمارا کوئی وقت گناہ میں صرف نہ ہو، بلکہ اللہ کے ذکر اور دین کی خدمت میں مشغول رہے، اللہ تعالیٰ ہمیں بھی اپنے فضل سے ذاکرین میں شامل فرمائے، آمین۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَأَنْ أَقُولَ سُبْحَانَ اللّٰهِ، وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ، وَلَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ أَكْبَرُ، أَحَبُّ إِلَيَّ مِمَّا طَلَعَتْ عَلَيْهِ الشَّمْسُ. (۲)

---

(۱) تکملۃ فتح الملہم ۵/۵۳۵، کتاب الذکر والدعاء، باب الحث علی ذکر اللہ، مرقاۃ المفاتیح ۵/۱۳۸، کتاب الدعوات باب ذکر اللہ عز وجل، رقم: ۲۲۶۲۔

(۲) الصحیح لمسلم، کتاب الذکر، باب فضل التہلیل، رقم: ۲۶۹۵۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میرا یہ کہنا: سبحان اللہ والحمد للہ ولا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر مجھے ان تمام چیزوں سے زیادہ محبوب ہے، جن پر سورج طلوع ہوتا ہے۔

دنیا و مافیہا سے زیادہ محبوب ایک ذکر

نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ یہ چار کلمات سبحان اللہ ... مجھے ان تمام چیزوں سے زیادہ محبوب ہیں جن پر سورج طلوع ہوتا ہے، یعنی دنیا اور اس میں جو کچھ ہے ان تمام چیزوں سے یہ ذکر زیادہ فضیلت والا ہے، اس لئے کثرت سے اسے پڑھنے کا معمول بنانا چاہیے۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ثَلَاثَةٌ لَا تُرَدُّ دَعْوَتُهُمْ: الصَّائِمُ حَتَّى يُفْطِرَ، وَالإِمَامُ العَادِلُ، وَدَعْوَةُ المَظْلُومِ يَرْفَعُهَا اللهُ فَوْقَ الغَمَامِ، وَيَفْتَحُ لَهَا أَبْوَابَ السَّمَاءِ، وَيَقُولُ الرَّبُّ: وَعِزَّتِي لَأَنْصُرَنَّكَ وَلَوْ بَعْدَ حِينٍ.(۱)

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تین آدمیوں کی دعا کو رد نہیں کیا جاتا (یعنی ان کی دعا ضرور قبول ہوتی ہے): روزے دار جب وہ افطار کرتا ہے، اور عدل و انصاف کرنے والا حاکم اور مظلوم کی بددعا، اللہ تعالیٰ اس کی بددعا کو بادلوں سے اوپر اٹھاتے ہیں اور اس دعا کے لئے آسمان کے دروازے کھول دیتے ہیں اور پروردگار اللہ فرماتے ہیں: مجھے میری عزت کی قسم: میں ضرور تمہاری مدد کروں گا اگرچہ کچھ عرصہ بعد ہی ہو (یعنی کسی مصلحت سے اس کی مدد میں دیر ہو سکتی ہے، مگر میں اس کی بددعا کو قبول تو فوراً کر لیتا ہوں)

مشکل الفاظ کے معنیٰ: غمام: (غین پر زبر) غمامۃ کی جمع ہے: بادل ویفتح لھا: اور اللہ تعالیٰ اس بددعا کے لیے (آسمان کے دروازے) کھول دیتے ہیں، وعزتی: میری عزت کی قسم۔

تین آدمیوں کی دعا رد نہیں کی جاتی

اس حدیث میں نبی کریم ﷺ نے ان تین افراد کا ذکر کیا ہے، جن کی دعا کو اللہ جل جلالہ ضرور قبول فرماتے ہیں، اس حدیث سے متعلق مزید تفصیل کے لئے دیکھئے: معارف ترمذی جلد دوم، ابواب صفۃ الجنۃ، باب ما جاء فی صفۃ الجنۃ و نعیمھا، عنوان: "تین افراد کی دعا کو ضرور قبول کیا جاتا ہے"۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: اللَّهُمَّ انْفَعْنِي بِمَا عَلَّمْتَنِي، وَعَلِّمْنِي مَا يَنْفَعُنِي،

---

(۱) سنن ابن ماجۃ، الصیام، باب الصائم لا ترد دعوتہ، رقم: ۱۷۵۲۔

وَزِدْنِي عِلْمًا، الحَمْدُ لِلَّهِ عَلَى كُلِّ حَالٍ، وَأَعُوذُ بِاللَّهِ مِنْ حَالِ أَهْلِ النَّارِ.(۱)

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے یہ دعا فرمائی: اے اللہ مجھے اس علم سے نفع پہنچا، جو تو نے مجھے سکھایا ہے، اور مجھے وہ علم سکھا، جو مجھے فائدہ پہنچائے، اور میرے علم میں اضافہ فرما، اور ہر حال میں تمام تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہیں، اور میں دوزخیوں کے حال سے اللہ کی پناہ مانگتا ہوں۔

علم نافع کی دعا

مذکورہ حدیث سے درج ذیل امور ثابت ہوتے ہیں:

- اللہ تعالیٰ سے علم نافع کی دعا کی جائے، علم نافع سے دینی علم مراد ہوتا ہے، جسے پڑھ کر انسان عمل کرے، تاکہ آخرت میں اسے فائدہ ہو، اور اگر علم پڑھنے کے بعد اس پر عمل نہ ہو، تو یہ جہالت ہے، ایسا علم انسان کے لئے الٹا وبال جان ثابت ہوگا۔
- وہ علم ودانش جس کا آخرت میں کوئی فائدہ نہ ہو، اسے نہ سیکھا جائے، اس میں بلاوجہ وقت ہی ضائع ہوتا ہے۔
- سنت یہ ہے کہ اللہ جل شانہ سے مزید علم کی انسان دعا مانگتا رہے، مثلاً یوں کہے: رَبِّ زِدْنِي عِلْماً۔
- جو علم اور نعمتیں اللہ تعالیٰ نے اسے عطا فرمائی ہیں، ان پر تہ دل سے اللہ کا شکر ادا کیا جائے۔
- اہل جہنم کی صفات اور جہنم سے پناہ مانگی جائے، یعنی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اور گناہوں سے بچنے کی خاص دعا کی جائے اور ان سے بچنے کا مکمل اہتمام بھی کیا جائے۔(۲)

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَوْ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنَّ لِلَّهِ مَلَائِكَةً، سَيَّاحِينَ فِي الأَرْضِ، فُضْلًا عَنْ كُتَّابِ النَّاسِ، فَإِذَا وَجَدُوا أَقْوَامًا، يَذْكُرُونَ اللَّهَ تَنَادَوْا: هَلُمُّوا إِلَى بُغْيَتِكُمْ، فَيَجِيئُونَ فَيَحُفُّونَ بِهِمْ إِلَى سَمَاءِ الدُّنْيَا، فَيَقُولُ اللَّهُ: أَيَّ شَيْءٍ تَرَكْتُمْ عِبَادِي يَصْنَعُونَ، فَيَقُولُونَ: تَرَكْنَاهُمْ يَحْمَدُونَكَ، وَيُمَجِّدُونَكَ، وَيَذْكُرُونَكَ، قَالَ: فَيَقُولُ: فَهَلْ رَأَوْنِي، فَيَقُولُونَ: لَا، قَالَ: فَيَقُولُ: فَكَيْفَ لَوْ رَأَوْنِي؟ قَالَ: فَيَقُولُونَ: لَوْ رَأَوْكَ لَكَانُوا أَشَدَّ تَحْمِيدًا، وَأَشَدَّ تَمْجِيدًا، وَأَشَدَّ لَكَ ذِكْرًا، قَالَ: فَيَقُولُ: وَأَيَّ شَيْءٍ يَطْلُبُونَ؟ قَالَ: فَيَقُولُونَ: يَطْلُبُونَ الجَنَّةَ، قَالَ: فَيَقُولُ: وَهَلْ رَأَوْهَا؟ قَالَ: فَيَقُولُونَ: لَا، فَيَقُولُ: فَكَيْفَ لَوْ رَأَوْهَا؟ قَالَ: فَيَقُولُونَ: لَوْ رَأَوْهَا؟ لَكَانُوا أَشَدَّ لَهَا طَلَبًا، وَأَشَدَّ عَلَيْهَا حِرْصًا، قَالَ: فَيَقُولُ: فَمِنْ أَيِّ شَيْءٍ يَتَعَوَّذُونَ؟ قَالُوا: يَتَعَوَّذُونَ مِنَ النَّارِ، قَالَ: فَيَقُولُ: وَهَلْ رَأَوْهَا؟ فَيَقُولُونَ: لَا، فَيَقُولُ: فَكَيْفَ لَوْ رَأَوْهَا؟ فَيَقُولُونَ: لَوْ رَأَوْهَا لَكَانُوا مِنْهَا أَشَدَّ هَرَبًا، وَأَشَدَّ مِنْهَا خَوْفًا، وَأَشَدَّ مِنْهَا تَعَوُّذًا، قَالَ:

---

(۱) سنن ابن ماجة، المقدمة، باب الانتفاع بالعلم، رقم: ۲۵۱۔

(۲) تحفة الاحوذی ۱۰/۵۷۔

فَيَقُولُ: فَإِنِّي أُشْهِدُكُمْ أَنِّي قَدْ غَفَرْتُ لَهُمْ، فَيَقُولُونَ: إِنَّ فِيهِمْ فُلَانًا الخَطَّاءَ لَمْ يُرِدْهُمْ، إِنَّمَا جَاءَهُمْ لِحَاجَةٍ، فَيَقُولُ: هُمُ القَوْمُ، لَا يَشْقَى لَهُمْ جَلِيسٌ. (۱)

حضرت ابو ہریرہؓ یا حضرت ابوسعید خدری (راوی کو شک ہے) سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: یقیناً اللہ جل جلالہ کے کچھ ایسے فرشتے ہیں، جو ہر وقت زمین پر پھرتے رہتے ہیں، جو لوگوں کے اعمال لکھنے والے فرشتوں کے علاوہ ہیں، جب وہ ایسے لوگوں کو پاتے ہیں، جو اللہ جل جلالہ کو یاد کررہے ہوتے ہیں، تو وہ آپس میں ایک دوسرے کو پکارتے ہیں کہ ادھر آجاؤ اپنے مقصود کی طرف، چنانچہ وہ آتے ہیں اور ذکر کرنے والوں کو آسمان دنیا تک گھیر لیتے ہیں، (پھر جب ذاکرین منتشر ہوجائیں تو یہ فرشتے آسمان پر چلے جاتے ہیں) اللہ تعالیٰ ان سے پوچھتے ہیں: تم نے میرے بندوں کو کیا کام کرتے ہوئے چھوڑا ہے، وہ جواب دیتے ہیں: ہم نے ان کو اس حال میں چھوڑا ہے کہ وہ آپ کی تعریف کررہے تھے، آپ کی عظمت اور بڑائی بیان کررہے تھے اور آپ کو یاد کررہے تھے۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ کیا انہوں نے مجھے دیکھا ہے؟ فرشتے عرض کرتے ہیں: نہیں، نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اگر وہ لوگ مجھے دیکھ لیں، تو ان کا کیا حال ہوتا، نبی کریم ﷺ نے فرمایا: فرشتے کہتے ہیں: اگر وہ آپ کو دیکھ لیتے تو اور زیادہ آپ کی تعریف کرتے، اور زیادہ آپ کی بزرگی بیان کرتے، اور زیادہ آپ کو یاد کرتے، نبی کریم ﷺ نے فرمایا: پھر اللہ تعالیٰ پوچھتے ہیں: وہ لوگ کونسی چیز طلب کر رہے تھے یعنی کیا مانگ رہے تھے؟ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: فرشتے جواب دیتے ہیں: وہ جنت مانگ رہے ہیں، نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: کیا انہوں نے جنت کو دیکھا؟ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: فرشتے کہتے ہیں: نہیں، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: اگر وہ جنت کو دیکھ لیتے تو ان کا کیا حال ہوتا؟ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: فرشتے کہتے ہیں: اگر وہ جنت کو دیکھ لیتے تو وہ اور زیادہ اسے طلب کرتے اور زیادہ اس کی حرص اور تمنا کرتے۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: وہ کس چیز سے پناہ مانگتے ہیں: فرشتے کہتے ہیں: وہ دوزخ سے پناہ چاہتے ہیں، اللہ تعالیٰ پوچھتے ہیں: کیا ان لوگوں نے جہنم کو دیکھا ہے؟ فرشتے کہتے ہیں: نہیں، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: اگر وہ جہنم کو دیکھ لیتے تو ان کا کیا حال ہوتا؟ فرشتے کہتے ہیں: اگر وہ جہنم کو دیکھ لیں تو وہ اس سے بہت زیادہ بھاگیں، اور بہت زیادہ اس سے ڈریں اور پہلے سے کہیں زیادہ اس سے پناہ مانگیں، نبی کریم ﷺ نے فرمایا: پھر اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: میں تمہیں اس بات کا گواہ بناتا ہوں کہ میں نے ان تمام لوگوں کی مغفرت کردی، فرشتے عرض کرتے ہیں: ان میں فلاں شخص بھی ہے، جو بڑا خطاکار ہے، وہ ان میں ذکر کے ارادے سے نہیں آیا، وہ ان کے پاس اپنے کسی کام کی وجہ سے آیا ہے (تو کیا اس کی بھی مغفرت ہوگئی) اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ذکر کرنے والے ایسے لوگ ہیں

---

(۱) الصحیح للبخاری، الدعوات، باب فضل ذکر اللہ، رقم: ۶۴۰۸۔

کہ ان کے ساتھ بیٹھنے والا بھی بد بخت یعنی محروم نہیں ہوتا (اس لئے میں نے اس خطا کار کو بھی بخش دیا ہے)۔

مشکل الفاظ کے معنی: سیاحین: سیاح کی جمع ہے: چلنے پھرنے والے، فضلا: امام نووی فرماتے ہیں کہ اس لفظ کو پانچ طرح سے پڑھا جاسکتا ہے: (۱) فاء اور ضاد دونوں پر پیش پڑھا جائے، (۲) فاء پر پیش اور ضاد ساکن، بعض نے اس طرح پڑھنے کو راجح قرار دیا ہے، (۳) فا پر زبر اور ضاد ساکن، (۴) فاء اور ضاد پر پیش ہو، اور لام پر پیش ہو، اس صورت میں حدیث میں یہ لفظ مبتدا محذوف کی خبر ہوگا، (۵) اس لفظ کو فضلاء ہمزے کے ساتھ پڑھا جائے، اس صورت میں یہ فاضل کی جمع ہوگا، اس لفظ کو جس طرح بھی پڑھا جائے، ترجمہ اس کا بہر حال ایک ہی ہے: زائد یعنی وہ فرشتے، حفاظتی فرشتوں کے علاوہ اضافی فرشتوں کی جماعت ہے، جو دنیا میں گھومتی رہتی ہے، کتاب الناس: (کاف پر پیش اور تاء پر زبر و تشدید) کاتب کی جمع ہے: لوگوں کے اعمال لکھنے والے فرشتے، تنادوا: وہ فرشتے ایک دوسرے کو بلاتے ہیں، ھلموا: (اسم فعل) ادھر آجاؤ، بغیۃ: (با پر پیش اور غین ساکن) مطلوب و مقصود، یحفون: وہ فرشتے گھیر لیتے ہیں، یمجدونک: وہ آپ کی بزرگی بیان کر رہے ہیں، قال، فیقول: اس میں قال کی ضمیر نبی کریم ﷺ اور یقول کی ضمیر اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹ رہی ہے، أشد تمجیدا: اور زیادہ بزرگی بیان کرتے، فلاں خطاء: فلانا سے مخصوص آدمی کا نام مراد ہے، اس لئے خطاء اس کی صفت ہے، فلاں گنہگار، فلاں خطا کار، لم یردھم: وہ آدمی ان کے پاس ذکر کے ارادے سے نہیں آیا۔(۱)

ذکر کرنے والوں کے لیے فرشتوں کی ایک خصوصی جماعت

مذکورہ حدیث سے درج ذیل امور ثابت ہوتے ہیں:

۱۔ انسانوں کے اعمال لکھنے والے فرشتے یعنی کراما کاتبین کے علاوہ کچھ فرشتے، ہر وقت زمین پر پھرتے رہتے ہیں، جب وہ ذکر کرنے والے لوگوں کو دیکھتے ہیں، تو آپس میں ایک دوسرے سے کہتے ہیں: ادہر آجاؤ، یہاں ہے ہمارا مقصود، پھر وہ ان کو آسمان تک گھیر لیتے ہیں، اس سے ذاکرین کی فضیلت ثابت ہوتی ہے۔

۲۔ جب ذاکرین کی مجلس برخاست ہوتی ہے، تو فرشتے آسمان پر چلے جاتے ہیں، اور پھر اللہ تعالیٰ ان سے وہ سوال وجواب کرتے ہیں، جو حدیث میں مذکور ہیں۔

اللہ تعالیٰ فرشتوں سے کیوں پوچھتے ہیں کہ تم لوگوں نے میرے بندوں کو کس حالت پر چھوڑا ہے.....، حالانکہ اللہ جل جلالہ کو سب کچھ کا علم ہے، وہ عالم الغیب ہیں، دل کے بھید سے بھی واقف ہیں، اس لیے پوچھتے ہیں تاکہ فرشتوں کے سامنے انسان کا مقام ظاہر ہو جائے کہ گناہوں کی خواہشات اور شیطانی جذبات کے باوجود، وہ میری تسبیح و تکبیر اور ذکر کر رہے ہیں، کیونکہ فرشتوں نے انسان کی تخلیق کے مشورے کے موقع پر یہ کہا تھا: أتجعل فیھا من یفسد فیھا و یسفک الدماء و نحن نسبح

(۱) شرح مسلم للنووی ۲/۳۴۴، کتاب الذکر، باب فضل مجالس الذکر، رقم: ۲۶۸۹۔

بحمدک ونقدس لک، (ترجمہ: فرشتے کہنے لگے: کیا آپ زمین میں ایسے لوگوں کو پیدا کریں گے جو اس میں فساد کریں گے اور خون ریزیاں کریں گے، اور ہم آپ کی تعریف کے ساتھ ہر وقت تسبیح کرتے رہتے ہیں، اور آپ کی پاکی بیان کرتے رہتے ہیں)۔(۱)

۲۔ بلاشبہ حدیث میں ذکر کرنے والوں کی فضیلت کا بیان ہے، لیکن حدیث میں "اہل ذکر یا ذاکرین" سے کون سے لوگ مراد ہیں؟ کیا اس سے صرف وہی لوگ مراد ہیں، جو اللہ جل جلالہ کا زبان سے ذکر کرتے ہیں یعنی تسبیح وتحمید، تکبیر اور لاحول ولاقوۃ... وغیرہ پڑھتے ہیں یا ان میں وہ تمام لوگ شامل ہیں، جو دینی علوم پڑھتے یا پڑھاتے ہیں، یعنی کوئی بھی نیکی کا کام کرنے والا، ان میں داخل ہے؟ اس بارے میں شارحین حدیث کے دو قول ہیں:

۞ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ذاکرین سے صرف مخصوص وہی لوگ مراد ہیں، جو اللہ جل جلالہ کی تسبیح وتقدیس وغیرہ کرتے ہیں، ان میں عموم مراد نہیں گو کہ لغوی معنیٰ کے لحاظ سے تمام نیکی کے کام ذکر اللہ کے مفہوم میں داخل ہیں، لیکن یہاں حدیث میں صرف ذکر کرنے والے ہی مراد ہیں۔(۲)

۞ علامہ عینی رحمہ اللہ کا کہنا یہ ہے کہ اس میں عموم مراد ہے، لہذا ان کے نزدیک اس فضیلت میں جس طرح ذاکرین داخل ہیں، اسی طرح تمام نیکی کے کام کرنے والے بھی ان میں داخل ہیں، خواہ وہ نماز پڑھ رہے ہوں، یا قرآن مجید کی تلاوت میں مشغول ہوں یا دینی تعلیم میں لگے ہوئے ہوں، علامہ عینی فرماتے ہیں کہ حدیث میں ذکر کی تسبیحات بطور مثال کے ہیں، لہذا اس سے عموم ہی مراد ہے۔(۳)

۳۔ ذکر کرنے والوں کی مجلس میں اگر ایسا کوئی بندہ بھی شامل ہوجائے، جو ذکر کے ارادے سے نہیں آیا، اپنے کسی کام کی وجہ سے ادھر آیا ہے، تو اللہ تعالیٰ اس پر بھی رحم فرمادیتے ہیں، اگرچہ وہ کتنا ہی بڑا خطا کار اور گنہگار ہو، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں ان کے ساتھ بیٹھنے والے کو بھی اپنی رحمت سے محروم نہیں کرتا، چنانچہ اس کی بھی مغفرت کردی جاتی ہے۔

۴۔ اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ فرشتے اللہ کے نیک بندوں کے ساتھ بہت محبت کرتے ہیں۔

۵۔ یہ بھی جائز ہے کہ سائل سب کچھ جاننے کے باوجود کسی جائز غرض کی وجہ سے دوسرے سے پوچھے، جس طرح حدیث میں اللہ جل جلالہ فرشتوں سے انسانوں کے بارے میں پوچھ رہے ہیں، حالانکہ اللہ تعالیٰ کو ہر چیز کا علم ہے، تاکہ فرشتوں کے سامنے انسان کا مقام، شرف اور مرتبہ ظاہر ہوجائے، لہذا استاذ اپنے شاگرد سے، باپ اپنے بیٹے سے اور شیخ اپنے مرید سے کسی جائز مقصد کی

---

(۱) تحفۃ الاحوذی ۱۰/۵۹۔

(۲) فتح الباری ۱۱/۲۵۴، کتاب الدعوات باب فضل ذکر اللہ تعالی۔

(۳) عمدۃ القاری ۲۳/۲۷، کتاب الدعوات باب فضل ذکر اللہ تعالی۔

بنیاد پر سوال کرسکتا ہے، اس میں کوئی ممانعت نہیں۔(۱)

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ لِي رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَكْثِرْ مِنْ قَوْلِ: لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللهِ، فَإِنَّهَا مِنْ كَنْزِ الْجَنَّةِ، قَالَ مَكْحُولٌ، فَمَنْ قَالَ: لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللهِ وَلَا مَنْجَى مِنَ اللهِ إِلَّا إِلَيْهِ: كَشَفَ عَنْهُ سَبْعِينَ بَابًا مِنَ الضُّرِّ، أَدْنَاهُنَّ الْفَقْرُ.(۲)

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم کثرت سے لاحول ولا قوۃ الا باللہ (گناہ سے بچنے کی طاقت اور نیکی کرنے کی توفیق صرف اللہ جل جلالہ ہی کی طرف سے حاصل ہوتی ہے) پڑھا کرو، کیونکہ یہ کلمہ جنت کے خزانوں میں سے ایک خزانہ ہے۔

مکحول راوی کہتے ہیں کہ جو شخص یہ پڑھے: لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللهِ وَلَا مَنْجَى مِنَ اللهِ إِلَّا إِلَيْهِ (گناہ سے بچنے کی قدرت اور نیکی کی ہمت اللہ ہی کی طرف سے عطا ہوتی ہے، اور اللہ جل جلالہ کے عذاب اور ناراضگی سے نجات کا راستہ اس کے سوا اور کوئی نہیں کہ اسی کی طرف رجوع کیا جائے) اللہ تعالیٰ اس سے ضرر ونقصان کے ستر دروازے یعنی ضرر کی ستر انواع واقسام دور کردیتے ہیں، ان میں سب سے ادنیٰ اور کمتر ضرر، فقر وتنگدستی ہے۔

مشکل الفاظ کے معنی: لا منجأ: چھٹکارے اور نجات کی جگہ نہیں، کشف عنه: اللہ تعالیٰ اس سے دور کردیتے ہیں، ادناهن: ان میں سب سے کم درجہ کا ضرر، "هن" ضمیر "سبعين بابا" کی طرف لوٹ رہی ہے۔

لاحول ولاقوۃ... جنت کا ایک خزانہ

اس حدیث میں نبی کریم ﷺ نے یہ تاکید فرمائی ہے کہ تم لوگ کثرت سے لاحول ولاقوۃ الا باللہ پڑھا کرو، یہ جنت کا ایک خزانہ ہے، امام نووی فرماتے ہیں کہ اس کلمے کو خزانہ اس لئے فرمایا ہے کہ اسے پڑھنے سے آدمی کو بہت زیادہ اجر وثواب حاصل ہوتا ہے، جو اس کے لئے آخرت میں ذخیرہ کردیا جاتا ہے، نیز اس کے پڑھنے سے انسان کی توجہ عبادات کی طرف زیادہ ہوتی ہے، لوگوں کے شر اور فساد سے محفوظ رہتا ہے، اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اس جملے سے انسان اللہ جل جلالہ کے سامنے اپنی عجز وانکساری اور بے کسی کو ظاہر کرتا ہے، کہ مجھے جو بھی توفیق حاصل ہوتی ہے گناہ سے بچنے اور نیکی کرنے کی، یہ سب اس کے فضل وکرم سے ہے، میرا اس میں کوئی فضل واستحقاق نہیں، یہ چیز اللہ جل جلالہ کو بہت پسند ہے۔(۳)

حضرت مکحول فرماتے ہیں کہ جو شخص یہ پڑھے لاحول ولاقوۃ الا باللہ لا منجأ من اللہ الا الیہ اللہ تعالیٰ اس کی برکت

---

(۱) تحفۃ الاحوذی ۱۰/۱۷۔

(۲) المستدرک للحاکم ۱/۵۱۷۔

(۳) مرقاۃ المفاتیح ۵/۲۱۶ کتاب الدعوات باب ثواب التسبیح، رقم: ۲۳۰۳۔

سے اس سے ضرر کے ستر دروازے دور کر دیتا ہے یعنی ستر قسم کے ضرر اس کے دور کر دیئے جاتے ہیں، جن میں سب سے کم درجے کا ضرر فقر و تنگدستی ہے، اس سے معلوم ہوا کہ اس کو پڑھنے سے انسان نقصان دہ چیزوں سے محفوظ ہو جاتا ہے، اور اس سے فقر و فاقہ اور تنگدستی کو بھی ختم کر دیا جاتا ہے، اللہ تعالیٰ ہمیں یہ جملہ کثرت سے پڑھنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔(۱)

حضرت مکحول کی روایت اگرچہ منقطع ہے، لیکن اس کا معنیٰ اور مفہوم درست ہے۔(۲)

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لِكُلِّ نَبِيٍّ دَعْوَةٌ مُسْتَجَابَةٌ، وَإِنِّي اخْتَبَأْتُ دَعْوَتِي شَفَاعَةً لِأُمَّتِي، وَهِيَ نَائِلَةٌ إِنْ شَاءَ اللَّهُ، مَنْ مَاتَ مِنْهُمْ لَا يُشْرِكُ بِاللَّهِ شَيْئًا۔(۳)

حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر نبی کی ایک (اختیاری) دعا ضرور قبول کی جاتی ہے، اور میں نے اپنی دعا اپنی امت کی شفاعت کے لئے محفوظ رکھی ہے، اور یہ دعا، ان شاء اللہ، میری امت میں سے ہر اس شخص کو پہنچے گی، جو اس حال میں مرا ہو کہ وہ اللہ کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہیں ٹھہراتا تھا۔

مشکل الفاظ کے معنیٰ: مستجابة: اس دعا کو قبول کیا جائے گا، اختبأت: (صیغہ متکلم) میں نے محفوظ رکھا، میں نے اسے چھپا کر رکھا، وھی نائلة: یہ دعا پہنچے گی، ملے گی، من مات: یہ ترکیب کے لحاظ سے "نائلة" کا مفعول بہ بن رہا ہے، اور انشاء اللہ جملہ معترضہ ہے۔

ہر نبی کی ایک دعا ضرور قبول ہوتی ہے

اللہ جل جلالہ کی یہ سنت ہے کہ وہ ہر نبی کی ایک دعا کو ضرور قبول کرتے ہیں، وہ دعا نبی کے اختیار میں ہوتی ہے، خواہ وہ اپنی امت کی دعا میں اسے استعمال کرے یا اس کے لئے بددعا کرے اور اس خاص دعا کے علاوہ نبی کی باقی دعائیں بعض قبول اور بعض رد بھی ہو جاتی ہیں، لیکن اس ایک دعا کا قبول ہونا یقینی ہوتا ہے، چنانچہ گذشتہ انبیاء کرام میں سے بعض نے اپنی امتوں کے خلاف بددعا کر دی، جب ان لوگوں نے انہیں بہت تنگ کر دیا، مثلاً حضرت نوح علیہ السلام نے، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اور حضرت صالح علیہ السلام نے.... لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس خاص دعا کو دنیا میں استعمال نہیں کیا، بلکہ اسے آخرت کے لئے محفوظ رکھا کہ میری امت میں جو بھی شخص مخلص مؤمن ہوگا، ایمان پر ہی اس کا انتقال ہوا، اور وہ ساری زندگی عقیدہ توحید پر رہا، کبھی اس نے شرک نہیں کیا، تو میں ایسے لوگوں کے لئے شفاعت کی دعا کروں گا، جس کو قبول کر لیا جائے گا۔(۴)

---

(۱) تحفة الاحوذی ۱۰/۲۲

(۲) مرقاة المفاتیح ۵/۲۲۹

(۳) الصحیح لمسلم، الایمان، باب اختباء النبی صلی اللہ علیہ وسلم، رقم: ۳۳۸۔

(۴) شرح مسلم للنووی ۱/۱۱۲، کتاب الایمان، باب اثبات الشفاعة و اخراج الموحدین من النار، فتح الملهم ۲/۵۲۷، رقم الحدیث: ۴۹۷۔

ابن بطال فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے تمام انبیاء پر نبی کریم ﷺ کی فضیلت و برتری ثابت ہوتی ہے کہ آپ ﷺ نے اس دعا کو اپنی ذات، اپنے اہل بیت اور خاندان کے لئے اسے استعمال نہیں کیا، بلکہ پوری امت کے لئے اسے محفوظ رکھا، تاکہ قیامت کے دن گنہگار امتیوں کی آپ سفارش کرسکیں جسے ضرور قبول کرلیا جائے گا، اللہ تعالیٰ محض اپنے فضل وکرم سے ہمیں بھی نبی کریم ﷺ کی شفاعت نصیب فرمائیں، آمین یارب العالمین۔(۱)

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: يَقُولُ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ: أَنَا عِنْدَ ظَنِّ عَبْدِي بِي، وَأَنَا مَعَهُ حِينَ يَذْكُرُنِي، فَإِنْ ذَكَرَنِي فِي نَفْسِهِ، ذَكَرْتُهُ فِي نَفْسِي، وَإِنْ ذَكَرَنِي فِي مَلَإٍ، ذَكَرْتُهُ فِي مَلَإٍ خَيْرٍ مِنْهُمْ، وَإِنِ اقْتَرَبَ إِلَيَّ شِبْرًا، اقْتَرَبْتُ مِنْهُ ذِرَاعًا، وَإِنِ اقْتَرَبَ إِلَيَّ ذِرَاعًا، اقْتَرَبْتُ إِلَيْهِ بَاعًا، وَإِنْ أَتَانِي يَمْشِي، أَتَيْتُهُ هَرْوَلَةً.(۲)

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اللہ جل جلالہ فرماتے ہیں: میں اپنے بندے کے اس گمان کے پاس ہوں، جو اس کا میرے ساتھ ہے، اور میں اس کے ساتھ ہوتا ہوں، جب وہ مجھے یاد کرتا ہے، چنانچہ اگر وہ مجھے اپنے دل میں یاد کرتا ہے، تو میں بھی اسے اپنے دل میں یاد کرتا ہوں، اور اگر وہ مجھے کسی جماعت میں یاد کرتا ہے تو میں اسے ایک ایسی جماعت کے سامنے یاد کرتا ہوں، جو ان سے بہتر ہے، (یعنی مقرب فرشتوں کی جماعت کے سامنے) اور اگر وہ ایک بالشت میرے قریب ہوتا ہے (اعمال صالحہ کے ذریعہ) تو میں ایک ہاتھ اس کے نزدیک ہوتا ہوں، اور اگر وہ ایک ہاتھ میرے نزدیک ہوتا ہے، تو میں دو ہاتھ اس کے قریب ہوتا ہوں، اور اگر وہ میرے پاس چل کر آتا ہے، تو میں اس کے پاس دوڑ کر آتا ہوں۔

مشکل الفاظ کے معنیٰ: ذکرنی فی نفسه: مجھے اپنے دل میں یعنی چھپ کر یاد کرے، ملاء: (میم اور لام پر زبر) جماعت، شبر: (شین کے نیچے زیر اور باء ساکن) بالشت، ذراع: کہنی تک ہاتھ، باع: دو ہاتھ کے پھیلاؤ کا فاصلہ، هرولة: دوڑنا، لپکنا یعنی عام چال اور دوڑنے کے درمیان کی چال۔

اللہ سے حسن ظن رکھنے کا حکم

مذکورہ حدیث سے درج ذیل امور ثابت ہوتے ہیں:

۱۔ حدیث کے اس جملے: انا عند ظن عبدی بی (میں اپنے بندے کے گمان کے قریب ہوں) کا مطلب یہ ہے کہ میرا بندہ میرے بارے میں جس قسم کا گمان رکھتا ہے، میں اس کے ساتھ اسی طرح کا معاملہ کرتا ہوں، اگر وہ مجھ سے معافی کی امید رکھتا

(۱) فتح الباری ۱۱/۱۱۶، کتاب الدعوات، باب لکل نبی دعوة مستجابة، رقم: ۶۳۰۴۔
(۲) الصحیح للبخاری، کتاب التوحید، باب قول الله: ویحذرکم الله، رقم: ۷۴۰۵۔

ہے تو میں اسے معاف کر دیتا ہوں، اور اگر وہ میرے عذاب کا گمان رکھتا ہے تو میں اسے عذاب دے دیتا ہوں، اس ارشاد کے ذریعہ یہ ترغیب دی جا رہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اس کے فضل و کرم کی امید اس کے عذاب کے خوف پر غالب ہونی چاہیے۔

لہذا ہر مسلمان کو اللہ جل جلالہ کے بارے میں اچھا گمان رکھنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ میرے ساتھ جو معاملہ بھی فرماتے ہیں، وہ سو فیصد میرے لیے بہتر ہوتا ہے، خواہ اس کی مصلحت اور حکمت مجھے سمجھ میں آئے یا نہ آئے، اللہ کے فیصلے پر اعتراض اور گلے شکوے کرنا ایک مومن کی شان کے سراسر خلاف ہے، اس سے مکمل احتراز کرنا چاہیے، ایمان کامل کا تقاضا تو یہ ہے کہ اللہ کے احکام کے مطابق زندگی گذاری جائے اور اس کے احسانات کو سامنے رکھ کر ہر وقت اس کے بارے میں اچھا گمان ہی رکھا جائے۔

۲۔ جو شخص اللہ تعالیٰ کو دل ہی دل میں یعنی خفیہ طریقے سے یاد کرتا ہے، تو اللہ تعالیٰ بھی اسے اسی طرح خفیہ طور پر اجر و ثواب اور رحمت کے ساتھ یاد کرتا ہے، اور اسے اس قدر ثواب دیا جاتا ہے جس پر کوئی مطلع بھی نہیں ہو سکتا، اور جو شخص اللہ کو لوگوں کے سامنے یاد کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے مقرب فرشتوں کے سامنے یاد کرتا ہے اور جو شخص جس قدر جذبے اور اخلاص سے اللہ کا قرب حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے، اللہ تعالیٰ بھی اسی طرح اس کے قریب ہو جاتا ہے۔

۳۔ ذکرته في ملاء خير منهم (میں اسے ایسی جماعت میں یاد کرتا ہوں جو ان سے بہتر ہے) اس جماعت سے بظاہر فرشتوں کی جماعت مراد ہے، اسی وجہ سے معتزلہ اور بعض دیگر حضرات یہ فرماتے ہیں کہ فرشتے انسانوں سے افضل ہیں، جبکہ جمہور اہل سنت کا موقف یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام تمام فرشتوں سے افضل ہیں، اور امت کے صلحاء و اولیاء اکثر حضرات کے نزدیک عام فرشتوں سے افضل ہیں، اس پر سب سے مضبوط دلیل فرشتوں کا حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنا ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ حدیث کے اس جملے فی ملاء خیر منہم سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ فرشتے انسانوں سے مطلقاً افضل ہیں، جبکہ جمہور کا یہ موقف نہیں ہے، اس لیے شارحین حدیث نے اس حدیث کی مختلف تاویلیں ذکر کی ہیں، جن میں سے تین کی تفصیل درج ذیل ہے:

۞ حدیث میں "ملاء خیر" سے فرشتوں اور انبیاء کا مجموعہ مراد ہے، مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس بندے کو انسانوں سے بہتر جماعت یعنی فرشتوں اور انبیاء کی جماعت میں اسے یاد کرتے ہیں، اور انبیاء چونکہ تمام انسانوں سے بہتر ہوتے ہیں، اس لیے اس جماعت کو "بہتر جماعت" کہا گیا ہے۔

۞ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس جماعت کو ملاء خیر یعنی بہتر جماعت اس وجہ سے کہا گیا کہ اس میں فرشتوں کے ساتھ اللہ جل جلالہ خود بھی موجود ہیں، ظاہر ہے کہ جس جماعت میں اللہ جل جلالہ خود موجود ہوں، وہ اس جماعت سے ہر لحاظ سے بہتر ہوتی ہے، جس میں اللہ تعالیٰ موجود نہ ہوں، گویا مجموعی حیثیت سے اسے بہتر جماعت کہا گیا ہے۔

۞ بعض حضرات فرماتے ہیں کہ حدیث کے اس جملے یعنی فی ملاء خیر اور جمہور کے موقف میں تعارض نہیں، کیونکہ یہاں دو الگ الگ باتیں ہیں، ایک ہے: فرشتوں کا انسانوں سے بہتر ہونا اور دوسری بات ہے: انسانوں کا فرشتوں سے افضل ہونا، ان میں

تعارض اس لیے نہیں کہ دونوں کی جہتیں الگ ہیں، فرشتے انسانوں سے اپنی پیدائش کے لحاظ سے بہتر ہیں کہ وہ نورانی مخلوق ہیں، ان میں اللہ کی نافرمانی اور گناہ کرنے کی ہمت اور طاقت وصلاحیت ہی نہیں، وہ ہر وقت اللہ جل جلالہ کی تسبیح وتقدیس میں مشغول رہتے ہیں، جبکہ انسان میں اللہ تعالیٰ نے خیر اور شر دونوں طرح کے کاموں کی صلاحیت اور قدرت رکھی ہے، جب وہ نفس وشیطان کے تقاضوں کے خلاف اللہ کا حکم بجالاتا ہے، اس کی نافرمانی سے بچتا ہے تو یہ اس مخلوق یعنی فرشتوں سے افضل ہوجاتا ہے جس میں گناہ اور شر کے امور کرنے کی صلاحیت نہیں، اس لیے جمہور اہل سنت یہ فرماتے ہیں کہ امت کے اولیاء، صلحاء اور نیک لوگ اللہ کے ہاں عام فرشتوں سے زیادہ فضیلت والے ہیں۔(۱)

۴۔ امام نووی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث ''احادیث الصفات'' کے قبیل سے ہے، اس میں اللہ جل جلالہ کے لیے ''شبر'' ''ذراع'' ''باع'' اور ''ہرولہ'' کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں، حدیث میں ان کے ظاہری معنیٰ مراد نہیں ہیں بلکہ ان سے اللہ جل شانہ کی طاعت اور بندگی مراد ہے، مطلب یہ ہے کہ جو شخص طاعات اور عبادات کے ذریعہ جتنا زیادہ میرا قرب حاصل کرنے کی کوشش کرے گا، میں اسی قدر اس کے قریب ہوجاتا ہوں، یعنی اس کی عبادت سے کہیں زیادہ اسے اجر وثواب عطا کرتا ہوں، اسے مزید نیکیوں کی توفیق دیتا ہوں، اس کی مغفرت کردیتا ہوں، اور اس پر اپنی خصوصی رحمتیں نازل کرتا ہوں۔(۲)

۵۔ حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ حدیث کے اس جملے: ذکرته في ملاء خير منهم کی روشنی میں بعض اہل علم فرماتے ہیں کہ ذکر خفی، ذکر جہری سے بہتر ہے، حدیث کے اس جملے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: اگر بندہ مجھے اپنے دل میں یعنی خفیہ طور پر یاد کرتا ہے تو میں بھی اسے تنہائی میں اس قدر اجر وثواب کے ساتھ یاد کرتا ہوں کہ جس پر کوئی مطلع بھی نہیں ہوسکتا، اور اگر بندہ مجمع میں لوگوں کے سامنے مجھے یاد کرتا ہے تو میں بھی اسے مقرب فرشتوں کے سامنے اجر وثواب کے ساتھ یاد کرتا ہوں، جس پر مقرب فرشتوں کو بھی معلوم ہوجاتا ہے کہ میں کتنا اسے اجر وثواب دے رہا ہوں۔(۳)

۶۔ اس حدیث سے اجتماعی ذکر کا جواز ثابت ہوتا ہے، بشرطیکہ اس میں ریاء ونمود اور دوسرے ایسے مقاصد اور خرافات نہ ہوں، جن کی وجہ سے ایسا اجتماع شرعاً ممنوع ہوجاتا ہے۔(۴)

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: اسْتَعِيذُوا بِاللّٰهِ مِنْ عَذَابِ جَهَنَّمَ، وَاسْتَعِيذُوا بِاللّٰهِ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ، اسْتَعِيذُوا بِاللّٰهِ مِنْ فِتْنَةِ الْمَسِيحِ الدَّجَّالِ، وَاسْتَعِيذُوا بِاللّٰهِ مِنْ فِتْنَةِ الْمَحْيَا وَالْمَمَاتِ.(۵)

---

(۱) فتح الباری ۱۳/۴۷۶، کتاب التوحید، باب قول اللہ: ویحذرکم اللہ نفسه، تکملة فتح الملهم ۵/۵۳۱، کتاب الذکر والدعاء باب الحث علی ذکر اللہ تعالیٰ۔

(۲) شرح مسلم للنووی ۲/۳۴۱، کتاب الذکر والدعاء باب الحث علی ذکر اللہ۔

(۳) فتح الباری ۱۳/۴۷۶، کتاب التوحید باب قول اللہ: ویحذرکم اللہ نفسه۔

(۴) تکملة فتح الملهم ۵/۵۳۳، کتاب الذکر والدعاء باب الحث علی ذکر اللہ۔

(۵) الادب المفرد للبخاری، رقم: ۶۵۰۔

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جہنم کے عذاب سے اللہ کی پناہ مانگا کرو، عذاب قبر سے اللہ کی پناہ طلب کیا کرو، مسیح دجال کے فتنے، زندگی اور موت کے فتنے سے بھی پناہ مانگا کرو۔

پانچ چیزوں سے پناہ مانگنے کا حکم

اس حدیث میں نبی کریم ﷺ نے پانچ چیزوں سے اللہ کی پناہ مانگنے کا حکم دیا ہے، عذاب جہنم، عذاب قبر، دجال کے فتنے، زندگی کے فتنے اور موت کے فتنے اور آزمائش سے، کیونکہ ان چیزوں سے بچنے اور خلاصی کا راستہ صرف اور صرف اللہ جل جلالہ کی پناہ میں ہی ہے، اس کے علاوہ اور کوئی راستہ نہیں، اللہ تعالیٰ محض اپنے فضل سے ہمیں اپنے حفظ و امان میں رکھے، آمین۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: مَنْ قَالَ حِينَ يُمْسِي ثَلَاثَ مَرَّاتٍ: أَعُوذُ بِكَلِمَاتِ اللهِ التَّامَّاتِ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ، لَمْ يَضُرَّهُ حُمَةٌ تِلْكَ اللَّيْلَةَ قَالَ سُهَيْلٌ: فَكَانَ أَهْلُنَا تَعَلَّمُوهَا فَكَانُوا يَقُولُونَهَا كُلَّ لَيْلَةٍ، فَلُدِغَتْ جَارِيَةٌ مِنْهُمْ، فَلَمْ تَجِدْ لَهَا وَجَعًا.(۱)

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو شخص تین مرتبہ یہ دعا پڑھے، جب وہ شام کرے: اعوذ .... (میں اللہ کے کامل کلمات کے ذریعہ، ان تمام مخلوقات کے شر سے پناہ مانگتا ہوں، جن کو اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمایا ہے) تو اس رات کسی جانور کے ڈنگ کا زہر اسے نقصان نہیں پہنچائے گا۔

حدیث کے راوی سہیل کہتے ہیں کہ ہمارے گھر والوں نے یہ دعا سیکھ لی تھی، چنانچہ وہ اسے ہر رات پڑھا کرتے تھے، ایک مرتبہ ان میں سے ایک لڑکی کو ڈس لیا گیا، تو اس نے اس ڈسنے کی وجہ سے کسی درد کو محسوس نہیں کیا۔

مشکل الفاظ کے معنی: کلمات اللہ التامات: اللہ کے کامل کلمات، جن میں کوئی کمی اور عیب نہیں، امام نووی فرماتے ہیں کہ ان کلمات سے "قرآن" مراد ہے، (۲) حمة: (حاء پر پیش اور میم پر زبر، مادہ: حمو): بچھو وغیرہ کا ڈنک، ڈنک مارنے والے جانور کا زہر، تعلموھا: (باب تفعل) انہوں نے ان کلمات کو سیکھ لیا، لدغت: (مجہول) لڑکی ڈسی گئی یعنی اسے بچھو یا اس طرح کے کسی زہریلے جانور نے ڈس لیا، فلم تجد لھا وجعا: اس حمہ یعنی زہر کی وجہ سے اس لڑکی نے کوئی درد اور تکلیف محسوس نہیں کی۔

زہریلے جانور سے حفاظت کی دعا

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جو شخص شام کے وقت یہ دعا پڑھ لیا کرے اعوذ بکلمات اللہ التامات من شر ما خلق، تو اسے کسی زہریلے جانور کا زہر کوئی نقصان نہیں پہنچائے گا، چنانچہ سہیل بن ابی صالح راوی کہتے ہیں کہ ہمارے گھر والوں نے اس

---

(۱) مسند احمد ۲/۲۹۰۔

(۲) شرح مسلم للنووی ۲/۳۴۷، کتاب الذکر والدعاء، باب الدعوات والتعوذ۔

پر عمل کیا تو اس کی برکت سے لڑکی کو بچھو کے ڈسنے نے کوئی تکلیف نہیں پہنچائی، اور اس کے زہر نے اسے کوئی نقصان نہیں پہنچایا۔

عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ، قَالَ: دُعَاءٌ حَفِظْتُهُ مِنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا أَدَعُهُ: اللّٰهُمَّ اجْعَلْنِي أُعَظِّمُ شُكْرَكَ، وَأُكْثِرُ ذِكْرَكَ، وَأَتَّبِعُ نَصِيحَتَكَ، وَأَحْفَظُ وَصِيَّتَكَ.(۱)

حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ ایک دعا جسے میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یاد کیا ہے، میں اسے (پڑھنا) نہیں چھوڑتا: اے اللہ مجھے اس طرح بنادے کہ میں تیرا شکر زیادہ کروں، کثرت سے میں تجھے یاد کروں، تیری نصیحت کی پیروی کروں اور تیری وصیت کو یاد رکھوں۔

ایک اہم دعا

اس حدیث میں بڑی اہم دعا کا ذکر ہے، اسے ہر مسلمان کو یاد کر کے پابندی سے اللہ جل جلالہ سے مانگنا چاہیے، اس دعا میں اس بات کی توفیق مانگی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھے زیادہ ذکر، کثرت سے شکر، نصیحت واحکام کی پیروی اور اپنی وصیت کی حفاظت کرنے والا بنادے کہ میں تیرے احکام اور اوامر کے مطابق زندگی گذاروں اور ممنوع چیزوں اور گناہوں سے اجتناب کروں۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَا مِنْ رَجُلٍ يَدْعُو اللهَ بِدُعَاءٍ إِلَّا اسْتُجِيبَ لَهُ، فَإِمَّا أَنْ يُعَجَّلَ لَهُ فِي الدُّنْيَا، وَإِمَّا أَنْ يُدَّخَرَ لَهُ فِي الآخِرَةِ، وَإِمَّا أَنْ يُكَفَّرَ عَنْهُ مِنْ ذُنُوبِهِ بِقَدْرِ مَا دَعَا، مَا لَمْ يَدْعُ بِإِثْمٍ أَوْ قَطِيعَةِ رَحِمٍ أَوْ يَسْتَعْجِلْ، قَالُوا: يَا رَسُولَ اللهِ وَكَيْفَ يَسْتَعْجِلُ؟ قَالَ: يَقُولُ: دَعَوْتُ رَبِّي، فَمَا اسْتَجَابَ لِي.(۲)

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص اللہ تعالیٰ سے کوئی دعا مانگتا ہے تو اس کی دعا کو قبول کرلیا جاتا ہے، پھر یا تو دنیا میں اس کے لئے جلد ہی دعا کو پورا کردیا جاتا ہے، یا آخرت میں اس کے لئے اس دعا کو ذخیرہ کرلیا جاتا ہے، یا اس کی دعا کے بقدر اس کے گناہوں کو مٹا دیا جاتا ہے، جب تک کہ وہ کسی گناہ یا رشتہ کو توڑنے کی دعا نہ کرے، یا جب تک وہ جلدی نہ کرے، صحابہ نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول: وہ جلد بازی کیسے کرتا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ یوں کہے کہ میں نے اپنے پروردگار سے دعا مانگی، مگر اللہ تعالیٰ نے میری دعا کو قبول نہیں کیا۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَا مِنْ عَبْدٍ يَرْفَعُ يَدَيْهِ، حَتَّى يَبْدُوَ إِبْطُهُ، يَسْأَلُ اللهَ مَسْأَلَةً، إِلَّا آتَاهَا إِيَّاهُ مَا لَمْ يَعْجَلْ، قَالُوا: يَا رَسُولَ اللهِ وَكَيْفَ عَجَلَتُهُ؟ قَالَ: يَقُولُ: قَدْ سَأَلْتُ، وَسَأَلْتُ، وَلَمْ

---

(۱) مسند احمد ۲/۳۱۱۔

(۲) کنز العمال، رقم الحدیث: ۳۱۲۹۔

أُعْطَهُ بَعْدُ.(۱)

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو بندہ بھی اپنے دونوں ہاتھ (دعا کے لئے) اٹھاتا ہے، یہاں تک کہ اس کے بغل ظاہر ہوجاتے ہیں (یعنی نظر آنے لگتے ہیں) پھر وہ اللہ تعالیٰ سے کوئی چیز مانگے، تو اللہ تعالیٰ اس کو وہ چیز ضرور عطا فرماتے ہیں، جب تک وہ جلدی نہ کرے، صحابہ نے پوچھا: اے اللہ کے رسول: اس کی جلد بازی کیسے ہوتی ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: وہ یوں کہنے لگے: میں نے مانگا، میں نے مانگا، لیکن مجھے وہ چیز عطا نہیں کی گئی۔

مشکل الفاظ کے معنیٰ: استجیب له: (صیغہ مجہول) اس کی دعا کو قبول کرلیا جاتا ہے، یعجل له: (صیغہ مجہول) اس آدمی کے لئے دعا کو جلدی پورا کردیا جاتا ہے یعنی دنیا میں ہی اس دعا کے مطابق اسے وہ چیز عطا کردی جاتی ہے، یدخر له: (صیغہ مجہول) اس کے لئے اس دعا کو آخرت میں ذخیرہ کرلیا جاتا ہے، أو یستعجل: اصل عبارت اس طرح ہے: ما لم یستعجل: یا جب تک وہ جلدی نہ کرے، حتی یبدو ابطه: یہاں تک کہ اس کے بغل ظاہر ہوجاتے ہیں یعنی دعا کے وقت نظر آنے لگتے ہیں، و کیف عجلته: (عین، جیم اور لام پر زبر) اس کی جلد بازی کیسے ہوتی ہے؟ فلم اعط شیئاً: (صیغہ واحد متکلم مجہول) مجھے وہ چیز عطا نہیں کی گئی۔

دعا میں تین باتوں میں سے کوئی ایک ضرور حاصل ہوتی ہے

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جب انسان کوئی دعا کرتا ہے، تو اسے ضرور قبول کرلیا جاتا ہے، اس کے نتیجے میں تین باتوں میں سے کوئی ایک اسے ضرور حاصل ہوتی ہے، یا تو اسے جلد ہی وہ چیز یا اس سے بھی بہتر عطا کردی جاتی ہے، جو اس نے دعا میں مانگی ہے، یا اس دعا کا اثر دنیا میں ظاہر نہیں ہوتا، بلکہ اسے آخرت میں اس کے لئے ذخیرہ کرلیا جاتا ہے، یا اس دعا کے بقدر اس آدمی کے گناہوں کو معاف کردیا جاتا ہے، لیکن دعا کی قبولیت کے لئے تین شرطیں ہیں:

- وہ دعا کسی ناجائز امر اور گناہ پر مشتمل نہ ہو۔
- اس دعا میں قطعی رحمی یعنی رشتے توڑنے کی کوئی بات نہ ہو۔
- دعا کی تاثیر دیکھنے میں جلد بازی نہ کرے، یوں نہ کہنا شروع کردے کہ میں نے کئی بار مانگا، لیکن میری دعا قبول نہیں ہوئی، بسا اوقات تو فوراً ہی اس کی قبولیت کا اثر نظر آجاتا ہے، اور کبھی دعا کو تو فوراً قبول کرلیا جاتا ہے، لیکن اثر کچھ عرصے کے بعد ظاہر ہوتا ہے جیسے فرعون کے خلاف حضرت موسیٰ وہارون کی دعا کو قبول کرلیا گیا تھا، لیکن اس کا اثر چالیس سال کے بعد ظاہر ہوا، (۲) لہٰذا

(۱) ایضاً، رقم: ۳۲۴۱۔

(۲) تفسیر ابن کثیر ۳/۳۴۸، سورہ یونس، آیت: ۸۹، ط: بیروت

اس تاخیر کیوجہ سے زبان پر کسی قسم کا کوئی شکوہ نہیں آنا چاہیے، اور نہ ہی اللہ کی رحمت سے مایوس ہونا چاہیے، مایوسی اہل ایمان کی صفت نہیں، قرآن مجید میں اللہ نے فرمایا: فلا ییأس من رحمة الله الا القوم الکافرون۔ (اور اللہ کی رحمت سے تو کافر لوگ ہی مایوس ہوتے ہیں)۔(۱)

بس اس یقین کے ساتھ دعا کی جائے کہ میری دعا کو ضرور قبول کیا جاتا ہے، اس کا نتیجہ کیا نکلتا ہے، اس کا اثر کیا اور کب ظاہر ہوگا، اس دنیا میں اس کا کوئی اثر ظاہر ہوگا یا یہ کہ اسے آخرت کے لئے ذخیرہ کرلیا گیا ہے، یہ اللہ جل جلالہ کی اپنی مشیت اور حکمت و مصلحت پر موقوف ہے، وہ جو مناسب سمجھتے ہیں، اس طرح ہی بندے کے لئے کردیتے ہیں، ان پر کسی کا کوئی جبر اور زور نہیں۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنَّ حُسْنَ الظَّنِّ بِاللَّهِ مِنْ حُسْنِ عِبَادَةِ اللَّهِ. (۲)

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ سے اچھا گمان رکھنا، اللہ تعالیٰ کی اچھی عبادات میں سے (ایک اچھی عبادت) ہے۔

اللہ تعالیٰ سے حسن ظن رکھنا بہترین عبادت ہے

اللہ تعالیٰ سے ’’حسن ظن‘‘ رکھنے کے معنی یہ ہیں کہ اس تصور اور یقین کے ساتھ عبادت کرے کہ میری اس عبادت..... کو اللہ تعالیٰ ضرور قبول فرماتے ہیں، اس سے میرے گناہ معاف اور درجات بڑھ جاتے ہیں، میرا ایک عمل خواہ وہ بظاہر کتنا ہی گھسا پڑا اور کمزور ہو، اسے بھی اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے قبول فرماتے ہیں، اللہ جل جلالہ کے بارے میں اس طرح کا گمان رکھنا، اللہ کی اچھی عبادات میں سے ایک اہم اور بہترین عبادت ہے، یہ گمان قائم کرنا کہ میری تو کوئی دعا اور کوئی عبادت قبول ہی نہیں ہوتی، میرا اللہ کے ہاں کوئی مقام نہیں، یہ مسلمان کی شان کے خلاف ہے، اسے ہرگز ایسا ذہن نہیں رکھنا چاہیے، اور یہ طریقہ بھی درست نہیں کہ ایک مسلمان عمل کچھ بھی نہ کرے، اپنی خواہش کے مطابق زندگی گذارتا رہے، اور یہ گمان رکھے کہ اللہ تعالیٰ چونکہ غفور رحیم ہیں، لہذا وہ مجھے ضرور معاف کردیں گے، ارے ایمان کامل کا تقاضا تو یہ ہے کہ انسان اپنی طاقت کے بقدر عبادات و اعمال اخلاص سے کرنے کے بعد بھی ڈرتا رہے کہ معلوم نہیں کہ میرے یہ اعمال قبول بھی ہوئے ہیں یا نہیں، چہ جائے کہ انسان عمل کچھ بھی نہ کرے اور اللہ سے صرف معافی کی امید لگا کر بیٹھا رہے، یہ تو ایسا ہی ہے جیسے کوئی بندہ گھر میں ہی بیٹھا رہے، اور یہ امید لگائے رکھے کہ فلاں بندہ مجھے تنخواہ دے دے گا، ظاہر ہے کہ یہ طریقہ کار عرف کے لحاظ سے بھی غلط ہے، ایک بندہ تنخواہ کا جب ہی حقدار کہلاتا ہے، جب وہ کسی کے ہاں باقاعدہ کام کرے، محنت کے بغیر کوئی کسی کو تنخواہ نہیں دیا کرتا، اسی طرح اللہ جل جلالہ کے بارے میں یہ گمان کرکے

(۱) تحفة الاحوذی ۱۰/۶۹

(۲) سنن ابی داؤد، الادب، باب من حسن الظن، رقم: ۴۹۹۳۔

بیٹھ جانا کہ وہ غفور رحیم ہے، مجھے معاف کردے گا، اور اعمال کچھ بھی نہ کرے، یہ طریقہ اللہ کے بتائے ہوئے قانون اور ضابطہ کے خلاف ہے، باقی وہ اگر کسی گنہگار سے گنہگار آدمی کو معاف کردے، تو یہ اس کی شانِ فضل ہے، اس پر کوئی روک ٹوک نہیں ہوسکتی، وہ خالق کائنات ہے، جیسے چاہتا ہے، کرگذرتا ہے۔(۱)

عَنْ أَبِي سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لِيَنْظُرَنَّ أَحَدُكُمْ مَا الَّذِي يَتَمَنّٰى، فَإِنَّهُ لَا يَدْرِي مَا يُكْتَبُ لَهُ مِنْ أُمْنِيَّتِهِ.(۲)

حضرت ابوسلمہ بن عبدالرحمن بن عوف سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تم میں سے ہر شخص کو اس بات پر ضرور نظر رکھنی چاہیے کہ وہ کس کس چیز کی آرزو کر رہا ہے، کیونکہ وہ نہیں جانتا کہ اس کی آرزوؤں میں سے کیا کچھ اس کے لئے لکھ دیا جاتا ہے۔

لمبی لمبی آرزوؤں سے اجتناب کیا جائے

اس حدیث میں یہ پیغام ہے کہ جب بھی کوئی آرزو اور تمنا کی جائے تو کسی جائز اور بہتر چیز کی ہی خواہش کی جائے، تاکہ آخرت میں اس کے لئے فائدہ ہو، اس کی وجہ سے اُسے مسرت اور خوشی ملے، کیونکہ مذکورہ حدیث کے مطابق ہر آرزو کو لکھا جاتا ہے، اگر بری تمنا کی گئی تو اسے اس کے مواخذے کا سامنا کرنا پڑے گا، اسی طرح لمبی چوڑی تمناؤں سے بھی منع کیا گیا ہے، کیونکہ انہیں پورا کرنا انسان کے بس میں نہیں، اور بسا اوقات شیخ چلی والی آرزوؤں کو پورا کرنے کے لئے آدمی جائز و ناجائز اور حلال و حرام کا بھی لحاظ نہیں کرتا، سردردی اور ذہنی پریشانی بھی اس میں بہت ہوتی ہے، لہذا جو نعمتیں اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کو دی ہیں، انہی پر قناعت کر کے اس کی عبادت میں مصروف رہے، جو مقدر میں ہوگا، وہ ضرور مل کر رہے گا۔(۳)

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حدیث میں ما الذی یتمنی سے دعا مراد ہے، مطلب یہ ہے کہ جس چیز کے لئے دعا کر رہا ہے، اس میں غور کرلے کہ میں کیا مانگنے لگا ہوں، کیونکہ یہ معلوم نہیں کہ اس دعا پر کیا کچھ لکھا جاچکا ہے، تاکہ قیامت کے دن اسے کسی قسم کی پریشانی کا سامنا نہ کرنا پڑے۔(۴)

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَدْعُو فَيَقُولُ: اللّٰهُمَّ مَتِّعْنِي بِسَمْعِي، وَبَصَرِي، وَاجْعَلْهُمَا الْوَارِثَ مِنِّي، وَانْصُرْنِي عَلَى مَنْ يَظْلِمُنِي، وَخُذْ مِنْهُ بِثَأْرِي.(۵)

---

(۱) تحفۃ الاحوذی ۷۱/۱۰

(۲) مسند احمد ۳۵۹/۲۔

(۳) تحفۃ الاحوذی ۷۱/۱۰، مرقاۃ المفاتیح ۴۶۴/۹، کتاب الرقاق، باب الأمل والحرص، رقم: ۵۲۸۳۔

(۴) الکوکب الدری ۳۷۸/۴

(۵) الادب المفرد، رقم: ۶۵۲۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا کیا کرتے تھے: اے اللہ! مجھے میرے کانوں اور میری آنکھوں سے فائدہ پہنچا، اور ان دونوں کو میرا وارث بنا (یعنی میری موت تک انہیں صحیح وسالم باقی رکھ، تاکہ میں ان سے فائدہ اٹھاسکوں) اور میری اس شخص کے خلاف مدد فرما، جو مجھ پر ظلم کرتا ہے، اور اس سے میرا بدلہ لے لے۔

مشکل الفاظ کے معنیٰ: متعنی: (صیغہ امر) مجھے فائدہ پہنچا، اجعلھما الوارث منی: ان دونوں یعنی میرے کان اور آنکھوں کو میرا وارث بنادے یعنی تاحیات انہیں صحیح سالم رکھ، تاکہ میں موت تک ان سے فائدہ اٹھاتا رہوں، بثأری: میرا انتقام، میرا بدلہ۔

اپنے جسم کے اعضا سے فائدہ اٹھانے اور ظالم سے بدلہ لینے کی دعا

مذکورہ حدیث میں ایک دعا کا ذکر ہے، جس میں اپنے جسم کے اعضاء آنکھ اور کان سے فائدہ اٹھانے اور تاحیات ان دونوں کو صحیح سلامت رکھنے کی دعا ہے اور جو ظلم کرے اس سے بدلہ لینے اور انتقام لینے کا ذکر ہے کہ اللہ جل جلالہ اس سے میرا بدلہ لے لے اور ظالم کے خلاف میری مدد کرے۔

عَنْ أَنَسٍ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لِيَسْأَلْ أَحَدُكُمْ رَبَّهُ حَاجَتَهُ كُلَّهَا، حَتَّى يَسْأَلَ شِسْعَ نَعْلِهِ إِذَا انْقَطَعَ. (۱)

حضرت انس سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے ہر ایک کو اپنے رب سے ہی اپنی ہر حاجت مانگنی چاہیے، یہاں تک کہ جب اس کے جوتے کا تسمہ ٹوٹ جائے، تو وہ بھی اسی سے مانگا کرے۔

عَنْ ثَابِتٍ الْبُنَانِيِّ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: لِيَسْأَلْ أَحَدُكُمْ رَبَّهُ حَاجَتَهُ حَتَّى يَسْأَلَهُ الْمِلْحَ، وَحَتَّى يَسْأَلَهُ شِسْعَ نَعْلِهِ إِذَا انْقَطَعَ.

حضرت ثابت بنانی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تم میں سے ہر شخص کو اپنی تمام ضروریات اللہ تعالیٰ سے ہی مانگنی چاہییں، یہاں تک کہ وہ اللہ ہی سے نمک کا سوال کرے، اور یہاں تک کہ جب اس کے جوتے کا تسمہ ٹوٹ جائے تو وہ بھی اسی سے مانگے۔

مشکل الفاظ کے معنیٰ: شسع: (شین کے نیچے زیر اور سین ساکن) تسمہ، اذا انقطع: جب ٹوٹ جائے۔

معمولی سے معمولی چیز بھی اللہ ہی سے مانگی جائے

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ مسلمان کو اپنی ہر حاجت، خواہ وہ بظاہر معمولی ہی کیوں نہ ہو، صرف اللہ جل جلالہ سے ہی مانگنی چاہیے، اس حدیث میں بطور مثال کے تسمہ کا ذکر ہے کہ اگر وہ ٹوٹ جائے تو وہ بھی کسی انسان سے نہیں بلکہ اللہ ہی سے مانگا

(۱) صحیح ابن حبان، رقم: ۸۶۶۔

جائے، اور اللہ جل جلالہ ایسے رحیم وکریم ہیں کہ ان سے جتنا زیادہ مانگا جائے، اتنا ہی وہ انسان سے خوش ہوتے ہیں، اسے اپنی طرح طرح کی نعمتوں سے نوازتے ہیں، اور جو اللہ سے نہیں مانگتا، اس سے وہ ناراض ہوتے ہیں، چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض صحابہ سے اس شرط پر بیعت لی تھی کہ وہ کسی سے کچھ نہیں مانگیں گے، ان کا یہ حال تھا کہ اگر گھوڑے سے ان کا کوڑا اگر جاتا، تو وہ بھی پکڑانے کے لئے کسی سے نہیں کہتے تھے، بلکہ خود گھوڑے سے اتر کر وہ اٹھاتے تھے، حالانکہ اگر وہ کسی انسان سے پکڑانے کا کہہ دیتے، تو وہ کوئی ناجائز نہیں تھا، اور نہ ہی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اس طرح کی چیز پکڑانے سے منع کرنا مقصود تھا، لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کی اتباع میں اس قدر وہ حضرات اہتمام کرتے تھے کہ اس کی کہیں کوئی نظیر نہیں ملتی۔

اس حدیث میں غیر اللہ سے اپنی نظریں ہٹانے کا حکم ہے، لوگوں سے استغناء اور بے رخی اختیار کرنے کی ترغیب ہے کہ انسانوں کے ساتھ حسن اخلاق سے ضرور پیش آئیں لیکن اپنی ضروریات کے لئے ان سے رجوع نہ کریں، وہ کچھ نہیں کر سکتے، اس کے لئے صرف اور صرف اللہ جل شانہ سے ہی رجوع کریں، اس سے ہی مانگیں، وہی مشکل کشا اور حاجت روا ہے۔(۱)

❁❁❁

(۱) مرقاۃ المفاتیح ۱۳۱/۵، کتاب الدعوات، الفصل الثالث، رقم: ۲۲۵۲

أَبْوَابُ الْمَنَاقِبِ عَنْ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

فضائل سے متعلق رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول احادیث پر مشتمل ابواب

بَابٌ فِي فَضْلِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

یہ باب ان احادیث کے بارے میں ہے، جن میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت کا ذکر ہے

عَنْ وَاثِلَةَ بْنِ الْأَسْقَعِ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنَّ اللّٰهَ اصْطَفَى مِنْ وَلَدِ إِبْرَاهِيمَ إِسْمَاعِيلَ، وَاصْطَفَى مِنْ وَلَدِ إِسْمَاعِيلَ بَنِي كِنَانَةَ، وَاصْطَفَى مِنْ بَنِي كِنَانَةَ قُرَيْشًا، وَاصْطَفَى مِنْ قُرَيْشٍ بَنِي هَاشِمٍ، وَاصْطَفَانِي مِنْ بَنِي هَاشِمٍ.(۱)

حضرت واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ نے ابراہیم کی اولاد میں سے اسماعیل کو منتخب کیا، اور اسماعیل کی اولاد میں بنی کنانہ کو خاص کیا، اور بنی کنانہ میں سے قریش کو چنا، اور قریش میں سے بنی ہاشم کو اور بنی ہاشم سے مجھے منتخب فرمایا۔

عَنِ الْعَبَّاسِ بْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ، قَالَ: قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ: إِنَّ قُرَيْشًا جَلَسُوا فَتَذَاكَرُوا أَحْسَابَهُمْ بَيْنَهُمْ، فَجَعَلُوا مَثَلَكَ كَمَثَلِ نَخْلَةٍ فِي كَبْوَةٍ مِنَ الْأَرْضِ، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنَّ اللّٰهَ خَلَقَ الْخَلْقَ فَجَعَلَنِي مِنْ خَيْرِهِمْ، مِنْ خَيْرِ فِرَقِهِمْ وَخَيْرِ الْفَرِيقَيْنِ، ثُمَّ تَخَيَّرَ الْقَبَائِلَ، فَجَعَلَنِي مِنْ خَيْرِ قَبِيلَةٍ، ثُمَّ تَخَيَّرَ الْبُيُوتَ، فَجَعَلَنِي مِنْ خَيْرِ بُيُوتِهِمْ، فَأَنَا خَيْرُهُمْ نَفْسًا، وَخَيْرُهُمْ بَيْتًا.(۲)

حضرت عباس بن عبدالمطلب کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! قریش (ایک مجلس میں) بیٹھے اور انہوں نے آپس میں اپنی خاندانی خوبیوں کا ذکر کیا اور انہوں نے آپ کی مثال، کوڑا خانے میں اگے ہوئے کھجور کے درخت سے بیان کی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوقات (یعنی جنات اور انسانوں) کو پیدا کیا (پھر ان کے گروہ بنائے) اور مجھے ان میں سے بہترین گروہ (یعنی انسانوں میں) سے بنایا، اور مجھے دو گروہوں (یعنی عرب وعجم) میں سے بہترین گروہ (یعنی عرب) سے بنایا، پھر قبیلوں کو چنا اور مجھے بہترین قبیلے (یعنی قریش) سے بنایا، پھر گھروں (یعنی قریش کی شاخوں) کو منتخب کیا، تو مجھے ان میں سے سب سے بہتر گھر (یعنی بنی ہاشم) میں پیدا کیا، لہذا میں ذات اور گھرانے یعنی خاندان: دونوں کے لحاظ سے ان سب سے بہتر ہوں۔

---

(۱) الصحیح لمسلم، کتاب الفضائل، باب فضل نسب النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔

(۲) الصحیح لمسلم، کتاب الفضائل، باب فضل نسب النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔

عَنِ الْمُطَّلِبِ بْنِ أَبِي وَدَاعَةَ، قَالَ: جَاءَ الْعَبَّاسُ إِلَى رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَكَأَنَّهُ سَمِعَ شَيْئًا، فَقَامَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى الْمِنْبَرِ، فَقَالَ: مَنْ أَنَا؟ قَالُوا: أَنْتَ رَسُولُ اللّٰهِ، عَلَيْكَ السَّلَامُ، قَالَ: أَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ، إِنَّ اللّٰهَ خَلَقَ الْخَلْقَ فَجَعَلَنِي فِي خَيْرِهِمْ فِرْقَةً، ثُمَّ جَعَلَهُمْ فِرْقَتَيْنِ، فَجَعَلَنِي فِي خَيْرِهِمْ فِرْقَةً، ثُمَّ جَعَلَهُمْ قَبَائِلَ، فَجَعَلَنِي فِي خَيْرِهِمْ قَبِيلَةً، ثُمَّ جَعَلَهُمْ بُيُوتًا، فَجَعَلَنِي فِي خَيْرِهِمْ بَيْتًا، وَخَيْرِهِمْ نَفْسًا. (۱)

حضرت مطلب بن وداعہ فرماتے ہیں کہ حضرت عباس نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے گویا کہ انہوں نے (قریش وغیرہ سے) کچھ (آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حسب ونسب کے بارے میں بری بات) کو سنا تھا، (جس کا ذکر پہلی حدیث میں گذر چکا ہے) چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر کھڑے ہو گئے اور لوگوں سے پوچھا کہ میں کون ہوں؟ لوگوں نے عرض کیا: آپ اللہ کے رسول ہیں، آپ پر اللہ کی سلامتی ہو، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب ہوں، اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوق کو پیدا کیا، تو مجھے ان میں سے سب سے بہترین لوگوں میں سے پیدا کیا، پھر ان کے دو گروہ بنائے، اور مجھے ان میں سے سب سے بہتر گروہ میں سے پیدا کیا، پھر ان کے کئی قبیلے بنائے، اور مجھے ان میں سے بہترین قبیلے میں پیدا کیا، پھر ان کے کئی گھر (یعنی قریش کی شاخیں) بنائیں اور مجھے ان میں سے سب سے بہتر گھر (یعنی بنی ہاشم) میں سے پیدا کیا اور مجھے ان میں سے سب سے بہتر ذات (یعنی سب سے اچھا انسان) بنایا۔

مشکل الفاظ کے معنی: مناقب: منقبة کی جمع ہے: شرف وفضیلت، اصطفی: چنا، منتخب کیا، خاص کیا، تذاکروا: انہوں نے آپس میں ذکر کیا، احسابھم: حسب کی جمع ہے: نسبی شرافت، خاندانی شرافت، کبوة: (کاف پر پیش اور باء ساکن) ٹھوکر، لغزش، عربی میں محاورہ ہے: لکل جواد کبوة ہر اچھے گھوڑے کو ٹھوکر لگتی ہے، زمخشری کہتے ہیں کہ یہ لفظ راوی نے اچھی طرح محفوظ نہیں کیا، صحیح لفظ کبا (کاف کے نیچے زیر اور با پر زبر) ہے جس کے معنی ہیں: کوڑا خانہ جہاں گوبر، گندگی، کوڑا اور غلاظتیں ڈالی جاتی ہیں، ان اللہ خلق الخلق: اللہ تعالیٰ نے مخلوق یعنی جن وانس کو پیدا کیا، فرق: (فا کے نیچے زیر اور را پر زبر) فرقة کی جمع ہے: گروہ، جماعت، ثم تخیر القبائل: پھر اللہ تعالیٰ نے قبیلوں کو منتخب کیا، چنا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نسبی فضیلت

امام ترمذی رحمہ اللہ نے کتاب المناقب میں پہلے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل اور پھر بعض صحابہ کے فضائل اور خصوصیات بیان کی ہیں۔

یہ بات تو ہر مسلمان جانتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیات، برکات، خوبیاں اور فضائل اتنے زیادہ ہیں کہ کوئی قلم ان کا

---

(۱) مسند احمد بن حنبل ۱/ ۲۱۰، عن العباس بن عبدالمطلب۔

حاطہ نہیں کرسکتا، اور نہ ہی ان کے تذکرے کا کوئی شخص حق ادا کرسکتا ہے: اس کا یہ مطلب نہیں کہ ان فضائل کو بیان کرنا ایک ناممکن عمل ہے، ممکن ضرور ہے لیکن ان کا تذکرہ جس شان سے ہونا چاہیے، وہ کوئی انسان نہیں کرسکتا، تاہم ہر محدث اور امت کے مخصوص لوگوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کے مختلف گوشے اپنی ہمت کے بقدر اجاگر کئے ہیں، تا کہ ان سے روشنی حاصل کر کے سنت کے مطابق زندگی گذاری جا سکے، امام ترمذی رحمہ اللہ نے بھی مذکورہ باب سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نسبی فضائل اور دیگر خصوصیات کو بیان کیا ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم مبارک ''محمد'' آپ کے والد کا نام عبداللہ، دادا کا نام عبدالمطلب، پردادا کا نام ہاشم ہے، اس کے بعد سلسلۂ نسب اس طرح ہے: ابن عبد مناف بن قصی بن کلاب بن مرۃ بن کعب بن لوئی بن غالب بن فہر بن مالک بن نضر بن کنانہ بن خزیمہ بن مدرکہ بن الیاس بن مضر بن نزار بن معد بن عدنان، یہاں تک نسب نامہ میں سب کا اتفاق ہے، مگر عدنان سے اوپر حضرت اسماعیل علیہ السلام تک کچھ واسطوں میں مؤرخین کا اختلاف ہے۔

حضرت واثلہ بن اسقع کی روایت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا نسب یوں بیان کیا کہ اللہ تعالیٰ نے اولاد ابراہیم میں سے حضرت اسماعیل کو، اولاد اسماعیل میں سے بنی کنانہ کو، بنو کنانہ میں سے قریش کو، قریش میں سے بنی ہاشم کو اور بنی ہاشم میں سے مجھے اپنی رسالت کے لئے منتخب فرمایا، یہ تمام قبیلے اپنی خاندانی شرافت و وجاہت، فصاحت و بلاغت، جرأت و بہادری اور سخاوت میں بہت مشہور تھے بلکہ ضرب المثل تھے، اس عظیم صفات والے سلسلۂ نسب سے اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پیدا کیا، اور اللہ جل جلالہ کا یہی طریقہ چلا آرہا ہے کہ اپنے فرستادہ بندوں اور انبیاء علیہم السلام کو اونچے خاندان سے بھیجتے ہیں۔

اس نسبی شرافت کا تقاضا تو یہ تھا کہ کوئی بھی شخص آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نسب پر بات نہ کرتا لیکن بعض بدبخت کافروں نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے سامنے آپ کے نسب کے بارے میں ہرزہ سرائی کی تو وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں غصے سے بھرے ہوئے آئے اور بتایا کہ کفار یہ کہہ رہے ہیں: لو لا نزل هذا القرآن علی رجل من القریتین عظیم، اگر اللہ تعالیٰ نے مکہ میں کسی شخص پر یہ قرآن نازل کرنا ہی تھا یعنی نبی بنانا ہی تھا تو اس شہر کے بڑے بڑے صاحب دولت و ثروت، سردار موجود تھے مثلاً ولید بن مغیرہ اور عروہ بن مسعود ثقفی وغیرہ انہیں نبی بنایا جاتا، اور ان پر قرآن نازل کیا جاتا، اس انداز سے گویا انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حقیر جانا، آپ کے نسب کو کم تر قرار دیا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات سنی تو اپنی خاندانی عظمت و وقار اور بلند نسبی کو واضح کرنے کے لئے منبر پر تشریف لے گئے اور فرمایا کہ تم لوگ جانتے ہو کہ میں کون ہوں؟ صحابہ نے عرض کیا: آپ اللہ جل جلالہ کے رسول ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ بات تو اپنی جگہ ہے ہی کہ میں اللہ کا رسول ہوں لیکن میری نسلی، نسبی اور خاندانی عظمت کیا ہے؟ اس کو سنو: میں محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب ہوں، اور عبدالمطلب وہ ہستی ہیں، جو عرب میں بہت معزز و محترم، شریف و پارسا اور انتہائی مشہور و معروف تھے، ایسے میں پھر میرے نسب کے بارے میں گفتگو کرنے کے کیا معنیٰ؟

واقعہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوقات یعنی جنات اور انسانوں کو پیدا کیا، تو مجھے اس مخلوق میں سے بہترین مخلوق یعنی انسانوں میں سے پیدا کیا، پھر اللہ تعالیٰ نے انسانوں کے دو طبقے بنائے ایک عرب اور دوسرا عجم یعنی غیر عرب، اور مجھے ان دونوں طبقوں میں سے بہترین طبقے یعنی عرب میں پیدا کیا، پھر اللہ تعالیٰ نے عربوں کے بہت سے قبیلے بنائے اور مجھے ان قبائل میں سے سب سے بہترین قبیلہ "قریش" میں پیدا کیا، پھر اللہ تعالیٰ نے اس بہترین قبیلے کے مختلف گھرانے اور شاخیں بنائیں اور مجھے ان گھرانوں میں سے بہترین گھرانے "بنو ہاشم" میں پیدا کیا، لہذا میں تمام انسانوں اور تمام اہل عرب میں ذات وحسب کے اعتبار سے سب سے بہتر اور اعلیٰ ہوں اور خاندان اور گھرانے کے اعتبار سے بھی سب سے اونچا ہوں، اس لئے میرے نسب پر کوئی عیب نہیں لگایا جاسکتا۔

صحیح بخاری میں ابوسفیان کا وہ کلام ہے جو ان کا ہرقل کے ساتھ روم میں ہوا تھا، ابوسفیان اس وقت کافر تھے، ہرقل نے ان سے معلومات حاصل کرنے کے لئے پوچھا: اس نبی یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا نسب کیا ہے، اعلیٰ ہے یا گھٹیا؟ تو ابوسفیان نے جواب دیا: وہ ہمارے اندر اونچے نسب والے ہیں، اس حدیث سے بھی یہ حکم ثابت ہوتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا نسب انتہائی اعلیٰ اور بلند تھا۔

فجعلوا مثلک مثل نخلة فی کبوة من الارض، اس جملے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نسب پر نکتہ چینی اور عیب کا ذکر ہے، زمخشری فرماتے ہیں کہ کبوہ دراصل کبا ہے، اسے نقل کرنے میں راوی سے سہو ہوگیا ہے "کبا" کے معنیٰ ہیں کوڑا خانہ یعنی وہ جگہ جہاں پر گوبر، گندگیاں اور غلاظتیں ڈالی جاتی ہیں، ان کافروں نے آپ کی مثال کھجور کے اس درخت سے دی، جو کوڑے والی جگہ پر اگا ہوا ہو، وہ درخت اگرچہ خوب شاندار ہوتا ہے، مگر جگہ کی گندگی کی وجہ سے اسے بھی اچھا نہیں سمجھا جاتا، وہ اس مثال سے کہنا یہ چاہتے ہیں کہ آپ کی ذات گو کہ اچھی ہے، لیکن آپ کا نسب چونکہ عالی نہیں ہے، اس لئے اگر اللہ تعالیٰ کو شہر مکہ میں کسی نبی کو بھیجنا ہی تھا، تو کسی ایسے بندے کو نبوت کے لئے نامزد کرتا، جو حسب ونسب کے اعتبار سے سب سے اونچا ہوتا۔(۱)

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالُوا يَا رَسُولَ اللهِ: مَتَى وَجَبَتْ لَكَ النُّبُوَّةُ؟ قَالَ: وَآدَمُ بَيْنَ الرُّوحِ وَالْجَسَدِ. (۲)

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ صحابہ نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! آپ کے لئے نبوت کب ثابت ہوئی؟ (یعنی اللہ تعالیٰ نے آپ کو نبی بنانے کا فیصلہ کب فرمایا؟) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرے لئے نبوت اس وقت سے ہے، جبکہ آدم علیہ السلام روح اور جسم کے درمیان تھے (یعنی ابھی ان کی تخلیق بھی پوری نہیں ہوئی تھی، اور روح بھی نہیں ڈالی گئی تھی)۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا ثبوت کب سے ہے؟

اس حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک ایسی خصوصیت کا ذکر ہے، جو آپ کے علاوہ کسی اور نبی کو حاصل نہیں، وہ یہ کہ

---

(۱) مرقاۃ المفاتیح ۴۳۷/۱۰ کتاب الفضائل والشمائل باب فضائل سید المرسلین، الکوکب الدری ۳۷۹/۴

(۲) المستدرک للحاکم ۲۰۹/۲۔

اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس وقت بھی نبی بنا دیا تھا، جبکہ ابھی تک حضرت آدم علیہ السلام کا جسم بھی تیار نہیں ہوا تھا اور نہ ہی ان میں روح ڈالی گئی تھی۔

اس موقع پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ حضرت آدمؑ کی تخلیق سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کو ثابت اور متعین کرنے کے کیا معنیٰ ہیں؟ اگر اس سے اللہ تعالیٰ کے علم اور تقدیر الٰہی میں ہونا مراد ہے، تو یہ بات تو تمام انبیاء کے بارے میں کہی جاسکتی ہے، پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تخصیص کے کیا معنیٰ؟ شارحین حدیث کے اس بارے میں دو قول ہیں:

۱۔ مولانا انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو دنیا میں آنے سے پہلے ہی نبی بنا دیا تھا اور اس وقت سے آپ پر نبوت کے احکام جاری ہو گئے تھے، جبکہ دیگر انبیاء پر نبوت کے احکام اس وقت نہیں، بلکہ دنیا میں آنے کے بعد جاری ہوئے ہیں۔(۱)

۲۔ علامہ مناوی کے نزدیک اس کے معنیٰ یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی روح کو اس وقت بھی نبوت کا بتا دیا تھا، جبکہ ابھی تک اللہ تعالیٰ نے کسی جسم کو پیدا نہیں کیا تھا، تا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت تمام فرشتوں اور روحوں کے سامنے ظاہر اور متعارف ہو جائے، اور سب کے سامنے آپ کا عالی مقام واضح ہو جائے، چنانچہ ایک حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جب آسمان و زمین اور عرش کو پیدا کیا تو اللہ تعالیٰ نے عرش پر، آسمان اور جنت کے محلات کے بالا خانوں اور دروازوں پر، جنت کے درختوں اور طوبیٰ درخت کے پتوں پر یہ لکھ دیا تھا: محمد رسول اللہ، خاتم الانبیاء، اس وقت ابھی حضرت آدم کو بھی پیدا نہیں کیا تھا، پھر جب ان کی تخلیق ہو گئی اور آدم و حوا سے لغزش ہو گئی تو انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسم مبارک کے ذریعے اللہ تعالیٰ سے شفاعت طلب کی تو اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ کو قبول کر لیا۔(۲)

کنت نبیا و ادم بین الماء والطین کی تحقیق

یہ ذہن میں رہے کہ عام طور پر لوگ ان الفاظ سے جو حدیث بیان کرتے ہیں: کنت نبیا و ادم بین الماء والطین، اس طرح یہ حدیث ثابت ہے یا نہیں؟ اس میں دو قول ہیں:

۱۔ علامہ زرکشی، سیوطی اور سخاوی فرماتے ہیں کہ ان الفاظ سے یہ حدیث ثابت نہیں اور نہ ہی اس کے ساتھ یہ اضافہ ثابت ہے: کنت نبیا و لا ماء و لا طین، بس صحیح الفاظ وہی ہیں، جو امام ترمذی نے اوپر حدیث میں ذکر کئے ہیں۔(۳)

۲۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ کنت نبیا و ادم بین الماء والطین کے الفاظ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہیں البتہ

(۱) العرف الشذی ۲/۲۰۲، ابواب المناقب، الکوکب الدری ۳۸۱/۴

(۲) فیض القدیر شرح الجامع الصغیر للمناوی ۶۹/۵، ملتقی اهل التفسیر ۳۰۶۳/۱ (المکتبة الشاملة)

(۳) الدرر المنثورة للسیوطی ۳۵۳/۱۔ (الشاملة)

اس کے بعد کا اضافہ ضعیف ہے۔(۱)

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَنَا أَوَّلُ النَّاسِ خُرُوجًا إِذَا بُعِثُوا، وَأَنَا خَطِيبُهُمْ إِذَا وَفَدُوا، وَأَنَا مُبَشِّرُهُمْ إِذَا أَيِسُوا، لِوَاءُ الْحَمْدِ يَوْمَئِذٍ بِيَدِي، وَأَنَا أَكْرَمُ وَلَدِ آدَمَ عَلَى رَبِّي وَلَا فَخْرَ.(۲)

حضرت انس بن مالک سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: (قیامت کے دن) میں لوگوں میں سب سے پہلے قبر سے نکلوں گا، جب لوگوں کو قبروں سے اٹھایا جائے گا، اور میں ہی ان کا ترجمان ہوں گا، جب وہ اللہ جل جلالہ کے سامنے آئیں گے، اور میں ہی اہل ایمان کو (مغفرت و رحمت الٰہی کی) خوشخبری دینے والا ہوں گا جب ان پر مایوسی چھا جائے گی، تعریف کا جھنڈا اس دن میرے ہاتھ میں ہوگا، اور میں ہی اولاد آدم میں سے اپنے پروردگار کے ہاں سب سے زیادہ معزز و محترم ہوں، اور میں یہ بات فخر کے طور پر نہیں کہتا (بلکہ تحدیث نعمت کے طور پر کہہ رہا ہوں)

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَنَا أَوَّلُ مَنْ تَنْشَقُّ عَنْهُ الْأَرْضُ فَأُكْسَى الْحُلَّةَ مِنْ حُلَلِ الْجَنَّةِ، ثُمَّ أَقُومُ عَنْ يَمِينِ الْعَرْشِ، لَيْسَ أَحَدٌ مِنَ الْخَلَائِقِ يَقُومُ ذَلِكَ الْمَقَامَ غَيْرِي.

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میں وہ سب سے پہلا شخص ہوں گا، جس کی قبر کی زمین (سب سے پہلے) پھٹے گی، پھر مجھے جنت کے کپڑوں میں سے ایک عمدہ لباس پہنایا جائے گا، پھر میں عرش کی دائیں جانب کھڑا ہوں گا اور مخلوقات میں سے میرے علاوہ اور کوئی بھی اس جگہ کھڑا نہیں ہو سکے گا۔

مشکل الفاظ کے معنی: اذا بعثوا: (صیغہ مجہول) جب لوگوں کو قبروں سے اٹھایا جائے گا، انا خطیبھم: میں ان کا متکلم اور ترجمان ہوں گا، اذا وفدوا: جب وہ اللہ کے سامنے آئیں گے، اذا أیسوا: جب ان پر مایوسی اور نا امیدی غالب آجائے گی، چھا جائیگی، ولا فخر: اس میں کوئی فخر کی بات نہیں، میں یہ بات فخر کے طور پر نہیں کہتا، تنشق: (قبر کی زمین) پھٹے گی، فاکسی: (صیغہ متکلم مجہول) مجھے پہنایا جائے گا، حلة: (حا پر پیش اور لام پر زبر اور تشدید) عمدہ پوشاک، صاف اور عمدہ نئے کپڑوں کا جوڑا، لباس، اس کی جمع: حلل ہے، خلائق: خلق کی جمع ہے: تمام مخلوقات یعنی جنات وانسان اور فرشتے، لواء: جھنڈا، پرچم۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے قیامت کے دن کی چند خصوصیات

مذکورہ احادیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیات میں سے ان سات خصوصیات اور امتیازات کا ذکر ہے، جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو قیامت کے دن حاصل ہوں گی:

---

(۱) مرقاۃ المفاتیح ۴۳۹/۱۰، کتاب الفضائل والشمائل باب فضائل سید المرسلین، تحفۃ الاحوذی ۷۹/۱۰

(۲) سنن الدارمی ۲۶/۱، ۲۷۔

۱۔ قیامت کے دن نبی کریم ﷺ کو سب سے پہلے قبر سے اٹھایا جائے گا۔

۲۔ حشر میں جب لوگ اللہ کے سامنے حاضر ہوں گے، تو ان کے متکلم اور ترجمان آپ ﷺ ہوں گے، یہ آپ کے لیے بہت بڑے اعزاز اور اکرام کی دلیل ہے۔

۳۔ وہاں جب لوگوں پر مایوسی چھا جائے گی، تو نبی کریم ﷺ ان کو مغفرت اور رحمت الٰہی کی بشارت سنائیں گے۔

۴۔ حمد کا پرچم نبی کریم ﷺ کے ہاتھ میں لہرائے گا، اس دن اللہ جل شانہ آپ کو حمد وثناء کے ایسے ایسے کلمات سکھائیں گے، جو اس سے پہلے آپ کو نہیں بتائے گئے ہوں گے، ان کلمات کے ذریعہ نبی کریم ﷺ اللہ جل جلالہ کی حمد وثناء کریں گے جب تک اللہ تعالیٰ چاہیں گے، اس کے بعد حساب وکتاب کا مرحلہ شروع ہوگا، دوسرے لوگ گویا آپ ﷺ سے حمد وثناء کرنا سیکھیں گے۔

۵۔ نبی کریم ﷺ قیامت کے دن اللہ جل جلالہ کے ہاں تمام اولاد آدم سے سب سے زیادہ معزز ومحترم ہوں گے، اور آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں یہ بات فخر کے طور پر نہیں کہہ رہا، بلکہ اللہ کی نعمت کے شکر کے طور پر کہہ رہا ہوں، کہ اس نے مجھے محض اپنے فضل وکرم سے یہ مقام اور اعزاز عطا فرمایا ہے، اس میں میرا کوئی ذاتی کمال اور استحقاق نہیں۔

۶۔ نبی کریم ﷺ کو قیامت کے دن سب سے پہلے جنت کا سب سے عمدہ لباس اور جوڑا پہنایا جائے گا۔

۷۔ قیامت کے دن نبی کریم ﷺ عرش رحمن کی دائیں جانب ایک خاص مقام پر کھڑے ہوں گے، یہ مقام کسی اور کو حاصل نہیں ہوگا۔(۱)

عَنْ أَبِیْ هُرَیْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ: سَلُوا اللّٰهَ لِيَ الْوَسِیْلَةَ، قَالُوا: یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ: وَمَا الْوَسِیْلَةُ؟ قَالَ: أَعْلَى دَرَجَةٍ فِي الْجَنَّةِ، لَا یَنَالُهَا إِلَّا رَجُلٌ وَاحِدٌ، أَرْجُو أَنْ أَكُوْنَ أَنَا هُوَ.(۲)

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: تم لوگ میرے لئے اللہ جل جلالہ سے مقام "وسیلہ" مانگا کرو، صحابہ نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول: وسیلہ کیا چیز ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: وسیلہ جنت میں سب سے بلند ایک درجہ (کا نام) ہے، اسے صرف ایک ہی شخص حاصل کرے گا، اور مجھے امید ہے کہ وہ شخص میں ہی ہوں گا۔

نبی کریم ﷺ کے لئے "مقام وسیلہ" مانگنے کا حکم

مذکورہ حدیث سے درج ذیل امور ثابت ہوتے ہیں:

(۱) مرقاۃ المفاتیح ۱۰/۴۴۳، کتاب الفضائل، باب فضائل سید المرسلین، رقم: ۵۷۶۵۔

(۲) مسند احمد ۲/۲۶۵، عن ابی ہریرۃ۔

۱۔ نبی کریم ﷺ نے مسلمانوں کو حکم دیا کہ وہ آپ کے لئے اذان کے بعد اللہ تعالیٰ سے مقام وسیلہ کی دعا کیا کریں، وہ دعا یہ ہے: اَللّٰهُمَّ رَبَّ هٰذِهِ الدَّعْوَةِ التَّامَّةِ وَالصَّلَاةِ الْقَائِمَةِ اٰتِ مُحَمَّدَنِ الْوَسِيلَةَ وَالْفَضِيلَةَ وَابْعَثْهُ مَقَامًا مَحْمُودَنِ الَّذِي وَعَدْتَّهُ اِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِيعَادَ، اس سے اس آدمی کو یہ فائدہ حاصل ہوگا کہ اسے نبی کریم ﷺ کا قرب ملے گا، اور قیامت کے دن آپ اس کے لئے شفاعت فرمائیں گے۔

۲۔ ''وسیلہ'' جنت کا سب سے بلند ایک درجہ کا نام ہے، جس کو مقام محمود کہا جاتا ہے۔

۳۔ یہ طے شدہ ہے کہ یہ مقام صرف نبی کریم ﷺ ہی کو حاصل ہوگا، خواہ کوئی انسان آپ کے لئے اس کے حصول کی دعا کرے یا نہ کرے، لیکن تواضع اور انکساری کی وجہ سے آپ ﷺ نے مسلمانوں سے دعا کرنے کا فرمایا ہے، ایک تو اس وجہ سے تا کہ اس مسلمان کو فائدہ ہو، اور دوسرا یہ پیغام دینا مقصود ہے کہ اہل ایمان کو اپنے کسی نیک عمل پر تکبر وغرور اور اترانا نہیں چاہیے، بلکہ جو بھی نیکی کی توفیق ہوجائے، اس پر اللہ جل جلالہ کا تہ دل سے شکر ادا کرنا چاہیے۔(۱)

عَنْ أُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: مَثَلِي فِي النَّبِيِّينَ كَمَثَلِ رَجُلٍ بَنَى دَارًا، فَأَحْسَنَهَا وَأَكْمَلَهَا، وَأَجْمَلَهَا، وَتَرَكَ مِنْهَا مَوْضِعَ لَبِنَةٍ، فَجَعَلَ النَّاسُ يَطُوفُونَ بِالْبِنَاءِ، وَيَعْجَبُونَ مِنْهُ، وَيَقُولُونَ: لَوْ تَمَّ مَوْضِعُ تِلْكَ اللَّبِنَةِ، وَأَنَا فِي النَّبِيِّينَ مَوْضِعُ تِلْكَ اللَّبِنَةِ.

وَبِهٰذَا الإِسْنَادِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: إِذَا كَانَ يَوْمُ القِيَامَةِ كُنْتُ إِمَامَ النَّبِيِّينَ، وَخَطِيبَهُمْ وَصَاحِبَ شَفَاعَتِهِمْ، غَيْرُ فَخْرٍ.(۲)

حضرت ابی بن کعب سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: انبیاء میں میری مثال اس شخص کی مانند ہے، جس نے ایک گھر بنایا، اس کی عمارت کو اچھا بنایا، اسے مکمل اور خوبصورت بنایا، اور اس نے اس گھر میں ایک اینٹ کی جگہ چھوڑ دی، چنانچہ لوگ اس عمارت کے گرد گھومتے اور تعجب کرتے اور یہ کہتے: کاش اس اینٹ کی جگہ بھی مکمل ہوجاتی، اور میں نبیوں میں اس اینٹ کی جگہ ہوں (یعنی میری مثال انبیاء میں اس اینٹ کی طرح ہے)۔

اسی سند سے یہ بھی منقول ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب قیامت کا دن ہوگا، تو میں تمام نبیوں کا امام، ان کا متکلم وترجمان، اور ان کی سفارش کروں گا، اس میں کوئی فخر کی بات نہیں (بلکہ یہ ایک حقیقت کا اظہار ہے)

عَنْ أَبِي سَعِيدٍ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَنَا سَيِّدُ وَلَدِ آدَمَ يَوْمَ القِيَامَةِ وَلَا فَخْرَ، وَبِيَدِي لِوَاءُ الحَمْدِ وَلَا فَخْرَ، وَمَا مِنْ نَبِيٍّ يَوْمَئِذٍ آدَمُ، فَمَنْ سِوَاهُ إِلَّا تَحْتَ لِوَائِي، وَأَنَا أَوَّلُ مَنْ تَنْشَقُّ عَنْهُ الأَرْضُ وَلَا

---

(۱) مرقاۃ المفاتیح ۲/۲۳۱، کتاب الصلاۃ باب فضل الاذان واجابة المؤذن رقم الحدیث: ۶۵۹

(۲) سنن ابن ماجة، الزهد، باب ذکر الشفاعة، رقم: ۴۳۱۴۔

فَخْرَ۔(۱)

حضرت ابو سعید خدری سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: قیامت کے دن میں تمام اولاد آدم کا سردار ہوں گا، اور میں یہ بات فخر کے طور پر نہیں کہتا، اور میرے ہاتھ میں ہی حمد الٰہی کا پرچم ہوگا، اس میں کوئی فخر کی بات نہیں، اس دن حضرت آدم سمیت تمام نبی میرے جھنڈے کے نیچے ہوں گے، اور میں ہی وہ شخص ہوں، جس کی قبر کی زمین سب سے پہلے پھٹے گی اور میں یہ بات فخر کے طور پر نہیں کہتا۔

مشکل الفاظ کے معنیٰ: **فأحسنها:** اس گھر کو اچھا کر کے بنایا، **وأکملها:** اور اس گھر کی تعمیر کو مکمل کیا، **وأجملها:** اور اس کو مزین اور آراستہ کیا، **غیر فخر:** لفظ غیر پر پیش ہے، یہ خبر ہے اس کا مبتدا محذوف ہے یعنی: **هذا غیر فخر:** میں یہ بات فخر کی وجہ سے نہیں کہہ رہا، **یطوفون بالبناء:** وہ اس عمارت کا چکر لگاتے ہیں، اس کے گرد گھومتے ہیں، **ویعجبون منه:** اور اس بناء سے خوش ہوتے ہیں، اور اس کی وجہ سے تعجب کرتے ہیں، **لواء:** جھنڈا، **موضع لبنة:** (لام پر زبر اور با کے نیچے زیر) اینٹ کی جگہ، **لوتم:** کاش اس اینٹ کی جگہ مکمل ہو جاتی، **سید:** قوم کا سردار، جو لوگوں کے مسائل حل کرتا ہو، مشکل میں لوگوں کا سہارا ہو، لوگوں کی نا مناسب باتیں برداشت کرتا ہو اور مشکل میں لوگوں کے کام آتا ہو، **فمن سواہ:** حضرت آدم کے علاوہ تمام نبی، آدم سمیت تمام انبیاء۔

ایک مثال سے ختم نبوت کی وضاحت

پہلی حدیث میں نبی کریم ﷺ نے ایک مثال کے ذریعے ختم نبوت کی وضاحت فرمائی ہے، وہ یہ کہ انبیاء میں میری مثال اس شخص کی طرح ہے، جس نے ایک گھر تیار کیا، انتہائی عمدہ عمارت اور خوبصورت مکان تیار کر لیا، لیکن اس کی دیوار میں ایک اینٹ کی جگہ چھوڑ دی، اس پر لوگوں کو بڑا تعجب ہوا، اور وہ اس پر تبصرے کر کے یوں کہتے کہ اے کاش اس اینٹ کی جگہ بھی مکمل کر دی جاتی تو کیا ہی اچھا ہوتا، آپ نے فرمایا کہ اس آخری اینٹ سے میں مراد ہوں کہ میں قصر نبوت کی آخری کڑی اور اینٹ ہوں، میں ہی خاتم الانبیاء ہوں، میرے بعد قیامت تک کوئی نبی نہیں آئے گا۔

نبی کریم ﷺ قیامت کے دن سردار ہوں گے

دوسری حدیث میں چار چیزوں کا ذکر ہے:

۱۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ قیامت کے دن میں تمام اولاد آدم کا سردار ہوں گا، یہ سب اللہ جل جلالہ کی طرف سے مجھ پر انعامات ہیں، میں ان پر کسی قسم کا کوئی فخر نہیں کرتا، امام نووی فرماتے ہیں کہ یہ بات آپ ﷺ نے دو وجہ سے ارشاد فرمائی ہے:

---

(۱) سنن ابن ماجة، الزهد، باب ذكر الشفاعة، رقم: ۴۳۰۸۔

✿ اس آیت پر عمل کرنے کے لئے: و اما بنعمة ربک فحدث تا کہ اپنے رب کی نعمت کا اظہار ہو جائے۔

✿ تا کہ امت محمدیہ کے افراد کو یہ معلوم ہو جائے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اللہ کے ہاں اتنا اونچا مقام ہے، کیونکہ دل میں جب عقیدت ومحبت کے جذبات ہوں گے تو پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کامل طریقے سے کریں گے۔

۲۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک میں اللہ کی حمد وثناء کا پرچم ہوگا، اس "لواء الحمد" سے کیا مراد ہے، اس میں دو قول ہیں:

✿ علامہ طیبی فرماتے ہیں کہ قیامت کے دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تمام مخلوق کے سامنے اللہ تعالیٰ کی چند مخصوص کلمات کے ذریعے حمد وثناء کریں گے، آپ کے علاوہ کسی اور نبی کو یہ شرف اور مقام حاصل نہیں ہوگا، پھر دوسرے لوگ آپ سے حمد سیکھیں گے، اس چیز کو "لواء الحمد" سے تعبیر کیا گیا ہے۔

✿ یہ بھی ممکن ہے کہ قیامت کے دن اللہ کی حمد وثناء کا حقیقت میں ایک جھنڈا ہو، جس کا نام "لواء الحمد" ہے، وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں ہوگا۔

۳۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس پرچم کے نیچے عام لوگوں کے ساتھ ساتھ حضرت آدم سمیت تمام انبیاء بھی ہوں گے، اس خوفناک منظر میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تمام انسانوں کے لئے ماویٰ وملجا اور سہارا ہوں گے، اس سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مزید عظمت شان ثابت ہوتی ہے۔(۱)

۴۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کی زمین سب سے پہلے پھٹے گی اور اس سے آپ باہر تشریف لائیں گے۔

اس حدیث میں ہے: انا سید ولد آدم یوم القیامة و لا فخر، .... اس سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دیگر انبیاء پر فضیلت ثابت ہوتی ہے، جبکہ دوسری حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لا تفضلوا بین الانبیاء تم اللہ کے نبیوں میں کسی کو کسی پر فضیلت نہ دو، اس دوسری حدیث سے کیا مراد ہے؟ اس بارے میں امام نوویؒ نے پانچ توجیہات ذکر کی ہیں:

۱۔ لا تفضلوا کا مطلب یہ ہے کہ نبوت کے مرتبے میں تمام انبیاء برابر ہیں، اس اعتبار سے کسی نبی کو کسی نبی پر فضیلت نہ دو، کیونکہ نبوت کے لحاظ سے تمام نبی یکساں ہیں، ہاں بعض خصوصیات کی وجہ سے بعض نبی، بعض سے ممتاز اور افضل ہو سکتے ہیں، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اسے یوں بیان فرمایا: تلک الرسل فضلنا بعضهم علی بعض۔

۲۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تواضع اور انکساری کی وجہ سے یہ فرمایا، ورنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تو واقعی تمام نبیوں سے افضل ہیں اور یہ بات آپ کو معلوم تھی۔

۳۔ ممانعت کے معنی یہ ہیں کہ تم کسی نبی کی فضیلت و برتری اس انداز سے مبالغہ کے ساتھ بیان نہ کرو، جس سے دوسرے انبیاء کی یا کسی ایک نبی کی توہین، تنقیص اور تحقیر لازم آئے۔

۴۔ ایسے مقام پر میری فضیلت بیان نہ کیا کرو، جہاں لوگوں میں لڑائی جھگڑے اور فتنے کا اندیشہ ہو۔

---

(۱) مرقاة المفاتیح ۱۰/۴۴۱، کتاب الفضائل والشمائل باب فضائل سید المرسلین، رقم الحدیث: ۵۷۶۱

۵۔ لاتفضلوا..... اس وقت آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا، جس وقت ابھی آپ کو وحی کے ذریعہ یہ نہیں بتایا گیا تھا کہ آپ تمام انبیاء سے افضل اور اعلیٰ ہیں، پھر جب آپ کو بتادیا گیا کہ آپ ﷺ تمام انبیاء سے افضل ہیں، تو پھر آپ کو کسی بھی نبی کے مقابلے میں افضل واشرف کہنا درست ہے، اس میں کوئی حرج نہیں، تاہم یہ بات پیش نظر رہے کہ آپ ﷺ کی فضیلت و برتری کو ضرور بیان کیا جائے، لیکن اس انداز سے کہ جس سے کسی اور نبی کی شان میں کوئی تحقیر وتنقیص لازم نہ آئے۔(۱)

عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو، أَنَّهُ سَمِعَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: إِذَا سَمِعْتُمُ الْمُؤَذِّنَ فَقُولُوا مِثْلَ مَا يَقُولُ، ثُمَّ صَلُّوا عَلَيَّ، فَإِنَّهُ مَنْ صَلَّى عَلَيَّ صَلَاةً، صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ بِهَا عَشْرًا، ثُمَّ سَلُوا لِيَ الْوَسِيلَةَ فَإِنَّهَا مَنْزِلَةٌ فِي الْجَنَّةِ، لَا تَنْبَغِي إِلَّا لِعَبْدٍ مِنْ عِبَادِ اللّٰهِ، وَأَرْجُو أَنْ أَكُونَ أَنَا هُوَ، وَمَنْ سَأَلَ لِيَ الْوَسِيلَةَ حَلَّتْ عَلَيْهِ الشَّفَاعَةُ.(۲)

حضرت عبداللہ بن عمرو نے نبی کریم ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ جب تم مؤذن کی اذان سنو، تو تم بھی وہی کلمات کہو جو مؤذن کہتا ہے، پھر مجھ پر درود بھیجو، کیونکہ جو شخص مجھ پر ایک مرتبہ درود بھیجتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کی وجہ سے اس پر دس رحمتیں نازل کرتے ہیں پھر میرے لئے وسیلہ مانگو، وسیلہ جنت کا ایک اعلیٰ درجہ ہے جو اللہ کے بندوں میں سے صرف ایک بندے کے لئے ہی مناسب ہے اور مجھے امید ہے کہ وہ بندہ میں ہی ہوں گا، اور جو شخص میرے لئے مقام وسیلہ مانگے، تو اس کے لئے میری شفاعت حلال (یعنی واجب وثابت) ہوجائے گی۔

اذان کے بعد مقام وسیلہ کی دعا کرنے کی فضیلت

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جو شخص اذان کے کلمات کا مسنون طریقے کے مطابق جواب دے اور پھر درود شریف پڑھے اور اذان کے بعد وہ دعا مانگے، جس میں نبی کریم ﷺ کے لئے مقام وسیلہ کی دعا کا ذکر ہے، تو قیامت کے دن نبی کریم ﷺ ضرور اس کی شفاعت فرمائیں گے، نیز اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اذان کے بعد بھی نبی کریم ﷺ پر درود بھیجنا چاہیے، اللہ تعالیٰ عمل کی توفیق عطا فرمائے۔

فقولوا مثل مایقول، اذان کے کلمات کا جواب اسی طرح دینا ہے، جس طرح مؤذن وہ کلمات کہتا ہے، البتہ جب مؤذن حی علی الصلاۃ اور حی علی الفلاح کہے تو ان کے جواب میں لا حول و لا قوۃ الا باللہ کہا جائے، صحیح مسلم کی حدیث میں اس کی تصریح ہے۔(۳)

---

(۱) شرح مسلم للنووی ۲/۲۴۵، کتاب الفضائل، باب تفضیل نبینا ﷺ، تکملۃ فتح الملہم ۴/۲۷۳، کتاب الفضائل، باب تفضیل نبینا ﷺ علی جمیع الخلائق۔

(۲) الصحیح لمسلم، الصلاۃ، استحباب القول مثل قول المؤذن، رقم: ۳۸۴۔

(۳) صحیح مسلم ۱/۱۶۷، کتاب الصلاۃ، باب استحباب القول مثل قول المؤذن

حلّت علیہ الشافعة نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر اس شخص کی شفاعت حلال ہوجاتی ہے، حلال سے مراد یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ضرور اس کی سفارش فرمائیں گے۔(۱)

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: جَلَسَ نَاسٌ مِنْ أَصْحَابِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَنْتَظِرُونَهُ قَالَ: فَخَرَجَ حَتَّى إِذَا دَنَا مِنْهُمْ، سَمِعَهُمْ يَتَذَاكَرُونَ فَسَمِعَ حَدِيثَهُمْ، فَقَالَ بَعْضُهُمْ: عَجَبًا إِنَّ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ اتَّخَذَ مِنْ خَلْقِهِ خَلِيلًا، اتَّخَذَ إِبْرَاهِيمَ خَلِيلًا، وَقَالَ آخَرُ: مَاذَا بِأَعْجَبَ مِنْ كَلَامِ مُوسَى كَلَّمَهُ تَكْلِيمًا، وَقَالَ آخَرُ: فَعِيسَى كَلِمَةُ اللّٰهِ وَرُوحُهُ، وَقَالَ آخَرُ: آدَمُ اصْطَفَاهُ اللّٰهُ.

فَخَرَجَ عَلَيْهِمْ فَسَلَّمَ وَقَالَ: قَدْ سَمِعْتُ كَلَامَكُمْ وَعَجَبَكُمْ، إِنَّ إِبْرَاهِيمَ خَلِيلُ اللّٰهِ، وَهُوَ كَذٰلِكَ، وَمُوسَى نَجِيُّ اللّٰهِ وَهُوَ كَذٰلِكَ، وَعِيسَى رُوحُهُ وَكَلِمَتُهُ وَهُوَ كَذٰلِكَ، وَآدَمُ اصْطَفَاهُ اللّٰهُ وَهُوَ كَذٰلِكَ، أَلَا وَأَنَا حَبِيبُ اللّٰهِ وَلَا فَخْرَ، وَأَنَا حَامِلُ لِوَاءِ الْحَمْدِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلَا فَخْرَ، وَأَنَا أَوَّلُ شَافِعٍ، وَأَوَّلُ مُشَفَّعٍ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلَا فَخْرَ، وَأَنَا أَوَّلُ مَنْ يُحَرِّكُ حِلَقَ الْجَنَّةِ، فَيَفْتَحُ اللّٰهُ لِي فَيُدْخِلُنِيهَا، وَمَعِي فُقَرَاءُ الْمُؤْمِنِينَ وَلَا فَخْرَ، وَأَنَا أَكْرَمُ الْأَوَّلِينَ وَالْآخِرِينَ، وَلَا فَخْرَ.(۲)

حضرت عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں کہ چند صحابہ کرام (مسجد نبوی میں) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی انتظار میں (بیٹھے) تھے، فرماتے ہیں: پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے، جب آپ ان کے قریب ہوئے تو ان کو آپس میں باتیں کرتے ہوئے سنا، اسی میں آپ نے ان کی باتیں سن لیں، ان صحابہ میں سے ایک نے کہا: حیرت ہے کہ اللہ عز وجل نے اپنی تمام مخلوقات میں ایک گہرا دوست بنایا، اللہ تعالیٰ نے ابراہیم کو خلیل بنایا، دوسرے نے کہا: موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ ہم کلامی سے زیادہ حیرت ناک بات کیا ہوسکتی ہے، اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ سے کلام کیا، تیسرے نے کہا: ارے عیسیٰ علیہ السلام تو اللہ کے کلمہ کن سے پیدا ہوئے اور وہ اللہ کی خاص روح ہیں، چوتھا کہنے لگا: آدم کو اللہ نے چن لیا۔

چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے، سلام کیا اور فرمایا: میں نے تم لوگوں کی باتیں اور تمہارا تعجب کرنا سن لیا ہے، واقعہ یہ ہے کہ ابراہیم اللہ کے خاص دوست ہیں اور واقعتہ وہ ایسے ہی ہیں، اور موسیٰ اللہ کے ساتھ سرگوشی کرنے والے یعنی کلیم اللہ ہیں، اور وہ اسی طرح ہی ہیں، اور عیسیٰ اللہ کی روح ہیں اور اس کے کلمہ کن سے پیدا ہوئے ہیں، اور وہ ایسے ہی ہیں، اور آدم کو اللہ جل شانہ نے منتخب کیا ہے، اور وہ اسی طرح ہیں اور یہ بات تم اچھی طرح جان لو کہ میں اللہ کا محبوب دوست ہوں اور یہ بات میں فخر کے طور پر نہیں کہہ رہا، اور میں ہی قیامت کے دن حمد کے جھنڈے کو اٹھاؤں گا، اور اس میں کوئی فخر کی بات نہیں، قیامت کے دن سب سے پہلے شفاعت کرنے والا میں ہی ہوں گا اور سب سے پہلے

(۱) تحفة الاحوذی ۸۲/۲

(۲) سنن الدارمی ۲۶/۱، باب ما اعطی النبی صلی اللہ علیہ وسلم من الفضل۔

میری شفاعت کو ہی قبول کیا جائے گا، یہ بھی فخر کے طور پر نہیں کہہ رہا، میں ہی سب سے پہلے جنت کے (دروازے کے) کڑے اور کنڈے ہلاؤں گا، اللہ تعالیٰ میرے لئے کھولیں گے، اور اللہ تعالیٰ مجھے جنت میں داخل کریں گے، اس وقت مؤمن فقراء میرے ساتھ ہوں گے، اور میں کوئی فخر نہیں کر رہا، اور میں ہی اگلوں اور پچھلوں میں سب سے زیادہ معزز و مکرم ہوں گا اور میں یہ بات فخر کے طور پر نہیں کہہ رہا۔

مشکل الفاظ کے معنی: **دنا منهم:** ان کے قریب ہوئے، **یتذاکرون:** آپس میں وہ تذکرہ اور گفتگو کر رہے تھے، **ماذا بأعجب:** کلام موسیٰ سے زیادہ تعجب والی بات کیا ہے، **وھو کذالک:** وہ اسی طرح ہیں یعنی ان کی یہی شان اور مقام ہے، **نجی اللہ:** اللہ سے سرگوشی کرنے والے یعنی کلیم اللہ، **أول مشفع:** (صیغہ اسم مفعول) سب سے پہلے میری شفاعت ہی قبول کی جائے گی، **یحرک:** ہلائے گا، حرکت دے گا، **حلق:** (حا کے نیچے زیر اور لام پر زبر) حلقۃ کی جمع ہے، دروازے کے کنڈے، کڑے، دروازے کی زنجیر، جس سے دروازے کو کھٹکھٹایا جاتا ہے۔

میں ہی اللہ کا حبیب ہوں

نبی کریم ﷺ نے ایک مرتبہ بعض صحابہ کی باتیں سنیں، جن میں وہ بعض انبیاء کی فضیلتوں کو ذکر کر رہے تھے، ایک نے تعجب کے طور پر کہا: حضرت ابراہیم اللہ کے خلیل ہیں، قرآن مجید میں ہے واتخذ اللہ ابراھیم خلیلا (اللہ تعالیٰ نے ابراہیم کو خلیل بنایا) دوسرا کہنے لگا کہ اس سے بھی زیادہ عجیب بات یہ ہے کہ حضرت موسیٰ نے اللہ جل شانہ سے کلام کیا ہے، قرآن میں ہے وکلم اللہ موسیٰ تکلیما (اللہ تعالیٰ نے موسیٰ سے کلام کیا) تیسرا کہنے لگا کہ حضرت عیسیٰ کو بھی یاد کرو، وہ اللہ کے کلمہ کن سے اور اللہ کی خصوصی روح سے پیدا ہوئے ہیں، قرآن میں ہے: انما المسیح عیسیٰ ابن مریم رسول اللہ وکلمته ألقھا الی مریم وروح منه (حضرت عیسیٰ مریم کے بیٹے ہیں، اللہ کے رسول ہیں اور اللہ کا کلمہ ہیں جسے اللہ نے مریم میں ڈالا اور اس کے روح ہیں)، چوتھا کہنے لگا کہ اللہ نے حضرت آدم کو بھی منتخب فرمایا، اللہ جل شانہ فرماتے ہیں: ان اللہ اصطفی ادم (بے شک اللہ تعالیٰ نے آدم کو چن لیا) نبی کریم ﷺ نے ان کی باتیں سن کر فرمایا کہ جن انبیاء کی جو صفات اور فضائل آپ لوگوں نے بیان کئے ہیں واقعۃً وہ اسی شان کے مالک ہیں، وہ اس طرح ہی تھے، لیکن تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ میں حبیب اللہ ہوں، وہ تمام فضائل اور صفات جو مختلف انبیاء کی ہیں، وہ سب میرے اندر جمع ہیں، پھر نبی کریم ﷺ نے اپنی بعض خصوصیات بیان فرمائیں:

۱۔ میں اللہ کا حبیب ہوں، یعنی میں اللہ سے محبت کرتا ہوں اور اللہ مجھ سے محبت کرتے ہیں۔

۲۔ قیامت کے دن میں ہی حمد کا پرچم اٹھاؤں گا اور اس میں کوئی فخر کی بات نہیں۔

۳۔ سب سے پہلے میں ہی قیامت کے دن لوگوں کی سفارش کروں گا، اور میری سفارش کو ہی سب سے پہلے قبول کیا جائے گا، اور یہ اللہ کا کرم ہے اس میں میرا کوئی فخر اور کمال نہیں۔

۴۔ جنت کے دروازے کا کنڈا سب سے پہلے میں کھٹکھٹاؤں گا، اللہ تعالیٰ میرے لئے جنت کا دروازہ کھولیں گے، چنانچہ سب سے پہلے میں جنت میں داخل ہوں گا، اور میرے ساتھ مہاجرین وانصار اور مسلمانوں میں جو دنیا میں تنگدست اور فقراء تھے، وہ میرے ساتھ سب سے پہلے جنت میں داخل ہوں گے جیسا کہ ایک اور حدیث میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا: میری امت کے فقراء، مالداروں سے پانچ سو سال پہلے جنت میں داخل ہوں گے۔

۵۔ میں تمام اگلوں اور پچھلوں سے خواہ وہ انبیاء ہوں یا دوسرے لوگ، سب سے زیادہ معزز ومحترم اور مکرم ہوں، گویا لفظ ''حبیب'' میں خلیل، کلیم اور ہر طرح کے اعزاز واکرام کے معنیٰ داخل ہیں۔

اس روایت میں دو دفعہ لفظ ''خرج'' استعمال ہوا ہے، پہلے فرمایا: فخرج حتی اذا دنا منهم ..... پھر فرمایا: فخرج علیهم وسلم، وقال: قد سمعت کلامکم وعجبکم، ملا علی قاری فرماتے ہیں کہ ممکن ہے: آپ ﷺ جب پہلی بار تشریف لائے تو دیکھا کہ وہ آپس میں باتیں کر رہے ہیں تو آپ وہیں ذرا پیچھے کھڑے ہو کر ان کی باتیں سننے لگے، پھر جب آپ نے ان کی باتیں سن لیں تو پھر آپ ان کے سامنے آئے اور انہیں سلام کیا، ان دونوں حالتوں کے اعتبار سے دو مرتبہ لفظ خرج استعمال کیا گیا ہے۔(۱)

فعیسیٰ کلمة الله وروحه حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے کلمہ اور روح ہیں، ان کو اللہ کا کلمہ کیوں کہا گیا؟ مفسرین نے اس کی مختلف وجوہ بیان کی ہیں، امام غزالی نے اس کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام چونکہ ولادت کے عام معروف طریقے کے بغیر صرف اللہ کے کلمہ ''کن'' سے پیدا ہوئے ہیں، اس لئے ان کو ''کلمة اللہ'' کہا گیا ہے، اس صورت میں قرآن مجید کی آیت القها الی مریم کے معنیٰ یہ ہوں گے: اللہ تعالیٰ نے یہ کلمہ حضرت مریم علیہا السلام تک پہنچا دیا، جس کے نتیجے میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش عمل میں آگئی۔

اور ایک قول یہ ہے کہ روح کے معنیٰ: نفخ یعنی پھونکنے کے ہیں، حضرت جبرائیل علیہ السلام نے حضرت مریم کے گریبان میں اللہ کے حکم سے پھونک دیا تھا اور اسی سے حمل قرار پا گیا، چونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام معجزے کے طور پر صرف نفخ سے پیدا ہو گئے تھے، اس لئے آپ کو روح اللہ کہا گیا ہے، قرآن مجید کی دوسری آیت فنفخنا فیها من روحنا میں اسی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔(۲)

خلیل اور حبیب میں فرق

اس میں کوئی شک نہیں کہ تمام انبیاء اور اہل ایمان اللہ جل جلالہ کے دوست اور محبوب ہیں، لیکن دوستی اور محبوبیت کے بھی

---

(۱) مرقاة المفاتیح ۱۰/ ۴۴۳، کتاب الفضائل والشمائل، رقم الحدیث: ۵۷۶۲۔

(۲) تفسیر مظہری ۳/ ۳۴ سورہ نساء، آیت نمبر: ۱۷۱، روح المعانی ۴/ ۲۵، تفسیر قرطبی ۶/ ۲۳، معارف القرآن ۲/ ۶۱۶، ۶۱۷، سورہ نساء۔

مختلف درجات اور مراتب ہوتے ہیں، اس لئے یہاں گفتگو دوستی اور محبوبیت کے اس اعلیٰ درجے کے بارے میں ہے، جو سب سے اعلیٰ اور سب سے افضل اور بہتر ہے، چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خلیل اللہ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حبیب اللہ کا مقام حاصل ہے، حبیب اور خلیل میں سے حبیب کا درجہ سب سے اعلیٰ واشرف ہے، اسے سمجھنے کے لئے حبیب اور خلیل کے معنی دیکھئے:

۱۔ ملا علی قاری فرماتے ہیں کہ "خلیل" اس دوست کو کہتے ہیں جس کی دوستی اپنی کسی غرض، مقصد اور ضرورت کی وجہ سے ہو جبکہ "حبیب" وہ دوست ہوتا ہے جس کی دوستی کسی غرض اور مفاد کے بغیر ہو۔

۲۔ خلیل اسے کہتے ہیں جس کا ہر عمل اللہ جل جلالہ کی منشا اور رضا کے مطابق ہو، اس کی مرضی کے خلاف کوئی کام نہ کرتا ہو، اور حبیب اس شخص کو کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا ہر معاملہ اس حبیب کی رضا، منشا اور اس کی خواہش کے مطابق ہو، ظاہر ہے کہ یہ انتہائی اعلیٰ مقام ہے، اس کے چند دلائل قرآنی آیات سے:

۞ فلنولینک قبلة ترضھا (ترجمہ: سوالبتہ پھیریں گے ہم تجھ کو جس قبلے کی طرف تو راضی ہے) (سورۃ بقرۃ: ۱۴۴)

۞ ولسوف یعطیک ربک فترضیٰ (اور تیرا رب تجھے آگے دے گا پھر تو راضی ہوگا) (سورہ ضحیٰ: ۵)

۞ ورفعنالک ذکرک (اور ہم نے تیرا ذکر بلند کیا) (سورہ الم نشرح: ۴)

۞ انا اعطیناک الکوثر (بیشک ہم نے تجھے کوثر عطا کی) (سورہ کوثر)

۞ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبوبیت کے بارے میں سب سے اہم یہ آیت ہے: قل ان کنتم تحبون الله فاتبعونی یحببکم الله ((اے محمد) کہہ دیجئے کہ اگر تم اللہ کی محبت رکھتے ہو، تو میری پیروی کرو، اللہ تم سے محبت کرے گا) (سورہ آل عمران: ۳۱)(۱)

ضرورت کے موقع پر اپنا تعارف کرانے کا حکم

اس حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اس مقام کا تعارف کرایا، جو آپ کا اللہ جل جلالہ کے ہاں ہے، اس سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی شخص ضرورت کے موقع پر اپنی صلاحیتوں اور تعلیمی حیثیت کو لوگوں کے سامنے ذکر کرے یا "کاغذات، سندات اور سرٹیفکیٹس" کے ذریعہ اپنا تعارف کرائے، تو ایسا کرنا جائز ہے، بس شرط یہ ہے کہ دل میں اپنے کو بڑا نہ سمجھے، نام ونمود اور ریاکاری پیش نظر نہ ہو۔

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ سَلَامٍ: مَكْتُوبٌ فِي التَّوْرَاةِ صِفَةُ مُحَمَّدٍ وَعِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ يُدْفَنُ مَعَهُ قَالَ. فَقَالَ أَبُو مَوْدُودٍ: وَقَدْ بَقِيَ فِي الْبَيْتِ مَوْضِعُ قَبْرٍ.

حضرت عبداللہ بن سلام فرماتے ہیں کہ تورات میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف مذکور ہیں، اور یہ بھی لکھا ہوا ہے کہ

(۱) مرقاۃ المفاتیح ۴۴۳/۱۰، کتاب الفضائل، باب فضائل سید المرسلین، رقم: ۵۷۶۲۔

عیسیٰ بن مریم آپ کے ساتھ (حجرہ مبارکہ میں) دفن کئے جائیں گے، حدیث کے ایک راوی ابومودود یعنی عبدالعزیز بن سلیمان مدنی کہتے ہیں کہ حجرہ مبارکہ میں ایک قبر کی جگہ باقی ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو روضہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں دفن کیا جائے گا

مذکورہ حدیث سے درج ذیل امور ثابت ہوتے ہیں:

۱۔ تورات میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اوصاف مذکور تھے کہ آپ فلاں قبیلے سے اور فلاں علاقے میں پیدا ہوں گے، ان کی شکل وصورت، قدوقامت اور جسم کے اعضاء ایسے ایسے ہوں گے ..... اس سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عظمت وفضیلت ثابت ہوتی ہے، اسی وجہ سے اس حدیث کو امام ترمذی نے یہاں پر ذکر کیا ہے۔

۲۔ یہ بھی تورات میں لکھا تھا کہ عیسیٰ علیہ السلام کو روضہ رسول میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ دفن کیا جائے گا، اس بات کی تائید مندرجہ ذیل روایات سے بھی ہوتی ہے:

۞ ابن الجوزی نے کتاب الوفاء میں حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روایت نقل کی ہے جس میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی جب وفات ہوگی، تو وہ میرے ساتھ مقبرہ میں دفن کئے جائیں گے، میں اور عیسیٰ، ابوبکر وعمر کے درمیان اٹھیں گے، اس حدیث کو ضعیف کہا گیا ہے۔(۱)

۞ اخبار المدینہ میں حضرت سعید بن مسیب کا قول ہے کہ حضرت عائشہ کے حجرہ میں یعنی روضہ رسول میں اس وقت تین قبریں ہیں اور ایک قبر کی جگہ خالی ہے، جس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو دفن کیا جائے گا۔

۞ حضرت عائشہ کی ایک روایت ہے جس میں انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روضہ رسول میں آپ کے ساتھ دفن ہونے کی اجازت طلب کی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: أَنّٰى لَكِ بِذٰلِكِ وَلَيْسَ فِي ذٰلِكَ الْمَوْضِعِ اِلَّا قَبْرِي وَقَبْرُ اَبِي بَكْرٍ وعُمَرَ وعِيْسَى بْنِ مَرْيَمَ (یعنی تم یہاں دفن نہیں ہوسکوگی، کیونکہ اس میں صرف میری، ابوبکر وعمر اور عیسیٰ بن مریم کی قبریں ہوں گی)۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث ثابت نہیں ہے۔(۲)

روضہ رسول میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کی قبروں کی ترتیب اس طرح ہے کہ سب سے آگے قبلہ والی جانب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قبر مبارک ہے، اس کے بعد حضرت ابوبکر کی قبر اس طرح ہے کہ جہاں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سینہ مبارک ہے وہاں حضرت ابوبکر کا سر ہے، حضرت ابوبکر کی قبر کے بعد حضرت عمر کی قبر اس طرح ہے کہ جہاں حضرت ابوبکر کا سینہ ہے وہاں

---

(۱) مرقاة المفاتيح ۱۰/۱۶۵، كتاب الفتن، باب نزول عيسى عليه السلام، رقم: ۵۵۰۸۔

(۲) فتح الباری ۷/۸۳، کتاب فضائل اصحاب النبی ﷺ، باب قصة البيعة والاتفاق على عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ۔

حضرت عمر کا سر ہے، اور حضرت عمر کے پہلو میں ایک قبر کی جگہ خالی ہے، جس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو دفن کیا جائے گا، (۱)

• چنانچہ ایک روایت میں ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس دنیا میں اپنی عمر کے آخری وقت میں بیت اللہ کا حج کریں گے، واپسی کے وقت مکہ اور مدینہ کے درمیان ان کا انتقال ہو جائے گا، پھر ان کی نعش مبارک مدینہ منورہ میں لائی جائے گی اور روضہ رسول میں حضرت عمر کے پہلو میں انہیں دفن کیا جائے گا، اس طرح یہ دونوں صحابی حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق دو نبیوں کے درمیان قیامت تک آرام فرما رہیں گے، یہ وہ اعزاز ہے جو ان کے علاوہ کسی اور انسان کو حاصل نہیں۔ (۲)

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، قَالَ: لَمَّا كَانَ الْيَوْمُ الَّذِي دَخَلَ فِيهِ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمَدِينَةَ، أَضَاءَ مِنْهَا كُلُّ شَيْءٍ، فَلَمَّا كَانَ الْيَوْمُ الَّذِي مَاتَ فِيهِ، أَظْلَمَ مِنْهَا كُلُّ شَيْءٍ، وَمَا نَفَضْنَا عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْأَيْدِي، وَإِنَّا لَفِي دَفْنِهِ حَتَّى أَنْكَرْنَا قُلُوبَنَا. (۳)

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ جس دن نبی کریم ﷺ مدینہ منورہ میں داخل ہوئے تھے، تو مدینہ کی ہر چیز روشن ہو گئی تھی، پھر جس دن آپ ﷺ کا انتقال ہوا تو مدینہ کی ہر چیز تاریک ہو گئی تھی، اور ہم نے ابھی ہاتھوں کو رسول اللہ ﷺ (کی قبر پر مٹی ڈال کر) جھاڑا نہیں تھا جبکہ ہم آپ کے دفن میں مشغول تھے یہاں تک کہ ہم نے اپنے دلوں کو اجنبی پایا (اور ہم اپنے دلوں کو پہچان نہ سکے کہ ان میں وہ کیفیت باقی نہیں رہی، جو نبی کریم ﷺ کی موجودگی کے وقت تھی)۔

مشکل الفاظ کے معنی: أضاء: روشن ہو گئے، منها: اس میں "ہا" ضمیر مدینہ کی طرف لوٹ رہی ہے، ما نفضنا: ہم نے جھاڑا نہیں تھا، صاف نہیں کیا تھا، وانا لفی دفنه: اس حال میں کہ ہم نبی کریم ﷺ کے دفن میں مشغول تھے، حتی انکرنا قلوبنا: یہاں تک کہ ہم نے اپنے دلوں کو نہ پہچانا، ہم نے اپنے دلوں کو اجنبی اور اوپرا پایا۔

مدینہ کی رونقیں اور روشنیاں

اس حدیث میں نبی کریم ﷺ کی برکات کی طرف اشارہ ہے کہ مدینہ منورہ کی ساری رونقیں، روشنیاں اور چمک دمک نبی کریم ﷺ کے بابرکت وجود سے تھی، آپ کی حیات سے ہر چیز تروتازہ اور دلوں میں ایمان ویقین کے خاص قسم کے انوار اور ولولے موجود تھے، ہر طرف رونقیں، بہاریں اور روشنیاں ہی روشنیاں تھیں، انوار نبوی سے مسکراتا یہ شہر اس وقت پھر تاریک ہو گیا، جس وقت آپ ﷺ کی وفات ہو گئی، حضرت انس فرماتے ہیں کہ آپ کے انتقال سے ہمارے دلوں کی کیفیتیں ہی بدل گئیں، ہم

---

(۱) مرقاۃ المفاتیح ۱۰/۱۲۵، کتاب الفتن، باب نزول عیسیٰ علیہ السلام، رقم: ۵۵۰۸۔

(۲) مرقاۃ ۱۰/۴۵۱، کتاب الفضائل، باب فضائل سید المرسلین ﷺ

(۳) سنن ابن ماجۃ، الجنائز، باب ذکر وفاته، رقم: ۱۶۳۱۔

ابھی آپ کے دفن میں ہی مشغول تھے کہ ہم نے اپنے دلوں کو اس کیفیت سے خالی پایا گویا وہ اجنبی اور عجیب وغریب ہو گئے، دلوں میں انوار و برکات کی وہ حالت باقی نہ رہی، جو نبی کریم ﷺ کی موجودگی کے وقت تھی، اسی بات کو حضرت انس نے اس جملے میں بیان کیا: حتی انکرنا قلوبنا۔(۱)

بَابُ مَا جَاءَ فِي مِيلَادِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

یہ باب اس حدیث پر مشتمل ہے، جس میں نبی کریم ﷺ کی پیدائش کا ذکر ہے

عَنْ قَيْسِ بْنِ مَخْرَمَةَ، قَالَ: وُلِدْتُ أَنَا وَرَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَامَ الفِيلِ، قَالَ: وَسَأَلَ عُثْمَانُ بْنُ عَفَّانَ، قُبَاثَ بْنَ أَشْيَمَ أَخَا بَنِي يَعْمَرَ بْنِ لَيْثٍ: أَأَنْتَ أَكْبَرُ أَمْ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ؟ فَقَالَ: رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَكْبَرُ مِنِّي وَأَنَا أَقْدَمُ مِنْهُ فِي المِيلَادِ، قَالَ: وَرَأَيْتُ خَذْقَ الطَّيْرِ أَخْضَرَ مُحِيلًا۔(۲)

حضرت قیس بن مخرمہ کہتے ہیں کہ میں اور رسول اللہ ﷺ ہاتھی والے سال میں پیدا ہوئے، قیس بن مخرمہ کہتے ہیں کہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے قبیلہ بنی یعمر بن لیث کے ایک شخص قباث بن اشیم سے پوچھا کہ آپ بڑے ہیں یا رسول اللہ ﷺ؟ وہ کہنے لگا: رسول اللہ ﷺ مجھ سے (رتبہ میں) بڑے ہیں، اور میں پیدائش کے لحاظ سے آپ سے بہت مقدم ہوں (یعنی بہت پہلے پیدا ہوا ہوں) قباث کہتے ہیں کہ میں نے (ان) پرندوں کی بیٹ دیکھی (جنہوں نے ابرہہ کے ہاتھی اور لشکر کو کنکریاں ماری تھیں) وہ سبز اور متغیر (یعنی بدلی ہوئی) تھیں۔

مشکل الفاظ کے معنی: عام الفیل: ہاتھی والے سال، جس میں ابرہہ اور اس کا لشکر بیت اللہ پر حملہ کرنے کے ارادے سے آیا تھا، اکبر منی: رسول اللہ ﷺ رتبہ اور مقام کے اعتبار سے مجھ سے بہت بڑے ہیں، انا اقدم منہ: میں آپ سے بہت مقدم ہوں یعنی پیدائش کے لحاظ سے، حذق الطیر: (حا پر زبر اور ذال ساکن) پرندوں کی بیٹ، اور ترمذی کے بعض نسخوں میں حذق الفیل ہے، اخضر: وہ بیٹ سبز تھی، محیلا: (میم پر پیش، حا کے نیچے زیر) متغیر، بدلی ہوئی۔

حضرت قیس بن مخرمہ رضی اللہ عنہ

حضرت قیس بن مخرمہ اور نبی کریم ﷺ دونوں عام الفیل میں پیدا ہوئے، جیسا کہ مذکورہ حدیث میں ہے، یہ مؤلفۃ القلوب میں سے ہیں یعنی ان کو اسلام کے قریب اور اس پر ثابت قدم رہنے کے لئے ان کی مالی امداد کی جاتی تھی، پھر یہ مخلص مسلمان ہو گئے تھے، یہ بہت اونچی سیٹی بجاتے تھے، بیت اللہ کے قریب سیٹی مارتے تو اس کی آواز غار حراء تک جاتی تھی، جو بیت اللہ سے

(۱) مرقاۃ المفاتیح ۱۱/۱۰۹، کتاب الفضائل، باب هجرة أصحابه من مكة ووفاته، رقم: ۵۹۶۲۔
(۲) مسند احمد ۴/۲۱۵، عن قیس بن مخرمۃ۔

تقریباً تین میل کے فاصلے پر واقع ہے۔(۱)

حضرت قباث بن اشیم رضی اللہ عنہ

حضرت قباث بن اشیم رضی اللہ عنہ عمر کے لحاظ سے نبی کریم ﷺ سے بڑے تھے، انہوں نے ان پرندوں کو دیکھا ہے جنہوں نے ابرہہ کے ہاتھیوں کو تہس نہس کیا تھا، ابتداء میں کفار مکہ کے ساتھ تھے، چنانچہ غزوہ بدر میں مسلمانوں کے خلاف مشرکین کے ساتھ تھے، انہوں نے فتح ونصرت کے جو حیرت انگیز کارنامے بدر کے موقع پر مسلمانوں میں دیکھے، تو اسلام ان کے دل میں گھر کر گیا تھا، اور لوگ بھی ان کو اسلام کے بارے میں بتاتے رہتے تھے، سوچا کہ اب جب میں مدینہ جاؤں گا، تو محمد ﷺ سے ملاقات کروں گا، چنانچہ غزوہ خندق کے بعد مسجد نبوی میں نبی کریم ﷺ کے پاس آئے، سلام کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا اے قباث، تو وہی شخص ہے، جس نے بدر کے موقع پر یہ کہا تھا: لَوْ خَرَجَتْ نِسَاءُ قُرَيْشٍ بِأَكِمَّتِهَا رَدَّتْ مُحَمَّدًا وَأَصْحَابَهُ اگر قریش کی تمام عورتیں اپنی آستینوں سے یعنی مسلح ہو کر مسلمانوں کے خلاف آجاتیں تو یہ محمد اور اس کے ساتھیوں کو شکست فاش دے دیتیں، قباث نے کہا: اشهد انک رسول الله، میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے سچے نبی ہیں، کیونکہ یہ بات بدر کے دن میں نے صرف سوچی تھی، نہ تو میری زبان نے کوئی جنبش کی، نہ ہی میرے ہونٹ کھلے اور نہ ہی میرے کانوں نے سنا، لامحالہ میرے دل کی بات کو اللہ نے ہی آپ کو بتایا ہے، اس لئے میں مسلمان ہونا چاہتا ہوں، لہذا مجھے آپ بیعت کر لیجئے، چنانچہ وہ مسلمان ہو گئے، پھر یہ مختلف غزوات میں شریک رہے، غزوہ حنین اور یرموک وغیرہ میں پیش پیش تھے، عبدالملک بن مروان کے زمانے تک یہ زندہ رہے، بعد میں انہوں نے شام میں رہائش اختیار کر لی تھی، (۲)

نبی کریم ﷺ کی تاریخ پیدائش

نبی کریم ﷺ واقعہ فیل کے پچاس یا پچپن دنوں کے بعد ربیع الاول کے مہینے میں، پیر کے دن مکہ مکرمہ میں صبح صادق کے وقت، حضرت ابو طالب کے گھر میں پیدا ہوئے، ربیع الاول کی کونسی تاریخ تھی؟ اس میں مختلف اقوال منقول ہیں دو ربیع الاول، آٹھ، نو، دس اور بارہ ربیع الاول، قول مشہور تو بارہ ربیع الاول ہے لیکن جمہور محدثین اور اہل تاریخ کے نزدیک راجح قول آٹھ یا نو ربیع الاول مطابق ۲۰ اپریل ۵۷۱ء ہے کیونکہ اس بات کو سامنے رکھ کر کہ ربیع الاول کا مہینہ ہو اور پیر کا دن ہو، جب حساب کیا جائے تو

---

(۱) الاصابة ۳۷۹/۵، حرف القاف

(۲) الاصابة ۳۱۰/۵، حرف القاف، دلائل النبوة للبيهقي ۱۵۰/۳، باب وقوع الخبر بمكة ط: بيروت، اسد الغابة ۷۹/۴۔

آٹھ یا نو ربیع الاول کی تاریخ آتی ہے، محققین نے اسی قول کو اختیار کیا ہے۔(۱)

"عام الفیل" سے اس واقعہ کی طرف اشارہ ہے جس میں یمن کا بادشاہ ابرہہ اور اس کا لشکر بیت اللہ پر حملہ کرنے کے ارادے سے آیا تھا، اللہ نے کچھ مخصوص پرندوں کو بھیجا، جنہوں نے انہیں تہس نہس کر دیا، ان پرندوں کی ہیئت سبز اور بدلی ہوئی تھی۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي بَدْءِ نُبُوَّةِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

یہ باب اس حدیث پر مشتمل ہے جس میں نبی ﷺ کی نبوت کی ابتداء (کی علامات اور معجزات) کا ذکر ہے

عَنْ بْنِ أَبِي مُوسَى الْأَشْعَرِيِّ، قَالَ: خَرَجَ أَبُو طَالِبٍ إِلَى الشَّامِ وَخَرَجَ مَعَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي أَشْيَاخٍ مِنْ قُرَيْشٍ، فَلَمَّا أَشْرَفُوا عَلَى الرَّاهِبِ هَبَطَ فَحَلُّوا رِحَالَهُمْ، فَخَرَجَ إِلَيْهِمُ الرَّاهِبُ وَكَانُوا قَبْلَ ذَلِكَ يَمُرُّونَ بِهِ فَلَا يَخْرُجُ إِلَيْهِمْ وَلَا يَلْتَفِتُ.

قَالَ: فَهُمْ يَحُلُّونَ رِحَالَهُمْ، فَجَعَلَ يَتَخَلَّلُهُمُ الرَّاهِبُ حَتَّى جَاءَ فَأَخَذَ بِيَدِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: هَذَا سَيِّدُ الْعَالَمِينَ، هَذَا رَسُولُ رَبِّ الْعَالَمِينَ، يَبْعَثُهُ اللَّهُ رَحْمَةً لِلْعَالَمِينَ، فَقَالَ لَهُ أَشْيَاخٌ مِنْ قُرَيْشٍ: مَا عِلْمُكَ، فَقَالَ: إِنَّكُمْ حِينَ أَشْرَفْتُمْ مِنَ الْعَقَبَةِ، لَمْ يَبْقَ شَجَرٌ وَلَا حَجَرٌ، إِلَّا خَرَّ سَاجِدًا وَلَا يَسْجُدَانِ إِلَّا لِنَبِيٍّ، وَإِنِّي أَعْرِفُهُ بِخَاتَمِ النُّبُوَّةِ أَسْفَلَ مِنْ غُضْرُوفِ كَتِفِهِ مِثْلَ التُّفَّاحَةِ،

ثُمَّ رَجَعَ فَصَنَعَ لَهُمْ طَعَامًا، فَلَمَّا أَتَاهُمْ بِهِ وَكَانَ هُوَ فِي رِعْيَةِ الْإِبِلِ، قَالَ: أَرْسِلُوا إِلَيْهِ، فَأَقْبَلَ وَعَلَيْهِ غَمَامَةٌ تُظِلُّهُ، فَلَمَّا دَنَا مِنَ الْقَوْمِ وَجَدَهُمْ قَدْ سَبَقُوهُ إِلَى فَيْءِ الشَّجَرَةِ، فَلَمَّا جَلَسَ مَالَ فَيْءُ الشَّجَرَةِ عَلَيْهِ، فَقَالَ: انْظُرُوا إِلَى فَيْءِ الشَّجَرَةِ مَالَ عَلَيْهِ، قَالَ: فَبَيْنَمَا هُوَ قَائِمٌ عَلَيْهِمْ، وَهُوَ يُنَاشِدُهُمْ أَنْ لَا يَذْهَبُوا بِهِ إِلَى الرُّومِ، فَإِنَّ الرُّومَ إِنْ رَأَوْهُ عَرَفُوهُ بِالصِّفَةِ فَيَقْتُلُونَهُ، فَالْتَفَتَ فَإِذَا بِسَبْعَةٍ قَدْ أَقْبَلُوا مِنَ الرُّومِ فَاسْتَقْبَلَهُمْ، فَقَالَ: مَا جَاءَ بِكُمْ؟ قَالُوا: جِئْنَا، إِنَّ هَذَا النَّبِيَّ خَارِجٌ فِي هَذَا الشَّهْرِ، فَلَمْ يَبْقَ طَرِيقٌ إِلَّا بُعِثَ إِلَيْهِ بِأُنَاسٍ وَإِنَّا قَدْ أُخْبِرْنَا خَبَرَهُ فَبُعِثْنَا إِلَى طَرِيقِكَ هَذَا، فَقَالَ: هَلْ خَلْفَكُمْ أَحَدٌ هُوَ خَيْرٌ مِنْكُمْ؟ قَالُوا: إِنَّمَا أُخْبِرْنَا خَبَرَهُ بِطَرِيقِكَ هَذَا.

قَالَ: أَفَرَأَيْتُمْ أَمْرًا أَرَادَ اللَّهُ أَنْ يَقْضِيَهُ هَلْ يَسْتَطِيعُ أَحَدٌ مِنَ النَّاسِ رَدَّهُ؟ قَالُوا: لَا، قَالَ: فَبَايَعُوهُ وَأَقَامُوا مَعَهُ قَالَ: أَنْشُدُكُمْ بِاللَّهِ أَيُّكُمْ وَلِيُّهُ؟ قَالُوا: أَبُو طَالِبٍ، فَلَمْ يَزَلْ يُنَاشِدُهُ حَتَّى رَدَّهُ أَبُو طَالِبٍ وَبَعَثَ مَعَهُ أَبُو بَكْرٍ

---

(۱) شرح مسلم للنووی ۲/۲۶۰ کتاب الفضائل باب قدر عمره ﷺ و اقامته بمكة والمدينة، سیرۃ النبی ۱/۱۲۶ شبلی نعمانی، سیرۃ المصطفی ۱/۷۴، تحفۃ الاحوذی ۱۰/۸۸۔

بِلَالًا وَزَوَّدَهُ الرَّاهِبُ مِنَ الْكَعْكِ وَالزَّيْتِ.(۱)

حضرت ابوموسیٰ اشعری فرماتے ہیں کہ (ایک مرتبہ) ابوطالب (تجارت کی غرض سے) شام کے سفر کے لئے نکلے اور ان کے ساتھ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی قریش کے چند بڑے لوگوں کے ہمراہ نکلے، پس جب وہ (بحیرا) پادری کے قریب ہوئے، تو حضرت ابوطالب (اس جگہ) اترے پھر تمام قافلے نے اپنے کجاوے کھولے، اتنے میں وہ پادری (ملاقات کے لئے) ان لوگوں کے پاس خود آ گیا، حالانکہ (اس سے پہلے) یہ لوگ ادھر سے گذرا کرتے تھے، لیکن وہ پادری نہ کبھی ان کے پاس نکل کر آیا اور نہ ہی کبھی ان کی طرف کوئی توجہ کی تھی۔

حضرت ابوموسیٰ فرماتے ہیں کہ ابھی وہ اپنے کجاوے کھول ہی رہے تھے کہ اس راہب نے (کسی کی تلاش میں) ان کے درمیان گھومنا شروع کر دیا، یہاں تک کہ وہ آیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہاتھ پکڑ کر کہنے لگا: یہ تمام جہانوں کے سردار ہیں، یہ تمام جہانوں کے پروردگار کے رسول ہیں، اللہ تعالیٰ ان کو تمام جہانوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجیں گے (یعنی نبی بنائیں گے) اس پادری سے قریش کے چند شیوخ نے کہا: تمہیں یہ کس طرح معلوم ہوا؟ اس نے کہا: جب تم گھاٹی سے سامنے ہوئے ہو تو کوئی پتھر اور کوئی درخت باقی نہیں رہا، مگر یہ کہ وہ سجدے میں گر پڑا، پتھر اور درخت نبی ہی کو سجدہ کرتے ہیں، اور میں ان کو مہر نبوت سے بھی پہچانتا ہوں، جو آپ کے شانے کی نرم و گداز ہڈی کے نیچے سیب کی طرح ہے۔

پھر وہ پادری (اپنے گھر) لوٹ گیا اور قافلے والوں کے لئے کھانا بنایا، جب وہ کھانا لے کر ان کے پاس آیا، تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اونٹ چرانے کے لئے گئے ہوئے تھے، پادری کہنے لگا: تم لوگ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بلانے کے لئے کوئی بندہ بھیجو، (تاکہ وہ کھانے کے لئے تشریف لے آئیں کیونکہ میرے تو مہمان خصوصی وہی ہیں) چنانچہ آپ تشریف لائے اس طرح کہ آپ کے اوپر ایک بادل نے سایہ کر رکھا تھا، پھر جب آپ لوگوں کے قریب پہنچے تو دیکھا کہ لوگ درخت کی سایہ دار جگہ پر آپ سے سبقت کر چکے ہیں (یعنی پہلے سے سائے والی جگہوں پر وہ لوگ بیٹھے ہوئے تھے) جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم (دھوپ والی جگہ پر) بیٹھ گئے، تو درخت کا سایہ آپ پر جھک گیا، اس پادری نے کہا: دیکھو درخت کے سائے کی طرف، آپ پر جھک گیا ہے۔

راوی کہتے ہیں: پھر وہ پادری ان کے درمیان کھڑا تھا اور ان کو یہ قسم دے رہا تھا کہ وہ لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو روم لے کر نہ جائیں، کیونکہ رومی جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھیں گے تو وہ آپ کو اوصاف سے پہچان لیں گے اور ان کو قتل کر دیں گے، پھر وہ پادری (ایک طرف) متوجہ ہوا تو اچانک دیکھا کہ سات آدمی روم سے آ رہے ہیں، پادری نے ان کا استقبال کیا، اور ان سے کہا کہ تم لوگ کیسے آئے ہو؟ (کیا سبب پیش آیا؟) انہوں نے جواب دیا کہ ہم اس لئے آئے ہیں کہ

---

(۱) دلائل النبوۃ للبیہقی ۲/۲۴۔

اس مہینے میں یہ نبی (یعنی نبی آخر الزمان) ظاہر ہونے والے ہیں، چنانچہ (روم کی طرف آنے والا) کوئی راستہ باقی نہیں رہا، مگر یہ کہ اس پر کچھ لوگوں کو بھیج دیا گیا ہے، اور ہمیں اس نبی کے بارے میں بتایا گیا (کہ وہ ایک تجارتی قافلے میں روم آرہے ہیں) اس لئے ہمیں آپ کے اس راستے کی طرف بھیجا گیا ہے، پادری نے پوچھا: کیا تمہارے پیچھے کوئی ہے جو تم سے بہتر ہو؟ انہوں نے جواب دیا: ہمیں اس نبی کے بارے میں یہ اطلاع دی گئی ہے کہ وہ آپ کے اس راستے میں ہے (اس لئے ہم ہی اس راستے پر متعین کئے گئے ہیں) پادری نے کہا: تم بتاؤ کہ وہ امر جسے کرنے کا اللہ جل شانہ ارادہ کرلیں تو کیا لوگوں میں سے کوئی اسے رد کر سکتا ہے؟ وہ کہنے لگے: نہیں (کوئی انسان اسے رد نہیں کر سکتا) راوی کہتے ہیں کہ پھر وہ سات آدمی راہب کے ہاتھ پر بیعت ہو گئے، اور اس کے پاس ہی ٹھہر گئے۔

پادری نے کہا: میں تمہیں اللہ کی قسم دیتا ہوں (یہ بتاؤ کہ) تم میں سے کون ان بننے والے نبی کا سرپرست ہے؟ لوگوں نے جواب دیا: ابوطالب (ان کے سرپرست ہیں) چنانچہ وہ پادری ابوطالب کو مسلسل قسمیں دیتا رہا (کہ آپ اسے مکہ مکرمہ واپس بھیج دیں، تاکہ رومیوں سے ان کی جان کی حفاظت ہو جائے) یہاں تک کہ ابوطالب نے آپ ﷺ کو واپس روانہ کر دیا، اور آپ کے ساتھ حضرت ابوبکر نے حضرت بلال کو بھیجا، اور راہب نے آپ ﷺ کو موٹی روٹی اور روغن زیتون کا توشہ دیا۔

مشکل الفاظ کے معنی: راہب جو بحیرا کے نام سے مشہور ہے۔ شیخ جزری فرماتے ہیں کہ بحیرا کا تلفظ یوں ہے: (با پر زبر، حا کے نیچے زیر اور یا ساکن) مشہور تلفظ اس طرح ہے (با پر پیش اور حا پر زبر)): عیسائی پادری، اشیاخ: شیخ کی جمع ہے: عمر رسید آدمی، قبیلہ کا سردار، فلما اشرفوا: جب قافلے والے قریب ہوئے، هبط: ابوطالب اترے یعنی اس جگہ پر پڑاؤ ڈالا بعض نسخوں میں هبطوا جمع کا لفظ ہے: وہ تمام لوگ اترے، فحلوا: انہوں نے کھول دیئے، رحال: رحل کی جمع ہے: کجاوے، یمرون به: اس راہب کے پاس سے گذرتے، ولا یلتفت الیهم: وہ ان کی طرف کوئی توجہ نہ کرتا، یتخللهم الراهب: قافلے والوں کے درمیان (کسی کی تلاش میں) پادری گھومنے پھرنے لگا، پادری قافلے میں گھس گیا؛ حین أشرفتم من العقبة: جب تم گھاٹی سے سامنے ہوئے ہو، خروا ساجدا: شجر و حجر سجدے میں گر پڑے، اسفل: یعنی فی مکان اسفل: نیچے جگہ میں، غضروف: (غین اور را پر پیش اور ضاد ساکن) کسی بھی جگہ کی نرم و گداز ہڈی، اس کی جمع: غضاریف ہے، انی أعرفه بخاتم النبوة اسفل من غضروف کتفه: آپ ﷺ کے کندھے کی نرم و گداز ہڈی کے نیچے جگہ پر مہر نبوت سے میں آپ کو پہچانتا ہوں، ثم رجع: پھر پادری گھر لوٹ گیا، فلما اتاهم به: جب پادری قافلے میں کھانا لے کر آیا، فی رعیة الابل: (را کے نیچے زیر اور عین ساکن) اونٹ چرانا، ان کی حفاظت و نگہبانی کرنا، قال: ارسلوا الیه: پادری نے کہا: تم لوگ محمد ﷺ کی طرف بلانے کے لئے کوئی بندہ بھیجو، فأقبل: چنانچہ آپ تشریف لائے، غمامة: (غین پر زبر) بادل، تظله: (باب افعال) وہ بادل آپ ﷺ پر سایہ کر رہا تھا، وجدهم قد سبقوا: آپ ﷺ نے لوگوں کو اس حالت میں پایا کہ وہ آپ سے سایہ دار جگہ پر بیٹھنے میں سبقت کر گئے ہیں، پہلے

ہی بیٹھ چکے ہیں، مال فی الشجرۃ: درخت کا سایہ جھک گیا، قال: فبینما ھو قائم علیھم: راوی نے کہا: اس دوران کہ پادری ان کے درمیان کھڑا تھا، یناشدھم: پادری قافلے کو قسم دے رہا تھا، فاذا بسبعۃ قد اقبلوا من الروم: اچانک پادری نے دیکھا کہ سات آدمی روم سے آرہے ہیں، اقاموا معہ: وہ سات آدمی اس پادری کے پاس ہی ٹھہر گئے، انشدکم باللہ: میں تم کو اللہ کی قسم دیتا ہوں، فلم یزل یناشدہ: وہ مسلسل ابو طالب کو قسم دیتا رہا، زودہ: آپ ﷺ کو پادری نے توشہ دیا، کعک: (کاف پر زبر اور عین ساکن) (۱) موٹی روٹی (۲) وہ گول روٹی جو آٹے، دودھ اور شکر (چینی کو ملا کر بنائی جاتی ہے، آج کل کی زبان میں اسے "شیر مال" بھی کہا جاسکتا ہے، کیک، پیسٹری۔

شام کا سفر اور بحیرا راہب کا واقعہ

ابو طالب تجارت کا کاروبار کرتے تھے، قریش کا یہ دستور تھا کہ سال میں کم از کم ایک سفر شام کی طرف تجارت کی غرض سے کیا کرتے تھے، نبی کریم ﷺ کی عمر بارہ سال تھی، ابو طالب نے حسب دستور شام جانے کا ارادہ کیا، سفر کی تکلیف یا کسی اور وجہ سے وہ نبی کریم ﷺ کو ساتھ نہیں لے جانا چاہتے تھے، لیکن عین روانگی کے وقت ابو طالب نے دیکھا کہ نبی کریم ﷺ کے چہرے پر غم وحزن اور پریشانی کے آثار ہیں، اس لئے انہوں نے آپ ﷺ کو بھی ساتھ لے لیا کیونکہ ابو طالب کو آپ کی دل شکنی اور پریشانی گوارا نہ تھی۔

جب یہ شام کے شہر "بصریٰ" کے قریب پہنچے، تو وہاں ایک عیسائی پادری رہتا تھا، جس کا نام "جرجیس" تھا اور بحیرا راہب کے نام سے مشہور تھا، نبی کریم ﷺ کی جو علامات اور صفات آسمانی کتابوں میں مذکور تھیں، ان سے یہ اچھی طرح واقف تھا، اس وجہ سے اس راہب نے نبی کریم ﷺ کو پہچان لیا، آپ کا اور آپ کی وجہ سے پورے قافلے کا بڑا اکرام کیا، کھانے کی دعوت کی اور قافلے میں شریک تمام لوگوں کو اپنے مخصوص انداز میں سمجھایا کہ یہی وہ آخری نبی ہیں، جو تمام جہانوں کے سردار ہیں ..... اس نے کہا کہ تمہارا قافلہ جب گھاٹی سے نمودار ہوا تو تمام شجر وحجر اس نبی کے سامنے تعظیم کی وجہ سے جھک رہے تھے، بادل آپ پر سایہ کر رہا تھا، درخت نے اپنی شاخوں کا سایہ نبی کریم ﷺ پر کر دیا، یہ تمام معجزات اس پادری نے ذکر کئے، اور ابو طالب کو قسم دے کر کہنے لگا کہ آپ اس بننے والے نبی کو روم لے کر نہ جائیں، انہیں واپس مکہ مکرمہ روانہ کر دیں، اگر رومیوں کو ان کے بارے میں پتہ چل گیا تو وہ انہیں قتل کر دیں گے۔

اسی دوران سات آدمی روم کی طرف سے اس راہب کے پاس آئے، تو پوچھا کہ تم لوگ کیسے آئے ہو، انہوں نے بتایا کہ ہمیں اپنے بڑوں نے اپنے آسمانی علم کی روشنی میں یہ بتایا ہے کہ اس مہینے میں وہ نبی شام کی طرف سفر کے لئے نکلنے والا ہے، ہمیں یہ کام سونپا گیا کہ وہ نبی اس راستے سے جب آئے تو اسے مار دیا جائے، اس پادری نے سمجھایا کہ تم یہ بتاؤ کہ جس امر کو اللہ تعالیٰ نے کرنا ہو تو اسے کوئی رد کر سکتا ہے، اس لئے یہ نبی ضرور آکر رہے گا، تم اسے مارنے کے درپے نہ ہو، تمہارے لئے یہ ہرگز جائز نہیں،

بحث مباحثہ کے بعد بالآخر وہ سات آدمی بات سمجھ گئے، انہوں نے اس پادری کے ہاتھ پر بیعت کر لی اور ان کے پاس ٹھہر گئے، ادھر ابوطالب نے آپ ﷺ کو واپس بھیجنے کے لئے ترتیب بنالی اور راہب نے راستے میں ناشتے کے لئے سالن کے طور پر روغن زیتون اور روٹی ساتھ دے دی۔

فلما جلس مال فییء الشجرة علیه، نبی کریم ﷺ پر درخت کا سایہ مائل ہو گیا، حالانکہ اس وقت آپ کے سر پر بادل نے بھی سایہ کر رکھا تھا جس کی تفصیل اوپر روایت میں مذکور ہے، یہ سارا کچھ اس لئے کیا گیا تا کہ نبی کریم ﷺ کا امتیازی مقام لوگوں کے سامنے واضح ہو جائے، اور لوگوں کو یہ معلوم ہو جائے کہ یہ میرے محبوب رسول ہیں، نیز اس پادری نے بھی لوگوں کو متوجہ کیا کہ تم لوگ اگر بادل کی طرف نہیں دیکھ سکتے کہ وہ اونچا ہے تو درخت کی شاخوں کی طرف ہی دیکھ لو کہ وہ کیسے اپنی شاخوں کو جھکا کر اپنا سایہ آپ ﷺ پر کئے ہوئے ہے، یہ سارا کچھ دیکھنے کے باوجود کفار مکہ نے پھر بھی نبی کریم ﷺ پر ایمان نہیں لایا۔

(۱) یہ پستہ کا درخت ہے جو اس وقت بھی اردن میں موجود ہے، اس کے قریب بحیرا راہب کی خانقاہ کے نشانات بھی ہیں، اس کی تفصیل کے لیے استاذ محترم مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم کی یہ کتاب دیکھیے: سفر در سفر، اردن کا سفر۔

قالوا: جئنا ان هذا النبی خارج فی هذا الشهر، اس جملے کا یہ مطلب نہیں کہ وہ نبی اس مہینے میں نبوت کا اعلان کرنے والے ہیں، بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ ہمیں یہ پتہ چلا ہے کہ آئندہ بننے والے نبی اس مہینے میں سفر کر کے شام کی طرف آنے والے ہیں، کیونکہ باقاعدہ نبوت کا اعلان تو اس وقت ہوا کہ جب نبی کریم ﷺ کی عمر چالیس سال ہو گئی تھی۔

فقال: هل خلفکم احد هو خیر منکم، پادری نے ان سات بندوں سے کہا کہ یہ بتاؤ کہ تمہارے پیچھے ایسا کوئی بندہ ہے، جو تم سے بہتر ہو، یا تمہاری طرح ہی سارے موٹے دماغ والے ہیں، جنہیں کوئی بات سمجھ ہی نہیں آتی، ان سے جب کوئی اور جواب نہ بن سکا، تو دوبارہ وہی جملہ دہرا دیا کہ ہمیں یہ بتایا گیا ہے کہ اس راستے سے اس نبی نے شام کی طرف سفر کر کے آنا ہے۔(۲)

حتی ردہ ابو طالب، وہ پادری ابوطالب سے مسلسل کہتا رہا، اصرار کرتا رہا کہ آپ اس نبی کو واپس مکہ مکرمہ بھیج دیں ورنہ رومی لوگ آپ ﷺ کو قتل کر دیں گے، کیونکہ انہیں یہ خطرہ ہے کہ اس نبی کی وجہ سے ہماری شان و شوکت اور سلطنت ختم ہو جائے گی۔

وبعث معه ابو بکر بلالا، ابوبکر نے آپ ﷺ کے ساتھ بلال کو بھیجا، حافظ ابن حجر اور دیگر محدثین فرماتے ہیں کہ یہ جملہ حدیث کا جزء نہیں، یہ کسی راوی کو وہم ہو گیا، جس کی وجہ سے اس نے یہ جملہ یہاں اس روایت میں لکھ دیا، کیونکہ اس وقت نبی کریم ﷺ کی عمر بارہ سال تھی اور حضرت ابوبکر صدیقؓ اس وقت آپ ﷺ سے دو یا اڑھائی سال چھوٹے تھے، اور حضرت

---

(۱) مرقاۃ المفاتیح ۱۱/۶۳، کتاب الفضائل، باب فی المعجزات، سیرت المصطفیٰ ۱/۱۱۴

(۲) الکوکب الدری ۴/۳۸۳

بلال تو شاید ان دنوں میں پیدا بھی نہیں ہوئے ہوں گے، اس لئے یہ نہیں کہا جاسکتا کہ حضرت ابوبکر نے حضرت بلال کو آپ ﷺ کے ساتھ واپس بھیجا۔

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ایسا لگتا ہے کہ راوی کو ایک دوسری حدیث سے وہم ہوا ہے، جسے حضرت عبداللہ بن عباس نے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بیس سال کی عمر میں شام کا ایک سفر فرمایا تھا، اس سفر میں حضرت ابوبکر بھی آپ کے ساتھ تھے، اس وقت حضرت ابوبکر کی عمر اٹھارہ سال تھی اور اس سفر میں بحیرا راہب سے ملاقات بھی ہوئی تھی، اگر یہ روایت صحیح ہے تو آپ ﷺ کا شام کا یہ سفر ایک دوسرا سفر ہے، راوی کو اس روایت سے اشتباہ ہوا، دونوں قصوں کا مضمون چونکہ ایک ہی طرح ہے، اس لیے غلطی سے راوی نے حضرت ابوبکر کا ذکر کر دیا۔(۱)

بحیرا راہب والے واقعہ کی حدیث کی سند کی حیثیت

بعض حضرات فرماتے ہیں کہ یہ حدیث انتہائی ضعیف ہے، بلکہ علامہ شبلی نعمانی نے ''سیرت النبی'' میں اس حدیث پر بہت زیادہ تنقید کی ہے، اور لکھا ہے کہ یہ روایت نا قابل اعتبار ہے،(۲) لیکن ان کی یہ تنقید درست نہیں، جمہور محدثین کے نزدیک یہ روایت صحیح ہے، اس کے راوی، صحیح مسلم و بخاری کے بھی راوی ہیں، البتہ حدیث کا یہ جملہ ''وبعث معہ ابوبکر بلالاً'' ثابت نہیں، یہ کسی راوی کا ادراج ہے، کسی راوی کے وہم سے یہ جملہ یہاں نقل ہو گیا ہے، اس کا یہاں درج ہونا بے موقع اور حقیقت کے خلاف ہے،(۳) حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے الاصابہ میں بحیرا راہب کے حالات میں لکھا ہے کہ یہ روایت صحیح ہے اور اس کے راوی ثقہ ہیں،(۴)

بَابٌ فِي مَبْعَثِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَابْنُ كَمْ كَانَ حِينَ بُعِثَ؟

یہ باب ان احادیث پر مشتمل ہے، جن میں نبی کریم ﷺ کو نبی بنا کر بھیجنے کا ذکر ہے اور یہ کہ کتنی عمر میں آپ ﷺ کو نبی بنایا گیا

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: أُنْزِلَ عَلَى رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ ابْنُ أَرْبَعِينَ، فَأَقَامَ بِمَكَّةَ ثَلَاثَ عَشْرَةَ وَبِالْمَدِينَةِ عَشْرًا، وَتُوُفِّيَ وَهُوَ ابْنُ ثَلَاثٍ وَسِتِّينَ.(۵)

---

(۱) الاصابۃ ۱/۴۷۵، القسم الرابع من حرف الباء، سیرۃ المصطفیٰ ۱/۱۱۱، سفر شام اور قصہ بحیرا راہب

(۲) سیرۃ النبی ۱/۱۳۰۔

(۳) سیرۃ المصطفیٰ ۱/۱۱۴۔

(۴) الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ ۱/۴۷۵: القسم الرابع من حرف الباء فیمن ذکر فی کتب الصحابۃ غلطا، الباء بعدھا الحاء: بحیرا الراھب۔

(۵) الصحیح للبخاری، مناقب الانصار، باب مبعث النبی صلی اللہ علیہ وسلم، رقم: ۳۸۵۱۔

حضرت عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر چالیس سال کی عمر میں وحی اتاری گئی، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ میں تیرہ سال اور مدینہ منورہ میں دس سال رہے، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی جبکہ آپ کی عمر تریسٹھ سال تھی۔

عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: قُبِضَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ ابْنُ خَمْسٍ وَسِتِّينَ سَنَةً.(۱)

حضرت عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی جبکہ آپ کی عمر پینسٹھ سال تھی۔

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، يَقُولُ: لَمْ يَكُنْ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالطَّوِيلِ الْبَائِنِ، وَلَا بِالْقَصِيرِ، وَلَا بِالْأَبْيَضِ الْأَمْهَقِ، وَلَا بِالْآدَمِ، وَلَيْسَ بِالْجَعْدِ الْقَطَطِ، وَلَا بِالسَّبِطِ، بَعَثَهُ اللّٰهُ عَلَى رَأْسِ أَرْبَعِينَ سَنَةً، فَأَقَامَ بِمَكَّةَ عَشْرَ سِنِينَ وَبِالْمَدِينَةِ عَشْرًا، وَتَوَفَّاهُ اللّٰهُ عَلَى رَأْسِ سِتِّينَ سَنَةً، وَلَيْسَ فِي رَأْسِهِ وَلِحْيَتِهِ عِشْرُونَ شَعْرَةً بَيْضَاءَ.(۲)

حضرت انس بن مالک فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہ بہت لمبے تھے اور نہ بہت کوتاہ قد (بلکہ درمیانے قد کے تھے) اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نہ تو (چونے کی طرح) بالکل سفید تھے اور نہ بالکل گندم گوں (یعنی سانولے) اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سر کے بال نہ تو بالکل گھنگھریالے تھے اور نہ بالکل سیدھے، اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو چالیس سال کی عمر میں نبی بنا کر بھیجا، (نبوت کے بعد) دس سال آپ نے مکہ میں قیام فرمایا (کسر کو ترک کر دیا) اور دس سال مدینہ منورہ میں قیام فرمایا، اور ساٹھ سال کی عمر میں اللہ تعالیٰ نے آپ کی روح کو قبض کر لیا، جبکہ وفات کے وقت آپ کے سر اور ڈاڑھی مبارک میں بیس بال بھی سفید نہیں تھے۔

مشکل الفاظ کے معنی: مبعث النبی: نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو نبی بنا کر بھیجنا، أنزل: (صیغہ مجہول) وحی اتاری گئی، الطویل البائن: واضح لمبے یعنی بہت لمبے، القصیر: ٹھگنا، بہت چھوٹے قد والا، الامهق: بہت زیادہ سفید جو انسان کو برا محسوس ہو جیسے چونا، ادم: گندم گوں، گندمی رنگ کے، سانولے رنگ والا، الجعد: (جیم پر زبر اور عین ساکن) گھنگھریالے بالوں والا، القطط: (قاف اور طاء پر زبر) اس کے اصل معنی تو "چھوٹے گھنگھریالے بال" کے ہیں لیکن یہاں حدیث میں چونکہ یہ "جعد" کی صفت ہے، اس لئے اس سے مبالغے کے معنی مراد ہیں، لہٰذا الجعد القطط کے معنی ہیں: بہت سخت گھنگھریالے بال، السبط: (سین پر زبر اور باء پر سکون اور زیر دونوں پڑھ سکتے ہیں) سیدھے بالوں والا، جو گھنگھریالے نہ ہوں، توفاہ اللہ: اللہ تعالیٰ نے آپ کی روح کو قبض کیا، وفات ہوئی، شعرة بیضاء: سفید بال۔

---

(۱) مسند احمد ۱/۲۲۸۔

(۲) الموطأ لمالک، کتاب صفة النبی صلی اللہ علیہ وسلم، باب ما جاء فی صفة النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔

بعثت نبوی کی تاریخ اور آپ ﷺ کی عمر

مذکورہ احادیث سے درج ذیل امور ثابت ہوتے ہیں:

۱۔ اس پر سب کا اتفاق ہے کہ نبی کریم ﷺ کو پیر کے دن نبوت کا تاج پہنایا گیا لیکن اس میں اختلاف ہے کہ آپ ﷺ کو کس مہینے میں نبوت عطا کی گئی:

❁ ابن عبدالبر فرماتے ہیں کہ آپ کو آٹھ ربیع الاوّل میں نبوت سے سرفراز کیا گیا، اس قول کے لحاظ سے بعثت کے وقت آپ کی عمر چالیس سال مکمل تھی جیسا کہ ترمذی کی مذکورہ روایت میں ہے۔

❁ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ رمضان میں آپ کو نبوت عطا کی گئی، اس وقت آپ ﷺ کی عمر چالیس سال اور چھ ماہ تھی، یہی قول راجح ہے اس لئے کہ غار حراء کا اعتکاف آپ ﷺ رمضان میں ہی فرماتے تھے، اور غار حراء میں ہی وحی کا آغاز ہوا۔(۱)

۲۔ تمام روایات اس بات پر متفق ہیں کہ مدینہ منورہ میں نبی کریم ﷺ کا قیام دس سال رہا، اس میں کوئی اختلافی روایت نہیں، لیکن نبی بننے کے بعد آپ کا قیام مکہ مکرمہ میں کتنا رہا، اس میں مختلف اقوال ہیں: دس سال، تیرہ سال، اور بعض روایات میں پندرہ سال کا بھی ذکر ہے، ان تمام میں تیرہ سال کی روایت محدثین اور مؤرخین کے نزدیک صحیح ہے، اہل عرب عموماً اپنے کلام میں کسر کا ذکر نہیں کرتے، اس وجہ سے بعض نے تیرہ سال کے بجائے دس سال اور بعض نے پندرہ سال کا ذکر کردیا، جبکہ صحیح روایت تیرہ سال ہی کی ہے۔

۳۔ وفات کے وقت نبی کریم ﷺ کی عمر کتنی تھی؟ امام ترمذی رحمہ اللہ نے مذکورہ باب میں اس بارے میں تین قسم کی روایات ذکر کی ہیں، ایک میں ساٹھ سال، دوسری میں تریسٹھ سال اور تیسری روایت میں پینسٹھ سال کا ذکر ہے، ان تینوں روایات میں تریسٹھ سال کی روایت صحیح ہے مگر عرب چونکہ کسر کو چھوڑ دیتے تھے، اس لئے حضرت انس نے ساٹھ سال عمر بیان کی اور آپ ﷺ کی ولادت اور آپ کی وفات ربیع الاول میں پیر کے دن ہوئی، اس لئے اگر ان دونوں ناقص سالوں کو مکمل شمار کرلیا جائے، تو پھر آپ کی عمر پینسٹھ سال ہوگی، اس لحاظ سے تینوں روایتوں میں کوئی تعارض اور تضاد نہیں۔(۲)

---

(۱) فتح الباری ۲۴۴/۱۲، کتاب التعبیر باب اول ما بدئ به رسول الله ﷺ من الوحی الرؤیا الصالحة، ۷۰/۶، کتاب المناقب، باب صفة النبی ﷺ

(۲) شرح مسلم للنووی ۲۶۰/۲، کتاب الفضائل باب قدر عمره ﷺ و اقامته بمکة والمدینة، الکوکب الدری ۳۸۴/۴، تحفة الاحوذی ۹۴/۱۰

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا قد و قامت، رنگ اور بالوں کی کیفیت

حضرت انس کی حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قد و قامت، رنگ اور آپ کے بالوں کی صفت کا بیان ہے، جس کا حاصل یہ ہے:

- آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا قد نہ تو بہت لمبا تھا اور نہ بہت چھوٹا، بلکہ آپ کا قد درمیانہ تھا، لمبائی کی طرف ذرا مائل تھا، اس کے باوجود لوگوں کے مجمع میں آپ کا قد معجزانہ انداز سے نمایاں محسوس ہوتا تھا۔
- آپ کا رنگ سفید تھا اور گندمی بھی، ایسا سفید نہیں تھا کہ جو انسان کو برا لگے جیسے چونے، اولے اور دودھ کی سفیدی آنکھوں کو ثقیل محسوس ہوتی ہے، اور آپ کا رنگ انتہائی زیادہ گندمی نہیں تھا، بلکہ ایسا گندمی تھا جس کو سرخ سفید کہا جاتا ہے۔
- آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سر مبارک کے بال نہ تو اتنے زیادہ پیچ دار، ٹیڑھے اور گھونگھریالے تھے جیسے افریقی اور حبشی لوگوں کے ہوتے ہیں اور نہ بالکل پھیلے ہوئے اور سیدھے تھے، بلکہ ان دونوں کی درمیانی کیفیت کے تھے، جو حسن و جمال کے اعلیٰ شاہکار تھے۔(۱)

بَابٌ فِي آيَاتِ نُبُوَّةِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَا قَدْ خَصَّهُ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ بِهِ

یہ باب ان احادیث کے بیان میں ہے، جن میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی نشانیوں یعنی معجزات اور ان چیزوں کا ذکر ہے، جنہیں اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خاص کیا ہے۔

عَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنَّ بِمَكَّةَ حَجَرًا، كَانَ يُسَلِّمُ عَلَيَّ لَيَالِيَ بُعِثْتُ، إِنِّي لَأَعْرِفُهُ الآنَ.(۲)

حضرت جابر بن سمرہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: مکہ مکرمہ میں ایک ایسا پتھر ہے، جو مجھے ان راتوں (اور دنوں) میں سلام کیا کرتا تھا، جن میں مجھے نبی بنایا گیا، میں اسے اب بھی پہچانتا ہوں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیات اور معجزات کا بیان

''معجزات'' معجزۃ کی جمع ہے، اس کے معنیٰ ہیں: وہ خارق عادت کام، جسے اللہ جل جلالہ کسی نبی اور رسول کے ہاتھ سے ظاہر کرتے ہیں اور نبی کے علاوہ دوسرے لوگ اس کام کو کرنے سے عاجز ہوں، یہ معجزات اس لئے دکھائے جاتے ہیں، تاکہ لوگوں

---

(۱) مرقاۃ المفاتیح ۱۰/۴۶۲، کتاب الفضائل باب اسماء النبی ﷺ و صفاته حدیث: ۵۷۸۲

(۲) الصحیح لمسلم، الفضائل، باب فضل نسب النبی صلی اللہ علیہ وسلم، رقم: ۲۲۷۷۔

کو اس بات کا یقین ہو جائے کہ یہ نبی واقعۃً اللہ تعالیٰ کے ہی فرستادہ اور منتخب نمائندے ہیں، جو انسانوں کو راہ راست پر لانے کے لئے بھیجے گئے ہیں، پھر یہ جان لیجئے کہ خرق عادت امور کی چار قسمیں ہیں:

۱۔ وہ خرق عادت کام جو کسی نبی سے نبی بننے کے بعد ظاہر ہو، اسے "معجزہ" کہا جاتا ہے۔

۲۔ اگر خرق عادت کام کسی نبی سے نبی بننے سے پہلے ظاہر ہو تو اسے "ارہاص" کہا جاتا ہے۔

۳۔ ایسا امر اگر امت کے کسی نیک آدمی سے رونما ہو تو اسے "کرامت" کہتے ہیں۔

۴۔ اگر خارق عادت کام کسی کافر یا فاسق و گنہگار شخص سے صادر ہو تو اسے "استدراج" کہا جاتا ہے، یہ اس کے لئے ڈھیل ہے کہ اللہ کی طرف سے اس پر عذاب فوراً نہیں آرہا، شاید کہ وہ اپنی اصلاح کرلے، اس کے ہاتھ سے خرق عادت امر کا صدور، اللہ کے ہاں اس کے مقبول ہونے کی علامت نہیں۔

امام ترمذی رحمہ اللہ نے اس باب میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے چند معجزات اور خصوصیات کا ذکر فرمایا ہے، ان سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا بلند مقام اور شان ثابت ہوتی ہے۔

یہ ذہن میں رہے کہ جادو اور شعبدہ بازی "خرق عادت" امور میں داخل نہیں، کیونکہ ان چیزوں میں ظاہری اسباب کے نتیجے میں اثرات ظاہر ہوتے ہیں، چنانچہ ان میں عملیات، چلے اور وظائف کئے جاتے ہیں جبکہ معجزہ میں وہ "خرق عادت امر" کسی ظاہری سبب کے بغیر ظاہر ہوتا ہے اور یہ محض اللہ جل جلالہ کی قدرت کا کرشمہ ہوتا ہے، اس میں نبی کا بھی کوئی اختیار نہیں ہوتا اور جادو تو ہر قسم کے انسان سے ظاہر ہو سکتا ہے، اس لئے جادو، شعبدہ بازی اور معجزے میں فرق ہے، اسے پیش نظر رکھنا چاہیے۔

بعثت کے وقت ایک پتھر آپ کو سلام کرتا تھا

اس حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس وقت مجھے نبی بنایا گیا، اس وقت مکہ میں ایک پتھر، مجھے یوں سلام کرتا: السلام علیک یا رسول اللہ، اس پتھر کو میں اب بھی پہچانتا ہوں، اور مسلم کی روایت میں اس طرح ہے کہ نبی بننے سے پہلے مجھے ایک پتھر مکہ مکرمہ میں سلام کرتا تھا، میں اسے اب بھی پہچانتا ہوں، بعض کی رائے یہ ہے کہ یہ پتھر حجر اسود تھا، جبکہ بعض حضرات یہ فرماتے ہیں کہ یہ حجر اسود کے علاوہ اور کوئی پتھر تھا۔

اس سے معلوم ہوا کہ کائنات کی ہر چیز میں ایک طرح کی حس اور شعور موجود ہے، جو اس کی شان کے مطابق ہوتا ہے، اس بات کا ذکر اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں ذکر فرمایا: و ان من شیء الا یسبح بحمدہ و لکن لا تفقھون تسبیحھم، (ترجمہ: اور کوئی چیز ایسی نہیں جو نہیں پڑھتی خوبیاں اس کی، لیکن تم ان کا پڑھنا نہیں سمجھتے)

اس آیت کی روشنی میں جمہور اہل سنت کا مسلک یہ ہے کہ ہر چیز حقیقۃً اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کرتی ہے، اگرچہ اس کی کیفیت

ہمیں معلوم نہیں۔(۱)۔

عَنْ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدَبٍ، قَالَ: كُنَّا مَعَ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَتَدَاوَلُ فِي قَصْعَةٍ مِنْ غُدْوَةٍ، حَتَّى اللَّيْلِ يَقُومُ عَشَرَةٌ وَيَقْعُدُ عَشَرَةٌ، قُلْنَا: فَمَا كَانَتْ تُمَدُّ؟ قَالَ: مِنْ أَيِّ شَيْءٍ تَعْجَبُ، مَا كَانَتْ تُمَدُّ إِلَّا مِنْ هَاهُنَا، وَأَشَارَ بِيَدِهِ إِلَى السَّمَاءِ.(۲)

حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ صبح سے رات تک ہم ایک بڑے پیالے یعنی بڑی پلیٹ سے کھاتے تھے، دس آدمی (کھا کر) اٹھتے، تو دوسرے دس بیٹھ جاتے، ابوالعلاء راوی کہتے ہیں کہ ہم نے حضرت سمرہ سے (بطور تعجب کے) پوچھا تو پھر اس پیالے میں کہاں سے اضافہ کیا جاتا تھا؟ حضرت سمرہ نے فرمایا: تمہیں تعجب کس وجہ سے ہو رہا ہے، اس پیالے میں ''یہاں'' سے اضافہ کیا جاتا تھا پھر انہوں نے اپنے ہاتھ سے آسمان کی طرف اشارہ فرمایا (کہ آسمان سے برکت نازل ہوتی تھی)۔

مشکل الفاظ کے معنی: نتداول: ہم باری باری کھاتے، تناول کرتے، قصعة: (قاف پر زبر اور صاد ساکن) بڑا پیالہ، بڑی پلیٹ اور رکابی، فما کانت تمد: (یہ لفظ امداد سے صیغہ مجہول مؤنث ہے) اس پیالے میں مزید کہاں سے ڈالا جاتا، اضافہ کہاں سے کیا جاتا تھا۔

کھانے میں اضافے کا معجزہ

اس حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک اور معجزے کا ذکر ہے کہ ایک پیالے سے سینکڑوں صحابہ کرام سارا دن کھاتے رہے، لیکن اس میں کھانا ختم نہیں ہوا، اللہ جل جلالہ کی طرف سے اس میں آسمان سے برکتیں نازل ہوتی رہیں، یہ سب کچھ اس لئے ظاہر کیا جاتا، تاکہ نہ ماننے والوں کو یہ یقین ہو جائے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے سچے نبی ہیں، اور دین اسلام ایک صحیح مذہب ہے، جسے قبول کرنا ضروری ہے۔

عَنْ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ، قَالَ: كُنْتُ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمَكَّةَ، فَخَرَجْنَا فِي بَعْضِ نَوَاحِيهَا، فَمَا اسْتَقْبَلَهُ جَبَلٌ وَلَا شَجَرٌ إِلَّا وَهُوَ يَقُولُ: السَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ.(۳)

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مکہ مکرمہ میں تھے، چنانچہ ہم مکہ کی بعض جانب نکلے، تو جو بھی پہاڑ اور درخت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آتا تو وہ کہتا: السلام علیک یا رسول اللہ (اے اللہ کے رسول!

(۱) شرح مسلم للنووی ۲/۲۴۵، کتاب الفضائل باب فضل نسب النبی ﷺ، تکملة فتح الملهم ۴/۴۷۲۔
(۲) سنن الدارمی ۱/۳۰، باب ما أکرم النبی صلی الله علیه وسلم بنزول الطعام من السماء۔
(۳) سنن الدارمی ۱/۱۲، باب کیف کان أول شأن النبی صلی الله علیه وسلم۔

آپ پر سلام ہو)

درختوں کے سلام کرنے کا معجزہ

یہ مکی دور کا واقعہ ہے کہ نبی کریم ﷺ مکہ کی بعض جانب نکلے تو حضرت علی فرماتے ہیں کہ شجر و حجر آپ کو پہچانتے اور یوں سلام کرتے: السلام علیک یا رسول اللہ، سلام کی یہ آواز حضرت علی بھی سنتے تھے یا نہیں؟ بعض شارحین فرماتے ہیں کہ حدیث کے ظاہر سے ایسا لگتا ہے کہ حضرت علی بھی یہ آواز سنتے تھے، گویا یہ ان کی کرامت تھی، اور نبی کریم ﷺ کا معجزہ تھا۔(۱)

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَطَبَ إِلَى لِزْقِ جِذْعٍ وَاتَّخَذُوا لَهُ مِنْبَرًا، فَخَطَبَ عَلَيْهِ فَحَنَّ الْجِذْعُ حَنِينَ النَّاقَةِ، فَنَزَلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَمَسَّهُ فَسَكَتَ.(۲)

حضرت مالک بن انس سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کھجور کے ایک تنے سے لگ کر (یعنی ٹیک لگا کر) خطبہ دیا کرتے تھے، پھر صحابہ نے آپ کے لیے منبر بنایا تو آپ اس پر چڑھ کر خطبہ دینے لگے تو وہ تنہ آواز نکالنے لگا (یعنی بلبلانے اور رونے لگا) جیسے اونٹنی اپنے بچے کے شوق میں آواز نکالتی ہے (یعنی روتی ہے) اس کی آواز سن کر نبی کریم ﷺ منبر سے نیچے اترے، اسے چھویا تو وہ خاموش ہو گیا۔

مشکل الفاظ کے معنی: لزق: (لام کے نیچے زیر اور زا ساکن) چپکنا، لازم ہونا، ساتھ لگنا، جذع: (جیم کے نیچے زیر اور ذال ساکن) کھجور کا تنا، لزق جذع: میں صفت کی اضافت موصوف کی طرف ہے یعنی جذع لزق بالجدار یعنی کھجور کا تنا دیوار کے ساتھ لگا ہوا تھا، اس کے ساتھ ٹیک لگا کر نبی کریم ﷺ خطبہ دیا کرتے تھے، حنّ: آواز نکالی یعنی رونے لگا، حنین الناقۃ: جس طرح اونٹنی اپنے بچے کے شوق میں آواز نکالتی ہے یعنی بلبلاتی اور روتی ہے۔

کھجور کے تنے یعنی ستون کا بلبلانا

یہ بھی نبی کریم ﷺ کا ایک معجزہ ہے کہ کھجور کا ستون، جو دیوار کے ساتھ متصل تھا، اس کے ساتھ ٹیک لگا کر نبی کریم ﷺ خطبہ دیا کرتے تھے، پھر جب منبر بن گیا تو آپ نے اس کے ساتھ ٹیک لگانا چھوڑ دیا اور منبر پر کھڑے ہو کر خطبہ دینے لگے تو وہ ستون رونے لگا، یوں بلبلانے لگا جس طرح ایک اونٹنی اپنے بچے کی فرط محبت میں سسکیاں مار کر بلبلاتی اور روتی ہے، اس کی یہ کیفیت دیکھ کر نبی کریم ﷺ منبر سے نیچے تشریف لائے، اسے ہاتھ سے چھویا تو پھر وہ خاموش ہو گیا۔(۳)

---

(۱) مرقاۃ المفاتیح ۱۱/۶۵ کتاب الفضائل باب فی المعجزات

(۲) سنن ابن ماجۃ، کتاب اقامۃ الصلاۃ، باب ما جاء فی بدء شأن المنبر، رقم: ۱۴۱۵۔

(۳) الکوکب الدری ۴/۳۸۶

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: جَاءَ أَعْرَابِيٌّ إِلَى رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: بِمَ أَعْرِفُ أَنَّكَ نَبِيٌّ؟ قَالَ: إِنْ دَعَوْتُ هَذَا الْعِذْقَ مِنْ هَذِهِ النَّخْلَةِ، تَشْهَدُ أَنِّي رَسُولُ اللّٰهِ؟ فَدَعَاهُ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَجَعَلَ يَنْزِلُ مِنَ النَّخْلَةِ حَتَّى سَقَطَ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، ثُمَّ قَالَ: ارْجِعْ فَعَادَ، فَأَسْلَمَ الْأَعْرَابِيُّ.(۱)

حضرت عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں کہ (ایک دن) نبی کریم ﷺ کی خدمت میں ایک دیہاتی آیا، اور کہنے لگا کہ میں کس طرح یقین کروں کہ آپ واقعی اللہ کے نبی ہیں؟ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اگر میں اس کھجور کے اس گچھے کو بلاؤں، تو کیا تو اس بات کی گواہی دے گا کہ میں اللہ کا رسول ہوں؟ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے اس گچھے کو بلایا، وہ (فوراً) اس درخت سے (الگ ہوکر) اترنے لگا، یہاں تک کہ وہ خوشہ نبی کریم ﷺ کے قریب (زمین پر آ) گرا، پھر نبی کریم ﷺ نے اس خوشے سے فرمایا: تو واپس چلا جا، چنانچہ وہ واپس لوٹ گیا (یہ منظر دیکھ کر) وہ دیہاتی مسلمان ہوگیا۔

مشکل الفاظ کے معنی: بِمَ أعرف: (صیغہ متکلم) میں کس طرح یقین کرلوں، میں کیسے جانوں، عذق: (عین کے نیچے زیر اور ذال ساکن)، کھجوروں کا گچھا، نخلة: کھجور کا درخت، ینزل من النخلة: وہ خوشہ درخت سے الگ ہوکر اترنے لگا۔

کھجور کے خوشے کی گواہی کا معجزہ

اس دیہاتی نے نبی کریم ﷺ سے نبوت کی علامت طلب کی تو آپ نے اسے فرمایا کہ میں کھجور کے اس خوشے کو بلاؤں اور دوسری روایت میں یہ بھی ہے کہ وہ خوشہ یہ گواہی دے کہ میں اللہ کا رسول ہوں تو کیا تو مان لے گا؟ چنانچہ آپ نے اس خوشے کو بلایا تو وہ درخت سے الگ ہوکر آپ کے سامنے آگرا اور اس نے بول کر گواہی دی کہ محمد ﷺ اللہ جل جلالہ کے سچے نبی ہیں، پھر آپ نے اسے حکم دیا کہ اب تو اپنی جگہ واپس چلا جا، تو وہ خوشہ واپس چلا گیا، اس معجزے کو دیکھ کر اس دیہاتی نے اسلام قبول کرلیا۔(۲)

عَنْ أَبِي زَيْدِ بْنِ أَخْطَبَ، قَالَ: مَسَحَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَدَهُ عَلَى وَجْهِي وَدَعَا لِي قَالَ عَزْرَةُ: إِنَّهُ عَاشَ مِائَةً وَعِشْرِينَ سَنَةً، وَلَيْسَ فِي رَأْسِهِ إِلَّا شُعَيْرَاتٌ بِيضٌ.(۳)

حضرت ابوزید یعنی عمرو بن اخطب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے میرے چہرے پر ہاتھ پھیرا اور میرے لئے دعا کی، حدیث کے راوی عزرہ بن ثابت فرماتے ہیں کہ (اس دعا کی برکت یہ ہوئی) کہ ابوزید ایک سو

(۱) سنن الدارمی ۱/۱۳، باب ما کرم اللہ نبیہ من ایمان الشجرة۔
(۲) مرقاة المفاتیح ۱۱/۷۰، کتاب الفضائل، باب فی المعجزات، رقم: ۵۹۲۶۔
(۳) مسند احمد ۵/۷۷، عن ابی زید بن أخطب۔

بیس برس تک زندہ رہے اور ان کے سر کے صرف چند بال ہی سفید تھے۔

حضرت ابوزید یعنی عمرو بن اخطب کے لئے خصوصی دعا

نبی کریم ﷺ نے حضرت ابوزید کے چہرے پر ہاتھ پھیر کر دعا کی تو اس کا یہ اثر ہوا کہ ان کی ایک سو بیس برس عمر ہوئی، ان کے سر کے صرف چند بال سفید ہوئے تھے، یہ بھی نبی کریم ﷺ کا ایک معجزہ ہے، مسند احمد کی روایت میں یہ تصریح ہے کہ آپ ﷺ نے ان کے لئے حسن و جمال اور خوبصورتی کی دعا کی اور وہ قبول ہوئی۔(۱)

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، يَقُولُ: قَالَ أَبُو طَلْحَةَ لِأُمِّ سُلَيْمٍ: لَقَدْ سَمِعْتُ صَوْتَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - ضَعِيفًا - أَعْرِفُ فِيهِ الْجُوعَ، فَهَلْ عِنْدَكِ مِنْ شَيْءٍ؟ فَقَالَتْ: نَعَمْ، فَأَخْرَجَتْ أَقْرَاصًا مِنْ شَعِيرٍ، ثُمَّ أَخْرَجَتْ خِمَارًا لَهَا فَلَفَّتِ الْخُبْزَ بِبَعْضِهِ، ثُمَّ دَسَّتْهُ فِي يَدِي وَرَدَّتْنِي بِبَعْضِهِ، ثُمَّ أَرْسَلَتْنِي إِلَى رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔

قَالَ: فَذَهَبْتُ بِهِ إِلَيْهِ، فَوَجَدْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَالِسًا فِي الْمَسْجِدِ وَمَعَهُ النَّاسُ، قَالَ: فَقُمْتُ عَلَيْهِمْ، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَرْسَلَكَ أَبُو طَلْحَةَ؟ فَقُلْتُ: نَعَمْ. قَالَ: بِطَعَامٍ؟ فَقُلْتُ نَعَمْ، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِمَنْ مَعَهُ: قُومُوا، قَالَ: فَانْطَلَقُوا، فَانْطَلَقْتُ بَيْنَ أَيْدِيهِمْ حَتَّى جِئْتُ أَبَا طَلْحَةَ فَأَخْبَرْتُهُ، فَقَالَ أَبُو طَلْحَةَ: يَا أُمَّ سُلَيْمٍ قَدْ جَاءَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالنَّاسُ مَعَهُ وَلَيْسَ عِنْدَنَا مَا نُطْعِمُهُمْ، قَالَتْ أُمُّ سُلَيْمٍ: اللهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ.

قَالَ: فَانْطَلَقَ أَبُو طَلْحَةَ حَتَّى لَقِيَ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَأَقْبَلَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَبُو طَلْحَةَ مَعَهُ حَتَّى دَخَلَا، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: هَلُمِّي يَا أُمَّ سُلَيْمٍ مَا عِنْدَكِ؟ فَأَتَتْهُ بِذَلِكَ الْخُبْزِ، فَأَمَرَ بِهِ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَفُتَّ، وَعَصَرَتْ أُمُّ سُلَيْمٍ بِعُكَّةٍ لَهَا فَأَدَمَتْهُ، ثُمَّ قَالَ فِيهِ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا شَاءَ اللهُ أَنْ يَقُولَ، ثُمَّ قَالَ: ائْذَنْ لِعَشَرَةٍ، فَأَذِنَ لَهُمْ، فَأَكَلُوا حَتَّى شَبِعُوا، ثُمَّ خَرَجُوا، ثُمَّ قَالَ: ائْذَنْ لِعَشَرَةٍ، فَأَذِنَ لَهُمْ فَأَكَلُوا حَتَّى شَبِعُوا، ثُمَّ خَرَجُوا، فَأَكَلَ الْقَوْمُ كُلُّهُمْ وَشَبِعُوا وَالْقَوْمُ سَبْعُونَ أَوْ ثَمَانُونَ رَجُلًا.(۲)

حضرت انس بن مالک فرماتے ہیں کہ (ایک مرتبہ) ابوطلحہ نے ام سلیم سے کہا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کی آواز

---

(۱) تحفۃ الاحوذی ۱۰/۱۰۰

(۲) الموطأ للمالک، کتاب صفۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم، باب ما جاء فی الطعام والشراب، الصحیح للبخاری، الأطعمۃ، باب من أکل حتی شبع، رقم: ۵۳۸۱۔

میں کمزوری سنی ہے، میں آپ کی آواز میں بھوک محسوس کر رہا ہوں، کیا تمہارے پاس (کھانے کی) کوئی چیز ہے؟ انہوں نے عرض کیا: جی ہاں، چنانچہ انہوں نے جو کی چند روٹیاں نکالیں، پھر اپنی ایک اوڑھنی نکالی اور اس کے ایک حصے سے روٹی کو لپیٹ دیا پھر اس اوڑھنی کو میرے ہاتھ میں (یعنی بغل میں) چھپا دیا اور باقی اوڑھنی مجھے اوڑھا دی، پھر اس نے مجھے رسول اللہ ﷺ کے پاس بھیج دیا۔

حضرت انس فرماتے ہیں کہ میں وہ روٹی لے کر نبی کریم ﷺ کی خدمت میں گیا تو رسول اللہ ﷺ کو مسجد میں بیٹھا ہوا پایا، آپ کے ساتھ لوگ بھی تھے، حضرت انس کہتے ہیں کہ میں ان لوگوں کے پاس کھڑا ہو گیا، رسول اللہ ﷺ نے پوچھا: کیا تمہیں ابوطلحہ نے بھیجا ہے؟ میں نے عرض کیا: جی ہاں، آپ ﷺ نے پوچھا: کھانے کے ساتھ بھیجا ہے؟ میں نے عرض کیا: جی ہاں، آپ ﷺ نے اپنے ساتھ بیٹھے ہوئے لوگوں سے فرمایا کہ (کھانے کے لئے) اٹھو، راوی کہتے ہیں کہ وہ لوگ چل پڑے اور میں ان کے آگے چل رہا تھا، یہاں تک کہ میں ابوطلحہ کے پاس آیا اور انہیں ساری بات بتائی، حضرت ابوطلحہ نے فرمایا: اے ام سلیم رسول اللہ ﷺ اپنے صحابہ کے ساتھ تشریف لا رہے ہیں اور ہمارے پاس اتنا کچھ تو ہے نہیں، جو ان تمام کو ہم کھلا سکیں، وہ کہنے لگیں: اللہ اور اس کے رسول ہی زیادہ جانتے ہیں۔

راوی کہتے ہیں کہ حضرت ابوطلحہ چل پڑے، یہاں تک کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے ملاقات کی، پھر رسول اللہ ﷺ تشریف لائے، آپ کے ساتھ ابوطلحہ بھی تھے، دونوں حضرت ام سلیم کے پاس تشریف لے آئے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اے ام سلیم! تمہارے پاس کھانے کا جو کچھ ہے، اسے میرے پاس لے آؤ، ام سلیم وہی روٹیاں آپ ﷺ کے پاس لے آئیں، پھر آپ ﷺ نے اس روٹی کے بارے میں (توڑنے کا) حکم دیا، چنانچہ اسے توڑ دیا گیا، ام سلیم نے ان کے لئے اپنی کپی سے گھی نچوڑا، اور اسے سالن کے طور پر رکھا، پھر نبی کریم ﷺ نے اس پر پڑھا جو اللہ نے چاہا، پھر آپ ﷺ نے حکم دیا کہ دس آدمیوں کو اجازت دو (یعنی دس کو بلاؤ) چنانچہ انہیں اجازت دی گئی، انہوں نے کھایا، اور پیٹ بھر کر کھایا، پھر یہ چلے گئے، پھر آپ ﷺ نے فرمایا: دس کو بلاؤ، چنانچہ دس کو بلایا گیا، انہوں نے کھایا، یہاں تک کہ وہ سیراب ہو گئے، یہ چلے گئے، اس طرح ہی سب لوگوں نے کھایا اور پیٹ بھر کر کھایا، ان لوگوں کی تعداد ستر یا اسی تھی۔

مشکل الفاظ کے معنی: ضعیفا: آواز میں ضعف اور کمزوری، اقراص: قرص کی جمع ہے روٹیاں، خمار: (خا کے نیچے زیر) اوڑھنی، دوپٹہ، لفت الخبز: ام سلیم نے روٹی کو لپیٹا، ببعضہ: اس اوڑھنی کے ایک حصے کے ساتھ، دستہ: ام سلیم نے اس کو چھپا دیا، فی یدی: میرے ہاتھ یعنی بغل میں، ردتنی ببعضہ: ام سلیم نے اس دوپٹہ کا باقی حصہ مجھے اوڑھا دیا، تاکہ وہ روٹی گرنے نہ پائے، فذھبت بہ الیہ: (صیغہ تکلم) حضرت انس فرماتے ہیں: پھر میں وہ روٹی لے کر نبی کریم ﷺ کے پاس پہنچا، ففت:

(صیغہ مجہول) اس روٹی کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا گیا، توڑ دیا گیا، عصرت: ام سلیم نے نچوڑا: عکة: (عین پر پیش اور کاف پر زبر اور تشدید) گھی کا مشکیزہ، کپی، فادمته: ام سلیم نے اس گھی کو روٹی کے ساتھ سالن کے طور پر رکھا، ائذن لعشرة: تم دس کو اجازت دو یعنی ان کو کھانے کے لیے بلاؤ۔

حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا

حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا ملحان بنت خالد کی بیٹی ہیں، اور قبیلہ نجار سے تعلق رکھتی ہیں، ان کی ایک بہن ہے ام حرام رضی اللہ عنہا، جو حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کے نکاح میں تھیں، ام سلیم کا نام کیا ہے؟ اس میں مختلف اقوال ہیں: سہلہ، رمیلہ، رمیثہ، ملیکہ، غمیصا اور رمیصاء۔

زمانہ جاہلیت میں حضرت ام سلیم نے مالک بن نضر سے شادی کی تھی، انہی سے ان کے بیٹے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ ہیں، ابتداء میں ہی ام سلیم نے اسلام قبول کر لیا تھا، یہ سابقین فی الاسلام میں سے ہیں، ان کے شوہر مالک بن نضر ان سے ناراض ہو کر شام چلے گئے، اسلام قبول نہیں کیا، اور بالآخر شام میں ہی مالک بن نضر کی وفات ہوئی، اسلام قبول کرنے کی وجہ سے جب ان کی مالک بن نضر سے جدائی ہو گئی تو حضرت ابوطلحہ یعنی زید بن سہل نے انہیں پیغام نکاح دیا، اس وقت تک حضرت ابوطلحہ نے اسلام قبول نہیں کیا تھا، حضرت ام سلیم نے ان کے سامنے دو شرطیں رکھیں:

- میرے ساتھ شادی کرنی ہے تو اسلام قبول کر لو، بس یہی میرا مہر ہوگا، اسلام کے بغیر میں تم سے شادی نہیں کر سکتی۔
- ابھی میرا بیٹا انس بن مالک چھوٹا ہے، یہ ذرا بڑا ہو جائے اور مجلس میں بیٹھنا شروع کر دے، سمجھدار ہو جائے، تو پھر میں تم سے شادی کر سکتی ہوں۔

یہ دونوں شرطیں حضرت ابوطلحہ نے قبول کر لیں، چنانچہ وہ اسلام لے آئے اور بالآخر ان کی شادی ہو گئی۔

حضرت ام سلیم بہت بہادر اور نڈر خاتون تھیں، مختلف غزوات میں یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شریک رہیں، غزوہ حنین کے موقع پر حضرت ابوطلحہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بتایا کہ ام سلیم کے پاس ایک خنجر ہے، ام سلیم نے عرض کیا: اگر کوئی مشرک میرے قریب ہوا تو اس خنجر سے میں اسے ذبح کر دوں گی۔

ان کا حضرت ابوطلحہ سے ایک بیٹا تھا، اتفاقاً کسی بیماری کی وجہ سے اس کی وفات ہو گئی، وفات کے وقت حضرت ابوطلحہ موجود نہیں تھے، بلکہ وہ کسی سفر پر تھے، ام سلیم نے سب گھر والوں سے کہہ دیا کہ جب ابوطلحہ سفر سے واپس گھر پہنچیں، تو میرے علاوہ کوئی بھی شخص ابوطلحہ کو بیٹے کی موت کی خبر نہ دے، چنانچہ وہ واپس آگئے، رات کو ان کے ساتھ آرام کیا، تعلقات قائم کئے، صبح اپنے شوہر کو بچہ کے وفات کی خبر دی، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جب اس بات کی اطلاع دی گئی تو آپ نے انہیں ان الفاظ سے دعا دی: بارک اللہ لکما فی لیلتکما (اللہ تعالیٰ تمہارے لئے اس رات کا ملنا مبارک کرے)۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کر کے جب مدینہ منورہ تشریف لائے، تو ام سلیم نے اپنے بیٹے حضرت انس بن مالک کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کے لئے پیش فرمایا: اس وقت ان کی عمر دس برس تھی، چنانچہ حضرت انس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات تک خدمت کی، وہ "خادم النبی" کے نام سے مشہور تھے۔(۱)

حضرت ام سلیم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محرم تھیں

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس بات پر تمام کا اتفاق ہے کہ حضرت ام سلیم اور ان کی بہن حضرت ام حرام دونوں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی محرم تھیں، اسی وجہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے گھروں میں تشریف لے جایا کرتے تھے، چنانچہ مذکورہ حدیث میں بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ام سلیم کے گھر تشریف لے گئے اور ان سے فرمایا کہ کھانے کا جو کچھ ہے، اسے لے آؤ، لیکن محرمیت کے رشتہ کی کیفیت کیا تھی؟ اس میں علماء کا اختلاف ہے:

۱۔ ابن عبد البر فرماتے ہیں کہ یہ دونوں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رضاعی خالاؤں میں سے تھیں۔

۲۔ بعض حضرات فرماتے ہیں کہ یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے والد یا دادا کی طرف سے خالائیں تھیں، کیونکہ عبد المطلب کی ماں بنی نجار میں سے تھیں، اور یہ دونوں بھی قبیلہ نجار سے تعلق رکھتی تھیں۔(۲)

حضرت ابو طلحہ کے ہاں کھانے میں معجزے کا ظہور

حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ کا اصل نام زید بن سہل ہے، جو حضرت انس بن مالک کے سوتیلے باپ تھے، انہوں نے غزوہ خندق کے موقع پر یہ محسوس کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز میں ضعف ہے، لگتا ہے کہ آپ علیہ السلام بھوک سے دوچار ہیں، یہ اپنے گھر گئے، اپنی بیوی حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا سے کہا کہ کھانے کی کوئی چیز ہے، جسے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کر سکوں، انہوں نے عرض کیا جی ہاں، کچھ روٹیاں ہیں، پھر ان کو کپڑے میں لپیٹ کر اپنے سابقہ شوہر سے بیٹے حضرت انس بن مالک کے ہاتھ ان کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھجوا دیا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت انس کو دیکھا تو فرمایا کہ تمہیں ابو طلحہ نے بھیجا ہے، عرض کیا: جی ہاں، آپ نے فرمایا: کھانے کے ساتھ بھیجا ہے؟ عرض کیا: جی ہاں، آپ نے وہاں کھانا مناسب نہیں سمجھا، بلکہ تمام صحابہ سے فرمایا کہ چلو، ابو طلحہ کے ہاں کھانا کھاتے ہیں۔

حضرت انس نے جلدی سے آ کر اپنے سوتیلے باپ حضرت ابو طلحہ کو بتایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تمام صحابہ کے ساتھ کھانے

---

(۱) الاصابۃ ۴۰۸/۸، کتاب النساء فیمن عرف بالکنیۃ من النساء، حرف السین

(۲) شرح مسلم للنووی ۱۴۱/۲، کتاب الامارۃ، باب فضل الغزو فی البحر، مرقاۃ المفاتیح ۵۳۶/۱۰، کتاب الفضائل باب علامات النبوۃ، رقم الحدیث: ۵۸۵۹۔

کے لئے تشریف لا رہے ہیں، وہ یہ سن کر سوچ میں پڑ گئے کہ کھانا تو اتنا نہیں، جو ان تمام حضرات کو پورا ہو سکے، حضرت ام سلیم نے عرض کیا کہ اللہ ورسولہ اعلم، اس میں پریشان ہونے کی کوئی بات نہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو صورتحال ساری معلوم ہے، اللہ خیر کرے گا۔

حضرت ابوطلحہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا استقبال کیا، چنانچہ دونوں حضرات گھر میں داخل ہو گئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو باہر ہی ایک جگہ بٹھا دیا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی رضاعی خالہ ام سلیم سے فرمایا کہ کھانے کا جو تھوڑا بہت تمہارے پاس ہے، وہ لاؤ، وہ چند روٹیاں لائیں، آپ نے حکم دیا کہ انہیں ٹکڑے ٹکڑے کر دیں، پھر ام سلیم نے ایک کپی سے گھی نچوڑا، تا کہ یہ سالن ہو جائے، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان چیزوں پر کچھ پڑھتے رہے، جو اللہ نے چاہا، ایک روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعا پڑھی: بِسْمِ اللهِ اللّٰهُمَّ أَعْظِمْ فِيهَا الْبَرَكَةَ (اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں، اے اللہ: اس کھانے میں خوب برکت نازل فرمادے)(۱) پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اب کھانے کے لئے دس دس بندوں کو باری باری بلاتے رہو، اس طرح ستر یا اسی بندوں نے سیر ہو کر کھانا تناول فرمایا، پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور اہل خانہ نے اس کھانے سے کھایا، جب سب کھا چکے، تو دیکھا کہ کھانا جوں کا توں باقی ہے، اس میں کوئی کمی نہیں آئی، یہ کھانے میں برکت کا ایک عظیم معجزہ ہے۔

حضرت انس جب کچھ روٹیاں لے کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوئے، تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام صحابہ سے فرمایا: اٹھو، کھانے کے لئے ابوطلحہ کے گھر چلو، ایسا آپ نے کیوں کیا؟ شارحین نے اس کی دو وجہیں ذکر کی ہیں:

- تا کہ سب کے سامنے کھانے میں برکت کا معجزہ ظاہر ہو جائے، اور تمام موجود صحابہ کرام بھی سیر ہو کر کھانا کھا سکیں۔
- اور اس لئے تا کہ ابوطلحہ کے گھر میں کپی میں خیر و برکت اور گھی کے بڑھ جانے کا معجزہ ظاہر ہو جائے، چنانچہ ایسا ہی ہوا،

فوجدت رسول الله ﷺ في المسجد و معه الناس ، اس مسجد سے وہ جگہ مراد ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ خندق کے موقع پر نماز پڑھنے کے لئے مخصوص کی تھی، تا کہ اس سے دشمن پر نظر رہے اور ساتھ ہی اللہ جل جلالہ کی عبادت بھی ہو سکے۔

فقالت: الله و رسوله اعلم ، اس جواب کے ذریعہ حضرت ام سلیم حضرت ابوطلحہ کو تسلی دے رہی ہیں کہ اس میں پریشان ہونے کی کوئی بات نہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کھانے کے لئے صحابہ کی ایک جماعت کے ساتھ تشریف لا رہے ہیں، کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہے کہ کھانا بندوں کے حساب سے تھوڑا ہے، لہذا اس میں ضرور کوئی حکمت اور مصلحت ہے، جسے اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول ہی بہتر جانتے ہیں، گویا ام سلیم نے فوراً یہ محسوس کر لیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا آنا کسی معجزے کے اظہار کے لئے ہے، اس سے حضرت ام سلیم کی ایمانی فراست وبصیرت اور ایمانی قوت ثابت ہوتی ہے، انہیں اس موقع پر کسی قسم کی کوئی پریشانی نہیں ہوئی، یہ بھی درحقیقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فیض رسالت کا اثر ہے کہ ایک خاتون کو اس قدر پختہ یقین حاصل ہو گیا تھا۔

''پھر آپ نے حکم دیا کہ دس کو بلاؤ'' سب کو اکٹھا بٹھا کر کھلانے کا حکم آپ نے کیوں نہیں دیا؟ اس کی مختلف وجہیں ہو

---

(۱) فتح الباری ۷۳۲/۶، کتاب المناقب باب علامات النبوۃ فی الاسلام

سکتی ہیں:

۱۔ کھانے کا وہ برتن اتنا ہی بڑا تھا کہ اس کے آس پاس بیک وقت صرف دس بندے بیٹھ کر ہی کھا سکتے تھے۔

۲۔ یا یہ کہ وہاں جگہ ہی اتنی تھی کہ ایک وقت میں صرف دس بندے ہی بیٹھ سکتے تھے، زیادہ کی وہاں گنجائش نہیں تھی۔(۱)

والقوم سبعون او ثمانون رجلاً" اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ کرام کی تعداد ستر یا اسی تھی، جبکہ مسند احمد کی ایک روایت میں چالیس کی تعداد کا ذکر ہے، بظاہر تعداد میں تعارض ہے؟ شارحین حدیث کے اس بارے میں دو نقطہ نظر ہیں:

۞ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ تعداد کا یہ اختلاف مختلف واقعات کے اعتبار سے ہے، ایک موقع پر تعداد چالیس تھی، اور دوسرے واقعے میں صحابہ کی تعداد ستر یا اسی تھی۔(۲)

۞ ملا علی قاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ ایک ہی واقعہ ہے، جس کی صورت یہ ہے کہ پہلے دس دس کر کے چالیس بندوں نے کھایا، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان چالیس بندوں کو بلایا، جو پیچھے رہ گئے تھے، لہذا جس روایت میں چالیس کا ذکر ہے، وہ بھی درست ہے، اس میں آدھی تعداد کا ذکر ہے، اور جس روایت میں اسی کا ذکر ہے، وہ بھی صحیح ہے کیونکہ ٹوٹل تعداد کھانے والوں کی یہی تھی۔(۳)

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، قَالَ: رَأَيْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَحَانَتْ صَلَاةُ الْعَصْرِ وَالْتَمَسَ النَّاسُ الْوَضُوءَ فَلَمْ يَجِدُوا، فَأُتِيَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِوَضُوءٍ فَوَضَعَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَدَهُ فِي ذٰلِكَ الْإِنَاءِ وَأَمَرَ النَّاسَ أَنْ يَتَوَضَّئُوا مِنْهُ قَالَ: فَرَأَيْتُ الْمَاءَ يَنْبُعُ مِنْ تَحْتِ أَصَابِعِهِ، فَتَوَضَّأَ النَّاسُ حَتَّى تَوَضَّئُوا مِنْ عِنْدِ آخِرِهِمْ.(۴)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا، جبکہ نماز عصر قریب ہو چکی تھی، لوگوں نے وضو کے لئے پانی تلاش کیا، لیکن انہوں نے پانی نہ پایا، اتنے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس وضو کا پانی لایا گیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا ہاتھ اس برتن میں رکھ دیا، اور لوگوں کو حکم دیا کہ اس پانی سے وضو کریں، حضرت انس فرماتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی انگلیوں کے نیچے سے پانی نکل رہا تھا، چنانچہ لوگوں نے وضو کیا، یہاں تک کہ ان لوگوں نے بھی وضو کر لیا، جو ان میں سے آخر میں تھے یعنی سب ہی نے وضو کر لیا (پھر بھی وہ پانی ختم نہیں ہوا)

---

(۱) فتح الباری ۷۳۱/۶، ۷۳۲، ۷۳۳، کتاب المناقب، باب علامات النبوة فی الاسلام، مرقاة المفاتیح ۴۹/۱۱، ۵۰

(۲) فتح الباری ۷۳۲/۶، کتاب المناقب، باب علامات النبوة فی الاسلام

(۳) مرقاة المفاتیح ۵۰/۱۱، کتاب الفضائل، باب فی المعجزات، رقم الحدیث: ۵۹۰۸۔

(۴) الموطأ للامام مالک، الطھارة، باب جامع الوضوء، الصحیح للبخاری، الوضوء، باب التماس الوضوء، رقم: ۱۶۹۔

مشکل الفاظ کے معنی: حانت: نماز عصر قریب ہوئی، اس کا وقت ہوگیا، التمس الناس: لوگوں نے پانی تلاش کیا، ینبع: پانی نکل رہا تھا، پانی پھوٹ رہا تھا، من عند اخرھم: ان میں سے جو آخر میں تھے، انہوں نے بھی وضو کرلیا، مطلب یہ ہے کہ تمام لوگوں نے وضو کرلیا، یہ ایک عربی محاورہ ہے، جس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ شروع سے یعنی پہلے بندے سے لے کر آخری آدمی تک سب ہی نے وضو کرلیا۔(۱)

انگلیوں سے پانی نکلنے کا معجزہ

علامہ قرطبی فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی انگلیوں سے پانی نکلنے کا معجزہ متعدد بار پیش آیا ہے، اور مختلف موقعوں پر صحابہ کرام کی تعداد بھی مختلف رہی، اس کثرت سے یہ واقعات پیش آئے کہ یہ احادیث اخبار مشہورہ کے درجے میں ہیں۔(۲)

مذکورہ حدیث میں بھی کسی سفر کا واقعہ ہے جس میں نماز عصر کا وقت ہوگیا، مگر پانی تلاش کے باوجود نہ مل سکا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پانی کے برتن میں ہاتھ مبارک رکھا، تو آپ کی انگلیوں کے نیچے سے پانی چشمہ کی طرح نکلنے لگا، جس سے وہاں پر موجود تمام صحابہ نے وضو کرلیا، پانی کے نکلنے سے کیا مراد ہے؟ امام نووی رحمہ اللہ نے اس کے دو مطلب بیان کئے ہیں:

۱۔　اکثر علماء کے نزدیک اس کے معنیٰ یہ ہیں کہ یہ پانی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی انگلیوں سے حقیقۃً براہ راست نکلا ہے، اس کی تائید اس روایت سے بھی ہوتی ہے جس میں یہ الفاظ ہیں: فرأيت الماء ينبع من أصابعه (میں نے آپ کی انگلیوں سے پانی نکلتے ہوئے دیکھا ہے) اس لحاظ سے یہ معجزہ، پتھر سے پانی نکلنے کے اس معجزے سے افضل ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے عصاء کے پتھر پر مارنے سے چشمے پھوٹ پڑے تھے۔

۲۔　اس برتن میں جو پانی پہلے سے موجود تھا، اس کو دست مبارک کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے اس قدر زیادہ کردیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک انگلیوں کے درمیان سے پانی یوں نکلنے لگا، جیسے کوئی چشمہ پھوٹ پڑا ہو، بہرحال جو بھی معنیٰ مراد لئے جائیں، اس سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک عظیم معجزہ ثابت ہوتا ہے۔(۳)

عَنْ عَائِشَةَ، أَنَّهَا قَالَتْ: أَوَّلُ مَا ابْتُدِئَ بِهِ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ النُّبُوَّةِ، حِينَ أَرَادَ اللّٰهُ كَرَامَتَهُ وَرَحْمَةَ الْعِبَادِ بِهِ أَنْ لَا يَرَى شَيْئًا إِلَّا جَاءَتْ كَفَلَقِ الصُّبْحِ، فَمَكَثَ عَلَى ذٰلِكَ مَا شَاءَ اللّٰهُ أَنْ يَمْكُثَ، وَحُبِّبَ إِلَيْهِ الْخَلْوَةُ فَلَمْ يَكُنْ شَيْءٌ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِنْ أَنْ يَخْلُوَ۔(۴)

---

(۱)　تکملۃ فتح الملہم ۴/۴۷۶، کتاب الفضائل باب فی معجزات النبی ﷺ

(۲)　ایضا

(۳)　شرح مسلم للنووی ۲/۲۴۵، کتاب الفضائل باب فی معجزات النبی ﷺ

(۴)　الصحیح للبخاری، التفسیر، باب قولہ: خلق الانسان من علق، رقم: ۴۹۵۵۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبوت کی سب سے پہلی وہ چیز، جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر شروع کیا گیا، جب اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو عزت بخشنے اور آپ کے ذریعہ بندوں پر مہربانی کرنے کا ارادہ فرمایا، یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کوئی خواب نہیں دیکھتے تھے، مگر یہ کہ وہ خواب (یعنی اس کی تعبیر) صبح کے اجالے کی طرح روشن ہو کر سامنے آ جاتی، چنانچہ آپ اسی حالت پر ٹھہرے رہے، جتنا اللہ نے چاہا کہ آپ اسی حالت پر ٹھہرے رہیں (چنانچہ چھ ماہ تک سچی خوابوں کا سلسلہ جاری رہا) اور آپ کے لئے (اسی دوران) تنہائی محبوب بنادی گئی، (اور آپ کی یہ کیفیت ہوگئی تھی) کہ کوئی بھی چیز تنہائی سے زیادہ آپ کو محبوب ومرغوب نہیں تھی۔

مشکل الفاظ کے معنی: جاءت مثل فلق الصبح: اس میں جاءت کی ضمیر "شیء" کی طرف لوٹ رہی ہے، اور "شیء" سے چونکہ "رؤیا" مراد ہے، اس لئے اس فعل کو مؤنث لایا گیا ہے، فلق: (فا اور لام پر زبر کے ساتھ) اجالا، پھٹنا، فلق الصبح: صبح کا اجالا، پو کا پھٹنا، حبب: (صیغہ مجہول) محبوب ومرغوب بنادی گئی۔

وحی کا آغاز سچے خوابوں سے

نزول وحی سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سچے خواب آنا شروع ہو گئے تھے، اور یہ سلسلہ چھ ماہ تک جاری رہا، آپ رات کو جیسا خواب دیکھتے، صبح اٹھتے تو اس کی تعبیر یوں روشن ہو کر سامنے آجاتی جیسے صبح کا اجالا روشن ہوتا ہے، کسی شک وشبہ کے بغیر ویسا ہی ہو جاتا تھا، یہ گویا اس بات کی تمہید تھی کہ اب آپ پر وحی کا سلسلہ شروع کیا جارہا ہے۔

اسی وجہ سے ایک اور حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: نیک خواب نبوت کا چھیالیسواں حصہ ہیں، چھیالیسواں حصہ اس طرح کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا کل زمانہ ۲۳ سال ہے، ان تیئیس سالوں کے چھیالیس چھ ماہ بنتے ہیں، اس سے معلوم ہوا کہ زمانہ نبوت میں چھیالیس چھ ماہ، ہیں ان میں سے پہلے چھ ماہ میں وحی کا آغاز نیک خوابوں سے ہوا، اس لحاظ سے حدیث میں یہ کہا گیا ہے کہ سچے خواب نبوت کا چھیالیسواں حصہ ہیں۔(۱)

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں خلوت اور تنہائی کی محبت ڈال دی گئی، یہ ایک خاص کیفیت ہوتی ہے، جب کوئی بندہ اللہ جل جلالہ کی طرف رجوع کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے یہ عطا فرماتے ہیں، ایسے ہی جب یہ کیفیت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر طاری ہوئی تو خلوت اور تنہائی آپ کو محبوب ہوگئی اور غار حرا میں جا کر آپ دین ابراہیمی کے مطابق عبادت کیا کرتے تھے۔

عَنْ عَبْدِ اللهِ، قَالَ: إِنَّكُمْ تَعُدُّونَ الآيَاتِ عَذَابًا، وَإِنَّا كُنَّا نَعُدُّهَا عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَرَكَةً، لَقَدْ كُنَّا نَأْكُلُ الطَّعَامَ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَنَحْنُ نَسْمَعُ تَسْبِيحَ الطَّعَامِ، قَالَ: وَأُتِيَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِإِنَاءٍ فَوَضَعَ يَدَهُ فِيهِ فَجَعَلَ الْمَاءُ يَنْبُعُ مِنْ بَيْنِ أَصَابِعِهِ، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ:

(۱) فتح الباری ۱۲/ ۴۵۱، کتاب التعبیر، باب رؤیا الصالحین

حَيَّ عَلَى الْوَضُوءِ الْمُبَارَكِ وَالْبَرَكَةُ مِنَ السَّمَاءِ، حَتَّى تَوَضَّأْنَا كُلُّنَا.(۱)

حضرت عبداللہ بن مسعود فرماتے ہیں کہ تم لوگ قدرت کی نشانیوں کو عذاب سمجھتے ہو اور ہم لوگ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ان آیات کو باعث برکت سمجھتے تھے، ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کھانا کھاتے اور کھانے کی تسبیح کو ہم سنتے تھے، ابن مسعود فرماتے ہیں کہ (ایک مرتبہ) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک برتن لایا گیا، آپ نے اس میں اپنا ہاتھ رکھا تو آپ کی انگلیوں سے پانی (چشمہ کی طرح) نکلنے لگا، پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مبارک پانی اور آسمان سے نازل ہونے والی برکت کی طرف آؤ، یہاں تک کہ ہم سب نے اس پانی سے وضو کیا۔

کھانے کی تسبیح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ صحابہ بھی سنتے

مذکورہ حدیث سے درج ذیل امور ثابت ہوتے ہیں:

۱۔ اس حدیث میں ''آیات'' سے وہ نشانیاں مراد ہیں، جو خرق عادت کے طور پر پیش آئی ہیں، یعنی معجزات مراد ہیں، ان سے قرآنی آیات مراد نہیں۔

۲۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ایسا لگتا ہے عبداللہ بن مسعود کے سامنے ایسے لوگ تھے، جو ان تمام آیات اور معجزات کو عذاب سمجھتے تھے، قرآن مجید کی اس آیت کے ظاہر سے استدلال کر کے: وما نرسل بالآیات الا تخویفا، اس پر حضرت عبداللہ بن مسعود نے ان کی غلط فہمی کو دور کیا کہ یہ معجزات نہ تو سارے عذاب کا سبب ہیں اور نہ ہی سارے برکت کا باعث ہیں، بلکہ بعض آیات، اللہ کی طرف سے برکت ہوتی ہیں، ان سے اہل ایمان کے ایمان میں اضافہ اور استقامت پیدا ہوتی ہے جیسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی انگلیوں سے پانی کا نکلنا، جس سے تمام صحابہ کرام وضو کر لیتے تھے، اور کھانے سے تسبیح کا سننا وغیرہ، جبکہ بعض نشانیاں اللہ کی طرف سے عذاب اور ڈرانے کے لئے ہوتی ہیں جیسے سورج اور چاند کا گرہن وغیرہ۔

۳۔ صحابہ کرام نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کھانا کھاتے تو بعض دفعہ اس کھانے کی تسبیح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ صحابہ کرام بھی سنا کرتے تھے، اس مفہوم کی اور بھی بہت سی احادیث ہیں، جن میں کھانے کی تسبیح، پھلوں اور کنکریوں کی تسبیحات کا تذکرہ ہے، یہ کنکریاں جس طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک میں تسبیح کرتی تھیں، ایسے ہی صدیق اکبر، عمر فاروق، عثمان اور بعض دیگر صحابہ کرام کے ہاتھوں میں بھی تسبیح کیا کرتی تھیں، یہ سب میرے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات ہیں، جو آپ کی صداقت کے واضح دلائل ہیں۔

۴۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ سفر حدیبیہ کا واقعہ ہے، جس میں پانی کا یہ معجزہ ظاہر ہوا۔

۵۔ البرکۃ من السماء، اس جملے کی ترکیب میں دو احتمال ہیں:

---

(۱) الصحیح للبخاری، المناقب، باب علامات النبوۃ فی الاسلام، رقم: ۳۵۷۹۔

۞ لفظ برکۃ کا عطف الوضوء المبارک پر ہے، اور ترجمہ اسی ترکیب کے لحاظ سے کیا گیا ہے۔

۞ صحیح بخاری کی روایت میں یہ لفظ یوں ہے: والبرکۃ من اللہ، حافظ ابن حجر اس کی ترکیب میں فرماتے ہیں کہ یہ جملہ اسمیہ ہے اور مستقل جملہ ہے، لفظ البرکۃ مبتدا ہے اور من اللہ خبر ہے، تا کہ اس سے یہ واضح ہو جائے کہ انگلیوں سے پانی کا نکلنا یہ سب اللہ جل جلالہ کے پیدا کرنے سے ہے، ترمذی کی مذکورہ روایت میں البرکۃ من السماء کی بھی یہ ترکیب ہو سکتی ہے، جس میں یہ مستقل جملہ ہو اور اللہ کی قدرت اس سے ظاہر ہو، تاہم پہلے احتمال کے لحاظ سے بھی اس جملے کے معنی درست ہیں۔(۱)

بَابُ مَا جَاءَ كَيْفَ كَانَ يَنْزِلُ الْوَحْيُ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

یہ باب اس حدیث کے بیان میں ہے، جس میں نبی کریم ﷺ پر وحی نازل ہونے کی کیفیت کا ذکر ہے۔

عَنْ عَائِشَةَ، أَنَّ الْحَارِثَ بْنَ هِشَامٍ، سَأَلَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: كَيْفَ يَأْتِيكَ الْوَحْيُ؟ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَحْيَانًا يَأْتِينِي مِثْلَ صَلْصَلَةِ الْجَرَسِ وَهُوَ أَشَدُّهُ عَلَيَّ، وَأَحْيَانًا يَتَمَثَّلُ لِيَ الْمَلَكُ رَجُلًا فَيُكَلِّمُنِي فَأَعِي مَا يَقُولُ، قَالَتْ عَائِشَةُ: فَلَقَدْ رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَنْزِلُ عَلَيْهِ الْوَحْيُ فِي الْيَوْمِ الشَّدِيدِ الْبَرْدِ، فَيَفْصِمُ عَنْهُ وَإِنَّ جَبِينَهُ لَيَتَفَصَّدُ عَرَقًا.(۲)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حارث بن ہشام نے نبی کریم ﷺ سے پوچھا کہ آپ پر وحی کس طرح اترتی ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: کبھی تو وحی مجھ پر یوں آتی جیسے گھنٹی کی آواز اور گونج ہو، وحی نازل ہونے کی یہ کیفیت مجھ پر بہت سخت ہوتی ہے، اور کبھی فرشتہ انسانی صورت میں میرے پاس آتا ہے، پھر وہ مجھ سے بات کرتا ہے، تو میں اس بات کو یاد کر لیتا ہوں، جو وہ مجھ سے کہتا ہے، حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ (بسا اوقات) شدید سردی کے دن میں آپ پر وحی نازل ہوتی اور پھر (جب) آپ سے وحی کی یہ کیفیت ختم ہو جاتی تو آپ کی پیشانی سے پسینہ بہہ رہا ہوتا تھا۔

مشکل الفاظ کے معنی: یاتینی: وحی مجھ پر آتی، نازل ہوتی، صلصلة: (صاد پر زبر، لام ساکن اور صاد پر زبر) اسلحے کی جھنکار، گھنٹی کی آواز اور گونج، الجرس: (جیم اور را پر زبر) گھنٹی، وہ گھنٹی جو جانور کے گلے میں ڈالی جاتی ہے، یہاں حدیث میں صلصلة الجرس سے فرشتہ کی وہ آواز مراد ہے جو وحی لانے پر پیدا ہوتی ہے، یتمثل: وہ شکل اور صورت بناتا ہے، فأعي: (صیغہ متکلم) تو میں یاد کر لیتا ہوں، محفوظ کر لیتا ہوں، فیفصم عنه: (صیغہ معروف) اس میں ھو ضمیر وحی کی طرف لوٹ رہی ہے: پھر وہ وحی آپ سے جدا ہوتی یعنی وحی کی وہ کیفیت ختم ہوتی، لیتفصد عرقا: پیشانی سے پسینہ بہہ رہا ہوتا، عرق: (عین اور را پر زبر)

(۱) فتح الباری ۶/۷۳۳، کتاب المناقب، باب علامات النبوۃ فی الاسلام، رقم الحدیث: ۳۵۷۹

(۲) الصحیح للبخاری کتاب بدء الوحی، الموطا للامام مالک، کتاب القرآن، باب ما جاء فی القرآن۔

پسینہ، یعنی جلد کے مسامات سے نکلنے والا پانی۔

وحی کے لغوی اور اصطلاحی معنیٰ

''وحی'' کے لغوی معنیٰ ہیں: اشارہ کرنا، لکھنا، آہستہ سے بات بتادینا کہ دوسرے کو اس کا پتہ بھی نہ چل سکے، چنانچہ فرشتہ اللہ تعالیٰ کا پیغام نبی کریم ﷺ کو اس انداز سے پہنچاتا تھا کہ کسی آدمی کو اس کا پتہ نہیں چلتا تھا۔

وحی کے اصطلاحی معنیٰ: وہ کلام جو اللہ تعالیٰ اپنے انبیاء پر نازل کرتے ہیں، خواہ فرشتہ کے ذریعہ ہو یا کسی اور طریقے سے ہو۔

کشف، الہام اور نیک خواب کو لغوی معنیٰ کے لحاظ سے وحی کہا جاتا ہے، اصطلاحاً انہیں وحی نہیں کہا جاتا۔(۱)

نزول وحی کی کیفیت اور اس کی مختلف صورتیں

مذکورہ حدیث میں نبی کریم ﷺ نے نزول وحی کی کیفیت کا ذکر فرمایا کہ بسا اوقات مجھ پر یوں وحی آتی ہے، جیسے گھنٹی کی آواز ہو، اور یہ طریقہ مجھ پر انتہائی سخت ہوتا ہے، اور کبھی وہ فرشتہ انسانی صورت میں آتا ہے اور وہ مجھ سے بات کرتا ہے تو میں اسے محفوظ کر لیتا ہوں، زیادہ تر وحی کی یہ دو صورتیں ہی پیش آیا کرتی تھیں، اس لئے نبی کریم ﷺ نے ان دو کا ہی ذکر فرمایا ہے۔

نبی کریم ﷺ پر وحی نازل ہونے کی مختلف صورتیں منقول ہیں، جن کی تفصیل درج ذیل ہے:

۱۔ صلصلة الجرس بسا اوقات آپ ﷺ پر وحی اس طرح آتی جیسے گھنٹی کی آواز ہو، اور آپ کے پاس جو صحابہ کرام بیٹھے ہوتے، ان کو یوں محسوس ہوتا، جیسے شہد کی مکھیوں کی بھنبھناہٹ ہو، وحی کی یہ کیفیت نبی کریم ﷺ کے لئے بہت سخت اور گراں ہوتی تھی۔

۲۔ کبھی فرشتہ انسانی شکل وصورت میں حاضر ہوتا، آپ سے گفتگو کرتا جسے آپ ﷺ محفوظ کر لیتے، چنانچہ دوسری روایات میں ہے کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام اکثر و بیشتر حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ کی شکل میں آیا کرتے تھے، ان کی صورت حضرت دحیہ کلبی کے مشابہ تھی، یہ صحابی اپنے حسن و جمال میں مشہور تھے اور نبی کریم ﷺ انہیں اپنا نمائندہ بنا کر ادھر ادھر بھیجا کرتے تھے، تاکہ یہ آپ ﷺ کے پیغام اور خطوط کفار تک پہنچادیں، وحی کی یہ صورت پہلی صورت کی بنسبت آسان ہوتی تھی کیونکہ اس میں ایک فرشتہ انسانی صورت میں آتا ہے، اس لئے اس کی بات سننے اور سمجھنے میں کوئی خاص دشواری نہیں ہوتی تھی۔

۳۔ نفث فی الروع، نفث کے معنیٰ ''پھونکنے'' کے ہیں اور روع سے قلب مراد ہے، نبی کریم ﷺ کے دل میں اللہ تعالیٰ یا فرشتہ کی طرف سے براہ راست کوئی بات ڈال دی جاتی، اس میں نہ تو الفاظ سنائی دیتے ہیں اور نہ ہی کوئی فرشتہ آتا ہے، بس دل

(۱) کشف الباری ۱/ ۲۲۱، بدء الوحی

میں بات ڈال دی جاتی ہے اور آپ ﷺ کو بھی یقین ہو جاتا ہے کہ یہ سب کچھ اللہ جل جلالہ کی طرف سے ہے۔

۴۔ وحی منامی، نبی کریم ﷺ کو خواب میں کوئی حکم بتا، یا دکھا دیا جائے اور یہ طے ہے کہ نبی کا خواب بھی شرعی طور پر دلیل اور حجت ہوتا ہے۔

۵۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام اپنی اصلی صورت میں آکر نبی کریم ﷺ سے کوئی بات کریں، چنانچہ زمانہ فترت کے بعد ایک دفعہ نبی کریم ﷺ نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کو دیکھا کہ وہ آسمان و زمین کے درمیان ہیں اور ان کے چھ سو پر ہیں، وحی کی یہ صورت کم ہی پیش آتی ہے۔

۶۔ اللہ جل شانہ براہ راست کلام فرمائیں خواہ بیداری میں جیسے سفر معراج میں ہوا یا خواب میں ہو جیسا کہ ترمذی کی ایک روایت میں ہے جو ابواب التفسیر میں گذر چکی ہے۔

ترمذی کی مذکورہ روایت میں حضرت حارث نے جب نبی کریم ﷺ سے نزول وحی کی کیفیت کے بارے میں سوال کیا تو آپ نے صرف ان دو صورتوں کا ذکر فرمایا، جو زیادہ تر پیش آتی تھیں، تمام صورتوں کو بیان کرنا آپ نے اس وقت مناسب نہیں سمجھا۔

صلصلۃ الجرس سے کیا مراد ہے؟

وحی کی یہ کیفیت، جس میں اس کی آواز گھنٹی کی آواز کی طرح ہوتی، اس سے کیا مراد ہے؟ شارحین حدیث کے اس میں مختلف اقوال ہیں:

۱۔ یہ اس فرشتہ کے پروں کی آواز ہوتی تھی جو وحی لے کر آرہا ہوتا۔

۲۔ بعض حضرات فرماتے ہیں کہ یہ اس وحی کی آواز ہوتی تھی، جو آپ ﷺ پر نازل ہو رہی ہوتی تھی، حدیث کے الفاظ سے یہی مفہوم معلوم ہوتا ہے، یہ محض آواز ہی نہیں، بلکہ باقاعدہ کلام ہوتا تھا، چنانچہ جب وحی کی یہ کیفیت ختم ہوتی تو آپ ﷺ اس وحی کو یاد کر چکے ہوتے تھے، اور وحی کے یہ الفاظ چونکہ گھنٹی کی آواز کی طرح ہونے کی وجہ سے مانوس نہیں تھے، اس لئے ان کو سمجھنے میں نبی کریم ﷺ کو سخت دشواری ہوتی تھی، اسی کو آپ نے یوں ارشاد فرمایا: و هو اشده علی۔

۳۔ بعض حضرات کے نزدیک یہ آواز براہ راست اللہ جل جلالہ کی تھی، جو گھنٹی کی آواز کی طرح تھی، اس کی کیفیت اور صورت کیا تھی، یہ اللہ ہی کو معلوم ہے۔

۴۔ بعض حضرات فرماتے ہیں کہ یہ حضرت جبرئیل علیہ السلام کے آنے کی آواز ہوتی تھی، جس کی آواز پہلے سے سنائی دیتی تھی، تاکہ آپ ﷺ وحی کا کلام سننے کے لئے تیار ہو جائیں۔(۱)

(۱) الکنز المتواری ۳۱/۲، باب کیف کان بدء الوحی، ۲۴/۱، کتاب بدء الوحی، فتح الباری ۲۴/۱۔

عن عائشة انّ الحارث بن ھشام سأل رسول اللہ ﷺ، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حارث بن ہشام نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا: کیف یاتیک الوحی... اس میں دو احتمال ہیں:

۱۔ یہ روایت مسانید عائشہ میں سے ہے، جب حضرت حارث نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا، اس وقت حضرت عائشہ بھی وہاں موجود تھیں، آپ نے سوال کا جواب براہ راست سنا، اس اعتبار سے یہ روایت حضرت عائشہ کی مسانید میں سے شمار ہوگی۔

۲۔ دوسرا احتمال یہ ہے کہ حضرت عائشہ وہاں موجود نہ ہوں اور یہ روایت انہوں نے حضرت حارث سے سنی ہو، اس لحاظ سے یہ روایت حضرت ہشام کی روایات میں سے ہوگی، اس صورت میں یہ مرسل صحابی ہوگی، جو جمہور کے نزدیک حدیث متصل کی طرح ہے،(۱)

حضرت حارث بن ہشام

حضرت حارث بن ہشام بن مغیرہ، حضرت خالد بن ولید کے چچا زاد بھائی اور ابوجہل کے حقیقی بھائی ہیں، ابوجہل کا نام عمرو بن ہشام تھا، بدر واحد میں حضرت حارث مسلمانوں کے خلاف مشرکین کے ساتھ لڑائی میں شریک تھے، فتح مکہ کے موقع پر انہوں نے اسلام قبول کیا، پھر مختلف غزوات میں شریک رہے، بالآخر جنگ یرموک میں شہید ہوگئے۔(۲)

بَابُ مَا جَاءَ فِي صِفَةِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

یہ باب اس حدیث پر مشتمل ہے جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صفت یعنی آپ کے حلیہ کا بیان ہے

عَنِ الْبَرَاءِ، قَالَ: مَا رَأَيْتُ مِنْ ذِي لِمَّةٍ فِي حُلَّةٍ حَمْرَاءَ أَحْسَنَ مِنْ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، لَهُ شَعْرٌ يَضْرِبُ مَنْكِبَيْهِ، بَعِيدُ مَا بَيْنَ الْمَنْكِبَيْنِ، لَمْ يَكُنْ بِالْقَصِيرِ وَلَا بِالطَّوِيلِ.(۳)

حضرت براء بن عازب فرماتے ہیں کہ میں نے کسی زلفوں والے شخص کو سرخ نئے جوڑے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ حسین وجمیل اور خوبصورت نہیں دیکھا، آپ کے سر کے بال کندھوں سے لگتے تھے، آپ کے دونوں کندھوں کے درمیان کافی فاصلہ تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا قد نہ ٹھگنا تھا اور نہ بہت لمبا۔

مشکل الفاظ کے معنی: لمة: (لام کے نیچے زیر اور میم پر زبر اور تشدید) کان کی لو سے بڑی ہوئی بالوں کی زلفیں، جو کندھوں تک نہ پہونچی ہوں، یا کندھوں کے قریب قریب ہوں، اس کی جمع لمم ہے، وفرة: (واؤ پر زبر) سر کے وہ بال جو کانوں کی لو تک پہنچے ہوئے ہوں، جمة: (جیم پر پیش، میم پر زبر اور تشدید) وہ زلفیں جو اتنی بڑی ہو جائیں کہ کندھوں تک پہنچ جائیں، اس ترتیب سے

---

(۱) فتح الباری ۲۴/۱، رقم الحدیث: ۲۔

(۲) فتح الباری ۲۴/۱، الاصابة ۱/ ۲۹۷، حرف الحاء۔

(۳) الصحیح للبخاری، المناقب، باب صفة النبی صلی اللہ علیہ وسلم، رقم: ۳۵۵۱۔

ان کو یاد رکھنے کا فارمولا لفظ ولج ہے، واؤ سے وفرہ، لام سے لمۃ اور جیم سے جمۃ کی طرف اشارہ ہے، حلة: (حاء پر پیش اور لام پر زبر اور تشدید) کپڑوں کا نیا سوٹ، جوڑا، پوشاک، یضرب منکبیه: وہ بال آپ کے دونوں کندھوں تک پہنچے ہوئے تھے، قصیر: بہت پست قد، ٹھگنا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سر کے بالوں کی لمبائی

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سر کے بالوں کی لمبائی کتنی تھی؟ اس بارے میں مختلف روایات منقول ہیں:

۱۔ آپ کے سر کے بال کانوں کی لو تک لمبے تھے، جسے عربی میں وفرہ کہا جاتا ہے۔

۲۔ کانوں کی لو سے نیچے، کندھوں سے اوپر یا کندھوں کے قریب ہوتے، انہیں لمۃ کہا جاتا ہے۔

۳۔ آپ کے سر مبارک کے بال کندھوں تک لمبے ہوتے، جسے جمۃ کہا جاتا ہے۔

بظاہر ان روایات میں تعارض ہے، اس لئے شارحین حدیث نے ان میں مختلف انداز سے تطبیق ذکر کی ہے، تاکہ یہ تعارض ختم ہو جائے اور اچھی طرح بات واضح ہو جائے، شارحین کے اقوال درج ذیل ہیں:

۞ امام نووی، حافظ ابن حجر اور بعض دوسرے محدثین فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بالوں کی لمبائی اور چھوٹا ہونا مختلف اوقات اور حالات کے اعتبار سے ہے: جس وقت آپ بالوں کو چھوٹا کراتے تو وہ کانوں کی لو تک ہوتے، کچھ دنوں میں اور بڑھ جاتے اور پھر مزید بڑے ہو کر جمہ کی مقدار تک پہنچ جاتے۔(۱)

۞ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بالوں میں کنگھی کرتے تو بڑے دکھائی دیتے یعنی لمہ اور جمہ، اور جب کنگھا نہ کرتے تو وفرہ ہی رہتے، تو بالوں کی جس کیفیت کو جس وقت کسی صحابی نے دیکھا اسی کو بیان کر دیا، کسی نے کانوں کی لو تک زلفوں کی لمبائی دیکھی، تو اس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بالوں کی لمبائی وفرہ ذکر کر دی، جس نے کانوں سے ذرا نیچے بال دیکھے، تو اس نے یہ کہا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بال لمہ کی مقدار تک تھے.....

۞ بعض محققین نے یہ توجیہ ذکر کی ہے کہ وفرہ، لمہ اور جمہ میں اگرچہ لغوی معنی کے اعتبار سے فرق ہے، لیکن عرف میں استعمال کے لحاظ سے ان میں سے ہر لفظ دوسرے کی جگہ استعمال ہوتا رہتا ہے، اور ان سے مطلقاً لمبے بال مراد ہوتے ہیں، خواہ ان کی لمبائی کانوں کی لو تک ہو، یا کانوں سے نیچے اور کندھوں تک پہنچے ہوئے ہوں، لہذا بعض راویوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بالوں کی لمبائی وفرہ، بعض نے لمہ اور جمہ ذکر کر دی، لہذا ان روایات میں حقیقۃً کوئی تعارض نہیں۔(۲)

۞ بعض علماء نے اس تعارض کے حل میں یہ لکھا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سر مبارک کے اگلے حصے کے بال آپ کے کانوں

---

(۱) فتح الباری ۷۰۱/۶، کتاب المناقب باب صفة النبی ﷺ، شرح مسلم للنووی ۲۵۷/۲، کتاب الفضائل باب صفة شعره ﷺ

(۲) تکملة فتح الملهم ۵۵۵/۴، کتاب الفضائل باب صفة شعر النبی ﷺ

کی لو تک یا نصف کانوں تک پہنچ جاتے، اس لئے بعض راویوں نے آپ کے بالوں کو "وفرہ" تک لکھا، اور آپ کے درمیانے سر کے بال کانوں کی لو سے ذرا نیچے ہوتے، اس کو حدیث میں "لمہ" سے ذکر کیا گیا ہے، اور سر کے پچھلے حصے کے بال کندھوں کے قریب تک ہوتے تھے، اس کو حدیث میں "جمہ" سے تعبیر کیا گیا ہے، اس لئے ان روایات میں تعارض نہیں۔(۱)

سرخ رنگ کے کپڑے استعمال کرنے کا حکم

مذکورہ حدیث میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سرخ لباس زیب تن فرمایا اور اس میں آپ بہت خوبصورت لگ رہے تھے، ملا علی قاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس سرخ لباس سے خالص تیز سرخ کلر مراد نہیں، بلکہ اس حلہ حمراء سے وہ کپڑے مراد ہیں، جن میں سرخ دھاریاں ہوں، اس طرح کا کپڑا مردوں کے لئے بغیر کسی کراہت کے جائز ہے۔

مردوں کے لئے سرخ رنگ کا کپڑا استعمال کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اس بارے میں دو قسم کی روایات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہیں، بعض سے جواز اور بعض روایات سے عدم جواز معلوم ہوتا ہے، چنانچہ ترمذی کی مذکورہ روایت سے بھی جواز معلوم ہوتا ہے کہ خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سرخ کپڑے پہنے ہوئے تھے، اور جن روایات سے ممانعت یا کراہت معلوم ہوتی ہے، ان میں سے چند روایات یہ ہیں:

- سنن ابی داؤد اور سنن ترمذی میں حضرت عبداللہ بن عمر فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے ایک شخص گذرا، جس نے دو سرخ کپڑے پہن رکھے تھے، اس نے سلام کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے سلام کا جواب نہیں دیا۔
- نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مردوں کو ثوب معصفر یعنی کسم پودے سے رنگے ہوئے کپڑے پہننے سے منع فرمایا ہے، کیونکہ کسم کا رنگ عموماً سرخ ہوتا ہے، عصفر ایک خاص قسم کے زرد رنگ کا پودا ہے، جس کو پانی میں ڈال کر کپڑے رنگے جاتے ہیں، عربوں میں اس کا بہت رواج تھا، اردو میں اسے "کُسم" (کاف پر پیش) کہتے ہیں۔

باقی تمام فقہاء نے تو جواز کی روایات کی بنیاد پر فرمایا ہے کہ سرخ رنگ کا کپڑا مردوں کے لئے مطلقاً جائز ہے، جبکہ احناف کے نزدیک ممانعت اور کراہت کی روایات کی روشنی میں راجح قول یہ ہے کہ یہ مکروہ تنزیہی ہے، یہ تفصیل گہرے سرخ رنگ کے کپڑے سے متعلق ہے، البتہ ہلکے سرخ رنگ کا کپڑا یا ایسا کپڑا، جس میں سرخ دھاریاں اور لکیریں ہوں، بغیر کسی کراہت کے جائز ہے، حدیث باب میں اسی طرح کے کپڑے کا ذکر ہے۔(۲)

عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ، قَالَ: سَأَلَ رَجُلٌ الْبَرَاءَ: أَكَانَ وَجْهُ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِثْلَ السَّيْفِ؟ قَالَ: لَا

---

(۱) خصائل نبوی (ص: ۲۴) باب ما جاء فی شعر رسول اللہ ﷺ

(۲) تکملة فتح الملهم ۴/۵۵۳، کتاب الفضائل/باب فی صفة شعر النبی ﷺ، اعلاء السنن ۱۷/۳۶۰

مِثْلَ الْقَمَرِ.(۱)

ابو اسحاق کہتے ہیں کہ ایک شخص نے حضرت براء بن عازب سے پوچھا کہ: کیا نبی کریم ﷺ کا چہرہ تلوار کی طرح تھا؟ حضرت براء نے فرمایا: نہیں، (بلکہ) چاند کی طرح (روشن اور گول) تھا۔

نبی کریم ﷺ کا چہرہ چاند سے زیادہ روشن تھا

اس سائل نے کہا کہ آپ ﷺ کا چہرہ تلوار کی طرح تھا، حضرت براء نے اس کی نفی کر کے فرمایا کہ نہیں بلکہ آپ کا چہرہ چاند کی طرح تھا، سائل کے سوال سے یہ گمان ہوسکتا تھا کہ آپ کا چہرہ تلوار کی طرح لمبا تھا، اس لیے حضرت براء نے واضح فرمایا کہ آپ ﷺ کا چہرہ چاند کی طرح تھا، چاند کے ساتھ مشابہت دو طرح سے ہے، ایک یہ کہ آپ کا چہرہ چاند کی طرح ذرا گول تھا، لمبا نہیں تھا، دوسرا یہ ہے کہ آپ کا چہرہ انور چاند کی طرح روشن اور چمکدار تھا بلکہ چاند سے بھی زیادہ روشن تھا اور اس چمک میں ایک ایسی مٹھاس، کشش اور جاذبیت تھی کہ جو بھی آپ کو دیکھتا تو آپ کا ہی گرویدہ، جانثار اور عاشق ہوجاتا۔(۲)

بَابٌ: عَنْ عَلِيٍّ، قَالَ: لَمْ يَكُنْ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالطَّوِيلِ وَلَا بِالْقَصِيرِ، شَثْنَ الْكَفَّيْنِ وَالْقَدَمَيْنِ، ضَخْمَ الرَّأْسِ، ضَخْمَ الْكَرَادِيسِ، طَوِيلَ الْمَسْرُبَةِ، إِذَا مَشَى تَكَفَّأَ تَكَفُّؤًا، كَأَنَّمَا يَنْحَطُّ مِنْ صَبَبٍ، لَمْ أَرَ قَبْلَهُ وَلَا بَعْدَهُ مِثْلَهُ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.(۳)

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نہ تو دراز قد تھے اور نہ پست قد (بلکہ میانہ قد تھے) آپ ﷺ کی ہتھیلیاں اور دونوں پاؤں پُر گوشت تھے، آپ کا سر مبارک بڑا (مگر انتہائی خوبصورت اور شاندار تھا) اور اعضاء کے جوڑوں کی ہڈیاں بھی بڑی تھیں، سینہ سے لے کر ناف تک بالوں کی ایک باریک دھاری تھی، جب آپ چلتے تو آگے کی طرف جھک کر اس انداز سے چلتے، گویا آپ کسی بلند جگہ سے نیچے کو اتر رہے ہیں، حضرت علی فرماتے ہیں کہ میں نے آپ ﷺ جیسا (خوبصورت) نہ آپ سے پہلے دیکھا اور نہ آپ کے بعد دیکھا۔

مشکل الفاظ کے معنی: قصیر: کوتاہ قد، چھوٹے قد والا، شثن: (شین پر زبر اور ثا ساکن) موٹا، گوشت سے پُر، گوشت والا، شثن الکفین و القدمین آپ کی دونوں ہتھیلیاں اور پاؤں گوشت سے پُر تھے، موٹے تھے اور ساتھ ساتھ نرم بھی تھے، جیسا کہ ایک دوسری حدیث میں اس کی تصریح ہے، ضخم: (ضاد پر زبر اور خاء ساکن) بڑا، الکرادیس: کردوس کی جمع ہے: ہڈیوں کے جوڑ، ہر بڑی اور مکمل ہڈی، ہر دو ہڈیاں جو ایک جوڑ پر اکٹھی ہوتی ہیں جیسے مونڈھے، گھٹنے اور کولہے کی ہڈیاں، مَسْرُبة: (میم پر

---

(۱) الصحیح للبخاری، المناقب، باب صفة النبی صلی اللہ علیہ وسلم، رقم: ۳۵۵۲۔

(۲) فتح الباری ۶/ ۷۱۰، کتاب المناقب، باب صفة النبی ﷺ

(۳) مسند احمد ۱/ ۹۶، رقم: ۷۴۴۔

زبر، سین ساکن اور را پر پیش) سینہ سے لے کر ناف تک بالوں کی ایک باریک دھاری، بالوں کی ایک باریک لکیر، تکفأ: (ہمزے کے ساتھ) اس کے اصل معنی اترا کر اور تکبر کے ساتھ چلنے کے ہیں، لیکن یہ معنی یہاں حدیث میں مراد نہیں، "نہایہ" میں ہے کہ اس کے معنی ہیں: آگے کی طرف جھک کر چلنا، یہ تواضع اور عجز وانکساری کی چال ہوتی ہے چنانچہ نبی کریم ﷺ تواضع کی کیفیت کے ساتھ ہی چلا کرتے تھے، ینحط: آپ اتر رہے ہوں، صبب: (صاد اور باء پر زبر) ڈھلان، وہ جگہ جہاں سے اتر کر انسان نیچے آتا ہے۔

عَنْ إِبْرَاهِيمَ بْنِ مُحَمَّدٍ، مِنْ وَلَدِ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ قَالَ: كَانَ عَلِيٌّ، إِذَا وَصَفَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: لَيْسَ بِالطَّوِيلِ الْمُمَغَّطِ وَلَا بِالْقَصِيرِ الْمُتَرَدِّدِ وَكَانَ رَبْعَةً مِنَ الْقَوْمِ، وَلَمْ يَكُنْ بِالْجَعْدِ الْقَطَطِ وَلَا بِالسَّبِطِ كَانَ جَعْدًا رَجِلًا وَلَمْ يَكُنْ بِالْمُطَهَّمِ، وَلَا بِالْمُكَلْثَمِ، وَكَانَ فِي الْوَجْهِ تَدْوِيرٌ، أَبْيَضُ مُشْرَبٌ، أَدْعَجُ الْعَيْنَيْنِ، أَهْدَبُ الْأَشْفَارِ، جَلِيلُ الْمُشَاشِ، وَالْكَتَدِ، أَجْرَدُ، ذُو مَسْرُبَةٍ، شَثْنُ الْكَفَّيْنِ وَالْقَدَمَيْنِ، إِذَا مَشَى تَقَلَّعَ، كَأَنَّمَا يَمْشِي فِي صَبَبٍ، وَإِذَا الْتَفَتَ الْتَفَتَ مَعًا، بَيْنَ كَتِفَيْهِ خَاتَمُ النُّبُوَّةِ وَهُوَ خَاتَمُ النَّبِيِّينَ، أَجْوَدُ النَّاسِ صَدْرًا، وَأَصْدَقُ النَّاسِ لَهْجَةً، وَأَلْيَنُهُمْ عَرِيكَةً، وَأَكْرَمُهُمْ عِشْرَةً، مَنْ رَآهُ بَدِيهَةً هَابَهُ، وَمَنْ خَالَطَهُ مَعْرِفَةً أَحَبَّهُ، يَقُولُ نَاعِتُهُ: لَمْ أَرَ قَبْلَهُ وَلَا بَعْدَهُ مِثْلَهُ.

قَالَ أَبُو جَعْفَرٍ: سَمِعْتُ الْأَصْمَعِيَّ، يَقُولُ فِي تَفْسِيرِ صِفَةِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: الْمُمَغَّطُ: الذَّاهِبُ طُولًا، وَسَمِعْتُ أَعْرَابِيًّا يَقُولُ فِي كَلَامِهِ: تَمَغَّطَ فِي نُشَابَتِهِ أَيْ مَدَّهَا مَدًّا شَدِيدًا، وَأَمَّا الْمُتَرَدِّدُ: فَالدَّاخِلُ بَعْضُهُ فِي بَعْضٍ قِصَرًا، وَأَمَّا الْقَطَطُ: فَالشَّدِيدُ الْجُعُودَةِ، وَالرَّجِلُ: الَّذِي فِي شَعْرِهِ حُجُونَةٌ أَيْ: يَنْحَنِي قَلِيلًا، وَأَمَّا الْمُطَهَّمُ: فَالْبَادِنُ الْكَثِيرُ اللَّحْمِ، وَأَمَّا الْمُكَلْثَمُ: فَالْمُدَوَّرُ الْوَجْهِ، وَأَمَّا الْمُشْرَبُ: فَهُوَ الَّذِي فِي بَيَاضِهِ حُمْرَةٌ، وَالْأَدْعَجُ: الشَّدِيدُ سَوَادِ الْعَيْنِ، وَالْأَهْدَبُ: الطَّوِيلُ الْأَشْفَارِ، وَالْكَتَدُ: مُجْتَمَعُ الْكَتِفَيْنِ، وَهُوَ الْكَاهِلُ، وَالْمَسْرُبَةُ: هُوَ الشَّعْرُ الدَّقِيقُ الَّذِي هُوَ كَأَنَّهُ قَضِيبٌ مِنَ الصَّدْرِ إِلَى السُّرَّةِ، وَالشَّثْنُ: الْغَلِيظُ الْأَصَابِعِ مِنَ الْكَفَّيْنِ وَالْقَدَمَيْنِ، وَالتَّقَلُّعُ: أَنْ يَمْشِيَ بِقُوَّةٍ، وَالصَّبَبُ: الْحُدُورُ، نَقُولُ: انْحَدَرْنَا فِي صَبُوبٍ وَصَبَبٍ، وَقَوْلُهُ: جَلِيلُ الْمُشَاشِ، يُرِيدُ رُءُوسَ الْمَنَاكِبِ، وَالْعِشْرَةُ: الصُّحْبَةُ، وَالْعَشِيرُ: الصَّاحِبُ. وَالْبَدِيهَةُ: الْمُفَاجَأَةُ، يُقَالُ بَدَهْتُهُ بِأَمْرٍ: أَيْ فَجَأْتُهُ.(۱)

ابراہیم بن محمد جو حضرت علی کی اولاد میں سے ہیں (یعنی پوتے ہیں)، فرماتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ جب نبی کریم ﷺ کے جسمانی اوصاف بیان کرتے، تو کہا کرتے کہ نبی کریم ﷺ نہ بہت لمبے تھے، اور نہ زیادہ پست قد، بلکہ آپ میانہ قد لوگوں میں سے تھے، اور آپ ﷺ کے بال نہ تو بہت زیادہ گھونگھریالے تھے اور نہ بالکل

(۱) دلائل النبوة للبیهقی ۲۶۹/۱، الشمائل للترمذی، رقم الحدیث: ۷۔

سیدھے، بلکہ تھوڑے تھوڑے گھونگریالے تھے، آپ نہ تو موٹے تھے، اور نہ آپ کا چہرہ بالکل گول تھا، بلکہ آپ کے چہرے میں قدرے گولائی تھی، آپ ﷺ کا رنگ سفید سرخی مائل تھا، آپ کی آنکھیں نہایت سیاہ تھیں، آپ کی پلکیں لمبی تھیں، آپ کے جسم کی ہڈیاں اور دونوں مونڈھوں کے درمیان کی جگہ بھی موٹی اور پُر گوشت تھی، آپ کے بدن مبارک پر (خاص خاص حصوں کے علاوہ جیسے بازوں، پنڈلیاں وغیرہ، ان کے علاوہ اور کہیں) بال نہیں تھے، آپ کے سینہ سے ناف تک بالوں کی ایک باریک لکیر تھی، آپ کے ہاتھ اور پاؤں گوشت سے پُر تھے، جب آپ (راستہ پر) چلتے تو اپنے قدموں کو خوب قوت سے اٹھاتے، گویا کہ آپ بلندی سے پستی کی طرف چل رہے ہیں، جب آپ کسی کی طرف متوجہ ہوتے، تو پورے بدن کے ساتھ توجہ فرماتے (صرف گردن پھیر کر نہیں دیکھتے تھے، کیونکہ یہ انداز بے رخی اور تکبر کا ہے) آپ کے دونوں شانوں کے درمیان مہر نبوت تھی، اور آپ ہی نبوت کے سلسلہ کو ختم کرنے والے تھے، آپ سب سے زیادہ سخی دل، سب سے زیادہ سچی زبان اور سب سے زیادہ نرم طبیعت والے تھے، اور مل جل کر رہنے کے اعتبار سے لوگوں میں سب سے زیادہ معزز و مکرم تھے، جو شخص آپ کو پہلی بار یا اچانک دیکھتا تو وہ آپ سے ڈر جاتا (اس پر دہشت طاری ہوتی) اور جو شخص پہچان کر آپ سے میل جول کرتا تو وہ (آپ کے حسن اخلاق کی وجہ سے) آپ کو اپنا محبوب بنا لیتا تھا، نبی کریم ﷺ کے ان اوصاف کو بیان کرنے والے (حضرت علی) کہتے ہیں کہ آپ جیسا (حسین و جمیل اور باکمال) شخص نہ تو میں نے آپ سے پہلے دیکھا اور نہ آپ کے بعد دیکھا، اللہ جل جلالہ کی آپ ﷺ پر خصوصی رحمت اور سلامتی ہو۔

ابو جعفر کہتے ہیں کہ میں نے اصمعی کو آپ ﷺ کی صفات (کے الفاظ) کی تفسیر کرتے ہوئے سنا: **الممغط:** بہت لمبا، اصمعی نے ایک اعرابی کو یہ کہتے ہوئے سنا: **تمغط فی نشابته:** کمان میں تیر ڈال کر بہت کھینچا، **متردد:** وہ شخص جس کے اعضاء چھوٹا قد ہونے کی وجہ سے ایک دوسرے میں گھسے ہوئے ہوں، **قطط:** (قاف اور طا پر زبر) شدید گھنگھریالے بال، **رجل:** (راء پر زبر اور جیم کے نیچے زیر) وہ شخص جس کے بال قدرے گھنگھریالے ہوں، **مطهم:** موٹا آدمی جو زیادہ گوشت والا ہو، **مکلثم:** وہ شخص جس کا چہرہ گول ہو، **مشرب:** (میم پر پیش اور شین ساکن، صیغہ اسم مفعول، باب افعال سے) وہ شخص جس کے سفید رنگ میں سرخی ملادی گئی ہو، **أدعج:** وہ شخص جس کی آنکھوں کی پتلی خوب سیاہ ہو، **أهدب:** لمبی پلکوں والا، **کتد:** دونوں کندھوں کے درمیان کا حصہ، اسے کاھل بھی کہتے ہیں، **مسربة:** (میم پر زبر، سین ساکن اور را پر پیش) سینہ سے ناف تک بالوں کی باریک لکیر گویا کہ وہ ایک شاخ اور چھڑی ہے، **ششن:** ہتھیلوں اور پیروں کی انگلیوں کا موٹا ہونا، **تقلع:** طاقت و قوت سے پاؤں اٹھا کر چلنا، **صبب:** بلندی سے نیچے اترنا، ڈھلان، یوں کہتے ہیں: ہم بلندی سے نیچے کی طرف اترے، **جلیل المشاش:** وہ شخص جس کے مونڈھوں کے سرے موٹے ہوں، **عشرة:** (عین کے نیچے زیر اور شین ساکن) مل جل کر رہنا، ایک ساتھ زندگی گذارنا،

عشیر: ساتھی، ساتھ رہنے والا، البدیهة، البداهة: اچانک پیش آنے والا امر، کہا جاتا ہے: بدهته بأمر: (صیغہ متکلم) میں اس کے پاس اچانک آیا۔

مشکل الفاظ کے معنیٰ: امام ترمذی رحمہ اللہ نے حدیث کے کچھ مشکل الفاظ کے معنیٰ تو امام اصمعی کے حوالے سے اوپر لکھ دیئے ہیں، لہٰذا ان کے علاوہ جو مشکل الفاظ ہیں، ان کے معنیٰ درج کئے جاتے ہیں، ممغط: (میم پر پیش، دوسری میم پر زبر اور تشدید، اور غین کے نیچے زیر) بہت ہی لمبا، یہ لفظ دراصل منمغط ہے انمغاط سے یہ لفظ تمغیط سے اسم فاعل نہیں ہے، اس میں نون کو خلاف قیاس میم سے بدل دیا گیا ہے اور پھر میم کا میم میں ادغام کر دیا گیا، اس لئے ممغط ہو گیا، امام اصمعی نے اس لفظ کی تشریح میں ایک دیہاتی کا یہ قول ذکر کیا ہے: تمغط في نشابته: اس نے کمان میں تیر ڈال کر خوب کھینچا، ترمذی کی اس حدیث میں اگرچہ تمغط کا لفظ نہیں ہے، مگر اس مثال میں لفظ تمغط استعمال کر کے اس طرف اشارہ کر دیا کہ انمغط اور تمغط دونوں کے ایک ہی معنیٰ ہیں، القصير: چھوٹے قد والا آدمی، پست قد، ربعة: (را پر زبر اور با ساکن) درمیانہ، متوسط، جعد: (جیم پر زبر اور عین ساکن) گھنگریالے بال، سبط: (سین پر زبر اور با ساکن اور زیر کے ساتھ) سیدھے بال جن میں کوئی خم نہ ہو، یعنی جو گھنگریالے نہ ہوں، تدوير: گولائی، أهدب: لمبی پلکوں والا، أشفار: شفر (شین پر پیش اور فا ساکن) کی جمع ہے: پلکوں کی جڑ جہاں بال اگتے ہیں، جليل: بڑے، موٹے، المشاش: (میم پر پیش) مشاشة کی جمع ہے: مونڈھے کی ابھری ہوئی ہڈی، اجود: سب سے زیادہ سخی، الينهم: (لین سے اسم تفضیل) ان میں سب سے زیادہ نرم، عريكة: طبیعت، من خالطه: جو شخص آپ سے مل لیتا، معرفة: پہچان کر۔(۱)

حسن و جمال کے بے مثال پیکر

مذکورہ احادیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم کے کچھ اوصاف کا ذکر ہے، جن کی تفصیل یہ ہے:

۱۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا قد نہ تو بہت لمبا تھا اور نہ بہت چھوٹا جسے ٹھگنا کہا جاتا ہے، بلکہ آپ کا قد درمیانہ تھا، اس کے باوجود آپ لوگوں میں سب سے نمایاں دکھائی دیتے تھے، یہ بھی آپ کا ایک قسم کا معجزہ ہے۔

۲۔ آپ کی ہتھیلیاں اور پاؤں گوشت سے بھرے ہوئے اور نرم و گداز تھے۔

۳۔ آپ کا سر بڑا مگر خوشنما تھا، یہ اہل عرب کے ہاں سرداری کی علامت ہوتی ہے۔

۴۔ آپ کی ہڈیوں کے جوڑ بھی بڑے اور موٹے تھے۔

۵۔ سینے سے ناف تک بالوں کی ایک باریک لکیر تھی، وہ ایسی دکھائی دیتی جیسے ایک باریک شاخ ہے۔

۶۔ آپ کے سر کے بال نہ بالکل گھونگریالے تھے، نہ بالکل سیدھے، بلکہ ان میں قدرے خم اور گھنگریالا پن تھا۔

---

(۱) مرقاۃ المفاتیح ۱۰/۴۷۰، کتاب الفضائل، باب أسماء النبي وصفاته، رقم: ۵۷۹۱۔

۷۔　آپ موٹے بھر کم نہیں تھے کہ جس سے انسان بدنما لگے۔
۸۔　چہرے میں قدرے گولائی تھی، بالکل ہی گول نہیں تھا۔
۹۔　آپ کا رنگ چونے کی طرح سفید نہیں بلکہ سفید سرخی مائل تھا۔
۱۰۔　آنکھوں کی پتلیاں شدید سیاہ اور سفیدی خوب سفید تھی۔
۱۱۔　آپ کی پلکیں لمبی تھیں۔
۱۲۔　آپ کے کندھوں کی ہڈیاں ابھری ہوئی اور موٹی تھیں۔
۱۳۔　چند مخصوص جگہوں کے علاوہ آپ کے جسم پر کوئی بال نہیں تھے، چنانچہ سینے سے ناف تک بالوں کی ایک باریک لائن تھی، دونوں کلائیوں اور پنڈلیوں پر تھوڑے سے بال تھے۔
۱۴۔　آپ جھک کر چلتے گویا کہ کسی اونچی جگہ سے اتر رہے ہوں، اور قدم کو قوت وطاقت سے اٹھا کر رکھتے، اس طرح آپ کی تواضع اور بہادری کی صفات ظاہر ہوتیں۔
۱۵۔　آپ کے دونوں شانوں کے درمیان مہر نبوت تھی۔

حاصل یہ کہ حسن وجمال کی تمام صفات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم مبارک میں موجود تھیں، لہذا آپ صلی اللہ علیہ وسلم حسن وجمال کے ایک بے مثال پیکر تھے۔

چند اخلاق حسنہ

اس حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے چند کریمانہ اخلاق کا بھی ذکر ہے، جن کی ہمیں بھی پیروی کرنی چاہیے:

- نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی کی طرف متوجہ ہوتے، تو مکمل متوجہ ہوتے، صرف آنکھوں یا چہرے سے توجہ نہیں فرماتے تھے کیونکہ یہ بے رخی، بے توجہی اور تکبر کی علامت شمار ہوتی ہے۔
- آپ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں میں سب سے زیادہ سخی تھے۔
- آپ بہت زیادہ سچے تھے، آپ نے کبھی جھوٹ نہیں بولا۔
- آپ ایک نرم مزاج انسان تھے، لیکن قدرتی طور پر آپ کا ایک رعب اور جلال تھا، جو آپ کو پہلی بار یا اچانک دیکھتا تو اس پر ہیبت طاری ہو جاتی۔
- مل جل کر رہنے میں آپ بہت ہی اچھے تھے، جو بھی آپ کے قریب ہوتا اور آپ کو پہچان لیتا تو وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا گرویدہ اور آپ کا ہی ہو کر رہ جاتا، پھر دنیا کی کوئی طاقت اسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے جدا نہیں کر سکتی تھی، ان اوصاف کی وجہ سے ہی جانثاروں کی تعداد دن بدن بڑھتی ہی چلی گئی، صلی اللہ علیہ وسلم۔

بَابٌ فِي كَلَامِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

یہ باب ان احادیث پر مشتمل ہے، جن میں نبی کریم ﷺ کے کلام کرنے کی صفت کا بیان ہے

عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: مَا كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَسْرُدُ سَرْدَكُمْ هٰذَا، وَلٰكِنَّهُ كَانَ يَتَكَلَّمُ بِكَلَامٍ يُبَيِّنُهُ فَصْلٌ، يَحْفَظُهُ مَنْ جَلَسَ إِلَيْهِ.(۱)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ تیز تیز اور مسلسل بات نہیں کرتے تھے، جس طرح تم لوگ جلدی جلدی اور پے در پے بولتے ہو، لیکن آپ اس انداز سے کلام کرتے تھے، جس کو فاصلہ واضح کرتا تھا (یعنی ٹھہر ٹھہر کر آپ کلام کرتے) اس کلام کو وہ شخص یاد کر لیتا تھا، جو آپ ﷺ کے پاس بیٹھا ہوتا۔

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُعِيدُ الْكَلِمَةَ ثَلَاثًا لِتُعْقَلَ عَنْهُ.

حضرت انس بن مالک فرماتے ہیں کہ (بسا اوقات) نبی کریم ﷺ کلام کو تین بار دہراتے تھے، تا کہ آپ کی بات کو (اچھی طرح) سمجھا جا سکے۔

مشکل الفاظ کے معنی: یسرد: تیز تیز اور مسلسل بات کرنا، سرد کم هذا: اصل عبارت یوں ہے: کسرد کم هذا: جیسا کہ تم لوگ تیز تیز اور پے در پے بولتے ہو، یعید الکلمة: آپ کلام کو دہراتے، لتعقل عنه: (صیغہ واحدہ غائبہ مجہول) تا کہ اس کلمہ کو آپ ﷺ سے سمجھا جا سکے۔

بکلام یبینه فصل کی ترکیب

اس جملہ کی دو ترکیبیں ہو سکتی ہیں:

۱۔ • ''کلام'' موصوف، یبینہ فعل فاعل اور مفعول، جملہ ہو کر کلام کی پہلی صفت، ''فصل'' دوسری صفت اور ''یحفظه'' اس کی تیسری صفت ہے، اس صورت میں اس جملے کا ترجمہ یوں ہوگا: آپ ﷺ ایسا کلام کرتے، جس کو آپ واضح کرتے تھے، اس کلام کے اجزاء میں فاصلہ ہوتا، ٹھہر ٹھہر کر آپ بولتے، درمیان میں فاصلہ ہوتا اور اس کو آپ کے قریب بیٹھا شخص یاد کر سکتا تھا۔

۲۔ یبینه فصل میں لفظ فصل اس فعل کا فاعل ہے، معنی یہ ہیں: اس کلام کو فاصلہ یعنی ٹھہر کر بولنا واضح کرتا تھا، اس صورت میں یبینه فصل، کلام کی پہلی صفت اور یحفظه اس کی دوسری صفت ہوگی۔

---

(۱) الصحیح للبخاری، المناقب، باب صفة النبی صلی اللہ علیہ وسلم، رقم: ۳۵۶۷۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی گفتگو کا انداز

ان احادیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی گفتگو اور بات چیت کرنے کے انداز کا ذکر ہے، جس کا حاصل یہ ہے:

۱۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جلدی جلدی اور مسلسل نہ بولتے، کیونکہ اس انداز سے لوگوں کو بات سمجھنے میں مشکل ہوتی ہے، بلکہ آپ ٹھہر ٹھہر کر بولتے تھے۔

۲۔ واضح اور صاف گفتگو فرماتے، ہر جملہ سننے والے کو اچھی طرح سمجھ آجاتا، اگر کوئی اسے یاد کرنا چاہتا یا لکھنا چاہتا تو وہ اسے بڑی آسانی سے یاد کر سکتا تھا، اور چاہتا تو اسے لکھ بھی سکتا تھا۔

۳۔ کبھی ایسا بھی ہوتا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک ہی بات کو تین تین بار دھراتے، تاکہ سامعین کو اچھی طرح سمجھ آجائے، عموماً کلام کا دہرانا اس وقت ہوتا، جب سننے والوں کی تعداد زیادہ ہوتی، یا وہ کلام اتنا مشکل ہوتا کہ ایک بار سننے سے وہ بات سمجھ میں نہ آسکتی تو آپ اسے تین بار دہراتے، یا وہ بات بہت اہم ہوتی جسے آپ بار بار دہراتے، تاکہ لوگوں کے دلوں میں اس کی اہمیت آجائے، ہر وقت ہر کلام کو تین تین بار دہرانے کا معمول نہیں تھا، کیونکہ ایک معمولی بات کو دہرانے سے بعض اوقات آدمی اکتا جاتا ہے، اور یہ بات عربی فصاحت وبلاغت کے بھی خلاف ہے۔(۱)

اس سے معلوم ہوا کہ جب انسان کلام کرے تو ان آداب کا خیال رکھے: ٹھہر کر بولے، واضح اور آسان جملے استعمال کرے، اور ضرورت پڑے تو ایک بات کو دہرا بھی لے، تاکہ جو پیغام وہ لوگوں کو دینا چاہتا ہے، وہ سننے اور پڑھنے والوں کے سامنے خوب اجاگر اور واضح ہو جائے، اسے سمجھنے میں کسی بھی قسم کی کوئی دشواری اور مشکل نہ ہو۔

بَابٌ فِي بَشَاشَةِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

یہ باب ان احادیث پر مشتمل ہے جن میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چہرے کے کھلنے یعنی تبسم کا بیان ہے۔

عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ الحَارِثِ بْنِ جَزْءٍ، قَالَ: مَا رَأَيْتُ أَحَدًا أَكْثَرَ تَبَسُّمًا مِنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.(۲)

حضرت عبداللہ بن حارث کہتے ہیں کہ میں نے کسی کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے زیادہ مسکراتے ہوئے نہیں دیکھا۔

عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ الحَارِثِ بْنِ جَزْءٍ، قَالَ: مَا كَانَ ضَحِكُ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَّا تَبَسُّمًا.

حضرت عبداللہ بن حارث کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہنسی آپ کی مسکراہٹ ہی تھی۔

مشکل الفاظ کے معنی: بشاشة: (باء پر زبر) چہرہ کا کھلنا، کسی سے خندہ پیشانی سے ملنا، تبسم: وہ مسکراہٹ جس میں کوئی آواز

---

(۱) مرقاة المفاتيح ۱۰/۹۳۳۴، كتاب الفضائل، باب في أخلاقه، تحفة الاحوذي ۱۰/۱۱۹

(۲) مسند احمد ۴/۱۹۰، عن عبدالله بن الحارث۔

نہ ہو، ضحک: ایسا ہنسنا جس میں خوشی کی وجہ سے دانت ظاہر ہو جائیں، قہقہۃ: بلند آواز سے ہنسنا جس میں ڈاڑھیں بھی ظاہر ہو جائیں، کھلکھلا کر ہنسنا۔

حضرت عبداللہ بن حارث بن جزء رضی اللہ عنہ

حضرت عبداللہ بن حارث بن جزء رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں سے ہیں، ان کا نام "عاصی" تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نام بدل کر عبداللہ رکھا تھا، انہوں نے آپ سے بہت سی احادیث محفوظ کی تھیں، ان کی رہائش مصر میں تھی، سن ۸۶ھ میں ان کی وفات ہوئی، مصر میں وفات پانے والے یہ آخری صحابی ہیں۔(۱)

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسکراتے تھے

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا عام معمول بس مسکرانا ہی تھا: جو بھی آپ سے ملتا تو آپ مسکراہٹ کے پھول نچھاور فرماتے، آپ ہنستے نہیں تھے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ہنسنا بس مسکراہٹ ہی تھی البتہ کبھی کبھار آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اس انداز سے ہنسنا بھی ثابت ہے جس سے آپ کی ڈاڑھیں بھی ظاہر ہو جاتی تھیں۔(۲)

بَاب مَا جَاءَ فِي خَاتَمِ النُّبُوَّةِ

یہ باب ان احادیث پر مشتمل ہے، جن میں مہر نبوت کا ذکر ہے

عَنِ السَّائِبِ بْنِ يَزِيدَ، يَقُولُ: ذَهَبَتْ بِي خَالَتِي إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَتْ يَا رَسُولَ اللهِ: إِنَّ ابْنَ أُخْتِي وَجِعٌ، فَمَسَحَ بِرَأْسِي، وَدَعَا لِي بِالبَرَكَةِ، وَتَوَضَّأَ، فَشَرِبْتُ مِنْ وَضُوئِهِ، فَقُمْتُ خَلْفَ ظَهْرِهِ، فَنَظَرْتُ إِلَى الخَاتَمِ بَيْنَ كَتِفَيْهِ، فَإِذَا هُوَ مِثْلُ زِرِّ الحَجَلَةِ۔(۳)

حضرت سائب بن یزید فرماتے ہیں کہ مجھے میری خالہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے گئیں، اور عرض کیا: اے اللہ کے رسول! میرا یہ بھانجا بیمار ہے، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے سر پر ہاتھ پھیرا اور میرے لئے برکت کی دعا کی، پھر آپ نے وضو کیا تو میں نے آپ کے اعضاء سے گرنے والا پانی پیا، پھر میں آپ کی پشت کے پیچھے کھڑا ہوا، تو میں نے آپ کے دونوں کندھوں کے درمیان مہر نبوت دیکھی تو اچانک وہ دلہن کے لئے سجائے گئے کمرے کی گھنڈی یعنی گول

---

(۱) الاصابۃ ۱۰۲۵/۲، رقم: ۴۶۰۰، ط: بیروت
(۲) تحفۃ الاحوذی ۱۲۰/۱۰
(۳) الصحیح للبخاری، کتاب الوضوء، باب، رقم: ۱۹۰۔

بٹن کی طرح (گول) تھی۔

عَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ، قَالَ: كَانَ خَاتَمُ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: -يَعْنِي الَّذِي بَيْنَ كَتِفَيْهِ- غُدَّةً حَمْرَاءَ مِثْلَ بَيْضَةِ الحَمَامَةِ.(۱)

حضرت جابر بن سمرہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دونوں شانوں کے درمیان مہر نبوت ایک سرخ غدود تھی (یعنی گوشت کا ابھرا ہوا سرخ حصہ) جیسے کبوتری کا انڈا ہوتا ہے۔

مشکل الفاظ کے معنیٰ: خاتم: اس لفظ کو دو طرح سے پڑھا جاسکتا ہے: (۱) (تا کے نیچے زیر ہو) اس صورت میں یہ اسم فاعل کا صیغہ ہوگا، معنیٰ ہوں گے: نبوت کو ختم کرنے والے، نبوت کو پایہ تکمیل تک پہنچانے والے، (۲) (تا پر زبر ہو) اس کے معنیٰ ہوں گے: مہر یعنی مہر نبوت، ذهبت بی خالتی: میری خالہ مجھے لے گئی، وجع: (جیم کے نیچے زیر) مریض، بیمار، وضوءہ: (واؤ پر زبر) آپ کے وضو کا پانی، اس پانی میں دو احتمال ہیں، (۱) برتن میں بچا ہوا پانی، (۲) وہ پانی جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اعضاء سے وضو کے دوران نیچے گر رہا تھا، یہاں حدیث میں یہ معنیٰ مراد لینا زیادہ مناسب ہیں، کیونکہ صحابہ کرام برکت کے طور پر یہ پانی لیا کرتے تھے، (۲) زر: (۱) (زاء کے نیچے زیر اور را پر تشدید) گول بٹن، گھنڈی، (۲) انڈا، حجلة: (حا اور جیم پر زبر) (۱) دلہن کے لئے سجایا ہوا کمرہ، جو کپڑوں سے آراستہ کیا جاتا تھا، اور ان پر گول بٹن بھی لگائے جاتے، اور یہ کمرہ گنبد نما ہوتا تھا، دلہن کے لئے لگایا گیا پردہ (۲) چکور پرندہ جو کبوتر کی طرح ہوتا ہے، اس کے پاؤں اور چونچ سرخ اور گوشت بہت عمدہ ہوتا ہے، غدة: (غین پر پیش اور دال پر زبر و تشدید) غدود، گوشت کا ابھرا ہوا حصہ، بیضة: انڈا، الحمامة: کبوتری۔

مہر نبوت کی ہیئت وصورت

''مہر نبوت'' نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دونوں شانوں کے درمیان، قلب کے بالمقابل، دائیں جانب ابھرا ہوا گوشت کا ایک سرخ حصہ تھا، اسے مہر نبوت کہا جاتا ہے۔

یہ ذہن میں رہے کہ مہر نبوت کی شکل وصورت، ہیئت اور حجم کے بارے میں احادیث میں مختلف الفاظ منقول ہیں، ان میں سے چند الفاظ کو یہاں ذکر کیا جاتا ہے، ترمذی کی مذکورہ روایات میں دو طرح کے الفاظ ہیں: ۱۔ مثل زر الحجلة (کپڑوں سے آراستہ دلہن کے کمرے کے گول بٹن کی طرح وہ مہر گول تھی) ۲۔ مثل بیضة الحمامة، (کبوتری کے انڈے کی طرح) ۳۔ عند ناغض کتفه الیسری، جمعا: (جیم پر پیش اور میم ساکن) علیه خیلان، (آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بائیں کندھے کی ابھری ہوئی ہڈی کے پاس ایک مٹھی کی شکل میں مہر نبوت تھی، جس کے چاروں طرف کالے مسے اور تل تھے)، ۴۔ مثل البندقة من

(۱) الصحیح لمسلم، الفضائل، باب اثبات خاتم النبوة، رقم: ۲۳۴۴۔

(۲) مرقاة ۲/۱۶۰، کتاب الطهارة

اللحم (وہ مہر ایسی تھی جیسے بیر کی طرح گوشت ہو) ۵۔ خلف کتفه مثل التفاحة (آپ ﷺ کے کندھے کے پیچھے سیب کی طرح مہر نبوت تھی) ۶۔ حاکم کی روایت میں یہ الفاظ ہیں: شعر مجتمع (مہر نبوت ایسی تھی جیسے جمع شدہ بال ہوں) ۷۔ کبضعة ناشزة من اللحم) (جیسے گوشت کا ابھرا ہوا ٹکڑا ہو) ۸۔ اور دلائل النبوۃ للبیہقی میں یوں ہے: مثل السلعة بين كتفيه (آپ کے دونوں شانوں کے درمیان جسم کی کھال پر گوشت کا ایک ٹکڑا تھا)

ان روایات میں کوئی تعارض نہیں، کیونکہ ہر راوی نے اپنے ذہن کے مطابق مہر نبوت کی شکل کو بیان کیا ہے، بعض نے صرف اس کی شکل کو اپنے الفاظ میں بیان کیا، بعض نے اس کے حجم اور بڑے ہونے کی مقدار ذکر کی اور بعض نے شکل وصورت اور حجم دونوں چیزوں کو سامنے رکھ کر اسے بیان کیا، بس اتنی بات میں تو تمام احادیث متفق ہیں کہ مہر نبوت عام جسم سے الگ ایک نمایاں گوشت کا ابھرا ہوا حصہ تھا، اس کی کیفیت کو ہر راوی نے اپنے انداز میں بیان کیا ہے۔

اور بعض حضرات یہ کہتے ہیں کہ یہ مہر نبوت چھوٹی بڑی ہوتی رہتی تھی، جب وہ چھوٹی ہوتی تو ایسا لگتا کہ جیسے کبوتری کا انڈا یا بیر کی طرح گوشت کا ایک ٹکڑا ہو، اور جب بڑی ہوتی تو ہاتھ کی مٹھی کی شکل کی ہو جاتی تھی۔

اور بعض روایات میں یہ بات منقول ہے کہ اس مہر پر یہ لکھا ہوا تھا: محمد رسول الله، یا یہ لکھا تھا: سر، فأنت المنصور (آپ جہاں بھی چلیں آپ کی مدد کی جائے گی) وغیرہ.... حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ان روایات کی کوئی اصل اور ثبوت نہیں ہے، اس لئے ان باتوں کا اعتبار نہ کیا جائے۔(۱)

مثل زر الحجلة، اس میں لفظ ''زر'' اور ''الحجلة'' کے دونوں معنی کی مزید وضاحت درج ذیل ہے:

۞ حجلہ کے معنی: پردوں اور کپڑوں سے آراستہ کیا ہوا دلہن کا گنبد نما کمرہ، اس صورت میں لفظ ''زر'' کے معنی گول بٹن کے ہوں گے، کیونکہ اس کمرے کو مزین کرتے وقت گول بٹن لگائے جاتے تھے، مہر نبوت بھی اسی بٹن کی طرح گول تھی۔

۞ حجلة کے معنی: چکور پرندہ، اس معنی کے لحاظ سے زر کے معنی انڈے کے ہوں گے، مطلب یہ ہے کہ مہر نبوت ایسی تھی جیسے چکور پرندے کا انڈا ہو، امام خطابی فرماتے ہیں کہ لفظ زر بعض روایتوں میں اس طرح منقول ہے کہ اس میں را پہلے ہے اور زا بعد میں ہے، اس کے معنی انڈے کے ہی ہیں۔(۲)

مہر نبوت کی حکمت

اس مہر کی کئی حکمتیں ہوسکتی ہیں:

۱۔ یہ مہر نبی کریم ﷺ کی نبوت کی خاص علامتوں میں سے ہے، چنانچہ گذشتہ آسمانی کتابوں کے اندر بھی اس کا ذکر موجود

---

(۱) فتح الباری ۶/۶۹۶، کتاب المناقب، باب خاتم النبوة، تکملة فتح الملهم ۴/۵۶۵، کتاب الفضائل، باب اثبات خاتم النبوة۔

(۲) شرح مسلم للنووی ۲/۲۵۹، تکملة فتح الملهم ۴/۵۶۶، رقم الحدیث: ۶۰۴۲، کتاب الفضائل باب اثبات خاتم النبوة

تھا، علماء بنی اسرائیل اسی علامت سے پہچان لیتے تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی آخری نبی ہیں، پھر وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لے آتے تھے۔

۲۔ تاکہ یہ واضح ہوجائے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سلسلہ نبوت کو مکمل اور ختم کرنے والے ہیں، آپ کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔

۳۔ یہ مہر اس لئے لگائی گئی تاکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا دل مبارک شیطان کے وسوسوں اور حملوں سے محفوظ رہے، اس لئے کہ شیطان اسی جگہ سے وسوسے ڈالتا ہے۔(۱)

عمر بن عبدالعزیز سے منقول ہے کہ کسی شخص نے اللہ تعالیٰ سے درخواست کی: اے رب العالمین مجھے یہ دکھا دیجئے کہ شیطان کس راستے سے آدمی کے دل میں خیالات اور وسوسے ڈالتا ہے، تو اللہ کی طرف سے دو کندھوں کے درمیان والی جگہ دکھلائی گئی، جو قلب کے بالمقابل بائیں جانب ہے، شیطان اس جگہ سے اندر داخل ہوتا ہے، اور جب بندہ اللہ کا ذکر کرتا ہے، تو شیطان فوراً پیچھے ہٹ جاتا ہے، اسی جگہ پر مہر نبوت لگائی گئی۔

اللہ جل جلالہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کا یوں انتظام کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دل کے اندرونی حصے کو چاک کر کے اس سے شیطانی مادہ کو ختم کیا، ایسے ہی پشت کی جانب مہر لگا کر باہر سے بھی شیطان کے آنے کا راستہ بند کر دیا۔(۲)

مہر نبوت کب لگائی گئی

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی کمر مبارک پر یہ مہر کب لگائی گئی؟، اس میں شارحین حدیث کے مختلف اقوال منقول ہیں:

۱۔ اس مہر نبوت کے ساتھ ہی آپ کی ولادت ہوئی۔

۲۔ شق صدر کے موقع پر مہر نبوت لگائی گئی۔

۳۔ پیدائش کے بعد فوراً یہ مہر لگائی گئی۔(۳)

عَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ، قَالَ: كَانَ فِي سَاقَيْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حُمُوشَةٌ، وَكَانَ لَا يَضْحَكُ إِلَّا تَبَسُّمًا، وَكُنْتُ إِذَا نَظَرْتُ إِلَيْهِ قُلْتُ: أَكْحَلُ الْعَيْنَيْنِ وَلَيْسَ بِأَكْحَلَ.(۴)

حضرت جابر بن سمرہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پنڈلیاں پتلی تھیں، آپ ہنستے نہیں تھے بلکہ مسکراتے تھے، اور جب میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف دیکھتا تو (دل ہی دل میں) کہتا کہ: آپ نے آنکھوں میں سرمہ لگا رکھا ہے، حالانکہ

---

(۱) تکملة فتح الملهم ۵۶۳/۴، کتاب الفضائل، باب اثبات خاتم النبوة۔

(۲) فتح الباری ۶۹۸/۶، کتاب المناقب باب خاتم النبوة، سیرة المصطفیٰ ۱۰۶/۱

(۳) عمدة القاری ۷۸/۳، کتاب الوضوء، باب استعمال فضل وضوء الناس، رقم الحدیث:۵۳، فتح الباری ۶۹۷/۶ کتاب المناقب، باب خاتم النبوة، مرقاة المفاتیح ۱۶۲/۲، کتاب الطهارة، باب احکام المیاه، رقم الحدیث:۴۷۶

(۴) مسند احمد ۱۰۵/۵ عن جابر بن سمرة۔

آپ نے آنکھوں میں سرمہ نہیں لگایا ہوتا تھا، (بلکہ فطری طور پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھیں سرگیں تھیں)

مشکل الفاظ کے معنی: ساقی: اصل میں ساقین ہے، اضافت کی وجہ سے اس کا نون گر گیا ہے،: دونوں پنڈلیاں، حموشة: (حاء اور میم پر پیش) پتلی، باریک، اکحل العینین: یعنی ھو مکحل العینین، پورے جملہ کا ترجمہ یہ ہے: میں سوچتا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے آنکھوں میں سرمہ لگایا ہوا ہے، ولیس باکحل: حالانکہ آپ نے سرمہ نہیں لگایا ہوتا۔

آپ کی آنکھیں سرگیں اور پنڈلیاں پتلی تھیں

اس حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے تین اوصاف کا ذکر ہے:

۱۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پنڈلیاں باریک اور پتلی تھیں، لیکن جسم کے دوسرے اعضاء کے مناسب تھیں، ایسا نہیں تھا کہ دوسرے اعضاء سے بے میل نہ کھاتی ہوں، یہ انسان کے چاک و چوبند، حسین وجمیل اور مستعد ہونے کی علامت ہے۔

۲۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم صرف ہونٹوں سے ہی مسکراتے تھے، منہ کھول کر ہنسنے کا معمول نہیں تھا۔

۳۔ آپ کی آنکھیں فطری طور پر سرگیں تھیں، چنانچہ آپ کو دیکھنے سے ایسا معلوم ہوتا کہ آپ نے آنکھوں میں سرمہ ڈالا ہے، حالانکہ آپ نے سرمہ نہیں لگایا ہوتا تھا، یہ تمام اوصاف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حسن و جمال کے شاہکار ہیں، انسانی دنیا میں ایسے شخص کو انتہائی حسین وجمیل شمار کیا جاتا ہے۔

وکنت اذا نظرت الیه قلت، یہ الفاظ جس طرح متکلم کے صیغے ہیں، اسی طرح انہیں خطاب کا صیغہ بنا کر بھی پڑھا جا سکتا ہے، اس سے حدیث کے معنی اور مفہوم میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔(۱)

عَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ، قَالَ: كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ضَلِيعَ الفَمِ، أَشْكَلَ العَيْنَيْنِ، مَنْهُوسَ الْعَقِبِ.(۲)

حضرت جابر بن سمرہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کشادہ دہن تھے، آنکھوں کی سفیدی میں سرخی ملی ہوئی تھی، اور آپ کی ایڑیوں پر گوشت کم تھا۔

عَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ، قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ضَلِيعَ الفَمِ، أَشْكَلَ العَيْنَيْنِ، مَنْهُوسَ العَقِبِ قَالَ شُعْبَةُ: قُلْتُ لِسِمَاكٍ: مَا ضَلِيعُ الفَمِ؟ قَالَ: وَاسِعُ الفَمِ، قُلْتُ: مَا أَشْكَلُ الْعَيْنِ؟ قَالَ: طَوِيلُ شَقِّ العَيْنِ، قُلْتُ: مَا مَنْهُوسُ الْعَقِبِ؟ قَالَ: قَلِيلُ اللَّحْمِ.(۳)

حضرت جابر بن سمرہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کشادہ منہ والے تھے، آنکھوں کی سفیدی میں سرخی ملی ہوئی تھی،

---

(۱) مرقاۃ المفاتیح ۱۰/۴۷۴، کتاب الفضائل، باب أسماء النبی صلی اللہ علیہ وسلم، رقم: ۵۷۹۶۔
(۲) مسند احمد ۵/۱۰۵۔
(۳) مسند احمد ۵/۱۰۵۔

اور ایڑیوں پر گوشت کم تھا، شعبہ راوی کہتے ہیں کہ میں نے سماک سے پوچھا: ضلیع الفم کے کیا معنیٰ ہیں: انہوں نے فرمایا: کھلے منہ والے، کشادہ دہن، میں نے عرض کیا: اشکل العین کے کیا معنیٰ ہیں؟ سماک نے فرمایا: آنکھوں کی لمبی پھٹن والے یعنی بڑی آنکھوں والے، میں نے کہا: منهوس العقب کے کیا معنیٰ ہیں؟ حضرت سماک نے کہا: (ایڑیوں پر) کم گوشت والے۔

مشکل الفاظ کے معنیٰ: ضلیع: کھلے منہ والے، کشادہ دہن، اشکل: وہ شخص جس کی آنکھوں کی سفیدی میں سرخی ملی ہوئی ہو، اور سماک بن حرب نے اس کے معنیٰ یہ بیان کئے ہیں: طویل شق العین (آنکھوں کی لمبی پھٹن والا) یعنی وہ شخص جس کی آنکھیں بڑی ہوں، لیکن قاضی عیاض اور دوسرے حضرات فرماتے ہیں کہ سماک نے جو اشکل کے یہ معنیٰ بیان کئے ہیں، یہ لغت کے اعتبار سے درست نہیں ہیں، لغت میں اس کے معنیٰ وہی ہیں، جو اوپر لکھے گئے ہیں یعنی وہ شخص جس کی آنکھوں کی سفیدی میں سرخی ملی ہوئی ہو، اس طرح کی آنکھ اہلِ عرب کے ہاں بہت پسندیدہ ہوتی ہے، منهوس العقب: وہ شخص جس کی ایڑیوں پر گوشت کم ہو۔(۱)

آپ کے منہ، آنکھوں کی سفیدی اور ایڑیوں کا حال

مذکورہ حدیث میں تین باتیں ہیں:

- نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا دہن مبارک کشادہ اور کھلا تھا، تنگ نہیں تھا، کیونکہ یہ بدنما لگتا ہے، اور کھلا منہ خوبصورت لگتا ہے۔
- آپ کی آنکھوں کی سفیدی میں سرخی ملی ہوئی تھی، چند سرخ لکیریں تھیں جو بہت خوبصورت لگتی تھیں، اور سماک کے بقول آپ کی آنکھیں بڑی تھیں۔
- ایڑیوں پر گوشت کم تھا، ان تمام اوصاف سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے منہ، آنکھ اور ایڑیوں کی خوبصورتی ثابت ہوتی ہے، (۲)

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: مَا رَأَيْتُ شَيْئًا أَحْسَنَ مِنْ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَأَنَّ الشَّمْسَ تَجْرِي فِي وَجْهِهِ، وَمَا رَأَيْتُ أَحَدًا أَسْرَعَ فِي مَشْيِهِ مِنْ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، كَأَنَّمَا الأَرْضُ تُطْوَى لَهُ، إِنَّا لَنُجْهِدُ أَنْفُسَنَا، وَإِنَّهُ لَغَيْرُ مُكْتَرِثٍ. (۳)

حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ میں نے ایسی کوئی چیز نہیں دیکھی، جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ خوبصورت ہو، گویا کہ سورج آپ کے چہرے میں چل رہا ہے، اور میں نے ایسا کوئی بندہ نہیں دیکھا، جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ تیز چلنے والا ہو، گویا زمین آپ کے لئے لپیٹ دی جاتی، ہم (آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ چلنے میں) اپنی جانوں کو مشقت

---

(۱) تکملة فتح الملهم ۵۵۷/۴، کتاب الفضائل باب فی صفة فم النبی ﷺ۔

(۲) مرقاة: ۱۰/۲۶۴، رقم الحدیث: ۵۷۸۴۔

(۳) مسند احمد ۲/۳۵۰، عن ابی هریرة۔

میں ڈال دیتے، اور آپ کو (ہمارے تیز چلنے کی) کوئی پرواہ نہیں تھی (بلکہ آپ اپنے وقار سے معمول کے مطابق چل رہے ہوتے تھے)۔

مشکل الفاظ کے معنی: تطوى له: (صیغہ مجہول) زمین آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے لپیٹ دی جاتی، لنجهد: (باب افعال اور باب نصر) ہم تیز چلنے میں اپنی جانوں کو مشقت میں ڈال دیتے، الله لغیر مكترث: یہ اکتراث سے صیغہ اسم فاعل ہے: آپ کو کوئی پرواہ نہیں تھی یعنی بڑے وقار سے اپنے معمول کے مطابق آپ چل رہے ہوتے تھے، ہماری وجہ سے تیز نہیں چلتے تھے کہ جس کی وجہ سے آپ کو کوئی مشقت اور تھکاوٹ ہو جاتی۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چلنے کی کیفیت

اس حدیث میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے متعلق دو چیزیں ذکر کی ہیں:

۱۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بہت زیادہ حسین وجمیل تھے، آپ سے زیادہ کوئی چیز خوبصورت نہیں تھی، گویا کہ آپ کے چہرے میں سورج چل رہا ہو، یہ بطور مبالغہ کے ہے کہ آپ انتہائی زیادہ حسین تھے۔

۲۔ آپ چلنے میں بہت تیز رفتار تھے، گویا زمین آپ کے لئے لپیٹ دی جاتی، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ چلنے میں اپنے آپ کو تھکا دیتے، مشقت میں ڈال دیتے لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہمارے چلنے کی کوئی پرواہ نہیں تھی، آپ اپنی چال میں معمول کے مطابق بڑے وقار اور سکون سے چل رہے ہوتے، اس کے باوجود ہم آپ تک نہیں پہنچ پاتے تھے، اس کے لئے ہمیں انتہائی تیز چلنا پڑتا تھا جس سے ہم تھک جاتے تھے۔(۱)

عَنْ جَابِرٍ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: عُرِضَ عَلَيَّ الأَنْبِيَاءُ، فَإِذَا مُوسَى ضَرْبٌ مِنَ الرِّجَالِ كَأَنَّهُ مِنْ رِجَالِ شَنُوءَةَ، وَرَأَيْتُ عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ، فَإِذَا أَقْرَبُ النَّاسِ مَنْ رَأَيْتُ بِهِ شَبَهًا عُرْوَةُ بْنُ مَسْعُودٍ، وَرَأَيْتُ إِبْرَاهِيمَ فَإِذَا أَقْرَبُ مَنْ رَأَيْتُ بِهِ شَبَهًا صَاحِبُكُمْ يَعْنِي نَفْسَهُ، وَرَأَيْتُ جِبْرِيلَ فَإِذَا أَقْرَبُ مَنْ رَأَيْتُ بِهِ شَبَهًا دِحْيَةُ، وَهُوَ ابْنُ خَلِيفَةَ الْكَلْبِيُّ۔(۲)

حضرت جابر سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: (معراج کے موقع پر) میرے سامنے انبیاء پیش کئے گئے، تو (میں نے دیکھا کہ) موسیٰ چھریرے بدن کے (جوان) تھے، گویا کہ وہ (یمن کے) قبیلہ شنوءہ کے لوگوں میں سے ہیں، اور میں نے عیسیٰ بن مریم کو دیکھا تو (ایسا لگا کہ) میرے دیکھے ہوئے لوگوں میں سے ان کے ساتھ مشابہت کے لحاظ سے سب سے قریب تر آدمی عروہ بن مسعود ہے، اور میں نے ابراہیم علیہ السلام کو دیکھا تو ان

---

(۱) مرقاة المفاتيح ۱۰/۱۳۷۴، كتاب الفضائل، باب أسماء النبي صلى الله عليه وسلم، رقم: ۵۷۹۵۔

(۲) الصحيح لمسلم، الايمان، باب الاسراء برسول الله صلى الله عليه وسلم، رقم: ۲۷۱، ۱۶۷۔

سے مشابہت کے اعتبار سے سب سے قریب تر تمہارا یہ ساتھی ہے یعنی خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم، اور میں نے جبرئیل علیہ السلام کو دیکھا تو میرے دیکھے ہوئے لوگوں میں سے شکل وصورت کے لحاظ سے ان سے قریب تر دحیہ بن خلیفہ کلبی ہیں۔

مشکل الفاظ کے معنی: ضرب: (ضاد پر زبر اور راء ساکن) چھریرے بدن کا قدآور آدمی، پھرتیلا، کاموں میں چاک وچوبند اور چست، شنوءۃ: یمن کا ایک قبیلہ ہے، جو شنوءہ یعنی عبداللہ بن کعب... بن ازد کی طرف منسوب ہے، اور اس کو شنوءہ اس وجہ سے کہتے ہیں کہ اس کی اپنے اہل خانہ کے ساتھ دشمنی رہتی تھی، مگر یہ لوگ چونکہ خوبصورت اور چاک وچوبند ہوتے تھے، اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت موسیٰ کو اس قبیلہ کے فرد کے ساتھ تشبیہ دی ہے، شبہا: مشابہت کے لحاظ سے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے انبیاء کی ملاقات

معراج کے سفر میں مسجد اقصیٰ میں یا آسمانوں میں بلکہ دونوں مقامات پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے انبیاء کی ملاقات ہوئی، واقعہ معراج چونکہ راجح قول کے مطابق حالت بیداری میں پیش آیا تھا، اس لئے اس دوران انبیاء سے ملاقات بھی بیداری میں براہ راست ہوئی۔(۱)

ترمذی کی مذکورہ روایت میں چند مخصوص اور مشہور انبیاء کا ذکر ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام انتہائی پھرتیلے جوان تھے جیسے یمن کے قبیلہ شنوءہ کے لوگ ہوتے ہیں، اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شکل وصورت حضرت عروہ بن مسعود کی طرح تھی، اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مشابہ میری یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شکل وشباہت ہے، اور حضرت جبرئیل علیہ السلام کی شکل حضرت دحیہ کلبی کی طرح تھی، حضرت دحیہ انتہائی خوبصورت نوجوان تھے۔

یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی انبیاء سے ملاقات آسمانوں پر ہوئی، حالانکہ حضرات انبیاء کے جسم تو زمین پر قبروں میں ہیں، تو پھر آسمانوں پر یہ ملاقات کس طرح ہوئی؟ اس اشکال کے دو جواب دیئے گئے ہیں:

۱۔ انبیاء کی ارواح کو اجسام کی شکل وصورت دے دی گئی تھی، اس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے انبیاء کی ملاقات ہوئی۔

۲۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اعزاز واکرام کی وجہ سے انبیاء کو اصلی جسموں کے ساتھ حاضر کیا گیا، تاکہ وہ سید الاولین والآخرین سے براہ راست فیض یاب ہوسکیں، اس بات کی تائید حضرت انس کی ایک روایت سے بھی ہوتی ہے، جس میں یہ ہے: وَبعثَ لَهُ آدَمَ فَمَنْ دُوْنَهُ مِنَ الْاَنْبِیَاءِ۔ (حضرت آدم اور دیگر انبیاء کو قبروں سے اٹھایا گیا، تاکہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کریں)(۲)

---

(۱) الجامع لأحکام القرآن للقرطبی ۱۸۴/۱۰، سورۃ الاسراء، معارف القرآن ۴۳۸/۵، معراج کے جسمانی ہونے پر قرآن وسنت کے دلائل۔

(۲) فتح الملہم ۳۷۳/۲، کتاب الایمان باب الاسراء برسول اللہ ﷺ

اس روایت سے استدلال کر کے جمہور اہل سنت فرماتے ہیں کہ حضرات انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں حیات ہیں، چنانچہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے بہت سے مستند دلائل سے اس بات کو ثابت کیا ہے،(۱)

بَابٌ فِي سِنِّ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَابْنُ كَمْ كَانَ حِينَ مَاتَ

یہ باب ان احادیث پر مشتمل ہے جن میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر کا ذکر ہے اور اس بات کا کہ وفات کے وقت آپ کی عمر کتنی تھی

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، يَقُولُ: تُوُفِّيَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ ابْنُ خَمْسٍ وَسِتِّينَ.(۲)

حضرت عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں کہ وفات کے وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر پینسٹھ سال تھی۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: مَكَثَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم بِمَكَّةَ ثَلَاثَ عَشْرَةَ سَنَةً يَعْنِي يُوحَى إِلَيْهِ، وَتُوُفِّيَ وَهُوَ ابْنُ ثَلَاثٍ وَسِتِّينَ۔(۳)

حضرت عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ میں تیرہ سال ٹھہرے یعنی جس دوران آپ پر وحی نازل ہوتی رہی اور جب آپ کی وفات ہوئی تو اس وقت آپ تریسٹھ سال کے تھے۔

عَنْ جَرِيرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ، عَنْ مُعَاوِيَةَ بْنِ أَبِي سُفْيَانَ، أَنَّهُ قَالَ: سَمِعْتُهُ يَخْطُبُ يَقُولُ: مَاتَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ ابْنُ ثَلَاثٍ وَسِتِّينَ، وَأَبُو بَكْرٍ، وَعُمَرُ، وَأَنَا ابْنُ ثَلَاثٍ وَسِتِّينَ.(۴)

حضرت جریر بن عبداللہ فرماتے ہیں کہ میں نے معاویہ بن ابی سفیان کو خطاب کرتے ہوئے سنا، وہ فرماتے ہیں: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم، ابو بکر اور عمر کی وفات تریسٹھ برس کی عمر میں ہوئی، اور میں بھی تریسٹھ برس کا ہوں۔

عَنْ عَائِشَةَ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَاتَ وَهُوَ ابْنُ ثَلَاثٍ وَسِتِّينَ.(۵)

حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تریسٹھ برس کی عمر میں وفات پائی۔

وفات کے وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر کتنی تھی

مذکورہ روایات سے درج ذیل امور ثابت ہوتے ہیں:

۱۔ نبی بننے کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ میں تیرہ سال رہے۔

---

(۱) فتح الباری ۶/۶۰۲، کتاب أحادیث الانبیاء، باب قول اللہ: واذکر فی الکتاب مریم اذانتبذت من أهلها.....،

(۲) الصحیح لمسلم، الفضائل، باب کم أقام النبی صلی اللہ علیہ وسلم بمکة رقم: ۲۳۵۳۔

(۳) الصحیح للبخاری، مناقب الانصار، باب هجرة النبی صلی اللہ علیہ وسلم، رقم: ۳۹۰۳۔

(۴) الصحیح لمسلم، الفضائل، رقم: ۲۳۵۲۔

(۵) الصحیح للبخاری، المناقب، باب وفاة النبی صلی اللہ وسلم، رقم: ۳۵۳۶۔

۲۔ وفات کے وقت آپ ﷺ کی عمر تریسٹھ سال تھی، جس روایت میں ساٹھ سال کا ذکر ہے، اس میں کسر کو گرادیا گیا ہے اور جن روایات میں پینسٹھ سال کا ذکر ہے ان میں سن ولادت اور سن وفات کو پورا شمار کیا گیا ہے، عربی زبان میں اس طرح کا استعمال عام ہے، اس لئے ان روایات میں کوئی تعارض نہیں، اس بات کی مزید تفصیل باب ما جاء فی مبعث النبی ﷺ وابن کم کان حین بعث میں ذکر کی گئی ہے، اسے وہاں دیکھ لیا جائے۔

۳۔ حضرت معاویہؓ کی عمر جب تریسٹھ برس کی ہوئی تو انہوں نے یہ تمنا کی کہ اللہ کرے میری عمر بھی تریسٹھ برس ہی ہو لیکن ایسا نہ ہوا، چنانچہ وفات کے وقت ان کی عمر اسی (۸۰) سال کے قریب تھی۔(۱)

بَابُ مَنَاقِبِ أَبِي بَكْرٍ الصِّدِّيقِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ وَ اسْمُهُ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عُثْمَانَ وَ لَقَبُهُ عَتِيقٌ

حضرت ابوبکر صدیق کے فضائل، ان کا نام عبداللہ بن عثمان اور لقب عتیق ہے

اس باب میں امام ترمذی نے جو احادیث ذکر کی ہیں، ان کی تشریح وتفصیل سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ صحابی کی تعریف، اسلام کی نظر میں صحابہ کا مقام، اور صحابہ کو برا بھلا کہنے والے کے بارے میں شرعی حکم لکھ دیا جائے، اس کے بعد پھر حدیث سے متعلق لکھا جائے گا۔

صحابی کی تعریف

''صحابی'' اس مسلمان کو کہتے ہیں جس نے بیداری میں اپنی آنکھوں سے ایمان کی حالت میں نبی کریم ﷺ کو دیکھا ہو یا آپ کی صحبت میں رہا ہو اور ایمان کی حالت میں ہی دین اسلام پر اس کا خاتمہ ہوا ہو، اگرچہ اس درمیان میں ارتداد بھی پیش آگیا ہو یعنی اس نے نبی کریم ﷺ کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا، پھر العیاذ باللہ وہ مرتد ہو گیا لیکن مرنے سے پہلے پھر اسلام قبول کرلیا، اگرچہ پھر اس نے نبی کریم ﷺ کو دوبارہ نہ دیکھا ہو تو بھی اسے صحابی کہا جائے گا جیسے اشعث بن قیس رضی اللہ عنہ وغیرہ۔

عاصم احول، سعید بن مسیب اور بعض حضرات نے صحابی ہونے کے لئے ''طویل صحبت'' کو شرط قرار دیا ہے، اور یہ کہ اس دوران اس نے آپ ﷺ سے علم بھی حاصل کیا ہو، مگر یہ مرجوح قول ہے چنانچہ جمہور محدثین کے نزدیک صحابی ہونے کے لئے ایمان کی حالت میں نبی کریم ﷺ کو صرف دیکھ لینا کافی ہے، خواہ اس نے آپ سے کچھ بھی علم حاصل نہ کیا ہو اور نہ ہی آپ کی صحبت میں طویل عرصہ رہا ہو اور خواہ اس نے بالغ ہونے سے پہلے آپ کو دیکھا ہو، جیسے محمد بن ابی بکر، نبی کریم ﷺ کی وفات سے تین ماہ اور چند دن پہلے پیدا ہوئے، مگر چونکہ انہوں نے آپ ﷺ کو دیکھا ہے، اس لئے وہ صحابہ میں داخل ہیں، البتہ ایسے صحابی کی روایات مرسل ہوں گی۔

(۱) تحفۃ الاحوذی ۱۰/۱۳۰، الکوکب الدری ۴/۳۹۳

اس سے معلوم ہوا کہ نبی کریم ﷺ کے صحابہ دو طرح کے ہیں:

- بعض وہ لوگ ہیں، جنہوں نے صرف نبی کریم ﷺ کو ایمان کی حالت میں دیکھا ہے، وہ آپ کی صحبت میں نہ رہ سکے، نہ آپ سے علم حاصل کیا، اور نہ ہی غزوات میں آپ کے ساتھ شریک ہوئے، جیسے سن دس ہجری میں حجۃ الوداع کے سفر میں بہت سے مسلمانوں نے آپ کو ایمان کی حالت میں دیکھا ہے اور بس۔
- کثیر تعداد ایسے صحابہ کرام کی ہے، جنہوں نے نبی کریم ﷺ کے ساتھ طویل عرصہ گذارا، سفر و حضر، غزوات اور آپ کی مدد و نصرت میں پیش پیش رہے، اسلام کی نشر و اشاعت اور سر بلندی کے لئے اپنے اموال اور جانیں تک قربان کر ڈالیں۔

دیکھیے شرف صحابیت گو کہ دونوں قسم کے صحابہ کو حاصل تھا، لیکن اس کے باوجود مخصوص فضائل و مناقب صرف دوسری قسم کے صحابہ کے لئے ہیں، پہلی قسم کے صحابہ کو حاصل نہیں، اگر چہ وہ بھی صحابہ کی جماعت میں داخل ہیں۔(۱)

اسلام کی نظر میں صحابہؓ کا مقام

اس بات پر اہل سنت کا اجماع ہے کہ انبیاء کے بعد سب سے بلند مقام صحابہ کرام کا ہے، امت کا کوئی بھی شخص خواہ وہ ولایت کے کتنے ہی بلند مقام پر فائز ہو جائے، صحابہ کے ادنیٰ سے ادنیٰ مرتبے اور درجے تک نہیں پہنچ سکتا۔

ان کا یہ مقام قرآن مجید کی بہت سی آیات اور بے شمار احادیث سے ثابت ہے، اللہ تعالیٰ نے بہت سی آیات میں صحابہ کرام کی فضیلت، ان کے لئے رضاء و خوشنودی اور جنت کا ذکر فرمایا ہے، ان کو راشدون یعنی ہدایت یافتہ قرار دیا ہے، سارے کے سارے صحابہ عادل ہیں، اگر چہ صحابہ میں افضلیت کے اعتبار سے فرق ضرور ہے، کہ بعض صحابہ بعض سے افضل ہیں، بعض کا مقام دوسروں سے بلند ہے، لیکن عدالت کی صفت میں ان کے درمیان کوئی فرق نہیں، سب ہی عادل ہیں، اسلام کی عمارت صحابہ کی محنتوں اور مسلسل کوششوں سے قائم ہوئی ہے، قرآنی آیات کو نقل کرنے والے صحابہ کرام ہیں، احادیث اور قرآن و سنت کی تفسیر و تشریح ان سے منقول ہے، ان کا ورع و تقوی، پرہیز گاری، خوف خدا، اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ ایسا عشق اور محبت تھی، جس کی نظیر اس دنیا میں نہیں مل سکتی، انہوں نے کسی آیت اور حدیث رسول کو بیان کرنے میں کوئی غلطی نہیں کی، پورا کا پورا دین صحابہ نے نبی کریم ﷺ سے براہ راست حاصل کر کے امت تک پہنچایا، اس میں ان سے کوئی فرو گذاشت اور غلطی نہیں ہوئی، ان تمام باتوں پر امت کا اجماع ہے، اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ گناہوں سے پاک اور معصوم ہستیاں صرف انبیاء کرام کی ہیں، ان کے علاوہ امت کا کوئی انسان خواہ وہ صحابی ہی کیوں نہ ہو، گناہوں سے پاک اور معصوم نہیں، چنانچہ صحابہ کرام سے بھی کچھ غلطیاں سرزد ہوئی تھیں، لیکن یہ ان کی

---

(۱) تکملة فتح الملهم ۵/۵۹، كتاب فضائل الصحابة، تعريف الصحابي، الاصابة ۱/۱۵۸، مقدمة المؤلف، الفصل الاول فی تعريف الصحابی۔

اجتہادی غلطیاں ہیں، جنگ جمل اور صفین جیسے واقعات جو صحابہ میں پیش آئے ہیں، وہ اسی اجتہادی خطاء کا مظہر ہیں، ان میں ہر فریق اپنی اخلاصِ نیت کی وجہ سے حق پر تھا، کیونکہ وہ اپنے اجتہاد اور تاویل سے ایسا کر رہا تھا، اس لئے اس طرح کے واقعات سے صحابہ کی عدالت اور صداقت پر کوئی فرق نہیں پڑتا، یہی وجہ ہے کہ ان کے اخلاص کی وجہ سے اللہ جل جلالہ نے انہیں معاف فرمایا، اور رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ کا ہمیشہ کے لئے اعلان فرمادیا۔

یہ ذہن میں رہے کہ صحابہ کرام کے باہمی اختلافات، لڑائیاں اور تنازعات پر بحث مباحثہ کرنا، اور اس سے کوئی نتیجہ نکال کر کسی صحابی پر لعن طعن کرنا، اور ان کے بارے میں زبان درازی کرنا جائز نہیں، وہ تمام معاملات ان کے اجتہاد سے تعلق رکھتے ہیں، ان کا یہ اختلاف نفسانی تقاضے یا کسی دنیاوی غرض کے لئے نہیں تھا، اور جو صحابہ عملاً اختلاف میں شریک ہوئے، وہ بھی کسی ناجائز مقصد کی وجہ سے شریک نہیں ہوئے، بلکہ وہ سب اپنے اپنے موقف و مسلک کے درست اور جائز ہونے کا عقیدہ رکھتے تھے، اور ان اختلافات اور لڑائیوں کی تاویل کرتے تھے، چونکہ ان صحابہ کو مجتہدانہ مقام اور مرتبہ حاصل تھا، اس لئے ان کے ان تنازعات کی وجہ سے ان میں سے کوئی بھی عادل ہونے سے خارج نہیں ہوا، اور نہ ہی ان کی حیثیت اور مقام میں کوئی فرق آیا، اس لئے اہل سنت والجماعۃ کا یہ نظریہ ہے کہ مشاجرات صحابہ یعنی اختلافات صحابہ پر بحث مباحثہ کرنے کے بجائے ان میں خاموشی اور سکوت اختیار کیا جائے، اور ان کے بارے میں حسن ظن ہی رکھا جائے۔

صحابہ کی جماعت میں سب سے افضل خلفاء اربعہ ہیں، ان میں سب سے افضل حضرت صدیق اکبر، پھر حضرت عمر فاروق، پھر حضرت عثمان پھر حضرت علی، پھر عشرہ مبشرہ، پھر شرکاء بدر پھر اصحاب احد پھر وہ جو بیعت رضوان میں شریک ہوئے تھے ....، نیز حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بھی فاضل اور عادل صحابہ میں سے ہیں، ان کے بارے میں کوئی بھی برا خیال رکھنا یا ان کی شان میں ایسی کوئی بھی بات کرنا جو صحابیت کے مقام کے خلاف ہو، کسی بھی طرح درست نہیں، یہ بھی اسی طرح ممنوع ہے جس طرح دوسرے صحابہ کرام کے بارے میں کوئی بھی بری بات کرنا ناجائز ہے۔(۱)

لیکن آج ملک پاکستان میں ایک بہت بڑا المیہ یہ ہے کہ آئے دن میڈیا میں یا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کرتا ہوا کوئی نظر آتا ہے یا صحابہ کرام کو یا حضرات شیخین کو، ان دنوں جیو نیوز ٹی وی نے صحابہ اور آل بیت کی شان میں انتہائی گستاخی پر مشتمل ایک پروگرام نشر کیا ہے، جس میں ایک شخص دولہا ہے، جسے حضرت علی کہا گیا اور اس کی دلہن کو حضرت فاطمہ اور شادی میں شریک لوگوں کو انبیاء کہا گیا، یہ جب نشر ہوا تو مسلمانوں کی صفوں میں تہلکہ برپا ہو گیا، ملک کے کونے کونے میں جیو کے خلاف مظاہرے کئے گئے، اور اسے بند کرنے کا حکومت سے مطالبہ کیا گیا، اگر اسلامی حکومت ہو تو ایسے لوگوں کے لئے شرعی سزا ہے، تاکہ کوئی شخص اس طرح کی حرکت نہ کرے۔

---

(۱) مرقاۃ المفاتیح ۱۱/۱۵۲، کتاب المناقب، باب فضائل الصحابہ، تکملۃ فتح الملہم ۵/۲۲، کتاب فضائل الصحابۃ، التفضیل بین الصحابۃ، مظاہر حق ۵/۲۲۶، باب مناقب الصحابۃ

حضرت صدیق اکبر کی زندگی پر ایک نظر

حضرت ابوبکر صدیق کا نام عبداللہ، والد کا نام عثمان، ابوقحافہ ان کی کنیت ہے، اسلام سے پہلے ان کا نام عبدالکعبہ تھا، آپ کو عتیق بھی کہا جاتا ہے، عتیق نام کی مختلف وجہیں منقول ہیں:

- نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو جہنم کی آگ سے عتیق یعنی آزاد قرار دیا ہے۔
- مردوں میں سب سے پہلے اسلام قبول کیا ہے، اس لئے انہیں عتیق کہا جاتا ہے۔
- بعض کہتے ہیں کہ ان کی ماں کا کوئی بچہ زندہ نہیں بچتا تھا، پیدائش کے بعد فوراً مر جاتا، جب حضرت صدیق اکبر پیدا ہوئے تو ان کی ماں انہیں بیت اللہ کے پاس لے گئی اور اللہ سے یہ دعا کی: اَللّٰهُمَّ هٰذَا عَتِيقُكَ مِنَ الْمَوْتِ فَهَبْهُ لِي (اے اللہ تو اس بچہ کو موت سے آزاد کر دے، یہ مجھے ہبہ کر دے یعنی اسے میرے لیے باقی رکھ)، اس لئے آپ کو عتیق کہا جاتا ہے۔

اور صدیق آپ کا لقب ہے، کیونکہ انہوں نے معراج کے واقعہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے پہلے تصدیق کی اور دین اسلام میں بھی آپ کی سب سے پہلے تصدیق کی اور اسلام قبول کیا۔

حضرت صدیق اکبر واقعہ فیل کے دو سال اور چند ماہ بعد پیدا ہوئے، مردوں میں سب سے پہلے آپ نے اسلام قبول کیا، ساری زندگی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہے، اسلام قبول کرنے سے پہلے اور اسلام قبول کرنے کے بعد بھی کوئی غزوہ ایسا نہیں جس میں حضرت صدیق اکبر شریک نہ ہوئے ہوں، مکی زندگی کے سخت حالات میں بھی آپ کے دست راست رہے، سفر ہجرت، غار ثور، اور وفات تک ہر خوشی اور غمی میں آپ کے ساتھ رہے، غزوہ تبوک میں اسلامی جھنڈا آپ کے ہاتھ میں تھا، سن نو ہجری میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں حج کیا، اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آپ ہی مسلمانوں کے پہلے خلیفہ قرار پائے اور مسلمانوں نے انہیں خلیفۃ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم کا لقب دیا۔

ان کی ایک اہم خصوصیت یہ ہے کہ یہ خود بھی صحابی تھے، ان کے والد حضرت عثمان بن عامر بھی صحابی، آپ کی والدہ سلمی بنت صخر بھی صحابیہ، اولاد اور اولاد کی اولاد بھی صحابہ ہے، یہ شرف کسی اور صحابی کو حاصل نہیں۔

حضرت صدیق اکبر کے ہاتھ پر حضرت عثمان، طلحہ، زبیر، سعد اور عبدالرحمن بن عوف نے اسلام قبول کیا۔

صدیق اکبر نے جب اسلام قبول کیا تو اس وقت ان کے پاس چالیس ہزار درہم تھے، کیونکہ یہ تجارت پیشہ تھے، اس رقم کو اور جو مزید آتی، اُسے بھی مسلسل اللہ کی راہ میں خرچ کرتے رہے، یہاں تک کہ انہوں نے سارا مال ہی اللہ کے راستے میں خرچ کر ڈالا، آپ نے ان سات غلاموں کو آزاد کیا تھا، جنہیں اسلام قبول کرنے کی وجہ سے سزا دی جاتی تھی: حضرت بلال، عامر بن فہیرہ، زنیرہ، نہدیہ اور اس کی بیٹی، بنی مؤمل کی باندی اور ام عبیس رضی اللہ عنہم۔

یہودیوں نے حضرت صدیق اکبر کو حریرہ کھلایا، حریرہ ایک کھانا ہے، جو قیمے اور آٹے سے تیار ہوتا ہے، اس میں انہوں

نے زہر ملائی تھی، صدیق اکبر کے ساتھ کھانے میں ایک طبیب حضرت حارث بن کلدہ بھی شریک تھے، اس حکیم نے حضرت صدیق اکبر سے عرض کیا کہ اس کھانے میں زہر ملا ہوا تھا، جس کا اثر سال کے بعد ظاہر ہوگا، اور اس کی وجہ سے انسان مرجائے گا۔

چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ اس واقعہ کے ایک سال کے بعد جمادی الثانیہ تیرہ ہجری میں آپ کی وفات ہوگئی، آپ کی عمر تریسٹھ سال تھی، حضرت عمر فاروق نے آپ کی نماز جنازہ پڑھائی، آپ کی خلافت کا زمانہ دو سال اور تقریباً چار ماہ ہے، آپ سے صحابہ اور تابعین کی ایک بڑی جماعت نے احادیث روایت کی ہیں۔(۱)

حضرت صدیق اکبر کی زندگی کا یہ ایک انتہائی مختصر خاکہ ہے، آپ کے حالات زندگی بہت طویل ہیں، اس پر مستقل کتابیں لکھی گئی ہیں، تاہم چند خصوصیات امام ترمذی رحمہ اللہ نے اس باب میں ذکر کی ہیں، اس لئے اب انہیں امام ترمذی رحمہ اللہ کی ترتیب کے مطابق لکھا جارہا ہے۔

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَبْرَأُ إِلَى كُلِّ خَلِيلٍ مِنْ خِلِّهِ، وَلَوْ كُنْتُ مُتَّخِذًا خَلِيلًا لَاتَّخَذْتُ ابْنَ أَبِي قُحَافَةَ خَلِيلًا، وَإِنَّ صَاحِبَكُمْ لَخَلِيلُ اللّٰهِ.(۲)

حضرت عبداللہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں ہر گہرے دوست کی دوستی سے براءت کا اظہار کرتا ہوں (یعنی میرا کوئی دلی دوست نہیں) اور اگر میں کسی کو دلی دوست بناتا تو ابو قحافہ کے بیٹے یعنی ابوبکر کو دلی دوست بناتا، حقیقت یہ ہے کہ تمہارے ساتھی یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم، اللہ کے دلی دوست ہیں۔

ہر قسم کے دوست سے براءت کا اظہار

ترمذی کی مذکورہ روایت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دو چیزوں کا ذکر فرمایا ہے:

۱۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں ہر قسم کے دوست کی دوستی سے براءت کا اظہار کرتا ہوں، میرا دوست، میرا ملجا و ماوی صرف اللہ جل جلالہ ہے، میرے دل کی دنیا کا کوئی گوشہ کسی اور کے لئے خالی نہیں۔

لفظ خلیل کے معنی دلی اور گہرے دوست کے ہیں، جو انسان کا ہم راز ہو، اور لفظ خلیل اگر خُلۃ (خاء پر پیش کے ساتھ) سے مشتق مانا جائے، جس کے معنی خالص اور گہری دوستی کے ہیں، تو اب مطلب یہ ہوگا کہ اگر میں کسی کو اپنا گہرا دوست بناتا تو صدیق اکبر کو بناتا، کیونکہ ان کے مجھ پر بہت احسان ہیں، اور دین کے لئے ان کی اتنی قربانیاں ہیں کہ جنہیں شمار نہیں کیا جاسکتا، لیکن میں کسی کو اپنا گہرا دوست نہیں بناتا، کیونکہ میرا ایسا تعلق صرف اور صرف اللہ جل شانہ سے ہے۔

اور اگر لفظ خلیل کو خَلۃ (خاء پر زبر) سے مشتق قرار دیا جائے، جس کے معنی احتیاج اور محتاجی کے ہیں، اس صورت میں

---

(۱) الاصابۃ فی تمییز الصحابہ ۱۴۴/۴، حرف العین رقم: ۴۸۳۵

(۲) الصحیح لمسلم کتاب فضائل الصحابۃ، باب من فضائل ابی بکر الصدیق، رقم: ۲۳۸۳۔

حدیث کے اس جملے کا مطلب یہ ہوگا کہ اگر میں کسی کو اپنا ایسا دوست بناتا کہ جس کی طرف میں باقی ضرورتوں اور حاجتوں کے وقت رجوع کروں، تو یقیناً ابوبکر کو ایسا دوست بناتا، لیکن میں ایسے تمام معاملات اور امور میں صرف اللہ جل شانہ کی طرف ہی رجوع کرتا ہوں، البتہ اسلامی اخوت اور محبت کے لحاظ سے میرا تعلق صدیق اکبر کے ساتھ دوسروں کے مقابلے میں سب سے زیادہ ہے۔(۱)

۲۔ ترمذی کی مذکورہ روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے کسی انسان کو اپنا خلیل نہیں بنایا، جبکہ حضرت ابی بن کعب کی روایت میں موت سے پہلے نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: انه لم یکن نبی الا و قد اتخذ من أمته خلیلا، و ان خلیلی ابوبکر، الا و ان اللہ اتخذنی خلیلا، کما اتخذ ابراھیم خلیلا (ہر نبی کا کوئی نہ کوئی ضرور خلیل ہوتا ہے، میرا خلیل ابوبکر ہے، اور اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنا خلیل بنایا ہے جیسا کہ حضرت ابراہیم کو اللہ تعالیٰ نے اپنا خلیل بنایا ہے) اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت صدیق اکبر کو اپنا خلیل بنایا تھا، بظاہر دونوں باتوں میں تعارض ہے۔

شارحین نے اس تعارض کے حل میں دو جواب ذکر کئے ہیں:

۞ ملا علی قاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جن روایات میں خلیل نہ بنانے کا ذکر ہے، وہ سند کے اعتبار سے زیادہ صحیح روایات ہیں، اس لئے انہی کا اعتبار کیا جائے۔(۲)

۞ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے جب اپنے رب کی اطاعت، عظمت اور جلال کی وجہ سے ہر قسم کی دوستی سے براءت کا اظہار کر دیا تو اللہ تعالیٰ نے پھر آپ کو اس بات کی اجازت دے دی کہ آپ حضرت صدیق اکبر کو اپنا خاص دوست بنالیں، کیونکہ آپ علیہ السلام یہ چاہتے تھے کہ میں صدیق اکبر کو اپنا خلیل اور گہرا دوست بنالوں، لیکن اللہ جل شانہ کے ادب واحترام کی وجہ سے آپ کسی کو اپنا دوست نہیں بناتے تھے، اور صدیق اکبر کو اپنا خلیل اس لئے بنانا چاہتے تھے کہ انہوں نے آپ ﷺ کا بہت ساتھ دیا اور ہر دکھ میں شریک رہے، اس تفصیل سے یہ بات واضح ہوگئی کہ دونوں باتوں میں کوئی تعارض اور تضاد نہیں۔(۳)

عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ، قَالَ: أَبُو بَكْرٍ سَيِّدُنَا، وَخَيْرُنَا، وَأَحَبُّنَا إِلَى رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.(۴)

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: ابوبکر (حسب ونسب کے لحاظ سے) ہمارے سردار ہیں، ہم میں سب سے بہتر، اور ہم سب سے زیادہ رسول اللہ ﷺ کو محبوب اور پیارے تھے۔

عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ شَقِيقٍ، قَالَ: قُلْتُ لِعَائِشَةَ: أَيُّ أَصْحَابِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ أَحَبَّ إِلَى

(۱) تحفة الاحوذی ۱۳۳/۱۰، المعجم الوسیط ۲۵۳/۱ ط: بیروت

(۲) مرقاة المفاتیح ۱۶۷/۱۱، کتاب المناقب باب مناقب ابی بکر۔

(۳) فتح الباری ۲۷/۷، کتاب فضائل اصحاب النبی ﷺ باب قول النبی ﷺ لو کنت متخذا خلیلا، تکملة فتح الملھم ۲۶/۵، کتاب فضائل الصحابة، باب فضائل ابی بکر۔

(۴) الصحیح للبخاری، فضائل الصحابة، باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم لو کنت متخذا، رقم: ۳۶۶۸۔

رَسُولِ اللهِ؟ قَالَتْ: أَبُو بَكْرٍ، قُلْتُ: ثُمَّ مَنْ؟ قَالَتْ: عُمَرُ، قُلْتُ: ثُمَّ مَنْ؟ قَالَتْ: ثُمَّ أَبُو عُبَيْدَةَ بْنُ الْجَرَّاحِ، قُلْتُ: ثُمَّ مَنْ؟ قَالَ: فَسَكَتَتْ.(۱)

حضرت عبداللہ بن شقیق فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ سے پوچھا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں سے کونسے صحابی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو زیادہ محبوب تھے؟ حضرت عائشہ نے فرمایا: ابوبکر، میں نے کہا: پھر کون (زیادہ پسند تھا) انہوں نے فرمایا: عمر، میں نے عرض کیا: پھر کون؟ انہوں نے فرمایا: ابوعبیدہ بن جراح، میں نے کہا: پھر کون؟ راوی کہتے ہیں کہ پھر حضرت عائشہ خاموش ہوگئیں۔

صدیق اکبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سب سے زیادہ محبوب تھے

ان احادیث میں حضرت صدیق اکبر کے مقام کا ذکر ہے کہ وہ صحابہ میں سب سے زیادہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو محبوب تھے، اور حسب ونسب کے لحاظ سے بھی سب سے بلند تھے۔

دوسری حدیث میں بھی حضرت صدیق اکبر کی محبوبیت کا ذکر ہے، تیسری مرتبہ پوچھنے پر حضرت عائشہ نے فرمایا کہ حضور کی نظر میں عمر کے بعد سب سے زیادہ محبوب صحابی حضرت ابوعبیدہ بن جراح تھے، پھر وہ خاموش ہوگئیں، اور مزید نہیں بتایا کہ ابو عبیدہ کے بعد پھر کونسے صحابی آپ کو زیادہ محبوب تھے، اس حدیث میں تیسرے نمبر پر حضرت ابوعبیدہ کا ذکر ہے، جبکہ دیگر روایات میں حضرت عائشہ اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہم سے محبت کا ذکر ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ محبت کے کئی اسباب ہوتے ہیں:

۞ کبھی ایک انسان کی دوسرے کے ساتھ محبت اس وجہ سے ہوتی ہے کہ دوسرے انسان کے ساتھ اس کی جزئیت کا تعلق ہوتا ہے، جیسے والدین کی محبت اپنی اولاد کے ساتھ، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت حضرت فاطمہ اور حسنین کے ساتھ اس وجہ سے تھی۔

۞ کبھی محبت کی وجہ رشتہ ازدواج اور دین کی فقاہت اور سمجھ ہوتی ہے، چنانچہ حضرت عائشہ کے ساتھ آپ کی محبت اس بنا پر تھی۔

۞ کبھی محبت کا سبب قدیم فی الاسلام ہونا اور دین کے راستے میں قربانیاں ہوتی ہیں، جیسے حضرات شیخین رضی اللہ عنہما، اور حضرت ابوعبید بن جراح، ان کے ہاتھ پر شیخین کے زمانے میں بہت سی اسلامی فتوحات ہوئیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنے صحابہ اور صحابیات کے ساتھ جو محبت تھی، اس کے مختلف اسباب تھے، لہذا اگر کسی ایک حدیث میں ایک صحابی کی محبت کا ذکر ہے، تو اس سے دوسرے مخصوص صحابہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کی نفی نہیں ہوتی، کیونکہ ہر ایک کے ساتھ محبت کا سبب دوسرا ہے، لہذا اس حدیث میں جو حضرت ابوعبیدہ سے محبت کا ذکر ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ قدیم فی الاسلام ہیں، ان کی خدمات اور قربانیاں ہیں جو انہوں نے اسلام کے راستے میں کی ہیں اور امانت کی صفت میں یہ بہت

---

(۱) سنن ابن ماجة، المقدمة، باب فی فضائل اصحاب رسول اللہ رقم: ۱۰۲۔

مشہور تھے، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں امین هذه الامة (اس امت کا امین) کا لقب دیا۔(۱)

عَنْ أَبِي سَعِيدٍ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنَّ أَهْلَ الدَّرَجَاتِ الْعُلَى لَيَرَاهُمْ مَنْ تَحْتَهُمْ، كَمَا تَرَوْنَ النَّجْمَ الطَّالِعَ فِي أُفُقِ السَّمَاءِ، وَإِنَّ أَبَا بَكْرٍ وَعُمَرَ مِنْهُمْ، وَأَنْعَمَا.(۲)

حضرت ابو سعید خدری سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (جنت میں) اونچے مرتبے والوں کو ادنیٰ مرتبہ والے اس طرح دیکھیں گے، جس طرح تم لوگ آسمان کے کنارے پر طلوع ہونے والے ستارے کو دیکھتے ہو، اور ابوبکر و عمر یقیناً انہی بلند درجات والوں میں سے ہیں، اور وہ دونوں نعمتوں کو پانے والے ہیں (یا یوں ترجمہ کریں: بلکہ وہ دونوں مذکورہ نعمت کے علاوہ مزید نعمتوں کو بھی پائیں گے، یوں وہ نعمتوں والے ہو جائیں گے)۔

مشکل الفاظ کے معنیٰ: الدرجات: درجة کی جمع ہے: مرتبہ، مقام۔ العلی: علیا کی جمع ہے: بلند۔ من تحتهم: یہ لیرا کا فاعل ہے: وہ لوگ جو اعلیٰ درجات والوں سے نیچے ہوں گے یعنی ادنیٰ درجات والے۔ أفق: (ہمزے اور فاء پر پیش اور فاء کو ساکن بھی پڑھ سکتے ہیں) آسمان کا کنارہ، اس کی جمع آفاق ہے منهم: ای من أهل الدرجات العلى: بلند مراتب والوں میں سے، أنعما: اس کے دو ترجمے ہیں: (۱) اور شیخین نعمت والے ہیں، اس معنیٰ کے اعتبار سے اس لفظ میں صرف پہلی نعمت کا ہی بیان ہوگا، (۲) بلکہ وہ دونوں حضرات مذکورہ نعمت کے علاوہ مزید نعمتوں کو بھی پانے والے ہوں گے، اس معنیٰ کے لحاظ سے گویا لفظ "انعما" میں مزید نعمتوں کی طرف اشارہ ہے۔(۳)

صدیق اکبر اور عمر فاروق کی مخصوص فضیلت

اس حدیث سے حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما کی مخصوص فضیلت ثابت ہوتی ہے کہ وہ قیامت کے دن بلند درجات والے لوگوں میں سے ہوں گے، اور انہیں مزید نعمتوں سے بھی نوازا جائے گا۔(۴)

عَنِ ابْنِ أَبِي الْمُعَلَّى، عَنْ أَبِيهِ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَطَبَ يَوْمًا، فَقَالَ: إِنَّ رَجُلًا خَيَّرَهُ رَبُّهُ بَيْنَ أَنْ يَعِيشَ فِي الدُّنْيَا مَا شَاءَ أَنْ يَعِيشَ، وَيَأْكُلَ فِي الدُّنْيَا مَا شَاءَ أَنْ يَأْكُلَ، وَبَيْنَ لِقَاءِ رَبِّهِ، فَاخْتَارَ لِقَاءَ رَبِّهِ، قَالَ: فَبَكَى أَبُو بَكْرٍ، فَقَالَ أَصْحَابُ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَلَا تَعْجَبُونَ مِنْ هَذَا الشَّيْخِ، إِذْ ذَكَرَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَجُلًا صَالِحًا، خَيَّرَهُ رَبُّهُ بَيْنَ الدُّنْيَا، وَبَيْنَ لِقَاءِ رَبِّهِ فَاخْتَارَ لِقَاءَ رَبِّهِ، قَالَ: فَكَانَ أَبُو

---

(۱) تحفة الاحوذی ۱۰/۱۳۵

(۲) سنن أبی داؤد، کتاب الحروف والقراءات، رقم الحدیث: ۳۹۸۷۔

(۳) الکوکب الدری ۴/۲۹۶

(۴) بذل المجهود ۱۶/۱۷۳، کتاب الحروف والقراءات، حدیث: ۳۹۸۷

بَكْرٍ أَعْلَمَهُمْ بِمَا قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ أَبُو بَكْرٍ: بَلْ نَفْدِيكَ بِآبَائِنَا وَأَمْوَالِنَا، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَا مِنَ النَّاسِ أَحَدٌ أَمَنَّ إِلَيْنَا فِي صُحْبَتِهِ وَذَاتِ يَدِهِ مِنِ ابْنِ أَبِي قُحَافَةَ، وَلَوْ كُنْتُ مُتَّخِذًا خَلِيلًا، لَاتَّخَذْتُ ابْنَ أَبِي قُحَافَةَ خَلِيلًا، وَلَكِنْ وُدٌّ وَإِخَاءُ إِيمَانٍ، وُدٌّ وَإِخَاءُ إِيمَانٍ - مَرَّتَيْنِ أَوْ ثَلَاثًا - أَلَا وَإِنَّ صَاحِبَكُمْ خَلِيلُ اللَّهِ. (۱)

حضرت ابوالمعلی بن لوذان انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک دن خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ایک شخص کو اختیار دیا (دو باتوں میں، ایک تو) اس بات میں کہ چاہے تو وہ دنیا میں زندگی گذارے، جتنی مدت اس کا دل چاہے اور دنیا میں جو چیز چاہے، اسے وہ کھائے، اور (دوسرا اختیار دیا) اس بات میں (کہ یا تو) وہ اللہ تعالیٰ سے ملاقات کو اختیار کرلے، چنانچہ اس نے اپنے رب سے ملنے کو اختیار کرلیا۔

ابوالمعلی راوی کہتے ہیں کہ اس پر ابوبکر رونے لگے، صحابہ (انہیں روتا دیکھ کر آپس میں) کہنے لگے: کیا تمہیں تعجب نہیں ہوتا اس شیخ یعنی صدیق اکبر پر (کہ وہ رو رہا ہے، جبکہ) رسول اللہ ﷺ ایک نیک شخص کا تذکرہ فرمارہے ہیں کہ اسے اس کے رب نے دنیا میں رہنے اور اپنے رب سے ملاقات کے درمیان اختیار دیا، تو اس نے اپنے پروردگار سے ملنے کو اختیار کرلیا (تو اس بات کو سن کر رونے کے کیا معنیٰ؟)، راوی کہتے ہیں کہ صدیق اکبر، صحابہ کرام میں سب سے زیادہ اس بات کو جانتے اور سمجھتے تھے، جو بات نبی کریم ﷺ ارشاد فرماتے (اس لئے وہ سمجھ گئے تھے کہ اس شخص سے نبی کریم ﷺ خود ہی مراد ہیں، اور اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ آپ عنقریب دنیا سے جانے والے ہیں)، چنانچہ حضرت ابوبکر نے عرض کیا بلکہ ہم آپ پر اپنے آباء واجداد اور اپنے تمام مال ومتاع قربان کرتے ہیں، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: لوگوں میں کوئی ایسا نہیں، جو ہمارے ساتھ رہنے، اور ہم پر اپنا مال خرچ کرنے میں، ابن ابی قحافہ یعنی ابوبکر صدیق سے زیادہ سخی ہو، اور اگر میں کسی کو اپنا گہرا دوست بناتا، تو ابن ابی قحافہ کو خلیل بناتا، مگر دلی محبت اور ایمان کی بھائی چارگی ہے، یہ بات آپ نے دو یا تین مرتبہ ارشاد فرمائی، (پھر فرمایا) آگاہ ہو جاؤ کہ تمہارا دوست یعنی خود نبی کریم ﷺ اللہ کے گہرے دوست ہیں۔

عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَلَسَ عَلَى الْمِنْبَرِ، فَقَالَ: إِنَّ عَبْدًا خَيَّرَهُ اللَّهُ بَيْنَ أَنْ يُؤْتِيَهُ مِنْ زَهْرَةِ الدُّنْيَا مَا شَاءَ، وَبَيْنَ مَا عِنْدَهُ، فَاخْتَارَ مَا عِنْدَهُ، فَقَالَ أَبُو بَكْرٍ: فَدَيْنَاكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ بِآبَائِنَا وَأُمَّهَاتِنَا، قَالَ: فَعَجِبْنَا، فَقَالَ النَّاسُ: انْظُرُوا إِلَى هَذَا الشَّيْخِ، يُخْبِرُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ عَبْدٍ خَيَّرَهُ اللَّهُ بَيْنَ أَنْ يُؤْتِيَهُ مِنْ زَهْرَةِ الدُّنْيَا مَا شَاءَ، وَبَيْنَ مَا عِنْدَ اللَّهِ، وَهُوَ يَقُولُ: فَدَيْنَاكَ بِآبَائِنَا وَأُمَّهَاتِنَا، قَالَ: فَكَانَ رَسُولُ اللَّهِ هُوَ الْمُخَيَّرَ، وَكَانَ أَبُو بَكْرٍ هُوَ أَعْلَمَنَا بِهِ، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنَّ مِنْ أَمَنِّ

---

(۱) مسند احمد ۴۷۸/۳۔

النَّاسِ عَلَيَّ فِي صُحْبَتِهِ وَمَالِهِ أَبُو بَكْرٍ، وَلَوْ كُنْتُ مُتَّخِذًا خَلِيلًا، لَاتَّخَذْتُ أَبَا بَكْرٍ خَلِيلًا، وَلَكِنْ أُخُوَّةُ الإِسْلَامِ، لَاتُبْقَيَنَّ فِي الْمَسْجِدِ خَوْخَةٌ إِلَّا خَوْخَةُ أَبِي بَكْرٍ.(۱)

ابوسعید خدری کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ (ایک مرتبہ) منبر پر تشریف فرما ہوئے، اور فرمایا: ایک بندے کو اللہ تعالیٰ نے (دو باتوں میں) اختیار دیا اس بات میں کہ وہ چاہے تو اللہ تعالیٰ اسے دنیا کی رونق و بہار اور مال ومتاع عطا کر دیں، اور اس بات میں کہ وہ چاہے تو ان نعمتوں کو اختیار کر لے جو اللہ جل جلالہ کے پاس ہیں، ابوبکر نے عرض کیا: یا رسول اللہ ہم آپ پر اپنے آباء واجداد اور اپنی ماؤں کو قربان کرتے ہیں۔

ابوسعید خدری کہتے ہیں کہ ہمیں ان کی اس بات سے تعجب ہوا، اس پر لوگ کہنے لگے کہ اس شیخ کو دیکھو، رسول اللہ ﷺ ایک آدمی کے متعلق بتا رہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اسے (دو باتوں میں) اختیار دیا، (ایک تو) اس بات میں (کہ وہ چاہے تو) اللہ تعالیٰ اسے دنیا کی رونق اور مال ومتاع دے دیں، جس قدر وہ چاہے اور (دوسرا) اس بات میں (کہ وہ چاہے تو) ان نعمتوں کو اختیار کر لے، جو اللہ جل جلالہ کے پاس ہیں (یعنی اللہ تعالیٰ نے اسے دنیا اور آخرت کی زندگی میں سے کسی ایک کو اختیار کرنے کا فرمایا) اور یہ شیخ کہتے ہیں کہ ہمارے ماں باپ آپ ﷺ پر قربان ہوں، اور حقیقت یہ تھی کہ رسول اللہ ﷺ کو ہی اختیار دیا گیا تھا اور ابوبکر ہم میں سب سے زیادہ حضور ﷺ کو یا آپ کی بات کو سمجھتے تھے۔

پھر آپ ﷺ نے فرمایا: واقعہ یہ ہے کہ لوگوں میں سب سے زیادہ میرے ساتھ اپنی رفاقت اور ساتھ رہنے میں حق ادا کرنے والے اور اپنے مال میں سب سے زیادہ مجھ پر خرچ کرنے والے ابوبکر ہی ہیں، اور اگر میں کسی کو اپنا گہرا دوست بناتا تو ضرور ابوبکر کو ہی اپنا جگری دوست بناتا، مگر اسلام کی اخوت، برادرانہ تعلق اور بھائی بندی ہی کافی ہے، (دیکھو) مسجد نبوی میں کوئی کھڑکی باقی نہ رکھی جائے، مگر صرف ابوبکر کی کھڑکی باقی رہے (تاکہ وہ اس سے مسجد میں آ جا سکیں)۔

مشکل الفاظ کے معنی: أمن علینا: (صیغہ اسم تفضیل) یہ "منّ" سے ہے، یہاں اس کے معنی ہیں: ہم پر زیادہ خرچ کرنے والا، ہم پر زیادہ سخاوت کرنے والے، فی صحبته: ساتھ رہنے میں، و ذات یده: اور اپنے مال ومتاع میں، ود: محبت، اخاء ایمان: ایمان کی بھائی بندی، ایمان کی بھائی چارگی، ایمان کا برادرانہ تعلق، زھرۃ الدنیا: (زا پر زبر اور ہا ساکن) دنیا کی رونق و بہار، چمک دمک اور مال ومتاع، ان یوتیه: یہ کہ اللہ تعالیٰ اسے عطا کریں، المخیر: (صیغہ اسم مفعول از باب تفعیل) وہ شخص جسے دو باتوں کا اختیار دیا گیا یعنی نبی کریم ﷺ، أخوۃ الاسلام: اسلام کا برادرانہ تعلق اور دوستی: لا تبقین: (صیغہ نہی با نون ثقیلہ، مجہول) ہرگز باقی نہ رکھی جائے، خوخة: (خاء پر زبر اور واؤ ساکن) کھڑکی، چھوٹا دروازہ، یہ روشندان کا کام بھی دیتا تھا اور اس سے

(۱) الصحیح للبخاری، مناقب الانصار، باب ھجرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم، رقم: ۳۹۰۴۔

انسان گذر کر مسجد نبوی میں بھی آجا سکتا تھا۔

صدیق اکبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مزاج شناس تھے

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کے سامنے ارشاد فرمایا کہ ایک بندہ ہے، جسے اللہ تعالیٰ نے دو چیزوں میں اختیار دیا، چاہے تو وہ دنیا کی زندگی، اس کی عیش اور مال ومتاع اختیار کرلے، جتنا اس کا جی چاہے اور اگر چاہے تو اپنے پروردگار سے ملنے کو اختیار کرلے یعنی دنیا سے آخرت کا سفر کرلے، اس بندے نے دنیا کے بجائے آخرت کو اختیار کرلیا، اس بندے سے خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مراد ہیں، جس کے معنیٰ یہ ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم عنقریب اس دنیا سے تشریف لے جانے والے ہیں، آپ کے کلام کا مطلب صحابہ کرام میں سے صرف صدیق اکبر ہی سمجھے، جدائی کے تصور سے رونے لگے اور عرض کیا یا رسول اللہ، ہمارے ماں باپ اور مال ومتاع سب کچھ آپ پر قربان ہو، مقصد یہ تھا کہ بہر صورت آپ ہم سے جدا نہ ہوں۔

دوسرے صحابہ کو چونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ کلام سمجھ نہیں آیا، اس لئے انہیں حضرت ابوبکر صدیق پر تعجب ہوا کہ وہ کیوں رو رہے ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر اپنا سب کچھ قربان کرنے کی بات کس وجہ سے کر رہے ہیں، آپ نے تو ایک بندے کا تذکرہ کیا، جس کو اللہ تعالیٰ نے دو باتوں میں سے ایک کے اختیار کرنے کا فرمایا، لہٰذا اس پر رونے اور فدا ہونے کے کیا معنیٰ؟ لیکن صدیق اکبر چونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مزاج شناس تھے، آپ کے کلام کو تمام صحابہ سے زیادہ اچھی طرح سمجھتے تھے، اس لئے وہ سمجھ گئے تھے کہ اس سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی موت کی طرف اشارہ ہے، اس لئے وہ رو پڑے اور اپنا سب کچھ قربان کرنے کا کہا۔ کیونکہ وہ سچے عاشق رسول تھے، وہ آپ کے سفر وحضر کے خاص دوست تھے، اس لئے انہیں اس قدر دکھ ہوا کہ بے اختیار آنکھوں سے آنسو بہہ پڑے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صدیق اکبر کی حالت دیکھ کر اور ان کا کلام سن کر ارشاد فرمایا: صدیق اکبر نے تمام صحابہ کے مقابلے میں ہمارے ساتھ رہنے میں بھی اپنا حق ادا کردیا، اور اپنا مال ومتاع بھی ہم پر سب سے زیادہ خرچ کیا، وہ ہم پر ہر طرح کی جود وسخا کرتے رہے، اور فرمایا کہ وہ اس قابل ہیں کہ میں انہیں اپنا خلیل اور جگری دوست بنالوں، لیکن چونکہ ایسا نہیں ہوسکتا، کیونکہ تمہارے دوست یعنی خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے خلیل ہیں، ہاں میرا ان سے قلبی محبت کا تعلق، دوسروں کے مقابلے میں سب سے زیادہ ہے، اور ہمارے درمیان ایمان واسلام کا بھائی چارہ اور برادرانہ تعلق ہے، جو کبھی بھی ختم نہیں ہوگا، نہ دنیا میں اور نہ ہی آخرت میں، چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ صدیق اکبر ساری زندگی آپ کے ساتھ رہے، اور مرنے کے بعد بھی، آپ کے ساتھ ایک ہی جگہ مدفون ہیں، رضی اللہ عنہ۔

مسجد نبوی میں خوخہ ابی بکر کو باقی رکھنے کا حکم

مسجد نبوی سے جو مکان متصل تھے، شروع میں ان کی کھڑکی، یا چھوٹا سا دروازہ، یا روشندان، مسجد نبوی کے اندر ہی کھلتا تھا، اس سے وہ لوگ جہاں روشنی اور ہوا کے آنے کا فائدہ اٹھاتے، اسی طرح وہ اس سے مسجد نبوی کے اندرونی حصے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کرتے اور اسی سے وہ مسجد نبوی میں آتے جاتے بھی تھے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی وفات سے پانچ دن پہلے یہ اعلان فرمایا کہ مسجد نبوی کی طرف کھلنے والے تمام خوخے یعنی کھڑکیاں، یا روشندان بند کردیئے جائیں، اب آئندہ مسجد میں باہر کی طرف سے آیا کریں، البتہ صدیق اکبر کا خوخہ باقی رکھا جائے، تاکہ وہ اس سے مسجد میں آجاسکیں، اور جماعت کرا سکیں، اس بات میں حضرت صدیق اکبر کی عظمت و بزرگی اور بلند مقام کا تو اظہار ہے ہی، اس بات کی طرف بھی اشارہ ہے کہ میرے بعد زمام خلافت صدیق اکبر کے پاس ہوگی، یہی میرے خلیفہ اول اور پہلے جانشین ہوں گے، ان کی اس خلافت پر گویا کسی کو کوئی اعتراض نہیں ہونا چاہیے۔

جب ان خوخات کی بندش کا حکم دیا گیا تو بعض محترم صحابہ کرام نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت طلب کی کہ ہمیں بھی مسجد نبوی میں ایک کھڑکی کھولنے کی اجازت عنایت فرمادیں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں ارشاد فرمایا کہ میں نے یہ حکم اپنی طرف سے نہیں دیا، بلکہ مجھے اللہ جل جلالہ نے حکم دیا ہے، جسے میں نے آپ حضرات تک پہنچا دیا، اس لئے اس حکم میں ذرا برابر بھی تبدیلی اور ردو بدل نہیں ہوسکتا، اس پر صحابہ کرام خاموش ہوگئے۔(۱)

ابتداء میں حضرت علی کے دروازے کو مسجد نبوی میں باقی رکھا گیا

ترمذی کی مذکورہ روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ مسجد نبوی میں صرف حضرت ابوبکر صدیق کے خوخے اور چھوٹے دروازے کو باقی رکھنے کا حکم دیا گیا، جبکہ حضرت جابر بن سمرہ کی روایت میں ہے کہ ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد نبوی میں کھلنے والے تمام دروازوں کو بند کرنے کا حکم دیا، سوائے حضرت علی کے گھر کے دروازے کے، اسے کھلا رہنے دیا گیا، یہ بات صحیح روایات سے ثابت ہے، تو بظاہر دونوں باتوں میں تعارض سا ہے۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ابن جوزی نے حضرت علی سے متعلق احادیث کو موضوع قرار دیا ہے، اور یہ کہا ہے کہ روافض نے حضرت صدیق اکبر کے خلاف یہ حدیثیں گھڑی ہیں، اس لئے یہ موضوع روایات ہیں، ان کا کوئی اعتبار نہیں، لیکن ابن جوزی کی یہ بات سو فیصد حقیقت کے خلاف ہے، کیونکہ صحیح روایات میں یہ بات منقول ہے کہ حضرت علی کے دروازے کو مسجد نبوی

---

(۱) فتح الباری ۱۷/۷، کتاب فضائل اصحاب النبی ﷺ باب قول النبی: سدوا الابواب الا باب ابی بکر، الکوکب الدری ۳۹۷/۴

میں کھلا رہنے دیا گیا، یہ روایات حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فتح الباری میں نقل کی ہیں، اس لئے دونوں قسم کی روایات میں ظاہری طور پر تعارض برقرار ہے۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مسجد نبوی میں دروازوں کو بند کرنے کا حکم دو مرتبہ دیا گیا تھا:

۞ ابتداء میں جس وقت مسجد نبوی نئی نئی بنائی گئی، اس وقت آپ ﷺ نے حکم دیا کہ میرے دروازے کے علاوہ مسجد نبوی میں کھلنے والے تمام دروازے بند کر دیئے جائیں، صرف حضرت علی کے گھر کا دروازہ برقرار رکھا جائے، کیونکہ ان کا صرف یہ ایک ہی دروازہ ہے، جو مسجد نبوی کے اندر ہی کھلتا ہے، چنانچہ اس حکم کے بعد تمام دروازے، حضرت علی کے دروازے کے علاوہ بند کر دیئے گئے۔

اس کے بعد صحابہ نے اپنے گھروں سے مسجد نبوی میں خوخات یعنی کھڑکیاں، چھوٹے دروازے یا روشندان کھول لئے، ان سے وہ مسجد میں آتے جاتے، اور آپ ﷺ کو بھی ان سے دیکھ لیتے کہ آپ مسجد نبوی میں موجود ہیں یا نہیں، یہ سلسلہ اس طرح چلتا رہا۔

۞ یہاں تک کہ پھر نبی کریم ﷺ نے اپنی وفات سے پانچ یا تین دن پہلے اللہ کی جانب سے یہ پیغام دیا کہ اب ہر قسم کے دروازے اور خوخے یعنی کھڑکیاں وغیرہ جو مسجد نبوی میں کھلتے ہیں، ان تمام کو بند کر دیا جائے، صرف صدیق اکبر کا خوخہ مسجد نبوی میں برقرار رکھا جائے، یہ صدیق اکبر کی خصوصیت ہے۔

لہٰذا جس روایت میں حضرت علی کے گھر کا دروازہ مسجد میں برقرار رکھنے کا ذکر ہے، اس سے پہلی دفعہ کا واقعہ مراد ہے، اور ترمذی کی اس روایت میں، جو حضرت صدیق اکبر کے خوخے کو باقی رکھنے کا ذکر ہے، اس سے دوسری مرتبہ کا واقعہ مراد ہے، جن میں آپ ﷺ نے ہر قسم کے دروازے اور خوخے بند کرنے کا حکم دیا اور صرف صدیق اکبر کی کھڑکی یا روشندان باقی رکھا گیا، یوں ان متعارض روایات میں توفیق اور تطبیق ہو جاتی ہے، اور ان کا تعارض ختم ہو جاتا ہے۔(۱)

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَا لِأَحَدٍ عِنْدَنَا يَدٌ، إِلَّا وَقَدْ كَافَيْنَاهُ، مَا خَلَا أَبَا بَكْرٍ، فَإِنَّ لَهُ عِنْدَنَا يَدًا، يُكَافِئُهُ اللّٰهُ بِهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، وَمَا نَفَعَنِي مَالُ أَحَدٍ قَطُّ، مَا نَفَعَنِي مَالُ أَبِي بَكْرٍ، وَلَوْ كُنْتُ مُتَّخِذًا خَلِيلًا، لَاتَّخَذْتُ أَبَا بَكْرٍ خَلِيلًا، أَلَا وَإِنَّ صَاحِبَكُمْ خَلِيلُ اللّٰهِ.(۲)

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ہم پر کسی کا کوئی احسان نہیں، مگر یہ کہ ہم نے اس کا بدلہ دے دیا ہے، ابو بکر کے علاوہ کہ ان کا ہم پر احسان ہے (ہم اس کا بدلہ نہیں دے سکے) اللہ تعالیٰ ہی قیامت کے

---

(۱) فتح الباری ۷/۷، کتاب فضائل اصحاب النبی ﷺ باب قول النبی ﷺ: سدوا الابواب الا باب ابی بکر، تکملة فتح الملهم ۵/۲۶، کتاب فضائل الصحابة، باب فضائل ابی بکر، الکوکب الدری ۴/۳۹۹۔

(۲) کنز العمال للهندی، رقم: ۳۲۵۶۵۔

دن، ان کو اس احسان کا بدلہ دیں گے، اور مجھے کسی کے مال نے کبھی اتنا نفع نہیں دیا، جتنا کہ ابوبکر کے مال نے فائدہ پہنچایا ہے، اور اگر میں کسی کو دلی دوست بناتا، تو ابوبکر کو ہی اپنا جگری دوست بناتا، آگاہ ہو جاؤ کہ تمہارا ساتھی یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے خلیل اور گہرے دوست ہیں۔

مشکل الفاظ کے معنی: ید: احسان، عطا، کافیناہ: ہم نے اس کے احسان کا بدلہ دے دیا، بدلہ چکا دیا۔

صدیق اکبر کے احسانات کا بدلہ اللہ ہی دیں گے

اس حدیث میں حضرت صدیق اکبر کی فضیلت کا ذکر ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہم پر جس کسی نے جو بھی احسان کیا، خواہ اس نے مال ہی ہمیں دیا ہو، ہم نے اس کے احسان کا بدلہ دنیا میں ہی اتار دیا، لیکن صدیق اکبر کے ہم پر اس قدر احسانات ہیں، کہ میں ان کا بدلہ نہیں دے سکا، اللہ جل شانہ ہی قیامت کے دن، ان کے احسانات کا بدلہ ان کو دیں گے۔

اس ''ید'' یعنی ''احسان'' سے کیا مراد ہے؟ اس میں شارحین حدیث نے دو احتمال ذکر کیے ہیں:

۱۔ اس سے مراد یہ ہے کہ صدیق اکبر نے اللہ کے راستے میں اپنا سب کچھ قربان کر دیا تھا، چنانچہ انہوں نے اپنا سارا مال، اپنی جان، وقت اور اپنی تمام اولاد کو اسلام کی سربلندی اور نشر و اشاعت کے لئے قربان کر دیا تھا، کسی قربانی سے کبھی دریغ نہیں کیا اور پیچھے نہیں ہٹے، ان کی اس قربانی کو ''احسان'' کہا گیا ہے۔

۲۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس سے ان کا وہ مالی ایثار مراد ہو، جو انہوں نے ان سات مسلمان غلاموں کو آزاد کرانے پر خرچ کیا، جن کے آقا انہیں اسلام کی وجہ سے بہت ستاتے تھے، ان سات میں حضرت بلال رضی اللہ عنہ بھی ہیں، جس کا ذکر قرآن مجید کی اس آیت میں ہے، وسیجنبها الاتقى الذي يوتي ماله يتزكى،(۱) (اور اس دوزخ کی بھڑکتی ہوئی آگ سے ایسا شخص دور رکھا جائے گا، جو بڑا پرہیزگار ہے اور جو اپنا مال اس غرض سے اللہ کی راہ میں خرچ کرتا ہے کہ گناہوں سے پاک ہو جائے) اس شخص سے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ مراد ہیں۔(۲)

عَنْ حُذَيْفَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: اقْتَدُوا بِاللَّذَيْنِ مِنْ بَعْدِي أَبِي بَكْرٍ، وَعُمَرَ.

حضرت حذیفہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تم لوگ میرے بعد ان دو کی یعنی ابوبکر و عمر کی پیروی کرنا۔

عَنْ حُذَيْفَةَ قَالَ: كُنَّا جُلُوسًا عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: إِنِّي لَا أَدْرِي مَا بَقَائِي فِيكُمْ، فَاقْتَدُوا

---

(۱) سورۃ اللیل

(۲) مرقاۃ المفاتیح ۱۱/۱۷۱، کتاب المناقب باب مناقب ابی بکر

بِاللَّذَيْنِ مِنْ بَعْدِي وَأَشَارَ إِلَى أَبِي بَكْرٍ وَعُمَرَ. (۱)

حضرت حذیفہ کہتے ہیں کہ ہم (ایک مرتبہ) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے نہیں معلوم کہ کب تک میں تم لوگوں میں باقی ہوں (یعنی میری زندگی کے کتنے دن باقی ہیں، یہ مجھے معلوم نہیں) لہذا تم لوگ میرے بعد ان دو شخصوں کی پیروی کرنا (جو یکے بعد دیگرے میرے جانشین اور خلیفہ ہوں گے) آپ نے ابوبکر وعمر کی طرف اشارہ فرمایا۔

ابوبکر وعمر کی خلافت کا ذکر

اس حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو اس بات کا حکم دیا کہ میرے بعد تم لوگ ابوبکر وعمر کی پیروی کرنا، اس ارشاد میں دراصل شیخین کی بالترتیب خلافت کی طرف اشارہ ہے کہ میرے بعد پہلے خلیفہ ابوبکر ہوں گے، ان کی تم لوگ پیروی کرنا پھر عمر خلیفہ ہوں گے، ان کی تم لوگ بات ماننا اور ان کی اقتدا کرنا، اس سے معلوم ہوا کہ ابوبکر وعمر کی خلافت حکم نبوی کے مطابق تھی۔ (۲)

عَنْ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ، قَالَ: كُنْتُ مَعَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذْ طَلَعَ أَبُو بَكْرٍ وَعُمَرُ، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: هَذَانِ سَيِّدَا كُهُولِ أَهْلِ الْجَنَّةِ مِنَ الْأَوَّلِينَ وَالْآخِرِينَ إِلَّا النَّبِيِّينَ وَالْمُرْسَلِينَ، يَا عَلِيُّ لَا تُخْبِرْهُمَا. (۳)

حضرت علی فرماتے ہیں کہ (ایک مرتبہ) میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا کہ اچانک ابوبکر وعمر ظاہر ہوئے (یعنی تشریف لائے) تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ دونوں اہل جنت میں سے ادھیڑ عمر لوگوں کے سردار ہوں گے، خواہ وہ پچھلے لوگ ہوں یا وہ آنے والے ہوں (یعنی سب ہی ادھیڑ عمر جنتیوں کے سردار ہوں گے) انبیاء اور رسولوں کے علاوہ اے علی! ان کو یہ بات (ابھی) نہ بتانا۔

عَنْ أَنَسٍ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِأَبِي بَكْرٍ وَعُمَرَ: هَذَانِ سَيِّدَا كُهُولِ أَهْلِ الْجَنَّةِ مِنَ الْأَوَّلِينَ وَالْآخِرِينَ إِلَّا النَّبِيِّينَ وَالْمُرْسَلِينَ. (۴)

حضرت انس فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوبکر وعمر کے متعلق ارشاد فرمایا: یہ دونوں اہل جنت میں سے ادھیڑ

---

(۱) سنن ابن ماجۃ، المقدمۃ، باب فی فضائل أصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، رقم: ۹۷۔

(۲) فیض القدیر للمناوی ۲/۵۶۔

(۳) کنز العمال، رقم: ۳۲۰۹۰۔

(۴) کنز العمال، رقم: ۳۲۶۵۲۔

عمر لوگوں کے، خواہ وہ پہلوں میں سے ہوں یا پچھلوں میں سے، سب کے سردار ہوں گے، انبیاء اور رسولوں کے علاوہ، اے علی! یہ بات (ابھی) ان کو مت بتانا۔

عَنْ عَلِيٍّ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: أَبُو بَكْرٍ وَعُمَرُ سَيِّدَا كُهُولِ أَهْلِ الْجَنَّةِ مِنَ الْأَوَّلِينَ وَالْآخِرِينَ مَا خَلَا النَّبِيِّينَ وَالْمُرْسَلِينَ، لَا تُخْبِرْهُمَا يَا عَلِيُّ.

حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ابوبکر و عمر اہل جنت میں سے ادھیڑ عمر لوگوں کے سردار ہوں گے، خواہ وہ پہلے لوگ ہوں یا پچھلے (سب ہی کے سردار ہوں گے) انبیاء اور رسولوں کے علاوہ، اے علی! ان دونوں کو یہ بات (ابھی) مت بتانا۔

مشکل الفاظ کے معنیٰ: طلع: ظاہر ہوئے، کھول: کہل کی جمع ہے: ادھیڑ عمر شخص یعنی تینتیس سے اکاون سال کی عمر کا آدمی، اس عمر میں انسان کی عقل کامل ہو جاتی ہے۔

ابوبکر و عمر اہل جنت کے سردار ہوں گے

مذکورہ احادیث میں دو باتیں بیان کی گئی ہیں:

۞ ابوبکر و عمر اہل جنت کے ادھیڑ عمر لوگوں کے سردار ہوں گے، سوال یہ ہے کہ جنت میں ہر شخص تینتیس سال کی عمر کا ہوگا، تو پھر اس حدیث میں ادھیڑ عمر کے لوگوں کا ذکر کیسے کیا گیا؟

اس کا جواب یہ ہے کہ ادھیڑ عمر سے وہ شخص مراد ہے، جو اس دنیا سے اس وقت رخصت ہوا، جس وقت اس کی ادھیڑ عمر شروع ہو چکی تھی یعنی اس کی عمر تینتیس سال سے تجاوز کر چکی تھی، اس کے یہ معنیٰ نہیں کہ جنت میں وہ ادھیڑ عمر کے ہوں گے۔

۞ ابوبکر و عمر جنت میں انبیاء اور رسولوں کے علاوہ، تمام اولین و آخرین میں سے اہل جنت کے سردار ہوں گے، خواہ ان کی وفات جوانی میں ہوئی ہو یا ادھیڑ عمر میں، چنانچہ ایک روایت میں اس کی تصریح بھی ہے کہ یہ دونوں حضرات جنت میں ان لوگوں کے بھی سردار ہوں گے، جن کی وفات دنیا میں جوانی میں ہوئی ہوگی، جبکہ حضرت حسن و حسین اہل جنت میں سے، صرف ان لوگوں کے سردار ہوں گے، جو نوجوان ہوں گے یعنی جن کی وفات دنیا میں جوانی میں ہوئی ہوگی۔(۱)

لا تخبرهما یا علی، اے علی! یہ بات ابوبکر و عمر کو مت بتانا، سوال یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت ابوبکر و عمر کو یہ بات بتانے سے حضرت علی کو کیوں منع کیا؟ شارحین حدیث نے اس کی مختلف توجیہات ذکر کی ہیں:

۱۔ آپ ﷺ نے اس لئے منع کیا، تاکہ آپ خود براہ راست ان دونوں کو یہ خوشخبری سنائیں، جس سے ان کو انتہائی زیادہ خوشی ہوگی اور یقین بھی کامل درجے کا حاصل ہوگا۔

---

(۱) مرقاۃ المفاتیح ۱۱/۲۱۱، کتاب المناقب، باب مناقب ابی بکر و عمر، رقم الحدیث: ۶۰۵۹۔

۲۔ ممکن ہے یہ بات پیش نظر ہو کہ قیامت کے دن اچانک جب ان کو اہل جنت کی سرداری کا بتایا جائے گا، تو ان کو بہت ہی زیادہ خوشی حاصل ہوگی کہ انہیں ایک ایسی نعمت حاصل ہوگئی، جوان کے وہم وگمان میں بھی نہیں تھی۔

۳۔ اس بات کا اندیشہ تھا کہ کہیں وہ یہ خوشی والی خبر سن کر زیادہ خوشی کی وجہ سے وفات ہی نہ پا جائیں، اس لیے آپ ﷺ نے ان کو بتانے سے منع کیا، تا کہ مناسب موقع پر آپ ﷺ خود ان کو اس انداز سے یہ خوشخبری سنائیں گے، جس سے انہیں موت نہیں آئے گی، بلکہ خوشی ہی خوشی ہوگی۔(۱)

عَنْ أَبِي سَعِيدٍ، قَالَ: قَالَ أَبُو بَكْرٍ: أَلَسْتُ أَحَقَّ النَّاسِ بِهَا؟ أَلَسْتُ أَوَّلَ مَنْ أَسْلَمَ؟ أَلَسْتُ صَاحِبَ كَذَا، أَلَسْتُ صَاحِبَ كَذَا؟.

حضرت ابو سعید خدری سے روایت ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق نے فرمایا: کیا میں لوگوں میں خلافت کا سب سے زیادہ حقدار نہیں ہوں؟ کیا میں نے سب سے پہلے اسلام قبول نہیں کیا؟ کیا مجھے یہ فضیلت حاصل نہیں؟ کیا مجھے یہ فضیلت حاصل نہیں؟

اپنی خلافت کے بارے میں صدیق اکبر کا کلام

اس حدیث میں حضرت صدیق اکبر نے اپنی چند خصوصیات کی طرف اشارہ کر کے یہ فرمایا کہ میں ہی لوگوں میں سب سے زیادہ خلافت کا اہل اور مستحق ہوں، میں نے مردوں میں سب سے پہلے اسلام قبول کیا، میں آپ ﷺ کا ہجرت کا ساتھی ہوں، غار ثور کا ساتھی ہوں..... یہ یہ فضیلتیں مجھے حاصل ہیں، لہٰذا خلافت کا مستحق بھی میں ہی ہوں۔(۲)

عَنْ أَنَسٍ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَخْرُجُ عَلَى أَصْحَابِهِ مِنَ الْمُهَاجِرِينَ وَالأَنْصَارِ، وَهُمْ جُلُوسٌ، وَفِيهِمْ أَبُو بَكْرٍ وَعُمَرُ، فَلَا يَرْفَعُ إِلَيْهِ أَحَدٌ مِنْهُمْ بَصَرَهُ، إِلَّا أَبُو بَكْرٍ وَعُمَرُ، فَإِنَّهُمَا كَانَا يَنْظُرَانِ إِلَيْهِ وَيَنْظُرُ إِلَيْهِمَا، وَيَتَبَسَّمَانِ إِلَيْهِ، وَيَتَبَسَّمُ إِلَيْهِمَا.(۳)

حضرت انس سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنے مہاجر اور انصار صحابہ کی طرف نکلا کرتے تھے، وہ بیٹھے ہوتے اور ان میں ابو بکر وعمر بھی ہوتے تھے، ان میں سے کوئی بھی اپنی نظر اٹھا کر نبی کریم ﷺ کی طرف (ہیبت کی وجہ سے) نہیں دیکھ سکتا تھا سوائے ابو بکر وعمر کے، یہ دونوں آپ ﷺ کی طرف دیکھتے تھے اور آپ ﷺ بھی ان کی طرف دیکھتے تھے، اور یہ دونوں حضرات آپ ﷺ کو دیکھ کر مسکراتے تھے اور آپ ﷺ ان کو دیکھ کر مسکراتے

(۱) الکوکب الدری ۴/۴۰۰
(۲) تحفۃ الاحوذی ۱۰/۱۴۵
(۳) مسند احمد ۳/۱۵۰۔

تھے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شیخین کو دیکھ کر مسکراتے

بسا اوقات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے مبارک حجرے سے نکل کر انصار اور مہاجرین کی جماعت میں تشریف لے جاتے، ان میں حضرت ابوبکر وعمر بھی تشریف فرما ہوتے، کوئی بھی صحابی آپ کی طرف ہیبت اور رعب کی وجہ سے اپنی نظر اٹھا کر نہیں دیکھ سکتا تھا، ہاں ابوبکر وعمر آپ کو اور آپ ان کو دیکھتے اور ایک دوسرے کی طرف دیکھ کر مسکراتے اور تبسم فرماتے، جو آپس میں انتہائی محبت کی علامت ہوتی ہے، یہ بھی حضرات شیخین کی ایک اہم خصوصیت ہے۔(۱)

عَنْ ابْنِ عُمَرَ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَرَجَ ذَاتَ يَوْمٍ وَدَخَلَ الْمَسْجِدَ وَأَبُو بَكْرٍ وَعُمَرُ، أَحَدُهُمَا عَنْ يَمِينِهِ وَالآخَرُ عَنْ شِمَالِهِ وَهُوَ آخِذٌ بِأَيْدِيهِمَا، وَقَالَ: هٰكَذَا نُبْعَثُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ.(۲)

حضرت عبداللہ بن عمر فرماتے ہیں کہ ایک دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم (گھر سے) نکلے اور مسجد میں اس طرح داخل ہوئے کہ ابوبکر وعمر میں سے ایک (یعنی صدیق اکبر) آپ کی دائیں جانب تھے اور دوسرے (یعنی عمر) آپ کی بائیں جانب تھے، اور آپ نے دونوں کے ہاتھ پکڑے ہوئے تھے، اور فرمایا: ہم قیامت کے دن اسی طرح (قبروں سے) اٹھائے جائیں گے۔

قیامت کے دن ابوبکر وعمر حضور کے ساتھ اٹھیں گے

اس حدیث میں حضرات شیخین کی ایک اور خصوصیت اور فضیلت کا ذکر ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قیامت کے دن ابوبکر وعمر میرے ساتھ قبروں سے اٹھیں گے، آپ کی دائیں جانب صدیق اکبر اور بائیں جانب حضرت عمر ہوں گے۔(۳)

عَنْ ابْنِ عُمَرَ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لِأَبِي بَكْرٍ: أَنْتَ صَاحِبِي عَلَى الْحَوْضِ، وَصَاحِبِي فِي الْغَارِ.(۴)

حضرت عبداللہ بن عمر کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوبکر سے فرمایا: تم میرے حوض کوثر کے ساتھی ہو اور (دنیا میں) میرے غار کے ساتھی بھی ہو۔

---

(۱) مرقاۃ المفاتیح ۲۱۲/۱۱، کتاب المناقب باب مناقب ابی بکر وعمر

(۲) سنن ابن ماجۃ، المقدمۃ، رقم:۹۹۔

(۳) مرقاۃ ۲۱۳/۱۱، رقم الحدیث:۶۰۶۳

(۴) کنز العمال، رقم:۳۲۵۵۹۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے یار غار

اس حدیث میں حضرت صدیق اکبرؓ کی چند خصوصیات کا ذکر ہے:

۞ سفر ہجرت میں حضرت صدیق اکبر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غار ثور میں چھپے تھے، جو جبل ثور پر واقع ہے، اس خصوصیت میں صدیق اکبر کے ساتھ اور کوئی شریک نہیں۔

۞ قرآن مجید کی اس آیت ثانی اثنین اذھما فی الغار اذیقول لصاحبہ، میں بالاتفاق ''صاحبہٖ'' سے صدیق اکبر ہی مراد ہیں، یہ آیت صدیق اکبر کی رفاقت اور صحابیت پر نص قطعی ہے، لہٰذا جو شخص حضرت صدیق اکبر کی صحابیت سے انکار کرے تو وہ کافر ہو جائے گا، جبکہ دیگر صحابہؓ حضرت عمر، عثمان اور حضرت علی وغیرہ کی صحابیت سے انکار کرنے والا کافر نہیں، بلکہ فاسق و فاجر اور گمراہ ہو جاتا ہے۔

۞ قیامت کے دن صدیق اکبر حوض کوثر پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ ہوں گے۔(۱)

عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ حَنْطَبٍ، أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَأَى أَبَا بَكْرٍ وَعُمَرَ فَقَالَ: هَذَانِ السَّمْعُ وَالْبَصَرُ. (۲)

حضرت عبداللہ بن حنطب سے روایت ہے کہ (ایک دن) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کو دیکھ کر فرمایا: یہ دونوں (میرے حق میں) کان اور آنکھ (کے درجے میں) ہیں۔

شیخین کی فضیلت میں ایک اہم مثال

اس حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرات شیخینؓ کو کان اور آنکھ کے درجے میں قرار دیا ہے، ھذان السمع والبصر سے کیا مراد ہے؟ اس تشبیہ کا کیا مطلب ہے؟

ملا علی قاری رحمہ اللہ نے اس کے مختلف مفہوم بیان کئے ہیں، جن کی تفصیل یہ ہے:

۱۔ جسم کے اعضاء میں جس طرح کان اور آنکھ کی خصوصی اہمیت اور حیثیت ہوتی ہے، ان کے بغیر اس انسان کا جسم اور اس کا حسن و جمال مکمل نہیں ہوتا، اسی طرح یہ دونوں حضرات یعنی ابوبکر و عمر اپنے مخصوص کارناموں اور فضائل کی وجہ سے تمام مسلمانوں میں سب سے اہم شرف اور مقام رکھتے ہیں۔

۲۔ ان دونوں حضرات کا مقام و مرتبہ، دین اسلام میں ایسا ہے، جیسے اعضاء میں کان اور آنکھ کا درجہ ہے۔

(۱) مرقاۃ المفاتیح، ۱۱/۱۷۲، کتاب المناقب باب مناقب ابی بکر، رقم الحدیث: ۶۰۲۸

(۲) المستدرک للحاکم ۳/۶۹۔

۳۔ یہ مطلب بھی ہوسکتا ہے کہ یہ دونوں حضرات میرے لئے بمنزلہ کان اور آنکھ کے ہیں، ان کے واسطے سے میں سنتا ہوں اوران کے واسطے سے میں دیکھتا ہوں، یعنی یہ دونوں میرے خاص مشیران اور میرے وزراء ہیں۔

۴۔ قاضی عیاض فرماتے ہیں کہ ان کو کان اور آنکھ کہہ کر اس طرف اشارہ کرنا مقصود ہے کہ یہ دونوں حضرات حق بات کے سننے اوراس پر عمل کرنے میں انتہائی زیادہ مشتاق رہتے ہیں، اور اللہ جل جلالہ کی قدرت کی نشانیوں پر، خواہ وہ ان کے نفسوں میں ہوں، یا کائنات میں پھیلی ہوں، ان میں خوب غور وفکر اور تدبر کرتے ہیں، یوں وہ اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ تعلق میں آگے بڑھتے چلے جاتے ہیں۔(۱)

عَنْ عَائِشَةَ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: مُرُوا أَبَا بَكْرٍ فَلْيُصَلِّ بِالنَّاسِ، فَقَالَتْ عَائِشَةُ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ: إِنَّ أَبَا بَكْرٍ إِذَا قَامَ مَقَامَكَ، لَمْ يُسْمِعِ النَّاسَ مِنَ الْبُكَاءِ، فَأْمُرْ عُمَرَ فَلْيُصَلِّ بِالنَّاسِ، قَالَتْ: فَقَالَ: مُرُوا أَبَا بَكْرٍ فَلْيُصَلِّ بِالنَّاسِ، قَالَتْ عَائِشَةُ: فَقُلْتُ لِحَفْصَةَ: قُولِي لَهُ إِنَّ أَبَا بَكْرٍ إِذَا قَامَ مَقَامَكَ لَمْ يُسْمِعِ النَّاسَ مِنَ الْبُكَاءِ، فَأْمُرْ عُمَرَ فَلْيُصَلِّ بِالنَّاسِ، فَفَعَلَتْ حَفْصَةُ، فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنَّكُنَّ لَأَنْتُنَّ صَوَاحِبُ يُوسُفَ، مُرُوا أَبَا بَكْرٍ فَلْيُصَلِّ بِالنَّاسِ، فَقَالَتْ حَفْصَةُ لِعَائِشَةَ: مَا كُنْتُ لِأُصِيبَ مِنْكِ خَيْرًا.(۲)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ابوبکر سے کہو کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں، حضرت عائشہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ ابوبکر جب (نماز پڑھانے کے لئے) آپ کی جگہ کھڑے ہوں گے، تو وہ رونے کی وجہ سے لوگوں کو (اپنی قراءت کی) آواز نہیں سنا سکیں گے، لہذا آپ عمر کو حکم دیں کہ وہ لوگوں کو جماعت کرائیں، حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ آپ ﷺ نے پھر یہی فرمایا: ابوبکر سے کہو کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں، حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ پھر میں نے حفصہ سے کہا کہ: تم آپ ﷺ سے کہو کہ ابوبکر جب آپ کی جگہ کھڑے ہوں گے تو رونے کی وجہ سے لوگوں کو اپنی قراءت کی آواز نہیں سنا سکیں گے، اس لئے آپ عمر کو حکم دیں کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں، چنانچہ حضرت حفصہ نے جب یہ بات کہی تو آپ ﷺ نے فرمایا: تم لوگ تو یوسف کی عورتوں کی طرح ہو، جاؤ، ابوبکر کو حکم دو کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں، پھر حفصہ، عائشہ سے کہنے لگیں کہ تم سے مجھے کبھی خیر نہیں پہنچی۔

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَا يَنْبَغِي لِقَوْمٍ فِيهِمْ أَبُو بَكْرٍ أَنْ يَؤُمَّهُمْ غَيْرُهُ.(۳)

حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: کسی قوم کے لئے مناسب نہیں، جن میں ابوبکر ہوں کہ

---

(۱) مرقاۃ المفاتیح ۱۱/۲۱۳، کتاب المناقب باب مناقب ابی بکر و عمر

(۲) الموطأ للمالک، کتاب قصر الصلاۃ فی السفر باب جامع الصلاۃ، رقم: ۸۳، الصحیح للبخاری، الأذان، باب أهل العلم والفضل، رقم: ۶۷۸۔

(۳) کنز العمال، رقم: ۳۲۵۶۷۔

ان کی امامت ابوبکر کے علاوہ اور کوئی شخص کرے۔

صدیق اکبر نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی میں سترہ نمازیں پڑھائیں

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طبیعت وفات سے چار دن پہلے بہت خراب ہوگئی تھی، اتنی ہمت بھی نہیں تھی کہ آپ نماز پڑھا سکیں، آپ نے حکم دیا کہ ابوبکر سے کہو کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں، حضرت عائشہ نے عرض کیا کہ میرے والد انتہائی نرم دل ہیں، وہ نماز میں روتے ہیں، جس کی وجہ سے وہ لوگوں کو قراءت کی آواز نہیں سنا سکیں گے، لہذا آپ عمر سے کہیں کہ وہ نماز پڑھا دیں، یہ بات سن کر پھر آپ نے یہی فرمایا کہ ابوبکر سے کہو کہ وہ نماز پڑھا دیں، پھر حضرت عائشہؓ نے حضرت حفصہ سے کہا کہ تم حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ بات کہو، انہوں نے ایسا کرلیا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پھر بھی یہی فرمایا کہ ابوبکر سے کہو کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں؛ چنانچہ صدیق اکبر نے آپ کی زندگی میں سترہ نمازیں پڑھائیں۔

دوسری حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صدیق اکبر کی فضیلت میں فرمایا کہ جس مقام پر صدیق اکبر موجود ہوں، وہاں ان کے علاوہ کسی اور کے لئے امامت کرانا ہرگز مناسب نہیں، ان تمام روایات سے صدیق اکبر کا بلند مقام ثابت ہوتا ہے۔

انکن لا نتن صواحب یوسف، اس میں خطاب کی ضمیر اگرچہ جمع ہے، لیکن اس سے صرف حضرت عائشہؓ مراد ہیں، جیسا کہ صواحب کا لفظ جمع ہے اور مراد اس سے صرف حضرت زلیخہ ہیں، اس جملے میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عائشہ کو حضرت یوسف کی عورتوں یعنی حضرت زلیخا کے ساتھ تشبیہ دی ہے، یہ تشبیہ اس چیز میں ہے کہ ظاہر میں کچھ کہا یا کیا جا رہا ہے اور دل میں کچھ اور ہے، چنانچہ حضرت زلیخا نے بظاہر تو ان عورتوں کی کھانے کی دعوت کی، اور ان کی مہمان نوازی کی لیکن ان کے دل میں یہ بات تھی کہ وہ حضرت یوسف کے حسن و جمال کو دیکھیں اور مجھے ان کے ساتھ محبت کرنے میں معذور قرار دیں، اسی طرح حضرت عائشہ کے ذہن میں بات کچھ اور تھی اور ظاہر میں انہوں نے دوسری بات کی، ظاہر میں یہ کہا کہ میرے والد ابوبکر کو امام نہ بنائیں، ان کی قراءت کی آواز نمازیوں تک نہیں پہنچ سکے گی، کیونکہ وہ نماز میں روتے بہت ہیں اور دل میں یہ بات تھی کہ اگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اسی بیماری میں وفات پاگئے، جس میں صدیق اکبر آپ کی جگہ پر امامت کرائیں تو لوگ ابوبکر کو منحوس سمجھیں گے، اس لئے حضرت عائشہ نے زبان سے دوسری بات کی اور حضرت حفصہ سے بھی وہی بات کہلوائی۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس جملے سے حضرت عائشہ کو ڈانٹ رہے ہیں کہ تم لوگ مجھے اپنے مقصد میں یوں پھسلا رہی ہو، جس طرح زلیخا اور اس کی عورتوں نے حضرت یوسف کو پھسلانے کی کوشش کی، وہ عورتیں حضرت یوسف کو سمجھانے لگیں کہ تم اپنی مالکہ کی بات مان لو، ان کے مقصد کو پورا کرو، بظاہر تو وہ یہ بات کر رہی تھیں، لیکن دل ہی دل میں وہ خود بھی حضرت یوسف کے حسن و جمال کو دیکھ کر ان پر فریفتہ ہوچکی تھیں، اور اپنے دل حضرت یوسف کو دے چکی تھیں، اسی طرح عائشہ تم لوگ بھی مجھے بظاہر ایک بات کہہ رہی ہو، جبکہ تمہارے دل میں بھی بات دوسری ہے۔

انکن، انتن اور صواحب اگرچہ یہ تینوں الفاظ جمع ہیں لیکن بسا اوقات جمع کا لفظ دو پر بھی بولا جاتا ہے، بظاہر انکن اور انتن میں حضرت عائشہؓ وحضرت حفصہ دونوں کو خطاب ہے لیکن مراد اس سے صرف حضرت عائشہ ہی ہیں، اور کبھی جمع کا لفظ، تعظیم و تکریم کی وجہ سے ایک پر بھی بولا جاتا ہے، لہذا صواحب سے اگر صرف حضرت زلیخا مراد ہوں، تو تعظیماً ان کو جمع کے لفظ سے بیان کیا گیا ہے، اور اگر صواحب سے زلیخا اور ان کی تمام عورتیں مراد ہوں، تو پھر جمع کا لفظ اپنے اصل مفہوم کے لحاظ سے ذکر کیا گیا ہے۔

ما کنت لأصیب منک خیرا، حضرت حفصہ کو جب آپ ﷺ نے یہ فرمایا کہ انکن لانتن صواحب یوسف تو پھر حضرت حفصہ نے حضرت عائشہ سے فرمایا: مجھے تم سے کبھی کوئی خیر نہیں پہنچی، کیونکہ بسا اوقات حضرت عائشہ، حضرت حفصہ کو اپنی باتوں میں لگا کر استعمال کیا کرتی تھیں، شہد والے واقعہ میں بھی حضرت عائشہ نے ان کو استعمال کیا، اور یہاں پر بھی امامت کے مسئلے میں حضرت عائشہ نے حضرت حفصہ سے ایک بات حضور کے سامنے کہلوا دی، جس کی وجہ سے حضرت حفصہ کو بھی ڈانٹ پڑی، اس لئے حضرت حفصہ نے حضرت عائشہ سے کہا کہ مجھے تم سے خیر کی کوئی امید نہیں، اور مجھے تم سے کبھی کوئی خیر نہیں پہنچی۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ تین بار کے بعد جواب نہیں دیتے تھے، یہاں پر حضرت حفصہ نے تیسری بار آپ سے امام سے متعلق بات کی، تو آپ نے ان پر ناگواری کا اظہار کرتے ہوتے یوں فرمایا: انکن لانتن صواحب یوسف، اس سے حضرت حفصہ کو حضرت عائشہ پر غصہ آگیا اور پھر حضرت عائشہ سے کہنے لگیں: مجھے تم سے کبھی کوئی خیر نہیں ملی۔(۱)

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: مَنْ أَنْفَقَ زَوْجَيْنِ فِي سَبِيلِ اللهِ نُودِيَ فِي الْجَنَّةِ: يَا عَبْدَ اللهِ: هٰذَا خَيْرٌ، فَمَنْ كَانَ مِنْ أَهْلِ الصَّلَاةِ دُعِيَ مِنْ بَابِ الصَّلَاةِ، وَمَنْ كَانَ مِنْ أَهْلِ الْجِهَادِ دُعِيَ مِنْ بَابِ الْجِهَادِ، وَمَنْ كَانَ مِنْ أَهْلِ الصَّدَقَةِ دُعِيَ مِنْ بَابِ الصَّدَقَةِ، وَمَنْ كَانَ مِنْ أَهْلِ الصِّيَامِ دُعِيَ مِنْ بَابِ الرَّيَّانِ، فَقَالَ أَبُو بَكْرٍ: بِأَبِي أَنْتَ وَأُمِّي: مَا عَلَى مَنْ دُعِيَ مِنْ هٰذِهِ الْأَبْوَابِ مِنْ ضَرُورَةٍ، فَهَلْ يُدْعَى أَحَدٌ مِنْ تِلْكَ الْأَبْوَابِ كُلِّهَا؟ قَالَ: نَعَمْ، وَأَرْجُو أَنْ تَكُونَ مِنْهُمْ.(۲)

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص اللہ کے راستے میں کسی چیز کا ایک جوڑا خرچ کرے گا، اسے جنت میں پکارا جائے گا: اے اللہ کے بندے یہ (جنت یا یہ دروازہ) تیرے لئے بہتر ہے، لہذا جو شخص نماز والوں میں سے ہوگا، اسے نماز کے دروازے سے بلایا جائے گا اور جو جہاد والوں میں سے ہوگا، اسے جہاد کے دروازے سے بلایا جائے گا، اور جو صدقہ خیرات والوں میں سے ہوگا، اسے صدقہ کے دروازے سے بلایا جائے گا، اور جو روزے والوں میں سے ہوگا، اسے باب الریان (سیراب کرنے والے دروازے) سے بلایا جائے گا،

---

(۱) فتح الباری ۱۹۴/۲، کتاب الاذان، باب حد المریض ان یشھد الجماعۃ حدیث: ۶۶۴، الکوکب الدری ۴/۱۰۴، ۲۰۲
(۲) سنن النسائی، الجہاد، باب فضل من أنفق زوجین....، رقم: ۳۱۳۵۔

صدیق اکبرؓ نے عرض کیا: میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں، جو شخص ان دروازوں میں سے کسی ایک دروازے سے بھی بلالیا جائے، اس کو تو پھر تمام دروازوں سے بلائے جانے کی کوئی ضرورت نہیں (کیونکہ ایک دروازے سے جنت میں داخل ہونے کا مقصد پورا ہو جائے گا) کیا کوئی ایسا شخص بھی ہوگا، جسے ان تمام دروازوں سے بلایا جائے گا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں، اور مجھے امید ہے کہ تم انہی لوگوں میں سے ہوگے (جنہیں تمام دروازوں سے بلایا جائے گا)

صدیق اکبر کو جنت کے تمام دروازوں سے بلایا جائے گا

اس حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جنت کے چار دروازوں کا ذکر کیا ہے، باب الصلاۃ، باب الجہاد، باب الصدقہ اور باب الریان کا، جبکہ جنت کے آٹھ دروازے ہیں، پانچواں دروازہ حج کا ہے یعنی باب الحج، چھٹا دروازہ باب الکاظمین الغیظ والعافین عن الناس ہے، اس میں وہ لوگ داخل ہوں گے جو غصے پر قابو پانے والے اور لوگوں کو معاف کرتے ہیں، ساتواں دروازہ باب المتوکلین ہے، جس میں اللہ جل شانہ پر توکل کرنے والے داخل ہوں گے، آٹھواں دروازہ کونسا ہے؟ اس کی تعیین میں شارحین کے مختلف اقوال ہیں: باب الذکر، باب العلم، باب التوبۃ اور بعض کے نزدیک باب الضحیٰ یعنی چاشت کی نماز پڑھنے والوں کے لئے یہ دروازہ ہوگا جس میں وہ داخل ہوں گے۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جس شخص نے جو بھی نیک عمل کیا ہوگا، اسے اس عمل کے دروازے سے جنت میں داخل ہونے کے لئے بلایا جائے گا، اس کی تائید حضرت ابوہریرہ کی ایک روایت سے بھی ہوتی ہے جسے امام احمد نے مسند احمد میں نقل کیا ہے، اس میں یہ الفاظ ہیں: لکل عامل باب من ابواب الجنۃ یدعی منہ بذلک العمل (ہر عمل کرنے والے کے لئے جنت کا ایک دروازہ ہوگا، جس سے اس آدمی کو اس عمل کی وجہ سے بلایا جائے گا)۔

حضرت صدیق اکبر نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ مقصد تو جنت میں داخلہ ہے وہ تو ایک دروازے سے ہی حاصل ہو جائے گا تو پھر تمام دروازوں سے اسے بلانے کی کیا ضرورت ہے، نیز یہ پوچھا کہ کیا کوئی ایسا بھی ہوگا، جسے جنت کے تمام دروازوں سے بلایا جائے گا؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جی ہاں! اور مجھے امید ہے کہ آپ ان لوگوں میں سے ہوں گے، جنہیں جنت کے تمام دروازوں سے بلایا جائے گا۔

اس حدیث سے حضرت صدیق اکبر کی فضیلت ثابت ہوتی ہے کہ انہیں جنت کے تمام دروازوں سے اعزاز واکرام اور تعظیم کی وجہ سے بلایا جائے گا۔

من انفق زوجین فی سبیل اللہ، زوجین سے جوڑا اور دو چیزیں مراد ہیں جیسے دو روپے، دو اونٹ، دو بکریاں، اور دو گدھے وغیرہ، فی سبیل اللہ سے کیا مراد ہے؟ اس میں دو قول ہیں:

۞ اس سے اللہ کی رضا کے لئے جہاد اور کفار سے قتال مراد ہے۔
۞ اس سے عموم مراد ہے، خواہ وہ جہاد کا راستہ ہو، یا اس کے علاوہ دین کا اور کوئی شعبہ ہو۔

ماعلی من دعی من ھذہ الابواب من ضرورۃ اس میں لفظ "ما" نفی کے لئے ہے، اور من ضرورۃ اس کا اسم ہے اور "من" زائدہ ہے۔

نعم وارجوان تکون منھم، اس میں لفظ رجاء اگر چہ امید کے معنی میں ہے، جس میں دونوں طرح کا احتمال ہوتا ہے، یہ بھی ہوسکتا ہے کہ کام ہوجائے اور یہ بھی کہ کام نہ ہو، لیکن جب لفظ رجاء کی نسبت اللہ جل شانہ اور نبی کریم ﷺ کی طرف ہو، تو اس سے امر یقینی مراد ہوتا ہے کہ یہ کام ضرور ہوگا، جس میں کسی بھی طرح کا کوئی شک نہیں۔(۱)

عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ، يَقُولُ: أَمَرَنَا رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ نَتَصَدَّقَ فَوَافَقَ ذٰلِكَ عِنْدِي مَالًا، فَقُلْتُ: الْيَوْمَ أَسْبِقُ أَبَا بَكْرٍ إِنْ سَبَقْتُهُ يَوْمًا، قَالَ: فَجِئْتُ بِنِصْفِ مَالِي، فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَا أَبْقَيْتَ لِأَهْلِكَ؟ قُلْتُ: مِثْلَهُ، وَأَتَى أَبُو بَكْرٍ بِكُلِّ مَا عِنْدَهُ، فَقَالَ: يَا أَبَا بَكْرٍ: مَا أَبْقَيْتَ لِأَهْلِكَ؟ قَالَ: أَبْقَيْتُ لَهُمُ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ، قُلْتُ: لَا أَسْبِقُهُ إِلَى شَيْءٍ أَبَدًا.(۲)

حضرت عمر بن خطاب فرماتے ہیں کہ ہمیں رسول اللہ ﷺ نے (غزوہ تبوک کے موقع پر) حکم دیا کہ ہم صدقہ دیں، چنانچہ صدقہ کا یہ حکم میرے پاس مال کے موافق ہوا، (یعنی اتفاق سے ان دنوں میرے پاس مال بھی تھا) میں سوچنے لگا کہ آج میں ابوبکر سے سبقت لے جاؤں گا (یعنی آگے بڑھ جاؤں گا) اگر میں ان سے کسی دن سبقت لے جاسکا تو، حضرت عمر کہتے ہیں کہ میں اپنا آدھا مال لے کر حاضر خدمت ہوا، آپ ﷺ نے فرمایا: اپنے گھر والوں کے لئے کتنا مال چھوڑ کر آئے ہو؟ میں نے عرض کیا: اتنا ہی جتنا ساتھ لایا ہوں (یعنی آدھا مال چھوڑ کر آیا ہوں) اور ابوبکر وہ تمام مال لے کر آئے، جو ان کے پاس اس وقت موجود تھا، آپ ﷺ نے فرمایا: اے ابوبکر اپنے اہل خانہ کے لئے کتنا مال باقی چھوڑا ہے؟ صدیق اکبر نے عرض کیا: میں ان کے لئے اللہ اور اس کے رسول کو چھوڑ کر آیا ہوں، حضرت عمر فاروق فرماتے ہیں: میں نے دل میں کہا کہ میں ابوبکر سے کبھی بھی کسی چیز میں سبقت نہیں کرسکتا۔

مشکل الفاظ کے معنی: وافق ذلک عندی مالا: صدقہ کا یہ حکم میرے پاس مال کے موافق ہوا، یعنی اتفاق سے جب آپ ﷺ نے صدقہ کا حکم دیا تو اس وقت میرے پاس کافی مال موجود تھا، ان سبقتہ یوما: لفظ "ان" میں دو احتمال ہیں: (۱) یہ ان شرطیہ ہو، اس صورت میں یہ جملہ شرط ہوگا اور اس کی جزاء یا تو مقدم ہے یعنی یہ جملہ: الیوم اسبق ابابکر، اور یا اس کی جزاء

---

(۱) فتح الباری ۳۴/۷، کتاب فضائل اصحاب النبی ﷺ، باب قول النبی ﷺ لو کنت متخذا خلیلا، مرقاۃ المفاتیح ۳۴۰/۴، کتاب الزکاۃ باب فضل الصدقۃ حدیث نمبر: ۱۸۹۰

(۲) سنن ابی داؤد، الزکاۃ، باب الرخصۃ فی ذلک، رقم: ۱۶۷۸۔

محذوف ہے، اور وہ یہ ہے: فھذا یومہ، پورے شرطیہ جملے کا ترجمہ یوں ہوگا: اگر میں کسی دن ابوبکر سے آگے بڑھ سکتا ہوں تو وہ آج کا ہی دن ہے، (۲) یہ بھی ہوسکتا ہے کہ لفظ "ان" نفی کے لئے ہو، اس صورت میں ترجمہ یہ ہوگا: میں ابوبکر سے کسی بھی دن آگے نہیں بڑھ سکا۔

خیر کے کاموں میں عمر فاروق، صدیق اکبر سے کبھی آگے نہ بڑھ سکے

اس حدیث میں بھی حضرت صدیق اکبر کی فضیلت کا ذکر ہے کہ ہمیشہ خیر کے کاموں میں حضرت صدیق اکبر، حضرت عمر فاروق سے فائق ہی رہے، مذکورہ حدیث میں جب نبی کریم ﷺ نے صدقہ کا حکم دیا تو حضرت عمر فاروق اپنے مال میں سے آدھا مال صدقہ کے لئے لے آئے اور آدھا مال گھر کے اخراجات کے لئے چھوڑ دیا، جبکہ حضرت صدیق اکبر اپنا سارا مال ہی صدقہ کے لئے لے آئے، اور یہ کہا کہ میں گھر میں اللہ اور اس کے رسول کو چھوڑ کر آیا ہوں یعنی ان کی رضا اور خوشنودی کا طلب گار ہوں۔

تب حضرت عمر نے دل میں کہا: لا اسبقہ الی شیء ابدا۔ میں ابوبکر پر کبھی بھی سبقت نہیں لے جا سکوں گا، کیونکہ حضرت عمر نے سوچا تھا کہ آج میں صدیق اکبر پر بہر حال سبقت لے جاؤں گا، لیکن اس کے برعکس جب ان کے جذبہ ایثار کو دیکھا کہ تنگی کے باوجود صدیق اکبر اپنا موجود سارا مال اللہ کے راستے میں صدقہ کے لئے پیش کر رہے ہیں، تو انہیں یقین ہوگیا کہ میں اب کبھی بھی ان پر سبقت نہیں لے جا سکتا، اور بعض روایتوں میں ہے کہ اس موقع پر نبی کریم ﷺ نے دونوں کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا: ما بینکما کما بین کلمتیکما۔ (تمہارے درمیان مرتبہ اور مقام کے اعتبار سے وہی فرق ہے، جو تم دونوں کے مذکورہ کلام میں فرق پایا جاتا ہے)۔(۱)

عَنْ جُبَيْرِ بْنِ مُطْعِمٍ أَخْبَرَهُ، أَنَّ امْرَأَةً أَتَتْ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَكَلَّمَتْهُ فِي شَيْءٍ فَأَمَرَهَا بِأَمْرٍ، فَقَالَتْ: أَرَأَيْتَ يَا رَسُولَ اللهِ إِنْ لَمْ أَجِدْكَ؟ قَالَ: إِنْ لَمْ تَجِدِينِي فَأْتِي أَبَا بَكْرٍ. (۲)

حضرت جبیر بن مطعم فرماتے ہیں کہ (ایک دن) نبی کریم ﷺ کی خدمت میں ایک عورت حاضر ہوئی اور کسی معاملہ میں آپ ﷺ سے گفتگو کی، چنانچہ آپ نے اسے کوئی حکم دیا، وہ کہنے لگی: اگر میں دوبارہ حاضر خدمت ہوں اور آپ کو نہ پاؤں، تو میں کیا کروں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اگر تم مجھے نہ پاؤ تو ابوبکر کے پاس چلی جانا۔

صدیق اکبر کی خلافت

اس حدیث میں دو چیزوں کا ذکر ہے:

---

(۱) مرقاۃ المفاتیح ۱۱/۱۷۳، کتاب المناقب، باب مناقب ابی بکر

(۲) الصحیح للبخاری، کتاب الأحکام، باب الاستخلاف، رقم: ۷۲۲۰۔

۱۔ صدیق اکبر کی فضیلت کا بیان ہے۔

۲۔ نبی کریم ﷺ نے حضرت صدیق اکبر کو اپنی موت کے بعد اپنا قائم مقام اور خلیفہ بنایا، حدیث مذکور میں جس خاتون کا ذکر ہے، یہ مدینہ سے باہر ذرا دور رہتی تھی، اس نے حضور ﷺ سے کسی معاملہ میں گفتگو کی تو آپ نے اسے ایک امر کا حکم دیا یعنی اسے یہ کہا کہ وہ کسی اور وقت میں آپ کے پاس آئے تا کہ اطمینان سے اس کی بات کا جواب دیں یا اس کی حاجت پوری کریں، اس نے پھر عرض کیا کہ اگر میں دوبارہ آؤں اور آپ کو دنیا میں نہ پاؤں یعنی آپ کی وفات ہو چکی ہو تو پھر کس کے پاس جاؤں، بظاہر یہ عورت آپ کے پاس اس وقت آئی تھی، جب آپ مرض الوفات میں مبتلا تھے، اس لئے اسے اندیشہ ہوا کہ اگر میں کچھ دنوں کے بعد آئی تو شاید آپ اس دنیا میں موجود نہیں ہوں گے، تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ ایسے میں تم صدیق اکبرؓ کے پاس چلی جانا، وہ میرے بعد خلیفہ ہوں گے، اس حدیث میں گویا حضرت صدیق اکبر کی خلافت کی طرف اشارہ ہے کہ آپ کے بعد وہ خلیفہ اول ہوں گے، پھر ایسا ہی ہوا، اور تمام صحابہ کا ان کی خلافت پر اجماع اور اتفاق تھا۔

اسماعیلی نے اپنی معجم میں حضرت سہل بن ابی حثمہ کی روایت نقل کی ہے کہ ایک بدو نے کچھ اونٹ آپ ﷺ کو بیچے اور یہ طے ہوا کہ بعد میں رقم کی ادائیگی کر دیں گے، اس بدو نے کہا کہ اگر آپ کی وفات ہو جائے تو پھر ان کی قیمت کون ادا کرے گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ابوبکر، اگر ان کی موت ہو جائے تو عمر ادا کریں گے، اگر ان کی بھی وفات ہو جائے تو عثمان ان کی قیمت ادا کر دیں گے، اس حدیث میں اس طرف اشارہ ہے کہ آپ کے بعد خلافت اس ترتیب سے ہو گی کہ پہلے خلیفہ صدیق اکبر، دوسرے حضرت عمر اور تیسرے خلیفہ حضرت عثمان غنی ہوں گے۔(۱)

عَنْ عَائِشَةَ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَمَرَ بِسَدِّ الْأَبْوَابِ إِلَّا بَابَ أَبِي بَكْرٍ.

حضرت عائشہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ابوبکر کے دروازے کے علاوہ تمام دروازے (جو مسجد نبوی میں کھلتے تھے) بند کرنے کا حکم دیا۔

اس حدیث سے متعلق تفصیلی بحث اس سے پہلے اس عنوان کے تحت گذر چکی ہے: ''مسجد نبوی میں خوخہ ابی بکر کو باقی رکھنے کا حکم'' اسے وہاں دیکھ لیا جائے۔

عَنْ عَائِشَةَ، أَنَّ أَبَا بَكْرٍ، دَخَلَ عَلَى رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: أَنْتَ عَتِيقُ اللهِ مِنَ النَّارِ، فَيَوْمَئِذٍ سُمِّيَ عَتِيقًا.(۲)

حضرت عائشہ سے روایت ہے کہ (ایک دن) حضرت ابوبکر رسول کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، تو آپ نے ان سے فرمایا: ''تم دوزخ کی آگ سے اللہ کے آزاد کردہ ہو'' چنانچہ اس دن سے ان کا نام ''عتیق'' پڑ گیا۔

---

(۱) مرقاۃ المفاتیح ۱۱/۱۶۸، کتاب المناقب باب مناقب ابی بکر

(۲) المستدرک للحاکم ۳/۳۷۶۔

صدیق اکبر کو "عتیق" کہنے کی وجہ

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ صدیق اکبر کو "عتیق" اس وجہ سے کہا جاتا تھا کہ اللہ کی طرف سے وہ جہنم کی آگ سے آزاد کردہ تھے، کیونکہ عتیق کے معنیٰ "بری اور آزاد" کے ہیں، حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ ایک دفعہ صدیق اکبر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے گذرے تو آپ نے فرمایا: جو یہ چاہے کہ جہنم سے آزاد آدمی کو دیکھ لے، اسے چاہیے کہ وہ صدیق اکبر کو دیکھ لے۔

بعض حضرات نے اس نام کی وجہ یہ بتائی ہے کہ "عتیق" چونکہ حسن و جمال، شرافت ونجابت اور صاحب خیر کے معنیٰ میں بھی آتا ہے، اور یہ تمام خوبیاں حضرت ابوبکر کی ذات میں موجود تھیں، اس لئے ان کو "عتیق" کہا جاتا تھا، لیکن چونکہ اس حدیث میں صراحت کے ساتھ اس نام کی وجہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان کردی ہے، اس لئے پھر کسی اور وجہ اور سبب کو بیان کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔(۱)

اس نام کی وجہ تسمیہ کے بارے میں مزید تفصیل اس سے پہلے اس عنوان میں دیکھ لیجئے: "حضرت صدیق اکبر کی زندگی پر ایک نظر"۔

عَنْ أَبِي سَعِيدِ الْخُدْرِيِّ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَامِنْ نَبِيٍّ إِلَّا، لَهُ وَزِيرَانِ مِنْ أَهْلِ السَّمَاءِ وَوَزِيرَانِ مِنْ أَهْلِ الْأَرْضِ، فَأَمَّا وَزِيرَايَ مِنْ أَهْلِ السَّمَاءِ فَجِبْرِيلُ وَمِيكَائِيلُ، وَأَمَّا وَزِيرَايَ مِنْ أَهْلِ الْأَرْضِ فَأَبُو بَكْرٍ وَعُمَرُ.(۲)

حضرت ابوسعید خدری کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کوئی نبی ایسا نہیں گذرا، جس کے دو وزیر آسمان والوں میں سے اور دو وزیر زمین والوں میں سے نہ ہوں، چنانچہ آسمان والوں میں سے میرے دو وزیر: جبرائیل اور میکائیل ہیں، اور زمین والوں میں سے میرے دو وزیر ابوبکر اور عمر ہیں۔

آسمان وزمین میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وزراء

ہر نبی کے لیے آسمان اور زمین دونوں میں کچھ خاص وزیر ہوتے ہیں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دو وزیر آسمان والوں میں جبرائیل ومیکائیل ہیں، وہ آپ کی اعانت ومدد کرتے ہیں، اور زمین والوں میں ابوبکر اور عمر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وزیر ہیں، کیونکہ وزیر کے معنیٰ ہیں: مددگار اور بوجھ اٹھانے والا، جس طرح دنیا میں ایک بادشاہ کے وزیر ہوتے ہیں، وہ ان سے مشورہ کرتا ہے، اور کئی سارے امور میں وزراء، بادشاہ کا بوجھ اپنے اوپر اٹھالیتے ہیں، اسی طرح حضرت ابوبکر اور حضرت عمر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا بوجھ اپنے اوپر

---

(۱) مرقاۃ المفاتیح ۱۱/۴۷۴، کتاب المناقب باب مناقب ابی بکر

(۲) کنز العمال، رقم الحدیث: ۳۲۶۴۷

لے لیتے تھے، اور آپ کے وہ خاص مشیر تھے۔

اس حدیث سے درج ذیل امور ثابت ہوتے ہیں:

۞ حضرت جبرائیل اور میکائیل تمام فرشتوں سے افضل ہیں، اور جبرئیل، میکائیل سے افضل ہیں۔

۞ صحابہ میں سب سے افضل حضرت ابوبکر اور حضرت عمر ہیں اور پھر ان میں سے حضرت ابوبکر حضرت عمر سے افضل ہیں کیونکہ ان کا نام آپ ﷺ نے پہلے ذکر کیا ہے اور حضرت عمر کا نام بعد میں ذکر کیا ہے۔

۞ تمام صحابہ عام امتیوں سے افضل ہیں۔(۱)

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: بَيْنَمَا رَجُلٌ رَاكِبٌ بَقَرَةً، إِذْ قَالَتْ: لَمْ أُخْلَقْ لِهَذَا، إِنَّمَا خُلِقْتُ لِلْحَرْثِ، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: آمَنْتُ بِذَلِكَ أَنَا وَأَبُو بَكْرٍ وَعُمَرُ، قَالَ أَبُو سَلَمَةَ: وَمَا هُمَا فِي الْقَوْمِ يَوْمَئِذٍ، وَاللهُ أَعْلَمُ۔(۲)

حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ایک مرتبہ ایک شخص گائے پر سوار ہوا (اور اسے مارا) اچانک اس گائے نے کہا: میں سواری کے لئے پیدا نہیں کی گئی، مجھے تو کھیتی باڑی کے لئے پیدا کیا گیا ہے، اس کی بات سن کر نبی کریم ﷺ نے فرمایا: میں نے، ابوبکر اور عمر نے اس پر ایمان لایا، ابوسلمہ راوی کہتے ہیں کہ وہ دونوں اس وقت وہاں موجود نہیں تھے، واللہ اعلم۔

گائے کے کلام کی تصدیق میں ابوبکر وعمر کا ذکر

مذکورہ حدیث سے درج ذیل امور ثابت ہوتے ہیں:

۱۔ جانوروں کو انہی کاموں میں استعمال کرنا چاہیے، جن میں ان کا استعمال عرف میں معروف ہو، چنانچہ وہ آدمی گائے پر سوار ہوا، تو اس نے کلام کر کے یہ بتایا کہ مجھے سواری کے لئے نہیں، کھیتی باڑی میں ہل اور کنواں چلانے کے لئے پیدا کیا گیا ہے۔

۲۔ گائے نے اپنی گفتگو میں اپنی تخلیق کا ایک اہم مقصد بیان کیا ہے، اس سے حصر مقصود نہیں، کیونکہ حلال جانوروں کو پیدا کرنے کا سب سے بڑا مقصد، ذبح کر کے انسانوں کو گوشت فراہم کرنا ہے۔(۳)

۳۔ گائے کے کلام کی نبی کریم ﷺ نے تصدیق کی اور اس تصدیق میں آپ نے اپنے ساتھ حضرات شیخین کا بھی ذکر فرمایا، حالانکہ اس وقت اس مجلس میں وہ دونوں موجود نہیں تھے، اس سے حضرات شیخین کی فضیلت ثابت ہوتی ہے کہ ان کی عدم

(۱) فتح الباری ۶/۶۴۲، کتاب احادیث الانبیاء باب ۵۴۔

(۲) الصحیح للبخاری، کتاب الحرث والمزارعة، باب استعمال البقر للحراثة، رقم: ۲۳۲۴۔

(۳) مرقاة المفاتیح ۱۱/۲۱۴، کتاب المناقب باب مناقب ابی بکر وعمر۔

موجودگی میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ یقین تھا کہ وہ دونوں اس بات کو ضرور تسلیم کرلیں گے، اور اس میں وہ کسی بھی طرح کا تردد نہیں کریں گے اس لیے آپ نے انہیں اس تصدیق میں اپنے ساتھ شامل فرمایا۔(۱)

۴۔ اس واقعہ سے یہ حکم ثابت ہوتا ہے کہ جب انسان کو اپنے کسی دوست وغیرہ کے بارے میں یہ یقین ہو کہ وہ بھی میرے ساتھ اس معاملے کو مثلاً ضرور قبول کرلے گا یا رد کردے گا، تو بتائے بغیر بھی اگر اسے اس معاملے میں شامل کرلیا جائے تو شرعاً ایسا کرنے کی گنجائش ہے۔(۲)

بَابٌ فِي مَنَاقِبِ أَبِي حَفْصٍ عُمَرَ بْنِ الخَطَّابِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ

حضرت عمر بن خطاب کے فضائل پر مشتمل احادیث

عَنِ ابْنِ عُمَرَ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: اللَّهُمَّ أَعِزَّ الإِسْلَامَ بِأَحَبِّ هَذَيْنِ الرَّجُلَيْنِ إِلَيْكَ: بِأَبِي جَهْلٍ أَوْ بِعُمَرَ بْنِ الخَطَّابِ قَالَ: وَكَانَ أَحَبَّهُمَا إِلَيْهِ عُمَرُ.

حضرت عبداللہ بن عمر فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی: اے اللہ ان دو مردوں یعنی ابوجہل اور عمر بن خطاب میں سے جو تجھے زیادہ پسند ہو، اس کے ذریعہ اسلام کو قوت عطا فرما، اور اللہ کے نزدیک ان دونوں میں عمر ہی زیادہ محبوب تھے (اس لئے انہیں ایمان کی توفیق عطا فرمائی)۔

حضرت عمر فاروق کے فضائل

امام ترمذی رحمہ اللہ نے ان ابواب میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے چند مناقب اور فضائل ذکر کئے ہیں، یوں تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے مناقب بے شمار ہیں، چنانچہ اس موضوع پر بڑی طویل کتابیں اور رسائل بھی لکھے گئے ہیں، اس لئے ان تمام تفصیلات کو اس شرح میں ذکر کرنا پیش نظر نہیں، صرف انہی امور اور فضائل وخصوصیات کی شرح کی جائے گی، جنہیں امام ترمذی نے یہاں پر ان کے مناقب میں ذکر کیا ہے۔

حضرت عمر بن خطاب ہجرت سے چالیس سال پہلے اور واقعہ فیل کے تیرہ سال بعد پیدا ہوئے، اسلام قبول کرنے سے پہلے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم، اسلام اور مسلمانوں کے سخت خلاف تھے، جرأت وبہادری میں بہت مشہور تھے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ جل شانہ سے یہ خصوصی دعا کی کہ اللہ تعالیٰ اسلام کو قوت عطا فرمادے: عمر بن خطاب کے اسلام سے یا ابوجہل کے اسلام سے، حضرت عمر اللہ جل شانہ کے ہاں ابوجہل سے زیادہ محبوب تھے، اس لئے اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کی برکت سے حضرت عمر کو اسلام

(۱) فتح الباری ۶/۴۲۹، کتاب احادیث الانبیاء باب ۵۴

(۲) فتح الباری ۷/۳۳، کتاب فضائل اصحاب النبی، باب قول النبی لو کنت متخذاً خلیلاً۔

کی توفیق عطا فرمائی، اور پھر انہوں نے اپنی تمام تر توانیاں اسلام کی نشر و اشاعت میں لگا دیں۔

حضرت عبداللہ بن مسعود اور دوسرے صحابہ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر کے اسلام سے اسلام کو قوت حاصل ہوئی، ان کی شان وشوکت اور قوت میں آئے دن اضافہ ہوا، اس سے پہلے مسلمان بیت اللہ میں سرِعام نماز نہیں پڑھ سکتے تھے، کفار کے مظالم کا جواب نہیں دے سکتے تھے، ان کے اسلام سے یہ تمام چیزیں حاصل ہو گئیں، کفر کا زور ٹوٹنا شروع ہو گیا اور مسلمان غالب ہونے لگے۔(۱)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا حضرت عمر کے حق میں کیسے قبول ہوئی اور حضرت عمر کس طرح اسلام کی نعمت سے سرفراز ہوئے، اس کی تفصیل حضرت عبداللہ بن عباس کی روایت میں ہے، جسے امام بیہقی نے ''دلائل النبوۃ'' میں نقل کیا ہے:

حضرت عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں کہ ایک دن ابوجہل نے اعلان کیا کہ جو شخص (العیاذ باللہ) محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کر دے، اسے میں انعام میں ایک سو اونٹنیاں اور ہزار چاندی کی اشرفیاں دوں گا، یہ بات سن کر عمر بولے کہ ضمان صحیح ہے یعنی انعام صحیح مقرر کیا ہے، ابوجہل نے کہا: ہاں میں یہ ضمان فوراً ادا کروں گا، اس میں کوئی تاخیر نہیں ہوگی، عمر اس مجلس سے نکلے، راستہ میں ایک شخص سے ملاقات ہوئی، اس نے پوچھا: عمر کہاں کا ارادہ ہے؟ عمر نے جواب دیا: میں محمد کو قتل کرنے جا رہا ہوں، اس شخص نے کہا: کیا تمہیں محمد کے قبیلے قریش کا کوئی خوف نہیں، عمر نے کہا: لگتا ہے کہ تو بھی اپنا دین چھوڑ کر اسلام قبول کر چکا ہے، اس شخص نے کہا میں تمہیں اس سے زیادہ عجیب بات بتاتا ہوں، وہ یہ کہ تمہاری بہن اور بہنوئی نے بھی محمد کا اسلام قبول کر لیا ہے اور وہ اس کی جماعت میں شامل ہو چکے ہیں، یہ بات سن کر عمر اپنی بہن کے گھر کی طرف روانہ ہو گئے، دروازے پر پہنچے تو اندر سے ان کی بہن کی آواز آ رہی تھی وہ سورہ طٰہٰ کی تلاوت کر رہی تھیں، دروازے پر دستک دی، اندر داخل ہوئے، پوچھا تم کیا پڑھ رہی ہو، انہوں نے بتایا کہ ہم دونوں میاں بیوی نے اسلام قبول کر لیا ہے، یہ اللہ کی کتاب ہے، اس کی ہم تلاوت کر رہے ہیں، عمر کو غصہ آیا، کچھ مارا بھی، لیکن پھر ان کے دل میں اسلام اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت گھر کر گئی، رات کو مختلف اوقات میں یہ کہتے رہے: واشوقاہ الی محمد (ہائے مجھے محمد سے ملنے کا بہت شوق ہو رہا ہے) صبح دار ارقم میں پہونچے، جہاں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام چھپ چھپ کر اللہ جل جلالہ کی عبادت کیا کرتے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کی، آپ نے انہیں اسلام پیش کیا اور اللہ کے عذاب سے ڈرایا تو یہ کانپنے لگے، ہاتھ سے تلوار بھی گر گئی اور پڑھنے لگے: اشھد ان لا الہ الا اللہ و اشھد ان محمدا رسول اللہ، یوں حضرت عمر ہمیشہ کے لئے کامیاب ہو گئے، یہ سب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کی برکت سے ہوا۔(۲)

اسلام قبول کر کے حضرت عمر نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا: جب ہم لات وعزیٰ کی عبادت کرتے، تو کھلم کھلا کرتے تھے پہاڑوں پر، وادیوں میں، ہر اہم جگہ پر، بھلا یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ہم اللہ جل جلالہ کی عبادت چھپ کر کریں، ایسا نہیں ہو سکتا، خدا کی قسم:

---

(۱) الاصابۃ ۴/۴۸۴، حرف العین المھملۃ، تحفۃ الاحوذی ۱۰/۱۶۰

(۲) دلائل النبوۃ للبیھقی ۲/۹۱، باب اللھم أعز دینک بأحب الرجلین (المکتبۃ الشاملۃ)

آج کے بعد اللہ کی عبادت ہم چھپ کر نہیں کریں گے، اس کے بعد حضرت عمر تمام مسلمانوں کو لے کر بیت اللہ پہنچ گئے، اور سرعام عبادت کا آغاز کیا، یوں اللہ جل شانہ نے حضرت عمر کے ذریعہ اسلام کو طاقت اور قوت عطا فرمائی اور کفر اپنی موت مرنے لگا۔(۱)

عَنِ ابْنِ عُمَرَ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: إِنَّ اللهَ جَعَلَ الحَقَّ عَلَى لِسَانِ عُمَرَ وَقَلْبِهِ، وقَالَ ابْنُ عُمَرَ: مَا نَزَلَ بِالنَّاسِ أَمْرٌ قَطُّ، فَقَالُوا فِيهِ وَقَالَ فِيهِ عُمَرُ أَوْ قَالَ ابْنُ الخَطَّابِ فِيهِ - شَكَّ خَارِجَةُ - إِلَّا نَزَلَ فِيهِ القُرْآنُ عَلَى نَحْوِ مَا قَالَ عُمَرُ. (۲)

حضرت عبداللہ بن عمر فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے عمر کے دل اور زبان پر حق جاری کر دیا، حضرت عبداللہ بن عمر فرماتے ہیں کہ کبھی بھی کوئی معاملہ ایسا نہیں ہوا، جس میں عمر اور دوسرے لوگوں نے رائے دی ہو، عمر کا لفظ کہا یا ابن خطاب کا، اس میں خارجہ راوی کو شک ہے، مگر یہ کہ قرآن عمر کی رائے کے موافق ہی نازل ہوا۔

حضرت عمر کی رائے کے مطابق کئی آیات نازل ہوئیں

اللہ جل جلالہ نے حضرت عمر کی طبیعت اور مزاج ہی ایسا بنایا تھا کہ ان کے دل اور زبان پر حق بات ہی جاری ہوتی تھی، جس مسئلے میں اگر صحابہ کرام کوئی رائے دیتے اور حضرت عمر بھی اس میں اپنی کوئی رائے دیتے، تو اللہ کے ہاں حضرت عمر کی رائے کو اس قدر شرف حاصل ہوتا تھا کہ اس رائے کے مطابق اللہ تعالیٰ قرآن مجید کی آیت نازل فرما دیتے، علامہ جلال الدین سیوطی نے بیس سے زیادہ ایسے واقعات ذکر کئے ہیں، جن میں حضرت عمر کی رائے کے مطابق اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی آیات نازل فرمائیں، جن میں سے چند کا ذکر درج ذیل ہے:

۱۔ حضرت عمر نے رائے دی کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اگر مقام ابراہیم کو مصلی بنا دیا جائے تو بہتر ہوگا، اس پر اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی: واتخذوا من مقام ابراہیم مصلی۔ (تم لوگ مقام ابراہیم کو مصلی بنالو)

۲۔ حضرت عمر نے عرض کیا: یا رسول اللہ آپ کے گھر میں آپ سے ملنے کے لئے ہر نیک و بد آتا ہے، لہٰذا آپ ازواج مطہرات کو کہا کریں کہ وہ ان سے پردہ کیا کریں، یہ رائے اللہ جل جلالہ کو پسند آئی، اس پر آیت حجاب نازل ہوئی۔

۳۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ معمول تھا کہ عصر کے بعد تمام ازواج مطہرات کے ہاں خبر گیری کے لئے تھوڑی تھوڑی دیر تشریف لے جاتے، حضرت زینب نے چند دن آپ کی خدمت میں شہد پیش کیا، جس کی وجہ سے ان کے ہاں تھوڑی دیر زیادہ لگ جاتی، اس پر حضرت عائشہ وحفصہ نے غیرت اور رشک کا مظاہرہ کیا، تا کہ حضور کی توجہ ان کی طرف ہی زیادہ رہے ..... اس کی تفصیل سورہ

---

(۱) مرقاۃ المفاتیح ۱۱/۱۹۰، کتاب المناقب باب مناقب عمر، رقم: ۲۰۴۵، دلائل النبوۃ للبیهقی ۲/۹۱، باب اللهم اعز دينك بأحب الرجلين (المكتبة الشاملة)

(۲) مسند احمد ۲/۵۳۔

تحریم میں ہے۔

حضرت عمر نے اس موقع پر ازواج سے کہا کہ تم یہ مت سمجھو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تمہارے علاوہ اور بہتر بیویاں نہیں مل سکتیں، اگر حضور تمہیں طلاق دے دیں، تو اللہ تعالیٰ آپ کو تم سے بہتر بیویاں فراہم کر سکتا ہے، اسی رائے کے موافق اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: عسی ربہ ان طلقکن ان یبدلہ ازواجا خیرا منکن.....

۴۔ غزوہ بدر میں گرفتار قیدیوں کے بارے میں دو آراء تھیں، ایک یہ کہ فدیہ لے کر انہیں چھوڑ دیا جائے، تا کہ مسلمانوں کی حالت ذرا بہتر ہو جائے، اسی رائے پر عمل کیا گیا، دوسری رائے حضرت عمر کی تھی کہ ان تمام کفار قیدیوں کو قتل کر دیا جائے، اللہ جل شانہ کی مشیت میں بھی یہی تھا، چنانچہ اس کے موافق اللہ جل شانہ نے آیات نازل فرمادیں۔

۵۔ شراب کی حرمت کی آیات بھی حضرت عمر کی رائے اور اس دعا کے بعد نازل ہوئیں: انہوں نے یہ دعا کی: اللھم بین لنا فی الخمر بیانا شافیاً۔

۶۔ جب یہ آیت نازل ہوئی: و لقد خلقنا الانسان من سلالة من طین، حضرت عمر نے کہا: فتبارک اللہ احسن الخالقین، بعد میں یہ جملہ، آیت کے طور پر اللہ تعالیٰ نے نازل فرمادیا۔

۷۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی بن سلول کی نماز جنازہ پڑھانے لگے، تو حضرت عمر نے عرض کیا کہ آپ اس کی نماز نہ پڑھائیں، اس پر اللہ جل شانہ نے ان کی رائے کے مطابق یہ آیت نازل فرمادی: و لا تصل علی احد منھم مات ابداً و لا تقم علی کفرہ۔

۸۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے مشورہ کیا کہ بدر کی طرف نکلیں یا نہیں؟ حضرت عمر نے نکلنے کی رائے دی، اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: کما أخرجک ربک من بیتک ... سورۃ الانفال۔

۹۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے منافقین کے لئے کثرت سے استغفار کیا، تو حضرت عمر نے عرض کیا: سواء علیھم استغفرت لھم ام لم تستغفر لھم، پھر اللہ نے اس جملے کو آیت بنا کر نازل فرمادیا۔

۱۰۔ واقعہ افک میں حضرت عمر نے عرض کیا: سبحانک ھذا بھتان عظیم، اللہ تعالیٰ نے اس جملے کو پھر آیت کے طور پر نازل فرمایا۔

۱۱۔ ابتداء اسلام میں رمضان کے روزوں کی ترتیب یہ تھی کہ افطاری کے بعد جب کوئی سو جاتا، تو اس کا اگلے دن کا روزہ شروع ہو جاتا، یہ حکم بہت مشکل تھا، ایک دفعہ سونے کے بعد حضرت عمر نے اپنی بیوی سے جماع کر لیا، تو اس پر اللہ نے یہ آیت نازل فرمادی: احل لکم لیلة الصیام الرفث الی نسائکم۔

۱۲۔ ایک یہودی حضرت عمر سے کہنے لگا: جبرئیل ہمارا دشمن ہے، حضرت عمر نے اسے کہا: من کان عدو اللہ و ملائکتہ و رسولہ و جبرئیل و میکائیل فان اللہ عدو للکافرین، پھر اللہ تعالیٰ نے اس جواب کو آیت بنا کر نازل فرمادیا۔

۱۳۔ ایک یہودی اور مسلمان کا جھگڑا ہوا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے انہوں نے فیصلہ کرایا، آپ نے یہودی کے حق میں فیصلہ فرمایا، کیونکہ وہی حق پر تھا، مسلمان کو یہ فیصلہ پسند نہیں آیا، دوبارہ فیصلہ کرانے کے لئے یہ مسلمان اس یہودی کو لے کر حضرت عمر کے پاس پہنچ گیا، اس یہودی نے حضرت عمر کو سابقہ فیصلے کی تفصیل بتائی، ان کو بٹھا کر حضرت عمر گھر گئے، اور تلوار لے کر اس مسلمان کا سر قلم کر دیا اور فرمایا کہ جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فیصلہ منظور نہ ہو تو اس کی سزا یہی ہے، اس کی تائید میں اللہ جل شانہ نے یہ آیت نازل فرمادی: فلا وربک لا یؤمنون حتی یحکموک فی ما شجر بینھم ....، سورہ نساء، آیت: ۶۵(۱)

عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: اللَّهُمَّ أَعِزَّ الإِسْلَامَ بِأَبِي جَهْلِ بْنِ هِشَامٍ أَوْ بِعُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ قَالَ: فَأَصْبَحَ فَغَدَا عُمَرُ عَلَى رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَسْلَمَ.(۲)

حضرت عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی کہ: اے اللہ اسلام کو ابو جہل یا عمر کے اسلام سے قوت وعزت عطا فرما، ابن عباس فرماتے ہیں کہ عمر نے صبح کی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اسلام قبول کرلیا۔

حضرت عمر کے اسلام کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصی دعا

حضرت عمر کو یہ بھی ایک بہت بڑا شرف حاصل ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے حق میں خصوصی دعا کی، تا کہ یہ اسلام قبول فرمالیں، اللہ جل جلالہ نے آپ کی دعا کو قبول فرمالیا، چنانچہ صبح ہوتے ہی حضرت عمر نے اسلام قبول کرلیا۔

عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ، قَالَ: قَالَ عُمَرُ لِأَبِي بَكْرٍ: يَا خَيْرَ النَّاسِ بَعْدَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ أَبُو بَكْرٍ: أَمَا إِنَّكَ إِنْ قُلْتَ ذَاكَ، فَلَقَدْ سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، يَقُولُ: مَا طَلَعَتِ الشَّمْسُ عَلَى رَجُلٍ خَيْرٍ مِنْ عُمَرَ.(۳)

حضرت جابر بن عبداللہ فرماتے ہیں کہ (ایک دن) حضرت عمر نے حضرت ابوبکر صدیق سے کہا: اے وہ شخص جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد تمام انسانوں سے بہتر ہے، حضرت صدیق اکبر نے یہ سن کر فرمایا: عمر! اگر تم میرے بارے میں یہ کہہ رہے ہو، تو تم بھی (اپنے بارے میں) جان لو کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ: سورج کسی ایسے شخص پر طلوع نہیں ہوا، جو عمر سے بہتر ہو۔

---

(۱) تاریخ الخلفاء للامام السیوطی (ص:۹۸،۹۷) فصل فی موافقات عمر

(۲) کنز العمال، رقم: ۳۲۷۷۱۔

(۳) کنز العمال، رقم: ۳۲۷۳۹۔

عمر سے بہتر کسی شخص پر سورج طلوع نہیں ہوا

حضرت عمر نے ایک دن حضرت ابوبکر صدیق کا ادب واحترام اور تعظیم کرتے ہوئے انہیں ان الفاظ سے پکارا: اے وہ شخص جو رسول اللہ ﷺ کے بعد سب سے بہتر ہے، حضرت صدیق اکبر ان کی بات سن کر خوش ہوئے کہ انہوں نے مجھے بہت اچھے الفاظ سے پکارا ہے، تو فرمانے لگے کہ عمر جب میرے بارے میں تعظیم کی وجہ سے تم یہ کہہ رہے ہو، تو تم بھی اپنے بارے میں یہ بشارت سن لو کہ ایک دفعہ نبی کریم ﷺ نے تمہارے بارے میں یہ ارشاد فرمایا، جسے میں نے خود سنا ہے کہ سورج کسی ایسے شخص پر طلوع نہیں ہوا جو عمر سے بہتر ہو۔

اس حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمر گویا حضرت صدیق اکبر سے بھی افضل ہیں، جبکہ دیگر بہت سی روایات میں یہ بات قطعی طور پر منقول ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے بعد سب سے بہتر حضرت صدیق اکبر ہیں، بظاہر ان روایات میں چونکہ تعارض پیدا ہو رہا ہے، اس لئے شارحین حدیث نے ان میں ایسی تاویلیں اور توجیہات ذکر کی ہیں، جن سے ان میں تعارض ختم ہو جائے، ان کی تفصیل یہ ہے:

۱۔ اس جملے کے معنی یہ ہیں کہ حضرت عمر اپنے زمانہ خلافت میں سب سے بہتر ہیں، اس بات کو آپ ﷺ نے پہلے ہی ارشاد فرما دیا۔

۲۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ سورج کسی ایسے شخص پر طلوع نہیں ہوا، جو ابوبکر کے بعد عمر سے بہتر ہو۔

۳۔ یا یہ کہ عدالت اور امور سیاست میں حضرت عمر سے بہتر کوئی نہیں۔ (۱)

۴۔ بعض حضرات فرماتے ہیں کہ اس میں تمام امت کا اجماع ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے بعد سب سے افضل حضرت صدیق اکبر اور پھر حضرت عمر ہیں، البتہ بعض چیزوں میں جزوی فضیلت حضرت عمر کو حاصل ہے، اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ حضرت عمر حضرت صدیق اکبر سے افضل ہیں۔ (۲)

۵۔ مناوی فرماتے ہیں کہ اس ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ زمانہ مستقبل میں حضرت عمر کو یہ فضیلت حاصل ہوگی کہ ان سے بہتر کوئی نہیں ہوگا، یعنی انہیں ایک طویل عرصہ خلیفہ رہنے کا موقع ملے گا، جس میں مسلمانوں کو بہت سی فتوحات حاصل ہوں گی، گویا یہ ارشاد ان کے زمانہ خلافت سے متعلق ہے۔ (۳)

عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ سِيرِينَ، قَالَ: مَا أَظُنُّ رَجُلًا، يَنْتَقِصُ أَبَا بَكْرٍ وَعُمَرَ، يُحِبُّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

---

(۱) مرقاۃ المفاتیح ۱۱/۱۹۳، کتاب المناقب باب مناقب عمر

(۲) تحفۃ الاحوذی نقلاً عن اللمعات ۱۰/۱۶۳

(۳) تحفۃ الاحوذی ۱۰/۱۶۳، فیض القدیر للمناوی: ۵/۵۷۹ (المکتبۃ الشاملۃ)

حضرت محمد بن سیرین فرماتے ہیں کہ میں اس شخص کو، جو ابوبکر و عمر کو برا بھلا اور بدنام کرے، نہیں سمجھتا کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرتا ہے۔

ینتقص: جو برا بھلا کہے، مذمت کرے۔

کوئی ایمان والا ابوبکر و عمر کو برا بھلا نہیں کہہ سکتا

مذکورہ روایت سے معلوم ہوا کہ جو شخص بھی صحیح ایمان والا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سچی محبت کرنے والا ہوگا، وہ کبھی بھی حضرت ابوبکر و عمر کی شان میں کوئی گستاخی نہیں کرسکتا، انہیں برا بھلا اور بدنام نہیں کرسکتا، اور اگر کوئی ان کی شان میں زبان درازی کرتا ہے، تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت نہیں ہے، اور نہ ہی وہ ایمان والا ہے۔

عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَوْ كَانَ نَبِيٌّ بَعْدِي لَكَانَ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ. (۱)

حضرت عقبہ بن عامر کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اگر میرے بعد کوئی اور نبی ہوتا تو وہ عمر ہوتے۔

حضرت عمر میں نبوت کے اوصاف موجود تھے

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں حضرت عمر کی ایک بہت بڑی خصوصیت اور فضیلت کا ذکر فرمایا کہ عمر میں نبی بننے کے اوصاف موجود ہیں، چنانچہ انہیں حق بات کا الہام ہوجاتا ہے، ان کی زبان سے حق بات ہی اللہ تعالیٰ جاری کراتے ہیں، بہت سی قرآنی آیات اور شرعی احکام، ان کی رائے کے موافق اللہ جل شانہ نے نازل فرمائے،.... لہٰذا اگر میرے بعد نبوت کا سلسلہ جاری ہوتا تو عمر نبی ہوتے، لیکن چونکہ نبوت کا سلسلہ ختم کردیا گیا ہے اور میں خاتم الانبیاء ہوں، اس لئے عمر کو نبی نہیں بنایا گیا۔

عَنِ ابْنِ عُمَرَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: رَأَيْتُ كَأَنِّي أُتِيتُ بِقَدَحِ لَبَنٍ، فَشَرِبْتُ مِنْهُ، فَأَعْطَيْتُ فَضْلِي عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ، قَالُوا: فَمَا أَوَّلْتَهُ يَا رَسُولَ اللهِ؟ قَالَ: الْعِلْمَ. (۲)

حضرت عبداللہ بن عمر کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں نے خواب دیکھا کہ گویا میرے پاس دودھ کا ایک پیالہ لایا گیا، میں نے اس میں سے پیا، پھر میں نے باقی ماندہ عمر کو دے دیا، صحابہ کرام نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ اس کی کیا تعبیر بیان فرماتے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں اس کی تعبیر علم بیان کرتا ہوں۔

مشکل الفاظ کے معنیٰ: **اتیت بقدح لبن:** (متکلم ماضی مجہول) میرے پاس دودھ کا پیالہ لایا گیا، **فضلی:** میرا بچا ہوا دودھ، **فما اولته:** آپ اس کی کیا تعبیر بیان فرماتے ہیں۔

---

(۱) المستدرک للحاکم ۸۵/۳۔

(۲) الصحیح للبخاری، التعبیر، باب اللبن، رقم: ۷۰۰۶۔

حضرت عمر کو علم نبوت دیا گیا

خواب میں اگر دودھ دیکھا جائے، تو اس کی تعبیر علم سے بیان کی گئی ہے، کیونکہ علم اور دودھ دونوں ہی نفع بخش چیزیں ہیں، علم سے انسان کی روح کو غذا اور اس کی اصلاح ہوتی ہے، اور دودھ انسان کے جسم کی غذا اور اس کی نشونما کا اہم ذریعہ ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب میں جو باقی دودھ حضرت عمر کو دیا ہے، اس کی تعبیر علم ہے، گویا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے علوم نبوت میں سے انہیں علم خاص عطا فرمایا ہے، تاہم اس وجہ سے ان کو حضرت ابوبکر پر فضیلت حاصل نہ ہوگی، کیونکہ صدیق اکبر بہر حال علم وعمل کے لحاظ سے تمام صحابہ کرام پر فائق اور برتر ہیں۔(۱)

عَنْ أَنَسٍ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: دَخَلْتُ الجَنَّةَ، فَإِذَا أَنَا بِقَصْرٍ مِنْ ذَهَبٍ، فَقُلْتُ: لِمَنْ هَذَا القَصْرُ؟ قَالُوا: لِشَابٍّ مِنْ قُرَيْشٍ، فَظَنَنْتُ أَنِّي أَنَا هُوَ، فَقُلْتُ: وَمَنْ هُوَ؟ فَقَالُوا: عُمَرُ بْنُ الخَطَّابِ. (۲)

حضرت انس فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (معراج کے موقع پر) میں جنت میں داخل ہوا، تو اچانک میں سونے کے ایک محل کے سامنے تھا، میں نے (فرشتوں سے) پوچھا: یہ محل کس کے لئے ہے؟ انہوں نے بتایا: ایک قریشی جوان کے لئے ہے، میں سمجھا کہ وہ قریشی جوان میں ہی ہوں، پھر میں نے پوچھا کہ وہ نوجوان کون ہے؟ فرشتوں نے بتایا کہ وہ نوجوان: عمر بن خطاب ہیں۔

قریشی جوان کے لئے جنت میں سونے کا محل

اس حدیث میں حضرت عمر کی ایک اہم خصوصیت کا ذکر ہے کہ معراج کے موقع پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جنت میں ایک سونے کا محل دیکھا، جو حضرت عمر کے لئے اللہ جل شانہ نے تیار کر رکھا ہے۔(۳)

عَنْ أَبِي بُرَيْدَةَ، قَالَ: أَصْبَحَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَدَعَا بِلَالًا فَقَالَ: يَا بِلَالُ: بِمَ سَبَقْتَنِي إِلَى الجَنَّةِ؟ مَا دَخَلْتُ الجَنَّةَ قَطُّ، إِلَّا سَمِعْتُ خَشْخَشَتَكَ أَمَامِي، دَخَلْتُ البَارِحَةَ الجَنَّةَ، فَسَمِعْتُ خَشْخَشَتَكَ أَمَامِي، فَأَتَيْتُ عَلَى قَصْرٍ، مُرَبَّعٍ، مُشْرِفٍ مِنْ ذَهَبٍ، فَقُلْتُ: لِمَنْ هَذَا القَصْرُ؟ فَقَالُوا: لِرَجُلٍ مِنَ العَرَبِ، فَقُلْتُ: أَنَا عَرَبِيٌّ، لِمَنْ هَذَا القَصْرُ؟ قَالُوا لِرَجُلٍ مِنْ قُرَيْشٍ، فَقُلْتُ: أَنَا قُرَشِيٌّ، لِمَنْ هَذَا القَصْرُ؟ قَالُوا: لِرَجُلٍ مِنْ أُمَّةِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقُلْتُ: أَنَا مُحَمَّدٌ، لِمَنْ هَذَا القَصْرُ؟ قَالُوا: لِعُمَرَ بْنِ الخَطَّابِ.

---

(۱) الکوکب الدری ۳/۲۰۱، مرقاۃ المفاتیح ۱۱/۱۸۶، رقم الحدیث: ۲۰۳۹

(۲) مسند احمد ۳/۱۰۷۔

(۳) مرقاۃ المفاتیح ۱۱/۱۸۴، رقم الحدیث: ۲۰۳۷

فَقَالَ بِلَالٌ: يَا رَسُولَ اللهِ: مَا أَذَّنْتُ قَطُّ إِلَّا صَلَّيْتُ رَكْعَتَيْنِ، وَمَا أَصَابَنِي حَدَثٌ قَطُّ إِلَّا تَوَضَّأْتُ عِنْدَهَا، وَرَأَيْتُ أَنَّ لِلّٰهِ عَلَيَّ رَكْعَتَيْنِ، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: بِهِمَا۔

قَالَ أَبُو عِيسَى: وَفِي الْبَابِ عَنْ جَابِرٍ وَمُعَاذٍ وَأَنَسٍ وَأَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: رَأَيْتُ فِي الْجَنَّةِ قَصْراً مِنْ ذَهَبٍ فَقُلْتُ: لِمَنْ هٰذَا؟ فَقِيلَ: لِعُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ، وَمَعْنَى هٰذَا الْحَدِيثِ أَنِّي دَخَلْتُ الْبَارِحَةَ الْجَنَّةَ، يَعْنِي رَأَيْتُ فِي الْمَنَامِ كَأَنِّي فِي الْجَنَّةِ، هٰكَذَا رُوِيَ فِي بَعْضِ الْأَحَادِيثِ، وَيُرْوٰى عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّهُ قَالَ: رُؤْيَا الْأَنْبِيَاءِ وَحْيٌ۔(۱)

حضرت بریدہ کہتے ہیں کہ ایک دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صبح کی تو (نماز فجر کے بعد) بلال کو بلایا، اور پوچھا کہ اے بلال! تم کس عمل کی وجہ سے مجھ سے جنت میں داخل ہونے میں سبقت لے گئے؟ (کیونکہ) میں جب بھی جنت میں داخل ہوا، تو اپنے سامنے تمہارے چلنے کی آواز ضرور سنی، (چنانچہ) گذشتہ رات میں جنت میں داخل ہوا، تو اپنے آگے تمہارے چلنے کی آہٹ سنی، پھر میں سونے کے ایک چوکور محل کے پاس آیا، جس کی دیواروں پر سونے کے کنگورے بنائے گئے ہیں، میں نے پوچھا کہ یہ محل کس کے لئے ہے؟ فرشتوں نے بتایا کہ یہ ایک عربی آدمی کے لئے ہے، میں نے کہا: عربی تو میں بھی ہوں، یہ محل کس کا ہے؟ فرشتے کہنے لگے: قریش میں سے ایک شخص کے لئے ہے، میں نے کہا: قریشی تو میں بھی ہوں، (تو بتایئے کہ) یہ محل کس کا ہے؟ کہنے لگے: محمد کی امت میں سے ایک شخص کے لئے ہے، میں نے کہا: میں محمد ہوں، لہذا یہ محل کس کا ہے؟ فرشتے کہنے لگے: یہ محل عمر بن خطاب کے لئے ہے۔

حضرت بلال نے عرض کیا: یا رسول اللہ! میں جب بھی اذان دینے کا ارادہ کرتا ہوں تو اس سے پہلے دو رکعت نفل پڑھتا ہوں، اور جب بھی مجھے کوئی ناپاکی پہنچتی ہے (یعنی جب مجھے کوئی ناقض وضو پیش آتا ہے) تو میں اس کے ساتھ ہی (فوراً) وضو کر لیتا ہوں، اور میں سمجھتا ہوں کہ اللہ کے لئے مجھ پر دو رکعت لازم ہیں (اس لئے میں ضرور دو رکعت نفل پڑھتا ہوں) اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ان دو عملوں کی وجہ سے ہی تم نے یہ مقام حاصل کیا ہے۔

امام ترمذی فرماتے ہیں کہ یہی مضمون حضرت جابر، معاذ، انس اور ابو ہریرہ سے منقول ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں نے جنت میں سونے کا ایک محل دیکھا، میں نے پوچھا: یہ محل کس کا ہے؟ بتایا گیا کہ یہ عمر بن خطاب کا ہے۔

حدیث کے اس جملے: انی دخلت البارحۃ الجنۃ کا مطلب امام ترمذی بیان فرما رہے ہیں کہ اس سے خواب میں جنت کا دیکھنا مراد ہے، اسی طرح بعض روایات میں منقول ہے، اور عبد اللہ بن عباس سے منقول ہے کہ انبیاء کے خواب وحی ہوتے ہیں۔

مشکل الفاظ کے معنی: خشخشۃ: (خاء پر زبر، شین ساکن، پھر خاء اور شین پر زبر) اسلحہ کی آواز کی طرح آواز، یہاں حدیث

(۱) صحیح ابن خزیمۃ، جماع ابواب التطوع، باب استحباب الصلاۃ، رقم: ۱۲۰۹۔

میں چلنے کی آواز اور آہٹ مراد ہے، قصر: محل، مربع: چکور، مشرف: (میم پر پیش، شین پر زبر اور را پر زبر و تشدید) اس محل کی دیواروں پر خوبصورتی کے لئے کنگرے یا کنگورے لگائے گئے ہیں یعنی محراب نما گول چیز یا چھوٹے پتھر، تا کہ اس عمارت کا حسن دوبالا ہو جائے، حدث: (حا اور دال پر زبر) بے وضو ہونا، ناپاکی، بھما: اصل عبارت یوں ہے: بھما نلت ما نلت تم نے یہ مقام ان دو اعمال کی وجہ سے ہی حاصل کیا ہے، رأیت أنّ لِلّٰہِ علی رکعتین: میں یہ سمجھتا ہوں اور یہ نظریہ رکھتا ہوں کہ اللہ کے لئے میرے ذمے یہ دو رکعتیں لازم ہیں، یعنی اسلام نے تو مسلمانوں پر یہ لازم نہیں کیں، لیکن میں نے خود ہی اپنے اوپر انہیں لازم کر رکھا ہے، اس شکر میں کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے قضاء حاجت کے بعد آرام وسکون اور راحت دی ہے اور طہارت کی توفیق دی ہے۔

حضرت عمر اور حضرت بلال کی ایک ایک فضیلت

مذکورہ حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر اور حضرت بلال کی ایک ایک خصوصیت اور فضیلت کو بیان فرمایا ہے، اس کی تفصیل یہ ہے:

۱۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب میں دیکھا کہ میں ایک سونے کے مربع یعنی چکور محل کے پاس ہوں، جس کی دیواروں پر سونے کے کنگرے یا کنگورے بھی لگائے گئے ہیں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرشتوں سے پوچھا کہ یہ محل کس کے لئے ہے؟ انہوں نے کہا کہ یہ ایک عربی کے لئے ہے، مزید توجہ اور شوق دلانے کے لئے وہ مبہم جواب دیتے رہے، آپ بار بار ان سے پوچھتے رہے، پھر انہوں نے بتایا کہ یہ مخصوص محل حضرت عمر بن خطاب کا ہے، اس سے حضرت عمر کی فضیلت ثابت ہوتی ہے۔

۲۔ حضرت بلال سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ تم جنت میں میرے سامنے چل رہے ہو، تمہارے چلنے کی آواز میں سن رہا تھا، تم کس عمل کی وجہ سے جنت میں مجھ سے پہلے داخل ہوئے ہو، آخر وہ کونسا عمل ہے؟

حضرت بلال نے دو عمل بتائے: ایک باوضو رہنا اور دوسرا دو رکعت تحیۃ الوضو، آپ نے یہ سن کر فرمایا کہ: بھما ای نلت ما نلت بھما یعنی تم نے یہ بلند مقام انہی دو عملوں کی وجہ سے حاصل کیا ہے۔

حدیث میں لفظ "بھما" سے کونسے دو عمل مراد ہیں، اس کے بارے میں شارحین کے تین قول ہیں:

- ایک عمل ہمیشہ باوضو رہنا اور دوسرا وضو کے بعد دو رکعت نماز نفل پڑھنا یعنی تحیۃ الوضو، اس قول کو اکثر نے اختیار کیا ہے۔
- ایک عمل: تحیۃ الوضو اور دوسرا عمل: فجر اور مغرب کے علاوہ اذان اور اقامت کے درمیان دو رکعت نفل پڑھنا، بعض روایات میں مغرب کی اذان اور اقامت کے درمیان دو رکعت نفل کا بھی ذکر آتا ہے۔
- اذان اور اقامت کے درمیان دو رکعت نماز نفل پڑھنا اور دوسرا عمل: اکثر باوضو رہنا اور تحیۃ الوضو پڑھنا۔

۳۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ جو جنت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے آگے آگے دکھائی دیئے، اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ خادم رسول ہیں، اور عرف یہی ہے کہ اصل مخدوم آدمی، خادم کے پیچھے ہوتا ہے اور خادم آگے ہوتا ہے، اس کے یہ معنی نہیں کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم

سے پہلے جنت میں داخل ہوئے ہیں، کیونکہ یہ طے ہے کہ نبی کریم ﷺ سے پہلے تو کوئی نبی بھی جنت میں داخل نہیں ہوگا تو پھر ایک امتی آپ سے پہلے جنت میں کیسے داخل ہوسکتا ہے۔

اور نبی کریم ﷺ نے حضرت بلال کو اپنا یہ خواب اس لئے سنایا، تا کہ وہ خوش ہوجائیں اور اپنے ان دو اعمال پر اہتمام اور پابندی سے عمل پیرا رہیں، اور تا کہ سننے اور پڑھنے والے کو بھی اس کی ترغیب ہوجائے کہ وہ بھی ان اعمال پر عمل کر کے یہ فضیلت حاصل کرسکتا ہے۔

۴۔ امام ترمذی فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں آپ ﷺ نے جو جنت کو دیکھا ہے، اس سے خواب میں دیکھنا مراد ہے، اور واقعہ یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے کئی بار جنت کو دیکھا ہے، معراج کے موقع پر بیداری میں دیکھا ہے، ان کے علاوہ خواب میں کئی مرتبہ دیکھا ہے، اور ابن عباس فرماتے ہیں کہ نبی کا خواب بھی وحی کے حکم میں ہوتا ہے، اس سے بھی وہی احکام ثابت ہوتے ہیں، جو ایک وحی سے ہوتے ہیں۔

اس حدیث سے اکثر باوضو رہنے اور تحیۃ الوضو کی فضیلت ثابت ہوتی ہے۔(۱)

عَنْ أَبِي بُرَيْدَةَ، يَقُولُ: خَرَجَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي بَعْضِ مَغَازِيهِ، فَلَمَّا انْصَرَفَ، جَاءَتْ جَارِيَةٌ سَوْدَاءُ، فَقَالَتْ يَا رَسُولَ اللّٰهِ: إِنِّي كُنْتُ نَذَرْتُ إِنْ رَدَّكَ اللّٰهُ سَالِمًا أَنْ أَضْرِبَ بَيْنَ يَدَيْكَ بِالدُّفِّ وَأَتَغَنَّى، فَقَالَ لَهَا رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنْ كُنْتِ نَذَرْتِ فَاضْرِبِي وَإِلَّا فَلَا، فَجَعَلَتْ تَضْرِبُ، فَدَخَلَ أَبُو بَكْرٍ وَهِيَ تَضْرِبُ، ثُمَّ دَخَلَ عَلِيٌّ وَهِيَ تَضْرِبُ، ثُمَّ دَخَلَ عُثْمَانُ وَهِيَ تَضْرِبُ، ثُمَّ دَخَلَ عُمَرُ فَأَلْقَتِ الدُّفَّ تَحْتَ اسْتِهَا، ثُمَّ قَعَدَتْ عَلَيْهِ، فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنَّ الشَّيْطَانَ لَيَخَافُ مِنْكَ يَا عُمَرُ، إِنِّي كُنْتُ جَالِسًا وَهِيَ تَضْرِبُ فَدَخَلَ أَبُو بَكْرٍ وَهِيَ تَضْرِبُ، ثُمَّ دَخَلَ عَلِيٌّ وَهِيَ تَضْرِبُ، ثُمَّ دَخَلَ عُثْمَانُ وَهِيَ تَضْرِبُ، فَلَمَّا دَخَلْتَ أَنْتَ يَا عُمَرُ: أَلْقَتِ الدُّفَّ.(۲)

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ (ایک مرتبہ) نبی کریم ﷺ کسی جہاد میں تشریف لے گئے، جب آپ ﷺ واپس تشریف لائے، تو ایک کالی باندی آئی، اس نے عرض کیا یا رسول اللہ! میں نے یہ منت مانی تھی کہ اگر اللہ تعالیٰ نے آپ کو صحیح سالم واپس لوٹایا، تو میں آپ کے سامنے دف بجاؤں گی اور (فتح وسلامتی کے گیت) گاؤں گی، آپ ﷺ نے اس سے فرمایا: اگر تم نے واقعی یہ منت مان رکھی تھی، تو پھر دف بجالو، ورنہ ایسا مت کرو، چنانچہ وہ دف بجانے لگی، اتنے میں ابوبکر داخل ہوئے، تو وہ دف بجانے میں مشغول رہی، پھر علی آئے، تو وہ (اس وقت بھی) دف بجاتی رہی، پھر عثمان آئے اور وہ دف بجاتی رہی، پھر عمر داخل ہوئے، تو اس نے دف کو اپنی سرین کے نیچے ڈال دیا،

(۱) مرقاۃ المفاتیح ۳/ ۳۷۰، کتاب الصلاۃ، باب التطوع، رقم الحدیث: ۱۳۲۶

(۲) مسند احمد ۵/ ۳۵۳۔

اور اس پر بیٹھ گئی، اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: عمر! تم سے شیطان ڈرتا ہے، میں بیٹھا تھا، یہ باندی دف بجاتی رہی، اتنے میں ابوبکر داخل ہوئے، وہ دف بجاتی رہی، پھر علی آئے، وہ دف بجاتی رہی، پھر عثمان داخل ہوئے، وہ دف بجاتی رہی، پھر جب عمر تم داخل ہوئے ہو، تو اس نے دف کو ڈال دیا (اور بجانا بند کر دیا)۔

مشکل الفاظ کے معنی: لما انصرف: جب آپ ﷺ سفر جہاد سے واپس تشریف لائے، دف: (دال کے پیش اور زبر کے ساتھ دونوں طرح منقول ہے) ڈھولکی، اس میں بجانے کی ایک ہی جانب ہوتی ہے، جبکہ ڈھول میں دو جانبیں ہوتی ہیں، جن کو بجایا جاتا ہے، اتغنی: (صیغہ متکلم) میں گیت گاؤں گی، القت: (صیغہ واحد مؤنث) اس نے دف کو ڈال دیا، تحت استها: اپنی سرین کے نیچے۔

حضرت عمر کے رعب اور دبدبے کی کیفیت

مذکورہ حدیث میں ہے کہ اس باندی نے جب دیکھا کہ عمر فاروق آ رہے ہیں، تو اس نے دف کو اپنے نیچے چھپالیا، اور یوں اس پر بیٹھ گئی، گویا کہ وہ اس سے پہلے کچھ بھی نہیں کر رہی تھی، نبی کریم ﷺ نے جب یہ منظر دیکھا، تو حضرت عمر سے فرمانے لگے: عمر تم سے تو شیطان بھی ڈرتا ہے، تم سے پہلے ابوبکر، عثمان اور علی آئے، تو وہ باندی مسلسل دف بجاتی رہی، اسے کوئی ہچکچاہٹ نہیں ہوئی، لیکن جب تم آئے، تو اس نے سب کچھ بند کر دیا اور دف کو چھپا کر اس کے اوپر بیٹھ گئی۔

یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب اس باندی نے نبی کریم ﷺ سے دف بجانے کی اجازت مانگی، تو آپ نے منت کو پورا کرنے کے لئے اسے اس کی اجازت دے دی، جس سے معلوم ہوا کہ یہ کام مباح اور جائز ہے، لیکن بعد میں جب حضرت عمر اس مجلس میں تشریف لائے اور اس باندی نے دف بجانا بند کر دیا، تو حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: عمر! تم سے تو شیطان بھی ڈرتا ہے، اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ باندی اس سے پہلے جو کام کر رہی تھی، وہ گویا ایک شیطانی عمل تھا، جو حضرت عمر کی آمد کے بعد بند ہو گیا؟ شارحین حدیث نے اس کے دو جواب دیئے ہیں:

ا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت عمر کا مزاج ایسا بنایا تھا کہ ان کے دل میں اور زبان پر حق بات ہی جاری ہوتی تھی، اسی وجہ سے قرآن مجید کی کئی آیات ان کی رائے کے مطابق نازل ہوئیں، جن کی تفصیل پہلے گذر چکی ہے، اس لئے حضرت عمر اپنے سامنے نہ تو کسی برائی کو دیکھ سکتے تھے اور نہ اس کام کو برداشت کرتے تھے، جو اصلاً تو جائز ہوتا، لیکن آگے چل کر کسی اور گناہ کا سبب اور ذریعہ بن سکتا، تو اس سے بھی وہ منع کرتے تھے، ان کا یہ مخصوص مزاج سب ہی کو معلوم تھا، آپ ﷺ نے اس باندی کو دف بجانے کی اجازت دی تھی، اسی وجہ سے وہ بجاتی رہی، حضرت ابوبکر، عثمان اور علی کے آنے سے بھی اس نے بند نہیں کی، کیونکہ اسے معلوم تھا کہ یہ نرم مزاج ہیں، دف بجانے پر روک ٹوک نہیں کریں گے، اور حضرت عمر کا مخصوص مزاج اسے معلوم تھا: اس لئے اس نے حضرت عمر کے خوف سے دف بجانا بند کر دیا۔

حضرت عمر کا یہ مزاج دین کے لئے تھا، اس لئے آپ ﷺ نے ان کی ایک طرح سے یہ کہہ کر حوصلہ افزائی فرمائی: عمر تم سے شیطان ڈرتا ہے، اس کا یہ مطلب نہیں کہ اب تک جو کچھ ہو رہا تھا، وہ شیطانی عمل تھا، بلکہ مقصد یہ ہے کہ اس قسم کے عمل کو بڑھا کر شیطان کے خوش ہونے کی، جو ہوس اور صورت ہو سکتی تھی، وہ بھی تمہارے آنے کی وجہ سے ختم ہو گئی، کیونکہ اللہ جل شانہ نے تمہیں یہ اعزاز بخشا ہے کہ شیطان تم سے ڈرتا ہے، جس گلی سے تم جاتے ہو، شیطان اس سے نکل کر دوسری گلی میں داخل ہو جاتا ہے، تاہم اس سے حضرت عمر کا گناہوں سے معصوم ہونا لازم نہیں آتا، گناہوں سے معصوم صرف انبیاء علیہم السلام ہوتے ہیں۔

۲۔ دف بجانا اگر شرعی حدود کے اندر ہو، تو چند مخصوص مواقع میں اگرچہ اس کی گنجائش ہے، لیکن چونکہ یہ لہو ولعب کے قبیل میں سے ہے، اس لئے نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرامؓ عام حالات میں اسے پسند نہیں فرماتے تھے، اس باندی نے آپ ﷺ سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! میں نے یہ منت مانی تھی کہ اگر آپ سفر جہاد سے خیر و عافیت سے واپس تشریف لے آئے، تو میں دف بجاؤں گی اور آپ کی فتح و سلامتی کے گیت گاؤں گی، اس کی نیت اور جذبہ اچھا تھا، اس لئے آپ ﷺ نے فرمایا: اگر تم نے واقعی منت مان رکھی تھی، تو پھر دف بجالو، ورنہ نہیں۔

یہ اجازت صرف اس حد تک تھی، جس سے اس باندی کی منت پوری ہو جائے، مگر اس باندی نے جب دف بجانا شروع کی تو اس قدر اس میں منہمک ہو گئی کہ اس حد سے بڑھنے لگی، اور اس کا یہ عمل کراہت کے دائرے میں داخل ہونے لگا، اتفاق سے جس وقت وہ حد سے آگے بڑھی، عین اسی وقت حضرت عمر تشریف لے آئے، تو آپ نے مذکورہ الفاظ ارشاد فرمائے، جن میں اس طرف اشارہ تھا کہ یہ کام بس اتنا ہی جائز ہے، جتنے کہ اجازت دی گئی ہے، اس سے زیادہ ممنوع اور ناپسندیدہ ہے، حضرت عمر کی آمد سے اسے تنبیہ ہو گئی، اور ان سے وہ خوفزدہ بھی ہو گئی، اس لئے اس نے دف بجانا بند کر دیا۔

اس موقع پر نبی کریم ﷺ نے صراحت کے ساتھ اسے منع نہیں فرمایا، کیونکہ ایسی صورت میں پھر دف کا بجانا بالکل ہی حرام ہو جاتا، حالانکہ بعض مخصوص مواقع میں کچھ شرائط کے ساتھ اس کی اجازت ہے، جس کی تفصیل آگے آرہی ہے۔(۱)

دف بجانے کی شرعی حیثیت

ترمذی کی مذکورہ روایت سے استدلال کر کے بعض حضرات یہ کہتے ہیں کہ اس زمانے میں علی الاطلاق دف کا استعمال جائز ہے، خواہ نکاح کا موقع ہو یا اس کے علاوہ، اور اس میں اس قدر انہماک ہو گیا ہے کہ حمد اور نعتیہ کلام میں بھی آلاتِ موسیقی کے ساتھ دف کو استعمال کیا جارہا ہے، جو کسی بھی طرح درست نہیں۔

اب یہاں دو باتیں قابل غور ہیں:

- کیا موجودہ دور میں دف کا استعمال درست ہے؟

(۱) مرقاۃ المفاتیح ۱۱/۱۹۵، کتاب المناقب باب مناقب عمر

❁ اگر درست ہے تو کیا صرف ان مواقع میں ہی درست ہے، جن کا ذکر احادیث میں آیا ہے یعنی نکاح، عید وغیرہ یا ان کے علاوہ بھی ہر خوشی کے موقع پر اس کو استعمال کیا جاسکتا ہے۔

پہلی بات کا جواب یہ ہے کہ اگر درج ذیل امور کا لحاظ رکھا جائے تو اس زمانے میں بھی دف کو استعمال کیا جاسکتا ہے:

۱۔ دف سادہ ہو، اس کے ساتھ دیگر آلات موسیقی اور کوئی ساز باجا نہ ہو، چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں دف انتہائی سادہ ہوتی اور اس کے ساتھ اور کوئی ساز باجا وغیرہ نہیں ہوتا تھا۔

۲۔ خواتین یا نابالغ بچیاں اس دف کو بجائیں، مردوں کے لئے دف بجانا جائز نہیں۔

۳۔ دف بجاتے وقت ایسے اشعار اور ترانے پڑھے جائیں، جن کا مفہوم شریعت کے خلاف نہ ہو، ان میں گذشتہ جنگوں، ان میں لڑنے والے جنگجوؤں کی دلیری کی داستانیں اور اسلام سے محبت پیدا کرنے والا کلام ہو، فحش کلام اور عشقیہ اشعار نہ ہوں، جن میں مخصوص عورت کے حسن و جمال اور اس کے جسم کے اعضاء کا تذکرہ ہوتا ہے، جس سے انسان کی جنسی خواہشات میں ابھار پیدا ہوتا ہے، چنانچہ عہد رسالت میں دف بجاتے وقت ایسا کلام پڑھا جاتا تھا، جس میں جرأت و شجاعت اور عربوں کی دلیری کے واقعات ہوتے تھے، ایسا کوئی کلام نہیں ہوتا تھا، جو شرعی اصول کے خلاف ہوتا، چنانچہ ایک بچی نے ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف میں کہا: "و فینا نبی یعلم ما فی غد" (ہمارا نبی کل کی بات بھی جانتا ہے) فوراً ان کی بات سن کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ جملہ مت کہو، اس کے علاوہ جو کلمات تم پڑھ رہی ہو، وہ پڑھتی رہو۔

۴۔ اگر خواتین دف بجاتے وقت کوئی ترانہ وغیرہ پڑھیں، تو ان کی آواز صرف خواتین تک محدود رہے، غیر محرم مردوں تک ان کی آواز نہ جائے۔

۵۔ تھوڑی دیر کے لئے دف کو بجایا جائے، جس سے بس خوشی کا اظہار ہو جائے اور نکاح کا موقع ہو تو اس سے بس نکاح کا اعلان ہو جائے، زیادہ دیر تک اسے بجاتے رہنا، جس طرح کہ آج ہمارے معاشرے میں شادی کے دن سے کئی دن پہلے ہی یہ کام شروع کر دیا جاتا ہے، انہیں یہ خیال نہیں ہوتا کہ کوئی بیمار ہو سکتا ہے یا کسی کو تکلیف پہنچ سکتی ہے، یہ سارا طریقہ درست نہیں، کیونکہ عہد رسالت میں زیادہ دیر تک دف کو نہیں بجایا جاتا تھا۔(۱)

علامہ ابن رجب فرماتے ہیں کہ موجودہ دور میں جو دف استعمال ہوتی ہے، اس میں یہ شرائط نہیں پائی جاتیں، اس لئے اس زمانے میں اگر تو واقعۃً ان شرائط کا لحاظ رکھا جائے تو پھر تو دف کا استعمال کیا جاسکتا ہے، لیکن مشاہدہ اور حقیقت یہ ہے کہ نام تو دف کا ہوتا ہے، لیکن درحقیقت آلات موسیقی، بانسریاں اور باجے وغیرہ ہوتے ہیں، اس لئے اس طرح کی دف کا استعمال اس وقت

(۱) فتاوی محمودیہ ۲۱۵/۱۱، کفایت المفتی ۴۹۷/۷، آپ کے مسائل اور ان کا حل ۴۰۵/۶۔

جائز نہیں، اس لئے اکثر احناف کی رائے یہ ہے کہ موجودہ دور میں دف کا استعمال جائز نہیں۔(۱)

دوسری بات کا جواب: اگر دف میں مذکورہ شرائط پائی جائیں تو بعض حضرات کے نزدیک ہر خوشی کے موقع پر اسے بجایا جا سکتا ہے خواہ وہ نکاح، ولیمہ، عید اور کسی کے سفر سے آنے کا موقع ہو یا ان کے علاوہ اور کوئی خوشی کا موقع ہو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نکاح کی تقریبات کے علاوہ دف کے استعمال کو پسند نہیں فرماتے تھے، تاہم دف کے استعمال سے اس زمانے میں پرہیز کرنا ہی بہتر ہے، کیونکہ اس میں عموماً شرعی اصولوں کا لحاظ نہیں رکھا جاتا۔(۲)

آلات موسیقی کے بغیر گانا گانے یا اسے سننے کا شرعی حکم

اس میں جمہور علماء کا اتفاق ہے کہ آلات موسیقی کے ساتھ گانا گانا یا اسے سننا شرعاً ناجائز اور حرام ہے، کسی بھی امام کے ہاں اس کی اجازت نہیں، اور دف موسیقی کا آلہ نہیں، اس لئے حدیث سے یہ استدلال کرنا کہ آلات موسیقی کے ساتھ گانا گایا جا سکتا ہے، درست نہیں، لہٰذا اگر آلات موسیقی کے بغیر کسی خوشی کے موقع پر، یا وحشت کو ختم کرنے کے لئے خود گانا گایا جائے یا اسے کسی اور سے سنا جائے تو اس کے جواز کے لئے درج ذیل شرائط کا پایا جانا ضروری ہے:

- وہ کلام یا اشعار جو ترنم کے ساتھ پڑھے جائیں، ان کے معنی اور مفہوم شریعت کے خلاف نہ ہوں، اسلام کے اصولوں کے مطابق ہوں۔
- طبعی سادگی کے ساتھ اسے پڑھا جائے اور اسے عادت یا پیشہ نہ بنایا جائے۔
- پیشہ ور فنکار اور گیت گانے والے سے نہ سنا جائے، کیونکہ ایسا آدمی آواز کے زیر و بم کے ساتھ لوگوں کے جذبات کو بھڑکا کر، ایسا کلام پڑھتا ہے یا ایسے اشعار گاتا ہے، جن میں گندی باتوں کی صراحت یا اشارہ ہوتا ہے، کیوں کہ اس طرح کا کلام فنکار سے سن کر، عموماً انسان پھر انہی کاموں میں مبتلی ہو جاتا ہے۔
- غیر محرم عورت سے گانا سننا جائز نہیں۔

ترمذی کی مذکورہ روایت جس میں اس جاریہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اجازت لے کر فتح و سلامتی کے گیت اور ترانے پڑھے ہیں، اس سے استدلال کر کے حافظ ابن حجر عسقلانی اور ملا علی قاری رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ اجنبیہ عورت سے آلات موسیقی

---

(۱) فتح الباری لابن رجب حنبلی ۱۵۸/۵، کتاب العیدین، باب سنة العیدین لاهل الاسلام، امداد الفتاوی ۲۷۹/۲، فتاوی زکریا ۵۸۵/۲، کتاب الصلاۃ، نماز عیدین کا بیان، عید کے دن دف بجانے کا حکم، فتاوی رحیمیہ ۲۴۱/۷، کتاب الصوم، باب مایتعلق بالسحر والافطار، فتاوی محمودیہ ۲۱۹/۱۱، باب ما یتعلق بالرسوم عند الزفاف، فتاوی دار العلوم دیوبند ۱۱۹/۷، کتاب النکاح، دف بجا کر اعلان نکاح، قاموس الفقہ ۲۲۶/۳۔

(۲) فتاوی ہندیہ ۴۰۷/۵، کتاب الکراهیة، الباب السابع عشر: فی الغناء والهو، ط: بیروت، بحر الرائق ۱۴۸/۷، کتاب الشهادات باب من تقبل شهادته و من لا تقبل، ط: رشیدیہ، کوئٹہ۔

کے بغیر ترانے اور گیت سننا جائز ہے، بشرطیکہ کسی فتنہ کا اندیشہ نہ ہو، (۱)

یہ بات اپنی جگہ درست تو ہے لیکن چونکہ موجودہ دور میں فتنہ اور شر غالب ہے اور نفسانی خواہشات کی پیروی عام ہے، اس لئے اب فتوی یہ ہے کہ کسی غیر محرم عورت کے منہ سے کوئی گیت اور ترانہ سننا جائز نہیں، خواہ فتنہ کا اندیشہ ہو یا نہ ہو، کیونکہ عورت کی آواز بھی ستر میں داخل ہے، جس سے اجتناب ضروری ہے، البتہ ضرورت کے وقت غیر محرم خاتون سے اس انداز سے کلام کرنا، جس سے کسی گناہ میں مبتلی ہونے کا اندیشہ نہ ہو، جائز ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جاریہ کا جو کلام سنا ہے، اس بارے میں شارحین حدیث نے تین باتیں ذکر کی ہیں:

۱۔ علامہ سیوطی فرماتے ہیں کہ وہ جاریہ نابالغ تھی، اس لئے کہ جاریہ کا لفظ عربی زبان میں نابالغہ کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ (۲)

۲۔ ہوسکتا ہے کہ یہ واقعہ پردے کا حکم نازل ہونے سے پہلے کا ہو۔

۳۔ اس عورت کا کلام سننے سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا کسی فتنہ میں مبتلی ہونے کا امکان نہ تھا، اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے اس قسم کے سماع میں کوئی حرج نہ تھا، آپ کے علاوہ دوسرے لوگ چونکہ فتنہ میں مبتلی ہوسکتے ہیں، اس لئے کسی بھی مسلمان کے لئے غیر محرم عورت کی زبان سے، ترانہ یا گیت سننا جائز نہیں، حرام ہے۔

حاصل یہ ہے کہ شریعت اور قیاس کے عام قانون کا تقاضا یہی ہے کہ آلات موسیقی سے قصد اور ارادے کے ساتھ گانا گانا یا سننا جائز نہیں، البتہ عام قیاس کے برخلاف چند احادیث سے، جن میں ترمذی کی مذکورہ روایت بھی شامل ہے، بعض مخصوص مواقع پر اس کا جواز معلوم ہوتا ہے، وہ بھی آلات موسیقی کے بغیر، لہذا اس جواز کو انہی مواقع کی حد تک محدود رکھا جائے، کیونکہ فقہاء کا مسلمہ اصول ہے کہ کسی صحیح حدیث میں، جو بات شریعت کے کسی عام ضابطے کے خلاف آجائے، تو صرف اس حدیث میں آنے والی صورت پر عمل کیا جائے گا، اسے اصل ٹھہرا کر اس پر مزید امور کو قیاس کرنا جائز نہیں۔ (۳)

چنانچہ حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے اور اس مفہوم کی بخاری کی روایت سے صوفیاء کے ایک گروہ نے یہ استدلال کیا ہے کہ آلات کے ساتھ گانا گانا اور سننا جائز ہے، مگر یہ استدلال درست نہیں، کیونکہ ترمذی کی روایت میں، جس جاریہ کا ذکر ہے اور بخاری کی روایت میں جن دو جاریتان کا ذکر ہے، یہ کوئی پیشہ ور فنکارہ اور مغنیہ نہیں تھیں، یہی وجہ ہے کہ آئمہ اربعہ اور محدثین کا مذہب یہ ہے کہ آلات موسیقی کے ساتھ کلام، گیت یا اشعار سننا اور سنانا جائز نہیں اور احادیث میں بس زیادہ سے زیادہ

---

(۱) فتح الباری ۲/۲۶۳، کتاب العیدین باب الحراب والدرق یوم العید، مرقاۃ المفاتیح ۱۱/۱۹۴، کتاب المناقب باب مناقب عمر رقم الحدیث: ۶۰۴۸، وایضاً ۳/۴۸۴، کتاب الصلاۃ، باب صلاۃ العیدین، رقم: ۱۴۳۲

(۲) زہر الربی ۱/۳۳۶، مرقاۃ ۳/۴۸۴

(۳) انعام الباری ۴/۱۵۰، کتاب العیدین باب الحراب والدرق یوم العید۔

دف کا ذکر ہے، اس کا استعمال مخصوص شرائط کے ساتھ جائز ہے، جن کی تفصیل پہلے گذر چکی ہے، اس لئے کہ "دف" آلات موسیقی میں سے نہیں ہے۔(۱)

عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَالِسًا، فَسَمِعْنَا لَغَطًا وَصَوْتَ صِبْيَانٍ، فَقَامَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَإِذَا حَبَشِيَّةٌ تَزْفِنُ وَالصِّبْيَانُ حَوْلَهَا، فَقَالَ: يَا عَائِشَةُ: تَعَالَيْ فَانْظُرِي، فَجِئْتُ فَوَضَعْتُ لَحْيَيَّ عَلَى مَنْكِبِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَجَعَلْتُ أَنْظُرُ إِلَيْهَا مَا بَيْنَ الْمَنْكِبِ إِلَى رَأْسِهِ، فَقَالَ لِي: أَمَا شَبِعْتِ، أَمَا شَبِعْتِ، قَالَتْ: فَجَعَلْتُ أَقُولُ: لَا، لِأَنْظُرَ مَنْزِلَتِي عِنْدَهُ، إِذْ طَلَعَ عُمَرُ، قَالَتْ: فَارْفَضَّ النَّاسُ عَنْهَا: قَالَتْ: فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنِّي لَأَنْظُرُ إِلَى شَيَاطِينِ الْإِنْسِ وَالْجِنِّ قَدْ فَرُّوا مِنْ عُمَرَ، قَالَتْ: فَرَجَعْتُ.(۲)

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھے ہوئے تھے کہ ہم نے خوب شور وغل اور بچوں کی آواز سنی، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوئے تو دیکھا کہ ایک حبشی باندی یا عورت ناچ رہی ہے اور بچے اس کے آس پاس کھڑے ہو کر تماشا دیکھ رہے ہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عائشہ! آؤ (یہ تماشہ) تم بھی دیکھ لو، میں آگئی، اور میں نے اپنے جبڑے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کندھے پر رکھ لئے، اور میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کندھے اور سر کے درمیان سے اس عورت کو دیکھنے لگی، (تھوڑی تھوڑی دیر کے بعد) آپ صلی اللہ علیہ وسلم مجھ سے پوچھتے: کیا تمہارا جی نہیں بھرا؟ کیا تمہارا جی نہیں بھرا؟ حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ میں جواب دیتی: نہیں (یعنی ابھی تک میرا جی نہیں بھرا) میں دیکھنا چاہتی تھی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں میرا کیا مقام ومرتبہ ہے، (اس لئے میں نفی میں جواب دیتی رہی) اتنے میں حضرت عمر نمودار ہو گئے، فرماتی ہیں کہ (انہیں دیکھتے ہی) وہ تمام لوگ ادھر ادھر منتشر ہو گئے، جو اس عورت کے گرد جمع ہو کر تماشا دیکھ رہے تھے، فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میں جنات اور انسانوں میں سے شیاطین کو دیکھ رہا ہوں کہ وہ عمر کو دیکھ کر (کس طرح) بھاگ رہے ہیں، حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ پھر میں بھی واپس لوٹ آئی۔

مشکل الفاظ کے معنی: لغطا: (لام اور غین پر زبر کے ساتھ): بہت زیادہ شور شرابا، شور وغل، تزفن: (زا ساکن اور فا کے نیچے زیر) رقص کر رہی تھی، ناچ رہی تھی، کھیل کے کرتب دکھا رہی تھی، تعالی: عائشہ تم آجاؤ، لحی: یہ لحی کا تثنیہ ہے، نون تثنیہ اضافت کی وجہ سے گر گیا ہے،: میرے دونوں جبڑے، منکب: کندھا، ما بین المنکب الی رأسه: سر اور کندھے کے درمیان سے، لأنظر منزلتي عنده: تاکہ آپ کے نزدیک میں اپنا مرتبہ ومقام دیکھ لوں، اذ طلع عمر: اچانک عمر نمودار ہوئے یعنی تشریف لائے، فارفض الناس: چنانچہ لوگ ادھر ادھر بکھر گئے، منتشر ہو گئے۔

---

(۱) فتح الباری ۲/۵۶۲، کتاب العیدین، باب الحراب والدرق یوم العید، عمدۃ القاری ۶/۲۷۱۔

(۲) کنز العمال، رقم: ۳۲۷۲۱۔

عید کے موقع پر ایک حبشی عورت کا رقص

عید کے موقع پر مسجد نبوی میں شور وغل اور بچوں کی آوازیں سنائی دیں، آپ ﷺ نے دیکھا تو باہر میدان میں ایک حبشی باندی یا حبشی عورت رقص کر رہی ہے، لہو ولعب اور نیزوں کے مختلف کرتب دکھارہی ہے، آپ نے حضرت عائشہ سے فرمایا کہ عائشہ دیکھنا ہے تو چلو، چنانچہ حضرت عائشہ آپ ﷺ کے ساتھ آگئیں اور اپنے جبڑے آپ کے کندھوں پر رکھ کر، اس کے کرتب اور رقص دیکھنے لگی، آپ وقفہ وقفہ سے پوچھتے کہ عائشہ ابھی تک تمہارا دل نہیں بھرا، وہ جواب دیتی رہیں: نہیں بھرا، زیادہ دیر تک یہ کھیل دیکھنا ان کا مقصد نہیں تھا، بلکہ وہ یہ دیکھنا چاہتی تھیں کہ آپ ﷺ کے دل میں میری کتنی قدر و منزلت اور مقام ہے، آپ بھی ان کی خوشی کے لئے کھڑے ہو کر ان کو دکھاتے رہے، اتنے میں حضرت عمر تشریف لائے تو کھیل کا سارا مجمع منتشر ہو گیا، تو حضرت عائشہ بھی واپس آگئیں، آپ ﷺ نے یہ منظر دیکھ کر فرمایا کہ میں دیکھ رہا ہوں کہ عمر کے آنے سے انسانوں اور جنات میں سے شیاطین بھاگ رہے ہیں، اس کا یہ مطلب نہیں کہ یہ عمل ناجائز تھا، وہ بلاشبہ ایک مباح کام تھا، لیکن حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو اللہ نے ایک مخصوص مزاج اور رعب عطا فرمایا تھا، جس کی وجہ سے لوگ انہیں دیکھ کر ایک مباح کام کو بھی چھوڑ کر بھاگ جاتے تھے، اس سے حضرت عمر کی فضیلت اور بزرگی ثابت ہوتی ہے۔

سوال یہ ہے کہ رقص کرنے والی حبشی باندی یا عورت اور سارے تماشہ دیکھنے والے حضرت عمر کو دیکھ کر تو منتشر ہو گئے، مگر نبی کریم ﷺ سے وہ سب کیوں نہ ڈرے، حالانکہ نبی کریم ﷺ کا رعب اور دبدبہ حضرت عمر سے کہیں زیادہ تھا؟

حافظ ابن العربی مالکی رحمہ اللہ نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ بظاہر اس واقعہ میں اللہ جل شانہ کے منشا میں دو امر ہیں:

- اللہ جل شانہ نے نبی کریم ﷺ کے رعب اور وجاہت سے لوگوں کو اس لئے منتشر نہیں کیا، تا کہ آپ ﷺ کے عمل اور قول سے یہ رخصت اور جواز ثابت ہو جائے کہ خوشی کے موقع پر اس طرح خوشی کا اظہار جائز ہے، جبکہ وہ شرعی حدود کے اندر ہو۔
- حضرت عمر کی آمد سے لوگوں کو منتشر اس لئے کیا، تا کہ حضرت عمر کا مقام اور فضیلت لوگوں کے سامنے ظاہر ہو جائے، گویا یہ ان کی ایک جزوی فضیلت ہے۔(۱)

غیر محرم عورت کا رقص دیکھنے کا حکم

بعض لوگوں نے حدیث کے مذکورہ واقعے سے دو باتوں کے جائز ہونے پر استدلال کیا ہے:

۱۔ حضور ﷺ نے اس حبشی عورت کا رقص اور کھیل کے کرتب دیکھے ہیں، لہذا اس سے معلوم ہوا کہ اجنبی عورت کا رقص دیکھنا جائز ہے۔

---

(۱) عارضۃ الاحوذی ۱۴۷/۱۳، کتاب المناقب، باب فی مناقب عمر بن الخطاب رضی اللہ، حدیث نمبر: ۳۶۹۹

۲۔ جس طرح اس حبشی عورت کے لئے رقص اور کھیل کے کرتب دکھانا جائز تھا، اس طرح آج اگر کوئی عورت ناچ گانا کرے تو یہ بھی جائز ہونا چاہیے۔

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ وہ حبشیہ خواہ باندی ہو یا آزاد حبشی عورت ہو، اس کے رقص وسرور، کھیل اور نیزے وغیرہ کے کرتب میں کسی قسم کے فتنہ کا اندیشہ نہیں تھا، نیز اس کا لباس بھی پورا تھا، اور اگر باندی ہو تو اس کا چہرہ، ہاتھ، کلائیاں، سینہ اور سر تو ستر میں داخل ہی نہیں، انہیں دیکھنا شرعا جائز ہے، اس لئے اس سے استدلال کر کے یہ کہنا کہ آج اگر کوئی عورت ناچ گانا کرے تو اسے دیکھنا اور اس کے لئے یہ عمل کرنا جائز ہے، کسی بھی طرح درست نہیں۔

اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دیکھنے میں چونکہ کسی قسم کے فتنہ کا اندیشہ نہیں تھا، اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے اسے دیکھنا جائز ہے، اور حقیقت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم تو اس عورت کو نہیں، بلکہ اس کے کھیل کے کرتب اور تیر اندازی کو دیکھ رہے تھے، اس لئے اس واقعہ کو بنیاد بنا کر کسی مسلمان کے لئے یہ جائز نہیں کہ وہ اجنبی عورت کا ناچ گانا دیکھنا شروع کر دے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ آپ کی برکت سے بہت سے فتنوں سے محفوظ تھا، جبکہ ہمارا یہ زمانہ ہر قسم کے فتنوں اور نفسانی خواہشات کے مطابق آزادی کے ساتھ چلنے کا ہے، دیکھیے چار دیواری سے باہر ہر طرف برہنہ لباس میں خواتین گناہ کی دعوت دے رہی ہیں، اور جو ناچ گانے کے پیشے میں ہیں، ان کے لباس اور زیادہ فحش اور برہنہ ہیں، اس لئے موجودہ دور میں کسی اجنبی عورت کا رقص دیکھنا اور اس کی زبان سے گانا وغیرہ سننا بالکل ناجائز اور حرام ہے۔(۱)

عورت کے لئے غیر محرم مرد کو دیکھنے کا مسئلہ

ترمذی کی اس روایت میں تو حبشی عورت کا ذکر ہے، جبکہ صحیح بخاری کی روایت میں یہ الفاظ ہیں: ”وكان يوم عيد يلعب فيه السودان بالدرق والحراب“ اور عید کے دن سیاہ فام مرد، زرہ اور نیزوں سے کھیلا کرتے تھے یعنی کرتب دکھاتے تھے، اس حدیث کے لحاظ سے یہ بات قابل غور ہے کہ کیا کوئی عورت کسی غیر محرم مرد کو دیکھ سکتی ہے یا نہیں؟ ہم نے یہ بحث ابواب الاستیذان، باب ما جاء في احتجاب النساء من الرجال میں تفصیل سے ذکر کر دی ہے، اس کے لئے معارف ترمذی جلد دوم کا مطالعہ کر لیا جائے۔

عَنِ ابْنِ عُمَرَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَنَا أَوَّلُ مَنْ تَنْشَقُّ عَنْهُ الأَرْضُ ثُمَّ أَبُو بَكْرٍ ثُمَّ عُمَرُ، ثُمَّ آتِي أَهْلَ البَقِيعِ، فَيُحْشَرُونَ مَعِي، ثُمَّ أَنْتَظِرُ أَهْلَ مَكَّةَ، حَتَّى أُحْشَرَ بَيْنَ الحَرَمَيْنِ.(۲)

حضرت عبد اللہ بن عمر فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سب سے پہلے (دوبارہ اٹھنے کے لئے) میری قبر کی

---

(۱) الکوکب الدری ۴/۴۱۰
(۲) المستدرک للحاکم ۲/۴۶۵۔

زمین پھٹے گی، پھر ابوبکر کی پھر عمر کی، پھر میں جنت البقیع والوں کے پاس آؤں گا، انہیں میرے ساتھ جمع کیا جائے گا، پھر میں مکہ والے مومنین کا انتظار کروں گا، یہاں تک کہ مجھے حرمین کے درمیان (یعنی مکہ و مدینہ کے درمیان) ان کے ساتھ جمع کیا جائے گا۔

مشکل الفاظ کے معنی: تنشق: زمین پھٹے گی، یحشرون معی: (صیغہ مجہول) اہل بقیع کو میرے ساتھ جمع کیا جائے گا۔

قیامت کے دن حضرت عمر تیسرے نمبر پر قبر سے اٹھیں گے

اس حدیث میں نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے دن سب سے پہلے میری قبر کی مٹی پھٹے گی، پھر حضرت ابوبکر کی اور پھر حضرت عمر کی، اس سے معلوم ہوا کہ حضرت عمر قیامت کے دن تیسرے نمبر پر قبر سے نکلیں گے، پھر آپ ﷺ جنت البقیع میں جو مدفون ہوں گے، ان کے پاس آئیں گے، انہیں آپ کے ساتھ جمع کیا جائے گا، پھر مکہ کے مومنین کا آپ انتظار فرمائیں گے، پھر ان کا آپ ﷺ کے ساتھ مکہ و مدینہ کے درمیان اجتماع ہوگا، اس کے بعد آپ ﷺ اہل مکہ اور اہل مدینہ کے ساتھ میدان محشر یعنی شام کا رخ کریں گے اور وہاں تمام مخلوق کے ساتھ جمع ہوں گے۔(۱)

علامہ مناوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضرات شیخین کو قیامت کے دن نبی کریم ﷺ کا خصوصی قرب حاصل ہوگا، اس سے ان کی فضیلت، عظمت اور برتری ثابت ہوتی ہے۔(۲)

عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: قَدْ كَانَ يَكُونُ فِي الأُمَمِ مُحَدَّثُونَ، فَإِنْ يَكُ فِي أُمَّتِي أَحَدٌ فَعُمَرُ بْنُ الخَطَّابِ.(۳)

حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: گذشتہ امتوں میں (انبیاء کے علاوہ) محدث ہوا کرتے تھے، میری امت میں اگر کوئی محدث ہے تو وہ عمر بن خطاب ہے۔

حضرت عمر اس امت کے مُحَدَّث تھے

اس حدیث میں نبی کریم ﷺ نے حضرت عمر کی فضیلت میں فرمایا کہ گذشتہ امتوں میں بھی محدثین ہوا کرتے تھے، میری امت میں اگر کوئی محدث ہے تو وہ عمر ہے، اب چونکہ نبوت کا خاتمہ ہو چکا ہے، اس لئے اس امت میں اس کے بدلے اللہ نے الہام عطا فرمایا ہے۔

---

(۱) مرقاۃ المفاتیح ۱۱/۱۷۴، کتاب المناقب باب مناقب ابی بکر رضی اللہ عنہ حدیث: ۶۰۳۲

(۲) التیسیر فی شرح الجامع الصغیر للعلامۃ المناوی ۱/۳۷۵ (شاملۃ)

(۳) الصحیح لمسلم، کتاب فضائل الصحابۃ، باب فی فضائل عمر، رقم: ۲۳۹۸۔

اس جملے یعنی "اگر میری امت میں کوئی شخص محدث ہے تو وہ عمر ہے" سے کسی شک کا اظہار پیش نظر نہیں، کیونکہ اگر گذشتہ امتوں میں محدث ہوا کرتے تھے، تو امت محمدیہ میں بھی ضرور ہوں گے، یہ تو سب سے زیادہ فضیلت والی امت ہے، بلکہ ان الفاظ سے بطور محاورے کے بڑی تاکید کے ساتھ حضرت عمر کی فضیلت کو بیان کرنا مقصود ہے، چنانچہ عرف میں جب کوئی شخص کسی کے ساتھ اپنی خصوصی دوستی کو بتانا چاہے، تو وہ یوں کہتا ہے کہ دنیا میں اگر کوئی میرا مخلص دوست ہے تو بس وہی ہے، اس سے وہ اپنی دوستی کے درجہ کمال کو بیان کرتا ہے، یہ مقصد نہیں ہوتا کہ وہ فلاں کے ساتھ دوستی میں شک کا اظہار کر رہا ہے، اسی طرح حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جملے کے ذریعہ حضرت عمر کے اس وصف کو نہایت اعزاز واکرام اور کمال کے ساتھ بیان فرمایا ہے، یہی وجہ ہے کہ حضرت عمر کی رائے کے مطابق قرآن مجید کی کئی آیات نازل ہوئی ہیں، جن کی تفصیل اس سے پہلے گذر چکی ہے۔

محدَّث (دال پر زبر اور تشدید) کے کیا معنیٰ اور مفہوم ہے، اس کی تفسیر میں شارحین کے مختلف اقوال ہیں، لیکن یہ تمام اقوال اپنے معنیٰ کے لحاظ سے قریب قریب ہیں، ان کی تفصیل یہ ہے:

۱۔ "محدث" تحدیث سے اسم مفعول کا صیغہ ہے: وہ شخص جس سے بات چیت کی جائے یعنی کوئی اور اس سے بات کرے، ایسے شخص کو "مُلْهَم" کہا جاتا ہے، یعنی وہ شخص جس کے دل میں اللہ جل جلالہ کی طرف سے کوئی بات ڈال دی جائے، اسے الہام ہو جائے۔

۲۔ جس کی زبان سے بغیر ارادے کے بھی حق بات ہی جاری ہو۔

۳۔ جس کی زبان پر فرشتے باتیں کرتے ہوں، حالانکہ وہ اللہ کا نبی اور رسول نہیں ہوتا۔

۴۔ وہ شخص جسے ایسی ایمانی فہم وبصیرت حاصل ہو کہ وہ ہر معاملے میں وہی رائے دے، جو شریعت کی نظر میں بالکل درست ہو، اور اس کا گمان اور اندازہ ہر معاملے میں صحیح ہو۔

تاہم "محدث" کسی معاملے میں جو رائے قائم کرے یا کوئی بات کرے، تو فوراً اسے قبول نہیں کیا جائے گا، بلکہ اسے قرآن وسنت کی تعلیمات کی رو سے دیکھا جائے گا، اگر وہ بات شرعی اصولوں کے موافق ہو، تو اس پر عمل کیا جائے گا، اور اس بات کا اعتبار کیا جائے گا، ورنہ اسے چھوڑ دیا جائے گا، اور ایسا بندہ یعنی محدث، نہ تو نبی ہوتا ہے اور نہ اسکی بات وحی کا درجہ رکھتی ہے، (۱)

اس سے قادیانی کی تردید ہو جاتی ہے جس نے اس حدیث کی مرضی کے مطابق غلط تشریح کر کے اپنے آپ کو نبی ثابت کرنے کی ناکام کوشش کی ہے۔ (۲)

---

(۱) فتح الباری ۶۲/۷، کتاب فضائل اصحاب النبی باب مناقب عمر، عمدۃ القاری ۵۵/۱۶، ط: رشیدیہ کوئٹہ، مرقاۃ المفاتیح ۱۷۹/۱۱، کتاب المناقب باب مناقب عمر، الکوکب الدری ۴۱۰/۴، شرح مسلم للنووی ۲۷۶/۲، کتاب الفضائل، باب فضائل عمر، رقم: ۲۳۹۸۔

(۲) تکملۃ فتح الملہم ۸۹/۵، کتاب فضائل الصحابۃ، باب فضائل عمر

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُودٍ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: يَطَّلِعُ عَلَيْكُمْ رَجُلٌ مِنْ أَهْلِ الْجَنَّةِ فَاطَّلَعَ أَبُو بَكْرٍ، ثُمَّ قَالَ: يَطَّلِعُ عَلَيْكُمْ رَجُلٌ مِنْ أَهْلِ الْجَنَّةِ فَاطَّلَعَ عُمَرُ. (۱)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: تمہارے سامنے ایک ایسا شخص آئے گا، جو جنتیوں میں سے ہے، چنانچہ سامنے سے ابوبکر آتے نظر آئے، پھر آپ ﷺ نے فرمایا: (ابھی) تمہارے سامنے ایک ایسا شخص نمودار ہوگا، جو اہل جنت میں سے ہے، اتنے میں حضرت عمر سامنے سے آتے ظاہر ہو گئے۔

مشکل الفاظ کے معنی: یطلع: نمودار ہوئے، ظاہر ہوئے، سامنے سے آئے۔

ابوبکر و عمر کے جنتی ہونے کی بشارت

اس حدیث میں نبی کریم ﷺ نے حضرات شیخین کے بارے میں یہ بشارت اور شہادت دی ہے کہ وہ دونوں جنتی ہیں، اس سے ان کی عظمت وفضیلت اور اللہ ورسول کے ہاں مقام قرب ثابت ہوتا ہے۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: بَيْنَمَا رَجُلٌ يَرْعَى غَنَمًا لَهُ، إِذْ جَاءَ ذِئْبٌ، فَأَخَذَ شَاةً، فَجَاءَ صَاحِبُهَا فَانْتَزَعَهَا مِنْهُ، فَقَالَ الذِّئْبُ: كَيْفَ تَصْنَعُ بِهَا يَوْمَ السَّبُعِ، يَوْمَ لَا رَاعِيَ لَهَا غَيْرِي؟ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: فَآمَنْتُ بِذَلِكَ أَنَا وَأَبُو بَكْرٍ وَعُمَرُ، قَالَ أَبُو سَلَمَةَ: وَمَا هُمَا فِي الْقَوْمِ يَوْمَئِذٍ. (۲)

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ایک آدمی اپنی بکریاں چرا رہا تھا کہ اچانک ایک بھیڑیا آیا اور اس نے ایک بکری پکڑ لی، اتنے میں اس کا مالک آیا اور اسے اس سے کھینچ لیا (یعنی چھڑا لیا) اس پر بھیڑیا کہنے لگا: تم درندے والے دن اس بکری کے ساتھ کیا کرو گے، جس دن میرے علاوہ ان بکریوں کا اور کوئی چرواہا نہیں ہوگا، (لوگوں نے کہا سبحان اللہ، عجیب بات) رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: میں اور ابوبکر وعمر اس پر ایمان لائے، ابوسلمہ راوی کہتے ہیں کہ اس وقت ابوبکر وعمر لوگوں میں موجود نہیں تھے۔

ابوبکر وعمر کی ایمانی قوت کا ایک اہم واقعہ

آپ ﷺ کو جب بتایا گیا کہ بھیڑیئے نے بات چیت کی ہے، لوگوں کو اس سے بڑا تعجب ہوا، لیکن آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس بات پر میں اور ابوبکر وعمر بھی ایمان لاتے ہیں، حالانکہ اس وقت یہ دونوں حضرات اس مجلس میں موجود نہیں تھے، اس سے حضرت ابوبکر وعمر کی ایمانی قوت کی عظمت ثابت ہوتی ہے کہ ان کی عدم موجودگی میں بھی آپ کو یقین ہے کہ وہ دونوں بھی اس پر

---

(۱) المستدرک للحاکم ۳/۷۳۔
(۲) مسند احمد ۳/۱۵۰۔

ضرور ایمان لے آئیں گے، اس لئے آپ نے ان کی طرف سے ایمان لانے کا اظہار فرمایا۔

"یوم السبع" سے کیا مراد ہے

اس حدیث میں بھیڑیئے نے بکری کے مالک سے کہا کہ تم درندے کے دن اس بکری کا کیا کرو گے، جب میرے علاوہ اور کوئی اسکا نگہبان نہیں ہوگا، اس "یوم السبع" کی تشریح سے پہلے یہ ذہن میں رہے کہ لفظ "السبع" کو دو طرح سے ضبط کیا گیا ہے:

۞ محدثین اس لفظ "السبع" کو باء پر پیش کے ساتھ روایت کرتے ہیں، جس کے معنی ہیں: حیوان مفترس یعنی چیر پھاڑ کر کھانے والا جانور، اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ تم اس بکری کا اس دن کیا کرو گے، جس دن اسے شیر لے جائے گا، تم تو اس وقت بھاگ جاؤ گے، میرے علاوہ اس دن اس کا اور کوئی محافظ اور نگہبان نہیں ہوگا۔(۱)

۞ ابن العربی فرماتے ہیں کہ لفظ "السبع" باء کے سکون کے ساتھ ہے۔

یوم السبع سے کیا مراد ہے؟ اس کے بارے میں شارحین حدیث کے تین قول ہیں:

۱۔ "السبع" یہ وہ جگہ ہے جہاں قیامت کے دن حشر ہوگا، مطلب یہ ہے کہ قیامت کے دن اس بکری کا میرے علاوہ کون نگہبان ہوگا، لیکن یہ مفہوم درست نہیں، اس لئے کہ اس صورت میں بھیڑیئے کے اس جملے یوم لا راعی لھا غیری کے کوئی معنی نہیں ہوں گے، کیونکہ بھیڑیا تو قیامت کے دن بکری کا نگہبان نہیں ہوگا۔

۲۔ ایک وقت آئے گا جس میں فتنے بہت زیادہ ہو جائیں گے، لوگ اس وقت اپنے مال مویشی کو بھول جائیں گے، یوں ہی انہیں چھوڑ کر چلے جائیں گے، ایسے میں اس بکری کا محافظ اور نگہبان میرے علاوہ اور کوئی نہیں ہوگا، اس صورت میں اس لفظ "السبع" کو باء کے پیش کے ساتھ پڑھا جائے گا۔

۳۔ ابوعبیدہ فرماتے ہیں کہ لفظ "السبع" سے درندے کے معنی مراد نہیں، بلکہ اس سے زمانہ جاہلیت کی عید اور جشن کا دن مراد ہے، جس میں تمام لوگ اس دن کھیل تماشے میں اس قدر منہمک ہو جاتے تھے کہ انہیں اپنی بکریوں وغیرہ کی کوئی پرواہ نہیں ہوتی تھی، یوں ہی چھوڑ کر اس جشن میں شریک ہو جاتے تھے، بھیڑیئے کے کلام کا مطلب یہ ہے کہ عید کے اس دن تو ان بکریوں کا محافظ میں ہی ہوں گا، اس دن تم کیا کرو گے، میرے علاوہ اور کوئی نگہبان نہیں ہوگا۔(۲)

۴۔ ملا علی قاری فرماتے ہیں کہ اس سے وہ دن مراد ہے، جس میں تمام لوگ مر جائیں گے اور صرف وحشی جانور ہی باقی رہ جائیں گے، تو بھیڑیا یہ کہہ رہا ہے کہ بتاؤ تم اس دن کیسے اپنی بکریوں کی حفاظت کرو گے، جبکہ اس وقت میرے علاوہ اور کوئی ان کا

---

(۱) فتح الباری ۷/۳۴، کتاب فضائل اصحاب النبی باب قول النبی ﷺ: لو کنت متخذا خلیلا ...،

(۲) النهایة فی غریب الأثر للجزری ۲/۸۴۲، باب السین مع الباء، ط: العلمیة، بیروت، فتح الباری ۷/۳۴، تحفة الاحوذی ۱۰/۱۷۶۔

نگران ہوگا ہی نہیں، اس صورت میں لفظ السبع باء کے پیش کے ساتھ پڑھا جائے گا۔(۱)

عَنْ قَتَادَةَ، أَنَّ أَنَسًا حَدَّثَهُمْ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَعِدَ أُحُدًا وَأَبُو بَكْرٍ وَعُمَرُ وَعُثْمَانُ، فَرَجَفَ بِهِمْ، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: اثْبُتْ أُحُدُ، فَإِنَّمَا عَلَيْكَ نَبِيٌّ، وَصِدِّيقٌ، وَشَهِيدَانِ.(۲)

حضرت قتادہ کہتے ہیں کہ حضرت انس بن مالک نے ان کو یہ حدیث بتائی کہ نبی کریم ﷺ، ابوبکر، عمر اور عثمان احد پہاڑ پر چڑھے، تو وہ ان کی وجہ سے لرزنے لگا، آپ ﷺ نے فرمایا: اے احد! تو ٹھہر جا، تیرے اوپر ایک نبی، ایک صدیق اور دو شہید موجود ہیں۔

مشکل الفاظ کے معنی: فرجف بھم: جبل احد ان حضرات کی وجہ سے لرزنے لگا، جنبش کرنے لگا، اثبت احد: اے احد تو ٹھہرا رہ، ثابت رہ۔

حضرت عمر پر قاتلانہ حملہ اور شہادت

مذکورہ حدیث میں نبی کریم ﷺ نے پہلے سے یہ پیشن گوئی فرمادی تھی کہ حضرت عمر اور حضرت عثمان دونوں شہید ہوں گے، چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

حضرت عمر کی شہادت کا قصہ یوں پیش آیا کہ مدینہ منورہ میں ایک فارسی غلام فیروز نامی رہتا تھا، جس کی کنیت ابولولو تھی، یہ حضرت مغیرہ بن شعبہ کا غلام تھا، اس کے ذمے چار درہم روزانہ کا ٹیکس اپنے آقا کو ادا کرنے لازم تھے، ابولولو حضرت عمر کے پاس آکر کہنے لگا کہ آپ میرا یہ ٹیکس کم کرادیجئے، یہ زیادہ ہے، حضرت عمر نے اس کی بات سن کر فرمایا کہ تم اپنے آقا کی اطاعت اور اس کے ساتھ اچھا سلوک کرتے رہو اور دل میں ارادہ کرلیا کہ میں مغیرہ سے اس بارے میں بات کروں گا، لیکن اس غلام کو غصہ آگیا، کہنے لگا: عمر کا عدل وانصاف لوگوں کے لئے تو ہے لیکن میرے لئے نہیں، اسے اس قدر حضرت عمر پر غصہ آیا کہ انہیں قتل کرنے کا پورا منصوبہ بنالیا، زہر آلود خنجر لے کر دوسرے ہی دن فجر کی نماز میں پہنچ گیا، حضرت عمر صف بندی کرارہے تھے کہ اس نے خنجر سے کئی وار کردیئے، جن میں سے ایک ناف کے نیچے اور کولہے پر اتنا سخت زخم ہوا کہ حضرت عمر وہیں گر گئے، اور لوگوں پر بھی اس نے وار کئے، جن میں سے چھ آدمی شہید ہو گئے، حضرت عبدالرحمن بن عوف نے مختصر قراءت کے ساتھ جلدی سے نماز پڑھائی، اور پھر حضرت عمر کو طلوع آفتاب سے پہلے اٹھا کر گھر لایا گیا، زخم اتنے شدید تھے کہ جو چیز بھی حضرت عمر پیتے، دودھ یا نبیذ وغیرہ، تو وہ بھی ان زخموں سے باہر نکل آتی، حملے کے تین دن بعد آپ اللہ جل جلالہ کی جوار رحمت میں منتقل ہو گئے اور یکم محرم ۲۴ ہجری کو دفن کئے

---

(۱) مرقاۃ المفاتیح ۱۱/۲۰۸، کتاب المناقب، باب مناقب ابی بکر وعمر۔

(۲) سنن ابن ماجۃ، رقم:۱۰۹، عن ابی ھریرۃ۔

گئے، اور بعض حضرات نے حملہ کا دن ۲۷ ذی الحجہ بدھ کا دن لکھا ہے، (۱)

ملا علی قاری فرماتے ہیں: صحیح قول یہ ہے کہ حضرت عمر کو ۲۴ھ، دس محرم الحرام، بروز اتوار دفن کیا گیا، حضرت عمر کی عمر تریسٹھ سال تھی۔ (۲)

بَابٌ فِي مَنَاقِبِ عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، وَلَهُ كُنْيَتَانِ، يُقَالُ: أَبُو عَمْرٍو، وَأَبُو عَبْدِ اللهِ

حضرت عثمان بن عفان کے فضائل، ان کی دو کنیتیں ہیں: ابو عمرو اور ابو عبد اللہ

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ عَلَى حِرَاءَ هُوَ وَأَبُو بَكْرٍ وَعُمَرُ وَعُثْمَانُ وَعَلِيٌّ وَطَلْحَةُ وَالزُّبَيْرُ، فَتَحَرَّكَتِ الصَّخْرَةُ، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: اهْدَأْ، فَمَا عَلَيْكَ إِلَّا نَبِيٌّ، أَوْ صِدِّيقٌ أَوْ شَهِيدٌ. (۳)

حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ (ایک دفعہ) نبی کریم ﷺ (مکہ کے ایک پہاڑ) حراء پر تھے، آپ کے ساتھ ابوبکر، عمر، عثمان، علی، طلحہ اور زبیر بھی تھے، اتنے میں وہ چٹان ہلنے لگی (جس پر وہ حضرات کھڑے تھے) آپ ﷺ نے (اس پتھر سے) فرمایا: تو ٹھہر ارہ، کیونکہ تجھ پر ایک نبی، ایک صدیق، اور شہید ہی کھڑے ہیں۔

حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے شروع میں ہی مکہ مکرمہ میں اسلام قبول کرلیا تھا، اس وقت تک نبی کریم ﷺ دار ارقم میں نہیں گئے تھے، انہوں نے دو ہجرتیں کی ہیں، پہلے حبشہ کی طرف اور پھر مدینہ منورہ کی طرف، آپ کو ذوالنورین (دو نور والے) کہا جاتا ہے، کیونکہ آپ کے نکاح میں نبی کریم ﷺ کی دو صاحبزادیاں یکے بعد دیگرے نکاح میں آئیں، پہلے حضرت رقیہ سے نکاح کیا، یہ شدید بیمار ہوگئیں، جس کی وجہ سے حضرت عثمان غزوہ بدر میں بھی شریک نہ ہو سکے، اسی دوران حضرت رقیہ کی وفات ہوگئی، آپ ﷺ نے حضرت عثمان کو مال غنیمت سے حصہ دیا، پھر آپ کا نکاح نبی کریم ﷺ کی دوسری صاحبزادی حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا سے ہوا، زمانہ جاہلیت میں ان کی کنیت ابو عمرو تھی اور زمانہ اسلام میں حضرت رقیہ سے عبد اللہ نامی آپ کا ایک بچہ تھا، جو چھ سال کی عمر میں ہی وفات پا گیا تھا، اس وجہ سے آپ کو ابو عبد اللہ کہا جاتا ہے۔

حضرت عثمان تیسرے خلیفہ ہیں، آپ کی خلافت کا زمانہ بارہ سال ہے، آپ کے زمانہ میں آرمینیہ، قوقاز، خراسان،

---

(۱) سیر أعلام النبلاء ۲/۵۲۷، سیرۃ عمر بن الخطاب، ط: بیروت۔

(۲) مرقاۃ المفاتیح ۱۱/۲۰۵، کتاب المناقب باب مناقب عمر

(۳) الصحیح لمسلم، فضائل الصحابۃ، باب من فضائل طلحۃ والزبیر، رقم الحدیث: ۲۴۱۷۔

کرمان، سجستان، افریقہ اور قبرص فتح ہوئے۔

حضرت عثمان کی شہادت کی پیش گوئی

نبی کریم ﷺ نے بہت سی احادیث میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی مظلومانہ شہادت کا ذکر کیا ہے، ترمذی کی مذکورہ حدیث میں بھی آپ ﷺ نے حضرت ابو بکر کے علاوہ، حضرت عثمان سمیت بہت سے صحابہ کی شہادت کی پیشگی اطلاع دے دی تھی، چنانچہ یہ سب ہی مختلف جگہوں میں شہید ہوئے۔

حضرت عثمان کی خلافت کے ابتدائی چھ سال بڑے امن وسکون اور عافیت سے گذرے، ان میں کوئی قابل ذکر شر اور فتنہ رونما نہیں ہوا تھا، اس کے بعد فتنہ وفساد اور ایسے ایسے پروپیگنڈے اور سازشیں ہوئیں، جن کا پہلے کسی کو تصور بھی نہیں تھا، اسی میں حضرت عثمان کی شہادت بھی واقع ہوگئی۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر یہ اعتراض اور الزام تھا کہ آپ حکومت کے اہم عہدوں اور منصبوں پر اپنے رشتہ داروں کو نامزد کرتے ہیں، ان میں بعض ایسے تھے کہ اپنے منصب کے صحیح حقوق نہیں ادا کر پا رہے تھے، لوگوں نے آکر حضرت عثمان کو شکایتیں کیں، آپ نے ان امور کی اصلاح کرنے کی پوری کوشش کی، اس کے باوجود کوفہ، بصرہ اور مصر سے سینکڑوں کی تعداد میں لوگ آئے اور انہوں نے یہ مطالبہ کیا کہ آپ فلاں فلاں کو اس منصب سے معزول کر دیں، دلائل سے وہ لوگ الزام ثابت نہ کر سکے، اس لئے حضرت عثمان نے انہیں برطرف کرنے سے معذرت کر دی، معاملہ مزید بگڑتا چلا گیا، یہاں تک کہ مصر کے بلوائیوں نے حضرت عثمان کے گھر کا محاصرہ کر لیا، جو چالیس دن تک جاری رہا، پانی تک بند کر دیا، کئی دفعہ حضرت عثمان نے گھر کے اوپر سے ان سے خطاب کیا، اسلام کے بارے میں اپنی خدمات سے لوگوں کو آگاہ کیا، سب اس چیز کا اقرار کرتے لیکن اپنے فساد سے پھر بھی باز نہ آتے، بالآخر ان میں سے بعض حضرت عثمان کے گھر میں پچھلی جانب سے داخل ہوگئے، ان میں محمد بن ابی بکر بھی تھا، اس نے سب سے پہلے حضرت عثمان کی ڈاڑھی سختی سے پکڑی، تو حضرت عثمان نے اس سے فرمایا کہ اگر تمہارے باپ کو اس چیز کا پتہ چل جائے، تو انہیں تمہارا یہ عمل برا لگے گا، یہ بات سن کر محمد بن ابو بکر کے ہاتھ لرز گئے، یہ پیچھے ہٹ گیا، اتنے میں مصر کے دو فسادی آئے، انہوں نے آپ کو ذبح کر دیا، اس وقت حضرت عثمان روزے میں تھے اور قرآن مجید کی تلاوت فرما رہے تھے، آپ کا خون اس آیت پر گرا: فسیکفیکھم اللہ، آپ کی شہادت کی خبر جب صحابہ کرام تک پہنچی، تو وہ بہت پریشان ہوگئے اور ان کی لاش کے پاس آگئے، حضرت جبیر بن مطعم نے آپ کی نماز جنازہ پڑھائی، اور انہی کپڑوں میں بغیر غسل کے انہیں دفن کیا گیا، جس میں وہ شہید ہوئے تھے، اس وقت حضرت عثمان کی عمر بیاسی سال تھی۔ (۱)

---

(۱) سیر اعلام النبلاء ۲/۵۶۶، عثمان بن عفان، فتح الباری ۷/۶۷ کتاب فضائل اصحاب النبی ﷺ باب مناقب عثمان، الکوکب الدری ۴/۱۲۴، تاریخ الخلفاء للسیوطی (ص: ۱۱۵) عثمان بن عفان۔

کان علی حراء، حراء مکہ مکرمہ میں ایک پہاڑ کا نام ہے، اسی پر غار حرا بھی واقع ہے،

فما علیک الا نبی أو صدیق او شہید، اس میں لفظ ''أو'' ''و'' کے معنیٰ میں ہے، مطلب یہ ہے کہ تمہارے اوپر ایک نبی، ایک صدیق اور شہداء کھڑے ہیں اس لئے تو سکون سے ٹھہرا رہ، اس سے معلوم ہوا کہ پتھروں میں بھی شعور موجود ہے۔(۱)

عَنْ طَلْحَةَ بْنِ عُبَيْدِ اللهِ، قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لِكُلِّ نَبِيٍّ رَفِيقٌ وَرَفِيقِي - يَعْنِي فِي الْجَنَّةِ - عُثْمَانُ.(۲)

حضرت طلحہ بن عبید اللہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ہر نبی کا ایک خاص رفیق (یعنی مہربان دوست) ہوتا ہے، اور میرے رفیق عثمان ہیں یعنی جنت میں۔

حضرت عثمان آپ ﷺ کے رفیقِ خاص ہیں

اس حدیث میں حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی ایک فضیلت کا ذکر ہے، کہ وہ جنت میں آپ کے خاص رفیق ہوں گے، اور ہر نبی کا جنت میں ایک خاص دوست ہوگا، لیکن آپ ﷺ کے جنت میں ایک سے زیادہ رفقاء ہوں گے، چنانچہ ایک دوسری روایت میں حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کا ذکر ہے، تاہم اس روایت میں خاص طور پر، جو حضرت عثمان کا ذکر ہے، اس سے بہر حال ان کی قدر و منزلت اور خاص مقام ثابت ہوتا ہے۔

حدیث میں ''فی الجنۃ'' کا لفظ حضرت طلحہ یا کسی اور راوی کا اضافہ ہے، آپ ﷺ کے الفاظ نہیں، آپ ﷺ کا کلام مطلق ہے، مطلب یہ ہے کہ دنیا اور آخرت دونوں میں عثمان میرے خاص رفیق ہیں۔(۳)

عَنْ أَبِي عَبْدِ الرَّحْمَنِ السُّلَمِيِّ، قَالَ: لَمَّا حُصِرَ عُثْمَانُ، أَشْرَفَ عَلَيْهِمْ فَوْقَ دَارِهِ، ثُمَّ قَالَ: أُذَكِّرُكُمْ بِاللهِ: هَلْ تَعْلَمُونَ أَنَّ حِرَاءَ حِينَ انْتَفَضَ، قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: اثْبُتْ حِرَاءُ، فَلَيْسَ عَلَيْكَ إِلَّا نَبِيٌّ أَوْ صِدِّيقٌ أَوْ شَهِيدٌ قَالُوا: نَعَمْ، قَالَ: أُذَكِّرُكُمْ بِاللهِ: هَلْ تَعْلَمُونَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فِي جَيْشِ الْعُسْرَةِ: مَنْ يُنْفِقُ نَفَقَةً مُتَقَبَّلَةً، وَالنَّاسُ مُجْهَدُونَ، مُعْسِرُونَ، فَجَهَّزْتُ ذَلِكَ الْجَيْشَ؟ قَالُوا: نَعَمْ، ثُمَّ قَالَ: أُذَكِّرُكُمْ بِاللهِ: هَلْ تَعْلَمُونَ أَنَّ بِئْرَ رُومَةَ لَمْ يَكُنْ يَشْرَبُ مِنْهَا أَحَدٌ إِلَّا بِثَمَنٍ، فَابْتَعْتُهَا، فَجَعَلْتُهَا

---

(۱) تحفۃ الاحوذی ۱۰/۱۷۷

(۲) سنن ابن ماجۃ، رقم الحدیث: ۱۰۹ عن أبی ہریرۃ۔

(۳) مرقاۃ المفاتیح، ۱۱/۲۲۰، رقم الحدیث: ۶۰۷۰، کتاب المناقب، باب مناقب عثمان

لِلْغَنِيِّ وَالْفَقِيرِ وَابْنِ السَّبِيلِ؟ قَالُوا: اللَّهُمَّ نَعَمْ، وَأَشْيَاءَ عَدَّدَهَا.(۱)

حضرت ابوعبدالرحمن سلمی فرماتے ہیں کہ جب حضرت عثمان محصور ہوئے، تو اپنے گھر کے اوپر (یعنی چھت) سے لوگوں کو دیکھا اور پھر فرمایا: میں تمہیں اللہ کا واسطہ دے کر یاد دلاتا ہوں، کیا تم جانتے ہو کہ جب حراء پہاڑ ہلا تھا، تو رسول اللہ ﷺ نے (اسے) فرمایا: اے حراء! تو ٹھہرا رہ، تیرے اوپر ایک نبی، ایک صدیق اور شہید کے علاوہ اور کوئی نہیں، لوگوں نے (جواب میں) کہا: جی ہاں، پھر حضرت عثمان نے فرمایا: میں تمہیں اللہ کا واسطہ دے کر یاد دلاتا ہوں، کیا تم جانتے ہو کہ رسول اللہ ﷺ نے تنگی کے لشکر یعنی غزوہ تبوک کے موقع پر فرمایا: کون ہے جو (اس موقع پر دل کھول کر) خرچ کرے، جسے اللہ کے ہاں قبول کیا جائے گا، جبکہ لوگ محنت ومشقت اور تنگی کی حالت میں ہیں، تو میں نے اس لشکر کا سامان فراہم کیا، لوگوں نے کہا: جی ہاں، پھر حضرت عثمان نے فرمایا: میں تمہیں اللہ کے واسطے سے یاد دلاتا ہوں: کیا تم جانتے ہو کہ رومہ کے کنویں سے کوئی شخص قیمت کے بغیر پانی نہیں پی سکتا تھا، میں نے اس کنویں کو خریدا اور اسے امیر وغریب اور مسافر (غرض سب لوگوں) کے لئے وقف کر دیا، لوگوں نے کہا: بخدا! جی ہاں، اور بھی چند چیزیں حضرت عثمان نے ان کے سامنے گنوائیں (لیکن اس کے باوجود ان لوگوں پر ان باتوں کا کوئی اثر نہیں ہوا اور محاصرہ بدستور جاری رکھا)

مشکل الفاظ کے معنی: حصر: (صیغہ مجہول) حضرت عثمان محصور ہوئے، انہیں گھیر لیا گیا، اشرف علیهم: حضرت عثمان نے لوگوں کو اوپر سے دیکھا، فوق داره: اپنے گھر کے اوپر سے یعنی چھت سے، اذکرکم بالله: یہ لفظ تذکیر سے ہے: میں تمہیں اللہ کا واسطہ دے کر یاد دلاتا ہوں، حین انتفض: جب حراء پہاڑ ہلنے لگا، حرکت کرنے لگا، أثبت: (صیغہ امر) تو ثابت رہ، ٹھہرا رہ، رک جا، نفقة متقبلة: مقبول صدقہ، ایسا خرچ، جسے اللہ کے ہاں قبول کیا جائے گا، مجهدون: باب افعال سے اسم مفعول کا صیغہ ہے: لوگ محنت ومشقت میں پڑے ہیں، معسرون: لوگ فقر وفاقہ اور تنگ دستی میں ہیں، فجهزت: (باب تفعیل) میں نے سامان تیار کیا، فراہم کیا، لشکر کو سامان سے لیس کیا، فابتعتها: (صیغہ متکلم) میں نے اس کنویں کو خریدا، فجعلتها: میں نے اس کنویں کو وقف کر دیا، کھلی اجازت دے دی، وأشياء عددها: حضرت عثمان نے اور بھی کئی چیزیں لوگوں کے سامنے گنوائیں، شمار کرائیں، جيش العسرة: تنگی کا لشکر، غزوہ تبوک کو غزوہ العسرہ اس لئے کہا جاتا ہے کہ اس وقت گرمی شدید تھی، سال کی پیداوار پکنے کا وقت تھا، نیز اس میں زادِ سفر بھی کم تھا، لڑائی کا مقام دور اور دشمن کے لشکر کی تعداد مسلمانوں کے مقابلے میں کئی گنا زیادہ تھی، ان مشکلات کے باوجود صحابہ کرام لبیک کہتے ہوئے اس میں شریک ہوئے اور جرأت وشجاعت کی داستانیں رقم کیں، اللہ نے ان کی خوب مدد فرمائی۔

---

(۱) الصحیح للبخاری، الوصایا، باب اذا وقف أرضا أو بئرا، رقم: ۲۷۷۸۔

حضرت عثمان نے بیر رومہ خرید کر وقف کیا

مصر کے بلوائیوں نے جب حضرت عثمان کا محاصرہ کرلیا، تو اس موقع پر حضرت عثمان نے انہیں وہ تین باتیں یاد دلائیں، جن کا ذکر ترمذی کی مذکورہ روایت میں ہے، حضرت عثمان نے مصر میں حضرت عبداللہ بن سعد بن ابی سرح کو گورنر بنایا تھا، انہوں نے وہاں خدمات سرانجام دیں، لیکن مصر کے لوگوں کو ان سے کچھ شکایتیں تھیں، جن کی وجہ سے ان لوگوں نے حضرت عثمان سے مطالبہ کیا کہ وہ انہیں برطرف کر دیں اور ان کی جگہ محمد بن ابی بکر کو گورنر بنائیں، لیکن حضرت عثمان نے ان کی بات ماننے سے انکار کر دیا، کیونکہ دلائل سے حضرت عثمان کے سامنے وہ لوگ ان الزامات کو ثابت نہ کر سکے، جب حضرت عثمان نے ان کے سامنے انکار کیا تو وہ بہت جوش میں آگئے اور ان کے گھر کا محاصرہ کرلیا، جس کا اس حدیث میں ذکر ہے۔(۱)

بیر "رومہ" مدینہ منورہ میں وادی عقیق کے مقام پر، مسجد القبلتین کے قریب شمالی جانب، یہ ایک بہت بڑا کنواں تھا، اس کا پانی بہت میٹھا، صاف اور خوشگوار تھا، یہ ایک یہودی کا کنواں تھا، وہ مسلمانوں کو پیسوں کے بغیر پانی نہیں بھرنے دیتا تھا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو ترغیب دی کہ جو مسلمان اسے خرید کر وقف کر دے، تو اس کے لئے جنت ہے، چنانچہ حضرت عثمان نے یہ سعادت حاصل کی، ایک لاکھ درہم یا بقول بعض بیس ہزار میں انہوں نے یہ خرید کر وقف کر دیا، اب اس کنویں کو بیر الجنہ کہا جاتا ہے، کیونکہ اس کو وقف کرنے والے کے لئے جنت کی بشارت ہے، مذکورہ حدیث میں حضرت عثمان نے محاصرین کو یہ واقعہ یاد دلایا کہ میں نے تو تمام لوگوں کے لئے یہ کنواں وقف کر دیا تھا، تاکہ اس کا پانی ہر بندہ بغیر پیسوں کے لے سکے، اور آج وہ دن دیکھنا پڑ گیا کہ مجھ پر تم لوگوں نے پانی تک بند کر دیا، اللہ ہی تمہیں ہدایت دے۔(۲)

عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ خَبَّابٍ، قَالَ: شَهِدْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ يَحُثُّ عَلَى جَيْشِ الْعُسْرَةِ، فَقَامَ عُثْمَانُ بْنُ عَفَّانَ فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ: عَلَيَّ مِائَةُ بَعِيرٍ بِأَحْلَاسِهَا وَأَقْتَابِهَا فِي سَبِيلِ اللَّهِ، ثُمَّ حَضَّ عَلَى الْجَيْشِ فَقَامَ عُثْمَانُ بْنُ عَفَّانَ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ: عَلَيَّ مِائَتَا بَعِيرٍ بِأَحْلَاسِهَا وَأَقْتَابِهَا فِي سَبِيلِ اللَّهِ، ثُمَّ حَضَّ عَلَى الْجَيْشِ فَقَامَ عُثْمَانُ بْنُ عَفَّانَ، فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ: عَلَيَّ ثَلَاثُ مِائَةِ بَعِيرٍ بِأَحْلَاسِهَا وَأَقْتَابِهَا فِي سَبِيلِ اللَّهِ، فَأَنَا رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَنْزِلُ عَنِ الْمِنْبَرِ، وَهُوَ يَقُولُ: مَا عَلَى عُثْمَانَ مَا عَمِلَ بَعْدَ هَذِهِ، مَا عَلَى عُثْمَانَ مَا عَمِلَ بَعْدَ هَذِهِ.(۳)

حضرت عبدالرحمن بن خباب کہتے ہیں کہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اس وقت حاضر تھا، جب آپ تنگی کے

---

(۱) تحفۃ الاحوذی ۱۸۰/۱۰، النہایۃ فی غریب الأثر، ۲۳۵/۳۔

(۲) مرقاۃ المفاتیح ۲۲۴/۱۱، کتاب المناقب باب مناقب عثمان، رقم الحدیث: ۶۰۷۵۔

(۳) الزوائد علی المسند لعبداللہ بن احمد، ۷۵/۴۔

لشکر یعنی غزوہ تبوک کی (مالی اعتبار سے) تیاری کی ترغیب دے رہے تھے، اس موقع پر حضرت عثمان کھڑے ہوئے اور عرض کیا یارسول اللہ! سو اونٹ اپنے ٹاٹ، کجاوے اور پالان کے ساتھ میرے ذمے ہیں، جو اللہ کی راہ کے لئے وقف ہیں، آپ ﷺ نے پھر اس لشکر یعنی غزوہ کے لئے (مالی امداد کی) ترغیب دی، تو حضرت عثمان دوبارہ اٹھے اور عرض کیا: اے اللہ کے رسول! دو سو اونٹ اپنے ٹاٹ، کجاوے اور پالان سمیت میرے ذمے ہیں، جو اللہ کے راستے میں وقف ہیں، پھر آپ ﷺ نے اس لشکر کی مالی امداد کی ترغیب دی تو حضرت عثمان تیسری مرتبہ کھڑے ہوئے اور عرض کیا یارسول اللہ! تین سو اونٹ اپنے ٹاٹ کجاوے اور پالان سمیت مجھ پر لازم ہیں، جو اللہ کی راہ کے لئے وقف ہیں، حدیث کے راوی حضرت ابوعبدالرحمٰن بن خباب کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ منبر سے اترتے ہوئے یہ فرما رہے تھے: اس نیکی کے بعد اب عثمان جو کچھ بھی کرے، اس کا اس کی وجہ سے کوئی نقصان نہیں ہوگا، اس عمل کے بعد اب عثمان جو عمل بھی کرے، اس کی وجہ سے اس کا کوئی نقصان نہیں ہوگا۔

عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ سَمُرَةَ، قَالَ: جَاءَ عُثْمَانُ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِأَلْفِ دِينَارٍ - قَالَ الحَسَنُ بْنُ وَاقِعٍ: وَكَانَ فِي مَوْضِعٍ آخَرَ مِنْ كِتَابِي، فِي كُمِّهِ - حِينَ جَهَّزَ جَيْشَ العُسْرَةِ فَنَثَرَهَا فِي حِجْرِهِ. قَالَ عَبْدُ الرَّحْمَنِ: فَرَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُقَلِّبُهَا فِي حِجْرِهِ، وَيَقُولُ: مَا ضَرَّ عُثْمَانَ مَا عَمِلَ بَعْدَ اليَوْمِ مَرَّتَيْنِ.(۱)

حضرت عبدالرحمن بن سمرہ فرماتے ہیں کہ (ایک مرتبہ) حضرت عثمان ایک ہزار دینار لے کر نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، حدیث کے راوی حسن بن واقع کہتے ہیں کہ میری کتاب میں ایک اور مقام پر یوں ہے کہ حضرت عثمان وہ دینار اپنی آستین میں رکھ کر اس وقت لائے، جب آپ ﷺ تنگی کے لشکر یعنی غزوہ تبوک میں جانے کی تیاری کر رہے تھے، حضرت عثمان نے وہ دینار آپ ﷺ کی گود میں متفرق انداز سے بکھیر دیئے (یعنی رکھ دیئے) عبدالرحمن بن سمرہ کہتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو دیکھا: آپ وہ دینار اپنی گود میں الٹ پلٹ رہے تھے اور فرما رہے تھے کہ آج کے بعد عثمان کو کوئی گناہ، ضرر اور نقصان نہیں پہنچا سکتا، آپ نے دو مرتبہ یہ فرمایا۔

مشکل الفاظ کے معنی: احلاسها: حلس (حا کے نیچے زیر اور لام ساکن) کی جمع ہے: وہ ٹاٹ یا دری وغیرہ، جو اونٹ کے کجاوے یا گھوڑے کی زین کے نیچے کمر سے لگا ہوا ہو، اقتابها: قتب کی جمع ہے: کجاوہ، پالان، حض علی الجیش: لشکر یعنی غزوہ تبوک کی تیاری یعنی مالی امداد پر ترغیب دی، ابھارا، ما علی عثمان: عثمان کو کوئی نقصان نہیں، بعد هذه: ای بعد هذه الحسنة: اس نیکی کے بعد، فی کمه: اپنی آستین میں، یقلبها: یہ تقلیب سے ہے، آپ ﷺ وہ دینار الٹ پلٹ رہے تھے، فی حجرہ: (حا کے نیچے زیر اور جیم ساکن): اپنی گود میں، ما ضر عثمان: عثمان کو کوئی گناہ مغفرت سے روک نہیں سکتا، ضرر اور

(۱) مسند احمد ۶۳/۵۔

نقصان نہیں پہنچا سکتا، فنثرھا فی حجرہ: حضرت عثمان نے وہ دینار متفرق انداز سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی گود میں بکھیر دیئے یعنی رکھ دیئے۔

غزوہ تبوک کی تیاری میں حضرت عثمان کی مالی امداد

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ تبوک کی تیاری کے موقع پر صحابہ کرام کو مالی امداد کی ترغیب دی، تو حضرت عثمان اٹھے اور یہ کہا کہ میرے ذمے سو اونٹ ہیں، جو تمام سامان یعنی کجاوے اور پالان وغیرہ کے ساتھ دوں گا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین دفعہ ترغیب دی، حضرت عثمان نے تینوں مرتبہ کھڑے ہو کر اپنے ذمے اونٹ لئے کہ میں یہ اونٹ دوں گا۔

ان اونٹوں کی کیا تعداد ہے جن کا ذمہ حضرت عثمان نے لیا تھا، اس بارے میں شارحین حدیث کے دو قول ہیں:

۱۔ ملا علی قاری رحمہ اللہ ترمذی کی اس حدیث کی روشنی میں یہ فرماتے ہیں کہ ان اونٹوں کی تعداد چھ سو ہے، وہ فرماتے ہیں کہ حضرت عثمان کا یہ جملہ: علی مائتا بعیر اور علی ثلثمائة بعیر، یہ الگ الگ جملے ہیں، لہذا ان میں جو تعداد ہے، اسے بھی مستقل طور پر شمار کیا جائے گا، پہلی تعداد کے ساتھ ملا کر اسے شمار نہیں کیا جائے گا، پہلی مرتبہ سو اونٹ پیش کئے، پھر دو سو اونٹ اور پھر تین سو اونٹ، اس طرح کل ملا کر چھ سو اونٹ بن جاتے ہیں۔(۱)

۲۔ دوسرے حضرات فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں اونٹوں کی تعداد چھ سو نہیں، بلکہ تین سو ہے، بعد میں کھڑے ہو کر حضرت عثمان نے جو دو سو اور تین سو کا لفظ بولا ہے، یہ تعداد پہلی تعداد کو ملا کر ہے، مستقل اور الگ نہیں، اس کی تائید مسند احمد کی ایک روایت سے ہوتی ہے، جس میں صراحت کے ساتھ تین سو کی تعداد کا ذکر ہے، چھ سو کا نہیں۔(۲)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مالی امداد کی صحابہ کرام کو ترغیب دی، تو پھر حضرت عثمان نے ایک ہزار دینار نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی گود میں بکھیر دیئے، حضرت عثمان کا یہ جذبہ اور مالی ایثار دیکھ کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ما ضر عثمان ما عمل ... اس جملے کے مطلب میں دو قول ہیں:

۱۔ حضرت عثمان کا یہ عمل جس طرح ان کے گذشتہ گناہوں اور لغزشوں کی معافی کا ذریعہ بن گیا ہے، اسی طرح آئندہ بھی بالفرض ان سے اگر کوئی غلطی سرزد ہو جائے، تو وہ بھی اس عمل کی وجہ سے معاف ہو جائے گی، ان الفاظ میں گویا اس بشارت کی طرف اشارہ ہے کہ حضرت عثمان کا خاتمہ، ایمان پر ہوگا۔

۲۔ بعض حضرات نے اس کلام کا مفہوم یہ لکھا ہے کہ اس عمل خیر کے بعد اگر عثمان اور کوئی نفلی عبادت نہ بھی کریں، تو بھی انہیں

---

(۱) مرقاۃ المفاتیح ۱۱/۲۲۲، کتاب المناقب باب مناقب عثمان رضی اللہ عنہ۔

(۲) مسند احمد ۵/۷۵، حدیث عبدالرحمن بن خباب السلمی رقم الحدیث: ۱۷۱۵۱، ط: بیروت، تحفۃ الاحوذی ۱۰/۱۸۲

کوئی نقصان نہیں ہوگا، کیونکہ ان کا یہ عظیم عمل، تمام نفل عبادتوں اور نیکیوں کے واسطے کافی ہوگیا ہے۔(۱)

قال الحسن بن واقع: و كان في موضع اخر في كتابي: في كمه، اس حدیث کے راوی حضرت حسن بن واقع فرماتے ہیں کہ یہ حدیث میری کتاب میں دو جگہ درج ہے ایک جگہ صرف بالف دینار کے الفاظ ہیں جبکہ دوسری جگہ: بالف دينار في كمه کے الفاظ ہیں یعنی حضرت عثمان اپنی آستین میں رکھ کر وہ ہزار دینار نبی کریم ﷺ کی خدمت اقدس میں لائے تھے۔

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، قَالَ: لَمَّا أُمِرَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِبَيْعَةِ الرِّضْوَانِ، كَانَ عُثْمَانُ بْنُ عَفَّانَ رَسُولَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى أَهْلِ مَكَّةَ، قَالَ: فَبَايَعَ النَّاسَ، قَالَ: فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنَّ عُثْمَانَ فِي حَاجَةِ اللَّهِ وَحَاجَةِ رَسُولِهِ، فَضَرَبَ بِإِحْدَى يَدَيْهِ عَلَى الأُخْرَى، فَكَانَتْ يَدُ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِعُثْمَانَ، خَيْرًا مِنْ أَيْدِيهِمْ لِأَنْفُسِهِمْ.

حضرت انس بن مالک فرماتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ کو (صحابہ کے ساتھ) بیعت رضوان کا حکم دیا گیا، اس وقت حضرت عثمان نبی کریم ﷺ کے خصوصی قاصد کی حیثیت سے مکہ مکرمہ گئے ہوئے تھے، چنانچہ نبی کریم ﷺ نے لوگوں سے (جاں نثاری کی) بیعت لی، (جب تمام صحابہ کرام آپ کے دست اقدس پر بیعت کر چکے اور حضرت عثمان وہاں موجود نہیں تھے تو) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: عثمان، اللہ (کے دین) اور اس کے رسول کے کام سے گئے ہیں (اس لئے میں ان کی طرف سے یوں بیعت کرتا ہوں) اور (پھر) آپ نے اپنا ایک ہاتھ دوسرے ہاتھ پر مارا، تو حضرت عثمان کی بیعت کے لیے رسول اللہ ﷺ کا ہاتھ، باقی تمام صحابہ کے ان ہاتھوں سے کہیں زیادہ افضل اور بہتر تھا، جو ان کے اپنی طرف سے بیعت کے لیے تھے۔

بیعت رضوان کے واقعہ میں حضرت عثمان کی ایک خاص فضیلت

''بیعت رضوان'' اس بیعت کو کہتے ہیں جو مکہ مکرمہ کے قریب مقام حدیبیہ میں ایک درخت کے نیچے بیٹھ کر، نبی کریم ﷺ نے تمام مسلمانوں سے لی تھی، اس بات پر کہ وہ قریش سے لڑیں گے اور بھاگ کر نہیں جائیں گے، یہ نام قرآن مجید کی اس آیت کی وجہ سے ہے، جو اسی واقعہ سے متعلق نازل ہوئی تھی: لقد رضي الله عن المؤمنين اذ يبايعونك تحت الشجرة۔

اس واقعہ کا مختصر سا پس منظر یہ ہے کہ ذیقعدہ ٦ ہجری میں نبی کریم ﷺ مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد کے ساتھ عمرہ کی ادائیگی کے لئے مدینہ منورہ سے مکہ مکرمہ روانہ ہوئے، جب مکہ کے قریب حدیبیہ کے مقام پر پہنچے، تو پتہ چلا کہ قریش مکہ نے عمرے کی ادائیگی کے لئے مسلمانوں کو مکہ میں داخل ہونے سے منع کر دیا ہے، نبی کریم ﷺ نے حضرت عثمان کو اپنا خصوصی نمائندہ بنا کر

(۱) مرقاة المفاتيح ۱۱/۲۲۲، رقم الحديث: ٦٠٧٢

مکہ کے قریش کے پاس روانہ کیا، تاکہ وہ ان کے سامنے یہ بات واضح کردیں کہ نبی کریم ﷺ اور مسلمانوں کی آمد کا مقصد لڑائی جھگڑا اور جنگ و جدال نہیں، بلکہ صرف اور صرف عمرہ کرنا ہے، لہذا اہل مکہ کو چاہیے کہ وہ مسلمانوں کو عمرے کے لئے مکہ میں داخل ہونے دیں، کوئی رکاوٹ پیدا نہ کریں، حضرت عثمان ابھی مکہ مکرمہ میں اپنے مشن پر ہی تھے کہ ایک بات ادھر ادھر مشہور ہوگئی کہ اہل مکہ نے حضرت عثمان کو قتل کردیا ہے اور مسلمانوں کے ساتھ لڑائی کی تیاری کررہے ہیں۔

اس خبر سے حدیبیہ میں موجود مسلمانوں کو سخت غصہ آیا، چنانچہ یہ طے ہوا کہ خون عثمان کا بدلہ لیا جائے گا، اس موقع پر نبی کریم ﷺ نے کیکر کے ایک درخت کے نیچے بیٹھ کر تمام مسلمانوں سے اس بات کا عہد و اقرار اور بیعت لی کہ وہ جان کی بازی لگا کر اہل مکہ سے خون عثمان کا بدلہ لیں گے، کسی صورت میں پیچھے نہیں ہٹیں گے اور بھاگ کر نہیں جائیں گے، صحابہ میں سے ایک ایک آدمی آتا اور نبی کریم ﷺ کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ کر بیعت کرتا تھا، جب سب لوگ بیعت کرچکے، تو نبی کریم ﷺ نے اپنا دایاں ہاتھ حضرت عثمان کے قائم مقام کیا اور اس ہاتھ کو اپنے دوسرے ہاتھ پر مار کر گویا حضرت عثمان کی طرف سے بیعت کی۔

اس طرح حضرت عثمان کو خصوصی فضیلت حاصل ہوئی کہ اگر وہ خود اس موقع پر موجود ہوتے اور اپنا ہاتھ نبی کریم ﷺ کے ہاتھ پر رکھ کر بیعت کرتے جیسا کہ اور لوگوں نے کیا، تو ان کو یہ شرف حاصل نہ ہوتا کہ نبی کریم ﷺ کا دست مبارک ان کے ہاتھ کے قائم مقام ہوا، اور اس بناء پر ان کی بیعت گویا سب صحابہ کی بیعت سے افضل و اشرف رہی، لہذا اس موقع پر حضرت عثمان کے موجود نہ ہونے سے ان کے مقام میں کوئی کمی اور نقص نہیں آیا بلکہ ان کی فضیلت، مقام اور رتبے میں مزید اضافہ ہوا۔(۱)

عَنْ ثُمَامَةَ بْنِ حَزْنٍ الْقُشَيْرِيِّ، قَالَ: شَهِدْتُ الدَّارَ حِينَ أَشْرَفَ عَلَيْهِمْ عُثْمَانُ، فَقَالَ: ائْتُونِي بِصَاحِبَيْكُمُ اللَّذَيْنِ أَلَّبَاكُمْ عَلَيَّ: قَالَ: فَجِيءَ بِهِمَا، فَكَأَنَّهُمَا جَمَلَانِ أَوْ كَأَنَّهُمَا حِمَارَانِ، قَالَ: فَأَشْرَفَ عَلَيْهِمْ عُثْمَانُ، فَقَالَ: أَنْشُدُكُمْ بِاللَّهِ وَالإِسْلَامِ، هَلْ تَعْلَمُونَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدِمَ الْمَدِينَةَ، وَلَيْسَ بِهَا مَاءٌ يُسْتَعْذَبُ غَيْرَ بِئْرِ رُومَةَ، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَنْ يَشْتَرِي بِئْرَ رُومَةَ، فَيَجْعَلُ دَلْوَهُ مَعَ دِلَاءِ الْمُسْلِمِينَ بِخَيْرٍ لَهُ مِنْهَا فِي الْجَنَّةِ؟ فَاشْتَرَيْتُهَا مِنْ صُلْبِ مَالِي، فَأَنْتُمُ الْيَوْمَ تَمْنَعُونِي أَنْ أَشْرَبَ مِنْهَا، حَتَّى أَشْرَبَ مِنْ مَاءِ الْبَحْرِ. قَالُوا: اللَّهُمَّ نَعَمْ.

فَقَالَ: أَنْشُدُكُمْ بِاللَّهِ وَالْإِسْلَامِ: هَلْ تَعْلَمُونَ أَنَّ الْمَسْجِدَ ضَاقَ بِأَهْلِهِ، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَنْ يَشْتَرِي بُقْعَةَ آلِ فُلَانٍ، فَيَزِيدَهَا فِي الْمَسْجِدِ بِخَيْرٍ لَهُ مِنْهَا فِي الْجَنَّةِ؟ فَاشْتَرَيْتُهَا مِنْ صُلْبِ مَالِي، فَأَنْتُمُ الْيَوْمَ تَمْنَعُونِي أَنْ أُصَلِّيَ فِيهَا رَكْعَتَيْنِ؟ قَالُوا: اللَّهُمَّ، نَعَمْ. قَالَ: أَنْشُدُكُمْ بِاللَّهِ وَبِالْإِسْلَامِ، هَلْ تَعْلَمُونَ أَنِّي جَهَّزْتُ جَيْشَ الْعُسْرَةِ مِنْ مَالِي؟ قَالُوا: اللَّهُمَّ نَعَمْ. ثُمَّ قَالَ: أَنْشُدُكُمْ بِاللَّهِ وَالْإِسْلَامِ: هَلْ

(۱) فتح الباری ۷/۷۳، کتاب فضائل اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم باب مناقب عثمان مرقاۃ المفاتیح ۱۱/۲۲۳، کتاب المناقب باب مناقب عثمان حدیث: ۶۰۷۳، تحفۃ الاحوذی ۱۰/۱۸۴

تَعْلَمُونَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ عَلَى ثَبِيرِ مَكَّةَ، وَمَعَهُ أَبُو بَكْرٍ وَعُمَرُ وَأَنَا، فَتَحَرَّكَ الْجَبَلُ، حَتَّى تَسَاقَطَتْ حِجَارَتُهُ بِالْحَضِيضِ، قَالَ: فَرَكَضَهُ بِرِجْلِهِ وَقَالَ: اسْكُنْ ثَبِيرُ فَإِنَّمَا عَلَيْكَ نَبِيٌّ، وَصِدِّيقٌ، وَشَهِيدَانِ؟ قَالُوا: اللَّهُمَّ، نَعَمْ. قَالَ: اللهُ أَكْبَرُ شَهِدُوا لِي، وَرَبِّ الْكَعْبَةِ، أَنِّي شَهِيدٌ، ثَلَاثًا.(۱)

حضرت ثمامہ بن حزن قشیری کہتے ہیں کہ میں حضرت عثمان کے گھر میں اس وقت موجود تھا، جب انہوں نے مکان کے اوپر سے باغیوں کو جھانکا اور ان سے فرمایا: اپنے ان دو ساتھیوں کو میرے پاس لاؤ، جنہوں نے تم لوگوں کو میرے خلاف یہاں جمع کیا ہے، راوی کہتے ہیں: چنانچہ انہیں لایا گیا، گویا کہ وہ دو اونٹ تھے، یا یوں کہا: گویا کہ وہ دو گدھے تھے، راوی کہتے ہیں کہ حضرت عثمان نے ان لوگوں کو اوپر سے جھانکا اور (خطاب کرتے ہوئے) فرمایا:

(۱) میں تمہیں اللہ اور اسلام کا واسطہ دے کر پوچھتا ہوں کہ کیا تم لوگ جانتے ہو کہ نبی کریم ﷺ جب (ہجرت کر کے) مدینہ منورہ تشریف لائے، تو اس وقت مدینہ میں رومہ کے کنویں کے علاوہ کوئی میٹھا پانی نہیں تھا، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کون شخص ہے، جو رومہ کا کنواں خریدے اور اپنے ڈول کو مسلمانوں کے ڈول کے ساتھ کر دے، اس نیکی اور بہتر ثواب کے بدلے، جو اسے اس کنویں کی وجہ سے جنت میں ملے گا، تو میں (ہی تھا جس) نے اس کنویں کو اپنے خالص مال سے خریدا، اور آج تم لوگ مجھے اس کنویں کا (میٹھا) پانی پینے سے روک رہے ہو، یہاں تک کہ میں سمندر کا (کھاری) پانی پی رہا ہوں، ان لوگوں نے کہا: جی ہاں! اے اللہ (ہمیں اس کا علم ہے کہ حضرت عثمان ہی نے اس کنویں کو خرید کر وقف کیا تھا)۔

(۲) پھر حضرت عثمان نے فرمایا: میں تمہیں اللہ اور اسلام کا واسطہ دے کر پوچھتا ہوں: کیا تم جانتے ہو کہ مسجد نبوی (جب) اپنے نمازیوں کی وجہ سے تنگ پڑ گئی، تو آپ ﷺ نے فرمایا: کون شخص ہے جو آل فلاں کی زمین کا قطعہ خریدے اور اس کے ذریعہ مسجد میں اضافہ اور توسیع کر دے، اس اجر و ثواب کے بدلہ، جو اسے اس زمین کی وجہ سے جنت میں ملے گا، تو میں (ہی تھا جس) نے اس قطعہ زمین کو اپنے خالص مال سے خریدا اور آج تم لوگ مجھے اس زمین پر (چہ جائیکہ ساری مسجد میں) دو رکعت نماز پڑھنے سے بھی روکتے ہو، ان لوگوں نے جواب میں کہا: جی ہاں، اے اللہ (ہمیں اس کا علم ہے)

(۳) پھر حضرت عثمان نے فرمایا: میں تمہیں اللہ اور اسلام کا واسطہ دے کر پوچھتا ہوں: کیا تمہیں معلوم ہے کہ میں نے اپنے مال سے تنگی کے لشکر یعنی غزوہ تبوک کے لشکر کا سامان تیار کیا تھا؟ لوگوں نے جواب دیا: جی ہاں اے اللہ (ہمیں اس کا علم ہے)۔

(۴) پھر حضرت عثمان نے فرمایا: میں تمہیں اللہ اور اسلام کا واسطہ دے کر پوچھتا ہوں کہ کیا تم جانتے ہو کہ ایک مرتبہ

---

(۱) سنن النسائی، کتاب الاحباس، باب وقف المساجد، رقم: ۳۶۰۸۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ کے ثبیر پہاڑ پر کھڑے تھے اور آپ کے ساتھ ابوبکر و عمر اور میں بھی تھا، اتنے میں وہ پہاڑ (خوشی اور فخر کی وجہ سے) ہلنے لگا، یہاں تک کہ اس کے کچھ پتھر بھی نیچے گر گئے، راوی کہتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پہاڑ کو ٹھوکر ماری اور فرمایا: اے ثبیر! ٹھہر جا، حرکت نہ کر، کیونکہ تیرے اوپر ایک نبی، ایک صدیق اور دو شہید ہیں، لوگوں نے کہا: جی ہاں، اے اللہ (ہمیں اس کا علم ہے)۔

پھر حضرت عثمان نے اللہ اکبر کا نعرہ لگایا اور کہا: ان لوگوں نے میری باتوں کی تصدیق اور گواہی دی ہے، رب کعبہ کی قسم! میں یقیناً شہید ہوں، یہ بات انہوں نے تین بار فرمائی۔

مشکل الفاظ کے معنی: شهدت الدار: ثمامہ کہتے ہیں کہ میں اس گھر میں موجود تھا، جس کا باغیوں نے محاصرہ کر رکھا تھا، أشرف علیهم: حضرت عثمان نے اوپر سے باغیوں کو جھانکا، الباكم علي: (باب تفعیل یعنی تألیب سے ماضی تثنیہ مذکر کا صیغہ) جن دو شخصوں نے تمہیں میرے خلاف یہاں جمع کیا، فجیء بهما: چنانچہ ان دونوں کو لایا گیا، انشدكم بالله والاسلام: میں تم لوگوں کو اللہ اور اسلام کا واسطہ دے کر پوچھتا ہوں، اس لفظ سے قسم کے معنی مراد نہیں، ماء يستعذب: میٹھا پانی، دلاء: دلو کی جمع ہے: ڈول، من صلب مالي: اپنے خالص مال سے، اللهم نعم: اے اللہ! جی ہاں ہمیں اس بات کا علم ہے، ان الفاظ کے ذریعہ ان لوگوں نے حضرت عثمان کی تصدیق کی کہ آپ جو کچھ کہہ رہے ہیں، وہ سو فیصد درست ہے، اس کی سچائی میں ہمیں شبہ نہیں، "اللهم" کا لفظ ایک تو برکت کے حصول کے لئے ہے، اور دوسرا اپنی بات میں زور پیدا کرنے کے لئے، بقعة: (با پر پیش اور قاف ساکن) زمین کا حصہ، ٹکڑا، فيزيدها: وہ زمین کے ذریعہ مسجد نبوی میں اضافہ اور توسیع کرے، ثبير مكة: ثبیر مکہ کے ایک پہاڑ کا نام ہے، جو مکہ اور منی کے درمیان ہے، علامہ طیبی فرماتے ہیں کہ "ثبیر" مزدلفہ میں ایک بہت اونچا پہاڑ ہے، جو مزدلفہ سے منی جاتے ہوئے بائیں جانب میں واقع ہے، تحرك الجبل: پہاڑ خوشی اور فخر کی وجہ سے حرکت کرنے لگا، ہلنے لگا، حتى تساقطت: یہاں تک کہ کچھ پتھر گر گئے، الحضيض: نشیبی زمین، پہاڑ کے نیچے والی زمین، ركضه برجله: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی لات اس پہاڑ کو ماری، آپ نے اسے پاؤں سے ٹھوکر ماری، اسكن ثبير: اے ثبیر تو ٹھہر جا۔

حضرت عثمان کا باغیوں سے خطاب

اس حدیث میں حضرت عثمان کے اس کلام اور خطاب کا ذکر ہے، جو انہوں نے محاصرے کے دوران مکان کے اوپر سے جھانک کر کیا تھا، اس میں انہوں نے درج ذیل امور کی تصدیق کرائی:

۱۔　مدینہ منورہ میں میٹھے پانی کا صرف ایک ہی کنواں تھا بیر رومہ، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ترغیب پر حضرت عثمان نے اسے خرید کر وقف کر دیا، فيجعل دلوه مع دلاء المسلمين یہ جملہ عربی محاورے کے اعتبار سے ہے، مطلب یہ ہے کہ اسے خرید کر مسلمانوں کے لئے وقف کر دو، اپنا کوئی اختیار اس میں باقی نہ رکھو، چنانچہ ایسا ہی کر دیا گیا۔

اس سے معلوم ہوا کہ کنواں، تالاب اور حوض کو وقف کیا جا سکتا ہے، اور یہ کہ وقف کی ہوئی چیز واقف کی ملکیت سے نکل جاتی ہے۔

۲۔ مسجد نبوی کی توسیع کی جب ضرورت محسوس ہوئی تو حضرت عثمان نے ہی مسجد کے ساتھ انصار کی زمین خریدی اور اسے مسجد کے لئے وقف کر دیا، یہ مسجد نبوی کی سب سے پہلی توسیع تھی، جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں کی گئی۔

۳۔ غزوہ تبوک کے موقع پر حضرت عثمان نے ہر قسم کی امداد اور سامان فراہم کیا۔

۴۔ ایک دفعہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم، صدیق اکبر اور حضرت عثمان مکہ کے ثبیر نامی پہاڑ پر کھڑے تھے کہ وہ پہاڑ خوشی سے جھوم اٹھا، ہلنے لگا، آپ نے اسے ٹھوکر مار کر فرمایا: اے ثبیر تو ٹھہر جا، تیرے اوپر ایک نبی، ایک صدیق اور دو شہید یعنی حضرت عمر اور حضرت عثمان ہیں، چنانچہ یہ دونوں حضرات، بڑے مظلومانہ طریقے سے شہید کیے گئے۔

حضرت عثمان نے جب دیکھا کہ میرے ان مخالفین نے میری ان تمام باتوں کی تصدیق کر دی، تو اللہ اکبر کا نعرہ لگایا، تا کہ مخالفین پر حجت قائم ہو جائے اور اس میں تعجب کا اظہار بھی ہے کہ یہ لوگ ایک طرف تو میری تمام باتوں کی تصدیق اور گواہی دے رہے ہیں، جن سے میری منقبت اور فضیلت ظاہر ہوتی ہے اور دوسری طرف اپنی باغیانہ کارروائیوں میں بدستور لگے ہوئے ہیں، فتنہ و فساد اور مجھے مارنے کے درپے ہیں، اپنے ان عزائم سے باز ہی نہیں آتے۔

اس حدیث سے اس بات کی اجازت ثابت ہوتی ہے کہ اگر کسی مقام پر حالات کا تقاضا یہ ہو کہ انسان اپنی خصوصیات، صلاحیتیں اور فضائل بیان کرے، اس سے اسے کوئی فائدہ حاصل ہو رہا ہو یا کسی نقصان دہ چیز سے بچنے کا یقین ہو تو ایسا کرنا شرعاً جائز ہے، جس طرح اس واقعہ میں حضرت عثمان نے ان باغیوں کے سامنے اپنے فضائل اور خصوصیات بیان کیں، تا کہ وہ اپنی حرکتوں سے باز آ جائیں، لیکن وہ پھر بھی سیدھے نہ ہوئے، تاہم دوسروں کے سامنے اپنی بڑائی جتانے کے لئے اپنی تعریف کرنا، ناجائز اور حرام ہے۔(۱)

حضرت ثمامہ بن حزن قشیری رحمہ اللہ

ثمامہ (ثاء پر پیش) بن حزن (حاء پر زبر اور زاء اور نون ساکن) قشیری ان کا شمار تابعین کے دوسرے طبقہ میں کیا جاتا ہے، ترمذی کی مذکورہ روایت کے راوی ہیں، یہ مخضرمین میں سے ہیں یعنی انہوں نے زمانہ جاہلیت اور زمانہ اسلام دونوں دیکھے ہیں، ان کی حدیث اہل بصرہ روایت کرتے ہیں، انہوں نے حضرت عمر، عبداللہ بن عمر اور حضرت ابوالدرداء کو دیکھا ہے، اور حضرت عائشہ سے احادیث کو سنا ہے، اسود بن شیبان بصری نے ان سے حدیث روایت کی ہے۔(۲)

---

(۱) مرقاۃ المفاتیح ۱۱/۲۲۴، کتاب المناقب باب مناقب عثمان، تحفۃ الاحوذی ۱۰/۱۸۷۔

(۲) مرقاۃ ۱۱/۲۲۴، تحفۃ الاحوذی ۱۰/۱۸۵۔

عَنْ أَبِي الأَشْعَثِ الصَّنْعَانِيِّ، أَنَّ خُطَبَاءَ قَامَتْ بِالشَّامِ، وَفِيهِمْ رِجَالٌ مِنْ أَصْحَابِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَامَ آخِرُهُمْ رَجُلٌ يُقَالُ لَهُ: مُرَّةُ بْنُ كَعْبٍ، فَقَالَ: لَوْلَا حَدِيثٌ سَمِعْتُهُ مِنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا قُمْتُ، وَذَكَرَ الْفِتَنَ فَقَرَّبَهَا، فَمَرَّ رَجُلٌ مُقَنَّعٌ فِي ثَوْبٍ، فَقَالَ: هَذَا يَوْمَئِذٍ عَلَى الْهُدَى، فَقُمْتُ إِلَيْهِ فَإِذَا هُوَ عُثْمَانُ بْنُ عَفَّانَ. قَالَ: فَأَقْبَلْتُ عَلَيْهِ بِوَجْهِهِ، فَقُلْتُ: هَذَا؟ قَالَ: نَعَمْ. (۱)

حضرت ابوالاشعث شراحیل بن آدہ صنعانی فرماتے ہیں کہ (شہادت عثمان کے بعد) ملک شام میں (ایلیاء کے مقام پر) چند مقررین کھڑے ہوئے، جن میں چند صحابہ بھی تھے، ان کے آخر میں ایک صاحب کھڑے ہوئے، جنہیں مرہ بن کعب کہا جاتا ہے، انہوں نے فرمایا: اگر میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیث نہ سنی ہوتی، تو میں کبھی کھڑا نہ ہوتا، (وہ حدیث یہ ہے): اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فتنوں کا ذکر فرمایا اور ان کو نزدیک کیا یعنی یہ فرمایا کہ یہ فتنے عنقریب ظاہر ہوں گے، اتنے میں ایک شخص کپڑا اوڑھے ہوئے سامنے سے گزرا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے (اس کی طرف اشارہ کر کے) فرمایا: یہ شخص اس دن ہدایت اور حق پر ہوگا، حضرت مرہ فرماتے ہیں کہ: میں اس شخص کی طرف اٹھ کر گیا (تا کہ دیکھوں کہ یہ کون شخص ہیں) تو دیکھا تو وہ حضرت عثمان بن عفان ہیں، پھر میں نے حضرت عثمان کا چہرہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف پھیرا اور پوچھا کہ کیا یہی صاحب ہیں (جن کے بارے میں آپ نے فرمایا کہ فتنے کے زمانے میں یہ حق پر ہوں گے) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جی ہاں (وہ یہی صاحب ہیں)۔

مشکل الفاظ کے معنی: فقربها: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان فتنوں کو قریب کیا یعنی یہ فرمایا کہ وہ عنقریب ظاہر ہوں گے، مقنع فی ثوب: صیغہ اسم مفعول (نون پر زبر اور تشدید) کپڑا اوڑھے ہوئے شخص، وہ شخص جس نے منہ پر کپڑا لپیٹ رکھا ہو، فقمت الیه: مرہ بن کعب کہتے ہیں: میں اس شخص کی طرف اٹھ کر گیا (تا کہ دیکھوں کہ وہ کون آدمی ہے) فأقبلت علیه بوجهه: علیه کی ضمیر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اور بوجهه کی ضمیر حضرت عثمان کی طرف لوٹ رہی ہے، ترجمہ: مرۃ بن کعب کہتے ہیں: میں نے حضرت عثمان کا چہرہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف پھیرا، فقلت: هذا: اور میں نے پوچھا کہ کیا وہ یہی شخص ہیں (جن کی فضیلت آپ نے ذکر فرمائی ہے) قال: نعم: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جی ہاں وہ یہی آدمی ہیں۔

فتنہ کے زمانے میں حضرت عثمان راہ راست پر ہوں گے

ملک شام کے شہر ایلیاء میں شہادت عثمان کے بعد چند خطباء کا اجتماع ہوا، جن میں کچھ صحابہ بھی تھے، آخر میں صحابی رسول حضرت مرہ بن کعب نے فتنوں کے زمانے سے متعلق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث کھڑے ہو کر بیان کی، جس میں یہ بات ہے کہ حضرت عثمان کے بارے میں آپ نے ان کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ فتنے کے زمانے میں یہ شخص حق اور ہدایت پر ہوگا،

(۱) مسند احمد ۲۳۵/۴، عن أبی الأشعث۔

اس سے معلوم ہوا کہ حضرت عثمان کے خلاف مصر اور دوسرے علاقے کے باغیوں نے جو بغاوت اور فتنہ وفساد برپا کیا، اس میں حضرت عثمان راہ راست پر تھے، اور وہ لوگ غلطی پر تھے۔

حضرت مرہ بن کعب رضی اللہ عنہ

حضرت مرہ بن کعب سلمی صحابی ہیں، ان کا شمار اہل شام میں ہوتا ہے، تابعین کی ایک جماعت نے ان سے روایت حدیث کی ہے، پہلے بصرہ میں رہتے تھے، پھر اردن میں رہائش پذیر ہو گئے تھے، یہیں پر ان کی ۵۵ ہجری میں وفات ہوئی۔(۱)

حضرت شراحیل بن آدہ رحمہ اللہ

حضرت ابوالاشعث الصنعانی رحمہ اللہ ان کا نام شراحیل بن آدہ ہے، دمشق کے کبار علماء میں سے تھے، انہوں نے عبادہ بن صامت، ثوبان، شداد بن اوس، ابوہریرہ، ابوثعلبہ خشنی، اوس بن اوس اور دیگر صحابہ سے روایت حدیث کی ہے، اور پھر ان سے ابوقلابہ جرمی، حسان بن عطیہ، یحیی ذماری، عبدالرحمن بن یزید اور دوسرے حضرات نے احادیث روایت کی ہیں، پہلی صدی ہجری کے بعد ان کی وفات ہوئی ہے۔(۲)

عَنْ عَائِشَةَ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: يَا عُثْمَانُ: إِنَّهُ لَعَلَّ اللهَ يُقَمِّصُكَ قَمِيصًا، فَإِنْ أَرَادُوكَ عَلَى خَلْعِهِ فَلَا تَخْلَعْهُ لَهُمْ.(۳)

حضرت عائشہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے (ایک دن حضرت عثمان سے) فرمایا: اے عثمان شاید کہ اللہ تعالیٰ تمہیں (خلافت کی) ایک قمیص پہنائیں، اگر لوگ اس قمیص کو اتارنے کا مطالبہ کریں تو تم ان کے لئے وہ قمیص نہ اتارنا۔

حضرت عثمان کو خلافت نہ چھوڑنے کا حکم نبوی

مذکورہ حدیث سے دو امر ثابت ہوتے ہیں:

۱۔ حضرت عثمان کے لئے خلافت کی پیشن گوئی۔

۲۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان کو اس بات کی تاکید فرمائی کہ تمہاری خلافت کی قمیص کو کچھ فسادی لوگ اتارنے کی کوشش

---

(۱) مرقاۃ المفاتیح ۱۱/۲۲۷، کتاب المناقب باب مناقب عثمان

(۲) سیر اعلاء النبلاء ۵/۳۱۳، ابوالاشعث الصنعانی

(۳) سنن ابن ماجۃ، المقدمۃ، باب من فضل اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، رقم: ۱۱۲۔

کریں گے، تم ان کی باتوں میں مت آنا، اور خلافت کو ہرگز نہ چھوڑنا، کیونکہ تم حق پر اور وہ باطل پر ہوں گے، ان کا مقصد تمہاری خلافت کو ختم کر کے امت مسلمہ میں فتنہ وفساد اور افتراق و انتشار پھیلانا ہوگا، جبکہ تمہاری خلافت، حق وصداقت کی سربلندی اور ملت کی شیرازہ بندی کی خلافت ہوگی، چنانچہ حضرت عثمان کے سامنے یہی وہ حدیث تھی، جس کی وجہ سے وہ باغیوں کے آگے نہیں جھکے، بلکہ ڈٹے رہے، یہاں تک کہ ان کے ہاتھوں جام شہادت نوش فرمالیا، مگر نبی کریم ﷺ کے حکم پر عمل کرتے ہوئے ان کی طرف سے ہزار مطالبوں کے باوجود، منصب خلافت سے دستبرداری اختیار نہیں کی رضی اللہ عنہ۔(۱)

عَنِ ابْنِ عُمَرَ، قَالَ: كُنَّا نَقُولُ وَرَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَيٌّ: أَبُو بَكْرٍ وَعُمَرُ وَعُثْمَانُ.(۲)

حضرت عبداللہ بن عمر فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کے زمانہ حیات میں ہم یوں کہا کرتے تھے: ابوبکر، عمر اور عثمان۔

عہد رسالت میں بھی حضرت عثمان صحابہ میں تیسرے نمبر پر تھے

نبی کریم ﷺ کے زمانے میں تمام صحابہ کرام کی نظر میں حضرت ابوبکر، پھر حضرت عمر اور پھر حضرت عثمان سب میں افضل اور ممتاز حیثیت کے حامل تھے، کیونکہ نبی کریم ﷺ کے نزدیک سب سے زیادہ یہی مقرب تھے، اہم امور میں ان تینوں حضرات سے آپ ﷺ مشورہ کیا کرتے اور ان کی رائے کا آپ بہت احترام کرتے تھے اور چوتھے نمبر پر حضرت علی رضی اللہ عنہ ہیں، یہی جمہور اہل سنت کا مسلک ہے، البتہ بعض حضرات حضرت علی کو حضرت عثمان پر افضل و برتر سمجھتے ہیں اور یہ کہ حضرت علی صحابہ میں تیسرے نمبر پر تھے، لیکن اس رائے کو سوائے چند کے، کسی نے بھی اختیار نہیں کیا، جمہور کے نزدیک صحابہ میں پہلے حضرت ابوبکر، نمبر دو پر حضرت عمر، نمبر تین پر حضرت عثمان اور نمبر چار پر حضرت علی ہیں، اس پر امت کا تعامل چلا آرہا ہے۔

لیکن یہاں پر صحیح بخاری کی ایک روایت سے اشکال ہوتا ہے، جسے حضرت عبداللہ بن عمر نے ہی روایت کیا ہے، اس روایت میں ان تین صحابہ کے تذکرے کے بعد وہ فرماتے ہیں: ثم نترک اصحاب رسول اللہ ﷺ فلا نفاضل بینھم (پھر ہم صحابہ کرام کو چھوڑ دیتے، ان میں کسی کو دوسرے پر فضیلت نہ دیتے) اس سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عثمان کے بعد دیگر صحابہ سے حضرت علی رضی اللہ عنہ افضل نہیں ہیں، حالانکہ یہ بات حقیقت کے خلاف ہے، اس بات پر تمام اہل سنت کا اجماع ہے کہ حضرت عثمان کے بعد حضرت علی دیگر تمام صحابہ سے افضل ہیں اور چوتھے خلیفہ ہیں، تو پھر حضرت عبداللہ بن عمر کی اس روایت کے کیا معنی ہیں؟

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ اس میں کوئی شک نہیں، بلکہ پوری امت کا اس پر اجماع ہے کہ حضرت عثمان کے بعد حضرت علی افضل ہیں پھر عشرہ مبشرہ اور پھر وہ صحابہ جو غزوہ بدر میں شریک ہوئے، لہذا حضرت عبداللہ بن عمر کی

---

(۱) مرقاۃ المفاتیح ۱۱/۲۲۸، کتاب المناقب باب مناقب عثمان

(۲) الصحیح للبخاری، فضائل الصحابۃ، باب مناقب عثمان بن عفان، رقم: ۳۶۹۷۔

اس روایت میں یہ بتانا مقصود ہے کہ صحابہ کرام کے سامنے حضرت ابوبکر و عمر اور عثمان کے فضائل و مناقب بالکل واضح تھے، مختلف مواقع میں اس کا ظہور بھی ہوتا رہتا، لیکن اس وقت تک حضرت علی کی فضیلت ان کے سامنے اس قدر واضح نہیں تھی، جس طرح ان تین صحابہ کی فضیلت واضح تھی، اس لئے وہ ان تین حضرات کی فضیلت کا تذکرہ کرتے، لیکن بعد میں جب ان کے سامنے وقت گذرنے کے ساتھ حضرت علی کی فضیلتیں واضح ہوگئیں تو پھر تمام صحابہ حضرت علی کو فضائل و مناقب اور مقام و مرتبہ کے اعتبار سے چوتھے نمبر پر سمجھتے تھے، بلکہ بعد میں خود حضرت ابن عمر نے ہی ایسی روایت ذکر کی ہے، جس میں حضرت عثمان کے بعد حضرت علی کے مقام اور فضیلت کا ذکر ہے۔(۱)

عَنِ ابْنِ عُمَرَ، قَالَ: ذَكَرَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِتْنَةً، فَقَالَ: يُقْتَلُ هٰذَا فِيهَا مَظْلُومًا لِعُثْمَانَ.(۲)

حضرت عبداللہ بن عمر فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک فتنہ کا ذکر کیا اور (حضرت عثمان کے بارے میں) فرمایا: یہ شخص یعنی عثمان بن عفان کو اس فتنہ میں مظلومانہ طور پر قتل کیا جائے گا۔

ایک فتنہ میں حضرت عثمان کے قتل کی پیشن گوئی

اس حدیث میں نبی کریم ﷺ نے پہلے سے ہی ایک فتنہ کا تذکرہ کر کے بتا دیا تھا کہ حضرت عثمان کو اس میں بڑے مظلومانہ طریقے سے قتل کیا جائے گا، چنانچہ پھر ایسا ہی ہوا، جس کی تفصیل پہلے گذر چکی ہے۔

عَنْ عُثْمَانَ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَوْهَبٍ، أَنَّ رَجُلًا مِنْ أَهْلِ مِصْرَ حَجَّ الْبَيْتَ فَرَأَى قَوْمًا جُلُوسًا، فَقَالَ: مَنْ هٰؤُلَاءِ؟ قَالُوا: قُرَيْشٌ، قَالَ: فَمَنْ هٰذَا الشَّيْخُ؟ قَالُوا: ابْنُ عُمَرَ فَأَتَاهُ فَقَالَ: إِنِّي سَائِلُكَ عَنْ شَيْءٍ فَحَدِّثْنِي، أَنْشُدُكَ اللّٰهَ بِحُرْمَةِ هٰذَا الْبَيْتِ: أَتَعْلَمُ أَنَّ عُثْمَانَ فَرَّ يَوْمَ أُحُدٍ؟ قَالَ: نَعَمْ، قَالَ: أَتَعْلَمُ أَنَّهُ تَغَيَّبَ عَنْ بَيْعَةِ الرِّضْوَانِ، فَلَمْ يَشْهَدْهَا؟ قَالَ: نَعَمْ، قَالَ: أَتَعْلَمُ أَنَّهُ تَغَيَّبَ يَوْمَ بَدْرٍ فَلَمْ يَشْهَدْهُ؟ قَالَ: نَعَمْ، فَقَالَ: اللّٰهُ أَكْبَرُ، فَقَالَ لَهُ ابْنُ عُمَرَ: تَعَالَ أُبَيِّنْ لَكَ مَا سَأَلْتَ عَنْهُ: أَمَّا فِرَارُهُ يَوْمَ أُحُدٍ، فَأَشْهَدُ أَنَّ اللّٰهَ قَدْ عَفَا عَنْهُ وَغَفَرَ لَهُ، وَأَمَّا تَغَيُّبُهُ يَوْمَ بَدْرٍ، فَإِنَّهُ كَانَتْ عِنْدَهُ أَوْ تَحْتَهُ ابْنَةُ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ لَهُ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَكَ أَجْرُ رَجُلٍ شَهِدَ بَدْرًا وَسَهْمُهُ، وَأَمَرَهُ أَنْ يَخْلُفَ عَلَيْهَا وَكَانَتْ عَلِيلَةً، وَأَمَّا تَغَيُّبُهُ عَنْ بَيْعَةِ الرِّضْوَانِ فَلَوْ كَانَ أَحَدٌ أَعَزَّ بِبَطْنِ مَكَّةَ مِنْ عُثْمَانَ لَبَعَثَهُ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَكَانَ عُثْمَانَ، بَعَثَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عُثْمَانَ وَكَانَتْ بَيْعَةُ الرِّضْوَانِ بَعْدَ مَا ذَهَبَ عُثْمَانُ إِلَى مَكَّةَ، قَالَ: فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِيَدِهِ الْيُمْنَى: هٰذِهِ يَدُ عُثْمَانَ، وَضَرَبَ بِهَا عَلَى يَدِهِ، فَقَالَ: هٰذِهِ لِعُثْمَانَ،

---

(۱) فتح الباری ۷/۷۲، کتاب المناقب، باب مناقب عثمان، حدیث: ۳۶۹۸۔

(۲) مسند احمد ۲/۱۱۵، عن ابن عمر۔

قَالَ لَهُ: اذْهَبْ بِهٰذَا الآنَ مَعَكَ.(۱)

حضرت عثمان بن عبداللہ بن موہب (تابعی) کہتے ہیں کہ ایک مصری شخص حج کے لئے (مکہ مکرمہ) آیا، اس نے (ایک جگہ) کچھ لوگوں کو بیٹھے ہوئے دیکھا تو پوچھا کہ یہ کون لوگ ہیں؟ لوگوں نے بتایا: یہ (اکابرین) قریش ہیں، پھر اس نے پوچھا: یہ شیخ کون ہیں؟ لوگوں نے بتایا: یہ عبداللہ بن عمر ہیں، تب وہ مصری شخص ابن عمر کے پاس آیا اور کہنے لگا: میں آپ سے کچھ پوچھنا چاہتا ہوں، لہذا مجھے آپ بتا دیجئے، میں آپ سے اس بیت اللہ کی حرمت اور تقدس کا واسطہ دے کر پوچھتا ہوں کہ کیا آپ کو معلوم ہے کہ عثمان جنگ احد کے دن بھاگ گئے تھے، عبداللہ بن عمر نے فرمایا: جی ہاں (ایسا ہی ہے) اس مصری نے پھر پوچھا: کیا آپ کو معلوم ہے کہ عثمان (مقام حدیبیہ میں) بیعت سے غائب تھے، اس میں وہ حاضر نہیں ہو سکے تھے؟ عبداللہ بن عمر نے فرمایا: جی ہاں (ایسا ہی ہے) پھر اس نے پوچھا: کیا آپ کو معلوم ہے کہ عثمان غزوہ بدر سے بھی غائب تھے، اور اس میں وہ شریک نہیں ہوئے، عبداللہ بن عمر نے فرمایا: جی ہاں (ایسا ہی ہوا تھا) اس نے یہ جواب سن کر زور سے) کہا: اللہ اکبر! کیونکہ وہ ان سے خوش ہوا، ان سے اس کے غلط خیالات کو تقویت حاصل ہوئی)۔

عبداللہ بن عمر نے اس مصری سائل سے کہا: ادھر آؤ تا کہ میں تمہارے سامنے اس چیز کو واضح کر دوں، جس کے بارے میں تم پوچھ رہے تھے: جہاں تک میدان احد سے حضرت عثمان کے بھاگ جانے کی بات ہے تو میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں معاف کر دیا ہے اور ان کو بخش دیا ہے، اور غزوہ بدر سے ان کے غائب ہونے کی وجہ یہ پیش آئی تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی حضرت رقیہ ان کے نکاح میں تھیں، (اور ان دنوں وہ سخت بیمار تھیں) اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان (کو بدر میں شرکت سے منع کر دیا تھا اور ان) سے فرمایا تھا کہ تمہارے لیے اس شخص کے برابر اجر وثواب ہوگا، جو غزوہ بدر میں باقاعدہ شریک ہوا اور اس کے حصے کے برابر (مال غنیمت کا) حصہ بھی ہوگا اور حضرت عثمان کو حکم دیا کہ وہ حضرت رقیہ کے پاس ہی رہیں، وہ بیمار تھیں۔

اب رہا بیعت رضوان میں عثمان کا شریک نہ ہونا تو اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر (صحابہ میں) کوئی اور شخص (خاندانی مقام کے لحاظ سے) مکہ میں عثمان سے زیادہ عزت واثر رکھنے والا ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم عثمان کی جگہ اسی کو (اپنا خصوصی نمائندہ بنا کر) بھیجتے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عثمان کو روانہ کیا اور عثمان کے مکہ جانے کے بعد بیعت رضوان کا واقعہ پیش آیا، راوی کہتے ہیں، پھر (بیعت رضوان کے وقت) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دائیں ہاتھ کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ میرا یہ ہاتھ عثمان کے ہاتھ کے قائم مقام ہے، اور پھر آپ نے اپنا دایاں ہاتھ، اپنے بائیں ہاتھ پر مارا اور فرمایا: یہ بیعت عثمان کی طرف سے ہے، (اس کے بعد) عبداللہ بن عمر نے اس مصری شخص سے کہا: (تمہارے

(۱) الصحيح للبخاري، فضائل الصحابة، باب مناقب عثمان بن عفان، رقم: ٣٦٩٨۔

سوالات کے جواب میں) اب میں نے جو کچھ کہا ہے، اس کو اپنے ساتھ لے جاؤ۔

مشکل الفاظ کے معنی: فلم یشهدها: حضرت عثمان بیعت رضوان میں شریک نہیں ہوئے، **واما تغیبه یوم بدر:** بہرحال بدر کے دن عثمان کا غائب ہونا، **سهمه:** غزوہ بدر میں شریک آدمی کے حصے کے برابر مال غنیمت میں عثمان کا حصہ، **ان یخلف علیها:** یہ کہ حضرت عثمان، حضرت رقیہ کے پاس ہی رہیں، **علیلة:** بیمار، **فقال رسول الله بیده الیمنی:** رسول اللہ ﷺ نے اپنے دائیں ہاتھ کی طرف اشارہ کیا، **هذه لعثمان.** یہ بیعت عثمان کی طرف سے ہے، **قال له:** ابن عمر نے اس مصری سائل سے کہا، **اذهب بهذا الان معک:** اب میں نے تمہیں جو کچھ کہا ہے، اسے اپنے ساتھ لے جاؤ، **فقال: الله اکبر:** اس مصری شخص نے جب حضرت عبداللہ بن عمر کی زبان سے ان سوالات کے جواب سنے، تو خوشی اور تعجب کے طور پر بلند آواز سے اللہ اکبر کہا، یہ تاثر دینے کے لئے کہ عثمان کی مخالفت جو ہم لوگ کرتے ہیں، وہ درست ہے، ان میں العیاذ باللہ یہ عیوب پائے جاتے ہیں، مگر بعد میں جب اس نے ساری تفصیل سن لی، تو پھر ٹھنڈا ہو کر گیا۔

حضرت عثمان بن عبداللہ بن موہب رحمہ اللہ

حضرت عثمان بن عبداللہ رحمہ اللہ تابعی ہیں، تمیم خاندان سے ان کا تعلق ہے، اور بصری ہیں، یہ تمام محدثین کی نظر میں ایک ثقہ راوی ہیں، حضرت انس اور عبداللہ بن عمر وغیرہ سے انہوں نے حدیث روایت کی ہے اور ترمذی کی مذکورہ روایت کے بھی راوی ہیں، اور پھر عثمان بن عبداللہ سے شعبہ اور ابو عوانہ نے حدیث نقل کی ہے۔(۱)

حضرت عثمان سے متعلق چند سوالات اور ان کے مدلل جواب

ایک مصری شخص حج کے لئے مکہ مکرمہ آیا تو اس نے دیکھا کہ ایک جگہ لوگوں کا اجتماع ہے، اسے پتہ چلا کہ یہاں ایک شخص عبداللہ بن عمر تشریف فرما ہیں، پھر وہ ان کے قریب آیا اور حضرت عثمان سے متعلق ابن عمر سے تین سوالات کئے، عبداللہ بن عمر نے اسے جواب دیئے، یہ جواب سن کر خوشی سے اس نے نعرہ تکبیر بلند کیا کیونکہ یہ جواب اس کی منشا کے موافق تھے، جب حضرت عبداللہ بن عمر کو اس چیز کا احساس ہوا کہ اس مصری شخص کا مقصد تو محض حضرت عثمان کی مخالفت ہے، اس لئے عبداللہ بن عمر نے پھر اسے قریب بٹھا کر ان جوابات کی مزید تفصیل بتائی اور وہ اعذار ذکر کئے، جن کی وجہ سے حضرت عثمان ان تین مواقع میں حاضر نہ ہو سکے تھے، ان سوالات اور ابن عمر کی طرف سے ان کے جوابات کی تفصیل یہ ہے:

۱۔ مصری نے پوچھا کہ کیا عثمان غزوہ احد کے دن میدان سے بھاگ گئے تھے، ابن عمر نے جواب دیا کہ جی ہاں ایسا ہی ہوا، لیکن اللہ جل شانہ نے حضرت عثمان کو دیگر صحابہ کی طرح معاف کر دیا اور انہیں بخش دیا، واقعہ یہ ہے کہ غزوہ احد کے موقع پر نبی

---

(۱) فتح الباری ۷/۴۳، الاکمال فی اسماء الرجال (ص: ۸۰)

کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ صحابہ کرام کو جن میں حضرت عثمان بھی تھے، ایک اہم جگہ پر کھڑا کیا تھا کہ تم لوگوں نے اس جگہ کو کسی صورت نہیں چھوڑنا، ہر شخص اپنی جگہ پر ہی ثابت قدم رہے، کیونکہ وہ جگہ ایسی تھی کہ اسے دیکھ کر دشمن پلٹ کر حملہ کر سکتا تھا، مگر جب دشمن کو شکست ہوئی اور وہ بھاگنے لگا، تو مجاہدین نے ان کافروں کا مزید تعاقب کیا، انہیں کافی آگے بھگا دیا، اس مخصوص جگہ پر کھڑے صحابہ نے دیکھا جن میں حضرت عثمان بھی تھے کہ اب تو مسلمانوں کو فتح ہو گئی ہے، لہذا اب ہمیں یہاں سے چلے جانا چاہیے، چنانچہ کچھ دشمن کے تعاقب میں چلے گئے، کچھ کھڑے رہے اور کچھ مال غنیمت جمع کرنے میں مشغول ہو گئے، دشمن کے سپہ سالار خالد بن ولید نے دیکھا کہ وہ مخصوص جگہ خالی ہے، ان لوگوں نے پھر پلٹ کر دوبارہ ایسا شدید حملہ کیا کہ مسلمانوں کے پاؤں اکھڑ گئے، اور فتح، شکست میں بدلنے لگی.....

ان صحابہ کرام نے جنہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک متعین جگہ پر کھڑا کیا تھا، انہوں نے وہ جگہ چھوڑ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی نافرمانی کی، اس لئے اللہ تعالیٰ نے انہیں تنبیہ فرمائی لیکن پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے انہیں معاف کر دیا اور یہ آیت نازل ہو گئی: ان الذین تولوا منکم یوم التقی الجمعان انما استزلھم الشیطان ببعض ما کسبوا، ولقد عفا اللہ عنھم ان اللہ غفور حلیم۔ (ترجمہ: جو لوگ تم میں سے ہٹ گئے، جس دن لڑیں دو فوجیں، سو ان کو بہکا دیا شیطان نے، ان کے گناہ کی شامت سے، اور ان کو بخش چکا اللہ، اللہ بخشنے والا ہے تحمل کرنے والا۔ سورۂ آل عمران / آیت: ۱۵۵)

حضرت عثمان سے بغض اور عناد رکھنے والے لوگ، اس واقعہ سے ان کے بارے میں زبان درازی کرتے ہیں اور ان کی شان میں نامناسب الفاظ استعمال کرتے ہیں حالانکہ اول تو جب اللہ تعالیٰ نے حضرت عثمان کو معاف فرما دیا، تو اب اس واقعہ کا سہارا لے کر ان کے بارے میں کوئی بات کرنے کے کیا معنیٰ ہیں، دوسرا اس موقع پر اس جگہ کو چھوڑنے والے صرف حضرت عثمان ہی نہ تھے بلکہ اور بھی بہت سے صحابہ ان کے ساتھ شریک تھے، جب کوتاہی ہوئی تو سب سے ہوئی، عتاب میں سارے ہی آئے، اور پھر جب، اللہ جل جلالہ نے معاف کیا تو سب ہی کو معاف کیا، تو پھر صرف حضرت عثمان کو اس واقعہ میں ہدف تنقید اور نشانہ بنانا کہاں کا انصاف ہے۔

۲۔ اس مصری نے پوچھا کہ حضرت عثمان غزوہ بدر میں بھی شریک نہیں ہوئے، حضرت عبداللہ بن عمر نے جواب دیا کہ جی ہاں ایسا ہی ہوا، اور اس کی وجہ یہ تھی کہ حضرت عثمان کی اہلیہ حضرت رقیہ جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بڑی صاحبزادی ہیں، وہ اس موقع پر شدید بیمار تھیں، اس لئے آپ نے ان سے فرمایا کہ تم بدر میں نہ جاؤ، ان کی تیمارداری کرو؟ تمہیں مال غنیمت سے حصہ بھی دیا جائے گا اور تمہیں اس آدمی کے برابر اجر و ثواب بھی ملے گا، جو اس میں باقاعدہ شریک ہوگا، چنانچہ جب غزوہ بدر کی فتح کی خوشخبری لے کر ایک صحابی حضرت زید بن حارثہ، مدینہ میں حضرت عثمان کے پاس آئے تو اس وقت حضرت رقیہ کی وفات ہو چکی تھی، اس وقت ان کی عمر بیس سال تھی، اس لئے یہ کہنا کہ حضرت عثمان غزوہ بدر میں شریک نہیں ہوئے، اور اس کو بنیاد بنا کر حضرت عثمان کو مورد الزام ٹھہرانا، کسی بھی طرح درست نہیں۔

۴۔ اس مصری نے پوچھا کہ عثمان بیعت رضوان میں شریک نہیں ہوئے، ابن عمر نے جواب دیا کہ جی ہاں بیعت کے وقت وہ موجود نہیں تھے، کیونکہ انہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا خصوصی نمائندہ بنا کر مکہ مکرمہ کفار قریش سے بات کے لئے بھیجا تھا، تو اس میں حضرت عثمان کو ذرا دیر ہوئی تو مسلمانوں میں بے چینی پھیل گئی، اور مزید یہ کہ مسلمانوں نے دو باتیں ادھر ادھر سے سنیں:

- کفار مکہ مسلمانوں کے ساتھ لڑائی کے لئے تیار ہو چکے ہیں اور حضرت عثمان کا مصالحتی مشن ناکام ہو گیا۔
- اور یہ بھی خبر آئی کہ اہل مکہ نے حضرت عثمان کو قتل کر دیا ہے، اس صورتحال میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کو جمع کیا، اور کفار سے لڑائی کی تیاری شروع کر دی، آپ نے ایک درخت کے نیچے ایک ایک مسلمان سے یہ بیعت لی کہ یہاں سے کوئی بھاگے گا نہیں، کفار کے ساتھ مقابلے میں اگر اپنی جان بھی قربان کرنی پڑے تو اس سے بھی پیچھے نہیں ہٹیں گے، اور اگر واقعۃً عثمان قتل کر دیئے گئے ہیں تو ان کے خون کا بدلہ بھی لیا جائے گا، سارے صحابہ اس پر بصد خوشی تیار ہو گئے۔

اس بیعت کے وقت چونکہ حضرت عثمان موجود نہیں تھے، اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا دایاں ہاتھ، عثمان کے ہاتھ کے قائم مقام بنا کر، اپنے دوسرے ہاتھ پر مار کر فرمایا کہ یہ عثمان کی طرف سے بیعت ہے، یہ حضرت عثمان کا ایک ایسا اعزاز ہے، جو کسی اور صحابی کو حاصل نہیں، جب حضرت عثمان بیعت کے وقت موجود ہی نہیں تھے، تو یہ کہنا کیسے درست ہو سکتا ہے کہ وہ اس بیعت میں شریک نہیں ہوئے۔

یہ جوابات بتا کر عبداللہ بن عمر نے اس مصری سے کہا کہ میری یہ تمام باتیں اپنے ساتھ اہتمام سے لے جاؤ، تا کہ جس کے ذہن میں حضرت عثمان کے بارے میں برے خیالات، بدگمانیاں اور بغض وعناد ہو تو وہ صاف ہو جائے۔(۱)

عَنْ جَابِرٍ، قَالَ: أُتِيَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِجَنَازَةِ رَجُلٍ، لِيُصَلِّيَ عَلَيْهِ، فَلَمْ يُصَلِّ عَلَيْهِ، فَقِيلَ: يَا رَسُولَ اللهِ: مَا رَأَيْنَاكَ تَرَكْتَ الصَّلَاةَ عَلَى أَحَدٍ قَبْلَ هَذَا؟ قَالَ: إِنَّهُ كَانَ يُبْغِضُ عُثْمَانَ، فَأَبْغَضَهُ اللهُ.

حضرت جابر فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک شخص کا جنازہ لایا گیا، تا کہ آپ اس کی نماز جنازہ پڑھا دیں، مگر آپ نے اس کی نماز جنازہ نہیں پڑھائی، عرض کیا گیا، یا رسول اللہ! ہم نے اس سے پہلے آپ کو کسی کی نماز جنازہ چھوڑتے نہیں دیکھا (تو کس وجہ سے اس کی نماز جنازہ آپ نے نہیں پڑھائی) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ شخص عثمان سے بغض رکھتا تھا، اس لئے اللہ تعالیٰ بھی اس سے بغض رکھتا ہے یعنی اللہ تعالیٰ بھی اس سے نفرت کرتا ہے۔

عثمان سے بغض رکھنے والے کی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نماز جنازہ نہیں پڑھائی

اس حدیث میں حضرت عثمان کے بلند مقام کا ذکر ہے کہ جو شخص عثمان سے محبت کرتا ہے، تو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم

---

(۱) فتح الباری ۷/۷۲، کتاب المناقب باب مناقب عثمان بن عفان، مرقاۃ المفاتیح ۱۱/۲۳۰، کتاب المناقب باب مناقب عثمان، الفصل الثالث

بھی اس سے محبت کرتے ہیں، اور جو شخص عثمان سے بغض اور دل میں ان سے دشمنی رکھتا ہو تو اللہ اور اس کے رسول بھی اس سے بغض یعنی شدید نفرت کرتے ہیں چنانچہ یہ جنازہ جس میت کا تھا، وہ چونکہ حضرت عثمان سے بغض اور دشمنی رکھتا تھا، اس لئے آپ ﷺ نے اس کی نماز جنازہ نہیں پڑھائی۔

عَنْ أَبِي مُوسَى الْأَشْعَرِيِّ، قَالَ: انْطَلَقْتُ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَدَخَلَ حَائِطًا لِلْأَنْصَارِ، فَقَضَى حَاجَتَهُ، فَقَالَ لِي: يَا أَبَا مُوسَى: أَمْلِكْ عَلَيَّ الْبَابَ، فَلَا يَدْخُلَنَّ عَلَيَّ أَحَدٌ إِلَّا بِإِذْنٍ، فَجَاءَ رَجُلٌ فَضَرَبَ الْبَابَ، فَقُلْتُ: مَنْ هَذَا؟ فَقَالَ: أَبُو بَكْرٍ، فَقُلْتُ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ: هَذَا أَبُو بَكْرٍ يَسْتَأْذِنُ، قَالَ: ائْذَنْ لَهُ، وَبَشِّرْهُ بِالْجَنَّةِ، فَدَخَلَ وَبَشَّرْتُهُ بِالْجَنَّةِ، وَجَاءَ رَجُلٌ آخَرُ فَضَرَبَ الْبَابَ، فَقُلْتُ: مَنْ هَذَا؟ فَقَالَ: عُمَرُ، فَقُلْتُ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ: هَذَا عُمَرُ يَسْتَأْذِنُ، قَالَ: افْتَحْ لَهُ وَبَشِّرْهُ بِالْجَنَّةِ، فَفَتَحْتُ الْبَابَ، وَدَخَلَ وَبَشَّرْتُهُ بِالْجَنَّةِ، فَجَاءَ رَجُلٌ آخَرُ فَضَرَبَ الْبَابَ، فَقُلْتُ: مَنْ هَذَا؟ قَالَ: عُثْمَانُ، فَقُلْتُ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ هَذَا عُثْمَانُ يَسْتَأْذِنُ، قَالَ: افْتَحْ لَهُ وَبَشِّرْهُ بِالْجَنَّةِ عَلَى بَلْوَى تُصِيبُهُ.(۱)

حضرت ابوموسیٰ اشعری کہتے ہیں کہ (ایک مرتبہ) میں نبی کریم ﷺ کے ساتھ چلا، آپ انصار کے ایک باغ میں داخل ہوئے، وہاں آپ نے اپنی ضرورت پوری کی، پھر آپ ﷺ نے مجھ سے فرمایا: اے ابوموسیٰ: تم دروازے کا ذرا خیال رکھو، تاکہ کوئی بھی اجازت کے بغیر میرے پاس ہرگز نہ آسکے، اتنے میں ایک شخص آیا اور اس نے دروازہ کھٹکھٹایا، میں نے پوچھا: کون؟ اس نے کہا: میں ابوبکر ہوں، تو میں نے عرض کیا: یارسول اللہ: یہ ابوبکر ہیں، جو اندر آنے کی اجازت چاہ رہے ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا: انہیں اندر آنے کی اجازت دے دو اور انہیں جنت کی بشارت بھی سنا دو، چنانچہ وہ اندر آئے اور میں نے ان کو جنت کی خوشخبری سنائی۔

پھر ایک اور شخص آیا اور اس نے بھی دروازہ کھٹکھٹایا، میں نے پوچھا: کون؟ اس نے کہا: میں عمر ہوں، میں نے عرض کیا یارسول اللہ! یہ عمر ہیں، جو اجازت طلب کر رہے ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا: ان کے لئے دروازہ کھول دو اور انہیں جنت کی خوشخبری سنا دو، پھر ایک اور شخص آیا اور اس نے دروازہ کھٹکھٹایا، میں نے پوچھا: کون؟ اس نے کہا: میں عثمان ہوں، میں نے عرض کیا: یارسول اللہ: یہ عثمان ہیں، جو اندر آنے کی اجازت مانگ رہے ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا: ان کے لئے دروازہ کھول دو اور انہیں جنت کی بشارت سنا دو اس آزمائش اور مصیبت پر جو انہیں (اپنی خلافت کے آخر میں) پہنچے گی (یعنی لوگ محاصرہ کر کے گھر کے اندر ہی انہیں شہید کر دیں گے)۔

مشکل الفاظ کے معنی: انطلقت: میں چلا، أملک علی: یہ املاک سے صیغہ امر ہے: مجھ پر دروازے کو کنٹرول کیجئے، میرے لئے دروازے کی نگرانی کریں، اس کا خیال رکھیں، یضرب الباب: دروازہ کھٹکھٹانے لگا، علی بلوی تصیبه: اس

(۱) الصحیح للبخاری، فضائل الصحابۃ، باب مناقب عمر بن الخطاب، رقم: ۳۶۹۳۔

آزمائش اور مصیبت پر، جو عثمان کو پہنچے گی، انہیں لاحق ہوگی۔

حضرت عثمان کو آزمائش پہنچنے کی پیشن گوئی

مذکورہ حدیث سے درج ذیل امور ثابت ہوتے ہیں:

۱۔ اس حدیث میں حضرت ابوبکر، حضرت عمر اور حضرت عثمان کی فضیلت کا ذکر ہے کہ یہ تینوں جنت میں جائیں گے۔

۲۔ اس میں آپ ﷺ نے پیشن گوئی ذکر فرمائی کہ حضرت عثمان کو ایک آزمائش پہنچے گی، اور انہیں ایک ایسے فتنے اور ابتلاء کا سامنا کرنا پڑے گا، جس میں بالآخران کی شہادت واقع ہو جائے گی۔

۳۔ اس میں نبی کریم ﷺ کے ایک معجزے کا بھی ثبوت ہے کہ آپ نے اس آزمائش کی جس طرح پیشن گوئی فرمائی تھی، اسی طرح وہ آزمائش انہیں پہنچی، چنانچہ حضرت عثمان کے زمانہ خلافت کے آخر میں مصر کے بلوائیوں نے آپ کے گھر کا چالیس دن تک محاصرہ کئے رکھا اور پھر بالآخر گھر میں گھس کر انہیں شہید کر دیا۔

۵۔ اس حدیث کے راوی ابوموسیٰ کی بھی فضیلت ثابت ہوتی ہے کہ انہیں آپ ﷺ نے اس موقع پر اپنے ساتھ رکھا، دروازے کی نگرانی ان کے ذمے لگائی اور پھر انہوں نے ان تین صحابہ کرام کے لئے دروازہ کھولا اور نبی کریم ﷺ کے ارشاد کے مطابق انہیں جنت کی خوشخبری سنائی۔(۱)

عَنْ اَبِیْ سَهْلَةَ، قَالَ: قَالَ لِیْ عُثْمَانُ یَوْمَ الدَّارِ: اِنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَدْ عَهِدَ اِلَیَّ عَهْداً، فَاَنَا صَابِرٌ عَلَیْهِ۔

(حضرت عثمان کے آزاد کردہ غلام) حضرت ابوسہلہ فرماتے ہیں کہ حضرت عثمان (محاصرے کے دوران جب) گھر میں موجود تھے تو مجھ سے فرمایا: مجھ سے رسول اللہ ﷺ نے ایک بات کا عہد لیا ہے اور وصیت کی ہے (کہ تم کسی کے کہنے سے ہرگز خلافت کی قمیص نہ اتارنا) لہذا میں اس عہد اور وصیت کے مطابق صبر کئے ہوئے ہوں۔

فتنہ کے زمانے میں عثمان کو ثابت قدم رہنے کی وصیت

حضرت عثمان کے آزاد کردہ غلام حضرت ابوسہلہ کہتے ہیں کہ جس وقت حضرت عثمان گھر میں محصور ہو چکے تھے، فسادیوں نے آپ کے گھر کا چاروں طرف سے محاصرہ کر رکھا تھا، اس موقع پر حضرت عثمان نے مجھ سے فرمایا کہ آپ ﷺ نے مجھ سے ایک عہد لیا تھا کہ تمہاری خلافت کو ختم کرنے پر کچھ لوگ اٹھ کھڑے ہوں گے، تم اس وقت ان کی بات نہ ماننا، ان کے پریشر اور دباؤ میں

---

(۱) شرح مسلم للنوی ۲/۲۷۷، فضائل الصحابة، باب من فضائل عثمان، تکملة فتح الملهم ۵/۹۹، کتاب فضائل الصحابة، باب من فضائل عثمان۔

نہ آنا، لہذا میں آج اس عہد اور وصیت وتاکید کے مطابق صبر کر رہا ہوں، میں کسی بھی صورت میں خلافت سے دستبردار نہیں ہوں گا۔

فأنا صابر علیه: میں اسی عہد کے مطابق صبر کر رہا ہوں، اس سے معلوم ہوا کہ اگر حضرت عثمان کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وصیت نہ ہوتی اور وہ چاہتے تو طاقت کے ذریعہ اس فتنہ کو کچل سکتے تھے، اور فسادیوں کو ٹھکانے لگا سکتے تھے، چنانچہ بعض صحابہ نے ان کو مشورہ بھی دیا تھا کہ آپ وقت کے خلیفہ ہیں، مسلمانوں کی بہت بڑی تعداد آپ کی پشت پر ہے، لہذا آپ باہر نکلیں اور ان کا طاقت کے ذریعہ مقابلہ کریں، وہ پسپا ہو جائیں گے، لیکن حضرت عثمان نے اس مشورے کو قبول نہیں کیا، اور فرمانے لگے کہ میں اپنی ذات کے لیے خون بہانا پسند نہیں کرتا، چنانچہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد اور وصیت کے مطابق صبر وتحمل کرتے رہے، یہاں تک کہ اسی دوران وہ بڑے مظلومانہ طریقے سے جام شہادت نوش فرما گئے۔(۱)

بَابُ مَنَاقِبِ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ يُقَالُ وَلَهُ كُنْيَتَانِ: أَبُو تُرَابٍ، وَأَبُو الْحَسَنِ

حضرت علی بن ابی طالب کے فضائل اور ان کی دو کنیتیں ہیں: ابوتراب، اور ابوالحسن

حضرت علی کے حالات زندگی پر ایک نظر

آپ کا نام: علی ہے، والد کا نام ابوطالب اور والدہ کا نام فاطمہ ہے، اور ابوالتراب اور ابوالحسن آپ کی کنیتیں ہیں، آپ کا سلسلہ نسب یوں ہے علی بن ابی طالب بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبد مناف بن قصی بن کلام بن مرہ بن لوئی۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی کو بچپن میں ہی اپنی آغوش تربیت میں لے لیا تھا اور جب حضرت علی کی عمر دس سال ہوئی تو انہوں نے اسلام قبول کر لیا تھا، ہجرت کے دوسرے سال ان کی شادی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی صاحبزادی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے کر دی تھی۔

حضرت علی انتہائی دلیر اور ماہر جنگجو تھے، تمام غزوات میں شریک رہے، البتہ غزوہ تبوک کے موقع پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو مدینہ منورہ میں اپنا نائب بنایا تھا، تاکہ وہ یہاں رہ کر اہل مدینہ اور خاص طور پر اہل بیت کی حفاظت کر سکیں، اس لئے تبوک کے معرکہ میں وہ شریک نہ ہو سکے۔

حضرت عثمان کی شہادت کے بعد مسلمانوں نے ان کو اپنا خلیفہ بنایا، یوں وہ چوتھے خلیفہ قرار پائے، ان کا دور خلافت جیسے ہی شروع ہوا تو اس میں طرح طرح کے مسائل سامنے آنے لگے، حضرت عثمان کی شہادت کا واقعہ ابھی تازہ تھا، کچھ لوگوں نے حضرت علی سے مطالبہ کیا کہ آپ قاتلین عثمان سے قصاص لیں، ان کے خون کا بدلہ لیں، حضرت علی نے ان سے فرمایا کہ میں قصاص کا مخالف نہیں ہوں، لیکن ابھی حالات انتہائی خراب ہیں، ایسے میں اگر خونِ عثمان کا بدلہ لیا گیا، تو مسلمانوں کے حالات اور

(۱) مرقاۃ المفاتیح ۱۱/۲۲۹، کتاب المناقب باب مناقب عثمان

زیادہ خراب ہوجائیں گے، حضرت علی کا یہ جواب بعض لوگوں کو پسند نہیں آیا، اور اسی مہم اور تگ ودو میں لگے رہے، حتیٰ کہ انہوں نے حضرت عائشہ کو بھی اپنے ساتھ ملالیا، حضرت عائشہ نے بھی اصلاح کی غرض سے بصرہ جانے کا ارادہ فرمالیا، اسی میں جنگ جمل کا واقعہ پیش آیا، جس میں ایک طرف حضرت علی اور ان کے بندے اور دوسری طرف ایک کثیر تعداد صحابہ کرام کی حضرت عائشہ کے ساتھ تھی، اس لڑائی میں مسلمانوں کو بہت نقصان ہوا، مسلمانوں کی تلواریں غلط فہمی کی بنیاد پر اپنے بھائیوں کے خلاف ہی چلتی رہیں، اور پھر بالآخر صلح ہوگئی۔

حضرت معاویہ نے چونکہ حضرت علی کے ہاتھ پر بیعت نہیں کی تھی، ان کا کہنا یہ تھا کہ پہلے حضرت عثمان کا قصاص لیا جائے پھر سب مسلمان جمع ہوکر اپنی مرضی سے اپنا خلیفہ بنائیں گے،...... یہ اختلافات اتنے بڑھ گئے کہ مقام صفین پر حضرت علی اور حضرت معاویہ کی فوجوں کے درمیان بہت شدید معرکہ ہوگیا، ہزاروں کی تعداد میں صحابہ کرام شہید ہوگئے، پھر ان کے درمیان تحکیم کے ذریعہ صلح ہوئی، لیکن اس تحکیم پر حضرت علی کے کچھ لوگ راضی نہیں تھے، وہ یہ کہتے تھے کہ حکم صرف اللہ کا ہے، اس کے علاوہ کسی اور کا فیصلہ قبول نہیں، ایسے لوگ حضرت علی کی فوج سے نکل گئے، ان کی تعداد تقریباً بارہ ہزار تھی، انہی کو خوارج کہا جاتا ہے، ان لوگوں نے عبداللہ بن وہب کو اپنا امیر بنایا اور کوفہ سے نکل کر نہروان پر جمع ہوگئے، یہ لوگ کسی بات کو نہیں مانتے تھے، حضرت علی اور ان کے رفقاء نے ہر ممکن کوشش کی کہ کسی طرح یہ لوگ سمجھ جائیں اور خون خرابے سے بچ جائیں، لیکن امن کی کوئی بھی کوشش کارگر ثابت نہ ہوئی، چنانچہ اس مقام پر ان کے ساتھ لڑائی ہوئی، اسی کو جنگ نہروان کہا جاتا ہے۔

حضرت علی کی شہادت

جنگ نہروان کے بعد مکہ مکرمہ کے حرم میں تین خارجی جمع ہوئے، عبدالرحمن بن ملجم حمیری، برک بن عبداللہ تمیمی، اور عمرو بن بکر تمیمی، ان لوگوں نے آپس میں یہ منصوبہ بنایا کہ اگر ان تین شخصوں کو یعنی حضرت علی، حضرت معاویہ اور مصر کے ذمہ دار حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کو قتل کردیا جائے، تو حالات سدھر جائیں گے، گویا ان کے بقول یہ تمام فسادات ان تینوں کی وجہ سے ہو رہے ہیں، ان لوگوں نے ہمارے بہت سے بندوں کو جنگ نہروان میں قتل کردیا ہے، لہٰذا ان کا خاتمہ ضروری ہے، چنانچہ ان تینوں میں سے ہر ایک نے عہد کیا، عبدالرحمن بن ملجم نے کہا کہ میں حضرت علی کو، برک بن عبداللہ نے کہا کہ میں حضرت معاویہ کو، اور عمرو بن بکر نے کہا کہ میں عمرو بن عاص کو قتل کروں گا، اور سترہ رمضان کی تاریخ طے کی کہ اس دن فجر کی نماز کے موقع پر ان کا کام تمام کر دیا جائے۔

منصوبے کے مطابق عبدالرحمن بن ملجم کوفہ پہنچا، حضرت علی کی عادت یہ تھی کہ فجر کی نماز کے لئے آتے وقت لوگوں کو نماز کے لئے جگاتے آتے، ابن ملجم چھپ کر بیٹھا ہوا تھا، اس نے موقع پاکر حضرت علی پر حملہ کردیا، حضرت علی مسجد کی محراب کے اندر گر پڑے، ڈاڑھی خون سے تر ہوگئی، ایک اور صاحب نے فجر کی جماعت کرائی، حضرت علی کو گھر لایا گیا، پھر اس قاتل کو پکڑ کر حضرت علی

کے سامنے لایا گیا تو آپ نے فرمایا:

"اگر میں مر گیا تو اس شخص کو قتل کر دینا اور اگر زندہ رہا تو جو سزا مناسب سمجھوں گا، دے دوں گا"

باقی دو حضرات یعنی حضرت معاویہ اور حضرت عمرو بن عاص پر بھی اسی تاریخ کو حملہ کیا گیا، حضرت معاویہ حملے سے بچ گئے، لیکن شاید زخمی ہو گئے تھے، اور حضرت عمرو بن عاص اتفاقاً اس دن فجر کی نماز میں نہیں آئے تھے، ان کی جگہ اس دن خارجہ بن حبیبہ آئے تھے، انہیں قتل کر دیا گیا، پھر ان تینوں خارجیوں کو بعد میں قصاصاً قتل کر دیا گیا تھا۔(۱)

حضرت علی کو کس جگہ دفن کیا گیا

حضرت حسن نے حضرت علی کی نماز جنازہ پڑھائی، اور پھر انہیں دفن کیا گیا، کس جگہ پر دفن کیا گیا؟ اس کے بارے میں تاریخ میں مختلف روایات منقول ہیں:

۞ حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں کہ انہیں دار الامارہ کوفہ میں دفن کیا گیا، تاکہ ان کی نعش مبارک کی کوئی شخص بے حرمتی نہ کر سکے، یہ امکان تھا کہ خارجیوں کی طرف سے ایسا کوئی اقدام نہ ہو جائے۔(۲)

۞ احمد بن عبداللہ العجلی کہتے ہیں کہ حضرت علی کو کوفہ میں دفن کیا گیا، لیکن انکی جگہ معلوم نہیں۔

۞ ابن سعد کا کہنا ہے کہ حضرت علی کو کوفہ میں جامع مسجد کے قریب، قصر الامارہ میں دفن کیا گیا۔(۳)

۞ ابوزید بن طریف کہتے ہیں جامع مسجد کی دیوار قبلہ، باب الوراقین کے سامنے ایک گھر ہے، حضرت علی اس میں مدفون ہیں، یہ گھر یزید بن خالد نامی ایک صاحب کا تھا اور ایک روایت یہ بھی ہے کہ کسی موقع پر اس گھر کو کھودنا پڑا، تو اس میں سے حضرت علی کی نعش ترو تازہ برآمد ہوئی۔

۞ بعض روایات میں یہ کہا گیا ہے کہ حضرت علی دفن تو کوفہ میں کئے گئے تھے، مگر پھر حضرت حسن رضی اللہ عنہ، حضرت معاویہ کے عہد خلافت میں آپ کی نعش مبارک کو مدینہ طیبہ لے گئے، اور وہاں حضرت فاطمہ کے قریب جنت البقیع میں آپ کو دفن کیا گیا۔

۞ ایک اور روایت یہ ہے کہ حضرت علی کو شہادت کے فوراً بعد ہی ایک تابوت میں رکھ کر ایک اونٹ پر سوار کرا دیا گیا، تاکہ انہیں مدینہ طیبہ لے جائیں، لیکن راستے میں قبیلہ طے کے علاقے میں پہنچ کر وہ اونٹ گم ہو گیا، قبیلہ طے کے لوگوں نے اس صندوق

---

(۱) البدایۃ والنہایۃ ۷/۳۲۶، سیرت علی، مولانا نافع (ص: ۵۲۰)، تاریخ ملت ۱/۲۵۴، عهد علی مرتضی

(۲) البدایۃ لابن کثیر ۷/۳۲۹، صفۃ مقتل علی۔

(۳) طبقات ابن سعد ۳/۲۵، قسم اول تحت ذکر عبدالرحمن بن ملجم

کو خزانہ سمجھ کر اٹھالیا، لیکن جب اندر نعش دیکھی، تو اسے وہیں اپنے علاقے میں دفن کر دیا۔(۱)

❁ شیعہ کے ہاں تواتر کے ساتھ یہ بات مشہور ہو چکی ہے کہ حضرت علی کی قبر ''نجف'' میں ہے، جو روضہ علی کے نام سے مشہور ہے، یہ ایک بہت خوبصورت سنہری عمارت ہے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ ''نجف'' کے مقام پر حضرت علی کا مدفون ہونا تاریخی اعتبار سے خاصا مشکوک ہے، اور ابن کثیر فرماتے ہیں کہ اس بات کی شیعہ کے پاس کوئی دلیل نہیں، بالکل بے بنیاد اور بے اصل بات ہے، اگر چہ ان کے ہاں یہ بات بہت مشہور ہے۔(۲)

مذکورہ تمام اقوال کے پیش نظر حضرت علی کی قبر کے بارے میں کوئی بھی بات یقین کے ساتھ نہیں کہی جاسکتی، کہ وہ کس مقام پر ہے، واللہ اعلم۔

عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ، قَالَ: بَعَثَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَيْشًا، وَاسْتَعْمَلَ عَلَيْهِمْ عَلِيَّ بْنَ أَبِي طَالِبٍ، فَمَضَى فِي السَّرِيَّةِ، فَأَصَابَ جَارِيَةً فَأَنْكَرُوا عَلَيْهِ، وَتَعَاقَدَ أَرْبَعَةٌ مِنْ أَصْحَابِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالُوا: إِذَا لَقِينَا رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَخْبَرْنَاهُ بِمَا صَنَعَ عَلِيٌّ، وَكَانَ الْمُسْلِمُونَ إِذَا رَجَعُوا مِنَ السَّفَرِ، بَدَءُوا بِرَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَسَلَّمُوا عَلَيْهِ، ثُمَّ انْصَرَفُوا إِلَى رِحَالِهِمْ، فَلَمَّا قَدِمَتِ السَّرِيَّةُ، سَلَّمُوا عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَامَ أَحَدُ الْأَرْبَعَةِ فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ: أَلَمْ تَرَ إِلَى عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ صَنَعَ كَذَا وَكَذَا، فَأَعْرَضَ عَنْهُ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، ثُمَّ قَامَ الثَّانِي، فَقَالَ مِثْلَ مَقَالَتِهِ، فَأَعْرَضَ عَنْهُ، ثُمَّ قَامَ إِلَيْهِ الثَّالِثُ، فَقَالَ مِثْلَ مَقَالَتِهِ، فَأَعْرَضَ عَنْهُ، ثُمَّ قَامَ الرَّابِعُ، فَقَالَ مِثْلَ مَا قَالُوا، فَأَقْبَلَ إِلَيْهِ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالْغَضَبُ يُعْرَفُ فِي وَجْهِهِ، فَقَالَ: مَا تُرِيدُونَ مِنْ عَلِيٍّ؟ مَا تُرِيدُونَ مِنْ عَلِيٍّ؟ مَا تُرِيدُونَ مِنْ عَلِيٍّ؟ إِنَّ عَلِيًّا مِنِّي وَأَنَا مِنْهُ، وَهُوَ وَلِيُّ كُلِّ مُؤْمِنٍ مِنْ بَعْدِي.(۳)

حضرت عمران بن حصین فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ایک لشکر بھیجا، اور ان پر حضرت علی کو امیر بنایا، چنانچہ وہ ایک چھوٹا لشکر لے کر گئے، اور انہوں نے ایک باندی سے جماع کر لیا، لیکن لوگوں نے ان کے اس عمل کو پسند نہیں کیا، رسول اللہ ﷺ کے صحابہ میں سے چار نے آپس میں معاہدہ کیا، چنانچہ انہوں نے کہا: جب ہم (سفر سے واپسی پر) رسول اللہ ﷺ سے ملاقات کریں گے تو ہم آپ کو اس کام کا ضرور بتائیں گے، جس کو علی نے کیا ہے، اور مسلمان جب کسی سفر سے واپس لوٹتے، تو (ان کی عادت یہ تھی کہ وہ) پہلے نبی کریم ﷺ سے ملتے، آپ کو سلام کرتے، پھر وہ اپنے گھروں کی طرف جایا کرتے تھے۔

---

(۱) تاریخ بغداد للخطیب ۱۳۶/۱

(۲) البدایة لابن کثیر ۳۲۹/۷

(۳) مسند احمد ۴۳۷/۴، عن عمران بن حصین۔

جب یہ لشکر واپس آیا تو لوگوں نے نبی کریم ﷺ کو سلام کیا، پھر ان چار میں سے ایک صاحب کھڑا ہوا، اور اس نے کہا: یارسول اللہ! کیا آپ نے علی بن ابی طالب کو نہیں دیکھا، انہوں نے ایسا ایسا کیا، آپ نے اس سے منہ پھیر لیا (اور اسے کوئی جواب نہیں دیا) پھر دوسرا کھڑا ہوا، اور اس نے بھی وہی کچھ کہا، جو پہلے نے کہا تھا، مگر آپ نے اس سے بھی اعراض کیا (اور کوئی جواب نہ دیا) پھر تیسرا کھڑا ہوا، اور اس نے بھی وہی بات کی، جو پہلے دو نے کہی تھی پھر چوتھا شخص کھڑا ہوا اور اس نے بھی اسی طرح کی بات کی، جس طرح پہلے تینوں نے بات کی، پھر آپ ﷺ اس چوتھے آدمی کی طرف متوجہ ہوئے، جبکہ آپ کے چہرے پر غصہ کے آثار نمایاں تھے، اور آپ نے فرمایا: تم لوگ علی سے کیا چاہتے ہو، تم لوگ علی سے کیا چاہتے ہو، تم لوگ علی سے کیا چاہتے ہو، واقعہ یہ ہے کہ علی مجھ سے ہیں اور میں ان سے ہوں اور وہ میرے بعد ہر مومن کے دوست ہیں۔

عَنْ أَبِي سَرِيحَةَ، أَوْ زَيْدِ بْنِ أَرْقَمَ - شَكَّ شُعْبَةُ - عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: مَنْ كُنْتُ مَوْلَاهُ فَعَلِيٌّ مَوْلَاهُ.(۱)

حضرت ابوسریحہ یا حضرت زید بن ارقم (شعبہ راوی کو شک ہے کہ ان میں سے کون تھا) سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: میں جس کا مخلص دوست ہوں، علی بھی اس کے مخلص دوست ہیں۔

مشکل الفاظ کے معنی: استعمل علیهم: نبی کریم ﷺ نے ان پر حضرت علی کو امیر بنایا، سریة: اس کی جمع سرایا ہے: فوجی لشکر جس میں تین سو سے پانچ سو افراد شریک ہوں، انکروا علیه: انہوں نے حضرت علی کے عمل کو پسند نہیں کیا، اس پر نکیر کی، اصاب جارية: حضرت علی نے ایک باندی سے جماع کر لیا، تعاقد: باہم معاہدہ کیا، ثم انصرفوا: پھر وہ جاتے، الی رحالهم: رحل کی جمع ہے: اپنے گھروں کی طرف، فاقبل پھر آپ ﷺ ان کی طرف متوجہ ہوئے، ولی: دوست، سرپرست، مولی: مخلص دوست۔

خمس میں حضرت علی سے متعلق ایک غلط فہمی کا ازالہ

نبی کریم ﷺ نے حجۃ الوداع سے پہلے حضرت علی کو یمن کی طرف ایک لشکر کا امیر بنا کر بھیجا، تاکہ وہاں حضرت خالد بن ولید سے خمس یعنی پانچواں حصہ وصول کریں، اس میں ایک باندی تھی، جس سے حضرت علی نے جماع کر لیا، یہ بات لشکر کے دوسرے ساتھیوں کو بہت گراں گذری، مذکورہ حدیث میں اسی کا تذکرہ ہے، چنانچہ معاہدہ کے مطابق چار حضرات نے نبی کریم ﷺ کے سامنے یہ ساری بات عرض کی تو آپ ﷺ نے اس پر بہت ناگواری کا اظہار کیا اور فرمایا کہ تم لوگ علی سے کیا چاہتے ہو، اور بخاری کی روایت میں ہے کہ علی کا تو خمس میں اس باندی سے زیادہ حصہ ہے، ایسے میں پھر تمہیں اعتراض کرنے کا کیا حق

(۱) المستدرک للحاکم ۱۱۰/۳۔

ہے، اس سے حضرت علی کی فضیلت اور بلند مقام ثابت ہوتا ہے۔

فأصاب جارية فأنكروا عليه، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے مال غنیمت کی باندی سے جماع کیا تو دوسرے صحابہ نے اس بات کو محسوس کیا، انہیں یہ بات اچھی نہ لگی، ان حضرات کو حضرت علی کے اس عمل پر کیوں اعتراض ہوا؟ شارحین حدیث نے اس کی دو وجہیں لکھی ہیں:

۱۔ ان لوگوں نے یہ سمجھا کہ مال غنیمت سے باندی لے کر حضرت علی نے خیانت کی، حالانکہ حضرت علی نے یہ نبی کریم ﷺ کی اجازت سے کیا تھا، کیونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ ذوی القربیٰ میں داخل ہیں، ان کے لئے مال غنیمت کے خمس یعنی پانچویں حصے میں اس سے زیادہ حصہ بنتا ہے، لیکن صحابہ کرام کو چونکہ یہ بات معلوم نہیں تھی، اس لئے انہیں اس بارے میں تردد ہوا اور حضرت علی کے اس عمل کو نبی کریم ﷺ کے سامنے شکایت کے طور پر بیان کیا۔

۲۔ مسئلہ یہ ہے کہ جب کوئی باندی، آدمی کی ملک میں آئے تو اس سے جماع کرنا اس وقت تک درست نہیں ہوتا، جب تک اس سے استبراء رحم نہ کرلیا جائے یعنی اس کا ایک حیض یعنی ایک ماہواری نہ گذر جائے، تاکہ یہ یقین ہوجائے کہ اس کے رحم میں کوئی بچہ نہیں، حضرت علی نے یہاں چونکہ اس باندی سے استبراء رحم کے بغیر ہی جماع کرلیا تھا، اس لئے صحابہ کرام نے ان کے اس عمل پر اعتراض کیا، سوال یہ ہے کہ حضرت علی نے ایسا کس وجہ سے کیا؟ اس کے دو جواب دیئے گئے ہیں:

۞ ہوسکتا ہے کہ وہ باندی کنواری ہو، جس کے بارے میں صحابہ کرام کی ایک رائے یہ رہی ہے کہ اس کا استبراء رحم ضروری نہیں، کیونکہ اس کے حاملہ ہونے کا احتمال نہیں، ممکن ہے کہ حضرت علی کی بھی یہی رائے ہو، اس لئے انہوں نے استبراء رحم کے بغیر ہی اس سے جماع کرلیا۔

۞ اور یہ بھی ممکن ہے کہ قید ہونے کے بعد اسے حیض آگیا ہو، اور پھر وہ پاک ہوگئی ہو، لہذا حضرت علی نے اس سے ہمبستری کرلی، اس لئے صحابہ کرام کو اس بارے میں کوئی تردد نہیں ہونا چاہیے تھا۔(۱)

فأقبل اليه رسول الله ﷺ والغضب يعرف في وجهه، نبی کریم ﷺ اس چوتھے آدمی کی طرف متوجہ ہوئے، جبکہ غصے کے آثار آپ کے چہرہ انور پر نمایاں تھے، "الیہ" میں ضمیر اگرچہ چوتھے آدمی کی طرف لوٹ رہی ہے، لیکن مراد وہ چاروں صحابہ ہیں، جنہوں نے نبی کریم ﷺ کے سامنے حضرت علی کے اس عمل کی شکایت کی تھی، آپ ﷺ ان پر غصہ کیوں ہوئے، اس کی وجہ:

۱۔ تم لوگ یہ بات حضرت علی سے براہ راست کرلیتے تو وہ آپ کو اس کی صحیح صورتحال سے آگاہ کردیتے، میرے سامنے اس کے تذکرے کی پھر کوئی ضرورت ہی نہ رہتی، لیکن صحابہ نے ایسا اس لئے نہ کیا کہ اس سے مزید فتنہ نہ ہوجائے، یا یہ کہ انہیں حضرت علی

(۱) فتح الباری ۸۳/۸، کتاب المغازی، باب بعث علی بن ابی طالب و خالد بن الولید الی الیمن قبل حجة الوداع، تحفة الاحوذی ۱۹۸/۱۰۔

کے غصے کا اندیشہ تھا۔

۲۔ لشکر کے ساتھیوں کو حضرت علی کے اس عمل کو کسی جائز صورت پر محمول کرنا چاہیے تھا، ان کا ذہن ایک ناجائز صورت کی طرف کیوں گیا، اس لئے آپ غصہ ہوئے۔

۳۔ اگر یہ بات ان لوگوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بتانی ہی تھی، تو علیحدگی میں بتاتے، سب کے سامنے نہ بتاتے، تاکہ اہل بیت کے حق میں کوئی سبکی نہ ہوتی، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے غصہ کی یہ وجہیں ہوسکتی ہیں۔(۱)

حضرت علی کے خلیفہ اول ہونے پر شیعہ کے استدلال اوران کے جوابات

امام ترمذی رحمہ اللہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے فضائل پر جو احادیث ذکر کی ہیں، ان سے شیعہ حضرات اس بات پر استدلال کرتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کے بعد پہلے خلیفہ ہیں، ان سے پہلے تینوں خلفاء نے العیاذ باللہ حضرت علی کی خلافت کو غصب کیا ہے، مذکورہ دونوں حدیثیں شیعہ کی اہم دلیلیں سمجھی جاتی ہیں، اس لئے ہم یہاں پر اس بحث کو ذرا تفصیل سے ذکر کرتے ہیں، تاکہ یہ مسئلہ ہر محترم قاری کے سامنے دلائل کی روشنی میں بالکل واضح ہوجائے، اور اسے اس بارے میں کسی قسم کا تردد اور شک وشبہ باقی نہ رہے۔

شیعہ کا قرآنی آیات سے استدلال

عموماً شیعہ مصنفین قرآن مجید کی تین آیات کو اپنی بات کے ثبوت کے لئے پیش کرتے ہیں، اگرچہ وہ ان تین آیات کے علاوہ دیگر چند آیات سے بھی استدلال کرتے ہیں، لیکن زیادہ زور وہ ان تین آیات پر دیتے ہیں، اس لئے یہاں صرف ان تین آیات اور ان سے متعلق بحث کو ذکر کیا جاتا ہے:

۱۔ یایها الذین امنوا اطیعوا الله و اطیعوا الرسول وأولی الامر منکم فان تنازعتم فی شیء فردوه الی الله و الرسول ان کنتم تومنون بالله و الیوم الاخر، ذلک خیر و احسن تاویلا۔(سورۃ النساء:۵۹) ترجمہ: ”اے ایمان والو! تم اللہ کا کہنا مانو، اور رسول کا کہنا مانو اور تم میں جو اہل حکومت ہیں ان کا بھی، پھر اگر کسی چیز میں تم اختلاف کرنے لگو، تو اس چیز کو اللہ اور اس کے رسول کی طرف حوالہ کیا کرو، اگر تم اللہ پر اور یوم قیامت پر ایمان رکھتے ہو، یہ بات بہتر ہے اور اس کا انجام بہت بہتر ہے۔

اس میں لفظ ”اولی الامر“ سے خمینی نے عقلی قیاسات اور ذہنی دلائل سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ اس سے حضور

---

(۱) الکوکب الدری ۲۱۶/۴۔

ﷺ کی وفات کے بعد حضرت علی کی خلافت اور بارہ اماموں کی امامت مراد ہے،(۱) لیکن ان کا یہ استدلال درست نہیں، کیونکہ مذہب کا کوئی عقیدہ محض عقلی قیاسات سے ثابت نہیں ہوسکتا، جبکہ قرآن وسنت میں اس کا کوئی ذکر نہ ہو، ورنہ تو کوئی بھی شخص قرآن مجید کی کوئی سی بھی آیت لے کر یہ کہہ سکتا ہے کہ میرے خیال کے مطابق، اس آیت کے فلاں لفظ سے، فلاں شخص مراد ہے، حالانکہ اس آیت اور اس کے سیاق وسباق میں کہیں بھی اس کا ذکر اور ثبوت نہیں کہ ''اولی الامر'' سے حضرت علی کی خلافت اور شیعہ کے بارہ امام مراد ہیں، اس لئے خمینی کا یہ استدلال کسی بھی لحاظ سے درست نہیں۔

۲۔ الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا۔(سورہ مائدہ:۲)

ترجمہ:''آج میں پورا کر چکا تمہارے لئے تمہارا دین، اور میں نے تم پر اپنا احسان پورا کیا، اور پسند کیا میں نے تمہارے واسطے اسلام کو دین۔''

یہ آیت سن دس ہجری میں حجۃ الوداع کے موقع پر میدان عرفات میں نازل ہوئی، اس آیت میں نہ بارہ اماموں کا ذکر ہے اور نہ ہی حضرت علی کی خلافت کا کوئی تذکرہ ہے، اس آیت کے تحت شیعہ حضرات نے جو اپنی روایتیں نقل کی ہیں، وہ سب غلط اور من گھڑت ہیں، حدیث کی کسی معتبر کتاب میں ان کا ذکر نہیں ہے، اس لئے شیعہ کا استدلال اس آیت سے درست نہیں۔(۲)

۳۔ یایھا الرسول بلغ ما انزل الیک من ربک وان لم تفعل فما بلغت رسالتہ واللہ یعصمک من الناس، ان اللہ لا یھدی القوم الکافرین۔(سورۃ المائدہ:۶۷) ترجمہ:''اے رسول پہنچادے جو تجھ پر اترا، تیرے رب کی طرف سے اور اگر ایسا نہ کیا، تو تو نے کچھ نہ پہنچایا اس کا پیغام اور اللہ تجھ کو بچالے گا لوگوں سے، بے شک اللہ راستہ نہیں دکھلاتا قوم کفار کو۔''

شیعہ کا کہنا ہے کہ یہ آیت غدیر خم کے خطبہ یعنی ۱۸ ذی الحجہ ۱۰ ہجری سے کچھ قبل نازل ہوئی، حضور ﷺ پر خلافت علی کا حکم اس سے پہلے نازل ہو چکا تھا، مگر آپ صحابہ سے ڈر کی وجہ سے اس حکم کو بتلا نہیں رہے تھے کہ اتنے میں یہ آیت نازل ہوئی، جس میں آپ کو حکم دیا گیا کہ آپ حضرت علی کی خلافت کا سر عام اعلان کر دیں، ہم آپ کی حفاظت کریں گے، چنانچہ اس آیت کے مطابق آپ ﷺ نے ۱۸ ذی الحجہ ۱۰ ہجری کو غدیر خم کے مقام پر حضرت علی کی امامت وخلافت کا اعلان کر دیا، بلکہ اپنے سامنے لوگوں سے حضرت علی کے ہاتھ پر بیعت لی۔(۳)

لیکن شیعہ کا یہ استدلال قرآن وسنت کے سراسر خلاف ہے، بلکہ اس آیت سے یہ بات ثابت کرنا ایک طرح سے قرآن میں معنوی تحریف ہے، اس لئے یہ استدلال درج ذیل وجوہات کی وجہ سے غلط ہے، جس کی تفصیل یہ ہے:

❁ اس آیت میں اللہ جل جلالہ نے آپ ﷺ کو یہ حکم دیا کہ آپ شرعی احکام لوگوں تک پہنچائیں، اس میں کوئی کمی نہ رہنے

---

(۱) کشف اسرار خمینی فارسی ص:۱۶۴

(۲) روح المعانی ۶/۶۱، نصیحۃ الشیعۃ از مولانا احتشام الحق کاندھلوی ص:۵۴۷، مکتبہ صدیقیہ ملتان، تفسیر کبیر ۱۱/۱۳۹

(۳) کشف اسرار خمینی فارسی ص:۱۶۴، حق الیقین فارسی از مولی محمد باقر مجلسی (ص:۱۳۹)

دیں، اللہ تعالیٰ ہزار مخالفتوں کے باوجود آپ کی حفاظت فرمائے گا، باقی یہ کہ کافر آپ کی بات مانیں یا نہ مانیں، اس سے آپ کی شان تبلیغ میں کوئی فرق نہیں پڑتا، کیونکہ کافروں کی ہدایت اللہ کے قبضہ قدرت میں ہے، آپ کے اختیار میں نہیں، یہ ہے اس آیت کا اصل پس منظر۔

اس آیت میں نہ تو امامت کا ذکر ہے اور نہ ہی اس بات کا کہ حضرت علی رضی اللہ کی پہلی خلافت ہے، یہ بات آیت کے سیاق وسباق اور شان نزول کے واقعہ سے بھی ثابت نہیں، اس لئے اس آیت سے شیعہ کا اپنے باطل عقیدے کے لئے استدلال کرنا ہر لحاظ سے غلط ہے۔

۞ بلکہ علامہ ابن تیمیہ اور جمہور مفسرین کے خیال کے مطابق یہ آیت شیعہ کے عقیدہ امامت کو رد کرتی ہے، کیونکہ اس آیت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دین کے سارے احکام پہنچانے کا حکم دیا گیا ہے، تو اگر عقیدہ امامت دین کا کوئی حکم ہوتا، تو کیسے ممکن تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم وہ حکم اپنی امت کو کھلے عام نہ بتلاتے، چنانچہ حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ ”جو شخص یہ سمجھتا ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے وحی میں سے کچھ چھپایا تھا، وہ بالکل جھوٹا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا تھا کہ آپ سارا دین امت تک پہنچائیں۔

نیز اگر ”عقیدہ امامت (یعنی شیعہ کے بارہ اماموں کا عقیدہ) یا حضرت علی کی خلافت بلافصل یعنی سب سے پہلی خلافت کا حکم، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کو پہنچایا ہوتا، تو کیسے ممکن تھا کہ امت اس حکم پر عمل نہ کرتی، یا کم از کم اختلاف کے موقع پر استدلال میں وہ حکم پیش نہ کیا جاتا حالانکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد، سقیفہ بنی ساعدہ میں جب مہاجرین وانصار کا اجتماع ہوا، تو سب نے مختلف دلائل دیئے مگر سارے صحابہ میں سے کسی نے بھی یہ نص یعنی عقیدہ امامت کو پیش نہیں کیا، پھر سیدنا عمر فاروق اور اس کے بعد سیدنا عثمان غنی کی خلافت اور شوریٰ کے واقعات پیش آئے، مگر کسی صحابی نے کبھی بھی حضرت علی کی خلافت کی بات کو پیش نہیں کیا، یہ سب کچھ اس بات کی کھلی دلیل ہے کہ حقیقت میں ایسی کوئی بات نہیں تھی، اس لئے شیعہ کا یہ دعویٰ، بغیر دلیل کے ہے، جس کا صحابہ اور اہل بیت میں کوئی بھی اس کا قائل نہیں تھا اور نہ ہی کسی نے اس عقیدے کو روایت کیا ہے۔(۱)

۞ شیعہ کا یہ دعویٰ ہے کہ یہ آیت حجۃ الوداع کے بعد اور خطبہ غدیر خم سے پہلے نازل ہوئی اور اس آیت کے نازل ہونے کے بعد ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ۱۸ ذی الحجہ ۱۰ ہجری کو غدیر خم کے مقام پر امامت علی کا اعلان کیا، یہ محض دعویٰ ہے جس کی کوئی دلیل نہیں، کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے میدان عرفات میں ۹ ذی الحجہ کو ایک طویل خطبہ دیا، جس میں مختلف امور کو بیان فرمایا، اور پھر حاضرین سے اللہ کو گواہ بنا کر پوچھا: الا هل بلغت، کیا میں نے تم لوگوں تک تمام احکام پہنچا دیئے، سب نے اقرار کیا کہ واقعی آپ نے اپنا تبلیغ کا فریضہ پورا کر دیا۔

تو پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ ۹ ذی الحجہ کو تو آپ اللہ تعالیٰ کو گواہ بنا کر صحابہ کرام سے اقرار کروا رہے ہوں کہ میں نے دین کے سارے عقائد اور ساری ضروری باتیں تم تک پہنچا دی ہیں اور پھر ۱۸ ذی الحجہ کو آپ غدیر خم کے مقام پر وہ عقیدہ یعنی خلافت علی ظاہر

---

(۱) منهاج السنة لابن تيمية ۱۴/۴، تفسير قرطبی ۲۴۲/۶، تفسیر روح المعانی ۲۹۸/۶

کریں جو بقول شیعہ آپ نے چھپا کر رکھا ہوا تھا، کیا یہ بات کسی انصاف پسند قاری کی سمجھ میں آسکتی ہے؟

❁ اس آیت کریمہ "یایھا الرسول بلغ..... کے شان نزول کے بارے میں جتنی بھی مستند روایات منقول ہیں، ان تمام سے شیعہ مصنفین کے اس دعوی کی تردید ہوتی ہے، کہ یہ آیت حجۃ الوداع کے موقع پر نازل ہوئی تھی، چنانچہ علامہ ابن جریر طبری، امام ثعلبی، امام فخر الدین رازی، علامہ قرطبی، علامہ آلوسی اور دیگر جمہور مفسرین نے حضرت عبداللہ بن شقیق، حضرت عائشہ، اور حضرت عبداللہ بن عباس کی جو روایات ذکر کی ہیں، ان سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ آیت حجۃ الوداع سے کافی پہلے نازل ہو چکی تھی، بعض روایات سے اس آیت کا مکی ہونا بھی سمجھ میں آتا ہے، مگر اکثر مفسرین اس آیت کو مدنی ہی قرار دیتے ہیں، چنانچہ علامہ قرطبی لکھتے ہیں:

"اس بات کی دلیل کہ یہ آیت مدنی ہے وہ روایت ہے، جو صحیح مسلم میں ہے، جس میں حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ مدینہ منورہ آنے کے بعد ایک رات رسول اللہ ﷺ جاگ رہے تھے کہ آپ نے فرمایا: کاش میرے صحابہ میں سے کوئی میری حفاظت کے لئے پہرہ دیتا، حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ اسی دوران ہم نے ہتھیاروں کی جھنکار اور آواز سنی، آپ نے پوچھا: یہ کون ہے؟ انہوں نے عرض کیا کہ میں سعد بن وقاص ہوں، رسول اللہ ﷺ نے پوچھا کیسے آنا ہوا؟ انہوں نے عرض کیا کہ میں آپ کی حفاظت اور پہرے کے لئے آیا ہوں، کیونکہ مجھے آپ کے بارے میں خوف محسوس ہو رہا تھا، آپ ﷺ نے انہیں دعا دی، اور سو گئے، یہاں تک کہ ہم نے آپ کے سونے کی آواز سنی اور پھر یہ آیت نازل ہوئی: یایھا الرسول بلغ ما انزل الیک ... تو رسول اللہ ﷺ نے چمڑے کے خیمے سے سر نکالا اور فرمایا: اے لوگو! واپس چلے جاؤ، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے لوگوں سے میری حفاظت کا ذمہ خود لے لیا ہے۔(۱)

خلاصہ یہ کہ اس آیت کریمہ کے جس پہلو پر بھی نظر ڈالی جائے یعنی الفاظ اور ترجمہ دیکھا جائے، سیاق وسباق کا جائزہ لیا جائے، یا شان نزول کی روایات سامنے رکھی جائیں، کسی بھی طرح اس آیت سے "عقیدہ امامت سیدنا علی" ثابت نہیں ہوتا، اور قرآن مجید کی مذکورہ آیات سے اس عقیدہ کو ثابت کرنا قرآن مجید کی تحریف معنوی کے سوا کچھ نہیں ہے۔

بعض شیعہ لکھتے ہیں کہ حضور ﷺ نے حضرت علی کی خلافت کا حکم مخصوص صحابہ کرام اور اہل بیت کو بتایا تھا، یہ بات بھی ان کی درست نہیں، چنانچہ حضرت ابو جحیفہ سے روایت ہے کہ میں نے حضرت علی سے پوچھا کہ کیا آپ کے پاس کوئی ایسی چیز بھی ہے جو قرآن میں موجود نہ ہو، حضرت علی نے فرمایا: اس ذات باری کی قسم، جس نے دانے کو پھاڑا، اور جان کو پیدا کیا، ہمارے پاس اس کے سوا کچھ نہیں، جو قرآن میں لکھا ہوا ہے، ہاں خداداد فہم، جو کسی آدمی کو کتاب اللہ میں نصیب ہو جائے، اور وہ جو کچھ صحیفہ میں لکھا ہوا ہے، میں نے پوچھا: صحیفہ میں کیا ہے؟ حضرت علی نے فرمایا: دیت، قیدیوں کی رہائی اور مسلم کو کافر کے بدلے میں قتل نہ کرنے کے احکامات وغیرہ۔

---

(۱) تفسیر قرطبی ۲۴۴/۶

اس روایت میں حضرت علی نے خود تصریح فرمادی ہے کہ ہمارے پاس خلافت اور امامتِ علی سے متعلق کوئی خاص حکم نہیں تھا، ہمارے پاس تو کتاب اللہ کی سمجھ اور یہ صحیفہ ہے، جس میں یہ احکام ہیں، اس لئے شیعہ کا یہ کہنا کہ یہ حکم مخصوص صحابہ کو بتایا گیا تھا، کسی بھی طرح درست نہیں۔(۱)

شیعہ کا ان علیا منی و انا منه سے استدلال

ترمذی کی مذکورہ روایت میں نبی کریم ﷺ نے حضرت علی کی فضیلت میں ارشاد فرمایا: ان علیا .... تاکہ سفر یمن میں ان چار صحابہ اور دیگر حضرات کو حضرت علی کے بارے میں جو شکوک و شبہات اور غلط فہمیاں پیدا ہوگئی تھیں وہ دور ہوجائیں۔

شیعہ اس جملے سے یہ استدلال کرتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ دیگر تمام صحابہ سے افضل ہیں، لہذا اس سے ان کی خلافت ثابت ہوتی ہے، کیونکہ آپ ﷺ نے یہ جملہ ان علیا منی .... کسی اور صحابی کے لئے ارشاد نہیں فرمایا، اس کے معنی یہ ہیں کہ علی مجھ سے ہیں اور میں علی سے ہوں، لہذا جس طرح بقول شیعہ حضور ﷺ اپنی زندگی میں تمام اہل ایمان کے امیر تھے، اسی طرح آپ کی وفات کے بعد حضرت علی ہی پہلے امیر اور خلیفہ ہوں گے، اس لئے اس سے خلافت علی ثابت ہوتی ہے۔

لیکن شیعہ کا یہ استدلال درست نہیں، اس کے لئے دو باتیں پیش نظر رہیں:

۱۔ ان علیا منی و انا منه یہ جملہ عربی زبان میں محاورے کے طور پر استعمال ہوتا ہے، اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ ان دو شخصوں کا آپس میں انتہائی گہرا تعلق اور نزدیکی ہے، ان کا طور طریقہ اور مشن ایک جیسا ہے، اور اگر ان کی آپس میں رشتہ داری بھی ہو، تو وہ دونوں گویا حسب و نسب میں بھی آپس میں متحد اور شریک ہیں، لہذا نبی کریم ﷺ کے اس ارشاد کے معنی یہ ہیں کہ میرا اور علی کا آپس میں گہرا تعلق ہے، ہم نسب میں بھی شریک ہیں، یہ میرے داماد بھی ہیں، ہمارا طریقہ اور مشن بھی ایک ہے کہ اللہ کے دین کی سربلندی ہوجائے اور ہم اللہ کی پیروی اور اطاعت میں متفق ہیں، اس لحاظ سے ہمارے اندر کوئی فرق نہیں، اس لئے شیعہ کا استدلال کہ اس جملے سے حضرت علی کی خلافت ثابت ہوتی ہے، درست نہیں۔(۲)

۲۔ شیعہ نے جو یہ کہا کہ "نبی کریم ﷺ نے یہ جملہ "ان علیا منی انا منه" حضرت علی کے علاوہ کسی اور صحابی کے لئے نہیں فرمایا، یہ بھی درست نہیں کیونکہ آپ ﷺ نے بعض دیگر صحابہ کے لئے بھی یہ جملہ ارشاد فرمایا ہے، جس کی تفصیل یہ ہے:

✿ حضرت جلیبیب رضی اللہ عنہ انتہائی جلیل القدر صحابی ہیں، ایک جنگ میں ان کو تلاش کیا گیا، تو صحابہ نے ان کو سات کافروں کے جسموں کے قریب شہید پایا، نبی کریم ﷺ ان کے پاس تشریف لائے اور فرمایا کہ: انہوں نے سات کافروں کو قتل کیا، پھر ان لوگوں نے جلیبیب کو شہید کر دیا، اور فرمایا: هذا منی و انا منه، یہ مجھ سے ہیں اور میں ان سے ہوں، پھر نبی کریم

(۱) فتح الباری ۲۷۲/۱، کتاب العلم باب کتابة العلم، حدیث نمبر: ۱۱۱

(۲) فتح الباری ۶۴۵/۷، کتاب المغازی باب عمرة القضاء

ﷺ نے اپنے دست مبارک سے انہیں اٹھا کر دفن کیا۔(۱)

❁ نبی کریم ﷺ نے قبیلہ اشعر کے لوگوں کی تعریف میں فرمایا کہ جب کسی جنگ میں ان کے پاس توشہ ختم ہونے لگتا ہے، یا شہر میں ان کے بچوں کا کھانا کم پڑ جاتا ہے، تو پھر وہ اپنے پاس موجود ہر کھانے کی چیز کو ایک کپڑے میں جمع کر لیتے ہیں اور پھر اسے برابر برابر تقسیم کر دیتے ہیں اور فرمایا: فهم مني و انا منهم یہ لوگ مجھ سے ہیں اور میں ان سے ہوں، یعنی ہمارا طریقہ اور مشن ایک ہے، ہم سب اللہ کی اطاعت وعبادت میں متفق ہیں، اس لحاظ سے ہمارے اندر کوئی فرق نہیں۔(۲)

❁ حضرت کعب بن عجرہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے فرمایا: اے کعب بن عجرہ: میں تجھے ان امراء سے اللہ کی پناہ میں دیتا ہوں، جو میرے بعد ہوں گے، جو شخص ان کے دروازوں میں داخل ہوگا اور ان کے جھوٹ کی تصدیق کرے گا اور ظلم پر ان کی مدد کرے گا، اس کا مجھ سے اور میرا اس سے کوئی تعلق نہیں، اور وہ میرے پاس حوض پر بھی نہ آسکے گا، اور جو شخص ان کے دروازوں میں داخل ہوا یا نہیں ہوا، مگر اس نے ان کے جھوٹ کی تصدیق نہیں کی، اور ظلم میں ان کی مدد نہیں کی، فهو مني و انا منه تو وہ مجھ سے اور میں اس سے وابستہ ہوں اور عنقریب وہ میرے پاس حوض پر بھی آسکے گا، اے کعب بن عجرہ! نماز ایک دلیل اور روزہ ایک مضبوط ڈھال ہے، اور صدقہ گناہوں کو یوں ختم کرتا ہے جیسے پانی آگ کو ختم کر دیتا ہے، اے کعب بن عجرہ! جو گوشت مال حرام سے پرورش پاتا ہے تو جہنم کی آگ ہی اس کے لئے زیادہ حقدار ہے۔(۳)

❁ حضرت سعد کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بنی ناجیہ کی فضیلت میں فرمایا: انا منهم و هم مني میں ان سے ہوں اور وہ مجھ سے ہیں۔(۴)

❁ حضرت عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے چچا حضرت عباس کے بارے میں فرمایا: العباس مني و أنا منه (عباس مجھ سے ہیں اور میں ان سے ہوں)(۵)

حاصل یہ کہ یہ جملہ نبی کریم ﷺ نے صرف حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لئے ہی استعمال نہیں فرمایا، بلکہ دیگر حضرات کے لئے بھی آپ نے محاورے کے طور پر یہ جملہ استعمال فرمایا ہے، اور مقصود اس سے کمال قرب اور گہرے تعلق کا اظہار ہوتا ہے اور بس، لہذا شیعہ کا اس جملے سے یہ استدلال کرنا کہ اس سے حضرت علی کی خلافت ثابت ہوتی ہے، بالکل غلط اور حقیقت کے خلاف بات ہے۔

---

(۱) تکملة فتح الملهم ۵/۲۱۰، کتاب فضائل الصحابة، نن باب من فضائل جليبيب رضي الله عنه

(۲) تکملة فتح الملهم ۵/۲۷۰، باب من فضائل الاشعريين رضی الله عنهم

(۳) سنن ترمذی ۱/۱۳۲، کتاب الصلاة، ابواب السفر، باب ماذکر فی فضل الصلاة، رقم: ۶۱۴

(۴) مسند احمد بن حنبل ۱/۴۶۵، مسند أبی اسحاق سعد بن أبی وقاص رضی الله عنه رقم: ۱۴۶۳

(۵) تحفة الاحوذی ۱۰/۲۴۶، کتاب المناقب باب مناقب العباس رقم الحدیث: ۳۷۶۸

هو ولی کل مومن من بعدی سے شیعہ کا استدلال

حضرت عمران بن حصین کی مذکورہ ترمذی کی روایت میں آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا: و هو ولی کل مومن من بعدی حضرت علی میرے بعد ہر مؤمن کے دوست ہیں، شیعہ اس جملے سے یہ استدلال کرتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ پہلے خلیفہ ہیں، ان کا استدلال اس جملے کے دو الفاظ سے ہے:

ا۔ وہ کہتے ہیں کہ اس میں لفظ "ولی" والی اور حاکم کے معنیٰ میں ہے، لہذا اس سے معلوم ہوا کہ حضرت علی نبی کریم ﷺ کے بعد حاکم اور خلیفہ ہوں گے۔

مگر شیعہ کی یہ بات درست نہیں کیونکہ ولی اور والی دو الگ الگ لفظ ہیں، ولی کے معنیٰ: قریبی رشتہ دار، مدد گار، دوست، محبت کرنے والا اور محبوب کے ہیں، اور والی کے معنیٰ: حاکم کے ہیں، عربی زبان میں ولی کے معنیٰ حاکم اور والی کے نہیں ہیں، چنانچہ نماز جنازہ کے بارے میں فقہ کی عبارت ہے: اذا اجتمع الولی و الوالی، قدم الوالی فی قول الاکثر، جب میت کا ولی اور حاکم دونوں جمع ہو جائیں، تو نماز جنازہ پڑھانے کا زیادہ حق دار والی اور حاکم ہوتا ہے،

اور حدیث میں ولی کے معنیٰ دوست کے ہیں، اس کی ضد عداوت اور دشمنی ہے، حدیث کے اس جملے کا مفہوم یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ہر مسلمان کی دوستی ہونی چاہیے، ان سے محبت کرنی چاہیے، ان سے عداوت اور بغض نہیں رکھنا چاہیے ورنہ اس شخص کا انجام برا ہوگا، لہذا حدیث میں لفظ "ولی" سے والی اور حاکم کے معنیٰ لے کر حضرت علی کی خلافت بلا فصل پر استدلال کرنا شرعاً اور لغۃً دونوں اعتبار سے درست نہیں۔

۲۔ شیعہ کہتے ہیں کہ اس ارشاد میں لفظ "من بعدی" صراحت کے ساتھ اس بات پر دلالت کر رہا ہے کہ حضور ﷺ کے بعد حضرت علی ہی خلیفہ ہوں گے، کیونکہ ان کے نزدیک "ولی" والی اور حاکم کے معنیٰ میں ہے، لیکن لفظ "من بعدی" سے ان کا استدلال درست نہیں، کیونکہ شارحین حدیث کے نزدیک حضرت عمران بن حصین کی اس روایت میں "من بعدی" کا لفظ ایک غالی شیعہ راوی جعفر بن سلیمان کا اضافہ ہے، اور حضرت بریدہ کی روایت میں اس لفظ "من بعدی" کا اضافہ اجلح کندی نے کیا ہے، یہ بھی انتہائی متعصب اور غالی شیعہ ہے، یہ حضرت معاویہ اور حضرت ابوبکر وعمر کو گالیاں دیتے تھے، اور یہ اصول ہے کہ کسی گمراہ فرقے کا آدمی اگر ایسی کوئی روایت بیان کرے، جس سے اس کے باطل مذہب کی تائید ہوتی ہو، تو وہ روایت مردود ہوتی ہے، اس سے استدلال درست نہیں ہوتا، اس لئے ان روایات میں "من بعدی" کا جو اضافہ ہے، یہ مردود ہے، مقبول نہیں۔ (۱)

اور اگر بالفرض یہ لفظ "من بعدی" اصل روایت کا حصہ ہو بھی، تو بھی شیعہ کا یہ باطل عقیدہ ثابت نہیں ہوتا، کیونکہ لفظ ولی دوست کے معنیٰ میں ہے، حاکم اور والی کے معنیٰ میں نہیں کہ جس سے وہ استدلال کر رہے ہیں، اس سے معلوم ہوا کہ "من بعدی"

---

(۱) تحفۃ الاحوذی ۱۹۹/۱۰، تہذیب التہذیب ۹۵/۲

سے شیعہ کا استدلال کسی بھی طرح درست نہیں۔

حدیث غدیر خم سے شیعہ کا استدلال

شیعہ مؤلفین حضرت علی کی خلافت کے ثبوت میں سب سے اہم دلیل حدیث غدیر خم کو سمجھتے ہیں۔

مکہ مکرمہ سے تقریباً ساٹھ میل کے فاصلہ پر "جحفہ" ایک مقام ہے، اس کے قریب "غدیر خم" ایک جگہ ہے، "خم" درختوں کے جھنڈ کو کہا جاتا ہے، جہاں انسان ان کے سائے میں آرام کرسکتا ہے، اور "غدیر" کے معنی تالاب کے ہیں، نبی کریم ﷺ نے حجۃ الوداع سے واپسی میں "غدیر خم" کے مقام پر سفری تقاضوں کی وجہ سے یہاں تھوڑی دیر قیام کیا تھا، ۱۸ ذی الحجہ بروز اتوار ظہر کے وقت یہاں پر ٹھہرے تھے، ظہر کی نماز شروع وقت میں ہی ادا فرمائی، اور پھر ہزاروں کی تعداد میں موجود صحابہ کرام کے سامنے آپ نے خطبہ ارشاد فرمایا، جس میں حضرت علی کا مقام بیان فرماتے ہوئے ان کا ہاتھ پکڑ کر یہ بھی فرمایا: من کنت مولاہ فعلی مولاہ میں جس کا دوست ہوں، علی بھی اس کے دوست ہیں۔

شیعہ کہتے ہیں کہ مولی کے معنی حاکم کے ہیں، لہذا اس سے ثابت ہوا کہ حضرت علی کے لئے حضور کے بعد خلافت ثابت ہے، کوئی اور ان کے علاوہ اس منصب کا اہل نہیں۔

غدیر خم کے مقام پر خطبہ دینے کا پس منظر

اس مقام پر خطبہ دینے کی ضرورت کیوں پیش آئی؟ اور اس خطبہ کا بنیادی مقصد کیا تھا؟

اس کا پس منظر یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب حجۃ الوداع کے موقع پر چار ذی الحجہ کو مکہ مکرمہ پہنچے تو آپ نے حرم مکہ پہنچ کر سب سے پہلے عمرہ ادا فرمایا اور پھر چار یوم تک مکہ مکرمہ میں ہی قیام فرمایا، انہی چار دنوں میں حضرت علی رضی اللہ عنہ، جو رمضان ۱۰ ہجری سے یمن تشریف لے گئے تھے، واپس مکہ مکرمہ پہنچے، اور مال غنیمت کا پانچواں حصہ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں پیش کیا جسے لانے کے لئے نبی کریم ﷺ نے انہیں یمن بھیجا تھا۔

حضرت علی کے یمن کے اس سفر میں ان کے بعض ساتھیوں کو حضرت علی سے چند شکایات پیدا ہوئیں، یمن سے واپسی پر حضور اقدس ﷺ کے سامنے یہ شکایات پیش کی گئیں، یہ شکایات کیا تھیں؟ اس کے بارے میں مختلف روایات آئی ہیں اور بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مختلف ساتھیوں کو حضرت علی سے مختلف شکایات پیدا ہوئیں، ان روایات کی تفصیل یہ ہے:

۱۔ ایک روایت تو یہی ہے جسے امام ترمذی نے حضرت عمران بن حصین سے روایت کیا ہے، اس میں جاریہ کا قصہ پیش آیا، جس پر حضرت علی کے ساتھیوں نے نکیر کی اور پھر چار صحابہ نے اس چیز کا ذکر نبی کریم ﷺ کے سامنے کیا... اس کی مزید تفصیل حدیث کی شرح کے تحت گذر چکی ہے۔

۲۔ حضرت بریدہ اسلمی فرماتے ہیں کہ میرے دل میں حضرت علی کی طرف سے کچھ کدورت تھی، اسی دوران ہمارا یمن جانا ہوا، وہاں حضرت علی، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے خمس یعنی مال غنیمت کا پانچواں حصہ لینے کے لئے تشریف لائے، انہوں نے پانچویں حصے سے اپنے لئے ایک باندی لے لی، یہ بات یمن کے حاکم حضرت خالد بن ولید کو ناگوار گذری، انہوں نے یہ شکایت لکھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف روانہ کی، یہ خط لانے والا میں تھا، میں یہ خط لے کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، میں نے یہ خط اپنی تائید کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سنایا، آپ نے میرا ہاتھ پکڑ کر فرمایا: اے بریدہ! کیا تم علی سے کچھ کدورت رکھتے ہو؟ میں نے عرض کیا: جی ہاں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ان سے کدورت نہ رکھو، ان سے محبت میں اضافہ کرو، کیونکہ اس ذات کی قسم، جس کے قبضہ میں محمد کی جان ہے: پانچویں حصے میں علی اور اس کے گھر والوں کا حصہ ایک باندی سے کہیں زیادہ ہے، حضرت بریدہ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان کے بعد مجھے حضرت علی سے زیادہ کوئی محبوب نہ تھا۔(۱)

۳۔ حضرت عمرو بن شاس اسلمی کا بیان ہے کہ میں اس لشکر میں شامل تھا، جسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی کے ساتھ یمن بھیجا تھا، حضرت علی نے میرے ساتھ کچھ نامناسب برتاؤ کیا، جس کا مجھے غصہ تھا، جب میں مدینہ واپس پہنچا، تو میں نے مختلف لوگوں سے اور شہر کی مختلف مجلسوں میں اپنے غصہ کا اظہار کیا، ایک دن میں مسجد پہنچا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے فرمایا: اے عمرو! بخدا تم نے مجھے اذیت پہنچائی ہے میں نے عرض کیا: انا للہ وانا الیہ راجعون میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف پہنچانے سے اللہ اور اسلام کی پناہ چاہتا ہوں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے علی کو اذیت دی، اس نے مجھے تکلیف دی۔(۲)

۴۔ حضرت ابوسعید خدری فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی کو یمن بھیجا، میں بھی آپ کے لشکر میں شامل تھا، جب صدقے کے اونٹ ملے، تو ہم نے حضرت علی سے درخواست کی کہ وہ ہمیں ان پر سوار ہونے کی اجازت دے دیں، کیونکہ ہمارے اونٹ بہتر حالت میں نہیں ہیں، مگر حضرت علی نے اس سے انکار کر دیا اور فرمایا: ان اونٹوں میں تمہارا حصہ، عام مسلمانوں کے حصے سے بڑھ کر نہیں ہے، جب یمن سے واپس ہوئے، تو حضرت علی نے ہمارے اوپر ایک اپنا نائب امیر بنایا اور خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حجۃ الوداع میں شریک ہوگئے، حج سے فارغ ہو کر حضرت علی دوبارہ لشکر میں آئے، تو دیکھا کہ ان کے نائب نے صدقہ کے اونٹ، لشکر والوں کو سواری کے لئے دے دیئے ہیں، اس پر حضرت علی نے اپنے نائب کو ڈانٹا۔

حضرت ابوسعید خدری کہتے ہیں کہ میں نے قسم کھالی کہ میں واپسی میں یہ بات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بتاؤں گا، چنانچہ میں نے حضرت علی کی شکایتیں عرض کیں تو آپ نے اپنا دست مبارک میری ران پر مارا اور فرمایا: اے سعد بن مالک (یہ ابوسعید خدری کا اصل نام ہے) اپنے بھائی علی کی شکایتیں چھوڑو، خدا کی قسم میں جانتا ہوں کہ انہوں نے اللہ کے راستے میں بہترین کام کیا ہے، حضرت سعد بن مالک فرماتے ہیں کہ میں نے دل میں اپنے آپ کو ملامت کرتے ہوئے کہا کہ میری ماں مجھے روئے، خدا کی قسم

---

(۱) الصحیح للبخاری ۲/۶۲۳، کتاب المغازی باب بعث علی بن ابی طالب وخالد بن الولید الی الیمن

(۲) البدایۃ والنہایۃ ۵/۱۰۵، الاصابۃ ۴/۵۳۳، حرف العین، رقم: ۵۸۸۱۔

اب کے بعد میں کبھی حضرت علی کا ذکر برائی سے نہیں کروں گا۔

۵۔ حضرت یزید بن طلحہ کی روایت میں ہے کہ حضرت علی کے نائب نے لشکر والوں میں ایک ایک جوڑا تقسیم کر دیا، حضرت علی اس پر ناراض ہوئے اور سب کے جسموں سے وہ جوڑے اتروا دیئے، جب یہ لشکر حضور ﷺ کی خدمت میں پہنچا تو انہوں نے آپ ﷺ سے حضرت علی کی شکایت کی۔(۱)

ان تمام روایات سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ مختلف حضرات کے دل میں خصوصاً ان حضرات کے دل میں جو سفر یمن میں حضرت علی کے ساتھ تھے، حضرت علی کی طرف سے کچھ بدگمانی یا کدورت پیدا ہو گئی تھی، اس لئے نبی کریم ﷺ نے حجۃ الوداع سے واپسی پر غدیر خم کے مقام پر، جہاں سے اہل یمن کا راستہ الگ ہو جاتا ہے، خطبہ ارشاد فرمایا، جس میں آپ نے نہ صرف یہ کہ حضرت علی سے متعلق شکایات کا ازالہ فرمایا، بلکہ امت کو حکم دیا کہ وہ حضرت علی کے ساتھ محبت وعقیدت کا معاملہ رکھیں، اس خطبہ میں مسئلہ خلافت سے متعلق آپ ﷺ نے کچھ بھی ارشاد نہیں فرمایا، کیونکہ یہ اس وقت زیر بحث ہی نہیں تھا، مقصد تو حضرت علی سے متعلق لوگوں کی شکایات کا ازالہ تھا، چنانچہ وہ مقصد پورا ہو گیا، تمام لوگوں کے دل، حضرت علی کے بارے میں صاف ہو گئے اور وہ مطمئن ہو گئے۔

خطبہ غدیر کے دو حصے: حدیث ثقلین اور حدیث الموالاۃ

نبی کریم ﷺ نے غدیر خم کے مقام پر جو خطبہ ارشاد فرمایا، اس کے ابتدائی حصے کو حدیث ثقلین سے تعبیر کیا جاتا ہے، کیونکہ اس میں آپ ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا: وانا تارک فیکم ثقلین (میں تم میں دو بھاری چیزیں یعنی کتاب اللہ اور اہل بیت یعنی سنت رسول اللہ چھوڑ رہا ہوں) اور اس خطبہ کے آخری حصے میں "موالاۃ" کا استعمال بار بار ہوا ہے، اس لئے اس حصے کو حدیث الموالاۃ سے تعبیر کیا جاتا ہے، یہ حدیث مختلف کتب حدیث میں مختلف الفاظ سے منقول ہے، ذیل میں صحیح مسلم سے خطبہ غدیر ترجمہ کے ساتھ درج ہے:

أَمَّا بَعْدُ! أَلَا أَيُّهَا النَّاسُ فَإِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ يُوْشِكُ أَنْ يَّأْتِيَ رَسُوْلُ رَبِّيْ، فَأُجِيْبَ وَأَنَا تَارِكٌ فِيْكُمْ ثَقَلَيْنِ:

أَوَّلُهُمَا: كِتَابُ اللهِ، فِيْهِ الْهُدٰى وَالنُّوْرُ، فَخُذُوْا كِتَابَ اللهِ وَاسْتَمْسِكُوْا بِهِ، فَحَثَّ عَلٰى كِتَابِ اللهِ وَرَغَّبَ فِيْهِ،

ثُمَّ قَالَ: وَأَهْلُ بَيْتِيْ، أُذَكِّرُكُمُ اللهَ فِيْ أَهْلِ بَيْتِيْ، أُذَكِّرُكُمُ اللهَ فِيْ أَهْلِ بَيْتِيْ، أُذَكِّرُكُمُ اللهَ فِيْ أَهْلِ بَيْتِيْ۔(۲)

ترجمہ: خبردار اے لوگو! میں تو ایک انسان ہوں، قریب ہے کہ میرے رب کا قاصد (یعنی موت) میرے پاس آجائے، اور میں اسے قبول کرلوں، میں تم میں دو بھاری (مگر عمدہ) چیزیں چھوڑ کر جا رہا ہوں، ان میں سے پہلی کتاب اللہ ہے، جس میں

---

(۱) البدایۃ والنہایۃ ۱۰۵/۵

(۲) صحیح مسلم ۲۷۹/۲، کتاب الفضائل باب من فضائل علی بن ابی طالب

ہدایت اور نور ہے، پھر آپ نے لوگوں کو کتاب اللہ کے تھامنے پر ابھارا اور اس کی طرف ترغیب دی، پھر فرمایا: اور میرے اہل بیت ہیں، میں اپنے اہل بیت کے بارے میں تمہیں خدا یاد دلاتا ہوں۔ یہ بات آپ نے تین بار دہرائی۔

اس سے قبل کہ حدیث الموالاۃ سے متعلق شیعہ کے استدلال کے باطل ہونے کا تفصیل سے ذکر کیا جائے، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان تمام روایات کو ایک جگہ ذکر کر دیا جائے، جن میں حضرت علی سے متعلق مختلف الفاظ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمائے ہیں، تاکہ ان کا مفہوم سمجھنا آسان ہو جائے، جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمائے ہیں، ان میں سے بعض کے بارے میں تو یہ تصریح ہے کہ یہ الفاظ خطبۂ غدیر سے متعلق ہیں، جبکہ بعض الفاظ کے بارے میں خطبہ غدیر کی کوئی تصریح نہیں، مگر شیعہ چونکہ ان الفاظ سے بھی استدلال کرتے ہیں، اس لئے انہیں بھی یہاں لکھا جارہا ہے تاکہ بات اچھی طرح واضح ہو جائے:

۞ اِنَّ عَلِیًّا مِنِّیْ وَاَنَا مِنْهُ وَهُوَ وَلِیُّ کُلِّ مُؤْمِنٍ مِنْ بَعْدِیْ، (بے شک علی مجھ سے ہیں اور میں ان سے ہوں اور وہ میرے بعد ہر مؤمن کے محبوب اور دوست ہیں) یہ الفاظ ترمذی کی زیر بحث حدیث حضرت عمران بن حصین کی روایت کے ہیں، اس پر کلام پہلے گذر چکا ہے۔

۞ مَنْ کُنْتُ مَوْلَاهُ فَعَلِیٌّ مَوْلَاهُ (میں جس کا مخلص دوست ہوں تو علی بھی اس کے مخلص دوست ہیں) یہ روایت بھی ترمذی کی ہے۔

۞ اَلَسْتُ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ قَالُوْا: بَلٰی قَالَ: اَلَسْتُ اَوْلٰی بِکُلِّ مُؤْمِنٍ مِنْ نَفْسِهٖ قَالُوْا: بَلٰی، قَالَ: فَهٰذَا وَلِیُّ مَنْ اَنَا مَوْلَاهُ، اَللّٰهُمَّ وَالِ مَنْ وَالَاهُ، اَللّٰهُمَّ عَادِ مَنْ عَادَاهُ۔(۱)

(ترجمہ: کیا میں مؤمنین کی جانوں سے بڑھ کر ان کا محبوب نہیں ہوں؟ حاضرین نے عرض کیا: کیوں نہیں، آپ نے فرمایا: کیا میں ہر مومن کو اس کی جان سے زیادہ محبوب نہیں ہوں؟ حاضرین نے عرض کیا: کیوں نہیں، آپ نے فرمایا: جس کا میں محبوب ہوں تو علی اس کے محبوب ہیں، اے اللہ جو شخص علی سے موالاۃ یعنی محبت کرے، آپ اس سے موالاۃ یعنی محبت کریں، اور اے اللہ جو علی سے معاداۃ یعنی دشمنی اور نفرت کرے، آپ اس سے نفرت کریں)۔

۞ مَنْ کُنْتُ وَلِیَّهٗ فَعَلِیٌّ وَلِیُّهٗ۔(۲) (ترجمہ: جس کا میں محبوب ہوں تو علی اس کے محبوب ہیں)۔

۞ اِنَّ اللّٰهَ مَوْلَایَ وَاَنَا وَلِیُّ کُلِّ مُؤْمِنٍ ثُمَّ اَخَذَ بِیَدِ عَلِیٍّ فَقَالَ: مَنْ کُنْتُ وَلِیَّهٗ فَهٰذَا وَلِیُّهٗ اَللّٰهُمَّ وَالِ مَنْ وَالَاهُ وَعَادِ مَنْ عَادَاهُ۔(۳) (ترجمہ: بیشک اللہ میرا محبوب ہے، اور میں ہر مؤمن کا محبوب ہوں، پھر آپ نے حضرت علی کا ہاتھ پکڑا اور فرمایا: میں جس کا محبوب ہوں تو علی اس کے محبوب ہیں، اے اللہ! جو علی کے ساتھ محبت کرے آپ اس کے ساتھ محبت رکھیں

---

(۱) سنن ابن ماجۃ، فضل علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ، ص: ۱۲، ط: قدیمی کراچی

(۲) سنن نسائی الکبری بترقیم شعیب ۴۵/۵، فضائل علی رضی اللہ عنہ

(۳) سنن نسائی الکبری بترقیم شعیب، باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم من کنت ولیہ فعلی ولیہ، ۱۳۰/۵

اور جو علی سے نفرت رکھے تو آپ بھی اس سے نفرت رکھیں)۔

ان تمام روایتوں میں پانچ الفاظ بار بار استعمال ہوئے ہیں۔(۱) ولی (۲) مولی (۳) اولی، ان تینوں کا ترجمہ محبوب بھی ہوسکتا ہے اور دوست بھی، مددگار بھی، (۴) موالاۃ: اس کا ترجمہ محبت بھی ہوسکتا ہے اور دوستی بھی (۵) معاوات: اس کا ترجمہ دشمنی بھی ہوسکتا ہے اور نفرت بھی۔

شیعہ کا استدلال عربی لغت سے

شیعہ لوگ لفظ ولی، مولی، اولی اور موالات سے یوں استدلال کرتے ہیں کہ ان کے معنی ''حاکم'' کے ہیں، لہذا اس سے حضرت علی کی خلافت ثابت ہوتی ہے، لیکن ان کا یہ استدلال لغت کے اعتبار سے باطل، بے محل اور غلط ہے، کیونکہ عربی زبان میں ان چار الفاظ میں سے کسی کے معنی بھی حاکم کے نہیں آتے، ان الفاظ کے معنی درج ذیل ہیں:

- ولی کے معنی: مددگار، دوست، محبت کرنے والا اور محبوب کے ہیں۔
- لفظ مولیٰ کے مختلف معنی ہیں اور مختلف احادیث میں یہ مختلف معانی میں استعمال ہوا ہے، علامہ ابن الاثیر جزری اپنی لغت کی مشہور کتاب ''النہایہ فی غریب الحدیث'' میں لکھتے ہیں: ''لفظ ''مولیٰ'' ایک ایسا نام یعنی لفظ ہے جو کئی معنی میں استعمال ہوتا ہے چنانچہ مولیٰ کے معنی: پروردگار، مالک، سردار، احسان کرنے والا، آزاد کرنے والا، مددگار، محبت کرنے والا، فرمانبردار، پڑوسی، چچازاد بھائی، عہد کرنے والا، عقد کرنے والا، داماد، غلام، آزاد کردہ غلام، اور احسان مند کے آتے ہیں، ان میں سے اکثر معانی حدیث میں استعمال ہوئے ہیں، اور ہر حدیث کے مقتضیٰ کے مطابق معنیٰ مراد لیا جاتا ہے،.... لفظ مولیٰ ہی اس حدیث: من کنت مولاہ فعلی مولاہ میں استعمال ہوا ہے، اور وہاں اس کے اکثر معنی مراد لئے جاسکتے ہیں''۔(۱)
- لفظ ''اولیٰ'' کے معنی عربی زبان میں اقرب اور احق کے ہیں یعنی زیادہ قریب، زیادہ حق دار، زیادہ بہتر اور زیادہ لائق و مناسب۔
- لفظ ''موالاۃ'' کے معنی دوستی اور محبت کے ہیں۔

ان چار الفاظ میں سے کسی کے معنی بھی عربی زبان میں حاکم اور خلیفہ کے نہیں ہیں، جیسا کہ اس کی تفصیل اوپر آپ نے دیکھ لی ہے، اس لئے شیعہ کا یہ دعویٰ کہ ان کے معنی حاکم اور خلیفہ کے ہیں، عربی لغت کی کتابوں کے لحاظ سے بالکل ہی غلط ہے۔

شیعہ استدلال قرآن وسنت کی روشنی میں

یہ چاروں الفاظ قرآن مجید اور حدیث میں مختلف جگہوں میں استعمال ہوئے ہیں، کسی بھی مقام پر ان میں سے کسی لفظ

---

(۱) النهاية في غريب الحديث والاثر ۲۲۸/۵، ط: قم ایران

کے معنی حاکم اور خلیفہ کے نہیں ہیں، اس لئے شیعہ کا یہ استدلال قرآن وسنت کی روشنی میں بھی بے جا اور غلط ہے۔(۱)

شیعہ استدلال عقل کی روشنی میں

عقل کی روشنی میں بھی شیعہ کا یہ دعویٰ بالکل غلط ہے، جس کی تفصیل یہ ہے:

۱۔ اگر شیعہ حضرات کی بات تسلیم کرلی جائے کہ خطبہ غدیر کا مقصد حضرت علی کی امامت اور خلافت کا اعلان کرنا تھا، تو بجا طور پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ پھر تو نبی کریم ﷺ کو واضح الفاظ میں تمام صحابہ کے سامنے سرعام اس کا اعلان کر دینا چاہیے تھا، پھر ولی، مولیٰ اور اولیٰ جیسے گول مول الفاظ استعمال کرنے کی کوئی ضرورت نہیں تھی مگر حقیقت یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ اگر اپنی وفات سے تین ماہ قبل خطبہ غدیر خم میں حضرت علی کی امامت کا اعلان کرنا چاہتے، تو دنیا کی کوئی طاقت آپ کو اس سے نہیں روک سکتی تھی، مگر امامتِ علی کا اعلان نہ آپ کا مقصد تھا، نہ آپ نے اپنے خطبہ میں اس کا اظہار فرمایا، آپ تو امت کو اہل بیت کی محبت واکرام اور حضرت علی کی محبت کی طرف متوجہ فرمانا چاہتے تھے، اس کا آپ نے واضح انداز سے اظہار فرمایا، اہل بیت کی محبت اس لئے کہ وہ صحابہ کرام میں سے ایک اہم طبقہ ہیں اور حضرت علی کی محبت اس لئے کہ انہوں نے چوتھے خلیفہ راشد کے طور پر اس امت کی خلافت وقیادت اور راہنمائی کا فریضہ سرانجام دینا تھا۔

۲۔ اگر شیعہ کی بات مان کر حدیث الموالات کے ان الفاظ کا ترجمہ حاکم اور امام سے کر دیا جائے تو لازم آئے گا کہ رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں ہی حضرت علی امام ہوگئے تھے، اور دونوں کی امامت امت پر بیک وقت لازم ہوگئی تھی، حالانکہ خود شیعہ بھی اس بات کے قائل نہیں۔

اور اگر شیعہ فرقہ یہ کہے کہ رسول اللہ ﷺ کی مراد یہ ہے کہ میرے بعد یہ خلیفہ ہوں گے تو جواب یہ ہے کہ اس بات کے تو اہل سنت والجماعت بھی منکر نہیں کہ حضرت علی، رسول اللہ ﷺ کے بعد چوتھے نمبر پر خلیفہ راشد تھے، شیعہ استدلال تو اس وقت مکمل ہوتا جب روایت میں ''فوراً میرے بعد'' کے الفاظ ہوتے، مگر ایسا کوئی لفظ منقول نہیں، اس لئے شیعہ کا استدلال درست نہیں۔(۲)

۳۔ ''حدیث الموالات'' کا خلافت کے مسئلے سے کوئی تعلق نہیں، اس کی ایک اور واضح دلیل بخاری شریف کی درج ذیل روایت ہے:

''حضرت عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے مرض الوصال میں حضرت علی آپ کے پاس سے نکل کر باہر آئے تو لوگوں نے پوچھا اے ابوالحسن! رسول اللہ ﷺ کا کیا حال ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ بحمد اللہ پہلے سے افاقہ ہے، تو

---

(۱) عقیدہ امامت اور حدیث غدیر (ص:۸۶)

(۲) عقیدہ امامت اور حدیث غدیر (ص:۸۹)

حضرت عباس بن عبدالمطلب نے حضرت علی کا ہاتھ پکڑا اور کہا: خدا کی قسم تین دن بعد تم کسی کے تابع ہو گے، بخدا میں رسول اللہ ﷺ کو دیکھ رہا ہوں اور میرا خیال ہے کہ آپ کا اس مرض میں انتقال ہو جائے گا، کیونکہ میں موت کے وقت بنو عبدالمطلب کے چہروں کو پہچانتا ہوں، آؤ، ہم رسول اللہ ﷺ کے پاس چلیں اور ان سے پوچھ لیں کہ یہ خلافت کن میں ہوگی؟ اگر یہ خلافت ہم میں ہوئی تو ہمیں معلوم ہو جائے گا اور اگر دوسروں میں ہوئی تو بھی علم ہو جائے گا، اور رسول اللہ ﷺ ہمارے بارے میں انہیں وصیت کر جائیں گے۔

حضرت علی نے جواب دیا کہ خدا کی قسم اگر ہم نے رسول اللہ ﷺ سے اس بارے میں پوچھا اور آپ نے ہمیں اس سے منع کر دیا تو اس کے بعد لوگ ہمیں کبھی یہ خلافت نہ دیں گے، اس لئے خدا کی قسم میں رسول اللہ ﷺ سے اس بارے میں کوئی سوال نہ کروں گا۔(۱)

صحیح بخاری کی روایت سے معلوم ہوا کہ حضرت عباس اور حضرت علی کی یہ گفتگو آپ کی وفات سے تین دن پہلے ہوئی، جبکہ خطبہ غدیر تین ماہ پہلے دیا جا چکا تھا، اگر خطبہ غدیر میں خلافت علی کا اعلان ہو چکا تھا تو حضرت عباس نے یہ کیوں فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ سے خلافت کے بارے میں پوچھ لو؟ اور حضرت علی نے یہ جواب کیوں نہ دے دیا کہ حضور ﷺ سے پوچھنے کی کیا ضرورت؟ میری خلافت کا تو تین ماہ پہلے غدیر خم کے خطبہ میں اعلان ہو چکا ہے، حضرت عباس اور حضرت علی کی گفتگو جہاں یہ واضح کر رہی ہے کہ خطبہ غدیر کا خلافت کے مسئلے سے کوئی تعلق نہ تھا، وہاں یہ بھی واضح کر رہی ہے کہ اہل بیت بھی خلافت نبوی کے بارے میں بہت فکر مند تھے، وہ یہ چاہتے تھے کہ خلافت وامامت کا مسئلہ جلد طے ہو جائے تاکہ آگے امت میں کوئی انتشار اور نزاع پیدا نہ ہو۔

۴۔ رسول اللہ ﷺ کے انتقال کے بعد جب سقیفہ بنی ساعدہ میں صدیق اکبر کی خلافت پر امت مسلمہ کا اجماع منعقد ہو رہا تھا تو کسی ایک شخص نے بھی یہ حدیث موالات حضرت علی کی خلافت کے لئے کیوں نہ پیش کی؟ سقیفہ بن ساعدہ میں دیگر آراء کا سامنے آنا تو روایات سے ثابت ہے، مگر یہ ثابت نہیں کہ کسی فرد واحد نے حضرت علی کی خلافت کی تجویز پیش کر کے حدیث الموالات دلیل میں پیش کی ہو، جبکہ یہ حدیث الموالات صحابہ کرام کے عمومی مجمع کے سامنے غدیر خم کے موقع پر بطور خاص بیان کی گئی تھی، یہ سب کچھ اس بات کی واضح دلیل ہے کہ "حدیث الموالات" کا خلافت کے مسئلے سے قطعاً کوئی تعلق ہی نہ تھا، بلکہ اس کا اہل بیت اور حضرت علی کی محبت واکرام سے تعلق تھا، جس پر صحابہ کرام کے درمیان کبھی اختلاف نہیں رہا۔

۵۔ اگر اس حدیث الموالات کا خلافت کے مسئلے سے تعلق ہوتا تو خود حضرت علی اس حدیث کو اپنی خلافت کے استدلال میں پیش فرماتے، کیونکہ یہ حضرات دین کے معاملے میں نہ دبنے والے تھے اور نہ خاموش رہنے والے تھے، چنانچہ صدیق اکبر کی جب وفات ہوئی اور حضرت عمر کی خلافت کا انعقاد ہوا اور اس کے بعد حضرت عثمان کی خلافت منعقد ہونے کا وقت آیا تو بھی ان دونوں

---

(۱) صحیح بخاری ۲/۶۳۹، کتاب المغازی باب مرض النبی ﷺ ووفاته

موقعوں پر حضرت علی نے نہ خلافت کا دعویٰ کیا، نہ دلیل میں یہ خطبہ پیش کیا، اگر یہ حدیث موالات خلافت کی دلیل ہوتی تو اسے ضرور پیش کیا جاتا۔

۶۔ حضرت علی کے جلیل القدر پوتے حضرت حسن مثنیٰ سے پوچھا گیا: من کنت مولاہ فعلی مولاہ کی حدیث میں حضرت علی کی امامت یعنی خلافت کی صراحت نہیں ہے؟ تو انہوں نے جواب میں فرمایا: ''اگر رسول اللہ ﷺ کا مقصد اس سے امارت اور خلافت کا بیان کرنا ہوتا، تو آپ اسے نہایت واضح الفاظ میں ارشاد فرمادیتے جس طرح دیگر شرعی مسائل نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج وغیرہ کو صاف صاف بیان فرمادیئے ہیں، یوں فرمادیتے کہ: اے لوگو! میرے بعد: علی تمہارے حاکم اور خلیفہ ہوں گے، کیونکہ آپ تو سب سے زیادہ فصیح اللسان تھے، مگر ایسا آپ نے نہیں کیا۔''

اس سے معلوم ہوا کہ خود اہل بیت کی نظر میں بھی یہ حدیث من کنت مولاہ فعلی مولاہ خلافت کے مسئلہ میں دلیل نہیں ہے۔

بہر حال غدیر خم کے مقام پر رسول اللہ ﷺ نے جو خطبہ دیا، اس خطبہ میں حدیث ثقلین کا حصہ ہو یا موالات علی کا، دونوں حصوں کا تعلق مسئلہ خلافت سے نہیں، بلکہ اہل بیت اور خاص طور پر حضرت علی کی محبت و اکرام سے اس کا تعلق ہے، تاکہ حضرت علی کے بارے میں ان کے بعض ساتھیوں کو جو ان سے شکایات یا غلط فہمیاں تھیں، انہیں دور کیا جائے، چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ اس خطبہ سے ان تمام لوگوں کا ذہن حضرت علی کے بارے میں بالکل صاف اور مطمئن ہوگیا، اس لئے شیعہ مولفین اس خطبہ غدیر خم سے جو حضرت علی کی خلافت کو ثابت کرتے ہیں، وہ عربی زبان کے لحاظ سے بھی غلط ہے، قرآن وسنت اور عقل کی روشنی میں بھی غلط ہے، جس کی تفصیل اوپر آچکی ہے۔(۱)

انت منی بمنزلہ ھارون من موسیٰ سے شیعہ کا استدلال

نبی کریم ﷺ جس وقت اپنی زندگی کے آخری غزوے، غزوہ تبوک کے لئے تشریف لے جارہے تھے، تو حضرت علی کو اہل مدینہ اور خاص طور پر اہل بیت کے گھرانوں کی دیکھ بھال اور خبر گیری کے لئے مدینہ میں انہیں اپنا نائب مقرر فرما گئے تھے، اور مسجد نبوی میں نماز پڑھانے کی ذمہ داری حضرت عبداللہ بن ام مکتوم کو سپرد فرمائی تھی۔

منافقین نے حضرت علی کو طعنہ دیا کہ اس موقع پر نبی کریم ﷺ تمہیں مدینہ اس لئے چھوڑ گئے ہیں کہ حضور کی نظر میں تمہاری کوئی حیثیت اور مقام نہیں ہے، حضرت علی نے جب یہ طعنہ سنا تو بڑی غیرت محسوس کی، فوراً ہتھیار پہن کر حضور ﷺ کی طرف سفر شروع کردیا، اس وقت نبی کریم ﷺ مدینہ سے تین میل کے فاصلے پر مقام ''جرف'' پر پہنچ چکے تھے، حضرت علی نے نبی کریم ﷺ کو بتایا کہ منافقین میرے بارے میں ایسی ایسی باتیں کہہ رہے ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا: منافقین جھوٹے ہیں،

---

(۱) عقیدہ امامت اور حدیث غدیر، (ص: ۳۵۔۹۰) ط: مکتبہ دار العلوم کراچی

ایسی کوئی بات نہیں، جو وہ کہہ رہے ہیں، میں نے آپ کو اپنی اہل وعیال پر اپنا خلیفہ اور جانشین مقرر کیا ہے، اے علی! کیا تم اس سے خوش نہیں ہو کہ تمہارا مجھ سے (رشتہ داری، مرتبہ اور دینی مددگار ہونے کے اعتبار سے) وہی تعلق ہے، جو ہارون کا موسیٰ سے تھا، بس فرق یہ ہے کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا۔(۱)

شیعہ حضرات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس جملے: انت منی بمنزلة هارون من موسی سے استدلال کر کے، یہ کہتے ہیں کہ جس طرح آپ نے زندگی میں حضرت علی کو مدینہ میں اپنا نائب بنایا تھا، اسی طرح آپ کی وفات کے بعد بھی حضرت علی کے لئے ہی خلافت کا استحقاق تھا، اور اس جملے میں حضرت علی کو حضرت ہارون سے تشبیہ دی گئی ہے، لہذا جس طرح حضرت ہارون علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام کے خلیفہ ہوئے تھے، اسی طرح حضرت علی بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلیفہ ہونے چاہیے تھے، لیکن اس سے شیعہ کا یہ استدلال کہ حضرت علی کے لئے خلافت ثابت ہے، بالکل غلط ہے، جس کی تفصیل یہ ہے:

۱۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ معمول تھا کہ آپ جب کسی سفر پر تشریف لے جاتے، تو مدینہ منورہ میں کسی صحابی کو اپنا نائب مقرر فرماتے، تاکہ وہ مدینہ میں رہ کر مدینہ والوں کی نگرانی اور دیکھ بھال کر سکے، مثلاً غزوہ قینقاع کے موقع پر حضرت بشر بن منذر کو، غزوہ مریسیع کے وقت حضرت زید بن حارثہ کو اور غزوہ بنی غطفان یعنی بنی انمار کے وقت حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہم کو مدینہ میں اپنا خلیفہ اور نائب مقرر فرمایا، ایسے ہی حضرت علی کو غزوہ تبوک کے موقع پر، اہل بیت اور مجاہدین کے گھروں کی نگرانی کے لئے مدینہ میں اپنا نائب مقرر فرمایا۔

یہ خلافت و نیابت عارضی اور محدود مدت کے لئے ہوتی تھی، چنانچہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم واپس تشریف لے آتے، تو ان حضرات کی عارضی نیابت خود بخود ختم ہو جاتی تھی، اسے ختم کرنے کے لئے الگ سے کوئی فرمان جاری نہیں کیا جاتا تھا، جس طرح حضرت ہارون علیہ السلام کی نیابت عارضی تھی، جب حضرت موسیٰ کوہ طور سے واپس تشریف لائے تو حضرت ہارون کی نیابت خود بخود ختم ہوگئی، لہذا اس سے شیعہ کا یہ استدلال کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد حضرت علی کے لئے سب سے پہلی خلافت ثابت ہے، درست نہیں۔

۲۔ مقصد اس حدیث سے یہ ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام چالیس دن کے لئے کوہ طور پر تشریف لے گئے تھے، تو وہ اپنا خلیفہ اور ذمہ دار حضرت ہارون علیہ السلام کو بنا گئے تھے، کیونکہ یہ ان کے نسبی بھائی بھی تھے اور نبی بھی تھے، اسی طرح جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ تبوک پر تشریف لے گئے، تو حضرت علی کو اہل مدینہ پر اپنا خلیفہ اور نائب مقرر فرما گئے تھے، تاکہ وہ ان کے امور اور معاملات کو نمٹا سکیں اور ان کی نگرانی کر سکیں، حضرت علی کو حضرت ہارون کے ساتھ ہر چیز میں مشابہت دینا مقصود نہیں تھا، کیونکہ!

❁ حضرت ہارون علیہ السلام اللہ کے ایک نبی تھے، جبکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قریبی رشتہ دار، داماد اور

(۱) تکملة فتح الملهم ۵/۱۰۱، کتاب فضائل الصحابة باب من فضائل علی بن ابی طالب، مرقاة المفاتیح ۱۱/ ۲۴۴ کتاب المناقب باب مناقب علی بن ابی طالب۔

دینی اہم مددگار تو ضرور تھے لیکن نبی نہیں تھے۔

❁ نیز حضرت ہارون علیہ السلام حضرت موسیٰ سے چالیس سال پہلے انتقال کر چکے تھے، حضرت موسیٰ کے بعد خلیفہ نہیں ہوئے، پھر جب حضرت موسیٰ کی وفات ہوئی تو آپ کے خلیفہ حضرت یوشع بن نون ہوئے تھے، اور یہاں معاملہ اس طرح نہیں ہے، کیونکہ حضرت علی نے نبی کریم ﷺ کی زندگی میں وفات نہیں پائی، اس لئے حضرت علی کی غزوہ تبوک کے موقع پر عارضی خلافت و نیابت کو حضرت ہارون علیہ السلام کی نیابت پر ہر چیز میں تشبیہ دینا درست نہیں ہے۔

اس تفصیل سے یہ بات واضح ہوگئی کہ نبی کریم ﷺ نے انت منی بمنزلہ ہارون من موسیٰ سے حضرت علی کے ساتھ اپنی محبت، قرابت اور کمال اتصال کو بیان فرمایا ہے، اس سے یہ بیان کرنا مقصود نہیں کہ میرے بعد حضرت علی ہی پہلے خلیفہ ہوں گے، اس لئے غزوہ تبوک کے موقع پر مدینہ پر حضرت علی کی نیابت سے شیعہ کا یہ استدلال کرنا کہ حضور کی وفات کے بعد، حضرت علی کے لئے پہلی خلافت کا استحقاق ہے، کسی بھی طرح درست نہیں۔(۱)

عَنْ عَلِيٍّ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: رَحِمَ اللهُ أَبَا بَكْرٍ زَوَّجَنِي ابْنَتَهُ، وَحَمَلَنِي إِلَى دَارِ الْهِجْرَةِ، وَأَعْتَقَ بِلَالًا مِنْ مَالِهِ، رَحِمَ اللهُ عُمَرَ، يَقُولُ الْحَقَّ وَإِنْ كَانَ مُرًّا، تَرَكَهُ الْحَقُّ وَمَا لَهُ صَدِيقٌ، رَحِمَ اللهُ عُثْمَانَ، تَسْتَحْيِيهِ الْمَلَائِكَةُ، رَحِمَ اللهُ عَلِيًّا، اللَّهُمَّ أَدِرِ الْحَقَّ مَعَهُ حَيْثُ دَارَ.(۲)

حضرت علی فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ ابوبکر پر رحم فرمائے، انہوں نے اپنی بیٹی سے میرا نکاح کیا، اور مجھے دار الہجرہ یعنی مدینہ منورہ آنے کے لئے (اپنے اونٹ پر) سوار کیا، اور انہوں نے اپنے مال سے بلال کو آزاد کیا، اللہ تعالیٰ عمر پر مہربانی فرمائے، وہ ہمیشہ حق بات کرتے ہیں اگرچہ وہ کڑوی ہو، حق بات کہنے (اور اس پر عمل کرنے) نے ان کو ایسا کر دیا ہے کہ ان کا کوئی دوست نہیں، اللہ تعالیٰ عثمان پر مہربانی فرمائے، ان سے فرشتے بھی حیا کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ علی پر رحم فرمائے، اے اللہ! حق کو علی کے ساتھ گھما، جہاں بھی وہ گھومیں۔

مشکل الفاظ کے معنی: حملني: ابوبکر نے میرے لئے سواری کا بندوبست کیا، وان کان مرا: اگرچہ وہ حق بات کڑوی ہو، ترکه الحق و ماله صدیق: حق بات کہنے نے انہیں اس مقام پر پہنچا دیا ہے کہ اب ان کا کوئی دوست ہی نہیں رہا، أدر الحق معه: یہ ادارہ سے صیغہ امر ہے: اے اللہ حق بات کو علی کے ساتھ گھما دے، حیث دار: جہاں بھی علی گھومیں یعنی حق بات کہنے اور اس پر عمل ہی ان کا مزاج بنا دے اور انہیں ایسی فہم و بصیرت عطا فرما دے کہ ہر معاملے میں یہ وہی فیصلہ کر سکیں، جو اللہ کی نظر میں درست ہو، تستحییه: عثمان سے حیا محسوس کرتے ہیں۔

---

(۱) مرقاۃ المفاتیح ۱۱/۲۴۰، کتاب المناقب، باب مناقب علی بن ابی طالب رقم الحدیث:۶۰۸۷، سیرت علی المرتضی، مولانا محمد نافع صاحب (ص:۹۵) ط: دار الکتاب لاہور

(۲) المستدرک للحاکم ۳/۷۲۔

چاروں خلفاء کے لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خاص دعائیں

اس حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ان دعاؤں کا ذکر ہے، جو آپ نے خلفاء اربعہ کو دی ہیں، اور ان کے چند اوصاف کا بھی آپ نے ذکر فرمایا ہے:

❁ اللہ تعالیٰ ابوبکر پر رحم فرمائے، انہوں نے اپنی بیٹی عائشہ میرے نکاح میں دی، مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت کے موقع پر میرے لئے سواری کا بندوبست کیا، اور سفر ہجرت میں میرے ساتھ بھی رہے، اور جب دیکھا کہ بلال پر ان کا آقا، دین کی وجہ سے بہت ظلم کرتا ہے، تو اپنے مال سے اللہ کے لئے انہیں آزاد کیا۔

❁ اللہ تعالیٰ عمر پر رحم فرمائے، ان کا طرہ امتیاز یہ ہے کہ وہ ہمیشہ حق بات ہی کہتے ہیں، خواہ وہ حق بات کتنی ہی کڑوی اور طبیعت کے خلاف ہو، حق بات کہنے اور اس پر عمل نے انہیں اس مقام پر پہنچا دیا ہے کہ ان کا اب کوئی دوست ہی نہیں، کیونکہ یہ حق بات کے لئے اپنے ساتھیوں پر روک ٹوک کرتے ہیں، اور عرف میں ایسے بندے سے لوگ دور ہو جاتے ہیں، جو ہر معاملے میں حق بات ہی کہے، اور غلط بات پر روک ٹوک کرے۔

❁ اللہ تعالیٰ عثمان پر کرم فرمائے، ان کے اوصاف میں سے سب سے اہم ان کی شرم و حیا کی صفت ہے، حتیٰ کہ فرشتے بھی ان سے حیا محسوس کرتے ہیں۔

❁ اللہ تعالیٰ علی پر رحم و کرم کرے اور اے اللہ: حق ان کے ساتھ یوں گھما کہ جدھر یہ جائیں تو حق ان کے ساتھ گھومے، انہیں صحیح فیصلہ کرنے کی توفیق اور ہمت عطا فرما، چنانچہ اس دعا کی برکت تھی کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو تمام صحابہ میں سب سے زیادہ لوگوں کے معاملات میں فیصلہ کرنے کا ملکہ حاصل تھا، رضی اللہ عنہم۔(۱)

عَنْ رِبْعِيِّ بْنِ حِرَاشٍ قَالَ: حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ أَبِي طَالِبٍ بِالرَّحَبَةِ، قَالَ: لَمَّا كَانَ يَوْمُ الحُدَيْبِيَةِ خَرَجَ إِلَيْنَا نَاسٌ مِنَ المُشْرِكِينَ، فِيهِمْ سُهَيْلُ بْنُ عَمْرٍو، وَأُنَاسٌ مِنْ رُؤَسَاءِ المُشْرِكِينَ، فَقَالُوا: يَا رَسُولَ اللَّهِ: خَرَجَ إِلَيْكَ نَاسٌ مِنْ أَبْنَائِنَا وَإِخْوَانِنَا وَأَرِقَّائِنَا، وَلَيْسَ لَهُمْ فِقْهٌ فِي الدِّينِ، وَإِنَّمَا خَرَجُوا فِرَارًا مِنْ أَمْوَالِنَا وَضِيَاعِنَا، فَارْدُدْهُمْ إِلَيْنَا، فَإِنْ لَمْ يَكُنْ لَهُمْ فِقْهٌ فِي الدِّينِ سَنُفَقِّهُهُمْ، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: يَا مَعْشَرَ قُرَيْشٍ: لَتَنْتَهُنَّ أَوْ لَيَبْعَثَنَّ اللَّهُ عَلَيْكُمْ مَنْ يَضْرِبُ رِقَابَكُمْ بِالسَّيْفِ عَلَى الدِّينِ، قَدِ امْتَحَنَ اللَّهُ قُلُوبَهُمْ عَلَى الْإِيمَانِ، قَالُوا: مَنْ هُوَ يَا رَسُولَ اللَّهِ؟ فَقَالَ لَهُ أَبُو بَكْرٍ: مَنْ هُوَ يَا رَسُولَ اللَّهِ؟ وَقَالَ عُمَرُ: مَنْ هُوَ يَا رَسُولَ اللَّهِ؟ قَالَ: هُوَ خَاصِفُ النَّعْلِ، وَكَانَ أَعْطَى عَلِيًّا نَعْلَهُ يَخْصِفُهَا، قَالَ: ثُمَّ الْتَفَتَ إِلَيْنَا عَلِيٌّ فَقَالَ: إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ

---

(۱) مرقاة المفاتيح ۲۸۵/۱۱، كتاب المناقب، باب مناقب العشرة، رقم: ۶۱۳۴.

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: مَنْ كَذَبَ عَلَيَّ مُتَعَمِّدًا فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ. (۱)

حضرت ربعی بن حراش کہتے ہیں کہ حضرت علی نے ہم سے (کوفہ کے) مقام رحبہ میں حدیث بیان کی، انہوں نے فرمایا: صلح حدیبیہ کے دن مشرکین میں سے کچھ لوگ ہمارے پاس آئے، جن میں سہیل بن عمرو اور دیگر کئی مشرک سردار تھے، ان مشرکین نے کہا: اے اللہ کے رسول! ہماری اولاد، ہمارے بھائیوں اور غلاموں میں کچھ لوگ آپ کے پاس آگئے ہیں، حالانکہ انہیں دین کی کوئی سمجھ بوجھ نہیں، وہ صرف ہمارے مالوں اور جائدادوں سے بھاگ کر آئے ہیں (تاکہ انہیں کوئی کام نہ کرنا پڑے) لہذا آپ یہ لوگ ہمیں واپس کردیں، اگر انہیں دین کی سمجھ نہیں، تو ہم انہیں سمجھا دیں گے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اے قریش کی جماعت: تم لوگ (اپنی حرکتوں سے) باز آجاؤ، ورنہ اللہ تعالیٰ تم پر ایسے لوگ بھیج دیں گے (یعنی مسلط کردیں گے) جو تمہاری گردنوں کو اس دین (یعنی کفر وشرک) پر تلوار کے ذریعہ مار دیں گے، جن کے دلوں کو اللہ تعالیٰ نے ایمان پر آزمالیا ہے، صحابہ کرام نے پوچھا! اے اللہ کے رسول! وہ کون ہے؟ حضرت ابوبکر نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا: وہ کون ہے یا رسول اللہ؟ حضرت عمر نے پوچھا: وہ کون ہے اے اللہ کے رسول؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ جوتے سینے والا ہے، آپ نے حضرت علی کو اپنے جوتے سینے کے لئے دیئے تھے، راوی کہتے ہیں: پھر حضرت علی ہماری طرف متوجہ ہوئے اور کہنے لگے: یقینی بات ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو شخص جان بوجھ کر میری طرف کوئی جھوٹی بات منسوب کرے گا، اسے چاہیے کہ وہ اپنا ٹھکانا جہنم میں بنا لے۔

مشکل الفاظ کے معنی: رحبة: (را پر زبر اور حاء پر زبر اور سکون) کشادہ اور کھلی جگہ، جو مکانوں کے درمیان ہو، یہاں حدیث میں اس سے کوفہ کی ایک خاص جگہ مراد ہے، جو کھلی تھی اور جس پر بیٹھ کر حضرت علی رضی اللہ عنہ لوگوں کے مقدمات کا فیصلہ کیا کرتے تھے، ارقائنا: رقیق کی جمع ہے: ہمارے غلام، و ضیاعنا: ضیعة کی جمع ہے: ہماری جائدادوں سے، لتنتھن: تم لوگ اپنی حرکتوں سے باز آجاؤ، رک جاؤ، خاصف النعل: جوتے گانٹھنے والا، جوتے سینے والا، جوتوں کو پیوندکاری لگانے والا، یہاں حدیث میں اس سے حضرت علی رضی اللہ عنہ مراد ہیں۔

حضرت علی کے لئے کامل ایمان کی شہادت

حضرت علی نے کوفہ کے مقام رحبہ میں بتایا کہ حدیبیہ کے موقع پر مشرکین کے کچھ سردار، جن میں سہیل بن عمرو بھی تھے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آکر کہنے لگے کہ ہماری اولاد، بھائیوں اور غلاموں میں سے، جو بھی مکہ سے آپ کے پاس مسلمان ہوکر

(۱) سنن ابی داؤد، کتاب الجهاد، باب من عبيد المشركين، رقم: ۲۷۰۰۔

آئے ہیں، برائے کرم آپ انہیں واپس کر دیں، وہ کام سے بھاگ کر آئے ہیں، انہیں دین کی سمجھ نہیں، لہذا ہم ہی انہیں دین سمجھا دیں گے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش کی جماعت سے فرمایا کہ تم اپنی باتوں اور حرکتوں سے باز آجاؤ، مسلمانوں پر ظلم وستم سے رک جاؤ، ورنہ اللہ تعالیٰ تم لوگوں پر ایسے لوگ مسلط کر دیں گے، جو تمہاری گردنوں کو تمہارے دین یعنی کفر وشرک پر تلوار کے ذریعہ ماردیں گے، اور یہ مارنے والے ایسے لوگ ہیں، جن کے دلوں کو ایمان پر آزمایا جا چکا ہے، صحابہ کرام سوچنے لگے کہ یہ کون لوگ ہیں، جن کے کمال ایمان کی گواہی، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم دے رہے ہیں، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا، تو آپ نے بتایا کہ وہ یہ ہے، جو جوتے کو گانٹھ رہا ہے یعنی حضرت علی رضی اللہ عنہ، آپ نے انہیں اپنے جوتے سینے کے لئے دے رکھے تھے، اور وہ قریب میں بیٹھ کر ہی جوتوں کی پیوند کاری کر رہے تھے، اور پھر حضرت علی نے اپنی بات کی مزید تائید کے لئے کہ میں نے یہ حدیث اپنی طرف سے بیان نہیں کی، بلکہ یہ سچا واقعہ ہے، کیونکہ جھوٹی حدیث بیان کرنے پر بہت سخت وعید ہے، پھر انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث بیان کی کہ جو شخص قصداً میری طرف جھوٹی بات منسوب کرے، تو اس کا ٹھکانہ جہنم ہوتا ہے۔(۱)

اس حدیث سے درج ذیل امور ثابت ہوتے ہیں:

۞ اس سے حضرت علی کی فضیلت ثابت ہوتی ہے، گو کہ اس فضیلت میں دوسرے صحابہ بھی شریک ہیں، یہی وجہ ہے کہ آپ نے قلوبھم میں جمع کا لفظ استعمال فرمایا ہے، لیکن پوچھنے پر آپ نے اس وقت صرف حضرت علی کا نام لیا، البتہ بعض نسخوں میں قلبہ کا لفظ مفرد ہے، اس سے صرف حضرت علی ہی مراد ہوں گے، ایسی صورت میں یہ فضیلت صرف انہی کے لیے ہوگی۔

۞ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کلام ان کافروں کے ساتھ اس وقت کیا، جب تک ان کے ساتھ صلح کا معاہدہ اور شرائط طے نہیں ہوئی تھیں۔

۞ ضرورت کے موقع پر اگر انسان اپنی صلاحیت، حیثیت اور مقام لوگوں کے سامنے بیان کرے، تو اس کی گنجائش ہے جیسے حضرت علی نے اہل کوفہ کے سامنے یہ واقعہ بیان کر کے اپنا مقام ان کے سامنے واضح کیا، لیکن اس میں شرط یہ ہے کہ اس سے اپنی بڑائی اور شوخی جتانا پیش نظر نہ ہو۔

۞ حضرت علی سمیت تمام صحابہ کرام حدیث کے بیان کرنے میں بہت احتیاط سے کام لیتے تھے، تاکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کوئی غلط بات منسوب نہ ہو جائے، یہی طریقہ تمام اہل علم کو اختیار کرنا چاہیے۔

۞ جوتے سینا اور ان کی پیوند کاری کرنا ایک سنت عمل ہے۔

عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الخُدْرِيِّ، قَالَ: إِنْ كُنَّا لَنَعْرِفُ المُنَافِقِينَ نَحْنُ مَعْشَرَ الأَنْصَارِ بِبُغْضِهِمْ عَلِيَّ بْنَ أَبِي

---

(۱) تحفۃ الاحوذی ۱۰/۲۰۴۔

طَالِبٍ.(۱)

حضرت ابوسعید خدری فرماتے ہیں کہ ہم یعنی انصار کی جماعت، منافقین کو حضرت علی سے بغض رکھنے کی وجہ سے پہچانتے تھے۔

عَنِ الْمُسَاوِرِ الْحِمْيَرِيِّ، عَنْ أُمِّهِ، قَالَتْ: دَخَلْتُ عَلَى أُمِّ سَلَمَةَ، فَسَمِعْتُهَا تَقُولُ: كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: لَا يُحِبُّ عَلِيًّا مُنَافِقٌ وَلَا يَبْغَضُهُ مُؤْمِنٌ.

حضرت مساور حمیری اپنی والدہ سے روایت کرتے ہیں، وہ فرماتی ہیں کہ میں حضرت ام سلمہ کے پاس آئی اور ان کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ رسول اللہ ﷺ فرمایا کرتے تھے: کوئی منافق علی سے محبت نہیں کرتا اور کوئی مؤمن ان سے بغض نہیں رکھتا۔

حضرت علی سے ہر مؤمن محبت کرتا ہے

حضرات انصار فرماتے ہیں کہ ہم منافقین کو یوں پہچانتے تھے کہ وہ حضرت علی سے بغض رکھتے تھے، کوئی بھی ایمان والا مخلص آدمی ان سے بغض نہیں رکھتا، بلکہ ان سے دلی محبت کرتا ہے یہی بات حضرت ام سلمہ کی روایت میں بھی بیان کی گئی ہے۔

عَنِ ابْنِ بُرَيْدَةَ، عَنْ أَبِيهِ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنَّ اللّٰهَ أَمَرَنِي بِحُبِّ أَرْبَعَةٍ، وَأَخْبَرَنِي أَنَّهُ يُحِبُّهُمْ. قِيلَ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ: سَمِّهِمْ لَنَا، قَالَ: عَلِيٌّ مِنْهُمْ، يَقُولُ ذٰلِكَ ثَلَاثًا، وَأَبُو ذَرٍّ، وَالْمِقْدَادُ، وَسَلْمَانُ وَأَمَرَنِي بِحُبِّهِمْ، وَأَخْبَرَنِي أَنَّهُ يُحِبُّهُمْ. (۲)

حضرت بریدہ بن حصیب کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے مجھے چار آدمیوں سے محبت کرنے کا حکم دیا ہے، اور مجھے بتایا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان سے محبت کرتے ہیں، آپ سے عرض کیا گیا کہ آپ ہمیں ان کے نام بتا دیجئے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: علی ان میں سے ایک ہیں، آپ نے یہ بات تین بار فرمائی (تا کہ حضرت علی کی فضیلت اور اہمیت ظاہر ہو جائے) اور ابوذر غفاری، مقداد بن عمرو اور سلمان فارسی ہیں، اور اللہ تعالیٰ نے مجھے ان سے محبت کرنے کا حکم دیا ہے اور مجھے بتایا کہ اللہ تعالیٰ ان سے محبت کرتے ہیں۔

حضرت علی سمیت چار آدمیوں سے محبت کرنے کا حکم

اس حدیث میں چار صحابہ کرام حضرت علی، حضرت ابوذر غفاری، حضرت مقداد بن عمرو بن ثعلبہ کندی اور حضرت سلمان

---

(۱) مجمع الزوائد للہیثمی ۱۳۵/۳۔

(۲) سنن ابن ماجة، المقدمة، باب فضائل اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، رقم: ۱۴۹۔

فارسی رضی اللہ عنہم سے محبت کرنے کا حکم دیا گیا ہے، اللہ جل شانہ بھی ان سے محبت کرتے ہیں، اس سے ان چاروں صحابہ کی فضیلت اور اہمیت ثابت ہوتی ہے، بالخصوص حضرت علی کی فضیلت، کیونکہ آپ ﷺ حضرت علی سے متعلق: علی منهم کا جملہ تین بار دہراتے رہے تاکہ حضرت علی کا مقام تمام لوگوں کے سامنے ظاہر ہو جائے۔

عَنْ حُبْشِيِّ بْنِ جُنَادَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: عَلِيٌّ مِنِّي وَأَنَا مِنْ عَلِيٍّ، وَلَا يُؤَدِّي عَنِّي إِلَّا أَنَا أَوْ عَلِيٌّ. (۱)

حضرت حبشی بن جنادہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: علی مجھ سے ہیں اور میں علی سے ہوں، اور میری طرف سے (عہد توڑنے کے اعلان کی ذمہ داری) کوئی ادا نہیں کر سکتا مگر میں خود یا علی (ہی کر سکتے ہیں)

عہد توڑنے کے اعلان میں حضرت علی کا انتخاب

اس حدیث کے ابتدائی الفاظ: علی منی و انا من علی کی تشریح مناقب علی کی پہلی حدیث میں گزر چکی ہے، اور دوسرے جملے کا مطلب یہ ہے کہ اہل عرب میں یہ دستور تھا کہ جب دو فریقوں کے درمیان کوئی معاہدہ، صلح یا اس عہد کو توڑنا ہوتا، تو اس بارے میں بات چیت اور اعلان صرف وہ شخص کر سکتا تھا، جو اس قوم کا سردار ہوتا اور اس کی عدم موجودگی میں وہ شخص اس کی نیابت کر سکتا تھا، جو اس کا قریبی رشتہ دار اور عزیز ہوتا۔

اس حدیث کا پس منظر یہ ہے کہ فتح مکہ کے بعد سن نو ہجری میں آپ ﷺ نے حضرت ابوبکر کو حج ادا کرنے کے لیے امیر بنا کر بھیجا، حضرت ابوبکر کی روانگی کے بعد آپ ﷺ نے حضرت علی کو روانہ کیا، تاکہ وہ اس عہد کے توڑنے کا اعلان کر دیں، جو تین سال پہلے سن ۶ ہجری میں حدیبیہ کے مقام پر آپ ﷺ اور قریش مکہ کے درمیان ہوا تھا، اور سورہ براءۃ و توبہ مشرکین کے سامنے پڑھ کر انہیں بتا دیں کہ تمہارے اور ہمارے درمیان یہ معاہدہ منسوخ ہے، اور یہ کہ مشرکین ناپاک ہیں، اس کے بعد کوئی مشرک مسجد حرام میں داخل نہیں ہو سکتا، اس موقع پر نبی کریم ﷺ نے مذکورہ حدیث ارشاد فرمائی، جس کا اصل مقصد تو حضرت علی کی فضیلت اور عزت افزائی تھی اور اس حقیقت کا اظہار بھی پیش نظر تھا کہ حضرت ابوبکر صدیق، گو کہ حج کے امیر ہیں، لیکن عرب میں رائج دستور کے مطابق مشرکین کے ساتھ کیے گئے عہد کے توڑنے کے اعلان کی ذمہ داری، حضرت علی کے سپرد کی گئی ہے، اسی لیے حضرت ابوبکر نے حضرت علی سے اس وقت پوچھا، جب وہ پیچھے سے آکر ان کے قافلے میں شامل ہوئے تھے کہ تم "امیر" کی حیثیت سے آئے ہو یا مامور بن کر آئے ہو؟ حضرت علی نے واضح کیا کہ میں "امیر" کی حیثیت سے نہیں آیا بلکہ میں مامور ہوں۔

ملا علی قاری فرماتے ہیں کہ اس سے محققین نے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ اس بات میں اس طرف اشارہ تھا کہ حضرت علی کی

---

(۱) سنن ابن ماجة، رقم: ۱۱۹۔

خلافت، حضرت ابوبکر صدیق کی خلافت کے بعد قائم ہوگی۔(۱)

عَنِ ابْنِ عُمَرَ، قَالَ: آخَى رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَيْنَ أَصْحَابِهِ، فَجَاءَ عَلِيٌّ تَدْمَعُ عَيْنَاهُ، فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ: آخَيْتَ بَيْنَ أَصْحَابِكَ، وَلَمْ تُؤَاخِ بَيْنِي وَبَيْنَ أَحَدٍ، فَقَالَ لَهُ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَنْتَ أَخِي فِي الدُّنْيَا وَالآخِرَةِ.(۲)

حضرت عبداللہ بن عمر فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے صحابہ یعنی مہاجرین و انصار کے درمیان بھائی چارہ قائم کیا، تو حضرت علی (نبی کریم ﷺ کے پاس) اس طرح آئے کہ ان کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے، عرض کیا یا رسول اللہ: آپ نے اپنے صحابہ کے درمیان تو بھائی چارہ قائم کر دیا، لیکن میرے اور کسی کے درمیان بھائی چارہ قائم نہیں کیا؟ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: تم میرے بھائی ہو، دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔

حضرت علی آپ ﷺ کے بھائی ہیں

نبی کریم ﷺ جب ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لائے تو آپ نے انصار و مہاجرین کے درمیان دینی اخوت یعنی بھائی چارہ قائم کیا، جیسے حضرت ابوبکر اور خارجہ بن زبیر انصاری کے درمیان، حضرت عمر فاروق اور حضرت عتبان بن مالک انصاری کے درمیان، حضرت عثمان بن عفان اور حضرت ثابت بن منذر انصاری کے درمیان اور حضرت سلمان اور حضرت ابودرداء انصاری کے درمیان..... بھائی چارہ قائم کیا، حضرت علی کا کسی کے ساتھ آپ نے بھائی چارہ قائم نہیں کیا، انہیں اس پر بہت دکھ ہوا، روتے ہوئے حاضر خدمت ہوئے اور عرض کیا کہ آپ نے میرا بھائی چارہ کسی کے ساتھ قائم نہیں کیا؟ اس پر نبی کریم ﷺ نے فرمایا: تمہارا کسی کے ساتھ بھائی چارہ قائم کرنے کی ضرورت نہیں، کیونکہ میں تمہارا بھائی ہوں دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی، اس سے حضرت علی کی افضلیت اور بلند مقام ثابت ہوتا ہے۔(۳)

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، قَالَ: كَانَ عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ طَيْرٌ، فَقَالَ: اللَّهُمَّ ائْتِنِي بِأَحَبِّ خَلْقِكَ إِلَيْكَ يَأْكُلُ مَعِي هَذَا الطَّيْرَ، فَجَاءَ عَلِيٌّ، فَأَكَلَ مَعَهُ.(۴)

حضرت انس بن مالک فرماتے ہیں کہ (ایک دن) نبی کریم ﷺ کے پاس (بھنا ہوا یا پکا ہوا) ایک پرندہ تھا، آپ نے دعا مانگی: اے اللہ! اپنی مخلوق میں جو بہت زیادہ تجھ کو محبوب ہو، اسے میرے پاس بھیج دے، تا کہ وہ میرے ساتھ

---

(۱) مرقاۃ المفاتیح ۱۱/۲۴۸، کتاب المناقب، باب مناقب علی بن ابی طالب، حدیث نمبر: ۶۰۹۲
(۲) المستدرک للحاکم ۳/۱۴۔
(۳) مرقاۃ المفاتیح ۱۱/۲۴۹، کتاب المناقب باب مناقب علی، رقم الحدیث: ۶۰۹۳
(۴) مجمع الزوائد للهیثمی ۹/۱۲۵۔

یہ پرندہ کھائے، اتنے میں حضرت علی آئے، اور انہوں نے نبی کریم ﷺ کے ساتھ (وہ پرندہ) کھایا۔

حضرت علی اللہ کے محبوب بندوں میں سے ہیں

نبی کریم ﷺ کے پاس بھنا ہوا یا پکا ہوا ایک پرندہ تھا، جو آپ کو ہدیہ میں دیا گیا تھا، اسے کھانے سے پہلے آپ نے یہ دعا کی: یا اللہ میرے ساتھ کھانے کے لیے ایسا کوئی بندہ بھیج دیجیے، جو تمام مخلوق سے زیادہ آپ کو پسند اور محبوب ہو، اتنے میں حضرت علی آئے، انہوں نے آپ کے ساتھ وہ پرندہ تناول کیا۔

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اس حدیث سے حضرت علی کی ایک طرح فضیلت ثابت ہوتی ہے، اور یہ کہ وہ اللہ جل جلالہ کے محبوب بندے ہیں لیکن اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر فاروق اور حضرت عثمان سے ہر اعتبار سے افضل ہیں، اس لیے شیعہ حضرات کا اس حدیث سے استدلال کر کے یہ کہنا کہ حضور ﷺ کے بعد خلافت کا استحقاق صرف حضرت علی کے لیے تھا، درست نہیں۔

شارحین حدیث نے بأحب خلقک الیک کے دو مطلب بیان کیے ہیں:

۱۔　اس جملے: بأحب خلقک الیه (اپنی مخلوق میں سے جو بہت زیادہ تجھ کو محبوب ہو) سے عموم مراد نہیں، کیونکہ اگر اس سے بالکل ہی عموم مراد لیا جائے تو پھر مطلب یہ ہوگا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ، نبی کریم ﷺ سے بھی زیادہ اللہ کے ہاں محبوب ہیں، حالانکہ یہ معنی شیعہ سمیت کسی کے ہاں بھی صحیح نہیں۔

اس لیے اس کا درست مفہوم یہ ہے: ائتنی بمن هو احب من خلقک یعنی آپ میرے پاس ایسا کوئی بندہ بھیج دیجیے، جو آپ کے محبوب بندوں میں سے ہو، چنانچہ عرف میں جب اس طرح کا جملہ بولا جائے، تو اس سے اسی طرح کے معنی مراد ہوتے ہیں مثلاً یوں کہا جاتا ہے: فلان أعقل الناس: فلاں شخص لوگوں میں سب سے بڑا عقل مند ہے، یعنی یہ بھی عقل مندوں میں سے ایک عقل مند ہے، یا فلان افضل الناس: یعنی من افضل الناس یعنی فلاں بھی اہل فضل میں سے ایک ہے، اسی طرح حدیث میں یہ جملہ بھی بطور عربی عرف اور محاورے کے استعمال ہوا ہے، جس کے معنی یہ ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی اللہ کے محبوب بندوں میں سے ایک محبوب بندے ہیں، اس مفہوم کو ملا علی قاری نے اختیار کیا ہے۔

۲۔　اس جملے یعنی بأحب خلقک الیک کا مطلب یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ کے قریبی رشتہ داروں چچازاد اور کزنوں میں سے اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب، حضرت علی رضی اللہ عنہ ہیں۔

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ اس حدیث کا وہ مطلب مراد نہیں، جو شیعہ حضرات اس سے سمجھ رہے ہیں، وہ مفہوم اجماع کے خلاف ہے، اس لیے اس حدیث سے حضرت علی کا پہلا خلیفہ ہونا ثابت نہیں ہوتا، ہاں اس سے حضرت علی کی ایک جزوی فضیلت

ضرور ثابت ہوتی ہے، جس کے صحابہ کرام اور تمام مسلمان قائل ہیں۔(۱)

حدیث "طیر" کی اسنادی حیثیت

امام ابن جوزی نے اپنی کتاب "الموضوعات" میں اس حدیث کو موضوع اور من گھڑت روایات میں شمار کیا ہے، لیکن امام حاکم نے اس روایت کو مستدرک میں ذکر کر کے کہا ہے کہ یہ روایت صحیح ہے، مگر ضعیف ہے اگرچہ اس کے متعدد طرق ہیں۔(۲)

عَنْ عَلِيٍّ قَالَ: كُنْتُ إِذَا سَأَلْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَعْطَانِي، وَإِذَا سَكَتُّ ابْتَدَأَنِي.(۳)

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ سے جب کچھ مانگتا تو آپ مجھے عطا فرما دیتے اور جب میں خاموش رہتا (یعنی نہ مانگتا) تو آپ ہی مجھے دینے میں ابتدا فرما دیتے (یعنی آپ خود ہی مجھے عنایت فرما دیتے)۔

حضرت علی سے عطاء و بخشش کا خصوصی معاملہ

اس حدیث میں حضرت علی کی ایک خاص فضیلت اور شرف کا ذکر ہے کہ جب وہ آپ ﷺ سے کچھ مانگتے، تو آپ اس کے مطابق انہیں عطا فرما دیتے، اور اگر حضرت علی کسی وجہ سے آپ سے سوال نہ کرتے، تو آپ خود ہی عطا فرما دیتے تھے، اس سے حضرت علی کے ساتھ نبی کریم ﷺ کا ایک خاص تعلق، شفقت اور محبت و پیار ثابت ہوتا ہے۔(۴)

عَنْ عَلِيٍّ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَنَا دَارُ الْحِكْمَةِ، وَعَلِيٌّ بَابُهَا.(۵)

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: میں حکمت و دانائی کا گھر ہوں اور علی اس گھر کے دروازہ ہیں۔

حضرت علی علم و حکمت کا دروازہ ہیں

اس حدیث میں نبی کریم ﷺ نے خاص طور پر حضرت علی کا علمی مقام اور فضیلت کا ذکر فرمایا ہے کہ میں علم و حکمت کا گھر اور منبع و مرکز ہوں، اور علی اس کا دروازہ ہیں، چنانچہ حضرت علی ان بعض صحابہ میں سے ہیں، جن کو دیگر تمام صحابہ پر علم و فضل کے اعتبار سے برتری اور فوقیت حاصل ہے۔

---

(۱) مرقاۃ المفاتیح ۲۴۹/۱۱، رقم الحدیث: ۶۰۹۴۔
(۲) تحفۃ الاحوذی ۲۱۰/۱۰، مرقاۃ المفاتیح ۲۴۹/۱۱، رقم: ۶۰۹۴۔
(۳) المستدرک للحاکم ۱۲۵/۳۔
(۴) مرقاۃ المفاتیح ۲۵۰/۱۱، رقم الحدیث: ۶۰۹۵۔
(۵) تنزیہ الشریعۃ لابن العراق ۳۷۷/۱، رقم: ۱۰۳۔

لیکن اس روایت کے یہ معنی نہیں کہ حضرت علی کے علاوہ اور کسی کو علمی مقام حاصل نہیں، ایک اور حدیث میں آپ ﷺ نے فرمایا: میرے صحابہ ستاروں کی مانند ہیں، تم ان میں سے جس کی بھی پیروی کرو گے تو ہدایت پا جاؤ گے، یہی وجہ ہے کہ حضرات تابعین نے دینی علوم: قرأت، تجوید، تفسیر و حدیث اور فقہ وغیرہ صرف حضرت علی سے ہی حاصل نہیں کیے، بلکہ ان لوگوں نے حضرت علی سمیت دیگر صحابہ سے بھی یہ علوم حاصل کیے ہیں، اس لیے "علم وحکمت کے دروازے" کو صرف حضرت علی کے ساتھ ہی خاص نہ کیا جائے، دیگر بہت سے صحابہ کو بھی یہ شرف حاصل ہے کہ انہوں نے بھی علوم نبوت کے قندیل اور چراغ اطراف عالم میں روشن کیے ہیں۔

ہاں اگر یوں کہا جائے کہ قضاء و عدالت اور نزاعات کے فیصلوں میں حضرت علی کو ایک مخصوص مقام حاصل تھا، اور اس میں وہ دوسرے تمام صحابہ پر فضیلت و برتری رکھتے تھے تو یہ بے جا نہ ہوگا، نبی کریم ﷺ نے بعض صحابہ کی خصوصی صلاحیت اور خاص ایک فن میں مہارت کو بیان فرمایا ہے، حضرت علی کے بارے میں فرمایا: اقضاکم حضرت علی تم میں سب سے بڑے قاضی ہیں، حضرت ابی کے بارے میں فرمایا: أقرأکم حضرت ابی تم میں سب سے بڑے قاری ہیں، حضرت زید بن ثابت کے بارے میں فرمایا: افرضکم وہ فرائض کو تم میں سب سے زیادہ جاننے والے ہیں، اور حضرت معاذ بن جبل کے بارے میں فرمایا: أعلمکم بالحلال والحرام، وہ حلال وحرام کے مسائل میں تم میں سب سے بڑے عالم ہیں۔

علامہ طیبی فرماتے ہیں کہ اس حدیث کی روشنی میں شیعہ حضرات یہ کہتے ہیں کہ علی: علم وحکمت کا دروازہ ہیں، اور حضور ﷺ علم وحکمت کا گھر اور سرچشمہ ہیں، اور یہ ظاہر ہے کہ گھر میں انسان دروازے کے بغیر داخل نہیں ہوسکتا، لہذا اس حدیث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ علم حاصل کرنے کا ذریعہ اور واسطہ صرف حضرت علی ہی ہیں، ان کے علاوہ اور کسی صحابی کو یہ اعزاز اور شرف حاصل نہیں، لیکن شیعہ کی یہ بات درست نہیں، کیونکہ ایک گھر کے کئی دروازے ہوسکتے ہیں، جس طرح جنت کے آٹھ دروازے ہیں، ایسے ہی علم وحکمت کے بھی بہت سے دروازے ہوسکتے ہیں، ہاں اگر حدیث میں صرف ایک ہی دروازے کا ذکر کیا گیا ہے، اس سے بہر حال حضرت علی کی فضیلت ضرور ثابت ہوتی ہے۔(۱)

عَنْ عَامِرِ بْنِ سَعْدِ بْنِ أَبِي وَقَّاصٍ، عَنْ أَبِيهِ، قَالَ: أَمَّرَ مُعَاوِيَةُ بْنُ أَبِي سُفْيَانَ سَعْدًا، فَقَالَ: مَا يَمْنَعُكَ أَنْ تَسُبَّ أَبَا تُرَابٍ، قَالَ: أَمَّا مَا ذَكَرْتُ ثَلَاثًا، قَالَهُنَّ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَنْ أَسُبَّهُ، لَأَنْ تَكُونَ لِي وَاحِدَةٌ مِنْهُنَّ أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْ حُمْرِ النَّعَمِ. سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ لِعَلِيٍّ وَخَلَّفَهُ فِي بَعْضِ مَغَازِيهِ، فَقَالَ لَهُ عَلِيٌّ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ: تُخَلِّفُنِي مَعَ النِّسَاءِ وَالصِّبْيَانِ؟ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَمَا تَرْضَى أَنْ تَكُونَ مِنِّي بِمَنْزِلَةِ هَارُونَ مِنْ مُوسَى، إِلَّا أَنَّهُ لَا نُبُوَّةَ بَعْدِي، وَسَمِعْتُهُ يَقُولُ يَوْمَ خَيْبَرَ: لَأُعْطِيَنَّ الرَّايَةَ رَجُلًا، يُحِبُّ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ، وَيُحِبُّهُ اللّٰهُ وَرَسُولُهُ. قَالَ: فَتَطَاوَلْنَا لَهَا، فَقَالَ: ادْعُوا لِي عَلِيًّا، فَأَتَاهُ وَبِهِ

---

(۱) مرقاۃ المفاتیح ۱۱/۲۵۲، کتاب المناقب، باب مناقب علی ابن ابی طالب، رقم الحدیث: ۶۰۹۶

رمد، فبصق في عينيه، فدفع الراية إليه، ففتح الله عليه، وأنزلت هذه الآية {فقل تعالوا ندع أبناءنا وأبناءكم} [آل عمران: 61] الآية، دعا رسول الله صلى الله عليه وسلم عليا وفاطمة وحسنا وحسينا فقال: اللهم هؤلاء أهلي.(۱)

حضرت سعد بن ابی وقاص فرماتے ہیں کہ حضرت معاویہ نے انہیں حکم دیا (یعنی پوچھا) فرمایا کہ: آپ کو ابوتراب یعنی حضرت علی کو خطا کار ٹھہرانے سے کیا چیز روکتی ہے؟ حضرت سعد نے جواب میں فرمایا: مجھے وہ تین باتیں یاد ہیں، جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی کی فضیلت میں ارشاد فرمائی ہیں (یہ مانع ہیں) اس لیے میں ہرگز حضرت علی کو خطا کار نہیں کہہ سکتا، ان تین باتوں میں سے کوئی ایک بھی میرے لیے ہو، تو یہ مجھے سرخ اونٹوں سے زیادہ محبوب ہے:

(پہلی بات) میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو علی سے فرماتے ہوئے سنا، جبکہ آپ نے ان کو ایک جنگ (یعنی غزوہ تبوک) میں جاتے ہوئے مدینہ میں اپنا جانشین مقرر کیا تھا، (اس موقع پر) حضرت علی نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا: یا رسول اللہ: آپ مجھے عورتوں اور بچوں کے ساتھ پیچھے چھوڑ کر جا رہے ہیں (کیا میں اس جنگ میں شریک نہیں ہو سکتا؟) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: کیا تم اس بات سے خوش نہیں کہ تمہیں میرے ہاں وہ مقام حاصل ہے، جو حضرت ہارون کو حضرت موسیٰ کے ہاں حاصل تھا مگر یہ کہ (ہارون نبی تھے اور) میرے بعد نبوت ختم ہو چکی ہے۔

(دوسری بات) اور میں نے آپ کو جنگ خیبر کے موقع پر فرماتے ہوئے سنا: (آج) میں ایک ایسے شخص کے ہاتھ میں ضرور جھنڈا دوں گا، جو اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرتا ہے، اور اللہ اور اس کے رسول بھی اس سے محبت کرتے ہیں، حضرت سعد فرماتے ہیں کہ ہم میں سے ہر شخص نے جھنڈے کے (حصول کے) لیے اپنے آپ کو لمبا کیا (یعنی اپنے قد کو اونچا کیا، تا کہ آپ ہمیں دیکھ لیں، ہو سکتا ہے کہ یہ فضیلت ہمیں حاصل ہو جائے) اتنے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: علی کو میرے پاس بلاؤ، چنانچہ وہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے مگر ان کی آنکھیں دکھ رہی تھیں، آپ نے ان کی آنکھ میں تھوکا (یعنی لعاب مبارک ان کی آنکھوں میں ڈالا) اور انہیں جھنڈا دے دیا پھر اللہ جل جلالہ نے ان کے ہاتھ پر فتح عطا فرمائی۔

(تیسری بات) جب یہ آیت نازل ہوئی: ندع أبناء نا و أبناء كم .... (آل عمران آیت: ۶۱) (یعنی آیت مباہلہ نازل ہوئی) تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی، فاطمہ، حسن اور حسین کو بلایا اور عرض کیا: اے اللہ یہ میرے گھر والے ہیں۔

مشکل الفاظ کے معنی: ما ذكرت ثلاثا: (صیغہ متکلم) مجھے وہ تین باتیں یاد ہیں، یہ جملہ مبتدا ہے، اس کی خبر محذوف ہے وہ یہ ہے: مانع عن سبه یعنی یہ تین باتیں حضرت علی کو خطا کار ٹھہرانے سے مانع ہیں، حمر النعم: (حاء پر پیش اور میم ساکن) احمر اور

(۱) الصحيح لمسلم، فضائل الصحابة، باب من فضائل علي، رقم: ۲۴۰۴۔

حمراء کی جمع ہے: سرخ رنگ، اور نعم (نون اور عین پر زبر) اونٹ، پورا ترجمہ یہ ہے: سرخ اونٹ، اہل عرب کے ہاں سرخ اونٹ بہت قیمتی اور عمدہ مال سمجھے جاتے ہیں اس لیے اس سے نفیس اور عمدہ مال مراد ہوتا ہے، و خلفه: اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی کو اپنے پیچھے چھوڑا، انہیں اپنا نائب، جانشین اور خلیفہ بنایا، في بعض مغازيه: ایک جنگ میں، اس سے غزوہ تبوک مراد ہے، تخلفني: آپ مجھے پیچھے چھوڑ کر جارہے ہیں، لأعطين الراية: میں ضرور جھنڈا دوں گا، فطاولنا لها: ہم نے اس جھنڈے کے حصول کے لیے اپنے آپ کو اونچا اور لمبا کیا، تاکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں دیکھ لیں، اور شاید کہ یہ اعزاز ہمیں حاصل ہوجائے، رمد: (را اور میم پر زبر) آشوب چشم، ان کی آنکھیں دکھی ہوئی اور خراب تھیں، فبصق في عينه: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا لعاب مبارک حضرت علی کی آنکھ میں ڈالا، تھوکا، فدفع الراية اليه: چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جھنڈا حضرت علی کو دیا۔

حضرت معاویہ پر حضرت علی کو برا بھلا کہنے کا الزام

ترمذی کی مذکورہ روایت کے شروع میں جو یہ الفاظ ہیں: أمر معاوية سعداً فقال: ما منعک أن تسب أبا تراب؟ اس سے مولانا مودودی نے اپنی کتاب ''خلافت وملوکیت'' میں اور بعض دوسرے لوگوں نے استدلال کر کے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ حضرت علی رضی اللہ عنہ پر کھلے عام سب وشتم اور برا بھلا کہا کرتے تھے، لیکن مولانا مودودی وغیرہ کا حضرت معاویہ پر یہ الزام درست نہیں ہے، اس کے لیے دو باتیں پیش نظر رہیں:

۱۔ واقعہ یہ ہے کہ حضرت علی اور حضرت معاویہ میں نقطۂ نظر کے اعتبار سے شدید اختلاف تھا، حضرت علی رضی اللہ عنہ کا کہنا یہ تھا کہ حضرت معاویہ اور اہل شام میرے ہاتھ پر اولا بیعت کریں اور پھر باہمی مشورے سے حضرت عثمان کے قصاص کا فیصلہ کیا جائے گا، بیعت نہ کرنے کی وجہ سے حضرت علی، حضرت معاویہ کو بغاوت کا مرتکب سمجھتے تھے، اور وہ اس چیز کا اظہار بھی کرتے تھے، دوسری طرف حضرت معاویہ، یہ سمجھتے تھے کہ حضرت علی قاتلین عثمان سے قصاص لینے میں مداہنت برت رہے ہیں، اس لیے وہ غلطی پر ہیں، انہیں پہلے قصاص لینا چاہیے، حضرت عثمان کے قاتلین ان کے لشکر میں موجود ہیں، اگر حضرت علی ان سے قصاص لینے پر قادر نہیں، تو انہیں ہمارے حوالہ کریں، دونوں طرف نجی مجلسوں میں اس چیز کا اظہار بھی ہوتا رہتا تھا، یہ اختلاف جب شدت اختیار کر گیا، تو اسی کے نتیجہ میں جنگ صفین کا المناک واقعہ پیش آیا۔(۱)

۲۔ ترمذی کی مذکورہ روایت میں جو لفظ ''سب'' استعمال ہوا ہے، اس سے سب وشتم اور گالی گلوچ کے معنی مراد نہیں، بلکہ قرون اولی میں یہ لفظ کسی شخص کی غلط روش پر اعتراض کرنے، اسے اس کی کسی غلطی پر ٹوکنے، خطا کار ٹھہرانے، اور غلطی پر سخت سست کہنے کے معنی میں استعمال ہوتا تھا، چنانچہ کلام عرب میں اس کی بہت سی نظیریں ملتی ہیں، مثلاً:

---

(۱) حضرت معاویہ اور تاریخی حقائق (ص:۱۹۱) ط: ادارۃ المعارف کراچی، سیرت علی المرتضی مولانا نافع (ص:۳۰۴) ط: دار الکتاب لاہور

صحیح مسلم کی ایک حدیث میں ہے کہ تبوک کے سفر میں نبی کریم ﷺ نے اپنے صحابہ کو یہی ہدایت فرمائی تھی کہ کل جب تم لوگ تبوک کے چشمے پر پہنچو، تو تم میں سے کوئی شخص اس کے پانی کو میرے پہنچنے سے پہلے نہ چھوئے، اتفاق سے دو صاحبان قافلے سے آگے نکل کر چشمے پر پہلے پہنچ گئے، اور انہوں نے پانی پی لیا، راوی کہتے ہیں کہ جب نبی کریم ﷺ کو اس کی اطلاع ہوئی تو :فسبهما النبی صلی الله علیه و سلم ان دونوں کو آپ ﷺ نے ''سب'' فرمایا، یہاں لفظ ''سب'' گالی گلوچ کے معنی میں نہیں بلکہ اس حدیث میں یہ لفظ ''غلطی پر ٹوکنے اور خطا کار ٹھہرانے کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔

اسی طرح ترمذی کی روایت کا مطلب یہ ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ حضرت سعد سے یہ پوچھ رہے ہیں کہ کیا وجہ ہے کہ آپ حضرت علی کو ''سب'' نہیں کر رہے یعنی ان کو خطا کار کیوں نہیں ٹھہرا رہے، تم ان کی غلطی کا اظہار کیوں نہیں کر رہے، اصل واقعہ یہ ہوا تھا کہ حضرت سعد ایک ایسی مجلس میں تھے، جس میں لوگ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو غلط اور خطا کار کہہ رہے تھے، مگر حضرت سعد خاموش بیٹھے تھے، اس بحث میں حصہ نہیں لے رہے تھے، حضرت معاویہ نے انہیں خاموش بیٹھا دیکھ کر پوچھا کہ آپ کس وجہ سے خاموش ہیں، حضرت علی کو غلط کیوں نہیں کہہ رہے، اس بات کے جواب میں حضرت سعد نے فرمایا کہ مجھے حضرت علی کی وہ تین خصوصیات یاد ہیں، جنہیں میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے، اس لیے میں انہیں خطا کار نہیں ٹھہرا سکتا۔(۱)

اس تفصیل سے معلوم ہو گیا کہ اس حدیث میں لفظ ''سب'' گالی گلوچ کے معنی میں نہیں ہے، اور ایسا نہیں ہوسکتا کہ حضرت معاویہ جیسا جلیل القدر صحابی، حضرت علی رضی اللہ عنہ جیسے عظیم صحابی کو اختلاف رائے کی وجہ سے سب وشتم اور گالی گلوچ کریں، وہ تو صحابہ ہیں امت کے فقہاء کے درمیان بھی بلکہ استاذ اور شاگرد کے درمیان بھی کسی مسئلہ میں اختلاف رائے ہو جاتا ہے، لیکن یہ اختلاف دلائل کی روشنی میں ہوتا ہے، کوئی کسی کی ذاتیات پر حملہ نہیں کرتا، اس لیے ایسا نہیں ہوسکتا کہ حضرت معاویہ، حضرت علی کو اپنی مجلسوں میں گالی گلوچ دیتے ہوں، ہاں اختلاف رائے کا ضرور ذکر کرتے تھے۔

اس اختلاف کے باوجود حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ حضرت علی کا بہت ادب اور احترام کرتے تھے، اس پر چند دلائل:

۱۔ حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں کہ ''جب حضرت معاویہ کو حضرت علی کے قتل ہونے کی خبر ملی، تو وہ رونے لگے، ان کی اہلیہ نے ان سے کہا کہ آپ ان پر اب رو رہے ہیں، حالانکہ زندگی میں ان سے لڑ چکے ہیں؟ حضرت معاویہ نے فرمایا کہ تمہیں پتہ نہیں کہ آج لوگ کتنے علم وفضل اور فقہ سے محروم ہو گئے۔''(۲) یہاں حضرت معاویہ کی اہلیہ نے یہ اعتراض تو کیا کہ آپ ان پر کیوں روتے ہیں، جبکہ زندگی میں ان سے لڑتے رہے لیکن یہ نہیں کہا کہ زندگی میں تو آپ ان پر سب وشتم کیا کرتے تھے، اب ان پر کیوں روتے ہیں؟

۲۔ امام احمد فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت بسر بن ارطاۃ رضی اللہ عنہ نے حضرت معاویہ اور حضرت زید بن عمر بن خطاب

---

(۱) تکملۃ فتح الملہم ۵/۱۰۳، کتاب فضائل الصحابۃ، باب من فضائل علی بن ابی طالب، حدیث:۶۱۷۶، حضرت معاویہ اور تاریخی حقائق (ص:۱۰۱)

(۲) البدایۃ والنہایۃ ۸/۱۳

کی موجودگی میں حضرت علی کو کچھ برا بھلا کہا، حضرت معاویہ نے اس پر انہیں ڈانٹتے ہوئے فرمایا: تشتم علیا و ھو جدہ۔ تم علی کو برا بھلا کہہ رہے ہو، حالانکہ وہ ان کے دادا ہیں۔(۱)

۳۔ علامہ ابن الاثیر جزری نے حضرت معاویہ کا جو آخری خطبہ نقل کیا ہے، اس میں انہوں نے یہ بھی فرمایا:

''میرے بعد تمہارے پاس جو (خلیفہ) بھی آئے گا، میں اس سے بہتر ہوں گا، جس طرح مجھ سے پہلے جتنے (خلفاء) تھے، وہ مجھ سے بہتر تھے۔''(۲)

۴۔ علامہ ابن عبدالبر نے نقل کیا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت معاویہ نے بڑے اصرار کے ساتھ ضرار صدائی سے کہا کہ ''میرے سامنے علی کے اوصاف بیان کرو'' ضرار صدائی نے بڑے بلیغ الفاظ میں حضرت علی کی غیر معمولی تعریفیں کیں، حضرت معاویہ سنتے رہے اور آخر میں رو پڑے، پھر فرمایا: ''رحم اللہ ابا حسن، کان واللہ کذلک'' اللہ ابوالحسن یعنی حضرت علی پر رحم کرے، خدا کی قسم وہ ایسے ہی تھے۔

۵۔ نیز حافظ ابن عبدالبر لکھتے ہیں کہ حضرت معاویہ مختلف فقہی مسائل میں حضرت علی سے خط و کتابت کے ذریعہ معلومات حاصل کیا کرتے تھے، چنانچہ جب ان کی وفات کی خبر پہنچی تو حضرت معاویہ نے فرمایا کہ: ذھب الفقہ والعلم بموت ابن ابی طالب۔(۳) ابن ابی طالب کی موت سے فقہ اور علم رخصت ہو گئے۔

اگر حضرت سعد کی مذکورہ روایت کو ان فضیلت والی تمام روایات کے ساتھ ملا کر دیکھا جائے اور ساتھ میں حضرت معاویہ کے مقام صحابیت، ان کے علم و فضل، ان کی شرافت و نجابت اور ان کے حلم و تدبر کو سامنے رکھا جائے تو کسی بھی صاحب انصاف کو اس بات میں شک نہیں رہ سکتا کہ صحیح مسلم کی روایت کی طرح، ترمذی کی زیر بحث حضرت سعد کی روایت میں بھی لفظ ''سبّ'' گالی گلوچ کے معنیٰ میں نہیں ہے، بلکہ غلطی پر ٹوکنے، اور خطا کار ٹھہرانے کے معنیٰ میں استعمال ہوا ہے، اس لیے اس حدیث کی بنیاد پر مولانا مودودی اور دوسرے بعض لوگوں نے، جو حضرت معاویہ پر حضرت علی کو برا بھلا کہنے کا الزام عائد کیا ہے، یہ کسی بھی لحاظ سے درست نہیں ہے۔(۴)

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی تین خصوصیات

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی تین خصوصیات کو ذکر فرمایا ہے، جو اور کسی کو حاصل نہیں:

---

(۱) تاریخ الطبری ۲۲۸/۴، الکامل لابن اثیر ۵/۴

(۲) الکامل لابن اثیر ۲/۴

(۳) الاستیعاب لابن عبدالبر ۴۳/۳، ۴۵

(۴) تکملۃ فتح الملہم ۱۰۴/۵۔ کتاب فضائل الصحابۃ، باب من فضائل علی بن ابی طالب، حضرت معاویہ اور تاریخی حقائق۔ (ص:۱۹۳)

۱۔ غزوہ تبوک کے موقع پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی کو مدینہ میں اپنا نائب بنایا، تاکہ وہ خواتین اور بچوں کی دیکھ بھال کر سکیں، حضرت علی کی خواہش ساتھ جانے کی تھی، اور کچھ منافقین ان کو طعنہ بھی دیتے تھے، کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر میں تمہاری کوئی وقعت نہیں اس لیے وہ تمہیں پیچھے چھوڑ کر جارہے ہیں، اس لیے حضرت علی نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بات کی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ منافقین جھوٹ بول رہے ہیں، تم تو میرے بہت قریب ہو، حسب ونسب اور رشتہ داری کے اعتبار سے بھی اور دین کی راہ میں قربانیوں کی وجہ سے بھی، جیسے حضرت ہارون کو حضرت موسیٰ کا قرب حاصل تھا، حضرت موسیٰ جب کوہ طور پر اللہ سے راز و نیاز اور مناجات کے لیے گئے تو حضرت ہارون کو پیچھے اپنا نائب اور خلیفہ بنا کر گئے، میں بھی تمہیں اپنا نائب بنا کر غزوہ تبوک کے لیے جارہا ہوں، ہاں یہ بات ہے کہ وہ اللہ کے نبی تھے اور تم نبی نہیں بن سکتے کیونکہ میرے بعد نبوت کا سلسلہ ختم ہو چکا ہے۔

شیعہ نے اس سے جو حضرت علی کی خلافت پر استدلال کیا ہے، اس کی تفصیل پہلے گزر چکی ہے۔

۲۔ غزوہ خیبر کے دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے فرمایا کہ میں صبح ایک ایسے آدمی کے ہاتھ میں جھنڈا دوں گا، جو اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرتا ہے اور اللہ اور اس کے رسول بھی اس سے محبت کرتے ہیں، یہ بات سن کر ہر صحابی اللہ سے دعا کر رہا تھا، اپنا قد بلند کر کے اپنے آپ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کر رہا تھا تاکہ آپ مجھے دیکھ لیں، شاید کہ یہ اعزاز مجھے حاصل ہو جائے، اتنے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی کو بلایا اور وہ جھنڈا ان کے ہاتھ میں دے دیا، اور ان کی آنکھ میں جو خرابی تھی، اپنا لعاب مبارک اس میں ڈالا، جس سے وہ ٹھیک ہو گئی، پھر اللہ تعالیٰ نے ان کے ہاتھ پر فتح عطا فرمائی۔

۳۔ جب آیت مباہلہ نازل ہوئی، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے علی، فاطمہ، حسن اور حسین کو بلایا اور عرض کیا کہ اے اللہ: یہ میرے اہل خانہ ہیں۔

اس آیت سے متعلق مزید تفصیل معارف ترمذی جلد سوم، باب و من سورۃ آل عمران، اس عنوان کے تحت ہے: ”نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے نصاریٰ نجران کو مباہلے کی دعوت۔“

حضرت سعد نے حضرت معاویہ سے فرمایا کہ یہ تین اعزاز حضرت علی کو حاصل ہیں، اس لیے میں ان کی اجتہادی غلطی کا اظہار نہیں کر سکتا، ان میں سے اگر ایک اعزاز بھی مجھے حاصل ہو جاتا، تو یہ میرے لیے سرخ اونٹوں سے بہتر ہوتا یعنی پوری دنیا سے زیادہ محبوب ہوتا۔

عَنِ الْبَرَاءِ، قَالَ: بَعَثَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَيْشَيْنِ وَأَمَّرَ عَلَى أَحَدِهِمَا عَلِيَّ بْنَ أَبِي طَالِبٍ وَعَلَى الآخَرِ خَالِدَ بْنَ الْوَلِيدِ وَقَالَ: إِذَا كَانَ الْقِتَالُ فَعَلِيٌّ قَالَ: فَافْتَتَحَ عَلِيٌّ حِصْنًا فَأَخَذَ مِنْهُ جَارِيَةً، فَكَتَبَ مَعِي خَالِدٌ كِتَابًا إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَشِي بِهِ. قَالَ: فَقَدِمْتُ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَرَأَ الْكِتَابَ، فَتَغَيَّرَ لَوْنُهُ، ثُمَّ قَالَ: مَا تَرَى فِي رَجُلٍ يُحِبُّ اللهَ وَرَسُولَهُ، وَيُحِبُّهُ اللهُ وَرَسُولُهُ؟ قَالَ: قُلْتُ: أَعُوذُ

بِاللّٰہِ مِنْ غَضَبِ اللّٰہِ، وَمِنْ غَضَبِ رَسُولِہِ، وَإِنَّمَا أَنَا رَسُولٌ، فَسَکَتَ.(۱)

حضرت براء بن عازب فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے دولشکر ایک ساتھ روانہ فرمائے، ان میں سے ایک کا امیر حضرت علی کو اور دوسرے کا امیر حضرت خالد بن ولید کو مقرر فرمایا، اور فرمایا: جب جنگ ہو، تو سب کے امیر علی ہوں گے، چنانچہ حضرت علی نے ایک قلعہ فتح کیا، اور اس قلعہ یعنی اس کے مال غنیمت سے ایک باندی لے لی (یہ بات حضرت خالد بن ولید کو ناگوار گذری) اس پر خالد نے ایک خط تحریر کر کے میرے ہاتھ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں بھیجا، جس میں انہوں نے حضرت علی کی شکایت کی، حضرت براء کہتے ہیں: میں نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، جب وہ خط آپ نے پڑھا، تو آپ کے چہرے کا رنگ تبدیل ہو گیا، پھر فرمایا: تمہارا اس شخص کے بارے میں کیا خیال ہے (یعنی تم اس سے کیا چاہتے ہو) جو اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرتا ہے، اور جس سے اللہ اور اس کے رسول محبت کرتے ہیں، حضرت براء کہتے ہیں: میں نے عرض کیا: میں اللہ اور اس کے رسول کے غصے (اور ناراضگی) سے اللہ کی پناہ مانگتا ہوں، میں تو صرف قاصد ہوں، پھر آپ ﷺ خاموش ہو گئے۔

مشکل الفاظ کے معنی: أمر: (ہمزے پر زبر اور میم پر تشدید اور زبر، یہ لفظ تامیر سے ہے) آپ ﷺ نے امیر مقرر فرمایا، اذا کان القتال فعلی: جب لڑائی چھڑ جائے، تو سب کے امیر حضرت علی ہوں گے، یشی بہ: حضرت خالد نے حضرت علی کی آپ ﷺ کو شکایت کی، حضرت خالد نے چغلی لگائی، ماتری فی رجل: تمہارا کیا خیال ہے، اس شخص کے بارے میں یعنی اس شخص سے تم لوگ کیا چاہتے ہو۔

حضرت علی جنگی امور میں حضرت خالد بن ولید سے زیادہ ماہر تھے

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ حرب وضرب اور جنگی امور میں حضرت خالد بن ولید سے بھی زیادہ ماہر تھے، اسی وجہ سے آپ نے فرمایا کہ اگر جنگ سے دوچار ہو جاؤ تو پھر دونوں لشکروں کے عمومی امیر اور سپہ سالار حضرت علی ہوں گے، اس حدیث سے درج ذیل امور ثابت ہوتے ہیں:

۞ حضرت علی جنگی امور میں بہت ماہر، تجربہ کار اور مدبر تھے نیز اللہ جل جلالہ اور نبی کریم ﷺ کے محبوب تھے۔

۞ اگر کسی ساتھی کی کوئی بات بری لگے تو اصلاح کا ایک طریقہ یہ ہے کہ اس کی شکایت بڑے ذمہ دار اور امیر سے کی جائے، جیسا کہ حضرت علی کی باندی کی بات حضرت خالد کو بری لگی تو انہوں نے خط کے ذریعہ آپ ﷺ کو بتایا۔

۞ مال غنیمت سے حضرت علی کے لیے وہ باندی لینا جائز تھا، کیونکہ وہ ذوی القربی میں داخل ہیں، ان کے لیے خمس میں سے لینا جائز تھا، لیکن چونکہ یہ بات حضرت خالد اور دوسرے بعض صحابہ کے ذہن میں نہیں تھی، اس لیے انہیں حضرت علی کا یہ عمل خلاف

(۱) سنن الترمذی، کتاب الجهاد، باب ماجاء من یستعمل علی الحرب، رقم: ۱۷۰۴

شرع محسوس ہوا، اس کی مزید تفصیل مناقب علی کی پہلی حدیث میں گذر چکی ہے۔(۱)

عَنْ جَابِرٍ، قَالَ: دَعَا رَسُولُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَلِیًّا یَوْمَ الطَّائِفِ فَانْتَجَاہُ، فَقَالَ النَّاسُ: لَقَدْ طَالَ نَجْوَاہُ مَعَ ابْنِ عَمِّہِ، فَقَالَ رَسُولُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: مَا انْتَجَیْتُہُ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ انْتَجَاہُ.(۲)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ غزوہ طائف کے دن رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی کو بلایا، اور ان سے (کافی دیر) سرگوشی کی، تو لوگوں نے کہا: رسول اللہ ﷺ کی سرگوشی اپنے چچازاد بھائی کے ساتھ بڑی لمبی ہوگئی (یعنی کافی دیر سے آپ حضرت علی کے ساتھ سرگوشی کررہے ہیں) نبی کریم ﷺ نے (یہ سنا تو) فرمایا: میں نے علی سے سرگوشی نہیں کی، بلکہ اللہ نے ان سے سرگوشی کی ہے (یعنی اللہ جل جلالہ نے مجھے یہ حکم دیا ہے کہ میں ان سے سرگوشی کروں)۔

مشکل الفاظ کے معنیٰ: انتجاہ: آپ ﷺ نے حضرت علی سے سرگوشی کی، طال نجواہ: آپ کی سرگوشی لمبی ہوگئی، لکن اللہ انتجاہ: بلکہ اللہ جل جلالہ نے علی سے سرگوشی کی یعنی اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں علی سے سرگوشی کروں۔

غزوہ طائف کے موقع پر حضرت علی سے ایک طویل سرگوشی

غزوہ طائف کے دن نبی کریم ﷺ نے جنگی امور سے متعلق حضرت علی سے سرگوشی میں کچھ باتیں کیں، یہ سرگوشی ذرا لمبی ہوئی تو مجلس میں موجود بعض منافقین یا صحابہ میں سے عام حضرات یہ کہنے لگے کہ نبی کریم ﷺ اتنی دیر سے اپنے چچازاد بھائی کے ساتھ سرگوشی کررہے ہیں، نبی کریم ﷺ نے ان کی بات سنی تو فرمایا کہ میں علی سے از خود سرگوشی نہیں کررہا، بلکہ اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں جنگی امور سے متعلق چند ہدایات حضرت علی کو سرگوشی میں دوں، کیونکہ ان باتوں کو سب کے سامنے بیان کرنا جنگی اصول کے خلاف ہے، آپ ﷺ کا یہ جواب بھی اسی انداز کا ہے، جس طرح اس آیت کا یہ جملہ ہے: و ما رمیت اذ رمیت ولکن اللہ رمی (اور آپ نے خاک کی مٹھی نہیں پھینکی، لیکن اللہ تعالیٰ نے وہ پھینکی) اس واقعہ سے دو باتیں ثابت ہوتی ہیں:

۱۔ نبی کریم ﷺ نے صرف حضرت علی سے سرگوشی کرکے اور لوگوں سے دین کی کوئی بات چھپائی نہیں، وہ بات چونکہ جنگی امور کے بارے میں تھی، اس لیے اس کا اظہار سب کے سامنے جنگی حکمت عملی کی وجہ سے مناسب نہیں تھا۔

۲۔ نبی کریم ﷺ نے حضرت علی کو دین کی کوئی بات راز کے طور پر نہیں بتائی، شیعہ حضرات یہ کہتے ہیں کہ آپ نے حضرت علی کو خلافت کا حکم مخفی طور پر بتا رکھا تھا، لیکن شیعہ کی یہ بات درست نہیں ہے، یہ ان کی محض ہرزہ سرائی ہے، چنانچہ بخاری میں روایت ہے کہ ایک دفعہ حضرت علی سے پوچھا گیا کہ کیا آپ کے پاس ایسا کوئی حکم اور علم ہے، جو قرآن مجید میں نہیں؟ حضرت علی نے جواب

---

(۱) تحفۃ الاحوذی ۲۱۵/۱۰، کتاب المناقب

(۲) کنز العمال ۶۲۵/۱۱، رقم: ۳۳۰۴۹۔

دیا کہ اس ذات کی قسم جس نے زمین میں دانہ اگایا اور انسان کو پیدا کیا: میرے پاس قرآن کے علاوہ کچھ نہیں، ہاں کتاب اللہ کی سمجھ مجھے حاصل ہے اور یہ صحیفہ ہے، جس میں دیت، قیدی کو چھڑانے اور قتل کے احکام درج ہیں۔(۱)

عَنْ أَبِي سَعِيدٍ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِعَلِيٍّ: يَا عَلِيُّ لَا يَحِلُّ لِأَحَدٍ يُجْنِبُ فِي هَذَا الْمَسْجِدِ غَيْرِي وَغَيْرَكَ قَالَ عَلِيُّ بْنُ الْمُنْذِرِ: قُلْتُ لِضِرَارِ بْنِ صُرَدٍ: مَا مَعْنَى هَذَا الْحَدِيثِ؟ قَالَ: لَا يَحِلُّ لِأَحَدٍ يَسْتَطْرِقُهُ جُنُبًا غَيْرِي وَغَيْرَكَ.(۲)

حضرت ابوسعید خدری کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی سے فرمایا: اے علی! میرے اور تمہارے علاوہ کسی کے لیے جائز نہیں کہ وہ جنابت یعنی ناپاکی کی حالت میں اس مسجد (نبوی) میں آئے، امام ترمذی کے استاذ علی بن منذر کہتے ہیں: میں نے ضرار بن صرد سے کہا کہ اس حدیث کا کیا مطلب ہے؟ انہوں نے بتایا: اس سے مسجد نبوی سے گذرنا مراد ہے، یعنی میرے اور تمہارے علاوہ کسی کے لیے جائز نہیں کہ وہ حالت جنابت میں مسجد نبوی سے گذرے۔

مشکل الفاظ کے معنی: لا یحل: حلال نہیں، جائز نہیں، یجنب: یہ اجناب سے ہے: جو شخص حالت جنابت میں ہو، غیری و غیرک: یہ مستثنیٰ ہونے کی وجہ سے حالت نصب میں ہے، یستطرقه: کہ وہ مسجد نبوی کو راستہ بنائے، اپنی گذرگاہ بنائے۔

حضرت علی کے لیے جنابت کی حالت میں مسجد نبوی سے گذرنے کی اجازت

اس حدیث میں نبی کریم ﷺ نے اپنی اور حضرت علی کی ایک خصوصیت کا ذکر فرمایا ہے کہ ہم دونوں کے لیے ناپاکی کی حالت میں مجبوراً مسجد نبوی سے گذرنا جائز ہے، کیونکہ ہمارے گھروں کے دروازے صرف مسجد نبوی کے اندر ہی کھلتے ہیں، اس لیے ہمارے لیے مسجد نبوی سے گذرنا جنابت کی حالت میں جائز ہے، لیکن میرے اور تمہارے علاوہ کسی اور انسان کے لیے کسی بھی مسجد میں جنابت کی حالت میں مسجد میں داخل ہونا یا اس سے گذرنا جائز نہیں ہے، اور ہم دونوں کے لیے بھی مسجد نبوی کے علاوہ کسی اور مسجد میں جنابت کی حالت میں داخل ہونا یا گذرنا جائز نہیں۔

امام ترمذی نے اس حدیث کو ضعیف قرار دیا ہے، اور کہتے ہیں کہ مجھ سے یہ حدیث امام بخاری نے سنی، تو انہوں نے بھی اسے غریب اور ضعیف قرار دیا ہے، امام بخاری نے امام ترمذی سے صرف دو حدیثیں سنی ہیں، ایک تو یہی روایت ہے اور دوسری عبداللہ بن عباس کی روایت، جو سورہ حشر کی اس آیت سے متعلق ہے: ما قطعتم من لينة او تركتموها....،

---

(۱) الصحیح للبخاری ۱۰۰۰/۲، کتاب الفرائض، باب اثم من تبرأ من مواليه، مرقاة المفاتيح ۲۵۴/۱۱، کتاب المناقب باب مناقب علی، حدیث نمبر: ۶۰۹۷

(۲) کنز العمال ۲۲۶/۱۱، رقم: ۳۳۰۵۲۔

اور ابن الجوزی نے اس حدیث کو موضوعات میں سے شمار کیا ہے، کیونکہ اس کے بعض راوی غالی اور متعصب شیعہ ہیں، تاہم اگر اس حدیث کو درست تسلیم کیا جائے تو اس سے بہرحال حضرت علی کی ایک خصوصیت ضرور ثابت ہوتی ہے کہ ان کے لیے مسجد نبوی سے جنابت کی حالت میں گذرنا جائز تھا، کیونکہ ان کے گھر کا دروازہ صرف مسجد نبوی کے اندر ہی کھلتا تھا۔(۱)

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، قَالَ: بُعِثَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ الِاثْنَيْنِ، وَصَلَّى عَلِيٌّ يَوْمَ الثُّلَاثَاءِ.

حضرت انس بن مالک فرماتے ہیں کہ پیر کے دن نبی کریم ﷺ کو نبوت عطا کی گئی اور منگل کے دن حضرت علی نے نماز پڑھی یعنی اسلام قبول کیا۔

بچوں میں حضرت علی نے سب سے پہلے اسلام قبول کیا

اس روایت میں ”صلی“ سے اسلام قبول کرنا اور عبادت کرنا مراد ہے، معنی یہ ہیں کہ بچوں میں سب سے پہلے آٹھ سال کی عمر میں حضرت علی نے اسلام قبول کیا، اور مردوں میں سب سے پہلے حضرت ابو بکر صدیق نے اور خواتین میں سب سے پہلے حضرت خدیجہ نے اور غلاموں میں سب سے پہلے زید بن حارثہ نے اسلام قبول کیا ہے۔(۲)

عَنْ سَعْدِ بْنِ أَبِي وَقَّاصٍ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لِعَلِيٍّ: أَنْتَ مِنِّي بِمَنْزِلَةِ هَارُونَ مِنْ مُوسَى إِلَّا أَنَّهُ لَا نَبِيَّ بَعْدِي. (۳)

حضرت سعد بن ابی وقاص کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت علی سے فرمایا: تم میرے لیے اسی طرح ہو، جس طرح موسیٰ کے لیے ہارون تھے۔

عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لِعَلِيٍّ: أَنْتَ مِنِّي بِمَنْزِلَةِ هَارُونَ مِنْ مُوسَى إِلَّا أَنَّهُ لَا نَبِيَّ بَعْدِي. (۴)

حضرت جابر بن عبداللہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی سے فرمایا: تم میرے نزدیک وہی حیثیت رکھتے ہو، جو ہارون کی موسیٰ کے نزدیک تھی، مگر (فرق یہ ہے کہ) مجھ پر نبوت کا سلسلہ ختم ہو چکا ہے، میرے بعد کوئی نبی نہیں ہو سکتا (اس لیے تم نبی تو نہیں بن سکتے، ہاں میری زندگی میں میرے خلیفہ بن سکتے ہو، جب میں کسی سفر میں جاؤں، اور ہارون تو اللہ کے نبی تھے)۔

---

(۱) مرقاۃ المفاتیح ۱۱/۲۵۲، کتاب المناقب باب مناقب علی بن ابی طالب، تحفۃ الاحوذی ۱۰/۲۱۷، ۲۱۸
(۲) الکوکب الدری ۴/۱۸۶
(۳) الصحیح لمسلم، فضائل الصحابۃ، باب من فضائل علی، رقم: ۲۴۰۴۔
(۴) مسند احمد ۳/۳۳۸۔

تشریح: ان احادیث سے متعلق تفصیل پہلے گذر چکی ہے۔

عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَمَرَ بِسَدِّ الأَبْوَابِ إِلَّا بَابَ عَلِيٍّ. (۱)

حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت علیؓ کے دروازے کے علاوہ مسجد نبوی میں کھلنے والے تمام دروازوں کے بند کرنے کا حکم دیا تھا۔

مسجد نبوی میں باب علی کو باقی رکھنے کا حکم

اس روایت میں حضرت علیؓ کی ایک خصوصیت کا ذکر ہے کہ ان کے گھر کے دروازے کے علاوہ دیگر تمام دروازوں کو بند کرنے کا حکم دیا گیا، لیکن یہ شروع میں حکم دیا گیا تھا جس وقت مسجد نبوی کو بنایا گیا تھا، بعد میں صرف خوخہ ابی بکر کو باقی رکھا گیا، ان کے علاوہ کسی کا بھی دروازہ، کھڑکی اور روشندان مسجد نبوی میں نہیں کھل سکتا تھا، اس سے منع کر دیا گیا تھا، (۲)

اس کی مزید تفصیل مناقب ابی بکرؓ میں اس عنوان کے تحت دیکھ لیجئے: "ابتداء میں حضرت علیؓ کے دروازے کو بھی مسجد نبوی میں باقی رکھا گیا"۔

عَنْ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَخَذَ بِيَدِ حَسَنٍ وَحُسَيْنٍ، فَقَالَ: مَنْ أَحَبَّنِي وَأَحَبَّ هٰذَيْنِ وَأَبَاهُمَا وَأُمَّهُمَا، كَانَ مَعِي فِي دَرَجَتِي يَوْمَ الْقِيَامَةِ. (۳)

حضرت علی بن ابی طالبؓ فرماتے ہیں کہ (ایک مرتبہ) نبی کریم ﷺ نے حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ کے ہاتھ پکڑے اور فرمایا: جو مجھ سے محبت کرے، اور ان دونوں سے محبت کرے گا اور ان کے باپ (یعنی حضرت علیؓ) سے اور ان کی ماں (یعنی حضرت فاطمہؓ) سے محبت کرے گا، وہ قیامت کے دن میرے ساتھ، میرے درجہ اور مقام میں ہوگا۔

علی و فاطمہ اور حسنین سے محبت کرنے کا عظیم اجر و ثواب

اس حدیث سے دو باتیں ثابت ہوتی ہیں:

- تمام مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ دل سے شرعی حدود کے اندر رہتے ہوئے حضرت علی، فاطمہ، حسن اور حسین سے محبت کیا کریں، ان سے بغض اور دشمنی رکھنا ناجائز، حرام اور نفاق کی علامت ہے، ایسے ہی ان حضرات کے ساتھ محبت کے اظہار میں اتنا غلو

---

(۱) مسند احمد ۱/ ۳۳۰۔

(۲) فتح الباری ۷/ ۱۷، تکملۃ فتح الملہم ۵/ ۶۶۔

(۳) الزوائد علی المسند لعبد اللہ بن أحمد ۱/ ۷۷۔

کرنا کہ جس سے شرعی حدود ہی پامال ہو جائیں، یہ بھی کسی طرح جائز نہیں۔

❁ جو شخص ان حضرات سے محبت کرے گا تو وہ قیامت کے دن نبی ریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ آپ کے درجہ، جگہ اور مقام میں ہو گا یعنی اسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا انتہائی قرب حاصل ہوگا، بلاشبہ یہ بہت بڑی فضیلت اور عظیم اجر ہے۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: أَوَّلُ مَنْ صَلَّى عَلِيٌّ. (۱)

حضرت عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں کہ (بچوں میں) سب سے پہلے حضرت علی نے اسلام قبول کیا۔

عَنْ زَيْدِ بْنِ أَرْقَمَ، يَقُولُ: أَوَّلُ مَنْ أَسْلَمَ عَلِيٌّ. قَالَ: عَمْرُو بْنُ مُرَّةَ، فَذَكَرْتُ ذٰلِكَ لِإِبْرَاهِيمَ النَّخَعِيِّ، فَأَنْكَرَهُ وَقَالَ: أَوَّلُ مَنْ أَسْلَمَ أَبُو بَكْرٍ الصِّدِّيقُ. (۲)

حضرت زید بن ارقم فرماتے ہیں کہ سب سے پہلے علی نے اسلام قبول کیا ہے، عمرو بن مرہ کہتے ہیں کہ میں نے ابراہیم نخعی کے سامنے اس بات کا ذکر کیا تو انہوں نے فرمایا: نہیں، سب سے پہلے ابوبکر صدیق نے اسلام قبول کیا ہے۔

سب سے پہلے اسلام کس نے قبول کیا

اب یہاں ہمارے سامنے دو قسم کی روایتیں ہیں: ایک قسم کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ سب سے پہلے حضرت علی نے اسلام قبول کیا، جبکہ دوسری روایات سے حضرت ابوبکر صدیق کے سب سے پہلے اسلام لانے کا ذکر ہے، بظاہر دونوں باتوں میں تعارض ہے، اس لیے شارحین حدیث نے ان میں یوں تطبیق دی ہے کہ مردوں میں سب سے پہلے صدیق اکبر نے اسلام قبول کیا، اور بچوں میں حضرت علی نے، خواتین میں حضرت خدیجہ نے اور غلاموں میں سب سے پہلے حضرت زید بن حارثہ نے اسلام قبول کیا، یوں یہ تعارض ختم ہو جاتا ہے۔ (۳)

عَنْ عَلِيٍّ، قَالَ: لَقَدْ عَهِدَ إِلَيَّ النَّبِيُّ الأُمِّيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ لَا يُحِبُّكَ إِلَّا مُؤْمِنٌ، وَلَا يَبْغَضُكَ إِلَّا مُنَافِقٌ قَالَ عَدِيُّ بْنُ ثَابِتٍ: أَنَا مِنَ الْقَرْنِ الَّذِي دَعَا لَهُمُ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. (۴)

حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ مجھے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات کی وصیت کی کہ تم سے صرف مؤمن ہی صحیح محبت کرے گا اور منافق تم سے بغض رکھے گا، عدی بن ثابت کہتے ہیں کہ میں اس جماعت میں سے ہوں، جن کے لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی ہے۔

---

(۱) مسند احمد ۱/۳۷۳۔

(۲) مسند احمد ۴/۳۶۸۔

(۳) تحفۃ الاحوذی ۱۰/۲۲۴

(۴) الصحیح لمسلم، کتاب الایمان، باب الدلیل علی أن حب الانصار، رقم: ۱۳۱۔

مشکل الفاظ کے معنی: عهد الی: مجھے وصیت کی، القرن: (قاف پر زبر اور را ساکن): جماعت۔

علی سے محبت ایمان کی علامت ہے

اس حدیث سے دو باتیں ثابت ہوتی ہیں:

۱۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی کو وصیت کی یعنی خوب تاکید سے فرمایا کہ شریعت کے اصولوں کی روشنی میں مؤمن ہی تم سے محبت کرے گا اور جو واقعی منافق ہوگا، وہ تم سے دشمنی اور بغض رکھے گا۔

۲۔ حدیث کے راوی عدی بن ثابت فرماتے ہیں کہ میں اس قرن یعنی اس جماعت میں سے ہوں، جن کے لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ان الفاظ سے دعا کی ہے: اَللّٰهُمَّ وَالِ مَنْ وَالَاهُ وَعَادِ مَنْ عَادَاهُ اے اللہ تو اس سے محبت کر، جو علی سے محبت کرے اور اس سے دشمنی رکھ، جو علی سے دشمنی رکھے، اور میں چونکہ علی سے محبت رکھتا ہوں، اس لیے میں اس دعا کے مصداق میں داخل ہوں۔(۱)

عَنْ أُمِّ عَطِيَّةَ، قَالَتْ: بَعَثَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَيْشًا فِيهِمْ عَلِيٌّ، قَالَتْ: فَسَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ رَافِعٌ يَدَيْهِ يَقُولُ: اللّٰهُمَّ لَا تُمِتْنِي حَتّٰى تُرِيَنِي عَلِيًّا.(۲)

حضرت ام عطیہ کہتی ہیں کہ (ایک مرتبہ) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے (کسی جنگی مہم پر) ایک لشکر روانہ فرمایا، جن میں حضرت علی بھی تھے، ام عطیہ فرماتی ہیں کہ (اس موقع پر) میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہاتھ اٹھا کر دعا مانگتے ہوئے سنا، آپ فرما رہے تھے: الٰہی! مجھے اس وقت تک موت نہ دینا، جب تک کہ تو علی کو (عافیت وسلامتی کے ساتھ واپس لا کر) مجھے (دوبارہ) دکھا نہ دے۔

مشکل الفاظ کے معنی: لا تمتنی: (باب افعال سے) مجھے موت نہ دینا، حتی ترینی: (باب افعال سے) یہاں تک کہ تو مجھے دکھا دے۔

حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا

حضرت ام عطیہ کا نام نسیبہ یا نصیبہ (بالتصغیر) بنت کعب یا بنت حارث ہے، مشہور صحابیہ ہیں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت سی احادیث روایت کی ہیں، ان سے حضرت انس، محمد، حفصہ نے اور تابعین میں سے سیرین، اسماعیل بن عبدالرحمن،

---

(۱) تحفة الاحوذی ۱۰/۲۲۴، مرقاة ۱۱/۲۴۲، کتاب المناقب، باب مناقب علی، رقم: ۶۰۸۸۔
(۲) مشکاة المصابیح، کتاب المناقب، باب مناقب علی بن ابی طالب، رقم: ۶۰۹۹۔

عبدالملک بن عمیر اور دوسرے حضرات نے احادیث روایت کی ہیں، بصرہ میں ان کی رہائش تھی، وہیں پر ان کا انتقال ہوا۔(۱)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت علی سے بہت محبت کرتے تھے

اس حدیث سے ایک تو یہ بات معلوم ہوئی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت علی سے بہت محبت کرتے تھے، لشکر روانہ کرتے وقت یا لشکر کی واپسی کا وقت جب قریب ہوا تو آپ یہ دعا کر رہے تھے کہ اے اللہ! مجھے موت سے پہلے علی سے دوبارہ ملا دے، اسے خیر و عافیت اور سلامتی کے ساتھ واپس پہنچا دے۔

اور دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ انسان اپنے رشتہ دار یا دوست جو اس سے دور سفر پر ہو، اس سے دوبارہ ملنے کی دعا کر سکتا ہے، یہ ایک سنت عمل ہے۔(۲)

بَابُ مَنَاقِبِ اَبِیْ مُحَمَّدٍ طَلْحَةَ بْنِ عُبَيْدِ اللّٰهِ رضی اللہ عنہ

حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ کے فضائل

آپ کا نام طلحہ بن عبید اللہ بن عثمان قرشی تیمی ہے، ابو محمد آپ کی کنیت ہے، ہجرت سے اٹھائیس سال پہلے آپ کی تاریخ پیدائش ہے، حضرت طلحہ کے بہت سے فضائل ہیں:

- عشرہ مبشرہ میں سے ہیں یعنی ان دس صحابہ میں سے ایک ہیں، جن کو دنیا میں ہی ایک ساتھ جنت کی خوشخبری سنادی گئی تھی۔
- ان آٹھ صحابہ میں سے ہیں، جنہوں نے پہلے اسلام قبول کیا ہے۔
- ان پانچ میں سے ایک آپ بھی ہیں جنہوں نے حضرت ابوبکر کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا ہے، اس کا واقعہ وہ خود بتاتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ بصریٰ کے بازار میں گیا، تو ایک پادری نے لوگوں سے پوچھا کہ دیکھو یہاں حرم مکہ کا کوئی آدمی ہے؟ حضرت طلحہ نے کہا کہ میں ہوں، اس نے پوچھا کہ کیا احمد ظاہر ہو گیا ہے؟ میں نے پوچھا: احمد کون؟ اس نے کہا: محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب، اس مہینے میں حرم مکہ میں اس کا ظہور ہو گا، وہ آخری نبی ہیں، اور پھر وہ ہجرت کر کے مدینہ منورہ جائے گا، پھر وہ حضرت طلحہ سے تاکیدا کہنے لگا کہ جب نبی آئے تو اس سے بچ کر رہنا، اس پر ایمان نہ لانا، کہتے ہیں اس پادری کی بات سن کر مجھے شوق پیدا ہو گیا، میں سفر کر کے مکہ مکرمہ پہنچا، تو لوگوں نے بتایا کہ محمد بن عبداللہ نے نبوت کا اعلان کیا ہے، اور ابن ابی قحافہ یعنی صدیق اکبر نے ان کی بات مان کر اسلام قبول کر لیا ہے، کہتے ہیں کہ میں صدیق اکبر کے پاس گیا اور اسلام قبول کر لیا اور پھر میں صدیق اکبر کے

(۱) الاصابة ۲۷۷/۴، ام عطیة، رقم: ۱۲۱۶۳

(۲) مرقاۃ المفاتیح ۲۵۵/۱۱، المناقب، باب مناقب علی، رقم: ۶۰۹۹۔

ساتھ مل کر نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور پادری کا یہ قصہ بھی سارا سنایا۔

- اصحاب شوریٰ میں سے ہیں۔
- ان کو طلحہ الفیاض بھی کہا جاتا ہے، یہ اعزاز نبی کریم ﷺ نے انہیں اس وقت دیا، جب آپ ﷺ "غزوہ ذی قرد" جاتے ہوئے ایک پانی پر اترے، جسے "بیسان" کہا جاتا تھا، حضرت طلحہ نے یہ چشمہ خرید کر صدقہ کر دیا، اس موقع پر آپ ﷺ نے ان سے فرمایا: "ما انت یا طلحہ الا فیاض" اس سے ان کا نام طلحہ الفیاض پڑ گیا۔
- نبی کریم ﷺ نے ہجرت سے پہلے مکہ مکرمہ میں حضرت طلحہ اور زبیر کے درمیان بھائی چارہ قائم کیا اور ہجرت کے بعد حضرت طلحہ اور ابوایوب انصاری کے درمیان بھائی بندی اور مواخاۃ قائم کی۔
- غزوہ احد میں حضرت طلحہ نے بہت بڑی جرأت اور شجاعت کا مظاہرہ کیا، نبی کریم ﷺ کی حفاظت اور آپ کا دفاع کیا، اس کی وجہ سے ان کا سارا جسم زخموں سے چور چور ہو گیا، چنانچہ اسی (۸۰) سے اوپر ان پر زخم تھے، اور ان کا ایک ہاتھ بھی شل ہو گیا تھا۔
- نبی کریم ﷺ نے ان کے حق میں یہ پیش گوئی کی تھی کہ وہ شہید ہوں گے، چنانچہ ۳۶ھ میں جنگ جمل میں حضرت عائشہ کے ساتھ تھے، مروان بن حکم نے ان کو تیر مارا، جو ان کے گھٹنے میں لگا، جس سے ایسا خون جاری ہوا، جو بند نہیں ہوا، اسی میں ان کی شہادت ہو گئی، آپ کی عمر چونسٹھ سال تھی۔(۱)

عَنِ الزُّبَيْرِ، قَالَ: كَانَ عَلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ أُحُدٍ دِرْعَانِ، فَنَهَضَ إِلَى صَخْرَةٍ، فَلَمْ يَسْتَطِعْ فَأَقْعَدَ تَحْتَهُ طَلْحَةَ، فَصَعِدَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتَّى اسْتَوَى عَلَى الصَّخْرَةِ، فَقَالَ: سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: أَوْجَبَ طَلْحَةُ.(۲)

حضرت زبیر فرماتے ہیں کہ غزوہ احد کے دن نبی کریم ﷺ کے جسم پر دو زرہیں تھیں، آپ نے پتھر کی چٹان پر چڑھنا چاہا، مگر چڑھ نہ سکے، آپ نے اپنے نیچے طلحہ کو بٹھایا اور (ان پر پاؤں رکھ کر) چڑھ گئے، یہاں تک کہ آپ چٹان پر سیدھے ہو گئے، حضرت زبیر کہتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا: طلحہ نے اپنے لیے جنت واجب کر لی۔

مشکل الفاظ کے معنی: درعان: درع کی جمع ہے: دو زرہیں، فنهض: آپ اٹھے یعنی آپ نے چٹان پر چڑھنا چاہا، صخرة: پتھر کی چٹان، فأقعد تحته: چنانچہ آپ نے طلحہ کو اپنے نیچے بٹھایا، حتی استوی: یہاں تک کہ آپ سیدھے کھڑے ہو گئے، أوجب طلحة: طلحہ نے اپنے لیے جنت واجب کر لی ہے۔

---

(۱) الاصابة فی تمییز الصحابة ۳/ ۴۳۰، حرف الطاء المهملة

(۲) مسند احمد ۱/ ۱۶۵، سنن الترمذی، کتاب الجهاد، باب ماجاء فی الدرع، رقم: ۱۶۹۲۔

حضرت طلحہ کے لیے جنت کی بشارت

احد کے معرکے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگی نقطہ نظر سے دشمن سے حفاظت اور بچاؤ کے لیے اپنے جسم مبارک پر دو زرہیں پہن رکھی تھیں، کیونکہ اللہ جل جلالہ نے حکم دیا ہے: خذوا حذرکم ایمان والو! اپنے لیے احتیاطی تدابیر اختیار کرو، اور فرمایا: واعدوا لھم ما استطعتم من قوۃ دشمن سے بچاؤ کے لیے اور ان سے مقابلہ کرنے کے لیے اپنی استعداد پیدا کرتے رہو، تو زرہیں پہننا بھی چونکہ ایک بچاؤ کا سامان اور آلہ جہاد ہے، اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے زرہیں پہنیں، ایک تو اس لیے تاکہ اللہ کے حکم پر عمل ہو اور اس وجہ سے بھی تاکہ امت کو یہ درس اور سبق حاصل ہو جائے کہ جنگ کے موقع پر اپنی حفاظت کے لیے بچاؤ کا سامان پہننا اور استعمال کرنا، توکل اور منصب نبوت کے منافی نہیں ہے۔

غزوہ احد میں ایک وقت ایسا آیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک پتھر کی چٹان پر چڑھنا چاہ رہے تھے، تاکہ اس کے اوپر کھڑے ہو کر دشمن کے لشکر کا صحیح طرح جائزہ لیا جا سکے اور صحابہ کرام بلندی سے آپ کو دیکھ کر مزید ذوق وشوق، ولولہ اور جان نثاری سے دشمن پر وار اور اپنا دفاع کریں، لیکن آپ ان زرہوں کی وجہ سے اس چٹان پر کوشش کے باوجود چڑھ نہ سکے، حضرت طلحہ کو نیچے بٹھا کر ان پر پاؤں رکھ کر چٹان پر سیدھے کھڑے ہو گئے، اور پھر فرمایا کہ "طلحہ نے اپنے لیے جنت واجب کر لی"۔ کس طرح واجب کر لی، اس کی وجہ:

۱۔ یا تو خاص اس عمل کی وجہ سے کہ انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سہارا دے کر چٹان پر چڑھایا۔

۲۔ یا یہ بشارت ان تمام کارناموں کے پیش نظر دی گئی ہے، جو حضرت طلحہ نے غزوہ احد کے دن سرانجام دیئے ہیں، چنانچہ انہوں نے جان کی بازی لگا کر اپنے جسم کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ڈھال بنا لیا تھا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف جو تیر بھی آتے، ان کے سامنے اپنا جسم کر لیتے اور آپ کی طرف انہیں نہ جانے دیتے، یوں ان کا پورا جسم زخموں سے چھلنی ہو گیا تھا، ایک ہاتھ تو ہمیشہ کے لیے ناکارہ اور شل رہا، اسی (۸۰) سے اوپر زخم ان کے جسم پر شمار کئے گئے ہیں، جسم کا کوئی حصہ یہاں تک کہ عضو مخصوص بھی زخم سے بچ نہ سکا تھا، بعد میں احد کے معرکہ کا جب بھی ذکر ہوتا تو صحابہ کہا کرتے کہ احد کی جنگ کا سارا دن طلحہ کی سرفروشی، جرأت وشجاعت اور ایثار وقربانی کا دن تھا۔

دشمنوں میں سے عامر نامی شخص نے میدان احد میں ایک جگہ اس انداز سے گڑھے کھودے کہ اوپر سے انہیں ڈھانپ دیا، تاکہ گذرنے والے کو ان کا پتہ نہ چل سکے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس طرح ایک گڑھے میں گر گئے تو حضرت علی نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہاتھ پکڑا اور حضرت طلحہ بن عبید اللہ نے آپ کو اٹھا کر اس گڑھے سے باہر نکالا، یہ وہ خدمات ہیں، جو حضرت طلحہ نے احد کے دن سرانجام دی ہیں، اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لیے جنت کی بشارت دی ہے۔(۱)

---

(۱) مرقاۃ المفاتیح ۱۱/۲۷۵، کتاب المناقب باب مناقب العشرۃ المبشرۃ، رقم: ۶۱۱۲۔

عَنْ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ، قَالَ: سَمِعَتْ أُذُنِي مِنْ فِي رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ يَقُولُ: طَلْحَةُ وَالزُّبَيْرُ جَارَايَ فِي الجَنَّةِ.(۱)

حضرت علی بن ابی طالب فرماتے ہیں کہ میرے کانوں نے نبی کریم ﷺ کے منہ سے سنا، آپ فرمارہے تھے کہ طلحہ اورزبیر جنت میں میرے پڑوسی ہوں گے۔

طلحہ وزبیر حضور ﷺ کے جنت کے پڑوسی

اس حدیث سے دو باتیں ثابت ہوتی ہیں: ۱۔ طلحہ اور زبیر دونوں اہل جنت میں سے ہیں۔ ۲۔ حضرت طلحہ اور زبیر جنت میں نبی کریم ﷺ کے پڑوس میں ہوں گے یعنی انہیں آپ ﷺ کا خصوصی قرب حاصل ہوگا، اس سے ان دونوں حضرات کی امتیازی شان ثابت ہوتی ہے۔(۲)

عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ، سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: مَنْ سَرَّهُ أَنْ يَنْظُرَ إِلَى شَهِيدٍ يَمْشِي عَلَى وَجْهِ الأَرْضِ، فَلْيَنْظُرْ إِلَى طَلْحَةَ بْنِ عُبَيْدِ اللهِ.(۳)

حضرت جابر بن عبداللہ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس شخص کو یہ بات خوش کرتی ہے کہ وہ ایسے شہید کو دیکھے، جو زمین پر چل رہا ہے، تو اسے چاہیے کہ وہ طلحہ بن عبیداللہ کو دیکھ لے۔

حضرت طلحہ کے لیے شہادت کی پیشن گوئی

اس حدیث میں نبی کریم ﷺ نے حضرت طلحہ کے بارے میں یہ پیشن گوئی دی کہ یہ چلتے پھرتے زندہ شہید ہیں، چنانچہ ۳۶ ہجری میں جنگ جمل میں یہ حضرت عائشہ کے ساتھ تھے، اسی دوران مروان بن حکم نے تیر مارا، جو گھٹنے میں لگا، جس سے ان کی شہادت واقع ہوگئی۔(۴)

عَنْ مُوسَى بْنِ طَلْحَةَ، قَالَ: دَخَلْتُ عَلَى مُعَاوِيَةَ، فَقَالَ: أَلَا أُبَشِّرُكَ؟ سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: طَلْحَةُ مِمَّنْ قَضَى نَحْبَهُ.(۵)

حضرت موسیٰ بن طلحہ فرماتے ہیں کہ میں حضرت معاویہ کے پاس گیا، تو انہوں نے فرمایا: کیا میں تمہیں خوشخبری نہ

---

(۱) المستدرک للحاکم ۳/۳۶۴۔
(۲) مرقاۃ المفاتیح ۱۱/۲۷۷، رقم: ۶۱۲۳
(۳) سنن ابن ماجۃ، المقدمۃ، باب فضل طلحۃ، رقم الحدیث: ۱۲۵۔
(۴) مرقاۃ المفاتیح ۱۱/۲۷۶، رقم: ۶۱۲۲
(۵) سنن ابن ماجۃ، المقدمۃ، باب فضل طلحۃ، رقم: ۱۲۶۔

سناؤں؟ (میں نے کہا: ہاں! کیوں نہیں ضرور سنا دیجئے، پھر حضرت معاویہ نے فرمایا) میں نے نبی کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ (تمہارے والد) طلحہ ان لوگوں میں سے ہیں، جنہوں نے اپنے عہد کو پورا کرلیا ہے۔

عَنْ مُوسَى، وَعِيسَى ابْنَيْ طَلْحَةَ، عَنْ أَبِيهِمَا طَلْحَةَ، أَنَّ أَصْحَابَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالُوا لِأَعْرَابِيٍّ جَاهِلٍ: سَلْهُ عَمَّنْ قَضَى نَحْبَهُ مَنْ هُوَ؟ وَكَانُوا لَا يَجْتَرِئُونَ عَلَى مَسْأَلَتِهِ، يُوَقِّرُونَهُ وَيَهَابُونَهُ، فَسَأَلَهُ الْأَعْرَابِيُّ، فَأَعْرَضَ عَنْهُ، ثُمَّ سَأَلَهُ فَأَعْرَضَ عَنْهُ، ثُمَّ سَأَلَهُ فَأَعْرَضَ عَنْهُ، ثُمَّ إِنِّي اطَّلَعْتُ مِنْ بَابِ الْمَسْجِدِ وَعَلَيَّ ثِيَابٌ خُضْرٌ، فَلَمَّا رَآنِي رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: أَيْنَ السَّائِلُ عَمَّنْ قَضَى نَحْبَهُ؟ قَالَ الْأَعْرَابِيُّ: أَنَا يَا رَسُولَ اللهِ، قَالَ: هَذَا مِمَّنْ قَضَى نَحْبَهُ.(۱)

حضرت موسیٰ وعیسیٰ اپنے والد طلحہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ کے صحابہ نے ایک جاہل دیہاتی سے کہا کہ تم رسول اللہ ﷺ سے پوچھو کہ "من قضی نحبہ" (جنہوں نے اپنا کام، عہد اور منت کو پورا کر لیا) سے کون مراد ہے؟ صحابہ کرام خود رسول اللہ ﷺ سے سوال کرنے کی جرأت نہیں کر سکتے تھے، وہ آپ کی (دل سے) تعظیم کرتے اور آپ سے ڈرتے تھے، چنانچہ اس دیہاتی نے آپ سے پوچھا تو آپ ﷺ نے اس کی طرف التفات نہیں کیا، اس نے دوبارہ یہی سوال کیا تو آپ ﷺ نے پھر اپنا چہرہ دوسری طرف پھیر لیا، اس نے پھر تیسری بار پوچھا تو بھی آپ نے ایسا ہی کیا (حضرت طلحہ فرماتے ہیں) پھر میں مسجد کے دروازے کے سامنے ہوا، اور میرے جسم پر سبز کپڑے تھے، جب رسول اللہ ﷺ نے مجھے دیکھا تو فرمایا: من قضی نحبہ کے مصداق کے بارے میں سوال کرنے والا کہاں ہے؟ اس اعرابی نے کہا: میں ہوں یا رسول اللہ، آپ ﷺ نے فرمایا: یہ یعنی طلحہ بن عبید اللہ، ان لوگوں میں سے ہیں، جنہوں نے اپنا کام اور عہد پورا کرلیا ہے۔

مشکل الفاظ کے معنی: نحبہ: اس کے دو معنی ہیں، (۱) اپنا عہد اور منت جو حضرت طلحہ نے اللہ سے کیا تھا کہ میں دین کی سر بلندی کے لیے میدان جنگ میں تن من دھن کی قربانی کروں گا، (۲) موت، گویا حضرت طلحہ نے اپنے نفس پر یہ لازم کرلیا تھا کہ میدان جہاد میں ثابت قدمی سے لڑتے رہیں گے اور اسی میں ان کی موت اور شہادت ہوجائے گی، و کانوا لا یجترئون: صحابہ خود آپ سے پوچھنے کی ہمت اور جرأت نہیں کرتے تھے، یھابونہ: وہ آپ سے ڈرتے تھے، ثم انی اطلعت من باب المسجد: پھر میں مسجد کے دروازے سے آیا، دروازے کے سامنے ہوا، میں مسجد کے دروازے سے ظاہر ہوا، ثیاب خضر: سبز کپڑے۔

حضرت طلحہ من قضی نحبہ میں داخل ہیں

بعض صحابہ کرام نے اللہ سے یہ عہد اور منت مانی تھی کہ اب جب دشمن کے ساتھ مڈبھیڑ اور لڑائی ہوگی تو ہم ثابت قدمی

(۱) سنن الترمذی، کتاب التفسیر، باب و من سورۃ الاحزاب، رقم: ۳۲۰۳۔

کے ساتھ دشمن کا مقابلہ کریں گے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد ونصرت کریں گے، حضرت طلحہ نے بھی یہ عہد کیا تھا۔

غزوہ احد میں حضرت طلحہ نے بڑی سرفروشی اور جرأت وہمت کے ساتھ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا دفاع کیا تھا، ہر طرف سے تیروں کی بوچھاڑ آتی، مگر حضرت طلحہ کوئی تیر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نہ جانے دیتے، اپنے جسم کو ان کے سامنے کردیتے، خود وہ تیر برداشت کرتے رہتے، یہاں تک کہ حضرت طلحہ کا سارا جسم زخموں سے چھلنی ہوگیا تھا، اسی (۸۰) سے اوپر زخم ان کے جسم پر تھے اور ان کا ایک ہاتھ ناکارہ اور شل ہوگیا تھا، ان کی اس قربانی پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے بارے میں فرمایا کہ طلحہ گو کہ غزوہ احد میں شہید نہیں ہوئے، لیکن انہوں نے اپنا یہ عہد پورا کرلیا، جو انہوں نے اسلام کی مدد نصرت کا کیا تھا۔

ترمذی کی مذکورہ دونوں روایتوں میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صراحت کے ساتھ یہ فرمایا ہے کہ طلحہ ممن قضی نحبہ میں داخل ہیں۔(۱)

بَابُ مَنَاقِبِ الزُّبَيْرِ بْنِ الْعَوَّامِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ

حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کے فضائل

آپ کا نام حضرت زبیر بن عوام بن خویلد بن اسد بن عبد العزی بن قصی قرشی اسدی ہے اور آپ کی والدہ حضرت صفیہ بنت عبد المطلب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حقیقی پھوپھی تھیں، انہوں نے آٹھ یا بارہ سال کی عمر میں ہی اسلام قبول کرلیا تھا، اس پر ان کے چچا نے ان پر ظلم وستم کے پہاڑ توڑے، بہت مارا پیٹا، لیکن وہ استقامت کے ساتھ اسلام پر ڈٹے رہے، یہ بھی ان دس صحابہ میں سے ہیں، جنہیں دنیا میں ہی جنت کی بشارت دی گئی تھی، اور اصحاب شوری میں شامل تھے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تمام غزوات میں شریک رہے، اسلام کی راہ میں سب سے پہلے انہوں نے تلوار کو نیام سے نکالا، ان کے بیٹے عروہ کہتے ہیں کہ میرے والد کے جسم پر تلوار کے تین زخم تھے دو بدر کے دن اور ایک یرموک کے معرکہ میں گہرے زخم لگے تھے، ان سے میں کھیلا کرتا تھا۔

جنگ جمل میں حضرت زبیر حضرت عائشہ کے ساتھ تھے، بصرہ میں ایک موقع پر حضرت علی اور حضرت زبیر کا آمنا سامنا ہوا تو حضرت علی نے حضرت زبیر سے فرمایا: میں تمہیں اللہ کی قسم دیتا ہوں، کیا تم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے نہیں سنا: "انک تقاتل علیا وانت ظالم له قال: نعم ولم اذکر ذلک الی الان" تم علی سے لڑو گے حالانکہ تم زیادتی پر ہوگے، حضرت زبیر نے کہا: جی ہاں، مجھے یہ ارشاد یاد نہیں تھا، پھر حضرت زبیر اس لڑائی سے واپس آگئے۔

واپسی کے وقت بنی تمیم کے ایک شخص عمرو بن جرموز نے بصرہ کے مقام سفوان پر ۳۶ھ میں ان کو شہید کردیا، اس وقت

---

(۱) تحفۃ الاحوذی ۱۰/۲۲۷، ۲۲۸، ۹/۶۲، کتاب التفسیر، باب ومن سورۃ الاحزاب۔

ان کی عمر ۶۴ سال تھی، اور بصرہ میں ان کو دفن کیا گیا، وہاں پر ان کی قبر مشہور ہے۔(۱)

عَنِ الزُّبَيْرِ، قَالَ: جَمَعَ لِي رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَبَوَيْهِ يَوْمَ قُرَيْظَةَ، فَقَالَ: بِأَبِي وَأُمِّي. (۲)

حضرت زبیر فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بنوقریظہ سے لڑائی کے دن میرے لیے اپنے والدین کو جمع کیا، چنانچہ آپ نے فرمایا: میرے ماں باپ تجھ پر قربان ہوں۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت زبیر کے لئے اپنے ماں باپ کو قربان کیا

بنوقریظہ نے غزوہ احزاب کے موقع پر مسلمانوں کے ساتھ کیے گئے عہد کو توڑ ڈالا، وہ کافروں کے ساتھ مل گئے تھے، اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ تحقیق کرانا چاہی کہ کیا واقعی بنوقریظہ نے ہمارے ساتھ کیے گئے عہد کو توڑ ڈالا ہے اور کفار مکہ کے ساتھ مل گئے ہیں؟ آپ نے صحابہ سے فرمایا کہ بنوقریظہ کی جاسوسی کے لیے کون جائے گا، تو حضرت زبیر نے عرض کیا کہ میں اس کام کے لیے تیار ہوں، چنانچہ وہ سخت کٹھن حالات میں بنوقریظہ میں اس انداز سے گئے کہ انہیں ان کا احساس تک نہیں ہوا، واپس آ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ساری صورتحال سے آگاہ کیا، اس موقع پر ان کے اس مجاہدانہ کارنامے پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم بہت خوش ہوئے، آپ نے ان سے فرمایا کہ میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں، اور غزوہ احد کے دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سعد کے لیے بھی یہ جملہ ارشاد فرمایا تھا۔(۳)

اس کی مزید تفصیل معارف ترمذی جلد دوم، ابواب الاستیذان والاداب، باب ماجاء فی فداک أبي وامی میں گذر چکی ہے، اسے وہاں دیکھ لیا جائے۔

عَنْ عَلِيٍّ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنَّ لِكُلِّ نَبِيٍّ حَوَارِيًّا، وَإِنَّ حَوَارِيِّيَ الزُّبَيْرُ بْنُ الْعَوَّامِ.

وَزَادَ أَبُو نُعَيْمٍ فِيهِ: يَوْمَ الْأَحْزَابِ. قَالَ: مَنْ يَأْتِينَا بِخَبَرِ الْقَوْمِ؟ قَالَ الزُّبَيْرُ: أَنَا، قَالَهَا ثَلَاثًا. قَالَ الزُّبَيْرُ: أَنَا. (۴)

حضرت علی فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر نبی کے حواری (یعنی خصوصی معاون و مددگار) ہوتے ہیں، اور میرا حواری زبیر بن عوام ہے، ابونعیم اس حدیث میں یہ اضافہ بھی بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات غزوہ خندق کے موقع پر فرمائی، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کون ہے جو میرے پاس قوم یعنی کفار (کے لشکروں) کی خبر لائے؟ زبیر نے عرض کیا: میں لاتا ہوں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین بار یہ پوچھا اور زبیر نے تینوں مرتبہ کہا کہ: میں کفار کی

---

(۱) الاصابة فی تمییز الصحابة ۲/۴۵۷، ذکر من اسمه الزبیر، مرقاة المفاتیح ۱۱/۲۶۶ کتاب المناقب باب مناقب العشرة

(۲) الصحیح للبخاری، فضائل الصحابة، باب مناقب الزبیر، رقم: ۳۷۲۰۔

(۳) فتح الباری ۷/۱۰۰، کتاب فضائل اصحاب النبی، باب مناقب الزبیر بن العوام، تکملة فتح الملهم ۵/۱۲۶، کتاب فضائل الصحابة، باب فضائل طلحة والزبیر

(۴) الصحیح للبخاری، کتاب الجهاد، باب فضل الطلیعة، رقم: ۲۸۴۶۔

خبر لاتا ہوں۔

لفظ حواری کے معنیٰ

لفظ حواری دراصل تحویر سے ہے، جس کے معنیٰ سفید کرنے کے ہیں، اسی سے اس کے معنیٰ دھوبی کے ہیں، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معاون و مددگار چونکہ دھوبی تھے، اس لیے انہیں بھی حواری کہا جاتا ہے، یہ لفظ مخلص اور گہرے دوست، معاون و مددگار کے معنیٰ میں استعمال ہوتا ہے، لفظ حواری کی اضافت جب یا ضمیر متکلم کی طرف کر دی جائے تو تخفیف کی وجہ سے اس یاء کو حذف کر دیتے ہیں، کیونکہ دو یاء موجود ہیں اور یاء متکلم تیسری یاء ہے، اس کو حذف کر کے اس کی جگہ زبر لگا دیتے ہیں۔(۱)

حضرت زبیر بن عوام آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حواری تھے

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دو موقعوں پر حضرت زبیر بن عوام کو دشمن کی جاسوسی کرنے کے لیے بھیجا تھا، ایک مرتبہ غزوہ احزاب میں اور پھر بنی قریظہ کی طرف، غزوہ احزاب میں کافروں کی تعداد بارہ ہزار جبکہ مسلمانوں کی تعداد تین ہزار تھی، اس میں خندق بھی کھودی گئی تھی، اسے کراس کر کے دشمن کی صفوں میں جا کر خفیہ انداز سے ان کے حالات کا جائزہ لینا اچھا خاصا مشکل کام تھا، اسی وجہ سے آپ نے پہلے صحابہ سے پوچھا کہ کون ہے، جو کفار کے احزاب کی جاسوسی کر کے میرے پاس لائے گا، آپ نے تین بار پوچھا، تینوں مرتبہ ہی حضرت زبیر نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ میں ان کے حالات کی جاسوسی کر کے آپ کے پاس لاتا ہوں، چنانچہ پھر حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کفار مکہ کی جاسوسی کر کے جب لائے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہر نبی کے حواری یعنی خصوصی معاون و مددگار ہوتے ہیں اور میرے حواری زبیر بن عوام ہیں۔

بنی قریظہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جو صلح کا معاہدہ کیا ہوا تھا، اسے وہ توڑ کر غزوہ احزاب میں کفار مکہ کے ساتھ شامل ہو گئے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی صحیح صورتحال معلوم کرنے کے لیے حضرت زبیر بن عوام کو بھیجا، ان کی جاسوسی کرنا انتہائی مشکل کام تھا، کوئی صحابی تیار نہیں تھا، جب حضرت زبیر واپس آئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خوش ہو کر فرمایا: ”میرے ماں باپ تم پر قربان ہوں، یہ ایک امتی کے لیے بہت بڑا اعزاز ہے جو اسے سید الاولین والآخرین کی طرف سے مل رہا ہے۔

یوں تو سب ہی صحابہ بلاشبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر موقع پر معاون و مددگار تھے، لیکن اس حدیث میں خاص طور پر جو حضرت زبیر بن عوام کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا حواری اور مددگار ارشاد فرمایا ہے، اس کی اس کے سوا اور کوئی وجہ نہیں کہ غزوہ احزاب اور بنو قریظہ کی جاسوسی کرنے کے لیے کوئی اور تیار بھی نہیں تھا اور اس وقت ان کے حالات سے آگاہی حاصل کرنا بھی کوئی آسان نہیں تھا، ایسے میں جب انہوں نے یہ خدمت سر انجام دی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اپنا حواری قرار دیا ہے،

---

(۱) عمدۃ القاری ۱۶/۲۲۳، تحفۃ الاحوذی ۱۰/۲۳۱

قتادہ کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خصوصی معاون و مددگار یعنی حواریین سارے کے سارے قبیلہ قریش سے تھے، جن کے نام یہ ہیں: ابوبکر، عمر، عثمان، علی، حمزہ، جعفر، ابوعبیدہ بن جراح، عثمان بن مظعون، عبدالرحمن بن عوف، سعد بن ابی وقاص، طلحہ بن عبیداللہ اور زبیر بن عوام رضی اللہ عنہم۔(۱)

عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، قَالَ: أَوْصَى الزُّبَيْرُ، إِلَى ابْنِهِ عَبْدِ اللهِ صَبِيحَةَ الْجَمَلِ، فَقَالَ: مَا مِنِّي عُضْوٌ إِلَّا وَقَدْ جُرِحَ مَعَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، حَتَّى انْتَهَى ذٰلِكَ إِلَى فَرْجِهِ.

حضرت ہشام بن عروہ فرماتے ہیں کہ حضرت زبیر نے اپنے بیٹے عبداللہ کو جنگ جمل کی صبح کو وصیت (یعنی آخری بات) کرتے ہوئے فرمایا: "میرے جسم کا کوئی عضو ایسا نہیں، جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جنگ میں زخمی نہ ہوا ہو، حضرت عبداللہ کہتے ہیں: یہاں تک کہ وہ زخم آپ کی شرمگاہ تک جا پہنچا (یعنی مخصوص اعضاء بھی زخم سے بچ نہ سکے)

مشکل الفاظ کے معنی: صبیحۃ الجمل: جمل کے معنی اونٹ کے ہیں، اس لڑائی میں حضرت عائشہ چونکہ اونٹ پر سوار تھیں، اس لیے اس لڑائی کو جو حضرت عائشہ اور حضرت علی کے درمیان ہوئی تھی، جنگ جمل کہا جاتا ہے، أوصی الزبیر: حضرت زبیر نے وصیت کی یعنی آخری بات کی، حتی انتہی ذلک الی فرجہ: یہ جملہ حضرت عبداللہ بن زبیر نے کہا ہے، اس میں انتہی کی ضمیر "جرح" یعنی زخم کی طرف لوٹ رہی ہے، ترجمہ یہ ہے: "یہاں تک کہ زخم حضرت زبیر کے فرج یعنی شرمگاہ تک جا پہنچے" یعنی یہ مخصوص حصہ بھی زخموں سے محفوظ نہ رہ سکا۔

جسم کا رُواں رُواں راہ خدا میں زخمی

ترمذی کی مذکورہ حدیث سے دو باتیں ثابت ہوتی ہیں:

۱۔ جنگ جمل جو حضرت عائشہ اور حضرت علی کے درمیان بصرہ میں ہوئی تھی، اس میں حضرت طلحہ اور زبیر حضرت عائشہ کے ساتھ تھے، حضرت طلحہ نے بعد میں اپنی موت کے قریب زمانے میں حضرت علی کے ہاتھ پر بیعت کر لی تھی، اور جنگ کی جگہ میں حضرت علی اور حضرت زبیر کے درمیان ایک کلام ہوا تھا جس کا پیچھے ذکر ہو چکا ہے، اس کی وجہ سے حضرت زبیر بھی لڑائی سے رو گردانی کر کے چل پڑے اور پھر راستے میں بصرہ کے قریب ہی ان کو شہید کر دیا گیا۔

جنگ جمل کی صبح کو اپنے بیٹے حضرت عبداللہ بن زبیر کو حضرت زبیر وصیت کرنے لگے یعنی آخری بات یہ کی کہ میں نے اسلام کی سربلندی کے لیے کبھی کسی قربانی سے دریغ نہیں کیا، تمام غزوات اور معرکوں میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ میں رہا، میرے جسم پر بڑے زخم آئے، حضرت عبداللہ فرماتے ہیں کہ میرے والد کے یہ زخم ان کے فرج یعنی مخصوص اعضاء پر بھی تھے، ان کا یہ حصہ بھی زخموں سے محفوظ نہ رہ سکا، اس قدر انہوں نے اللہ کے راستے میں جاں نثاری کی۔

---

(۱) عمدۃ القاری ۱۶/۲۲۳، کتاب المناقب باب مناقب الزبیر بن العوام

۲۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ حضرت زبیر کی اس وصیت کا مقصد یہ ہو، تا کہ میرے بیٹے اور وارثوں کو یہ معلوم ہوجائے کہ میرے جسم میں کوئی عیب اور نقص نہیں ہے، بلکہ یہ وہ زخم ہیں جو راہ خدا میں مجھے کافروں کے خلاف لڑائیوں میں نبی کریم ﷺ کے ہمراہ لگے ہیں، اس لیے میری موت کے بعد اگر غسل کے دوران تمہیں میرے جسم پر کوئی عضو یا کوئی جگہ صحیح نہ لگے، تو یہ میری کوئی تخلیقی کمزوری اور عیب نہیں، بلکہ یہ معرکوں کے دوران لگے وہ زخم ہیں، جن کی یہ صورتیں اور مختلف شکلیں ہیں۔(۱)

مَنَاقِبُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ رضی اللہ عنہ

حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کے فضائل

آپ کا نام اسلام قبول کرنے کے بعد عبدالرحمن بن عوف بن عبد عوف قرشی اور زہری ہے، زمانہ جاہلیت میں یعنی اسلام قبول کرنے سے پہلے ان کا نام عبد عمرو یا عبدالکعبہ وغیرہ تھا، اسلام کے بعد نبی کریم ﷺ نے ان کا نام عبدالرحمن رکھا، یہ ان دس صحابہ میں سے ہیں جنہیں دنیا میں ہی جنت کی بشارت دے دی گئی تھی، اصحاب الشوری میں سے تھے، انہوں نے دو ہجرتیں کیں، ایک مرتبہ حبشہ کی طرف اور پھر مدینہ منورہ کی طرف، تمام معرکوں میں پیش پیش رہے، غزوہ تبوک میں نبی کریم ﷺ جب طہارت کر کے تشریف لائے، تو عبدالرحمن بن عوف لوگوں کو ایک رکعت نماز پڑھا چکے تھے، چنانچہ پھر آپ ﷺ نے ان کی اقتداء میں نماز ادا فرمائی، اس کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا: کوئی نبی دنیا سے اس وقت تک نہیں جاتا، جب تک کہ وہ اپنی امت میں سے ایک نیک آدمی کے پیچھے نماز نہ پڑھ لے' اس سے بھی حضرت عبدالرحمن کی فضیلت ثابت ہوتی ہے کہ آپ نے انہیں اس امت کا ایک نیک انسان قرار دیا ہے۔(۲)

حضرت عبدالرحمن بن عوف کا بڑے وسیع پیمانے پر کاروبار اور تجارت تھی، اللہ کے راستے میں بہت زیادہ مال خرچ کرتے تھے، ان کی جود وسخاء کے چند واقعات درج ذیل ہیں:

- نبی کریم ﷺ کی ازواج مطہرات کے لیے حضرت عبدالرحمن بن عوف نے ایک بڑا قیمتی باغ ہبہ کیا تھا، جس کو بعد میں انہوں نے چالیس ہزار دینار یعنی چار لاکھ درہم سے بیچا تھا، اس روایت کو امام ترمذی نے یہاں ذکر کیا ہے۔
- ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ کے زمانے میں عبدالرحمن بن عوف نے اپنے مال میں سے چار ہزار درہم، پھر چالیس ہزار دینار صدقہ کیے، پھر پانچ سو گھوڑے جہاد کے لیے اللہ کی راہ میں دیئے، پھر اللہ کے راستے میں جہاد کے لیے ڈیڑھ ہزار اونٹنیاں پیش کیں، اکثر ان میں ان کا مال تجارت تھا۔

---

(۱) مرقاۃ المفاتیح ۲۶۷/۱۱، کتاب المناقب، باب مناقب العشرۃ، تحفۃ الاحوذی ۲۳۲/۱۰۔
(۲) تحفۃ الاحوذی ۲۳۲/۱۰۔

۞ عبدالرحمن بن عوف بیمار ہوئے تو ایک وصیت یہ کی کہ اس وقت اہل بدر میں سے جتنے حضرات موجود ہیں، ان میں سے ہر ایک مجاہد صحابی کو چار سو دینار دیئے جائیں، اور اس وقت اصحاب بدر کی تعداد ایک سو تھی۔

۞ ایک اور روایت میں ہے کہ ایک دن حضرت عبدالرحمن بن عوف نے اللہ کی رضا کے لیے صحابہ کرام کو ایک لاکھ پچاس ہزار دینار دیئے، رات کو گھر میں مزید کاغذ قلم لے کر ایک فہرست بنانے لگے کہ اتنی رقم فلاں کو دینی ہے اور اتنی فلاں فلاں کو.... یہاں تک کہ جو کپڑے ان کے جسم پر تھے، ان کے بارے میں بھی لکھا کہ قمیص فلاں کو دوں گا اور پگڑی فلاں کو، اس طرح انہوں نے اپنے مال و متاع میں سے کوئی چیز نہیں چھوڑی، مہاجرین و انصار میں سے ہر ایک کو کچھ نہ کچھ دینے کے بارے میں فہرست تیار کی، اور پھر سو گئے۔

صبح کو فجر کی نماز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ادا کی، اس وقت حضرت جبرائیل علیہ السلام وحی لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا: اے محمد اللہ تعالیٰ فرمارہے ہیں کہ عبدالرحمن کو میرا سلام پہنچادو، اور ان کے پاس لکھے ناموں کی فہرست لے کر قبول کرلو اور پھر انہیں واپس کردو، اور ان کو بتادو کہ اللہ نے تمہارے صدقہ کو قبول کرلیا ہے، اب تم اس مال میں اللہ اور اس کے رسول کے وکیل ہو، اسے حسب سابق جہاں چاہو، خرچ کردو، اس کا تم سے کوئی حساب نہیں ہوگا، اور تمہارے لیے جنت کی بشارت ہے۔

۞ جعفر بن برقان کہتے ہیں کہ عبدالرحمن بن عوف نے تیس ہزار غلام آزاد کیے، اور ایک روایت میں ہے کہ انہوں نے ایک دن میں تیس غلام آزاد کیے۔

۞ ان کے پسماندگان میں چار بیویاں تھیں، وراثت جب تقسیم ہوئی تو ہر ایک بیوہ کے حصے میں اسی (80) اسی (80) ہزار درہم آئے تھے، بلکہ ایک روایت میں یوں ہے کہ عبدالرحمن کا ترکہ سولہ حصوں پر تقسیم کیا گیا، جن میں سے ہر بیوی کے حصے میں دو دو لاکھ درہم آئے تھے۔(۱)

حضرت عبدالرحمن بن عوف کی عمر ۷۲ یا ۷۸ سال تھی، ۳۱ھ یا ۳۲ھ میں مدینہ منورہ میں ان کا انتقال ہوا، حضرت عثمان یا حضرت زبیر بن عوام نے ان کی نماز جنازہ پڑھائی، اور جنت البقیع میں انہیں دفن کیا گیا۔(۲)

عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ عَوْفٍ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَبُو بَكْرٍ فِي الْجَنَّةِ، وَعُمَرُ فِي الْجَنَّةِ، وَعُثْمَانُ فِي الْجَنَّةِ، وَعَلِيٌّ فِي الْجَنَّةِ، وَطَلْحَةُ فِي الْجَنَّةِ وَالزُّبَيْرُ فِي الْجَنَّةِ، وَعَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ عَوْفٍ فِي الْجَنَّةِ، وَسَعْدٌ فِي الْجَنَّةِ، وَسَعِيدٌ فِي الْجَنَّةِ، وَأَبُو عُبَيْدَةَ بْنُ الْجَرَّاحِ فِي الْجَنَّةِ.(۳)

---

(۱) الاصابة في تمييز الصحابة ۲۹۰/۴، حرف العين، مرقاة المفاتيح ۲۸۲/۱۱، كتاب المناقب باب مناقب العشرة۔

(۲) الاصابة ۲۹۳/۴، حرف العين المهملة۔

(۳) مسند احمد ۱۹۳/۱۔

حضرت عبدالرحمن بن عوف کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ابوبکر جنتی ہیں، عمر جنتی ہیں، علی جنتی ہیں، طلحہ جنتی ہیں، زبیر جنتی ہیں، عبدالرحمن بن عوف جنتی ہیں، سعد جنتی ہیں، سعید بن زید جنتی ہیں اور ابوعبیدہ بن جراح جنتی ہیں۔

عَنْ سَعِيدِ بْنِ زَيْدٍ، حَدَّثَهُ فِي نَفَرٍ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: عَشَرَةٌ فِي الْجَنَّةِ: أَبُو بَكْرٍ فِي الْجَنَّةِ، وَعُمَرُ فِي الْجَنَّةِ، وَعُثْمَانُ وَعَلِيٌّ وَالزُّبَيْرُ وَطَلْحَةُ وَعَبْدُ الرَّحْمٰنِ وَأَبُو عُبَيْدَةَ وَسَعْدُ بْنُ أَبِي وَقَّاصٍ، قَالَ: فَعَدَّ هٰؤُلَاءِ التِّسْعَةَ وَسَكَتَ عَنِ الْعَاشِرِ، فَقَالَ الْقَوْمُ: نَنْشُدُكَ اللهَ يَا أَبَا الْأَعْوَرِ مَنِ الْعَاشِرُ؟ قَالَ: نَشَدْتُمُونِي بِاللهِ، أَبُو الْأَعْوَرِ فِي الْجَنَّةِ، أَبُو الْأَعْوَرِ هُوَ: سَعِيدُ بْنُ زَيْدِ بْنِ عَمْرِو بْنِ نُفَيْلٍ.(۱)

حضرت سعید بن زید نے چند لوگوں کو یہ حدیث سنائی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دس آدمی جنتی ہیں، ابوبکر، عمر، علی، عثمان، زبیر، طلحہ، عبدالرحمن، ابوعبیدہ، اور سعد بن ابی وقاص جنتی ہیں، راوی کہتے ہیں: حضرت سعید نے ان لوگوں کو شمار کیا اور دسویں سے خاموش رہے، لوگوں نے کہا: اے ابوالاعور! ہم آپ کو اللہ کی قسم دیتے ہیں کہ بتلائیں وہ دسواں شخص کون ہے؟ ابوالاعور یعنی سعید بن زید نے فرمایا: تم لوگوں نے مجھے اللہ جل جلالہ کی قسم دے دی ہے (اس لیے میں بتاتا ہوں کہ دسواں آدمی) ابوالاعور جنتی ہے۔

امام ترمذی فرماتے ہیں: ابوالاعور: سعید بن زید بن عمرو بن نوفل ہیں۔

حضرت عبدالرحمن بن عوف عشرہ مبشرہ میں سے ہیں

عشرہ مبشرہ ان دس صحابہ کو کہا جاتا ہے، جن کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ساتھ جنتی ہونے کی خوشخبری سنائی ہے، ورنہ ان کے علاوہ بھی بہت سے صحابہ ایسے ہیں، جن کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جنتی ہونے کی صراحۃً یا اشارۃً خوشخبری سنائی ہے لیکن وہ خوشخبری انفراداً انفراداً دی گئی ہے، ایک ساتھ نہیں دی گئی، ان دس صحابہ کے نام: حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت علی، حضرت طلحہ بن عبیداللہ، حضرت زبیر بن عوام، حضرت عبدالرحمن بن عوف، حضرت سعد بن ابی وقاص، حضرت سعید بن زید، اور حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہم۔(۲)

عَنْ أَبِي سَلَمَةَ عَنْ عَائِشَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صلی اللہ ھلیہ وسلم كَانَ يَقُوْلُ: اِنَّ اَمْرَ كُنَّ مِمَّا يُهِمُّنِي بَعْدِي، وَلَنْ يَصْبِرَ عَلَيْكُنَّ اِلاَّ الصَّابِرُوْنَ. قَالَ: ثُمَّ تَقُوْلُ عَائِشَةُ، فَسَقَى اللهُ اَبَاكَ مِنْ سَلْسَبِيْلِ الْجَنَّةِ، تُرِيْدُ عَبْدَ

---

(۱) مسند احمد ۱/۱۹۳۔

(۲) مرقاۃ ۱۱/۲۶۲، کتاب المناقب، باب مناقب العشرۃ، فیض القدیر للمناوی ۱/۹۳۔

الرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ، وَكَانَ قَدْ وَصَلَ أَزْوَاجَ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم بِمَالٍ بِيعَتْ بِأَرْبَعِينَ أَلْفاً.(۱)

ابو سلمہ بن عبدالرحمن بن عوف حضرت عائشہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عائشہ کہتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ فرمایا کرتے تھے: بے شک تمہاری (دیکھ بھال اور خرچہ کا) معاملہ میرے (مرنے کے) بعد ایک ایسا معاملہ ہے، جو مجھے پریشان کیے رکھتا ہے، (کہ تمہارا کیا ہوگا) اور تمہارے (خرچے اور حقوق وغیرہ پر) صبر کرنے والے ہی صبر کرسکیں گے، عبدالرحمن بن عوف کے بیٹے ابوسلمہ کہتے ہیں: پھر حضرت عائشہ فرماتیں: اللہ تعالیٰ تمہارے باپ یعنی عبدالرحمن بن عوف کو جنت کے چشمے سے سیراب کرے، انہوں نے نبی کریم ﷺ کی بیویوں کو (ہدیہ کے طور پر) ایسا مال (یعنی ایک ایسا باغ) دیا تھا، جو چالیس ہزار (دینار) پر فروخت ہوا۔

عَنْ أَبِي سَلَمَةَ، أَنَّ عَبْدَ الرَّحْمٰنِ بْنَ عَوْفٍ، أَوْصَى بِحَدِيقَةٍ لِأُمَّهَاتِ الْمُؤْمِنِينَ بِيعَتْ بِأَرْبَعِ مِائَةِ أَلْفٍ.

حضرت ابوسلمہ فرماتے ہیں کہ عبدالرحمن بن عوف نے امہات المؤمنین یعنی ازواج مطہرات کے لیے ایک ایسے باغ کی وصیت کی جو چار لاکھ (درہم) میں بیچا گیا۔

مشکل الفاظ کے معنی: ممایهمني: (یا پر پیش، ہاء کے نیچے زیر، باب افعال سے ہے) جو چیز مجھے غمگین اور پریشان کر رہی ہے، فکر مند کئے رکھتی ہے، سلسبیل: جنت کے چشمے کا نام ہے، وصل ازواج النبی صلی اللہ علیہ وسلم بمال: عبدالرحمن بن عوف نے نبی کریم ﷺ کی بیویوں کو مال دیا۔

عبدالرحمن بن عوف نے ازواج مطہرات کو ایک قیمتی باغ ہبہ کیا

نبی کریم ﷺ کو یہ فکر دامن گیر رہتی کہ میرے دنیا سے جانے کے بعد میری بیویوں کی دیکھ بھال، نان نفقہ اور اخراجات کا ذمہ دار کون ہوگا، کیونکہ ازواج مطہرات نے دنیا کے مقابلے میں آخرت کو ترجیح دے کر نبی کریم ﷺ کے ساتھ زندگی گذاری، اور آپ ﷺ کا کوئی مالی ترکہ بھی نہیں تھا کہ جس سے انہیں کوئی وراثت ملتی، اس لیے آپ ﷺ ان کے بارے میں پریشان رہتے، اور آپ ﷺ نے فرمایا کہ تمہارے خرچہ اور دیگر حقوق وغیرہ کا، وہی شخص خیال کرے گا، جو صبر کرنے والا ہوگا، اپنے نفس کے تقاضوں کو پامال کر کے وہ تمہارے اوپر خرچ کرے گا، اللہ جل جلالہ نے یہ فضیلت حضرت عبدالرحمن بن عوف کو عطا فرمائی، انہوں نے ایک انتہائی قیمتی باغ ازواج مطہرات کو ہدیہ میں دیا، جس کو چالیس ہزار دینار میں فروخت کیا گیا، ان کے درہم چار لاکھ بنتے ہیں۔

حضرت عبدالرحمن بن عوف کے بیٹے ابوسلمہ جو تابعی ہیں، ان سے حضرت عائشہ نے فرمایا کہ تمہارے باپ عبدالرحمن بن عوف کو اللہ تعالیٰ جنت کے سلسبیل چشمے سے سیراب کرے، انہوں نے ہمارا بہت خیال کیا، اور ہماری ضروریات میں بہت پیسہ

(۱) مسند احمد ۶/۷۷۔

صرف کیا، مذکورہ دو روایتوں میں سے پہلی روایت میں چالیس ہزار کا ذکر ہے، اور دوسری روایت میں چار لاکھ کا ذکر ہے، ان دونوں رقموں میں کوئی تعارض نہیں، پہلی روایت میں چالیس ہزار دینار مراد ہیں، جن کے درہم چار لاکھ بنتے ہیں، اس کا ذکر دوسری روایت میں ہے۔(۱)

مذکورہ روایات سے درج ذیل اُمور ثابت ہوتے ہیں:

۞ حضرت عبدالرحمن بن عوف اس حدیث کے مطابق ازواج مطہرات پر خرچ کرنے کی وجہ سے "صابرین" میں داخل ہیں۔

۞ حضرت عائشہ نے عبدالرحمن بن عوف کو ان کے بیٹے ابوسلمہ کے سامنے دعا دی کہ اللہ تعالیٰ تمہارے باپ عبدالرحمن کو جنت کے چشمے سے سیراب کرے، اس سے معلوم ہوا کہ جب کوئی بندہ احسان کرے، تو اسے دعا دینا اور اس کا شکریہ ادا کرنا ایک مسنون عمل ہے۔

۞ اگر کوئی شخص اپنی وفات کے بعد اپنے اہل وعیال کے خرچے وغیرہ کی فکر کرے تو یہ جائز ہے، توکل کے منافی نہیں ہے، چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بات پریشان اور غمگین کیے رکھتی کہ میری موت کے بعد میری بیویوں کے اخراجات کا کیا بنے گا، حالانکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ یقین تھا کہ اللہ تعالیٰ میرے اہل وعیال کو بے یار و مددگار نہیں چھوڑے گا۔

بَابُ مَنَاقِبِ سَعْدِ بْنِ أَبِي وَقَّاصٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے فضائل

حضرت سعد کا نام ہے: سعد بن مالک بن اُھیب بن عبد مناف بن زھرۃ بن کلاب قرشی، ان کی کنیت ابو اسحاق ہے، ان کی والدہ حمنہ بنت سفیان بن امیہ ہیں، ان کی چند خصوصیات درج ذیل ہیں:

۱۔ یہ قدیم الاسلام ہیں، چنانچہ سترہ سال کی عمر میں انہوں نے اسلام قبول کر لیا تھا، وہ خود کہا کرتے تھے کہ میں تیسرا مسلمان ہوں، مجھ سے پہلے صرف دو حضرات یعنی حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت خدیجہ نے اسلام قبول کیا تھا۔

۲۔ حضرت سعد، ان دس صحابہ میں سے ہیں، جنہیں ایک ساتھ ہی جنت کی خوشخبری دی گئی تھی۔

۳۔ اصحاب شوریٰ میں یہ بھی شامل تھے۔

۴۔ تیراندازی میں بہت ماہر تھے، چنانچہ انہیں یہ اعزاز حاصل ہے کہ اسلام میں سب سے پہلا تیر انہوں نے چلایا، اس کا واقعہ یہ پیش آیا کہ شوال سن ایک ہجری میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبیدہ بن حارث کی سرکردگی میں ساٹھ یا اسی

(۱) مرقاۃ المفاتیح ۱۱/۲۷۹، کتاب المناقب باب مناقب العشرۃ، رقم: ۶۱۲۸، تحفۃ الاحوذی ۱۰/۲۳۶

(۸۰) مہاجرین کی ایک جماعت مقام ''رابغ'' کی طرف بھیجی، جس کا مقصد یہ تھا کہ قریش کے قافلے کا تعاقب کیا جائے، یہ حضرات وہاں پہنچ گئے، ان کا کفار کے ساتھ آمنا سامنا ہوا، اس دوران حضرت سعد نے ایک تیر کافروں کی طرف پھینکا، یہ مسلمانوں کی طرف سے تاریخ اسلام کا سب سے پہلا تیر ہے، جو جہاد میں کفار پر چلایا گیا، مگر مزید قتال کی نوبت نہیں آئی۔

۵۔ آپ ﷺ نے حضرت سعد سے فرمایا: میرے ماں باپ تم پر قربان ہوں، یہ اعزاز صرف انہیں اور حضرت زبیر بن عوام کو حاصل ہے۔

۶۔ آپ ﷺ نے انہیں اپنا ماموں کہا ہے۔

۷۔ یہ مستجاب الدعوات تھے، آپ ﷺ نے ان کے لیے یہ دعا کی تھی کہ یا اللہ انہیں مستجاب الدعوات بنادے، اس کے بعد ان کی ہر دعا قبول ہوتی تھی۔

۸۔ مکی دور میں جب مسلمان انتہائی کسمپرسی اور سخت ترین حالات سے دوچار تھے، بیت اللہ میں نماز بھی نہیں پڑھ سکتے تھے، ان ایام میں مسلمان ایک گھاٹی میں نماز پڑھ رہے تھے، کافر آکر انہیں چھیڑنے لگے، لڑائی شروع ہوگئی، حضرت سعد نے اس وقت اونٹ کا جبڑا ایک مشرک کو مارا، جس سے اس کا خون بہہ پڑا، یہ سب سے پہلا خون ہے جو اسلام میں ایک کافر کا بہایا گیا، خون بہانے کا یہ اعزاز اور شرف بھی حضرت سعد کو حاصل ہے۔

۹۔ مدینہ منورہ کی طرف انہوں نے ہجرت کی، اور پھر غزوات اور معرکوں میں نبی کریم ﷺ کے ساتھ صف اول میں رہے، غزوہ احد میں جب اپنی جرأت وشجاعت اور تیراندازی کے جوہر دکھائے، تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا: تم تیراندازی کرتے جاؤ، میرے ماں باپ تم پر قربان ہوں۔

۱۰۔ حضرت عمرؓ نے ان کو کوفہ کا حاکم مقرر کیا تھا، پھر بعد میں حضرت عثمانؓ نے بھی انہیں دوبارہ کوفہ کا گورنر بنا کر بھیجا تھا۔

۱۱۔ حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد جب طرح طرح کے فتنے شروع ہوگئے، مسلمان آپس میں ہی لڑنا شروع ہوگئے تو اس وقت انہوں نے ہر قسم کے فتنہ سے کنارہ کشی اختیار کرلی، اور پھر اپنے گھر میں رہنے لگے، بلکہ ایک روایت میں تو یہ بھی آیا ہے کہ انہوں نے باہر ایک زمین خرید لی تھی اور وہاں مکان بنا کر سکونت اختیار کرلی تھی، تاکہ مشاجرات صحابہ سے دور رہیں۔

مدینہ منورہ میں وادی عقیق کے مقام پر، سن ۵۵ھ میں ان کا انتقال ہوا، اور مدینہ منورہ کے اس وقت کے والی مروان بن حکم نے ان کی نماز جنازہ پڑھائی، اور پھر ان کو جنت البقیع میں دفن کیا گیا۔(۱)

عَنْ سَعْدٍ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: اَللّٰهُمَّ اسْتَجِبْ لِسَعْدٍ إِذَا دَعَاكَ. (۲)

حضرت سعد فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے یہ دعا فرمائی تھی: اے اللہ! سعد جب تجھ سے دعا مانگے، تو اس کی دعا

(۱) الاصابة فی تمییز الصحابة ۶۱/۳، حرف السین المهملة، مرقاة المفاتیح ۲۶۷/۱۱، کتاب المناقب، باب مناقب العشرة۔

(۲) المستدرک للحاکم ۴۹۹/۳۔

قبول فرما۔

حضرت سعد کے لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا

اس حدیث میں حضرت سعد کی اس فضیلت کا ذکر ہے کہ اللہ تعالیٰ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعا مانگی تھی کہ اے اللہ سعد کی دعا کو قبول فرمالیا کریں، چنانچہ اس دعا کی برکت تھی کہ سعد کی ہر دعا قبول ہوتی تھی، لوگوں میں وہ مستجاب الدعوات مشہور ہو گئے تھے، لوگ ان سے اپنے لیے بڑے اہتمام سے دعائیں کراتے تھے، اور ان کی بددعا سے بہت بچتے تھے، تاکہ وہ گرفت میں نہ آ جائیں۔(۱)

عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ، قَالَ: أَقْبَلَ سَعْدٌ، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: هٰذَا خَالِي فَلْيُرِنِي امْرُؤٌ خَالَهُ، قَالَ وَكَانَ سَعْدُ بْنُ أَبِي وَقَّاصٍ مِنْ بَنِي زُهْرَةَ، وَكَانَتْ أُمُّ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم مِنْ بَنِي زُهْرَةَ، فَلِذٰلِکَ قَالَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم: هٰذَا خَالِي۔(۲)

حضرت جابر بن عبداللہؓ فرماتے ہیں کہ (ایک دن) سعد بن ابی وقاص (مجلس میں) آئے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے (ان کی طرف اشارہ کرکے) فرمایا: یہ میرے ماموں ہیں، اگر کسی کا ان جیسا ماموں ہو، تو وہ مجھے دکھائے۔

امام ترمذی فرماتے ہیں کہ سعد بن ابی وقاص (قریش کے ایک قبیلہ) بنوزہرہ میں سے تھے، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ محترمہ حضرت آمنہ بھی بنی زہرہ قبیلہ سے تعلق رکھتی تھیں، اس لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے بارے میں فرمایا کہ یہ میرے ماموں ہیں۔

مشکل الفاظ کے معنی: فلیرنی: یہ لفظ ''اراءہ'' باب افعال سے ہے، اس میں یاء پر پیش اور راء کے نیچے زیر ہے: چاہیے کہ مجھے دکھائے، خالہ: اپنا ماموں۔

حضرت سعد بن ابی وقاص حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ماموں ہیں

''زہرۃ'' ایک عورت کا نام ہے جو کلاب بن مرہ بن کعب بن لوی بن غالب کی بیوی تھی، اس کی اولاد کو بنوزہرہ کہا جاتا ہے، اور یہ قبیلہ قریش کی ایک مشہور شاخ تھی، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ ماجدہ اور حضرت سعد بن ابی وقاص کا نسبی تعلق اسی قبیلے سے تھا، اس اعتبار سے حضرت آمنہ اور حضرت سعد بہن بھائی ہوئے، اور عرف میں ماں کے رشتہ داروں کو عموماً ماموں ہی کہا جاتا ہے، اس لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سعد میرے ماموں ہیں، ان جیسا اور کسی کا ماموں نہیں، اگر ہے تو وہ مجھے دکھائے، اس سے بہر

(۱) مرقاۃ ۱۱/۲۷۷، رقم: ۶۱۲۵۔
(۲) المستدرک ۳/۴۹۸۔

حال حضرت سعد بن ابی وقاص کی عظمت وفضیلت ثابت ہوتی ہے۔(۱)

عَنْ عَلِيٍّ: مَا جَمَعَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَبَاهُ وَأُمَّهُ لِأَحَدٍ إِلَّا لِسَعْدٍ، قَالَ لَهُ يَوْمَ أُحُدٍ: ارْمِ فِدَاكَ أَبِي وَأُمِّي، وَقَالَ لَهُ: ارْمِ أَيُّهَا الغُلَامُ الحَزَوَّرُ. (۲)

حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ماں باپ کو کسی کے لیے جمع نہیں کیا، مگر سعد کے لیے (جمع کیا ہے) چنانچہ غزوہ احد کے دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: تم تیر چلاتے جاؤ، میرے ماں باپ تم پر قربان ہوں، اور (مزید) آپ نے ان سے فرمایا: اے طاقتور نوجوان: تم تیر چلاؤ۔

سعد پر میرے ماں باپ قربان ہوں

غزوہ احد کے دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ حضرت سعد بڑی ہمت اور جواں مردی سے کفار کا مقابلہ کر رہے ہیں اور تیروں کی ان پر بارش برسا رہے ہیں تو خوش ہو کر فرمایا کہ تیراندازی کرتے جاؤ اے طاقتور نوجوان، میرے ماں باپ تم پر قربان ہوں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرات صحابہ میں سے دو آدمیوں کے لیے یہ جملہ استعمال فرمایا ہے، ایک غزوہ احد کے موقع پر حضرت سعد بن ابی وقاص کے لیے اور دوسرا غزوہ خندق کے دن حضرت زبیر بن عوام کے لیے، مگر حضرت علی کی مذکورہ روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ جملہ صرف حضرت سعد کے لیے کہا ہے، بظاہر دونوں باتوں میں تعارض ہے؟ شارحین حدیث نے اس کے دو جواب ذکر کیے ہیں:

۱۔ حقیقت یہی ہے کہ یہ جملہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سعد کی طرح حضرت زبیر بن عوام کے لیے بھی استعمال کیا ہے، حضرت علی نے یہ بات اپنے علم اور سماع کے مطابق کہی ہے۔

۲۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ حضرت علی کا مقصد یہ ہو کہ غزوہ احد کے دن یہ جملہ آپ نے صرف حضرت سعد کے لیے استعمال فرمایا ہے، کسی اور صحابی کے لیے ارشاد نہیں فرمایا، اس جواب کے لحاظ سے پھر دونوں حدیثوں میں کوئی تعارض اور تضاد نہیں ہوگا۔(۳)

اس کی مزید تفصیل معارف ترمذی جلد دوم، ابواب الاستیذان والاداب باب ما جاء فی فداک وامی میں گذر چکی ہے، اسے وہاں دیکھ لیا جائے۔

عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: سَهِرَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَقْدَمَهُ المَدِينَةَ لَيْلَةً، قَالَ: لَيْتَ رَجُلًا صَالِحًا يَحْرُسُنِي اللَّيْلَةَ، قَالَتْ: فَبَيْنَمَا نَحْنُ كَذَلِكَ إِذْ سَمِعْنَا خَشْخَشَةَ السِّلَاحِ، فَقَالَ: مَنْ هَذَا؟ فَقَالَ: سَعْدُ بْنُ

---

(۱) فتح الباری ۷/۱۰۵، کتاب المناقب، باب مناقب سعد بن ابی وقاص الزہری، مرقاۃ ۱۱/۲۷۹، رقم: ۶۱۲۷۔

(۲) الکبری للنسائی، رقم الحدیث: ۱۰۰۲۲۔

(۳) فتح الباری ۷/۱۰۵، مرقاۃ ۱۱/۲۷۸، رقم: ۶۱۲۶۔

أَبِي وَقَّاصٍ، فَقَالَ لَهُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَا جَاءَ بِكَ؟ فَقَالَ سَعْدٌ: وَقَعَ فِي نَفْسِي خَوْفٌ عَلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَجِئْتُ أَحْرُسُهُ، فَدَعَا لَهُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، ثُمَّ نَامَ. (۱)

حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (ایک مرتبہ کسی غزوے سے) مدینہ میں (واپس آکر) رات میں سوئے نہیں، بیدار رہے، پھر آپ فرمانے لگے: کاش کوئی نیک انسان آج رات میری حفاظت کے لیے پہرہ دیتا، فرماتی ہیں کہ ہم ابھی اسی سوچ میں تھے کہ اچانک ہم نے ہتھیاروں کی جھنکار سنی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: کون ہے؟ عرض کیا: میں سعد بن ابی وقاص ہوں، پھر آپ نے ان سے پوچھا: اس وقت تم کیسے آئے ہو؟ عرض کیا: میرے دل میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں خوف پیدا ہوا (کہ کہیں کوئی دشمن آپ کو تکلیف نہ پہنچائے) اس لیے میں آپ کی حفاظت کے لیے آیا ہوں، یہ بات سن کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سعد کو دعا دی اور پھر سو گئے۔

مشکل الفاظ کے معنی: سهر: (سین پر زبر اور ہاء کے نیچے زیر) آپ جاگتے رہے، سوئے نہیں، مقدمه المدينة: آپ کا مدینہ منورہ میں آنا، يحرسني: جو میرا پہرہ دے، میری نگہبانی اور حفاظت کرے، فبينا نحن كذلك: ابھی ہم اسی سوچ میں ہی تھے کہ، خشخشة السلاح: ہتھیاروں کی جھنکار، جھنجھناہٹ، وقع في نفسي خوف على رسول الله: میرے دل میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں خوف پیدا ہوا کہ کہیں کوئی دشمن آپ کو تکلیف نہ پہنچائے۔

حضرت سعد نے ایک رات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا پہرہ دیا

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک مرتبہ کسی غزوہ سے واپس مدینہ منورہ تشریف لائے، تو رات کو آپ کی آنکھ نہیں لگی، اس اندیشہ سے کہ کوئی اسلام دشمن مجھے تکلیف نہ پہنچا دے، اس وقت آپ نے فرمایا: کاش کوئی نیک آدمی آج رات میرا پہرہ دیتا، اسی وقت اللہ تعالیٰ نے حضرت سعد کے دل میں یہ بات ڈال دی کہ جاؤ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا آج رات پہرہ دو، چنانچہ آپ نے ہتھیاروں کی آواز سنی، دیکھا تو سعد آرہے ہیں، اور انہوں نے بتایا کہ میرا اس وقت آنے کا مقصد رات کو آپ کی حفاظت کے لیے پہرہ دینا ہے، تاکہ کوئی دشمن آپ کو تکلیف نہ پہنچائے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے اس عمل سے بہت خوش ہوئے، بہت دعائیں دیں اور پھر آپ نے اطمینان سے آرام فرمایا۔ (۲)

اس واقعہ سے مندرجہ ذیل امور ثابت ہوتے ہیں:

❁ دشمن کے شر سے بچنے کے لیے اپنی حفاظت کا بندوبست کرنا جائز ہے، یہ توکل کے منافی نہیں ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا توکل اور اللہ کی ذات پر اعتماد انتہائی کامل درجہ کا تھا، اس کے باوجود اپنی حفاظت کے لیے پہرہ پر صحابی کو مامور فرمایا، یہ بالکل اسی

---

(۱) الصحیح للبخاری، کتاب الجهاد، باب الحراسة فی الغزو، رقم: ۲۸۸۵۔

(۲) مرقاۃ ۱۱/۲۶۸، رقم: ۶۱۱۴۔

طرح ہے، جس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ جل جلالہ سے عرض کیا تھا: رب ارنی کیف تحیی الموتی..... ولکن لیطمئن قلبی، مجھے اپنی قدرت کی تخلیقی مناظر دکھادے، تاکہ میرا دل مطمئن ہو جائے، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اطمینان قلبی کے لیے اپنا پہرہ دلوایا۔

- رعایا پر لازم ہے کہ وہ اپنے حکمران اور ذمہ دار کی حفاظت کریں، تاکہ کوئی دشمن اسے کسی قسم کی تکلیف نہ پہنچائے۔
- جو آپ کے ساتھ نیکی، حسن سلوک اور کوئی خدمت سرانجام دے، تو اسے دعا دینا اور اس کی تعریف کرنا سنت عمل ہے، جیسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سعد کو دعائیں دیں اور انہیں "نیک آدمی" بھی قرار دیا۔
- پھر جب اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر سورہ مائدہ کی آیت: یایھا الرسول بلغ ما أنزل..... واللہ یعصمک من الناس، نازل فرمائی جس میں اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کا ذمہ خود لے لیا ہے، تو آپ نے خیمہ سے نکل کر حضرت سعد سے فرمایا: اب تم چلے جاؤ، میری حفاظت کا ذمہ اللہ جل جلالہ نے خود لے لیا ہے۔(۱)

بَابُ مَنَاقِبِ أَبِي الأَعْوَرِ، وَاسْمُهُ سَعِيدُ بْنُ زَيْدِ بْنِ عَمْرِو بْنِ نُفَيْلٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ

حضرت سعید بن زید بن عمرو بن نفیل کے فضائل، ان کی کنیت ابوالاعور ہے

حضرت سعید بن زید رضی اللہ عشرہ مبشرہ میں سے ہیں اور قدیم الاسلام ہیں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ابھی تک دارارقم میں تشریف نہیں لے گئے تھے کہ انہوں نے بیس سال کی عمر میں اسلام قبول کر لیا تھا، یہ حضرت عمر فاروق کے بہنوئی ہیں، ان ہی کے گھر میں حضرت عمر فاروق تشریف لائے تھے، اسلام کی وجہ سے اپنے بہنوئی سعید بن زید اور اپنی بہن فاطمہ بنت الخطاب کو مارا پیٹا بھی تھا، اور پھر بالآخر ان ہی کے گھر میں اسلام ان کے دل میں داخل ہو گیا تھا۔

مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کر کے آپ کے ساتھ رہے، تمام معرکوں میں شریک رہے، جس وقت غزوہ بدر ہوا، اس وقت چونکہ یہ شام گئے ہوئے تھے، اس لیے اس میں وہ شریک نہیں ہو سکے تھے، تاہم مال غنیمت میں ان کو بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حصہ دیا تھا، یرموک کے معرکہ اور دمشق کی فتح میں بھی یہ پیش پیش رہے، اسلام کی راہ میں بہت تکلیفیں برداشت کیں، بڑے کٹھن حالات سے بھی دو چار ہوئے مگر پھر بھی وہ اللہ کو راضی کرنے کی طرف بڑھتے ہی رہے۔

حضرت سعید بن زید جلیل القدر صحابہ میں سے تھے، ایک خاص واقعہ میں ان کی دعا کی قبولیت کا قصہ بہت مشہور ہے، ہوا یہ کہ اروی بنت انیس نے مروان بن حکم کے سامنے حضرت سعید بن زید کی یہ شکایت لگائی کہ انہوں نے میری یعنی اروی کی زمین پر ناجائز قبضہ کر لیا ہے، لہٰذا میری زمین ان سے چھڑا کر مجھے دلوا دیں، حضرت سعید بن زید کو جب اس الزام کا پتہ چلا تو بڑا دکھ ہوا،

---

(۱) فتح الباری ۱۰۲/۶، کتاب الجهاد والسیر باب الحراسة فی الغزو فی سبیل اللہ۔

اروی سے انہوں نے فرمایا کہ میرے سامنے نبی کریم ﷺ کا یہ ارشاد ہے کہ جس شخص نے کسی کی ایک بالشت زمین بھی ناجائز قبضہ کرلی، تو اسے قیامت کے دن سات زمینوں کا طوق پہنایا جائے گا، اور ایک روایت میں یہ ہے کہ اسے کہا جائے گا کہ تم کہیں سے زمین لاکر صاحب حق کو دو، یوں اسے ذلت کا سامنا کرنا پڑے گا، میں ایسا نہیں کرسکتا کہ اروی یا کسی اور کی زمین پر ناجائز قبضہ کروں، انہوں نے اروی سے کہا کہ تم جتنی زمین لینا چاہتی ہو، لے لو، چنانچہ اروی نے ان کی اس پیشکش پر چھ سو ذراع یعنی گز زمین لے لی، لیکن چونکہ اروی کا دعوی سراسر غلط اور حضرت سعید سو فیصد حق پر تھے، اس لیے انہوں نے اللہ جل جلالہ سے یہ دعا کی: اے اللہ! اگر یہ جھوٹی ہے، تو اسے نابینا کردے، اور اسے کنویں میں گرا کر موت دے، اور میری سچائی کو مسلمانوں کے سامنے ظاہر کر دے، اللہ تعالیٰ نے ان کی یہ دعا قبول کرلی۔

وادی عقیق میں اتنا سیلابی پانی آیا کہ اس نے حضرت سعید کی صداقت اور ان کے حق کو واضح کردیا، ایک ماہ کے بعد وہ عورت نابینا ہوگئی اور ایک دن وہ اپنی زمین کا چکر لگا رہی تھی کہ کنویں میں گر کر مرگئی، یہ واقعہ لوگوں میں بہت مشہور ہوگیا، اور پھر یہ جملہ لوگوں میں چل پڑا: أَعْمَاكَ اللهُ عَمَى أَرْوَى: اللہ تعالیٰ تجھے اروی نامی عورت کی طرح نابینا بنادے، جب دو بندے آپس میں کسی مسئلے پر لڑائی جھگڑا اور بحث کرتے تو جو شخص باطل پر ہوتا، اسے یہ جملہ کہا جاتا تھا۔

مدینہ منورہ کے مضافات ”عقیق“ کے مقام پر سن ۵۱ یا ۵۲ھ میں انتقال ہوا، ان کی عمر ۷۱، یا ۷۲ سال تھی۔(۱)

عَنْ سَعِيدِ بْنِ زَيْدِ بْنِ عَمْرِو بْنِ نُفَيْلٍ، أَنَّهُ قَالَ: أَشْهَدُ عَلَى التِّسْعَةِ أَنَّهُمْ فِي الْجَنَّةِ، وَلَوْ شَهِدْتُ عَلَى الْعَاشِرِ لَمْ آثَمْ. قِيلَ: وَكَيْفَ ذَاكَ؟ قَالَ: كُنَّا مَعَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِحِرَاءٍ، فَقَالَ: اثْبُتْ حِرَاءُ، فَإِنَّهُ لَيْسَ عَلَيْكَ إِلَّا نَبِيٌّ أَوْ صِدِّيقٌ أَوْ شَهِيدٌ. قِيلَ: وَمَنْ هُمْ؟ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَأَبُو بَكْرٍ، وَعُمَرُ، وَعُثْمَانُ، وَعَلِيٌّ، وَطَلْحَةُ، وَالزُّبَيْرُ، وَسَعْدٌ، وَعَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ عَوْفٍ. قِيلَ فَمَنِ الْعَاشِرُ؟ قَالَ: أَنَا. (۲)

حضرت سعید بن زید بن عمرو بن نفیل فرماتے ہیں کہ میں نو شخصوں سے متعلق گواہی دیتا ہوں کہ وہ جنتی ہیں، اور اگر میں دسویں کے متعلق بھی یہی گواہی دوں، تو میں گناہگار نہیں ہوں گا، پوچھا گیا: وہ کیسے؟ فرمانے لگے: ہم ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ کے ساتھ (مکہ کے) حراء پہاڑ پر تھے، آپ نے حراء پہاڑ کو مخاطب کرکے فرمایا: اے حراء تو ٹھہر ارہ، کیونکہ تجھ پر نبی، صدیق اور شہداء کے علاوہ اور کوئی نہیں، لوگوں نے پوچھا: وہ سب کون کون تھے؟ حضرت سعید بن زید نے فرمایا: وہ ابوبکر، عمر، عثمان، علی، طلحہ، زبیر، سعد اور عبدالرحمن بن عوف ہیں، پوچھا گیا: دسواں کون ہے؟ فرمایا: دسواں میں خود ہی ہوں۔

---

(۱) حلیۃ الاولیاء وطبقات الاصفیاء ۱/۹۵، الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ ۳/۸۷، حرف السین، ذکر من اسمہ سعید

(۲) سنن أبی داؤد، کتاب السنۃ، باب فی الخلفاء، رقم: ۴۶۴۸۔

حضرت سعید بن زید کے لیے جنت کی بشارت

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جن دس صحابہ کو ایک ساتھ جنتی ہونے کی خوشخبری دی تھی، ان میں سے ایک حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ بھی ہیں، حدیث مذکور میں ہے کہ ایک مرتبہ مکہ کے جبل حراء پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور وہ دس صحابہ کھڑے تھے کہ وہ پہاڑ خوشی سے جھوم اٹھا، کہ آج میرے اوپر اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم اور دس جنتی کھڑے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے خطاب کر کے فرمایا کہ اے حراء اپنی جگہ ثابت رہ، ٹھہر ا رہ کیونکہ تیرے اوپر ایسے ایسے لوگ کھڑے ہیں، اللہ تعالیٰ ہمیں بھی اپنے فضل سے اہل جنت والے اعمال کرنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین یارب العالمین۔(۱)

مَنَاقِبِ أَبِي عُبَيْدَةَ بْنِ الْجَرَّاحِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ

حضرت ابوعبیدہ بن جراح کے فضائل

آپ کا اصل نام عامر بن عبداللہ بن جراح قرشی ہے، اپنی کنیت ابوعبیدہ اور اپنے دادا جراح کی نسبت سے مشہور ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ان کا سلسلہ نسب فہر بن مالک میں جمع ہو جاتا ہے، حضرت عثمان بن مظعون کے ساتھ دائرہ اسلام میں داخل ہوئے، عشرہ مبشرہ میں سے ہیں، پہلے حبشہ اور پھر مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کی ہے، تمام غزوات میں اپنی جرأت وشجاعت کی داستانیں رقم کرتے رہے، غزوہ احد میں پسپائی، خوف وہراس اور افراتفری کے وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ثابت قدم رہے، غزوہ احد کے دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم زخمی ہوئے، خود کے دو کڑے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے میں پیوست ہو گئے تھے، حضرت ابوعبیدہ نے انہیں اپنے دانتوں سے کھینچ کر باہر نکالا، اس سے ان کے سامنے کے دو دانت گر گئے تھے۔

تمام صحابہ کرام اللہ جل جلالہ کے حکم کے سامنے اپنے جذبات، اپنی خواہشات اور اپنے کافر رشتہ داروں کی کوئی پرواہ نہیں کرتے تھے، چنانچہ غزوہ احد میں حضرت ابوعبیدہ کے والد عبداللہ کفار کے ساتھ مسلمانوں کے مقابلے کے لیے آئے تو میدان جہاد میں وہ بار بار اپنے بیٹے حضرت ابوعبیدہ کے سامنے آتے، تاکہ موقع پا کر ان کو شہید کر دوں، حضرت ابوعبیدہ اپنی جان بچا کر ادھر ادھر ہو جاتے، لیکن جب انہوں نے مسلسل یہ صورت اختیار کر لی تو ابوعبیدہ نے پہل کر کے ان کو قتل کر دیا، صحابہ کے اس طرح کے ایمان افروز واقعات بہت ہیں، ان ہی کی تعریف میں اللہ جل جلالہ نے سورہ مجادلہ کی آیت ۲۲ نازل فرمائی: لا تجد قوما یؤمنون باللہ والیوم الآخر یواذون من حاد اللہ و رسولہ ولو کانوا أباء ھم أو أبناء ھم أو أخوانھم أو

(۱) بذل المجهود ۹۲/۱۸، كتاب السنة، باب فى الخلفاء، رقم: ۴۶۴۸۔

عشیرتھم......(۱)

حضرت ابوعبیدہ کا زہد اور دنیا سے بے رغبتی

عہد فاروقی میں حضرت ابوعبیدہ بن جراح، امیر المؤمنین حضرت عمر کی طرف سے شام و فلسطین میں اسلامی فوجوں کے سپہ سالار تھے، ایک مرتبہ حضرت عمر ملک شام تشریف لے گئے، تو لشکروں کے امراء اور لوگوں نے ان کا استقبال کیا، حضرت عمر نے پوچھا: میرا بھائی ابوعبیدہ کہاں ہے؟ بتایا گیا کہ وہ ابھی آنے والے ہیں، اتنے میں پہنچ گئے، حضرت عمر نے انہیں اپنے گلے سے لگایا، ملاقات کے بعد وہ حضرت ابوعبیدہ کے گھر تشریف لے گئے تو دیکھا کہ ان کے گھر میں صرف تین چیزیں ہیں، ایک تلوار، ایک ڈھال اور ایک کجاوہ، اس موقع پر حضرت عمر نے ان سے فرمایا: آپ بھی کچھ ساز و سامان بنا لیتے؟ حضرت ابوعبیدہ نے جواب دیا: اے امیر المؤمنین! قبر تک پہنچنے کے لیے یہ سامان بھی کافی ہے، پھر حضرت عمرؓ نے ان سے فرمایا کہ کھانے کا کچھ ہے؟ حضرت ابو عبیدہ نے گھر کے ایک کونے سے روٹی کے چند خشک ٹکڑے لائے، جنہیں پانی میں بھگو کر کھایا جاتا ہے، یہ دیکھ کر حضرت عمر فاروق بے ساختہ رو پڑے، اور فرمانے لگے: اے عبیدہ تمہارے علاوہ ہم سب کو دنیا نے فریب دے دیا۔(۲)

حضرت عبداللہ بن عامر کے آزاد کردہ غلام حضرت ابوحسنہ مسلم بن اکیس رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ ایک صاحب حضرت ابو عبیدہ کے پاس گئے تو دیکھا کہ وہ رو رہے ہیں، اس شخص نے پوچھا کہ اے ابوعبیدہ کیوں رو رہے ہیں؟ حضرت ابوعبیدہ نے فرمایا کہ میں اس وجہ سے رو رہا ہوں کہ ایک دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان فتوحات اور مال غنیمت کا تذکرہ کیا، جو اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو عطا فرمائیں گے، اس میں ملک شام فتح ہونے کا ذکر کیا، اور فرمایا: اے ابوعبیدہ! اگر تم ان فتوحات تک زندہ رہے، تو تمہیں تین خادم کافی ہیں، ایک تمہاری روزانہ کی خدمت کے لیے، اور دوسرا تمہارے ساتھ سفر کے لیے اور تیسرا تمہارے گھر والوں کی خدمت کے لیے، جو ان کے کام کرتا رہے، اور تین سواریاں تمہیں کافی ہیں، ایک سواری تمہارے گھر کے لیے، دوسری سواری تمہارے لیے اور تیسری سواری تمہارے غلام کے لیے، اور آج میں اپنے گھر کو دیکھتا ہوں تو وہ غلاموں سے بھرا ہوا ہے، اور اپنے اصطبل کو دیکھتا ہوں، تو وہ گھوڑوں اور جانوروں سے بھرا ہوا ہے، اب میں اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کس منہ سے ملاقات کروں گا۔(۳)

حضرت یعقوب بن سفیان رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابوعبیدہ اپنے لشکر کے ساتھیوں کو یوں نصیحت کیا کرتے:

أَلَا رُبَّ مُبَيِّضٍ لِثِيَابِهِ وَهُوَ مُدَنِّسٌ لِدِينِهِ، أَلَا رُبَّ مُكْرِمٍ لِنَفْسِهِ وَهُوَ لَهَا مُهِينٌ غَدًا، اِدْفَعُوا السَّيِّئَاتِ الْقَدِيمَاتِ بِالْحَسَنَاتِ الْحَادِثَاتِ، ترجمہ: ارے سن لو! کتنے ہی لوگ ایسے ہیں، جو بہت صاف اور سفید کپڑوں والے ہوتے

---

(۱) تفسیر قرطبی ۲۶۰/۱۷، سورۃ المجادلۃ، آیت: ۲۲، ط: بیروت، معارف القرآن ۳۵۲/۸

(۲) حلیۃ الاولیاء ۱۰۱/۱، مرقاۃ المفاتیح ۲۷۴/۱۱، کتاب المناقب، باب مناقب العشرۃ

(۳) مسند احمد ۵۳۲/۱، رقم الحدیث: ۱۷۱۸، ط: بیروت

ہیں، لیکن وہ اپنا دین میلا رکھتے ہیں، اور یہ بھی یاد رکھو کہ بہت سے لوگ ایسے ہیں، جو اپنے آپ کو محترم و معزز سمجھتے ہیں، لیکن کل قیامت کے دن انجام کے اعتبار سے وہ اپنے نفس کو ذلت و رسوائی میں ڈالنے والے ہیں، اس لیے نئی سے نئی نیکیوں سے اپنی پرانی برائیوں اور گناہوں کو دور کر لو، معاف کرالو (تاکہ کل قیامت کے دن ذلت سے دوچار نہ ہونا پڑے)

حضرت ابوعبیدہ کی آخری وصیت

حضرت سعید بن مسیب رحمہ اللہ فرماتے ہیں: جب حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ اردن میں طاعون میں مبتلی ہوئے تو جتنے مسلمان وہاں موجود تھے، ان کو بلا کر یہ وصیت کی:

''میں تمہیں ایک وصیت کر رہا ہوں اگر تم نے اسے مان لیا اور اس پر عمل پیرا رہے تو ہمیشہ خیر پر رہو گے، وہ یہ ہے کہ نماز قائم کرو، رمضان کے روزے رکھو، زکوٰۃ ادا کرو، حج وعمرہ کرو، ایک دوسرے کو نیکی کی تاکید کرتے رہو، اپنے حکمرانوں سے خیر خواہی کرو، ان کو دھوکہ مت دو اور دنیا تمہیں آخرت سے ہرگز بے خبر نہ کرے، کیونکہ اگر انسان کی عمر ہزار سال بھی ہو جائے تو بھی اسے ایک نہ ایک دن موت سے دوچار ہونا ہے، اللہ تعالیٰ نے تمام انسانوں کے لیے مرنا طے کر دیا ہے لہذا وہ سب ضرور مریں گے اور سمجھدار وہی ہے، جو اپنے پروردگار کی اطاعت کرے اور اپنی آخرت کے لیے سب سے زیادہ عمل کرے، والسلام علیکم ورحمۃ اللہ، اے معاذ بن جبل: آپ میری جگہ لوگوں کو نماز پڑھائیں۔''

اس کے بعد حضرت ابوعبیدہ کا انتقال ہو گیا پھر حضرت معاذ بن جبل نے لوگوں سے خطاب میں یہ فرمایا:

''اے لوگو! تم اللہ کے آگے اپنے گناہوں سے توبہ کرو، کیونکہ جو بندہ بھی اپنے گناہوں سے توبہ کر کے اللہ سے ملے گا، تو اللہ کے ذمہ اس کا حق ہو گا کہ اللہ اس کی مغفرت فرما دیں اور جس کے ذمہ قرض ہے، وہ اپنا قرض ادا کرے، کیونکہ بندہ اپنے قرضہ کیوجہ سے بندھا رہے گا، اور جس کسی نے اپنے مسلمان بھائی سے قطع تعلق کر رکھا ہو، اسے چاہیے کہ وہ اس سے صلح کر لے، اے مسلمانو! تمہیں ایک ایسے آدمی کی موت کا صدمہ پہنچا ہے، جس کے بارے میں مجھے یقین ہے کہ ان سے زیادہ نیک دل، ان سے زیادہ محبت کرنے والا اور ان سے زیادہ عوام سے خیر خواہی کرنے والا اور ان سے زیادہ شرم وحیا کرنے والا میں نے کوئی نہیں دیکھا، لہذا ان کے لیے نزول رحمت کی دعا کرو اور ان کی نماز جنازہ میں ضرور شرکت کرو۔ (۱)

شام میں طاعون عمواس میں ۱۸ھ میں ان کا انتقال ہوا، ولید بن مسلم کہتے ہیں کہ حضرت ابوعبیدہ بیت المقدس میں نماز پڑھنے جا رہے تھے کہ ان کی وفات ہو گئی، اردن میں ہی مقام بیسان پر انہیں دفن کیا گیا، اس وقت ان کی عمر اٹھاون سال تھی، حضرت معاذ بن جبل نے ان کی نماز جنازہ پڑھائی۔ (۲)

---

(۱) الریاض النضرۃ فی مناقب العشرۃ للمحب الطبری ۲/۳۱۷

(۲) الاصابۃ ۳/۴۷۵، حرف العین المہملۃ

عَنْ حُذَيْفَةَ بْنِ الْيَمَانِ، قَالَ: جَاءَ الْعَاقِبُ وَالسَّيِّدُ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَا: ابْعَثْ مَعَنَا أَمِينَكَ، فَقَالَ: فَإِنِّي سَأَبْعَثُ مَعَكُمْ أَمِينًا حَقَّ أَمِينٍ، فَأَشْرَفَ لَهَا النَّاسُ، فَبَعَثَ أَبَا عُبَيْدَةَ بْنَ الْجَرَّاحِ قَالَ: وَكَانَ أَبُو إِسْحَاقَ، إِذَا حَدَّثَ بِهَذَا الْحَدِيثِ عَنْ صِلَةَ، قَالَ: سَمِعْتُهُ مُنْذُ سِتِّينَ سَنَةً. عَنْ ابْنِ عُمَرَ، وَأَنَسٍ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ: لِكُلِّ أُمَّةٍ أَمِينٌ، وَأَمِينُ هَذِهِ الْأُمَّةِ أَبُو عُبَيْدَةَ بْنُ الْجَرَّاحِ. عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ قَالَ: قَالَ حُذَيْفَةُ: قَلْبُ صِلَةَ بْنِ زُفَرَ مِنْ ذَهَبٍ۔(۱)

حضرت حذیفہ بن یمان فرماتے ہیں کہ (وفد نجران میں) عاقب اور سید نبی کریم ﷺ کے پاس آئے، ان دونوں نے عرض کیا: آپ ہمارے ساتھ اپنے کسی امانتدار بندے کو بھیج دیجئے، نبی کریم ﷺ نے فرمایا: میں تھوڑی دیر میں آپ لوگوں کے ساتھ ایک امانت دار آدمی کو بھیجوں گا، جو واقعی امانت دار اور قابل اعتماد ہے، چنانچہ لوگ اس (ولایت وذمہ داری) کے لیے اونچے ہوئے (تاکہ آپ ﷺ ہمیں دیکھ لیں اور اس اعزاز کے لیے انتخاب فرمالیں) پھر آپ ﷺ نے ابوعبیدہ کو بھیجا، اس حدیث کے ایک راوی ابواسحاق رحمہ اللہ جب یہ حدیث صلہ بن زفر سے روایت کرتے، تو فرماتے تھے کہ میں نے یہ حدیث ساٹھ سال پہلے سنی ہے (یہ ان کے حافظہ کے مضبوط اور قوی ہونے کی دلیل ہے) حضرت عبداللہ بن عمر اور حضرت انس سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ہر امت میں کوئی امانت دار ہوتا ہے اور اس امت کے امانت دار ابوعبیدہ بن جراح ہیں، ابواسحاق کہتے ہیں کہ حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ نے اپنے شاگرد صلہ بن زفر کے بارے میں فرمایا: صلہ بن زفر کا دل سونے کا ہے (یعنی سونے کی طرح روشن، چمکدار اور صاف وشفاف ہے)

مشکل الفاظ کے معنی: ابعث معنا: ہمارے ساتھ بھیج دیجئے، فأشرف لها الناس: اس میں "ها" ضمیر "ولاية" کی طرف لوٹ رہی ہے، ترجمہ یوں ہے: لوگ یعنی صحابہ کرام اس ولایت اور ذمہ داری کے حصول کے لیے اونچے اور بلند ہوئے، تاکہ آپ ﷺ ہمیں دیکھ لیں اور ہمیں یہ شرف اور فضیلت حاصل ہوجائے کہ آپ کی نظر میں ہم امین ثابت ہوجائیں، ولایت وحکومت ان کی نظر میں مقصود نہیں تھی۔

اہل نجران کے لیے حضرت ابوعبیدہ کا انتخاب

"نجران" مکہ مکرمہ سے یمن کی جانب سات منزل پر واقع ایک بڑا شہر ہے، نجران کا وفد حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں دو مرتبہ حاضر ہوا ہے، ایک مرتبہ یہ وفد مکہ مکرمہ میں حاضر ہوا، اس وقت یہ بیس آدمیوں پر مشتمل تھا، اور دوسری مرتبہ ان کا وفد سن ۹ ہجری میں آیا۔

(۱) الصحیح للبخاری، فضائل الصحابۃ، باب مناقب ابی عبیدۃ، رقم: ۳۷۴۵۔

یہاں روایت میں جس واقعہ کا بیان ہے، وہ سن ۹ ہجری کا ہے، اس وقت ابن سعد کے بیان کے مطابق چودہ اور ابن اسحاق کی روایت کے مطابق چوبیس آدمیوں پر مشتمل تھا، ان میں تین بڑے سردار تھے، یہاں ترمذی کی روایت میں ان میں سے دو کا ذکر ہے ایک "سید" سے مشہور تھا، اس کا نام "ایہم" یا "شرحبیل" تھا، قافلے کی ترتیب اور سواریوں کا انتظام اس کے سپرد تھا، یہی قافلے کا امیر تھا، دوسرا "عاقب" تھا، اس کا نام "عبدالمسیح" تھا، تیسرا شخص جس کا ذکر اس روایت میں نہیں ہے، وہ ابوالحارث بن علقمہ تھا، یہ ان کا دینی رہنما اور مذہبی پیشوا تھا۔

نبی کریم ﷺ نے ان لوگوں کو اسلام کی دعوت دی اور ان کے سامنے قرآن مجید کی تلاوت کی، مگر انہوں نے اسلام قبول کرنے سے انکار کر دیا، آپ نے ان سے فرمایا: اگر تم میری بات کا انکار کرتے ہو، تو آؤ میں تمہارے ساتھ مباہلہ کرتا ہوں، سورہ آل عمران کی آیت: تعالوا ندع ابناءنا و ابناءکم و نساءنا و نساءکم میں اسی مباہلے کا ذکر ہے۔

یہ لوگ مباہلے کے لیے تیار ہو گئے لیکن سید ایہم یا عاقب نے کہا کہ اگر ہم نے مباہلہ کیا اور یہ واقعی اللہ کے نبی ہوئے تو ہم سب ہلاک و برباد ہو جائیں گے، چنانچہ ان لوگوں نے مباہلے کا ارادہ ترک کر دیا اور آ کر رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ آپ جو کچھ جزیہ وغیرہ ہم پر مقرر کریں گے، ہم وہ دینے کے لیے تیار ہیں، آپ ﷺ نے دو ہزار جوڑوں پر ان سے صلح کی، یہ طے ہوا کہ ایک ہزار حلہ یعنی جوڑے ماہ رجب میں اور ایک ہزار ماہ صفر میں دیں گے، ابن سعد نے لکھا ہے کہ سید ایہم اور عاقب دونوں بعد میں مسلمان ہو گئے تھے۔

صلح کے بعد ان لوگوں نے آپ ﷺ سے درخواست کی کہ آپ ہمارے ساتھ اپنے کسی امانتدار بندے کو بھیج دیں آپ نے ان سے فرمایا کہ میں تھوڑی دیر میں آپ لوگوں کے ساتھ ایک امانت دار بندہ بھیجتا ہوں، جو واقعی امانت دار اور قابل اعتماد ہوگا، اب ہر صحابی اس فکر میں پڑ گیا کہ اللہ کرے کہ مجھے یہ فضیلت حاصل ہو جائے، ہر صحابی آپ ﷺ کے سامنے اونچا اور بلند ہوتا تا کہ آپ اسے دیکھ لیں اور اس ذمہ داری کے لیے اس کا انتخاب فرمالیں، اتنے میں آپ نے حضرت ابوعبیدہ کو اس کام کے لیے نامزد فرمایا اور پھر انہیں وفد نجران کے ساتھ روانہ کر دیا۔

حضرت ابوعبیدہ کو صلح کا مال لینے کے لیے اور پھر حضرت علی کو جزیہ اور صدقات وصول کرنے کے لیے آپ ﷺ نے نجران بھیجا تھا۔

اس حدیث سے ثابت ہونے والے چند فوائد

۱۔ اگر کوئی کافر نبی کی نبوت کو تو مانتا ہو، لیکن اس نبی پر باقاعدہ ایمان نہ لائے، تو وہ محض نبوت کے اقرار سے اسلام میں داخل نہیں ہوگا، ہاں جب وہ باقاعدہ اس نبی پر ایمان لے آئے اور دیگر تمام ادیان سے براءت کا اظہار کر دے اور احکام اسلام کا التزام کرلے تو پھر مسلمان شمار ہوگا، اور اس پر اسلام کے احکام جاری ہوں گے۔

۲۔ اہل کتاب سے دین کی خاطر بحث مباحثہ کیا جا سکتا ہے۔

۳۔ اگر باطل نظریئے والا صحیح دلائل پیش کرنے کے باوجود اپنی بات سے رجوع کرنے پر تیار نہ ہو، تو اسے مباہلے کی دعوت دی جا سکتی ہے، حافظ ابن حجر نے لکھا ہے کہ تجربہ اور مشاہدہ یہ ہے کہ مباہلہ کرنے کے بعد باطل نظریہ والا شخص ایک سال سے زیادہ زندہ نہیں رہتا، اور اپنے بارے میں لکھتے ہیں کہ میرا بھی ایک ملحد اور گمراہ کے ساتھ کسی مسئلہ میں مباہلہ ہوا تھا، مباہلہ کے بعد اس پر دو ماہ بھی نہیں گذرے تھے کہ وہ دنیا سے چل بسا۔

۴۔ مسلم حکمران اگر مناسب سمجھے تو وہ اہل کتاب کے ساتھ مال کے عوض صلح کر سکتا ہے۔

۵۔ صلح کے بعد اپنا کوئی عالم اور سمجھدار شخص ان کی طرف بھیجا جا سکتا ہے، تا کہ وہ انہیں قرآن وسنت کا تعارف کرائے، سمجھائے، اور بدل صلح وصول کرلے۔

۶۔ اس واقعہ میں حضرت ابوعبیدہ بن جراح کی بہت فضیلت اور منقبت ثابت ہوتی ہے، آپ نے تمام صحابہ میں انہیں اس امت کا امین، دیانتدار اور قابل اعتماد انسان قرار دیا ہے، بلاشبہ یہ ایک امتی کے لیے بہت بڑا اعزاز ہے۔(۱)

لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ دوسرے صحابہ میں امانت ودیانت نہیں تھی، وہ سب ہی یقیناً اس صفت سے آراستہ تھے، تاہم بعض کبار صحابہ کسی نہ کسی صفت میں دوسروں سے نمایاں اور ممتاز تھے، جیسے ایک اور حدیث میں آپ ﷺ نے فرمایا: ''میری امت میں سب سے زیادہ رحیم ابوبکر ہیں، دین کے امر میں سب سے سخت عمر ہیں، حیا میں عثمان اور فریقین میں فیصلہ کرانے میں حضرت علی نمایاں ہیں، کتاب اللہ کے سب سے بڑے قاری ابی بن کعب، علم فرائض میں زید، حلال وحرام کے مسائل میں معاذ اور اس امت کے امین ابوعبیدہ بن جراح ہیں۔''

اس سے معلوم ہوا کہ سب ہی صحابہ امانت ودیانت کے حامل تھے، مگر حضرت ابوعبیدہ اس صفت میں ان تمام سے ممتاز تھے، اس لیے آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس امت کے امین ابوعبیدہ ہیں، جو واقعی دیانتدار اور قابل اعتماد شخص ہیں۔(۲)

عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ شَقِيقٍ، قَالَ: قُلْتُ لِعَائِشَةَ: أَيُّ أَصْحَابِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ أَحَبَّ إِلَى رَسُولِ اللهِ؟ قَالَتْ: أَبُو بَكْرٍ، قُلْتُ: ثُمَّ مَنْ؟ قَالَتْ: عُمَرُ، قُلْتُ: ثُمَّ مَنْ؟ قَالَتْ: ثُمَّ أَبُو عُبَيْدَةَ بْنُ الْجَرَّاحِ، قُلْتُ: ثُمَّ مَنْ؟ قَالَ: فَسَكَتَتْ.(۳)

حضرت عبداللہ بن شقیق کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ سے (ایک مرتبہ) پوچھا کہ: نبی کریم ﷺ کو صحابہ میں سب سے زیادہ محبوب کون تھا؟ انہوں نے فرمایا: ابوبکر، میں نے پوچھا: پھر کون؟ انہوں نے فرمایا: عمر، میں نے

---

(۱) فتح الباری ۸/۱۱۸، ۱۱۹ کتاب المغازی باب قصة أهل نجران

(۲) فتح الباری ۷/۱۱۷، کتاب فضائل اصحاب النبی، باب مناقب ابی عبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ

(۳) سنن ابن ماجة، المقدمة، باب فضل عمر، رقم: ۱۰۲۔

پوچھا: پھر کون؟ حضرت عائشہ نے فرمایا: ابوعبیدہ بن جراح، میں نے عرض کیا: پھر کون؟ تو وہ خاموش ہوگئیں (کوئی جواب نہیں دیا)۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: نِعْمَ الرَّجُلُ أَبُو بَكْرٍ، نِعْمَ الرَّجُلُ عُمَرُ، نِعْمَ الرَّجُلُ أَبُو عُبَيْدَةَ بْنُ الْجَرَّاحِ.(۱)

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ابوبکر بہت اچھے آدمی ہیں، عمر بہت اچھے آدمی ہیں، ابوعبیدہ بہت اچھے آدمی ہیں۔

حضرت ابوعبیدہ آپ ﷺ کے محبوب لوگوں میں سے تھے

مذکورہ احادیث میں چندان صحابہ کا ذکر ہے جن سے نبی کریم ﷺ کو بہت پیار تھا اور آپ انہیں پسند کرتے تھے، ان میں حضرت ابوعبیدہ بھی ہیں، بلاشبہ یہ ان تمام صحابہ کے لیے بہت بڑے اعزاز کی بات ہے۔

حضرت عبداللہ بن شقیق بصرہ کے ایک تابعی

حضرت عبداللہ بن شقیق عقیلی ابوعبدالرحمن بصرہ کے ایک جلیل القدر تابعی ہیں، حضرت عمر، عثمان، علی، ابوذر، ابوہریرہ، عائشہ، ابن عباس، ابن عمر، عبداللہ بن ابی الجدعاء، عبداللہ بن سراقہ، حضرت اقرع اور دیگر بہت سے صحابہ سے روایات نقل کی ہیں، یہ ایک ثقہ راوی ہیں، اور جریری کہتے ہیں کہ یہ مستجاب الدعوات تھے، جو دعا کرتے تھے وہ قبول ہوتی تھی، ترمذی کی مذکورہ پہلی روایت حضرت عبداللہ بن شقیق رحمہ اللہ نے حضرت عائشہ سے روایت کی ہے۔(۲)

مَنَاقِبِ عَبَّاسِ بْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ

حضرت عباس بن عبدالمطلب کے فضائل

حضرت عباس بن عبدالمطلب نبی کریم ﷺ کے چچا ہیں، آپ کی والدہ کا نام نُتَیلہ بنت جناب بن کلب ہے، ان کی ولادت واقعہ فیل سے ایک سال پہلے ہوئی، یہ آپ ﷺ سے دو سال بڑے تھے، بچپن میں حضرت عباس کہیں گم ہوگئے تھے، انہیں بہت تلاش کیا گیا مگر پھر بھی وہ دستیاب نہ ہوئے، اس موقع پر ان کی والدہ نے یہ منت مانی کہ اگر میرا بیٹا عباس مجھے مل گیا،

---

(۱) الادب المفرد للبخاری، رقم: ۳۳۳۔

(۲) کتاب تهذیب التهذیب ۴/۳۳۶، حرف العین، من اسمه عبداللہ، ط: بیروت

تو میں بیت اللہ پر حریر دریشم اور مختلف کپڑوں کا غلاف چڑھاؤں گی، اللہ نے ان کی مدد کی، حضرت عباس واپس گھر پہنچ گئے، تو ان کی والدہ نے بڑے ذوق وشوق اور اہتمام سے اپنی منت کو پورا کیا، حضرت عباس زمانہ جاہلیت میں بھی مکہ مکرمہ اور قریش میں بہت اثر ورسوخ رکھتے تھے، اور ایک بڑے سردار مانے جاتے تھے، سقایہ اور عمارہ یہ دونوں اہم منصب ان کے سپرد تھے، سقایہ سے مراد یہ ہے کہ حاجیوں کو آپ زمزم پلانے کی خدمت اور عمارہ کا مطلب ہے کہ مسجد حرام کی دیکھ بھال، تعمیر، اس کے آداب اور اس سے متعلق تمام امور کے یہ ذمہ دار تھے۔

اسلام قبول کرنے سے پہلے بھی نبی کریم ﷺ کا بہت خیال کرتے تھے، چنانچہ نبوت کے گیارہویں، بارہویں اور تیرہویں سال حضرات انصار کے ساتھ بیعت عقبہ میں یہ بھی موجود تھے، تاکہ آپ ﷺ کو کوئی انسان تکلیف نہ پہنچائے، آپ ﷺ سے عمر میں بڑا ہونے اور چچا ہونے کے باوجود آپ کا بہت ادب واحترام کرتے تھے، ایک دن کسی نے ان سے یہ پوچھا: انت اکبر ام النبی ﷺ؟ آپ بڑے ہیں یا نبی کریم ﷺ؟ تو انہوں نے جواب میں کہا: ھو اکبر و انا أسن فضل ومقام میں بڑے تو آپ ﷺ ہی ہیں البتہ میں عمر میں ان سے بڑا ہوں۔

حضرت عباس نے اسلام تو بہت پہلے قبول کر لیا تھا، مگر بعض مصالح کی وجہ سے وہ اپنے اسلام کا سرعام اظہار نہیں کرتے تھے، جنگ بدر میں با دل نخواستہ مجبورا شریک ہوئے تھے، آپ ﷺ نے صحابہ سے فرما دیا تھا کہ بدر کے معرکہ میں جس کے سامنے عباس آجائیں تو وہ انہیں قتل نہ کرے، کیونکہ وہ اس میں زبردستی لائے گئے ہیں، پھر بدر کے قیدیوں میں یہ بھی گرفتار ہو کر مدینہ منورہ لائے گئے، فدیہ ادا کیا تو انہیں رہائی دے دی گئی، پھر وہ مکہ مکرمہ چلے گئے، لیکن چونکہ وہ حقیقت میں مسلمان بن چکے تھے، اس لیے مکہ سے آپ ﷺ کی طرف حالات کی خبریں لکھ کر بھیجتے رہتے تھے۔

پھر بعد میں باقاعدہ ہجرت کر کے مدینہ منورہ آگئے تھے، فتح مکہ اور غزوہ حنین میں شریک ہوئے، نبی کریم ﷺ اپنے چچا حضرت عباس کا بہت ادب واحترام اور تعظیم کرتے تھے، صحابہ کرام بھی ان کی فضیلت کو مانتے تھے، اپنے امور میں ان سے مشورے بھی کرتے تھے، اور ان کی رائے کو اختیار کیا جاتا تھا، اللہ کے راستے میں بہت مال خرچ کرتے تھے، مجاہد کہتے ہیں کہ حضرت عباس نے اپنی وفات کے وقت ستر غلام آزاد کیے تھے۔

ماہ رجب یا رمضان ۳۲ ہجری میں حضرت عثمان کے زمانہ خلافت میں مدینہ منورہ میں ان کا انتقال ہوا، اس وقت ان کی عمر ۸۸ سال تھی، جنت البقیع میں ان کو دفن کیا گیا۔(۱)

عَنْ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ بْنِ رَبِيعَةَ بْنِ الْحَارِثِ بْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ، أَنَّ الْعَبَّاسَ بْنَ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ، دَخَلَ عَلَى رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُغْضَبًا وَأَنَا عِنْدَهُ، فَقَالَ: مَا أَغْضَبَكَ؟ قَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ: مَا لَنَا وَلِقُرَيْشٍ، إِذَا

(۱) الاصابة ۵۱۱/۳، حرف العين، ذكر من اسمه العباس، مرقاة المفاتيح ۳۱۱/۱۱، كتاب المناقب باب مناقب اهل بيت النبي ﷺ

تَلَاقَوْا بَيْنَهُمْ تَلَاقَوْا بِوُجُوهٍ مُبْشَرَةٍ، وَإِذَا لَقُونَا لَقُونَا بِغَيْرِ ذَلِكَ، قَالَ: فَغَضِبَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتَّى احْمَرَّ وَجْهُهُ، ثُمَّ قَالَ: وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ: لَا يَدْخُلُ قَلْبَ رَجُلٍ الإِيمَانُ حَتَّى يُحِبَّكُمْ لِلَّهِ وَلِرَسُولِهِ، ثُمَّ قَالَ: يَا أَيُّهَا النَّاسُ: مَنْ آذَى عَمِّي، فَقَدْ آذَانِي، فَإِنَّمَا عَمُّ الرَّجُلِ صِنْوُ أَبِيهِ.(۱)

حضرت عبدالمطلب بن ربیعہ فرماتے ہیں کہ (ایک دن) حضرت عباس نبی کریم ﷺ کے پاس غصہ کی حالت میں آئے، میں اس وقت آپ ﷺ کے پاس بیٹھا ہوا تھا، نبی کریم ﷺ نے پوچھا کہ کس چیز نے آپ کو غصے میں ڈال دیا؟ حضرت عباس نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! ہمارے (یعنی بنی ہاشم) اور (باقی) قریش کے ہاں (معلوم نہیں) کیا بات ہے کہ جب وہ آپس میں ملتے ہیں، تو خوش خوش چہروں سے ملتے ہیں اور جب وہ ہم سے ملاقات کرتے ہیں، تو اور طرح سے ملاقات کرتے ہیں (جیسے کسی سے کوئی دشمنی یا جلن ہو) راوی کہتے ہیں کہ یہ بات سن کر نبی کریم ﷺ غصے ہو گئے، یہاں تک کہ آپ کا چہرہ انور سرخ ہو گیا، پھر (حضرت عباس سے) فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے: کسی بھی شخص کے دل میں ایمان اس وقت تک داخل نہیں ہو سکتا، جب تک وہ اللہ اور اس کے رسول (کی رضا) کے لیے تم سے محبت نہ کرے پھر آپ نے (سب سے) فرمایا: لوگو! جس نے میرے چچا کو ستایا، اس نے (حقیقت میں) مجھے ستایا، کیونکہ آدمی کا چچا اس کے باپ کی طرح ہوتا ہے۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: العَبَّاسُ مِنِّي وَأَنَا مِنْهُ.(۲)

حضرت عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: عباس مجھ سے ہیں اور میں ان سے ہوں۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: العَبَّاسُ عَمُّ رَسُولِ اللَّهِ، وَإِنَّ عَمَّ الرَّجُلِ صِنْوُ أَبِيهِ، أَوْ مِنْ صِنْوِ أَبِيهِ.(۳)

حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: عباس اللہ کے رسول کے چچا ہیں، اور آدمی کا چچا اس کے باپ کی طرح ہوتا ہے۔

مشکل الفاظ کے معنی: مغضبا: (اسم مفعول) غصے کی حالت میں، ما أغضبک: کس بات نے آپ کو غصے میں ڈال دیا، اذا تلاقوا: جب وہ آپس میں ملتے ہیں، بوجوہ مبشرۃ: خوش خوش چہروں سے، خندہ پیشانی سے، مسکراتے چہروں سے، لقونا بغیر ذلک: وہ ہم سے اور طرح سے ملتے ہیں، بدلے چہروں سے ملتے ہیں، من أذی عمی: جس نے میرے چچا کو ستایا، تکلیف پہنچائی، صنو ابیہ: اس کے باپ کی طرح، مثل، مانند، صنو (صاد کے نیچے زیر اور نون ساکن) ایک درخت کی جڑ سے دو یکساں

---

(۱) مسند احمد ۱/ ۲۰۷۔

(۲) مسند احمد ۱/ ۳۰۰۔

(۳) الصحیح للبخاری، الزکاۃ، باب قول اللہ: وفی الرقاب... رقم: ۱۴۶۸

اگنے والی شاخوں میں سے ایک، اسی سے سگے بھائی کو کہا جاتا ہے: صنو اخیہ۔

حضرت عبد المطلب بن ربیعہ رضی اللہ عنہ

پہلی حدیث کے راوی حضرت عبد المطلب بن ربیعہ بن حارث بن عبد المطلب بن ہاشم صحابی ہیں، نبی کریم ﷺ اور حضرت علی سے روایات نقل کی ہیں، آپ ﷺ نے حضرت ابوسفیان بن حارث کو حکم دیا کہ وہ اپنی بیٹی سے ان کا نکاح کرادیں، چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کرلیا، یہ مدینہ منورہ میں رہتے تھے، پھر عہد فاروقی میں انہوں نے شام میں رہائش اختیار کرلی تھی، دمشق میں ان کا بہت بڑا گھر تھا، یزید بن ابی معاویہ کی امارت کے زمانے میں وہیں پر ۶۱ ہجری یا ۶۲ ہجری میں وفات پائی۔(۱)

میرے چچا کو ستانا مجھے ستانا ہے

مذکورہ احادیث سے درج ذیل امور ثابت ہوتے ہیں:

۱۔ انسان کا چچا اس کے باپ کی طرح ہوتا ہے، لہذا جس طرح باپ کا ادب واحترام ضروری ہے، اسی طرح چچا کا ادب و احترام اور اس سے حسن سلوک کرنا بھی ضروری ہوتا ہے۔

۲۔ آپ ﷺ کے خاندان اور آل بیت کا دل سے ادب کیا جائے، حضرت عباس نے باقی قریش کا بنو ہاشم کے ساتھ جب یہ امتیازی سلوک دیکھا کہ وہ آپس میں بڑی خندہ پیشانی، مسکراتے چہرے اور خوشی سے ملتے ہیں، لیکن جب وہ ہم سے ملاقات کرتے ہیں تو اور طرح سے ملتے ہیں اور جب وہ بات کر رہے ہوں تو ہمیں دیکھ کر خاموش ہوجاتے ہیں، گویا ہم ان کے خاندان کے فرد ہی نہیں، یہ بات سن کر آپ کی طبیعت سخت غضبناک ہوگئی، پھر آپ نے حضرت عباس سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ کسی آدمی کا ایمان اس وقت تک مکمل نہیں ہوسکتا، جب تک کہ وہ تم سے اللہ اور اس کے رسول کے لیے محبت نہ کرے، اور فرمایا کہ جس نے میرے چچا کو ستایا، اس نے گویا مجھے ستایا، کیونکہ آدمی کا چچا اس کے باپ کی طرح ہے۔

۳۔ عباس مجھ سے ہیں یعنی میرے قریبی رشتہ دار ہیں یا یہ میرے اہل بیت میں سے ہیں یا ان کا مجھ سے انتہائی قریبی تعلق ہے، اس حدیث سے متعلق مزید بحث خلافت علی کی بحث میں گذر چکی ہے۔

۴۔ ان احادیث سے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی عظمت وفضیلت اور آپ ﷺ کی نظر میں ان کا بلند مقام ثابت ہوتا ہے، لہذا امت کے تمام افراد کو بھی ان کی عظمت کا خیال رکھنا چاہیے۔(۲)

عَنْ عَلِيٍّ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لِعُمَرَ فِي العَبَّاسِ: إِنَّ عَمَّ الرَّجُلِ صِنْوُ أَبِيهِ، وَكَانَ عُمَرُ كَلَّمَهُ فِي

---

(۱) الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ ۱۱۹۹/۲، سیر أعلام النبلاء ۲۷۹/۴ ط: بیروت

(۲) مرقاۃ المفاتیح ۳۱۰/۱۱، کتاب المناقب، باب مناقب أهل بیت النبی ﷺ

صَدَقَتِهِ.(۱)

حضرت علی کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت عمر سے حضرت عباس کے بارے میں فرمایا کہ آدمی کا چچا باپ کی طرح ہوتا ہے، (کیونکہ) حضرت عمر نے ان سے صدقہ سے متعلق کوئی بات کی تھی۔

زکوۃ سے متعلق حضرت عمر کی حضرت عباس سے ایک گفتگو

ایک دفعہ نبی کریم ﷺ نے حضرت عمر کو زکوۃ وصول کرنے کی ذمہ داری سونپی، تاکہ لوگوں سے زکاۃ وصول کریں، انہوں نے یہ کام حسن وخوبی سے سرانجام دیا، اور نبی کریم ﷺ کو بتایا کہ تین آدمی زکوۃ نہیں دے رہے: ایک ابن جمیل، دوسرے خالد بن ولید اور تیسرے حضرت عباس رضی اللہ عنہم، اس بارے میں تفصیلی روایت صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں ہے، آپ نے حضرت عمر سے حضرت عباس سے متعلق دو باتیں ارشاد فرمائیں:

۱۔ آپ ﷺ نے فرمایا: و اما العباس فهی علی و مثلها معها (عباس کی زکوۃ میرے ذمہ ہے، اور اس کے ساتھ اس کے مثل بھی) اس جملے سے کیا مراد ہے؟ اس کے بارے میں شارحین حدیث کے تین قول ہیں:

- حضرت عمر کی بات سن کر آپ ﷺ نے فرمایا کہ عنقریب عباس زکوۃ ادا کردیں گے اور اسے وہ از خود، دوگنا کر کے دیں گے۔(۲)
- حضرت عباس نے دو سال کی پیشگی زکوۃ جمع کرادی ہے، ایک اس سال کی اور ایک آئندہ سال کی، اس صورت میں "فهی" سے اس سال کی زکوۃ کی طرف اور مثلها معها سے آئندہ سال کی زکوۃ کی طرف اشارہ ہوگا، چنانچہ سنن دار قطنی میں حضرت موسیٰ بن عقبہ رضی اللہ عنہ سے روایت منقول ہے، جس میں اس بات کی صراحت ہے۔
- اور جامع الاصول میں ایک روایت ہے جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عباس نے پیشگی زکوۃ ادا نہیں کی تھی، بلکہ ان پر کچھ قرضہ تھا، جس کی وجہ سے انہوں نے نبی کریم ﷺ سے زکوۃ میں تاخیر کی اجازت لی تھی اور دو سال کی مہلت طلب کی تھی، اس لیے آپ ﷺ نے دو سال کی زکوۃ ان سے مؤخر کردی اور ان کی طرف سے خود ضمانت دی کہ ان کی زکوۃ کی ادائیگی کا میں ذمہ دار ہوں۔

ملا علی قاری مرقاۃ میں اور مولانا خلیل احمد صاحب بذل المجہود میں فرماتے ہیں کہ دونوں قسم کی روایات میں یوں تطبیق دی جاسکتی ہے کہ یہ دونوں الگ الگ واقعات ہیں، ایک موقع پر حضرت عباس نے پیشں دو سال کی زکوۃ ادا کردی، اور ایک موقع پر ان کے اوپر کچھ قرض تھا، جس کی وجہ سے انہوں نے آپ ﷺ سے دو سال کی مہلت طلب کی، تو آپ نے فرمایا کہ ان کی زکوۃ کا میں

---

(۱) مسند احمد ۹۴/۲۔

(۲) فتح الباری ۴۲۵/۳، کتاب الزکاۃ باب قول اللہ و فی الرقاب والغارمین فی سبیل اللہ۔

ضامن ہوں۔(۱)

۲۔ دوسری بات آپ ﷺ نے حضرت عمر سے یہ فرمائی کہ کسی شخص کا چچا اس کے باپ کی مانند ہوتا ہے، لہذا حضرت عباس بھی میرے باپ کی طرح ہیں، اس لیے ان کے بارے میں ایسی کوئی بات نہ کی جائے، جس سے مجھے تکلیف ہو۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِلْعَبَّاسِ: إِذَا كَانَ غَدَاةَ الِاثْنَيْنِ فَأْتِنِي أَنْتَ وَوَلَدُكَ، حَتَّى أَدْعُوَ لَهُمْ بِدَعْوَةٍ، يَنْفَعُكَ اللّٰهُ بِهَا وَوَلَدَكَ. فَغَدَا وَغَدَوْنَا مَعَهُ، فَأَلْبَسَنَا كِسَاءً ثُمَّ قَالَ: اللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِلْعَبَّاسِ وَوَلَدِهِ مَغْفِرَةً، ظَاهِرَةً، وَبَاطِنَةً، لَا تُغَادِرُ ذَنْبًا، اللّٰهُمَّ احْفَظْهُ فِي وَلَدِهِ.(۲)

حضرت عبداللہ بن عباس کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے (میرے والد) حضرت عباس سے فرمایا کہ پیر کے دن صبح کے وقت آپ اپنے بیٹوں کو لے کر میرے پاس آجائیں، تاکہ میں ان کے لیے ایسی دعا کروں، جس سے اللہ جل جلالہ آپ کو اور آپ کی اولاد کو نفع پہنچائے، چنانچہ حضرت عباس اور ہم سب اولاد آپ ﷺ کے پاس صبح کے وقت پہنچ گئے، آپ ﷺ نے ہمیں ایک چادر اوڑھائی، اور پھر یوں دعا فرمائی: اے اللہ! عباس اور اس کی اولاد کی مغفرت فرما، ظاہری بھی اور باطنی بھی (تاکہ ان کے سارے گناہ معاف ہوجائیں) ایسی مغفرت کہ جو کسی گناہ کو نہ چھوڑے، اے اللہ! عباس کو ان کی اولاد میں قائم ومحفوظ رکھ (تاکہ وہ اپنی اولاد کے حقوق صحیح طرح ادا کرسکیں)۔

مشکل الفاظ کے معنی: فغدا و غدونا معه: حضرت عباس نے اور ہم سب اولاد نے حضور ﷺ کے ساتھ صبح کی، فالبسنا: (باب افعال سے واحد مذکر غائب) آپ ﷺ نے ہم کو اوڑھادی، پہنادی، کساء: چادر، لاتغادر: وہ بخشش نہ چھوڑے۔

حضرت عباس اور ان کی اولاد کے لیے خصوصی دعا

اس حدیث میں اس خاص دعا کا ذکر ہے، جو نبی کریم ﷺ نے حضرت عباس اور ان کی اولاد کے لیے مانگی تھی، اس کے لیے آپ نے بڑا اہتمام فرمایا کہ انہیں باقاعدہ پیر کی صبح بلایا، اور پھر ان پر چادر اوڑھائی اور پھر مذکورہ دعا فرمائی، جس میں کامل مغفرت اور بخشش کا ذکر ہے، ایسی بخشش جس سے ظاہری اور باطنی دونوں طرح کے گناہ معاف ہوجائیں، اور کوئی گناہ باقی نہ بچے۔

اللهم احفظه فی ولده: یا اللہ عباس کو ان کی اولاد میں قائم ودائم اور محفوظ رکھ یعنی انہیں عزت وشوکت عطا فرما اور ان کو ہر طرح کی آزمائشوں سے محفوظ رکھ، تاکہ یہ اپنی اولاد کے حقوق صحیح ادا کرسکیں اور ان کا تحفظ کرسکیں، اور رزین کے طریق میں اس دعا کے آخر میں اس جملے کا بھی اضافہ ہے: وَاجْعَلِ الْخِلَافَةَ بَاقِيَةً فِي عَقِبِهِ (اور خلافت وامارت کو ان کی اولاد میں باقی رکھ) چنانچہ اس دعا کا اثر تھا کہ ایک طویل عرصہ تک حضرت عباس کی اولاد میں خلافت وامارت اور حکمرانی کا اعزاز رہا، ان دعائیہ

---

(۱) مرقاة المفاتیح ۴/۲۳۵، کتاب الزکاة حدیث: ۱۷۷۸، بذل المجهود ۸/۹۵، کتاب الزکاة، باب: فی تعجیل الزکاة۔

(۲) کنز العمال ۱۱/۷۰۷، رقم: ۳۳۴۴۳۔

کلمات میں دراصل امت کے لیے یہ پیغام بھی ہے کہ خلیفہ اور امیر نامزد کرتے وقت اولاد عباس کو مقدم رکھا جائے جب تک کہ ان میں خیر غالب ہو۔(۱)

بَابُ مَنَاقِبِ جَعْفَرِ بْنِ أَبِي طَالِبٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ

حضرت جعفر بن ابی طالب کے فضائل

حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا کے بیٹے اور حضرت علی کے بڑے سگے بھائی ہیں، ابتداء میں ہی انہوں نے اسلام قبول کرلیا تھا، مکہ میں چونکہ مسلمانوں پر بہت زیادہ ظلم وستم ہوتے تھے، اس لیے انہوں نے آپ سے حبشہ کی طرف ہجرت کرنے کی اجازت طلب کی، آپ نے اجازت دے دی، حبشہ پہنچ کر انہوں نے لوگوں کو اسلام کی طرف دعوت دینے کا عمل شروع کیا، تو وہاں کا بادشاہ نجاشی ان کے ہاتھ پر مسلمان ہوگیا۔

حبشہ سے واپس آئے تو اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کرکے مدینہ منورہ جاچکے تھے، یہ بھی ہجرت کرکے مدینہ منورہ پہنچ گئے، آپ اس وقت غزوہ خیبر کے لیے خیبر تشریف لے جاچکے تھے، جمادی الاولیٰ ۸ ہجری میں غزوہ موتہ میں اسلامی لشکر کے امیر حضرت زید بن حارثہ جب شہید ہوگئے، تو پھر اسلامی فوج کا جھنڈا حضرت جعفر کے پاس آگیا، بڑی جرأت و بہادری اور استقامت کے ساتھ دشمنوں کے ساتھ برسرپیکار رہے، اس میں پہلے ان کا ایک ہاتھ راہ خدا میں کٹ گیا، تو جھنڈا دوسرے ہاتھ میں اٹھالیا، پھر ایک وقت آیا کہ ہمت وشجاعت کی داستانیں رقم کرتے ہوئے ان کا دوسرا ہاتھ بھی جسم سے جدا ہوگیا، اسی میں وہ شہید ہو گئے۔

ان کے دونوں ہاتھ اللہ جل جلالہ کے راستے میں شہید ہوگئے تھے، اس لیے ان کے بدلے میں اللہ تعالیٰ نے ان کے دو پر لگادیئے ہیں، وہ جنت میں جہاں چاہتے ہیں، اڑ کر چلے جاتے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مدینہ منورہ میں جب ان کی شہادت کی اطلاع دی گئی، تو آپ بہت افسردہ اور غمگین ہوئے، اور وہاں پر موجود دوسرے صحابہ کو بھی اس روح فرسا واقعہ کی اطلاع دی۔(۲)

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: رَأَيْتُ جَعْفَرًا يَطِيرُ فِي الجَنَّةِ مَعَ المَلَائِكَةِ.(۳)

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں نے جعفر کو جنت میں فرشتوں کے ساتھ اڑتے ہوئے دیکھا ہے۔

---

(۱) مرقاۃ ۳۱۲/۱۱، حدیث: ۶۱۵۸، تحفۃ الاحوذی ۲۲۸/۱۰

(۲) الاصابۃ ۵۹۲/۱، حرف الجیم

(۳) المستدرک للحاکم ۲۰۹/۳۔

حضرت جعفر جنت میں فرشتوں کے ساتھ اڑ کر جاتے ہیں

مذکورہ حدیث میں حضرت جعفر کی دو خصوصیتوں کا ذکر ہے:

۱۔ غزوہ موتہ میں حضرت جعفر کے دونوں ہاتھ اور دونوں ٹانگیں کٹ گئی تھیں، اس کے بدلے میں ان کے ساتھ جنت میں دو پر لگا دیئے گئے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب میں دیکھا کہ وہ جنت میں فرشتوں کے ساتھ اڑ رہے ہیں، اسی وجہ سے ان کے نام کے ساتھ یہ لقب مشہور ہیں: جعفر طیار (اڑنے والے) ذوالجناحین (دو پروں والے)(۱)

۲۔ یوں تو راہ خدا کے تمام ہی شہداء کی روحیں جنت میں سبز پرندوں کے پوٹوں میں ہوتی ہیں، اور جنت میں گھومتی پھرتی، اور پھل وغیرہ کھاتی ہیں تو حضرت جعفر کا جنت میں اڑنا کس حیثیت سے ہے، حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی اور شیخ الحدیث زکریا صاحب رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ:

❁ حضرت جعفر کا جنت میں اڑنا روحانی نہیں بلکہ وہ اپنے جسم کے ساتھ اڑتے ہیں، یہ ان کی خصوصیت ہے جسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں بیان کیا ہے، جبکہ دیگر شہداء کی صرف روحیں جنت میں اڑتی ہیں۔(۲)

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: مَا احْتَذَى النِّعَالَ، وَلَا انْتَعَلَ، وَلَا رَكِبَ الْمَطَايَا، وَلَا رَكِبَ الْكُورَ بَعْدَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَفْضَلُ مِنْ جَعْفَرٍ.(۳)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد (یعنی ان کے علاوہ) کسی بھی ایسے شخص نے نہ چپل پہنے اور نہ زمین پر پیدل چلا، نہ سواری کے جانوروں پر سوار ہوا اور نہ اونٹ کے کجاوے پر سواری کے لیے بیٹھا، جو جعفر بن ابی طالب سے زیادہ فضیلت والا ہو۔

مشکل الفاظ کے معنی: احتذی: جوتے پہنے، جوتے بنائے، النعال: (نون کے نیچے زیر) نعل کی جمع ہے: جوتے، انتعل: جوتے پہنے، انتعل الارض: زمین پر پیدل چلنا، المطایا: مطیۃ کی جمع ہے: سواری والے جانور، الکور: (کاف پر پیش اور واؤ ساکن) اونٹ کا کجاوہ، اس کی جمع اکوار ہے، أفضل: اس سے پہلے لفظ "أحد" محذوف ہے اور یہ لفظ احتذی فعل کے لیے فاعل ہے، ترجمہ: ایسا شخص جو جعفر سے زیادہ فضیلت والا ہو، احتذی النعال و انتعل یہ عطف تفسیری ہے، ان دونوں کے معنی ایک ہیں، البتہ اگر انتعل کے معنی یہاں زمین پر پیدل چلنے کے کئے جائیں تو پھر یہ عطف تفسیری نہیں ہوگا، اور ولا رکب المطایا

---

(۱) فتح الباری ۹۶/۷، کتاب فضائل اصحاب النبی ﷺ باب مناقب جعفر بن ابی طالب الهاشمی، مرقاة المفاتیح ۳۱۳/۱۱، کتاب المناقب، باب مناقب أهل بیت النبی صلی الله علیه وسلم، رقم: ۶۱۲۲

(۲) الکوکب الدری ۴۱۹/۴، مرقاة المفاتیح ۳۱۳/۱۱، حدیث نمبر: ۶۱۶۲

(۳) مسند احمد ۴۱۳/۲۔

ولا رکب الکور بھی عطف تفسیری ہے، ان دونوں جملوں کے ایک ہی معنیٰ ہیں، بعض نے ان میں یوں فرق کیا ہے کہ مطایا سے صرف اونٹ اور الکور سے مطلقاً سواری مراد ہے، خواہ وہ کوئی بھی سواری ہو۔

حضرت جعفر اللہ کے راستے میں خوب خرچ کرتے

حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ ایسا کوئی بندہ نہیں، جو جعفر سے افضل ہو، زمین پر پیدل اور جوتوں کے ساتھ چلنے والوں، سواری کے جانوروں اور اونٹ کے کجاوے پر بیٹھنے والوں میں سب سے بہتر جعفر ہیں، لیکن اس عموم سے حضرات انبیاء اور خلفاء راشدین مستثنیٰ ہیں۔(۱) حضرت ابوہریرہؓ کے اس ارشاد کے دو مطلب بیان کیے گئے ہیں:

۱۔ حضرت جعفر ضرورت مند اور غریب لوگوں کا بہت خیال رکھتے تھے، جوتا پہنتے یا سواری پر سوار ہوتے تو بھی انہیں یہ احساس ہوتا کہ مجھے ان لوگوں کا خیال رکھنا چاہیے، جو پاؤں میں جوتا خرید کر پہننے کی ہمت نہیں رکھتے اور سواری پر سوار نہیں ہوسکتے، بلکہ ہر وقت پیدل سفر کرتے ہیں، گویا وہ اپنے اوپر یہ لازم کر لیتے کہ میں ان کی ضرور مدد کروں گا، پھر وہ ایسا کرتے بھی تھے۔

۲۔ اس جملے سے ان کی طہارت ونظافت اور پاک صاف رہنے کی تعریف کی گئی ہے کہ وہ جوتا پہننے اور سواری پر سوار ہونے کی حالت میں بھی پوری طرح پاک صاف رہتے تھے، گندگی سے آلودہ نہیں ہوتے تھے۔(۲)

عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لِجَعْفَرِ بْنِ أَبِي طَالِبٍ: أَشْبَهْتَ خَلْقِي وَخُلُقِي وَفِي الْحَدِيثِ قِصَّةٌ.(۳)

حضرت براء بن عازب سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جعفر سے فرمایا: تم شکل وصورت اور اخلاق و عادات سے میرے مشابہ ہو، اور حدیث میں ایک قصہ اور واقعہ ہے۔

حضرت جعفر شکل وصورت اور اخلاق میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مشابہ تھے

امام ترمذی رحمہ اللہ نے یہ حدیث مختصر ذکر کی ہے، اس کا قصہ اور پورا پس منظر صحیح بخاری میں یوں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم عمرۃ القضاء کے موقع پر جب مکہ مکرمہ سے واپس لوٹنے لگے، تو حضرت حمزہ کی کمسن صاحبزادی آپ کے پیچھے پیچھے آئیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو "یا عم یا عم" (اے میرے چچا، اے میرے چچا) کہہ کر پکارنے لگیں، یہ رشتہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بہن تھیں، تاہم ان کا یا عم کہہ کر پکارنا عرب کے محاورے کے مطابق تھا کہ چھوٹا بڑے کو عم کہتا ہے، اور عم کہنے کی ایک وجہ یہ بھی ہوسکتی ہے کہ حضرت حمزہ نبی

---

(۱) فتح الباری ۹۵/۷

(۲) الکوکب الدری ۲۰۰/۴

(۳) الصحیح للبخاری، کتاب جزاء الصید، باب لبس السلاح فی الحرم، رقم: ۱۸۴۴۔

طور پر اگرچہ آپ ﷺ کے چچا تھے، مگر رضاعت کے تعلق کے اعتبار سے وہ آپ کے بھائی تھے، اس لیے ان کی صاحبزادی نے یا عم کہہ کر پکارا۔

اس وقت تو حضرت علی نے اس عمارہ نامی بچی کو لے کر حضرت فاطمہ کے حوالہ کر دیا، مگر پھر تین صحابہ کرام حضرت علی، زید اور جعفر کے درمیان اس بچی کی پرورش اور حق حضانت کے بارے میں بحث ہوئی، یہ معاملہ آپ ﷺ کی خدمت میں پیش کیا گیا، آپ نے ہر ایک سے وجہ پوچھی، حضرت علی نے کہا کہ یہ میرے چچا کی بیٹی ہے، لہذا اس کی پرورش کا میں زیادہ حقدار ہوں، حضرت جعفر نے کہا کہ یہ بچی میری چچازاد بہن ہے، اور اس کی خالہ اسماء بنت عمیس میرے نکاح میں ہے، لہذا میں اس کا زیادہ حقدار ہوں، حضرت زید بن حارثہ نے کہا کہ حمزہ میرے دینی بھائی تھے، اس رشتہ سے یہ میری بھتیجی ہے، لہذا میرا حق بنتا ہے، آپ ﷺ نے حضرت حمزہ اور حضرت زید بن حارثہ کے درمیان مواخاۃ اور بھائی چارہ قائم کیا تھا، اس لیے حضرت زید نے یہ کلام کیا۔

آپ نے تینوں کا کلام سن کر فیصلہ حضرت جعفر کی اہلیہ حضرت اسماء بنت عمیس کے حق میں فرمایا اور وجہ یہ بیان فرمائی کہ خالہ ماں کے برابر ہوتی ہے اور حضرت جعفر سے حضور ﷺ نے فرمایا کہ: أَشْبَهْتَ خَلْقِي وَ خُلُقِي تم شکل وصورت اور اخلاق وعادات کے اعتبار سے بھی مجھ جیسے ہو، یہ ایک امتی کے لیے بہت بڑی فضیلت اور اعزاز کی بات ہے، اور حضرت علی سے فرمایا: انت منی و انا منک یعنی تم تو نسبی لحاظ سے میرے انتہائی قریب ہو اور حضرت زید سے فرمایا: انت اخونا و مولانا تم ہمارے دینی بھائی اور آزاد کردہ ہو، یوں تینوں حضرات آپ ﷺ کی بات سن کر خوش ہو گئے۔

اس واقعہ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ پرورش میں عمہ کے مقابلے میں خالہ کو ترجیح حاصل ہے۔(۱)

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: إِنْ كُنْتُ لَأَسْأَلُ الرَّجُلَ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الآيَاتِ مِنَ الْقُرْآنِ، أَنَا أَعْلَمُ بِهَا مِنْهُ، مَا أَسْأَلُهُ إِلَّا لِيُطْعِمَنِي شَيْئًا، فَكُنْتُ إِذَا سَأَلْتُ جَعْفَرَ بْنَ أَبِي طَالِبٍ لَمْ يُجِبْنِي، حَتَّى يَذْهَبَ بِي إِلَى مَنْزِلِهِ، فَيَقُولُ لِامْرَأَتِهِ: يَا أَسْمَاءُ أَطْعِمِينَا، فَإِذَا أَطْعَمَتْنَا أَجَابَنِي، وَكَانَ جَعْفَرٌ يُحِبُّ الْمَسَاكِينَ وَيَجْلِسُ إِلَيْهِمْ، وَيُحَدِّثُهُمْ وَيُحَدِّثُونَهُ، فَكَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُكَنِّيهِ بِأَبِي الْمَسَاكِينِ.(۲)

حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ میں نبی کریم ﷺ کے صحابہ میں سے کسی ایک سے قرآن مجید کی آیات کے بارے میں پوچھتا تھا، حالانکہ میں ان آیات کو اس صحابی سے زیادہ جانتا ہوتا تھا، میں ان سے صرف اس لیے پوچھتا تھا تاکہ وہ (میرے فاقہ کو سمجھ جائیں اور) مجھے کچھ کھلا دیں، چنانچہ میں جب جعفر بن ابی طالب سے پوچھتا، تو وہ مجھے (فوراً) جواب نہ دیتے، یہاں تک کہ وہ مجھے اپنے گھر لے جاتے، اور اپنی اہلیہ سے کہتے: اے اسماء بنت عمیس! ہمیں

(۱) الصحیح للبخاری ۲/ ۶۱۰، کتاب المغازی باب غمرة القضاء، فتح الباری، ۷/ ۶۴۳، کتاب المغازی باب عمرة القضاء

(۲) سنن ابن ماجة، کتاب الزهد، باب مجالسة الفقراء، رقم: ۴۱۲۶۔

کچھ کھلاؤ، جب وہ ہمیں کھلا دیتیں تو پھر حضرت جعفر مجھے سوال کا جواب دیتے، حضرت جعفر مسکینوں سے بہت محبت کرتے تھے، ان کے پاس وہ بیٹھتے، ان سے بات چیت کرتے اور غریب لوگ بھی ان سے باتیں کرتے تھے، چنانچہ نبی کریم ﷺ ان کو ابوالمساکین (مساکین پرور) کی کنیت دیتے تھے (یعنی اس کنیت سے ان کو پکارتے تھے)

حضرت جعفر کے لیے ''ابوالمساکین'' کی کنیت

اس حدیث سے درج ذیل امور ثابت ہوتے ہیں:

۞ حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ تنگدست، غریب اور مسکین لوگوں کا بہت خیال رکھتے تھے، حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ میں بھوک سے شدید دوچار ہوتا اور کھانے کی کوئی چیز میرے پاس نہ ہوتی، میں کسی صحابی سے کوئی آیت یا اس کی تشریح پوچھتا، مقصد میرا صرف یہ ہوتا کہ میری بھوک کو یہ سمجھ جائیں اور مجھے کچھ کھلا دیں، اس صورت میں حضرت جعفر مجھے اپنے ساتھ گھر لے جاتے، کچھ کھلاتے اور پھر سوال کا جواب دیتے، غریبوں کے ساتھ حضرت جعفر بیٹھتے، ان سے باتیں کرتے اور وہ ان سے باتیں کرتے، بہت غریب پرور اور رحم دل تھے، اسی وجہ سے نبی کریم ﷺ نے ان کی کنیت ابوالمساکین رکھی ہے۔

۞ فضل و شرف اور منصب کے اعتبار سے انسان خواہ کتنے ہی بلند مقام پر پہنچ جائے، تب بھی اسے غریب و ناچار لوگوں کی مدد اور تعاون کرنا چاہیے، ان کا دکھ سکھ سننا چاہیے، اس سے اس انسان کے مقام اور عزت میں کمی نہیں، اضافہ ہوتا ہے، اور یہ چیز اللہ جل جلالہ اور رسول اللہ ﷺ کی نظر میں بھی بہت محبوب ہے۔

مَنَاقِبُ الْحَسَنِ وَالْحُسَيْنِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا

حضرت حسن اور حسین رضی اللہ عنہما کے فضائل

امام ترمذی رحمہ اللہ نے ان دونوں حضرات سے متعلق احادیث ایک ہی عنوان کے تحت ذکر کی ہیں، کیونکہ بہت سے فضائل، خصوصیات اور مناقب میں دونوں مشترک ہیں، ترمذی کی روایات کی تشریح سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان دونوں حضرات کے کچھ حالاتِ زندگی لکھ دیئے جائیں، تاکہ ایک قاری کے سامنے اس بارے میں صحیح صورتحال سامنے آجائے۔

حضرت حسن اور ان کا زمانہ خلافت

حضرت علی کے صاحبزادے اور نبی کریم ﷺ کی بیٹی حضرت فاطمہ کے بیٹے حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہ ہجرت کے تیسرے سال نصف رمضان میں مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے، حضرت حسن اور حضرت حسین دونوں کے ساتھ نبی کریم ﷺ بہت محبت اور پیار کرتے تھے، امام ترمذی رحمہ اللہ نے اس باب میں کچھ روایات اس کے بارے میں نقل کی ہیں، حضرت حسن

رضی اللہ عنہ انتہائی حلیم، بردبار، شرم وحیا والے اور صلح پسند آدمی تھے، ورع وتقویٰ اور زاہدانہ طرز زندگی میں بہت مشہور تھے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کوفہ میں جب شہید ہو گئے، تو رمضان ۴۰ ہجری سے حضرت حسن کی خلافت کا زمانہ شروع ہوتا ہے، دارالخلافہ کوفہ میں لوگوں نے حضرت حسن کے ہاتھ پر جوق در جوق بیعت کرنا شروع کر دی، وہاں کے لوگوں نے ان کو اپنا خلیفہ نامزد کر لیا، ان کی خلافت کا زمانہ تقریباً چھ ماہ تک ہی رہا، شروع میں بڑا امن اور سکون رہا، پھر پتہ چلا کہ اہل شام حضرت معاویہ کی طرف سے ہمارے خلاف فوجی کاروائی کی تیاری کر رہے ہیں، حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے اپنے منتخب لوگوں سے مشورہ کیا، انہوں نے حضرت حسن کو اہل شام کے ساتھ لڑائی کرنے کا کہا، لیکن حضرت حسن قتل وقتال اور خونریزی کو پسند نہیں کرتے تھے، لیکن ان کے آس پاس لوگوں نے ان کو اس لڑائی پر مختلف طریقوں سے آمادہ کرنے کی کوشش کی، بالآخر وہ بادل نخواستہ اس پر آمادہ ہو گئے۔

چنانچہ اس گفتگو کے بعد حضرت حسن بارہ ہزار افراد کے ساتھ نکلے، اس لشکر کے مقدمہ میں قیس بن سعد حاکم تھے، انہوں نے مقام "انبار" میں اور حضرت حسن نے "مدائن" میں پڑاؤ ڈالا، وہاں جب پہنچے تو یہ افواہ پھیل گئی کہ قیس بن سعد کو قتل کر دیا گیا ہے، یوں اس بڑے لشکر میں گومگو اور افراتفری کی ایسی کیفیت پیدا ہو گئی کہ لشکر میں کچھ لوگوں نے حضرت حسن کے خیمے سے سامان لوٹ لیا، اور بنی اسد کے ایک شخص نے حضرت حسن پر وار کر کے انہیں زخمی کر دیا، اس صورتحال سے حضرت حسن کو بہت دکھ ہوا، اس کا اظہار انہوں نے اپنے ایک خطاب میں کیا، جو انہوں نے مدائن کے مقام پر اہل عراق کے سامنے کیا تھا۔

حضرت حسن رضی اللہ عنہ سمجھ گئے کہ بہتر یہی ہے کہ حضرت معاویہ کے ساتھ صلح کر کے ان کے ہاتھ پر بیعت کر لی جائے، ورنہ بہت خون خرابہ ہوگا، چنانچہ دونوں طرف سے صلح کی کوششیں بارآور ہوئیں، صلح کے بعد حضرت حسن اور ان کے رفقاء نے حضرت معاویہ کے ہاتھ پر بیعت کر لی، صلح کے بعد حضرت معاویہ نے حضرت حسن کو تین لاکھ درہم نقد، ایک ہزار جوڑوں کا کپڑا، تیس غلام اور ایک سو اونٹ دیئے، پھر حضرت حسن اپنے تمام خاندان کے ساتھ مدینہ منورہ تشریف لے آئے، اور پھر یہیں پر رہائش اختیار کئے رکھی، ایک دفعہ حضرت حسن نے خواب دیکھا کہ ان کی پیشانی پر قل ھو اللہ لکھا ہوا ہے، اس سے وہ بہت خوش ہوئے کہ اچھا خواب ہے، مگر در حقیقت اس میں ان کی موت کی طرف اشارہ تھا، اس وقت کے مشہور بزرگ حضرت سعید بن مسیب نے یہ تعبیر بتائی کہ حضرت حسن کی عمر کم رہ گئی ہے، اس کے بعد یہ بیمار ہوئے اور پھر وفات ہو گئی۔

ان کی بیماری سے متعلق مشہور بات یہ ہے کہ ان کی ایک بیوی جعدہ بنت اشعث بن قیس نے کسی وجہ سے زہر پلا دی، جس سے حضرت حسن بہت بیمار ہو گئے، اس کی وجہ سے ان کا پیٹ جاری ہو گیا، وہ بار بار بیت الخلا جاتے، ان کے چھوٹے بھائی حضرت حسین نے ان سے بار بار پوچھا کہ بتائیں کس نے آپ کو زہر دی ہے، لیکن انہوں نے نہ بتایا، چالیس دن بیماری میں صبر وتحمل سے گذار کر بالآخر ربیع الاول ۴۹ ہجری میں انتقال کر گئے،

اس وقت حضرت معاویہ کی طرف سے مدینہ منورہ کے امیر حضرت سعید بن عاص اموی تھے، حضرت حسین کے کہنے سے

انہوں نے حضرت حسن کی نماز جنازہ پڑھائی، جنازے میں اتنے زیادہ لوگ تھے کہ ثعلبہ بن ابی مالک فرماتے ہیں کہ اگر سوئی پھینکی جاتی تو اتنی جگہ نہیں تھی کہ وہ زمین پر گرتی، اور پھر انہیں جنت البقیع میں دفن کر دیا گیا۔(۱)

شہید کربلا حضرت حسین رضی اللہ عنہ

حضرت حسین رضی اللہ عنہ شعبان ۴ ہجری میں مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے، یہ حضرت حسن سے ایک سال چھوٹے تھے، ان کا قیام مدینہ منورہ تھا، پھر جب ان کے والد حضرت علی رضی اللہ عنہ کوفہ تشریف لے گئے تو حضرت حسین بھی اپنے والد کے ہمراہ رہے، جنگ جمل، جنگ صفین اور خوارج کے ساتھ لڑائی کے موقع پر بھی یہ موجود رہے، کوفہ میں جب حضرت علی کی شہادت کا المناک حادثہ پیش آیا، تو حضرت حسین اپنے بڑے بھائی حضرت حسن کے ساتھ رہے، حضرت معاویہ کے ساتھ صلح اور ان کے ہاتھ پر بیعت میں بھی اپنے بھائی حضرت حسن کے ساتھ تھے، صلح کے بعد جب حضرت حسن مدینہ منورہ تشریف لائے تو ان کے ساتھ ہی حضرت حسین بھی تشریف لے آئے تھے، پھر ان دونوں بھائیوں کا قیام مدینہ میں ہی رہا، پھر حضرت حسن بیمار ہوئے اور ۴۹ ہجری میں انتقال فرما گئے۔

حضرت معاویہ نے اپنی خلافت کے آخری دور میں باہمی مشورے سے یہ طے کیا کہ میرے بعد یزید بن معاویہ مسلمانوں کا خلیفہ ہونا چاہیے، اس کے لیے انہوں نے یزید کے ہاتھ پر بیعت کی راہ ہموار کرنا شروع کر دی، بصرہ و کوفہ اور حرمین میں بھی ذہن سازی کی مہم شروع کی گئی، تاکہ امت کا شیرازہ یکجا رہے، اور مسلمانوں میں مزید اختلافات پیدا نہ ہوں، اس وقت حضرت معاویہ کی طرف سے مدینہ کا عامل مروان تھا، اس نے خطبہ دیا اور لوگوں سے کہا کہ امیر المؤمنین معاویہ رضی اللہ عنہ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہم کی سنت کے مطابق یہ چاہتے ہیں کہ اپنے بعد کے لیے یزید کی خلافت پر بیعت لی جائے، اس پر عبدالرحمن بن ابی بکر کھڑے ہوئے اور کہا کہ یہ غلط ہے یہ ابوبکر و عمر کی سنت نہیں، بلکہ قیصر اور کسریٰ کی سنت ہے، ان دونوں حضرات نے مسند خلافت نہ تو اپنی اولاد میں منتقل کی اور نہ اپنے قبیلے اور خاندان میں، انہوں نے یہ کام مسلمانوں کے مشورہ پر چھوڑ دیا کہ جس کو وہ مناسب سمجھیں، اسے اس کام کے لیے منتخب کر لیں۔

حجاز کے عام مسلمانوں کی نظریں اہل بیت پر لگی ہوئی تھیں، خصوصاً حضرت حسین بن علی رضی اللہ عنہما پر، جن کو وہ بجا طور پر حضرت معاویہ کے بعد مستحق خلافت سمجھتے تھے، حضرت معاویہ اس بارے میں حضرت حسین، حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت عبدالرحمن بن ابی بکر، حضرت عبداللہ بن زبیر اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم کی رائے کے منتظر تھے کہ وہ کیا کرتے ہیں، ان حضرات کے سامنے اول تو کتاب و سنت کا یہ اصول تھا کہ خلافت اسلامیہ خلافت نبوت ہے، اس میں وراثت کا کچھ کام نہیں، کہ

(۱) الاصابة ۱/۳۷۴، باب الحاء بعدها السین، رقم: ۱۷۲۱، ط: بیروت، سیر اعلام النبلاء للذہبی، ۱۸۴/۳، ترجمة الحسن بن علی، مختصر تاریخ ابن عساکر لابن منظور ۴/۷۔

باپ کے بعد بیٹا خلیفہ ہو، بلکہ ضروری ہے کہ آزادانہ انتخاب سے خلیفہ کا تقرر کیا جائے۔

دوسرے یزید کے ذاتی حالات بھی اس کی اجازت نہیں دیتے تھے کہ اس کو تمام اسلامی ملکوں کا خلیفہ مان لیا جائے، اس لیے ان حضرات نے اس مہم کی مخالفت کی، مگر حضرت عبداللہ بن عمر اور حضرت عبداللہ بن عباس نے بعد میں اس مخالفت کو چھوڑ دیا تھا البتہ حضرت عبداللہ بن زبیر، حضرت عبدالرحمن بن ابی بکر اور حضرت حسین بن علی اپنی رائے پر آخر تک قائم رہے، اور یزید کی خلافت سے اتفاق نہیں کیا۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا جب انتقال کا وقت قریب آیا تو انہوں نے اپنے بیٹے یزید بن معاویہ کو یہ وصیت کی کہ حسین ابن علی کے ساتھ نرم رویہ رکھنا، اور حسن سلوک سے پیش آنا، یہ تمہارے لیے بہتر ہوگا، پھر جب یزید بن معاویہ مسند خلافت پر بیٹھا، تو اس نے مدینہ کے عامل ولید بن عتبہ کی طرف لکھا کہ حضرت حسین اور حضرت عبداللہ بن زبیر سے میری خلافت پر بیعت لے لیں، ولید بن عتبہ نے رات کے وقت ان حضرات سے بات کی تو انہوں نے کہا کہ صبح سب کے سامنے اس مسئلہ کو رکھا جائے، جیسے مسلمانوں کی رائے ہوگی، ہم بھی اسی طرف ہوں گے، لیکن یہ سمجھ گئے کہ حالات کیسا رخ اختیار کر سکتے ہیں، اس لیے یہ دونوں حضرات رات میں ہی اپنے اہل خانہ کے ساتھ مدینہ منورہ سے نکل کر مکہ مکرمہ کی طرف چلے گئے۔

ادھر کوفہ سے حضرت حسین کی طرف لوگوں کو خطوط آنا شروع ہو گئے کہ آپ عراق میں آئیں، یہاں کتنے سارے لوگ آپ کا شدت سے انتظار کر رہے ہیں، ابتداء میں حضرت حسین نے ان کے خطوط کی طرف کوئی توجہ نہ دی، لیکن آئے دن ان کے خطوط میں اضافہ ہوتا رہا، تقریباً نوسو کے لگ بھگ عراق سے حضرت حسین کی طرف خط آئے کہ آپ ادھر آجائیں، یہاں کا ماحول آپ کے لیے سازگار ہے، لوگ آپ کے ہاتھ پر خلافت کی بیعت کرنا چاہتے ہیں، تاکہ صحیح اسلامی ریاست قائم ہو سکے۔

بالآخر حضرت حسین نے اپنے بہنوئی اور چچازاد بھائی حضرت مسلم بن عقیل کو حالات کا جائزہ لینے کے لیے کوفہ کی طرف روانہ کیا، تاکہ یہ وہاں پہنچ کر صحیح صورتحال سے آگاہ کریں پھر جانے یا نہ جانے کا فیصلہ کیا جائے گا، مسلم بن عقیل سفر کر کے جب پہنچے تو اہل کوفہ نے ان کا شاندار استقبال کیا، ایک مکان میں انہوں نے رہائش اختیار کی، وفود کی شکل میں لوگوں کا ان کے پاس آنا جانا شروع ہو گیا، بارہ ہزار سے زیادہ بندوں نے ان کے ہاتھ پر حضرت حسین کی خلافت کے لیے بیعت کی، اپنی بڑی عقیدت مندی کا اظہار کیا، اور اصرار کیا کہ حضرت حسین کو کوفہ میں بلائیں، مسلم بن عقیل نے سازگار ماحول دیکھ کر حضرت حسین کی طرف لکھا کہ یہاں کے تمام لوگ آپ کی خلافت چاہتے ہیں، اس لیے آپ کوفہ میں آجائیں، بظاہر کوئی مخالفت نہیں ہے۔

حضرت حسین نے اس خط کے بعد سفر عراق کا ارادہ کر لیا، کئی سارے صحابہ کرام سے مشورہ کیا، سب نے منع کیا، ان کے بھائی محمد بن حنفیہ نے بھی منع کیا کہ آپ وہاں نہ جائیں وہ آپ کے باپ کے قاتل ہیں اور آپ کے بڑے بھائی حضرت حسن کے ساتھ بھی دھوکہ کیا ہے، اور بھی بہت سے لوگوں نے حضرت حسین کو اس سفر سے منع کیا، وہ لوگ حسب سابق آپ کے ساتھ بھی غداری کریں گے، مگر قضاء وقدر کا کرشمہ کہیے کہ اس سب روک ٹوک کے باوجود حضرت حسین جانے کے لیے تیار ہو گئے، چنانچہ حج

سے ایک دو دن پہلے حضرت حسین مکہ مکرمہ سے اپنے اہل بیت اور قافلے کے ساتھ سفر عراق کے لیے نکل گئے، ان کا قافلہ جب مقام قادسیہ پر پہنچا، تو کوفہ سے کچھ لوگ آ رہے تھے، انہوں نے بتایا کہ آپ ہرگز آگے نہ جائیں، وہاں حالات اب آپ کے خلاف ہو چکے ہیں، اور مسلم بن عقیل کو بھی شہید کر دیا گیا ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ جس وقت مسلم بن عقیل نے حضرت حسین کو آنے کا خط لکھا تھا، اس وقت تو حالات ان کے موافق تھے، مگر بعد میں حالات بدل گئے، چنانچہ یزید کے حامیوں نے براہ راست یزید کی طرف لکھا کہ آپ کی حکومت کوفہ میں ختم ہو رہی ہے، لوگ حضرت حسین کے لیے مسلم بن عقیل کے ہاتھ پر بیعت کر رہے ہیں، اگر آپ یہاں کا کنٹرول حاصل کرنا چاہتے ہیں، تو یہاں کا عامل تبدیل کریں، یزید نے اس خط کی وجہ سے فوراً ایکشن لیا، عبید اللہ بن زیاد کو بصرہ اور کوفہ دونوں کا عامل بنا دیا، یہ بڑا ظالم اور سخت آدمی تھا، یہ فوراً کوفہ آیا اور مسلم بن عقیل کا تعاقب کر کے انہیں شہید کر دیا اور یہ اعلان کیا کہ جو بھی ہماری مخالفت کرے گا، اس کا یہی انجام ہوگا۔

بدلتے حالات سن کر حضرت حسین نے اپنا پروگرام بدلنا چاہا، مگر قافلے میں موجود مسلم بن عقیل کے بھائیوں اور رشتہ داروں نے کہا کہ ہم واپس نہیں ہوں گے، اپنے بھائی کے خون کا بدلہ لیں گے، پھر یہ قافلہ اپنی منزل کی طرف رواں دواں ہو گیا، راستے میں جو بھی کوفہ سے آتا ہوا ملتا، وہ بڑی لجاجت اور ہمدردی سے یہ بات سمجھانے کی کوشش کرتا کہ خدا کے لیے کوفہ نہ جاؤ، وہاں کے لوگ یزید کی بیعت پر تقریباً متفق ہو چکے ہیں، جو اس کی مخالفت کرتا ہے، تو اسے سخت سزا دی جاتی ہے، مگر یہ قافلہ اپنے عزم سے چلتا رہا، ابن زیاد کو اس قافلے کی آمد کا پتہ چلا، تو اس نے چار ہزار افراد مقابلے کے لیے بھیجے، میدان کربلا میں دونوں قافلوں کا آمنا سامنا ہوا، حضرت حسین نے حالات کی سنگینی دیکھ کر ابن زیاد کے بندوں کے سامنے تین باتیں رکھیں کہ ان میں سے کوئی بات تم اختیار کر لو:

۱۔ میں جہاں سے آیا ہوں، وہیں مجھے واپس جانے دیا جائے۔
۲۔ یا مجھے یزید کے پاس جانے دیا جائے، تاکہ میں خود اس سے ملاقات کر کے اپنا معاملہ حل کر لوں۔
۳۔ یا مجھے مسلمانوں کی کسی سرحد کی طرف جانے کے لیے چھوڑ دیا جائے، میں وہاں زندگی بسر کر لوں گا۔

یہ تین باتیں ابن زیاد کے سامنے پیش کی گئیں، تو اس نے ماننے سے انکار کر دیا، اور یہ کہا کہ حسین کے بچنے کا صرف ایک ہی راستہ ہے کہ وہ میرے ہاتھ پر بیعت کر لے، مگر حضرت حسین نے یہ بات قبول نہ کی، بالآخر میدان کربلا میں وہ المناک حادثہ پیش آ گیا، جس میں اہل بیت کے دیگر افراد کے ساتھ حضرت حسین رضی اللہ عنہ بھی شہید ہو گئے۔

آخر میں حضرت حسین کا سر مبارک عبید اللہ بن زیاد کے پاس بھیجا گیا اور پھر اس نے اسے دمشق میں یزید کے پاس بھیج دیا تھا اور پھر اس نے اپنے مدینہ کے حاکم عمرو بن سعید کی طرف مدینہ میں بھیج دیا، چنانچہ اس نے سر مبارک کو کفن دیا اور جنت البقیع

میں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے پہلو میں دفن کر دیا، حضرت حسین کی تاریخ شہادت ۱۰ محرم الحرام ۶۱ ہجری ہے۔(۱)

عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الخُدْرِيِّ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: الحَسَنُ وَالحُسَيْنُ سَيِّدَا شَبَابِ أَهْلِ الجَنَّةِ.(۲)

حضرت ابوسعید خدری سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ حسن اور حسین اہل جنت کے جوانوں کے سردار ہیں۔

حضرت حسن وحسین جنت کے جوانوں کے سردار ہیں

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جو مسلمان دنیا میں جوانی میں فوت ہوتے ہیں، حضرت حسن اور حضرت حسین جنت میں ان کے سردار ہوں گے۔(۳) اس کی مزید تفصیل مناقب ابی بکر وعمر میں اس عنوان کے تحت ہے: ''ابوبکر وعمر اہل جنت کے سردار ہوں گے'' اس بحث کو ضرور وہاں دیکھ لیا جائے۔

عَنْ أُسَامَةَ بْنِ زَيْدٍ قَالَ: طَرَقْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَاتَ لَيْلَةٍ فِي بَعْضِ الحَاجَةِ، فَخَرَجَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ مُشْتَمِلٌ عَلَى شَيْءٍ لَا أَدْرِي مَا هُوَ، فَلَمَّا فَرَغْتُ مِنْ حَاجَتِي، قُلْتُ: مَا هَذَا الَّذِي أَنْتَ مُشْتَمِلٌ عَلَيْهِ؟ فَكَشَفَهُ، فَإِذَا حَسَنٌ وَحُسَيْنٌ عَلَى وَرِكَيْهِ، فَقَالَ: هَذَانِ ابْنَايَ وَابْنَا ابْنَتِي، اللّٰهُمَّ إِنِّي أُحِبُّهُمَا، فَأَحِبَّهُمَا، وَأَحِبَّ مَنْ يُحِبُّهُمَا.(۴)

حضرت اسامہ بن زید کہتے ہیں کہ میں ایک رات کسی ضرورت کی وجہ سے نبی کریم ﷺ کے پاس آیا تو آپ (گھر کے اندر سے) اس طرح باہر تشریف لائے کہ کسی چیز کو آپ نے اپنے (کپڑوں کے) اندر لیا ہوا تھا، میں نہیں جانتا تھا کہ وہ چیز کیا ہے؟ پھر جب میں اپنی حاجت سے فارغ ہو گیا تو میں نے پوچھا: یہ کیا چیز ہے جس کو آپ نے اپنے (کپڑوں کے) اندر لیا ہوا ہے؟ راوی کہتے ہیں پھر آپ نے اس چیز کو کھولا (یعنی اس چیز سے کپڑا ہٹایا) تو اچانک (کیا دیکھتا ہوں کہ) حضرت حسن وحسین آپ ﷺ کے دونوں کولہوں پر بیٹھے ہوئے ہیں، (آپ نے ان دونوں کو اپنی چادر میں لیا ہوا تھا) پھر آپ ﷺ نے فرمایا: یہ دونوں میرے بیٹے ہیں اور میری بیٹی کے بیٹے ہیں، اے اللہ میں ان دونوں سے محبت کرتا ہوں، آپ بھی ان سے محبت فرمائیں، اور آپ ان تمام لوگوں سے محبت فرمائیں، جو ان

---

(۱) الاصابۃ ۳۸۱/۱، حرف الحاء، رقم: ۱۷۲۶، البدایۃ والنہایۃ ۱۵۱/۸، ط: مصر، فوائد نافعہ ۱۷۰/۲، ۲۱۷۔

(۲) مسند احمد ۳/۳، ۲۶۔

(۳) الکوکب الدری ۴۰۰/۴

(۴) کنز العمال، رقم: ۳۴۲۵۵۔

دونوں سے محبت کریں۔

مشکل الفاظ کے معنی: طرقت النبی ﷺ: میں نبی کریم ﷺ کے پاس رات کے وقت آیا، ذات لیلۃ کا لفظ مزید تاکید کے لیے ہے، ھو مشتمل علی شیء: آپ نے اپنے اندر کسی چیز کو لیا ہوا تھا، فکشفہ: آپ نے اس چیز کو کھولا، ہٹایا یعنی چادر کو ہٹایا، علی ورکیہ: (واؤ پر زبر اور را کے نیچے زیر) آپ کے دونوں کولہوں پر بیٹھے ہوئے ہیں، انی أحبھما: میں ان دونوں سے محبت کرتا ہوں، وأحب: (صیغہ امر باب افعال سے) آپ بھی محبت اور پیار کریں۔

حسنین سے محبت کرنے کی فضیلت

مذکورہ حدیث میں درج ذیل امور ثابت ہیں:

۱۔ بیٹی کے بیٹے یعنی نواسے بھی حکما، نانا کے بیٹے ہوتے ہیں۔

۲۔ حضرت حسن وحسین سے محبت کرنے سے انسان اللہ جل جلالہ کا محبوب بن سکتا ہے، نبی کریم ﷺ نے ایسے لوگوں کے لیے دعا کی ہے۔

۳۔ نبی کریم ﷺ حدیث کے راوی حضرت اسامہ اور دوسرے لوگوں کو اس بات کی ترغیب دے رہے ہیں کہ وہ میرے ان دونوں نواسوں سے محبت اور پیار کیا کریں۔

۴۔ چھوٹے بچوں سے پیار کرنا، انہیں گود میں لینا یا کولہوں پر اٹھانا ایک مسنون عمل ہے، نبی کریم ﷺ چھوٹے بچوں سے بہت پیار فرماتے تھے۔(۱)

عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ أَبِي نُعْمٍ، أَنَّ رَجُلًا مِنْ أَهْلِ العِرَاقِ سَأَلَ ابْنَ عُمَرَ عَنْ دَمِ البَعُوضِ يُصِيبُ الثَّوْبَ، فَقَالَ ابْنُ عُمَرَ: انْظُرُوا إِلَى هَذَا يَسْأَلُ عَنْ دَمِ البَعُوضِ وَقَدْ قَتَلُوا ابْنَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَسَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: إِنَّ الحَسَنَ وَالحُسَيْنَ هُمَا رَيْحَانَتَايَ مِنَ الدُّنْيَا.(۲)

حضرت عبدالرحمن بن ابی نعم کہتے ہیں کہ ایک عراقی نے حضرت عبداللہ بن عمر سے مچھر کے خون کے متعلق پوچھا، جو کپڑے پر لگ جائے (تو اس کا کیا حکم ہے؟) حضرت عبداللہ بن عمر نے فرمایا: اس شخص کو دیکھو، مچھر کے خون کے بارے میں (حکم) پوچھتا ہے، جبکہ ان ہی لوگوں نے نبی کریم ﷺ کے بیٹے (حضرت حسین) کو قتل کیا ہے، میں نے نبی کریم ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ حسن وحسین دونوں دنیا میں میرے دو پھول ہیں۔

مشکل الفاظ کے معنی: دم البعوض: مچھر کا خون، یصیب الثوب: جو کپڑے کو لگ جائے، ریحانتای: میرے دو پھول۔

---

(۱) مرقاۃ المفاتیح ۱۱/۳۱۴، کتاب المناقب باب مناقب اھل بیت النبی ﷺ

(۲) الصحیح للبخاری، فضائل الصحابۃ، باب مناقب الحسن والحسین، رقم: ۳۷۵۳۔

حسن وحسین میری دنیا کے دو پھول ہیں

ایک کوفی آدمی نے حضرت عبداللہ بن عمر سے مسئلہ پوچھا کہ مچھر کا خون اگر کپڑے پر لگ جائے تو اس کا کیا حکم ہے؟ اور بخاری کی روایت میں اس طرح ہے کہ اس نے یہ پوچھا کہ احرام کی حالت میں اگر کوئی مکھی کو مار دے، تو اس پر کیا جزاء لازم آتی ہے؟ حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ ہوسکتا ہے کہ دونوں مسئلوں کا حکم اس شخص نے پوچھا ہو۔

حضرت عبداللہ بن عمر نے فرمایا کہ کوفہ والے مجھ سے مچھر کے خون یا مکھی مارنے کے بارے میں حکم پوچھ رہے ہیں، گویا یہ ظاہر کرنا چاہتے ہیں کہ وہ شریعت کے احکام کا بہت لحاظ رکھتے ہیں، جائز و ناجائز اور تقوی وطہارت کے بہت پابند ہیں، چھوٹی چھوٹی بات کا بھی حکم معلوم کر کے اس پر عمل کرتے ہیں، حالانکہ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے بڑی بے دردی سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نواسہ حضرت حسین کو شہید کیا، ادھر ان کو شریعت کا مسئلہ یاد نہیں رہا، وہ معمولی چیز کے بارے میں تو پوچھتے ہیں اور قتل جیسے عظیم گناہ کے ارتکاب میں انہیں کوئی ہچکچاہٹ نہیں ہوتی، اور فرماتے ہیں کہ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ حسن وحسین دنیا میں میرے دو پھول ہیں، حقیقت یہ ہے کہ ان پھولوں کے ساتھ کوفہ والوں نے بڑا ظلم کیا۔(۱)

عَنْ سَلْمَى، قَالَتْ: دَخَلْتُ عَلَى أُمِّ سَلَمَةَ، وَهِيَ تَبْكِي، فَقُلْتُ: مَا يُبْكِيكِ؟ قَالَتْ: رَأَيْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، تَعْنِي فِي الْمَنَامِ، وَعَلَى رَأْسِهِ وَلِحْيَتِهِ التُّرَابُ، فَقُلْتُ: مَالَكَ يَا رَسُولَ اللهِ، قَالَ: شَهِدْتُ قَتْلَ الْحُسَيْنِ آنِفًا.

حضرت سلمٰی بکر یہ فرماتی ہیں کہ میں ام المؤمنین حضرت ام سلمہ کے پاس آئی، وہ رو رہی تھیں، میں نے پوچھا: کیا چیز آپ کو رلا رہی ہے؟ انہوں نے بتایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا یعنی خواب میں، اس طرح دیکھا کہ آپ کا سر اور ڈاڑھی پر مٹی تھی، میں نے پوچھا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ کا یہ حال کیوں ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں ابھی حسین کے قتل (کی جگہ) میں موجود تھا (وہاں میں نے اسے قتل ہوتا دیکھا ہے)۔

حضرت حسین کی شہادت سے متعلق ایک خواب

حضرت ام سلمہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں گرد آلود دیکھا کہ آپ کی ڈاڑھی اور سر پر مٹی لگی ہوئی ہے، اس کی وجہ آپ نے بتائی کہ میں حسین کی قتل گاہ میں موجود تھا اور وہاں میں نے اسے بڑی بے دردی سے شہید ہوتا ہوا دیکھا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ اس واقعہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو شدید صدمہ پہنچا ہے۔

---

(۱) فتح الباری ۱۲۴/۷، کتاب فضائل اصحاب النبی ﷺ، باب مناقب الحسن و الحسین رضی اللہ عنہما، مرقاۃ ۳۰۰/۱۱، کتاب المناقب حدیث: ۶۱۴۵

"تعني في المنام" یہ الفاظ حدیث کے راوی یہ حضرت سلمٰی کے ہیں یا ان سے نیچے کسی راوی کے الفاظ ہیں۔(۱)

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، يَقُولُ: سُئِلَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَيُّ أَهْلِ بَيْتِكَ أَحَبُّ إِلَيْكَ؟ قَالَ: الْحَسَنُ وَالْحُسَيْنُ، وَكَانَ يَقُولُ لِفَاطِمَةَ: ادْعِي لِيَ ابْنَيَّ، فَيَشُمُّهُمَا وَيَضُمُّهُمَا إِلَيْهِ.(۲)

حضرت انس بن مالک فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ سے پوچھا گیا کہ آپ کو اپنے گھر والوں میں سب سے زیادہ محبوب کون ہے؟ آپ نے فرمایا: حسن اور حسین اور آپ حضرت فاطمہ سے فرمایا کرتے تھے کہ میرے دونوں بیٹوں کو میرے پاس بلاؤ، پھر آپ ان دونوں کو سونگھتے تھے اور ان کو اپنے ساتھ لگاتے تھے۔

مشکل الفاظ کے معنی: ادعی لی: تم میرے لیے بلاؤ، **ابنی:** میرے دونوں بیٹے، **فیشمهما:** آپ ﷺ ان دونوں کو سونگھتے تھے، **ویضمهما الیه:** اور ان کو اپنے ساتھ لگاتے تھے، اپنے ساتھ چمٹاتے تھے۔

حسن و حسین آپ کو بہت محبوب تھے

اس حدیث سے درج ذیل امور ثابت ہوتے ہیں:

۱۔ نبی کریم ﷺ کو اپنے گھر والوں میں سب سے زیادہ محبت حضرت حسن اور حضرت حسین سے تھی۔

۲۔ چھوٹے بچے پھول کی مانند ہوتے ہیں، جس طرح انسان پھول کو سونگھ کر فرحت اور سکون محسوس کرتا ہے، اسی طرح چھوٹے بچوں کو سونگھنے سے آدمی کی طبیعت میں نشاط اور خوشی معلوم ہوتی ہے، آپ ﷺ بھی حضرات حسنین کو سونگھتے تھے، اور ان کو اپنے جسم کے ساتھ لگاتے تھے۔

۳۔ بچوں سے دل لگی اور پیار کرنا سنت ہے۔

عَنْ أَبِي بَكْرَةَ، قَالَ: صَعِدَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمِنْبَرَ فَقَالَ: إِنَّ ابْنِي هَذَا سَيِّدٌ، يُصْلِحُ اللهُ عَلَى يَدَيْهِ فِئَتَيْنِ عَظِيمَتَيْنِ.(۳)

حضرت ابوبکرہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ (ایک دن) منبر پر چڑھے (یعنی منبر پر آپ خطبہ دے رہے تھے اور آپ کے بائیں پہلو پر حضرت حسن بیٹھے تھے) تو آپ نے فرمایا: میرا یہ بیٹا سردار ہے، اللہ تعالیٰ اس کے ذریعہ دو بڑی جماعتوں کے درمیان صلح کرائیں گے۔

---

(۱) مرقاۃ المفاتیح ۱۱/۳۱۵ کتاب المناقب حدیث نمبر: ۶۱۶۶

(۲) المعجم الصغیر للطبرانی ۱/۶۵۔

(۳) الصحیح للبخاری، کتاب الصلح، باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم للحسن... رقم: ۲۷۰۴۔

حسن دو بڑی جماعتوں میں صلح کرائیں گے

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد کوفہ اور عراق والوں نے بجا طور پر حضرت حسن کو اپنا خلیفہ منتخب کیا، تقریباً چالیس ہزار افراد نے حضرت حسن کے ہاتھ پر بیعت کی، ان کے ساتھ مر مٹنے کا عہد کیا، دوسری طرف شام میں لوگوں نے حضرت معاویہ کے ہاتھ پر خلافت کے لیے بیعت شروع کر دی، حضرت معاویہ چاہتے تھے کہ حضرت حسن میرے ہاتھ پر بیعت کریں، بات اس حد تک بڑھ گئی کہ دونوں لشکر لڑائی کے لیے آمنے سامنے ہو گئے، یہ پریشان کن حالات دیکھ کر حضرت حسن نے یہ فیصلہ کیا کہ میں اپنی خلافت کے حق سے اس وجہ سے دستبردار ہو جاتا ہوں، تاکہ میری وجہ سے امت محمدیہ کا خون نہ بہے، چنانچہ حضرت حسن نے اپنی خلافت کے چھ ماہ بعد، حضرت معاویہ کے ساتھ صلح کر کے ان کے ہاتھ پر بیعت کر لی، یہ فیصلہ حضرت حسن کے عقیدت مندوں کے لیے قبول کرنا بڑا مشکل تھا، انہیں بڑا شاق گذرا، بعض انتہا پسند جب حضرت حسن کی مجلس میں آتے تو حضرت حسن سے یوں کہتے: اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا عَارَ الْمُؤْمِنِین (اے مؤمنین کی عار و ذلت، تجھ پر سلام ہو) حضرت حسن بڑے تحمل اور بردباری سے انہیں یوں جواب دیتے: العار خیر من النار، یہ عار دوزخ کی آگ سے بہتر ہے، لہذا تم اس صلح کو جو بھی رنگ دو، اسے جس نظر سے چاہو، دیکھ لو، میں اپنی آخرت خراب نہیں کر سکتا، اس سب کے باوجود حضرت حسن نے صلح کر لی، یوں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ پیشن گوئی سچ ثابت ہوئی کہ میرا یہ بیٹا حسن سردار ہے، آگے چل کر یہ دو بڑی جماعتوں کے درمیان صلح کرائے گا۔(۱)

عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ بُرَيْدَةَ، قَالَ: سَمِعْتُ أَبِي بُرَيْدَةَ يَقُولُ: كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَخْطُبُنَا، إِذْ جَاءَ الحَسَنُ وَالحُسَيْنُ، عَلَيْهِمَا قَمِيصَانِ، أَحْمَرَانِ، يَمْشِيَانِ وَيَعْثُرَانِ، فَنَزَلَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ المِنْبَرِ فَحَمَلَهُمَا وَوَضَعَهُمَا بَيْنَ يَدَيْهِ، ثُمَّ قَالَ: صَدَقَ اللهُ إِنَّمَا أَمْوَالُكُمْ وَأَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ، نَظَرْتُ إِلَى هَذَيْنِ الصَّبِيَّيْنِ، يَمْشِيَانِ وَيَعْثُرَانِ فَلَمْ أَصْبِرْ حَتَّى قَطَعْتُ حَدِيثِي وَرَفَعْتُهُمَا. (۲)

حضرت عبد اللہ بن بریدہ کہتے ہیں کہ میں نے اپنے باپ حضرت بریدہ کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ (ایک دن) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے سامنے خطبہ ارشاد فرما رہے تھے کہ اچانک حسن اور حسین آ گئے، ان پر دو سرخ قمیصیں تھیں (یعنی انہوں نے سرخ قمیصیں پہن رکھی تھیں) وہ چل کر آ رہے تھے اور (کم عمری کی وجہ سے) زمین پر گرتے بھی تھے، چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم (ان کو دیکھ کر) منبر سے نیچے اتر آئے، ان کو اٹھا لیا اور ان کو اپنی گود میں رکھ لیا، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے سچ کہا ہے کہ ”تمہارے اموال اور اولاد فتنہ ہیں“ میں نے ان دونوں بچوں کو دیکھا، وہ چل کر آ

---

(۱) عمدة القاری ۲۸۲/۱۳، کتاب الصلح، باب قول النبی ﷺ للحسن بن علی: ان ابنی هذا سید، مرقاة المفاتیح ۲۹۸/۱۱، کتاب المناقب، باب مناقب أهل بیت النبی صلی الله علیه وسلم۔

(۲) سنن ابی داؤد، کتاب الصلاة، باب الامام یقطع الخطبة، رقم: ۱۱۰۹۔

تو رہے ہیں، مگر زمین پر گر بھی جاتے ہیں، تو (ان کی محبت کی وجہ سے) میں صبر نہ کر سکا، یہاں تک کہ میں نے اپنی (خطبہ کی) بات کو منقطع کیا (یعنی توڑا) اور (منبر سے اتر کر) ان کو اپنی گود میں اٹھالیا۔

مشکل الفاظ کے معنی: یمشیان: وہ دونوں چل کر آرہے تھے، یعثران: وہ دونوں کم عمری اور کمزوری کی وجہ سے گر رہے تھے، وضعهما بين يديه: ان دونوں کو اپنی گود میں رکھ لیا، ان کو اپنے ہاتھوں میں اٹھالیا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ کے دوران حسنین کو اٹھالیا

مذکورہ حدیث سے درج ذیل امور ثابت ہوتے ہیں:

۱۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرات حسنین کو خطبہ کے دوران آتا ہوا دیکھا، وہ چھوٹے تھے، چل کر آرہے تھے، اور گرتے بھی تھے اور پھر اٹھ کر چل پڑتے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں دیکھا تو خطبہ موقوف کر کے منبر سے نیچے اترے اور انہیں اٹھالیا، اور فرمایا کہ اولاد اور اموال فتنہ اور آزمائش ہیں، جب ہی تو میں نے خطبہ موقوف کر کے انہیں اٹھالیا، اس سے حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما کی فضیلت ثابت ہوتی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان سے بہت پیار اور محبت تھی۔

۲۔ اگر کسی عبادت کی ادائیگی میں کوئی امر مانع بن رہا ہو تو اسے پہلے دور کیا جائے اور پھر عبادت کو مکمل کیا جائے۔

۳۔ جمعہ کے خطبہ کے دوران اگر خطیب خطبہ کے علاوہ کوئی اور ضروری بات یا عمل کرے تو شرعاً اس کی گنجائش ہے، اور اگر یہ خطبہ، جمعہ کے خطبہ کے علاوہ ہو تو اس میں تو خطبہ کے علاوہ اور کوئی بات یا عمل کرنے میں کسی کے نزدیک بھی خطیب کے لیے کوئی کراہت نہیں ہے۔

۴۔ چھوٹے بچے سرخ قسم کا کپڑا یا سویٹر اور جرسی وغیرہ استعمال کر سکتے ہیں جیسا کہ حضرت حسن اور حضرت حسین نے سرخ قمیصیں پہن رکھی تھیں، اور بڑوں کے لیے سرخ دھاری دھار کپڑا پہننا جائز ہے، خالص سرخ لباس مرد کے لیے استعمال کرنا پسندیدہ نہیں۔

شارحین حدیث فرماتے ہیں کہ یہاں حدیث میں احمران سے پورا سرخ کپڑا مراد نہیں، بلکہ اس سے سرخ دھاری دار قمیصیں مراد ہیں، لیکن چونکہ حدیث میں اس طرح کی کوئی قید نہیں، اس لیے اکثر حضرات کے نزدیک سرخ رنگ کا کپڑا پہننا بغیر کسی کراہت کے جائز ہے، البتہ ایسا تیز سرخ رنگ کا لباس جو عورتوں کے لباس کے مشابہ ہو جائے، اس کا استعمال مردوں کے لیے پسندیدہ نہیں۔(۱)

عَنْ يَعْلَى بْنِ مُرَّةَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: حُسَيْنٌ مِنِّي وَأَنَا مِنْ حُسَيْنٍ، أَحَبَّ اللهُ مَنْ أَحَبَّ

---

(۱) بذل المجهود ۸۲/۶، كتاب الصلاة باب الامام يقطع الخطبة لأمر يحدث، الكوكب الدرى ۲۲۲/۴، كفايت المفتی ۳۰۹/۱۲، كتاب الحظر والاباحة، باب مايتعلق بالثياب المحرمة، ط: کراچی۔

حُسَيْنًا، حُسَيْنٌ سِبْطٌ مِنَ الْأَسْبَاطِ.(۱)

حضرت یعلی بن مرہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: حسین مجھ سے ہیں اور میں حسین کا (قریبی) ہوں، اللہ تعالیٰ اس شخص سے محبت کرے، جو حسین سے محبت کرے، حسین حضور ﷺ کے نواسوں میں سے ایک نواسہ ہیں۔

حضرت حسین سے کمال محبت کا اظہار

مذکورہ حدیث میں تین باتوں کا بیان ہے:

۱۔ ایسا لگتا ہے کہ آپ ﷺ نور نبوت سے یہ سمجھ گئے تھے کہ حضرت حسین کا المناک شہادت کا واقعہ بعد میں پیش آئے گا، اس لیے آپ ﷺ نے حضرت حسین کے ساتھ اپنی خصوصی محبت اور قرب کا ذکر فرمایا ہے، آپ نے فرمایا کہ حسین مجھ سے ہیں، مطلب یہ ہے کہ حسین میرے انتہائی قریبی ہیں رشتہ اور نسب کے لحاظ سے، زہد اور تقویٰ کے اعتبار سے، اس سے حضرت حسین کا بلند مقام ثابت ہوتا ہے۔

۲۔ آپ ﷺ نے یہ دعا دی: جو شخص حسین سے محبت کرے، اللہ تعالیٰ اسے اپنا محبوب بنائے۔

۳۔ حسین سبط من الاسباط، سبط کے دو معنی ہیں۔ (۱) نواسہ، اس صورت میں اس جملے کے یہ معنی ہوں گے کہ حسین بھی آپ ﷺ کے نواسوں میں سے ایک نواسہ ہیں۔ (۲) قبیلہ اور امت، مطلب یہ ہے کہ حضرت حسین شرف وفضل اور کمال اوصاف کے لحاظ سے ایک امت کے درجے میں ہیں اور ان کی نسل اور خاندان بہت پھیلے گا، اس لحاظ سے یہ ایک قبیلہ اور خاندان ہیں۔ (۲)

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، قَالَ: لَمْ يَكُنْ أَحَدٌ مِنْهُمْ أَشْبَهَ بِرَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ الْحَسَنِ بْنِ عَلِيٍّ.(۳)

حضرت انس بن مالک فرماتے ہیں کہ اہل بیت میں سے کوئی بھی آپ ﷺ کے ساتھ حضرت حسن سے زیادہ مشابہ نہیں تھا۔

عَنْ أَبِي جُحَيْفَةَ، قَالَ: رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَكَانَ الْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ يُشْبِهُهُ.(۴)

حضرت ابو جحیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو دیکھا ہے، حضرت حسن بن علی آپ ﷺ کے مشابہ اور ہم شکل تھے۔

---

(۱) سنن ابن ماجة، المقدمة، رقم: ۱۴۴۔

(۲) مرقاة المفاتيح ۱۱/۳۱۷، کتاب المناقب حدیث نمبر: ۶۱۶۹

(۳) الصحيح للبخاري، فضائل الصحابة، باب مناقب الحسن، رقم: ۳۷۵۲۔

(۴) الصحيح للبخاري، رقم: ۳۵۴۳۔

حضرت حسن اور حسین آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم شکل تھے

امام ترمذی کی مذکورہ دونوں روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ شکل وصورت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مشابہ تھے، جبکہ ترمذی میں ہی ان دو روایتوں کے بعد حضرت انس کی روایت ہے، جس میں یہ بات ہے کہ حضرت حسین شکل و صورت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ زیادہ مشابہ تھے، بظاہر دونوں باتوں میں تعارض ہے، حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس تعارض کے حل میں تین باتیں ذکر کی ہیں:

۱۔ حضرت حسن جب تک زندہ تھے تو شکل وصورت میں وہ حضرت حسین سے زیادہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مشابہ تھے، گویا یہ دونوں روایتیں حضرت حسن کے زندہ ہونے کی حالت کے اعتبار سے ہیں، حضرت حسن کی وفات کے بعد اہل بیت میں سے شکل و صورت کے اعتبار سے حضرت حسین آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زیادہ مشابہ اور ہم شکل تھے، ترمذی کی اگلی روایت جس میں حضرت حسین کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زیادہ مشابہ قرار دیا گیا ہے، وہ حضرت حسن کی وفات کے بعد کے اعتبار سے ہے، اس لیے دونوں روایتوں میں کوئی تعارض نہیں، یہ الگ الگ اوقات کے اعتبار سے ہیں۔

۲۔ ترمذی کی جن روایات میں حضرت حسین کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مشابہ اور ہم شکل ہونے کا ذکر ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ حضرت حسن کے علاوہ، دیگر لوگوں اور اہل بیت میں سے حضرت حسین آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زیادہ مشابہ تھے۔

۳۔ حقیقت یہ ہے کہ حضرت حسن اور حضرت حسین دونوں ہی شکل وصورت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مشابہ تھے، چنانچہ ترمذی ہی کی اگلی روایت میں ہے کہ حضرت حسن سر سے سینہ تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم شکل تھے اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ سینہ سے نیچے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح تھے۔

اس تفصیل سے یہ ثابت ہو گیا کہ دونوں حضرات ہی شکل وصورت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مشابہ تھے۔(۱)

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، قَالَ: كُنْتُ عِنْدَ ابْنِ زِيَادٍ فَجِيءَ بِرَأْسِ الحُسَيْنِ فَجَعَلَ يَقُولُ بِقَضِيبٍ فِي أَنْفِهِ وَيَقُولُ: مَارَأَيْتُ مِثْلَ هَذَا حُسْنًا، لِمَ يُذْكَرُ؟ قَالَ: قُلْتُ: أَمَا إِنَّهُ كَانَ مِنْ أَشْبَهِهِمْ بِرَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

حضرت انس بن مالک فرماتے ہیں کہ میں اس وقت عبید اللہ بن زیاد کے پاس موجود تھا، جب اس کے پاس حضرت حسین کا سر لایا گیا، وہ حضرت حسین کی ناک میں اپنی چھڑی ڈال کر کہنے لگا، میں نے اس طرح کا حسن نہیں دیکھا (استہزاء کے طور پر اس نے کہا) تو اس کا (لوگوں میں) کیوں تذکرہ کیا جائے، حضرت انس کہتے ہیں: میں نے (اس سے) کہا: حضرت حسین اہل بیت میں سے سب سے زیادہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مشابہ اور ہم شکل تھے۔

عَنْ عَلِيٍّ، قَالَ: الحَسَنُ أَشْبَهُ بِرَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا بَيْنَ الصَّدْرِ إِلَى الرَّأْسِ، وَالْحُسَيْنُ أَشْبَهُ

---

(۱) فتح الباری ۷/۱۲۱، کتاب فضائل أصحاب النبی ﷺ باب مناقب الحسن والحسین

بِرَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا كَانَ أَسْفَلَ مِنْ ذٰلِكَ.(۱)

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت حسن سینہ سے سر تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مشابہہ تھے اور حضرت حسین سینہ سے نیچے جسم میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مشابہہ تھے۔

مشکل الفاظ کے معنی: قضیب: شاخ، لاٹھی، ما رأیت مثل هذا حسنا، میں نے اس طرح کا حسن اور خوبصورتی نہیں دیکھی یہ اس نے بطور استہزاء اور مزاح کے کہا کہ یہ کوئی حسن ہے، لم یذکر: اس کے معنی ہیں: لما ذا یذکر فی الناس بالحسن و لیس له حسن: یعنی لوگوں میں حسین کے حسن کا تذکرہ کیوں کیا جاتا ہے، اس کا تو کوئی حسن ہی نہیں، أشبه: دوسری حدیث میں یہ ماضی کا صیغہ ہے: وہ مشابہہ اور ہم شکل تھے۔(۲)

حضرت حسین کا سر کوفہ کے امیر عبید اللہ بن زیاد کے سامنے

ان احادیث کی شرح میں دو باتیں ہیں:

۱۔ ان دونوں حدیثوں سے ایک بات تو بہر حال ثابت ہوتی ہے کہ حضرت حسن اور حضرت حسین اہل بیت میں سے سب سے زیادہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مشابہہ اور ہم شکل تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حسن و جمال کی طرح یہ بھی بہت خوبصورت تھے، اس کی مزید تفصیل اس سے اوپر کی احادیث میں لکھی جا چکی ہے۔

۲۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو یزید بن معاویہ کی طرف سے مقرر کردہ کوفہ کے امیر عبید اللہ بن زیاد نے لشکر بھیج کر قتل کرادیا، تو بعد میں حضرت حسین کا سر مبارک ابن زیاد کے سامنے لایا گیا، صحیح بخاری کی روایت میں ہے کہ ایک ٹرے میں ان سر کو رکھ کر اس کے پاس لایا گیا، اس نے اپنی ایک چھڑی اور لاٹھی سے اس سر کو چھیڑا، حضرت حسین کے ناک اور منہ میں چھڑی ڈال کر پھیرنے لگا، اور ساتھ میں یہ کہنے لگا کہ لوگ کہتے ہیں کہ حسین بہت خوبصورت ہیں، یہ کوئی حسن ہے، لوگ کس وجہ سے ان کے حسن کا چرچا اور ذکر کرتے ہیں، یہ بات اس نے تہکم اور استہزاء کے طور پر کہی۔

حضرت انس نے اس سے فرمایا کہ تمہاری بات غلط ہے، یہ اہل بیت میں سب سے زیادہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم شکل اور مشابہہ ہیں، ان کی شکل و صورت پر اعتراض گویا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حسن و جمال پر اعتراض کرنا ہے، جسے کوئی انسان سوچ بھی نہیں سکتا، اور طبرانی کی روایت میں اتنا اضافہ بھی ہے کہ اس نے حضرت حسین کے منہ اور ہونٹوں پر چھڑی پھیری، تو حضرت انس نے فرمایا کہ یہاں تم اپنی چھڑی نہ پھیرو، ہٹالو کیونکہ میں نے خود اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مقام پر بوسہ دیا ہے، بہر حال ابن زیاد نے چھڑی سے یہ حرکت کر کے حضرت حسین کے سر کے ساتھ یوں استہزاء اور مزاح کیا تھا، جسے بعد میں اللہ

---

(۱) مسند احمد ۱/۹۹۔

(۲) مرقاة المفاتیح ۱۱/۳۱۸، کتاب المناقب باب مناقب اهل بیت النبی صلی اللہ علیہ وسلم، رقم: ۶۱۷

تعالیٰ نے اسے دنیا میں سزا دے دی، جس کا ذکر اگلی روایت میں آرہا ہے۔(۱)

عَنْ عُمَارَةَ بْنِ عُمَيْرٍ، قَالَ: لَمَّا جِيءَ بِرَأْسِ عُبَيْدِ اللَّهِ بْنِ زِيَادٍ وَأَصْحَابِهِ نُضِّدَتْ فِي الْمَسْجِدِ فِي الرَّحَبَةِ فَانْتَهَيْتُ إِلَيْهِمْ وَهُمْ يَقُولُونَ: قَدْ جَاءَتْ قَدْ جَاءَتْ، فَإِذَا حَيَّةٌ قَدْ جَاءَتْ، تَخَلَّلُ الرُّءُوسَ حَتَّى دَخَلَتْ فِي مَنْخَرَيْ عُبَيْدِ اللَّهِ بْنِ زِيَادٍ، فَمَكَثَتْ هُنَيْهَةً، ثُمَّ خَرَجَتْ، فَذَهَبَتْ، حَتَّى تَغَيَّبَتْ، ثُمَّ قَالُوا: قَدْ جَاءَتْ، قَدْ جَاءَتْ، فَفَعَلَتْ ذَلِكَ مَرَّتَيْنِ أَوْ ثَلَاثًا.

حضرت عمارہ بن عمیر فرماتے ہیں کہ جب عبید اللہ بن زیاد اور اس کے ساتھیوں کے سر لائے گئے تو کوفہ کے رحبہ محلہ کی مسجد میں انہیں ایک دوسرے کے اوپر ترتیب سے رکھا گیا، تو میں بھی ان کے پاس پہنچا، اتنے میں لوگ کہنے لگے: وہ آگیا، وہ آگیا، دیکھا تو وہ ایک سانپ تھا جو آیا اور سروں کے درمیان گھس گیا، یہاں تک کہ عبید اللہ بن زیاد کے دونوں نتھنوں میں داخل ہوگیا، تھوڑی دیر وہ اندر ہی رہا، پھر باہر نکلا اور چلا گیا یہاں تک کہ وہ نظروں سے غائب ہوگیا، پھر لوگ کہنے لگے: وہ آگیا، وہ آگیا، چنانچہ اس سانپ نے دو یا تین بار اسی طرح کیا (اور وہاں پر موجود تمام لوگ یہ منظر دیکھتے رہے)۔

مشکل الفاظ کے معنی: نضدت: (باب تفعیل سے صیغہ مجہول) ان سروں کو ایک دوسرے کے اوپر ترتیب سے رکھا گیا، رحبة: (را پر زبر اور حا ساکن) کوفہ کے ایک محلے کا نام ہے، تخلل الرؤس: یہ لفظ اصل میں تتخلل دو تاء کے ساتھ ہے، پھر تخفیف کی وجہ سے ایک تاء کو گرا دیا گیا: وہ سانپ ان سروں میں گھس گیا، ان کے قریب اندر آگیا، منخری عبید اللہ: (میم اور خاء پر زبر اور زیر دونوں درست ہیں) عبید اللہ کی ناک کے دونوں سوراخ، اس کے دونوں نتھنے، مکثت: وہ سانپ ٹھہرا رہا، هنيهة: (ہاء پر پیش، نون پر زبر، یا ساکن اور دوسری ہاء پر زبر): تھوڑی دیر۔

ابن زیاد کو دنیا میں ہی گستاخی کی ایک سزا

مذکورہ روایت میں دو باتیں ہیں:

۱۔ عبید اللہ بن زیاد، یزید بن معاویہ کی طرف سے کوفہ کا امیر تھا، عبید اللہ بن زیاد بن ابی سفیان، رشتہ میں حضرت معاویہ کا بھتیجا اور یزید کا چچازاد بھائی تھا، ابن زیاد نے لشکر کشی کرا کر حضرت حسین کو شہید کیا تھا اور پھر حضرت حسین کے سر مبارک کی توہین اور گستاخی کی تھی، جس کا ذکر پہلے کیا جاچکا ہے۔

ابن زیاد کو اس گستاخی کی سزا یوں ملی کہ ۶۶ ہجری میں مختار بن ابی عبیدہ ثقفی نے عراق کے شہر (موصل) کے قریب مقام ''جارز'' میں ابراہیم بن اشتر کو قتال کے لیے بھیجا، اس نے اپنے ساتھیوں کے ساتھ مل کر عبید اللہ بن زیاد اور اس کے ساتھیوں کو قتل

(۱) فتح الباری ۷/۱۱۸، کتاب فضائل اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم، باب مناقب الحسن والحسین

کردیا، اور پھر ابن زیاد اور اس کے ساتھیوں کے سروں کو کوفہ میں مختار کے سامنے لایا، اور ان سروں کو ایک دوسرے کے اوپر ترتیب سے رکھ دیا گیا۔

حدیث کے راوی حضرت عمارہ بن عمیر ایک بڑے تابعی ہیں، کہتے ہیں کہ میں بھی ان سروں کے پاس پہنچ گیا، وہاں یہ دیکھا کہ ایک چھوٹا سانپ ان سروں کے پاس آیا، ان سروں سے ہوتا ہوا ابن زیاد کے سر کے پاس پہنچا تو اس کے ناک کے دونوں نتھنوں میں داخل ہو گیا، تھوڑی دیر اندر رہا، پھر باہر آ کر غائب ہو گیا، کچھ وقت گذرا، تو پھر وہ سانپ آیا اور ابن زیاد کے منہ میں داخل ہو گیا اور پھر اس کی ناک سے نکلا، اس طرح تین بار اس سانپ نے کیا، پھر مختار نے ابن زیاد اور اس کے ساتھیوں کے تمام سر مکہ مکرمہ میں حضرت حسین کے بھائی محمد بن حنفیہ یا حضرت عبداللہ بن زبیر کے پاس بھجوا دیئے اور ان کی لاشوں کو آگ سے جلا دیا۔

۲۔ اس واقعہ سے یہ معلوم ہوا کہ بسا اوقات کسی بزرگ کی گستاخی کی سزا انسان کو دنیا میں ہی مل جاتی ہے، ابن زیاد نے جیسے حضرت حسین کے ساتھ سلوک کیا تھا، اس سے کہیں زیادہ برا سلوک ابن زیاد کے ساتھ کیا گیا، اس نے حضرت حسین کے منہ اور ناک میں چھڑی پھیر کر گستاخی اور توہین کی تھی، ابن زیاد کے سر کے ساتھ بھی اللہ تعالیٰ نے اسی طرح کا معاملہ فرمایا کہ ایک سانپ تین بار اس کے منہ اور ناک میں داخل ہوا اور پھر باہر نکل کر غائب ہو گیا، جسے سب لوگ دیکھ رہے تھے، اس لیے کسی بھی بزرگ کی گستاخی اللہ جل شانہ کے عذاب کو دعوت دینے کے مترادف ہے، اس سے بچنے کا مکمل دھیان رکھنا چاہیے۔(۱)

عَنْ حُذَيْفَةَ، قَالَ: سَأَلَتْنِي أُمِّي مَتَى عَهْدُكَ تَعْنِي بِالنَّبِيِّ صَلَّى اللہُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقُلْتُ: مَا لِي بِهِ عَهْدٌ مُنْذُ كَذَا وَكَذَا، فَنَالَتْ مِنِّي، فَقُلْتُ لَهَا: دَعِينِي آتِي النَّبِيَّ صَلَّى اللہُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأُصَلِّيَ مَعَهُ الْمَغْرِبَ، وَأَسْأَلُهُ أَنْ يَسْتَغْفِرَ لِي وَلَكِ، فَأَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللہُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَصَلَّيْتُ مَعَهُ الْمَغْرِبَ فَصَلَّى حَتَّى صَلَّى الْعِشَاءَ، ثُمَّ انْفَتَلَ فَتَبِعْتُهُ، فَسَمِعَ صَوْتِي، فَقَالَ: مَنْ هَذَا، حُذَيْفَةُ؟ قُلْتُ: نَعَمْ، قَالَ: مَا حَاجَتُكَ، غَفَرَ اللہُ لَكَ وَلِأُمِّكَ؟ قَالَ: إِنَّ هَذَا مَلَكٌ، لَمْ يَنْزِلِ الْأَرْضَ قَطُّ قَبْلَ هَذِهِ اللَّيْلَةِ، اسْتَأْذَنَ رَبَّهُ أَنْ يُسَلِّمَ عَلَيَّ، وَيُبَشِّرَنِي بِأَنَّ فَاطِمَةَ سَيِّدَةُ نِسَاءِ أَهْلِ الْجَنَّةِ، وَأَنَّ الْحَسَنَ وَالْحُسَيْنَ سَيِّدَا شَبَابِ أَهْلِ الْجَنَّةِ.(۲)

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میری ماں نے مجھ سے پوچھا کہ تمہیں حضور ﷺ سے ملے ہوئے کتنے دن ہو گئے ہیں؟ میں نے کہا: میں اتنی اور اتنی مدت سے آپ ﷺ سے نہیں ملا (یعنی کئی دن گذر چکے ہیں کہ میں آپ سے ملاقات کا شرف حاصل نہ کر سکا) اس پر ماں نے مجھے برا کہا (وہ ناراض ہوئیں) پھر میں نے ماں سے کہا: اچھا اب مجھے چھوڑ دیجئے (یعنی مجھے اجازت دے دیں) میں نبی کریم ﷺ کے پاس جاتا ہوں، میں آپ کے ساتھ مغرب کی نماز پڑھوں گا، اور آپ سے درخواست کروں گا کہ آپ میرے لیے اور آپ کے لیے بخشش کی دعا کر دیں،

---

(۱) عمدۃ القاری ۱۶/ ۲۴۱، کتاب المناقب باب مناقب الحسن والحسین رضی اللہ عنہما ط: کوئٹہ

(۲) مسند احمد ۵/ ۳۹۱۔

چنانچہ میں نبی کریم ﷺ کے پاس آیا اور آپ کے ساتھ مغرب کی نماز پڑھی، اس کے بعد آپ ﷺ نوافل پڑھتے رہے، یہاں تک کہ آپ نے عشاء کی نماز پڑھی پھر آپ پھرے (یعنی نماز کے بعد واپس لوٹے) تو میں بھی آپ کے پیچھے ہولیا، آپ نے میرے (چلنے کی) آواز سنی تو، پوچھا: کون؟ تم حذیفہ ہو، میں نے عرض کیا: جی ہاں، میں حذیفہ ہوں، آپ ﷺ نے فرمایا: (اس وقت) تمہاری کیا حاجت ہے یعنی تمہارا آگیا کام ہے، اللہ تعالیٰ تمہاری اور تمہاری والدہ کی مغفرت فرمائے، پھر آپ ﷺ نے فرمایا: (دیکھو) یہ ایک فرشتہ ہے، جو آج رات سے پہلے کبھی بھی زمین پر نہیں اترا، (آج) اس نے اپنے پروردگار سے (زمین پر اترنے کی) اجازت مانگی کہ وہ مجھے سلام کرے اور یہ خوشخبری سنائے کہ فاطمہ جنتی عورتوں کی جنت میں سردار ہوں گی اور حسن وحسین جنت کے جوانوں کے سردار ہوں گے۔

مشکل الفاظ کے معنی: متی عهدک بالنبی ﷺ: تمہیں آپ ﷺ سے ملے ہوئے کتنا وقت ہو چکا ہے، مالی به عهد منذ کذا و کذا: مجھے آپ سے ملے ہوئے اتنا اور اتنا وقت ہو چکا ہے یعنی کافی وقت ہو چکا ہے کہ میں آپ ﷺ سے ملاقات کا شرف حاصل نہ کرسکا، فنالت منی: والدہ نے اس پر مجھے برا کہا، مجھے آڑے ہاتھوں لیا، غصہ کیا اور ناراض ہوئیں، دعینی: مجھے چھوڑ دیجئے یعنی مجھے اجازت دے دیں، فصلی: پھر آپ نوافل پڑھتے رہے، ثم انفتل: پھر آپ پھرے اور لوٹے، یعنی نماز سے فارغ ہوکر واپس لوٹے، فتبعته: (صیغہ متکلم) تو میں آپ کے پیچھے چل پڑا، پیچھے ہولیا، فسمع صوتی: آپ نے میرے چلنے کی آہٹ محسوس کی، حذیفة: یعنی انت حذیفة: تم حذیفہ ہو؟ استاذن ربه: اس نے اپنے رب سے اجازت طلب کی۔

حضرت فاطمہ اور حسن وحسین کی فضیلت

اس حدیث سے ایک تو حضرت فاطمہ، حضرت حسن اور حضرت حسین کی فضیلت ثابت ہوتی ہے کہ حضرت فاطمہ جنتی عورتوں کی اور حضرات حسنین جنت کے جوانوں کے سردار ہوں گے، اس بشارت کو سنانے کے لیے زمین پر ایک ایسا فرشتہ اترا، جو اس سے پہلے کبھی زمین پر نہیں اترا، اس نے اولاً آپ ﷺ کو سلام کیا اور پھر یہ بشارت سنائی۔

اور دوسری بات اس حدیث سے یہ معلوم ہوئی کہ اللہ کے نیک بندوں، اپنے اساتذہ اور بزرگوں سے رابطہ رکھنا چاہیے، اور وقتاً فوقتاً ان سے حصول برکت کے لیے ملاقات بھی کرنی چاہیے، اس سے اللہ جل جلالہ اور نبی کریم ﷺ خوش ہوتے ہیں۔(۱)

عَنِ الْبَرَاءِ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَبْصَرَ حَسَنًا وَحُسَيْنًا فَقَالَ: اللّٰهُمَّ إِنِّي أُحِبُّهُمَا فَأَحِبَّهُمَا. (۲)

حضرت براء کہتے ہیں کہ (ایک مرتبہ) نبی کریم ﷺ نے حسن وحسین کو دیکھا تو یہ دعا کی: اے اللہ! میں ان دونوں

(۱) مرقاۃ المفاتیح ۱۱/۳۱۸، کتاب المناقب باب مناقب اہل بیت النبی صلی اللہ علیہ وسلم، رقم: ۶۱۷۱
(۲) کنز العمال، رقم: ۳۴۲۸۰۔

سے محبت کرتا ہوں، آپ بھی ان سے محبت فرمائیں۔

حسن وحسین کے لیے دعا

نبی کریم ﷺ کثرت سے یہ دعا فرمایا کرتے تھے کہ اے اللہ میں حسن وحسین سے محبت کرتا ہوں، آپ بھی ان سے محبت فرمائیں، اور ان سے بھی آپ محبت کریں جو ان دونوں سے محبت و پیار کرے، ترمذی کی مذکورہ روایت میں بھی اسی طرح کی دعا کا ذکر ہے، اس سے معلوم ہوا کہ انسان جب اپنے چھوٹے بچوں کو دیکھا کرے، تو ان کے لیے دیگر دعاؤں کے ساتھ یہ دعا بھی کرنی چاہیے کہ اللہ تعالیٰ ان سے پیار ومحبت کا معاملہ فرمائیں۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَامِلَ الْحَسَنِ بْنِ عَلِيٍّ عَلَى عَاتِقِهِ، فَقَالَ رَجُلٌ: نِعْمَ الْمَرْكَبُ رَكِبْتَ يَا غُلَامُ، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: وَنِعْمَ الرَّاكِبُ هُوَ. (۱)

حضرت عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں کہ (ایک مرتبہ) رسول اللہ ﷺ حضرت حسن بن علی کو اپنے کندھے پر اٹھائے ہوئے تھے کہ ایک شخص نے کہا: اے (خوش نصیب) لڑکے! تم کس قدر بہترین سواری پر سوار ہو، آپ ﷺ نے (اس کی بات سن کر) فرمایا: اور وہ سوار بھی بہت اچھا ہے۔

عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ، يَقُولُ: رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاضِعًا الْحَسَنَ بْنَ عَلِيٍّ عَلَى عَاتِقِهِ وَهُوَ يَقُولُ: اللَّهُمَّ إِنِّي أُحِبُّهُ فَأَحِبَّهُ. (۲)

حضرت براء بن عازب فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو دیکھا، آپ حضرت حسنؓ کو اپنے کندھے پر اٹھائے ہوئے تھے اور یہ دعا کر رہے تھے: اے اللہ! میں اس سے محبت کرتا ہوں، لہذا آپ بھی اس سے محبت فرمائیں۔

بہترین سواری کا ایک بہتر سوار

مذکورہ احادیث سے دو امر ثابت ہوتے ہیں:

۱۔ چھوٹے بچوں کو کندھے پر اٹھانا ایک مسنون عمل ہے، آپ ﷺ بسا اوقات حسن وحسین دونوں کو یا ان میں سے کسی ایک کو اپنے کندھے پر اٹھاتے تھے، ایک مرتبہ آپ نے حضرت حسن کو اٹھایا ہوا تھا کہ ایک صحابی نے حضرت حسن سے کہا کہ آپ کی سواری کس قدر اچھی اور بہترین ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: سوار بھی بہت اچھا ہے یعنی حضرت حسن، اس سے حضرت حسن کا بلند مقام اور فضیلت ثابت ہوتی ہے۔

---

(۱) المعجم الکبیر للطبرانی ۳/۶۲۔

(۲) الصحیح للبخاری، فضائل الصحابة، باب مناقب الحسن، رقم: ۳۷۴۹۔

۲۔ اپنے سے چھوٹوں پر شفقت اور نرمی کی جائے اور ان کے لیے اللہ جل جلالہ سے دنیا اور آخرت کی خیر، بھلائی اور عافیت کا سوال کیا جائے، یہ سنت ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہی معمول تھا۔(۱)

بَابُ مَنَاقِبِ أَهْلِ بَيْتِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

یہ باب ان احادیث پر مشتمل ہے، جن میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت کے فضائل کا بیان ہے

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے "اہل بیت" سے کون لوگ مراد ہیں؟

شیخ عبدالحق محدث دہلوی مشکوۃ کی شرح "اللمعات" میں فرماتے ہیں کہ "اہل بیت" کا لفظ دو معنی میں استعمال ہوتا ہے:

۱۔ "اہل بیت النبی صلی اللہ علیہ وسلم" سے ایک تو وہ لوگ مراد ہوتے ہیں، جنکے لیے زکوۃ اور واجب صدقات لینا ناجائز اور حرام ہے، ان سے حضرت عباس کی اولاد، علی کی اولاد، جعفر کی اولاد، عقیل اور حارث کی اولاد مراد ہے۔

۲۔ جمہور مفسرین کے نزدیک راجح یہ ہے کہ "اہل بیت" سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام ازواج مطہرات، آپ کے داماد حضرت علی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد حضرت فاطمہ، حضرت حسن اور حضرت حسین مراد ہیں، ازواج مطہرات تو سورہ احزاب کی آیت ۳۳ کی وجہ سے، جس کے آخر میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: انما یرید اللہ لیذهب عنکم الرجس اهل البیت و یطهرکم تطهیراً، اس کے مصداق میں ازواج مطہرات داخل ہیں، اس کی تین دلیلیں ہیں:

۱۔ کیونکہ "اہل بیت" کا لفظ عرف اور لغت میں اصلاً اپنے اہل خانہ اور بیویوں کے لیے ہی استعمال ہوتا ہے، اور دوسرے رشتہ داروں کے لیے یہ لفظ تبعاً اور مجازاً استعمال ہوتا ہے۔

۲۔ قرآن مجید میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اہلیہ حضرت سارہ سے فرشتوں نے کہا: أتعجبین من امر اللہ، رحمة اللہ و برکاته علیکم أهل البیت انه حمید مجید، اس میں "اہل بیت" کا لفظ اہلیہ اور بیوی کے لیے استعمال ہوا ہے۔

۳۔ سورہ احزاب کی ان آیات: یانساء النبی لستن کأحد..... سے آخر تک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج کو خطاب کیا جا رہا ہے، یہ بھی اس بات کا واضح قرینہ ہے کہ اہل بیت میں ازواج مطہرات بھی شامل ہیں، (۲) چنانچہ امام رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ سورہ احزاب کی آیت: ۳۳ کے سیاق سے صراحت کے ساتھ یہ ثابت ہوتا ہے کہ "ازواج مطہرات" اہل بیت میں شامل ہیں، اہل بیت کے مفہوم سے ازواج مطہرات کو خارج کرنا درست نہیں ہے، اس پر سوال یہ ہوتا ہے کہ اس آیت: لیذهب عنکم الرجس اهل البیت و یطهرکم میں عنکم اور یطهرکم میں مذکر ضمیریں استعمال کی گئی ہیں، اس سے تو بظاہر یہی لگتا ہے

---

(۱) مرقاۃ المفاتیح ۱۱/۳۱۹، رقم: ۶۱۷۲

(۲) تحفۃ الاحوذی ۱۰/۲۶۶ باب مناقب اہل بیت النبی

کہ ازواج مطہرات "اہل بیت" میں داخل نہیں؟ امام رازی نے اس کے دو جواب دیئے ہیں:

۞ آیت میں مذکر ضمیریں لفظ "اہل" کے لحاظ سے ہیں، اور اہل کا لفظ مذکر اور مؤنث دونوں کے لیے استعمال ہوتا ہے، اس لیے اہل بیت کے مفہوم میں ازواج مطہرات بھی داخل ہیں۔

۞ مذکر کی ضمیریں تغلیباً ذکر کی گئی ہیں، جس میں خواتین بھی شامل ہیں اور عربی زبان میں بکثرت ایسا ہوتا ہے کہ ضمیر صرف مذکر کی ذکر کی جاتی ہے، مگر اس حکم میں مردوں کی طرح خواتین بھی شامل اور داخل ہوتی ہیں، کیونکہ اگر یہ نہ کہا جائے تو یہ لازم آئے گا کہ حضرت فاطمہ بھی اہل بیت میں داخل نہ ہوں، حالانکہ حضرت فاطمہ تو بالاتفاق اہل بیت کے مفہوم میں داخل ہیں، اور حضرت علی، حضرت فاطمہ، حضرت حسن اور حضرت حسین کا اہل بیت میں ہونا، حضرت عمر بن ابی سلمہ کی روایت سے بھی ثابت ہے، جسے امام ترمذی رحمہ اللہ نے باب مناقب اھل البیت میں ذکر کیا ہے، اور اس سے پہلے اس روایت کو امام ترمذی نے کتاب التفسیر میں سورہ احزاب کی آیت ۳۳ کی تفسیر کے تحت بھی ذکر کیا ہے (۱)، اس بارے میں مزید تفصیل اس مقام پر معارف ترمذی جلد سوم میں دیکھی جا سکتی ہے۔

عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ، قَالَ: رَأَيْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي حَجَّتِهِ يَوْمَ عَرَفَةَ وَهُوَ عَلَى نَاقَتِهِ الْقَصْوَاءِ يَخْطُبُ، فَسَمِعْتُهُ يَقُولُ: يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي تَرَكْتُ فِيكُمْ مَنْ إِنْ أَخَذْتُمْ بِهِ لَنْ تَضِلُّوا: كِتَابَ اللهِ، وَعِتْرَتِي: أَهْلَ بَيْتِي. (۲)

حضرت جابر بن عبداللہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو حجۃ الوداع میں عرفہ کے دن اس طرح دیکھا کہ آپ اپنی قصواء اونٹنی پر سوار تھے اور لوگوں کو خطاب فرما رہے تھے، چنانچہ میں نے آپ کو فرماتے ہوئے سنا: اے لوگو! میں تم میں ایسے لوگوں کو چھوڑ کر جا رہا ہوں، جن کی اتباع اگر تم کرو گے، تو ہرگز کبھی گمراہ نہیں ہو گے، ایک قرآن مجید اور دوسرا میرا کنبہ یعنی میرے اہل بیت۔

مشکل الفاظ کے معنی: ناقته القصواء: آپ ﷺ کی اونٹنی جس کا لقب قصواء تھا، اس کے کان کٹے ہوئے تھے، فی حجته: آپ کے حجۃ الوداع میں، من ان احذتم به: بعض نسخوں میں "من" کے بجائے "ما" ہے، ترجمہ: ان لوگوں کو چھوڑ کر جا رہا ہوں جن کی اگر تم اتباع اور پیروی کرو گے، و عترتی: اور میرا خاندان اور کنبہ، اس کے بعد "اھل بیتی" کا لفظ اسی کی وضاحت، تخصیص اور بیان ہے۔

(۱) تفسیر امام رازی ۱۸۵/۹، سورۃ الاحزاب، آیت: ۳۳، تحفۃ الاحوذی ۲۶۶/۱۰، تکملۃ فتح الملہم ۱۰۶/۵، کتاب فضائل الصحابۃ باب فضائل علی رضی اللہ عنہ

(۲) المعجم للطبرانی ۶۳/۳، رقم: ۲۶۸۰۔

قرآن وسنت کو مضبوطی سے تھامنے اور اہل بیت کی پیروی کا حکم

مذکورہ حدیث سے متعلق تین باتیں پیش نظر رہیں:

۱۔ نبی کریم ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر میدان عرفات میں اونٹنی پر سوار ہو کر دو چیزوں کو مضبوطی سے تھامنے کا حکم دیا: ایک یہ کہ تم قرآن مجید کی اتباع اور پیروی کرو، اس میں جن باتوں کا حکم ہے ان پر عمل کیا جائے اور جن چیزوں سے بچنے کا حکم ہے ان سے پرہیز کیا جائے، روزانہ اس کی تلاوت اور معنیٰ میں غور وفکر کر کے اس پر عمل کی کوشش کی جائے، اسے اپنا مشعل راہ بنالو تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ۔

حدیث میں ''کتاب اللہ'' کے لفظ میں ''سنت رسول'' بھی داخل ہے، کیونکہ حدیث کے ذریعہ ہی قرآن مجید کی تشریح و تفسیر کی گئی ہے۔

۲۔ دوسرا یہ حکم دیا کہ میرے خاندان یعنی میرے اہل بیت کی اتباع اور پیروی کرنا، لفظ ''عترۃ'' یعنی خاندان چونکہ ایک وسیع مفہوم رکھتا ہے، اس لیے آپ ﷺ نے اس کی وضاحت فرمائی کہ اس سے میرے اہل بیت اور اہل خانہ مراد ہیں، جو میرے انتہائی قریبی ہیں یعنی ازواج مطہرات، حضرت علی، حضرت فاطمہ اور حضرت حسن، حضرت حسین رضی اللہ عنہم، مطلب یہ ہے کہ میرے اہل بیت کے ساتھ محبت کرنا، ان سے اچھا برتاؤ اور حسن سلوک کرنا اور ان کے نقش قدم پر چلنا، سید جمال الدین فرماتے ہیں: معنیٰ یہ ہیں کہ جب تک اہل بیت شریعت کے مطابق چل رہے ہوں، ان کی اتباع کی جائے ورنہ نہیں۔

اہل بیت کے نقش قدم پر چلنے کا حکم ضرور ہے مگر اس کے یہ معنیٰ نہیں کہ کسی اور صحابی کی بات پر عمل نہ کیا جائے، سب ہی صحابہ رشد وہدایت کے ستارے ہیں، ان کی اتباع کا بھی ہمیں حکم ہے، چنانچہ ایک حدیث میں آپ ﷺ نے فرمایا: أَصْحَابِي كَالنُّجُومِ، بِأَيِّهِمُ اقْتَدَيْتُمُ اهْتَدَيْتُمْ (میرے صحابہ ستاروں کی مانند ہیں، ان میں سے جس کی بھی تم پیروی کرو گے، ہدایت پا جاؤ گے) اور قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: فَاسْئَلُوْا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ (تم اہل علم سے پوچھو اگر تمہیں علم نہ ہو)۔(۱)

۳۔ حجۃ الوداع کے خطبہ میں نبی کریم ﷺ نے دو چیزوں کو مضبوطی سے تھامنے کا حکم دیا ہے، ایک کتاب اللہ اور دوسری سنت رسول، چنانچہ صحیح روایات میں ان ہی دو چیزوں کا ذکر ہے، مگر ترمذی کی مذکورہ روایت میں خطبہ حجۃ الوداع کا کچھ حصہ، جو مذکور ہے، اس میں دوسری چیز ''اہل بیت'' کو بیان کیا گیا ہے۔

اس لیے شارحین حدیث فرماتے ہیں کہ خطبہ غدیر میں تو آپ ﷺ نے اہل بیت کا ذکر فرمایا ہے، لیکن حجۃ الوداع کے خطبہ میں صحیح روایات میں عترۃ یا اهل بیت کا ذکر نہیں، ترمذی کی اس روایت میں یہ اضافہ زید بن حسن کوفی راوی کی طرف سے ہے، جو

---

(۱) مرقاۃ المفاتیح ۳۰۶/۱۱، کتاب المناقب الفصل الثانی حدیث: ۶۱۵۲

منکر الحدیث ہے، تاہم اگر اس روایت کو درست قرار دیا جائے، تو اس کا مطلب وہی ہے جو نمبر ایک اور دو میں ذکر کیا جا چکا ہے۔(۱)

عَنْ عُمَرَ بْنِ أَبِي سَلَمَةَ، رَبِيبِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: نَزَلَتْ هَذِهِ الآيَةُ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ {إِنَّمَا يُرِيدُ اللهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا} فِي بَيْتِ أُمِّ سَلَمَةَ، فَدَعَا النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاطِمَةَ وَحَسَنًا وَحُسَيْنًا، فَجَلَّلَهُمْ بِكِسَاءٍ وَعَلِيٌّ خَلْفَ ظَهْرِهِ فَجَلَّلَهُ بِكِسَاءٍ ثُمَّ قَالَ: اللَّهُمَّ هَؤُلَاءِ أَهْلُ بَيْتِي، فَأَذْهِبْ عَنْهُمُ الرِّجْسَ وَطَهِّرْهُمْ تَطْهِيرًا، قَالَتْ أُمُّ سَلَمَةَ: وَأَنَا مَعَهُمْ يَا رَسُولَ اللهِ؟ قَالَ: أَنْتِ عَلَى مَكَانِكِ، وَأَنْتِ إِلَى خَيْرٍ.

حضرت عمر بن ابی سلمہ جو آپ ﷺ کی پرورش میں تھے، فرماتے ہیں کہ جب یہ آیت نبی کریم ﷺ پر نازل ہوئی: انما یرید اللہ.... (ترجمہ: اللہ تعالیٰ یہی چاہتا ہے کہ اے نبی کے گھر والو! تم سے وہ (ہر قسم کی) گندگی دور کر دے اور تمہیں خوب پاک کر دے) آپ ﷺ (اس وقت) حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں تھے، چنانچہ آپ ﷺ نے فاطمہ، حسن اور حسین کو بلایا اور ان کو چادر سے ڈھانپ لیا، اور حضرت علی آپ ﷺ کی پشت کے پیچھے تھے، ان پر بھی چادر ڈال دی، پھر (اللہ جل جلالہ سے) عرض کیا: اے اللہ، یہ میرے اہل بیت ہیں، لہٰذا ان سے (گناہ کی) آلودگی دور کر دے اور انہیں خوب پاک کر دے، ام سلمہ نے عرض کیا: اے اللہ کے نبی! میں بھی ان کے ساتھ ہوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: تم اپنی جگہ پر ہی رہو (تمہیں چادر کے نیچے آنے کی ضرورت نہیں) اور تم خیر پر ہو۔

مشکل الفاظ کے معنیٰ: فجللهم: (باب تفعیل) پھر آپ ﷺ نے ان کو ڈھانپ لیا، کساء: چادر، خلف ظهره: اپنی پشت کے پیچھے، رجس: (را کے نیچے زیر اور جیم ساکن) گندگی، گناہ کی آلودگی، أذهب: (صیغہ امر) تو دور کر دے، ختم کر دے۔

”اہل بیت“ کے بارے میں شیعہ کے دو غلط استدلال

ترمذی کی مذکورہ روایت کی روشنی میں شیعہ دو غلط استدلال کرتے ہیں:

۱۔ وہ کہتے ہیں کہ ”اہل بیت“ سے صرف حضرت علی، حضرت فاطمہ، حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہم مراد ہیں، ان کے بقول ازواج مطہرات، اہل بیتِ رسول میں داخل نہیں۔

روافض کا یہ استدلال کئی وجوہ سے غلط اور باطل ہے:

❁ اس آیت یعنی انما یرید اللہ لیذهب عنکم الرجس.... کے اوپر جو مضمون بیان ہو رہا ہے، اس سے یہ بات متعین ہو جاتی ہے کہ اس آیت میں مذکور اہل بیت میں ازواج مطہرات بھی داخل ہوتی ہیں، اس لحاظ سے بھی اہل بیت میں ازواج

---

(۱) تکملة فتح الملهم ۵/۱۱۲، کتاب فضائل الصحابة باب فضائل علی، رقم الحدیث: ۶۱۸۱

مطہرات بھی شامل ہیں۔

❁ اس آیت میں ضمائر اگرچہ مذکر استعمال کی گئی ہیں اور اللہ تعالیٰ نے خطاب مردوں سے کیا ہے، مگر یہ تغلیباً ہے، اس میں خواتین بھی شامل ہیں، کیونکہ اگر خواتین شامل نہ ہوں تو پھر حضرت فاطمہ اہل بیت میں داخل نہیں ہوں گی، حالانکہ وہ تو بالاتفاق اہل بیت رسول میں شامل ہیں۔

حاصل یہ کہ اہل بیت میں ازواج مطہرات تو قرآنی آیت سے داخل ہیں اور حضرت علی، حضرت فاطمہ، حضرت حسن اور حضرت حسین ترمذی کی اس روایت کی روشنی میں اہل بیت میں شامل ہیں، اس لیے روافض کا یہ دعویٰ کہ اہل بیت میں ازواج مطہرات داخل نہیں، بغیر کسی دلیل کے ہے، جس کا شرعاً اور عرفاً کوئی اعتبار نہیں۔

۲۔ روافض نے دوسرا دعویٰ یہ کیا ہے کہ اہل بیت سارے کے سارے انبیاء کی طرح معصوم اور گناہوں سے پاک صاف ہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں آیت میں یوں فرمایا: انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس و یطھرکم تطھیراً، اس آیت کے ظاہری الفاظ سے وہ یہ استدلال کرتے ہیں کہ اہل بیت طاہر، معصوم اور گناہوں سے پاک ہیں۔

لیکن ان کا یہ استدلال انتہائی بودا اور غلط ہے، کیونکہ اس طرح کے الفاظ سے انسان کا معصوم ہونا ثابت نہیں ہوتا، چنانچہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کے بارے میں فرمایا: و لکن یرید لیطھرکم ولیتم نعمتہ علیکم و لعلکم تشکرون (سورہ مائدہ) ان الفاظ کی بنیاد پر کوئی بھی اس کا قائل نہیں کہ مؤمنین گناہوں سے معصوم ہیں، اس لیے روافض کا اس آیت کی بناء پر یہ کہنا کہ اہل بیت معصوم ہیں، درست نہیں۔(۱)

امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس آیت یعنی: انما یرید اللہ لیذھب .... میں اس چیز کا ذکر ہے کہ اللہ تعالیٰ یہ چاہتے ہیں کہ اہل بیت سے ہر طرح کی گندگی دور کر دیں اور انہیں پاک کر دیں، اس کے لیے نبی کریم ﷺ اللہ تعالیٰ سے دعا کر رہے ہیں، لہٰذا اگر وہ پہلے سے ہی گندگی سے دور اور پاک تھے تو پھر انما یرید اللہ، یعنی اللہ تعالیٰ کے چاہنے اور نبی کریم ﷺ کے دعا کے کیا معنیٰ ہیں، اس لیے اس آیت کے الفاظ سے یہ بات ہرگز ثابت نہیں ہوتی کہ اہل بیت گناہوں سے معصوم ہیں، لہٰذا روافض کا اہل بیت کے معصوم ہونے کا دعویٰ بے بنیاد اور باطل ہے۔(۲)

عَنْ حَبِيبِ بْنِ أَبِي ثَابِتٍ، عَنْ زَيْدِ بْنِ أَرْقَمَ قَالَا: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنِّي تَارِكٌ فِيكُمْ مَا إِنْ تَمَسَّكْتُمْ بِهِ لَنْ تَضِلُّوا بَعْدِي، أَحَدُهُمَا أَعْظَمُ مِنَ الآخَرِ: كِتَابُ اللَّهِ، حَبْلٌ مَمْدُودٌ مِنَ السَّمَاءِ إِلَى الأَرْضِ، وَعِتْرَتِي: أَهْلُ بَيْتِي، وَلَنْ يَتَفَرَّقَا، حَتَّى يَرِدَا عَلَيَّ الحَوْضَ، فَانْظُرُوا كَيْفَ تَخْلُفُونِي فِيهِمَا.(۳)

---

(۱) تکملۃ فتح الملہم ۵/۱۰۵، کتاب فضائل الصحابۃ، باب فضائل علی،

(۲) منہاج السنۃ لابن تیمیۃ ۴/۲۰، تکملۃ فتح الملہم ۵/۱۰۷

(۳) المستدرک للحاکم ۳/۱۴۸۔

حضرت حبیب بن ثابت اور حضرت زید بن ارقم فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں تم میں اس چیز کو چھوڑ کر جا رہا ہوں کہ اگر تم اس کو مضبوطی سے تھامے رکھو گے، تو ہرگز میرے بعد گمراہ نہیں ہوں گے، ان میں سے ایک چیز (یعنی کتاب اللہ) دوسری (یعنی اہل بیت) سے بڑی ہے: (۱) اللہ جل جلالہ کی کتاب، جو آسمان سے زمین تک پھیلی ہوئی ایک رسی ہے: (۲) اور میرا خاندان و کنبہ یعنی میرے گھر والے، اور یہ دونوں (یعنی کتاب اللہ اور میرے اہل بیت) ہرگز جدا نہیں ہوں گے، یہاں تک کہ وہ میرے پاس حوض کوثر پر آجائیں گے، لہذا دیکھو کہ ان دونوں چیزوں میں میری جانشینی تم لوگ کس طرح کرتے ہو، (یعنی میرے بعد تم ان کے ساتھ کیا سلوک اور کیسا معاملہ کرتے ہو، احکام میں ان کی پیروی کتنی کرتے ہو)

مشکل الفاظ کے معنی: **ما ان تمسکتم به:** وہ چیز جس کو اگر تم مضبوطی سے تھامو گے، **حبل ممدود:** پھیلی ہوئی رسی، **ولن یفترقا:** کتاب اللہ اور میرے اہل بیت ہرگز الگ اور جدا نہیں ہوں گے، **حتی یردا:** یہاں تک کہ وہ دونوں میرے پاس آجائیں گے، **فانظروا:** لہذا تم سوچ لو، غور کرلو، دیکھ لو، **کیف تخلفونی فیهما:** تم لوگ ان دونوں میں میری جانشینی کس طرح کرتے ہو، یعنی تم لوگ ان کے ساتھ کیا معاملہ کرتے ہو، اور ان کی اتباع اور پیروی کتنی کرتے ہو۔

حضرت زید بن ارقم انصاری خزرجی رضی اللہ عنہ

اس حدیث کے راوی حضرت زید بن ارقم قبیلہ خزرج کے انصاری صحابی ہیں، غزوہ احد میں کم سنی کی وجہ سے شریک نہیں ہو سکے تھے، پھر غزوہ خندق میں شریک ہوئے، انہوں نے عبداللہ بن ابی منافق کے اقوال، جن کا ذکر سورہ منافقین کی اس آیت میں ہے: لئن رجعنا الی المدینة لیخرجن الاعز منها الاذل ..... آپ ﷺ کو بتائے تھے، مگر، آپ ﷺ کے سامنے اس منافق نے ان تمام باتوں کا انکار کیا، اس پر حضرت زید بہت پریشان ہوئے، بعد میں اللہ تعالیٰ نے ان کی تائید میں سورہ منافقون نازل فرمائی، حضرت زید نبی کریم ﷺ کے ساتھ سترہ غزوات میں شریک ہوئے اور جنگ صفین میں حضرت علی کے ساتھ تھے، ۶۶ ہجری میں مختار کے زمانے میں کوفہ میں حضرت زید کا انتقال ہوا۔(۱)

کتاب اللہ اور اہل بیت حوض کوثر پر ایک ساتھ آئیں گے

نبی کریم ﷺ نے امت کو یہ وصیت فرمائی کہ میرے بعد کتاب اللہ اور میرے اہل بیت کے ساتھ محبت اور اچھا سلوک کرنا، قرآن مجید کی تعلیمات کے مطابق زندگی گذارنا اور میرے اہل بیت کے ساتھ حسن سلوک کرنا اور ان کے نقش قدم پر چلنا، یہ آپ نے اسی طرح وصیت فرمائی جس طرح ایک شفیق باپ جب سفر پر روانہ ہو رہا ہو، تو وہ اہم اہم امور کی انہیں تاکید کرتا

(۱) الاصابة فی تمییز الصحابة ۲/۴۸۸، حرف الزاء، ذکر من اسمه: زید۔

ہے کہ ان کو ضرور سر انجام دینا، اور آپ ﷺ نے فرمایا کہ قیامت کے تمام مقامات اور مراحل میں یہ دونوں یعنی کتاب اللہ اور اہل بیت ایک ساتھ رہیں گے، ایک دوسرے سے جدا نہیں ہوں گے، اور پھر اکٹھے ہی میرے پاس حوض کوثر پر آئیں گے، اور مجھے یہ بتائیں گے کہ دنیا میں کس کس نے ان کے حقوق اچھی طرح ادا کیے ہیں، ان کے نام لے کر میرے سامنے شکریہ ادا کریں گے، اور پھر میں بدلے میں ان سب کے ساتھ اچھا سلوک اور احسان کروں گا اور اللہ جل جلالہ بھی ان کو کامل جزاء اور انعام عطا فرمائیں گے اور جن لوگوں نے ان دونوں کی حق تلفی کی ہوگی اور ان کی ناشکری کی ہوگی، ان کے ساتھ اس کے برعکس معاملہ ہوگا۔

احدھما اعظم من الآخر: ان میں سے ایک یعنی قرآن مجید دوسرے سے یعنی اہل بیت سے بڑی ہے، یعنی اہل بیتؓ نے بھی دیگر لوگوں کی طرح کتاب اللہ ہی کی پیروی کرنی ہے، **حبل ممدود من السماء الی الارض:** قرآن مجید آسمان سے زمین تک پھیلی ہوئی ایک رسی ہے، یعنی یہ ایک ذریعہ اور واسطہ ہے، اس کے ذریعہ انسان اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کر سکتا ہے، **فانظروا کیف تخلفونی فیھما**، نظر سے غور وفکر کرنا اور سوچنا مراد ہے، مطلب یہ ہے کہ میں نے کتاب اللہ اور اہل بیت دونوں کی حیثیت اور اہمیت واضح کر دی ہے، اب تم دیکھ لو، سوچ لو کہ تم ان میں میری جانشینی کس طرح کرتے ہو، یعنی تم ان کے ساتھ کیا معاملہ کرتے ہو۔(۱)

حضرت زید بن ارقم کی روایت دو طریق سے منقول ہے، پہلے طریق میں عطیہ عوفی ہے، یہ ایک ضعیف اور تدلیس کرنے والا راوی ہے، اس نے کلبی کی کنیت ابوسعید رکھی تھی اور عن ابی سعید کہہ کر روایت کرتا تھا، یہ تاثر دینے کے لیے کہ یہ حضرت ابوسعید خدری سے روایت کر رہا ہے، اور دوسرے طریق میں حبیب بن ابی ثابت ہے، ان کے بارے میں علماء نے کلام کیا ہے، نیز یہ تدلیس اور ارسال میں مشہور تھے، اس لیے ترمذی کی مذکورہ روایت ضعیف ہے، تاہم اگر یہ روایت ثابت ہو، تو اس کے معنیٰ یہ ہیں کہ کتاب اللہ کی اتباع کے ساتھ اہل بیت کا اجماع حجت ہے۔(۲)

عَنْ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ: قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنَّ كُلَّ نَبِيٍّ أُعْطِيَ سَبْعَةَ نُجَبَاءَ، رُفَقَاءَ أَوْ رُقَبَاءَ وَأُعْطِيتُ أَنَا أَرْبَعَةَ عَشَرَ، قُلْنَا: مَنْ هُمْ؟ قَالَ: أَنَا وَابْنَايَ، وَجَعْفَرٌ، وَحَمْزَةُ، وَأَبُو بَكْرٍ، وَعُمَرُ، وَمُصْعَبُ بْنُ عُمَيْرٍ، وَبِلَالٌ، وَسَلْمَانُ، وَعَمَّارٌ، وَالْمِقْدَادُ، وَحُذَيْفَةُ، وَعَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مَسْعُودٍ.(۳)

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ہر نبی کو سات اچھے اوصاف والے ساتھی یا یوں فرمایا: محافظ و نگران عطا کیے جاتے تھے، لیکن مجھے ایسے چودہ رفقاء عطا کیے گئے ہیں، ہم نے (حضرت علی سے) پوچھا: وہ کون لوگ ہیں؟ حضرت علی نے فرمایا: ایک تو میں ہوں اور میرے دو بیٹے حسن اور حسین، جعفر بن ابی طالب،

---

(۱) مرقاۃ المفاتیح ۸/۳۰۷، کتاب المناقب حدیث نمبر: ۶۱۵۳

(۲) تکملۃ فتح الملھم ۵/۱۱۲، کتاب فضائل الصحابۃ باب فضائل علی رضی اللہ عنہ

(۳) کنز العمال ۹، رقم: ۳۳۱۱۴۔

حمزہ بن عبدالمطلب، ابوبکر، عمر، مصعب بن عمیر، بلال، سلمان، عمار، مقداد، حذیفہ اور حضرت عبداللہ بن مسعود ہیں۔

مشکل الفاظ کے معنی: نجباء: نجیب کی جمع ہے: اچھے اوصاف والے لوگ، اپنی ذات اور نوع میں ممتاز حضرات، اعلیٰ نسب اور شریف انسان، رفقاء: رفیق کی جمع ہے: ساتھی، دوست، رقباء: رقیب کی جمع ہے: محافظ ونگران، سردار، مقدمہ الجیش اور ہر اول دستہ۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چودہ مخصوص رفقاء

ہر نبی کو سات مخصوص رفقاء دیئے جاتے ہیں، جو اچھی صفات کے حامل اور اعلیٰ نسب والے ہوتے ہیں، یہ اس کے نگہبان، محافظ اور نگران ہوتے ہیں، اس نبی کے دست راست ہوتے ہیں، اس کی ہر ممکن مدد فراہم کرتے ہیں، کسی قبیلہ، وفد یا کسی انسان سے کوئی بات چیت کرنی ہوتو یہی ساتھی یہ خدمات سرانجام دیتے ہیں، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے سات کے بجائے چودہ ساتھی دیئے گئے ہیں، حضرت علی نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد جب لوگوں کے سامنے بیان کیا، تو انہوں نے حضرت علی سے ان چودہ افراد کے نام پوچھے، جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نجباء اور رفقاء خاص ہیں، حضرت علی نے پھر انہیں وہ نام بتائے: حضرت علی، حضرت حسن اور حضرت حسین، وغیرہ جن کے نام اوپر روایت میں مذکور ہیں، قال: انا: اس میں قال کے قائل حضرت علی ہیں۔ (۱)

ان چودہ نجباء میں حضرت عثمان بن عفان شامل نہیں، بظاہر اس کی وجہ یہ ہوسکتی ہے کہ نجباء کے امور میں یہ بات بھی ہوتی ہے کہ وہ اس نبی کے سامنے لوگوں سے کھل کر بات چیت کرسکیں، اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے مزاج میں فطری طور پر اس قدر حیاء اور ادب تھا کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے صرف اپنی ضرورت کی ہی بات کرسکتے تھے، اس کے علاوہ نہیں، اس لیے وہ نجباء والی خدمت سرانجام نہیں دے سکتے تھے، یہ بات ان کے لیے کوئی نقص اور باعث عیب نہیں، کیونکہ حیاء کی صفت ان میں قدرتی طور پر اور لوگوں سے زیادہ تھی، اس لیے انہیں اللہ جل جلالہ نے ان چودہ افراد میں شامل نہیں فرمایا۔ (۲)

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَحِبُّوا اللَّهَ لِمَا يَغْذُوكُمْ مِنْ نِعَمِهِ، وَأَحِبُّونِي بِحُبِّ اللَّهِ، وَأَحِبُّوا أَهْلَ بَيْتِي لِحُبِّي. (۳)

حضرت عبداللہ بن عباس کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم اللہ تعالیٰ سے محبت کرو، کیونکہ وہ تمہیں اپنی نعمتوں سے رزق پہنچاتا ہے، اور اللہ سے محبت کی وجہ سے مجھ سے محبت کرو، اور مجھ سے محبت کی وجہ سے میرے اہل بیت سے

---

(۱) مرقاۃ المفاتیح ۳۸۶/۱۱، حدیث نمبر: ۶۲۵۵۔

(۲) الکوکب الدری ۴/۴۲۵۔

(۳) المستدرک للحاکم ۳/۱۵۰۔

محبت کرو۔

مشکل الفاظ کے معنی: لما یغذوکم: کیونکہ اللہ تمہیں رزق دیتا ہے، رزق پہنچاتا ہے، غذا فراہم کرتا ہے، نعمه: (نون کے نیچے زیر اور عین پر زبر) نعمة کی جمع ہے: نعمتیں۔

اہل بیت سے محبت کرنے کا حکم

اس حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تین چیزوں کا حکم دیا ہے:

۱۔ اللہ تعالیٰ سے محبت کرو، کیونکہ وہ تمہیں طرح طرح کی نعمتوں سے ہر لحہ اور ہر آن نوازتا ہے، اس نے تمہیں پیدا کیا، کھلاتا اور پلاتا ہے، اہل وعیال، والدین اور صحت وتندرستی غرض نعمتوں کا ایک نہ ختم ہونے والا سلسلہ ہے، جو ہر وقت اللہ تعالیٰ انسان کو پہنچا رہا ہے، چنانچہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: و ما بکم من نعمة فمن الله، تمہارے پاس جو نعمت بھی ہے، وہ سب اللہ جل جلالہ کی طرف سے ہے، انہی کا فضل اور احسان ہے، اس کا تقاضا یہ ہے کہ تم اللہ جل جلالہ سے تہ دل سے محبت کرو، جس کا نتیجہ یوں سامنے آنا چاہیے کہ تم اس کے احکام کے مطابق زندگی گذارو، اور اس کی نافرمانی سے مکمل پرہیز کرو۔

یہ ذہن میں رہے کہ اللہ کی ذات تو ہر چیز سے بے نیاز ہے، وہ اپنی ذات وصفات کے لحاظ سے محبوب ہے، وہ تو اس قابل ہے کہ خواہ وہ کوئی نعمت عطا کرے یا نہ کرے، ہر صورت میں اس سے محبت کی جائے، لیکن پھر بھی ایک سبب ذکر کر کے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو حکم دیا کہ تم اللہ سے محبت کیا کرو، کیونکہ وہ تمہیں صبح وشام ہر لحہ نعمتوں سے نواز رہا ہے، اس کی مثال یوں ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: فلیعبدوا رب هذا البیت، کہ وہ اس گھر یعنی کعبہ کے رب کی عبادت کریں، یہاں بھی ''هذا البیت'' کا لفظ صرف ظاہری لحاظ سے کہا گیا ہے، اصل تو اللہ کی عبادت کا حکم ہے۔

۲۔ اللہ سے محبت رکھنے کی وجہ سے تم لوگ مجھ سے بھی محبت کرو، کیونکہ محبوب کا محبوب، محبوب ہوتا ہے، اور مجھ سے محبت کی وجہ سے تمہاری اللہ سے محبت میں اضافہ ہوگا، چنانچہ سورہ آل عمران کی اس آیت میں اس کی مزید وضاحت ہے: قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللهُ۔ (ترجمہ: تو کہہ اگر تم محبت رکھتے ہو اللہ کی تو میری راہ چلو تا کہ محبت کرے تم سے اللہ)

۳۔ میرے اہل بیت سے محبت اور اچھا برتاؤ کرنا، کیونکہ میں اہل بیت سے پیار کرتا ہوں، لہذا تم بھی ان سے پیار اور محبت کرنا، اس سے میں خوش ہوں گا۔ (۱)

---

(۱)۔ مرقاۃ المفاتیح ۳۲۶/۱۱ کتاب المناقب، باب مناقب أهل بیت النبی صلی اللہ علیه وسلم، رقم: ۶۱۸۲۔

بَابُ مَنَاقِبِ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ، وَزَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ، وَأُبَيٍّ، وَأَبِي عُبَيْدَةَ بْنِ الجَرَّاحِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ

حضرت معاذ بن جبل، زید بن ثابت، ابی بن کعب اور حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہم کے فضائل

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کے مختصر حالات زندگی

حضرت معاذ بن جبل بن عمرو بن اوس انصاری قبیلہ خزرج سے تعلق رکھتے ہیں، ہجرت سے پہلے ان کی ولادت ہوئی، جوانی میں ہی اسلام قبول کر لیا تھا، بیعت عقبہ ثانیہ، غزوۂ بدر اور دیگر تمام معرکوں میں شریک رہے، حضرت عبداللہ بن عباس، ابن عمر اور دیگر بہت سے صحابہ نے ان سے احادیث روایت کی ہیں، نبی کریم ﷺ نے انہیں یمن کا حاکم بنایا تھا، عہد صدیقی میں مدینہ منورہ واپس آ گئے تھے، پھر حضرت ابوعبیدہ کے ساتھ شام کے جہاد میں چلے گئے، جب طاعون عمواس میں حضرت ابوعبیدہ کی وفات ہوئی تو انہوں نے حضرت معاذ بن جبل کو اسلامی افواج کا سپہ سالار مقرر کر دیا تھا، اور حضرت عمر نے ان کو برقرار رکھا، مگر اسی سال طاعون عمواس میں حضرت معاذ کا بھی ۱۷ یا ۱۸ ہجری میں شام میں انتقال ہو گیا۔(۱)

حضت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے مختصر حالات زندگی

حضرت زید بن ثابت بن ضحاک انصاری صحابی ہیں، بدر و احد میں کم سنی کی وجہ سے شریک نہ ہو سکے، سب سے پہلے غزوہ خندق میں شریک ہوئے، اور پھر تمام غزوات میں شریک ہوتے رہے، ہجرت کے وقت چھوٹے تھے، مگر انہوں نے قرآن مجید کی سترہ سورتیں یاد کر لی تھیں، آپ ﷺ نے ان سے یہ سورتیں سنیں تو آپ بہت خوش ہوئے، اور ان سے فرمایا کہ تم سریانی زبان سیکھو، چنانچہ انہوں نے سترہ دن میں سریانی زبان سیکھ لی تھی، پھر خطوط لکھنے کے امور سرانجام دیتے تھے۔

قضاء، فتویٰ، علم قراءت، اور علم فرائض میں بہت ماہر تھے، اور وحی لکھنے والے صحابہ میں سے تھے، حضرت صدیق اکبر نے جب سرکاری سطح پر جمع قرآن کا بیڑہ اٹھایا تو حضرت زید کو بھی اس کمیٹی میں شامل کیا، انہوں نے بڑے ذوق وشوق اور محنت سے یہ کام سرانجام دیا، پھر حضرت عثمان کے زمانے میں جب جمع قرآن کا کام دوبارہ کیا گیا تو اس میں بھی حضرت زید شریک تھے، حضرت عمر فاروق جب کہیں سفر پر جاتے تو حضرت زید کو مدینہ میں اپنا نائب مقرر کر کے جاتے تھے، بہت ہی جلیل القدر صحابی ہیں، بہت سے صحابہ اور تابعین نے ان سے احادیث روایت کی ہیں، ۴۵ ہجری میں مدینہ منورہ میں ان کا انتقال ہوا۔(۲)

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَرْحَمُ أُمَّتِي بِأُمَّتِي أَبُو بَكْرٍ، وَأَشَدُّهُمْ فِي أَمْرِ

---

(۱) الاصابة ۶/۱۰۷، ذکر من اسمه معاذ

(۲) الاصابة فی تمییز الصحابة ۲/۴۹۰، حرف الزای۔

اللہِ عُمَرُ، وَأَصْدَقُهُمْ حَيَاءً عُثْمَانُ بْنُ عَفَّانَ، وَأَعْلَمُهُمْ بِالْحَلَالِ وَالْحَرَامِ مُعَاذُ بْنُ جَبَلٍ، وَأَفْرَضُهُمْ زَيْدُ بْنُ ثَابِتٍ، وَأَقْرَؤُهُمْ أُبَيُّ بْنُ كَعْبٍ، وَلِكُلِّ أُمَّةٍ أَمِينٌ، وَأَمِينُ هَذِهِ الْأُمَّةِ أَبُو عُبَيْدَةَ بْنُ الْجَرَّاحِ.(۱)

حضرت انس بن مالک فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری امت میں سے امت پر سب سے زیادہ رحم کرنے والے ابوبکر ہیں، اور ان میں سے اللہ کے حکم کی تعمیل میں سب سے زیادہ سخت عمر ہیں، اور شرم وحیاء کے اعتبار سے ان میں سے زیادہ سچے عثمان بن عفان ہیں، اور ان میں حلال وحرام کا سب سے زیادہ علم رکھنے والے معاذ بن جبل ہیں، اور ان میں سب سے زیادہ علم میراث جاننے والے زید بن ثابت ہیں، اور ان میں سب سے زیادہ قرآن کی قراءت کا علم رکھنے والے ابی بن کعب ہیں، اور ہر امت کا ایک امانت دار ہوتا ہے، اور اس امت کے امین ابوعبیدہ بن جراح ہیں۔

معاذ بن جبل، زید بن ثابت، ابی بن کعب اور چند دیگر صحابہ کے مخصوص امتیازات

اس حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سات صحابہ کرام میں سے ہر ایک صحابی کا ایک ایک خاص امتیازی وصف ذکر فرمایا ہے، آپ نے فرمایا کہ میری امت میں لوگوں پر سب سے زیادہ رحیم اور مہربان ابوبکر ہیں، ان کا دل بہت نرم ہے، دین اسلام کے احکام میں عمل کرنے میں عمر سب سے زیادہ سخت ہیں، شرم وحیاء میں سب سے ممتاز حضرت عثمان ہیں، حلال وحرام کے مسائل سب سے زیادہ معاذ بن جبل جانتے ہیں، اور زید بن ثابت علم میراث میں سب سے زیادہ ماہر ہیں، اور قرآن کی قراءت کا علم سب سے زیادہ حضرت ابی بن کعب کے پاس ہے، اور امانت ودیانت میں سب سے کامل ابوعبیدہ بن جراح ہیں، اور یہ اس امت کے امین ہیں۔(۲)

مذکورہ سات حضرات میں سے چھ کے حالات لکھے جاچکے ہیں، اور حضرت ابی بن کعب کے حالات آگے ایک مستقل باب کے تحت آئیں گے۔

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِأُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ: إِنَّ اللهَ أَمَرَنِي أَنْ أَقْرَأَ عَلَيْكَ لَمْ يَكُنِ الَّذِينَ كَفَرُوا، قَالَ: وَسَمَّانِي؟ قَالَ: نَعَمْ، فَبَكَى.(۳)

حضرت انس بن مالک فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابی بن کعب سے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں تمہیں سورہ بینہ پڑھ کر سناؤں، ابی بن کعب نے پوچھا: کیا اللہ تعالیٰ نے میرا نام لیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

---

(۱) المستدرک للحاکم ۴۲۲/۳۔

(۲) مرقاۃ المفاتیح ۲۷۳/۱۱، کتاب المناقب، باب مناقب العشرۃ، رقم: ۶۱۲۰

(۳) الصحیح للبخاری، کتاب مناقب الانصار، باب مناقب أبی بن کعب، رقم: ۳۸۰۹۔

جی ہاں، اس پر وہ رونے لگے۔

حضرت ابی کو سورہ البینہ سنانے کا حکم

مذکورہ حدیث سے درج ذیل امور ثابت ہوتے ہیں:

۞ حضرت ابی بن کعب یہ سن کر رو پڑے کہ اللہ تعالیٰ نے میرا نام لے کر آپ ﷺ سے فرمایا کہ انہیں سورہ البینہ سنائیں، یہ رونا یا تو خوشی کی وجہ سے تھا یا اللہ سے خوف کی وجہ سے کہ میں ان کی نعمتوں کا شکر ادا کرنے سے قاصر ہوں، اس سے معلوم ہوا کہ اس طرح کی خوشی کی وجہ سے اگر انسان کی آنکھوں سے آنسو نکل پڑیں تو یہ کوئی گناہ نہیں، امام قرطبی فرماتے ہیں کہ سورہ بینہ کی تخصیص اس لیے کی گئی ہے کہ یہ توحید، رسالت، اخلاص، نماز، زکوۃ، آخرت اور دیگر اہم امور پر مشتمل ہے۔

۞ یہ حکم اس لیے دیا تا کہ ابی بن کعب آپ ﷺ سے اچھی طرح قراءت سیکھ لیں۔

۞ یہ بتانے کے لیے کہ ایک دوسرے کو قرآن مجید سنانا مسنون ہے۔

۞ اس حدیث سے حضرت ابی بن کعب کی فضیلت ثابت ہوتی ہے۔(۱)

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، قَالَ: جَمَعَ الْقُرْآنَ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَرْبَعَةٌ، كُلُّهُمْ مِنَ الأَنْصَارِ: أُبَيُّ بْنُ كَعْبٍ، وَمُعَاذُ بْنُ جَبَلٍ، وَزَيْدُ بْنُ ثَابِتٍ، وَأَبُو زَيْدٍ، قَالَ: قُلْتُ لِأَنَسٍ: مَنْ أَبُو زَيْدٍ؟ قَالَ: أَحَدُ عُمُومَتِي.(۲)

حضرت انس کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کے زمانے میں چار صحابہ نے قرآن مجید حفظ کیا، وہ سب انصار (کے قبیلہ خزرج) میں سے تھے، وہ یہ ہیں: ابی بن کعب، معاذ بن جبل، زید بن ثابت اور ابو زید، قتادہ کہتے ہیں کہ میں نے انس سے پوچھا کہ ابو زید کون ہیں؟ انہوں نے بتایا: ابو زید میرے ایک چچا ہیں۔

مشکل الفاظ کے معنی: جمع القرآن: قرآن مجید کو یاد کیا، حفظ کر لیا، عمومتی: (عین اور میم پر پیش) میرے چچا، چچا کا رشتہ۔

قبیلہ خزرج کے چار انصاری صحابہ کا حفظ قرآن

اس حدیث میں حضرت انس نے چار انصاری خزرجی صحابہ کا ذکر کیا ہے، جنہوں نے نبی کریم ﷺ کے زمانے میں قرآن مجید کو مکمل حفظ کر لیا تھا، اس پر سوال یہ ہوتا ہے کہ حفاظ صحابہ کی تعداد تو عہد رسالت میں بہت تھی، خلفاء راشدین بھی حافظ تھے، غزوہ یمامہ میں حفاظ صحابہ کی ایک کثیر تعداد شہید ہوئی، اس بارے میں مختلف اقوال منقول ہیں: ا۔ ستر حفاظ صحابہ شہید

---

(۱) فتح الباری ۱۶۰/۷، کتاب مناقب الانصار، باب مناقب ابی بن کعب، رقم: ۳۸۰۹

(۲) الصحیح للبخاری، کتاب مناقب للانصار، باب مناقب زید بن ثابت، رقم: ۳۸۱۰۔

ہوئے، ۲۔ سات سو، ۳۔ سات سو سے بھی زیادہ حفاظ صحابہ اس غزوہ میں شہید ہوئے، (۱) اور بیرِ معونہ میں ستر قراء صحابہ شہید ہوئے تھے، پھر اس حدیث میں صرف چار کا ذکر کیسے کیا گیا؟

شارحین حدیث نے اس سوال کے مختلف جواب دیئے ہیں، ان میں سے تین اہم جواب درج ذیل ہیں:

۱۔ اس حدیث میں حضرت انس نے اپنے علم کے مطابق بات کی ہے، ورنہ خود ان کے قبیلہ خزرج میں ان چار کے علاوہ اور صحابہ بھی حافظ قرآن تھے، مہاجرین وانصار میں ایک کثیر تعداد حفاظ کی تھی، حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے ان کے نام لکھے ہیں، مکمل قرآن مجید کے حافظ بھی تھے اور جزوی طور پر کسی کو ایک پارہ یاد ہے، کسی کو چند سورتیں وغیرہ، اس طرح کے حضرات کی بھی بہت زیادہ تعداد تھی، جو حد تواتر تک پہنچی ہوئی تھی۔

۲۔ بعض شارحین حدیث نے یہ جواب دیا ہے کہ یہاں حدیث میں "جمع قرآن" سے کتابت قرآن مراد ہے، معنی یہ ہیں کہ عہد رسالت میں ان چار صحابہ نے قرآن مجید کو مکمل طور پر لکھ لیا تھا، جبکہ اور صحابہ نے یا تو صرف اسے یاد کیا تھا، لکھا نہیں تھا، اور اگر لکھا بھی تھا تو چند اجزاء اور کچھ کچھ حصہ تحریر کیا تھا، حفظ کے ساتھ مکمل لکھنے والے یہ چار صحابہ کرام ہی تھے۔

۳۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس سلسلہ میں ایک اور توجیہ کو راجح قرار دیا، وہ فرماتے ہیں کہ ان چار کا ذکر ایک خاص جماعت اور خاص افراد کے مقابلے میں کیا گیا ہے، چنانچہ ابن جریر طبری نے حضرت انس کی ایک روایت نقل کی ہے کہ ایک مرتبہ قبیلہ اوس اور قبیلہ خزرج کے درمیان فخر ومباہات اور ایک دوسرے پر فخر کرنے کی بات ہوئی، قبیلہ اوس نے کہا کہ ہمارے ہاں چار ایسے آدمی ہیں، جن کی خاص صفات ہیں، جو اور کسی میں نہیں: ۱۔ ہم میں ایک آدمی ایسا ہے جس کی موت پر عرش الٰہی جھوم اٹھا، حرکت میں آ گیا یعنی حضرت سعد بن معاذ، ۲۔ دوسرا آدمی ایسا ہے جس کی گواہی کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دو آدمیوں کی گواہی کے برابر قرار دیا ہے یعنی حضرت خزیمہ بن ثابت، ۳۔ تیسرا آدمی ایسا ہے، جس کو فرشتوں نے غسل دیا ہے یعنی حضرت حنظلہ بن ابی عامر، ۴۔ چوتھا آدمی ایسا ہے جس کی شہادت کے بعد اس کی لاش کی بھڑوں یا شہد کی مکھیوں نے کافروں سے حفاظت کی یعنی حضرت عاصم بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ۔

اس کے جواب میں قبیلہ خزرج نے کہا کہ ہم میں چار آدمی ایسے ہیں، جنہوں نے قرآن مجید کو حفظ کیا اور مذکورہ چار حضرات کا نام لیا، تو یہاں پر خزرج اور اوس کے درمیان مقابلہ تھا جبکہ خزرج میں چار آدمی حافظ تھے جبکہ قبیلہ اوس میں نہیں تھے، ان کے مقابلے میں حضرت انس نے ان چار کا ذکر کیا ہے۔

قلت لأنس: من ابو زید؟ حضرت قتادہ نے حضرت انس سے پوچھا کہ ابو زید سے کون مراد ہیں؟ حضرت انس نے فرمایا کہ یہ میرے ایک چچا ہیں، ان کا اصل نام کیا تھا؟ اس میں مختلف اقوال منقول ہیں:

- علی بن مدینی کہتے ہیں کہ ان کا نام "اوس" تھا۔

---

(۱) فتح الباری ۹/۱۴، کتاب فضائل القرآن، باب جمع القرآن، رقم: ۴۹۸۶۔

✿ یحیی بن معین کے نزدیک ان کا اصل نام ثابت بن زید ہے۔
✿ واقدی کہتے ہیں ان کا نام: قیس بن سکن بن قیس بن زعور بن حرام انصاری نجاری ہے، حافظ ابن حجر فرماتے ہیں: یہ قول راجح ہے، کیونکہ حدیث میں حضرت انس نے "احد عمومتی" کا لفظ استعمال کیا ہے، اور حضرت انس بھی بنی حرام قبیلہ میں سے ہیں۔(۱)

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: نِعْمَ الرَّجُلُ أَبُو بَكْرٍ، نِعْمَ الرَّجُلُ عُمَرُ، نِعْمَ الرَّجُلُ أَبُو عُبَيْدَةَ بْنُ الْجَرَّاحِ، نِعْمَ الرَّجُلُ أُسَيْدُ بْنُ حُضَيْرٍ، نِعْمَ الرَّجُلُ ثَابِتُ بْنُ قَيْسِ بْنِ شَمَّاسٍ، نِعْمَ الرَّجُلُ مُعَاذُ بْنُ جَبَلٍ، نِعْمَ الرَّجُلُ مُعَاذُ بْنُ عَمْرِو بْنِ الْجَمُوحِ.(۲)

حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ابوبکر کتنے اچھے آدمی ہیں، عمر کتنے اچھے انسان ہیں، ابوعبیدہ بن جراح بہت اچھے آدمی ہیں، اسید بن حضیر کس قدر اچھے آدمی ہیں، ثابت بن قیس بن شماس کتنے اچھے آدمی ہیں، معاذ بن جبل بہت اچھے انسان ہیں، اور معاذ بن عمرو بن جموح کتنے اچھے آدمی ہیں۔

سات صحابہ کی تعریف

اس حدیث میں نبی کریم ﷺ نے سات صحابہ کی تعریف کی ہے کہ وہ بہت اچھے انسان ہیں، ان میں حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت ابوعبیدہ بن جراح اور حضرت معاذ بن جبل کے مختصر احالات ذکر کیے جا چکے ہیں، باقی تین صحابہ حضرت اسید بن حضیر، حضرت ثابت بن قیس بن شماس اور حضرت معاذ بن عمرو بن جموح کے حالات درج ذیل ہیں۔

حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ

حضرت اسید بن حضیر بن سماک بن عتیک انصاری صحابی ہیں، ان کے والد حضیر قبیلہ اوس کے شہسوار اور سردار تھے، زمانہ جاہلیت میں جنگ بعاث جو اوس اور خزرج کے درمیان ہوئی تھی، اس میں حضیر بن سماک اوس کے سردار تھے، حضرت اسید سابقین فی الاسلام ہیں، لیلۃ العقبہ میں شریک تھے، حضرت مصعب بن عمیر کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا تھا، غزوہ بدر اور دیگر تمام مشاہد و غزوات میں شریک ہوئے، احادیث میں ان کی بہت فضیلت منقول ہے، چنانچہ ترمذی کی مذکورہ روایت میں بھی آپ ﷺ نے فرمایا: اسید بن حضیر اچھے آدمی ہیں، ۲۰ھ میں مدینہ منورہ میں ان کا انتقال ہوا، اور جنت البقیع میں ان کو دفن کیا گیا ہے۔(۳)

---

(۱) فتح الباری ۹/۲۲، کتاب فضائل القرآن، باب القراء من اصحاب النبی ﷺ، شرح مسلم للنووی، ۲/۲۹۴، کتاب فضائل الصحابة باب من فضائل ابی بن کعب، الکوکب الدری ۴/۴۲۹، تکملة فتح الملہم ۵/۲۰۲، باب فضائل ابی بن کعب۔
(۲) الادب المفرد للبخاری، رقم: ۳۳۷۔
(۳) الاصابة فی تمییز الصحابة ۱/۲۳۴، ذکر من اسمه اسید بالضم

حضرت ثابت بن قیس بن شماس رضی اللہ عنہ

حضرت ثابت بن قیس بن شماس قبیلہ خزرج کے ایک انصاری صحابی ہیں، فصاحت و بلاغت اور فن خطابت میں بہت ماہر تھے، "خطیب الانصار" کے لقب سے معروف تھے۔

نبی کریم ﷺ جب مدینہ منورہ ہجرت کر کے تشریف لائے تو حضرت ثابت بن قیس نے آپ سے عرض کیا کہ ہم آپ کی مکمل حفاظت کریں گے، جس طرح ہم اپنے مال و متاع، اولاد اور خواتین کی حفاظت کرتے ہیں، مگر اس میں ہمیں کیا ملے گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: جنت ملے گی، حضرت ثابت نے عرض کیا: ہم اس پر خوش ہیں۔

غزوہ احد اور اس کے بعد تمام اسلامی معرکوں میں اپنی جرأت و بہادری کے جوہر دکھاتے رہے، نبی کریم ﷺ نے ان کو جنت کی خوشخبری سنائی تھی، اس کا واقعہ یہ پیش آیا کہ حضرت ثابت بن قیس چند دن نبی کریم ﷺ کو نظر نہیں آئے تو پوچھا کہ وہ کدھر ہیں، کیا وہ بیمار ہیں، انہیں کیا مسئلہ درپیش ہے، حضرت سعد بن معاذ نے حضرت ثابت کو یہ بات بتلائی تو حضرت ثابت نے آپ ﷺ کی مجلس میں نہ آنے کی وجہ یہ بتلائی کہ میں بلند آواز والا ہوں، آپ کے سامنے میری آواز بلند ہو ہی جاتی ہے، میں تو "اہل دوزخ" میں سے ہو گیا ہوں، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی ہے: لا ترفعوا اصواتکم فوق صوت ....، اس آیت سے وہ یہ سمجھے کہ میں اپنی آواز کو پست رکھنے پر چونکہ قادر نہیں ہوں، میری آواز یقیناً آپ ﷺ کے سامنے بلند رہتی ہے، اس لیے میں اس آیت کے حکم پر عمل نہیں کر رہا، میرے اعمال برباد ہو گئے، میں تو دوزخی ہو گیا ہوں، حالانکہ آیت کی یہ مراد نہیں تھی، وہ آواز ممنوع تھی جو قصد و اختیار سے آپ کے سامنے بلند کی جائے، حضرت ثابت کی آواز قدرتی طور پر اونچی تھی، وہ بالارادہ اسے اونچا نہیں کرتے تھے۔

چنانچہ حضرت سعد بن معاذ نے یہ ساری بات نبی کریم ﷺ کو بتلادی کہ ثابت بن قیس اس وجہ سے مجلس میں حاضر نہیں ہو رہے، اس پر آپ ﷺ نے فرمایا کہ ثابت بن قیس اہل دوزخ میں سے نہیں، وہ تو جنتی ہیں، ترمذی کی مذکورہ روایت میں بھی آپ نے فرمایا کہ ثابت بن قیس بہت اچھے آدمی ہیں، عہد صدیقی میں غزوہ یمامہ میں اس انداز سے شریک ہوئے کہ اپنا کفن بھی ذرہ کے اوپر پہن رکھا تھا، بڑی ثابت قدمی سے مقابلہ کرتے رہے، یہاں تک کہ جام شہادت نوش کر لیا۔

ان کے جسم پر بڑی مہنگی ذرہ تھی، یہ جب شہید ہو گئے تو ایک صاحب نے ان کے جسم سے ذرہ خفیہ طریقے سے اتار لی، اور اپنے خیمہ میں لے گیا، خواب میں حضرت ثابت نے ایک شخص کو کہا کہ میری ذرہ فلاں نے اٹھالی ہے، خالد سے کہو کہ وہ اس سے لے لے، اور صدیق اکبر کو بتانا کہ میرے اوپر اتنا قرض ہے، وہ ادا کر دیں، اور فلاں غلام میری طرف سے آزاد ہے، چنانچہ حضرت صدیق اکبر کو تمام صورتحال بتائی گئی تو انہوں نے ان کی وصیت کو پورا کر دیا۔(۱)

---

(۱) الاصابة ۵۱۱/۱، حرف الثاء

حضرت معاذ بن عمرو بن جموح رضی اللہ عنہ

حضرت معاذ اور ان کے والد عمرو بن جموح دونوں ہی صحابی ہیں، غزوہ بدر میں دونوں شریک ہوئے تھے، اور حضرت معاذ لیلۃ العقبہ میں بھی موجود تھے، یہ بھی انصاری صحابی ہیں، قبیلہ خزرج سے ان کا تعلق تھا، حضرت معاذ نے غزوہ بدر میں سب سے پہلے ابوجہل پر اس طرح حملہ کیا کہ اس کا ایک پاؤں کاٹ ڈالا تھا، اور پھر بعد میں حضرت معاذ بن عفراء اور معوذ بن عفراء نے ابو جہل کا کام تمام کیا تھا، حضرت عثمانؓ کے زمانے میں ان کی وفات ہوئی۔(۱)

عَنْ حُذَيْفَةَ بْنِ الْيَمَانِ، قَالَ: جَاءَ الْعَاقِبُ وَالسَّيِّدُ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَا: ابْعَثْ مَعَنَا أَمِينَكَ، فَقَالَ: فَإِنِّي سَأَبْعَثُ مَعَكُمْ أَمِينًا حَقَّ أَمِينٍ، فَأَشْرَفَ لَهَا النَّاسُ، فَبَعَثَ أَبَا عُبَيْدَةَ بْنَ الْجَرَّاحِ قَالَ: وَكَانَ أَبُو إِسْحَاقَ، إِذَا حَدَّثَ بِهٰذَا الْحَدِيثِ عَنْ صِلَةَ، قَالَ: سَمِعْتُهُ مُنْذُ سِتِّينَ سَنَةً.

یہ حدیث پوری تفصیل کے ساتھ "مناقب ابی عبیدۃ بن الجراح" میں گذر چکی ہے، اس کا ترجمہ اور تشریح وہاں دیکھ لی جائے۔

بَابُ مَنَاقِبِ سَلْمَانَ الْفَارِسِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے فضائل

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنَّ الْجَنَّةَ تَشْتَاقُ إِلَى ثَلَاثَةٍ: عَلِيٍّ، وَعَمَّارٍ، وَسَلْمَانَ.(۲)

حضرت انس بن مالکؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جنت تین آدمیوں کی مشتاق ہے: علی، عمار اور سلمان کی۔

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے مختصر حالات زندگی

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ فارس یعنی ایران کے رہنے والے تھے، ان کو سلمان ابن اسلام اور سلمان الخیر بھی کہا جاتا ہے، سلمان ان کا نام اور ابوعبداللہ ان کی کنیت ہے، بعض نے کہا کہ ان کا نام: مابہ بن بود یا بہبود تھا، بہرحال سلمان کے نام سے ہی مشہور ہیں۔

---

(۱) الاصابۃ ۱۱۳/۲، حرف المیم، سیر اعلام النبلاء ۱۵۵/۳/ رقم: ۶۴

(۲) جمع الجوامع للسیوطی رقم: ۵۴۲۹۔

ان کے گھر اور خاندان میں آتش پرستی کا راج تھا، یہ اس پر مطمئن نہیں تھے، عیسائی مذہب اختیار کیا، اہل خاندان کی طرف سے بے جا سختی اور انتہائی زدوکوب کیا گیا، مگر یہ اس مذہب پر ڈٹے رہے، بالآخر گھر کو چھوڑ کر شام آگئے، ایک پادری کے پاس آئے، یکے بعد دیگرے کئی پادریوں کے پاس آئے، آخر میں ایک پادری نے انہیں بتایا کہ تم یثرب یعنی مدینہ منورہ چلے جاؤ وہاں نبی آخرالزمان سے تمہاری ملاقات ہوگی، جس کی یہ یہ علامات ہوں گی، وہ سچے نبی ہیں، ان پر تم ایمان لے آنا۔

چنانچہ راہ حق کا یہ متلاشی منزل کی جستجو میں مدینہ کے ارادے سے نکلا، شام میں کچھ قافلے آئے ہوئے تھے، ان کے ساتھ سفر شروع کردیا، انہوں نے دھوکے سے انہیں غلام کی حیثیت سے فروخت کردیا، یہودیوں نے انہیں خریدا، کہا جاتا ہے کہ اس زمانہ میں حضرت سلمان یکے بعد دیگرے دس سے زائد آدمیوں کے ہاتھ فروخت کئے گئے، اس سب کے باوجود وہ اندر ہی اندر سے آخری نبی کی جستجو اور معلومات کرتے رہے، وہ فکر جس نے انہیں ایران سے نکالا تھا، جس کے لیے اپنے وطن، خاندان اور والدین وغیرہ کو چھوڑا تھا، وہ ہر وقت ان کے دل ودماغ پر سوار رہتی تھی۔

بنوقریظہ کے ایک یہودی کے یہ غلام تھے، وہ انہیں مدینہ منورہ لے آیا، پتہ چلا کہ نبی کریم ﷺ ہجرت کر کے تشریف لا چکے ہیں، حاضر خدمت ہوگئے، سوچئے کہ اس وقت ان کے دل کی کیا کیفیت ہوگی، جسوقت ان کی نظر نبی کریم ﷺ کے چہرہ انور پر پڑی ہوگی، یہاں حاضر ہوکر مدت کے بے قرار کو قرار آگیا، سفر وحضر کی وہ ساری تھکاوٹیں اور لوگوں کے دھوکے، جن کی وجہ سے وہ طرح طرح کی آزمائشوں سے دوچار ہوتے رہے، وہ سب ہیچ ہوگئیں، اسلام قبول کرلیا، ان کے آقا نے انہیں ''عبد مکاتب'' بنادیا تھا، یہ طے ہوا کہ سلمان پانچ سو کھجوروں کے درخت لگائیں، جب ان پر پھل آئے گا، تو اس وقت وہ آزاد ہوں گے، حضرت سلمان نے آپ ﷺ سے اس بارے میں بات کی تو آپ نے فرمایا کہ تم درخت اور جگہ تیار کرو، درخت زمین پر میں خود لگاؤں گا، چنانچہ آپ نے اپنے دست مبارک سے وہ درخت لگادیئے، ایک سال کے بعد ہی ان پر پھل آگیا، ایک درخت پر پھل نہیں آیا، اسے حضرت سلمان نے خود لگایا تھا۔

نبی کریم ﷺ نے ان کے بارے میں فرمایا ہے کہ سلمان جنتی ہیں، اور ترمذی کی مذکورہ روایت میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ تین افراد کے لیے جنت بے تاب ہے، انہیں اپنی آغوش میں لینے کے لیے جنت بڑی مشتاق ہے، وہ حضرت علی، حضرت عمار اور حضرت سلمان فارسی ہیں، اس کے علاوہ اور احادیث میں بھی ان کے بہت فضائل اور خصوصیات منقول ہیں۔

سب سے پہلے غزوہ خندق میں شریک ہوئے، انہیں کے مشورے سے ہی نبی کریم ﷺ نے مدینہ کے آس پاس خندقیں کھودنے کا فیصلہ فرمایا تھا، اس کے بعد تمام غزوات میں شریک ہوتے رہے، اپنے ہاتھ کی کمائی سے روزی کماتے تھے، اور اللہ کی راہ میں بہت خرچ کرتے تھے۔

حضرت سلمان کی عمر بہت طویل تھی، دو سو پچاس سال یا بعض کے بقول وفات کے وقت تین سو پچاس سال ان کی عمر تھی،

حضرت عثمان کے دور خلافت میں ۳۶ھ میں مدائن میں ان کی وفات ہوئی۔ واللہ اعلم۔ (۱)

بَابُ مَنَاقِبِ عَمَّارِ بنِ يَاسِرٍ وَ كُنيَتُهُ أَبُو اليَقظَانِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنهُ

حضرت عمار بن یاسر کے فضائل، ان کی کنیت ابوالیقظان ہے

حضرت عمار بن یاسر کے مختصر حالات

حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ سابقین فی الاسلام میں سے ہیں، بعض کے بقول ساتویں نمبر پر انہوں نے اسلام قبول کیا ہے، ان کے والد حضرت یاسر نے بھی اسلام قبول کر لیا تھا، ان دونوں حضرات اور حضرت عمار کی والدہ حضرت سمیہ رضی اللہ عنہم پر اسلام کی وجہ سے بہت سختیاں کی گئیں، ابوجہل نے حضرت سمیہ کو ان کی شرمگاہ پر نیزہ مار کر شہید کیا تھا، یہ اسلام میں سب سے پہلی شہید ہیں۔

اسلام کی وجہ سے اس گھرانے پر ظلم وستم کے پہاڑ توڑے گئے، انہیں بڑی شدت سے مارا پیٹا جاتا، آگ کا عذاب بھی دیا جاتا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے قریب سے گذرتے تو ان سے فرماتے: صبرا ال یاسر فان موعدکم الجنة، (اے آل یاسر، صبر سے کام لو، تمہارا اصل ٹھکانہ جنت ہے)، ان پر آزمائش کا ایک ایسا وقت بھی آیا کہ انہوں نے مجبوراً جان بچانے کے لیے بادل نخواستہ کفار کے اکراہ پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اور اسلام کے خلاف کچھ کلمات کہے تھے، اس پر اللہ تعالیٰ نے ان کے حق میں یہ آیت نازل کی: الا من اکرہ و قلبہ مطمئن بالایمان۔

حبشہ کی طرف انہوں نے ہجرت کی ہے یا نہیں؟ اس میں دونوں طرح کے قول ہیں، ہاں مدینہ منورہ کی طرف انہوں نے ضرور ہجرت کی ہے، اس کے بعد تمام جنگی معرکوں میں شریک ہوتے رہے، غزوہ یمامہ میں ان کا ایک کان بھی کٹ گیا تھا، پھر حضرت عمر نے ان کو کوفہ کا گورنر نامزد فرمایا تھا، اور ان کی طرف یہ لکھا کہ: ''انه من النجباء من أصحاب محمد'' یہ صحابہ کرام میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چند مخصوص برگزیدہ افراد میں سے ہیں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر میں حضرت عمار کا بہت مقام تھا، آپ ان کے واقعی صحیح معنیٰ میں مؤمن ہونے کی گواہی دیتے تھے، اور فرماتے تھے کہ جو عمار سے دشمنی کرے گا، اللہ اس سے دشمنی کریں گے، اور جو ان سے محبت کرے گا، اللہ ان سے محبت کریں گے۔

جنگ صفین میں یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے، اسی میں وہ شہید ہو گئے، تاریخ شہادت ربیع الاول ۳۷ھ ہے، اس وقت ان کی عمر ۹۳ سال تھی۔ (۲)

---

(۱) سیر اعلام النبلاء ۳/ ۳۴۰، ۳۵۰، قصة سلمان الفارسی، رقم: ۹۲

(۲) سیر اعلام النبلاء ۳/ ۲۵۳، ۲۵۵

عَنْ عَلِيٍّ، قَالَ: جَاءَ عَمَّارٌ يَسْتَأْذِنُ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: ائْذَنُوا لَهُ، مَرْحَبًا بِالطَّيِّبِ الْمُطَيَّبِ.(۱)

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ (ایک دن) عمار آئے، آپ ﷺ کے پاس آنے کی اجازت طلب کی تو آپ ﷺ نے فرمایا: انہیں آنے کی اجازت دے دو، خوش آمدید ہو اس شخص کو، جو اپنی ذات کے لحاظ سے بھی اچھے ہیں اور انہیں (اخلاق وعادات اور کردار کے اعتبار سے بھی) پاکیزہ قرار دیا گیا ہے۔

حضرت عمار ''طیب ومطیب'' ہیں

اس حدیث میں نبی کریم ﷺ نے حضرت عمار کی فضیلت اور ان کے عمدہ اخلاق وصفات اور اعلیٰ کردار کا ذکر فرمایا، آپ ﷺ نے انہیں آنے کی اجازت دیتے ہوئے فرمایا: مرحبا بالطیب المطیب، شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ''طیب'' سے اس طرف اشارہ ہے کہ حضرت عمار ذاتی طور پر بہت اچھے، عمدہ اور پاک انسان ہیں، اور ''مطیب'' (صیغہ اسم مفعول) سے یہ بتانا مقصود ہے کہ وہ اپنی عادات واخلاق، رہن سہن اور کردار کے اعتبار سے بھی بہت اعلیٰ ہیں، انہیں ہر بری خصلت سے پاکیزہ قرار دیا گیا ہے، اور یہ شرف انہیں اسلامی تعلیمات پر عمل پیرا ہونے سے حاصل ہوا ہے۔

آپ ﷺ نے حضرت عمار کے نفس کی پاکی اور ان کے اخلاق وکردار کی پاکیزگی اور عمدگی کو بڑے بلیغ انداز سے ان دو الفاظ ''طیب مطیب'' سے بیان فرمایا ہے، جس طرح عربی زبان میں کسی سایہ کو مبالغہ کے ساتھ بیان کرنا ہو تو: ظل ظلیل کے الفاظ استعمال کیے جاتے ہیں۔(۲)

عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَا خُيِّرَ عَمَّارٌ بَيْنَ أَمْرَيْنِ إِلَّا اخْتَارَ أَرْشَدَهُمَا.(۳)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: عمار کو جب بھی دو کاموں میں اختیار دیا گیا، انہوں نے ان میں بہتر کام کو ہی اختیار کیا۔

حضرت عمار ہمیشہ درست اور بہتر راستہ ہی اختیار کرتے

نبی کریم ﷺ نے اس حدیث میں حضرت عمار کی ایک اہم خصوصیت اور فضیلت کا ذکر فرمایا ہے کہ انہیں جب کبھی بھی دو کاموں میں سے ایک کام کے اختیار کرنے کا اختیار دیا گیا تو انہوں نے ہمیشہ درست اور بہتر راستہ ہی پسند کیا، یہی ان کا مزاج تھا،

---

(۱) سنن ابن ماجة، المقدمة، رقم: ۱۴۶۔

(۲) مرقاة المفاتيح ۱۱/ ۳۷۴، کتاب المناقب، باب جامع المناقب، رقم: ۶۲۳۵

(۳) سنن ابن ماجة، المقدمة، رقم: ۱۴۸۔

اس سے معلوم ہوا کہ خلافت کے مسئلہ میں حضرت علی حق پر تھے، حضرت معاویہ سے اس سلسلے میں اجتہادی غلطی ہوئی تھی، وہ رشد پر نہیں تھے، اس لیے کہ حضرت عمار نے حضرت علی کی رفاقت کو اختیار کیا تھا، پھر اسی جنگ صفین میں وہ شہید ہو گئے۔(۱)

یہ ذہن میں رہے کہ اس حدیث کے آخری الفاظ اختار ارشدھما مختلف نسخوں میں مختلف انداز سے نقل کئے گئے ہیں، ترمذی کے اس نسخہ میں "ارشدھما" کے الفاظ ہیں، اسی کو صحیح قرار دیا گیا ہے، جبکہ بعض دیگر نسخوں میں ایسرھما (ان میں سے زیادہ آسان) اور بعض میں اشدھما (ان میں سب سے سخت) اور بعض میں اسدھما (ان میں زیادہ درست اور صحیح) کے الفاظ منقول ہیں، روایات کے ان مختلف الفاظ کے لحاظ سے، اس روایت کے دو مطلب بیان کیے گئے ہیں:

۞ حضرت عمار اپنی ذات کے لیے مشکل اور سخت راستہ ہی اختیار کرتے، جبکہ دوسرے لوگوں کے لیے آسان راستہ ہی اختیار کرتے۔

۞ ملا علی قاری فرماتے ہیں: بہتر یہ ہے کہ ان روایات میں یوں تطبیق دی جائے کہ حضرت عمار ہمیشہ دو کاموں میں سے اس کام اور راستہ کو منتخب کرتے، جو ان میں زیادہ درست، بہتر اور صحیح ہوتا اور اس امر کا راجح ہونا ان کے سامنے واضح ہو جاتا، اور اگر وہ دونوں امر ہر لحاظ سے برابر ہوتے تو پھر ان میں جو زیادہ آسان ہوتا، اسے اختیار کرتے۔(۲)

عَنْ حُذَيْفَةَ، قَالَ: كُنَّا جُلُوسًا عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: إِنِّي لَا أَدْرِي مَا قَدْرُ بَقَائِي فِيكُمْ، فَاقْتَدُوا بِاللَّذَيْنِ مِنْ بَعْدِي - وَأَشَارَ إِلَى أَبِي بَكْرٍ وَعُمَرَ - وَاهْتَدُوا بِهَدْيِ عَمَّارٍ، وَمَا حَدَّثَكُمُ ابْنُ مَسْعُودٍ فَصَدِّقُوهُ.(۳)

حضرت حذیفہ فرماتے ہیں کہ ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ آپ نے فرمایا: میں نہیں جانتا کہ کتنا عرصہ میں تمہارے اندر (زندہ) ہوں، لہذا تم لوگ میرے بعد ان دو کی پیروی کرنا، آپ نے ابوبکر وعمر کی طرف اشارہ کیا، اور عمار بن یاسر کی سیرت اور ان کے طریقے پر چلنا، اور ابن مسعود جو بات تم سے بیان کریں، تو ان کی تم لوگ تصدیق کرنا۔

مشکل الفاظ کے معنی: ما قدر بقائی فیکم: مجھے تمہارے اندر کتنا عرصہ باقی رہنا ہے، کب تک زندہ رہنا ہے، اقتدوا: تم پیروی کرو، اھتدوا: تم چلو، راستہ اختیار کرو، اقتداء اور اھتداء میں فرق یہ ہے کہ اقتداء کے مفہوم میں قول اور فعل ہر اعتبار سے پیروی، اطاعت اور اتباع ہوتی ہے، جبکہ اھتداء میں صرف فعل اور عمل کے اعتبار سے اتباع کرنی ہوتی ہے، ھدی: (ھاء پر زبر اور دال ساکن) سیرت، طریقہ، نقش قدم، و ما حدثکم: اور ابن مسعود جو بات تم سے بیان کریں۔

---

(۱) تحفۃ الاحوذی ۱۰/۲۷۹

(۲) مرقاۃ المفاتیح ۱۱/۳۷۴، کتاب المناقب باب جامع المناقب رقم الحدیث: ۶۲۳۶

(۳) مسند احمد ۶/۱۱۳۔

حضرت عمار کے نقش قدم پر چلنے کا حکم

اس حدیث میں نبی کریم ﷺ نے تین چیزوں کا حکم دیا ہے، اور اس سے پہلے فرمایا کہ مجھے معلوم نہیں کہ میں کتنا عرصہ تم میں زندہ رہوں، اس لیے ان باتوں کا اہتمام کرنا:

۱۔ میرے بعد ابو بکر وعمر کی بات ماننا، ان کے قول اور فعل میں کامل طریقے سے اتباع کرنا۔

۲۔ عمار کی سیرت اور ان کے طریقہ کے مطابق زندگی گذارنا، اس سے حضرت عمار کی فضیلت ثابت ہوتی ہے، آپ نے امت کو ان کے اعمال اور افعال میں پیروی کا حکم دیا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ حضرت عمار کے سارے اعمال اور طور طریقے جادہ حق اور سیدھے راستہ پر تھے۔

۳۔ آپ نے تیسرا حکم یہ دیا کہ عبد اللہ بن مسعود جو شرعی بات تمہارے سامنے بیان کریں، اس میں ان کی تصدیق کرنا اور ان کی بات مان لینا، اسی وجہ سے امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ خلفاء اربعہ کے بعد سب سے زیادہ حضرت عبد اللہ بن مسعود کے قول کو اختیار کرتے ہیں، کیونکہ یہ فقہاء صحابہ میں سے تھے، امام صاحب عموماً مسائل کے استنباط میں ان کے قول کو بنیاد بناتے ہیں۔(۱)

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَبْشِرْ يَا عَمَّارُ تَقْتُلُكَ الْفِئَةُ الْبَاغِيَةُ.(۲)

حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اے عمار تمہیں بشارت ہو، تمہیں ایک باغی جماعت قتل کرے گی۔

حضرت عمار کو ایک باغی جماعت قتل کرے گی

اس حدیث میں نبی کریم ﷺ نے یہ پیشن گوئی فرمائی ہے کہ ایک وقت ایسا آئے گا، جس میں ایک باغی جماعت حضرت عمار کو قتل کردے گی۔

"باغی جماعت" سے حضرت معاویہ کا لشکر مراد ہے، اس میں جمہور اہل سنت کا اتفاق ہے، اس کا پس منظر یہ ہے کہ جنگ صفین میں حضرت عمار، حضرت علی کے ساتھ تھے، حضرت معاویہ اور حضرت علی دونوں کی فوجوں اور لشکروں کا جب آمنا سامنا ہوا اور خوب قتل وقتال ہوا، جس میں دیگر حضرات کے ساتھ حضرت عمار بھی حضرت معاویہ کے لشکر کے ہاتھوں شہید ہوگئے، یوں آپ ﷺ کی پیشن گوئی معجزانہ طور پر سچ ثابت ہوئی۔

اس واقعہ سے یہ معلوم ہوا کہ اس جنگ میں حضرت علی حق پر تھے، ان کا موقف درست اور صحیح تھا اور حضرت معاویہ

---

(۱) مرقاة ۳۷۱/۱۱، رقم: ۶۲۳۰

(۲) السلسلة الصحيحة للشيخ الألباني ۳۳۵/۲، رقم: ۷۱۰۔

اوران کی جماعت بغاوت پر تھی، چنانچہ حضرت عمار کی شہادت کے بعد حضرت عمرو بن عاص، جو حضرت معاویہ کے دست راست اورانتہائی اہم آدمی تھے، لڑائی سے الگ پریشان ہو کر بیٹھ گئے، انہیں دیکھ کر اور لوگ بھی پیچھے ہٹنے لگے، حضرت معاویہ نے حضرت عمرو بن عاص سے اس کی وجہ پوچھی، تو انہوں نے بتایا کہ عمار کی شہادت سے ہمارے موقف کی غلطی واضح ہوگئی، کیونکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: تقتلہ الفئۃ الباغیۃ ان کو وہ جماعت قتل کرے گی، جو امام عادل کی اطاعت سے کنارہ کش ہو کر بغاوت کا راستہ اختیار کرے گی، اس پر حضرت معاویہ نے فرمایا: عمار کو ان لوگوں نے قتل کیا ہے، جو انہیں قتال کے لیے اپنے ساتھ لائے تھے، حضرت علی کو ان کی یہ بات پتہ چلی تو اس پر یہ تبصرہ فرمایا کہ اگر اس دلیل کی رو سے حضرت عمار کے قاتل ہم لوگ ہیں، تو پھر حضرت حمزہ کے قاتل العیاذ باللہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہوں گے، کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی انہیں غزوہ احد میں کافروں کے ساتھ لڑائی کرنے لیے میدان میں لائے تھے، اس پر حضرت معاویہ خاموش ہوگئے۔(۱)

بعض شارحین نے حضرت معاویہ کے جواب کی وضاحت یوں کی ہے کہ حضرت معاویہ کے کہنے کا مقصد یہ تھا کہ حضرت علی کے لشکر میں سے ان لوگوں نے حضرت عمار کو قتل کیا ہے، جنہوں نے اس سے پہلے حضرت عثمان کو شہید کیا تھا، تاکہ وہ یہ تاثر دیں کہ عمار کو معاویہ کی جماعت نے قتل کیا ہے، لہذا پہلا فئۃ باغیہ یعنی باغی جماعت درحقیقت وہ ہے، جس نے حضرت عثمان کو شہید کیا تھا اورانہی میں سے بعض افراد حضرت علی کے گروہ میں شامل ہوگئے، جنہوں نے حضرت عمار کو قتل کیا۔(۲)

حضرت معاویہ کا موقف

حضرت معاویہ کو حضرت علی سے اصل اختلاف حضرت عثمان کے قصاص کے مسئلہ میں تھا، حضرت معاویہ کا نظریہ اور موقف یہ تھا کہ حضرت عثمان بلاشبہ خلیفہ برحق تھے، انہیں بڑی بے دردی اور سفاکی سے شہید کیا گیا، اوراسلامی تاریخ میں خلیفہ کے ساتھ اس طرح کا یہ واقعہ پہلی مرتبہ پیش آیا ہے، اس کا ضرور سد باب ہونا چاہیے، اس لیے سب سے پہلے حضرت عثمان کے قاتلوں سے قصاص لیا جائے، اور جب تک ان سے قصاص نہیں لیا جاتا، تو اسوقت تک ہم حضرت علی کے ہاتھ پر اس لیے بیعت نہیں کریں گے کہ حضرت عثمان کے قاتلین میں سے بہت سے لوگ حضرت علی کے بہت قریبی ہیں، ان کے گروہ میں وہ اس طرح مقام حاصل کر چکے ہیں کہ ہر وقت ان کا اٹھنا بیٹھنا حضرت علی کے ساتھ ہے، لہذا حضرت علی کو چاہیے کہ سب سے پہلے وہ ان تمام افراد کو پکڑیں اورانہیں قصاص کے کٹہرے میں لائیں۔

---

(۱) الکنز المتواری فی صحیح البخاری ۱۶۶/۴، کتاب الصلاۃ، باب التعاون فی بناء المسجد، مرقاۃ ۱۸/۱۱، کتاب الفضائل والشمائل، باب فی المعجزات، حدیث نمبر: ۵۸۷۸

(۲) انعام الباری ۱۹۴/۳، کتاب الصلاۃ، باب التعاون فی بناء المسجد۔

حضرت علی کا موقف

حضرت علی کی رائے یہ تھی کہ پہلے خلافت قائم اور مضبوط ہو جائے، پھر قصاص لیا جائے گا، جب تک حکومت میں استحکام نہ ہو اور وہ فتنہ ختم نہ ہو، جو عہد عثمانی کے آخر میں شروع ہوا تھا، اس وقت تک قصاص لینا ممکن نہیں، حقیقت یہ ہے کہ حضرت علی کے سامنے مختلف مجبوریاں تھیں، ایک تو یہ تعیین نہیں تھی کہ حضرت عثمان کے اصلی قاتل کون ہیں؟ ادھر شام میں حضرت معاویہ کا اثر و رسوخ زیادہ تھا، طرح طرح کے فتنے رونما ہو رہے تھے، یوں حضرت علی کی حکومت کمزور تھی، اور حضرت عثمان کے قاتلین کی تعداد بھی زیادہ تھی، اور وہ انتہائی مضبوط تھے، اتفاق واتحاد کی فضا کے بغیر ان پر ہاتھ ڈالنا ظاہری حالات کے اعتبار سے ممکن نہیں تھا، ان حالات واسباب کی وجہ سے حضرت علی یہ فرماتے تھے کہ پہلے حکومت کو مضبوط کیا جائے، اس کے بعد پھر قصاص لیا جائے گا، مگر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کسی عذر کو قبول کرنے کے لیے تیار نہیں تھے، اور نہ وہ کسی مجبوری کو مانتے تھے، وہ فرماتے تھے کہ قصاص کا مسئلہ سب سے اہم ہے، اسے ہر صورت میں مقدم کیا جائے۔

علماء اہل سنت کا فیصلہ

یہ واضح رہے کہ علماء اہل سنت کے نزدیک حضرت علی کا نقطہ نظر صحیح اور درست تھا، کہ پہلے ایک مضبوط حکومت قائم ہو جائے، اس کے بعد پھر قاتلین عثمان سے نمٹا جائے گا، اور حضرت معاویہ کا یہ کہنا کہ "پہلے قصاص لو، اس کے بعد بیعت ہوگی" اصول کے خلاف ہے، جسے جمہور نے تسلیم نہیں کیا، تاہم اس موقف کی وجہ سے حضرت معاویہ پر سب وشتم کرنا اور انہیں ملامت کرنا شرعاً جائز نہیں، کیونکہ انہوں نے یہ نقطہ نظر اپنے اجتہاد کی وجہ سے قائم کیا تھا، اور اجتہاد اگرچہ غلطی پر ہو، اس کی وجہ سے صاحب اجتہاد کو برا بھلا نہیں کہا جا سکتا، بلکہ اسے اس خطاء اجتہادی پر بھی، اجر وثواب ملتا ہے۔(۱)

حضرت عمار سے متعلق پیشن گوئی کا دوسرا جملہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمار سے متعلق پیشن گوئی میں دو جملے ارشاد فرمائے تھے، ایک تو یہی ہے: تقتلک الفئة الباغية، جسے امام ترمذی نے یہاں ذکر کیا ہے، اور دوسرا جملہ یہ فرمایا: يدعوهم الى الجنة ويدعونه الى النار (عمار ان لوگوں کو جنت کی دعوت دیں گے اور وہ ان کو جہنم کی طرف بلائیں گے) یہ جملہ صحیح بخاری کی روایت میں ہے، جسے امام بخاری رحمہ اللہ نے کتاب الصلاۃ باب التعاون فی بناء المسجد میں ذکر کیا ہے۔

اس روایت پر یہ اشکال ہوتا ہے کہ حضرت عمار جنگ صفین میں حضرت علی کے ساتھ تھے، حضرت معاویہ کی جماعت میں

(۱) سیرت حضرت معاویہ (ص:۴۸) مولانا نافع صاحب ط: دار الکتاب، لاہور

سے کسی نے حضرت عمار کو قتل کیا تھا، اور حضرت معاویہ کے ساتھ بہت سے کبار صحابہ بھی تھے، اور صحابہ کے بارے میں ایک اور حدیث میں نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: الصحابة کلهم عدول، بایهم اقتدیتم اهتدیتم (صحابہ سارے کے سارے عادل ہیں، ان میں سے تم جس کی بھی پیروی کروگے، ہدایت پالوگے) ایسے میں پھر اس حدیث میں ان کو فئۃ باغیہ کہنا اور یدعونہ الی النار کہ وہ لوگ حضرت عمار کو جہنم کی طرف بلا رہے ہوں گے، کہنا کس طرح درست ہوگا، اور اس کے صحیح معنی کیا ہوں گے، تاکہ احادیث میں تعارض بھی ختم ہوجائے اور کوئی اشکال بھی باقی نہ رہے؟ اس اشکال کے تین جواب دیئے گئے ہیں:

۱۔ حضرت مولانا انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ اور بعض شارحین فرماتے ہیں کہ تقتله الفئة الباغية سے حضرت معاویہ کی جماعت ہی مراد ہے، اور یہ ان حضرات سے اجتہادی غلطی ہوئی ہے، اس میں وہ معذور ہیں، اور انشاء اللہ اس پر انہیں سزا نہیں بلکہ اجر و ثواب ملے گا، مگر حدیث کا دوسرا جملہ یدعوهم الی الجنة و یدعونه الی النار کا تعلق "فئة باغیة" سے نہیں ہے، بلکہ اس کا تعلق ان مشرکین سے ہے، جنہوں نے ابتداء اسلام میں حضرت عمار کو اسلام لانے اور اسلام کی طرف دعوت دینے پر طرح طرح کی اذیتیں پہنچائیں، اس موقع پر آپ ﷺ نے حضرت عمار کے بارے میں فرمایا کہ ان کی حالت قابل رحم ہے، کہ مستقبل میں ایک باغی جماعت ان کو قتل کرے گی اور دوسرا جملہ ان کی ماضی سے متعلق ارشاد فرمایا کہ ان کو ابتداء میں مشرکین مکہ نے بھی بہت ستایا، ان پر مصیبتوں کے پہاڑ ٹوٹتے رہے، ان کی والدہ حضرت سمیہ کو بھی شہید کردیا گیا، اس حالت میں بھی حضرت عمار مشرکین کو اسلام اور جنت کی دعوت دے رہے تھے، اور مشرکین ان کو باطل مذہب اور جہنم کی طرف بلا رہے تھے، فرماتے ہیں کہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے بعینہ اس طرح کی بات کافروں کے بارے میں فرمائی ہے:

اولئک یدعون الی النار واللہ یدعو الی الجنة والمغفرة، (یہ کافر لوگ جہنم کی طرف بلاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ جنت اور مغفرت کی طرف بلا رہا ہے) سورہ بقرہ آیت: ۲۲۱۔ اور فرمایا: یقوم مالی ادعوکم الی النجاة و تدعوننی الی النار، (اے میری قوم! مجھے کیا ہے کہ میں تمہیں نجات کی طرف بلاتا ہوں اور تم مجھے جہنم کی طرف بلا رہے ہو) (سورہ غافر آیت: ۴۰)

جس طرح ان آیات میں یہ انداز کفار سے متعلق ہے، اسی طرح حدیث کے اس دوسرے جزء یدعوهم الی الجنة و یدعونه الی النار کا تعلق بھی مشرکین مکہ سے ہے، صحابہ کرام اور فئۃ باغیہ سے اس کا تعلق نہیں۔ (۱)

۲۔ ابن بطال، مہلب اور علامہ کرمانی فرماتے ہیں کہ فئة باغیة اور یدعوهم الی الجنة .... سے حضرت معاویہ کی جماعت مراد نہیں، بلکہ اس سے خوارج مراد ہیں، حضرت علی نے حضرت عمار کو خوارج کی طرف بھیجا تھا، تاکہ وہ ان کو سیدھی راہ سمجھائیں، مگر انہوں نے حضرت عمار کی بات نہ مانی، حالانکہ وہ ان کو سیدھی راہ اور جنت کی طرف بلا رہے تھے، الٹا وہ حضرت عمار کو اپنے موقف کی طرف بلانے لگے، ان کا موقف چونکہ غلط تھا، اس لیے وہ حقیقت میں ان کو جہنم کی طرف بلا رہے تھے، لہذا خوارج

(۱) فیض الباری ۵۲/۲، کتاب الصلاة باب التعاون فی بناء المسجد

ہی باغی ہیں اور وہ دوزخ والے راستے کی دعوت دینے والے ہیں۔

لیکن یہ توجیہ اس لیے درست نہیں کہ خوارج جنگ صفین کے بعد پیدا ہوئے ہیں، اس جنگ کے نتیجہ میں جب تحکیم کا مسئلہ پیش آیا تو خوارج نے اس تحکیم کو یہ کہہ کر رد کر دیا کہ: ان الحکم الا للہ، اس وقت اس فتنہ کا ظہور ہوا، اس جنگ سے پہلے تو خوارج کا وجود ہی نہیں تھا، اس لیے فتنہ باغیہ اور یدعوھم الی الجنۃ..... سے خوارج مراد لینا درست نہیں۔

۳۔ حافظ ابن حجر اور بعض دوسرے شراح نے حدیث کے دوسرے جزء یدعوھم الی الجنۃ.... کے ثبوت میں تأمل کا اظہار کیا ہے، کیونکہ بخاری کے متعدد نسخوں میں یہ حدیث تقتلہ الفئۃ الباغیۃ پر ختم ہو جاتی ہے، اس کے بعد کا جملہ ان نسخوں میں موجود نہیں، مگر علامہ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ دوسرے طرق سے یہ ثابت ہے کہ یہ دوسرا اجزاء اصل حدیث کا حصہ ہے، مدرج نہیں۔

لہٰذا حدیث کا مطلب یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ برحق خلیفہ تھے، ایسے میں حضرت معاویہ اور ان کی جماعت پر لازم تھا کہ وہ حضرت علی کے ہاتھ پر بیعت کریں، مگر انہوں نے چونکہ بیعت نہیں کی، اس لیے وہ باغی قرار پائے، اور بغاوت کا انجام جہنم ہوتا ہے، اس لیے ان کو فئۃ باغیہ کہا گیا ہے، اور یہاں حدیث میں ''جنت'' سے حق اور ''نار'' سے باطل مراد ہے، معنیٰ یہ ہیں کہ حضرت عمار ان کو جنت کی طرف یعنی حق بات کی طرف بلا رہے تھے کہ تم لوگ امام عادل کے ہاتھ پر بیعت کر لو، ان کی بات مان لو، اور حضرت معاویہ کی جماعت ان کو نار کی طرف یعنی غلط راستے کی طرف بلا رہی تھی، اور حق کا تقاضا یہ ہے کہ وہ جنت تک لے جائے اور باطل کا تقاضا یہ ہے کہ وہ دوزخ تک لے جائے، لیکن حق کا جنت میں جانے کا سبب بننا اور باطل کا دوزخ میں جانے کا باعث ہونا، اس شرط کے ساتھ ہے کہ جب وہاں اور کوئی مانع نہ ہو۔

یہی وجہ ہے کہ ایک حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: من قال: لا الہ الا اللہ دخل الجنۃ، تو کلمہ طیبہ کا تقاضا یہ ہے کہ آدمی مرنے کے بعد جنت میں جائے، لیکن اس شرط کے ساتھ ہے کہ کوئی مانع نہ ہو، اور مانع اللہ کی حرام کردہ چیزوں سے اجتناب ہے، اگر معصیتوں کا ارتکاب ہو جائے تو لا الہ الا اللہ بھی انسان کو پہلی مرتبہ جنت میں داخل ہونے کا سبب نہیں بن سکتا، ایسے ہی ایک اور حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: الراشی والمرتشی کلاھما فی النار (رشوت دینے والا اور لینے والا دونوں ہی جہنم میں جائیں گے) اس حدیث سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ رشوت کے لین دین والے فوراً ہی جہنم میں جائیں گے، لیکن جہنم میں جانا اس وقت ہوگا، جب اس نے توبہ نہ کی ہو۔

اسی طرح زیر بحث مسئلہ میں امام عادل کے ہاتھ پر بیعت نہ کرنا ایک بغاوت ہے، اور خلیفہ راشد کی حمایت دعوت الی الجنۃ ہے اور ان کی حمایت کے خلاف کوشش دعوت الی النار اور بغاوت ہے، اور بغاوت ایک ایسا باطل عمل ہے، جو انسان کو جہنم تک لے جاتا ہے، جب کوئی مانع نہ ہو، اور یہاں اس کا مانع حضرت معاویہ اور ان کی جماعت کا اجتہاد ہے، وہ اپنے اجتہاد سے اس بات کو درست سمجھ رہے تھے کہ پہلے قاتلین عثمان سے قصاص لیا جائے، پھر بیعت کی جائے گی، اور حضرت عمار ان کو جنت کی طرف یعنی

امام کی طاعت کی طرف بلا رہے تھے، اور حضرت معاویہ اور ان کی جماعت میں شامل صحابہ وتابعین اپنے اجتہاد میں چونکہ مخلص تھے، گوکہ حقیقت میں ان کا اجتہاد خطا اور غلطی پر تھا، تب بھی ان کے لیے بغاوت کا حکم یعنی دوزخ میں جانے کا حکم ثابت نہیں ہوگا، کیونکہ مجتہد اگر اپنے اجتہاد سے صحیح بات تک پہنچ جائے، تو اس کے لیے دوگنا اجر ہوتا ہے اور اگر اس کا اجتہاد واقعات کی دنیا میں غلطی پر ہو، تو اسے اس پر ایک گنا اجر وثواب دیا جاتا ہے، اس لیے اللہ جل جلالہ کی ذات سے امید ہے کہ وہ انہیں اس پر ان شاء اللہ اجر وثواب عطا فرمائیں گے۔(۱)

اس تفصیل سے یہ بات واضح ہوگئی کہ روایت میں اگرچہ حضرت معاویہ اور ان کے ساتھیوں کے لیے بغاوت اور داعی الی النار کا لفظ بولا گیا ہے لیکن یہ بغاوت اور دعوت الی النار کا مضمون ان حضرات پر صرف صورۃً اور ظاہراً بولا گیا ہے، حقیقت میں ایسا نہیں ہے، اس لیے کسی انسان کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ ان حضرات کے لیے یہ الفاظ استعمال کرے، یہی وجہ ہے کہ جمہور علماء سنت میں سے کسی نے بھی ان حضرات کے لیے اس طرح کے الفاظ استعمال نہیں کیے۔

صحابہ کرام کے باہمی اختلافات اور منازعات سے متعلق جمہور علماء کا موقف

صحابہ کرام کے درمیان جو باہمی اختلافات اور لڑائیاں پیش آئی ہیں، اس بارے میں جمہور علماء کا موقف یہ ہے کہ ان اختلاف اور مشاجرات کی وجہ سے کسی بھی صحابی یا صحابہ کی کسی جماعت کو سب وشتم کرنا اور برا بھلا کہنا جائز نہیں، کیونکہ بالاتفاق تمام صحابہ کرام عادل ہیں، اور ان کی یہ عدالت صرف روایت حدیث تک ہی نہیں، بلکہ عام زندگی میں بھی وہ عادل ہیں، اس کے معنی یہ ہیں کہ اول تو ان سے گناہ کا صدور ہوا ہی نہیں اور اگر بعض صحابہ کرام سے لغزشیں اور گناہ سرزد ہوئے بھی ہیں تو انہیں ان گناہوں پر باقی نہیں رکھا گیا، جیسے حضرت ماعز رضی اللہ عنہ وغیرہ ہیں، وہ انبیاء کی طرح گناہوں سے معصوم نہیں تھے، لیکن گناہوں سے محفوظ تھے، اور جب کوئی گناہ ہوجاتا، تو فوراً توبہ کرلیتے، اس لیے ان کی زندگیاں مجموعی حیثیت سے عادل رہی ہیں اور اس میں تمام صحابہ کرام شامل ہیں، کسی کا اس میں استثناء نہیں، ایسے ہی حضرت علی اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہم کے درمیان جو جنگ صفین اور اختلافات رونما ہوئے، اس میں حضرت علی اگرچہ امام عادل اور حق پر تھے، اور حضرت معاویہ خطا پر تھے، لیکن اس کی وجہ سے حضرت معاویہ اور ان کی جماعت کو سب وشتم کرنا اور نازیبا الفاظ کا استعمال کرنا کسی کے لیے بھی درست نہیں، کیونکہ یہ ان کی اجتہادی لغزش اور غلطی تھی، اور اجتہادی خطا میں صاحب اجتہاد کو سب وشتم کرنا جائز نہیں ہوتا، بلکہ اس مجتہد کو اس خطاء اجتہادی پر بھی ایک گنا ثواب حاصل ہوتا ہے۔(۲)

---

(۱) فتح الباری ۱/۷۱۳، کتاب الصلاۃ، باب التعاون فی بناء المسجد، انعام الباری ۳/۱۹۵، فیض الباری ۲/۵۳

(۲) شرح الاکبر لملا علی قاری (ص:۷۱) شرح العقیدۃ الطحاویۃ ۱/۶۲۴، التقریب مع التدریب (ص:۴۰۰، تحت نوع:۳۹)، انعام الباری ۳/۱۹۱، روح المعانی ۱۳/۱۰۴۳، سورۃ الحجرات

بَابُ مَنَاقِبِ أَبِي ذَرٍّ الْغِفَارِيِّ رَضِيَ اللّٰہُ عَنْهُ

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کے فضائل

حضرت ابوذر غفاریؓ کے مختصر حالات زندگی

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کا نام جندب بن جنادہ ہے، قبیلہ غفار سے ان کا تعلق تھا، جو شام کے راستے میں آباد تھا، کہا جاتا ہے کہ ان کو خامس فی الاسلام یعنی پانچویں نمبر پر اسلام قبول کرنے کا شرف حاصل ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ مکرمہ میں جب اسلام کا اعلان فرمایا، حضرت ابوذر کو اپنے علاقے میں اس بات کا پتہ چلا تو انہوں نے صورتحال کا صحیح جائزہ لینے کے لیے اپنے بھائی انیس کو بھیجا، مگر ان کی رپورٹ سے انہیں تشفی نہ ہوئی پھر خود ہی رخت سفر باندھا اور حرم مکی میں تین دن گذارنے کے بعد اسلام قبول کرلیا، اور پھر بلند آواز سے اسلام کا اعلان فرمایا تو مسجد حرام میں بیٹھے مشرکین مکہ نے ان کو لہولہان کردیا، حضرت عباس نے بڑی مشکل سے ان کی جان بچائی۔

مسلم کی روایت میں ہے کہ یہ خود مکہ مکرمہ آئے تو حرم میں ذرا اونچی آواز سے پوچھا کہ صابی کون ہے، کیونکہ یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو پہچانتے نہیں تھے، اس پر کافروں نے انہیں بہت مارا پیٹا، جان بچانے کے لیے حضرت ابوذر غلاف کعبہ میں چھپ گئے، اسی طرح انہوں نے پندرہ دن گذارے، اس دوران وہ صرف آب زمزم پر ہی گذارا کرتے رہے، پھر اپنے علاقے میں چلے گئے، وہاں لوگوں کو اسلام کی دعوت دی تو سب نے اسلام قبول کرلیا۔

غزوہ خندق کے بعد مدینہ منورہ میں حاضر ہوئے، اسلامی خدمات میں مشغول رہے، زہد وتقوی اور دنیا سے بے زاری اور بے رغبتی میں بہت مشہور تھے، ضرورت سے زائد مال ودولت اور سونا چاندی رکھنے کو ناجائز سمجھتے تھے، اور اگر اس کے خلاف دیکھتے تو بڑی سختی سے پیش آتے، بلکہ روایات میں یہاں تک ہے کہ بڑے بڑے صحابہ کو بھی لاٹھی مار جاتے، مسئلہ کی رو سے اگر کوئی شخص جائز طریقے سے مال کمائے اور اس کی زکوٰۃ ادا کردے تو اس مال کا جمع کرنا جائز ہوتا ہے، لیکن حضرت ابوذر غفاری کا ایک مخصوص مزاج تھا، جس کی وجہ سے وہ یہ نظریہ رکھتے تھے، یہ ان کا ایک اجتہاد تھا۔

مدینہ منورہ سے ذرا فاصلے پر مقام "ربذہ" میں انہوں نے رہائش اختیار کررکھی تھی، چنانچہ عہد عثمانی میں ۳۱ھ میں یا اس کے بعد "ربذہ" میں ان کی وفات ہوئی، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے ان کی نماز جنازہ پڑھائی۔ (۱)

عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ عَمْرٍو، قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰہِ صَلَّى اللّٰہُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: مَا أَظَلَّتِ الْخَضْرَاءُ وَلَا أَقَلَّتِ الْغَبْرَاءُ أَصْدَقَ مِنْ أَبِي ذَرٍّ. (۲)

---

(۱) الاصابة ۷/۱۰۵، باب الکنی، حرف الذال

(۲) سنن ابن ماجة، المقدمة، رقم: ۱۵۶۔

حضرت عبداللہ بن عمرو کہتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ: نیلگوں آسمان نے کسی بھی ایسے شخص پر سایہ نہیں کیا اور غبار آلود زمین نے کسی بھی ایسے شخص کو نہیں اٹھایا، جو ابوذر سے زیادہ سچا ہو۔

عَنْ أَبِي ذَرٍّ، قَالَ: قَالَ لِي رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَا أَظَلَّتِ الْخَضْرَاءُ وَلَا أَقَلَّتِ الْغَبْرَاءُ مِنْ ذِي لَهْجَةٍ أَصْدَقَ وَلَا أَوْفَى مِنْ أَبِي ذَرٍّ شِبْهِ عِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ، فَقَالَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ كَالْحَاسِدِ يَا رَسُولَ اللهِ أَفَتَعْرِفُ ذَلِكَ لَهُ؟ قَالَ: نَعَمْ فَاعْرِفُوهُ.

وَقَدْ رَوَى بَعْضُهُمْ هَذَا الْحَدِيثَ فَقَالَ: "أَبُو ذَرٍّ يَمْشِي فِي الْأَرْضِ بِزُهْدِ عِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ.(۱)

حضرت ابوذر غفاری کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے فرمایا: آسمان نے سایہ نہیں کیا اور زمین نے نہیں اٹھایا کسی بھی ایسے بولنے والے کو، جو ابوذر سے زیادہ سچا ہو اور جو ان سے زیادہ اللہ کے وعدہ اور حق کو پورا کرنے والا ہو، وہ عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کے مشابہ ہیں، حضرت عمر بن خطاب نے رشک کرتے ہوئے کہا: یا رسول اللہ! کیا آپ واقعی ان کی یہ بات جانتے ہیں؟ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جی ہاں (میں تم لوگوں سے زیادہ ان کی یہ بات جانتا ہوں) لہذا تم لوگ بھی اس کو جان لو۔

اور بعض حضرات نے اس حدیث کو اس طرح روایت کیا کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ابوذر زمین پر عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کے زہد کے ساتھ چلتے ہیں (یعنی ابوذر کا زہد عیسیٰ بن مریم کے زہد کی طرح ہے)۔

مشکل الفاظ کے معنی: ما أظلت: سایہ نہیں کیا، سایہ فگن نہیں ہوا، الخضراء: آسمان، نیلگوں آسماں، ما أقلت: نہیں اٹھایا، الغبراء: زمین، غبار آلود زمین، ذی لهجة: بولنے والے، بات کرنے والے، اوفی: کلام کے حق یا اللہ کے وعدہ اور حق کو زیادہ پورا کرنے والے، شبه عيسى: یہ ابی ذر سے بدل ہے: حضرت عیسیٰ کے مشابہ، کالحاسد: رشک کرنے والے کی طرح، أفتعرف ذلک له؟ یہ لفظ تین طرح سے منقول ہے: (۱) باب تفعیل سے واحد حاضر کا صیغہ ہو، اس صورت میں اس کا ترجمہ یہ ہوگا: کیا واقعی ابوذر کی یہ فضیلت آپ متعارف کراتے ہیں، آپ جانتے ہیں۔ (۲) مجرد سے واحد حاضر کا صیغہ ہو: کیا آپ ان کی یہ فضیلت جانتے ہیں۔ (۳) مجرد سے متکلم کا صیغہ ہو: ترجمہ: کیا ہم ابوذر کی اس فضیلت کو جان لیں۔(۲)

ابوذر جیسا سچا آدمی آسمان وزمین نے نہیں دیکھا

مذکورہ احادیث میں نبی کریم ﷺ نے حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کی فضیلت بیان فرمائی ہے، جس کی تفصیل یہ ہے:

---

(۱) المستدرک للحاکم ۳۴۲/۳۔

(۲) الکوکب الدری ۴۳۱/۴

۱۔ نبی کریم ﷺ نے بڑی تاکید اور مبالغہ کے ساتھ ان کی سچائی کی صفت کو بیان فرمایا ہے کہ آسمان نے کسی ایسے شخص پر سایہ نہیں کیا، جو ابوذر سے زیادہ سچا ہو، اور نہ ہی زمین نے اپنے اوپر کسی ایسے بندے کو اٹھایا، جو ان سے زیادہ سچا ہو، بات بالکل صاف انداز سے کرتے تھے، اس میں کوئی مصلحت کا پہلو یا توریہ یا کسی کا کوئی لحاظ نہیں ہوتا تھا، وہ بہت ہی راست گو اور سچے تھے، لیکن اس کے یہ معنیٰ نہیں کہ وہ انبیاء علیہم السلام اور حضرت صدیق اکبر سے بھی زیادہ سچے تھے، کیونکہ نبی کریم ﷺ اور تمام انبیاء سے بڑھ کر کسی بھی لحاظ سے کوئی شخص سچا نہیں ہو سکتا، اور حضرت صدیق اکبر چونکہ بالاجماع اس امت کے صدیق تھے، اس لیے حضرت ابوذر ان سے زیادہ سچے نہیں تھے۔

۲۔ "ولا اوفی من ابی ذر" یہ مزید وضاحت کے لیے فرمایا، اس سے کیا مراد ہے، اس بارے میں دو قول ہیں:

❁ حضرت ابوذر غفاری، اللہ جل شانہ اور اس کے رسول ﷺ کے حقوق اور وعدے سب سے زیادہ کامل طریقے سے پورا کرنے والے تھے۔

❁ کلام اور بات چیت کے حق کو بہت زیادہ پورا کرتے ہیں، اس کے کسی پہلو کو نہیں چھوڑتے، حق بات بڑے واشگاف الفاظ میں ہر ایک کے سامنے کر دیتے تھے، اس میں انہیں کوئی ہچکچاہٹ یا کسی کا لحاظ نہیں ہوتا تھا، خواہ وہ بات کتنی ہی سخت اور کڑوی ہوتی تو بھی واضح انداز سے کر دیتے تھے۔

۳۔ ان کے مزاج میں تواضع، عاجزی اور انکساری تھی، دنیا سے بے رغبتی، اور زہد و تقویٰ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مشابہ تھے، وہ زاہدانہ اور فقیرانہ زندگی گذارتے تھے، مال و دولت کو جمع کرنا ان کے نزدیک جائز نہیں تھا، اگرچہ انسان اس کی زکوۃ بھی نکال رہا ہو، مسند احمد میں روایت ہے کہ ایک مرتبہ حضرت ابوذر غفاری حضرت عثمان کے ہاں تشریف لائے، اس میں حضرت عثمان نے حضرت کعب سے پوچھا کہ عبدالرحمن بن عوف کی وفات ہو چکی ہے، ترکہ میں انہوں نے بہت مال چھوڑا ہے، آپ کا اس بارے میں کیا خیال ہے؟ حضرت کعب نے فرمایا کہ اگر وہ اس مال کا حق یعنی زکوۃ اور واجب صدقات نکالتے رہے تو پھر اس میں کوئی حرج نہیں، وہ ان کے لیے نقصان دہ نہیں، اس پر حضرت ابوذر نے اپنی لاٹھی حضرت کعب کو ماری اور فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ احد پہاڑ اگر میرے لیے سونا بن جائے اور میں اسے اللہ کی راہ میں صدقہ کر دوں اور میرا وہ صدقہ قبول بھی کر لیا جائے، تب بھی میں یہ پسند نہیں کرتا کہ میں اپنے پاس چھ اشرفیاں بھی باقی رکھوں، حضرت ابوذر نے حضرت عثمان سے پوچھا کہ کیا آپ نے یہ حدیث نبی کریم ﷺ سے سنی ہے؟ حضرت عثمان نے فرمایا: جی ہاں، میں نے یہ روایت سنی ہے۔

اسی زاہدانہ صفت اور تواضع میں آپ ﷺ نے انہیں حضرت عیسیٰ کے مشابہ قرار دیا ہے، چنانچہ "استیعاب" میں روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: "جسے یہ اچھا لگتا ہے کہ وہ حضرت عیسیٰ کی تواضع دیکھے تو اسے چاہیے کہ وہ ابوذر کو دیکھ لے" ترمذی کی روایت میں حضرت عیسیٰ کے زہد کی بات بیان کی گئی ہے، تو دونوں باتوں میں کوئی تعارض نہیں کیونکہ جو شخص زاہد ہو تو وہ ضرور متواضع اور عاجز صفت بھی ہوتا ہے بلکہ زہد ہی تواضع کو کھینچ کر لاتا ہے، اس لیے یہ کہنا درست ہے کہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ

زہد اور تواضع دونوں میں حضرت عیسیٰ کی طرح تھے۔

۴۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جب حضرت ابوذر غفاری کی فضیلت سنی تو رشک کرتے ہوئے حضور ﷺ سے پوچھا کہ کیا واقعی آپ ان کی یہ صفت جانتے ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا کہ ہاں ایسا ہی ہے، تم بھی اس بات کو جان لو۔

اس سے معلوم ہوا کہ ایک شخص اگرچہ مقام و مرتبہ کے لحاظ سے بلند مقام پر ہو، اگر وہ اپنے علاوہ کسی اور شخص میں کوئی اعلیٰ صفت اور اچھی خوبی دیکھے تو اس پر رشک اور غبطہ کرنا اس کے لیے درست ہے۔(۱)

بَابُ مَنَاقِبِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ سَلَامٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ

حضرت عبداللہ بن سلام کے فضائل

حضرت عبداللہ بن سلام کا نام ''حصین'' تھا، آپ ﷺ نے ان کا نام تبدیل کر کے ''عبداللہ'' رکھا، ان کا سلسلہ نسب حضرت یوسف علیہ السلام سے تھا، یہ ایک یہودی عالم تھے، تورات کے علوم پر انہیں بڑا عبور حاصل تھا، اس آسمانی کتاب میں نبی کریم ﷺ سے متعلق جتنی پیشن گوئیاں اور ہدایات تھیں، ان کو اچھی طرح جانتے اور سمجھتے تھے، اس لیے انہیں نبی کریم ﷺ کی نبوت کا شدت سے انتظار تھا، اور آپ سے ملاقات کے بہت خواہش مند تھے، نبی کریم ﷺ جب ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لائے تو وہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے، علامات نبوت کا جائزہ لیا، چند باتیں پوچھیں، انہیں یقین ہو گیا کہ واقعی آپ ﷺ سچے نبی ہیں، اسی وقت آپ ﷺ پر ایمان لے آئے، اور صحابہ کی جماعت میں شامل ہو گئے، پھر آپ کے ساتھ مختلف جنگوں اور معرکوں میں شامل ہوتے رہے، آپ نے حضرت عبداللہ بن سلام کو بھی جنت کی بشارت دی تھی، اگرچہ یہ عشرہ مبشرہ میں سے نہیں تھے۔

طبری کہتے ہیں کہ بالاتفاق ان کی وفات مدینہ منورہ میں ۴۳ھ میں ہوئی۔(۲)

عَنِ ابْنِ أَخِي عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ سَلَامٍ، قَالَ: لَمَّا أُرِيدَ عُثْمَانُ جَاءَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ سَلَامٍ، فَقَالَ لَهُ عُثْمَانُ: مَا جَاءَ بِكَ؟ قَالَ: جِئْتُ فِي نُصْرَتِكَ، قَالَ: اخْرُجْ إِلَى النَّاسِ فَاطْرُدْهُمْ عَنِّي فَإِنَّكَ خَارِجٌ خَيْرٌ لِي مِنْكَ دَاخِلٌ، فَخَرَجَ عَبْدُ اللّٰهِ إِلَى النَّاسِ فَقَالَ: أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّهُ كَانَ اسْمِي فِي الجَاهِلِيَّةِ فُلَانٌ فَسَمَّانِي رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَبْدَ اللّٰهِ وَنَزَلَتْ فِيَّ: {وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِنْ بَنِي إِسْرَائِيلَ عَلَى مِثْلِهِ فَآمَنَ وَاسْتَكْبَرْتُمْ إِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ} [الأحقاف: 10] وَنَزَلَتْ فِيَّ {قُلْ كَفَى بِاللّٰهِ شَهِيدًا بَيْنِي وَبَيْنَكُمْ وَمَنْ عِنْدَهُ عِلْمُ الكِتَابِ}

---

(۱) مرقاۃ المفاتیح ۱۱/۳۷۶، کتاب المناقب باب جامع للمناقب، حدیث نمبر: ۶۲۳۹

(۲) الاصابۃ ۴/۱۰۲، حرف العین

[الرعد: 43] إِنَّ لِلَّهِ سَيْفًا مَغْمُودًا عَنكُمْ وَإِنَّ المَلَائِكَةَ قَدْ جَاوَرَتْكُمْ فِي بَلَدِكُمْ هَذَا الَّذِي نَزَلَ فِيهِ نَبِيُّكُمْ، فَاللهَ اللهَ فِي هَذَا الرَّجُلِ أَنْ تَقْتُلُوهُ، فَوَاللهِ إِنْ قَتَلْتُمُوهُ لَتَطْرُدُنَّ جِيرَانَكُمُ المَلَائِكَةَ، وَلَتَسُلُّنَّ سَيْفَ اللهِ المَغْمُودَ عَنكُمْ فَلَا يُغْمَدُ إِلَى يَوْمِ القِيَامَةِ، قَالَ: فَقَالُوا: اقْتُلُوا اليَهُودِيَّ وَاقْتُلُوا عُثْمَانَ(۱)۔

حضرت عبداللہ بن سلام کے بھتیجے فرماتے ہیں کہ جب (فتنہ پرداز لوگوں کی طرف سے) حضرت عثمان کو قتل کرنے کا ارادہ کیا گیا تو عبداللہ بن سلام حضرت عثمان کے پاس آئے، حضرت عثمان نے ان سے فرمایا کہ کیسے آنا ہوا؟ عبداللہ نے کہا: میں آپ کی مدد کے لئے آیا ہوں، حضرت عثمان نے انہیں حکم دیا کہ آپ باہر لوگوں کے پاس جائیں اور ان کو مجھ سے دور کر دیں، کیونکہ آپ کا باہر رہنا میرے لئے اندر رہنے سے زیادہ بہتر ہے، چنانچہ عبداللہ بن سلام باہر لوگوں کی طرف نکل گئے اور ان سے فرمایا: اے لوگوں میرا زمانہ جاہلیت میں یہ نام تھا (یعنی حصین) پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے میرا نام عبداللہ رکھا، اور قرآن مجید کی کئی آیات میرے بارے میں نازل ہوئیں، میرے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی: "و شھد شاھد من بنی اسرائیل ....." (بنی اسرائیل میں سے ایک گواہی دینے والے (یعنی عبداللہ بن سلام) نے اسی کے مثل گواہی دی، اور ایمان لے آیا اور تم لوگوں نے تکبر کیا، بے شک اللہ تعالیٰ ظالموں کو ہدایت نہیں دیتا) اور میرے بارے میں یہ آیت بھی نازل ہوئی: "قل کفی باللہ ....." (اللہ ہی میرے اور تمہارے درمیان گواہی کے لئے کافی ہے اور وہ شخص (یعنی عبداللہ بن سلام) بھی جس کے پاس کتاب کا علم ہے،) اور (جان لو کہ) اللہ کی ایک تلوار ہے جو تم سے (ابھی تک) پوشیدہ ہے، اور فرشتے تمہارے پڑوس میں رہتے ہیں، اس شہر میں جس میں تمہارے نبی اترے ہیں، لہذا تم لوگ اس شخص یعنی حضرت عثمان کو قتل کرنے کے بارے میں اللہ سے ڈرو، اللہ کی قسم اگر تم لوگوں نے اسے قتل کر دیا تو ضرور تم لوگ اپنے پڑوسیوں کو یعنی فرشتوں کو دور کر دو گے، اور اللہ کی اس تلوار کو نیام سے نکالو گے جو تم سے چھپی ہوئی ہے، پھر اسے قیامت تک دوبارہ نیام میں نہیں ڈالا جائے گا، راوی کہتے ہیں کہ اس پر وہ لوگ کہنے لگے کہ اس یہودی یعنی عبداللہ بن سلام اور حضرت عثمان دونوں کو ہی قتل کر دو۔

حضرت عبداللہ بن سلام کا حضرت عثمان کے حق میں بلوائیوں سے خطاب

امام ترمذی نے اس باب میں جو روایت ذکر کی ہے، یہ سورہ احقاف کی تفسیر کے تحت پہلے گذر چکی ہے، لہذا اس سے متعلق ضروری اور اہم تفصیل معارف ترمذی جلد سوم باب و من سورۃ الاحقاف میں دیکھ لی جائے۔

عَنْ يَزِيدَ بْنِ عُمَيْرَةَ، قَالَ: لَمَّا حَضَرَ مُعَاذَ بْنَ جَبَلٍ المَوْتُ قِيلَ لَهُ: يَا أَبَا عَبْدِ الرَّحْمَنِ، أَوْصِنَا، قَالَ: أَجْلِسُونِي، فَقَالَ: إِنَّ العِلْمَ وَالإِيمَانَ مَكَانَهُمَا، مَنِ ابْتَغَاهُمَا وَجَدَهُمَا، يَقُولُ ذَلِكَ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ،

(۱) سنن ابن ماجة، كتاب الأدب، باب تغيير الأسماء

وَالْتَمِسُوا الْعِلْمَ عِنْدَ أَرْبَعَةِ رَهْطٍ، عِنْدَ عُوَيْمِرٍ أَبِي الدَّرْدَاءِ، وَعِنْدَ سَلْمَانَ الْفَارِسِيِّ، وَعِنْدَ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُودٍ، وَعِنْدَ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ سَلَامٍ، الَّذِي كَانَ يَهُودِيًّا فَأَسْلَمَ، فَإِنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: إِنَّهُ عَاشِرُ عَشَرَةٍ فِي الْجَنَّةِ.(۱)

حضرت یزید بن عمیرۃ کہتے ہیں کہ جب حضرت معاذ بن جبل کی موت کا وقت قریب آیا تو ان سے درخواست کی گئی کہ اے ابوعبدالرحمن (یہ حضرت معاذ کی کنیت ہے) ہمیں کوئی وصیت کر دیجیے؟ حضرت معاذ نے فرمایا: مجھے بٹھاؤ، پھر فرمایا: علم اور ایمان یقیناً اپنی جگہ موجود ہیں، جو انہیں تلاش کرے گا وہ ضرور انہیں پالے گا، تین مرتبہ یہی فرمانے کے بعد فرمایا: اور علم چار شخصوں کے پاس تلاش کرو، (۱) عویمر کے پاس، جن کی کنیت ابوالدرداء ہے (۲) سلمان فارسی کے پاس، (۳) عبداللہ بن مسعود کے پاس (۴) اور عبداللہ بن سلام کے پاس، جو پہلے یہودی تھے، پھر انہوں نے اسلام قبول کر لیا، میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے متعلق فرماتے ہوئے سنا کہ وہ ان دس شخصوں میں سے دسویں شخص کی طرح ہیں، جن کو جنت کی خوشخبری دی گئی ہے۔

مشکل الفاظ کے معنی: لما حضر الموت: جب حضرت معاذ بن جبل کی موت کا وقت قریب آیا، اجلسونی: (باب افعال سے صیغہ امر جمع) مجھے بٹھاؤ، من ابتغاھما: جو شخص ایمان اور علم کو تلاش کرے گا، التمسوا: تلاش کرو، حاصل کرو، رھط: چند مرد، جو دس سے کم ہوں۔

حضرت عبداللہ بن سلام کو بھی جنت کی بشارت دی گئی

حضرت معاذ بن جبل کی موت کا وقت قریب آیا تو لوگوں کی درخواست پر انہوں نے وصیت کی، جس میں انہوں نے دو باتیں بتلائی ہیں:

۱۔ علم اور ایمان دونوں موجود ہیں، وہ ختم نہیں ہوئے، یا یہ کہ وہ دونوں مدینہ منورہ میں ہی موجود ہیں، لہٰذا ان کو حاصل کرو، علم سے علم کتاب اور علم سنت مراد ہے، اور فرمایا کہ چار افراد اس قابل ہیں کہ ان سے یہ علم حاصل کیا جا سکتا ہے: ایک حضرت عویمر ابوالدرداء، دوسرے حضرت سلمان فارسی تیسرے حضرت عبداللہ بن مسعود اور چوتھے حضرت عبداللہ بن سلام ہیں۔(۲)

۲۔ حضرت عبداللہ بن سلام پہلے یہودی تھے پھر انہوں نے اسلام قبول کر لیا تھا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے متعلق ارشاد فرمایا: انه عاشر عشرة فی الجنة، اس جملے سے کیا مراد ہے؟ شارحین نے اس کے مختلف مطلب بیان کئے ہیں:

❁ ''عبداللہ بن سلام جنتی دس شخصوں میں سے دسویں ہیں اور اس جملے سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ عبداللہ بن سلام عشرہ

---

(۱) مسند احمد ۲۴۲/۵۔

(۲) الکوکب الدری ۴۳۱/۴

مبشرہ میں شامل ہیں، حالانکہ ایسا نہیں ہے یعنی یہ ان دس صحابہ میں شامل نہیں، جن کو جنت کی بشارت ایک ساتھ دی گئی، جن کو ''عشرہ مبشرہ'' کہا جاتا ہے اگر چہ ان کو بھی آپ ﷺ نے جنت کی بشارت دے دی تھی، اس لیے عاشر عشرۃ فی الجنۃ کے صحیح معنی اور مفہوم یہ ہے کہ عبداللہ بن سلام ان دس صحابہ میں سے دسویں صحابی کی طرح ہیں، جن کو جنت کی بشارت دی گئی ہے، جیسے یوں کہا جاتا ہے کہ امام ابو یوسف تو امام ابو حنیفہ ہیں، معنی یہ ہوتے ہیں کہ حضرت امام ابو یوسف فضل وکمال اور شرف وعلم میں امام ابو حنیفہ کی مانند ہیں اور ان کی طرح ہیں، اسی طرح حدیث کے اس جملے میں بھی ''مثل'' کے معنی مراد ہیں۔

۞ بعض نے یہ مطلب ذکر کیا ہے کہ عبداللہ بن سلام صحابہ میں دسویں نمبر پر جنت میں داخل ہوں گے، مگر ملا علی قاری فرماتے ہیں کہ یہ مفہوم مراد لینا درست نہیں، کیونکہ اس سے تو یہ لازم آتا ہے کہ عشرہ مبشرہ میں سے بعض سے پہلے، عبداللہ بن سلام جنت میں داخل ہو جائیں گے، جبکہ ان دس کا پہلے داخل ہونا طے شدہ ہے۔

۞ عبداللہ بن سلام ان صحابہ میں دسویں نمبر پر ہیں، جو پہلے یہودی تھے اور پھر اسلام لائے۔

۞ یا یہ مراد ہے کہ عشرہ مبشرہ کے بعد جو پہلے دس صحابہ جنت میں داخل ہوں گے، ان میں دسویں شخص عبداللہ بن سلام ہوں گے، اس ترتیب سے عبداللہ بن سلام گویا انیسویں نمبر پر جنت میں داخل ہوں گے۔ (۱)

حضرت عویمر ابو الدرداء رضی اللہ عنہ

حضرت عویمر کا اصل نام کیا ہے؟ بعض کہتے ہیں کہ ان کا اصل نام عامر ہے اور عویمر ان کا لقب ہے، جبکہ بعض کی رائے یہ ہے کہ عویمر ہی ان کا نام ہے، جو عامر کی تصغیر ہے اور ابو الدرداء ان کی کنیت ہے، درداء ان کی بیٹی کا نام ہے، اسی سے ان کی کنیت ابو الدرداء مشہور ہو گئی، اسی طرح ان کے والد کے نام کے بارے میں مختلف اقوال ہیں: عامر یا مالک، ثعلبہ، عبداللہ یا زید بن قیس انصاری خزرجی، بدر کے دن انہوں نے اسلام قبول کیا، پھر غزوہ احد اور دیگر غزوات میں شریک رہے، علم وفقہ اور حکمت وبصیرت میں بہت مشہور تھے، آخرت کی تیاری میں بہت منہمک رہتے تھے، جو کچھ ان کے پاس مال آتا، اسے صدقہ کر دیتے تاکہ آخرت کے حساب میں آسانی ہو۔

اسلام سے پہلے بہت بڑے تاجر تھے، لیکن بعد میں تجارت کو چھوڑ کر، زیادہ وقت اللہ کی عبادت میں گذارتے تھے، زاہدانہ طرز زندگی میں مشہور تھے، عہد فاروقی میں حضرت معاویہ نے ان کو دمشق کا قاضی مقرر کیا تھا، بہت بڑے عالم اور فقیہ تھے، اسی وجہ سے حضرت معاذ بن جبل نے لوگوں کو وصیت کی کہ ان سے بھی علم حاصل کرو، بعد میں انہوں نے شام میں ہی رہائش اختیار کر لی تھی، ۳۲ھ میں دمشق میں ان کا انتقال ہوا۔ (۲)

---

(۱) مرقاۃ المفاتیح ۱۱/۳۷۷، رقم الحدیث: ۶۲۴۰۔

(۲) الاصابۃ ۴/۶۲۱، حرف العین، مرقاۃ المفاتیح ۱۱/۳۷۷، رقم: ۶۲۴۰

بَابُ مَنَاقِبِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ

حضرت عبداللہ بن مسعود کے فضائل

آپ کا نام عبداللہ بن مسعود بن غافل ہے، کنیت ابوعبدالرحمن ہے، ان کی والدہ "ام عبد" نے بھی اسلام قبول کرلیا تھا، وہ بھی صحابیات میں شامل ہیں، ان کے والد کا زمانہ جاہلیت میں ہی انتقال ہوگیا تھا، ابن حبان سے روایت ہے کہ عبداللہ بن مسعود سادس فی الاسلام ہیں یعنی چھٹے نمبر پر انہوں نے اسلام قبول کیا تھا، حضرت عمر سے پہلے اور نبی کریم ﷺ کے دارارقم میں جانے سے پہلے ہی مشرف باسلام ہوگئے تھے، انہوں نے پہلے حبشہ اور پھر مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کی تھی، بدر واحد اور دیگر تمام معرکوں میں شریک ہوتے رہے، علم وفقہ، عقل وشعور اور فہم وبصیرت کے لحاظ سے خلفاء اربعہ کے بعد تمام صحابہ میں ممتاز تھے، نبی کریم ﷺ کے خادم خاص تھے، خود فرماتے تھے کہ میں نے نبی کریم ﷺ سے براہ راست قرآن مجید کی ستر سورتیں سیکھی ہیں۔

حضرت عمر فاروق نے اپنے زمانہ خلافت میں ان کو کوفہ کا قاضی اور بیت المال کا نگران مقرر کیا تھا، چنانچہ خلافت عثمانی کے ابتدائی دور تک اسی منصب پر وہ فائز رہے، پھر حضرت عثمان نے ان کو واپس بلالیا تھا، بقیہ زندگی مدینہ منورہ میں ہی گذاری، صحابہ کرام اور تابعین کی ایک بڑی تعداد نے ان سے احادیث روایت کی ہیں، ان کے شاگردوں کا حلقہ بڑا وسیع تھا، بالآخر عہد عثمانی میں ہی مدینہ میں ۳۲ھ میں وفات پاگئے۔(۱)

عَنْ ابْنِ مَسْعُودٍ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: اقْتَدُوا بِاللَّذَيْنِ مِنْ بَعْدِي مِنْ أَصْحَابِي أَبِي بَكْرٍ وَعُمَرَ، وَاهْتَدُوا بِهَدْيِ عَمَّارٍ، وَتَمَسَّكُوا بِعَهْدِ ابْنِ مَسْعُودٍ.(۲)

حضرت عبداللہ بن مسعود فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: میرے بعد میرے صحابہ میں سے ان دو یعنی ابوبکر وعمر کی پیروی کرنا، اور عمار کی سیرت اور نقش قدم کے ذریعہ سیدھی راہ پر چلنا، اور عبداللہ بن مسعود کے عہد اور وصیت کو مضبوطی سے تھامنا۔

عبداللہ بن مسعود کے عہد اور وصیت کو مضبوطی سے تھامنے کا حکم

وتمسکوا بعہد ابن مسعود میں عہد سے قول اور وصیت مراد ہے، مطلب یہ ہے کہ عبداللہ بن مسعود تم سے دینی احکام ومسائل میں جو بات کہیں، جو وعظ ونصیحت اور وصیت کریں، اسے پلے باندھ لینا، اور اس پر پوری طرح عمل کرنا، اسی وجہ سے

---

(۱) الاصابة فی تمییز الصحابة ۱۹۸/۴، حرف العین

(۲) المستدرک للحاکم ۷۶/۳۔

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ خلفاء اربعہ کے بعد استنباط مسائل میں حضرت عبداللہ بن مسعود کے قول اور روایت کو بہت اہمیت دیتے ہیں اور اسے بنیاد بناتے ہیں۔

علامہ تورپشتی نے ''عہد'' کے تقریباً یہی معنی بیان کئے ہیں، لیکن انہوں نے بہتر یہ قرار دیا ہے کہ اس ''عہد'' سے خلافت کے بارے میں عبداللہ بن مسعود کی رائے، وصیت اور فیصلہ مراد لیا جائے، گویا اس حدیث میں اس طرف اشارہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کے بعد خلیفہ کی نامزدگی سے متعلق عبداللہ بن مسعود جو رائے اور فیصلہ دیں گے وہ درست ہوگا، چنانچہ اس موقع پر سب سے پہلے عبداللہ بن مسعود نے حضرت ابوبکر صدیق کی خلافت کی گواہی دی، اور دیگر صحابہ کو بھی یہی مشورہ دیا، اور دلیل میں وہ یہ فرماتے تھے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زندگی میں ہماری نماز کی امامت کے لیے، صدیق اکبر کو ہمارے آگے کیا، لہذا یہ نہیں ہو سکتا کہ جس شخص کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارا دینی امام بنایا ہو، اسے ہم اپنی دنیاوی قیادت اور خلافت کے لیے نامزد نہ کریں۔

حدیث کے ظاہری اسلوب اور انداز سے بھی ''عہد'' سے امر خلافت کے معنی مراد لینے کی تائید ہوتی ہے، کیونکہ حدیث کی ابتداء میں ہے: اِقْتَدُوْا بِالَّذِيْنَ مِنْ بَعْدِيْ اَبِيْ بَكْرٍ وَعُمَرَ، اور آخر میں ہے: وَتَمَسَّكُوْا بِعَهْدِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ، روایت کے شروع میں شیخین کی اقتداء کا حکم ہے، اور آخر میں ہے کہ عبداللہ بن مسعود خلافت سے متعلق تم سے جو بات کہیں، اسے مضبوطی سے تھامنا، لیکن اگر حضرت حذیفہ کی روایت کو دیکھا جائے، جس میں یہ الفاظ ہیں: وَمَا حَدَّثَكُمْ ابْنُ مَسْعُوْدٍ فَصَدِّقُوْهُ (ابن مسعود تم سے جو بات بیان کریں، اس کی تم لوگ تصدیق کرنا، اسے مان لینا) اس سے اس بات کی تائید ہوتی ہے کہ ''عہد'' سے قول اور وصیت مراد ہے۔(۱)

حضرت حذیفہ کی روایت مناقب عمار بن یاسر میں گذر چکی ہے، اس کی تفصیل اس عنوان کے تحت دیکھ لیں: حضرت عمار کے نقش قدم پر چلنے کا حکم''۔

عَنِ الْأَسْوَدِ بْنِ يَزِيْدَ، أَنَّهُ سَمِعَ أَبَا مُوسَى، يَقُولُ: لَقَدْ قَدِمْتُ أَنَا وَأَخِي مِنَ الْيَمَنِ، وَمَا نُرَى حِيْنًا إِلَّا أَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ مَسْعُودٍ رَجُلٌ مِنْ أَهْلِ بَيْتِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، لِمَا نُرَى مِنْ دُخُولِهِ وَدُخُولِ أُمِّهِ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.(۲)

حضرت ابوالاسود بن یزید کہتے ہیں کہ میں نے ابوموسیٰ اشعری کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ میں اور میرے بھائی یمن سے آئے تو ہم ایک عرصہ تک یہی سمجھتے رہے کہ عبداللہ بن مسعود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر کے افراد میں سے ہیں، کیونکہ وہ اور ان کی والدہ کثرت سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا جایا کرتے تھے۔

مشکل الفاظ کے معنی: مانری: (نون پر پیش اور را پر زبر) ہم نہیں گمان کرتے تھے، ہم نہیں سمجھتے تھے، حینا: ایک عرصہ تک۔

---

(۱) مرقاۃ المفاتیح ۳۷۱/۱۱، رقم الحدیث: ۶۲۳۰

(۲) الصحیح للبخاری، فضائل الصحابۃ، باب مناقب عبداللہ بن مسعود، رقم: ۳۷۶۳۔

حضرت عبداللہ بن مسعود سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا گھر جیسا تعلق تھا

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو جب پتہ چلا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لا چکے ہیں، تو یمن سے کشتی پر سوار ہوئے مگر وہ کشتی ادھر آنے کے بجائے حبشہ پہنچ گئی، وہاں حضرت جعفر بن ابی طالب کے ساتھ رہے، پھر وہ غزوہ خیبر کے موقع پر سات ہجری میں مدینہ منورہ حاضر خدمت ہوئے، مذکورہ حدیث میں حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں اور میرا بھائی یمن سے مدینہ منورہ آئے تو ایک زمانے تک یہ سمجھتے رہے کہ عبداللہ بن مسعود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت میں سے ہیں، کیونکہ عبداللہ بن مسعود اور ان کی والدہ بکثرت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں آیا جایا کرتے تھے، اس سے حضرت عبداللہ بن مسعود کی فضیلت اور آپ کا خصوصی قرب ثابت ہوتا ہے، اس قدر قرب گویا کہ وہ اہل بیت کے افراد میں سے ہیں۔(۱)

ابوموسیٰ اشعری، جن کا نام عبداللہ بن قیس بن سلیم ہے، ان کے تین بھائی تھے: ایک ابورہم، دوم ابوبردہ اور سوم محمد، مگر ان میں زیادہ مشہور ابوبردہ ہیں، جن کا نام عامر ہے، بظاہر یہاں حدیث میں "اخی" سے ابوبردہ ہی مراد ہیں۔(۲)

عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ يَزِيدَ، قَالَ: أَتَيْنَا عَلَى حُذَيْفَةَ، فَقُلْنَا: حَدِّثْنَا بِأَقْرَبِ النَّاسِ مِنْ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَدْيًا، وَدَلًّا، فَنَأْخُذَ عَنْهُ، وَنَسْمَعَ مِنْهُ؟ قَالَ: كَانَ أَقْرَبُ النَّاسِ هَدْيًا، وَدَلًّا، وَسَمْتًا بِرَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ابْنُ مَسْعُودٍ، حَتَّى يَتَوَارَى مِنَّا فِي بَيْتِهِ، وَلَقَدْ عَلِمَ الْمَحْفُوظُونَ مِنْ أَصْحَابِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّ ابْنَ أُمِّ عَبْدٍ هُوَ مِنْ أَقْرَبِهِمْ إِلَى اللّٰهِ زُلْفَى. (۳)

حضرت عبدالرحمن بن یزید کہتے ہیں کہ ہم حضرت حذیفہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ہم نے عرض کیا کہ آپ ہمیں ایسا کوئی شخص بتادیں، جو دوسرے لوگوں کی بنسبت سیرت وخصلت اور چال چلن میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے قریب تر ہو، تا کہ ہم اس سے دین سیکھیں اور اس سے (احادیث) سنیں، حضرت حذیفہ نے فرمایا: سیرت وخصلت، وقار، چال چلن، دینی حالت، میانہ روی اور اعتدال میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سب سے زیادہ قریب تر شخص، عبداللہ بن مسعود ہے، یہاں تک کہ وہ ہمارے پاس سے اپنے گھر چھپ جاتے ہیں، اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ، جو (دین میں تحریف اور جھوٹ سے) محفوظ ہیں، وہ بخوبی جانتے ہیں کہ ام عبد کا بیٹا یعنی عبداللہ بن مسعود، ان سب میں اللہ جل جلالہ کے بہت زیادہ قریب ہیں۔

مشکل الفاظ کے معنی: هدی. (ہاء پر زبر اور دال ساکن) سیرت وخصلت، نقش قدم، طریقہ، راستہ، سیدھے راستہ پر چلنا، دل:

---

(۱) تکملة فتح الملهم ۵/۱۹۶، کتاب فضائل الصحابة باب فضائل عبدالله بن مسعود درقم الحدیث: ۶۲۸۲

(۲) فتح الباري ۷/۵۴، کتاب فضائل اصحاب النبي ﷺ باب قول النبي ﷺ لو کنت متخذا خليلا، حدیث نمبر: ۳۶۷۴.

(۳) الصحيح للبخاري، فضائل الصحابة، باب مناقب عبدالله بن مسعود، رقم: ۳۷۶۲۔

(دال پر زبر اور لام پر تشدید) سیرت، حالت، وقار اور سنجیدگی، سمت: (سین پر زبر اور میم ساکن) نمایاں راستہ، میانہ روی، اعتدال، اچھی ہیئت وصورت، اور یہ لفظ اہل خیر کے طور طریقے، ان کی شکل، ہیئت اور حالت کے معنیٰ میں بھی استعمال ہوتا ہے، بہر حال یہ تینوں الفاظ معنیٰ اور مفہوم کے لحاظ سے ایک دوسرے کے قریب قریب ہیں، یتواری: عبداللہ بن مسعود چھپ جاتے ہیں یعنی چلے جاتے ہیں، لقد علم المحفوظون: اور صحابہ کرام بخوبی جانتے ہیں، جو محفوظ ہیں یعنی جنہیں اللہ جل جلالہ نے دین میں تحریف اور جھوٹ سے محفوظ رکھا ہے، زلفی: (زا پر پیش اور لام ساکن قربیٰ کی طرح) نزدیکی، قربت۔

ابن مسعود سیرت اور چال چلن میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قریب تر ہیں

اس حدیث سے حضرت عبداللہ بن مسعود کی فضیلت ثابت ہوتی ہے کہ وہ سیرت وخصلت، طریق زندگی، میانہ روی اور اعتدال پسندی میں کامل طریقے سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نقش قدم پر تھے، اس لحاظ سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے وہ قریب تر ہیں، حضرت حذیفہ نے لوگوں کو بتایا کہ ابن مسعود اس طرح کے آدمی ہیں کہ ان سے علم سیکھا جائے اور احادیث ان سے سنی جائیں، ان کی ظاہری زندگی ہمارے سامنے ہے، کامل طریقے سے وہ اتباع سنت کرتے ہیں، مگر ان کی گھریلو زندگی سے ہم واقف نہیں، اس لیے ہم ان کی ظاہری زندگی کی گواہی دیتے ہیں، ان کے باطنی اور گھریلو احوال کا ہمیں علم نہیں، ان کے باطنی امور کو اللہ جل جلالہ ہی بہتر جانتے ہیں، حتی یتواری منافی بیتہ سے اسی طرف اشارہ ہے۔(۱)

عَنْ عَلِيٍّ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَوْ كُنْتُ مُؤَمِّرًا أَحَدًا مِنْ غَيْرِ مَشُورَةٍ، لَأَمَّرْتُ عَلَيْهِمُ ابْنَ أُمِّ عَبْدٍ. (۲)

حضرت علی کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اگر میں مشورے کے بغیر صحابہ میں سے کسی کو امیر بناتا تو ان پر ابن مسعود کو امیر وحاکم بناتا۔

عبداللہ بن مسعود مشورے کے بغیر بھی امیر بنانے کے قابل ہیں

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک موقع پر عبداللہ بن مسعود کی صلاحیت، اور امانت ودیانت کو بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ ان میں ایسے اوصاف ہیں کہ ان کو امیر وحاکم بنانے میں کسی مشورہ اور غور وفکر کی ضرورت نہیں ہے، تاہم اس امارت اور حکمرانی سے خلافت مراد نہیں، جو آپ کی وفات کے بعد قائم ہوئی، کیونکہ اس بارے میں واضح حدیث ہے کہ الائمة من قریش کہ میرے بعد

---

(۱) فتح الباری ۷/۱۲۹، باب مناقب عبداللہ بن مسعود، رقم الحدیث: ۳۷۶۲، مرقاۃ المفاتیح ۱۱/۳۴۰، کتاب المناقب، باب جامع المناقب، رقم الحدیث: ۶۱۹۷۔

(۲) سنن ابن ماجة، المقدمة، رقم: ۱۳۷۔

قریش سے خلفاء اور عمومی حکمران ہوں گے اور حضرت عبداللہ بن مسعود قریش میں سے نہیں تھے، اس لیے شارحین حدیث نے اس کے دو مطلب بیان کئے ہیں:

۞ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات کسی خاص لشکر کا امیر اور ذمہ دار بنانے کے سلسلے میں بیان فرمائی تھی۔

۞ اس کے معنی یہ ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زندگی میں کسی اہم معاملہ کی ذمہ داری اور نیابت سے متعلق ان کے بارے میں یہ ارشاد فرمایا، اس سے عمومی خلافت مراد نہیں۔(۱)

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: خُذُوا القُرْآنَ مِنْ أَرْبَعَةٍ: مِنْ ابْنِ مَسْعُودٍ، وَأُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ، وَمُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ، وَسَالِمٍ مَوْلَى أَبِي حُذَيْفَةَ.(۲)

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تم لوگ چار شخصوں سے قرآن سیکھو: عبداللہ بن مسعود، ابی بن کعب، معاذ بن جبل اور ابوحذیفہ کے آزاد کردہ غلام حضرت سالم سے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود سمیت چار صحابہ سے قرآن سیکھنے کا حکم

اس حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خاص طور پر چار صحابہ سے قرآن مجید سیکھنے کا حکم دیا ہے: عبداللہ بن مسعود، ابی بن کعب، معاذ بن جبل اور ابوحذیفہ کے آزاد کردہ غلام حضرت سالم، ان چار کی تخصیص کی وجہ:

۱۔ یہ سارے حافظ تھے، انہوں نے براہ راست نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے قرآن سیکھا تھا، جبکہ دیگر صحابہ نے بالواسطہ سیکھا تھا۔

۲۔ ان لوگوں نے قرآن مجید کو اچھی طرح ضبط اور یاد کیا تھا، اور دوسروں کو عمدہ طریقے سے سکھاتے تھے۔

۳۔ انہوں نے اپنے آپ کو قرآن مجید سیکھنے اور سکھانے کے لیے فارغ کر رکھا تھا۔(۳)

حضرت سالم مولیٰ ابی حذیفہ رضی اللہ عنہ

موسیٰ بن عقبہ کہتے ہیں کہ حضرت سالم بن معقل رضی اللہ عنہ اصلاً ایران کے علاقے "اصطخر" کے تھے، حضرت ابو حذیفہ بن عتبہ کی بیوی ثبیتہ بنت یعار انصاریہ نے حضرت سالم کو آزاد کیا تھا، اور حضرت ابوحذیفہ نے حضرت سالم کو اپنا منہ بولا بیٹا بنالیا تھا، ان سے عقد موالات اور آپس میں مدد ونصرت کا معاہدہ کرلیا تھا، یوں حضرت سالم حضرت ابوحذیفہ کے حلیف تھے۔

---

(۱) مرقاۃ ۳۷۲/۱۱، کتاب المناقب باب جامع المناقب، رقم الحدیث: ۶۲۳۱

(۲) الصحیح للبخاری، فضائل الصحابة، باب مناقب سالم مولی أبی حذیفة، رقم: ۳۷۵۸۔

(۳) فتح الباری ۱۲۸/۷ کتاب فضائل اصحاب النبی ﷺ، باب مناقب سالم مولی ابی حذیفة، مرقاة المفاتیح ۳۴۱/۱۱، رقم الحدیث: ۶۱۹۹

حضرت سالم رضی اللہ عنہ جب بڑے ہو گئے تو حضرت ابوحذیفہ کی بیوی حضرت سہلہ بنت سہیل رضی اللہ عنہا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئیں، اور بتایا کہ سالم بڑا ہو گیا ہے، میرے پاس اس کی رہائش ہے، اب میں کیا کروں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ تم سالم کو دودھ پلا دو، ایسے میں وہ تمہارا رضاعی بیٹا اور تم اس کی رضاعی ماں بن جاؤ گی، اور تمہیں پھر اس سے پردہ کرنے کی ضرورت نہیں رہے گی، انہوں نے عرض کیا کہ وہ تو ڈاڑھی والا ہے، میں اسے کیسے دودھ پلا سکتی ہوں، آپ مسکرائے، چنانچہ پھر انہوں نے پچکاری کے ذریعہ اپنا دودھ نکالا اور پیالے میں ڈال کر انہیں پانچ دن تک پلاتی رہیں۔

مسئلہ کی رو سے اس عمر میں رضاعت کا حکم ثابت نہیں ہوتا، مگر یہ حضرت سالم کی خصوصیت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے بڑی عمر ہونے کے باوجود، دودھ پیالی میں ڈال کر پلایا گیا تو ان کے لیے رضاعت ثابت ہو گئی۔

حضرت سالم قرآن مجید کے بہت بڑے قاری تھے اور بڑے خوبصورت انداز سے تلاوت فرماتے تھے، قباء میں مہاجرین کی امامت کرتے تھے، جن میں حضرت عمر جیسے کبار صحابہ بھی ہوتے تھے، ایک مرتبہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ذرا دیر سے حاضر ہوئیں، آپ نے وجہ پوچھی، تو انہوں نے بتایا کہ مسجد میں ایک شخص انتہائی خوبصورت آواز سے تلاوت کر رہا ہے، میں اسے سننے لگ گئی، اس لیے مجھے تھوڑی تاخیر ہو گئی، یہ بات سن کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فوراً باہر تشریف لائے تو دیکھا کہ وہ سالم مولیٰ ابی حذیفہ ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: الحمد للہ الذی جعل فی أمتی مثلک (تمام تعریفیں اس اللہ کے لیے ہیں، جس نے میری امت میں آپ جیسے بندوں کو پیدا فرمایا ہے۔)

تمام غزوات میں شریک رہے، غزوہ یمامہ میں مہاجرین کا جھنڈا حضرت سالم کے پاس تھا، بڑی بہادری سے مقابلہ کرتے ہوئے شہید ہو گئے، اور اسی غزوہ میں حضرت ابوحذیفہ بھی شہید ہو گئے، جن کے ساتھ ان کا عقد موالات تھا، حضرت سالم کی میراث تقریباً دو سو درہم تھے، حضرت عمر فاروق نے وہ ان کی ماں کو دے دیئے۔(۱)

حضرت ابوحذیفہ بن عتبہ بن ربیعہ قرشی رضی اللہ عنہ

حضرت ابوحذیفہ کے نام کے بارے میں مختلف اقوال منقول ہیں: ہشام، مہشم، ہُشَیم، ہاشم اور قیس، ابوحذیفہ کی کنیت سے زیادہ مشہور ہیں، سابقین فی الاسلام میں سے ہیں، ابن اسحاق کہتے ہیں کہ ترتالیسویں (۴۳) نمبر پر انہوں نے اسلام قبول کیا ہے، دو مرتبہ حبشہ اور پھر مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کی ہے، غزوہ بدر میں یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے، جبکہ ان کے باپ عتبہ بن ربیعہ کافروں کے ساتھ تھے اور کفر پر ہی میدان بدر میں قتل کر دیئے گئے، حضرت ابوحذیفہ بعد میں بھی مختلف معرکوں میں شریک ہوتے رہے، ۱۲ھ میں غزوہ یمامہ میں شہید ہو گئے تھے۔(۲)

---

(۱) سیر اعلام النبلاء ۱۰۶/۳، سالم مولی ابی حذیفۃ، السابقون الاولون۔
(۲) سیر اعلام النبلاء ۱۰۴/۳، السابقون الاولون

عَنْ خَيْثَمَةَ بْنِ أَبِي سَبْرَةَ، قَالَ: أَتَيْتُ الْمَدِينَةَ فَسَأَلْتُ اللهَ أَنْ يُيَسِّرَ لِي جَلِيسًا صَالِحًا، فَيَسَّرَ لِي أَبَا هُرَيْرَةَ، فَجَلَسْتُ إِلَيْهِ، فَقُلْتُ لَهُ: إِنِّي سَأَلْتُ اللهَ أَنْ يُيَسِّرَ لِي جَلِيسًا صَالِحًا، فَوُفِّقْتَ لِي، فَقَالَ: مِنْ أَيْنَ أَنْتَ؟ قُلْتُ: مِنْ أَهْلِ الْكُوفَةِ، جِئْتُ أَلْتَمِسُ الْخَيْرَ وَأَطْلُبُهُ، فَقَالَ: أَلَيْسَ فِيكُمْ سَعْدُ بْنُ مَالِكٍ، مُجَابُ الدَّعْوَةِ، وَابْنُ مَسْعُودٍ صَاحِبُ طَهُورِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَنَعْلَيْهِ، وَحُذَيْفَةُ صَاحِبُ سِرِّ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَعَمَّارٌ الَّذِي أَجَارَهُ اللهُ مِنَ الشَّيْطَانِ عَلَى لِسَانِ نَبِيِّهِ، وَسَلْمَانُ صَاحِبُ الْكِتَابَيْنِ؟ قَالَ قَتَادَةُ وَالْكِتَابَانِ: الْإِنْجِيلُ وَالْقُرْآنُ.

حضرت خیثمہ بن ابی سبرہ کوفی (ثقہ اور کبار تابعین میں سے ہیں) کہتے ہیں کہ میں مدینہ منورہ آیا، تو اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ وہ مجھے نیک ہمنشین یعنی اچھا دوست عطا فرما دے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے میرے لیے ابوہریرہ ؓ کو میسر کر دیا (یعنی ان سے ملوا دیا) میں ان کے پاس بیٹھا اور ان کو میں نے بتایا کہ میں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ وہ مجھے نیک ہمنشین عطا کر دیں، بس مجھے آپ کی توفیق دی گئی، حضرت ابوہریرہ ؓ نے پوچھا کہ تم کہاں کے رہنے والے ہو؟ میں نے عرض کیا: میں کوفہ کا باشندہ ہوں، میں خیر یعنی دینی علم کی تلاش اور اسے حاصل کرنے کے لیے یہاں آیا ہوں، حضرت ابوہریرہ ؓ نے فرمایا: کیا تمہارے شہر میں سعد بن مالک یعنی سعد بن ابی وقاص نہیں، جو مستجاب الدعوات ہیں (یعنی جن کی دعائیں قبول کی جاتی ہیں) اور کیا تمہارے یہاں عبداللہ بن مسعود نہیں، جو آپ ﷺ کے لیے وضو کا پانی رکھنے والے اور آپ کی جوتیوں والے (یعنی خادم خاص) ہیں، اور کیا تمہارے شہر میں حذیفہ نہیں، جو رسول اللہ ﷺ کے راز دار ہیں، اور کیا تمہارے یہاں وہ عمار نہیں، جن کو اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کی زبان کی برکت سے شیطان سے محفوظ رکھا ہے، اور کیا تمہارے شہر میں سلمان فارسی نہیں، جو دو کتابوں انجیل اور قرآن (کو ماننے) والے ہیں۔

قتادہ کہتے ہیں کہ دو کتابوں سے انجیل اور قرآن مجید مراد ہیں۔

مشکل الفاظ کے معنی: ییسر لی: اللہ تعالیٰ میرے لیے میسر کر دے، عطا کر دے، سہل کر دے وفقت لی: (باب تفعیل سے واحد مذکر حاضر ماضی مجہول) (واؤ پر پیش، فاء کے نیچے زیر اور تشدید، اور تاء پر زبر) مجھے آپ کی توفیق دی گئی، آپ کو میرے لیے مطابق اور موافق بنا دیا گیا، مجھے آپ تک پہنچا دیا گیا، التمس: (صیغہ متکلم) میں تلاش کر رہا ہوں، و اطلبہ: یہ بھی التمس کے معنی میں ہے، یہ عطف تفسیری ہے، الخیر: اس سے وہ علم نافع مراد ہے، جس پر عمل کیا جائے اور جسے قرآن مجید میں حکمت سے تعبیر کیا گیا ہے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: و من یؤت الحکمۃ فقد أوتی خیرا کثیرا، چنانچہ عربی زبان میں محاورہ ہے: لا خیر خیر منہ، علم سے بڑھ کر کوئی خیر نہیں، یا یوں کہا جاتا ہے: لا خیر غیرہ: علم نافع کے علاوہ تو کوئی چیز بہتر نہیں، الذی اجارہ اللہ: أجار: باب افعال سے ماضی ہے، اس کا مادہ ''جور'' ہے: وہ عمار، جسے اللہ تعالیٰ نے شیطان سے محفوظ رکھا، پناہ میں رکھا، مجاب الدعوۃ:

وہ شخص جس کی دعا کو قبول کیا جاتا ہے۔

ابن مسعود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے جوتے سنبھالتے اور وضو کا پانی لاتے

کوفہ کے رہنے والے جلیل القدر تابعی حضرت خیثمہ بن ابی سبرہ نے مدینہ منورہ پہنچ کر یہ دعا کی کہ اللہ تعالیٰ مجھے کسی نیک صالح اور عالم باعمل آدمی تک پہنچادیں، اس سے ملاقات کرادیں، تاکہ میں اس سے استفادہ کرسکوں اور دینی تعلیم سیکھ سکوں، اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا قبول فرمائی، حضرت خیثمہ رحمہ اللہ کسی طرح حضرت ابوہریرہ کے پاس پہنچ گئے، انہوں نے مدینہ آنے کا مقصد بتایا کہ میں یہاں علم کی تلاش میں حاضر ہوا ہوں، اور بتایا کہ میں کوفہ کا باشندہ ہوں، اس پر حضرت ابوہریرہ نے ان کے سامنے کوفہ میں موجود پانچ صحابہ کا نام لیا کہ جب یہ حضرات وہاں موجود ہیں تو پھر تمہیں اتنا طویل سفر کرکے، اس غرض کے لیے یہاں آنے کی کوئی ضرورت نہیں تھی، ان پانچ صحابہ کی تفصیل یہ ہے:

۱۔ تمہارے شہر کوفہ میں سعد بن مالک یعنی سعد بن ابی وقاص موجود ہیں، جو بہت نیک انسان ہیں، ان کی دعا کو قبول کیا جاتا ہے، ان کے تفصیلی حالات پہلے گذر چکے ہیں۔

۲۔ عبداللہ بن مسعود وہاں موجود ہیں، جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خاص خادم تھے، سفر وحضر میں آپ کے ساتھ رہتے، وضو کا پانی لانے اور آپ کی جوتیاں سنبھالنے کا شرف انہیں حاصل تھا، آپ کا بستر بچھاتے، غرض جب تمہارے شہر میں اتنے اہم صحابی موجود ہیں، جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے انتہائی قریب رہے، وہ فقہاء صحابہ میں سے ہیں، ایسے میں پھر تمہیں سفر کرکے یہاں آنے کی کیا ضرورت تھی، اس سے معلوم ہوا کہ اگر اپنے شہر میں یا شہر سے قریب کوئی ماہر عالم موجود ہو، تو بہتر یہ ہے کہ اس سے دینی تعلیم حاصل کی جائے، بلاوجہ سفر کی مشقت نہ اٹھائی جائے۔

۳۔ حضرت حذیفہ کوفہ میں ہیں، جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے رازدار ہیں، آپ نے ان کو ایسی راز کی باتیں بتائی ہوئی ہیں، جو اور کسی کو معلوم نہیں، چنانچہ منافقین کے نام، ان کی نفاق کی علامتیں اور آئندہ پیش آنے والے فتنے وغیرہ سے متعلق ان کو معلومات دی گئی تھیں، یہ سب کچھ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت حذیفہ کے درمیان راز تھے۔

۴۔ اور تمہارے پاس حضرت عمار بن یاسر ہیں، جن کو اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان کی برکت سے شیطان سے محفوظ رکھا ہے، "علی لسان نبیه" سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا کونسا ارشاد مراد ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمار کے لیے ارشاد فرمایا ہے؟ اس بارے میں شارحین حدیث کے مختلف اقوال ہیں:

۞ ابن التین فرماتے ہیں کہ اس سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول مراد ہے: "ویح عمار، یدعوهم الی الجنة، ویدعونه الی النار"، اس قول کے بارے میں تفصیلی کلام حضرت عمار کے حالات میں گذر چکا ہے۔

۞ حافظ ابن حجر فرماتے ہیں، ممکن ہے اس سے حضرت عائشہ کی یہ حدیث مراد ہو: ما خیر عمار بین أمرین الا اختار

أرشدھما، یہ ارشاد بھی مناقب عمار کے تحت گذر چکا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ وہ جو امر بھی اختیار کرتے ہیں، وہ درست ہوتا ہے، اس میں انہیں شیطان سے محفوظ رکھا گیا ہوتا ہے۔

❁ طبقات ابن سعد میں حسن سے روایت ہے کہ حضرت عمار فرماتے ہیں کہ ہم نے دوران سفر ایک جگہ پڑاؤ ڈالا، میں نے پانی کے لیے مشکیزے اور ڈول کو نکالا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ابھی تمہارے پاس ایک ایسا شخص آئے گا، جو تمہیں پانی لینے سے روکے گا، چنانچہ میں جب پانی کے قریب پہنچا، تو وہاں ایک کالا آدمی موجود تھا، جو انتہائی ہٹ دھرم اور لڑاکا تھا، میں نے مقابلے میں اسے پچھاڑ دیا، یہ شیطان تھا، بعض کی رائے یہ ہے کہ اس سے یہ حدیث مراد ہے۔

❁ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس سے ان کے ابتداء اسلام کے واقعہ کی طرف اشارہ ہو، جس میں مشرکین مکہ نے کلمہ کفر کہنے پر انہیں مجبور کر دیا تھا، اس وقت بھی اللہ تعالیٰ نے شیطان اور شیطان صفت لوگوں کے شر سے انہیں محفوظ رکھا، زبان سے گو کہ کلمہ کفر انہوں نے بولا، مگر دل کی دنیا ایمان کی نعمت سے بھری ہوئی تھی، اسی موقع پر یہ آیت نازل ہوئی: الا من اکرہ و قلبه مطمئن بالایمان۔(۱)

۵۔ تمہارے شہر میں سلمان فارسی موجود ہیں، جو پہلے انجیل پر ایمان لائے اور پھر اسلام قبول کرلیا اور قرآن پر عمل پیرا ہو گئے، یوں وہ دو کتابوں والے ہیں، ان کے تفصیلی حالات بھی پہلے گذر چکے ہیں۔

یہ ذہن میں رہے کہ صحیح بخاری میں حضرت علقمہ کی روایت ہے، جس میں ہے کہ، وہ شام کی مسجد دمشق میں آئے اور انہوں نے بالکل اسی طرح دعا کی، جس طرح ترمذی کی روایت میں حضرت ابوخیثمہ نے کی تھی، پھر حضرت علقمہ کی ملاقات حضرت ابوالدرداء سے ہوئی، اسی طرح کے سوالات حضرت ابوالدرداء سے حضرت علقمہ نے کئے۔(۲)

بَابُ مَنَاقِبِ حُذَيْفَةَ بْنِ الْيَمَانِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ

حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ کے فضائل

حضرت حذیفہ کے مختصر حالات زندگی

حضرت حذیفہ کے والد کا اصل نام حسل یا حسیل بن جابر ہے، ابوعبداللہ ان کی کنیت ہے، یہ یمن کے رہائشی تھے، پھر ان کے والد حضرت حسیل رضی اللہ عنہ مدینہ منورہ آگئے تھے، یہاں آکر انہوں نے بنی عبدالاشہل سے معاہدہ کیا، اس وجہ سے ان کا

---

(۱) فتح الباری ۷/۱۱۵، کتاب فضائل اصحاب النبی ﷺ باب مناقب عمار و حذیفة، مرقاۃ ۱۱/۳۷۳، کتاب المناقب، باب جامع المناقب، رقم: ۶۲۳۲

(۲) تحفة الاحوذی ۱۰/۲۹۲

قوم نے ان کا نام یمان رکھ دیا کہ ایک یمنی سے حلف کا معاہدہ ہوا ہے، اور پھر اسی نام سے مشہور ہو گئے، حضرت حذیفہ اور ان کے والد حضرت حسیل دونوں نے اسلام قبول کر لیا تھا، غزوہ احد میں غلطی سے مسلمانوں کے ہاتھوں ہی ان کے والد حضرت حسیل رضی اللہ عنہ شہید ہو گئے۔

حضرت حذیفہ "صاحب سر رسول اللہ" (حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے راز دار صحابی) کے نام سے مشہور ہیں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو منافقین کے نام اور ان کی منافقت کی علامتیں بتائی تھیں، نیز ان کو آئندہ پیش آنے والے فتنوں سے متعلق بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بتایا تھا، حضرت عمر جیسے کبار صحابہ ان سے پوچھتے تھے کہ بتاؤ: میرے اندر نفاق کی کوئی علامت پائی جاتی ہے یا نہیں؟ وہ بتاتے کہ نہیں، آپ میں ایسی کوئی علامت نہیں۔

انتہائی زاہدانہ صفت کے آدمی تھے، دنیا اور اس کی چیزوں سے ان کو کوئی لگاؤ نہیں تھا، حضرت عمر فاروق نے ان کو مدائن کا گورنر بنایا تھا، عہد عثمانی میں بھی مدائن کے ہی گورنر رہے، حضرت عثمان کی شہادت کے چالیس دن بعد مدائن میں ۳۶ھ میں ان کی وفات ہوئی، وہیں پر ان کو دفن کیا گیا۔(۱)

عَنْ حُذَيْفَةَ، قَالَ: قَالُوا: يَا رَسُولَ اللّٰهِ لَوِ اسْتَخْلَفْتَ، قَالَ: إِنْ أَسْتَخْلِفْ عَلَيْكُمْ فَعَصَيْتُمُوهُ عُذِّبْتُمْ، وَلٰكِنْ مَا حَدَّثَكُمْ حُذَيْفَةُ فَصَدِّقُوهُ، وَمَا أَقْرَأَكُمْ عَبْدُ اللّٰهِ فَاقْرَءُوهُ۔(۲)

حضرت حذیفہؓ فرماتے ہیں کہ بعض صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! کاش آپ کسی کو خلیفہ مقرر فرما دیتے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر میں تم پر خلیفہ مقرر کر دوں اور پھر تم اس کی نافرمانی کرو، تو تمہیں عذاب دیا جائے گا، لیکن حذیفہ تم سے جو بیان کریں، اس کی تصدیق کرنا، اور عبداللہ بن مسعود، جو کچھ تمہیں پڑھائیں، اسے پڑھ لینا۔

مشکل الفاظ کے معنی: لو استخلفت: یہ "لو" اگر تمنی اور آرزو کے معنی میں ہو، تو ترجمہ یوں ہوگا: کاش آپ کسی کو خلیفہ مقرر فرما دیتے، اور اگر یہ "لو" شرط کے معنی میں ہو، تو اس کی جزاء یہ ہوگی: لکان خیرا، ترجمہ: اگر آپ کسی کو خلیفہ مقرر فرما دیتے تو اچھا ہوتا، فعصیتموہ: پھر تم لوگ اس خلیفہ کی نافرمانی کرو، عذبتم: (صیغہ مجہول) تمہیں عذاب اور سزا دی جائے گی، ما حدثکم: جو کچھ حذیفہ تم سے بیان کریں، وما أقرأکم: اور عبداللہ بن مسعود جو کچھ تمہیں پڑھائیں۔

حذیفہ کی باتوں کی تصدیق کرنا

بعض صحابہ کرام نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے یہ خواہش ظاہر کی کہ آپ اگر کسی کو اپنا خلیفہ ابھی سے مقرر کر دیں، تو بہت اچھا ہوگا، تاکہ بعد میں کوئی اختلاف رونما نہ ہو، اس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑے حکیمانہ انداز سے جواب دیا کہ اگر میں ابھی کسی کو

(۱) سیر اعلام النبلاء ۳۶۴/۲، الاصابة ۳۹/۲، حرف الحاء

(۲) کنز العمال ۷۳۰/۱۱، برقم: ۳۳۰۷۳

خلیفہ نامزد کردوں اور پھر تم میں سے کوئی اسے نہ مانے یا اس کی کسی بات میں نافرمانی کردے تو پھر تمہیں یقیناً سزا دی جائے گی، کیونکہ نبی کے امر کی مخالفت کی وجہ سے عذاب نازل ہوتا ہے، اس لیے میں کسی کو خلیفہ متعین نہیں کرتا، اور تمہیں ابھی سے خلافت کی فکر میں نہیں پڑنا چاہیے، وقت آنے پر اللہ جل جلالہ اس کا ضرور بندوبست کردیں گے، ہاں تم لوگ قرآن اور سنت کو مضبوطی سے تھامو، اس کی تم لوگوں کو ضرور فکر کرنی چاہیے۔

پھر خاص طور پر نبی کریم ﷺ نے دو صحابہ کا ذکر فرمایا: اس تخصیص کی دو وجہیں ہوسکتی ہیں:

۱۔ حضرت حذیفہ بن یمان کو آپ ﷺ نے فتنوں سے متعلق اہم باتیں بتائی ہوئی تھیں، لہٰذا وہ جب تم سے اس طرح کی احادیث بیان کریں، تو ان کی تصدیق کرنا، اور ان فتنوں سے بچنے کی کوشش کرنا، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو اللہ تعالیٰ نے بہت علم عطا فرمایا ہے، وہ علم جو آخرت سے متعلق ہے، لہٰذا وہ جو علم تمہیں پڑھائیں، ان سے پڑھ لینا، اور ان کی باتوں کی اطاعت اور اتباع کرنا۔

۲۔ نبی کریم ﷺ نے صراحۃً کسی کو خلیفہ نامزد نہیں فرمایا کہ ایسے میں تم اس کی اگر نافرمانی کروگے، تو تمہیں عذاب دیا جائے گا، مگر ان دو صحابہ کی بات کی تصدیق کرنا اور ان سے علم حاصل کرنا۔

ملا علی قاری فرماتے ہیں کہ اس تخصیص میں اس طرف اشارہ کرنا پیش نظر ہے کہ خلافت سے متعلق یہ دو صحابہ، جو حدیث تمہیں سنائیں اور جو رائے تمہیں دیں، اس کی تم لوگ تصدیق کرنا، اور اس پر عمل کرلینا، چنانچہ مناقب ابوبکر میں حضرت حذیفہ کی روایت گذر چکی ہے، جس میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اقتدوا بالذین من بعدی ابی بکر و عمر، اور بالکل اسی طرح کی روایت مناقب عبداللہ بن مسعود میں حضرت عبداللہ بن مسعود کی بھی گذر چکی ہے، اس لیے نبی کریم ﷺ نے گویا، یوں فرمایا کہ میرے بعد ان احادیث کی روشنی میں اپنا خلیفہ متعین کرلینا، ایسے میں اگر کوئی اس خلیفہ سے اختلاف کرے گا، تو وہ گنہگار نہیں ہوگا، وہ اس کی اجتہادی غلطی ہوگی، جس میں انسان پر گناہ نہیں آتا، میں خود ابھی سے کسی کو خلیفہ مقرر نہیں کرتا، اس میں تمہارے لیے بہتری ہے۔(۱)

بَابُ مَنَاقِبِ زَيْدِ بْنِ حَارِثَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ

حضرت زید بن حارثہ کے فضائل

حضرت زید بن حارثہ کے مختصر حالات

حضرت زید بن حارثہ بن شراحیل کعبی بچپن میں اپنی والدہ سُعدی بنت ثعلبہ کے ساتھ اپنے ننھیال گئے ہوئے تھے،

(۱) مرقاۃ المفاتیح ۱۱/۳۷۸، کتاب المناقب، باب جامع المناقب، رقم الحدیث: ۶۲۴۱

وہاں قبیلہ قین کے لوگوں نے انہیں اچک لیا اور غلام بنا کر بازار عکاظ میں حضرت حکیم بن حزام کے ہاتھ فروخت کر دیا، انہوں نے یہ غلام اپنی پھوپھی حضرت خدیجہ کو دے دیا، اس کے بعد جب حضرت خدیجہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا نکاح ہوا تو حضرت خدیجہ نے یہ غلام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ہبہ کر دیا۔

کچھ عرصہ کے بعد حضرت زید کے والد اور چچا کو پتہ چلا کہ ان کا بچہ مکہ مکرمہ میں ہے، تو وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور عرض کیا کہ آپ جو معاوضہ بھی ہم سے لینا چاہیں، لے لیں اور یہ بچہ ہمارے حوالے کر دیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا کہ اگر یہ بچہ آپ کے ساتھ جانا چاہے، تو میں اسے بغیر کسی معاوضہ کے آپ کے حوالہ کر دوں گا، اور اگر وہ نہ جانا چاہے، تو میں اسے زبردستی نہیں بھیج سکتا، وہ لوگ یہ بات سن کر بہت خوش ہوئے، چنانچہ حضرت زید کو بلایا گیا، انہوں نے اپنے والد اور چچا سے ملاقات کی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ساری بات ان کو بتائی تو حضرت زید نے یہ حیرت انگیز جواب دیا کہ میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ کر کہیں بھی نہیں جا سکتا، وہ بڑے حیران ہوئے کہ ان کا لخت جگر آزادی پر غلامی کو، اپنے باپ اور چچا کے مقابلے میں ایک غیر شخص کو ترجیح دے رہا ہے، حضرت زید نے فرمایا کہ میں نے اپنے اس آقا کا، جو طرز عمل دیکھا ہے، اس کے بعد میں دنیا کے کسی شخص کو ترجیح نہیں دے سکتا۔

یہ ذہن میں رہے کہ یہ اس زمانے کی بات ہے کہ ابھی تک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو نبوت عطا نہیں کی گئی تھی، یہ بات سن کر ان کے والد اور چچا مطمئن ہو کر چلے گئے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر انہیں آزاد کر دیا اور حطیم میں جا کر اعلان فرما دیا کہ آج سے میں نے زید کو اپنا منہ بولا بیٹا بنا لیا ہے، چنانچہ پھر لوگ انہیں زید بن محمد کہہ کر پکارتے تھے، یہ سابقین فی الاسلام میں سے ہیں، آزاد کردہ لوگوں میں سب سے پہلے اسلام قبول کیا ہے۔

ان کی ایک سب سے اہم خصوصیت یہ بھی ہے کہ ان کا نام اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ذکر کیا ہے، جبکہ ان کے علاوہ کسی اور صحابی کا نام قرآن میں نہیں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت سے جہادی لشکروں کا ان کو امیر بنا کر بھیجا، اور اللہ نے انہیں فتح عطا فرمائی، تمام غزوات میں پیش پیش رہے، ۸ھ میں غزوہ موتہ میں جب یہ لشکر کے امیر تھے، شہید ہو گئے، اس وقت ان کی عمر ۵۵ سال تھی۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زید کا نکاح اپنی پھوپھی امیمہ بنت عبد المطلب کی بیٹی حضرت زینب بنت جحش سے کرایا تھا مگر یہ نکاح برقرار نہ رہ سکا، کچھ عرصہ بعد حضرت زید نے حضرت زینب کو طلاق دے دی تھی، پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زینب سے نکاح کر لیا تھا(۱)، جس کا تفصیلی تذکرہ، ابواب التفسیر سورہ احزاب کی تفسیر میں اس عنوان کے تحت گذر چکا ہے: ''حضرت زید بن حارثہ کا حضرت زینب سے نکاح اور پھر طلاق'' لہذا اس بحث کو معارف ترمذی جلد سوم میں دیکھ لیا جائے۔

عَنْ سَالِمٍ عَنْ عُمَرَ، أَنَّهُ فَرَضَ لِأُسَامَةَ بْنِ زَيْدٍ فِي ثَلَاثَةِ آلَافٍ وَخَمْسِ مِائَةٍ، وَفَرَضَ لِعَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ فِي ثَلَاثَةِ

(۱) سیر اعلام النبلاء ۱۳۹/۳، الاصابة ۴۹۴/۲، حرف الزاء

الآلاف، قَالَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عُمَرَ لِأَبِيهِ: لِمَ فَضَّلْتَ أُسَامَةَ عَلَيَّ؟ فَوَاللّٰهِ مَا سَبَقَنِي إِلَى مَشْهَدٍ، قَالَ: لِأَنَّ زَيْدًا كَانَ أَحَبَّ إِلَى رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ أَبِيكَ، وَكَانَ أُسَامَةُ أَحَبَّ إِلَى رَسُولِ اللّٰهِ مِنْكَ، فَآثَرْتُ حُبَّ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى حُبِّي.

حضرت اسلم فرماتے ہیں کہ حضرت عمر نے (اپنے زمانہ خلافت میں) حضرت اسامہ کے لیے (بیت المال سے) ساڑھے تین ہزار درہم وظیفہ مقرر کیا اور عبداللہ بن عمر کے لیے تین ہزار درہم مقرر کیے، حضرت عبداللہ بن عمر نے اپنے والد سے کہا: آپ نے اسامہ کو وظیفہ میں مجھ پر کیوں فضیلت اور ترجیح دی ہے؟ اللہ کی قسم: انہوں نے کسی غزوہ میں مجھ پر سبقت نہیں کی، حضرت عمر نے (جواب میں) فرمایا: اس کی وجہ یہ ہے کہ اسامہ کے والد زید، رسول اللہ ﷺ کو تمہارے باپ سے زیادہ محبوب تھے، اور اسامہ تم سے زیادہ رسول اللہ ﷺ کو پیارے تھے، اس لیے میں نے رسول اللہ ﷺ کے محبوب شخص کو اپنے محبوب پر ترجیح دی ہے۔

مشکل الفاظ کے معنی: فرض: مقرر کیا، لم فضلت: آپ نے کیوں فضیلت دی، کیوں ترجیح دی، کیوں مقدم کیا، مشهد: جنگ، معرکہ، حب: (حاء پر پیش) محبوب، پیارا، اثرت: (صیغہ متکلم) میں نے اختیار کیا، میں نے ترجیح دی۔

نبی کریم ﷺ حضرت زید سے بہت محبت فرماتے

حضرت عمر نے اپنے دور خلافت میں حضرت اسامہ کے لیے حضرت عبداللہ بن عمر سے پانچ سو درہم زیادہ یعنی ساڑھے تین ہزار درہم وظیفہ مقرر کیا، تو اس پر ان کے بیٹے حضرت عبداللہ بن عمر نے کہا کہ آپ نے اسامہ کو مجھ پر کس بنیاد پر ترجیح دی ہے، حالانکہ علمی اور دینی خدمات کے لحاظ سے وہ میرے یا تو برابر ہیں یا مجھ سے کم ہیں، اس پر حضرت عمر نے فرمایا کہ میں تم پر ان کو اس لیے ترجیح دے رہا ہوں کہ وہ اور ان کے باپ زید بن حارثہ، میرے اور تمہارے مقابلے میں کہیں زیادہ رسول اللہ ﷺ کو محبوب تھے، تو میں نے نبی کریم ﷺ کے محبوب اور پیارے اسامہ بن زید کو اپنے پیارے اور محبوب پر، وظیفہ مقرر کرنے میں ترجیح دی ہے، یہ دونوں حضرات نبی کریم ﷺ کو کس وجہ سے زیادہ محبوب تھے، اس کی مختلف وجہیں ہوسکتی ہیں:

- وہ دونوں حضرات ایک لحاظ سے اہل بیت میں سے تھے، کیونکہ یہ آپ کے آزاد کردہ غلام تھے، اور کسی شخص کا آزاد کردہ غلام، اس کے گھر کے افراد میں شمار ہوتا ہے۔
- کچھ ان کی ذاتی خصوصیات، صلاحیتیں، خدمات اور کارنامے بھی ایسے تھے، جن کی وجہ سے آپ ﷺ ان سے زیادہ پیار کرتے تھے۔

لیکن یہ ذہن میں رہے کہ محبت کے مختلف درجات اور انواع و اقسام ہوتی ہیں، لہذا آپ ﷺ کو جو اپنے اہل و عیال اور اہل بیت سے محبت تھی اور جو حضرت صدیق اکبر اور حضرت عمر سے محبت تھی، اس کی حیثیتیں اور صورتیں الگ ہیں، اس لیے ان دو

حضرات سے محبت کی وجہ سے ان کی محبت میں کوئی فرق نہیں آتا، اور نہ اس سے یہ لازم آتا ہے کہ ان کے ساتھ آپ ﷺ کو محبت کم تھی، یا وہ افضل نہیں تھے، اس سے معلوم ہوا کہ کسی کے محبوب ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ دیگر تمام لوگوں سے افضل اور زیادہ فضیلت والا ہے۔(۱)

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ، قَالَ: مَا كُنَّا نَدْعُو زَيْدَ بْنَ حَارِثَةَ إِلَّا زَيْدَ ابْنَ مُحَمَّدٍ، حَتَّى نَزَلَتْ {ادْعُوهُمْ لِآبَائِهِمْ هُوَ أَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ} [الأحزاب: 5](۲)

حضرت عبداللہ بن عمر فرماتے ہیں کہ ہم زید بن حارثہ کو زید بن محمد ہی کہا کرتے تھے، یہاں تک کہ یہ آیت نازل ہوئی: {ادْعُوهُمْ لِآبَائِهِمْ هُوَ أَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ} (سورۂ احزاب: ۵)

زید بن حارثہ کو پہلے زید بن محمد کہا جاتا تھا

حضرت زید بن حارثہ کو نبی کریم ﷺ نے اپنا منہ بولا بیٹا بنایا تھا، اس وجہ سے انہیں زید بن محمد کہا جاتا تھا، ابتداء رسالت میں اس طرح نسبت کے ساتھ پکارنا جائز تھا، لیکن بعد میں اللہ جل شانہ نے سورۂ احزاب کی مذکورہ آیت میں اس بات سے منع کر دیا، یہ حکم دیا کہ کسی بھی شخص کو اس کے اصل باپ کی طرف ہی منسوب کیا جائے، اس لیے اس کے بعد انہیں زید بن حارثہ کے نام سے پکارا جاتا تھا۔(۳)

حضرت زید کو یہ شرف حاصل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام صحابہ میں سے صرف انہی کا نام قرآن مجید میں ذکر کیا ہے، اس کی حکمت بعض حضرات نے یہ بیان کی ہے کہ جب ان کی ولدیت کی نسبت، زید بن محمد سے تبدیل کر کے زید بن حارثہ کی گئی، تو ان کے لیے بہت بڑے اعزاز سے محرومی ہوگئی، اللہ تعالیٰ نے اس کا بدل اس طرح کر دیا کہ ان کی دلجوئی کے لیے قرآن مجید میں ان کا نام ذکر کر دیا۔(۴)

عَنْ أَبِي عَمْرٍو الشَّيْبَانِيِّ، قَالَ: أَخْبَرَنِي جَبَلَةُ بْنُ حَارِثَةَ، أَخُو زَيْدٍ قَالَ: قَدِمْتُ عَلَى رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ: ابْعَثْ مَعِي أَخِي زَيْدًا قَالَ: هُوَ ذَا، فَإِنِ انْطَلَقَ مَعَكَ لَمْ أَمْنَعْهُ، قَالَ زَيْدٌ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ: وَاللّٰهِ لَا أَخْتَارُ عَلَيْكَ أَحَدًا، قَالَ: فَرَأَيْتُ رَأْيَ أَخِي أَفْضَلَ مِنْ رَأْيِي. (۵)

حضرت ابو عمرو شیبانی یعنی سعد بن ایاس کوفی کہتے ہیں کہ حضرت زید کے بھائی جبلہ بن حارثہ نے مجھے بتایا کہ میں

---

(۱) الکوکب الدری ۴/۳۳۳، مرقاۃ المفاتیح ۱۱/۳۱۹، کتاب المناقب، باب مناقب اھل بیت النبی ﷺ، رقم: ۶۱۷۳

(۲) الصحیح للبخاری، التفسیر، باب ادعوھم لآباءھم...، رقم: ۴۷۸۲۔

(۳) تفسیر ابن کثیر ۵/۱۲۹، سورۃ الأحزاب، مرقاۃ ۱۱/۳۰۶، رقم: ۶۱۵۱

(۴) معارف القرآن ۷/۱۴۹، سورۃ الاحزاب

(۵) مشکاۃ المصابیح، رقم: ۶۱۷۴۔

رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور عرض کیا: یارسول اللہ! میرے بھائی زید کو میرے ساتھ بھیج دیجیے، نبی کریم ﷺ نے فرمایا: وہ یہ موجود ہے، اگر یہ تمہارے ساتھ جانا چاہے، تو میں اس کو منع نہیں کرتا، (کیونکہ میں نے اس کو آزاد کر دیا ہے) زید نے کہا: یارسول اللہ! اللہ کی قسم میں آپ (کی صحبت وخدمت کی سعادت) پر کسی کو بھی اختیار نہیں کر سکتا، جبلہ کہتے ہیں کہ مجھے بعد میں یقین ہو گیا کہ میرے بھائی کی رائے، میری رائے سے زیادہ فضیلت والی تھی۔

حضرت زید کا اپنے بھائی کے ساتھ جانے سے انکار

نبی کریم ﷺ نبوت سے پہلے حضرت زید کو آزاد کر چکے تھے، اس وقت حضرت زید کے بڑے بھائی جبلہ بن حارثہ خدمت اقدس میں حاضر ہو کر یہ گذارش کرنے لگے کہ زید کو میرے ساتھ گھر جانے دیجیے، آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں اسے آزاد کر چکا ہوں، اب اس کی مرضی ہے، وہ اگر تمہارے ساتھ جانا چاہے، تو میں اسے منع نہیں کروں گا، حضرت زید نے کہا کہ یارسول اللہ میں آپ کی رفاقت اور صحبت وخدمت کی سعادت پر ہر چیز قربان کر سکتا ہوں مگر جا نہیں سکتا، بعد میں حضرت جبلہ کو بھی یہ یقین ہو گیا کہ میرے بھائی زید کی رائے، میری رائے کے مقابلے میں بہتر اور افضل تھی، نبی کریم ﷺ کی نبوت کے بعد حضرت جبلہ نے بھی اسلام قبول کر لیا تھا، یوں وہ بھی صحابہ کی مقدس جماعت میں شامل ہو گئے تھے۔(۱)

عَنِ ابْنِ عُمَرَ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعَثَ بَعْثًا، وَأَمَّرَ عَلَيْهِمْ أُسَامَةَ بْنَ زَيْدٍ فَطَعَنَ النَّاسُ فِي إِمَارَتِهِ، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنْ تَطْعَنُوا فِي إِمْرَتِهِ فَقَدْ كُنْتُمْ تَطْعَنُونَ فِي إِمْرَةِ أَبِيهِ مِنْ قَبْلُ، وَايْمُ اللّٰهِ إِنْ كَانَ لَخَلِيقًا لِلإِمَارَةِ، وَإِنْ كَانَ مِنْ أَحَبِّ النَّاسِ إِلَيَّ، وَإِنَّ هَذَا مِنْ أَحَبِّ النَّاسِ إِلَيَّ بَعْدَهُ.(۲)

حضرت عبداللہ بن عمر سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے (ایک مرتبہ) ایک لشکر بھیجا اور ان کا امیر اسامہ بن زید کو مقرر کیا، کچھ لوگ ان کی امارت پر اعتراض کرنے لگے، اس پر آپ ﷺ نے فرمایا: اگر تم لوگ اسامہ کی امارت پر تنقید کرتے ہو (تو کیا ہوا) تم تو اس سے پہلے اس کے باپ زید بن حارثہ کی امارت پر بھی تنقید اور اعتراض کرتے تھے، حالانکہ اللہ کی قسم وہ (یعنی زید) امیر بننے کے اہل اور قابل تھے، اور یقیناً میرے نزدیک محبوب ترین لوگوں میں سے تھے، اور زید بن حارثہ کے بعد (اب) یہ یعنی اسامہ بن زید میرے ہاں محبوب ترین لوگوں میں سے ہیں۔

مشکل الفاظ کے معنی: بعث بعثا: آپ ﷺ نے ایک لشکر بھیجا، امر علیھم: (تامیر سے) ان پر امیر مقرر کیا، طعن الناس:

---

(۱) تحفة الاحوذی ۲۹۶/۱۰، مرقاة المفاتیح ۳۲۰/۱۱، کتاب المناقب، باب مناقب أهل بیت النبی صلی اللہ علیه وسلم، رقم: ۶۱۷۴۔

(۲) الصحیح لمسلم، کتاب فضائل الصحابة، باب فضائل زید بن حارثة، رقم: ۲۴۲۶۔

لوگوں نے اعتراض کیا، تنقید کی، عیب لگایا، فی امارته: ان کے منصب میں، ان کو امیر بنانے میں، کنتم تطعنون: تم اعتراض کرتے تھے، فی امرۃ: (ہمزے کے نیچے زیر اور میم ساکن) امارت کے معنیٰ میں ہے، ان کان لخلیقا: اس میں لفظ ان مخففہ ہے، اور خلیقا کے معنیٰ: اہل، قابل اور مناسب کے ہیں، و ان کان من احب: اس میں بھی لفظ ''ان'' مخففہ ہے، بعدہ: زید بن حارثہ کے بعد۔

رومیوں کے خلاف نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی کا آخری لشکر ''سریہ اسامہ بن زید''

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ماہ صفر کے آخر میں رومیوں سے مقابلے کے لیے شام کے مقام ابنیٰ (ہمزے پر پیش، با ساکن اور نون پر کھڑی زبر) کی طرف لشکر بھیجنے کا حکم دیا، یہ وہی مقام ہے جہاں غزوہ موتہ واقع ہوا تھا، جس میں حضرت اسامہ کے والد حضرت زید بن حارثہ، حضرت جعفر طیار اور حضرت عبداللہ بن رواحہ اور بعض دیگر صحابہ شہید ہوئے تھے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی کا یہ آخری فوجی دستہ تھا، اس سریہ کا سپہ سالار اور امیر آپ نے حضرت اسامہ بن زید کو بنایا، اس لشکر میں مہاجرین اور انصار میں سے بڑے بڑے صحابہ کرام بھی تھے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت اسامہ سے فرمایا کہ تم اس لشکر کو لے کر جاؤ، اور اپنے باپ کے قاتل کو قتل کر دو، صبح کے وقت ان پر حملہ آور ہو جانا، ان کے درخت اور گھروں کو جلا دینا، تہس نہس کر دینا، تاکہ وہ آئندہ کبھی مسلمانوں کے خلاف کھڑے نہ ہو سکیں۔

ربیع الاول ۱۱ھ میں جمعرات کے دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت اسامہ کو خود اپنے دست مبارک سے جھنڈا بنا کر دیا، حضرت اسامہ نے پھر وہ جھنڈا حضرت بریدہ کو دیا کہ وہ اس کو مقام ''جرف'' میں نصب کر دیں، ''جرف'' مدینہ منورہ سے تین میل کے فاصلے پر ایک جگہ ہے، جہاں اس لشکر کو ٹھہرایا گیا تھا۔

اس دوران کچھ لوگوں نے حضرت اسامہ کی امارت پر تنقید کرنا شروع کر دی کہ انہیں کیسے سپہ سالار بنا دیا گیا، ایک تو یہ کم عمر ہیں، جبکہ ان کے زیر قیادت بڑے بڑے صحابہ کرام ہیں، دوسرا یہ کہ ان کے والد پر غلامی کا دھبہ بھی ہے، اس اعتراض اور نکتہ چینی میں منافقین پیش پیش تھے، یا وہ نو مسلم تھے، جن کے ذہنوں سے ابھی تک جاہلیت کے رسم و رواج اور طور طریقے پوری طرح نکلے نہیں تھے، بہر حال جس نے بھی جس بنیاد پر اس امارت پر تنقید کی، وہ سب باتیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پہنچ گئیں۔

۱۰ ربیع الاول بروز ہفتہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم منبر پر تشریف لے گئے اور آپ نے سب کے سامنے خطبہ دیا، جس میں یہ فرمایا کہ آج تم لوگ اسامہ کی امارت پر اعتراض کر رہے ہو، تو کیا ہوا، تم لوگ اس سے پہلے غزوہ موتہ کے موقع پر، ان کے باپ زید کی امارت پر بھی اعتراض کر چکے ہو، حالانکہ اللہ کی قسم یہ دونوں امارت کے اہل ہیں، اور دونوں ہی مجھے بہت محبوب اور پیارے ہیں، ترمذی کی مذکورہ روایت میں اسی خطبہ کا ذکر ہے۔

چنانچہ ہفتہ کے دن مقام جرف سے صحابہ کرام آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے الوداعی ملاقات کے لیے آنے جانے لگے، اتوار کے دن

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طبیعت بہت خراب ہوگئی، دردوں میں اضافہ ہوگیا، حضرت اسامہ جب ملنے آئے تو آپ پر بے ہوشی کی سی کیفیت تھی، اس وقت بھی آپ حضرت اسامہ کے لیے دعا کر رہے تھے، پیر کے دن آپ کی طبیعت بالکل صحیح ہوگئی، حضرت اسامہ نے رخصت چاہی، اور لشکر کو حکم دیا کہ وہ سفر کے لیے تیار ہو جائیں، اسی گومگو کی کیفیت میں حضرت اسامہ کی والدہ حضرت ام ایمن نے بندہ بھیجا کہ ابھی تم لوگ سفر شروع نہ کرو، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طبیعت پھر خراب ہوگئی ہے، تھوڑی دیر ہی گذری تھی کہ یہ پریشان کن خبر پھیل گئی کہ سید الاولین والاخرین محبوب رب العالمین صلی اللہ علیہ وسلم اس دار فانی سے پردہ فرما گئے ہیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

عارضی طور پر یہ روانگی موقوف کر دی گئی، جب حضرت صدیق اکبر خلیفہ بن گئے تو سب سے پہلے انہوں نے اس لشکر کو روانہ کیا، یہ صدیق اکبر کا پہلا فوجی دستہ تھا، اسے رخصت کرنے کے لیے وہ مقام جرف تک تشریف بھی لائے، تین ہزار کا یہ لشکر جس میں سات سو قریش کے افراد تھے، چالیس دن کے بعد فاتح بن کر واپس آیا، بہت سامال غنیمت ہاتھ آیا، حضرت زید کے قاتل کو بھی قتل کر دیا گیا تھا، عجیب بات یہ ہے کہ مسلمانوں کے لشکر کا ایک آدمی بھی شہید نہیں ہوا، واپسی میں حضرت صدیق اکبر نے دیگر مہاجرین اور اہل مدینہ کے ساتھ اس لشکر کا استقبال کیا۔ (۱)

حضرت زید اور اسامہ دونوں امارت کے اہل تھے

مذکورہ حدیث سے درج ذیل امور ثابت ہوتے ہیں:

۱۔ حضرت زید اور اسامہ دونوں میں امیر اور سپہ سالار بننے کی کامل صلاحیت تھی۔

۲۔ آزاد کردہ، غلام کو بھی لشکر کا امیر منتخب کیا جا سکتا ہے، جبکہ اس میں صلاحیت ہو، چنانچہ حضرت عائشہ کی روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب بھی کوئی لشکر بھیجا، جس میں زید بن حارثہ بھی موجود ہوتے، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں لشکر کا سپہ سالار بنا کر ہی بھیجا، اس سے حضرت زید کی عسکری صلاحیتوں کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

۳۔ کم عمر آدمی کو بڑوں کا امیر بنایا جا سکتا ہے، جیسے حضرت اسامہ کے تحت بڑے بڑے صحابہ نے جہاد کیا۔

۴۔ مقام و مرتبہ اور فضیلت کے لحاظ سے جو حضرات بڑے ہوں، ان کا امیر بھی اس شخص کو بنایا جا سکتا ہے، جو ان سے فضیلت کے اعتبار سے کم ہو۔ (۲)

---

(۱) فتح الباری ۱۹۲/۸، کتاب المغازی باب بعث النبی ﷺ اسامة بن زید فی مرضه، الطبقات الکبری ۱۳۶/۲، مرقاة المفاتیح ۳۰۴/۱۱، کتاب المناقب باب مناقب اهل بیت النبی رقم: ۶۱۵۰، سیرت المصطفی ۱۵۴/۳، سریہ اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ

(۲) مرقاۃ المفاتیح ۳۰۵/۱۱، رقم الحدیث: ۶۱۵۰۔

بَابُ مَنَاقِبِ أُسَامَةَ بْنِ زَيْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ

حضرت اسامہ بن زید کے فضائل

حضرت اسامہ بن زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ کے محبوب صحابہ میں سے ہیں، ان کے والد حضرت زید بھی آپ کو بہت محبوب تھے، اس لیے حضرت اسامہ کو یوں کہا جاتا ہے: محبوب کا محبوب بیٹا، مکہ مکرمہ میں آپ نے حضرت زید کی شادی اپنی آیا حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا سے کرائی تھی، ان کے بطن سے حضرت اسامہ پیدا ہوئے تھے، نبی کریم ﷺ کی وفات کے وقت حضرت اسامہ کی عمر اٹھارہ یا بیس سال تھی، آپ ان سے حضرات حسنین کی طرح محبت اور پیار فرماتے تھے، بہت ہی خوبیوں اور صلاحیتوں کے یہ حامل تھے، حضرت عثمان کی شہادت کے بعد رونما ہونے والے فتنوں سے بالکل الگ تھلگ رہے، ۵۴ سال کی عمر میں مدینہ منورہ کے مقام ''جرُف'' میں ان کی وفات ہوئی۔(۱)

عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ أُسَامَةَ بْنِ زَيْدٍ، عَنْ أَبِيهِ، قَالَ: لَمَّا ثَقُلَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَبَطْتُ وَهَبَطَ النَّاسُ الْمَدِينَةَ، فَدَخَلْتُ عَلَى رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَدْ أُصْمِتَ فَلَمْ يَتَكَلَّمْ، فَجَعَلَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَضَعُ يَدَيْهِ عَلَيَّ وَيَرْفَعُهُمَا فَأَعْرِفُ أَنَّهُ يَدْعُو لِي.(۲)

حضرت اسامہ بن زید کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ (مرض وفات میں) جب بہت ضعیف اور کمزور ہو چکے تھے تو میں اور دوسرے لوگ مدینہ منورہ میں اترے، (تاکہ آپ علیہ السلام سے ملاقات کر لیں) چنانچہ میں نبی کریم ﷺ کے پاس داخل ہوا (یعنی خدمت اقدس میں حاضر ہوا) اس وقت آپ کی زبان بند ہو چکی تھی، اس لیے آپ نے زبان سے کوئی بات نہیں کی، تاہم نبی کریم ﷺ نے یہ ضرور کیا کہ آپ اپنے دونوں ہاتھ میرے اوپر رکھتے اور پھر ان کو اٹھا لیتے، اس سے میں سمجھ گیا کہ نبی کریم ﷺ (دل ہی دل میں) میرے لیے دعا فرما رہے ہیں۔

مشکل الفاظ کے معنی: لما ثقل: (قاف پر پیش کے ساتھ) جب آپ ﷺ مرض وفات میں بہت ضعیف، کمزور اور نحیف ہو گئے، هبطت: میں اترا، وهبط الناس المدينة: اور دوسرے صحابہ بھی مدینہ منورہ میں اترے، یہاں حدیث میں اترنا اس لیے کہا ہے کہ اصل مدینہ نشیبی جگہ پر تھا، اور اس کے آس پاس کے علاقے اونچائی پر تھے، وقد اصمت: (اصمات سے ماضی مجہول مذکر): اس وقت آپ کی زبان مبارک بند ہو گئی تھی، فلم يتكلم: اس لیے آپ نے مجھ سے کوئی بات نہیں کی، فاعرف انه يدعو لي: اس سے میں سمجھ گیا کہ آپ علیہ السلام میرے لیے دعا کر رہے ہیں۔

---

(۱) الاصابة في تمييز الصحابة ۲/۳۲، باب الالف بعدها السين۔

(۲) مشكاة المصابيح، رقم: ۶۰۷۵۔

وفات سے ایک دن پہلے حضرت اسامہ کی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضری

حضرت اسامہ اور ان کا لشکر جو مقام "جرف" پر ٹھہرا ہوا تھا، یہ علاقہ چونکہ مدینہ منورہ سے ذرا اونچائی پر ہے، اس لیے حدیث میں "هبوط" یعنی اترنے کا لفظ استعمال کیا گیا ہے، اتوار کے دن یہ حضرات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے، اس وقت آپ کی طبیعت بہت خراب تھی، حتی کہ آپ کی زبان بھی بند ہو چکی تھی، زبان سے آپ بول نہیں سکتے تھے، اس نازک وقت میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ہاتھ حضرت اسامہ پر رکھتے اور اٹھاتے تھے، حضرت اسامہ چونکہ مزاج نبوت سے آشنا تھے، ان کے ساتھ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا جو لگاؤ، پیار اور محبت تھی، اس کی وجہ سے وہ سمجھ گئے کہ اس وقت بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم میرے لیے دعا کر رہے ہیں، اس سے بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت اسامہ سے بہت محبت فرماتے تھے۔(۱)

عَنْ عَائِشَةَ، أُمِّ الْمُؤْمِنِينَ قَالَتْ: أَرَادَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يُنَحِّيَ مُخَاطَ أُسَامَةَ. قَالَتْ عَائِشَةُ: دَعْنِي، حَتَّى أَكُونَ أَنَا الَّذِي أَفْعَلُ، قَالَ: يَا عَائِشَةُ: أَحِبِّيهِ، فَإِنِّي أُحِبُّهُ.(۲)

ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ (ایک دن) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت اسامہ کی (بچپن میں) ناک کی رینٹ صاف کرنا چاہی تو میں نے عرض کیا: آپ چھوڑ دیجئے، میں یہ کام کر دیتی ہوں، اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عائشہ! اسامہ سے محبت کیا کرو، کیونکہ میں اس سے محبت کرتا ہوں۔

مشکل الفاظ کے معنی: ان ینحی: یہ کہ آپ صاف کریں، گندگی کو ہٹا دیں، مخاط: (میم پر پیش) ناک کی رینٹ، ناک سے نکلنے والی گندگی۔

اسامہ سے محبت کرنے کا حکم

اس حدیث سے درج ذیل امور ثابت ہوتے ہیں:

۱۔ اس سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی انکساری اور عاجزی ثابت ہوتی ہے کہ حضرت اسامہ جب چھوٹے تھے، تو بھی آپ ان کی ناک بھی صاف کر دیتے تھے۔

۲۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ سے فرمایا کہ تم اسامہ سے محبت کیا کرو، یعنی اگر طبعاً تمہیں اسامہ سے انس اور محبت نہ بھی ہو، تب بھی اس سے محبت اور حسن سلوک کیا کرو، کیونکہ میں جو اس سے محبت کرتا ہوں۔

---

(۱) مرقاة المفاتیح ۱۱/۳۰۴، رقم: ۶۱۵۰۔

(۲) مشکاة المصابیح، رقم: ۶۱۷۶۔

۳۔ والدین کے لیے اس میں یہ درس ہے کہ وہ اپنے بچوں کی صفائی ستھرائی کا خاص اہتمام کیا کریں۔(۱)

عَنْ أُسَامَةَ بْنِ زَيْدٍ، قَالَ: كُنْتُ جَالِسًا إِذْ جَاءَ عَلِيٌّ وَالْعَبَّاسُ يَسْتَأْذِنَانِ، فَقَالَا: يَا أُسَامَةُ: اسْتَأْذِنْ لَنَا عَلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقُلْتُ: يَا رَسُولَ اللَّهِ: عَلِيٌّ وَالْعَبَّاسُ يَسْتَأْذِنَانِ، فَقَالَ: أَتَدْرِي، مَا جَاءَ بِهِمَا؟ قُلْتُ: لَا، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَكِنِّي أَدْرِي، فَأْذَنْ لَهُمَا، فَدَخَلَا، فَقَالَا: يَا رَسُولَ اللَّهِ: جِئْنَاكَ نَسْأَلُكَ أَيُّ أَهْلِكَ أَحَبُّ إِلَيْكَ؟ قَالَ: فَاطِمَةُ بِنْتُ مُحَمَّدٍ، فَقَالَا: مَا جِئْنَاكَ نَسْأَلُكَ عَنْ أَهْلِكَ، قَالَ: أَحَبُّ أَهْلِي إِلَيَّ مَنْ قَدْ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِ، وَأَنْعَمْتُ عَلَيْهِ أُسَامَةُ بْنُ زَيْدٍ، قَالَا: ثُمَّ مَنْ؟ قَالَ: ثُمَّ عَلِيُّ بْنُ أَبِي طَالِبٍ، قَالَ الْعَبَّاسُ: يَا رَسُولَ اللَّهِ: جَعَلْتَ عَمَّكَ آخِرَهُمْ؟ قَالَ: لِأَنَّ عَلِيًّا قَدْ سَبَقَكَ بِالْهِجْرَةِ.(۲)

حضرت اسامہ بن زید کہتے ہیں کہ (ایک دن) میں (نبی کریم ﷺ کے دروازے پر) بیٹھا ہوا تھا کہ حضرت علی اور حضرت عباس آئے، جو نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضری کی اجازت طلب کر رہے تھے، چنانچہ ان دونوں نے کہا: اے اسامہ! نبی کریم ﷺ سے ہمارے لیے حاضری کی اجازت مانگ لو، میں نے (گھر میں داخل ہوکر) عرض کیا: یارسول اللہ! علی اور عباس آپ کے پاس آنا چاہتے ہیں، نبی کریم ﷺ نے فرمایا: کیا تم جانتے ہو کہ وہ کس وجہ سے آئے ہیں، میں نے کہا: میں نہیں جانتا، آپ نے فرمایا: مگر میں جانتا ہوں، انہیں اندر آنے کی اجازت دے دو، چنانچہ وہ دونوں اندر آ گئے، اور عرض کیا: یارسول اللہ! ہم آپ سے یہ معلوم کرنے آئے ہیں کہ آپ کو اپنے گھر والوں میں سے کون سب سے زیادہ محبوب ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: میری بیٹی فاطمہ، اس پر ان دونوں حضرات نے عرض کیا: ہم آپ سے آپ کے اہل یعنی آپ کی بیویاں اور آپ کی اولاد سے متعلق نہیں پوچھ رہے (بلکہ ہمارے سوال کا تعلق آپ کے دیگر رشتہ داروں اور آپ کے متعلقین کے بارے میں ہے کہ ان میں کون آپ کو زیادہ محبوب ہے؟) آپ ﷺ نے فرمایا: میرے متعلقین میں سے مجھے وہ شخص سب سے زیادہ محبوب ہے، جس پر اللہ تعالیٰ نے انعام کیا (کہ اسے اسلام کی توفیق دی) اور جس پر میں نے بھی انعام کیا (کہ اسے آزاد کیا اور منہ بولا بیٹا بنایا) وہ اسامہ بن زید ہے، ان دونوں نے پوچھا: پھر کون؟ آپ ﷺ نے فرمایا: پھر علی بن ابی طالب ہیں، حضرت عباس نے عرض کیا: یارسول اللہ! آپ نے اپنے چچا کو (یعنی مجھے) ان میں سب سے آخر میں کر دیا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اس کی وجہ یہ ہے کہ علی نے تم سے پہلے ہجرت کی ہے۔

---

(۱) مرقاۃ المفاتیح ۱۱/۳۲۰، رقم الحدیث: ۶۱۷۶۔

(۲) مشکاۃ المصابیح، رقم الحدیث: ۶۱۷۷۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے متعلقین میں اسامہ سے بہت پیار تھا

ایک دن حضرت علی اور حضرت عباس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر بڑے اہتمام سے یہ پوچھا کہ آپ کو اپنے "اہل" میں سے کون سب سے زیادہ محبوب ہے، اہل کا لفظ عموماً اپنی اولاد اور بیویوں کے لیے استعمال ہوتا ہے، اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں یہ جواب دیا کہ مجھے اپنی لخت جگر فاطمہ بہت محبوب ہے، اس پر انہوں نے پھر یہ عرض کیا کہ ہمارا مقصد یہ نہیں، ہمارے سوال کا مطلب یہ ہے کہ اپنے متعلقین، صحابہ اور اپنے دیگر رشتہ داروں میں کون شخص آپ کو زیادہ محبوب ہے؟ اس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں یہ جواب دیا کہ مجھے اپنے متعلقین میں سب سے زیادہ محبت اسامہ بن زید سے ہے، ان پر اللہ نے بھی انعام فرمایا کہ اللہ نے اسامہ کے والد زید بن حارثہ کو اسلام کی نعمت سے نوازا، اور ہدایت کے راستہ پر چلایا، اور ان پر میں نے بھی احسان کیا کہ میں نے زید بن حارثہ کو آزاد کیا، اسے اپنا منہ بولا بیٹا بنایا اور اپنی آغوش تربیت میں اسے رکھا۔

یہ ذہن میں رہے کہ یہ انعامات تو براہ راست حضرت اسامہ کے والد حضرت زید کو حاصل ہوئے تھے، حضرت اسامہ کو نہیں، لیکن اس موقع پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان انعامات کی نسبت براہ راست حضرت اسامہ کی طرف کر دی ہے، کیونکہ ان انعامات کا فائدہ حضرت اسامہ کو بھی پہنچا ہے، اور بیٹا باپ کے تابع ہوتا ہے، اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ باپ بیٹا دونوں ہی مجھے بہت عزیز ہیں۔

ان دونوں حضرات نے پھر پوچھا کہ اسامہ کے بعد پھر کون آپ کو زیادہ محبوب ہے؟ آپ نے فرمایا: علی بن ابی طالب، یہ سن کر حضرت عباس نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! اپنے چچا عباس کو تو آپ نے بالکل آخر میں کر دیا ہے، اس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ علی تم سے اسلام قبول کرنے اور ہجرت کرنے میں مقدم ہیں۔

اس تفصیل سے درج ذیل فوائد اور احکام ثابت ہوتے ہیں:

۱۔ حضرت زید اور حضرت اسامہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے تمام صحابہ اور متعلقین سے زیادہ محبوب تھے۔

۲۔ ایسا ہو سکتا ہے کہ ایک شخص انسان کو محبوب ہو، مگر وہ افضل نہ ہو، چنانچہ حضرت اسامہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو محبوب ضرور تھے، مگر افضل حضرت علی ہیں، یہی اہل سنت والجماعت کا مسلک ہے۔

۳۔ محبت کے مختلف انواع واقسام اور مراتب ہوتے ہیں، انسان کو ایک محبت اپنی اولاد اور بیوی سے ہوتی ہے، ایک اس کا تعلق رشتہ داروں اور دوستوں سے ہوتا ہے، ہر ایک محبت اور تعلق کی اپنی ایک جدا حیثیت ہوتی ہے، اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جو حضرت زید اور حضرت اسامہ سے محبت تھی، وہ اطاعت وفرمانبرداری اور خدمت کے اعتبار سے تھی، اور حضرت علی سے آپ کو علم و فضل اور قرابت داری کے لحاظ سے بہت محبت تھی، اس کا اظہار بھی آپ نے مختلف مواقع پر کیا ہے، اس لیے اس حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو یہ فرمایا کہ مجھے متعلقین میں سب سے زیادہ محبوب اسامہ بن زید ہے، اس کے یہ معنی نہیں کہ ہر لحاظ سے مجھے اسامہ

زیادہ محبوب ہے، بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ بعض لحاظ سے آپ ﷺ حضرت اسامہ کو زیادہ پسند فرماتے تھے اور بعض اعتبار سے حضرت علی آپ کو بہت محبوب تھے۔

۴۔ پہلے اسلام قبول کرنے اور ہجرت کرنے والے صحابی کا آپ ﷺ بہت لحاظ کیا کرتے تھے۔

۵۔ یوں تو اللہ تعالیٰ اور نبی کریم ﷺ کے انعامات تمام صحابہ اور تمام صحابیات پر تھے مگر یہاں اس حدیث میں اس انعام سے خاص وہ انعام مراد ہیں، جن کا ذکر سورہ احزاب کی آیت نمبر ۳۷ میں ہے۔(۱)

بَابُ مَنَاقِبِ جَرِيرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ الْبَجَلِيِّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ

حضرت جریر بن عبداللہ بجلی کے فضائل

حضرت جریر بن عبداللہ بجلی کا قبیلہ بجلیہ سے تعلق تھا، آپ کی کنیت ابوعمرو ہے، یہ اپنے قبیلہ کے ایسے سردار تھے، جن کی بات مانی جاتی تھی، راجح قول کے مطابق عام الوفود یعنی ۹ ھ میں انہوں نے اسلام قبول کیا ہے، اسلام قبول کرنے کے لیے جب یہ خدمت اقدس میں حاضر ہوئے تو آپ نے ان کا اکرام کیا اور ان کے لیے چادر بچھائی اور فرمایا: اذا اتاکم کریم قوم فاکرموہ (جب تمہارے پاس کوئی معزز و محترم بندہ آجائے تو اس کا اکرام کیا کرو) آپ ﷺ نے حضرت جریر بن عبداللہ کے ذریعہ یمن کا وہ ذوالخلصہ نامی بت ختم کرایا تھا، جس کو کعبہ یمانیہ اور کعبہ شامیہ بھی کہا جاتا تھا، حضرت جریر گھوڑے پر ثابت قدمی سے بیٹھ نہیں سکتے تھے، آپ ﷺ نے ان کے لیے دعا کی تو پھر استقامت کے ساتھ بیٹھ جاتے تھے۔

شکل وصورت میں انتہائی خوبصورت تھے ان کو حضرت عمر "اس امت کا یوسف" کہا کرتے تھے، قادسیہ کی فتح میں ان کا بڑا اہم کردار تھا، پھر انہوں نے کوفہ میں رہائش اختیار کرلی تھی، حضرت علی نے حضرت جریر کو اپنا نمائندہ بنا کر حضرت معاویہ کی طرف بھیجا تھا، مگر بعد میں آپ بالکل ہی الگ تھلگ ہو گئے تھے، کسی فریق کے ساتھ شامل نہیں تھے پھر "قرقیسیا" میں رہتے تھے اور ۵۱ ھ میں وہیں پر ان کی وفات ہوئی۔(۲)

عَنْ جَرِيرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ، قَالَ: مَا حَجَبَنِي رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُنْذُ أَسْلَمْتُ وَلَا رَآنِي إِلَّا ضَحِكَ. (۳)

حضرت جریر بن عبداللہ فرماتے ہیں کہ جب سے میں نے اسلام قبول کیا، نبی کریم ﷺ نے مجھے اپنے پاس آنے

---

(۱) مرقاۃ المفاتیح ۳۲۱/۱۱، کتاب المناقب، باب مناقب أهل بیت النبی صلی اللہ علیہ وسلم، رقم: ۶۱۷۷

(۲) الاصابۃ ۵۸۱/۱، حرف الجیم

(۳) الصحیح للبخاری، کتاب الجهاد، باب من لا یثبت علی الخیل، رقم: ۳۰۳۵۔

سے نہیں روکا اور آپ نے جب بھی مجھے دیکھا تو مسکرائے۔

حضرت جریر بن عبداللہ کی دو اہم خصوصیات

اس حدیث میں حضرت جریر بن عبداللہ نے اپنی دو خصوصیتیں بیان کی ہیں، جو انہیں دربار نبوی سے حاصل تھیں، اور یہ ان دونوں میں ممتاز حیثیت رکھتے تھے:

۱۔ دربار نبوی میں انہیں ہر وقت آنے کی اجازت تھی، فرماتے ہیں کہ میں جب اندر جانے کی اجازت طلب کرتا تو آپ ﷺ اگر مردوں میں ہی تشریف فرما ہوتے، تو مجھے فوراً بلا لیتے اور جب ازواج کے پاس ہوتے، تو آپ پردہ کرا کر مجھے بلا لیتے یا خود ہی میرے پاس تشریف لے آتے، اس لیے اس سے امہات المؤمنین کی طرف دیکھنا لازم نہیں آتا۔

۲۔ آپ ﷺ جب بھی حضرت جریر کو دیکھتے تو ضرور مسکراتے، یہ اس بات کی علامت ہے کہ آپ ﷺ ان سے محبت فرماتے تھے۔(۱)

بَابُ مَنَاقِبِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا

حضرت عبداللہ بن عباس کے فضائل

حضرت عبداللہ بن عباس نبی کریم ﷺ کے چچا زاد بھائی ہیں، ان کی والدہ ام الفضل لبابہ بنت الحارث ہیں، ہجرت سے تین سال پہلے شعب ابی طالب میں آپ پیدا ہوئے، فتح مکہ کے سال انہوں نے اپنے والدین سمیت مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کی ہے، جس وقت نبی کریم ﷺ دنیا سے رخصت ہوئے، اس وقت عبداللہ بن عباس کی عمر تیرہ برس تھی۔

حضرت عبداللہ بن عباس اس امت کے بہت ماہر عالم تھے، اسی وجہ سے ان کو "حبر الامۃ" کا لقب دیا گیا ہے، قرآن مجید کی فہم اور تفسیر میں بہت کمال حاصل تھا، چنانچہ ان کو ترجمان القرآن کہا جاتا ہے، کم عمری کے باوجود اللہ جل جلالہ نے ان کو خوب دینی بصیرت اور فراست عطا فرمائی تھی، بڑے بڑے صحابہ بھی ان کا بہت اکرام کرتے تھے، حضرت عمر فاروق اہم اور مشکل امور میں ان سے مشورہ لیا کرتے تھے، کیونکہ نبی کریم ﷺ نے ان کے لیے علم وحکمت کی دعا کی تھی، اس کی برکت سے اللہ نے ان کا ذہن خوب کھولا تھا۔

صحابہ کرام میں آپس میں جو اختلافات رونما ہوئے تھے، ان میں حضرت عبداللہ بن عباس الگ تھلگ ہی رہے، یہاں

---

(۱) فتح الباری ۷/۱۷۶، کتاب مناقب الانصار، باب ذکر جریر بن عبداللہ البجلی، الکوکب الدری ۴/۴۳۵

تک کہ عبداللہ بن زبیر کے ہاتھ پر بھی بیعت نہیں کی، یہ بات حضرت عبداللہ بن زبیر نے بہت محسوس کی، ناراض بھی ہوئے مگر انہوں نے کہا کہ ہمیں اس سے کوئی غرض نہیں کہ کون آپ کے ہاتھ پر بیعت کر رہا ہے اور کون نہیں، بس ہم اس معاملے میں نہیں پڑنا چاہتے، چنانچہ حضرت عبداللہ بن عباس اور محمد بن حنفیہ دونوں حضرات نے طائف میں رہائش اختیار کر لی تھی۔(۱)

حضرت عبداللہ بن زبیر کی امارت کے زمانے میں ہی ۶۸ھ میں طائف میں حضرت عبداللہ بن عباس کی وفات ہوئی اور محمد بن حنفیہ نے آپ کی نماز جنازہ پڑھائی، منقول ہے کہ جب ان کو کفن پہنا دیا گیا تو اچانک ایک سفید پرندہ ظاہر ہوا اور ان کی میت کے پاس آ کر کفن کے اندر گھس گیا اور پھر غائب ہو گیا، وہاں پر موجود لوگوں نے اس پرندے کو بہت تلاش کیا، مگر اس کا کچھ سراغ نہ مل سکا، اور روایت میں یہ بھی آتا ہے کہ جب حضرت عبداللہ بن عباس کو قبر میں رکھ دیا گیا، تو غیب سے ایک تلاوت کرنے والا یہ پڑھ رہا تھا: یاایتھا النفس المطمئنة ارجعي الى ربک راضية مرضية۔(۲)

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، أَنَّهُ رَأَى جِبْرِيلَ عَلَيْهِ السَّلَامُ مَرَّتَيْنِ وَدَعَالَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَرَّتَيْنِ.(۳)

حضرت عبداللہ بن عباس سے روایت ہے کہ انہوں نے دوبار حضرت جبرائیل کو دیکھا اور نبی کریم ﷺ نے دوبار ان کے لیے دعا فرمائی۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: دَعَالِي رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يُؤْتِيَنِي اللهُ الحِكْمَةَ مَرَّتَيْنِ.(۴)

حضرت عبداللہ بن عباس کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے میرے لیے دوبار یہ دعا کی کہ اللہ تعالیٰ مجھے حکمت عطا فرمائیں۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: ضَمَّنِي إِلَيْهِ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَالَ: اللَّهُمَّ عَلِّمْهُ الْحِكْمَةَ.(۵)

حضرت عبداللہ بن عباس کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے اپنے سینہ سے لگایا اور یہ دعا کی: اے اللہ! اسے حکمت سکھلا دے۔

حضرت عبداللہ بن عباس نے حضرت جبرئیل کو دوبار دیکھا

ترمذی کی مذکورہ روایت میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس نے حضرت جبرائیل علیہ السلام کو دوبار دیکھا ہے:

۱۔ حضرت عباس نے ایک دفعہ حضرت عبداللہ بن عباس کو کسی بات کے لیے نبی کریم ﷺ کے پاس بھیجا، وہ وہاں گئے مگر

(۱) سیر اعلام النبلاء ۴/۴۵۴

(۲) سیر أعلام النبلاء ۴/۴۳۹، الاصابة ۴/۱۲۱

(۳) مجمع الزوائد للهیثمی ۹/۲۷۹۔

(۴) السنن الکبریٰ للنسائی، کتاب المناقب، باب عبداللہ بن عباس، رقم: ۸۱۷۸۔

(۵) الصحیح للبخاری، تاب فضائل الصحابة، باب ذکر ابن عباس، رقم: ۳۷۵۶۔

بات چیت کے بغیر ہی واپس آگئے اور اپنے والد صاحب کو بتایا کہ نبی کریم ﷺ کے پاس ایک شخص بیٹھا ہے، جس سے آپ علیہ السلام کوئی خصوصی گفتگو فرما رہے تھے، اس لیے میں نے مناسب نہیں سمجھا کہ آپ کی گفتگو میں خلل ڈالوں، بعد میں حضرت عباس نے نبی کریم ﷺ کو بتایا کہ میں نے عبداللہ کو آپ کے پاس بھیجا تھا، مگر آپ کے پاس کوئی شخص موجود تھا، اس لیے وہ بات چیت کے بغیر ہی آ گیا، نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اے میرے چچا، آپ کو پتہ ہے کہ وہ کون تھا؟ میں نے کہا: مجھے معلوم نہیں، آپ ﷺ نے فرمایا: وہ جبرئیل تھے، جو مجھ سے ملنے آئے تھے، یہ سن لو کہ آپ کے بیٹے کی موت سے پہلے بینائی چلی جائے گی، اور انہیں خوب علم سے نوازا جائے گا۔(۱)

۲۔ حضرت عبداللہ بن عباس خود بیان فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ میں سفید کپڑے پہنے ہوئے نبی کریم ﷺ کے پاس سے گذرا، اس وقت آپ حضرت دحیہ کلبی سے سرگوشی فرما رہے تھے، جبکہ حقیقت میں وہ جبرئیل امین تھے، مجھے معلوم نہیں تھا کہ یہ حضرت جبرئیل ہیں، جبرئیل امین نے پوچھا کہ یہ کون ہیں؟ آپ ﷺ نے بتایا کہ یہ میرے چچازاد عبداللہ بن عباس ہیں، جبرئیل امین نے کہا: ابن عباس تو بہت سفید کپڑوں میں ہیں، مگر ان کی اولاد بعد میں سیاہ کپڑے پہن لے گی، جب حضرت جبرئیل آسمان پر چلے گئے، تب آپ ﷺ نے حضرت عبداللہ بن عباس کو یہ پوری تفصیل بتائی کہ وہ جبرئیل امین تھے، اور تم یہ سن لو کہ موت سے پہلے تمہاری بینائی چلی جائے گی۔(۲)

یہاں دو باتیں قابل غور ہیں:

۞ عموماً حضرت جبرئیل علیہ السلام حضرت دحیہ کلبی کی صورت میں نبی کریم ﷺ کے پاس آتے تھے، اور اکثر صحابہ ان کو دیکھتے رہتے تھے، پھر اس حدیث میں خاص طور پر حضرت عبداللہ بن عباس کے دوبار دیکھنے کا ذکر کس وجہ سے کیا گیا ہے۔

۞ جب دوسرے صحابہ بھی حضرت جبرئیل کو حضرت دحیہ کلبی کی شکل میں دیکھتے رہے تو ان کی بینائی کے ختم ہونے کا کوئی تذکرہ نہیں اور نہ ہی ان کی بینائی ختم ہوئی تو پھر حضرت عبداللہ بن عباس کی بصارت خاص طور پر جبرئیل امین کو دیکھنے کی وجہ سے موت سے پہلے کیوں چلی گئی تھی؟

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ نے ان دو باتوں کا جواب یہ لکھا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس نے حضرت جبرئیل کو دو مرتبہ اس حالت میں دیکھا کہ جس وقت ان پر فرشتہ ہونے کی صفت غالب تھی، جبکہ دوسرے صحابہ نے حضرت جبرئیل کو اس طرح نہیں دیکھا بلکہ انہوں نے اس وقت دیکھا ہے، جب ان پر انسانیت کا روپ غالب تھا، مثلاً وہ ایک سائل بن کر شریعت کے کچھ مسائل پوچھ رہے تھے جیسے حدیث جبرئیل میں ہے وغیرہ، اس لیے دوسرے حضرات کے دیکھنے کو خاص طور پر بیان نہیں کیا گیا، اور نہ ہی اس دیکھنے سے ان کی نظر پر کوئی فرق پڑا، اور حضرت عبداللہ بن عباس نے چونکہ ان کو ملکوتی صفات میں دوبار دیکھا

---

(۱) سیر اعلام النبلاء ۴۴۴/۴، المجمع للهیثمی ۱۵۵۲۰/۹

(۲) المعجم الکبیر للطبرانی رقم الحدیث: ۱۰۵۸۶، سیر اعلام النبلاء ۴۴۴/۴

ہے، اس لیے خصوصیت کے ساتھ ان کے دیکھنے کا ذکر اس حدیث میں آیا ہے، اور اس وجہ سے ان کی بینائی بھی موت سے پہلے جاتی رہی، حضرت دہلوی نے اس بات کو یوں تعبیر کیا ہے کہ ابن عباس نے جبرئیل امین کو عالم ملکوت میں دیکھا ہے، جبکہ دوسرے حضرات نے ان کو عالم ناسوت (شریعت) میں دیکھا ہے، اس لیے ابن عباس کو اس دیکھنے میں شرف حاصل ہے۔(۱)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابن عباس کے لیے کئی بار دعا کی

ترمذی کی مذکورہ روایت میں اگرچہ یہ بات ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ بن عباس کے لیے دوبار دعا کی ہے، مگر واقعہ یہ ہے کہ مختلف مواقع میں مختلف الفاظ کے ساتھ ان کے حق میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعائیں کی ہیں، چنانچہ ترمذی کی روایت میں یہ دعا ہے: اللھم علمہ الحکمۃ، اے اللہ ان کو حکمت سکھا دے، مسند احمد، ابن حبان اور طبرانی کی روایت میں یہ دعا ہے: اللھم فقہ فی الدین و علمہ التاویل (اے اللہ! ان کو دین میں سمجھ دے اور قرآن کی فہم عطا فرما دے) اور ابن ماجہ کی روایت میں یوں ہے: اللھم علمہ الحکمۃ و تاویل الکتاب (اے اللہ ان کو حکمت اور کتاب اللہ کی تشریح و تفسیر سکھا دے)، ان تمام الفاظ میں قدر مشترک دو ہی چیزیں ہیں: ایک قرآن مجید کا علم اور دوسری دین کی فقاہت اور سمجھ، اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ دونوں دعائیں قبول فرمائی ہیں، قرآن کا علم بھی ان کو اتنا دیا کہ ان کا لقب "ترجمان القرآن" مشہور ہے، اور دین میں سمجھ اور بصیرت کا یہ عالم تھا کہ بڑے بڑے صحابہ کرام اہم اور پیچیدہ مسائل میں حضرت عبداللہ بن عباس سے رجوع کرتے تھے۔(۲)

"حکمۃ" کے مختلف معنی ہیں: قرآن، سنت، ان کا علم، ان پر عمل، دین کی فقاہت اور سمجھ، یہاں حدیث میں، دعا میں جو "حکمۃ" کا لفظ ہے، اس سے "فہم قرآن" قرآن کی سمجھ، اور تشریح و تفسیر مراد ہے۔(۳)

بَابُ مَنَاقِبِ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰہُ عَنْهُمَا

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے فضائل

حضرت عبداللہ حضرت عمر بن خطاب کے جلیل القدر بیٹے ہیں، ان کی والدہ کا نام زینب بنت مظعون ہے، بچپن میں انہوں نے اپنے والد کے ساتھ ہی اسلام قبول کر لیا تھا، اور دس سال کی عمر میں مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کی ہے، بدر و احد میں کم

---

(۱) مظاہر حق ۵/۷۸۰، اہل بیت کا بیان، حدیث نمبر: ۲۵

(۲) تکملۃ فتح الملھم ۵/۲۲۹، کتاب فضائل الصحابۃ، باب فضائل عبداللہ بن عباس۔

(۳) تحفۃ الاحوذی ۱۰/۳۰۲

عمری کی وجہ سے شرکت نہیں کر سکے، غزوہ خندق میں ان کو شرکت کی اجازت ملی، اس کے بعد تمام معرکوں اور غزوات میں شریک ہوتے رہے، علم وحکمت اور زہد وتقویٰ میں انہیں خوب کمال حاصل تھا، بڑے صحابہ بھی ان کے علمی مقام کے معترف تھے، دنیا کے ساتھ ان کو کوئی لگاؤ اور رغبت نہیں تھی، حضرت نافع کہتے ہیں کہ ایک ہزار سے زائد انہوں نے غلام آزاد کئے ہیں، جو غلام بھی عبادات میں زیادہ دلچسپی لیتا تھا، اسے آزاد کر دیتے تھے، بہت زیادہ صدقہ کرتے تھے، جو بھی چیز حضرت عبداللہ بن عمر کو پسند ہوتی اسے صدقہ کر دیتے تاکہ اس آیت پر عمل ہو جائے: لن تنالوا البر حتی تنفقوا مما تحبون۔

نبی کریم ﷺ کی سنت پر بڑے اہتمام سے عمل کرتے تھے، موسم حج میں ایک مرتبہ حجاج بن یوسف خطبہ دے رہا تھا کہ ظہر یا عصر کی نماز میں اس نے تاخیر کر دی، اس پر ابن عمر نے اسے ٹوکا کہ سورج تمہاری انتظار نہیں کرتا، وہ مسلسل چل رہا ہے، نماز میں تاخیر ہو رہی ہے، یہ بات حجاج کو ناگوار گذری، آپس میں کچھ باتوں کا تبادلہ ہوا، بالآخر اس نے ایک شخص کو کہا کہ تم ایک نیزے پر زہر لگا کر ابن عمر کو مارو، اس بدبخت نے ابن عمر کے پاؤں پر وہ زہر آلود نیزہ مار دیا، جس کی وجہ سے وہ بیمار ہوئے، اور پھر اسی میں ان کی ۷۳ھ میں وفات ہوئی، اس وقت ان کی عمر ۸۷ یا ۸۴ سال تھی، یہ حادثہ حضرت عبداللہ بن زبیر کی شہادت کے تین ماہ بعد پیش آیا ہے، حضرت عبداللہ بن عمر نے یہ وصیت کی تھی کہ انہیں ''حل'' میں دفن کیا جائے، مگر حجاج اس وصیت پر عمل کرنے سے مانع تھا اس لیے پھر انہیں ''ذی طوی'' میں ہی مہاجرین کے قبرستان میں دفن کر دیا گیا۔(۱)

عَنِ ابْنِ عُمَرَ، قَالَ: رَأَيْتُ فِي الْمَنَامِ كَأَنَّمَا بِيَدِي قِطْعَةُ إِسْتَبْرَقٍ وَلَا أُشِيرُ بِهَا إِلَى مَوْضِعٍ مِنَ الْجَنَّةِ إِلَّا طَارَتْ بِي إِلَيْهِ فَقَصَصْتُهَا عَلَى حَفْصَةَ، فَقَصَّتْهَا حَفْصَةُ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: إِنَّ أَخَاكِ رَجُلٌ صَالِحٌ، أَوْ: إِنَّ عَبْدَ اللهِ رَجُلٌ صَالِحٌ.(۲)

حضرت عبداللہ بن عمر کہتے ہیں کہ میں نے (ایک دن) خواب میں دیکھا کہ گویا میرے ہاتھ میں ریشم کا ایک ٹکڑا ہے، میں اس سے جنت کی جس جگہ کی طرف بھی اشارہ کرتا ہوں، وہ ٹکڑا مجھے اڑا کر وہاں پر ہی لے جاتا ہے، میں نے یہ خواب (اپنی بہن ام المؤمنین) حضرت حفصہ سے بیان کیا پھر انہوں نے اسے نبی کریم ﷺ کے سامنے بیان کر دیا، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: واقعی تمہارا بھائی نیک آدمی ہے یا یوں فرمایا: عبداللہ ایک نیک آدمی ہے۔

مشکل الفاظ کے معنی: قطعة: (قاف کے نیچے زیر اور طا ساکن) ٹکڑا، استبرق: (ہمزے کے نیچے زیر اور سین ساکن) موٹے ریشم کا کپڑا، الا طارت بی الیه: مگر یہ کہ وہ ٹکڑا مجھے جنت کے اس موضع کی طرف اڑا کر لے جاتا ہے، فقصصتها: (صیغہ متکلم) میں نے وہ خواب بیان کیا، سنایا۔

---

(۱) الاصابة ۱۵۵/۴، حرف العین، سیر اعلام النبلاء ۲۴۶/۴، عبداللہ بن عمر، رقم: ۲۶۷

(۲) الصحیح للبخاری، کتاب التهجد، باب فضل من تعار من اللیل، رقم: ۱۱۵۶۔

عبداللہ بن عمر نیک آدمی ہیں

مذکورہ حدیث سے درج ذیل امور ثابت ہوتے ہیں:

۱۔ نبی کریم ﷺ نے خواب سننے کے بعد جو یہ فرمایا کہ عبداللہ ایک نیک آدمی ہے، اس سے دراصل آپ نے گویا خواب کی یہ تعبیر دی کہ وہ ریشمی کپڑا حقیقت میں عبداللہ کے نیک اعمال اور ان کی پاکیزہ زندگی کے اوراق ہیں، جو ان کے لیے ان شاء اللہ جنت میں بلند مراتب اور درجات حاصل کرنے کا ذریعہ بنیں گے۔

۲۔ جب کوئی اچھا خواب نظر آئے، تو اسے کسی ایسے سمجھ دار اور مخلص آدمی کے سامنے بیان کرنا چاہیے، جو اس کی صحیح تعبیر بتا سکے، ہر کس و ناکس کے سامنے خواب کا تذکرہ نہیں کرنا چاہیے۔

۳۔ اچھا خواب مؤمن کے لیے خوشخبری اور بشارت ہوا کرتا ہے۔(۱)

بَابُ مَنَاقِبِ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ الزُّبَيْرِ رَضِيَ اللّٰہُ عَنْهُ

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کے فضائل

حضرت عبداللہ، حضرت زبیر اور حضرت اسماء بنت ابی بکر کے بیٹے ہیں، ہجرت کے پہلے سال قباء میں ان کی ولادت ہوئی، اور یہ ہجرت کے بعد مسلمانوں کے سب سے پہلے بچے ہیں، جو مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے، کچھ یہودی یہ کہنا شروع ہو گئے تھے کہ ہم نے کچھ کر دیا ہے، جس کی وجہ سے مدینہ میں مسلمانوں کے بچے پیدا نہیں ہوتے، اس لیے جب حضرت عبداللہ پیدا ہوئے، تو تمام صحابہ کرام نے خوشی سے نعرۂ تکبیر بلند کیا، نبی کریم ﷺ نے خود ان کا نام عبداللہ رکھا، ان کے نانا حضرت صدیق اکبر نے ان کے کان میں اذان دی، اور نبی کریم ﷺ نے تحنیک کی یعنی اپنا لعاب ان کے منہ میں ڈالا اور کھجور چبا کر انہیں کھلائی، انہیں یہ سعادت حاصل ہے کہ سب سے پہلے ان کے منہ میں نبی کریم ﷺ کا لعاب دہن ڈالا گیا، پھر آپ نے ان کے لیے خیر و برکت کی دعا کی۔

جب حضرت عبداللہ بن زبیر سات سال کے ہو گئے، تو آپ ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کر لی، نبی کریم ﷺ کی جس وقت وفات ہوئی، اس وقت ان کی عمر نو سال تھی، نہایت پاکباز اور پرہیزگار انسان تھے، اکثر روزے میں رہتے اور نوافل بہت پڑھتے تھے، غیر معمولی طاقت کے حامل تھے، ایک دفعہ سیلاب کی وجہ سے بیت اللہ میں پانی آ گیا، اتنا پانی کہ انسان پیدل چل کر طواف نہیں کر سکتا تھا، تو انہوں نے تیر کر طواف کرنا شروع کر دیا، میدان جنگ میں ان کی جرأت و شجاعت اہل عرب کے ہاں ضرب

(۱) مرقاۃ المفاتیح ۳۳۹/۱۱، کتاب المناقب باب جامع المناقب رقم الحدیث: ۶۱۹۶

الشل تھی۔

جنگ یرموک میں اپنے والد کے ہمراہ شریک تھے، اور افریقہ کی فتح میں بھی یہ پیش پیش تھے، جنگ جمل میں اگرچہ یہ چھوٹے بچے تھے، مگر اپنی خالہ حضرت عائشہ کے ساتھ تھے، اتفاق سے اس میں یہ گم ہو گئے مگر بعد میں انہیں شہداء کے اندر موجود دیکھا گیا، تو ان کے جسم پر بھی چالیس سے زیادہ زخم تھے، جس شخص نے ان کے زندہ ہونے کی بشارت حضرت عائشہ کو دی تو انہوں نے اسے دس ہزار درہم دیئے تھے، مگر بعد میں جنگ صفین جو حضرت علی اور حضرت معاویہ کے درمیان ہوئی تھی، اس سے الگ تھلگ رہے، کسی فریق میں شامل نہیں تھے، پھر انہوں نے حضرت معاویہ کے ہاتھ پر بیعت کر لی تھی۔

حضرت عبداللہ بن زبیر ان صحابہ میں سے ہیں، جنہوں نے حضرت معاویہ کی وفات کے بعد یزید بن معاویہ کی امارت اور حکومت کو تسلیم نہیں کیا تھا، اس وجہ سے یہ مکہ مکرمہ آ گئے تھے، اور ۶۴ھ میں باقاعدہ لوگوں نے ان کے ہاتھ پر خلافت کی بیعت کر لی تھی، شام کے کچھ علاقے کے علاوہ باقی تمام عالم اسلام میں ان کی خلافت قائم ہو گئی تھی، لیکن ان کی خلافت کے خلاف سازشیں چلتی رہیں، بالآخر عبدالملک نے حجاج بن یوسف کی کمان میں ایک بڑا لشکر مکہ مکرمہ پر چڑھائی کے لیے بھیجا، اس لشکر نے پہلے طائف کو اپنے قبضہ میں لیا، پھر مکہ مکرمہ کا محاصرہ کر لیا، یہ محاصرہ کئی دن تک جاری رہا، بالآخر حضرت عبداللہ بن زبیر بیت اللہ کے پاس ہی شہید کر دیئے گئے، اس ظالم نے ان کی لاش کو سولی پر لٹکا دیا، کسی کو اتار کر انہیں دفن کرنے کی اجازت نہیں تھی، بعد میں عبدالملک کی اجازت سے ان کی والدہ حضرت اسماء نے ان کے کفن دفن کا بندوبست کیا، یوں علم و عمل کا یہ آفتاب جمادی الاولیٰ ۷۳ھ میں اس دنیا سے رخصت ہو گیا، تقریباً نو سال ان کی خلافت قائم رہی، بیت اللہ کو بناء ابراہیمی کے مطابق انہوں نے تعمیر کیا تھا، اور بیت اللہ کو سب سے پہلے ریشم کا غلاف انہوں نے پہنایا تھا، رضی اللہ عنہم۔(۱)

عَنْ عَائِشَةَ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَأَى فِي بَيْتِ الزُّبَيْرِ مِصْبَاحًا، فَقَالَ: يَا عَائِشَةُ: مَا أُرَى أَسْمَاءَ إِلَّا قَدْ نُفِسَتْ، فَلَا تُسَمُّوهُ حَتَّى أُسَمِّيَهُ، فَسَمَّاهُ عَبْدَ اللّٰهِ، وَحَنَّكَهُ بِتَمْرَةٍ.(۲)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے (ایک دن خلاف معمول) زبیر بن عوام کے گھر میں (رات کو) چراغ جلتا ہوا دیکھا تو فرمایا: اے عائشہ: مجھے ایسا لگتا ہے کہ اسماء کے ہاں بچہ پیدا ہو چکا ہے، لہذا تم لوگ اس بچہ کا نام نہ رکھنا، میں ہی اس کا نام رکھوں گا، چنانچہ آپ ﷺ نے اس بچہ کا نام "عبداللہ" رکھا، اور کھجور چبا کر اس کے منہ میں دی۔

مشکل الفاظ کے معنی: قد نفست: (نون پر زبر اور پیش اور فا کے نیچے زیر) اسماء کے ہاں ولادت ہو چکی، اسماء نفاس والی یعنی بچے والی ہو گئی، فلا تسموہ: لہذا تم لوگ اس بچہ کا نام نہ رکھنا، حتی اسمیہ: میں خود ہی اس کا نام رکھوں گا، حنکہ: تحنیک سے

(۱) سیر اعلام النبلاء ۴/۴۵۹، الاصابۃ ۴/۷۸، حرف العین، مرقاۃ المفاتیح ۱۱/۳۷۹، رقم الحدیث: ۶۲۴۳۔

(۲) مشکاۃ المصابیح، رقم الحدیث: ۶۲۴۳۔

ہے، اس کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ کھجور چبا کر یا اور کوئی چیز بچہ کے تالو میں ملنا، بچہ کے منہ میں دینا، بچے کو کھلانا۔

حضرت عبداللہ بن زبیر کی چند خصوصیات

اس حدیث میں حضرت عبداللہ بن زبیر کی چند خصوصیات کا ذکر ہے، جن کی تفصیل یہ ہے:

۱۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود ان کا نام عبداللہ رکھا۔

۲۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی تحنیک کی، یوں ان کے منہ میں سب سے پہلے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا لعاب مبارک داخل ہوا۔

۳۔ حضرت عبداللہ پہلے وہ بچے ہیں، جو ہجرت کے بعد سب سے پہلے ایک ہجری میں قباء کے مقام پر پیدا ہوئے۔(۱)

بَابُ مَنَاقِبِ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ

حضرت انس بن مالک کے فضائل

حضرت انس بن مالک خزرجی، انصاری صحابی ہیں، ہجرت سے نو یا دس سال پہلے یہ پیدا ہوئے اور جس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی، اس وقت ان کی عمر بیس سال تھی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی انہوں نے دس سال خدمت کی، اس لیے انہیں خادم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہا جاتا ہے، ان کی والدہ ام سلیم بنت ملحان ہیں۔

غزوہ بدر سمیت تمام غزوات میں شریک رہے ہیں، بدر میں گو کہ یہ بچے تھے، قتال میں شریک نہیں تھے، مگر موقع پر موجود تھے، اور آپ کی خدمت کرتے رہے، آپ نے حضرت انس کے لیے تین دعائیں کیں، جنہیں اللہ جل جلالہ نے قبول فرمالیا ان کا ذکر آگے ایک مستقل حدیث میں آرہا ہے۔

ثابت بنانی کہتے ہیں کہ انس بن مالک نے مجھ سے فرمایا کہ میرے پاس نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بال یعنی موئے مبارک ہیں، میں جب مرجاؤں، تو انہیں میری زبان کے نیچے رکھ دینا، اور پھر اسی طرح مجھے دفن کر دینا، حضرت انس ان صحابہ میں سے ہیں، جنہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ روایات نقل کی ہیں، بعد میں حضرت انس نے عہد فاروقی میں لوگوں کو دینی تعلیم دینے کے لیے اپنی رہائش بصرہ میں اختیار کر لی تھی، پھر وہیں پر ۹۱ھ میں ان کا انتقال ہوا، اس وقت ان کی عمر ۱۰۳ سال تھی، بصرہ میں وفات پانے والے صحابہ میں حضرت انس سب سے آخری صحابی ہیں۔(۲)

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، قَالَ: مَرَّ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَسَمِعَتْ أُمِّي أُمُّ سُلَيْمٍ صَوْتَهُ، فَقَالَتْ: بِأَبِي

(۱) مرقاۃ المفاتیح ۱۱/۳۷۹، رقم: ۶۲۴۳۔

(۲) سیر اعلام النبلاء ۴۸۲/۴، الاصابۃ ۲۷۵/۱، حرف الالف۔

أَنْتَ وَأُمِّي يَا رَسُولَ اللهِ: أُنَيْسٌ، قَالَ: فَدَعَا لِي رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَلَاثَ دَعَوَاتٍ، قَدْ رَأَيْتُ مِنْهُنَّ اثْنَتَيْنِ فِي الدُّنْيَا، وَأَنَا أَرْجُو الثَّالِثَةَ فِي الآخِرَةِ.(۱)

حضرت انس بن مالک فرماتے ہیں کہ (ایک مرتبہ) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم گذرے تو میری والدہ ام سلیم نے آپ کی آواز سن کر عرض کیا: میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں یارسول اللہ، یہ انیس ہے، حضرت انس کہتے ہیں: پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے لیے تین دعائیں کیں، ان میں سے دو تو میں نے دنیا میں دیکھ لی ہیں اور تیسری دعا کی آخرت میں امید رکھتا ہوں (کہ وہ بھی پوری ہوگی)

عَنْ أُمِّ سُلَيْمٍ أَنَّهَا قَالَتْ: يَا رَسُولَ اللهِ: أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ خَادِمُكَ، ادْعُ اللهَ لَهُ، قَالَ: اَللّٰهُمَّ أَكْثِرْ مَالَهُ وَوَلَدَهُ، وَبَارِكْ لَهُ فِيمَا أَعْطَيْتَهُ.(۲)

حضرت ام سلیم نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! انس بن مالک آپ کا خادم ہے، اس کے لیے دعا فرمادیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی: اے اللہ! انس کے مال اور اس کی اولاد کو بڑھادے اور جو کچھ تو نے اسے عطا کیا ہے، اس میں برکت پیدا فرمادے۔

حضرت انس کے لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تین خاص دعائیں

حضرت انس رضی اللہ عنہ کو یہ شرف حاصل ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خاص طور پر ان کے لیے تین دعائیں کی ہیں:

۱۔ اے اللہ ان کے مال کو بڑھادے، اس دعا کا یہ اثر تھا کہ اللہ جل جلالہ نے ان کو وافر مقدار میں مال و دولت عطا فرمایا تھا، چنانچہ ان کے باغ میں سال میں دو مرتبہ پھل آتا تھا، جبکہ اور لوگوں کے باغ میں صرف ایک ہی دفعہ پھل آتا تھا، امام نووی فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے یہ حکم ثابت ہوتا ہے کہ جب انسان اپنے لیے مال و دولت کے بڑھانے کی دعا کرے، تو ساتھ ہی اس میں برکت کی بھی ضرور دعا کرے، اس طرح کرنے سے، پھر وہ مال انسان کے لیے فتنہ اور گمراہی کا ذریعہ نہیں بنتا، ایسا مال اللہ جل جلالہ کے قرب اور نزدیکی حاصل کرنے کا ایک بڑا سبب بن جاتا ہے۔(۳)

۲۔ اے اللہ ان کی اولاد کو بڑھادے، اس دعا کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے ان کو صلبی اولاد بھی بہت عطا فرمائی تھی اور بالواسطہ اولاد سے بھی بہت نوازا تھا، حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے حضرت انس کا قول نقل کیا ہے، جس میں وہ فرماتے ہیں کہ حجاج بن یوسف جس وقت بصرہ میں آیا، اس وقت تک حضرت انس کے ایک سو بیس صلبی بچے طاعون کی وجہ سے وفات پاچکے تھے، اور

---

(۱) الصحيح لمسلم، فضائل الصحابة، باب من فضائل انس، رقم: ۲۴۸۱۔

(۲) الصحيح للبخاری، الدعوات، باب قول الله تعالىٰ: وصل عليهم، رقم: ۶۳۳۴۔

(۳) شرح مسلم للنووی، ۲۹۸/۲، کتاب فضائل الصحابة باب من فضائل انس بن مالک۔

بالواسطہ اولاد کی تعداد تو بہت زیادہ ہے۔(۱)

۳۔ تیسری دعا کا ذکر سنان بن ربیعہ کی روایت میں ہے، اس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا: واغفر ذنبہ، اور امام بخاری نے الادب المفرد میں بھی اس کو روایت کیا ہے، اس دعا کا تعلق آخرت سے ہے کہ اللہ تعالیٰ آخرت میں ان کو معاف کردے، اور ان کی مغفرت فرمادے۔(۲)

عَنْ أَنَسٍ قَالَ: كَنَّانِي رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِبَقْلَةٍ كُنْتُ أَجْتَنِيْهَا۔(۳)

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے میری کنیت (ابوحمزہ) رکھی اس (ترش اور چٹپٹی) سبزی کی وجہ سے، جس کو میں (کھیت سے) توڑتا تھا۔

مشکل الفاظ کے معنیٰ: کنانی: آپ نے میری کنیت (ابوحمزہ) رکھی، بقلة: اس کے معنیٰ تو سبزی کے ہیں، مگر ازہری کہتے ہیں کہ اس بقلہ سے وہ کھٹی اور ترش سبزی مراد ہے، جو چٹپٹی تھی اور زبان پر لگتی تھی، اسے اردو میں "چرچری سبزی" بھی کہا جاتا ہے، اور اس طرح کی سبزی کو عربی میں چونکہ "حمزہ" کہا جاتا ہے، اس لیے حضرت انس کی کنیت آپ نے "ابوحمزہ" رکھ دی تھی، کنت اجتنیھا: میں اس سبزی کو کھیت سے توڑتا تھا۔

حضرت انس کی "ابوحمزہ" کنیت رکھنے کی وجہ

حضرت انس فرماتے ہیں کہ میں کھیت سے ایسی سبزی اور ساگ توڑتا تھا، جو چٹپٹی اور ترش تھی، جو کھانے میں زبان پر لگتی تھی، گویا وہ اُسے کاٹ رہی ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے دیکھتے تھے، اور عربی میں اس سبزی کو چونکہ "حمزہ" کہا جاتا ہے، اس لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے میری کنیت ابوحمزہ رکھ دی تھی۔(۴)

عَنْ ثَابِتٍ الْبُنَانِيِّ، قَالَ: قَالَ لِي أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ: يَا ثَابِتُ خُذْ عَنِّي: فَإِنَّكَ لَمْ تَأْخُذْ عَنْ أَحَدٍ أَوْثَقَ مِنِّي، إِنِّي أَخَذْتُهُ عَنْ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ جِبْرِيْلَ، وَأَخَذَهُ جِبْرِيْلُ عَنِ اللهِ تَعَالٰى۔

حضرت ثابت بنانی کہتے ہیں کہ مجھ سے انس بن مالک نے فرمایا: اے ثابت مجھ سے قرآن وسنت کا علم حاصل کرلو، کیونکہ تو ہرگز کسی بھی ایسے شخص سے علم حاصل نہیں کرسکے گا، جو (بصرہ میں) مجھ سے زیادہ ثقہ اور اعتماد والا ہو، اس لیے کہ میں نے یہ علم (براہ راست) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے حاصل کیا ہے، آپ نے جبرئیل امین سے اور جبرئیل نے اللہ

---

(۱) فتح الباری ۱۱/۱۷۲، کتاب الدعوات باب دعوة النبی ﷺ لخادمه بطول العمر۔
(۲) تکملة فتح الملهم ۵/۲۳۲، کتاب فضائل الصحابة باب من فضائل انس بن مالک، تحفة الاحوذی ۱۰/۳۰۵
(۳) مسند احمد ۳/۱۳۰۔
(۴) تحفة الاحوذی ۱۰/۳۰۶

تعالیٰ سے یہ علم حاصل کیا ہے۔

بصرہ میں قرآن وسنت کا علم مجھ سے حاصل کرلو

حضرت انس نے اپنے شاگرد خاص حضرت ثابت بنانی سے کہا کہ میں بصرہ میں آخری صحابی ہوں، میں نے براہ راست نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے علم حاصل کیا ہے، اس لیے مجھ سے یہ علم حاصل کرلو، مجھ سے زیادہ ثقہ آدمی بصرہ میں کہیں نہیں ملے گا کہ جس سے تم لوگ یہ علم حاصل کرلو، اس لیے اس موقع کو غنیمت جانو اور مجھ سے جس قدر ہو سکے، علم حاصل کرلو۔(۱)

عَنْ أَنَسٍ، قَالَ: رُبَّمَا قَالَ لِيَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: يَا ذَا الأُذُنَيْنِ، قَالَ أَبُو أُسَامَةَ: يَعْنِي يُمَازِحُهُ.(۲)

حضرت انس فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا: اے دو کان والے، ابواسامہ راوی کہتے ہیں کہ اس سے مراد یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان سے مزاح فرماتے۔

حضرت انس کو ''یاذا الاذنین'' کہنے کی وجہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت انس کو ''اے دو کان والے'' کس وجہ سے ارشاد فرمایا ہے؟ شارحین نے اس کے دو مطلب بیان کیے ہیں:

۱۔ ابواسامہ راوی کہتے ہیں کہ یہ جملہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خوش طبعی اور مزاح کے طور پر ارشاد فرمایا ہے اور ساتھ ہی حضرت انس کی تعریف بھی فرمادی کہ وہ بہت ذہین وفطین اور سمجھدار آدمی ہیں، جو بات ان سے کہی جائے، اسے خوب توجہ سے سنتے اور سمجھتے ہیں، اور پھر اس پر عمل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

۲۔ یا اس جملہ سے اس طرف توجہ دلانا مقصود ہے کہ انسان کو جو بات کہی جائے، اسے چاہیے کہ وہ اسے خوب توجہ سے سنے، کیونکہ سننے کے لیے اسے ایک کے بجائے دو کان دیئے گئے ہیں، حالانکہ کام ایک سے بھی چل سکتا ہے، جب اللہ نے اسے دو کان دیئے ہیں تو اس نعمت کا تقاضا یہ ہے کہ انسان بات کو خوب بیداری اور توجہ سے سنے اور اسے سمجھنے کی کوشش کرے۔(۳)

مزاح سے متعلق تفصیلی احکام، معارف ترمذی، جلد اوّل، ابواب البر والصلۃ، باب ماجاء فی المزاح میں گذر چکے ہیں۔

عَنْ أَبِي خَلْدَةَ، قَالَ: قُلْتُ لِأَبِي الْعَالِيَةِ سَمِعَ أَنَسٌ، مِنَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ؟ قَالَ: خَدَمَهُ عَشْرَ سِنِينَ وَدَعَا لَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَكَانَ لَهُ بُسْتَانٌ يَحْمِلُ فِي السَّنَةِ الْفَاكِهَةَ مَرَّتَيْنِ، وَكَانَ فِيهَا رَيْحَانٌ

---

(۱) تحفۃ الاحوذی ۳۰۷/۱۰

(۲) سنن ابی داؤد، الأدب، باب ماجاء فی المزاح، رقم: ۵۰۰۲۔

(۳) مرقاۃ المفاتیح ۶۲۰/۸، کتاب الاداب باب المزاح

يَجِدُ مِنْهُ رِيحَ الْمِسْكِ.

حضرت ابوخلدہ کہتے ہیں کہ میں نے ابوالعالیہ سے پوچھا کہ کیا حضرت انس نے نبی کریم ﷺ سے سنا ہے؟ تو ابوالعالیہ نے فرمایا: حضرت انس نے دس سال نبی کریم ﷺ کی خدمت کی ہے اور آپ نے ان کے لیے دعا بھی کی ہے، ان کا ایک باغ تھا، جو سال میں دو مرتبہ پھل دیتا تھا، اور اس باغ میں ایک خوشبودار پودا ناز بو تھا، جس سے انسان مشک کی خوشبو پاتا تھا۔ (یا اس سے مشک کی خوشبو آتی تھی)۔

مشکل الفاظ کے معنی: یحمل: وہ باغ پھل دیتا تھا، ریحان: خوشبودار پودا، ناز بو، کان یجد: انسان پاتا تھا، محسوس کرتا تھا، بعض نسخوں میں "یجیء" کا لفظ ہے، اب ترجمہ یوں ہوگا: جس سے مشک کی خوشبو آتی تھی، کان فیھا ریحان: اس میں فیھا کی ضمیر حدیقہ کی تاویل سے بستان کی طرف لوٹ رہی ہے، اس لیے یہ مؤنث ہے۔

حضرت انس کے باغ میں سال میں دوبار پھل آتا

نبی کریم ﷺ نے حضرت انس کے حق میں جو مال کے بڑھنے کی دعا کی تھی، اس کا یہ اثر تھا کہ سال میں ان کے باغ میں دوبار پھل آتا تھا، جبکہ اور لوگوں کے باغ میں سال میں صرف ایک بار ہی پھل آتا تھا۔

بَابُ مَنَاقِبِ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے فضائل

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ۷ھ میں غزوہ خیبر کے موقع پر ایمان لائے، یمن کے قبیلہ دوس سے ان کا تعلق تھا، اسلام قبول کرنے کے بعد انہوں نے مستقل رہائش نبی کریم ﷺ کے پاس ہی رکھ لی تھی، یہ اصحاب صفہ میں سے تھے، صبح وشام، سفر و حضر، صحت و مرض، غرض ہر حالت میں آپ ﷺ کی رفاقت اور صحبت میں رہے، کوئی لمحہ ضائع نہیں ہونے دیا، ہر وقت نبی کریم ﷺ سے فیض حاصل کرتے، اس لیے انہوں نے سب سے زیادہ نبی کریم ﷺ کی احادیث روایت کی ہیں۔

خود فرماتے ہیں کہ دوسرے صحابہ دن کے وقت اپنے معاشی مشغلوں میں مصروف ہوجاتے، اس لیے وہ دن کے اوقات میں دربار نبوت میں حاضر نہ ہوسکتے، مگر میں ادھر ہی رہ کر بھوک پیاس کی پرواہ کیے بغیر علم نبوت کے حصول میں مشغول رہتا تھا، آپ ﷺ کی دعا کی برکت سے انہیں احادیث یاد رہتی تھیں، سہو اور نسیان نہیں ہوتا تھا۔

حضرت عمرؓ نے انہیں بحرین کا گورنر بنایا تھا، مگر ان کی نرم طبیعت اور شوق عبادت کی وجہ سے بعد میں حضرت عمر نے انہیں معزول کردیا تھا، عارضی طور پر مدینہ منورہ کے کئی بار گورنر رہے ہیں، بہت زیادہ متواضع اور عبادت گذار تھے، شوق عبادت کا یہ حال

تھا کہ انہوں نے اور ان کی بیوی اور خادم نے رات کو تین حصوں میں تقسیم کر رکھا تھا، یکے بعد دیگرے بیدار ہو کر اہتمام سے عبادت کرتے تھے اور حضرت ابوہریرہؓ فرمایا کرتے تھے: نَشَأْتُ يَتِيماً، هَاجَرْتُ مِسْكِيناً، وَكُنْتُ أَجِيرَ الْبُسْرَةِ بِنْتِ غَزْوَانَ بِطَعَامِ بَطْنِي، فَزَوَّجَنِيهَا اللهُ فَالْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي جَعَلَ الدِّينَ قِوَاماً، ترجمہ: میں نے یتیم ہو کر پرورش پائی، مسکینی میں ہجرت کی، اور میں تو بسرۃ بنت غزوان کا، کھانے کے عوض ایک مزدور تھا، پھر اللہ جل جلالہ نے میری اسی عورت سے شادی کرادی، تمام تعریفیں اس اللہ کے لیے ہیں جس نے دین اسلام کو معتدل بنایا، (۱) حضرت ابوہریرہؓ کی ولادت ہجرت سے ۱۹ سال پہلے ہوئی، اور ۵۱ یا ۵۹ھ میں مدینہ منورہ میں ان کی وفات ہوئی، (۲)

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللهِ أَسْمَعُ مِنْكَ أَشْيَاءَ فَلَا أَحْفَظُهَا، قَالَ: ابْسُطْ رِدَاءَكَ فَبَسَطْتُ، فَحَدَّثَ حَدِيثًا كَثِيرًا، فَمَا نَسِيتُ شَيْئًا حَدَّثَنِي بِهِ. (۳)

حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! میں آپ سے بہت سی چیزیں یعنی احادیث سنتا ہوں، مگر میں ان کو یاد نہیں رکھ سکتا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم اپنی چادر پھیلاؤ، چنانچہ میں نے چادر پھیلادی، پھر آپ نے بہت سی احادیث بیان فرمائیں، تو میں ان میں سے کوئی بات نہیں بھولا، جو آپ نے بیان فرمائیں۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: أَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَبَسَطْتُ ثَوْبِي عِنْدَهُ، ثُمَّ أَخَذَهُ فَجَمَعَهُ عَلَى قَلْبِي، فَمَا نَسِيتُ بَعْدَهُ.

حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو میں نے آپ کے پاس اپنا کپڑا (یعنی چادر) پھیلادیا پھر آپ نے اس کپڑے کو لے لیا، اور اسے میرے دل پر جمع کر دیا یعنی رکھ دیا، ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ اس کے بعد میں کبھی کوئی حدیث نہیں بھولا۔

عَنِ ابْنِ عُمَرَ، أَنَّهُ قَالَ: لِأَبِي هُرَيْرَةَ: يَا أَبَا هُرَيْرَةَ: أَنْتَ كُنْتَ أَلْزَمَنَا لِرَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَحْفَظَنَا لِحَدِيثِهِ.

حضرت عبداللہ بن عمر نے (ایک مرتبہ) حضرت ابوہریرہؓ سے فرمایا: آپ ہم سب سے زیادہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر رہتے تھے، اور آپ ہم سب سے زیادہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کو یاد کرنے والے تھے۔

عَنْ مَالِكِ بْنِ أَبِي عَامِرٍ، قَالَ: جَاءَ رَجُلٌ إِلَى طَلْحَةَ بْنِ عُبَيْدِ اللهِ، فَقَالَ يَا أَبَا مُحَمَّدٍ: أَرَأَيْتَ هَذَا الْيَمَانِيَّ يَعْنِي أَبَا هُرَيْرَةَ، أَهُوَ أَعْلَمُ بِحَدِيثِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْكُمْ؟ نَسْمَعُ مِنْهُ مَا لَا نَسْمَعُ مِنْكُمْ، أَوْ

---

(۱) تکملۃ فتح الملہم ۵/۲۵۲، کتاب فضائل الصحابۃ باب فضائل ابی ہریرۃ

(۲) سیر اعلام النبلاء ۲/۱۷۵، الاصابۃ ۷/۳۴۸، باب الکنی

(۳) الصحیح للبخاری، کتاب المناقب، رقم: ۳۶۴۸۔

يَقُولُ عَلَى رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا لَمْ يَقُلْ. قَالَ: أَمَا أَنْ يَكُونَ سَمِعَ مِنْ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا لَمْ نَسْمَعْ عَنْهُ، وَذَاكَ أَنَّهُ كَانَ مِسْكِيْنًا، لَا شَيْءَ لَهُ، ضَيْفًا لِرَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، يَدُهُ مَعَ يَدِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَكُنَّا نَحْنُ أَهْلَ بُيُوتَاتٍ وَغِنًى، وَكُنَّا نَأْتِي رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ طَرَفَيِ النَّهَارِ، لَا أَشُكُّ إِلَّا أَنَّهُ سَمِعَ مِنْ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا لَمْ نَسْمَعْ، وَلَا تَجِدُ أَحَدًا، فِيهِ خَيْرٌ يَقُولُ عَلَى رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا لَمْ يَقُلْ.

مالک بن عامر کہتے ہیں کہ ایک شخص حضرت طلحہ بن عبید اللہ کے پاس آیا، اور عرض کیا: اے ابو محمد: ذرا بتادیں کہ یہ یمنی شخص یعنی ابو ہریرہؓ، کیا وہ تم لوگوں سے زیادہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کو جانتا ہے، کیونکہ ہم اس سے وہ احادیث سنتے ہیں، جو تم لوگوں سے نہیں سنتے یا پھر وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کر کے ایسی بات کہتا ہے، جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد نہیں فرمائی؟ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: یہ حقیقت ہے کہ اس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے وہ احادیث سنی ہیں، جو ہم نے آپ سے نہیں سنیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ ابو ہریرہؓ ایک مسکین آدمی تھے، ان کے پاس کچھ نہیں تھا، وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مہمان رہتے تھے، ان کا ہاتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ کے ساتھ ہی ہوتا تھا (یعنی وہ ہر وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہی رہتے تھے، کھانا پینا بھی اکٹھا رہتا تھا) جبکہ ہم لوگ گھر بار اور مال والے تھے، ہم صرف صبح وشام نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے، لہذا مجھے اس میں کوئی شک نہیں کہ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے وہ احادیث سنی ہیں، جو ہم نے آپ سے نہیں سنیں، اور تم کسی بھی ایسے شخص کو، جس میں خیر و بھلائی ہو، اس طرح نہیں پاؤ گے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کر کے، ایسی کوئی حدیث بیان کرے، جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد نہیں فرمائی۔

مشکل الفاظ کے معنی: ابسط: (صیغہ امر) تم پھیلاؤ، فجمعه علی قلبی: پھر آپ نے اس کپڑے کو اکٹھا کر کے میرے دل پر رکھا، دل کے ساتھ لگایا، کنت الزمنا لرسول اللہ: (لزوم سے صیغہ اسم تفضیل) آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہر وقت رہتے تھے، آپ کے ساتھ گویا چمٹے ہوئے تھے، واحفظنا لحدیثہ: (صیغہ اسم تفضیل) اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث ہم سے زیادہ محفوظ اور یاد کرنے والے تھے، ارأیت ھذا الیمانی: کیا آپ نے اس یمنی شخص کو دیکھا، یا آپ ذرا اس یمنی شخص یعنی ابو ہریرہؓ کے بارے میں بتادیں، یدہ مع ید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: ان کا ہاتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ کے ساتھ ہوتا تھا یعنی یہ ہر وقت آپ کے ساتھ رہتے، کبھی غائب نہ ہوتے، کھانا پینا بھی ایک ساتھ ہی ہوتا تھا، اھل بیوتات و غنی: ہم گھر والے اور مال والے تھے، بیوتات: جمع الجمع ہے، یہ بیوت کی جمع ہے اور بیوت، بیت کی جمع ہے، لا أشک الا انه سمع: یہاں لفظ ''الا'' زائد ہے، اس کے کوئی معنی نہیں اور کلام عرب میں اور اشعار میں اس طرح کا کلام استعمال ہوتا ہے، گویا اصل عبارت یوں ہے: لا اشک فی انه سمع: مجھے اس میں کوئی شک نہیں کہ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے وہ احادیث سنی ہیں، جو ہم آپ سے نہیں سن سکے، یا ''شک''

سے ظن اور گمان مراد ہے، ای لا اظن الا انہ سمع میرا گمان یہی ہے کہ انہوں نے نبی کریم ﷺ سے ہی یہ احادیث سنی ہیں، یقول علی رسول اللّٰہ ﷺ مالم یقل: کہ وہ رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب کر کے، ایسی کوئی حدیث بیان کرے، جو آپ ﷺ نے ارشاد نہیں فرمائی یعنی جھوٹی حدیث۔

حضرت ابوہریرہؓ کی روایات زیادہ ہونے کے اسباب

حضرت ابوہریرہؓ ان صحابہ میں سے ہیں، جنہوں نے نبی کریم ﷺ سے زیادہ روایات نقل کی ہیں، ان کو مُکْثِرِیْنَ فِی الرِّوَایَۃِ کہا جاتا ہے، مذکورہ احادیث میں ان اسباب کا ذکر ہے، جن کی وجہ سے حضرت ابوہریرہؓ نے زیادہ روایات حاصل کر کے، آگے اپنے شاگردوں کے سامنے بیان کی ہیں، یہ کل تین اسباب ہیں، جن کی تفصیل درج ذیل ہے:

۱۔ حضرت ابوہریرہؓ نے ایک دفعہ نبی کریم ﷺ سے عرض کیا کہ میں آپ سے احادیث سنتا ہوں، مگر انہیں یاد نہیں رکھ سکتا، وہ مجھے یاد نہیں رہتیں، بھول جاتا ہوں، آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم چادر بچھا دو، میں نے چادر بچھا دی پھر آپ نے وہ چادر سمیٹ کر میرے سینے سے لگا دی، اس سے میرا حافظہ اور ذہن اتنے تیز ہو گئے کہ اس کے بعد میں آپ ﷺ کی کوئی حدیث نہیں بھولا، یہ بھی نبوت کی صداقت کی ایک بڑی دلیل اور معجزہ ہے۔(۱)

مگر ترمذی کی پہلی دونوں روایتوں میں ایک تعارض ہے، ترمذی کی پہلی روایت، جو صحیح بخاری کی روایت ہے، اس میں اس قدر اضافہ ہے کہ آپ نے حضرت ابوہریرہ سے فرمایا کہ تم اس چادر کو اپنے سینے سے لگا دو، میں نے اسے اپنے سینے سے لگا دیا، اس کے بعد میں کوئی حدیث نہیں بھولا، جبکہ ترمذی کی دوسری روایت میں حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ اس چادر کو نبی کریم ﷺ نے لیا اور اسے میرے سینے سے لگا دیا، تو صحیح بخاری کی روایت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس چادر کو ابوہریرہؓ نے خود سمیٹ کر اپنے سینے سے لگایا اور ترمذی کی روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے اس چادر کو اکٹھا کر کے ابوہریرہ کے سینے سے لگا دیا، بظاہر دونوں باتوں میں تعارض ہے؟ اس کے حل میں شارحین نے دو باتیں ذکر کی ہیں:

❁ صحیح بخاری کی روایت مقدم ہے، گویا نبی کریم ﷺ کے کہنے سے حضرت ابوہریرہؓ نے خود اس چادر کو اٹھا کر اپنے سینہ سے لگایا۔

❁ دونوں روایتوں میں یوں تطبیق دی گئی ہے کہ نبی کریم ﷺ اور حضرت ابوہریرہؓ دونوں حضرات نے اس چادر کو سمیٹا اور پھر دونوں نے ہی ابوہریرہؓ کے سینے سے لگایا، لہذا بخاری کی روایت میں حضرت ابوہریرہؓ کا اور ترمذی کی روایت میں نبی کریم ﷺ کے جمع کرنے کا ذکر ہے، اس لیے دونوں باتوں میں کوئی تعارض نہیں۔(۲)

---

(۱) فتح الباری ۱/ ۲۸۶، کتاب العلم باب حفظ العلم،

(۲) تحفۃ الاحوذی ۱۰/ ۳۰۹

۲۔ حضرت عبداللہ بن عمر اور حضرت طلحہ بن عبیداللہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابوہریرہ ہر وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہتے تھے، ان کا اوڑھنا بچھونا، کھانا پینا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہی تھا، اس لیے وہ آپ سے زیادہ فیض حاصل کرتے تھے، اور ایسی روایات بھی سن لیتے تھے، جنہیں ہم نے آپ سے نہیں سنا، چنانچہ حضرت طلحہ نے اس سائل کو یہی بتایا کہ ہم گھر بار اور مال والے تھے، گھر کے کام کاج اور تجارت کے مشغلوں میں دن بھر مصروف رہتے تھے، صرف صبح و شام ہی خدمت اقدس میں حاضر ہوتے تھے، جبکہ ابوہریرہ ایک مسکین آدمی تھے، تجارت وغیرہ کی کوئی مصروفیت ان کی نہیں تھی، وہ ہر وقت علوم نبوت کے انوار کو حاصل کرنے میں مشغول رہتے تھے، لہٰذا ابوہریرہؓ جو بھی احادیث بیان کریں، وہ سچی اور درست ہیں، انہوں نے آپ سے ہی سنی ہیں، وہ حضور کی طرف جھوٹی بات منسوب نہیں کرتے، اور کوئی بھی نیک آدمی ایسا سوچ بھی نہیں سکتا کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف جھوٹ منسوب کرے، نیز اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ دوسرے صحابہ بھی یہ اعتراف کرتے تھے کہ حضرت ابوہریرہ زیادہ روایتیں بیان کرتے ہیں اور وہ انہیں درست سمجھتے تھے۔

۳۔ حضرت ابوہریرہؓ احادیث کو یاد کرلیتے تھے، اس تفصیل سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ علم دین کے حصول کے لیے مکمل یکسوئی ہونی چاہیے، کاروباری اور تجارتی مشغلے گو کہ شرعاً وہ جائز ہیں، مگر تعلیم کے دوران صرف اپنی تعلیم کی طرف ہی توجہ دینی چاہیے، تاکہ صحیح معنی میں اسے علم حاصل ہوجائے۔(۱)

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ لِي النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مِمَّنْ أَنْتَ؟ قَالَ: قُلْتُ: مِنْ دَوْسٍ. قَالَ: مَا كُنْتُ أَرَى أَنَّ فِي دَوْسٍ أَحَدًا فِيهِ خَيْرٌ. (۲)

حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تم کس قبیلے سے تعلق رکھتے ہو؟ میں نے عرض کیا: قبیلہ دوس سے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے تو گمان بھی نہیں تھا کہ قبیلہ دوس میں کوئی ایسا شخص بھی ہوسکتا ہے، جس میں خیر اور بھلائی ہو۔

قبیلہ دوس کا ایک بھلا آدمی

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں حضرت ابوہریرہؓ کی تعریف کی ہے کہ تم ایک نیک آدمی ہو اور اس میں ان کے قبیلہ دوس کی مذمت ہے کہ اگر ابوہریرہؓ نہ ہوتے تو اس قبیلے میں کوئی بھی خوبی اور بھلائی نہ ہوتی۔(۳)

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: أَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِتَمَرَاتٍ، فَقُلْتُ: يَا رَسُولَ اللهِ: ادْعُ اللهَ فِيهِنَّ بِالبَرَكَةِ

(۱) فتح الباری ۲۸۵/۱

(۲) مشکاۃ المصابیح، رقم: ۵۹۹۷۔

(۳) مرقاۃ المفاتیح ۱۴۳/۱۱، کتاب المناقب مناقب قریش، رقم الحدیث: ۵۹۹۷

فَضَمَّهُنَّ ثُمَّ دَعَالِي فِيهِنَّ بِالبَرَكَةِ، فَقَالَ لِي: خُذْهُنَّ وَاجْعَلْهُنَّ فِي مِزْوَدِكَ هَذَا، أَوْفِي هَذَا المِزْوَدِ، كُلَّمَا أَرَدْتَ أَنْ تَأْخُذَ مِنْهُ شَيْئًا، فَأَدْخِلْ يَدَكَ فِيهِ، فَخُذْهُ، وَلَا تَنْثُرْهُ نَثْرًا، فَقَدْ حَمَلْتُ مِنْ ذَلِكَ التَّمْرِ كَذَا وَكَذَا مِنْ وَسْقٍ فِي سَبِيلِ اللهِ، فَكُنَّا نَأْكُلُ مِنْهُ وَنُطْعِمُ، وَكَانَ لَا يُفَارِقُ حَقْوِي، حَتَّى كَانَ يَوْمُ قَتْلِ عُثْمَانَ فَإِنَّهُ انْقَطَعَ.(۱)

حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ میں (ایک مرتبہ) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کچھ کھجوریں لایا اور میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ: ان میں برکت کی دعا فرمادیں، چنانچہ آپ نے ان کو ملایا (یعنی ان کو اپنے ہاتھ میں لے لیا یا ان پر اپنا ہاتھ رکھا) پھر آپ نے ان میں میرے لیے برکت کی دعا کی اور فرمایا: انہیں لے لو اور اپنے اس توشہ دان میں ان کو رکھ دو، جب تم اس توشہ دان سے کچھ کھجوریں لینا چاہو، تو اپنا ہاتھ توشہ دان میں داخل کرنا اور کچھ کھجوریں لے لینا اور توشہ دان کو جھاڑنا نہیں، (ورنہ برکت ختم ہو جائے گی)، چنانچہ میں نے ان کھجوروں سے اتنے اور اتنے وسق یعنی ٹوکرے لیے (اور انہیں) اللہ کے راستے میں (خرچ کیا) اور میں اور میرے دوست بھی ان کھجوروں سے خود بھی کھاتے اور ہم دوسروں کو بھی کھلاتے تھے، اور وہ توشہ دان کبھی میری کمر سے الگ نہیں ہوتا تھا (ہر وقت وہ میری تہہ بند باندھنے والی جگہ پر بندھا رہتا تھا) لیکن جس دن حضرت عثمان کو قتل کیا گیا (اس روز) وہ توشہ دان (میری کمر سے) کٹ گیا (اور نیچے گر کر ضائع ہو گیا)

مشکل الفاظ کے معنی: فضمھن: پھر آپ نے ان کھجوروں کو ملایا یعنی ان کو جمع کر کے اپنے ہاتھ میں لے لیا یا ان کو جمع کر کے ان پر اپنا ہاتھ رکھ دیا، فی مزودک: (میم کے نیچے زیر اور زا ساکن) اپنے توشہ دان میں، ان تأخذ منه: یہ کہ تم اس توشہ دان یا تمر سے کچھ لو، فأدخل فيه: (صیغہ امر) تو اس توشہ دان میں داخل کر، ولا تنثره: تم اس توشہ دان کو جھاڑ نہ دینا، فقد حملت من ذلک التمر: (صیغہ متکلم) میں نے ان کھجوروں سے اٹھایا، ان میں سے لیا، وسق: پیمائش کا ایک پیمانہ ہے، بطور محاورے کے اس کا ترجمہ ٹوکرہ کیا گیا ہے، لا يفارق: وہ توشہ دان الگ نہ ہوتا، حقوی: (حا پر زبر اور قاف ساکن) میری کمر، تہہ بند باندھنے والی جگہ مراد ہے، یوم قتل عثمان: لفظ "قتل" مصدر اور فعل دونوں ہو سکتا ہے: مصدر کی صورت میں یہ لفظ اپنے مفعول یعنی لفظ عثمان کی طرف مضاف ہوگا، اور اگر فعل ہو تو یہ فعل مجہول ہوگا اور لفظ عثمان اس کا نائب فاعل ہوگا، فانه انقطع: پھر وہ توشہ دان کٹ گیا اور میری کمر سے گر کر ضائع ہو گیا۔

دعاء نبوی سے ابو ہریرہؓ کی کھجوروں میں برکت کا معجزہ

مذکورہ حدیث سے دو امر ثابت ہوتے ہیں:

---

(۱) مشکاۃ المصابیح، رقم: ۵۹۳۳۔

۱۔ نبی کریم ﷺ کی دعا سے توشہ دان کی ان کھجوروں میں اس قدر برکت ہوئی کہ حضرت عثمان کی شہادت تک اس سے کئی کئی وسق کھجوریں اللہ کی راہ میں خرچ کی جاتی رہیں، وہ خود بھی کھاتے رہے اور دوستوں کو بھی کھلاتے رہے، مگر ان میں کوئی کمی نہیں ہوئی، یہ توشہ دان ہر وقت کمر پر تہہ بند باندھنے والی جگہ پر بندھا رہتا تھا، ضرورت کے بقدر اس سے کھجوریں نکالتے رہے، مگر حضرت عثمان کی شہادت کے دن وہ توشہ دان کمر سے کٹ کر گر گیا، یہ نبی کریم ﷺ کا معجزہ تھا، جس کی برکات ایک عرصے تک ظاہر ہوتی رہیں۔

۲۔ شیخ ابونصر کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے جن کھجوروں پر برکت کی دعاء کی تھی، ان کی تعداد اکیس تھی۔ واللہ اعلم۔

۳۔ روایت کے آخری الفاظ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جب معاشرہ میں فتنہ وفساد، افتراق اور انتشار بڑھ جائے تو پھر وہاں سے خیر و برکت اٹھ جاتی ہے، چنانچہ حضرت ابوہریرہؓ حضرت عثمان کی شہادت کے دن، اپنا درد و رنج اس شعر سے بیان کرتے تھے:

لِلنَّاسِ هَمٌّ وَلِيَ الْيَوْمَ هَمَّانِ
هَمُّ الْجِرَابِ وَهَمُّ الشَّيْخِ عُثْمَانَا

ترجمہ: آج کے دن اور لوگوں کو ایک ہی غم کا سامنا ہے، اور مجھ پر دو غم آپڑے ہیں، ایک غم ہے توشہ دان ضائع ہو جانے کا اور دوسرا غم حضرت عثمان کی شہادت کا ہے۔(۱)

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ رَافِعٍ، قَالَ: قُلْتُ لِأَبِي هُرَيْرَةَ: لِمَ كُنِّيتَ أَبَا هُرَيْرَةَ؟ قَالَ أَمَا تَفْرَقُ مِنِّي؟ قُلْتُ: بَلَى وَاللّٰهِ إِنِّي لَأَهَابُكَ، قَالَ: كُنْتُ أَرْعَى غَنَمَ أَهْلِي، فَكَانَتْ لِي هُرَيْرَةٌ صَغِيرَةٌ، فَكُنْتُ أَضَعُهَا بِاللَّيْلِ فِي شَجَرَةٍ، فَإِذَا كَانَ النَّهَارُ ذَهَبْتُ بِهَا مَعِي، فَلَعِبْتُ بِهَا فَكَنَّوْنِي أَبَا هُرَيْرَةَ.

حضرت عبداللہ بن رافع کہتے ہیں کہ میں نے ابوہریرہ سے پوچھا کہ آپ کی کنیت "ابوہریرہ" کس وجہ سے رکھی گئی؟ حضرت ابوہریرہؓ نے فرمایا: کیا تو مجھ سے ڈرتا نہیں؟ (جو اس طرح کی باتیں آزادی سے تو پوچھ رہا ہے) میں نے عرض کیا: جی ہاں کیوں نہیں، اللہ کی قسم میں آپ سے ڈرتا ہوں، حضرت ابوہریرہؓ نے فرمایا: میں اپنے گھر والوں کی بکریاں چرایا کرتا تھا، تو میری ایک چھوٹی سی بلی تھی، میں اسے رات کے وقت ایک درخت پر رکھ دیتا تھا، (یعنی بٹھا دیتا) اور جب دن ہوتا تو میں اسے اپنے ساتھ لے جاتا، اور اس سے کھیلتا رہتا، اس لیے اہل خانہ نے میری کنیت ابوہریرہ رکھ دی۔

مشکل الفاظ کے معنی: لم کنیت: (صیغہ مجہول) تمہاری کنیت ابوہریرہؓ کس وجہ سے رکھی گئی؟ أما تفرق منی: کیا تو مجھ سے ڈرتا نہیں، لأھابک: میں آپ سے ڈرتا ضرور ہوں، کنت ارعی: میں چراتا تھا، ھریرۃ: ھرۃ کی تصغیر ہے، چھوٹی بلی، اضعھا

(۱) مرقاۃ المفاتیح ۱۱/۷۶، کتاب الفضائل باب فی المعجزات رقم الحدیث: ۵۹۳۳

بالليل في شجرة: میں اس بلی کو رات کے وقت درخت پر رکھ دیتا یعنی بٹھا دیتا تھا، فکنونی: چنانچہ میرے گھر والوں نے میری کنیت ابوہریرہ رکھ دی۔

ابوہریرہ کنیت کی وجہ اور ان کا نام کیا تھا

مذکورہ حدیث کی روشنی میں تین باتیں قابل ذکر ہیں:

۱۔ حضرت ابوہریرہؓ کے نام کے بارے میں چالیس سے زیادہ اقوال ہیں، راجح یہ ہے کہ زمانہ جاہلیت میں ان کا نام عبدالشمس بن صخر تھا اور زمانہ اسلام میں ان کا نام عبدالرحمن بن صخر ہے، امام بخاری اور امام ترمذی کے نزدیک اسلام کے بعد ان کا نام عبداللہ بن عمرو ہے، مگر جمہور کے نزدیک عبدالرحمن ہی راجح ہے، چنانچہ مستدرک حاکم میں حضرت ابوہریرہ کی روایت ہے، جس میں زمانہ جاہلیت اور زمانہ اسلام کے دونوں ناموں کی تصریح ہے، اسے جمہور نے اختیار کیا ہے۔

۲۔ ترمذی کی مذکورہ روایت میں حضرت ابوہریرہؓ نے ابوہریرہؓ کنیت رکھنے کی وجہ بتلائی کہ میں بکریاں چراتا تھا اور اپنے ساتھ ایک چھوٹی سی بلی سے کھیلا کرتا تھا، رات کو ایک درخت پر اسے بٹھا دیتا اور دن کو اس سے کھیلتا تھا، اہل خانہ نے جب دیکھا تو مجھے ابوہریرہ کہنا شروع کر دیا، ایسے ہی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح انہیں دیکھا تو آپ نے بھی انہیں ابوہریرہ فرمایا، گویا اس کنیت کو آپ نے برقرار رکھا، اس لیے دونوں باتوں میں کوئی تعارض نہیں کہ کنیت کس نے رکھی تھی، بعض روایتوں میں کنیت رکھنے کی نسبت حضرت ابوہریرہ کے اہل خانہ کی طرف بیان کی گئی ہے جیسا کہ ترمذی کی مذکورہ روایت میں ہے، اور بعض میں یہ بیان ہے کہ یہ کنیت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے رکھی ہے۔

۳۔ لفظ "ابوہریرہ" ابتداء میں اگرچہ یہ کنیت تھی، لیکن اس سے حضرت ابوہریرہ اس قدر مشہور ہو گئے کہ اسی کو لوگ ان کا نام سمجھتے ہیں، اصل نام بہت سے لوگوں کو معلوم ہی نہیں ہوتا، اس لیے راجح قول یہ ہے کہ ابوہریرہ غیر منصرف ہے، اور اس پر نحوی اعتبار سے علم یعنی نام کے احکام جاری ہوں گے۔(۱)

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: لَيْسَ أَحَدٌ أَكْثَرَ حَدِيثًا عَنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنِّي إِلَّا عَبْدَ اللهِ بْنَ عَمْرٍو، فَإِنَّهُ كَانَ يَكْتُبُ وَكُنْتُ لَا أَكْتُبُ.(۲)

حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام میں سے کوئی بھی ایسا نہیں تھا جس کے پاس نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث مجھ سے زیادہ ہوں، علاوہ عبداللہ بن عمرو بن عاص کے، کیونکہ وہ لکھتے تھے اور میں نہیں لکھتا تھا۔

---

(۱) تکملة فتح الملهم ۲۵۲/۵، کتاب فضائل الصحابة، باب فضائل ابی هريرة، تحفة الاحوذی ۳۵/۱، کتاب الطهارة باب ما جاء في فضل الطهور، سیر اعلام النبلاء ۱۸۱/۴، ابو هريرة الامام الفقيه

(۲) الصحيح للبخاری، کتاب العلم، باب کتابة العلم، رقم: ۱۱۳۔

حضرت ابوہریرہؓ احادیث کو یاد کر لیتے تھے

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ عہد رسالت میں احادیث کو یاد کر لیتے تھے، اور حضور ﷺ کی دعا کی برکت سے انہیں یاد کی ہوئی احادیث بھولتی بھی نہیں تھیں، مگر عہد رسالت کے بعد انہوں نے اپنی احادیث کو کتابی صورت میں قلم بند کر لیا تھا، خود ہی لکھ لیا، یا کسی اور سے لکھوا کر محفوظ کر لیا تھا، بہر حال انہیں کتابی شکل میں محفوظ کر لیا تھا۔

ترمذی کی مذکورہ روایت عہد رسالت کے اعتبار سے ہے، اس وقت حضرت ابوہریرہؓ نہیں لکھتے تھے، جبکہ حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص احادیث کو لکھ لیتے تھے، اس لیے حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ ان کے پاس احادیث کا ذخیرہ مجھ سے زیادہ تھا، لیکن اس پر اشکال یہ ہوتا ہے کہ واقع میں حضرت ابوہریرہؓ کی روایت کردہ احادیث حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص کی روایات سے زیادہ ہیں، مرویات ابوہریرہ کی تعداد پانچ ہزار تین سو چوہتر یا چونسٹھ ہے، تو پھر حضرت ابوہریرہؓ یہ کیسے کہہ رہے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص کی روایات زیادہ ہیں؟

اس کا جواب محدثین نے یہ دیا ہے کہ یہاں دو باتیں ہیں: ایک ہے حدیث کا کسی کے پاس زیادہ مقدار میں موجود ہونا اور ایک ہے ان روایات کو آگے شاگردوں کے سامنے بیان کرنا، ان دونوں باتوں میں فرق ہے، حضرت ابوہریرہؓ کے قول کے مطابق اگرچہ حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص کے پاس ان کے مقابلے میں حدیثیں زیادہ تھیں، مگر عبداللہ بن عمرو بن عاص کو حدیثیں روایت کرنے کا اتنا موقع نہیں ملا جتنا موقع کہ حضرت ابوہریرہ کو ملا تھا، اس کی دو وجہیں ہیں:

۱۔ حضرت ابوہریرہؓ کا قیام مدینہ منورہ میں تھا، جہاں حدیث حاصل کرنے والوں کی آمد بہت زیادہ تھی، اس لیے ان کی روایات کی تعداد بڑھ گئی جبکہ حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص شام میں رہائش پذیر تھے، وہاں طلبہ کا اتنا رجوع نہیں تھا، اس لیے وہ اپنی روایات آگے بیان نہ کر سکے۔

۲۔ حضرت ابوہریرہؓ نے احادیث بیان کرنے اور روایت کرنے کا مستقل مشغلہ بنایا ہوا تھا، اس لیے انہوں نے دوسروں تک بڑے اہتمام سے روایات پہنچائی ہیں، اور حضرت عبداللہ بن عمرو نے روایت حدیث کا مستقل مشغلہ نہیں بنایا تھا، وہ ایک تو احادیث بیان کرنے میں بہت احتیاط کرتے تھے، تاکہ کوئی غلطی نہ ہو جائے اور دوسرا ان کا خصوصی ذوق عبادت کا تھا، وہ عبادت میں زیادہ مشغول رہتے تھے، اس لیے وہ آگے روایات منتقل نہ کر سکے، جس کی وجہ سے ان کی روایات امت کے سامنے کم مقدار میں آئی ہیں اور حضرت ابوہریرہؓ کی روایات زیادہ تعداد میں سامنے آئی ہیں۔(۱)

اس بارے میں مزید تفصیل دیکھیے: معارف ترمذی، جلد دوم، ابواب العلم، ''حضرت ابوہریرہؓ کی روایات زیادہ ہونے کے اسباب''

---

(۱) فتح الباری ۱/۲۷۶، کتاب العلم باب کتابة العلم / رقم: ۱۱۳

بَابُ مَنَاقِبِ مُعَاوِيَةَ بْنِ أَبِي سُفْيَانَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ

حضرت معاویہ بن ابی سفیان کے فضائل

حضرت معاویہ بن ابی سفیان صخر بن حرب قرشی، اموی ہجرت سے بیس سال قبل مکہ مکرمہ میں پیدا ہوئے، ان کی والدہ کا نام ہندہ بنت عقبہ ہے، ان کے والد حضرت ابوسفیان نے فتح مکہ کے دن اسلام قبول کیا تھا، حضرت معاویہ نے اگرچہ عمرۃ القضاء کے موقع پر اسلام قبول کر لیا تھا، مگر باپ کے خوف سے اس کا اظہار نہیں کیا تھا، انتہائی زیرک، عقلمند، حلیم اور بردبار تھے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خطوط اور وحی لکھا کرتے تھے، جنگی امور میں بڑی مہارت رکھتے تھے۔

حضرت عمر نے اپنے دور خلافت میں حضرت معاویہ کو دمشق یعنی شام کا حاکم و والی مقرر کیا تھا، ان کی ولایت کا یہ سلسلہ حضرت عثمان کے زمانے تک رہا، پھر جب حضرت علی خلیفہ بنے تو انہوں نے حضرت علی کے ہاتھ پر بیعت نہیں کی اور حضرت عثمان کے قصاص کا مطالبہ کر دیا، یہ اختلاف شدت اختیار کر گیا، اسی میں جنگ صفین کا المناک حادثہ پیش آیا، یہ جنگ حضرت علی اور حضرت معاویہ کے درمیان ہوئی، اس کی مزید تفصیل پہلے گذر چکی ہے، حضرت علی کی شہادت کے بعد حضرت حسن خلیفہ بنے، مگر حضرت حسن نے لڑائی اور خون خرابے سے بچنے کی خاطر حضرت معاویہ کے ہاتھ پر بیعت کر لی، اس سال کو "عام الجماعۃ" کہا جاتا ہے، اب جب حضرت حسن نے ان کے ہاتھ پر بیعت کر لی تو پورے عالم اسلام کے متفقہ خلیفہ حضرت معاویہ بن گئے، تقریباً بیس سال یہ خلیفہ رہے، اور بیس سال ہی امیر رہے، یوں تقریباً چالیس سال ان کا اقتدار رہا۔

۷۸ سال کی عمر میں ۶۰ھ میں دمشق میں ہی حضرت معاویہ کی وفات ہوئی، آخری عمر میں بیمار رہتے تھے، حضرت امیر معاویہ کے پاس نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کچھ تبرکات محفوظ تھے، جن میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک چادر، ایک تہبند، اور ایک کرتا تھا اور کچھ موئے مبارک اور ناخن بھی تھے، مرتے وقت حضرت معاویہ نے یہ وصیت کی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کرتے میں مجھے کفن دیا جائے، اور آپ کی چادر میں مجھے لپیٹ دینا، اور آپ کے تہہ بند کو میرا ازار بنا دینا، اور ناخن اور بالوں سے کچھ میرے حلق کے گڑھے میں بھر دینا اور کچھ کو میرے سجدے کی جگہوں پر باندھ دینا، ان مبارک چیزوں کے ساتھ مجھے رب کریم کے پاس پہنچا دینا، چنانچہ پھر ایسا ہی کیا گیا۔(۱)

عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ أَبِي عَمِيْرَةَ، وَكَانَ مِنْ أَصْحَابِ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ لِمُعَاوِيَةَ: اللّٰهُمَّ اجْعَلْهُ هَادِيًا مَهْدِيًّا، وَاهْدِ بِهِ.(۲)

---

(۱) سیر اعلام النبلاء ۲۸۵/۴، الاصابۃ ۱۲۰/۶، مرقاۃ المفاتیح ۳۸۰/۱۱، کتاب المناقب باب جامع المناقب، رقم ۶۲۴۴/
(۲) مسند احمد ۲۱۶/۴۔

حضرت عبدالرحمن بن ابی عمیرہ اور وہ نبی کریم ﷺ کے صحابہ میں سے تھے، روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت معاویہ کے حق میں دعا فرمائی: اے اللہ! ایسے راہنمائی کرنے والا اور ہدایت یافتہ بنا اور اس کے ذریعہ سے لوگوں کو ہدایت عطا فرما۔

عَنْ أَبِي إِدْرِيسَ الْخَوْلَانِيِّ، قَالَ: لَمَّا عَزَلَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ عُمَيْرَ بْنَ سَعْدٍ عَنْ حِمْصَ وَلَّى مُعَاوِيَةَ، فَقَالَ النَّاسُ: عَزَلَ عُمَيْرًا وَوَلَّى مُعَاوِيَةَ، فَقَالَ عُمَيْرٌ: لَا تَذْكُرُوا مُعَاوِيَةَ إِلَّا بِخَيْرٍ، فَإِنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: اللَّهُمَّ اهْدِ بِهِ.

حضرت ابوادریس خولانی کہتے ہیں: جب حضرت عمر نے حضرت عمیر بن سعد کو "حمص" کی گورنری سے برطرف کیا تو حضرت معاویہ کو حاکم مقرر کیا، لوگ کہنے لگے: حضرت عمر نے عمیر کو برطرف کر دیا اور معاویہ کو والی نامزد کر دیا (انہوں نے گویا اس طرح کر کے ٹھیک نہیں کیا) اس پر حضرت عمیر نے کہا: معاویہ کا ذکرِ خیر ہی کرو، کیونکہ میں نے نبی کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: اے اللہ! معاویہ کے ذریعہ لوگوں کو راہ دکھا دے۔

حضرت معاویہ کو لوگوں کی ہدایت کا ذریعہ بنانے کی دعاء نبوی

مذکورہ احادیث میں نبی کریم ﷺ کی اس دعاء کا ذکر ہے، جو آپ نے خاص طور پر حضرت معاویہ کے حق میں فرمائی تھی، ایک یہ کہ ان کے ذریعہ لوگوں کو ہدایت دینا اور دوسرا ان کو ہدایت پایا ہوا یعنی ہدایت یافتہ بنا دے، چنانچہ اللہ جل جلالہ نے آپ کی دعا کو قبول فرمایا، اور انہیں اللہ نے ایسا ہی بنایا تھا۔

دوسری روایت میں ہے کہ حضرت عمر بن خطاب نے کسی وجہ سے حمص کے گورنر حضرت عمیر بن سعد کو معزول کر کے حضرت معاویہ کو مقرر کیا تو اس پر لوگوں نے کچھ بات کی تو حضرت عمیر بن سعد، جن کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ "نسیج وحدہ" (یعنی علم وہنر میں یکتا اور فائق) کہا کرتے تھے، فرمایا کہ حضرت معاویہ کے بارے میں کوئی غلط بات نہ کہو، ان کا ذکرِ خیر ہی کرنا، کیونکہ نبی کریم ﷺ نے ان کے حق میں ہدایت کی دعا کی ہے۔

ان احادیث سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی فضیلت ثابت ہوتی ہے، اور ان کے علاوہ اور بھی روایات ان کی فضیلت سے متعلق منقول ہیں، جن میں سے بعض پر علماء نقد نے اگرچہ کلام کیا ہے، تاہم یہ بات ہرگز درست نہیں کہ حضرت معاویہ کی شان میں کسی بات کا سہارا لے کر کوئی گستاخی کی جائے، ان کے خلاف زبان دراز کرنا اور انہیں سب وشتم کرنا جیسے بعض لوگ کرتے ہیں، یہ جائز نہیں، اس سے اجتناب کرنا ضروری ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: **الصحابة كلهم عدول**۔(۱)

---

(۱) مرقاة المفاتیح ۳۸۰/۱۱، رقم الحدیث: ۶۲۴۴، فتح الباری ۱۳۱/۷، کتاب فضائل اصحاب النبی باب ذکر معاویہ

بَابُ مَنَاقِبِ عَمْرِو بْنِ العَاصِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ

حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے فضائل

حضرت عمرو بن عاص مشہور صحابی ہیں، فتح مکہ سے ایک یا دو سال پہلے اپنی خوشی سے اسلام قبول کرلیا تھا، ہجرت سے پچاس سال پہلے پیدا ہوئے، اسلام قبول کرنے کے بعد ہر وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہی رہتے تھے، اور آپ بھی ان کا بڑا لحاظ فرماتے تھے، اس کی وجہ یہ تھی کہ اسلام سے پہلے حضرت عمرو بن عاص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور اسلام کے سخت دشمن تھے، بڑا ہی سخت رویہ تھا، آپ ان کو قریب رکھتے تھے، تاکہ وہ اپنے آپ کو سابقہ روش کی وجہ سے تنہا محسوس نہ کریں، بلکہ آپ نے غزوہ ذات السلاسل کا ان کو امیر مقرر کیا تھا، اور پھر ان کی مدد کے لیے حضرت ابوبکر اور حضرت عمر فاروق کو بھی بھیجا تھا۔

پھر شام کے جہاد میں شریک رہے، قنسرین وغیرہ کو فتح کیا، حلب اور انطاکیہ والوں سے صلح کی، حضرت عمر کے زمانے میں انہوں نے مصر کو فتح کیا، اور اس کے گورنر مقرر ہوئے، پھر حضرت عثمان نے آپ کو معزول کر دیا تھا، حضرت علی اور حضرت معاویہ کے نزاع میں حضرت معاویہ کے ساتھ تھے، اور پھر حضرت معاویہ نے آپ کو دوبارہ مصر کا گورنر مقرر کر دیا تھا، انتہائی سمجھدار اور دانا انسان تھے، اہل عرب کے ہاں ان کی دانائی اور تدبر ضرب المثل تھا، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ جب کسی بیوقوف مالدار کو دیکھتے تو فرماتے: سبحان اللہ، جس ذات نے اس کو پیدا کیا ہے، اسی نے عمرو بن عاص جیسے دانا کو بھی پیدا کیا ہے،

مصر کے شہر قاہرہ میں ۴۳ھ میں ان کی وفات ہوئی، اس وقت ان کی عمر ۹۳ سال تھی۔ (۱)

عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَسْلَمَ النَّاسُ وَآمَنَ عَمْرُو بْنُ العَاصِ. (۲)

حضرت عقبہ بن عامر کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: لوگوں نے (یعنی اہل مکہ نے فتح مکہ کے دن) تو اسلام قبول کیا اور عمرو بن عاص (دل سے) ایمان لائے۔

قَالَ طَلْحَةُ بْنُ عُبَيْدِ اللّٰهِ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: إِنَّ عَمْرَو بْنَ العَاصِ مِنْ صَالِحِي قُرَيْشٍ. (۳)

حضرت طلحہ بن عبید اللہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ عمرو بن عاص قریش کے نیک اور اچھے لوگوں میں سے ہیں۔

---

(۱) سیر اعلام النبلاء ۳/۶۱، ۲۲، الاصابۃ ۴/۵۳۷

(۲) مسند احمد ۴/۱۵۵۔

(۳) مسند احمد ۱/۱۶۱۔

حضرت عمرو بن عاص نے خوشی سے ایمان قبول کیا

مذکورہ احادیث میں دو باتیں بیان کی گئی ہیں:

۱۔ حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ قریش کے نیک اور اچھے لوگوں میں سے ہیں، اس میں گویا ان کی فضیلت اور بزرگی کو بیان کیا گیا ہے۔

۲۔ پہلی حدیث میں اگرچہ لفظ ''ناس'' عمومی انداز سے مذکور ہے، مگر اس سے خاص وہ لوگ مراد ہیں، جو فتح مکہ کے دن مجبوراً مسلمان ہو گئے تھے، کیونکہ اس کے علاوہ اور کوئی ان کے لیے چارہ ہی نہیں تھا، بعد میں اگرچہ وہ بھی مخلص ہو گئے تھے، مگر ان کی ابتدائی حالت کے لحاظ سے اس حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں کے لیے ''اسلام'' کا لفظ استعمال فرمایا، جبکہ حضرت عمرو بن عاص کسی مجبوری کے تحت مسلمان نہیں ہوئے، بلکہ اپنی خوشی، رغبت اور چاہت سے انہوں نے اسلام قبول کیا تھا، اسی وجہ سے انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کی محبت کی خاطر اپنا پیارا وطن مکہ چھوڑا اور ہجرت کر کے مدینہ منورہ آ گئے تھے۔

ابن الملک کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خاص طور پر حضرت عمرو بن عاص کے ایمان کی تعریف اس لیے کی ہے کہ ان کے دل میں اسلام اسی دن گھر کر گیا تھا، جب یہ حبشہ میں نجاشی کے ساتھ بیٹھ کر بات چیت کر رہے تھے، یہ وہاں اس لیے گئے تھے تا کہ کسی طرح نجاشی کو مسلمانوں کے خلاف قائل کر لیں، تا کہ جو مسلمان ہجرت کر کے وہاں جانا چاہیں تو ان کا راستہ یا تو بالکل ہی بند کر دیا جائے یا ان سے نجاشی کا تعاون ختم ہو جائے، مگر نجاشی نے ان سے کہا: عمرو! مجھے بڑا تعجب ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم تمہارے چچا کے بیٹے ہیں، اور تم ان کی حقیقت سے اتنا بے خبر ہو، خدا کی قسم! وہ اللہ جل جلالہ کے سچے رسول ہیں، عمرو نے کہا: واقعی آپ یہی کہتے ہیں؟ نجاشی نے فرمایا: خدا کی قسم میں سچ کہہ رہا ہوں، لہذا تم میری بات کو سچ ہی سمجھو، کہتے ہیں کہ نجاشی کی بات سے میرے دل میں ایمان کی محبت پیدا ہو گئی، میں وہاں سے آ کر سیدھا مدینہ منورہ میں حضرت خالد بن ولید اور حضرت عثمان بن طلحہ کے ساتھ حاضر خدمت ہوا اور میں نے اسلام قبول کر لیا، چونکہ انہوں نے خوشی سے اسلام قبول کیا تھا، اس لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ایمان کی تعریف فرمائی ہے۔(۱)

بَابُ مَنَاقِبِ خَالِدِ بْنِ الْوَلِيدِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے فضائل

حضرت خالد بن ولید ۷ھ میں حضرت عمرو بن عاص کے ساتھ مشرف باسلام ہوئے، ابو سلیمان آپ کی کنیت ہے،

---

(۱) مرقاۃ المفاتیح ۱۱/۳۸۱، کتاب المناقب باب جامع المناقب، رقم: ۶۲۴۵، الکوکب الدری ۴/۴۳۸، سیر اعلام النبلاء ۴/۴۴۱۔

آپ کی والدہ لبابہ صغریٰ بنت حارث بن حرب ہیں۔

زمانہ جاہلیت میں قریش کے ایک اہم لیڈر تھے، اور گھوڑ سوار دستوں کی کمان ان کے پاس ہوتی تھی، صلح حدیبیہ تک کفار کے ساتھ مسلمانوں کے خلاف برسرپیکار رہے، اسلام کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ان کو گھوڑ سواروں کا نگران بنادیا تھا، پھر اپنی جنگی صلاحیتوں کو اسلام کے دفاع اور اس کی نشرواشاعت میں لگاتے رہے، غزوہ موتہ میں وہ خود فرماتے ہیں کہ نو تلواریں کافروں کو مارتے مارتے ٹوٹ گئی تھیں۔

یمامہ کے معرکہ کے بعد حضرت صدیق اکبر نے ان کو شام کا گورنر بنادیا تھا، ادھر یہ مختلف فتوحات میں مشغول رہے، لیکن انتظامی لحاظ سے ان کا حضرت صدیق اکبر سے ایک چیز میں اختلاف رائے ہو گیا تھا، فتوحات سے جب کوئی مال وغیرہ حاصل ہوتا تو حضرت خالد بن ولید خود ہی مجاہدین میں تقسیم فرمادیتے، حضرت صدیق اکبر یہ فرماتے کہ میرے مشورے سے ایسا کیا کریں، مگر حضرت خالد کسی وجہ سے اس پر آمادہ نہ ہوئے، اس سب کے باوجود حضرت صدیق اکبر نے اپنے دور میں ان کو معزول نہیں کیا، پھر جب عہد فاروقی آیا اور انہوں نے اپنا وہی طریقہ کار جاری رکھا، جس کی وجہ سے انہیں معزول کر کے حضرت ابوعبیدہ کو شام کا امیر بنا دیا گیا، اور پھر حضرت خالد بغیر کسی نوک جھوک کے، ان کی سرپرستی میں اسلام کی خدمت میں حسب سابق مشغول رہے۔

حضرت خالد بن ولید جس لڑائی میں جاتے، اللہ جل جلالہ ان کو فتح وکامرانی سے نوازتے تھے، ایک تو اس کی وجہ خود ان کی جنگی صلاحیتیں اور تجربے تھے، اور دوسری اصل وجہ وہ خود یہ بیان فرماتے ہیں کہ میرے پاس ایک ٹوپی ہے، جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سر کے کچھ بال میں نے اس میں رکھے ہوئے ہیں، وہ لڑائی کے وقت میرے ساتھ ہوتی ہے، اس میں موجود موئے مبارک کی برکت سے اللہ تعالیٰ فتح عطا فرماتے ہیں، جنگ یرموک میں ایک موقع پر ان سے وہ ٹوپی تھوڑی دیر گم گئی، تو وہ پریشان ہو گئے، بعد میں پھر وہ دستیاب ہو گئی، شام سے واپس ۱۴ھ میں آئے، اور پھر ۲۱ھ میں "حمص" یا مدینہ منورہ میں ان کی وفات ہوئی۔(۱)

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: نَزَلْنَا مَعَ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْزِلًا، فَجَعَلَ النَّاسُ يَمُرُّونَ، فَيَقُولُ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَنْ هَذَا يَا أَبَا هُرَيْرَةَ؟ فَأَقُولُ: فُلَانٌ، فَيَقُولُ: نِعْمَ عَبْدُ اللّٰهِ هَذَا، وَيَقُولُ: مَنْ هَذَا؟ فَأَقُولُ: فُلَانٌ، فَيَقُولُ: بِئْسَ عَبْدُ اللّٰهِ هَذَا، حَتَّى مَرَّ خَالِدُ بْنُ الْوَلِيدِ، فَقَالَ: مَنْ هَذَا؟ فَقُلْتُ: هَذَا خَالِدُ بْنُ الْوَلِيدِ، فَقَالَ: نِعْمَ عَبْدُ اللّٰهِ خَالِدُ بْنُ الْوَلِيدِ، سَيْفٌ مِنْ سُيُوفِ اللّٰهِ.(۲)

حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ ہم (ایک سفر کے دوران) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک جگہ اترے (یعنی ٹھہرے، پڑاؤ ڈالا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم خیمہ کے اندر تھے اور میں باہر تھا) تو لوگ (خیمہ کے سامنے سے) گذرنے لگے،

---

(۱) الاصابۃ ۲/۲۱۵، حرف الخاء۔

(۲) مسند احمد ۲/۳۶۰۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم مجھ سے پوچھتے کہ ابوہریرہ یہ (گذرنے والا) کون ہے؟ تو میں بتاتا کہ یہ فلاں شخص ہے، آپ فرماتے: یہ اللہ کا کتنا اچھا بندہ ہے، اور پھر پوچھتے: یہ کون ہے؟ میں بتاتا کہ یہ فلاں ہے، تو آپ فرماتے: یہ اللہ کا کتنا برا بندہ ہے، یہاں تک کہ خالد بن ولید گذرے تو آپ نے پوچھا: یہ کون ہے؟ میں نے کہا: یہ خالد بن ولید ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: خالد بن ولید، اللہ کا کتنا ہی اچھا بندہ ہے، یہ اللہ کی تلواروں میں سے ایک تلوار ہے۔

حضرت خالد ''اللہ کی تلوار'' ہیں

مذکورہ حدیث میں دو باتیں بیان کی گئی ہیں:

۱۔ ایک سفر کے دوران نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ نے ایک جگہ قیام کیا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خیمہ میں تشریف فرما تھے، اور حضرت ابوہریرہؓ خیمہ سے باہر تھے، خیمہ سے باہر ہر طرف سے لوگوں نے آنا جانا شروع کر دیا، جو بھی وہاں سے گذرتا، تو آپ حضرت ابوہریرہؓ سے پوچھتے کہ یہ گذرنے والا کون ہے؟ میں بتاتا رہتا تو کسی کے بارے میں آپ فرماتے کہ یہ بہت اچھا آدمی ہے، اور کسی کے بارے میں فرماتے کہ یہ برا بندہ ہے، تاکہ دوسرے لوگ اس کے شر سے محفوظ رہیں، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم برا اسی بندے کے بارے میں فرماتے، جو منافق ہوتا تھا، لوگ گذرتے رہے، حتی کہ حضرت خالد بن ولید وہاں سے گذرے، آپ نے پوچھا کہ یہ کون ہے، بتایا گیا کہ یہ خالد بن ولید ہے، آپ نے فرمایا کہ خالد کتنا اچھا بندہ ہے، اس سے ان کی فضیلت ثابت ہوتی ہے کہ آپ نے انہیں اچھا بندہ قرار دیا ہے۔

۲۔ ساتھ ہی آپ نے یہ بھی فرمایا کہ خالد سیف من سیوف اللہ ہے، اس سے کیا مراد ہے؟ اس میں دو قول ہیں:

- مطلب یہ ہے کہ خالد ایک ایسی تلوار کی طرح ہیں، جس کو اللہ جل جلالہ نے کفار و مشرکین کے خلاف نیام سے نکالا ہوا اور ان کے سروں پر مسلط کر دیا ہو، وہ اس کے ذریعہ اللہ کے احکام کو نافذ کرتے ہیں اور اس میں وہ کسی ملامت کی کوئی پرواہ نہیں کرتے۔
- اللہ تعالیٰ نے خالد کو صاحب شمشیر بنایا ہے، وہ ان کے ذریعہ اسلام دشمنوں کے ساتھ سخت ترین لڑائی کرتے ہیں اور غالب آجاتے ہیں۔(۱)

بَابُ مَنَاقِبِ سَعْدِ بْنِ مُعَاذٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ

حضرت سعد بن معاذ کے فضائل

حضرت سعد بن معاذ انصاری اشہلی، مدینہ منورہ کے قبیلہ اوس کے سردار تھے، جیسے سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ قبیلہ خزرج

(۱) مرقاۃ المفاتیح ۱۱/۳۸۸، ۳۹۱، رقم الحدیث: ۶۲۵۷، ۶۲۶۲۔

کے سردار تھے، ہجرت سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت مصعب بن عمیر کو مدینہ منورہ میں دینی تعلیم و تبلیغ کے لیے بھیجا تھا، حضرت سعد نے ان کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا تھا، اسلام قبول کرنے کے بعد انہوں نے اپنے قبیلہ سے کہا: "كَلَامُ رِجَالِكُمْ وَنِسَائِكُمْ عَلَيَّ حَرَامٌ حَتَّى تُسْلِمُوْا"۔ قبیلہ کے کسی مرد و عورت سے میں اس وقت تک کوئی بات نہیں کروں گا، یہاں تک کہ تم سب اسلام قبول کرلو، قبیلہ کی نظر میں ان کا یہ اقدام بہت بڑا تھا، لیکن وہ چونکہ ان سے محبت کرتے تھے اور انہیں ایک صحیح انسان سمجھتے تھے، اس لیے ان کی دعوت پر پورا قبیلہ بیک وقت مسلمان ہوگیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو "سید الانصار" کا لقب دیا تھا۔

بدر و احد کے معرکوں میں ثابت قدمی کے ساتھ لڑتے رہے، غزوہ خندق میں ایک تیر لگنے سے ان کے بازو کی ایک رگ کٹ گئی تھی، جس سے ان کا خون اس طرح جاری ہوگیا تھا کہ وہ کسی طرح بند نہیں ہوا، ایک ماہ تک یہ خون نکلتا رہا، اسی بیماری میں ہی حضرت سعد نے بنو قریظہ کا فیصلہ کیا تھا، جسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے درست قرار دے کر نافذ فرمایا تھا، غزوہ خندق کے ٹھیک ایک ماہ بعد ذی قعدہ ۵ھ میں انتقال فرما گئے، اس وقت ان کی عمر ۳۷ سال تھی، جنت البقیع میں ہی ان کو دفن کیا گیا۔(۱)

عَنِ الْبَرَاءِ، قَالَ: أُهْدِيَ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَوْبُ حَرِيْرٍ فَجَعَلُوْا يَعْجَبُوْنَ مِنْ لِيْنِهِ، فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَتَعْجَبُوْنَ مِنْ هَذَا؟ لَمَنَادِيْلُ سَعْدِ بْنِ مُعَاذٍ فِي الْجَنَّةِ أَحْسَنُ مِنْ هَذَا.(۲)

حضرت براء بن عازب فرماتے ہیں کہ (ایک مرتبہ) ریشم کا ایک کپڑا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ہدیہ میں دیا گیا، لوگ اس کی نرمی پر تعجب کرنے لگے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم لوگ اس کپڑے کی نرمی سے تعجب میں پڑ گئے ہو، جنت میں سعد بن معاذ کے رومال اس سے کہیں زیادہ اچھے ہیں۔

مشکل الفاظ کے معنی: أهدی: (صیغہ مجہول) ہدیہ میں پیش کیا گیا، من لینه: اس کی نرمی سے، منادیل: مندیل کی جمع ہے: دستی رومال، جسے انسان ہاتھ میں رکھتا ہے، اس سے آدمی پسینہ اور ہاتھ منہ وغیرہ صاف کرتا ہے۔

جنت میں سعد بن معاذ کے رومال

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ حضرت خالد بن ولید کو ایک لشکر کے ساتھ "دومۃ الجندل" کی طرف بھیجا، یہ شام اور حجاز کے درمیان تبوک کے قریب ایک شہر ہے، اس کا حکمران اکیدر بن عبد الملک کندی ایک عیسائی تھا، وہاں مقابلہ ہوا، اس میں اس حاکم کا بھائی حسان قتل کر دیا گیا اور اس حاکم کو گرفتار کر کے مدینہ منورہ میں وہ حضرات لے آئے، پھر اس بادشاہ سے جزیہ پر صلح ہوگئی، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے رہا کر دیا۔

اس اکیدر نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ریشم کا ایک جبہ ہدیہ میں دیا، جس پر سونے کا کام بھی ہوا تھا، اس حدیث

(۱) الاصابة ۳/۷۰، حرف السین

(۲) الصحیح للبخاری، کتاب المناقب، باب مناقب سعد، رقم: ۳۸۰۲۔

میں جس ہدیہ کا ذکر ہے، اس سے یہی اکیدر کا ہدیہ مراد ہے، مسند احمد میں حضرت انس کی روایت میں یہ بھی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جبہ کو پہنا بھی تھا، کیونکہ اس وقت ابھی ریشم کا استعمال مردوں کے لیے جائز تھا۔(۱)

ریشم کا یہ کپڑا اس قدر نرم اور ملائم تھا کہ صحابہ کرام اسے چھو کر حیران رہ گئے، تعجب کرنے لگے، اس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا کہ تم لوگوں کو اس کپڑے کی نرمی پر تعجب ہو رہا ہے، جبکہ سعد بن معاذ کے جنت کے رومال، اس کپڑے سے کہیں زیادہ اچھے اور عمدہ ہیں، جنت کے رومال کا ذکر کر کے اس طرف اشارہ کرنا مقصود ہے کہ جب جنت کی ایک معمولی چیز، دنیا کے سب سے اعلیٰ اور عمدہ کپڑے سے بہتر ہے تو جنت کا جو اصل لباس ہوگا، وہ کس قدر اعلیٰ اور عمدہ ہوگا، فتبارک اللہ احسن الخالقین۔

اس حدیث میں خاص طور پر حضرت سعد کے رومال کو کیوں ذکر کیا گیا، شارحین حدیث نے اس کی مختلف توجیہات کی ہیں:

۱۔ حضرت سعد اس طرح کے ملائم اور نرم کپڑے کو پسند کرتے تھے۔

۲۔ اس ریشمی کپڑے کو چھونے والے چونکہ حضرات انصار تھے، اس لیے ان کے سامنے آپ نے یہ ارشاد فرمایا کہ تمہارے سردار سعد کے رومال جنت میں اس سے کہیں زیادہ اچھے ہیں۔

۳۔ ہوسکتا ہے کہ حضرت سعد کا رومال رنگ کے لحاظ سے اس ریشمی کپڑے کی طرح ہو، اس بناء پر آپ نے فرمایا کہ سعد کے منادیل، جنت میں اس سے اچھے ہیں۔

۴۔ حضرت سعد کو خوش اور مائل کرنے کے لیے اس وقت، خاص طور پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا نام ذکر کیا ہے۔(۲)

عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ، يَقُولُ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: وَجَنَازَةُ سَعْدِ بْنِ مُعَاذٍ بَيْنَ أَيْدِيهِمْ: اهْتَزَّ لَهُ عَرْشُ الرَّحْمٰنِ۔(۳)

حضرت جابر بن عبداللہ کہتے ہیں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا، اس حال میں کہ حضرت سعد کا جنازہ لوگوں کے سامنے رکھا ہوا تھا: رحمن کا عرش سعد کے لیے ہل گیا (خوشی سے جھوم اٹھا)۔

سعد کی وفات پر عرش رحمن جھوم اٹھا

حضرت سعد کی وفات پر عرش رحمن کیوں جھوم اٹھا، کس وجہ سے وہ ہل گیا؟ اس کے مختلف مطلب بیان کئے گئے ہیں:

---

(۱) تحفة الاحوذی ۸۸۳/۵، کتاب اللباس، باب ما جاء فی الرخصة فی لبس الحریر فی الحرب، مسند احمد ۲۸۰/۵، مسند أنس بن مالک، رقم الحدیث: ۱۳۸۰۳، ط: بیروت۔

(۲) تحفة الاحوذی: ۳۱۹/۱۰، تکملة فتح الملہم ۲۰۶/۵، کتاب الفضائل باب فضائل سعد بن معاذ، مرقاة ۳۴۹/۱۱، کتاب المناقب، باب جامع المناقب، رقم: ۶۲۰۷۔

(۳) الصحیح لمسلم، فضائل الصحابة، باب من فضائل سعد، رقم: ۲۴۶۶۔

۱۔ عرش رحمن حقیقۃً اس خوشی سے جھوم گیا کہ ایک انتہائی پاک روح آ رہی ہے، اس کو جمہور علماء نے اختیار کیا ہے، کیونکہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: وان من شیء الا یسبح بحمدہ، ہر چیز میں حس موجود ہے، وہ اللہ کی تسبیح بیان کر رہی ہے اگرچہ تم اسے نہیں سمجھتے، اس لیے یہاں بھی عرش کا حقیقت میں ہلنا اور جھومنا مراد ہے۔

۲۔ اس سے ان فرشتوں کا خوش ہونا مراد ہے، جو آسمان پر موجود ہیں۔

۳۔ اس سے مجازاً عرش کا خوش ہونا مراد ہے۔

۴۔ اس سے حضرت سعدؓ کی موت کی عظمت کو بیان کرنا مقصود ہے، چنانچہ اہل عرب کسی اہم آدمی کی وفات ہو تو یوں کہتے ہیں: فلاں کی موت سے دنیا میں تاریکی چھا گئی ہے، یا یہ کہ فلاں کے جانے سے تو قیامت قائم ہو گئی۔ (۱)

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، قَالَ: لَمَّا حُمِلَتْ جَنَازَةُ سَعْدِ بْنِ مُعَاذٍ قَالَ الْمُنَافِقُونَ: مَا أَخَفَّ جَنَازَتَهُ، وَذَلِكَ لِحُكْمِهِ فِي بَنِي قُرَيْظَةَ، فَبَلَغَ ذَلِكَ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: إِنَّ الْمَلَائِكَةَ كَانَتْ تَحْمِلُهُ. (۲)

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ جب سعد بن معاذ کا جنازہ اٹھایا گیا تو منافقین کہنے لگے کہ اس کا جنازہ کتنا ہلکا ہے، کیونکہ اس نے بنو قریظہ کا فیصلہ کیا تھا، یہ بات نبی کریم ﷺ تک پہنچی تو آپ نے فرمایا: فرشتے ان کے جنازے کو اٹھائے ہوئے تھے۔

سعد بن معاذ کا جنازہ فرشتوں نے اٹھایا

حضرت سعد نے نبی کریم ﷺ کی مرضی سے بنو قریظہ کے بارے میں یہ فیصلہ فرمایا کہ ان کے جنگجو قتل کر دیئے جائیں، اور ان کی خواتین اور بچوں کو غلام بنا لیا جائے، اس فیصلے کو آپ ﷺ نے بھی درست قرار دیا تھا، اور اسی پر عمل درآمد بھی ہوا تھا، جب سعد کی میت کو اٹھایا گیا تو ان کا وزن نہیں تھا، وہ ہلکا لگا تو منافقین نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ چونکہ انہوں نے بنو قریظہ کے بارے میں غلط فیصلہ کیا تھا، اس لیے ان کا وزن نہیں، یوں وہ ان کی شان میں توہین کر رہے تھے، یہ بات جب نبی کریم ﷺ کو پتہ چلی تو آپ ﷺ نے فرمایا، نہیں، ایسی بات نہیں، ان کے جنازے کا وزن ہلکا اس لیے ہے کہ ان کا جنازہ فرشتوں نے اٹھا رکھا تھا۔

مذکورہ تمام احادیث سے حضرت سعد کی فضیلت ثابت ہوتی ہے کہ اللہ جل شانہ نے ان کی مجاہدانہ خدمات کو قبول فرمایا

---

(۱) فتح الباری ۷/۱۵۶، کتاب مناقب الانصار، باب مناقب سعد بن معاذ، رقم: ۳۸۰۳، شرح مسلم للنووی ۲/۲۹۴، کتاب فضائل الصحابة باب من فضائل سعد بن معاذ، مرقاة ۱۱/۳۴۸، رقم الحدیث: ۶۲۰۶، تکملة فتح الملهم، ۵/۲۰۴، رقم الحدیث: ۶۳۰۱۔

(۲) مشكاة المصابيح، كتاب المناقب، باب جامع المناقب، رقم: ۶۲۳۷، المصنف لابن عبدالرزاق، ۱۱/۲۳۵، رقم الحدیث: ۲۰۴۱۴۔

ہے، ان کی روح کی آمد پر عرش رحمن بھی خوشی سے جھوم اٹھا، ان کے جنازے کو فرشتوں نے اٹھایا اور نماز جنازہ بھی پڑھی، یہ خصوصیات اللہ جل شانہ نے ان کو عطا فرمائی ہیں۔(۱)

بَابُ مَنَاقِبِ قَيْسِ بْنِ سَعْدِ بْنِ عُبَادَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ

حضرت قیس بن سعد بن عبادہ کے فضائل

حضرت قیس بن سعد، قبیلہ خزرج کے سردار حضرت سعد بن عبادہ کے بیٹے ہیں، ان کی کنیت ابو عبداللہ ہے، بڑے بہادر، جنگی امور کے ماہر، سخی اور ذی رائے صحابی تھے، لمبے قد کے ایک خوبصورت نوجوان تھے، ان کے چہرے پر ڈاڑھی نہیں تھی، جس طرح حضرت عبداللہ بن زبیر کے چہرے پر کوئی بال نہیں تھے، چنانچہ انصار بڑی حسرت سے کہتے تھے کہ اگر کہیں سے مال سے ڈاڑھی ملتی، تو ہم قیس کے لیے ڈاڑھی خرید لیتے، تقریباً دس سال انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کی ہے۔

تمام غزوات میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہے، فتح مکہ کے دن انصار کا جھنڈا ان کے ہاتھ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دیا تھا، بعد میں یہ حضرت علی کے ساتھ تھے، جنگ صفین اور دوسرے تمام معرکوں میں حضرت علی کے ہم نوا رہے، حضرت علی نے ان کو مصر کا گورنر مقرر کیا تھا، حضرت علی کی شہادت کے بعد حضرت حسن کے ساتھ تھے، پھر جب حضرت معاویہ کے ساتھ صلح ہوگئی، تو پھر حضرت قیس مدینہ منورہ واپس آ گئے تھے، اور حضرت معاویہ کی خلافت کے آخر میں ۶۰ھ میں مدینہ منورہ میں انتقال فرما گئے(۲)

عَنْ أَنَسٍ، قَالَ: كَانَ قَيْسُ بْنُ سَعْدٍ مِنَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمَنْزِلَةِ صَاحِبِ الشُّرَطِ مِنَ الأَمِيرِ، قَالَ الأَنْصَارِيُّ: يَعْنِي مِمَّا يَلِي مِنْ أُمُورِهِ.(۳)

حضرت انس فرماتے ہیں کہ قیس بن سعد کا مقام نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں ایسا تھا، جیسے امیر کے نزدیک پولیس کا مرتبہ ہوتا ہے، حدیث کے راوی محمد بن عبداللہ انصاری کہتے ہیں: یعنی حضرت قیس نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کاموں کے ذمہ دار تھے۔

مشکل الفاظ کے معنی: صاحب الشروط: (شین پر پیش اور را پر زبر) شرط (شین پر پیش اور را ساکن) کی جمع ہے: پولیس، جیل کا نگران، یہ حکومت کا ذیلی ادارہ ہوتا ہے، جو حکومت کے قوانین اور امور کو نافذ کرتا ہے، ان کو شرطہ اس لیے کہا جاتا ہے کہ ان

---

(۱) مرقاۃ المفاتیح ۱۱/۳۷۵، کتاب المناقب، باب جامع المناقب، رقم: ۶۲۳۷۔
(۲) الاصابۃ ۵/۳۵۹، حرف القاف
(۳) الصحیح للبخاری، کتاب الاحکام، باب الحاکم یحکم بالقتل، رقم: ۷۱۵۵۔

لوگوں نے اپنے اوپر ایسی علامات لگا رکھی ہوتی ہیں، جس سے انسان ان کو پہچان لیتا ہے، مما یلی من أمورہ: حضرت قیس نبی کریم ﷺ کے امور کے ذمہ دار تھے۔

حضرت قیس نبی کریم ﷺ کے ہاں پولیس کے درجہ میں تھے

ہمارے عرف میں جس طرح ایک پولیس کا محکمہ ہوتا ہے، جو سرکاری قوانین کو نافذ کرتا ہے، اور مختلف امور سرانجام دیتا ہے، اسی طرح حضرت قیس بن سعد بھی نبی کریم ﷺ کے ہاں پولیس کے درجہ میں تھے، آپ کے سرکاری امور کو یہ سرانجام دیتے تھے اور ان کے ذمہ دار تھے، کسی کو گرفتار کرنا، سزا دینا اور مارکرنا وغیرہ اس طرح کے کام یہ سرانجام دیا کرتے تھے، نبی کریم ﷺ کو ان پر بہت اعتماد تھا، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت قیس کا نبی کریم ﷺ کی نظر میں بہت مقام تھا، جو بلاشبہ ان کے لیے بڑے فخر اور اعزاز کی بات ہے۔(۱)

بَابُ مَنَاقِبِ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا

حضرت جابر بن عبد اللہ کے فضائل

حضرت جابر بن عبد اللہ خزرجی، انصاری اور سلمی ایک مشہور صحابی ہیں، اور آپ ان صحابہ میں سے ہیں، جنہوں نے نبی کریم ﷺ سے زیادہ احادیث روایت کی ہیں، نبی کریم ﷺ کے ساتھ اٹھارہ یا انیس غزوات میں شریک رہے، بعد میں انہوں نے شام اور مصر میں رہائش اختیار کر لی تھی، آخری عمر میں یہ بینائی سے محروم ہو گئے تھے، ان کے والد حضرت عبد اللہ بن عمرو بن حرام رضی اللہ عنہ غزوہ احد میں شہید ہو گئے تھے، ان کی آٹھ بیٹیاں تھیں چنانچہ حضرت جابر اپنی بہنوں کی پرورش کرتے تھے، اس وجہ سے آپ ﷺ بھی ان کے ساتھ بہت احسان کرتے تھے، اور آپ نے حضرت جابر کے والد کا قرض بھی معجزانہ انداز سے ادا کرا دیا تھا، ان سے بہت سے حضرات نے روایات نقل کی ہیں، ۷۴ھ یا ۷۸ھ میں مدینہ منورہ میں ان کی وفات ہوئی، ایک قول کے مطابق مدینہ میں وفات پانے والے یہ آخری صحابی ہیں، ان کی عمر چورانوے سال ہے۔(۲)

عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ، قَالَ: جَاءَنِي رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْسَ بِرَاكِبِ بَغْلٍ وَلَا بِرْذَوْنٍ.(۳)

حضرت جابر بن عبد اللہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ میرے پاس (میری عیادت کے لیے) تشریف لائے، آپ

---

(۱) فتح الباری ۱۳/ ۱۶۸، کتاب الاحکام، باب الحاکم یحکم بالقتل... رقم: ۷۱۵۵۔

(۲) الاصابة ۱/ ۵۴۶، حرف الجیم

(۳) الصحیح للبخاری، کتاب المرضی، باب عیادة المریض، رقم: ۵۶۶۴۔

نہ تو خچر پر سوار تھے اور نہ کسی ترکی گھوڑے پر (بلکہ پیدل ہی تشریف لائے)۔

مشکل الفاظ کے معنی: راکب بغل: خچر پر سوار، برذون: (با کے نیچے زیر، را ساکن اور ذال پر زبر) غیر عربی گھوڑا، طیبی کہتے ہیں کہ اس سے ترکی گھوڑا مراد ہے۔

حضرت جابر کی پیدل بیمار پرسی

حضرت جابر ایک مرتبہ سخت بیمار ہو گئے تو نبی کریم ﷺ اور حضرت صدیق اکبرؓ دونوں پیدل چل کر حضرت جابر کی عیادت کے لیے تشریف لائے، آپ نہ کسی خچر پر سوار تھے، اور نہ کسی عجمی گھوڑے پر، اس سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی چھوٹا آدمی بیمار ہو جائے تو بڑے آدمی کو اس کی عیادت کے لیے جانا چاہیے، یہ ایک مسنون عمل ہے۔

عَنْ جَابِرٍ، قَالَ: اسْتَغْفَرَ لِي رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْلَةَ الْبَعِيرِ خَمْسًا وَعِشْرِينَ مَرَّةً۔(۱)

حضرت جابر کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے اونٹ والی رات میرے لیے پچیس مرتبہ مغفرت کی دعا کی۔

حضرت جابر کے لیے ۲۵ مرتبہ مغفرت کی دعا

حضرت جابر کے والد حضرت عبداللہ بن عمرو بن حرام غزوہ احد میں شہید ہو گئے تھے، وہ آٹھ بیٹیاں چھوڑ کر گئے، جن کی حضرت جابر دیکھ بھال کرتے اور ان پر خرچ کرتے، اس وجہ سے آپ ﷺ بھی ان کا بہت خیال رکھتے، ان کے ساتھ نیکی اور احسان کرتے اور ان کے ساتھ تعاون بھی فرماتے رہتے تھے۔

''اونٹ والی رات'' کا واقعہ یہ ہے کہ ایک سفر میں حضرت جابر نے نبی کریم ﷺ کو اونٹ بیچا اور یہ شرط لگائی کہ مدینہ تک میں اس پر سفر کروں گا اور وہاں جا کر میں اسے آپ کے حوالے کر دوں گا، یہاں بھی نبی کریم ﷺ کا مقصد کوئی اونٹ خریدنا نہیں تھا، بلکہ حضرت جابر کے ساتھ ایک نیکی کرنا پیش نظر تھا، چنانچہ آپ ﷺ نے انہیں پورے پیسے بھی دے دیئے اور پھر ان کو یہ اونٹ بھی واپس کر دیا، اس رات میں نبی کریم ﷺ نے حضرت جابر کے لیے پچیس مرتبہ استغفار کیا، یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ایک ساتھ ہی آپ نے ان کے لیے ۲۵ بار مغفرت کی دعا فرما دی ہو، اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وقفے وقفے سے مختلف جملوں میں یہ تعداد پوری فرمائی ہو، مثلاً یوں کہا: جابر! تم اپنا اونٹ بیچتے ہو، اللہ تمہاری مغفرت کرے، جابر، تمہاری شادی ہو گئی، غفر اللہ لک، جابر! تم اسی اونٹ پر مدینہ چلے جاؤ، اللہ تعالیٰ تمہاری مغفرت فرمائے، اس طرح مختلف جملوں کے بعد مغفرت کی دعا ان کے لیے کرتے رہے، جس کی تعداد پچیس ہے۔(۲)

---

(۱) سنن النسائی، کتاب المناقب، باب فضل جابر بن عبداللہ، رقم: ۸۲۴۸۔
(۲) الکوکب الدری ۴/ ۴۴۰

بَابُ مَنَاقِبِ مُصْعَبِ بْنِ عُمَيْرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ

حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کے فضائل

حضرت مصعب (میم پر پیش، صاد ساکن اور عین پر زبر) بن عمیر قرشی رضی اللہ عنہ جلیل القدر صحابہ میں سے ہیں، ابتداء میں ہی انہوں نے اسلام قبول کرلیا تھا، اہل خانہ نے ان پر اسلام قبول کرنے کی وجہ سے بہت تشدد کیا، انہیں بیڑیوں میں جکڑ دیا، اس حالت میں بھی یہ کسی طرح بھاگ جانے میں کامیاب ہوگئے، حبشہ کی طرف ہجرت کرکے چلے گئے، پھر مکہ مکرمہ واپس آگئے۔

نبوت کے گیارہویں سال بیعت عقبہ کے موقع پر مدینہ سے آنے والے چھ بندوں کے ساتھ نبی کریم ﷺ نے ان کو معلم بنا کر مدینہ منورہ بھیجا، جو یہاں لوگوں کو اسلام کی دعوت دیتے اور انہیں قرآن مجید کی تعلیم دیتے تھے، مدینہ منورہ میں نبی کریم ﷺ کی اجازت سے سب سے پہلے نماز جمعہ قائم کیا، پھر ستر افراد پر مشتمل انصار کا ایک قافلہ لے کر مکہ مکرمہ آئے، اور ان سب نے نبی کریم ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کی، پھر یہ بھی ہجرت کرکے مدینہ منورہ ہی مستقل طور پر آگئے تھے، غزوہ بدر میں شریک ہوئے، پھر سن تین ہجری میں غزوہ احد میں مقابلہ کرتے ہوئے جام شہادت نوش کرلیا۔(۱)

زمانہ جاہلیت میں حضرت مصعب بڑے عیش اور آرام سے زندگی گذارتے تھے، عمدہ سے عمدہ لباس استعمال کرتے تھے، مگر اسلام قبول کرنے کے بعد انہوں نے زاہدانہ طرز زندگی اختیار کرلیا تھا، حضرت علی فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ ہم نبی کریم ﷺ کے ساتھ مسجد میں بیٹھے ہوئے تھے، ہم نے سامنے سے حضرت مصعب کو آتے ہوئے دیکھا، انہوں نے فقر و فاقہ کی وجہ سے اپنے جسم پر ایک چادر اور کمر پر کھال کا ٹکڑا باندھ رکھا تھا، انہیں دیکھ کر نبی کریم ﷺ کی آنکھوں سے آنسو بہہ پڑے، آپ کو ان کا وہ زمانہ یاد آگیا، جو ان کا اسلام سے پہلے عیش و عشرت والا تھا، اور آج یہ حال ہے کہ ان کے جسم پر کپڑا بھی پورا نہیں ہے۔(۲)

عَنْ خَبَّابٍ، قَالَ: هَاجَرْنَا مَعَ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَبْتَغِي وَجْهَ اللّٰهِ، فَوَقَعَ أَجْرُنَا عَلَى اللّٰهِ، فَمِنَّا مَنْ مَاتَ، لَمْ يَأْكُلْ مِنْ أَجْرِهِ شَيْئًا، وَمِنَّا مَنْ أَيْنَعَتْ لَهُ ثَمَرَتُهُ، فَهُوَ يَهْدِبُهَا، وَإِنَّ مُصْعَبَ بْنَ عُمَيْرٍ مَاتَ وَلَمْ يَتْرُكْ إِلَّا ثَوْبًا، كَانُوا إِذَا غَطَّوْا بِهِ رَأْسَهُ خَرَجَتْ رِجْلَاهُ، وَإِذَا غَطَّوْا بِهِ رِجْلَيْهِ خَرَجَ رَأْسُهُ، فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: غَطُّوا رَأْسَهُ وَاجْعَلُوا عَلَى رِجْلَيْهِ الإِذْخِرَ.(۳)

حضرت خباب بن ارت کہتے ہیں کہ ہم نے نبی کریم ﷺ کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی حاصل کرنے کے لیے

---

(۱) الاصابة ۶/۹۸، حرف المیم۔

(۲) فتح الباری ۱۱/۳۳۵، کتاب الرقاق باب فضل الفقر

(۳) الصحیح للبخاری، کتاب الجنائز، باب اذا لم یجد کفنا، رقم: ۱۲۷۶۔

ہجرت کی، لہٰذا ہمارا اجر وثواب اللہ کے ذمہ ثابت ہوگیا، چنانچہ ہم میں سے بعض تو وہ ہیں، جو دنیا سے اس طرح وفات پاگئے کہ وہ اپنے اجر میں سے کچھ بھی (اس دنیا میں) نہ کھا سکے، اور ہم میں سے بعض ایسے بھی ہیں کہ جن کے لیے ان کا پھل پک گیا تو وہ اسے توڑ رہے ہیں (یعنی اسلامی فتوحات کی غنیمتوں سے فائدہ اٹھا رہے ہیں) اور مصعب بن عمیر کی وفات ہوئی، انہوں نے (ترکہ میں) صرف ایک ہی چادر چھوڑی، لوگ جب اس چادر سے اُن کا سر ڈھکتے، تو ان کے پاؤں ننگے ہو جاتے اور جب وہ اس سے ان کے پاؤں چھپاتے، تو ان کا سر کھل جاتا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ان کے سر کو ڈھک دو، اور پاؤں پر اذخر گھاس ڈال دو۔

مشکل الفاظ کے معنیٰ: نبتغي وجه الله: ہم اللہ کی رضا طلب کر رہے تھے، اللہ کی رضا جوئی حاصل کرنے کے لیے فوقع اجرنا علی الله: لہٰذا ہمارا اجر اللہ کے ذمہ رہا، ثابت ہوگیا، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے خود ہی اس کا ذمہ لیا ہے، ورنہ اللہ پر کوئی چیز لازم تو نہیں، من اینعت له ثمرته: بعض کے پھل پک چکے ہیں یعنی وہ اسلامی فتوحات میں شریک ہیں، اور مال غنیمت وغیرہ کے ذریعہ فائدہ اٹھا رہے ہیں، یهدبها: (دال کے نیچے زیر اور پیش دونوں طرح پڑھ سکتے ہیں) وہ ان پھلوں کو توڑ رہا ہے، چن رہا ہے، یعنی فتوحات سے فائدہ اٹھا رہا ہے، اذا غطوا: لوگ جب ڈھانپتے۔

حضرت مصعب بن عمیر کو آخرت میں پورا اجر دیا جائے گا

حضرت خباب کہتے ہیں کہ ہم نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہجرت کی، ساتھ ہجرت کرنے سے مراد یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم اور اذن سے ہم نے ہجرت کی ہے، ہجرت کرنے میں ہم آپ کے ساتھ حکماً شریک تھے، کیونکہ ہجرت کے وقت تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ صرف حضرت صدیق اکبر اور حضرت عامر بن فہیرہ تھے، اور کوئی صحابی آپ کے ساتھ نہیں تھا۔

اس دنیا میں مسلمان جو نیک اعمال کرتے ہیں، ان میں سے اکثر اعمال کا اجر وثواب اسے آخرت میں ملتا ہے، مگر کچھ اعمال کا اجر اور بدلہ اسے دنیا میں ہی دے دیا جاتا ہے، نبتغي وجه الله کا یہی مطلب ہے کہ ہم اس ہجرت سے صرف اللہ جل جلالہ کی رضا اور آخرت کا اجر وثواب چاہتے ہیں، دنیا میں ہمیں کچھ نہیں چاہیے۔

مذکورہ حدیث میں حضرت خباب یہ بتانا چاہتے ہیں کہ صحابہ کرام میں سے بعض لوگ تو وہ ہیں، جنہوں نے اللہ کی راہ میں جہاد کیا، اور اسلام کا کلمہ بلند کرنے میں کسی بھی قربانی سے دریغ نہیں کیا، ان کی محنتوں سے اسلامی فتوحات حاصل ہوئیں، جس سے انہیں بڑی مقدار میں مال ودولت، دنیوی ساز وسامان اور خوب فائدہ حاصل ہوا، یوں انہوں نے اپنے نیک اعمال کے اجر وثواب کا کچھ حصہ اسی دنیا میں حاصل کر لیا، اس بات کو حدیث میں یوں فرمایا کہ بعض نے پھل پکنے کا زمانہ پالیا، اس سے وہ توڑتے رہے اور چن کر کھاتے رہے، اور ان کے مقابلہ میں بعض صحابہ وہ ہیں، جنہوں نے اللہ کی راہ میں بڑی اہم اور بنیادی قربانیاں دیں، اسلام کی خاطر اپنے وطن کو بھی چھوڑ دیا، بڑی اذیتیں اور مصائب جھیلے، مگر ان کا کوئی ثمرہ اس دنیا میں حاصل کرنے سے پہلے ہی اس دنیا

سے چلے گئے، اس طرح ان کا پورا اجر وثواب محفوظ رہا، جو انہیں آخرت میں دیا جائے گا، انہی لوگوں میں سے حضرت مصعب بن عمیر بھی ہیں جو فتوحات اور ان کے ثمرات وبرکات سے پہلے ہی وفات پاگئے، ان کے فقر وفاقہ اور مفلسی کا یہ حال ہے کہ غزوہ احد میں شہادت کے بعد جب ان کے کفن کا وقت آیا تو ان کے ترکہ میں صرف ایک چادر تھی، جس سے ان کا کفن بھی پورا نہیں بن سکتا تھا، آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس چادر کو سر پر کردو اور ان کے پاؤں پر اذخر گھاس بطور کفن کے ڈال دو، ان کی زاہدانہ زندگی کا یہ حال ہے، اس حدیث میں حضرت مصعب کی فضیلت کا بیان ہے کہ وہ ان خوش نصیب لوگوں میں سے ہیں، جن کا آخرت کا اجر وثواب، جوں کا توں برقرار ہے، اس میں سے کچھ کم نہیں ہوا۔(۱)

دنیا میں اعمال کا اجر پانے یا نہ پانے کے اعتبار سے صحابہ کرام کی چار قسمیں

حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ بعض صحابہ کرام کو دنیا میں بعض اعمال کا اجر وثواب دیا گیا ہے اور بعض کو نہیں، اس لحاظ سے صحابہ کرام کی چار قسمیں ہیں:

۱۔ بعض صحابہ کرام وہ ہیں جنہوں نے اللہ کی راہ میں قربانیاں تو بہت دیں، مگر ان کے دنیاوی ثمرات اور فوائد حاصل کئے بغیر اس دنیا سے چلے گئے ہیں جیسے حضرت مصعب بن عمیر وغیرہ ہیں۔

۲۔ بعض وہ ہیں جنہوں نے زندگی میں فتوحات کا زمانہ پایا، اور انہیں ان کا مال وزر اور سامان وغیرہ بھی ملا، مگر انہوں نے اس مال سے اعراض کیا، اسے فقراء اور مساکین پر تقسیم کر دیا، اپنے پاس اس میں سے کچھ بھی نہیں چھوڑا، ان میں سے حضرت ابوذر غفاری اور بعض دوسرے صحابہ ہیں، جن کی تعداد تھوڑی ہی ہے۔

ان دونوں قسموں کا حکم یہ ہے کہ ان حضرات کو ان کے اعمال صالحہ کا پورا کا پورا بدلہ اور اجر وثواب آخرت میں دیا جائے گا، کیونکہ انہوں نے اس مال سے خود کوئی فائدہ حاصل نہیں کیا۔

۳۔ بعض نے اس مال سے کچھ فائدہ اٹھایا، خادمین رکھے، ایک سے زیادہ بیویاں اور مختلف قسم کے لباس استعمال کئے، محدود سطح پر ضرور استفادہ کیا، لیکن اس سے زیادہ اس مال میں مشغول نہیں ہوئے، ایسے صحابہ کرام کی تعداد بہت زیادہ ہے، انہی میں سے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما ہیں۔

۴۔ اور کچھ صحابہ کرام نے اس مال سے فائدہ اٹھانے کے ساتھ اسے تجارت اور کاروبار میں لگا کر بڑھایا، اس کے واجب حقوق اور صدقات ادا کرتے رہے، انہی میں سے حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ ہیں۔

ان دو قسموں یعنی تیسری اور چوتھی قسم کا حکم اس حدیث کی رو سے یہ ہے کہ جس قدر اس دنیا میں ان حضرات نے مال وغیرہ

---

(۱) فتح الباری ۳/۱۸۳، کتاب الجنائز، باب اذا لم یجد کفنا...، رقم: ۱۲۷۴، مرقاۃ المفاتیح ۱۱/۳۴۷، کتاب المناقب باب جامع المناقب، رقم: ۶۲۰۵

سے استفادہ کرلیا، اسی قدر آخرت میں ان کو اجر وثواب کم دیا جائے گا، اس کی تائید صحیح مسلم کی ایک روایت سے بھی ہوتی ہے، جسے حضرت عبداللہ بن عمر نے روایت کیا ہے، کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو جماعت جہاد کر کے مال غنیمت حاصل کر لیتی ہے تو انہیں اس عمل کا دو تہائی ثواب اسی دنیا میں دے دیا جاتا ہے، اور ایک تہائی ثواب انہیں آخرت میں دیا جائے گا۔

یہی وجہ ہے کہ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فقر وفاقہ کو پسند کیا ہے، اور ہمارے اسلاف میں سے بہت سے لوگ "مال کی کمی" کو پسند کرتے ہیں، ایک تو اس وجہ سے تاکہ ان کے نیک اعمال کا پورا کا پورا اجر انہیں آخرت میں حاصل ہو، اور دوسرا اس لیے کہ انسان کے پاس دنیا میں جس قدر مال زیادہ ہوگا، اگر چہ اسے جائز طریقے سے حاصل کیا گیا ہو، تب بھی اسے آخرت میں اس کا کٹھن حساب دینا ہوگا، تھوڑا مال ہوا تو جلد ہی حساب سے فراغت ہو جائے گی، اور زیادہ مال ہوا تو اس کے حساب میں کافی وقت مشغول رہے گا، اسی وجہ سے حضرت مصعب نے دنیا کے مال ودولت سے اعراض کیا، زاہدانہ زندگی گذاری، تاکہ آخرت کی زندگی سنور جائے، اس حدیث میں ان کی اس فضیلت کو بیان کیا گیا ہے۔(۱)

بَابُ مَنَاقِبِ الْبَرَاءِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ

حضرت براء بن مالک کے فضائل

حضرت براء بن مالک حضرت انس کے حقیقی بھائی ہیں، دیکھنے میں بظاہر کمزور اور لاغر نظر آتے تھے، مگر انتہائی دلیر بڑے بہادر اور ماہر جنگجو تھے، غزوہ بدر کے علاوہ تمام غزوات میں شریک ہوئے ہیں، اللہ تعالیٰ نے اتنی طاقت اور ہمت عطا فرمائی تھی کہ انہوں نے اکیلے سو آدمیوں کو مقابلہ میں قتل کر دیا تھا، اور دوسروں کے ساتھ مل کر مختلف معرکوں میں جو دشمن مارے ہیں، ان کی تعداد ان سو کے علاوہ ہے، عہد صدیقی میں مسیلمہ کذاب اور اس کے پیروکاروں کے ساتھ بڑی دلیری کے ساتھ اپنی بہادری کی داستانیں رقم کرتے رہے، یہاں تک کہ مسیلمہ کذاب کو اس کے بندوں کے ساتھ قتل کر دیا گیا، عہد فاروقی میں خوزستان کے شہر "تستر" (تا پر پیش، سین ساکن اور تا پر زبر) کو فتح کرتے ہوئے ۲۰ھ میں شہید ہو گئے۔(۲)

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: كَمْ مِنْ أَشْعَثَ، أَغْبَرَ، ذِي طِمْرَيْنِ، لَا يُؤْبَهُ لَهُ، لَوْ أَقْسَمَ عَلَى اللّٰهِ، لَأَبَرَّهُ، مِنْهُمْ: الْبَرَاءُ بْنُ مَالِكٍ.(۳)

حضرت انس کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: بہت سے پراگندہ بالوں والے، غبار آلود اور پرانے

---

(۱) فتح الباری ۱۱/۳۳۵، کتاب الرقاق، باب فضل الفقر، رقم: ۶۴۴۸

(۲) الاصابۃ ۱/۱۲۴، حرف الباء

(۳) المستدرک للحاکم ۳/۲۹۱۔

کپڑوں والے ایسے ہیں، جن کی کوئی پرواہ نہیں کی جاتی (اور نہ ان کی طرف توجہ کی جاتی ہے) لیکن اگر وہ اللہ پر قسم کھا لیں، تو اللہ تعالیٰ ضرور ان کی قسم کو پورا کردیں، انہی لوگوں میں سے براء بن مالک بھی ہیں۔

مشکل الفاظ کے معنی: کم من أشعث: بہت سے پراگندہ بالوں والے، أغبر: غبار آلود، ذی طمرین: (طاء کے نیچے زیر) طمر کا تثنیہ ہے: پرانے بوسیدہ کپڑوں والے، لا یؤبہ: (یاء پر پیش، واؤ یا ہمزہ ساکن اور باء پر زبر) یہ لفظ وَبَہ، یَوْبَہُ و بھا: سے ہے اس کے معنی ہوتے ہیں: جاننا، سمجھنا، پرواہ کرنا، اس لیے اس لفظ کا ترجمہ یوں ہوگا: جس کی کوئی پرواہ نہیں کی جاتی، اسے کوئی اہمیت نہیں دی جاتی، اس کی طرف کوئی توجہ نہیں کی جاتی، لابرہ: یہ لفظ ابرار سے ہے: تو اللہ تعالیٰ ضرور اس کی قسم کو پورا کردیں، کم من اشعث کی ترکیب نحوی: "کم" خبریہ مبتدا ہے، اور "من" بیانیہ ہے، اور لو اقسم..... اس کی خبر ہے۔

حضرت براء بن مالک اللہ کے انتہائی نیک بندے تھے

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں بعض ان لوگوں کا ذکر فرمایا ہے، جو بظاہر تو بکھرے بالوں والے، میلے کچیلے اور پھٹے پرانے کپڑوں والے ہوتے ہیں، لوگوں کی نظروں میں ان کا کوئی مقام نہیں ہوتا، اس لیے ان کی طرف توجہ بھی نہیں کی جاتی، لیکن اللہ جل شانہ کے ساتھ ان کا خصوصی تعلق ہوتا ہے، وہ اللہ جل جلالہ کے بڑے مقربین لوگوں میں سے ہوتے ہیں، اگر وہ اللہ تعالیٰ کے بھروسے پر کوئی قسم کھالیں تو اللہ تعالیٰ ان کو اس قسم میں سچا کردیتا ہے، چنانچہ وہ اگر قسم کھا کر یہ کہہ دیں کہ اللہ تعالیٰ ایسا کرے گا تو اللہ تعالیٰ ان کی قسم کی لاج رکھتا ہے، اور اسی طرح کردیتا ہے، اسی طرح اگر وہ اپنے کسی کام کے بارے میں قسم کھا کر کہہ دیں کہ ہم فلاں کام کر کے رہیں گے، تو اللہ تعالیٰ ان کے لیے اس کام کو آسان کردیتا ہے، انہیں وہ اسباب اور ذرائع دستیاب ہوجاتے ہیں، جن سے وہ کام کرلیتے ہیں، حضرت براء بن مالک بھی ان برگزیدہ لوگوں میں سے ہیں، جن کی زبان سے نکلی ہوئی بات اللہ تعالیٰ رد نہیں کرتا، اسے ضرور پورا کرتا ہے، بلاشبہ یہ ان کے لیے بہت بڑی فضیلت ہے۔(۱)

بَابُ مَنَاقِبِ أَبِي مُوسَى الأَشْعَرِيِّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ

حضرت ابوموسیٰ اشعری کے فضائل

حضرت ابوموسیٰ کا اصل نام عبداللہ بن قیس اشعری ہے، ابوموسیٰ کی کنیت سے مشہور ہیں، انہوں نے مکہ مکرمہ میں اسلام قبول کرلیا تھا، اور حبشہ کی طرف ہجرت کرنے والوں میں یہ بھی شامل تھے، پھر حبشہ سے واپس مدینہ منورہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اس وقت حاضر ہوئے، جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم خیبر فتح کرچکے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں یمن کے شہر زبید اور عدن کا

(۱) مرقاۃ المفاتیح ۱۱/۳۸۳، کتاب المناقب، باب جامع المناقب، رقم: ۶۲۴۸۔

گورنر مقرر کیا، امیر المومنین حضرت عمر نے ۲۰ھ میں ان کو بصرہ کا حاکم مقرر کیا تھا، انہوں نے "اہواز" کو فتح کیا، حضرت ابوموسیٰ اشعری حضرت عثمان کی خلافت کے ابتدائی عہد تک بصرہ کے ہی گورنر رہے، پھر حضرت عثمان نے ان کو معزول کر دیا تھا، اس کے بعد یہ کوفہ منتقل ہو گئے، جب اہل کوفہ نے کوفہ کے حاکم سعید بن عاص کو باہر نکال دیا اور حضرت عثمان سے درخواست کی کہ حضرت ابو موسیٰ اشعری کو ہمارا حاکم بنا دیں، تو پھر حضرت عثمانؓ نے لوگوں کی درخواست پر انہیں کوفہ کا حاکم مقرر کر دیا، حضرت عثمان کی شہادت کے بعد حضرت علی نے ان کو معزول کر دیا، پھر واقعہ تحکیم کے بعد حضرت ابوموسیٰ اشعری مکہ مکرمہ میں منتقل ہو گئے اور پھر وہیں پر ۵۲ھ میں وفات پا گئے، اور بعض کے نزدیک ۴۴ھ میں ان کی وفات ہوئی۔(۱)

عَنْ أَبِي مُوسَى، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، أَنَّهُ قَالَ: يَا أَبَا مُوسَى: لَقَدْ أُعْطِيتَ مِزْمَارًا مِنْ مَزَامِيرِ آلِ دَاوُدَ.(۲)

حضرت ابوموسیٰ اشعری سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اے ابوموسیٰ تمہیں داؤد علیہ السلام کی خوش الحانیوں میں سے ایک خوش الحانی عطا کی گئی ہے۔

حضرت ابوموسیٰ اشعری انتہائی زیادہ خوش آواز تھے

"مزمار" اصل میں تو بانسری اور آلہ موسیقی کے ساز کے ساتھ گانے کو کہتے ہیں، مگر یہاں حدیث میں اس لفظ سے صرف "خوش آوازی اور خوش الحانی" مراد ہے اور "آل داؤد" میں لفظ "آل" زائد ہے، اس سے صرف حضرت داؤد علیہ السلام ہی مراد ہیں، کیونکہ صرف ان کی ہی آواز خوبصورت تھی، ان کی اولاد اور اقارب میں سے کوئی ان کی طرح خوش آواز نہیں تھا۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد کی خوش الحانی کا کچھ حصہ حضرت ابوموسیٰ اشعری کو عطا فرمایا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں ان کی خوش آوازی کی تعریف فرمائی ہے، جب وہ اپنی پرسوز آواز میں تلاوت کرتے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی بڑے شوق سے ان کی تلاوت سنتے تھے، چنانچہ ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت عائشہ حضرت ابوموسیٰ کے گھر کے پاس سے گذرے، وہ اس وقت قرآن پڑھ رہے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت عائشہ کھڑے ہو کر ان کی تلاوت سنتے رہے، صبح کے وقت حضرت ابوموسیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کی تو آپ نے ان کو ساری بات بتائی، اس پر حضرت ابوموسیٰ اشعری نے عرض کیا یا رسول اللہ! اگر مجھے معلوم ہوتا کہ آپ میری تلاوت سن رہے ہیں، تو میں اسے اور زیادہ مزین اور خوبصورت کر کے پڑھتا۔(۳)

اس سے دو باتیں معلوم ہوئیں، ا۔ قرآن مجید کو خوبصورت اور اچھے انداز سے پڑھنا ایک مسنون عمل ہے، اس سے اللہ

---

(۱) الاصابۃ ۱۸۱/۳، حرف العین

(۲) الصحیح للبخاری، کتاب فضائل القرآن، باب حسن الصوت بالقرآن، رقم: ۵۰۴۸۔

(۳) فتح الباری ۱۱۴/۹، کتاب فضائل القرآن باب حسن الصوت بالقرآن

جل جلالہ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خوش ہوتے ہیں۔ ۲۔ عورت غیر محرم مرد کی تلاوت سن سکتی ہے، جبکہ اس سے کسی طرح کے فتنہ کا اندیشہ نہ ہو۔

بَابُ مَنَاقِبِ سهلِ بنِ سعد رضي الله عنه

حضرت سہیل بن سعد کے فضائل

حضرت سہل بن سعد بن مالک بن خالد انصاری، خزرجی مشہور صحابی ہیں، ان کی کنیت ابو العباس ہے، ان کا نام حزن (حا پرزبر اور زا ساکن) تھا، جس کے معنی اکھڑ اور سخت مزاج آدمی کے ہیں، اس لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا نام بدل کر سہل رکھ دیا، وفات نبوی کے وقت ان کی عمر پندرہ سال تھی، سن ۹۱ھ میں مدینہ منورہ میں ان کی وفات ہوئی، اس وقت ان کی عمر سو سال تھی۔(۱)

عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ، قَالَ: كُنَّا مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ يَحْفِرُ الْخَنْدَقَ، وَنَحْنُ نَنْقُلُ التُّرَابَ وَيَمُرُّ بِنَا، فَقَالَ: اللَّهُمَّ لَا عَيْشَ إِلَّا عَيْشُ الْآخِرَهْ، فَاغْفِرْ لِلْأَنْصَارِ وَالْمُهَاجِرَهْ.(۲)

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غزوہ خندق کے موقع پر موجود تھے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم خندق کھود رہے تھے اور ہم مٹی منتقل کر رہے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس سے گزرتے تو فرماتے: اے اللہ! اصل زندگی تو آخرت ہی کی زندگی ہے، لہذا انصار اور مہاجرین کی تو مغفرت فرمادے۔

عَنْ أَنَسٍ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَقُولُ: اللَّهُمَّ لَا عَيْشَ إِلَّا عَيْشُ الْآخِرَهْ، فَأَكْرِمِ الْأَنْصَارَ وَالْمُهَاجِرَهْ.(۳)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اے اللہ! اصل زندگی تو آخرت ہی کی زندگی ہے، اس لیے تو انصار و مہاجرین کی تعظیم و تکریم فرمادے۔

مشکل الفاظ کے معنی: وهو يحفر الخندق: آپ صلی اللہ علیہ وسلم خندق کھود رہے تھے، ونحن ننقل التراب: اور ہم مٹی اٹھا اٹھا کر لے جا رہے تھے، ہم مٹی منتقل کر رہے تھے، ويمر بنا: اور آپ ہمارے پاس سے گزرتے، انصار: ناصر کی جمع ہے، وہ صحابہ جنہوں نے مدینہ منورہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور مہاجر صحابہ کی مدد و نصرت کی، مہاجرۃ: (جیم پر زبر) ہجرت، نقل مکانی، مراد ہے اصحاب المهاجرة: مہاجرین۔

---

(۱) الاصابۃ ۱۶۷/۳، حرف السین

(۲) الصحیح للبخاری، کتاب الرقاق، باب ماجاء فی الرقاق، رقم: ۶۴۱۴۔

(۳) ایضا، رقم: ۶۴۱۳۔

حضرت سہل سمیت انصار ومہاجرین کے لیے مغفرت کی دعا

مذکورہ احادیث سے دو امر ثابت ہوتے ہیں:

۱۔ غزوہ خندق کے موقع پر جنگی حکمت عملی کے تحت نبی کریم ﷺ نے حکم دیا کہ مدینہ کے آس پاس ایک طویل خندق کھود دی جائے، تاکہ دشمن مدینہ میں داخل نہ ہوسکے، اس میں ایک مقام پر آپ ﷺ بھی خندق کھود رہے تھے اور حضرت سہل فرماتے ہیں کہ ہم اس مٹی کو اپنے کندھوں پر اٹھا کر ادھر ادھر منتقل کر رہے تھے، اور ساتھ ہی یہ پڑھ رہے تھے:

نَحْنُ الَّذِيْنَ بَايَعُوْا مُحَمَّدًا، عَلَى الْجِهَادِ مَا بَقِيْنَا أَبَدًا ترجمہ: ہم وہ لوگ ہیں، جنہوں نے اپنی زندگی کے آخری لمحات تک محمد ﷺ کے ہاتھ پر جہاد کی بیعت کرلی ہے، نبی کریم ﷺ ان کے جواب میں یہ دعا فرماتے: اللھم لا عیش الا عیش الاخرۃ، فاغفر للانصار والمھاجرۃ، اے اللہ! اصل زندگی تو صرف آخرت ہی کی زندگی ہے، پس تو انصار اور مہاجرین کی مغفرت فرمادے۔

۲۔ ان احادیث میں حضرت سہل بن سعد کی فضیلت کا بیان ہے، مغفرت کی اس پرخلوص دعا میں وہ بھی شامل ہیں، کیونکہ وہ بھی انصاری صحابی ہیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ کام کاج اور کسی مشغولیت کے وقت اگر کچھ اشعار وغیرہ گنگنا کر انسان پڑھتا رہے، تو یہ ایک پسندیدہ عمل ہے، کیونکہ اس سے طبیعت میں نشاط اور کام میں مزید نکھار پیدا ہوتا ہے، بشرطیکہ اس کلام کا مفہوم خلاف شرع نہ ہو اور اس کے ساتھ آلات موسیقی کا استعمال نہ ہو۔(۱)

بَابُ مَا جَاءَ فِي فَضْلِ مَنْ رَأَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَصَحِبَهُ

یہ باب ان احادیث پر مشتمل ہے، جن میں ان لوگوں کی فضیلت کا ذکر ہے، جنہوں نے نبی کریم ﷺ کو دیکھا ہے اور آپ کے ساتھ رہے ہیں۔

صحابی کی تعریف

"صحابی" اس مسلمان کو کہتے ہیں، جس نے بیداری میں اپنی آنکھوں سے نبی کریم ﷺ کو دیکھا ہو یا آپ کی صحبت میں رہا ہو اور ایمان کی حالت میں ہی دین اسلام پر اس کا خاتمہ ہوا ہو، اگرچہ اس درمیان میں ارتداد بھی پیش آگیا ہو، یعنی اس نے نبی کریم ﷺ کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا ہو، پھر العیاذ باللہ وہ مرتد ہوگیا، لیکن مرنے سے پہلے پھر اسلام قبول کرلیا اگرچہ پھر اس

(۱) فتح الباری ۷/۴۹۹، ۵۰۲، کتاب المغازی باب غزوۃ الخندق

نے نبی کریم ﷺ کو دوبارہ نہ دیکھا ہو، تو بھی اسے صحابی کہا جائے گا، جیسے اشعث بن قیس رضی اللہ عنہ وغیرہ۔(۱)

عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ، يَقُولُ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: لَا تَمَسُّ النَّارُ مُسْلِمًا رَآنِي أَوْ رَأَى مَنْ رَآنِي، قَالَ طَلْحَةُ: فَقَدْ رَأَيْتُ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللهِ، وَقَالَ مُوسَى: وَقَدْ رَأَيْتُ طَلْحَةَ، قَالَ يَحْيَى: وَقَالَ لِي مُوسَى: وَقَدْ رَأَيْتَنِي وَنَحْنُ نَرْجُو اللهَ.(۲)

حضرت جابر بن عبداللہ کہتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اس مسلمان کو جہنم کی آگ نہیں چھو سکے گی، جس نے مجھے دیکھا ہو یا اس شخص کو دیکھا ہو، جس نے مجھے دیکھا ہو، طلحہ بن خراش راوی کہتے ہیں کہ میں نے جابر بن عبداللہ کو دیکھا ہے، اور موسیٰ بن ابراہیم راوی نے کہا: میں نے طلحہ کو دیکھا ہے، یحییٰ بن حبیب کہتے ہیں کہ موسیٰ نے مجھ سے فرمایا: تم نے مجھے دیکھا ہے، اور ہم سب اللہ جل جلالہ سے (اس خوشخبری میں داخل ہونے کی) امید رکھتے ہیں۔

صحابہ وتابعین کو دوزخ کی آگ نہیں چھوئے گی

مذکورہ حدیث میں دو باتیں بیان کی گئی ہیں:

۱۔ یوں تو احادیث میں ان تمام مسلمانوں کی فضیلت کا ذکر موجود ہے، جو نبی کریم ﷺ کو دیکھے بغیر ان پر ایمان لائیں گے اور ایمان پر ہی ان کا خاتمہ ہوگا، اور بالآخر انہیں بھی ان شاء اللہ جنت میں داخل کر دیا جائے گا، مگر حدیث مذکور میں خاص طور پر صرف صحابہ اور تابعین کی فضیلت کا ذکر ہے کہ ان کو جہنم کی آگ نہیں چھو سکے گی، تبع تابعین بھی اس فضیلت میں شامل نہیں۔

اس میں شک نہیں کہ گناہوں سے معصوم تو صرف انبیاء ہی ہوتے ہیں، صحابہ اور تابعین گناہوں سے معصوم نہیں، ان سے گناہ سرزد ہو سکتے ہیں بلکہ ہوئے ہیں، مگر یہ فوراً ہی اللہ سے معافی مانگ لیتے ہیں، اور صحابہ کی تو اسلام کے بارے میں قربانیاں بے شمار ہیں، ان کی نیکیاں ان کی غلطیوں پر غالب ہیں، اور نبی کریم ﷺ کی صحبت کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے ان کو معاف کر دیا ہے، رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ کا انہیں اعزاز حاصل ہے، اس لیے حضرات صحابہ کے بارے میں کسی بھی قسم کی زبان درازی اور سب و شتم کرنا جائز نہیں۔

بعض حضرات یہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں یہ بتانا مقصود ہے کہ حضرات صحابہ اور تابعین کا خاتمہ یقیناً ایمان پر ہوگا۔

۲۔ ایک رائے یہ بھی ہے کہ یہ فضیلت صرف صحابہ اور تابعین تک ہی محدود نہیں، بلکہ قیامت تک یہ سلسلہ چلتا رہے گا، چنانچہ اس حدیث کے راوی موسیٰ بن ابراہیم جو تبع تابعین میں سے ہیں، یحییٰ بن حبیب سے کہتے ہیں: وقد رایتنی و نحن

---

(۱) تکملة فتح الملهم ۵/۵۹، كتاب فضائل الصحابة

(۲) كنز العمال، رقم: ۳۲۴۸۔

نر جو اللہ، تم نے مجھے دیکھ لیا ہے، لہذا ہمیں اللہ سے امید ہے کہ وہ ہمیں اس فضیلت میں شامل کرلیں گے، اس سے معلوم ہوا کہ موسیٰ بن ابراہیم اس فضیلت کو صرف صحابہ اور تابعین کے ساتھ ہی خاص نہیں سمجھتے بلکہ وہ اس میں عموم کے قائل ہیں، لیکن یہ مرجوح قول ہے، اکثر حضرات تخصیص کے ہی قائل ہیں، کیونکہ حدیث کے الفاظ سے صراحۃً تخصیص ہی معلوم ہوتی ہے۔(۱)

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: خَيْرُ النَّاسِ قَرْنِي، ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ، ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ، ثُمَّ يَأْتِي قَوْمٌ بَعْدَ ذٰلِكَ، تَسْبِقُ أَيْمَانُهُمْ شَهَادَاتِهِمْ، أَوْ شَهَادَاتُهُمْ أَيْمَانَهُمْ.(۲)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بہترین لوگ میرے زمانے کے لوگ ہیں (یعنی صحابہ کرام) پھر وہ لوگ ہیں جو ان کے قریب ہیں (یعنی تابعین) اور پھر وہ لوگ جو ان (یعنی تابعین) کے قریب ہیں (یعنی تبع تابعین) پھر ان کے بعد ایسے لوگ آئیں گے، جن کی قسمیں ان کی گواہیوں سے یا ان کی گواہیاں ان کی قسموں سے آگے بڑھیں گی۔

مشکل الفاظ کے معنی: قرن: (قاف پر زبر اور را ساکن) زمانہ، صدی، سو سال۔ یلونھم: جو ان صحابہ کے قریب ہوں یعنی تابعین، ثم الذین یلونھم: پھر وہ لوگ جو تابعین کے قریب ہوں یعنی تبع تابعین، تسبق: آگے بڑھ جائے گی، ایمان: یمین کی جمع ہے: قسمیں "أو" یہ بھی ہوسکتا ہے کہ راوی کو شک ہو، یا اصل حدیث کا حصہ ہو، اس سے گویا ایک الگ نوع اور قسم کا بیان ہے، اور بخاری کی روایت میں "و" ہے، بعض نے اسی کو صحیح قرار دیا ہے۔

قرون ثلاثہ کی فضیلت

اس حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تین زمانوں کی مدح اور فضیلت بیان کی ہے، یعنی صحابہ، تابعین اور تبع تابعین کی، ان تین زمانوں میں امانت و دیانت اور صداقت غالب تھی، اتنے زیادہ فتنے اور فساد نہیں اٹھے تھے، ان تین زمانوں کے بعد لوگوں میں دینی لحاظ سے غفلت بہت عام ہوگئی، آپ نے فرمایا کہ ان کی قسمیں شہادتوں پر یا شہادتیں قسموں پر سبقت کر جائیں گی، مطلب یہ ہے کہ وہ قسم اور گواہی کے امر میں احتیاط سے کام نہیں لیں گے، اور انہیں معمولی سمجھیں گے کہ ذرا سی لالچ میں کبھی گواہی دے دیں گے اور کبھی قسم اٹھالیں گے، جیسے آج کل ہم اپنے معاشرے میں دیکھتے ہیں کہ عدالتوں میں گواہیاں اور قسمیں اٹھانا ایک کاروبار بنا ہوا ہے، رقم لے کر جس قسم کی چاہو، گواہی دلوا دو، یا قسم اٹھوالو، انہیں ان کے خطرناک انجام کی طرف کوئی دھیان نہیں ہوتا، اللہ جل شانہ ہماری حفاظت فرمائے۔ آمین۔

قرن سے یہاں ایک صدی مراد ہے، تقریباً ایک صدی صحابہ کا زمانہ رہا، چنانچہ آخری صحابی حضرت ابو الطفیل عامر بن

---

(۱) تحفۃ الأحوذی ۱۰/۳۳۱، مرقاۃ المفاتیح ۱۱/۱۵۹/رقم: ۶۰۱۳، کتاب المناقب باب مناقب الصحابۃ

(۲) الصحیح للبخاری، کتاب الشہادات، باب لا یشہد علی شہادۃ جور، رقم: ۲۶۵۱۔

واثلہ لیثی ہیں، ان کی وفات راجح قول کے مطابق ۱۱۰ھ ہے، اور اس میں بھی اصحاب الحدیث کا اتفاق ہے کہ آخری اتباع التابعین وہ شمار ہوں گے، جو ۲۲۰ھ کی حدود تک زندہ رہے ہوں، اس کے بعد اگر کوئی تبع تابعین ہونے کا دعویٰ کرے، تو وہ قبول نہیں ہوگا، جیسے ۱۱۰ھ کے بعد اگر کوئی انسان یہ دعویٰ کرے کہ میں صحابی ہوں، تو اس کا بھی اعتبار نہیں ہوگا۔(۱)

بَابٌ فِي فَضْلِ مَنْ بَايَعَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ

یہ باب ان لوگوں کی فضیلت کے بیان میں ہے، جنہوں نے درخت کے نیچے بیعت کی تھی

عَنْ جَابِرٍ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَا يَدْخُلُ النَّارَ أَحَدٌ مِمَّنْ بَايَعَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ.(۲)

حضرت جابر کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایسا کوئی شخص جہنم میں داخل نہیں ہوگا، جس نے درخت کے نیچے بیعت (رضوان) کی۔

''بیعت رضوان'' میں شریک صحابہ کرام کی فضیلت

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ۶ھ میں تقریباً چودہ سو صحابہ کرام کے ساتھ مدینہ منورہ سے عمرے کی ادائیگی کے لیے مکہ مکرمہ روانہ ہوئے، آپ کی اونٹنی مقام حدیبیہ میں اس طرح بیٹھ گئی کہ کسی طرح اس نے اٹھنے کا نام نہیں لیا، ادھر کفار مکہ کو پتہ چلا، تو انہوں نے اس مقدس جماعت کو مکہ مکرمہ داخل ہونے سے روک دیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں سمجھانے کی ہر ممکن کوشش کی، مگر وہ نہ مانے، مزید ان کے اطمینان کے لیے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو ان کی طرف مکہ مکرمہ میں بھیجا، تاکہ وہ ان سے براہ راست بات چیت کریں، انہیں یہ باور کرائیں کہ ہمارا مقصد صرف اور صرف عمرے کی ادائیگی ہے، ہم جنگ کرنے نہیں آئے، حضرت عثمان کو قریش نے روک لیا، یوں ان کی واپسی میں دیر لگ گئی، ادہر مسلمانوں میں یہ خبر مشہور ہوگئی کہ حضرت عثمان کو کفار مکہ نے قتل کر دیا ہے۔

اس خبر کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس خیال سے کہ شاید لڑائی تک نوبت پہنچ جائے، تمام صحابہ کرام سے کیکر کے درخت کے نیچے جہاد پر بیعت کی، اس کو بیعت رضوان کہا جاتا ہے، اس بیعت کی خبر جب قریش مکہ نے سنی، تو فوراً انہوں نے حضرت عثمان کو واپس بھیج دیا، اور پھر بالآخر ان کے ساتھ صلح کا ایک معاہدہ ہوا۔(۳)

ترمذی کی مذکورہ روایت میں ان تمام صحابہ کرام کی فضیلت کا ذکر ہے، جنہوں نے اس موقع پر بیعت کی تھی، ان میں سے کوئی بھی جہنم میں داخل نہیں ہوگا، چنانچہ علماء نے لکھا ہے کہ اس بیعت کے شرکاء کی مثال غزوہ بدر کے شرکاء کی سی ہے، جیسا کہ ان

---

(۱) فتح الباری ۷/۶، کتاب فضائل اصحاب النبی، شرح مسلم للنووی ۳۰۸/۲، کتاب فضائل الصحابة، باب فضائل الصحابة

(۲) سنن ابی داؤد، کتاب السنة، باب فی الخلفاء، رقم: ۴۶۵۳۔

(۳) بذل المجهود ۱۸/۹۷، کتاب السنة، رقم: ۴۶۵۹، تفسیر ابن کثیر ۵۵۸/۵، آیت نمبر: ۱۸۔

کے متعلق قرآن وحدیث میں اللہ جل جلالہ کی رضامندی اور جنت کی بشارتیں ہیں، اسی طرح بیعت رضوان میں ان صحابہ کرام کے لیے بھی اس حدیث میں خوشخبری دی گئی ہے، یہ بشارتیں اس بات پر شاہد ہیں کہ ان تمام حضرات کا خاتمہ ایمان اور اعمال صالحہ پر ہو گا، کیونکہ قرآن مجید کی اس آیت "لقد رضی اللہ عن المؤمنین..." سورہ فتح میں اللہ کی طرف سے رضا کا اعلان، اس بات کی ضمانت دے رہا ہے۔(۱)

بَابُ فِيمَنْ سَبَّ أَصْحَابَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

یہ باب ان لوگوں (کی مذمت) کے بیان میں ہے، جو نبی کریم ﷺ کے صحابہ کو برا بھلا کہتے ہیں

عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الخُدْرِيِّ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَا تَسُبُّوا أَصْحَابِي، فَوَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَوْ أَنَّ أَحَدَكُمْ أَنْفَقَ مِثْلَ أُحُدٍ ذَهَبًا، مَا أَدْرَكَ مُدَّ أَحَدِهِمْ وَلَا نَصِيفَهُ.(۲)

حضرت ابوسعید خدری کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میرے صحابہ کو برامت کہو، اس لیے کہ اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے: اگر تم میں سے کوئی احد پہاڑ کے برابر سونا (اللہ کی راہ میں) خرچ کر دے، تو بھی وہ کسی صحابی کے ایک مد یا آدھے مد (کے برابر اجر وثواب) کو نہیں پا سکتا۔

صحابی کی شان میں کسی قسم کی بے ادبی نہ کی جائے

مذکورہ حدیث میں نبی کریم ﷺ نے امت کو یہ حکم دیا ہے کہ میرے صحابہ کو برامت کہو، کیونکہ ان کی شان میں ذرا سی بے ادبی بھی برداشت نہیں، اس بارے میں احادیث میں سخت وعیدیں منقول ہیں، اس حدیث میں جو نبی کریم ﷺ نے فرمایا: لاتسبوا اصحابی، اس کے دو مطلب بیان کئے گئے ہیں:

۱۔ یہ ارشاد نبی کریم ﷺ نے ایک خاص پس منظر میں ارشاد فرمایا تھا، وہ یہ کہ حضرت خالد بن ولید اور حضرت عبدالرحمن بن عوف کے درمیان کسی بات میں نزاع ہو گیا، حضرت خالد بن ولید نے حضرت عبدالرحمن بن عوف کو برا کہا، اس پر آپ ﷺ نے فرمایا کہ "میرے صحابہ کو برا نہ کہو" یوں تو صحابہ میں حضرت خالد بن ولید بھی ہیں، مگر یہاں اس حدیث میں وہ مخصوص صحابہ مراد ہیں جو حضرت خالد بن ولید سے پہلے بالکل ابتداء اسلام میں ہی انہوں نے اسلام قبول کر لیا تھا، حضرت عبدالرحمن بن عوف بھی ان سابقین فی الاسلام میں سے ہیں، اس وقت تو حضرت خالد کفار کے ساتھ تھے، لہذا میرے یہ صحابہ میرے انتہائی مخصوص اور برگزیدہ صحابہ ہیں، ان کی شان میں وہ صحابی بھی کوئی بات نہیں کر سکتا، جو ان کے بعد دائرہ اسلام میں داخل ہوا، یہ تو اس روایت کا

---

(۱) معارف القرآن ۸۰/۸، تفسیر عثمانی، (ص: ۶۷۸) تحفۃ الاحوذی ۱۰/۳۳۳

(۲) الصحیح للبخاری، کتاب فضائل الصحابة، باب فضل أبی بکر، رقم: ۳۶۷۳۔

خاص پس منظر تھا۔

۲۔ ملا علی قاری فرماتے ہیں کہ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ "لاتسبوا" سے پوری امت کو یہ حکم دیا گیا ہو، آپ نے گویا نور نبوت سے یہ سمجھ لیا تھا کہ میرے بعد کچھ ایسے لوگ آئیں گے، جو میرے صحابہ کو برا بھلا کہیں گے، اس لیے آپ ﷺ نے بڑی تاکید کے ساتھ منع فرمایا کہ میرے صحابہ کی شان میں ادنیٰ سی گستاخی بھی نہ کرنا، لفظ "سب" عربی زبان میں برا بھلا کہنے اور غلط کار ٹھہرانے کے معنی میں استعمال ہوتا ہے، اور گالی گلوچ کے لئے لفظ "شتم" استعمال ہوتا ہے۔

اس حدیث میں آپ ﷺ نے اس کی وجہ یہ بتلائی کہ وہ اسلام کے انتہائی مخلص مددگار تھے، وہ اگر ایک مد جو سیر کے برابر ایک پیمانہ ہے، کے برابر جو، یا گندم، یا آدھا مد، اللہ کی راہ میں خرچ کریں تو بھی اس کا اجر وثواب تمہارے اس صدقہ سے زیادہ ہے، جو تم احد پہاڑ کے برابر سونا اللہ کے راستے میں دو، کیونکہ وہ خود ضرورت مند اور انتہائی تنگدستی میں تھے، تو بھی وہ صدقہ کو ترجیح دیتے تھے، انہوں نے اسلام کی اس وقت مدد ونصرت کی، جس وقت اسلام انتہائی کمزور تھا، اس کے پیروکار بھی انتہائی کٹھن حالات سے دوچار تھے، اس لیے میری امت کے کسی فرد کے لیے ہرگز یہ جائز نہیں، کہ وہ میرے صحابہ کی شان میں ادنیٰ سی بھی گستاخی اور بے ادبی کرے۔(۱)

صحابہ کو برا بھلا کہنے والے کے بارے میں شرعی حکم

یہ امت کا اجماعی مسئلہ ہے کہ تمام صحابہ کرام کا بغیر کسی تفریق کے ادب واحترام کرنا لازم ہے، ان کا اس انداز سے تذکرہ کرنا یا اس طرح کوئی بات لکھنا، جس سے ان کی توہین اور بے ادبی کا کوئی پہلو ہو، ہرگز شرعاً جائز نہیں، کیونکہ بہت سی احادیث میں اس سے سختی سے منع کیا گیا ہے، چنانچہ اس حدیث کی شرح میں امام نووی رحمہ اللہ تعالیٰ نے لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے صحابہ میں سے کسی بھی صحابی کو برا بھلا کہنا اور ان کی شان میں گستاخی کرنا حرام ہے اور بہت بڑا گناہ ہے، جمہور علماء کا مذہب یہ ہے کہ جو شخص صحابہ کرام کو یا ان میں سے کسی صحابی کو برا کہے تو تعزیراً سخت سزا دی جائے، اور بعض مالکیہ کے نزدیک تو ایسے شخص کو قتل ہی کر دیا جائے، اور اگر کسی سے یہ غلطی ہو جائے اور بعد میں اپنی بات سے رجوع کر کے توبہ کر لے تو پھر اس کی توبہ کو قبول کر لیا جائے۔(۲)

عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ مُغَفَّلٍ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: اللهَ اللهَ فِي أَصْحَابِي، لَا تَتَّخِذُوهُمْ غَرَضًا بَعْدِي، فَمَنْ أَحَبَّهُمْ فَبِحُبِّي أَحَبَّهُمْ، وَمَنْ أَبْغَضَهُمْ فَبِبُغْضِي أَبْغَضَهُمْ، وَمَنْ آذَاهُمْ فَقَدْ آذَانِي، وَمَنْ آذَانِي فَقَدْ

(۱) الصارم المسلول على شاتم الرسول (ص:۴۲۵) فی حکم من سب احداً من الصحابة، مرقاة المفاتيح ۱۵۲/۱۱

(۲) شرح مسلم للنووی ۳۱۰/۲، کتاب فضائل الصحابة باب تحريم سب الصحابة، تكملة فتح الملهم ۳۱۲/۵، الاشباه والنظائر مع الحموی ۷۹/۲، کتاب السير، الفن الثانی، رقم:۱۲۲۷، مرقاة ۱۵۲/۱۱، کتاب المناقب باب مناقب الصحابة، الصارم المسلول (ص:۴۱۹)

آذَى اللهَ، وَمَنْ آذَى اللهَ فَيُوشِكُ أَنْ يَأْخُذَهُ.(۱)

حضرت عبداللہ بن مغفل کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرے صحابہ کے حق میں اللہ سے ڈرتے رہنا، میرے بعد ان کو ملامت اور تنقید کا نشانہ مت بنانا، کیونکہ جو شخص ان سے محبت کرے گا، تو وہ مجھ سے محبت کی وجہ سے ان سے محبت کرے گا، اور جو ان سے بغض رکھے گا، تو وہ مجھ سے بغض رکھنے کی وجہ سے ان سے بغض رکھے گا، اور جس نے ان کو تکلیف پہنچائی اس نے گویا مجھے اذیت پہنچائی، اور جس نے مجھے اذیت دی، اس نے گویا اللہ جل جلالہ کو اذیت دی، اور جو شخص اللہ کو اذیت پہنچائے، تو قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو (جلد ہی عذاب میں) پکڑ لیں۔

مشکل الفاظ کے معنی: اللہ اللہ: یہ الفاظ ترکیب کے اعتبار سے اتقوا فعل محذوف کے مفعول بہ ہیں، اصل عبارت یوں ہے: اتقوا اللہ، اتقوا اللہ: اللہ تعالیٰ سے ڈرو، ڈرتے رہو، في أصحابي: میرے صحابہ کے حق میں، بعض حضرات نے یہاں افعال محذوف نکالے ہیں: اذکر اللہ (میں تمہیں اللہ یاد دلاتا ہوں)، یا أنشدکم اللہ (میں تمہیں اللہ کی قسم دیتا ہوں) غرضا: (غین اور را پر زبر) ہدف، نشانہ، فبحبي: میری محبت کی وجہ سے، فیوشک: قریب ہے کہ، أن یأخذہ: یہ کہ اللہ جل جلالہ اس کو دنیا میں ہی عذاب میں پکڑ لیں یا آخرت میں اسے اپنی گرفت میں لے لیں۔

صحابہ کو ہدف ملامت بنانا گویا عذاب الٰہی کو دعوت دینا ہے

اس حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑی تاکید کے ساتھ یہ حکم دیا ہے کہ میرے صحابہ کو ہدف تنقید اور ملامت کا نشانہ مت بنانا، ان کے حق میں کوئی بری بات نہ کہنا، جس طرح ایک شفیق باپ اپنی اولاد کو سمجھاتا ہے اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں سمجھایا کہ میرے صحابہ کے حق میں کوئی بے ادبی اور گستاخی نہ کرنا، کیونکہ جو صحابہ سے محبت کرتا ہے تو وہ اس وجہ سے ان سے محبت کرتا ہے کہ میں ان سے محبت کرتا ہوں یا وہ مجھ سے محبت کی وجہ سے صحابہ سے محبت کرتا ہے، دراصل حکم یہ دینا ہے کہ تم ان سے محبت کرو کیونکہ میں ان سے محبت کرتا ہوں، اور جو ان سے دشمنی رکھتا ہے تو وہ گویا مجھ سے دشمنی رکھتا ہے، اور جس نے مجھے اذیت پہنچائی، اس نے گویا اللہ کو اذیت پہنچائی، اور جو اللہ کو ستاتا ہے، اس کے احکام کو توڑتا ہے، تو اللہ تعالیٰ جلد ہی اسے اپنے عذاب میں پکڑ لیں گے، یعنی آخرت میں تو وہ اللہ کے عذاب میں گرفتار ہوگا ہی، اس دنیا میں بھی اس پر عذاب آسکتا ہے جبکہ اپنے گناہ سے توبہ نہ کرے، یہی بات اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں بیان فرمائی ہے:

إِنَّ الَّذِينَ يُؤْذُونَ اللهَ وَرَسُولَهُ لَعَنَهُمُ اللهُ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَأَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُّهِينًا، وَالَّذِينَ يُؤْذُونَ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ بِغَيْرِ مَا اكْتَسَبُوا فَقَدِ احْتَمَلُوا بُهْتَانًا وَإِثْمًا مُّبِينًا۔(۲) (ترجمہ: جو لوگ ستاتے ہیں اللہ کو اور اس کے رسول کو ان کو

---

(۱) مسند احمد ۸۷/۴۔

(۲) مرقاۃ المفاتیح ۱۶۰/۱۱، رقم الحدیث: ۶۰۱۴؛ کتاب المناقب، باب مناقب الصحابة

پھٹکارا اللہ نے دنیا میں اور آخرت میں اور تیار کر رکھا ہے ان کے واسطے ذلت کا عذاب، اور جو لوگ تہمت لگاتے ہیں مسلمان مردوں کو اور مسلمان عورتوں کو بدون گناہ کیے، تو اٹھایا انہوں نے بوجھ جھوٹ کا اور صریح گناہ کا)

عَنْ جَابِرٍ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: لَيَدْخُلَنَّ الجَنَّةَ مَنْ بَايَعَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ إِلَّا صَاحِبَ الجَمَلِ الأَحْمَرِ.(۱)

حضرت جابر بن عبداللہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جنت میں وہ شخص ضرور داخل ہوگا، جس نے (کیکر کے) درخت کے نیچے (صلح حدیبیہ کے موقع پر) بیعت کی، سوائے سرخ اونٹ والے کے۔

سرخ اونٹ والا جنت میں داخل نہیں ہوگا

بیعت رضوان میں تمام صحابہ کرام نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر جہاد کے لیے بیعت کی تھی جس کا واقعہ پہلے گذر چکا ہے، مگر ایک منافق شخص جد بن قیس نے اس موقع پر بیعت نہیں کی، وہ اپنا اونٹ تلاش کر رہا تھا، اسے جب بیعت کے لیے کہا گیا تو وہ کہنے لگا کہ مجھے میرا اونٹ مل جائے، یہ مجھے بیعت سے زیادہ محبوب ہے، چونکہ وہ منافق تھا، اس لیے اس نے یہ بات کی، اس حدیث میں اسی کی مذمت کی گئی کہ اس نے بیعت نہیں کی، جس کی وجہ سے وہ جنت میں داخل نہیں ہوگا۔(۲)

عَنْ جَابِرٍ، أَنَّ عَبْدًا لِحَاطِبِ بْنِ أَبِي بَلْتَعَةَ جَاءَ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَشْكُو حَاطِبًا، فَقَالَ: يَارَسُولَ اللهِ: لَيَدْخُلَنَّ حَاطِبٌ النَّارَ فَقَالَ: رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: كَذَبْتَ، لَا يَدْخُلُهَا فَإِنَّهُ شَهِدَ بَدْرًا وَالْحُدَيْبِيَةَ.(۳)

حضرت جابر بن عبداللہ فرماتے ہیں کہ حاطب بن ابی بلتعہ کا ایک غلام، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور وہ حاطب کی شکایت کر رہا تھا، وہ کہنے لگا: یا رسول اللہ! حاطب ضرور جہنم میں داخل ہوگا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تو جھوٹ بول رہا ہے، حاطب دوزخ میں نہیں جائیں گے، کیونکہ وہ غزوہ بدر اور صلح حدیبیہ میں موجود تھے۔

حاطب بن ابی بلتعہ دوزخ میں نہیں جائیں گے

حضرت حاطب کے ایک غلام نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ان کی شکایت کرتے ہوئے کہا کہ حاطب ضرور جہنم میں

---

(۱) کنز العمال، رقم: ۴۵۷۔

(۲) شرح مسلم للنووی ۲/۳۶۹، کتاب صفات المنافقین و أحکامهم، تکملة فتح الملهم ۶/۱۰۶، کتاب صفات المنافقین، رقم الحدیث: ۶۹۹۱

(۳) الصحیح لمسلم، کتاب فضائل الصحابة، باب من فضائل أهل بدر، رقم: ۲۱۹۵۔

جائے گا، اس پر آپ نے فرمایا کہ تو غلط کہتا ہے، وہ چونکہ بدری صحابی ہیں اور صلح حدیبیہ میں موجود تھے، اس لیے وہ دوزخ میں نہیں، جنت میں ضرور داخل ہوں گے، اس حدیث سے جہاں غزوہ بدر اور صلح حدیبیہ کے شرکاء کی فضیلت ثابت ہوتی ہے، اسی طرح حضرت حاطب بن ابی بلتعہ کی بھی فضیلت کا بیان ہے کہ وہ چونکہ ان اہم مواقع میں شریک تھے، اس لیے وہ جنت میں داخل ہوں گے۔(۱)

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ بُرَيْدَةَ، عَنْ أَبِيهِ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَا مِنْ أَحَدٍ مِنْ أَصْحَابِي يَمُوتُ بِأَرْضٍ إِلَّا بُعِثَ قَائِدًا وَنُورًا لَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ.(۲)

حضرت بریدہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرے صحابہ میں سے، جو جس زمین پر مرے گا، اسے قیامت کے دن اس طرح اٹھایا جائے گا، کہ وہ اس علاقے کے لوگوں کو (جنت کی طرف) لے جائے گا اور ان کے لیے روشنی یعنی رہنما ہوگا۔

صحابہ قیامت کے دن جنت کے رہنما ہوں گے

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جو صحابی جس علاقے میں مرے گا، قیامت کے دن وہ اس علاقے کے لوگوں کو جنت کی طرف لے جائے گا، اور ان کے لیے رہنما اور منارۂ نور ہوگا۔(۳)

عَنِ ابْنِ عُمَرَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِذَا رَأَيْتُمُ الَّذِينَ يَسُبُّونَ أَصْحَابِي فَقُولُوا: لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى شَرِّكُمْ.(۴)

حضرت عبداللہ بن عمر کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم ان لوگوں کو دیکھو، جو میرے صحابہ کو برا کہہ رہے ہیں، تو تم یوں کہو: تمہارے شر پر اللہ کی لعنت اور پھٹکار ہو۔

صحابہ کو برا کہنے سے اللہ کی لعنت پڑ جاتی ہے

مذکورہ حدیث سے دو امر ثابت ہوتے ہیں:

۱۔ اگر کوئی شخص کسی صحابی کو برا کہے، تو اس پر اللہ کی لعنت اور پھٹکار پڑ جاتی ہے، اس کا صحابہ پر لعن طعن کرنا اور انہیں برا کہنا،

---

(۱) شرح مسلم للنووی ۲/ ۳۰۲، کتاب الفضائل، باب من فضائل حاطب بن ابی بلتعہ و أهل بدر۔
(۲) کنز العمال، رقم: ۳۲۴۷۵۔
(۳) تحفۃ الاحوذی ۱۰/ ۳۳۷۔
(۴) کنز العمال، رقم: ۳۲۴۸۳۔

خود اسی پر لوٹ کر آ جاتا ہے، یہ لوگ شر اور فتنہ والے ہیں، جبکہ صحابہ کرام تو اہل خیر ہیں، وہ اللہ کی رضا اور رحمت کے مستحق ہیں، اس لیے یہ برا کلام اور لعن طعن واپس ان شریر لوگوں پر لوٹ آتا ہے، اس سے صحابہ پر کوئی برا اثر نہیں پڑتا، بلکہ ان کے لعن طعن سے صحابہ کے درجات بلند ہوتے ہیں۔

۲۔ جو شخص کسی صحابی کو برا بھلا کہے یا کوئی بھی اللہ کی نافرمانی اور گناہ کرے تو اس آدمی کی ذات سے بغض، نفرت اور دشمنی نہیں کرنی چاہیے، بلکہ اس گناہ سے نفرت ہونی چاہیے، جو اس نے کیا ہے، لہذا جب مناسب موقع ملے، تو اسے حکمت کے ساتھ مسئلہ سمجھا دینا چاہیے، تاکہ وہ اپنے اس گناہ سے توبہ کر لے۔(۱)

بَابُ مَا جَاءَ فِي فَضْلِ فَاطِمَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا

یہ باب ان احادیث پر مشتمل ہے جن میں حضرت فاطمہ کی فضیلت کا ذکر ہے

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے مختصر حالات زندگی

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے چھوٹی صاحبزادی ہیں، ان کی والدہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا ہیں، حضرت فاطمہ کا لقب ''زہراء'' ہے، جس کے معنی ہیں: روشن، چمکدار اور خوبصورت، ان کی پیدائش مکہ مکرمہ میں ہوئی، اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر پینتیس سال تھی، ایک ہجری ماہ رجب میں ان کا نکاح حضرت علی سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کرایا، اور غزوہ بدر کے بعد رخصتی ہوئی، اس وقت حضرت فاطمہ کی عمر اٹھارہ سال تھی، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی اس صاحبزادی سے بہت محبت فرماتے تھے، اس بارے میں کچھ احادیث امام ترمذی نے اس باب میں نقل کی ہیں، جن کی تفصیل آ رہی ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے چھ ماہ بعد ۳ رمضان ۱۱ھ میں ان کا انتقال ہوا، اور حضرت عباس نے نماز جنازہ پڑھائی اور رات کے وقت جنت البقیع میں ان کو دفن کیا گیا۔(۲)

عَنِ الْمِسْوَرِ بْنِ مَخْرَمَةَ، قَالَ: سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ وَهُوَ عَلَى الْمِنْبَرِ: إِنَّ بَنِي هِشَامِ بْنِ الْمُغِيرَةِ اسْتَأْذَنُونِي فِي أَنْ يُنْكِحُوا ابْنَتَهُمْ عَلِيَّ بْنَ أَبِي طَالِبٍ فَلَا آذَنُ، ثُمَّ لَا آذَنُ، ثُمَّ لَا آذَنُ، إِلَّا أَنْ يُرِيدَ ابْنُ أَبِي طَالِبٍ أَنْ يُطَلِّقَ ابْنَتِي وَيَنْكِحَ ابْنَتَهُمْ، فَإِنَّهَا بَضْعَةٌ مِنِّي، يَرِيبُنِي مَا رَابَهَا وَيُؤْذِينِي مَا آذَاهَا.(۳)

حضرت مسور بن مخرمہ کہتے ہیں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو منبر پر فرماتے ہوئے سنا کہ (ابوجہل کے والد) ہشام

---

(۱) مرقاۃ المفاتیح ۱۱/۱۶۲، کتاب المناقب، باب مناقب الصحابۃ، رقم: ۶۰۱۷

(۲) الاصابۃ ۸/۲۶۲، کتاب النساء حرف الفاء

(۳) الصحیح للبخاری، کتاب النکاح، باب ذب الرجل عن ابنتہ فی الغیرۃ، رقم: ۵۲۳۰۔

بن مغیرہ کے خاندان والوں نے مجھ سے اجازت مانگی ہے کہ وہ اپنی بیٹی (عکرمہ کی بہن) کا نکاح علی بن ابی طالب کے ساتھ کر دیں، لیکن میں ان کو اجازت نہیں دیتا، میں ان کو اجازت نہیں دیتا، پھر میں ان کو اجازت نہیں دیتا، مگر یہ کہ علی بن ابی طالب چاہیں، تو میری بیٹی کو طلاق دے دیں اور پھر ان کی بیٹی سے نکاح کر لیں، کیونکہ میری بیٹی میرے دل کا ٹکڑا ہے، مجھے ہر وہ چیز پریشان کرتی ہے، جو اسے پریشان کرتی ہے، اور مجھے ہر وہ چیز تکلیف دیتی ہے، جو اسے تکلیف دیتی ہے۔

عَنْ أَيُّوبَ، عَنِ ابْنِ أَبِي مُلَيْكَةَ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ الزُّبَيْرِ، أَنَّ عَلِيًّا، ذَكَرَ بِنْتَ أَبِي جَهْلٍ فَبَلَغَ ذٰلِكَ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: إِنَّمَا فَاطِمَةُ بِضْعَةٌ مِنِّي، يُؤْذِينِي مَا آذَاهَا، وَيُنْصِبُنِي مَا أَنْصَبَهَا.(۱)

حضرت ایوب بن ابی تمیمہ سختیانی، ابن ابی ملیکہ سے اور وہ حضرت عبداللہ بن زبیر سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت علی نے ابو جہل کی بیٹی کا ذکر کیا (یعنی اس سے شادی کرنے کا ارادہ کیا) اتنے میں یہ بات نبی کریم ﷺ تک پہنچ گئی، اس پر آپ ﷺ نے فرمایا: فاطمہ میرے جسم کا ٹکڑا ہے، مجھے ہر وہ چیز تکلیف پہنچاتی ہے، جو اسے تکلیف پہنچاتی ہے، اور مجھے ہر وہ چیز تھکاتی ہے، جو اسے تھکاتی ہے (یعنی مجھے ہر وہ چیز مشقت میں ڈالتی ہے، جو اسے مشقت میں ڈالتی ہے)

مشکل الفاظ کے معنی: استأذنونی: بنی ہشام مجھ سے اجازت مانگ رہے ہیں، الا ان یرید: مگر یہ کہ علی بن ابی طالب چاہیں تو، بضعة: (باء پر زبر اور زیر دونوں طرح جائز ہے، اور ضاد پر سکون) گوشت کا ٹکڑا، یریبنی: اس لفظ کو باب ضرب اور باب افعال دونوں سے پڑھا جا سکتا ہے، معنی دونوں صورتوں میں ایک ہی ہیں: وہ چیز مجھے پریشان کرتی ہے، ما رابها: یہ لفظ مجرد سے ہے: جو چیز فاطمہ کو غمگین اور پریشان کرتی ہے(۲)، ویؤذینی ما آذاها: اور مجھے ہر وہ چیز ستاتی اور اذیت دیتی ہے جو چیز فاطمہ کو تکلیف پہنچاتی ہے، ینصبنی ما انصبها: یہ نصب سے ہے: مجھے ہر وہ چیز تھکاتی ہے، جو اسے تھکاتی ہے، مجھے ہر وہ چیز مشقت میں ڈالتی ہے، جو اسے مشقت میں ڈالتی ہے۔

میں علی کو فاطمہ پر کسی سے نکاح کی اجازت نہیں دے سکتا

ترمذی کی مذکورہ روایت میں بنی ہشام سے بنت ابی جہل کے چچا مراد ہیں، اور ہشام اس لڑکی کا دادا ہے، جس سے وہ لوگ حضرت علی کا نکاح کرانا چاہ رہے تھے، ہشام کا ایک بیٹا ابو الحکم عمرو بن ہشام یعنی ابو جہل ہے، جو کفر پر ہی قتل کیا گیا تھا، اور ابو جہل کے دو بھائی حارث بن ہشام اور سلمہ بن ہشام ان دونوں نے فتح مکہ کے موقع پر اسلام قبول کر لیا تھا، اور اسلام میں بڑے

---

(۱) المستدرک للحاکم ۳/۱۵۴۔

(۲) تکملة فتح الملهم ۵/۱۷۷، کتاب فضائل الصحابة، باب فضائل فاطمة.

مخلص تھے، اور ابوجہل کے بیٹے عکرمہ بن ابی جہل بھی مخلص صحابی تھے، اس تفصیل سے واضح ہوگیا کہ بنی ہشام سے حارث، سلمہ اور حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہم مراد ہیں۔

اس باب میں امام ترمذی کی مذکورہ دونوں روایتوں میں بظاہر تعارض ہے، وہ اس طرح کہ پہلی روایت، جو لیث کے طریق سے ہے، اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نکاح کی اجازت بنی ہشام نے مانگی تھی، آپ نے ان کی بات کے بعد منبر پر خطبہ دیا اور فرمایا کہ میں علی کو اپنی بیٹی فاطمہ پر کسی سے نکاح کرنے کی اجازت نہیں دے سکتا، جبکہ دوسری روایت، جو ایوب کے طریق سے ہے، سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علی نے نکاح کا ارادہ کیا اور آپ کو یہ بات پتہ چل گئی تو آپ نے منع فرمایا کہ اس سے فاطمہ کو اذیت پہنچے گی، اور جس سے فاطمہ کو اذیت پہنچتی ہے، اس سے مجھے بھی اذیت پہنچتی ہے، ایسے ہی حضرت حنظلہ کی روایت میں ہے کہ حضرت علی نے خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت طلب کی تھی، آپ نے انہیں منع فرما دیا تو پھر وہ اس سے بالکل ہی خاموش ہوگئے، دوبارہ پیغام نکاح کا ارادہ نہیں کیا، اس مفہوم کی اور روایات بھی ہیں، حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس تعارض کے دو جواب دیئے ہیں:

۱۔ ترمذی کی پہلی روایت جو لیث عن ابن ابی ملیکہ، عن المسور بن مخرمہ کے طریق سے منقول ہے، یہ راجح ہے، کیونکہ لیث کی عبداللہ بن دینار اور دوسرے بہت سے حضرات نے متابعت کی ہے، اور حضرت مسور سے ابن ابی ملیکہ کے علاوہ دوسرے حضرات نے بھی یہ روایت نقل کی ہے، لہٰذا اس سے معلوم ہوا کہ بنو ہشام نے ہی پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے نکاح کی اجازت طلب کی تھی۔

۲۔ حضرت علی نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے نکاح کی اجازت اس خطبہ کے بعد مانگی تھی، کیونکہ حضرت علی اس خطبہ میں موجود نہیں تھے، بعد میں انہوں نے جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بارے میں مشورہ کیا، تو آپ نے منع فرمادیا کہ میں اس نکاح کی بالکل اجازت نہیں دے سکتا، آپ کی بات سن کر حضرت علی نے اپنا یہ ارادہ ختم کر دیا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی کو ابوجہل کی بیٹی جویریہ سے نکاح کرنے سے کیوں منع کیا، جبکہ ایک مرد تو چار تک بیک وقت شادیاں کرسکتا ہے؟ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس کے چار جواب دیئے ہیں:

۱۔ ابن التین کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس لیے منع کیا کہ اس سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف ہوگی، اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف پہنچانا چونکہ حرام ہے، اس لیے حضرت فاطمہ کے ساتھ بنت ابی جہل کو حضرت علی کے نکاح میں جمع نہیں کیا جاسکتا، اس وجہ سے نہیں کہ وہ ان پر حرام ہے بلکہ اس وجہ سے کہ اس سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دل آزاری ہوگی۔(۱)

اور اس کی وجہ صحیح مسلم کی روایت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بیان فرمائی کہ میری بیٹی اللہ کے دشمن ابوجہل کی بیٹی کے ساتھ جمع نہیں ہوسکتی، اس کی وہ بیٹی اگرچہ مسلمان تھی، لیکن پھر بھی آپ نے اجازت نہیں دی، کیونکہ ابوجہل اگرچہ مرچکا ہے، مگر زندگی کے اس ازدواجی سفر میں کسی موڑ پر ایسا ہوسکتا ہے کہ ابوجہل کی اسلام دشمنی کی کوئی بات، ان دو سوکنوں کے درمیان باعث نزاع بن

---

(۱) فتح الباری ۹/۲۱۱، کتاب النکاح باب ذب الرجل عن ابنته، رقم الحدیث: ۵۲۳۰

جائے، یوں ان کی اور حضرت علی کی دینی زندگی متاثر ہوسکتی ہے، اور اس سے مجھے بھی دکھ ہوگا، اس لیے اس مصلحت کی وجہ سے سداً للذریعہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی کو ابوجہل کی بیٹی سے نکاح کی اجازت نہیں دی۔(۱)

۲۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ کی رعایت اور دلجوئی کی خاطر حضرت علی کو بنت ابی جہل سے نکاح کی اجازت نہیں دی، اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت فاطمہ کی والدہ حضرت خدیجہ اور ان کی تین بہنیں حضرت زینب، حضرت رقیہ اور حضرت ام کلثوم یکے بعد دیگرے اس دنیا سے جا چکی ہیں، ایک تو حضرت فاطمہ کو ان کا غم اور دکھ ہے، اور دوسرا یہ کہ اگر ان کی سوکن آگئی، تو ضرور حضرت فاطمہ کو فطری طور پر اس پر غیرت آئے گی، اس میں نشیب و فراز آئیں گے، تو یہ اپنا دکھ درد کس کے سامنے بیان کرے گی، ایسے موقع پر آدمی عموماً اپنی ماں یا بہنوں کو ہی بتایا کرتا ہے، اس طرح رفتہ رفتہ دل کو تسلی ہو جاتی ہے، اور یوں پھر یہ نظام ازدواج چل پڑتا ہے، اس وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی کو نکاح کی اجازت نہیں دی۔

اس پر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ سوکنوں کی غیرت اور چپقلش کی وجہ سے بہر حال آدمی دینی اعتبار سے ضرور پریشان ہو جاتا ہے، اس کے باوجود آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کئی خواتین سے نکاح کیا، اور ان میں سوکنوں والی غیرت اور اونچ نیچ بھی پائی جاتی تھی، تو پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے حق کا لحاظ کیوں نہیں رکھا، اس کثرت کے ساتھ انہیں اپنے نکاح میں کیوں جمع فرمایا جیسا کہ آپ نے حضرت فاطمہ کے حق کا لحاظ رکھا، اور ان پر کسی اور عورت سے حضرت علی کو نکاح کرنے کی اجازت نہیں دی؟

اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت فاطمہ اور ازواج مطہرات کے مسئلہ میں فرق ہے کہ حضرت فاطمہ کی ماں اور بہنوں میں سے کوئی دکھ درد سننے والی اس دنیا میں موجود نہیں تھیں، جبکہ ازواج مطہرات کو دو باتیں حاصل تھیں:

- ان کے والدین اور قریبی رشتہ دار موجود تھے، جن کے سامنے وہ سوکنوں والی غیرت سے متعلق بات چیت کر کے، اپنے غم کو دھو لیتی تھیں۔
- ازواج مطہرات کے شوہر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، جو ان کا ہر طرح سے خیال رکھتے تھے، آپ کے مقام اور پیار و محبت کا ایک ایسا سہارا ان کے پاس موجود تھا کہ جس کے سامنے ان کے سارے غم ایک ہی نظر میں ختم ہو جاتے تھے، اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک سے زیادہ خواتین سے شادی کی ہے، اس کی اور بھی کئی حکمتیں اور مصلحتیں تھیں، جن کی تفصیل کا یہ مقام نہیں۔

۳۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت بھی ہوسکتی ہے کہ آپ کی صاحبزادی کے ساتھ کسی عورت کو نکاح میں جمع نہیں کیا جا سکتا۔

۴۔ یہ حضرت فاطمہ کی بھی خصوصیت ہوسکتی ہے کہ ان کے ساتھ کسی عورت کو نکاح میں جمع کرنا جائز نہیں تھا۔

ان ینکحوا ابنتھم، ابوجہل کی یہ بیٹی مسلمان تھی، ان کے نام کے بارے میں مختلف اقوال ہیں: جویریہ، عوراء، حنفاء، جرہمہ اور جمیلہ، ان میں پہلا نام "جویریہ" زیادہ مشہور ہے۔

---

(۱) تکملۃ فتح الملہم ۵/۱۷۷، کتاب فضائل الصحابۃ، باب فضائل فاطمۃ

ثم لا اذن ثم لا اذن، آپ ﷺ نے تین بار دہرا کر تاکید فرمادی کہ یہ حکم ہمیشہ کے لئے ہے، ایسا نہیں کہ کچھ وقت کے لیے میں منع کررہا ہوں، اور پھر اس کی اجازت ہوگی جیسا کہ عرف میں ایسا ہوتا ہے، آپ نے اس وہم کو ختم کردیا کہ میری بیٹی کے ساتھ کسی عورت کو کبھی بھی جمع نہیں کیا جاسکتا۔

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ اگر کسی کی بیٹی کسی کے نکاح میں ہو اور اس بیٹی کے ساتھ کوئی ایسا واقعہ پیش آجائے، جو اس کی غیرت کا سبب بن رہا ہو، تو باپ اپنی بیٹی کی طرف سے دفاع کرسکتا ہے، اس طرح کا دفاع جائز ہے، یہ جاہلیت والی عصبیت میں داخل نہیں۔(۱)

عَنِ ابْنِ بُرَيْدَةَ، عَنْ أَبِيهِ، قَالَ: كَانَ أَحَبَّ النِّسَاءِ إِلَى رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاطِمَةُ، وَمِنَ الرِّجَالِ عَلِيٌّ، قَالَ إِبْرَاهِيمُ بْنُ سَعِيدٍ: يَعْنِي مِنْ أَهْلِ بَيْتِهِ.(۲)

حضرت بریدہ کہتے ہیں کہ خواتین میں رسول اللہ ﷺ کو سب سے زیادہ محبوب حضرت فاطمہ تھیں اور مردوں میں حضرت علی تھے، امام ترمذی کے استاد ابراہیم بن سعید جوہری کہتے ہیں: حضرت بریدہ کی مراد: من أهل بيته ہے، یعنی اپنے خاندان کی عورتوں میں حضرت فاطمہ اور مردوں میں حضرت علی آپ ﷺ کو زیادہ محبوب تھے۔

علی وفاطمہ رسول اللہ ﷺ کو بہت محبوب تھے

اس حدیث میں حضرت علی اور حضرت فاطمہ کی فضیلت کا ذکر ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو اپنے اہل بیت اور خاندان میں سے سب سے زیادہ پیار عورتوں میں حضرت فاطمہ سے اور مردوں میں حضرت علی سے تھا۔

عَنْ زَيْدِ بْنِ أَرْقَمَ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لِعَلِيٍّ وَفَاطِمَةَ وَالْحَسَنِ وَالْحُسَيْنِ: أَنَا حَرْبٌ لِمَنْ حَارَبْتُمْ، وَسِلْمٌ لِمَنْ سَالَمْتُمْ.(۳)

حضرت زید بن ارقم سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے علی، فاطمہ، حسن اور حسین سے فرمایا: میں بھی اس سے لڑوں گا، جس سے تم لڑو گے اور میں اس سے صلح کروں گا، جس سے تم صلح کرو گے۔

عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَلَّلَ عَلَى الْحَسَنِ وَالْحُسَيْنِ وَعَلِيٍّ وَفَاطِمَةَ كِسَاءً، ثُمَّ قَالَ: اللّٰهُمَّ هَؤُلَاءِ أَهْلُ بَيْتِي وَخَاصَّتِي، أَذْهِبْ عَنْهُمُ الرِّجْسَ وَطَهِّرْهُمْ تَطْهِيرًا، فَقَالَتْ أُمُّ سَلَمَةَ: وَأَنَا مَعَهُمْ يَا

---

(۱) فتح الباری ۴۰۸/۹، کتاب النکاح باب ذب الرجل عن ابنته، ۱۰۸/۷، کتاب فضائل اصحاب النبی ﷺ باب ذکر اصہار النبی ﷺ، تکملة فتح الملهم ۱۷۸/۵

(۲) المستدرک للحاکم ۱۵۵/۳۔

(۳) سنن ابن ماجة، المقدمة، باب فضل الحسن، رقم: ۱۴۵۔

رَسُولَ اللہِ؟ قَالَ: إِنَّکِ إِلَی خَیْرٍ. (۱)

حضرت ام سلمہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے (ایک دن) حسن، حسین، علی اور فاطمہ کو ایک چادر میں ڈھانپ لیا پھر یہ دعا کی: اے اللہ! یہ میرے اہل بیت اور میرے خاص لوگ ہیں لہذا ان سے (گناہ کی) آلودگی دور کردے، اور انہیں خوب پاک کردے، ام سلمہ نے عرض کیا! اے اللہ کے رسول! میں بھی ان کے ساتھ ہوں، آپ ﷺ نے فرمایا: تم خیر پر ہو۔

مشکل الفاظ کے معنی: حرب: (حا پر زبر اور را ساکن) یہ مصدر ہے محارب کے معنی میں ہے: لڑائی کرنے والا، سلم: (سین کے نیچے زیر اور زبر، اور لام ساکن) مصدر ہے جو فاعل کے معنی میں ہے: مسالم، مصالح یعنی صلح کرنے والا ہو، اور مصدر بول کر فاعل کے معنی مبالغہ کے طور پر لیے جاتے ہیں، جلّل: ڈھانپ لیا، کساء: چادر، خاصتی: میرے خاص لوگ، اذھب: تو دور کر دے، الرجس: (را کے نیچے زیر اور جیم ساکن) آلودگی، گندگی۔

اہل بیت کی فضیلت

مذکورہ احادیث میں اہل بیت کی فضیلت کا ذکر ہے، آپ نے حضرت علی، حضرت فاطمہ، حضرت حسن اور حضرت حسین سے فرمایا کہ تم جس سے صلح کرو گے، میری بھی اس سے صلح ہوگی اور جس سے تمہاری لڑائی ہوگی، میری بھی اس سے لڑائی ہے۔

اور دوسری حدیث میں چادر میں ڈھانپ کر آپ نے اپنے گھر کے خاص افراد کے لیے دعا کی کہ اللہ تعالیٰ ان کے گناہوں کی آلودگی کو دور کردے اور انہیں پاک صاف کردے۔

اہل بیت سے کون مراد ہے؟ اس بارے میں تفصیلی بحث معارف ترمذی، جلد سوم، سورہ احزاب کی تفسیر میں گذر چکی ہے، اسے وہاں دیکھ لیا جائے۔

عَنْ عَائِشَةَ أُمِّ الْمُؤْمِنِينَ، قَالَتْ: مَا رَأَيْتُ أَحَدًا، أَشْبَهَ سَمْتًا، وَدَلًّا، وَهَدْيًا بِرَسُولِ اللَّهِ فِي قِيَامِهَا، وَقُعُودِهَا مِنْ فَاطِمَةَ بِنْتِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَتْ: وَكَانَتْ إِذَا دَخَلَتْ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَامَ إِلَيْهَا فَقَبَّلَهَا، وَأَجْلَسَهَا فِي مَجْلِسِهِ، وَكَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا دَخَلَ عَلَيْهَا، قَامَتْ مِنْ مَجْلِسِهَا فَقَبَّلَتْهُ وَأَجْلَسَتْهُ فِي مَجْلِسِهَا، فَلَمَّا مَرِضَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَخَلَتْ فَاطِمَةُ فَأَكَبَّتْ عَلَيْهِ، فَقَبَّلَتْهُ ثُمَّ رَفَعَتْ رَأْسَهَا فَبَكَتْ، ثُمَّ أَكَبَّتْ عَلَيْهِ، ثُمَّ رَفَعَتْ رَأْسَهَا فَضَحِكَتْ، فَقُلْتُ: إِنْ كُنْتُ لَأَظُنُّ أَنَّ هَذِهِ مِنْ أَعْقَلِ نِسَائِنَا، فَإِذَا هِيَ مِنَ النِّسَاءِ.

فَلَمَّا تُوُفِّيَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قُلْتُ لَهَا: أَرَأَيْتِ حِينَ أَكْبَبْتِ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَرَفَعْتِ

---

(۱) المستدرک للحاکم ۲/۴۱۶۔

رَأسَکِ فَبَکَیتِ ثُمَّ أَکبَبتِ عَلَیهِ فَرَفَعتِ رَأسَکِ فَضَحِکتِ، مَا حَمَلَکِ عَلیٰ ذٰلِکَ؟ قَالَت: إنِّي إذًا لَبَذِرَةٌ، أَخبَرَنِي أَنَّهُ مَیِّتٌ مِن وَجعِهِ هٰذَا فَبَکَیتُ، ثُمَّ أَخبَرَنِي أَنِّي أَسرَعُ أَهلِهِ لُحُوقًا بِهِ، فَذَاکَ حِینَ ضَحِکتُ. (۱)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے میانہ روی واعتدال، وقار وسنجیدگی اور سیرت وخصلت کے اعتبار سے کسی کو بھی ایسا نہیں دیکھا، جو اپنے اٹھنے اور بیٹھنے میں حضرت فاطمہ سے زیادہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مشابہ ہو، حضرت عائشہ کہتی ہیں: جب وہ آتیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم (ان کے استقبال میں) کھڑے ہوجاتے پھر ان کو بوسہ دیتے اور ان کو اپنی جگہ پر بٹھاتے، اسی طرح جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس تشریف لے جاتے تو وہ (ادب کی وجہ سے) اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوتیں پھر آپ کا بوسہ لیتیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی جگہ پر بٹھاتیں۔

جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم (آخری مرتبہ) بیمار ہوئے تو فاطمہ آئیں، آپ پر جھک گئیں، پھر آپ کو چوما، پھر اپنا سر اٹھایا اور رونے لگیں، پھر آپ پر جھک گئیں پھر اپنا سر اٹھایا اور ہنسنے لگیں، اس وقت میں نے (دل) میں کہا: میں تو واقعی یہ سمجھتی تھی کہ فاطمہ ہماری عورتوں میں سب سے زیادہ عقلمند ہیں، لیکن اچانک (ان کی بے وقت ہنسی دیکھ کر) ایسا لگا کہ وہ عام عورتوں میں سے ایک عورت ہیں (اور عقلمند نہیں)۔

پھر جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوگئی تو میں نے ان سے کہا: مجھے ذرا یہ بتادیں کہ جس وقت آپ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر جھکی تھیں اور پھر آپ نے اپنا سر اٹھایا تو رو پڑیں پھر آپ دوبارہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر متوجہ ہوئیں اور اپنا سر اٹھایا تو ہنس پڑیں، کس چیز نے آپ کو اس طرح کرنے پر ابھارا تھا؟ حضرت فاطمہ نے فرمایا: میں اس وقت (بتادیتی) تو راز افشا کرنے والی ہوتی (اور اب جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم دنیا سے پردہ فرما گئے ہیں اس لیے اب بتانے میں کوئی مانع نہیں) بات یہ ہے کہ پہلے آپ نے مجھے یہ بتایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی اس بیماری میں ہی وفات پا جائیں گے تو میں (غم کے مارے) رو پڑی، پھر آپ نے مجھے بتایا کہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندان میں سے سب سے پہلے آپ سے ملوں گی (یعنی میری موت جلدی ہوجائے گی) تو اس وقت میں ہنس پڑی۔

مشکل الفاظ کے معنی: سمتا: (سین پر زبر اور میم ساکن) میانہ روی، اعتدال، دلًا: وقار وسنجیدگی، هدی: سیرت وخصلت، یہ تینوں الفاظ تقریبا ایک ہی معنی میں استعمال ہوتے ہیں، ان کی مزید تفصیل مناقب ابن مسعود میں گذر چکی ہے، أشبه: (صیغہ اسم تفضیل) زیادہ مشابہ، اکبت علیه: (صیغہ واحد مؤنث غائب) حضرت فاطمہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر جھک جاتیں، آپ کی طرف خوب متوجہ ہوجاتیں، فاذاهی من النساء تو اچانک مجھے ایسا لگا جب اس موقع پر حضرت فاطمہ ہنس پڑیں کہ یہ بھی عام عورتوں میں سے ایک عورت ہیں، کوئی سمجھدار نہیں، ورنہ اس موقع پر نہ ہنستیں، حین أکبت علی النبی: جب آپ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی

---

(۱) سنن ابی داؤد، کتاب الأدب، باب ماجاء فی القیام، رقم: ۵۲۱۷۔

طرف مائل ہوگئیں، جھک گئیں، ما حملک علی ذلک؟ کس چیز نے آپ کو اس پر ابھارا ہے؟ لبذرة: (با پر زبر اور ذال کے نیچے زیر) یہ صفت کا صیغہ ہے: راز کو افشاء کرنے والی، خفیہ بات کو پھیلانے والی، من وجعه هذا: (واؤ اور جیم پر زبر کے ساتھ) اپنی اس بیماری سے، انی أسرع أهله: میں آپ کے اہل میں سے سب سے جلدی کرنے والی ہوں یعنی جلدی وفات پا جاؤں گی، لحوقا به: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ملنے کے لحاظ سے، لحاق کے معنی ہوتے ہیں: ایک شخص کا دوسرے کو پالینا۔

حضرت فاطمہ کا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بات سن کر پہلے رونا اور پھر مسکرانا

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب اپنی وفات کے قریب بیمار ہوئے، اس وقت حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اپنے والد کے پاس حاضر ہوئیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی اس بیٹی سے بہت پیار فرماتے تھے، وہ قریب ہوئیں، آپ نے ان کو ایک بات فرمائی، جسے سن کر وہ رونے لگیں، ان کے غم کو دیکھ کر آپ نے انہیں دوبارہ ایک بات کہی، جس کے بعد وہ مسکرانے لگیں۔

حضرت عائشہ قریب میں بیٹھے پیار و محبت کی یہ ادائیں دیکھ رہی تھیں، انہوں نے حضرت فاطمہ سے پہلے رونے اور پھر مسکرانے کی وجہ دریافت کی، مگر بخاری کی روایت میں ہے کہ حضرت فاطمہ نے ان کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں اس کی وجہ نہیں بتلائی کہ یہ ایک راز کی بات ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد انہوں نے بتایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے مجھے یہ بتلایا تھا کہ میں عنقریب اس دنیا سے رخصت ہو جاؤں گا، تو اس پر میں غم کے مارے رونے لگی، پھر دوسری بار آپ نے مجھے یہ فرمایا کہ میری وفات کے بعد خاندان میں سے سب سے پہلے تم میرے پاس آؤ گی یعنی تمہاری موت جلدی ہو جائے گی، اس بات سے میں ہنسنے لگی، چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے چھ ماہ بعد، حضرت فاطمہ کا انتقال ہو گیا تھا، اس وقت ان کی عمر اٹھائیس سال تھی۔

فاذا هي من النساء، حضرت عائشہ کے اس جملہ کا مطلب یہ ہے کہ جب اس موقع پر حضرت فاطمہ ہنسنے لگیں، تو حضرت عائشہ کو عجیب لگا کہ یہ کوئی ہنسنے کا وقت ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم شدید تکلیف میں ہیں، فرماتی ہیں کہ میں تو حضرت فاطمہ کو بہت سمجھدار اور عقلمند خاتون خیال کرتی تھی لیکن جب وہ اس موقع پہ ہنس پڑیں، تو مجھے ایسا لگا کہ حضرت فاطمہ کوئی سمجھدار نہیں، بلکہ یہ عام عورتوں کی طرح ایک عورت ہی ہیں۔

مذکورہ حدیث سے درج ذیل امور ثابت ہوتے ہیں:

- گھر میں بیٹی آجائے تو اس کا کھڑے ہو کر استقبال کیا جا سکتا ہے۔
- بیٹی کا بوسہ بھی لیا جا سکتا ہے، بشرطیکہ کسی فتنہ کا اندیشہ نہ ہو، سنن ابوداؤد کی روایت میں ہے کہ آپ نے حضرت فاطمہ کا ہاتھ پکڑا اور اس کا بوسہ لیا۔
- اگر قریب الموت آدمی کوئی راز کی بات بتائے، تو دوسروں کے سامنے اس بات کا اظہار، مناسب وقت پر کرنا چاہیے،

تاکہ کوئی فتنہ وفساد اور خلفشار نہ ہو۔(۱)

عَنْ جُمَيْعِ بْنِ عُمَيْرٍ التَّيْمِيِّ، قَالَ: دَخَلْتُ مَعَ عَمَّتِي عَلَى عَائِشَةَ فَسُئِلَتْ: أَيُّ النَّاسِ كَانَ أَحَبَّ إِلَى رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ؟ قَالَتْ: فَاطِمَةُ، فَقِيلَ: مِنَ الرِّجَالِ؟ قَالَتْ: زَوْجُهَا، إِنْ كَانَ مَا عَلِمْتُ، صَوَّامًا، قَوَّامًا.(۲)

حضرت جمیع بن عمیر (تابعی) کہتے ہیں کہ (ایک دن) میں اپنی پھوپھی کے ساتھ حضرت عائشہ کے پاس حاضر ہوا تو میں نے پوچھا (یا میری پھوپھی نے پوچھا یا حضرت عائشہ سے پوچھا گیا): لوگوں میں سے کون رسول اللہ ﷺ کو زیادہ محبوب تھا؟ حضرت عائشہ نے فرمایا: حضرت فاطمہ، پھر پوچھا گیا کہ مردوں میں سے کون محبوب تھا؟ حضرت عائشہ نے جواب دیا کہ ان کے شوہر حضرت علی، اور میں اچھی طرح جانتی ہوں کہ علی بکثرت روزے رکھنے والے اور رات کو زیادہ نماز پڑھنے والے تھے۔

علی وفاطمہ کی فضیلت

اس حدیث میں حضرت علی اور حضرت فاطمہ کی فضیلت کا ذکر ہے کہ نبی کریم ﷺ کو خواتین میں سب سے زیادہ پیار حضرت فاطمہ سے تھا اور مردوں میں سب سے زیادہ محبت کا تعلق حضرت علی سے تھا، اگرچہ فضل وکمال کے لحاظ سے بعض صحابہ کا مقام ان سے بلند تھا، مگر گھر کے افراد ہونے کے ناتے آپ کا تعلق ان دو حضرات سے زیادہ تھا، اور حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ میرے علم کے مطابق حضرت علی بہت اطاعت شعار تھے، کثرت سے نفلی روزے اور رات کو بہت نوافل پڑھا کرتے تھے۔

دخلت مع عمتی علی عائشة فسئلت: اس میں لفظ فسئلت کو تین طرح سے پڑھا جاسکتا ہے:

- سئلت صیغہ واحد متکلم معروف، اس صورت میں اس کے قائل حدیث کے راوی حضرت جمیع بن عمیر ہیں: میں نے پوچھا۔
- صیغہ واحد مؤنث غائب، ضمیر فاعل عمتی کی طرف لوٹے گی، ترجمہ: میری پھوپھی نے حضرت عائشہ سے پوچھا۔
- صیغہ واحد مؤنث غائب ماضی مجہول، ضمیر فاعل حضرت عائشہ کی طرف لوٹائی جائے، ترجمہ: حضرت عائشہ سے پوچھا گیا۔(۳)

---

(۱) فتح الباری ۹۴/۱۱، کتاب الاستئذان، باب من ناجی بین یدی الناس، تحفة الاحوذی ۳۴۴/۱۰
(۲) مشکاة المصابیح، کتاب المناقب، باب مناقب أهل بیت النبی صلی اللہ علیہ وسلم، رقم: ٦١٥٥۔
(۳) مرقاة المفاتیح ۳۰۹/۱۱، کتاب المناقب، باب مناقب اهل بیت النبی ﷺ، رقم: ٦١٥٥، تحفة الاحوذی ۳۴۵/۱۰

بَابٌ مِنْ فَضْلِ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی فضیلت

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا حضرت صدیق اکبرؓ کی بیٹی ہیں، ان کی والدہ ام رومان ہیں، ہجرت سے چند سال پہلے مکہ مکرمہ میں پیدا ہوئیں، اللہ تعالیٰ کے حکم سے آپ ﷺ نے ان سے مکہ مکرمہ میں نکاح کیا، اس وقت حضرت عائشہ کی عمر ۶ یا ۷ سال تھی، پھر ہجرت کے بعد ایک یا دو ہجری شوال میں رخصتی ہوئی، رخصتی کے وقت جمہور امت کے نزدیک ان کی عمر ۹ سال اور آپ ﷺ کی وفات کے وقت ان کی عمر اٹھارہ سال تھی، اس طرح ۹ سال نبی کریم ﷺ کے ساتھ رہیں، نبی کریم ﷺ سے ان کی کوئی اولاد نہیں تھی، آپ نے ان کے بھانجے عبداللہ بن زبیر کے نام سے ان کی کنیت ''ام عبداللہ'' رکھی تھی۔

اللہ تعالیٰ نے ان کو خوب دینی بصیرت اور فقاہت عطا فرمائی تھی، آپ ﷺ سے دو ہزار سے زیادہ روایات نقل کی ہیں، بڑے بڑے صحابہ ان سے علمی استفادہ کرتے تھے، کہا جاتا ہے کہ تقریباً احکام شرعیہ کا ایک ربع یعنی چوتھائی حصہ ان سے منقول ہے، ایک روایت میں حضرت عائشہ نے اپنی دس فضیلتیں بیان کی ہیں:

۱۔ میں آپ کی کنواری بیوی ہوں، میرے علاوہ اور کوئی زوجہ آپ کی کنواری نہیں تھی۔

۲۔ میرے والدین دونوں ہی ہجرت کرکے مدینہ منورہ آئے تھے، جبکہ اور کسی زوجہ کو یہ شرف حاصل نہیں۔

۳۔ مجھ پر بہتان لگا تو اللہ تعالیٰ نے آسمان سے میری صفائی اور براءت نازل فرمائی۔

۴۔ میں نے جبرئیل امین کو دیکھا ہے۔

۵۔ آپ میرے ساتھ ایک لحاف میں ہوتے، اس وقت بھی آپ پر وحی نازل ہوتی۔

۶۔ جبرئیل امین میرے نکاح سے پہلے، میری تصویر ایک سبز ریشم میں، آپ ﷺ کے پاس لائے اور فرمایا کہ یہ آپ کی دنیا اور آخرت کی بیوی ہے۔

۷۔ میں اور آپ ﷺ ایک برتن سے غسل کرتے تھے۔

۸۔ رات کو آپ نوافل پڑھتے تو میں آپ کے سامنے لیٹی ہوتی تھی، سجدے کے وقت آپ میری ٹانگوں کو ایک جانب کر دیتے۔

۹۔ آپ کی وفات میری باری میں ہوئی، اس وقت آپ کا سر مبارک میری گود میں تھا،

۱۰۔ میرے کمرے میں آپ نے اس دنیا سے پردہ فرمایا اور پھر اسی کمرے میں ہی آپ کو دفن کر دیا گیا۔

حضرت عثمان کی شہادت کے بعد حضرت عائشہ کا حضرت علی سے یہ مطالبہ تھا کہ ان کا قصاص لیا جائے، اسی میں جنگ

جمل کا افسوس ناک واقعہ پیش آیا، جس میں سینکڑوں صحابہ کرام دونوں طرف سے شہید ہوگئے، یہ ان کی اجتہادی خطا تھی، تاہم پھر بھی حضرت عائشہ کو جب یہ واقعہ یاد آتا، تو اتنی روتی تھیں کہ آنسوؤں سے آپ کا دوپٹہ گیلا ہوجاتا تھا۔

۱۷ رمضان ۵۷ھ یا ۵۸ھ میں حضرت معاویہ کے زمانہ خلافت میں مدینہ منورہ میں ان کا انتقال ہوا، حضرت ابوہریرہؓ نے ان کی نماز جنازہ پڑھائی، ان کی وصیت کے مطابق رات کے وقت ان کو دیگر ازواج مطہرات کے ساتھ جنت البقیع میں دفن کیا گیا، اس وقت ان کی عمر ۶۳ سال تھی۔ (۱)

رخصتی کے وقت حضرت عائشہ کی عمر کتنی تھی

صحیح بخاری اور دیگر کتب حدیث میں ایک روایت منقول ہے، جس میں حضرت عائشہ خود فرماتی ہیں کہ نکاح کے وقت میری عمر چھ سال اور رخصتی کے وقت نو سال تھی اور میں بالغہ تھی، اس کی روشنی میں جمہور علماء کا یہی موقف ہے، مگر برصغیر کے کچھ حضرات: مولانا حبیب الرحمن کاندھلوی اور حکیم نیاز احمد اس رائے سے اختلاف رکھتے ہیں، ان کا کہنا یہ ہے کہ صحیح بخاری کی اس روایت کے راوی ہشام بن عروہ ہیں، جو مسلکاً شیعہ ہیں اور روایات میں تصرف کرتے رہتے ہیں، انہوں نے حضرت عائشہ کی عمر سے متعلق بھی اس روایت میں اپنی طرف سے تصرف کیا ہے، جو قبول نہیں۔

چنانچہ حکیم نیاز احمد صاحب نے ایک کتاب "کشف الغمی عن عمر أم الامۃ یعنی تحقیق عمر عائشہ" لکھی ہے، جس کے ۱۷۱ صفحات ہیں، انہوں نے محض عقلی دلائل اور قیاس آرائیوں سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ رخصتی کے وقت حضرت عائشہ کی عمر ۱۹ یا ۲۹ سال اور نکاح کے وقت ۱۶ یا ۲۷ سال عمر تھی، ان کی عمر رخصتی کے وقت نو سال نہیں تھی، کیونکہ اس عمر میں کوئی بچی بالغ نہیں ہو سکتی۔ (۲) یہ محض ان کی رائے ہے، جو کسی بھی طرح دلیل سے ثابت نہیں ہوتی، اس لیے جمہور علماء نے ان کی رائے کو رد کر دیا ہے، ان کے نزدیک صحیح بخاری کی روایت ہی صحیح ہے، اس لیے رخصتی کے وقت حضرت عائشہ کی عمر وہی تھی، جس کو صحیح بخاری کی روایت میں انہوں نے خود بیان کیا ہے۔

عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: كَانَ النَّاسُ يَتَحَرَّوْنَ بِهَدَايَاهُمْ يَوْمَ عَائِشَةَ، قَالَتْ: فَاجْتَمَعَ صَوَاحِبَاتِي إِلَى أُمِّ سَلَمَةَ فَقُلْنَ: يَا أُمَّ سَلَمَةَ: إِنَّ النَّاسَ يَتَحَرَّوْنَ بِهَدَايَاهُمْ يَوْمَ عَائِشَةَ، وَإِنَّا نُرِيدُ الخَيْرَ كَمَا تُرِيدُ عَائِشَةُ، فَقُولِي لِرَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، يَأْمُرِ النَّاسَ يُهْدُونَ إِلَيْهِ أَيْنَمَا كَانَ، فَذَكَرَتْ ذٰلِكَ أُمُّ سَلَمَةَ فَأَعْرَضَ عَنْهَا، ثُمَّ عَادَ إِلَيْهَا فَأَعَادَتِ الكَلَامَ، فَقَالَتْ: يَا رَسُولَ اللهِ إِنَّ صَوَاحِبَاتِي قَدْ ذَكَرْنَ أَنَّ النَّاسَ يَتَحَرَّوْنَ بِهَدَايَاهُمْ يَوْمَ عَائِشَةَ، فَأْمُرِ النَّاسَ يُهْدُونَ أَيْنَمَا كُنْتَ، فَلَمَّا كَانَتِ الثَّالِثَةُ قَالَتْ ذٰلِكَ، قَالَ: يَا أُمَّ سَلَمَةَ: لَا

---

(۱) الاصابۃ ۸/۲۳۱، حرف العین، کتاب النساء، فتح الباری ۷/۱۳۴، کتاب فضائل النبی ﷺ، باب فضل عائشۃ

(۲) حکیم نیاز احمد کی کتاب کا پتہ: الرحمن پبلشنگ ٹرسٹ مکان نمبر ۱-۷، ناظم آباد کراچی

تُؤْذِينِي فِي عَائِشَةَ، فَإِنَّهُ مَا أُنْزِلَ عَلَيَّ الوَحْيُ، وَأَنَا فِي لِحَافِ امْرَأَةٍ مِنْكُنَّ غَيْرِهَا.(۱)

حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ لوگ اپنے ہدایا اور تحفوں کے ساتھ عائشہ کی باری کا ارادہ اور انتظار کرتے تھے (کہ ان کی باری آئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہدیے دیں، تا کہ آپ ہم سے خوش ہو جائیں) حضرت عائشہ کہتی ہیں کہ میری ساتھ والیاں یعنی میری سوکنیں ام سلمہ کے ہاں جمع ہوئیں اور کہنے لگیں: اے ام سلمہ! لوگ اپنے ہدیے دینے کے لیے عائشہ کی باری کا انتظار کرتے ہیں، حالانکہ ہم بھی اسی طرح خیر چاہتی ہیں، جس طرح عائشہ چاہتی ہے، لہٰذا آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہیں کہ آپ لوگوں کو حکم دیں کہ وہ آپ کو ہدایا دیا کریں، جہاں بھی آپ ہوں (یعنی خواہ آپ جس بیوی کے پاس بھی ہوں) چنانچہ ام سلمہ نے یہ بات آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ذکر کی تو آپ نے ان سے اعراض کیا، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم ام سلمہ کی طرف لوٹے (یعنی جب ام سلمہ کی دوبارہ باری آگئی) تو ام سلمہ نے دوبارہ آپ سے عرض کیا، کہنے لگیں: یا رسول اللہ! میری ساتھ والیاں یعنی میری سوکنیں کہتی ہیں کہ لوگ اپنے ہدایا دینے کے لیے عائشہ کی باری کا انتظار کرتے ہیں، لہٰذا آپ لوگوں کو حکم دیں کہ وہ ہدیے دیا کریں آپ جہاں بھی ہوں (یعنی خواہ جس زوجہ کی بھی باری ہو) پھر جب ام سلمہ کی تیسری باری آئی تو انہوں نے یہی بات پھر دہرائی، تب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے ام سلمہ! عائشہ کے معاملہ میں تم مجھے تکلیف نہ پہنچاؤ، اس لیے کہ عائشہ کے علاوہ تم میں سے کسی کے لحاف میں مجھ پر وحی نازل نہیں ہوئی۔

مشکل الفاظ کے معنی: یتحرون: تقصدو ارادہ کرتے، انتظار میں رہتے، ٹوہ میں رہتے، ضواحباتی: صاحبة کی جمع ہے: میرے ساتھ رہنے والیاں یعنی میری سوکنیں، ثم عاد الیها: پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم ام سلمہ کی طرف لوٹے یعنی پھر ان کی باری آگئی، لا تؤذینی فی عائشة: عائشہ کے معاملے میں مجھے مت ستاؤ، تکلیف نہ پہنچاؤ۔

عائشہ کے معاملے میں مجھے تکلیف نہ پہنچاؤ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہدیہ دینے والے اس انتظار میں رہتے کہ حضرت عائشہ کی باری جب آئے گی، تو وہ آپ کو ہدیہ پیش کریں گے، تا کہ آپ زیادہ خوش ہو جائیں، یہ بات دوسری بعض ازواج مطہرات کو گراں گذرتی تھی، اگر چہ یہ ہدیہ بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم تمام بیویوں میں برابر برابر بھجوا دیتے تھے، مگر پھر بھی ان کو یہ احساس رہتا تھا کہ ہماری باری میں لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہدیہ کیوں نہیں دیتے، صحیح بخاری کی روایت میں مزید یہ تفصیل ہے کہ ازواج مطہرات کی دو جماعتیں تھیں: ایک میں حضرت عائشہ، حفصہ، صفیہ اور حضرت سودہ تھیں اور دوسری جماعت میں حضرت ام سلمہ اور باقی تمام ازواج مطہرات تھیں، چنانچہ حضرت ام سلمہ کو ان کی جماعت کی ازواج مطہرات نے ایک دن یہ کہا کہ تم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ کہو کہ آپ لوگوں کو یہ حکم دیں کہ ہدیہ دینے کے لیے حضرت

(۱) الصحیح للبخاری، کتاب الهبة، باب قبول الهدية، رقم: ۲۵۷۴۔

عائشہ کی باری کا انتظار نہ کیا کریں، بلکہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہدیہ دے دیا کریں، بھلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم جس بیوی کے پاس بھی ہوں۔

چنانچہ جب حضرت ام سلمہ کی باری آئی، تو انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے وہ بات کردی، آپ نے ان کی بات سے رو گردانی کی، اور کوئی جواب نہ دیا، ان کی یہ باری گذر گئی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم دوسری ازواج کی باری کے بعد پھر جب دوبارہ ام سلمہ کے پاس ان کی باری والے دن تشریف لائے تو انہوں نے پھر وہی بات کی، آپ نے پھر ان سے اعراض کیا، اور اس بات کا کوئی جواب نہ دیا، پھر حضرت ام سلمہ کی باری آئی تو تیسری مرتبہ انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے وہی گفتگو کی، تب آپ نے فرمایا کہ مجھے عائشہ کے معاملہ میں مت ستایا کرو، اس کا اللہ کے ہاں بھی بڑا مقام ہے، بسا اوقات وہ میرے ساتھ ایک لحاف میں ہوتی ہیں، جب میرے اوپر جبرئیل امین وحی لے کر آتے ہیں، یہ شرف اور اعزاز کسی اور زوجہ کو حاصل نہیں، ہاں یہ تو ہوتا ہے کہ میں کسی اور زوجہ کے ہاں ہوتا ہوں تو میرے اوپر اس وقت بھی وحی نازل ہوتی ہے، مگر ایک ساتھ لحاف میں ہوتے ہوئے سوائے عائشہ کے کسی زوجہ کے پاس وحی نازل نہیں ہوئی، جب ان کا یہ مقام ہے تو اس لیے مجھے عائشہ کے حق میں تکلیف نہ پہنچایا کرو، اس طرح کی باتوں سے مجھے اذیت ہوتی ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہدیہ دینے سے متعلق کسی سے کوئی بات نہیں کی، کیونکہ اس طرح کرنے سے ذہنوں میں یہ تاثر جاتا ہے کہ یہ آدمی گویا ہدیے کا مطالبہ کر رہا ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق حسنہ سے اس طرح کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا، اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بارے میں صحابہ سے کوئی بات نہیں کی۔

مذکورہ حدیث سے درج ذیل امور ثابت ہوتے ہیں:

- اس سے حضرت عائشہ کی فضیلت ثابت ہوتی ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ وہ لحاف میں ہوتیں، اس وقت بھی آپ پر وحی نازل ہوتی، یہ شرف کسی اور اہلیہ کو حاصل نہیں۔
- ہدیے اور تحفہ میں بعض ازواج کو ترجیح دی جاسکتی ہے، البتہ رات گذارنے اور خرچے میں مساوات ضروری ہے۔
- لوگوں کے سامنے ایسی کوئی بات صراحۃً یا اشارۃً نہ کی جائے، جس سے سننے والے یہ سمجھیں کہ یہ ہم سے کوئی چیز ہدیہ مانگ رہا ہے۔
- اگر ایک بیوی اپنی کسی سوکن سے متعلق کوئی بات کہے تو اسے اچھے طریقے سے نمٹایا جائے، اس کی وجہ سے گھر میں لڑائی جھگڑے کا ماحول بنانا درست نہیں۔(۱)

عَنْ عَائِشَةَ: أَنَّ جِبْرِيلَ، جَاءَ بِصُورَتِهَا فِي خِرْقَةِ حَرِيرٍ، خَضْرَاءَ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: هَذِهِ

---

(۱) فتح الباري ۵/۲۵۶، ۲۶۰ كتاب الهبة، باب من أهدى إلى صاحبه و تحرى بعض نسائه، مرقاة المفاتيح ۱۱/۳۳۲، كتاب المناقب باب مناقب ازواج النبی ﷺ، رقم:۶۱۸۹

زَوْجَتُکَ فِی الدُّنْیَا وَالآخِرَۃِ.(۱)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ جبرئیل امین نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ان کا (یعنی عائشہ کا) فوٹو ایک سبز ریشم کے ٹکڑے میں لائے اور کہا: یہ تصویر آپ کی دنیا اور آخرت میں (ہونے والی) بیوی کی ہے۔

مشکل الفاظ کے معنی: بصورتها: حضرت عائشہ کا فوٹو، تصویر، خرقة: (خاء کے نیچے زیر اور را ساکن) کپڑے کا ٹکڑا، خضراء: سبز، یہ لفظ ''خرقة'' کی صفت ہے۔

حضرت عائشہ کے بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا خواب

بخاری کی روایت کے مطابق حضرت جبرئیل علیہ السلام خواب میں تین مرتبہ حضرت عائشہ کی تصویر، ایک سبز ریشم کے ٹکڑے میں لائے اور یہ کہا کہ یہ آپ کی دنیا اور آخرت میں بننے والی بیوی ہیں، نبی کا خواب حجت ہوتا ہے، اس میں گویا آپ کو اللہ تعالیٰ نے اپنی مشیت بتادی کہ آپ کا ہمارے اذن سے عائشہ سے نکاح ہوگا۔

ترمذی کی روایت میں ریشم کے سبز ٹکڑے میں حضرت عائشہ کے فوٹو لانے کا ذکر ہے، جبکہ اس حدیث کے ایک اور طریق میں یہ ہے کہ جبرئیل امین اپنی ہتھیلی میں حضرت عائشہ کی تصویر لائے، بظاہر دونوں باتوں میں تعارض ہے، اس تعارض کے دو جواب دیئے گئے ہیں: ۱۔ ان دونوں روایتوں میں یوں تطبیق دی گئی ہے کہ حضرت عائشہ کی تصویر ریشم کے ٹکڑے میں تھی اور ریشم کا ٹکڑا حضرت جبرئیل کے ہاتھ میں تھا۔ ۲۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ حضرت جبرئیل حضرت عائشہ کا فوٹو دو بار لائے ہوں، ایک بار ریشم کے ٹکڑے میں اور دوسری مرتبہ اپنی ہتھیلی میں۔

اس حدیث میں گو کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضرت عائشہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح کا امر اور اذن ہے، مگر دنیا کے عرف اور دستور کے مطابق آپ نے باقاعدہ حضرت عائشہ کی طرف پیغام نکاح بھجوایا، چنانچہ نبوت کے دسویں سال، جس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر پچاس سال تھی، رمضان میں حضرت خدیجہ کی وفات ہوئی، ان کی چھوٹی بچیاں بھی تھیں، اس لیے اشد ضرورت تھی کہ کسی خاتون سے نکاح کر کے رخصتی کر لی جائے، تاکہ گھر کا نظام صحیح طرح چل سکے، مسند احمد کی روایت میں ہے کہ خولہ بنت حکیم نے آپ سے اس بارے میں گفتگو کی، انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے دو رشتوں کا ذکر کیا: ایک حضرت عائشہ کا اور دوسرا حضرت سودہ بنت زمعہ کا، حضرت سودہ قدیم الاسلام تھیں، ان کے دوسرے شوہر سکران بن عمرو کا انتقال ہوگیا تھا، یہ بڑی عمر کی خاتون تھیں، دو مرتبہ بیوہ ہوچکی تھیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے نکاح کر کے رخصتی کر لی۔

اس کے بعد آپ نے حضرت عائشہ سے مکہ مکرمہ میں ہی نکاح کر لیا تھا، پھر سن دو ہجری میں ماہ شوال میں حضرت عائشہ کی رخصتی ہوئی، اس وقت ان کی عمر نو سال تھی، اور آپ کی وفات کے وقت حضرت عائشہ کی عمر اٹھارہ سال تھی، یوں وہ نو سال آپ کے

(۱) الصحیح للبخاری، کتاب مناقب الأنصار، باب تزویج النبی صلی اللہ علیہ وسلم، رقم: ۳۸۹۵۔

ساتھ رہیں۔

ترمذی کی مذکورہ روایت سے درج ذیل امور ثابت ہوتے ہیں:

۱۔ حضرت عائشہ کی فضیلت کا ذکر ہے کہ آپ ﷺ کو خواب میں ان کی تصویر دکھائی گئی تھی، یہ فضیلت کسی اور زوجہ کو حاصل نہیں۔

۲۔ دنیا اور آخرت دونوں مقام پر یہ آپ کی بیوی ہیں۔

۳۔ جس عورت کو پیغام نکاح دیا جائے، اس کی تصویر یا اسے براہ راست ایک نظر مرد دیکھ سکتا ہے۔(۱)

۴۔ تصویر کا استعمال شرعی ضرورت کے بغیر جائز نہیں، ہوسکتا ہے خواب میں تصویر کا یہ واقعہ تصویر کی حرمت سے پہلے کا ہو کیونکہ یہ حرمت تو مدینہ آنے کے بعد نازل ہوئی ہے، اور یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ تصویر کی حرمت کا حکم اس دنیا میں ہے، عالم خواب میں اسے دیکھا جا سکتا ہے۔(۲)

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: يَا عَائِشَةُ: هٰذَا جِبْرِيلُ وَهُوَ يَقْرَأُ عَلَيْكِ السَّلَامَ قَالَتْ: قُلْتُ: وَعَلَيْهِ السَّلَامُ وَرَحْمَةُ اللهِ وَبَرَكَاتُهُ، تَرَى مَا لَا نَرَى.(۳)

حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اے عائشہ! (میرے سامنے) یہ جبرئیل ہیں، وہ تمہیں سلام کہہ رہے ہیں، کہتی ہیں: میں نے جواب دیا: وعلیہ السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ (اور ان پر بھی سلام ہو، اللہ کی رحمتیں اور برکتیں ہوں) آپ وہ کچھ دیکھ لیتے ہیں، جو ہم نہیں دیکھ سکتے۔

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: قَالَ لِي رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم: إِنَّ جِبْرِيلَ يَقْرَأُ عَلَيْكِ السَّلَامَ، فَقُلْتُ: وَعَلَيْهِ السَّلَامُ وَرَحْمَةُ اللهِ وَبَرَكَاتُهُ.

حضرت عائشہ کہتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے فرمایا: جبرئیل تمہیں سلام کہتے ہیں، میں نے کہا: وعلیہ السلام و رحمۃ اللہ وبرکاتہ (اور ان پر بھی سلامتی ہو، اللہ کی رحمت اور برکتیں ہوں)۔

حضرت عائشہ کو حضرت جبرئیل کا سلام

اس حدیث میں حضرت عائشہ کی فضیلت کا ذکر ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام آپ ﷺ کے پاس موجود تھے،

---

(۱) فتح الباری ۲۸۴/۷، کتاب مناقب الانصار باب تزویج النبی ﷺ عائشة، تحفة الاحوذی ۳۵۲/۱۰، مرقاة المفاتیح ۲۳۱/۱۱، کتاب المناقب باب مناقب ازواج النبی ﷺ۔

(۲) الکوکب الدری ۴۴۹/۴

(۳) الصحیح للبخاری، کتاب بدء الخلق، باب ذکر الملائکة، رقم: ۳۲۱۷۔

انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے سے حضرت عائشہ کو سلام کیا، حضرت عائشہ نے ان کے سلام کا جواب دیا، اور آپ سے عرض کیا کہ آپ تو جبرئیل امین کو دیکھ سکتے ہیں، لیکن ہم نہیں دیکھ سکتے، اس کی وجہ ظاہر ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ جل جلالہ کے برگزیدہ پیغمبر ہیں، اور اللہ کے احکام آپ تک حضرت جبرئیل امین ہی لے کر آتے تھے، یوں آپ کے سامنے براہ راست وہ آتے تھے، نبی کے علاوہ ایک عام انسان فرشتوں کو ان کی اصل صورت میں نہیں دیکھ سکتا، اس میں اتنی ہمت نہیں ہوتی، اور نبی میں اللہ تعالیٰ اس کی طاقت پیدا کر دیتے ہیں۔

اجنبی عورت کو سلام کرنے کا مسئلہ: معارف ترمذی، جلد دوم، ابواب الاستئذان، باب ماجاء فی التسلیم علی النساء، میں گذر چکا ہے، اس بحث کو وہاں دیکھ لیا جائے۔

عَنْ أَبِي مُوسَى، قَالَ: مَا أَشْكَلَ عَلَيْنَا أَصْحَابَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَدِيثٌ قَطُّ، فَسَأَلْنَا عَائِشَةَ إِلَّا وَجَدْنَا عِنْدَهَا مِنْهُ عِلْمًا. (۱)

حضرت ابوموسیٰ اشعری کہتے ہیں کہ ہم اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب بھی کسی حدیث (یا دینی مسئلہ میں) کوئی اشکال پیش آتا، تو ہم حضرت عائشہ سے پوچھتے تو اس سے متعلق ہم ان کے پاس ضرور علم پالیتے۔

عَنْ مُوسَى بْنِ طَلْحَةَ، قَالَ: مَا رَأَيْتُ أَحَدًا أَفْصَحَ مِنْ عَائِشَةَ. (۲)

حضرت موسیٰ بن طلحہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ سے زیادہ فصیح کسی کو نہیں پایا۔

مشکل الفاظ کے معنی: ما أشكل حديث: کسی حدیث میں اشکال پیش آتا، اس کے سمجھنے میں کوئی اشتباہ ہو جاتا، یا کوئی پیچیدہ مسئلہ ہوتا، اس کے معنی میں کوئی مشکل پیش آتی، اور حدیث سے مطلق دینی مسئلہ بھی مراد ہو سکتا ہے، علینا اصحاب رسول اللہ: اس میں ''اصحاب'' پر دو طرح کا اعراب پڑھا جا سکتا ہے: (۱) یہ حالت جری میں ہو، اس صورت میں یہ علینا کی ''نا'' ضمیر سے بدل ہوگا، لہذا اس پر زیر آئے گی، (۲) اختصاص کی بنا پر اس پر زبر بھی پڑھ سکتے ہیں، تقدیر عبارت یوں ہوگی: أخص اصحاب رسول اللہ، یا اعنی اصحاب رسول اللہ، افصح: زیادہ فصاحت والا، یعنی اپنی بات کو خوب اچھے انداز سے ادبی الفاظ میں بیان کرنا کہ جس سے سننے والے کو سمجھنے میں کوئی دشواری نہ ہو، سنتے ہی اس کا مطلب واضح ہو جائے اور اس کلام کے سننے سے کوئی اکتاہٹ نہ ہو۔

حضرت عائشہ کو علم نبوت اور فصاحت میں کمال حاصل تھا

مذکورہ احادیث سے درج ذیل امور ثابت ہوتے ہیں:

---

(۱) مشکاۃ المصابیح، رقم: ۶۱۹۴۔
(۲) المشکاۃ، رقم: ۶۱۹۵۔

۱۔ حضرت عائشہ کو علم نبوت میں اللہ نے کافی علم عطا فرمایا تھا، بسا اوقات صحابہ کرام کو کسی حدیث کے معنی اور مفہوم سمجھنے میں مشکل پیش آتی یا کسی مسئلہ کا حکم معلوم کرنا ہوتا تو وہ حضرت عائشہ سے رجوع کرتے تو حضرت عائشہ ان کی اس علمی مشکل کو حل فرما دیتیں، بلکہ یوں کہا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے احکام شرع کا چوتھائی علم، حضرت عائشہ کو عطا فرمایا تھا۔

۲۔ اس سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی خاتون، عالمہ، فاضلہ اور اپنے فن میں ماہر اور باکمال ہو، تو شرعی حدود میں رہتے ہوئے اس سے پوچھ کر علمی تشنگی کو دور کیا جاسکتا ہے۔

۳۔ حضرت عائشہ کا ذوق ادبی تھا، اپنی بات کو نہایت عمدہ پیرائے میں فصاحت و بلاغت کے ساتھ بیان کرتی تھیں، ان کی بات سمجھنے میں کوئی مشکل اور دشواری نہیں ہوتی تھی۔(۱)

حدیث "خُذُوا شطرَ دِينِكُم عَنِ الحميرا" کی تحقیق

یہ جملہ "خذوا شطر دینکم عن الحمیرا" حدیث کے طور پر بعض کتابوں میں منقول ہے، اس کے معنی یہ ہیں کہ تم اپنے دین کا ایک حصہ یا نصف، حمیرا یعنی عائشہ سے حاصل کرو، اس کا مفہوم اگرچہ درست ہے، مگر حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس کی سند مجھے معلوم نہیں، اسے صرف ابن الاثیر نے "النھایۃ" میں ذکر کیا ہے، اور یہ درج نہیں کیا کہ انہوں نے اس حدیث کو کہاں سے لیا ہے، امام سیوطی بھی فرماتے ہیں: لم اقف علیہ: میں اس حدیث سے ناواقف ہوں۔(۲)

عَنْ عَمْرِو بْنِ العَاصِ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اسْتَعْمَلَهُ عَلَى جَيْشِ ذَاتِ السَّلَاسِلِ قَالَ: فَأَتَيْتُهُ فَقُلْتُ: يَا رَسُولَ اللهِ أَيُّ النَّاسِ أَحَبُّ إِلَيْكَ؟ قَالَ: عَائِشَةُ. قُلْتُ: مِنَ الرِّجَالِ؟ قَالَ: أَبُوهَا.(۳)

حضرت عمرو بن عاص سے روایت ہے کہ انہیں نبی کریم ﷺ نے غزوہ ذات السلاسل کے لشکر پر امیر مقرر کیا، کہتے ہیں کہ میں غزوہ سے فارغ ہو کر آپ ﷺ کے پاس آیا اور میں نے پوچھا: اے اللہ کے رسول! لوگوں میں سے کون آپ کو سب سے زیادہ محبوب ہے؟ آپ نے فرمایا: عائشہ، انہوں نے پھر پوچھا کہ مردوں میں کون؟ آپ ﷺ نے فرمایا: عائشہ کے والد ابو بکر۔

عَنْ عَمْرِو بْنِ العَاصِ أَنَّهُ، قَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ: مَنْ أَحَبُّ النَّاسِ إِلَيْكَ؟ قَالَ: عَائِشَةُ. قَالَ: مِنَ الرِّجَالِ؟ قَالَ:

---

(۱) مرقاۃ المصابیح ۱۱/۳۳۸، کتاب المناقب باب مناقب ازواج النبی صلی اللہ علیہ وسلم، رقم: ۶۱۹۴۔

(۲) الموضوعات الکبری للملا علی القاری (ص: ۱۸۵ حرف الخاء)۔ الفوائد المجموعۃ للشوکانی ۱/۴۹۱، کتاب الفضائل، ذکر عائشۃ، الجد الحثیث فی بیان ما لیس بحدیث للغزی (۹۱ باب الخاء، ط: دار ابن حزم، مرقاۃ المفاتیح ۱۱/۳۳۸، کتاب المناقب، باب مناقب ازواج النبی ﷺ رقم: ۶۱۹۴، ۶۱۹۵، کشف الخفاء القدسی ۱/۳۷۴، لاسماعیل بن محمد العجلونی الجراحی، المتوفی: ۱۱۶۲ھ، ط: مکتبۃ القدس القاھرۃ۔

(۳) الصحیح للبخاری، کتاب فضائل الصحابۃ، باب فضل ابی بکر، رقم: ۳۶۶۲۔

أبوها.(۱)

حضرت عمرو بن عاص کہتے ہیں کہ انہوں نے نبی کریم ﷺ سے پوچھا کہ لوگوں میں سے کون آپ کو زیادہ محبوب ہے؟ آپ نے فرمایا: عائشہ، انہوں نے پھر پوچھا کہ مردوں میں سے کون؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ان کے والد ابوبکر۔

غزوہ ذات السلاسل سے واپسی پر حضرت عمرو کے حضور ﷺ سے چند اہم سوال

لفظ سلاسل (پہلے سین پر زبر اور دوسرے سین کے نیچے زیر، اور بعض نے پہلے سین پر پیش پڑھا ہے) سلسلۃ کی جمع ہے، اس غزوے کو ذات السلاسل کس وجہ سے کہتے ہیں، اس کی مختلف وجہیں بیان کی گئی ہیں:

۱۔ بعض حضرات کے نزدیک ''ذات السلاسل'' ایک چشمہ ہے، اس کا پانی سلسال یعنی انتہائی خوشگوار تھا، آسانی کے ساتھ اسے پیا جا سکتا تھا، اس لیے اس چشمہ کو ''ذات السلاسل'' کہا جاتا ہے، اس مقام پر چونکہ یہ غزوہ پیش آیا تھا، اس لیے اس کو غزوہ ذات السلاسل کہا جاتا ہے۔

۲۔ بعض حضرات کے نزدیک سلاسل، سلسلۃ (سین کے نیچے زیر اور لام ساکن) کی جمع ہے، جس کے معنی زنجیر اور بیڑی کے ہیں، مشرکین نے بھاگنے کے بجائے جم کر لڑنے کی خاطر آپس میں ایک دوسرے کو زنجیر یا بیڑیوں سے باندھ لیا تھا، اس بناء پر اسے غزوہ ذات السلاسل کہتے ہیں۔

۳۔ بعض نے یہ وجہ بتائی ہے کہ سلاسل درحقیقت اس ریت کو کہتے ہیں، جو تہ بتہ جمی ہوئی ہے، جس مقام پر یہ غزوہ واقع ہوا تھا، وہاں کی ریت چونکہ تہہ بہ تہہ تھی، اس لیے اس کو غزوہ ذات السلاسل کہا جاتا ہے۔(۲)

اس غزوے کی تفصیل یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو پتہ چلا کہ قبیلہ بنی قضاعہ کی ایک جماعت مدینہ منورہ پر حملے کا منصوبہ بنا رہی ہے، یہ بات سن کر آپ نے حضرت عمرو بن عاص کو امیر مقرر کیا، اور ان کی نگرانی میں تین سو مہاجرین و انصار کی جماعت مقام ذات السلاسل کی طرف روانہ فرمائی، وہاں پہنچ کر معلوم ہوا کہ دشمنوں کی تعداد زیادہ ہے، اس لیے صحابہ نے حضرت رافع بن مکیث کو رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں روانہ کیا کہ مدد کے لیے مزید آدمی بھیجیں، رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابوعبیدہ بن جراح کی قیادت میں مزید دو سو آدمی روانہ کئے، جن میں حضرت صدیق اکبر اور حضرت عمر بھی تھے، اور یہ نصیحت فرمائی کہ عمرو بن عاص سے جا کر مل جاؤ، اتفاق سے رہنا، کسی قسم کا اختلاف نہ کرنا، چنانچہ تمام صحابہ نے یکبارگی حملہ کیا، جس سے بنو قضاعہ خوف کی وجہ سے بھاگ گئے، اس موقع پر تین باتیں پیش آئیں:

---

(۱) سنن النسائی، المناقب، باب فضل ابی بکر، رقم: ۸۱۰۶۔

(۲) تکملة فتح الملهم ۵/۷۰، کتاب فضائل الصحابة باب من فضائل ابی بکر رقم: ۶۱۳۳، عمدة القاری ۱۸/۲۲

۱۔ دشمن کے بھاگنے کے وقت صحابہ یہ چاہتے تھے کہ ہم ان کا تعاقب کریں، مگر حضرت عمرو بن عاص نے منع کردیا۔

۲۔ شدید سردی کی وجہ سے صحابہ رات کو آگ جلانا چاہتے تھے، مگر لشکر کے امیر حضرت عمرو بن عاص نے روک دیا، ان سے اجازت کی بات کی گئی تو انہوں نے کہا اگر کسی نے آگ جلائی تو میں اس کو اسی آگ میں پھینک دوں گا۔

۳۔ ایک دن حضرت عمرو بن عاص کو احتلام ہوگیا تو صبح کی نماز انہوں نے تیمم کر کے پڑھائی۔

جب یہ لشکر فتح یاب ہو کر مدینہ منورہ پہنچا تو لشکر کے لوگوں نے مذکورہ تینوں باتیں نبی کریم ﷺ کے سامنے بیان کر دیں، نبی کریم ﷺ نے ان سے ان کی وجہ معلوم کی تو انہوں نے عرض کیا:

۱۔ یا رسول اللہ میں نے دشمن کے تعاقب سے اس لیے روکا تھا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ آگے ان کی مدد کے لیے مزید لوگ موجود ہوں، یوں ہمیں خواہ مخواہ نقصان اٹھانا پڑ سکتا تھا، اور جیتی ہوئی جنگ، شکست میں بدل سکتی تھی۔

۲۔ آگ جلانے سے اس لیے منع کیا تھا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ آگ روشن دیکھ کر، دشمن اس کے ذریعہ ہماری قلت کا اندازہ لگا لے۔

۳۔ اور تیمم اس لیے کیا تھا کہ سردی سخت تھی، ٹھنڈے پانی سے غسل کرنے میں جانی خطرہ محسوس کر رہا تھا، اور اللہ جل شانہ کا ارشاد ہے: ولا تقتلوا انفسکم ان اللہ کان بکم رحیما۔

نبی کریم ﷺ نے ان کی تمام گفتگو سن کر تبسم فرمایا اور ان سے کچھ نہیں فرمایا۔

یہ غزوہ سن سات ہجری میں پیش آیا، حضرت عمرو بن عاص اس سے کچھ عرصہ قبل ہی اسلام میں داخل ہوئے تھے، وہ چونکہ حرب وضرب کے امور میں بہت ماہر تھے، ان کی زیر قیادت حضرت صدیق اکبر اور حضرت عمر بھی تھے، اس لیے ان کے دل میں یہ بات آئی کہ شاید وہ رسول اللہ ﷺ کی نظر میں تمام صحابہ سے زیادہ محبوب ہیں، اس لیے غزوے سے واپسی پر حضرت عمرو بن عاص نے آپ ﷺ سے یہ پوچھا کہ کون آپ کو زیادہ محبوب ہے؟ آپ نے فرمایا: عائشہ، عرض کیا: مردوں میں کون: فرمایا: ان کے والد ابوبکر، اور بخاری کتاب المغازی کی روایت میں یہ اضافہ ہے: عرض کیا: پھر کون؟ آپ نے فرمایا: عمر، اور پھر اس وجہ سے خاموش ہوگئے کہ کہیں ان کا نام سب سے آخر میں نہ آجائے۔

مذکورہ روایت سے دو باتیں ثابت ہوتی ہیں:

❁ اس سے حضرت عائشہ، حضرت صدیق اکبر اور حضرت عمر کی فضیلت ثابت ہوتی ہے کہ یہ حضرات نبی کریم ﷺ کو بہت محبوب تھے۔

❁ نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ بسا اوقات کسی جزوی فضیلت کی وجہ سے افضل آدمی کے بجائے دوسرے کو بھی لشکر کا امیر اور ذمہ دار بنایا جا سکتا ہے، جیسے یہاں اس غزوے میں آپ ﷺ نے حضرت عمرو بن عاص کو امیر لشکر بنایا، جبکہ ان کے ماتحت حضرت

صدیق اکبر اور حضرت عمر بھی تھے، جو بلاشبہ ان سے افضل ہیں۔(۱)

عَنْ أَنَسٍ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: فَضْلُ عَائِشَةَ عَلَى النِّسَاءِ كَفَضْلِ الثَّرِيدِ عَلَى سَائِرِ الطَّعَامِ.(۲)

حضرت انس سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمام عورتوں پر عائشہ کی فضیلت، اس طرح ہے جس طرح ثرید کی تمام کھانوں پر فضیلت ہے۔

دیگر عورتوں پر حضرت عائشہ کی فضیلت

اس حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ کی فضیلت و برتری کو ایک مثال سے سمجھایا ہے، "ثرید" اس کھانے کو کہا جاتا ہے جس میں روٹی کو چور کر کے گوشت کے شوربے میں بنایا جاتا ہے، یہ کھانا نہایت عمدہ شمار کیا جاتا ہے، کیونکہ یہ کھانا معدے پر بوجھ نہیں بنتا، جلد ہضم ہوجاتا ہے، اس کا کھانا بھی بہت آسان ہوتا ہے، اور اس کی غذائیت بھی یوں بڑھ جاتی ہے، اس مثال سے یہ بتانا مقصود ہے کہ جس طرح ثرید تمام کھانوں میں ایک نہایت عمدہ کھانا ہوتا ہے، اسی طرح حضرت عائشہ کو دیگر تمام خواتین پر فضیلت حاصل ہے، چنانچہ وہ اپنی سیرت وصورت، حسن اخلاق، شیریں کلام، فصاحت و بلاغت، عمدہ طبیعت، صائب الرائی، کمال عقل، دینی بصارت وفقاہت اور علوم نبوت کے لحاظ سے تمام خواتین سے فائق و برتر ہیں۔(۳)

عَنْ عَمْرِو بْنِ غَالِبٍ، أَنَّ رَجُلًا نَالَ مِنْ عَائِشَةَ عِنْدَ عَمَّارِ بْنِ يَاسِرٍ، فَقَالَ: اغْرُبْ مَقْبُوحًا مَنْبُوحًا، أَتُؤْذِي حَبِيبَةَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

حضرت عمرو بن غالب کہتے ہیں کہ ایک شخص نے حضرت عمار بن یاسر کی موجودگی میں حضرت عائشہ کو (جنگ جمل کے موقع پر) برا کہا، تو حضرت عمار نے فرمایا: برے اور دھتکارے ہوئے انسان (ہم سے) دور ہوجا، کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیاری بیوی کو اذیت پہنچاتا ہے۔

مشکل الفاظ کے معنی: نال من عائشة: حضرت عائشہ کو برا کہا، رسوا اور ذلیل کرنا چاہا، اغرب: (باب نصر سے صیغہ امر) دور ہو جا، دفع ہو، مقبوح: برا آدمی، بدترین انسان، منبوح: دھتکارا ہوا، دفع کیا ہوا، نبح الکلب: کے معنی کتے کے بھونکنے کے ہوتے ہیں، اردو میں ایسے انسان کو دھتکارا ہوا، اور بھونکا انسان کہا جاتا ہے، یہ دونوں لفظ یعنی مقبوح اور منبوح، اغرب کی ضمیر فاعل سے حال ہیں۔

---

(۱) فتح الباری ۸/۹۲، کتاب المغازی باب غزوة ذات السلاسل

(۲) الصحیح للبخاری، کتاب فضائل الصحابة، باب فضل عائشة، رقم: ۳۷۷۰۔

(۳) عمدة القاری ۱۶/۲۵۰، کتاب الفضائل، باب فضل عائشة۔

اختلاف رائے کے باوجود تمام صحابہ حضرت عائشہ کا دل سے ادب کرتے

جنگ جمل کے موقع پر حضرت عمار بن یاسر حضرت علی کے ساتھ تھے، ان کے پاس ایک شخص نے حضرت عائشہ کو برا کہا، حضرت عائشہ کی شان میں توہین آمیز کوئی کلام کیا، تو حضرت عمار نے انہیں سختی سے ڈانٹا، اور اپنی مجلس سے یہ کہہ کر اٹھا دیا کہ کیا تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیاری بیوی کو ستاتے ہو، انہیں اذیت پہنچانے والی باتیں کرتے ہو، تم دھتکارے ہوئے ہو، لہذا ہمارے پاس سے اٹھ جاؤ۔

یہ صحابہ کرام کا کمال تقویٰ ہے کہ اختلاف رائے کے باوجود حضرت عائشہ کی توہین وہ برداشت نہیں کر سکتے تھے، اس سے معلوم ہوا کہ اگر کسی آدمی کو کسی دوسرے انسان سے کسی مسئلے میں کوئی اختلاف رائے ہو تو اس کی ذات کے بارے میں کوئی بات نہیں کہنی چاہیے، ہاں دلائل کے ساتھ اس سے اختلاف کیا جا سکتا ہے، مگر اس کی آبرو ریزی کرنا جائز نہیں، آج ہمارے معاشرے میں اس طرح کی صورتحال میں بہت غلو اور مبالغہ سے کام لیا جاتا ہے، کسی سے کوئی اختلاف ہو، تو اس کے اوپر خوب کیچڑ اچھالا جاتا ہے، اور اس کے بارے میں خوب زبان درازی کی جاتی ہے، یہ طرز عمل کسی بھی طرح درست نہیں۔

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ زِيَادٍ الْأَسَدِيِّ، قَالَ: سَمِعْتُ عَمَّارَ بْنَ يَاسِرٍ، يَقُولُ: هِيَ زَوْجَتُهُ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ، يَعْنِي عَائِشَةَ. (۱)

حضرت عبداللہ بن زیاد اسدی کہتے ہیں کہ میں نے عمار بن یاسر کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ حضرت عائشہ دنیا اور آخرت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بیوی ہیں۔

عَنْ أَنَسٍ، قَالَ: قِيلَ يَا رَسُولَ اللَّهِ: مَنْ أَحَبُّ النَّاسِ إِلَيْكَ؟ قَالَ: عَائِشَةُ، قِيلَ: مِنَ الرِّجَالِ. قَالَ: أَبُوهَا. (۲)

حضرت انس فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ لوگوں میں سے کون آپ کو زیادہ محبوب ہے؟ آپ نے فرمایا: عائشہ، پھر پوچھا گیا کہ مردوں میں سے کون؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ان کے والد (حضرت صدیق اکبر)۔

کوفہ کے خطاب میں حضرت عمار کی طرف سے حضرت عائشہ کی تعریف

امام ترمذی رحمہ اللہ نے حضرت عمار کی روایت اختصار کے ساتھ یہاں ذکر کی ہے، امام بخاری کی روایت میں ذرا تفصیل ہے، اس کا حاصل یہ ہے کہ ۳۶ھ میں جس وقت بصرہ میں جنگ جمل کا المناک حادثہ قریب تھا، اس وقت حضرت علی نے حضرت عمار بن یاسر اور اپنے بیٹے حسن کو کوفہ بھیجا، تاکہ وہ لوگوں کو اس جنگ میں شرکت کی دعوت دیں، وہاں جا کر حضرت عمار نے

---

(۱) الصحيح للبخاري، كتاب الفتن، رقم: ۷۱۰۰۔

(۲) سنن ابن ماجة، المقدمة، باب فضل أبي بكر، رقم: ۱۰۱۔

اپنا خطاب یوں شروع کیا کہ حضرت عائشہ کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ وہ دنیا اور آخرت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیوی ہیں، صحیح بخاری کی روایت میں یہ اضافہ ہے کہ حضرت عمار نے فرمایا: و لکن اللہ ابتلاکم لتتبعوہ أو ایاھا، مگر اس وقت جس معرکہ کا سامنا ہے حضرت علی اور حضرت عائشہ کے درمیان اختلاف کا، اس میں اللہ تعالیٰ تمہیں آزمارہے ہیں کہ تم کس کا ساتھ دیتے ہو، خلیفہ برحق یعنی حضرت علی کی پیروی کرتے ہو یا حضرت عائشہ کی۔

اس میں لتتبعوہ میں "ہ" ضمیر یا تو حضرت علی کی طرف لوٹ رہی ہے یا اس کا مرجع لفظ اللہ ہے، مراد اس صورت میں بھی حضرت علی ہی ہیں، کیونکہ خلیفہ برحق کی اطاعت، درحقیقت اللہ جل جلالہ کی اطاعت ہے، اور یہ حکم ہے کہ اس خلیفہ کے خلاف خروج نہ کیا جائے، اس میں حضرت عمار گویا اس آیت کی طرف اشارہ فرمارہے ہیں: و قرن فی بیوتکن اس میں ازواج مطہرات کو اپنے گھروں میں ہی رہنے کا حکم دیا گیا ہے، چنانچہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی تھیں: لَا یحَرِّکُنِی ظَهْرُ بَعِیرٍ حَتّٰی اَلْقَی النَّبِیَّ صلی اللہ علیہ وسلم (مجھے میرے اونٹ کی پشت ادھر ادھر لے کر نہ جائے، یہاں تک کہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کرلوں)۔

جمہور امت کے نزدیک اس مسئلے میں حضرت علی اور ان کے پیروکار حق پر تھے، اور حضرت عائشہ، حضرت طلحہ اور حضرت زبیر وغیرہ حضرات سے اجتہادی لغزش ہوئی، ان کا مقصد ہرگز لڑائی نہیں تھا، بلکہ لوگوں کے درمیان اصلاح اور فساد کو ختم کرنا پیش نظر تھا، وہ لوگ حضرت علی سے حضرت عثمان کے قاتلین سے قصاص لینے کا مطالبہ کررہے تھے، اور حضرت علی یہ چاہ رہے تھے کہ پہلے ایک مضبوط حکومت بن جائے، اس کے بعد قصاص لیا جائے گا، حالات کے لحاظ سے سردست قصاص لینے میں حضرت علی کے لیے کچھ مشکلات تھیں، جن کی تفصیل پہلے گذر چکی ہے۔

اس حدیث میں حضرت عائشہ کی فضیلت کا ذکر ہے کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دنیا اور آخرت دونوں مقام پر بیوی ہیں، اسی بات کا ذکر حضرت عمار نے اس خطاب میں کیا، جب وہ کوفہ میں لوگوں کو حضرت علی کے ساتھ شرکت کی دعوت دے رہے تھے۔(۱)

بَابُ فَضْلِ خَدِیجَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا

یہ باب ان احادیث پر مشتمل ہے، جن میں حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی فضیلت کا ذکر ہے

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی زندگی پر ایک نظر

ام المؤمنین حضرت خدیجہ بنت خویلد بن اسد، قرشیہ، اسدیہ، رضی اللہ عنہا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پہلی بیوی ہیں، مردوں اور عورتوں میں سے سب سے پہلے انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر اسلام لایا ہے، ان کا لقب "طاہرہ" تھا اور ان کی والدہ کا نام فاطمہ

---

(۱) فتح الباری ۱۳۵/۷، کتاب فضائل اصحاب النبی ﷺ باب فضل عائشة، و ایضا: ۷۲/۱۳، کتاب الفتن، باب ۱۸، عمدة القاری ۲۵۱/۱۶، کتاب الفضائل، باب فضل عائشة۔

بنت زائدہ ہے۔

ان کا پہلا نکاح ابو ہالہ بن زرارہ سے اور دوسرا نکاح عتیق بن عائذ سے ہوا تھا، اس کے بعد تیسرا نکاح آپ ﷺ سے ہوا، اس وقت نبی کریم ﷺ کی عمر پچیس سال، اور حضرت خدیجہ کی عمر چالیس سال تھی، آپ ﷺ نے حضرت خدیجہ سے پہلے کسی خاتون سے نکاح نہیں کیا تھا اور جب تک حضرت خدیجہ حیات رہیں، اس وقت تک آپ نے کسی اور خاتون سے نکاح نہیں کیا، ہجرت سے تین یا پانچ سال پہلے حضرت خدیجہ کی وفات ہوئی، اس وقت ان کی عمر ۶۵ سال تھی، یوں وہ آپ کے پاس پچیس سال رہیں، ان کے بطن سے آپ ﷺ کے دو صاحبزادے پیدا ہوئے ایک حضرت قاسم اور دوسرے حضرت عبداللہ تھے، ان کو طیب وطاہر بھی کہا جاتا ہے، اور چار صاحبزادیاں تھیں، زینب، رقیہ، ام کلثوم اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہن، اور آپ ﷺ کے تیسرے صاحبزادے حضرت ابراہیم، حضرت ماریہ قبطیہ کے بطن سے تھے۔

حضرت خدیجہ کے ایک غلام تھے، جن کا نام میسرہ تھا، انہوں نے نبی کریم ﷺ میں نبوت کی علامات دیکھیں، جو انہوں نے حضرت خدیجہ کو بتائیں، نیز شام کے تجارتی سفر میں آپ کی امانت و دیانت اور خوب منافع میں برکتیں سب نے دیکھیں، اور آپ کے حسن اخلاق کا اعتراف تو اپنے کیا، دشمن بھی کرتے تھے، اس لیے حضرت خدیجہ نے آپ ﷺ سے نکاح کو پسند فرمایا، حضرت عبداللہ بن عباس سے ایک روایت منقول ہے کہ زمانہ جاہلیت میں عید کے موقع پر ایک دفعہ اہل مکہ کی خواتین جمع تھیں کہ غائب سے ایک شخص سامنے آکر، یہ ندا دینے لگا کہ اے مکہ کی عورتوں! عنقریب تم میں ایک نبی ظاہر ہونے والا ہے، اس کا نام "احمد" ہوگا، لہٰذا تم میں سے جس کے بس میں ہو، وہ اس سے شادی کر لینا، یہ واقعہ بھی حضرت خدیجہ نے سنا ہوا تھا، اس لیے انہوں نے آپ ﷺ کے پیغام نکاح کو فوراً قبول کیا۔

یہ نکاح چونکہ نبی بننے سے پندرہ سال پہلے ہوا تھا، اس لیے جب آپ چالیس سال کی عمر میں نبی بننے لگے، اس وقت آپ کو جو خوف و ہراس ہوتا تھا، ان میں حضرت خدیجہ آپ کو بہت تسلیاں دیتی تھیں، غار حراء میں جب آپ ﷺ عبادت کے لیے تشریف لے جاتے، تو حضرت خدیجہ آپ کے لیے کھانا تیار کر کے لاتی تھیں، ایک دفعہ حضرت جبرئیل علیہ السلام غار حرا میں آپ کے پاس حاضر ہوئے، کہنے لگے کہ ابھی خدیجہ آپ کے لیے کھانا لا رہی ہیں، ان کو اللہ کا اور میرا اسلام پہنچا دینا، حضرت خدیجہ جب آپ ﷺ کے پاس آگئیں، تو آپ نے ان کو سلام پہنچایا، اور پھر انہوں نے جواب دیا۔

نبی کریم ﷺ کو حضرت خدیجہ سے بہت پیار تھا، وفات کے بعد اکثر ان کو یاد کرتے رہتے تھے، اور جب کوئی بکری ذبح کرتے یا کوئی کھانا بنواتے، تو بڑے اہتمام سے حضرت خدیجہ کی سہیلیوں کو بھی دیا کرتے تھے، تقریباً پچیس سال وہ آپ ﷺ کی خدمت میں رہیں، اور پھر ہجرت سے تین یا پانچ سال قبل مکہ مکرمہ میں ہی ان کا انتقال ہو گیا، اور "حجون" میں نماز جنازہ کے بغیر ہی ان کو دفن کیا گیا کیونکہ اس وقت نماز جنازہ کا حکم نازل نہیں ہوا تھا۔(۱)

---

(۱) الاصابۃ ۸/۹۹، کتاب النساء، حرف الخاء

عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: مَا غِرْتُ عَلَى أَحَدٍ مِنْ أَزْوَاجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا غِرْتُ عَلَى خَدِيجَةَ، وَمَا بِي أَنْ أَكُونَ أَدْرَكْتُهَا، وَمَا ذَلِكَ إِلَّا لِكَثْرَةِ ذِكْرِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَهَا، وَإِنْ كَانَ لَيَذْبَحُ الشَّاةَ فَيَتَتَبَّعُ بِهَا صَدَائِقَ خَدِيجَةَ، فَيُهْدِيهَا لَهُنَّ.(۱)

حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ کی بیویوں میں سے کسی بیوی پر اتنی غیرت اور رشک نہیں کیا، جتنی غیرت اور رشک میں نے حضرت خدیجہ پر کیا، حالانکہ میں نے ان کو پایا نہیں (اور نہ ان کو دیکھا) یہ رشک مجھے اس لیے ہوا تھا کہ نبی کریم ﷺ بکثرت ان کو یاد فرماتے اور آپ ﷺ بکری ذبح فرماتے تو آپ اس کی وجہ سے حضرت خدیجہ کی سہیلیوں کو تلاش کرتے اور ان کے لیے بکری کا گوشت ہدیہ بھجواتے تھے۔

مشکل الفاظ کے معنی: **ماغرت:** میں نے غیرت نہیں کی، میں نے رشک اور غبطہ نہیں کیا، **وما بی ان کون ادر کتھا:** اور نہیں تھا مجھے کہ میں حضرت خدیجہ کو پالیتی، یعنی میں نے ان کو نہیں پایا اور بخاری ومسلم کی روایت میں ہے کہ میں نے ان کو دیکھا تک نہیں، **فیتتبع بھا:** آپ ﷺ اس بکری کی وجہ سے تلاش کرتے، **صدائق:** صدیقۃ کی جمع ہے: سہیلیاں، **فیھدیھا لھن:** پھر آپ ﷺ وہ بکری یعنی اس کا گوشت ان سہیلیوں کی طرف ہدیہ کے طور پر بھیج دیتے۔

حضرت عائشہ کو حضرت خدیجہ پر بہت رشک آتا

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ حضرت خدیجہ کا بہت ذکر فرماتے اور بکری ذبح کرتے تو تلاش کر کے ان کی سہیلیوں کو گوشت بھجواتے تھے، اس سے مجھے بہت غیرت اور رشک آتا تھا، حالانکہ میں نے ان کو پایا نہیں اور دیکھا بھی نہیں، اگر میں اور وہ ایک ساتھ نکاح میں جمع ہو جاتیں تو پھر میری غیرت اس سے کہیں زیادہ ہوتی۔

ایک اور روایت میں حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ ایک دن میں نے نبی کریم ﷺ سے عرض کیا، آپ کیا ہر وقت ایک بوڑھی عورت کا ذکر کرتے رہتے ہیں: قد أبدلک اللہ خیرا منھا۔ اللہ تعالیٰ نے بدلے میں اس سے بہتر ایک کنواری عورت آپ کو دے دی ہے، آپ ﷺ نے فرمایا کہ: لا واللہ ما ابدلنی اللہ خیرا منھا، نہیں: اللہ کی قسم: اللہ نے اس سے بہتر مجھے بدلہ نہیں دیا، اس نے میرے اوپر سب سے پہلے ایمان لایا، جبکہ تمام لوگ نہیں مان رہے تھے، میری تصدیق کی، جبکہ دیگر لوگ مجھے جھٹلا رہے تھے، اپنے مال سے میری غمخواری کی، اور اللہ تعالیٰ نے ابراہیم بن محمد کے علاوہ تمام اولاد مجھے ان کے بطن سے عطا فرمائی ہے، یہ شرف اور اعزاز صرف انہیں کو حاصل ہے، کسی اور زوجہ کو حاصل نہیں، حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ میں نے دل میں کہا کہ آئندہ میں کبھی بھی آپ ﷺ کے سامنے حضرت خدیجہ سے متعلق ایسی کوئی بات نہیں کہوں گی، جس سے آپ کو تکلیف ہو۔(۲)

---

(۱) الصحیح للبخاری، کتاب مناقب الأنصار، باب تزویج النبی صلی اللہ علیہ وسلم خدیجة، رقم: ۳۸۱۶۔
(۲) الاصابة ۸/۱۰۳، رقم: ۱۱۰۹۲۔

اس سے دو سبق حاصل ہوتے ہیں:

۱۔ اگر کوئی شخص احسان اور نیکی کرے، خواہ وہ بیوی ہی کیوں نہ ہو، اس کے احسان کو یاد رکھنا چاہیے، اور اس کے بدلے کی ایک صورت یہ ہے کہ اس کے مرنے کے بعد اس کی سہیلیوں کی طرف ہدیہ بھجوا دیا جائے۔

۲۔ اگر کسی انسان کی ایک سے زیادہ بیویاں ہوں، اور ان میں غیرت، رشک اور حسد کی کوئی صورت سامنے آجائے، تو خوش اسلوبی سے اُسے حل کرنا چاہیے، جوش اور غصہ میں آکر اپنی گھریلو زندگی تباہ کر دینا کوئی دانشمندی نہیں۔

- "مابی ان اکون ادرکتھا" اس جملے کے دو مطلب ہو سکتے ہیں:

۱۔ میں نے ان کو نہیں پایا، کیونکہ میں جس وقت آپ ﷺ کے نکاح میں آئی، اس وقت وہ وفات پا چکی تھیں۔

۲۔ یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ میں حضرت خدیجہ کے مقام، فضیلت اور مرتبے کو نہیں پا سکتی، انہیں بہت سی وہ فضیلتیں حاصل ہیں، جو مجھ سمیت کسی اور زوجہ کو حاصل نہیں، ہاں طبعی تقاضے کی بنیاد پر مجھے ان پر رشک اور غیرت آجاتی ہے۔(۱)

عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: مَا حَسَدْتُ امْرَأَةً مَا حَسَدْتُ خَدِيجَةَ، وَمَا تَزَوَّجَنِي رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَّا بَعْدَ مَا مَاتَتْ، وَذَلِكَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَشَّرَهَا بِبَيْتٍ فِي الجَنَّةِ مِنْ قَصَبٍ لَا صَخَبَ فِيهِ وَلَا نَصَبَ.(۲)

حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ میں نے کسی زوجہ رسول پر اتنا رشک نہیں کیا، جتنا رشک میں نے حضرت خدیجہ پر کیا، حالانکہ رسول اللہ ﷺ نے ان کی وفات کے بعد مجھ سے نکاح کیا ہے، اور اس رشک کی وجہ یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کو جنت میں ایک ایسے گھر کی بشارت دی تھی، جو موتی سے بنا ہوا ہے، جس میں نہ شور وغل ہے اور نہ تھکاوٹ۔

مشکل الفاظ کے معنی: ماحسدت: میں نے حسد یعنی رشک نہیں کیا، قصب: (قاف اور صاد پر زبر) یاقوت سے جڑا ہوا تازہ موتی، جو اندر سے خالی ہو، جیسے ایک عمدہ محل ہو، صخب: (صاد اور خا پر زبر) چیخ وپکار شور وغل، نصب: (نون اور صاد پر زبر) تکان، تھکاوٹ۔

حضرت خدیجہ کو جنت کی بشارت

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا حضرت خدیجہ سے دو وجہ سے رشک کیا کرتی تھیں:

❁ اس سے پچھلی حدیث میں یہ وجہ ہے کہ نبی کریم ﷺ حضرت خدیجہ کو بہت زیادہ یاد کرتے تھے، اس سے حضرت

---

(۱) الکوکب الدری ۴/۲۵۱

(۲) السنن الکبری للنسائی، کتاب المناقب، باب مناقب خدیجة، رقم: ۸۳۶۲۔

عائشہ کو رشک آتا تھا۔

ترمذی کی مذکورہ حدیث میں رشک کی دوسری وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خدیجہ کو جنت میں موتی کے محل کی بشارت دی ہے، وہ ایسا مکان ہے، جس میں نہ شور وغل ہوگا اور نہ وہاں تھکاوٹ، تعب اور ایذاء ہوگی، انتہائی پرسکون اور لطف اندوز ہوگا، اس بشارت سے یہ ثابت ہو رہا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت خدیجہ سے بہت محبت تھی، اس وجہ سے حضرت عائشہ کو حضرت خدیجہ پر رشک آتا تھا۔

الا بعد ما ماتت، اس جملے سے حضرت عائشہ اس طرف اشارہ کر رہی ہیں کہ میرا نکاح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت خدیجہ کی وفات کے بعد ہوا ہے، تب بھی مجھے ان سے رشک ہو رہا ہے، اگر اب وہ زندہ ہوتیں، تو میرا ان سے رشک اس سے کہیں زیادہ ہوتا۔(۱)

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ اگر کسی انسان میں کوئی خوبی اور کمال ہو، اسے کوئی فضیلت حاصل ہو، تو اس میں رشک کیا جا سکتا ہے، یعنی یہ تمنا اور آرزو کی جا سکتی ہے کہ اللہ جل جلالہ مجھے بھی اس طرح کی نعمت عطا فرمادے۔

عَنْ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ، يَقُولُ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: خَيْرُ نِسَائِهَا خَدِيجَةُ بِنْتُ خُوَيْلِدٍ، وَخَيْرُ نِسَائِهَا مَرْيَمُ بِنْتُ عِمْرَانَ.(۲)

حضرت علی بن ابی طالب کہتے ہیں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ اس امت یا اپنے زمانے کی عورتوں میں سے سب سے بہتر خدیجہ بنت خویلد ہیں اور امت عیسیٰ یا اپنے زمانے کی عورتوں میں سے سب سے بہتر مریم بنت عمران تھیں۔

عَنْ أَنَسٍ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: حَسْبُكَ مِنْ نِسَاءِ الْعَالَمِينَ: مَرْيَمُ ابْنَةُ عِمْرَانَ، وَخَدِيجَةُ بِنْتُ خُوَيْلِدٍ، وَفَاطِمَةُ بِنْتُ مُحَمَّدٍ، وَآسِيَةُ امْرَأَةُ فِرْعَوْنَ.(۳)

حضرت انس کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (عام لوگوں کو خطاب کرتے ہوئے) فرمایا: تمہارے لیے چار عورتیں ہی کافی ہیں (جن کی تم پیروی کر سکتے ہو): مریم بنت عمران، خدیجہ بنت خویلد، فاطمہ بنت محمد اور آسیہ فرعون کی بیوی۔

خیر نساءھا مریم..... میں ''ھا'' ضمیر کا مرجع کیا ہے؟

پہلی حدیث میں لفظ ''نساءھا'' دو مرتبہ آیا ہے، ان دونوں میں ''ھا'' ضمیر دو مرتبہ استعمال ہوئی ہے، ان دونوں ضمیروں کا

---

(۱) فتح الباری ۱۷۳/۷، کتاب مناقب الانصار، باب تزویج النبی صلی اللہ علیہ وسلم خدیجۃ، تحفۃ الاحوذی ۳۴۷/۱۰
(۲) الصحیح للبخاری، کتاب مناقب الانصار، باب تزویج النبی صلی اللہ علیہ وسلم خدیجۃ، رقم: ۳۸۱۵۔
(۳) المستدرک للحاکم، ۱۵۷/۳۔

مرجع کیا ہے؟اس میں چار قول ہیں:

۱۔ قرطبی کہتے ہیں کہ ان دونوں ضمیروں کا مرجع ''دنیا'' ہے، یہ لفظ اگر چہ عبارت میں موجود نہیں مگر حدیث کے سیاق سے ایسا ہی معلوم ہوتا ہے۔

۲۔ علامہ طیبی کہتے ہیں کہ پہلی ''ھا'' ضمیر سے امت عیسی مراد ہے، جس میں حضرت مریم تھیں، اور دوسری ''ھا'' ضمیر سے امت محمدیہ مراد ہے، مطلب یہ ہے کہ حضرت مریم اپنی امت کی بہترین عورت تھیں اور حضرت خدیجہ امت محمدیہ کی خواتین میں سے سب سے بہتر خاتون تھیں۔(۱)

۳۔ صحیح مسلم کے طریق میں اس حدیث کی سند میں حضرت ابوکریم ایک راوی ہیں، جو وکیع سے روایت کرتے ہیں، ابوکریم فرماتے ہیں کہ حضرت وکیع جب اس حدیث کو بیان کرتے تو اشار الی السماء والارض آسمان وزمین کی طرف اشارہ کرتے، اس اشارے سے ان کی کیا مراد ہوتی؟ اس میں دو احتمال ہیں:

۞ حضرت وکیع آسمان وزمین کی طرف اشارہ کر کے گویا ان دو ضمیروں کا مرجع بتاتے کہ ان دونوں کا مرجع ''دنیا'' ہے، مطلب یہ ہے کہ اس دنیا کی خواتین میں سے یہ دو خواتین سب سے بہتر ہیں۔

۞ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ان کی مراد یہ ہو کہ پہلی ''ھا'' ضمیر آسمان کی طرف اور دوسری ''ھا'' ضمیر زمین کی طرف لوٹ رہی ہے، پہلی ضمیر آسمان کی طرف لوٹا کر یہ بتانا پیش نظر ہو کہ حضرت مریم کی روح، آسمان پر پہنچائی جاچکی ہے، اور دوسری ضمیر زمین کی طرف لوٹا کر یہ بتانا مقصود ہو کہ حضرت خدیجہ اس وقت زندہ تھیں، جس وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حدیث ارشاد فرمائی ہے، اور اگر حضرت مریم کی طرح حضرت خدیجہ کی بھی وفات ہو چکی ہو، اس کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی فضیلت میں یہ کلام ارشاد فرمایا ہو، تو پھر حضرت وکیع جو آسمان وزمین کی طرف اشارہ کرتے تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ آسمان کی طرف ضمیر لوٹا کر یہ بتانا ہے کہ یہ دو بہترین خواتین ہیں، جن کی روحیں آسمان پر پہنچائی جاچکی ہیں، اور زمین کی طرف دوسری ضمیر لوٹا کر، یہ بتانا ہے کہ ان کے بہترین جسم ہیں، جن کو زمین پر دفن کیا گیا ہے۔

۴۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ پہلی ضمیر ''ھا'' حضرت مریم کی طرف اور دوسری ضمیر ''ھا'' حضرت خدیجہ کی طرف لوٹ رہی ہے، خیر نساءھا خبر مقدم ہے، مریم بنت عمران مبتداء مؤخر ہے، اصل عبارت یوں ہے: مریم خیر نساءھا ای نساء زمانھا (مریم اپنے زمانے کی عورتوں میں سے سب سے بہتر عورت ہیں) اسی طرح خیر نساءھا خبر مقدم ہے اور خدیجہ بنت خویلد مبتدا مؤخر ہے، اصل عبارت اس طرح ہے: خدیجة بنت خویلد خیر من نساءھا، ای من نساء زمانھا حضرت خدیجہ اپنے زمانے کی عورتوں میں سے بہترین عورت ہیں، اس کی تائید حضرت عمار بن یاسر کی ایک روایت سے بھی ہوتی ہے جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: لَقَدْ فُضِّلَتْ خَدِيجَةُ عَلَى نِسَاءِ أُمَّتِي كَمَا فُضِّلَتْ مَرْيَمُ عَلَى نِسَاءِ

(۱) مرقاة المفاتیح ۱۱/۳۲۸، کتاب المناقب، باب مناقب أزواج النبی صلی اللہ علیہ وسلم، رقم: ۶۱۸۴۔

العالمین (خدیجہ کو میری امت کی تمام خواتین پر اسی طرح فضیلت حاصل ہے، جس طرح حضرت مریم کو تمام جہانوں کی خواتین پر فضیلت حاصل ہے)۔(۱)

حضرت خدیجہ افضل ترین خواتین میں سے ہیں

ترمذی کی مذکورہ حدیث میں چار خواتین کا ذکر ہے، حضرت خدیجہ بنت خویلد، حضرت آسیہ فرعون کی اہلیہ، حضرت فاطمہ بنت محمد اور حضرت مریم بنت عمران اور بعض دیگر احادیث میں حضرت عائشہ کی افضلیت کا بھی ذکر ہے، جن میں کچھ احادیث یہاں امام ترمذی نے "باب فضل عائشة" میں درج کی ہیں، اس میں کوئی شک نہیں کہ مذکورہ خواتین دیگر تمام عورتوں سے افضل اور بزرگی والی ہیں، مگر ان پانچ خواتین میں سے کس کو زیادہ فضیلت حاصل ہے، یہ چیز قابل غور ہے، کیونکہ ان تمام کے بارے میں مختلف روایات میں، کچھ نہ کچھ خاص فضیلت بیان کی گئی ہے، اس بارے میں شارحین حدیث کے تین نقطۂ نظر ہیں:

۱۔ مذکورہ خواتین میں سے ہر ایک کا شرف وفضل، ان کے اپنے اپنے زمانے کے اعتبار سے ہے، پوری دنیا کی عورتوں کے اعتبار سے نہیں ہے۔

لیکن یہ نقطۂ نظر ان روایات سے مخدوش ہو جاتا ہے جن میں "خیر نساء اهل الجنة" کے الفاظ منقول ہیں کہ اہل جنت کی عورتوں سے بہتر یا ان کی سردار ہوں گی، کیونکہ یہ فضیلت عام ہے، اس میں کسی خاص زمانے کا کوئی تعلق نہیں ہے۔(۲)

۲۔ سب سے بہتر توجیہ یہ ہے کہ یوں کہا جائے کہ مذکورہ خواتین میں سے ہر ایک کسی خاص شرف وفضل کے اعتبار سے دیگر تمام عورتوں سے ممتاز ہے، چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا خصوصی شرف ان کا وہ علمی کمال اور دینی فہم وبصیرت ہے جو اور کسی خاتون کو حاصل نہیں، نہ حضرت فاطمہ کو حاصل ہے اور نہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہن کو، بیسیوں روایات حضرت عائشہ سے منقول ہیں، بڑے بڑے صحابہ کرام مشکل اور پیچیدہ مسائل میں ان کی طرف رجوع کرتے، آپ کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں مقام محبوبیت حاصل تھا، کئی بار ایسا ہوا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر اس وقت وحی نازل ہوئی، جب آپ حضرت عائشہ کے بستر پر تشریف فرما تھے۔

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا اس اعتبار سے دیگر تمام عورتوں پر فائق ہیں کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پہلی بیوی ہیں اور آپ پر سب سے پہلے ایمان لایا ہے، مشکل اور انتہائی دشوار حالات میں آپ کو حوصلہ اور سہارا دیا، جان ومال اور ہر ممکن طریقے سے آپ کا تعاون اور دفاع کیا اور آپ کو حتی الامکان خوش رکھنے کی کوشش کی، اسی وجہ سے ان کی وفات کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کا بہت ذکر کیا کرتے، جس سے حضرت عائشہ کو بسا اوقات ان پر غیرت بھی آجاتی تھی۔

---

(۱) فتح الباری ۱۶۸/۷، کتاب مناقب الانصار باب تزويج النبی ﷺ خديجة، تكملة فتح الملهم ۱۳۹/۵، كتاب فضائل الصحابة باب فضائل خديجة

(۲) فتح الباری ۱۶۹/۷، کتاب مناقب الانصار باب تزويج النبی خديجة

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نبی کریم ﷺ کی بیٹی ہیں، ان کے علاوہ آپ ﷺ کی تمام صاحبزادیاں آپ کی زندگی میں ہی وفات پا گئی تھیں، صرف حضرت فاطمہ آپ کی وفات تک زندہ رہیں، اور پھر آپ کی وفات کے چھ ماہ بعد ان کی بھی وفات ہوگئی، حضرت فاطمہ جنتی عورتوں کی سردار ہیں، یہ آپ کی صاحبزادیوں میں سب سے افضل ہیں، ایک حدیث میں آپ نے فرمایا: فاطمہ میرا جگر گوشہ ہے، جس نے اسے ناراض کیا، اس نے گویا مجھے ناراض کیا، یہ ایسی خصوصیات ہیں، جو اور کسی خاتون کو حاصل نہیں ہیں۔

حضرت مریم بنت عمران کا یہ ایک خاص اعزاز ہے کہ ان کے بطن سے اللہ تعالیٰ نے خلاف عادت کسی انسان کے چھوئے بغیر حضرت عیسیٰ علیہ السلام جیسا جلیل القدر پیغمبر پیدا کیا، انہیں مسجد کی خدمت کے لیے قبول کیا، ان کے کمرے میں غیر موسمی پھل ان کی کرامت کی وجہ سے موجود ہوتے، سردی کے پھل گرمی کے موسم میں اور گرمی کے پھل سردی کے موسم میں، صحیح حدیث میں ہے کہ جو بچہ بھی پیدا ہوتا ہے تو شیطان اس کو مس کرتا ہے یعنی چھوتا ہے، جس سے وہ چیختا ہے، لیکن اللہ جل جلالہ نے اس موقع پر شیطان کے چھونے سے حضرت مریم علیہا السلام اور ان کے بیٹے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو محفوظ رکھا۔

حضرت آسیہ (فرعون کی بیوی) کا یہ بلند مقام و شرف ہے کہ انہوں نے فرعون جیسے ظالم شخص کی بیوی ہونے کے باوجود حق کا راستہ اختیار کیا، اور پھر ہر قسم کی آزمائش برداشت کر کے اس پر تہہ دل سے ثابت قدم رہیں، ناز و نعمت اور خوشحال زندگی کے مقابلے میں حق کی خاطر طرح طرح کی مشقتیں برداشت کیں، یہاں تک کہ بڑے اطمینان کے ساتھ شہداء کے زمرے میں داخل ہو گئیں، حضرت آسیہ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں یہ رائے دی کہ یہ بچہ جو صندوق سے نکلا ہے، اسے ہلاک نہ کریں بلکہ اسے اپنے پاس رکھ کر اس کی پرورش کرتے رہیں اور کہا: "قرة عين لي ولك" کہ یہ بچہ میری اور آپ کی آنکھوں کی ٹھنڈک ہوگا، اس پر فرعون نے کہا: "لک، لا، لی" یہ آنکھوں کی ٹھنڈک تیرے لئے ہوگا، میرے لیے نہیں، یہ بات حضرت آسیہ کی فہم و فراست کی دلیل ہے۔(۱)

۳۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: سبکی کبیر کہتے ہیں کہ ہم تو امانت و دیانت کے اعتبار سے اسی کو صحیح سمجھتے ہیں کہ تمام خواتین میں سب سے افضل حضرت فاطمہ ہیں، پھر حضرت خدیجہ اور پھر حضرت عائشہ، اور یہی درست نظریہ ہے، اور بعض کہتے ہیں کہ اس پر اجماع منعقد ہو چکا ہے کہ حضرت فاطمہ تمام خواتین سے افضل ہیں، البتہ حضرت خدیجہ اور حضرت عائشہ میں کون افضل ہے؟ اس میں اختلاف ہے، امام سیوطی "نقایۃ" میں لکھتے ہیں: ہمارا یہ عقیدہ ہے کہ حضرت مریم اور حضرت فاطمہ، علی الاطلاق تمام عورتوں سے افضل ہیں، اور ازواج مطہرات میں سب سے افضل حضرت خدیجہ اور حضرت عائشہ ہیں، ان دونوں میں سے افضل کون ہے؟ اس بارے میں تین قول ہیں: ۞ حضرت خدیجہ افضل ہیں، ۞ حضرت عائشہ افضل ہیں، ۞ اس سلسلے میں توقف اور سکوت اختیار کیا جائے۔(۲)

---

(۱) تکملة فتح الملهم ۵/ ۱۳۰، کتاب فضائل الصحابة، باب فضائل خديجة رقم: ۶۲۲۹

(۲) فتح الباری ۷/ ۱۳۶، کتاب فضائل اصحاب النبی باب فضل عائشة، مزید تفصیل کے لیے دیکھیے: معارف ترمذی، جلد اول، ابواب الاطعمة، باب ما جاء في فضل الثريد، "حضرت عائشہ کی فضیلت"

ملا علی قاری فرماتے ہیں: صرف ان دو ازواج مطہرات کے بارے میں ہی نہیں، بلکہ مذکورہ تمام خواتین کے بارے میں بہتر یہی ہے کہ خاموشی، سکوت اور توقف اختیار کیا جائے، کیونکہ اس مسئلہ میں کوئی قطعی دلیل تو منقول نہیں، جس کی بنیاد پر حتمی طور پر یہ کہا جاسکے کہ ان میں سے فلاں خاتون سب سے افضل ہے، اور جو ظنی دلائل یعنی اخبار آحاد منقول ہیں، وہ بھی آپس میں ایک دوسرے سے متعارض ہیں، اس لیے ان کی بنیاد پر کسی خاتون کی سب سے افضلیت کا کوئی حتمی موقف ثابت نہیں ہوتا، اس لیے اس بارے میں توقف اور خاموشی اختیار کی جائے۔

حسبک من نساء العالمین، علامہ طیبی فرماتے ہیں کہ اس جملے میں براہ راست خطاب حضرت انس سے ہے، مگر اس سے عموم مراد ہے، معنی یہ ہیں کہ یہ چار خواتین ہی تمہارے لیے کافی ہیں، ان کی تم اقتداء اور پیروی کرو، ان کی طرح زاہدانہ صفات پیدا کرلو، یہ اللہ جل جلالہ کی بہت نیک خواتین ہیں۔ (۱)

بَابٌ فِي فَضْلِ أَزْوَاجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

یہ باب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویوں کی فضیلت کے بیان میں ہے

عَنْ عِكْرِمَةَ، قَالَ: قِيلَ لِابْنِ عَبَّاسٍ بَعْدَ صَلَاةِ الصُّبْحِ: مَاتَتْ فُلَانَةُ لِبَعْضِ أَزْوَاجِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم فَسَجَدَ، فَقِيلَ لَهُ: أَتَسْجُدُ هَذِهِ السَّاعَةَ؟ فَقَالَ: أَلَيْسَ قَدْ قَالَ رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم: إِذَا رَأَيْتُمْ آيَةً فَاسْجُدُوا، فَأَيُّ آيَةٍ أَعْظَمُ مِنْ ذِهَابِ أَزْوَاجِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم. (۲)

حضرت عکرمہ فرماتے ہیں کہ فجر کی نماز کے بعد حضرت عبداللہ بن عباس کو بتایا گیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی فلاں بیوی وفات پاگئی ہیں، وہ (فوراً) سجدے میں گر گئے، ان سے کہا گیا کہ آپ اس وقت سجدہ (کیوں) کر رہے ہیں؟ ابن عباس نے فرمایا: کیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں فرمایا کہ جب تم کوئی نشانی دیکھو تو سجدہ کیا کرو، تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج کی وفات سے زیادہ بڑی نشانی اور کیا ہوسکتی ہے؟

زوجہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کی خبر پر ابن عباس کا سجدہ

یہ کونسی زوجہ مطہرہ تھیں؟ شارحین حدیث فرماتے ہیں کہ یہ حضرت صفیہ یا حضرت حفصہ رضی اللہ عنہما تھیں، فجر کی نماز کے بعد حضرت عبداللہ بن عباس کو ان کی وفات کی اطلاع دی گئی تو وہ فوراً سجدے میں گر گئے، لوگوں نے اس خبر پر سجدہ کرنے کی وجہ پوچھی، تو انہوں نے مذکورہ حدیث سے جواب دیا کہ اللہ کی نشانی کے ظہور پر سجدہ کا حکم ہے، اس لیے میں نے سجدہ کیا ہے، نبی کریم

(۱) مرقاۃ المفاتیح ۳۳۵/۱۱، کتاب المناقب باب مناقب ازواج النبی ﷺ رقم الحدیث: ۶۱۹۰

(۲) سنن ابی داؤد، کتاب الصلاۃ، باب السجود عند الآیات، رقم: ۱۱۹۷۔

ﷺ کی زندگی میں آپ کا وجود اور آپ کے بعد صحابہ اور ازواج مطہرات کا وجود باعث برکت اور اللہ کے عذاب سے امن کا ضامن تھا، اور ان کا وجود دنیا سے چلا جائے تو گویا امن اور برکت اٹھ گئی، اب اللہ کا عذاب بھی آسکتا ہے، نبی کریم ﷺ کی زوجہ سے بڑی کیا نشانی ہوگی، اس لیے اس موقع پر فوراً اللہ تعالیٰ کی یاد اور عبادت میں مشغول ہوجانا چاہیے، تاکہ اللہ کے عذاب سے ہم محفوظ رہیں، لہٰذا میں نے زوجہ مطہرہ کی وفات کی خبر پر، اس لیے سجدہ کیا تاکہ اللہ کی طرف سے ہمارے اوپر کوئی گرفت اور عذاب نہ آجائے۔

علامہ طیبی فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کا یہ ارشاد "فاسجدوا" مطلق ہے، اس میں کوئی قید نہیں، اور لفظ "اٰية" سے اگر سورج گرہن یا چاند گرہن مراد لیا جائے تو پھر اس سجدے سے نماز مراد ہوگی، اور اگر ان کے علاوہ اور کوئی نشانی مثلاً طوفان، آندھی اور زلزلہ مراد ہو تو پھر سجدے سے محض سجدہ بھی مراد لیا جاسکتا ہے اور اس سے نماز بھی مراد لی جاسکتی ہے، کیونکہ حدیث میں منقول ہے کہ نبی کریم ﷺ کو جب کوئی مصیبت پیش آتی تو آپ نماز پڑھنے لگتے تھے، چنانچہ ابن ہمام کہتے ہیں کہ ناگہانی آفتوں میں مثلاً سخت طوفان اور تاریکی وغیرہ میں نماز پڑھنا ہی اچھا ہے جبکہ ممنوع وقت نہ ہو، حضرت عبداللہ بن عباس کے بارے میں منقول ہے کہ انہوں نے ایک دفعہ بصرہ میں زلزلے کے وقت نماز پڑھی تھی۔

اس سے معلوم ہوا کہ جب بھی اللہ جل جلالہ کی کوئی خوفناک نشانی ظاہر ہوجائے، تو اس موقع پر نماز اور ذکر و تسبیحات میں مشغول ہوجانا چاہیے، اور بعض مواقع میں صرف سجدہ بھی کیا جاسکتا ہے۔(۱)

عَنْ صَفِيَّةَ بِنْتِ حُيَيٍّ، قَالَتْ: دَخَلَ عَلَيَّ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَدْ بَلَغَنِي عَنْ حَفْصَةَ وَعَائِشَةَ كَلَامٌ، فَذَكَرْتُ ذٰلِكَ لَهُ، فَقَالَ: أَلَا قُلْتِ: فَكَيْفَ تَكُونَانِ خَيْرًا مِنِّي، وَزَوْجِي مُحَمَّدٌ، وَأَبِي هَارُونُ، وَعَمِّي مُوسَى؟ وَكَانَ الَّذِي بَلَغَهَا أَنَّهُمْ قَالُوا: نَحْنُ أَكْرَمُ عَلَى رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْهَا، وَقَالُوا: نَحْنُ أَزْوَاجُ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَبَنَاتُ عَمِّهِ۔(۲)

حضرت صفیہ بنت حیی رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ میرے پاس تشریف لائے، اور مجھے حفصہ اور عائشہ کی طرف سے (میرے خلاف) ایک بات پتہ چلی تھی، وہ بات میں نے آپ ﷺ کو بتائی، آپ ﷺ نے فرمایا: تم نے ان سے یہ کیوں نہیں کہا کہ تم مجھ سے بہتر کیسے ہوسکتی ہو؟ حالانکہ میرے شوہر محمد ﷺ ہیں، میرے والد ہارون ہیں اور میرے چچا موسیٰ ہیں، اور حضرت صفیہ کو یہ بات پہنچی تھی کہ انہوں نے کہا: ہم رسول اللہ ﷺ کے نزدیک صفیہ سے زیادہ معزز و محترم ہیں اور انہوں نے کہا: ہم نبی کریم ﷺ کی بیویاں ہیں اور آپ

---

(۱) مرقاۃ المفاتیح ۵۴۰/۳، کتاب الصلاۃ باب صلاۃ الخسوف رقم الحدیث: ۱۴۹۰، بذل المجہود ۱۸۷/۶، کتاب الصلاۃ، باب السجود عند الآیات، رقم: ۱۱۹۷۔

(۲) الطبقات الکبریٰ لابن سعد ۱۰۰/۸۔

کے چچا کی بیٹیاں بھی ہیں (یعنی آپ کے خاندان کی ہیں)

عَنْ أَنَسٍ، قَالَ: بَلَغَ صَفِيَّةَ أَنَّ حَفْصَةَ قَالَتْ: بِنْتُ يَهُودِيٍّ، فَبَكَتْ، فَدَخَلَ عَلَيْهَا النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهِيَ تَبْكِي، فَقَالَ: مَا يُبْكِيكِ؟ فَقَالَتْ: قَالَتْ لِي حَفْصَةُ: إِنِّي بِنْتُ يَهُودِيٍّ. فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: وَإِنَّكِ لَابْنَةُ نَبِيٍّ، وَإِنَّ عَمَّكِ لَنَبِيٌّ، وَإِنَّكِ لَتَحْتَ نَبِيٍّ، فَفِيمَ تَفْخَرُ عَلَيْكِ؟ ثُمَّ قَالَ: اتَّقِي اللَّهَ يَا حَفْصَةُ. (۱)

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت صفیہ کو پتہ چلا کہ حضرت حفصہ نے ان کے متعلق کہا ہے کہ وہ ایک یہودی کی بیٹی ہے، اس پر وہ رونے لگیں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس تشریف لائے تو وہ رو رہی تھیں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا: کیا چیز تمہیں رلا رہی ہے؟ انہوں نے بتایا کہ حفصہ مجھے یہودی کی بیٹی کہتی ہے، اس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم ایک نبی کی بیٹی ہو، اور تمہارے چچا بھی نبی ہیں اور اب تم ایک نبی کی بیوی ہو، تو پھر حفصہ کس وجہ سے تم پر فخر کر رہی ہے، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے (حضرت حفصہ سے) فرمایا: حفصہ! اللہ سے ڈرو (ایسی باتیں نہ کیا کرو)۔

حضرت صفیہ بنت حیی رضی اللہ عنہا کے مختصر حالات

حضرت صفیہ بنت حیی بنت احطب رضی اللہ عنہا بنی اسرائیل میں سے تھیں اور حضرت ہارون علیہ السلام کے سلسلہ نسب سے ہیں، ان کا پہلا نکاح سلام بن مشکم سے اور پھر کنانہ بن ابی الحقیق سے ہوا، سن سات ہجری میں غزوہ خیبر کے موقع پر کنانہ قتل ہو گیا تھا، پھر حضرت صفیہ گرفتار ہو گئی تھیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو منتخب کر لیا تھا، اور بعض کہتے ہیں کہ یہ حضرت دحیہ کلبی کے حصے میں آئی تھیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے حضرت صفیہ کو خرید کر آزاد کر دیا تھا، اور پھر ان سے نکاح کر لیا تھا۔

حضرت صفیہ نے اس واقعہ سے کچھ عرصہ پہلے یہ خواب دیکھا کہ ان کی گود میں ایک چاند اتر آیا ہے، انہوں نے یہ خواب اپنی والدہ کو بتایا، وہ ان پر شدید غصے ہو گئیں اور ان کے چہرے پر ایسا سخت تھپڑ مارا، جس سے ان کے چہرے پر ایک نشان پڑ گیا، اور ساتھ ہی ان کی والدہ نے کہا کہ تم عرب کے بادشاہ کے پاس جانا چاہ رہی ہو، پھر جب وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں آگئیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا یہ نشان دیکھ کر وجہ پوچھی تو انہوں نے سارا واقعہ آپ کو بتایا۔

نکاح کے بعد حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا جب مدینہ منورہ آگئیں تو انصاری خواتین ان کو دیکھنے کے لیے آنے لگیں، کیونکہ ان کا حسن و جمال بہت مشہور تھا، حضرت عائشہ بھی ان کو دیکھنے آئیں، جب حضرت عائشہ واپس ہوئیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا: کیف رأیت یا عائشة؟ عائشہ بتاؤ کہ صفیہ کیسی ہیں، حضرت عائشہ نے جواب دیا: بس میں نے ایک یہودی عورت کو دیکھا

---

(۱) السنن الکبری للنسائی، کتاب عشرة النساء، باب الافتخار، رقم: ۸۹۱۹۔

ہے، اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عائشہ ایسی بات نہ کرو، صفیہ نے اسلام قبول کرلیا ہے، اور وہ اپنے اسلام میں مخلص ہے، ان کے بارے میں ایسی بات کرنا کسی طرح درست نہیں، حضرت معاویہ کے زمانے میں ۵۰ھ یا ۵۲ھ میں مدینہ منورہ میں ان کا انتقال ہوا، اور جنت البقیع میں ان کو دفن کیا گیا۔(۱)

حضرت صفیہ بنت حیی کا سلسلہ نسب حضرت ہارون سے ہے

امام ترمذی کی مذکورہ دو حدیثوں میں دو الگ الگ واقعات کا ذکر ہے، چنانچہ حضرت عائشہ اور حضرت حفصہ نے حضرت صفیہ پر فخر کرتے ہوئے یہ کہا کہ ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر میں زیادہ عزت والی ہیں اور ہم قریشی خاندان سے ہیں جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا خاندان ہے اور ہم آپ کی کزن ہیں اور صفیہ تو ایک یہودی کی بیٹی ہے، یہ بات حضرت صفیہ کو پتہ چلی تو وہ رونے لگیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وجہ پوچھی تو انہوں نے ساری بات بتلادی، اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ دونوں تم پر کیسے فخر کرسکتی ہیں، تمہارے باپ کا سلسلہ نسب حضرت ہارون علیہ السلام سے ملتا ہے، حضرت ہارون ایک نبی ہیں، جو تمہارے جد امجد ہیں، تمہارے چچا حضرت موسیٰ بھی اللہ کے جلیل القدر پیغمبر ہیں، اور تمہارا شوہر یعنی میں اللہ کا نبی ہوں، یہ تمام تر فضائل جب تمہیں بھی حاصل ہیں، تو وہ تم پر کیسے فخر کرسکتی ہیں۔

ہاں یہ درست ہے کہ وہ دونوں خاندان قریش سے ہیں، اور ان کا سلسلہ نسب حضرت اسماعیل علیہ السلام سے ملتا ہے، یہ ان کے جد امجد ہیں، اور ان کے چچا حضرت اسحاق اللہ کے نبی ہیں، اور یہ شرف تمہیں بھی حاصل ہے، کیونکہ تمہارا نسب حضرت ہارون سے ہے، اور حضرت ہارون وحضرت موسیٰ، حضرت یعقوب بن اسحاق کی اولاد میں سے ہیں، جب حسب ونسب کی فضیلت میں تم اور وہ دونوں برابر ہو، پھر وہ تم پر کسی طرح کا فخر کرنے کی مجاز نہیں ہیں، اور پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حفصہ سے فرمایا: حفصہ اللہ سے ڈرو، اس قسم کی بات نہ کیا کرو، یہ جاہلیت کی باتیں ہیں، جن کی اسلام قطعاً اجازت نہیں دیتا۔

و کان الذی بلغها "انهم قالوا" اس میں عربی قواعد کے لحاظ سے "انهن قلن" ہونا چاہیے تھا، مگر مذکر کے الفاظ "اهل بیت" کے اعتبار سے ہیں، اگرچہ ان سے مراد حضرت حفصہ اور حضرت عائشہ ہی ہیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ کسی مسلمان کے لیے یہ ہرگز درست نہیں کہ وہ اپنی برتری ثابت کرنے کے لیے کسی اور کو نسب وغیرہ کے طعنے دے، یہ زمانہ جاہلیت کا دستور تھا، جو اسلام میں جائز نہیں۔(۲)

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ وَهْبِ بْنِ زَمْعَةَ أَخْبَرَهُ أَنَّ أُمَّ سَلَمَةَ أَخْبَرَتْهُ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَعَا فَاطِمَةَ عَامَ

---

(۱) الاصابة ۸/۲۱۰، کتاب النساء حرف الصاد

(۲) تحفة الاحوذی ۱۰/۳۶۱، مرقاة المفاتیح ۱۱/۳۴۶، کتاب المناقب، باب مناقب ازواج النبی صلی اللہ علیہ وسلم، رقم: ۶۱۹۲۔

الفتح، فناجاها، فبكت، ثم حدثها فضحكت، قالت: فلما توفي رسول الله صلى الله عليه وسلم، سألتها عن بكائها وضحكها، قالت: أخبرني رسول الله صلى الله عليه وسلم أنه يموت فبكيت، ثم أخبرني أني سيدة نساء أهل الجنة إلا مريم بنت عمران فضحكت.(۱)

عبداللہ بن وہب بن زمعہ نے حدیث کے راوی ہاشم کو بتایا کہ حضرت ام سلمہ نے ان کو خبر دی کہ فتح مکہ کے سال نبی کریم ﷺ نے حضرت فاطمہ کو بلایا اور ان سے سرگوشی کی، تو وہ رونے لگیں پھر دوبارہ سرگوشی میں ہی ان سے بات کی، جس پر وہ ہنسنے لگیں، حضرت ام سلمہ فرماتی ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ فوت ہوگئے تو میں نے حضرت فاطمہ سے (اس موقع پر) رونے اور ان کے ہنسنے کی وجہ دریافت کی، حضرت فاطمہ نے بتایا کہ رسول اللہ ﷺ نے (پہلے) مجھے بتایا کہ آپ عنقریب مرجائیں گے، جسے سن کر میں رونے لگی، پھر آپ ﷺ نے مجھے بتایا کہ میں مریم بنت عمران کے سوا جنت کی تمام عورتوں کی سردار ہوں گی، جس سے میں ہنسنے لگی۔

حضرت فاطمہ کے رونے اور پھر ہنسنے کی وجہ

ترمذی کی مذکورہ روایت میں ہے کہ حضرت فاطمہ نے آپ کی وفات کے بعد حضرت ام سلمہ کو اپنے رونے اور ہنسنے کی وجہ بتائی، اسی طرح کی ایک روایت "باب فضل فاطمہ" میں پہلے گذر چکی ہے، جس میں حضرت عائشہ کا ذکر ہے، اور یہاں اس روایت میں سرگوشی اور ہنسنے کا یہ منظر حضرت ام سلمہ نے دیکھا اور پھر آپ کی وفات کے بعد حضرت فاطمہ سے پوچھا تو انہوں نے بتایا کہ آپ نے پہلی سرگوشی میں اپنی موت کا بتایا کہ میں عنقریب مرجاؤں گا، جس سے میں رونے لگی اور دوسری بار یہ بتایا کہ میں حضرت مریم بنت عمران کے علاوہ جنت کی تمام عورتوں کی سردار ہوں گی اور حضرت عائشہ کی روایت میں ہنسنے کی وجہ یہ منقول ہے کہ اہل بیت میں سب سے پہلے آپ ﷺ کی وفات کے بعد میں مروں گی، ان دونوں باتوں میں کوئی تعارض نہیں، دونوں ہی باتیں حضرت فاطمہ کے فضائل میں سے ہیں، حدیث کے راویوں نے دونوں باتوں کو الگ الگ بیان کردیا۔

دعا فاطمة عام الفتح، ملا علی قاری فرماتے ہیں کہ بظاہر اس روایت میں کسی راوی سے وہم ہوگیا ہے کہ اس نے "عام الفتح" ذکر کردیا ہے، کیونکہ یہ واقعہ فتح مکہ کے سال پیش نہیں آیا، یہ واقعہ یا توحجۃ الوداع میں پیش آیا ہے یا مرض الوفات میں، اور زیادہ تر روایات میں تو مرض الوفات کا ہی ذکر ہے،(۲)

مگر شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ علامہ سیوطی نے اپنی تفسیر "الدر المنثور" میں لکھا ہے کہ جب سورہ نصر نازل ہوئی تو نبی کریم ﷺ نے حضرت فاطمہ سے اپنی موت کی سرگوشی کی، تو وہ رونے لگیں اور پھر ان سے دوبارہ فرمایا کہ

---

(۱) السنن الکبری للنسائی ۵/۱۴۵، رقم: ۸۴۲۰۔

(۲) مرقاۃ المفاتیح ۱۱/۳۳۷، کتاب المناقب، باب مناقب ازواج النبی ﷺ

میری وفات کے بعد تم سب سے پہلے اہل بیت میں سے میرے پاس آؤں گی، اس سے وہ ہنسنے لگیں،(۱) یہ بات مفسرین کے ہاں اختلافی ہے کہ سورہ نصر کس سال نازل ہوئی ہے، بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ سورہ، فتح مکہ کے سال نازل ہوئی، جبکہ زیادہ تر روایات میں اس کا نزول حجۃ الوداع کا سال ہے، اس لیے یوں کہا جاسکتا ہے کہ حضرت فاطمہ کے ساتھ سرگوشی کا یہ واقعہ دو مرتبہ پیش آیا ہے، ایک مرتبہ سورہ نصر کے نزول کے وقت، خواہ وہ فتح مکہ کا سال ہو یا حجۃ الوداع کا، اور دوسری مرتبہ نبی کریم ﷺ کی مرض الوفات میں پیش آیا ہے، لہذا اگر اس روایت کو دیکھا جائے، جس میں سورہ نصر کا نزول فتح مکہ کا سال منقول ہے، تو پھر ترمذی کی اس روایت میں "عام الفتح" کا لفظ درست ہوگا، کسی راوی کا وہم نہیں ہوگا۔

سوال یہ ہے کہ امام ترمذی نے اس روایت کو باب فضل ازواج النبی ﷺ میں کیوں ذکر کیا ہے، اس میں تو کسی زوجہ کی فضیلت کا ذکر نہیں، ہاں اس میں حضرت فاطمہ کی فضیلت کا ذکر ضرور ہے، اس لحاظ سے اسے باب فضل فاطمہ میں ذکر کرنا چاہیے تھا، اس باب کے تحت اسے امام ترمذی نے کس وجہ سے ذکر کیا ہے؟ اس سوال کے دو جواب دیئے گئے ہیں:

۱۔ اس روایت میں حضرت فاطمہ نے حضور ﷺ کی وفات کے بعد حضرت ام سلمہ کو اپنے رونے اور ہنسنے کی وجہ بتلا کر اپنا حق پورا کر دیا، اس سے ازواج مطہرات کی فضیلت ثابت ہوتی ہے کہ امت کے تمام افراد پر ان کا حق پورا کرنا ضروری ہے، خواہ وہ افراد خاص ہوں یا عام ہوں، یہ جواب حضرت گنگوہی نے دیا ہے۔(۲)

۲۔ ملا علی قاری فرماتے ہیں: یہ بھی ممکن ہے کہ اس حدیث کو باب فضل ازواج النبی میں ذکر کرکے، اس حدیث کی طرف اشارہ کیا گیا ہو، جس میں یہ بات ہے کہ حضرت مریم بنت عمران جنت میں نبی کریم ﷺ کی بیوی ہوں گی، اس سے نبی کریم کی زوجہ کی فضیلت ثابت ہو رہی ہے۔(۳)

اِلاَّ مَرْیَمَ بِنْتَ عِمْرَانَ، اس استثناء سے کیا مراد ہے؟ شارحین حدیث کے اس میں دو قول ہیں:

۱۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ صحیح روایات میں اس استثناء کا ذکر نہیں ہے، اب مطلب یہ ہوگا کہ حضرت فاطمہ جنت کی تمام عورتوں کی سردار ہیں۔(۴)

۲۔ یہ بھی ممکن ہے کہ یہ استثناء نبی کریم ﷺ نے اس وقت ذکر فرمایا ہو جب تک آپ کی طرف وحی نہ آئی تھی کہ حضرت فاطمہ دنیا کی تمام عورتوں سے افضل ہیں اور جنت کی سردار ہیں، جب وحی آ گئی تو پھر آپ ﷺ نے اس استثناء کا ذکر ترک فرما دیا تھا۔(۵)

---

(۱) تفسیر الدر المنثور للسیوطی ۱۵/۲۲۷، (مکتبہ شاملہ)
(۲) الکوکب الدری ۴/۴۵۳، ۴۵۴
(۳) مرقاۃ المفاتیح ۱۱/۳۳۷، رقم الحدیث: ۶۱۹۳
(۴) فتح الباری ۷/۱۳۲، کتاب فضائل اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم، باب مناقب فاطمۃ، رقم: ۳۷۶۷
(۵) تحفۃ الاحوذی، عن اللمعات، ۱۰/۳۶۲

عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: خَيْرُكُمْ خَيْرُكُمْ لِأَهْلِهِ، وَأَنَا خَيْرُكُمْ لِأَهْلِي، وَإِذَا مَاتَ صَاحِبُكُمْ فَدَعُوهُ.(۱)

حضرت عائشہ کہتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سب سے بہتر وہ ہے، جو اپنے گھر والوں کے لیے بہتر ہو، اور میں اپنے گھر والوں کے لیے تم میں سب سے بہتر ہوں، اور جب تمہارا ساتھی (یعنی بیوی یا شوہر) مرجائے، تو اس کو چھوڑ دو (یعنی اسے برائی سے یاد نہ کیا کرو)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنی بیویوں کے ساتھ حسن سلوک

مذکورہ حدیث میں تین باتوں کا ذکر ہے:

۱۔ تم میں سب سے بہتر اللہ کی نظر میں وہ شخص ہے، جو اپنے گھر والوں کے لیے اچھا ہو، ان سے حسن اخلاق اور اچھے سلوک کا برتاؤ کرے، لفظ "اھلہ" سے اپنی بیویاں اور اولاد مراد ہے، اور بعض حضرات کے نزدیک اس لفظ میں دیگر رشتہ دار بھی داخل ہیں کہ ان کے ساتھ بھی صلہ رحمی اور اچھا برتاؤ کیا جائے۔

۲۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ازواج کے ساتھ نہایت عمدہ سلوک اور اچھا برتاؤ کرتے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم حسن اخلاق کے نہایت اعلیٰ مقام پر فائز تھے، قرآن مجید میں ہے: وانک لعلی خلق عظیم۔

۳۔ واذا مات صاحبکم میں "صاحب" سے کون مراد ہے؟ اس میں دو قول ہیں:

۞ لفظ "صاحب" سے شوہر یا بیوی مراد ہے، مطلب یہ ہے کہ زوجین میں سے اگر کوئی مرجائے، تو اسے بس اللہ کی رحمت کے حوالے کردو، اس کی محبت کی وجہ سے زمانہ جاہلیت کے رسم ورواج کی طرح نوحہ وغیرہ نہ کرنا، اسے اچھے الفاظ سے یاد کرنا اور اس کا ذکر برائی سے نہ کرنا۔

۞ اس لفظ سے خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مراد ہیں، معنی یہ ہیں کہ میں جب وفات پا جاؤں، تو مجھ پر حسرت اور افسوس نہ کرنا، کیونکہ اللہ جل جلالہ کے پاس میرے لیے انتہائی اعلیٰ مقام ہے، بس تم میری تعلیمات کے مطابق زندگی گذارتے رہنا، میرے اہل بیت کو اور کوئی مسلمان کسی مسلمان کو ایذاء نہ پہنچائے، ایک دوسرے کے حقوق ادا کرتے رہو گے تو کامیاب ہو جاؤ گے۔"(۲)

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُودٍ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَا يُبَلِّغُنِي أَحَدٌ عَنْ أَحَدٍ مِنْ أَصْحَابِي شَيْئًا، فَإِنِّي أُحِبُّ أَنْ أَخْرُجَ إِلَيْهِمْ وَأَنَا سَلِيمُ الصَّدْرِ.

قَالَ عَبْدُ اللّٰهِ: فَأُتِيَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمَالٍ فَقَسَمَهُ، فَانْتَهَيْتُ إِلَى رَجُلَيْنِ، جَالِسَيْنِ، وَهُمَا

---

(۱) صحیح ابن حبان، رقم: ۴۱۷۷۔

(۲) تحفۃ الاحوذی ۱۰/۳۶۳، الکوکب الدری ۴/۴۵۴

يَقُولَانِ: وَاللهِ مَا أَرَادَ مُحَمَّدٌ بِقِسْمَتِهِ الَّتِي قَسَمَهَا وَجْهَ اللهِ وَلَا الدَّارَ الآخِرَةَ، فَتَثَبَّتُّ حِينَ سَمِعْتُهُمَا، فَأَتَيْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَأَخْبَرْتُهُ، فَاحْمَرَّ وَجْهُهُ، وَقَالَ: دَعْنِي عَنْكَ، فَقَدْ أُوذِيَ مُوسَى بِأَكْثَرَ مِنْ هَذَا، فَصَبَرَ. (۱)

حضرت عبداللہ بن مسعود کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: میرے صحابہ میں سے کوئی کسی اور کی طرف سے کوئی (بری) بات مجھ تک نہ پہنچائے، کیونکہ میں چاہتا ہوں کہ ان کی طرف (گھر سے) اس طرح نکلوں کہ میرا دل (سب کی طرف سے) صاف ہو۔

عبداللہ بن مسعودؓ کہتے ہیں کہ (ایک مرتبہ) نبی کریم ﷺ کے پاس کچھ مال لایا گیا، آپ نے اسے تقسیم کر دیا، پھر میں دو بیٹھے ہوئے شخصوں کے پاس پہنچا، وہ کہہ رہے تھے: اللہ کی قسم! محمد ﷺ نے اپنی اس تقسیم سے، جو انہوں نے کی، نہ تو اللہ کی رضا کا ارادہ کیا اور نہ دار آخرت کا، (یعنی انہوں نے منصفانہ تقسیم نہیں کی) جب میں نے ان کی بات سنی تو میں نے اسے پھیلایا، چنانچہ (فوراً) میں نبی کریم ﷺ کی خدمت میں آیا اور آپ کو میں نے ساری بات بتادی، اس سے آپ کا چہرہ سرخ ہو گیا، اور آپ نے فرمایا: مجھے چھوڑ دو (یعنی مجھے اس طرح کی بات نہ بتایا کرو) موسیٰ علیہ السلام اس سے کہیں زیادہ ستائے گئے اور انہوں نے صبر کیا (لہذا میں بھی صبر کرتا ہوں)۔

مشکل الفاظ کے معنیٰ: لا يبلغني: (تبلیغ سے) مجھ تک نہ پہنچائے، شيئاً: کوئی ایسی بات جو بری ہو، جسے میں پسند نہیں کرتا، سليم الصدر: صاف دل، فنثيت: (نثو سے صیغہ متکلم) میں نے بات پھیلا دی، اسے عام کیا، دعني عنك: مجھے اپنے آپ سے چھوڑ دو یعنی میرے سامنے کسی کی بری بات مت پہنچایا کرو، اس سے مجھے اذیت ہوتی ہے۔

نبی کریم ﷺ ازواج مطہرات سمیت ہر ایک سے دل صاف رکھتے

ا۔ اس حدیث میں ازواج مطہرات کی فضیلت اس طرح بیان کی گئی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں جب گھر سے باہر آؤں، تو مجھے ایسی کوئی بات نہ بتایا کریں، جس سے میرے دل میں کسی کے بارے میں تکدر اور ناراضگی پیدا ہو جائے، کیونکہ میں گھر سے اس طرح نکلتا ہوں کہ میرا دل ہر ایک سے صاف ہوتا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ آپ ﷺ جب گھر میں اپنی ازواج کے پاس ہوتے تو آپ کا دل ان سے بالکل صاف ہوتا، اگر وقتی طور پر کسی زوجہ کی طرف سے کوئی بات پیش آ بھی جاتی تو اسی وقت اس کا مداوا کر دیتے تھے، دل میں بات نہیں رکھتے تھے، یوں آپ کا اپنے اہل خانہ کے ساتھ حسن سلوک ہوتا، یہی قلب کی صفائی ازواج مطہرات کے حق میں فضیلت کا باعث ہے۔ (۲)

---

(۱) سنن ابی داؤد، کتاب الأدب، باب فی رفع الحدیث من المجلس، رقم: ۴۸۶۰۔

(۲) الکوکب الدری ۴/۴۵۵

۲۔ اس سے یہ درس دیا جارہا ہے کہ ہر مسلمان کو دوسرے مسلمان سے اپنا دل صاف رکھنا چاہیے، دل میں کسی کے بارے میں بغض اور کینہ رکھنا اسلام کا مزاج نہیں، نبی کریم ﷺ سب لوگوں سے اپنا دل صاف رکھتے تھے، اور آپ یہی خواہش کرتے کہ میں دنیا سے اس طرح جاؤں کہ میرے دل میں کسی کی کوئی بات نہ ہو، سب سے دل صاف ہو، لہذا امت کو بھی اس سنت پر عمل کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔

۳۔ ان دو بندوں نے بلا وجہ یہ بات کی کہ آپ ﷺ نے مال کی اس تقسیم میں عدل وانصاف سے کام نہیں لیا، حضرت عبداللہ بن مسعود نے یہ بات سن کر فوراً حضور ﷺ کو بتادی، اس سے معلوم ہوا کہ جب کسی ذمہ دار سے متعلق اس طرح کی کوئی بات بغیر کسی وجہ کے کی جائے تو اصلاح کی غرض سے اس بات کو آگے بیان کیا جاسکتا ہے، یہ غیبت اور چغلی کے زمرے میں داخل نہیں۔

۴۔ اگر ذمہ دار مناسب سمجھے تو بعض افراد کو مال زیادہ دے سکتا ہے۔

۵۔ جاہل لوگ اگر کوئی بات کردیں تو ان کو معاف کردیا جائے، ان کے ساتھ بحث کرنے سے اجتناب کرنا بہتر ہے

۶۔ ان دو بندوں کی بات سن کر نبی کریم ﷺ کو دکھ اور اذیت ضرور پہنچی، مگر اس پر آپ نے یہ فرما کر صبر کیا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ان کی قوم نے اس سے زیادہ ستایا، اس پر انہوں نے صبر کیا، لہذا میں بھی صبر ہی کرتا ہوں، اس سے معلوم ہوا کہ نیک امور میں گذشتہ انبیاء اور نیک لوگوں کی اقتداء کرنا جائز ہے۔(۱)

بَابُ فَضْلِ أُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ

یہ حضرت ابی بن کعب کے فضائل کے بیان میں ہے

حضرت ابی بن کعب کے مختصر حالات زندگی

حضرت ابی بن کعب انصاری اور خزرجی صحابی ہیں، ان کی کنیت ابوالمنذر اور ابوالطفیل ہے، بیعت عقبہ ثانیہ اور بدر میں شریک ہوئے، اور اس کے بعد کے تمام معرکوں میں نبی کریم ﷺ کے ساتھ رہے، یہ ان چھ صحابہ کرام میں سے ہیں، جنہوں نے عہد رسالت میں پورا قرآن مجید حفظ کرلیا تھا، اور یہ ان فقہاء صحابہ میں سے ہیں، جو نبی کریم ﷺ کے زمانے میں شرعی احکام کا فتویٰ دیا کرتے تھے، تمام صحابہ میں سب سے بڑے قاری تھے، ان کو سید القراء کہا جاتا ہے، اور یہ کاتبین وحی میں سے بھی تھے۔

۱۹ھ یا بقول بعض ۲۲ھ میں مدینہ منورہ میں عہد فاروقی میں ان کا انتقال ہوا، ان کی وفات کے موقع پر حضرت عمر نے

---

(۱) بذل المجهود ۱۹/۵۴، كتاب الادب، باب فى رفع الحديث من المجلس، ط: بيروت، تحفة الاحوذى ۱۰/۳۶۴

فرمایا: الیوم مات سید المسلمین (آج مسلمانوں کا سردار وفات پا گیا ہے)۔(۱)

عَنْ أُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَهُ: إِنَّ اللَّهَ أَمَرَنِي أَنْ أَقْرَأَ عَلَيْكَ الْقُرْآنَ، فَقَرَأَ عَلَيْهِ {لَمْ يَكُنِ الَّذِينَ كَفَرُوا} وَقَرَأَ فِيهَا: إِنَّ ذَاتَ الدِّينِ عِنْدَ اللَّهِ الْحَنِيفِيَّةُ، الْمُسْلِمَةُ، لَا الْيَهُودِيَّةُ، وَلَا النَّصْرَانِيَّةُ، وَلَا الْمَجُوسِيَّةُ، مَنْ يَعْمَلْ خَيْرًا فَلَنْ يُكْفَرَهُ، وَقَرَأَ عَلَيْهِ: لَوْ أَنَّ لِابْنِ آدَمَ وَادِيًا مِنْ مَالٍ لَابْتَغَى إِلَيْهِ ثَانِيًا، وَلَوْ كَانَ لَهُ ثَانِيًا، لَابْتَغَى إِلَيْهِ ثَالِثًا، وَلَا يَمْلَأُ جَوْفَ ابْنِ آدَمَ إِلَّا التُّرَابُ، وَيَتُوبُ اللَّهُ عَلَى مَنْ تَابَ.(۲)

حضرت ابی بن کعب کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں تمہارے سامنے قرآن پڑھوں، پھر آپ نے سورہ بینہ ان کو پڑھ کر سنائی، اور اس سورہ میں اس طرح پڑھا: ان الدین .... فلن یکفرہ تک (ترجمہ: بے شک اللہ کے نزدیک دین، ملت اسلام ہے، یہودیت، عیسائیت اور آتش پرستی معتبر نہیں، اور جو شخص نیکی کرے گا، ہرگز اس کی ناشکری نہیں کی جائے گی یعنی اسے ضرور اس نیکی کا بدلہ دیا جائے گا، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے سامنے پڑھا: لو ان لابن أدم ..... علی من تاب تک (اگر انسان کے پاس مال سے بھری ہوئی ایک وادی ہو تو وہ اپنے لیے دوسری وادی چاہے گا، اور اگر اسے مال کی دوسری وادی مل جائے تو وہ اپنے لیے تیسری وادی طلب کرے گا، اور ابن آدم کے پیٹ کو صرف (قبر کی) مٹی ہی بھر سکتی ہے اور اللہ تعالیٰ اس بندے کی طرف متوجہ ہوتے ہیں، جو اس کی طرف رجوع کرتا ہے)۔

مشکل الفاظ کے معنی: الحنیفیة: ملت اسلام، شریعت اسلامیہ جو ہر باطل سے دور اور یکسو ہے اور عربی میں "حنیف" اس شخص کو کہا جاتا ہے، جو اسلام پر استقامت کے ساتھ چل رہا ہو، اور جو شخص دین ابراہیمی پر ہو تو عرب اسے حنیف کہتے ہیں، المسلمة: وہ ملت، جو اسلام کی طرف منسوب ہو، فلن یکفرہ: (یا پر پیش کاف، ساکن اور فا پر زبر، صیغہ مجہول) ہرگز اس کی ناشکری نہیں کی جائے گی، یعنی اسے اس نیکی کا بدلہ ضرور دیا جائے گا، لا بتغی الیہ: تو وہ اپنے لیے طلب کرے گا، چاہے گا، یتوب اللہ: اللہ تعالیٰ متوجہ ہوتے ہیں، توبہ قبول کرتے ہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت ابی کے سامنے تلاوت کرنے کا حکم

اللہ جل جلالہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک مرتبہ یہ حکم دیا کہ آپ حضرت ابی بن کعب کے سامنے تلاوت کریں، ان کو قرآن سنائیں، دوسری روایت میں ہے کہ حضرت ابی بن کعب نے پوچھا کہ یا رسول اللہ! کیا اللہ نے میرا نام لیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جی ہاں اللہ جل جلالہ نے آپ کا نام لیا ہے، یہ سن کر حضرت ابی خوشی کی وجہ سے رونے لگے، اس سے حضرت ابی کی

(۱) الاصابة ۱/۱۸۰، حرف الالف

(۲) للمعجم الکبیر للطبرانی ۳/۲۲۔

فضیلت ثابت ہوتی ہے کہ اللہ نے اپنے محبوب نبی کو ان کے سامنے تلاوت کرنے کا حکم دیا۔

پھر آپ ﷺ نے ان کے سامنے سورہ بینہ لم یکن الذین کفروا کی تلاوت فرمائی، اس سورت کا انتخاب اس لیے فرمایا کہ اس میں تمام اسلامی احکام کو انتہائی جامع انداز سے بیان کیا گیا ہے، اس وقت سورہ بینہ میں دو آیتیں ایسی بھی شامل تھیں، جن کی تلاوت اس کے بعد منسوخ ہوگئی، اگرچہ ان کا حکم اب بھی برقرار ہے، ترمذی کی مذکورہ روایت میں ان دونوں آیتوں کو ذکر کیا گیا ہے:

پہلی آیت: إِنَّ ذَاتَ الدِّينِ عِندَ اللهِ الْحَنِيفِيَّةُ الْمُسْلِمَةُ لَا الْيَهُودِيَّةُ وَلَا النَّصْرَانِيَّةُ وَلَا الْمَجُوسِيَّةُ مَنْ يَعْمَلْ خَيْرًا فَلَنْ يُكْفَرَهُ۔

دوسری آیت: لَوْ أَنَّ لِابْنِ آدَمَ وَادِيًا مِنْ مَالٍ لَابْتَغَى إِلَيْهِ ثَانِيًا، وَلَوْ كَانَ لَهُ ثَانِيًا، لَابْتَغَى إِلَيْهِ ثَالِثًا، وَلَا يَمْلَأُ جَوْفَ ابْنِ آدَمَ إِلَّا التُّرَابُ، وَيَتُوبُ اللهُ عَلَى مَنْ تَابَ۔

ان دونوں منسوخ آیتوں سے درج ذیل احکام ثابت ہوتے ہیں، مگر یہ احکام منسوخ نہیں:

۱۔ دین اسلام کے آنے کے بعد دیگر تمام مذاہب اور ادیان کالعدم ہوگئے، اب صرف اسلام ہی صحیح مذہب ہے، جس کی اتباع ضروری ہے، قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: و من یبتغ غیر الاسلام دینا فلن یقبل منہ: جو شخص اسلام کے علاوہ کسی اور دین کو تلاش کرے گا تو وہ ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا۔

۲۔ جو شخص نیکی کے کام اور اعمال صالحہ کرے گا تو اسے ان کا بدلہ ضرور دیا جائے گا، اس سے بے رخی اور ناشکری نہیں کی جائے گی۔

۳۔ دوسری آیت میں انسان کے حریصانہ مزاج کا ذکر ہے کہ اسے دنیا کا مال و دولت اور ساز و سامان خواہ کتنا ہی زیادہ مل جائے، پھر بھی وہ مزید کی تلاش میں رہتا ہے، اس سے دراصل یہ پیغام دینا مقصود ہے کہ آدمی کو اپنے مزاج میں قناعت اور کفایت شعاری کو اپنانا چاہیے، صبح و شام دنیا کو حاصل کرنے کی دوڑ میں نہیں، بلکہ اللہ کی اطاعت میں گذارنے چاہئیں، اللہ جل جلالہ ہمیں عمل کی توفیق عطا فرمائے آمین یارب العالمین۔

بَابٌ فِي فَضْلِ الْأَنْصَارِ وَقُرَيْشٍ

یہ باب انصار اور قریش کی فضیلت کے بیان میں ہے

انصار: نصیر کی جمع ہے جیسے شریف کی جمع اشراف ہے، اور ناصر کی جمع ناصرون اور نصر (بروزن صحب) ہے۔

انصار: مدینہ کے ان لوگوں کو کہا جاتا ہے، جنہوں نے ہجرت کے موقع پر نبی کریم ﷺ اور مہاجرین صحابہ کی مدد و نصرت کی، ان کا یہ تعاون ہر سطح پر اور ہر ممکن طریقے سے جاری رہا، نبی کریم ﷺ نے "انصار" کا نام قبیلہ اوس اور خزرج کے لیے

اوران قبائل کے لیے رکھا تھا، جو ان کے حلیف تھے، قبیلہ اوس اصل میں: اوس بن حارثہ کی طرف اور قبیلہ خزرج: خزرج بن حارثہ کی طرف منسوب ہے، (۱) اور قریش نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اجداد میں سے کسی کا نام ہے، قریش سے کون لوگ مراد ہیں، اور یہ کس کا نام ہے، اس بارے میں تین قول ہیں:

۱۔ زبیر کہتے ہیں: فہر بن مالک کا نام قریش ہے، لہذا قریش سے فہر بن مالک کی اولاد مراد ہے۔

۲۔ ابن ہشام کہتے ہیں کہ نضر بن کنانہ کا نام قریش ہے، ان کی نسل سے جو لوگ ہیں، انہیں قریش کہا جاتا ہے، جمہور نے اس دوسرے قول کو ہی اختیار کیا ہے۔

۳۔ قصی بن کلاب کا نام قریش ہے، ان کی اولاد کو قریش کہا جاتا ہے، (۲)

عَنْ أُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَوْلَا الهِجْرَةُ لَكُنْتُ امْرَأً مِنَ الأَنْصَارِ، وَبِهَذَا الإِسْنَادِ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ، قَالَ: لَوْ سَلَكَ الأَنْصَارُ وَادِيًا أَوْ شِعْبًا لَكُنْتُ مَعَ الأَنْصَارِ۔ (۳)

حضرت ابی بن کعب کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر ہجرت نہ ہوتی تو میں بھی انصار کا ایک آدمی ہوتا، اور اسی سند سے یہ بھی منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر انصار کسی وادی یا گھاٹی میں چلنے لگیں تو میں بھی انصار کے ساتھ ہوں گا۔

عَنْ أَنَسٍ قَالَ: جَمَعَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَاسًا مِنَ الأَنْصَارِ فَقَالَ هَلُمَّ: هَلْ فِيكُمْ أَحَدٌ مِنْ غَيْرِكُمْ؟ قَالُوا: لَا، إِلَّا ابْنَ أُخْتٍ لَنَا، فَقَالَ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنَّ ابْنَ أُخْتِ القَوْمِ مِنْهُمْ، ثُمَّ قَالَ: إِنَّ قُرَيْشًا حَدِيثُ عَهْدُهُمْ بِجَاهِلِيَّةٍ وَمُصِيبَةٍ، وَإِنِّي أَرَدْتُ أَنْ أَجْبُرَهُمْ وَأَتَأَلَّفَهُمْ، أَمَا تَرْضَوْنَ أَنْ يَرْجِعَ النَّاسُ بِالدُّنْيَا وَتَرْجِعُونَ بِرَسُولِ اللَّهِ إِلَى بُيُوتِكُمْ؟ قَالُوا: بَلَى، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَوْ سَلَكَ النَّاسُ وَادِيًا أَوْ شِعْبًا وَسَلَكَتِ الأَنْصَارُ وَادِيًا أَوْ شِعْبًا لَسَلَكْتُ وَادِيَ الأَنْصَارِ أَوْ شِعْبَهُمْ. (۴)

حضرت انس سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار کے کچھ لوگوں کو جمع کیا اور فرمایا: قریب آجاؤ، کیا تم میں تمہارے علاوہ تو کوئی نہیں؟ لوگوں نے کہا: ہمارے ایک بھانجے کے علاوہ اور کوئی نہیں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قوم کا بھانجا ان ہی میں سے ہوتا ہے، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قریش کا زمانہ، جاہلیت اور مصیبت کے ساتھ نیا ہے (یعنی وہ ابھی زمانہ جاہلیت سے نکل کر اسلام میں آئے ہیں، اور اس سے پہلے وہ جنگیں اور

---

(۱) عمدۃ القاری ۱۶/۲۵۳، کتاب المناقب باب مناقب الانصار

(۲) عمدۃ القاری ۱۶/۷۲، کتاب المناقب باب مناقب قریش

(۳) المستدرک للحاکم ۴/۷۸۔

(۴) الصحیح للبخاری، کتاب المناقب، باب ابن اخت القوم منہم، رقم: ۳۵۲۸۔

قید و بند اور قتل کی مصیبتیں جھیل چکے ہیں)، اس لیے میں چاہتا ہوں کہ ان (کی ضائع شدہ چیز) کا ازالہ کروں، انہیں اچھا بدلہ دوں اور ان کو مانوس کروں، کیا تم لوگ اس بات پر راضی نہیں کہ لوگ دنیا لے کر (اپنے گھروں کو) لوٹیں اور تم اپنے گھروں کی طرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو لے کر جاؤ، انصار نے عرض کیا: کیوں نہیں (ہم اس پر دل سے خوش ہیں) پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر لوگ ایک وادی یا گھاٹی میں چلیں اور انصار دوسری کسی وادی یا گھاٹی میں چلیں تو میں انصار کی وادی یا ان کی گھاٹی میں چلوں گا۔

مشکل الفاظ کے معنی: **ھلم:** اسم فعل ہے: آجاؤ، تشریف لایئے، **ابن الاخت:** بھانجا، **حدیث عھد ھم بجاھلیۃ و مصیبۃ:** قریش کا زمانہ، جاہلیت اور مصیبت کے ساتھ نیا نیا ہے، یعنی وہ نو مسلم ہیں، ابھی ابھی جاہلیت کی تاریکی سے نکل کر اسلام کے نور میں آئے ہیں، اور ان کی مصیبت کا زمانہ بھی قریب ہے یعنی اس سے پہلے لڑائیوں، قتل اور گرفتاری کی طرح طرح کی مصیبتوں میں پھنسے رہے ہیں، **انی اردت**، میں چاہتا ہوں، **ان اجبرھم:** (یہ باب نصر سے ہے) کہ میں ان کی شکستگی کا ازالہ کر دوں، ان کی ضائع شدہ چیزوں کا کسی نہ کسی درجے میں تلافی مافات کر دوں، **و اتالفھم:** میں ان کو مانوس کر دوں، میں ان کی تالیف قلب کر دوں، ان کو مال غنیمت سے زیادہ چیزیں دے دوں، تاکہ وہ مانوس ہو جائیں اور ہمارے ساتھ منسلک رہیں۔

مقام جعرانہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا انصار سے خطاب

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پانچ ذی قعدہ طائف سے لوٹے، تو جعرانہ میں تشریف لائے، یہاں وہ غنیمت کے اموال موجود تھے جو غزوہ حنین میں ہوازن سے حاصل ہوئے تھے، اور یہ کثیر مقدار میں تھے، چھ ہزار قیدی، چوبیس ہزار اونٹ، چار ہزار اوقیہ چاندی (ایک اوقیہ چالیس درہم کے برابر ہوتا ہے) اور چالیس ہزار سے زائد بکریاں تھیں، آپ نے یہ اموال مؤلفۃ القلوب میں تقسیم فرمائے، انصار کو ان میں سے کچھ نہ دیا۔

مؤلفۃ القلوب سے یہاں وہ معززین قریش اور قبائل کے سردار مراد ہیں، جو اسلام تو لے آئے تھے، مگر ابھی وہ ایمان میں ضعیف تھے، پختہ نہیں تھے، آپ نے ان کو بہت سا مال دیا، روایت میں ہے کہ سو سو اونٹ دیئے، تاکہ اسلام کے ساتھ ان کی محبت میں اضافہ ہو، اور ان کے دلوں میں ایمان مضبوط اور راسخ ہو جائے، اسی طرح مؤلفۃ القلوب میں بعض وہ لوگ بھی داخل تھے، جو ابھی تک اسلام نہیں لائے تھے، لیکن ان کے بارے میں یہ توقع تھی کہ اگر انہیں مال دیا گیا، تو اسلام قبول کر لیں گے جیسے صفوان بن امیہ تھے، ان کو جب مال غنیمت سے وافر مقدار میں حصہ دیا گیا تو انہوں نے کہا کہ ایسی سخاوت اور فیاضی صرف نبی ہی کر سکتا ہے، چنانچہ اس سے متاثر ہو کر وہ اسلام لے آئے۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے ان مؤلفۃ القلوب کے نام لکھے ہیں، جن کی تعداد چالیس سے زائد ہے، جن میں ابوسفیان بن حرب [illegible] بن عبد المطلب، [illegible] بن عبد العزی، حکیم بن حزام، [illegible] السنابل بن بعکک، صفوان بن امیہ، عیینہ بن حصن، اقرع بن حابس

اور مالک بن عوف وغیرہ حضرات شامل تھے۔

انصار کو آپ ﷺ نے کچھ نہ دیا، جس سے بعض انصار نے ناراضگی کا اظہار کیا، وہ کہنے لگے: اللہ تعالیٰ رسول اللہ ﷺ کو معاف فرمائے، آپ یہ مال قریش اور اہل مکہ میں ہی تقسیم فرمار ہے ہیں، اور ہمیں صرف نظر کر دیا ہے، حالانکہ ہماری تلواروں سے قریش کا خون ٹپک رہا ہے، اس سے وہ اپنی خدمات کی طرف اشارہ کرر ہے تھے، جو وہ نبی کریم ﷺ کے ساتھ قریش کے خلاف سرانجام دیتے رہے، اور ان کے ساتھ لڑائیاں کرتے رہے، رسول اللہ ﷺ کو انصار کی یہ باتیں اور ان کی ناراضگی کی اطلاع ہوئی تو آپ نے ان کو ایک الگ جگہ جمع کیا اور پوچھا کہ انصار کے علاوہ تو کوئی نہیں؟ انہوں نے جواب دیا کہ صرف ایک ہمارا بھانجا ہے، آپ نے فرمایا کہ چلو یہ بیٹھے رہیں، کیونکہ بھانجا بھی قوم کا ایک فرد ہوتا ہے، پھر نبی کریم ﷺ نے ترمذی کی مذکورہ روایات کے مطابق چار باتیں ارشاد فرمائی ہیں:

۱۔ قریش کے بہت سے لوگ ابھی ابھی مسلمان ہوئے ہیں، اس سے پہلے ان سے ہماری بہت سی جنگیں ہوئی ہیں، جن میں ان کے بہت سے بندے قتل ہو گئے، گرفتار ہوئے، اس وجہ سے وہ بہت دکھی ہیں، میں انہیں زیادہ ایک تو اس لیے دے رہا ہوں تاکہ وہ اسلام میں پختہ ہو جائیں اور دوسرا اس لیے کہ ان کے اس دکھ کا کسی نہ کسی درجہ میں مداوا ہو جائے، تالیف قلب کے لیے ان کو اموال غنیمت سے زیادہ حصہ دے رہا ہوں وانی اردت ان اجبر ھم، میں چاہتا ہوں کہ ان کی مصیبتوں کا کچھ ازالہ کر دوں، تاکہ وہ اپنے ان دکھوں اور غموں کو بھول جائیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ کسی خاص شرعی غرض کی وجہ سے حاکم وقت کسی کو یا چند افراد کو دوسروں سے زیادہ مال غنیمت یا بیت المال سے مال دینا چاہے، تو دے سکتا ہے، بشرطیکہ اس طرح کرنے کا مقصد کوئی شرعی غرض ہو، بلاوجہ کسی کو نوازنا پیش نظر نہ ہو، اگر کسی فاسد غرض کی وجہ سے کسی کو دیا، یا زیادہ دیا تو اللہ کے ہاں اس کی باز پرس ہوگی۔

۲۔ اگر اہل مکہ کو دنیاوی مال واسباب مل گیا تو کیا ہوا، یہ لوگ تو دنیا کا مال ومتاع لے کر اپنے گھروں میں جائیں گے، جبکہ تم لوگ رسول اللہ ﷺ کی ذات کو لے کر اپنے گھروں میں جاؤ گے، کیا تم اس پر راضی نہیں کہ رسول اللہ ﷺ کو لے کر جاؤ، وہاں پر موجود تمام انصار نے عرض کیا کہ ہم اس پر تہہ دل سے خوش ہیں۔

۳۔ ''اگر ہجرت نہ ہوتی تو میں انصار کا ایک آدمی ہوتا'' اس جملے سے کیا مراد ہے، اس کی تشریح میں علامہ خطابی اور دوسرے شارحین فرماتے ہیں کہ یہ نبی کریم ﷺ نے حضرات انصار کا دل خوش کرنے اور ان کی مدح وثناء کے لیے فرمایا ہے، اس سے آپ نے اپنے پیدائشی نسب کو تبدیل کرنے کی خواہش کا اظہار نہیں فرمایا، کیونکہ انسان کی نسبت عموماً چار امور کے لحاظ سے ہوتی ہے:

- یا تو انسان پیدائشی نسب کی طرف منسوب ہوتا ہے، جیسے یہ قریشی ہے، تمیمی ہے وغیرہ۔
- یا انسان کو اپنے آبائی علاقے، وطن، گاؤں یا شہر کی طرف منسوب کر کے مثلاً مکی، اسلام آبادی، سواتی وغیرہ کہا جاتا ہے۔
- یا اسے نظریئے اور عقیدے کی طرف منسوب کیا جاتا ہے، مثلاً یہ کہا جاتا ہے کہ یہ سنی ہے۔

❁ یا انسان کو اس کے پیشے اور صنعت وحرفت کی طرف نسبت کر کے کچھ کہا جاتا ہے، مثلاً یہ سنارا ہے، یہ فلاں شی کا تاجر ہے، یہ رنگریز ہے وغیرہ۔

نبی کریم ﷺ نے جو یہ فرمایا کہ اگر ہجرت نہ ہوتی تو میں انصار کا ایک آدمی ہوتا، اس سے آپ نے پیدائشی نسب کی تبدیلی کی خواہش کا اظہار نہیں فرمایا، کیونکہ ایک تو اس نسبت میں تبدیلی شرعاً جائز ہی نہیں، اور دوسرا اس لیے کہ نبی کریم ﷺ کا اپنا نسب، اس کائنات میں سب سے اعلیٰ واشرف اور عمدہ نسب ہے، ایسے میں اس نسبت میں تبدیلی کی خواہش اور آرزو کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، اسی طرح یہاں نسبت اعتقادی میں بھی تبدیلی نہیں ہو سکتی کیونکہ نبی کریم ﷺ اور انصار کا دین ایک ہے، اس میں ان کا کوئی اختلاف نہیں ہے۔

البتہ باقی دو نسبتوں میں تبدیلی ہو سکتی ہے اور شرعاً اس میں کوئی قباحت بھی نہیں، لہذا حدیث کے اس حصے میں "نسبت بلادی" مراد ہے، جس کے معنی یہ ہیں کہ اگر ہجرت امر واجب اور باعث فضیلت نہ ہوتی اور اس کی طرف منسوب ہونا ضروری نہ ہوتا تو میں اس بات کو پسند کرتا کہ اپنی وطنی نسبت کو ترک کر کے انصار کے شہر کی طرف اپنے آپ کو منسوب کرتا اور "مہاجر" کہلانے کے بجائے "انصار" کہلاتا، لیکن چونکہ ہجرت بجائے خود ایک بڑا دینی شرف اور اعزاز ہے، اور اس کی طرف منسوب ہونا باعث فضیلت ہے، اس لیے میں اپنی اس خواہش کو پورا نہیں کر سکتا، اس کی تکمیل سے میں قاصر ہوں۔

اس تفصیل سے جہاں انصار کی فضیلت ثابت ہوتی ہے، اسی طرح یہ حکم بھی ثابت ہوتا ہے کہ "ہجرت" کا مقام ومرتبہ "نصرت" سے زیادہ ہے، ہجرت کی وجہ سے نصرت کا عمل ہوا، اور وہ حضرات انصار کہلائے، البتہ ہجرت کے بعد سب سے بلند عمل حضرات انصار کا مدد ونصرت کا عمل ہے، اسی وجہ سے نبی کریم ﷺ نے ان کی حوصلہ افزائی فرمائی ہے۔

۴۔ "اگر لوگ کسی گھاٹی اور وادی میں چلیں اور انصار کسی اور وادی یا گھاٹی میں چلیں تو میں انصار کی وادی اور گھاٹی میں چلوں گا" شارحین نے اس کی شرح میں دو قول ذکر کئے ہیں:

❁ ارض حجاز میں چونکہ پہاڑ اور وادیاں زیادہ ہیں، اس زمانے کا دستور یہ تھا کہ جس راستے سے قبیلہ کا سردار گذرتا، تو سارا قافلہ اس کے پیچھے اسی راستے سے گذرتا تھا، آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر اس طرح کا سفر درپیش ہو تو میں اس گھاٹی اور وادی سے گذروں گا، جہاں سے انصار گذر رہے ہوں گے، اس سے درحقیقت نبی کریم ﷺ انصار کے ساتھ اپنے خصوصی تعلق کو ذکر فرما رہے ہیں۔

❁ بعض کی رائے یہ ہے کہ اس حدیث میں وادی اور شعب سے رائے، اور مسلک ومشرب مراد ہے، معنی یہ ہیں کہ میں اختلاف رائے کی صورت میں اس رائے اور مسلک کو اختیار کروں گا، جو انصار نے اختیار کیا ہوگا، اور ان کی موافقت کروں گا۔

اس سے بھی نبی کریم ﷺ انصار کے ساتھ اپنے خصوصی تعلق کا اظہار فرما رہے ہیں، کیونکہ انصار کی خدمات آپ کی نظر میں بہت زیادہ ہیں، اس کے یہ معنی نہیں کہ آپ انصار کی پیروی کر رہے ہیں، کیونکہ اتباع تو صرف آپ ﷺ کی ہی لازم ہے،

باقی سب آپ کے پیروکار ہیں۔(۱)

فقال النبی ﷺ: ان ابن اخت القوم منهم، اس جملے سے احناف اور حنابلہ یہ استدلال کرتے ہیں کہ ذوی الارحام وارث ہوتے ہیں، جبکہ امام شافعی اور بعض دوسرے حضرات فرماتے ہیں کہ اس جملے سے وراثت کا بیان کرنا مقصود نہیں، اس سے صرف یہ بتایا جارہا ہے کہ بھانجے کا اپنی قوم کے ساتھ ایک خصوصی ربط اور تعلق ہوتا ہے۔(۲)

عَنْ عَدِيِّ بْنِ ثَابِتٍ، عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ، أَنَّهُ سَمِعَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - أَوْ قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - فِي الْأَنْصَارِ. لَا يُحِبُّهُمْ إِلَّا مُؤْمِنٌ، وَلَا يُبْغِضُهُمْ إِلَّا مُنَافِقٌ، مَنْ أَحَبَّهُمْ فَأَحَبَّهُ اللّٰهُ، وَمَنْ أَبْغَضَهُمْ فَأَبْغَضَهُ اللّٰهُ فَقُلْتُ لَهُ: أَأَنْتَ سَمِعْتَهُ مِنَ الْبَرَاءِ؟ فَقَالَ: إِيَّايَ حَدَّثَ.(۳)

حضرت عدی بن ثابت حضرت براء بن عازب سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے نبی کریم ﷺ سے سنا یا حضرت براء نے یوں کہا کہ نبی کریم ﷺ نے انصار کے متعلق فرمایا کہ ان سے صرف ایمان والا ہی محبت کرتا ہے اور منافق ہی ان سے بغض رکھتا ہے، جو انصار سے محبت کرتا ہے اللہ اس سے محبت کرتے ہیں، اور جو ان سے بغض رکھتا ہے اللہ اس سے بغض رکھتے ہیں، (حدیث کے راوی) شعبہ کہتے ہیں کہ میں نے عدی بن ثابت سے پوچھا کہ کیا آپ نے یہ حدیث براء سے خود سنی ہے؟ انہوں نے فرمایا؛ حضرت براء نے ہی مجھے یہ حدیث بیان کی ہے۔

انصار سے ایمان والا ہی محبت کرتا ہے

ابن التین فرماتے ہیں کہ حدیث میں جو انصار سے محبت کا ذکر ہے، اس سے مراد یہ ہے کہ ان تمام سے پیار اور محبت کی جائے، یہ ایمان کی علامت ہے، اسی طرح ''بغض'' کا مطلب یہ ہے کہ تمام انصار سے بغض رکھا جائے، یہ نفاق کی علامت ہے، لہذا ایک انسان اگر بعض انصار سے، کسی اور وجہ سے بغض رکھتا ہے، تو یہ اس کے نفاق کی دلیل اور علامت نہیں۔

حضرات انصار کو یہ بلند مقام اس لیے حاصل ہوا کہ انہوں نے انتہائی دشوار حالات میں بڑے اخلاص کے ساتھ نبی کریم ﷺ اور حضرات مہاجرین کو مدینہ منورہ میں نہ صرف یہ کہ ٹھکانا دیا، بلکہ ہر طرح سے ان کی خدمت اور دشمنوں سے حفاظت بھی کی، یہ وہ وقت تھا کہ ابھی اسلام ارض حجاز پر غالب نہیں ہوا تھا، دشمنان اسلام اپنی تمام تر توانائیاں اسلام کے خلاف بڑے زور وشور سے صرف کررہے تھے، ایسے حالات میں انصار نے اسلام کا ساتھ دے کر گویا عرب وعجم کے تمام کفار کی دشمنیوں اور خطرات کو

---

(۱) تفصیل کے لیے دیکھئے: فتح الباری ۵۹/۸۔ ۶۴، کتاب المغازی باب غزوۃ الطائف فی شوال سنۃ ثمان، مرقاۃ المفاتیح ۳۵۷/۱۱، کتاب المناقب باب جامع المناقب رقم: ۶۲۱۷، تحفۃ الاحوذی ۳۷۰/۱۰

(۲) شرح مسلم للنوی، کتاب الزکاۃ باب اعطاء المؤلفۃ قلوبھم

(۳) الصحیح للبخاری، کتاب مناقب الانصار، باب حب الانصار من الایمان، رقم: ۳۷۸۳۔

برداشت کیا، انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرات مہاجرین کی خدمت کرنے میں کسی بھی دشمنی کی کوئی پروانہیں کی، اسی ایمانی جذبے اور کمال محبت کی وجہ سے ان کو یہ شرف ملا کہ ان سے محبت کو ایمان کی علامت اور ان سے بغض اور دشمنی کو نفاق کی علامت قرار دیا گیا ہے۔(۱)

اجتہادی اختلاف محبت کے منافی نہیں

یہ ذہن میں رہے کہ محبت اور اجتہادی اختلاف میں کوئی منافات نہیں، ایسا ہوسکتا ہے کہ ایک انسان کو دوسرے سے کسی مسئلہ میں اجتہادی اختلاف ہو، اور ساتھ ہی ان سے محبت بھی ہو، کیونکہ یہ محبت کے منافی نہیں جیسے ہم بہت سے مسائل میں امام شافعی رحمہ اللہ سے اجتہادی اختلاف رکھتے ہیں، لیکن ان سے محبت میں کچھ کمی نہیں، بالکل اسی طرح اگر کسی انصاری صحابی سے اجتہادی اختلاف ہوجائے تو یہ اس کی محبت کے منافی نہیں، اس اختلاف کو بغض نہیں کہا جائے گا، لہذا یہ اس کی نفاق کی علامت نہیں ہوگی۔

اسی طرح جن صحابہ کرام کی آپس میں جنگیں ہوئی ہیں، یہ ان کے اجتہادی اختلاف کی وجہ سے رونما ہوئی ہیں، یہ اس بات کی علامت نہیں کہ ان میں نفاق تھا، وہ اس سب کے باوجود آپس میں ایک دوسرے سے محبت کا معاملہ کرتے تھے، اور معاشرتی مسائل میں ایک ساتھ جمع بھی ہوجاتے تھے، اس سے معلوم ہوا کہ اجتہادی اختلاف نہ تو محبت کے منافی ہے اور نہ یہ بغض اور نفاق کی علامت ہے۔(۲)

عَنْ زَيْدِ بْنِ أَرْقَمَ، أَنَّهُ كَتَبَ إِلَى أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ يُعَزِّيهِ فِيمَنْ أُصِيبَ مِنْ أَهْلِهِ وَبَنِي عَمِّهِ يَوْمَ الْحَرَّةِ، فَكَتَبَ إِلَيْهِ: إِنِّي أُبَشِّرُكَ بِبُشْرَى مِنَ اللهِ، إِنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم يَقُولُ: اللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِلْأَنْصَارِ، وَلِذَرَارِي الْأَنْصَارِ وَلِذَرَارِي ذَرَارِيهِمْ۔(۳)

حضرت زید بن ارقم نے حضرت انس بن مالک کو خط لکھا، وہ ان کو اس مصیبت میں تسلی دے رہے تھے، جو ان کے اہل و عیال اور چچازاد بھائیوں کو حرہ کے دن پہنچی تھی، چنانچہ حضرت زید نے حضرت انس کو یہ لکھا کہ میں آپ کو اللہ جل شانہ کی طرف سے ایک بشارت اور خوشخبری سناتا ہوں، میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ: اے اللہ انصار کی، اور ان کی اولاد کی، اور ان کی اولاد کی اولاد کی بھی مغفرت فرما۔

---

(۱) فتح الباری ۱۴۲/۷، کتاب مناقب الانصار باب حب الانصار من الایمان، مرقاۃ المفاتیح ۳۵۶/۱۱، کتاب المناقب باب جامع المناقب۔

(۲) فتح الباری ۸۶/۱، کتاب الایمان، باب علامۃ الایمان حب الانصار، انعام الباری ۳۷۶/۱

(۳) الصحیح لمسلم، کتاب فضائل الصحابۃ، باب من فضائل الانصار، رقم: ۲۵۰۶۔

مشکل الفاظ کے معنی: یعزیہ: حضرت زید حضرت انس کو تسلی دے رہے تھے، فیمن اصیب: ان لوگوں کے بارے میں، جن کی شہادتوں کی وجہ سے حضرت انس کو مصیبت پہنچی، انہیں غم اور دکھ ہوا، فکتب الیہ: چنانچہ حضرت زید بن ارقم نے حضرت انس کی طرف لکھا، ذراری: ذریۃ کی جمع ہے: اولاد۔

حضرت زید کا حضرت انس کو ایک تعزیتی خط

مدینہ منورہ میں جب واقعہ حرہ پیش آیا، اس میں حضرت انس کے اہل وعیال اور خاندان میں سے بہت سے لوگ شہید ہو گئے، انہیں بہت دکھ اور پریشانی ہوئی تھی، اس پر حضرت زید بن ارقم نے کوفہ سے حضرت انس کی طرف افسوس کا ایک تعزیتی خط لکھا، اس وقت حضرت انس بصرہ میں تھے، اس خط میں انہوں نے حضرت انس کو تسلی دی اور ان کی طرف بشارت کی وہ دعا لکھی، جو انہوں نے انصار سے متعلق نبی کریم ﷺ سے سنی تھی، اس میں آپ نے انصار اور ان کی اولاد اور اولاد در اولاد کے لیے مغفرت کی دعا فرمائی ہے، مقصد یہ تھا کہ جب انصار اور ان کی اولاد سے متعلق اس قدر مغفرت کی بشارت موجود ہے تو پھر اس حادثے پر زیادہ غم و حزن نہ کریں، وہ لوگ شہادت کے مرتبے پر فائز ہو گئے ہیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ کسی کی کوئی فوتگی یا کوئی نقصان ہو جائے تو اسے تسلی دینا ایک مسنون عمل ہے، اس کے لیے تعزیتی خط بھی لکھا جا سکتا ہے۔

واقعہ حرہ پر ایک نظر

''حرۃ'' کالے پتھروں والی اس زمین کو کہتے ہیں، جو جلی ہوئی دکھائی دے، یہاں اس حدیث میں ''حرۃ'' سے مدینہ منورہ سے باہر ایک مخصوص مقام مراد ہے، جہاں یزید بن معاویہ کے زمانے میں لڑائی ہوئی تھی۔

یہ واقعہ یوں پیش آیا کہ یزید بن معاویہ نے جب اقتدار سنبھالا، تو اب وہ یہ چاہتا تھا کہ حرمین شریفین پر اس کا تسلط اور حکومت قائم ہو جائے، کیونکہ اس کے ہاتھوں حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کا واقعہ، ارض حجاز پر اس کی مزید نفرت اور مخالفت کا سبب بن گیا تھا، ادھر مکہ مکرمہ میں حضرت عبد اللہ بن زبیر اپنی خلافت کی کوشش میں مصروف ہو گئے، یزید نے مدینہ منورہ میں عثمان بن محمد بن ابی سفیان کو بھیجا، تا کہ وہ اہل مدینہ کو یزید کے ہاتھ پر بیعت کرنے پر آمادہ کریں، اس مقصد کے لیے اس نے مدینہ منورہ کے کچھ معزز حضرات پر مشتمل ایک قافلہ، یزید کے پاس بھیجا تا کہ وہ یزید سے ملاقات کریں، ہو سکتا ہے کہ وہ اس کے ہاتھ پر بیعت کر لیں۔

ان لوگوں نے وہاں جا کر یزید کے ایسے حالات اور مشغلے دیکھے، جن کی وجہ سے وہ گرویدہ ہونے کے بجائے اس کے مزید خلاف ہو گئے، واپسی میں یزید نے اس وفد کے ارکان کو دراہم سے بھی خوب نوازا تھا، مگر ان لوگوں نے اس پیسے کو اس کے

خلاف مہم پر صرف کرنا مناسب سمجھا، چنانچہ یزید کے فسادی عزائم، جب ان کو پتہ چل گئے، تو حضرات انصار نے اپنا امیر حضرت عبداللہ بن حنظلہ بن ابی عامر کو اور حضرات مہاجرین نے حضرت عبداللہ بن مطیع عدوی کو اپنا امیر مقرر کر لیا، یزید کو بھی مدینہ کے حالات مسلسل بتائے جاتے رہے، یزید نے مقابلے کے لیے مسلم بن عقبہ مری کو بارہ ہزار کے لشکر کے ساتھ مدینہ منورہ پر چڑھائی کرنے کے لیے بھیجا، مسلم نے یہاں آکر تین دن تک لوٹ مار، قتل اور خونریزی کا بازار گرم کیا، اس واقعہ میں حضرات انصار اور مہاجرین کے بہت سے حضرات شہید ہو گئے، ان شہداء میں حضرت انس کے اہل وعیال اور رشتہ دار بھی تھے، جن کی تعزیت کے لیے حضرت زید بن ارقم نے کوفہ سے حضرت انس کی طرف بصرہ میں خط لکھا تھا۔

یہ افسوسناک حادثہ ذی الحجہ ۶۳ھ میں پیش آیا، اس میں اکابر صحابہ اور معززین قریش مثلاً عبداللہ بن حنظلہ اور فضل بن عباس وغیرہ شہید ہوئے۔(۱)

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، عَنْ أَبِي طَلْحَةَ، قَالَ: قَالَ لِي رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَقْرِئْ قَوْمَكَ السَّلَامَ فَإِنَّهُمْ مَا عَلِمْتُ، أَعِفَّةٌ صُبُرٌ.(۲)

حضرت انس بن مالک (اپنے سوتیلے باپ) حضرت ابوطلحہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھ (یعنی ابوطلحہ) سے فرمایا کہ: اپنی قوم کو میرا سلام دینا کیونکہ میری معلومات کے مطابق وہ لوگ پرہیزگار اور صابر ہیں۔

مشکل الفاظ کے معنی: أقرئ: باب افعال سے صیغہ امر: سلام دے دو، پہنچا دو، أعفة: (ہمزے پر زبر، عین کے نیچے زیر اور فا پر زبر اور تشدید) عفیف کی جمع ہے: پرہیزگار، پاکدامن، صبر: (صاد اور با پر پیش): صابر کی جمع ہے جیسے بازل کی جمع بزل ہے: صبر کرنے والے، فانهم ما علمت اعفة صبر، اس کی ترکیب نحوی اس طرح ہے: اعفة اور صبر، یہ "انّ" کی خبریں ہیں اور "ما علمت" جملہ معترضہ ہے، یہ صلہ موصول ہو کر مبتدا ہے اور خبر محذوف ہے "انهم كذلك"۔

حضرات انصار پرہیزگار اور صابر لوگ تھے

اس حدیث میں حضرات انصار کی فضیلت کا ذکر ہے، حضرت ابوطلحہ کی قوم انصار ہے، آپ نے ان کی مدح میں فرمایا کہ مجھے جہاں تک معلوم ہے وہ پاکدامن پرہیزگار اور اللہ کی اطاعت پر صبر کرنے والے لوگ ہیں۔(۳)

---

(۱) فتح الباری ۸/۸۴۰، کتاب التفسیر باب ولله خزائن السموات والارض، رقم الحدیث: ۴۹۰۶۔
(۲) المستدرک للحاکم، ۴/۷۹۔
(۳) مرقاۃ المفاتیح ۱۱/۳۸۴، کتاب المناقب، باب جامع المناقب، رقم: ۶۲۵۱

حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کے حالات زندگی

حضرت ابوطلحہ کا نام زید بن سہل بن اسود بن حرام ہے، یہ حضرت انس کے سوتیلے باپ، اور حضرت ام سلیم کے شوہر ہیں، بڑے بہادر اور اللہ کے راستے میں خوب خرچ کرتے تھے، غزوہ بدر اور دیگر تمام غزوات میں شریک ہوتے رہے، غزوہ احد میں نبی کریم ﷺ کے سامنے کھڑے ہو کر، دشمنوں کے تیروں سے حضور ﷺ کی حفاظت کرتے رہے، جب قرآن مجید کی یہ آیت "لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ" نازل ہوئی تو انہوں نے اپنا پسندیدہ باغ "بیرحاء" اپنے رشتہ داروں میں صدقے کے طور پر تقسیم کر دیا، نبی کریم ﷺ کی وفات کے بعد چالیس سال زندہ رہے۔

ان کی تاریخ وفات میں اختلاف ہے، واقدی وغیرہ کہتے ہیں: ۳۴ھ میں ان کی وفات ہوئی اور حضرت عثمان نے ان کی نماز جنازہ پڑھائی، مدائنی کہتے ہیں کہ ان کی وفات ۵۰ھ یا ۵۱ھ میں وفات ہوئی۔(۱)

عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: أَلَا إِنَّ عَيْبَتِيَ الَّتِي آوِي إِلَيْهَا أَهْلُ بَيْتِي، وَإِنَّ كَرِشِيَ الْأَنْصَارُ، فَاعْفُوا عَنْ مُسِيئِهِمْ، وَاقْبَلُوا مِنْ مُحْسِنِهِمْ.(۲)

حضرت ابوسعید خدری سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: آگاہ ہو جایئے: میرے خاص اور راز دار لوگ جن کی طرف میں لوٹ کر جاتا ہوں، میرے اہل بیت ہیں، اور میرے مخلص اور راز دار دوست انصار ہیں، لہذا تم لوگ ان کے برے سے درگذر کرو اور ان کے نیک سے (عذر) قبول کرو۔

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: الْأَنْصَارُ كَرِشِي وَعَيْبَتِي، وَإِنَّ النَّاسَ سَيَكْثُرُونَ وَيَقِلُّونَ، فَاقْبَلُوا مِنْ مُحْسِنِهِمْ، وَتَجَاوَزُوا عَنْ مُسِيئِهِمْ.(۳)

حضرت انس بن مالک کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: انصار میرے راز دار اور میرے خاص لوگ ہیں، عنقریب لوگ بڑھتے جائیں گے اور انصار کم ہوتے جائیں گے، لہذا تم لوگ ان کے نیکوکار سے (لغزش پر عذر) قبول کرو اور ان کے برے سے (جبکہ وہ اپنی غلطی پر معقول عذر پیش نہ کر سکے) درگذر کرو۔

مشکل الفاظ کے معنی: عیبتی: عیبۃ دراصل پتوں کی بنی ہوئی ٹوکری یا زنبیل کو کہتے ہیں، چمڑے کا تھیلا، بکس اور بریف کیس، جس میں انسان اپنے کپڑے اور قیمتی سامان رکھتا ہے تاکہ وہ محفوظ رہیں، راز دار دوست، یہاں حدیث میں اس کے معنی ہیں: میرے خاص اور راز دار دوست، جماعت، اوی الیھا: (صیغہ متکلم) جن کی طرف میں لوٹ کر جاتا ہوں، کرش: (کاف پر زبر

---

(۱) الاصابۃ ۱/۵۰۲، حرف الزای المنقوطۃ

(۲) کنز العمال، رقم: ۳۳۶۹۹۔

(۳) الصحیح للبخاری، کتاب مناقب الانصار، باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم: اقبلوا... ۳۸۰۱۔

اور را کے نیچے زیر): میرے مخلص دوست، راز دار، اور کرش: (کاف کے نیچے زیر اور را ساکن) کے معنیٰ ہیں: جگالی کرنے والے جانوروں کی اوجھ، جو انسان کے معدے کی طرح ہوتی ہے، و یقلون: (یاء پر زبر اور قاف کے نیچے زیر، باب ضرب سے) اور انصار کم ہوتے جائیں گے، تجاوزوا عن مسیئهم: اور ان کا بدکار جبکہ وہ اپنی لغزش پر کوئی معقول وجہ پیش نہ کر سکے، تو اسے معاف کرو، درگذر کردو۔

اہل بیت اور انصار میرے راز دار ہیں

مذکورہ احادیث میں اہل بیت رسول اور حضرات انصار کی فضیلت کا ذکر ہے، جس کی تفصیل یہ ہے:

۱۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل بیت اور انصار کے ساتھ اپنے خصوصی تعلق کا ذکر فرمایا، اس کے لیے تشبیہ کے طور پر آپ نے دو لفظ استعمال فرمائے ہیں: ایک لفظ عیبة اور دوسرا لفظ کرش، ان کے لغوی معنیٰ کی تشریح اوپر گذر چکی ہے، عیبة انسان کے قیمتی سامان کو اپنے اندر محفوظ کر لیتا ہے، اور ایسے ہی کرش یعنی جانوروں کی اوجھ، وہ ان کے کھانے کی اشیاء کو اپنے اندر محفوظ کرتی ہے، مقصود یہ ہے کہ جس طرح یہ دونوں چیزیں اپنے اندر اشیاء کو محفوظ کر لیتی ہیں، اسی طرح میرے اہل بیت اور انصار صحابہ، میرے راز دار اور انتہائی با اعتماد دوست ہیں، میری راز کی باتیں، بھید اور امانتیں ان کے پاس محفوظ رہتی ہیں، یہ انہیں نہ تو ظاہر کرتے ہیں اور نہ انہیں ضائع ہونے دیتے ہیں، یہ ان کے نیک اور مخلص ہونے کی دلیل ہے۔

بعض حضرات نے یہاں لفظ کرش سے جماعت کے معنیٰ مراد لیے ہیں، مطلب یہ ہے کہ میری خاص جماعت تو انصار ہی ہیں، جنہوں نے مدینہ میں ہمیں سہارا دیا اور دست راست بنے۔

۲۔ و ان الناس سیکثرون و یقلون: اس جملے سے اس طرف اشارہ ہے کہ عرب وعجم کے قبائل اور خاندان جوق در جوق دائرہ اسلام میں داخل ہوں گے، ان کی تعداد بہت بڑھ جائے گی، ان کے مقابلے میں انصار کی تعداد کم ہوگی۔(۱)

۳۔ حضرت ابو سعید خدری کی مذکورہ روایت میں ہے: و ان کرشي الانصار فاعفوا عن مسیئهم و اقبلوا من محسنهم، اس جملے میں یہ بات قابل غور ہے کہ لفظ مسیئهم اور محسنهم کی "هم" ضمیر کس طرف لوٹ رہی ہے؟ اس میں دو احتمال ہیں:

❁ ایک احتمال یہ ہے کہ "هم" ضمیر اہل بیت اور انصار دونوں کی طرف لوٹ رہی ہو جیسے قرآن مجید کی اس آیت میں ہے: هذان خصمان اختصموا، اس میں اختصموا کی ضمیر فاعل، خصمان کی طرف لوٹ رہی ہیں۔

❁ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ قرب کی وجہ سے هم ضمیر تو صرف انصار کی طرف لوٹ رہی ہو اور اس کے مفہوم میں آل بیت بھی داخل

---

(۱) فتح الباری ۷/۱۵۳، ۱۵۴ کتاب مناقب الانصار، باب قول النبی ﷺ: اقبلوا من محسنهم، مرقاۃ المفاتیح ۱۱/۳۶۲، کتاب المناقب باب جامع المناقب

ہوں، کیونکہ جب انصار کے برے سے درگذر اور نیک کے عذر کو قبول کرنے کا حکم ہے تو اہل بیت رسول کے لیے تو یہ حکم بطریق اولیٰ ثابت ہوگا۔

۴۔ فاقبلوا من محسنهم وتجاوزوا عن مسیئهم، اس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو خاص طور پر یہ حکم دیا ہے کہ اہل بیت اور انصار سے بھی کوئی غلطی ہوسکتی ہے، لہذا ایسے میں اگر وہ اپنی اس لغزش پر کوئی معقول عذر بتاتے ہیں تو ان سے وہ عذر قبول کرلو اور جو بغیر کسی وجہ کے کوئی غلط کام کرتا ہے، تو اس برے سے تم لوگ درگذر کا معاملہ کرلو، البتہ اگر کسی پر شرعی احکام کی رو سے کوئی حد ثابت ہوجائے یا اس پر لوگوں کے حقوق ہوں تو ان میں معافی شرعاً قبول نہیں، جب تک کہ وہ اپنے حقوق ادا نہ کرے یا اس پر حد جاری نہ ہوجائے۔ (۱)

ترمذی کی یہ روایات مختصر ہیں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کس وجہ سے انصار سے متعلق یہ کلام ارشاد فرمایا ہے، اس کی وجہ صحیح بخاری کی روایت میں موجود ہے، اس کا حاصل یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جس وقت مرض الوفات میں مبتلی تھے، اس موقع پر انصار بیٹھ کر رورہے تھے حضرت صدیق اکبر اور حضرت عباس، ان کے قریب سے گذرے، رونے کی وجہ پوچھی، تو انہوں نے بتایا کہ ہمیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس یاد آرہی ہے، آپ اگر اس دنیا سے تشریف لے گئے، تو پھر ہم آپ کی مجلس سے محروم ہوجائیں گے، حضرت صدیق اکبر یا حضرت عباس نے ان کی یہ بات آپ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچادی، آپ بیماری میں ہی سر پر کپڑا باندھ کر باہر تشریف لے آئے اور منبر پر بیٹھ گئے اور مذکورہ حدیث ارشاد فرمائی: ان الانصار کرشی ....، یہ آپ کا منبر پر آخری کلام تھا، اس کے بعد آپ منبر پر تشریف نہ لے جاسکے، یہاں تک کہ آپ اس دنیا سے ہمیشہ کے لیے پردہ فرماگئے صلی اللہ علیہ وسلم۔ (۲)

عَنْ سَعْدِ بْنِ أَبِي وَقَّاصٍ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ مَنْ يُرِدْ هَوَانَ قُرَيْشٍ أَهَانَهُ اللهُ۔ (۳)

حضرت سعد بن وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص قریش کی ذلت کا ارادہ کرے گا، اللہ تعالیٰ اسے ذلیل کردیں گے۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لِي: لَا يُبْغِضُ الْأَنْصَارَ أَحَدٌ يُؤْمِنُ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ. (۴)

حضرت عبد اللہ بن عباس سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: انصار سے وہ شخص بغض نہیں رکھتا، جو اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے۔

---

(۱) تحفۃ الاحوذی ۱۰/۳۷۳، مرقاۃ المفاتیح ۱۱/۳۸۳، کتاب المناقب باب جامع المناقب

(۲) فتح الباری ۷/۱۵۲؛ کتاب مناقب الانصار، باب قول اللہ: اقبلوا من محسنهم، رقم: ۳۷۹۹۔ تکملۃ فتح الملہم ۵/۲۷۹، کتاب فضائل الصحابۃ، باب من فضائل الانصار

(۳) المستدرک للحاکم ۴/۷۴۔

(۴) مسند احمد ۱/۳۰۹۔

قریش اور انصار کی توہین نہ کی جائے

ان احادیث میں قریش اور انصار کی فضیلت کا ذکر ہے، اور مسلمانوں کے لیے ان میں دو پیغام ہیں:

❁ انصار کے بارے میں ہر مسلمان اپنے دل کو صاف رکھے، بغض وعداوت اور دل میں ان سے متعلق کوئی میل کچیل نہ رکھے، یہی ایمان کامل کی علامت ہے۔

❁ علامہ مناوی فرماتے ہیں کہ محض "ارادے" سے سزا کا کوئی حکم ثابت نہیں ہوتا، اللہ کی عادت یہی ہے، اس لیے حدیث کا جملہ أهانه الله محض زجر اور توبیخ کے لیے ہے، تاکہ کوئی انسان قریش کی ذلت ورسوائی پر اقدام نہ کرے۔(۱)

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: اَللّٰهُمَّ أَذَقْتَ أَوَّلَ قُرَيْشٍ نَكَالًا فَأَذِقْ آخِرَهُمْ نَوَالًا۔(۲)

حضرت عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے اللہ! قریش کے ابتدائی لوگوں کو تو نے (قتل وقحط وغیرہ کے ذریعہ) عبرت ناک سزا کا مزہ چکھایا، اب ان کے پچھلے لوگوں کو (اپنی) بخشش وعطا چکھادے۔

مشکل الفاظ کے معنی: أذقت: تو نے مزہ چکھایا، أول قريش: قریش کے شروع کے لوگ، ابتدائی لوگ، نكال: (نون پر زبر) عبرتناک سزا، فأذق: (صیغہ امر) اب تو مزہ چکھادے، نوال: بخشش، عطاء۔

قریش کے لیے بخشش وعطا کی خصوصی دعا

ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش کے پچھلے لوگوں کے لیے خصوصی دعا فرمائی کہ یا اللہ قریش کے شروع کے لوگ کفر وشرک کی وجہ سے بڑی عبرتناک سزاؤں سے دوچار ہوئے ہیں، بدر واحد اور غزوہ احزاب میں ان کو عبرتناک شکست ہوئی، بہت سے لوگ ان کے قتل ہوئے، گرفتار ہوئے، قحط، مہنگائی اور ہر طرح کی ذلت ورسوائی کا انہوں نے سامنا کیا، وہ لوگ تو گذر گئے، اب جب قریش کے پچھلے لوگ سارے مسلمان ہوگئے ہیں تو ان پر اپنی نوازشات فرمادے، ان کو بخشش وعطا اتنی عطا فرمادے کہ وہ خوش ہوجائیں، چنانچہ اس دعا کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے قریش پر اپنا خصوصی فضل فرمایا، ان کو بین الاقوامی سطح پر عزت دنیک نامی حاصل ہوئی، امارت وحکومت اور خلافت کی مسندوں پر بیٹھ کر لوگوں کے حکمران بنے، اور مزید ایسے انعامات سے ان کو نوازا گیا کہ ان کو قلم کی نوک پر لانا مشکل ہے۔(۳)

---

(۱) تحفة الاحوذی ۳۷۴/۱۰

(۲) المعجم الكبير للطبرانی، رقم: ۲۰۱

(۳) مرقاة المفاتيح ۱۳۸/۱۱، كتاب المناقب باب مناقب قريش، الفصل الثانی، تحفة الاحوذی ۳۷۶/۱۰

عَنْ أَنَسٍ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِلأَنْصَارِ، وَلأَبْنَاءِ الأَنْصَارِ، وَلأَبْنَاءِ أَبْنَاءِ الأَنْصَارِ، وَلِنِسَاءِ الأَنْصَارِ. (۱)

حضرت انس سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے (انصار کے لیے) یہ دعا کی: اے اللہ انصار کی، انصار کے بیٹوں کی، ان کے پوتوں کی اور ان کی خواتین کی مغفرت فرما۔

انصار، ان کی اولاد اور خواتین کے حق میں مغفرت کی دعا

اس حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار، ان کی اولاد اور خواتین کے حق میں مغفرت کی دعاء کی ہے، اس حدیث کے ظاہر سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ مغفرت کی یہ دعا انصار کے بیٹوں اور پوتوں تک ہی محدود ہے، مگر یہ بھی ممکن ہے کہ ابناء کے لفظ سے ان کی قیامت تک کی تمام نسلیں مراد ہوں، کیونکہ ابناء کا لفظ اولاد کے معنی میں استعمال ہوتا ہے، جس میں عموم ہے، اس کی تائید حضرت انس کی روایت سے بھی ہوتی ہے، جو اس سے پہلے گذر چکی ہے، جس میں ذراری کا لفظ ہے جس کے معنی اولاد کے ہیں، اگر یہ عموم مراد لیا جائے، تو پھر مغفرت کی اس دعا میں انصار کی قیامت تک پیدا ہونے والی تمام اولاد، خواہ وہ مذکر ہو یا مؤنث، وہ اس دعا میں شامل ہوگی، یہ انصار کی ایک بہت بڑی فضیلت ہے۔ (۲)

بَابُ مَا جَاءَ فِي أَيِّ دُورِ الأَنْصَارِ خَيْرٌ

یہ باب اس بیان میں ہے کہ انصار کے گھروں یعنی قبائل میں سے کونسا قبیلہ بہتر ہے

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، يَقُولُ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَلاَ أُخْبِرُكُمْ بِخَيْرِ دُورِ الأَنْصَارِ، أَوْ بِخَيْرِ الأَنْصَارِ؟ قَالُوا: بَلَى يَا رَسُولَ اللهِ، قَالَ: بَنُو النَّجَّارِ، ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ بَنُو عَبْدِ الأَشْهَلِ، ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ بَنُو الحَارِثِ بْنِ الخَزْرَجِ، ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ بَنُو سَاعِدَةَ، ثُمَّ قَالَ بِيَدَيْهِ فَقَبَضَ أَصَابِعَهُ، ثُمَّ بَسَطَهُنَّ كَالرَّامِي بِيَدَيْهِ، قَالَ: وَفِي دُورِ الأَنْصَارِ كُلِّهَا خَيْرٌ. (۳)

حضرت انس بن مالک کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا میں تمہیں انصار کے گھروں یعنی قبائل میں سے بہترین قبیلہ نہ بتاؤں، یا یوں فرمایا کہ کیا میں تمہیں بہترین انصار نہ بتاؤں؟ صحابہ نے عرض کیا: جی ہاں! کیوں نہیں یا رسول اللہ (ضرور بتا دیجئے) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ بنی نجار ہیں، پھر وہ لوگ جو (اوصاف وخوبیوں میں) ان سے

(۱) مسند احمد ۳/۱۲۲۔

(۲) مرقاۃ المفاتیح ۱۱/۳۶۳، کتاب المناقب باب جامع المناقب، رقم: ۶۲۲۳

(۳) الصحیح للبخاری، کتاب الطلاق، باب اللعان، رقم: ۵۳۰۰۔

قریب ہیں یعنی بنی عبدالاشہل، پھر وہ لوگ جو ان سے (کمالات میں) قریب ہیں یعنی بنوالحارث بن خزرج، پھر وہ لوگ، جو ان سے قریب ہیں یعنی بنی ساعدہ، پھر آپ نے اپنے دونوں ہاتھوں سے اشارہ فرمایا اور اپنی انگلیاں بند کرلیں، پھر آپ نے ان انگلیوں کو کھول دیا، جیسے کوئی اپنے دونوں ہاتھوں سے کچھ پھینکتا ہے، اور آپ ﷺ نے فرمایا: انصار کے سب ہی قبائل میں خیر اور بھلائی ہے۔

عَنْ أَبِي أُسَيْدٍ السَّاعِدِيِّ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: خَيْرُ دُورِ الأَنْصَارِ دُورُ بَنِي النَّجَّارِ، ثُمَّ دُورُ بَنِي عَبْدِ الأَشْهَلِ، ثُمَّ بَنِي الحَارِثِ بْنِ الخَزْرَجِ، ثُمَّ بَنِي سَاعِدَةَ، وَفِي كُلِّ دُورِ الأَنْصَارِ خَيْرٌ، فَقَالَ سَعْدٌ: مَا أَرَى رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَّا قَدْ فَضَّلَ عَلَيْنَا، فَقِيلَ: قَدْ فَضَّلَكُمْ عَلَى كَثِيرٍ.(۱)

حضرت ابو اسید ساعدی کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: انصار کے قبیلوں میں سب سے بہتر قبیلہ بنی نجار ہے پھر بنو عبدالاشہل پھر بنی الحارث بن خزرج پھر بنی ساعدہ، اور انصار کے تمام قبائل میں خیر ہی ہے، سعد بن عبادہ کہنے لگے: میں دیکھ رہا ہوں کہ رسول اللہ ﷺ نے ہم پر (بعض قبائل کو) فضیلت (اور ترجیح) دی ہے، (یعنی ہمارے قبیلہ بنی ساعدہ کو ترتیب کے لحاظ سے چوتھے نمبر پر رکھا ہے) ان سے کہا گیا کہ تمہیں بھی تو نبی کریم ﷺ نے بہت سوں پر فضیلت دی ہے۔

عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: خَيْرُ دِيَارِ الأَنْصَارِ بَنُو النَّجَّارِ.(۲)

حضرت جابر بن عبداللہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: انصار کے گھروں یعنی قبائل میں سے بہترین قبیلہ بنو نجار کا ہے۔

عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: خَيْرُ الأَنْصَارِ بَنُو عَبْدِ الأَشْهَلِ.

حضرت جابر بن عبداللہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: انصار کے بہترین قبائل میں سے ایک بنو عبدالاشہل (بھی) ہے۔

مشکل الفاظ کے معنی: دور: (دال پر پیش اور واؤ ساکن) دار کی جمع ہے: اس کے اصل معنی تو گھر کے ہیں، یہاں اس لفظ سے: قبائل مراد ہیں، انصار کے قبیلے مدینہ منورہ میں اپنے الگ الگ محلوں میں رہتے تھے، اور جس محلے میں جو قبیلہ رہائش پذیر ہوتا، وہ اسی قبیلہ کے لحاظ سے "دار بنی فلاں" کے نام سے معروف ہوتا تھا، اور بعض اوقات لفظ "دار" کے بغیر بھی یوں کہا جاتا ہے: بنی النجار یا بنو عبدالاشہل وغیرہ، بخیر دور الانصار: انصار کے قبائل میں سب سے افضل قبیلہ، اس میں لفظ "خیر" افضل کے معنی میں ہے، ثم الذین یلونھم: پھر وہ لوگ جو فضل وکمال اور اوصاف میں ان کے قریب ہیں، ثم قال بیدیہ: پھر آپ نے اپنے دونوں ہاتھوں سے

---

(۱) الصحیح للبخاری، کتاب مناقب الأنصار، باب فضل دور الأنصار، رقم: ۳۷۸۹۔
(۲) کنز العمال، رقم: ۳۳۷۲۰۔

اشارہ کیا، ثم بسطھن: پھر آپ نے انگلیوں کو کھول دیا، الا قد فضل علینا: مگر یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض قبائل کو ہم پر برتری اور فضیلت دی ہے، خیر الانصار بنو عبدالاشھل: لفظ "خیر" سے پہلے لفظ "من" محذوف ہے: یعنی من خیر الانصار: انصار کے بہترین قبائل میں سے ایک بنوعبدالاشہل قبیلہ بھی ہے، وفی کل دور الانصار خیر: اس میں لفظ "خیر" اسم کے طور پر ہے، جس کے معنی شرف وفضل کے ہیں، انصار کے تمام قبیلوں میں فضل اور بہتری ہے دیگر اہل مدینہ کے مقابلے میں، قد فضلکم علی کثیر: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تم کو یعنی تمہارے قبیلہ کو بہت سے قبیلوں پر فضیلت دی ہے، دیار: دار کی جمع ہے: قبائل۔

انصار کے چار بہترین قبائل

یہ بات پیچھے گذر چکی ہے کہ انصار کے لوگ قبیلہ اوس اور خزرج سے ہیں، اور پھر انصار کے آپس میں بھی بہت سے قبیلے تھے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ انصار کے سب ہی قبیلے مدینہ کے اور قبیلوں کے مقابلے میں بہتر ہیں، ان میں شرف وفضل اور بھلائی ہے، مگر ان میں چار قبیلے سب سے عمدہ اور افضل ہیں، جن کو ان احادیث میں آپ نے ترتیب سے ذکر فرمایا ہے، ان کی تفصیل:

۱۔ بنی نجار (نون پر زبر اور جیم پر زبر اور تشدید) یہ قبیلہ خزرج میں سے ہیں، نجار سے مراد ہے: تیم اللہ بن ثعلبہ بن عمرو بن خزرج، اسے نجار اس لیے کہتے ہیں کہ اس نے ایک آدمی کو اس قدر مارا تھا کہ اسے لکڑی کی طرح چھیل دیا، اس لیے اسے نجار کہا جاتا ہے، بنی نجار، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ننھیال ہے، عبدالمطلب کی والدہ اس قبیلے سے تھیں، حضرت انس بھی اسی قبیلے سے ہیں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کے موقع پر مدینہ میں انہی کے ہاں ٹھہرے تھے، انصار کا یہ قبیلہ سب سے افضل ہے۔

۲۔ اس کے بعد قبیلہ بنی عبدالاشہل سب سے افضل ہے، یہ قبیلہ اوس میں سے ہیں، حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کا بھی قبیلہ تھا اور حضرت اسید بن حضیر اشہلی بھی اسی قبیلے کے ایک فرد ہیں۔

۳۔ پھر بنی الحارث بن خزرج، یہ قبیلہ خزرج میں سے ہیں۔

۴۔ پھر بنی ساعدہ، یہ بھی خزرجی ہیں، حضرت سعد بن عبادہ اس قبیلے کے سردار تھے۔(۱)

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی انگلیاں بند کرلیں اور پھر انہیں اس انداز سے کھولا، گویا کہ آپ کسی چیز کو پھینک رہے ہیں، عموماً کسی گہری سوچ میں انسان ایسا کرتا ہے، پھر آپ نے فرمایا: انصار کے سارے قبیلے ہی بہترین ہیں، مدینہ کے دیگر باشندوں سے یہ بہتر ہیں۔

حضرت سعد بن عبادہ نے جب یہ سنا کہ آپ نے ہمارے قبیلہ بنی ساعدہ کو فضیلت کے لحاظ سے چوتھے نمبر پر ذکر کیا ہے، تو کہنے لگے کہ میری سواری تیار کرو، میں اس بات کی تصدیق کے لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جاتا ہوں، مگر ان کے بھتیجے

---

(۱) تکملۃ فتح الملہم ۵/۲۸۰، کتاب فضائل الصحابۃ باب فی خیر دور الانصار، تحفۃ الاحوذی ۱۰/۳۷۷

حضرت سہل نے کہا کہ کیا آپ کے لیے اتنی بات کافی نہیں کہ قبیلہ بنی ساعدہ کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے چوتھے نمبر پر ذکر کیا ہے اور انصار کے دیگر تمام قبیلوں پر آپ کے قبیلے کو فضیلت دی ہے، ان کی بات سن کر اس وقت حضرت سعد نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جانے کو ملتوی کر دیا، چنانچہ صحیح مسلم کی روایت میں یہ تصریح ہے کہ حضرت سعد نے اپنے بھتیجے کی بات سن کر اپنے ارادے سے رجوع کر لیا، مگر صحیح بخاری میں ہے کہ حضرت سعد نے جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کی تو عرض کیا: یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ خُيِّرَ دُوْرُ الْأَنْصَارِ فَجُعِلْنَا اٰخِرًا فَقَالَ: أَوَلَيْسَ بِحَسْبِكُمْ أَنْ تَكُوْنُوْا مِنَ الْخِيَارِ، یا رسول اللہ انصار کے قبائل کو فضیلت دی گئی تو ہمارے قبیلے بنی ساعدہ کو آخر میں رکھا گیا، آپ نے فرمایا: تمہارے لیے یہ بات کافی نہیں کہ تمہارا قبیلہ بھی بہترین قبائل میں شامل ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت سعد نے اس موضوع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے گفتگو کی ہے، اپنی بات سے رجوع نہیں کیا، بظاہر دونوں احادیث میں تعارض ہے؟

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے ان روایات میں یوں تطبیق دی ہے کہ حضرت سعد نے اپنے بھتیجے کی بات سن کر اس وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس خاص اس مقصد کے لیے جانے کے ارادے کو ملتوی کر دیا، تاکہ آپ کے ساتھ گفتگو میں کوئی معارضہ اور بے ادبی نہ ہو جائے، کیونکہ اس وقت حضرت سعد نے یہ بات بہت محسوس کی ہوئی تھی کہ ہمارے قبیلے کو فضیلت کے اعتبار سے چوتھے نمبر پر کیوں رکھا گیا ہے، پھر بعد میں جب حضرت سعد نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کی تو اس وقت آپ سے اس بات کو ذکر کیا، تاکہ تصدیق ہو جائے کہ واقعی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی طرح فرمایا ہے، حضرت سعد کی بات کے جواب میں آپ نے فرمایا کہ یہ مت دیکھو کہ تمہارا قبیلہ بنی ساعدہ چوتھے نمبر پر ہے، بس اتنی بات ہی کافی ہے کہ تمہارا قبیلہ بھی انصار کے بہترین قبائل میں شامل ہے۔(۱)

امام ترمذی نے اس باب میں چار روایتیں ذکر کی ہیں،

ان میں پہلی تین اور چوتھی روایت میں ذرا تعارض ہے، پہلی تین روایات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ انصار کے قبائل میں سب سے افضل قبیلہ بنی النجار ہے، جبکہ چوتھی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ انصار میں افضل قبیلہ بنی عبدالاشہل ہے، اس کے دو جواب دیئے گئے ہیں:

۱۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جمہور کے نزدیک، حضرت انس کی روایت راجح ہے، جس میں بنو النجار کو سب سے افضل قبیلہ قرار دیا گیا ہے۔(۲)

۲۔ ترمذی کی چوتھی روایت: خیر الانصار بنو عبدالاشہل میں لفظ ''من'' محذوف ہے: یعنی من خیر الانصار، مطلب یہ ہے کہ

---

(۱) فتح الباری ۱۴۵/۷، کتاب مناقب الانصار باب فضل دور الانصار، رقم: ۳۷۹۱۔

(۲) فتح الباری ۱۴۵/۷، تکملۃ فتح الملہم ۲۸۲/۵

انصار کے بہترین قبائل میں سے ایک قبیلہ: بنی عبدالاشہل بھی ہے، ان تفصیل کی روشنی میں یہ تعارض ختم ہوجاتا ہے۔(۱)

بَابُ مَاجَاءَ فِي فَضْلِ الْمَدِينَةِ

یہ باب مدینہ منورہ کی فضیلت پر مشتمل احادیث کے بیان میں ہے

شہر مدینہ پر ایک تاریخی نظر

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ میں تشریف آوری سے پہلے اسے "یثرب" کہا جاتا تھا، چنانچہ قرآن مجید میں اس کا ذکر ہے: واذقالت طائفة منهم یا اهل یثرب، اس شہر کو یثرب کیوں کہا جاتا رہا، یہ نام اس کا کس وجہ سے رکھا گیا ہے؟ اس بارے میں مختلف اقوال ہیں:

۱۔ اس شہر کے ایک حصے کا نام یثرب تھا، پھر پورے شہر کو ہی یثرب کہا جانے لگا۔

۲۔ یمن سے قوم عمالقہ یہاں آکر آباد ہوگئی تھی، ان میں ایک آدمی کا نام یثرب تھا، اس سے اس شہر کا یہ نام پڑ گیا۔

۳۔ حضرت نوح علیہ السلام کی اولاد میں ایک شخص کا نام یثرب بن قانیہ تھا، انہوں نے یہاں رہائش اختیار کی، اس وجہ سے اس شہر کو یثرب کہا جاتا ہے۔

یمن کی عمالقہ قوم نے اس شہر کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک ہزار یا اس سے بھی پہلے آباد کیا تھا، پھر جب اہل سبا کا ڈیم ٹوٹا تو کئی آبادیاں تہس نہس ہوگئیں، جو لوگ باقی بچے تھے، انہوں نے آگے پیچھے رہنا شروع کردیا، یوں قبیلہ اوس، خزرج اور بنوالنجار وغیرہ مدینہ منورہ میں آباد ہوگئے۔(۲)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب ہجرت کرکے مدینہ منورہ میں تشریف لائے تو آپ نے اس کا "یثرب" نام بدل کر "مدینہ" رکھ دیا، بدلا اس لیے ہے کہ آپ کو ہر چیز کے اچھے نام پسند ہوتے تھے، اور لفظ یثرب کے معنیٰ زجر وتوبیخ، ملامت یا فساد کے ہیں، چونکہ یہ معنیٰ اچھے نہیں، اس لیے آپ نے اس کا نام تبدیل کردیا، اور بڑی سختی سے فرمایا کہ آئندہ اس شہر کو یثرب نہ کہا جائے، اور جو شخص اسے یثرب کہہ کر پکارے گا تو یہ اس کی غلطی شمار ہوگی، جس پر اسے استغفار کرنا ہوگا، اس پر یہ سوال ہوتا ہے کہ قرآن مجید کی مذکورہ آیت اور بخاری کی روایت میں بھی یثرب کا لفظ منقول ہے، اس پر گناہ ہوگا، اس کے دو جواب دیئے گئے ہیں:

۞ قرآن مجید کی آیت میں حکایت کے طور پر منافقین کی بات نقل کی گئی ہے، اس لیے اس پر کوئی گناہ نہیں، بلکہ قرآن کا لفظ ہونے کی وجہ سے اس میں ثواب ملتا ہے۔

---

(۱) تحفة الاحوذی ۳۸۰/۱۰

(۲) فتح الباری ۱۰۱/۴، کتاب فضائل المدینة باب حرم المدینة، عمدة القاری ۲۲۷/۱۰، کتاب فضائل المدینة، باب حرم المدینة

۞ احادیث میں یہ لفظ ممانعت کے حکم سے پہلے کا ہے، پھر جب آپ ﷺ نے اس سے منع فرما دیا، تو اس کے بعد کوئی شخص یثرب کا لفظ استعمال نہیں کرتا تھا۔(۱)

آپ ﷺ نے اس شہر کے بہت سے نام بیان فرمائے ہیں: مدینہ، طابہ، طیبہ، مطیبہ، مسکینہ، دار، جابرہ اور منیرہ وغیرہ، مشہور نام مدینہ منورہ ہی ہے۔(۲)

عَنْ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ، قَالَ: خَرَجْنَا مَعَ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتَّى إِذَا كَانَ بِحَرَّةِ السُّقْيَا، الَّتِي كَانَتْ لِسَعْدِ بْنِ أَبِي وَقَّاصٍ، فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ائْتُونِي بِوَضُوءٍ، فَتَوَضَّأَ، ثُمَّ قَامَ، فَاسْتَقْبَلَ الْقِبْلَةَ، فَقَالَ: اللَّهُمَّ إِنَّ إِبْرَاهِيمَ كَانَ عَبْدَكَ، وَخَلِيلَكَ، وَدَعَا لِأَهْلِ مَكَّةَ بِالْبَرَكَةِ، وَأَنَا عَبْدُكَ وَرَسُولُكَ، أَدْعُوكَ لِأَهْلِ الْمَدِينَةِ أَنْ تُبَارِكَ لَهُمْ فِي مُدِّهِمْ، وَصَاعِهِمْ مِثْلَيْ مَا بَارَكْتَ لِأَهْلِ مَكَّةَ، مَعَ الْبَرَكَةِ بَرَكَتَيْنِ.(۳)

حضرت علی بن ابی طالب فرماتے ہیں کہ ہم (ایک مرتبہ) نبی کریم ﷺ کے ساتھ نکلے، یہاں تک کہ جب آپ مقام سقیا کے کالے پتھروں والی اس زمین پر پہنچے، جو سعد بن ابی وقاص کی ملک تھی، تو آپ ﷺ نے فرمایا: میرے لیے وضو کا پانی لاؤ، چنانچہ آپ نے وضو کیا پھر آپ کھڑے ہو گئے اور منہ قبلہ کی طرف کر لیا اور پھر یہ دعا کی: اے اللہ! ابراہیم، تیرے بندے اور خاص دوست تھے، انہوں نے مکہ والوں کے لیے برکت کی دعا مانگی، میں بھی تیرا بندہ اور رسول ہوں، لہٰذا میں تجھ سے مدینہ والوں کے لیے دعا کرتا ہوں کہ تو ان کے مد اور صاع میں اس سے دوگنی برکت فرما، جو تو نے مکہ والوں کے لیے برکت فرمائی ہے، ایک برکت کے ساتھ دو برکتیں۔

مشکل الفاظ کے معنی: سقیا: (سین پر پیش اور قاف ساکن) مدینہ اور وادی صفراء کے درمیان ایک جگہ کا نام ہے، حرۃ: (حا پر زبر اور را پر تشدید) کالے پتھروں والی زمین، التی کانت لسعد: وہ زمین جو حضرت سعد بن ابی وقاص کی ملکیت میں تھی، وضو: (واؤ پر زبر) وضو کا پانی، خلیل: گہرا اور خالص دوست، یہ لفظ خلۃ سے ہے، جس کے معنی دوستی اور اس محبت کے ہیں، جو دل کی گہرائیوں تک پہنچی ہوئی ہو، مد: (میم پر پیش اور دال پر تشدید) ناپنے کا ایک قدیم پیمانہ، ہر علاقے کے لحاظ سے اس کی مقدار میں اختلاف ہوتا ہے، اہل حجاز کے نزدیک ایک مد: ایک رطل اور تہائی رطل کے برابر ہے اور اہل عراق اور احناف کے نزدیک ایک مد: دو رطل کے بقدر ہے، اور ایک رطل: 398:034 گرام یعنی تقریباً آدھے سیر کا ہوتا ہے، صاع: غلہ ناپنے کا ایک آلہ اور پیمانہ ہے، جو 3:18 کلوگرام کے بقدر ہوتا ہے، مثلی ما بارکت: اس سے دوگنی برکت دے، جو تو نے اہل مکہ کو عطا فرمائی ہے۔

---

(۱) شرح الزرقانی علی الموطا ۴/۲۹۸، کتاب الجامع باب ما جاء فی سکنی المدینة

(۲) فتح الباری ۴/۱۱۰، کتاب فضائل المدینة باب المدینة طابة، رقم الحدیث: ۱۸۷۲

(۳) مسند احمد ۱/۱۱۵۔

مدینہ کے لیے مکہ سے دوگنا برکت کی دعا

ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ مقام سقیا میں حضرت سعد کی کالے پتھروں والی زمین پر تشریف لے گئے، وہاں پر وضو کے بعد، قبلہ رخ ہوکر آپ ﷺ نے مذکورہ دعا فرمائی، کہ یا اللہ ابراہیم علیہ السلام آپ کے مخصوص بندے اور آپ کے گہرے دوست تھے، انہوں نے اہل مکہ کے لیے برکت کی یوں دعا کی: فاجعل افئدة من الناس تهوى اليهم وارزقهم من الثمرات لعلهم يشكرون (سورہ ابراہیم: آیت: ۳۷) آپ نے ان کی دعا قبول فرمائی، اس بے آب وگیاہ جگہ کو آباد کیا، لوگوں کے دل کھنچ کر وہاں آتے ہیں، اور وہاں پورا سال کھانے پینے کی ہر چیز اور ہر قسم کا پھل دستیاب ہوتا ہے، میں بھی آپ کا بندہ اور رسول ہوں، لہذا میں مدینہ والوں کے مد اور صاع میں برکت کی دعا مانگتا ہوں کہ آپ ان میں اہل مکہ سے دوگنی برکت عطا فرمادیں۔

قاضی عیاض فرماتے ہیں کہ ''برکۃ'' کے معنی: اضافہ، زیادتی، ثابت قدمی اور لزوم کے ہوتے ہیں، لہذا حدیث میں اس برکت سے دینی اور دنیاوی دونوں طرح کی برکت مراد ہوسکتی ہے، دینی برکت: یہ ہے کہ ان پیمانوں یعنی مد اور صاع سے جو پیداوار کھجور اور غلے وغیرہ ناپے جاتے ہیں، ان کے مالی حقوق پابندی اور ثابت قدمی سے ادا کئے جائیں، جیسے زکوۃ، صدقہ فطر اور دیگر کفارات وغیرہ، دنیاوی برکت: یہ ہے کہ مدینہ کے مال ودولت، کاروبار اور تجارت میں اضافہ اور ترقی حاصل ہو، تنگدستی کے بجائے خوشحالی آئے، مدینہ کی آبادی اور اسلامی فتوحات میں روز بروز وسعت اور اضافہ ہو، اللہ جل شانہ نے آپ کی اس دعا کو قبول فرمایا، اب یہ سب برکات مدینہ میں نظر آتی ہیں۔

امام نووی فرماتے ہیں کہ مد اور صاع میں برکت سے مراد یہ ہے کہ مدینہ کے ان پیمانوں میں اتنی برکت فرما کہ ایک مد اور ایک صاع غلہ اتنے زیادہ لوگوں کو کافی ہوجائے کہ مدینہ کے علاوہ کا صاع اور ایک مد غلہ ان لوگوں کو کافی نہ ہو، اس میں کوئی شک نہیں کہ نبی کریم ﷺ کے مد اور صاع میں بہت زیادہ برکت تھی، مگر حدیث میں ان سے عموم مراد ہے کہ جس زمانے میں جو پیمانہ بھی مدینہ میں استعمال ہو، اس کے لیے بھی برکت کی یہ دعا ہے۔(۱)

نبی کریم ﷺ نے اس دعا میں حضرت ابراہیم کی خصوصی صفت ذکر کی یعنی: وخليلك مگر اپنی خصوصی صفت حبیب اللہ کا ذکر نہیں فرمایا، بلکہ اپنے بارے میں یہ کہا: وانا عبدك ورسولك، اس سے آپ ﷺ کی عاجزی، تواضع اور انکساری ثابت ہوتی ہے، اگر آپ ﷺ اس صفت کا ذکر فرمادیتے تو بالکل بجا تھا، مگر تواضعاً آپ نے اسے ترک کیا۔(۲)

عَنْ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ، وَأَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَا: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَا بَيْنَ بَيْتِي وَمِنْبَرِي رَوْضَةٌ

---

(۱) فتح الباری ۴/۱۲۲، کتاب فضائل المدینۃ باب/رقم: ۱۸۸۵، شرح الزرقانی علی الموطا ۴/۲۹۱، کتاب الجامع باب الدعاء للمدینۃ، اوجز المسالک ۴/۱۴، کتاب الجامع، باب الدعاء للمدینۃ

(۲) مرقاۃ المفاتیح ۵/۶۲۲، کتاب المناسک، باب حرم المدینۃ۔

مِنْ رِيَاضِ الْجَنَّةِ.

حضرت علی اور حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میرے گھر یعنی حجرۂ عائشہ اور میرے منبر کے درمیان کا حصہ، جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: مَا بَيْنَ بَيْتِي وَمِنْبَرِي رَوْضَةٌ مِنْ رِيَاضِ الْجَنَّةِ.

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میرے گھر یعنی بیت عائشہ اور میرے منبر کے درمیان کا حصہ، جنت کے باغات میں سے ایک باغ ہے۔

وَبِهَذَا الإِسْنَادِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: صَلَاةٌ فِي مَسْجِدِي هَذَا، خَيْرٌ مِنْ أَلْفِ صَلَاةٍ فِيمَا سِوَاهُ مِنَ الْمَسَاجِدِ إِلَّا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ.

اسی سند سے یہ بھی منقول ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: مسجد حرام کے علاوہ، میری اس مسجد میں نماز دوسری کسی مسجد میں، ایک ہزار نمازیں پڑھنے سے بہتر ہے۔

دنیا میں جنت کا ایک باغ

مذکورہ احادیث میں نبی کریم ﷺ نے تین چیزیں بیان فرمائی ہیں:

۱۔ حجرہ عائشہ، جس میں اس وقت بھی آپ آرام فرما رہے ہیں اور میرے منبر کے درمیان کا حصہ، جنت کے باغات میں سے ایک باغ ہے، اس سے کیا مراد ہے، کیا یہ حقیقت میں ہی ایسا ہے، یا اس کے مجازی معنی مراد ہیں، اس بارے میں شارحین کے تین قول ہیں:

۞ بعض حضرات فرماتے ہیں کہ یہ حصہ حجر اسود کی طرح جنت سے اتارا گیا ہے، گویا یہ حقیقت میں جنت کا ایک باغ ہے پھر آخرت کے دن بعینہ اس مقام کو جنت میں منتقل کر دیا جائے گا۔

۞ بعض کے ہاں حرف تشبیہ محذوف ہے، اصل عبارت اس طرح ہے: کروضة من ریاض الجنة، یعنی یہ حصہ جنت کے باغ کی طرح ہے، مطلب یہ ہے کہ اس جگہ پر ذکر کرنے سے اللہ کی خصوصی رحمت نازل ہوتی ہے، جس طرح جنت کے باغ میں اللہ کی خصوصی رحمتیں متوجہ ہوتی ہیں۔

۞ بعض کے نزدیک اس جملے کے مجازی معنی مراد ہیں کہ جو شخص اس جگہ پر اللہ تعالیٰ کی عبادت اور صلاۃ وسلام پڑھتا ہے، یہ عمل اسے جنت میں لے جانے کا ذریعہ بنے گا۔

۲۔ و منبری علی حوضی اور میرا منبر: میرے حوض پر ہوگا، اس سے کیا مراد ہے؟ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس کے تین مطلب لکھے ہیں:

❁ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا دنیا کا یہ منبر، جس پر بیٹھ کر آپ یہ حدیث بیان فرمارہے تھے، اسکو قیامت کے دن حوض کوثر پر نصب کیا جائے گا۔

❁ بعض نے کہا کہ اس منبر سے وہ منبر مراد ہے، جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے قیامت کے دن حوض پر رکھا جائے گا۔

❁ بعض حضرات نے اس جملہ کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے منبر کے پاس جا کر، اللہ کی عبادت اور نیک اعمال کرنا، اسے آخرت میں حوض کوثر تک پہنچادے گا، اور اسے اللہ تعالیٰ یہ سعادت عطا فرمائیں گے کہ وہ حوض کوثر سے پانی پی سکے گا۔(۱)

۳۔ مسجد نبوی میں ایک نماز پر ایک ہزار نمازوں کا ثواب حاصل ہوتا ہے، اور مسجد حرام میں ایک نماز سے ایک لاکھ نمازوں کا ثواب دیا جاتا ہے۔

مکہ مکرمہ افضل ہے یا مدینہ منورہ

اس میں جمہور علماء کا اتفاق ہے کہ زمین کا وہ حصہ، جس کے ساتھ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا جسم مبارک لگا ہوا ہے، جہاں اس وقت آپ تشریف فرما ہیں، وہ جگہ آسمان وزمین، عرش رحمن، کرسی یہاں تک کہ بیت اللہ سے بھی افضل ہے، اس مخصوص جگہ کے علاوہ خیر القرون سے یہ اختلاف چلا آرہا ہے کہ ان دو شہروں میں سے کونسا شہر زیادہ فضیلت کا حامل ہے، اس بارے میں آئمہ کرام کے تین نقطہ نظر ہیں:

۱۔ جمہور علماء اور ائمہ کے نزدیک مکہ مکرمہ، مدینہ منورہ سے افضل ہے۔

۲۔ صحابہ میں سے حضرت عمر فاروق اور ائمہ میں سے امام مالک اور ان کے بعض پیروکاروں کی نظر میں مدینہ منورہ افضل ہے، امام سیوطی کا مسلک بھی یہی ہے۔

۳۔ حضرت شاہ ولی اللہ اور بعض حضرات نے قول مختار یہ ذکر کیا ہے کہ ذخیرۂ احادیث میں چونکہ دونوں شہروں سے متعلق فضائل منقول ہیں، اس لیے بہتر یہ ہے کہ اس بارے میں خاموشی اور توقف کیا جائے۔

جمہور کے دلائل

جمہور کے دلائل وہ تمام احادیث ہیں، جن میں مکہ مکرمہ کی فضیلت کا ذکر ہے، امام ترمذی رحمہ اللہ نے اس باب کے بعد باب فضل مکہ میں دو روایتیں ذکر کی ہیں، ان سے بھی جمہور کا موقف ثابت ہوتا ہے:

۱۔ حضرت عبداللہ بن عدی کی روایت ہے، جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مقام حزورہ پر کھڑے ہو کر فرمایا: اللہ کی قسم اے

---

(۱) فتح الباری ۱۲۵/۴، کتاب فضائل المدینۃ، باب، رقم: ۱۸۸۸۔

مکہ! تو اللہ کی ساری زمین سے بہتر اور اللہ کے نزدیک تمام روئے زمین سے مجھے زیادہ محبوب ہے، اگر مجھے یہاں سے نکالا نہ جاتا تو میں کبھی یہاں سے نہ جاتا۔

۲۔ حضرت عبداللہ بن عباس سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ سے فرمایا: تم کتنے اچھے شہر ہو اور کس قدر مجھے عزیز ہو، اگر میری قوم مجھے تجھ سے نہ نکالتی، تو میں کبھی تیرے علاوہ کسی اور جگہ رہائش اختیار نہ کرتا۔

۳۔ مسجد حرام میں ایک نماز کا اجر وثواب ایک لاکھ نماز کے برابر ہے، جبکہ مسجد نبوی میں ایک نماز کا اجر وثواب ایک ہزار، دوسری روایت کے مطابق دس ہزار، تیسری روایت کے مطابق پچاس ہزار نمازوں کے برابر ہے، یوں اجر وثواب کے لحاظ سے بھی مکہ مکرمہ افضل ہے۔(۱)

امام مالک رحمہ اللہ کے دلائل

امام مالک رحمہ اللہ نے درج ذیل روایات سے یہ استدلال کیا ہے کہ مدینہ منورہ افضل ہے:

۱۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایت جسے امام ترمذی رحمہ اللہ نے اس باب کے شروع میں ہی ذکر کیا ہے، اس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل مدینہ اور ان کے مد وصاع کے لیے یوں دعا کی کہ ان تبارک لهم فی مدهم وصاعهم مثلی ما بارکت لأهل مكة مع البركة بركتين، اور دوسری بعض روایتوں میں ہے: ومثله معه، اس میں آپ نے اہل مکہ کے مقابلے میں اہل مدینہ کے لیے دوگنا برکت کی دعا کی ہے، اور آپ کی دعا یقیناً قبول ہوئی ہے، اس سے معلوم ہوا کہ مدینہ منورہ، مکہ مکرمہ سے افضل ہے، اور صحیح بخاری میں اس دعا کے یوں الفاظ ہیں: اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ بِالْمَدِينَةِ ضِعْفَي مَا جَعَلْتَ بِمَكَّةَ مِنَ الْبَرَكَةِ۔

جمہور علماء نے اس استدلال کا یہ جواب دیا ہے کہ اس حدیث میں "برکة" سے دنیا کی برکتیں، مدینہ میں کاروبار اور اس کی روزی میں اضافہ مراد ہے، اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ ایک دوسری حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعا مانگی ہے: اللهم بارک لنا في شامنا، (اے اللہ ہمارے لئے ہمارے شام میں برکت عطا فرما) تو کیا اس سے شام کا تمام شہروں سے افضل ہونا ثابت ہوتا ہے، یقیناً ایسا نہیں، بلکہ اس سے بھی دنیا میں برکتیں اور مال ودولت اور ثمرات میں اضافہ مراد ہے۔(۲)

۲۔ باب فضل المدینۃ کی دوسری روایت: مابین بیتی و منبری روضة من ریاض الجنة، اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حجرہ عائشہ اور منبر رسول کے درمیان کی جگہ، جنت کا حصہ اور باغ ہے، اور ایک دوسری حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لَقَابُ قَوْسِ اَحَدِكُمْ فِي الْجَنَّةِ خَيْرٌ مِنَ الدُّنْيَا وَمَافِيهَا (تم میں سے کسی کے کمان کے وسط سے کنارے تک کے فاصلے

---

(۱) مرقاۃ المفاتیح ۲/۳۶۶ کتاب الصلاۃ باب المساجد ومواضع الصلاۃ، رقم: ۶۹۲۔

(۲) فتح الباری ۴/۱۲۲، کتاب فضائل المدینۃ، باب، شرح الزرقانی ۴/۲۹۳، کتاب الجامع، باب الدعاء للمدینۃ، الکوکب الدری ۴/۴۵۷، اوجز المسالک ۴/۷

کے بقدر یعنی تھوڑی سی بھی جگہ جنت میں مل جائے تو وہ دنیا و مافیہا سے بہتر ہے) جب جنت میں تھوڑی سی جگہ بھی دنیا و مافیہا سے افضل ہے اور حجرہ عائشہ اور منبر رسول کے درمیان کی جگہ جنت کا ایک ٹکڑا ہے، لہذا اس سے ثابت ہوتا ہے کہ مدینہ منورہ افضل ہے۔

ابن حزم فرماتے ہیں کہ مابین بیتی ومنبری..... میں جنت سے کیا مراد ہے؟ اس سے حقیقی معنی مراد ہیں یا مجازی:

۞ لفظ جنت سے مجازی معنی مراد ہیں، معنی یہ ہیں کہ اس مخصوص جگہ پر ذکر واذکار اور نماز جنت تک لے جانے کا ذریعہ بنیں گے، کیونکہ اگر حقیقی جنت مراد لی جائے تو اس کی صفت تو یہ ہے: ان لک الا تجوع فیہا و لا تعری (تجھ کو یہ ملا ہے کہ نہ بھوکا ہو تو اس میں اور نہ ننگا) حالانکہ دنیا میں ایسا نہیں ہوسکتا۔

۞ اور اگر اس سے حقیقی جنت مراد ہو تو پھر اس سے صرف اسی مخصوص جگہ کی فضیلت ثابت ہوتی ہے، اس سے پورے مدینہ کا مکہ مکرمہ سے افضل ہونا ثابت نہیں ہوتا۔ (۱)

۳۔ صحیح بخاری میں روایت ہے: نبی کریم ﷺ نے فرمایا: أُمِرْتُ بِقَرْيَةٍ تَأْكُلُ الْقُرَى، يَقُوْلُوْنَ يَثْرِبَ وَ هِيَ الْمَدِيْنَةُ تَنْفِي النَّاسَ كَمَا يَنْفِي الْكِيْرُ خَبَثَ الْحَدِيْدِ۔ (مجھے ایک ایسی بستی میں ہجرت کا حکم دیا گیا، جو تمام بستیوں کو کھا جائے گی یعنی تمام شہروں پر وہ غالب آجائے گی، لوگ اسے یثرب کہتے ہیں، جبکہ ہے وہ مدینہ، یہ مدینہ شریر لوگوں کو نکال دے گا جیسے بھٹی لوہے کے زنگ اور میل کو نکال دیتی ہے)۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے دو طرح سے استدلال کیا گیا ہے کہ مدینہ منورہ، مکہ مکرمہ سے افضل ہے:

۞ مدینہ منورہ سے لشکر کشی وغیرہ کے ذریعہ، اسلام چار دانگ عالم میں پھیلا، تمام شہروں پر یہ شہر غالب آگیا، اور اسی سے مکہ مکرمہ بھی فتح ہوا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ مدینہ افضل ہے۔

جمہور نے اس دلیل کا یہ جواب دیا ہے کہ جس لشکر نے مکہ مکرمہ کو فتح کیا تھا، اس میں اکثریت مہاجرین کی تھی، جو دراصل مکہ کے ہی تھے؛ اس لیے فضل و شرف دونوں شہروں کو حاصل ہے، اس سے ایک شہر کی دوسرے پر فضیلت ثابت نہیں ہوتی۔

ابن حزم فرماتے ہیں کہ یہ کوئی اصول اور ضابطہ نہیں کہ اگر ایک شہر دوسرے کسی شہر کے ذریعہ فتح ہوجائے تو یہ مفتوحہ شہر سے افضل ہوجائے، ورنہ تو یہ لازم آئے گا کہ بصرہ، خراسان اور بجستان سے افضل ہو، کیونکہ یہ دونوں شہر، بصرہ کے ذریعہ سے فتح ہوئے ہیں، لہذا یہ کہنا کہ مدینہ کے ذریعہ چونکہ مکہ فتح ہوا ہے، اس لیے مدینہ منورہ افضل ہے، یہ بات درست نہیں ہے۔

۞ دوسرا استدلال تنفی الناس کما ینفی الکیر سے ہے کہ مدینہ منورہ شریر لوگوں کو نکال دیتا ہے، یہ خصوصیت کسی اور شہر کی نہیں، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ مدینہ منورہ: مکہ مکرمہ اور دیگر تمام شہروں سے افضل ہے۔

حافظ نے اس استدلال کا یہ جواب دیا ہے کہ مدینہ سے شریر لوگوں کا نکلنا مخصوص لوگوں اور مخصوص وقت کے لحاظ سے

---

(۱) فتح الباری ۱۲۵/۴، کتاب فضائل المدینۃ، باب

ہے، ہر وقت کسی بھی آدمی کا نکلنا مراد نہیں، جیسے قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ومن اھل المدینۃ مردوا علی النفاق (اہل مدینہ میں سے بعض لوگ نفاق پر اڑے ہوئے ہیں) اس سے معلوم ہوا کہ تمام لوگوں کا ہر وقت نکلنا مراد نہیں، نبی کریم ﷺ کے بعد حضرت معاذ، ابوعبیدہ، عبداللہ بن مسعود اور دیگر بہت سے صحابہ کا دینی نقطہ نظر سے نکلنا ثابت ہے، اس سے یہ مراد نہیں، البتہ جو منافق اور کافر ہوں گے وہ نکلیں گے،(۱) کب نکلیں گے؟ اس بارے میں تین قول ہیں:

۞ قاضی عیاض فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں مدینہ سے نکلنا نبی کریم ﷺ کے زمانے کے ساتھ خاص تھا، کیونکہ اس وقت مدینہ کی رہائش اور ہجرت پر وہی صبر کر سکتا تھا، جس کا ایمان مضبوط ہوتا، اور ہر قسم کی آزمائش پر صبر کر لیتا۔

۞ امام نووی فرماتے ہیں کہ قرب قیامت میں ایسا اس وقت ہوگا، جب دجال مدینہ کے قریب اترے گا، مدینہ میں تین بار ایسا سخت زلزلہ آئے گا، جس سے ہر منافق اور کافر مدینہ سے نکل جائے گا، صرف مخلص مسلمان ہی باقی رہ جائیں گے۔(۲)

۞ حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ ہو سکتا ہے کہ دونوں اوقات میں ہی ایسا ہو، نبی کریم ﷺ کے زمانے میں بھی ہوا ہے اور قرب قیامت میں دجال کے زمانے میں بھی دوبارہ ایسا ہوگا، اس لیے مذکورہ دونوں باتوں میں کوئی تعارض نہیں۔

لہذا جب اس نکلنے سے مخصوص لوگوں کا ایک مخصوص وقت میں نکلنا مراد ہے تو پھر اس سے یہ استدلال کیسے کیا جا سکتا ہے کہ مدینہ منورہ افضل ہے۔(۳)

۴۔ مالکیہ کا چوتھا استدلال اس روایت سے ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اللہ تعالیٰ سے یوں دعا کی: اَللّٰھُمَّ اِنَّھُمْ أَخْرَجُوْنِیْ مِنْ اَحَبِّ الْبِلَادِ اِلَیَّ فَاَسْکِنِّیْ فِیْ اَحَبِّ الْبِلَادِ اِلَیْکَ (اے اللہ کفار نے مجھے اس شہر سے نکالا یعنی مکہ سے جو مجھے بہت محبوب تھا، لہذا اب مجھے ایک ایسے شہر میں رہائش دے، جو آپ کو زیادہ عزیز ہو) اس سے معلوم ہوا کہ مدینہ منورہ افضل ہے۔

ملا علی قاری رحمہ اللہ نے اس دلیل کے جواب میں دو باتیں ذکر کی ہیں:

۞ ابن عبداللہ، ابن دحیہ اور دوسرے حضرات فرماتے ہیں کہ یہ حدیث من گھڑت اور موضوع ہے، اس لیے یہ قابل استدلال نہیں۔

۞ اور اگر اسے درست تسلیم کر بھی لیا جائے، تب بھی اس کے معنی یہ ہیں کہ مکہ کے بعد جو شہر آپ کو محبوب ہو، کیونکہ خود نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں کہ مکہ مجھے بہت محبوب ہے، اس کی مزید تفصیل جمہور کے دلائل میں گذر چکی ہے۔(۴)

۵۔ مالکیہ کا پانچواں استدلال طبرانی کی اس روایت سے ہے: المدینۃ خیر من مکۃ: مدینہ مکہ مکرمہ سے بہتر ہے۔

---

(۱) فتح الباری ۱۰۹/۴، کتاب فضائل المدینۃ، باب فضل المدینۃ عمدۃ القاری ۲۳۵/۱۰

(۲) شرح مسلم للنووی ۴۴۴/۱، کتاب الحج، باب المدینۃ تنفی خبثھا۔

(۳) فتح الباری ۱۰۹/۴

(۴) مرقاۃ المفاتیح ۶۱۲/۵، کتاب المناسک باب حرم مکۃ، رقم: ۲۷۲۵

اس استدلال کے بھی دو جواب دیئے گئے ہیں:

- علامہ ذہبی فرماتے ہیں کہ طبرانی کی یہ روایت ضعیف بلکہ منکر ہے۔
- اور اگر اسے درست قرار دیا جائے تو پھر اس روایت کا مطلب یہ ہوگا کہ مدینہ اس وقت مکہ سے بہتر تھا، جس وقت نبی کریم ﷺ دنیا میں یہاں موجود تھے، آپ ﷺ کے بابرکت وجود سے اس شہر میں افضلیت پیدا ہوئی، پھر جب آپ اس شہر سے تشریف لے گئے، اور دنیا سے پردہ فرمالیا تو پھر شہر مکہ ہی مدینہ سے افضل ہے۔(۱)

مذکورہ تفصیل سے جمہور کا موقف اور زیادہ مضبوط اور پختہ ہو جاتا ہے کہ شہر مکہ شہر مدینہ سے افضل ہے، مگر چونکہ دونوں ہی شہر بابرکت ہیں اور دونوں سے متعلق احادیث میں فضائل آئے ہیں، اس لیے اس موضوع پر زیادہ بحث ومباحثہ نہ کیا جائے، بلکہ اپنے اعمال کی طرف توجہ کی جائے اور اس بارے میں توقف اور خاموشی اختیار کی جائے کہ یہی احتیاط پر مبنی ہے۔

عَنِ ابْنِ عُمَرَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَنِ اسْتَطَاعَ أَنْ يَمُوتَ بِالْمَدِينَةِ فَلْيَمُتْ بِهَا، فَإِنِّي أَشْفَعُ لِمَنْ يَمُوتُ بِهَا.(۲)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص اس بات کی طاقت رکھتا ہے کہ وہ مدینہ میں مرے، تو اسے چاہیے کہ وہ وہیں پر مرے، کیونکہ میں اس شخص کی (خصوصی) سفارش کروں گا، جو مدینہ منورہ میں مرے گا۔

مدینہ منورہ میں موت کی فضیلت

اس حدیث میں دو باتوں کا ذکر ہے:

۱۔ جو شخص اپنی زندگی کے آخری لمحات مدینہ منورہ میں گذار سکے، وہاں رہائش رکھنے میں کوئی مانع نہ ہو تو اسے چاہیے کہ وہ ایسا کرلے تا کہ اس کی وفات مدینہ منورہ میں ہو جائے۔

۲۔ یوں تو نبی کریم ﷺ عمومی شفاعت سب ہی مسلمانوں کے لیے فرمائیں گے، مگر جس کی وفات مدینہ میں ہوگی، اسے یہ اعزاز بھی حاصل ہوگا کہ آپ ﷺ اس کی خصوصی سفارش فرمائیں گے، چنانچہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ بڑے اہتمام سے یہ دعا مانگا کرتے تھے: اَللّٰهُمَّ ارْزُقْنِي شَهَادَةً فِي سَبِيلِكَ وَاجْعَلْ مَوْتِي بِبَلَدِ رَسُولِكَ (اے اللہ! مجھے اپنے راستے میں شہادت عطا فرمادے اور مجھے اپنے رسول ﷺ کے شہر مدینہ میں موت دینا) اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا قبول فرمالی۔(۳)

---

(۱) مرقاۃ المفاتیح ۵/۶۱۳

(۲) سنن ابن ماجۃ، کتاب المناسک، باب فضل المدینۃ، رقم: ۳۱۱۲۔

(۳) مرقاۃ المفاتیح ۵/۶۳۶، کتاب المناسک، باب حرم المدینۃ، رقم: ۲۷۵۰

اللہ جل شانہ سے درخواست ہے کہ بغیر کسی فضل وکمال کے محض اپنے فضل وکرم سے مجھے بھی اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے شہر میں شہادت کی موت عطا فرمادے، آمین یارب العالمین۔

عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ مَوْلَاةً لَهُ أَتَتْهُ، فَقَالَتْ: اشْتَدَّ عَلَيَّ الزَّمَانُ، وَإِنِّي أُرِيدُ أَنْ أَخْرُجَ إِلَى العِرَاقِ، قَالَ: فَهَلَّا إِلَى الشَّامِ، أَرْضِ المَنْشَرِ، اصْبِرِي لَكَاعِ، فَإِنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: مَنْ صَبَرَ عَلَى شِدَّتِهَا وَلَأْوَائِهَا، كُنْتُ لَهُ شَهِيدًا أَوْ شَفِيعًا يَوْمَ القِيَامَةِ. (۱)

حضرت عبداللہ بن عمر سے روایت ہے کہ ان کی ایک آزاد کردہ باندی ان کے پاس آئی اور اس نے عرض کیا: مجھ پر (فقر وتنگدستی کی وجہ سے) سخت وقت آگیا ہے، مین چاہتی ہوں کہ عراق کی طرف نکل جاؤں، عبداللہ بن عمر نے فرمایا: شام کیوں نہیں جاتی، جو ارض محشر ہے، ارے بیوقوف عورت تو صبر کر (اور مدینہ سے باہر نہ نکل) کیونکہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جو شخص مدینہ کی سختی اور معاشی تنگی پر صبر کرے گا، مین قیامت کے دن اس کے لیے گواہ اور سفارشی ہوں گا۔

مشکل الفاظ کے معنی: مولاۃ: آزاد کردہ باندی، اشتد علی: مجھ پر بڑا سخت وقت ہے، فھلا: کیوں نہیں، یہ ھل اور لا سے مرکب ہے، اسے کلمہ تحضیض کہا جاتا ہے، یہ کلمہ اگر صیغۂ ماضی پر داخل ہو تو کام نہ کرنے پر ملامت کے لیے آتا ہے، جیسے ھلا أمنت آخر تو ایمان کیوں نہیں لایا، اور جب یہ کلمہ فعل مضارع پر داخل ہو تو کسی فعل پر ابھارنے اور اکسانے کے لیے آتا ہے جیسے ھلا تؤمن: آخر تو ایمان کیوں نہیں لاتا یعنی تجھے ایمان ضرور لانا چاہیے، یہاں حدیث میں فھلا الی الشام میں اصل عبارت اس طرح ہے: فھلا تخرجین الی الشام تو شام تو کیوں نہیں چلی جاتی، گویا اسے شام جانے کی ترغیب دی جارہی ہے، أرض المنشر: سرزمین محشر جہاں سے قیامت کے دن مُردوں کو اٹھایا جائے گا، لکاع: (لام پر زبر اور عین مبنی بر کسرہ ہے): ارے بیوقوف عورت، ارے کمینی عورت، عورت کی حماقت اور بیوقوفی کے اظہار کے لیے یہ لفظ بولا جاتا ہے، علی شدتھا: مدینہ کی سختی پر، ولأواءھا: اور مدینہ کی معاشی تنگی پر۔

مدینہ کی سختی اور معاشی تنگی پر صبر کی فضیلت

اس حدیث سے مدینہ منورہ میں رہنے، اس کی ظاہری سختی اور معاشی تنگی برداشت کرنے کی فضیلت ثابت ہوتی ہے، حضرت عبداللہ بن عمر کی آزاد کردہ باندی معاشی تنگی کی وجہ سے عراق جانا چاہ رہی تھی، حضرت عبداللہ بن عمر نے پہلے تو اسے یہ کہا کہ اگر تم نے کہیں اور جانا ہی ہے تو شام چلی جاؤ، وہ محشر کی زمین ہے، اسی سے قبروں سے مردوں کو قیامت کے دن اٹھایا جائے گا، مگر پھر اس سے فرمایا کہ بیوقوف عورت تم کہیں اور جانے کا کیوں منصوبہ بنا رہی ہو، مدینہ میں ہی رہو، اس کی ہر طرح کی سختی اور معاشی تنگی

---

(۱) الصحیح لمسلم، کتاب الحج، باب الترغیب فی سکنی المدینۃ، رقم: ۱۳۷۷۔

پر صبر کرو، ایسے بندے کے لیے نبی کریم ﷺ گواہ بھی ہوں گے اور اس کی سفارش بھی فرمائیں گے۔

كنت له شهيدا أو شفيعا يوم القيامة، اس حدیث میں لفظ "او" استعمال ہوا ہے، اس سے کیا مراد ہے؟ اس بارے میں شارحین کے دو نقطۂ نظر ہیں:

۱۔ بعض کی رائے یہ ہے کہ اس حدیث میں اگر چہ لفظ "او" ہے مگر یہ "وَ" کے معنی میں ہے، مطلب یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ اس مدنی کے لیے گواہ اور سفارشی دونوں ہوں گے۔

۲۔ قاضی عیاض فرماتے ہیں کہ لفظ "او" اس حدیث میں شک کی وجہ سے نہیں ہے، بلکہ تقسیم کے لیے ہے، پھر حدیث کے اس جملے کا مطلب کیا ہوگا، اس کی تفصیل یہ ہے:

- اہل مدینہ میں سے بعض کے لیے نبی کریم ﷺ گواہ اور باقی اہل مدینہ کے لیے سفارشی ہوں گے۔
- گنہگاروں کے لیے آپ سفارش کرنے والے اور مدینہ کے اطاعت گذاروں کے لیے گواہ ہوں گے۔
- یا یہ کہ جو مدینہ کے باشندے نبی کریم ﷺ کی زندگی میں وفات پا گئے تھے، آپ ان کے لیے گواہ ہوں گے، اور آپ کی وفات کے بعد اہل مدینہ کے لیے آپ شفیع ہوں گے۔

یوں تو نبی کریم ﷺ پوری امت کے لیے گواہ اور شفیع ہوں گے، مگر اس حدیث میں خاص طور پر اہل مدینہ کے لیے جو گواہی اور سفارش کا ذکر ہے، یہ ان کی خصوصیت کی وجہ سے ہے، جیسے نبی کریم ﷺ نے شہداء احد کے لیے فرمایا: انا شهيد على هؤلاء، (میں ان پر گواہ ہوں گا) یہ بھی محض ان کی خصوصیت کی وجہ سے فرمایا ہے۔(۱)

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: آخِرُ قَرْيَةٍ مِنْ قُرَى الإِسْلَامِ خَرَابًا الْمَدِينَةُ.(۲)

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اسلام کے شہروں میں سب سے آخر میں مدینہ منورہ ویران ہوگا۔

مشکل الفاظ کے معنی: قری: (قاف پر پیش) قریۃ کی جمع ہے، بستی، شہر۔ خرابا: ویران، تباہ و برباد۔

قرب قیامت میں مدینہ سب سے آخر میں ویران ہوگا

اس حدیث میں نبی کریم ﷺ نے قرب قیامت میں مدینہ سے متعلق ایک پیشن گوئی فرمائی ہے کہ جب تمام شہر اور آبادیاں ویران اور اجڑ جائیں گی، تو سب سے آخر میں مدینہ تباہ اور بے آباد ہوگا، گویا اسلام کی عمارت کا دار و مدار مدینہ کی آبادی پر

---

(۱) شرح مسلم للنووی ۴۴۰/۱، کتاب الحج باب فضل المدینۃ ودعاء النبی صلی اللہ علیہ وسلم

(۲) کنز العمال، رقم: ۳۸۴۹۳۔

ہے، اور مدینہ کو یہ مقام نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود کی برکت سے حاصل ہوا ہے۔(۱)

عَنْ جَابِرٍ، أَنَّ أَعْرَابِيًّا بَايَعَ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى الإِسْلَامِ، فَأَصَابَهُ وَعْكٌ بِالمَدِينَةِ، فَجَاءَ الأَعْرَابِيُّ إِلَى رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: أَقِلْنِي بَيْعَتِي، فَأَبَى رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَخَرَجَ الأَعْرَابِيُّ ثُمَّ جَاءَهُ فَقَالَ: أَقِلْنِي بَيْعَتِي، فَأَبَى، فَخَرَجَ الأَعْرَابِيُّ، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنَّمَا المَدِينَةُ كَالكِيرِ تَنْفِي خَبَثَهَا وَتَنْصَعُ طَيِّبَهَا.(۲)

حضرت جابر بن عبد اللہ کہتے ہیں کہ ایک دیہاتی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر اسلام کی بیعت کی، پھر مدینہ میں ہی اسے (شدید) بخار ہوگیا، (جب اسے مدینہ میں رہنا مشکل ہوگیا) تو وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا: میری بیعت ختم کردیں، مگر آپ نے بیعت ختم کرنے سے انکار کردیا پھر وہ دیہاتی وہاں سے نکل آیا اور پھر آکر کہنے لگا: میری بیعت توڑ دیجئے، مگر آپ نے انکار کردیا تو اب وہ مدینہ سے نکل کر دیہات کی طرف چلا گیا، اس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مدینہ بھٹی کی طرح ہے، جو اپنے میل کو دور کردیتا ہے اور اپنے اچھے کو نکھار دیتا ہے۔

مشکل الفاظ کے معنی: وعک: (واؤ پر زبر اور عین ساکن) بخار، بخار کا درد، اس کی وجہ سے کانپنا، أصابه: اسے بخار پہنچا، أقلني بيعتي: (اقلال سے صیغہ امر): میری بیعت ختم کردیں، منسوخ کردیں، بيعة: عہد و پیمان، یہاں حدیث میں اسلام پر عہد و پیمان مراد ہے، كالكير: بھٹی کی طرح، تنفي: مدینہ دور کردیتا ہے، نکال دیتا ہے، خبثها: (خا اور با پر زبر) اپنے میل کچیل کو یعنی برے آدمی کو، تنصع: (باب تفعیل یا افعال) مدینہ مانجھ دیتا ہے، مزید صاف کردیتا ہے، نکھار اور سفید بنا دیتا ہے، طيبها: اپنے اچھے آدمی کو۔

مدینہ برے بندے کو نکال دیتا ہے

اس حدیث میں چار چیزوں کا ذکر ہے:

۱۔ حدیث میں "اعرابی" سے کون مراد ہے؟ حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ میں اس دیہاتی کے نام سے واقف نہیں ہوسکا، مگر زمخشری نے "ربیع الابرار" میں لکھا ہے کہ وہ قیس بن ابی حازم ہیں، لیکن یہ بات درست معلوم نہیں ہوتی، کیونکہ قیس بن ابی حازم مشہور تابعی ہیں، جن کے بارے میں تصریح ہے کہ وہ جس وقت ہجرت کرکے مدینہ منورہ پہنچے، اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہو چکی تھی، ہاں یہ ہوسکتا ہے کہ اس نام کا اور کوئی آدمی ہو، چنانچہ ابو موسیٰ مدینی نے "ذیل" میں لکھا ہے کہ اس نام کے ایک صحابی ہیں، ممکن ہے کہ اس اعرابی سے وہی مراد ہوں، صحابی کا نام تو قیس بن حازم ہے، ان کے والد کے نام میں کسی راوی نے "ابی" کا لفظ

(۱) مرقاة المفاتيح ۶۳۷/۵، كتاب المناسك باب حرم المدينة

(۲) الصحيح للبخاري، كتاب الأحكام، باب بيعة الأعراب، رقم: ۷۲۰۹۔

بھولے سے یا غلطی سے بڑھا دیا ہے۔(۱)

۲۔ اقلنی بیعتی، اس بیعت سے کون سی بیعت مراد ہے؟ اس میں دو قول ہیں:

حدیث کے ظاہر سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس سے بیعت اسلام مراد ہے کہ جو اس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر اسلام کی بیعت کی تھی، اسے وہ توڑنے کا کہہ رہا تھا۔

اس سے ہجرت پر بیعت مراد ہے، اس اعرابی نے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت اور آپ کے ساتھ وہاں رہنے پر، جو بیعت اور معاہدہ کیا تھا، اسے وہ ختم کرنا چاہ رہا تھا۔

قاضی عیاض کی رائے یہ ہے کہ اقالہ بیعت سے ''بیعت علی الاسلام'' مراد ہے، گویا وہ اسلام کی بیعت ختم کرنا چاہتا تھا، العیاذ باللہ لیکن بظاہر اس سے یہ مراد نہیں ورنہ تو وہ مرتد قرار پاتا اور واجب القتل ہوتا، چنانچہ ابن بطال فرماتے ہیں کہ اگر اس کا مقصد اسلام سے روگردانی اور ارتداد ہوتا، تو وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں نہ آتا، وہ آپ کے پاس اس لیے آیا ہے، تاکہ اسے آپ کی منشا حاصل ہو جائے، اس لیے صحیح یہی ہے کہ اس سے وہ اس بیعت کو توڑنے کا مطالبہ کر رہا تھا، جو اس نے ہجرت الی المدینہ پر کی تھی اور اس بات پر کہ وہ آپ کے ساتھ مدینہ میں رہے گا، کیونکہ اس وقت مدینہ کی طرف ہجرت، اسلام کی علامت تھی، اس کے خلاف کرنا جائز نہیں تھا، اگر کوئی مدینہ سے باہر جانا چاہتا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت لے کر جانا ضروری تھا، اس اعرابی کو جب بخار کی تکلیف ہوئی تو اس نے ہجرت پر بیعت کو توڑنا چاہا، مگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے انکار کر دیا، یہ گناہ تھا، جس پر آپ اس کی مدد نہیں کر سکتے تھے، آپ نے جب اس کی بات نہ مانی تو وہ بغیر اجازت کے ہی مدینہ منورہ سے نکل کر اپنے دیہات کی طرف چلا گیا، یوں وہ مدینہ سے نکلنے کی وجہ سے گنہگار ہوا، ہو سکتا ہے کہ اسے یہ معلوم نہ ہو کہ ہجرت الی المدینہ، اور یہاں رہنا ضروری ہے، اور وہ بیماری کی وجہ سے اپنے آپ کو معذور سمجھ رہا ہو، اس لیے وہ مدینہ سے چلا گیا۔

۳۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بعد میں جب پتہ چلا کہ وہ اعرابی چلا گیا ہے، تو آپ نے فرمایا کہ مدینہ لوہے کی بھٹی کی طرح ہے، وہ بھٹی جس طرح لوہے کے میل اور زنگ کو دور کر دیتی ہے، اسی طرح مدینہ اپنے ہاں سے برے بندہ کو نکال دیتا ہے، اور جو اچھا ہوتا ہے اسے مانجھ دیتا ہے، اور زیادہ اجالا اور سفید بنا دیتا ہے، اس سے گند نکال کر اسے ایک قیمتی جوہر اور انسان بنا دیتا ہے۔

اس پر ایک سوال ہوتا ہے کہ منافقین تو مدینہ منورہ میں ہی رہتے تھے، انہیں تو مدینہ نے نہیں نکالا، حالانکہ وہ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کو بہت تنگ کرتے تھے؟

علامہ عینی نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ منافقین تو مدینہ میں اس لیے رہتے تھے کہ وہ ان کا اصلا آبائی وطن تھا، اسلام کی وجہ سے یا اسلام کی محبت کی وجہ سے نہیں رہتے تھے، حدیث میں اس طرح کے لوگوں کا نکلنا مراد نہیں، بلکہ اس سے وہ لوگ مراد

(۱) فتح الباری ۱۲۰/۴، کتاب فضائل المدینة باب المدینة تنفی الخبیث، شرح الزرقانی ۲۹۵/۴، کتاب الجامع باب ما جاء فی سکنی المدینة

ہیں، جنہوں نے اسلام کی وجہ سے مدینہ کی رہائش کو اختیار کیا، پھر ان کے دل میں کوئی فتور اور فساد آ گیا تو مدینہ ایسے لوگوں کو نکال دیتا ہے؛(۱) یہ نکالنا آیا صرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے کے ساتھ خاص تھا یا بعد میں بھی ایسا ہوگا؟ اس کی تفصیل پیچھے اس عنوان کے تحت گذر چکی ہے: "امام مالک رحمہ اللہ کے دلائل" دلیل نمبر تین کی تشریح میں دیکھ لیں۔

۴۔ اس حدیث سے مدینہ منورہ کی فضیلت ثابت ہوتی ہے کہ وہ برے بندوں کو نکال دیتا ہے اور اچھے انسانوں کو اپنے ہاں جگہ دیتا ہے، نیز اس حدیث سے درج ذیل فوائد ثابت ہوتے ہیں:

- دین کی خاطر اگر انسان پر کوئی آزمائش آجائے تو اس پر صبر کرنا چاہیے۔
- اپنی اصلاح کی خاطر کسی متبع سنت کے ہاتھ پر بیعت کرنا ایک مسنون عمل ہے، اس کی رہنمائی میں زندگی گذارتا رہے، یوں اسے اللہ جل جلالہ کا خصوصی قرب حاصل ہوگا۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّهُ كَانَ يَقُولُ: لَوْ رَأَيْتُ الظِّبَاءَ تَرْتَعُ بِالْمَدِينَةِ مَا ذَعَرْتُهَا، إِنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: مَا بَيْنَ لَابَتَيْهَا حَرَامٌ.(۲)

حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ اگر میں مدینہ منورہ میں ہرن چرتے ہوئے دیکھوں تو میں ان کو خوفزدہ نہیں کروں گا (یعنی ان کا شکار نہیں کروں گا، اور نہ ان کو پکڑوں گا) اس لیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو مدینہ کے دو حرے یعنی دو پتھریلی زمینوں کے درمیان جگہ ہے، وہ حرم ہے۔

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ طَلَعَ لَهُ أُحُدٌ، فَقَالَ: هَذَا جَبَلٌ، يُحِبُّنَا وَنُحِبُّهُ، اللَّهُمَّ إِنَّ إِبْرَاهِيمَ حَرَّمَ مَكَّةَ، وَإِنِّي أُحَرِّمُ مَا بَيْنَ لَابَتَيْهَا.(۳)

حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے (ایک سفر سے واپسی پر) احد پہاڑ ظاہر ہوا (یعنی نظر آیا) تو آپ نے فرمایا: یہ ایسا پہاڑ ہے، جو ہم سے محبت کرتا ہے اور ہم اس سے محبت کرتے ہیں، اے اللہ! ابراہیم نے مکہ کو حرم قرار دیا ہے اور میں اس جگہ کو حرم قرار دیتا ہوں، جو مدینہ کی دو پتھروں والی زمین کے درمیان ہے۔

مشکل الفاظ کے معنی: ظباء: ظبی کی جمع ہے: ہرن، ما ذعرتها: میں ان ہرنوں کو خوفزدہ نہیں کروں گا یعنی ان کا شکار نہیں کروں گا اور نہ ہی ان کو پکڑوں گا، ترتع: ہرن چر رہے ہوں، مابین لابتيها: لابة: کالے پتھروں والی زمین کو کہتے ہیں، مدینہ کی

(۱) عمدة القاری ۱۰/۲۴۶، كتاب الحج باب المدينة تنفى الخبيث، فتح البارى ۱۴/۲۴۸، كتاب الاحكام باب بيعة الاعراب، الكوكب الدرى ۴/۴۵۹

(۲) الصحيح للبخاری، كتاب فضائل المدينة، باب لابتى المدينة، رقم: ۱۸۷۳۔

(۳) الصحيح للبخاری، كتاب الجهاد، باب فضل الخدمة فى الغزو، رقم: ۲۸۸۹۔

دو جانبیں ایسی ہی ہیں ایک قبا کی طرف ہے اور دوسری جبل احد کی طرف ہے، طلع: ظاہر ہوا، نظر آیا، حرم مکة: مکہ کو حرم قرار دیا، انی احرم: میں بھی محترم قرار دیتا ہوں، حرم ٹھہراتا ہوں۔

حرم مدینہ کا حکم

مذکورہ احادیث میں مدینہ منورہ کے حرم کا ذکر ہے، ائمہ مذاہب کے درمیان حرم مدینہ کے بارے میں اختلاف ہے:

۱۔ ائمہ ثلاثہ فرماتے ہیں کہ حرم مدینہ بھی حرم مکہ کی طرح ہے، حرم کی حدود کے اندر شکار کرنا، درخت اور گھاس وغیرہ کاٹنا جائز نہیں ہے، مگر ان حضرات کے نزدیک بھی حرم مدینہ، حرم مکہ سے دو چیزوں میں مختلف ہے:

۞ ممانعت کے باوجود اگر کوئی شخص حرم مدینہ سے درخت وغیرہ کاٹ لے یا شکار کر لے، یا جانوروں کے چارے کے لیے گھاس کاٹ لے تو اس آدمی پر کوئی جزاء واجب نہیں، جبکہ حرم مکہ میں ایسا کرنے سے جزاء واجب ہوتی ہے۔

۞ جو شخص مدینہ کے باہر سے کوئی شکار کر کے لائے اور پھر وہ حرم مدینہ میں داخل ہو جائے تو اسے چھوڑنا ضروری نہیں۔

ان حضرات کا استدلال امام ترمذی کی مذکورہ روایات اور اس طرح کی اور روایات سے ہے، جن میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کے دونوں اطراف کو حرم قرار دیا ہے۔

۲۔ عبداللہ بن مبارک، سفیان ثوری اور احناف فرماتے ہیں کہ مکہ مکرمہ کی طرح مدینہ منورہ کا حرم نہیں ہے، لہذا مدینہ میں شکار کرنا اور درخت وغیرہ کاٹنا جائز ہے، ان کا استدلال درج ذیل روایات سے ہے:

۞ حضرت انس کی ایک روایت ہے، جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے چھوٹے بھائی ابو عمیر سے فرمایا: یا ابا عمیر ما فعل النغیر، نغیر بلبل یا بلبل کی طرح ایک پرندہ ہے، اس سے وہ کھیلتے تھے، اگر حرم مدینہ میں پرندے کو قید میں رکھنا جائز نہ ہوتا تو آپ یقیناً اسے چھوڑنے کا حکم دے دیتے، آپ نے ایسا نہیں کیا۔

۞ حضرت سلمہ بن اکوع نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے شکار کر کے لاتے تھے، ایک دفعہ انہوں نے آنے میں تاخیر کی، تو آپ نے تاخیر سے آنے کی وجہ پوچھی، تو انہوں نے عرض کیا: شکار دور چلا گیا تھا، اس لیے تاخیر ہو گئی۔

۞ حضرت انس کی روایت میں ہے کہ جس وقت مسجد نبوی کی تعمیر ہوئی تھی تو مدینہ کی کھجوروں کے درختوں کو کاٹ کر مسجد کی چھت کا بندوبست کیا گیا، اگر حرم مدینہ کے احکام، حرم مکہ کی طرح ہوتے، تو آپ ان درختوں کے کاٹنے کی اجازت نہ دیتے۔

احناف، جمہور کی مستدل روایات کا مفہوم یہ بتاتے ہیں کہ ان میں حرم مدینہ سے اصطلاحی حرم مراد نہیں، بلکہ لغوی معنی مراد ہیں یعنی آپ نے مدینہ کو محترم اور عظمت والا قرار دیا ہے، چنانچہ ہر مسلمان اس کی تعظیم اور ادب و احترام کا قائل ہے بلکہ اس کو اپنی سعادت سمجھتا ہے، اس کی تائید حضرت عبداللہ بن عمر کی ایک روایت سے ہوتی ہے، جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کے ٹیلوں کو منہدم کرنے سے منع فرمایا ہے کہ وہ اس شہر کی زینت اور حسن کا باعث ہیں، اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کے درختوں،

گھاس اور شکار سے منع کیا، تاکہ اس کا حسن دوبالا ہو جائے، اس کے یہ معنی نہیں کہ حرم مدینہ بھی احکام کے لحاظ سے حرم مکہ کی طرح ہے۔(۱)

هذا جبل يحبنا، امام نووی فرماتے ہیں کہ صحیح یہی ہے کہ جبل احد حقیقت میں ہم سے محبت کرتا ہے، اللہ جل جلالہ نے اس میں شعور رکھا ہے، جس کی وجہ سے وہ محبت کرتا ہے، جیسے بعض پتھر اللہ کے خوف سے گر پڑتے ہیں: و ان منها لما يهبط من خشية الله، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو شجر و حجر سلام کرتے تھے، آپ کے دست مبارک میں کنکریاں تسبیح کرتی تھیں، شہتیر کی لکڑ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی جدائی سے سسکیاں مار کر رونے لگی وغیرہ، اس طرح کے بہت سے واقعات ہیں، اس لیے جمہور کے نزدیک یہی قول راجح ہے کہ جبل احد حقیقت اور واقع میں ہم سے محبت کرتا ہے، کیونکہ یہ جنت کے پہاڑوں میں سے ہے۔(۲)

ما ذعرتها: میں ان ہرنوں کا ادب و احترام کی بناء پر شکار نہیں کروں گا، اور نہ ہی انہیں پکڑوں گا، اور نہ انہیں گھبراہٹ میں ڈالوں گا۔(۳)

عَنْ جَرِيرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: إِنَّ اللهَ أَوْحَى إِلَيَّ: أَيَّ هَؤُلَاءِ الثَّلَاثَةِ نَزَلْتَ فَهِيَ دَارُ هِجْرَتِكَ: الْمَدِينَةَ، أَوِ الْبَحْرَيْنِ، أَوْ قِنَّسْرِينَ.(۴)

حضرت جریر بن عبداللہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے مجھ پر وحی نازل کی کہ ان تین جگہوں میں سے آپ جہاں بھی جا کر (رہائش کے لیے) اتریں گے، وہی آپ کا دار الہجرۃ ہوگا: مدینہ منورہ یا بحرین یا قنسرین۔

ہجرت کے لیے مدینہ منورہ کا تعین

پہلے اللہ جل جلالہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مقام ہجرت کے بارے میں تین شہروں کے درمیان اختیار دیا تھا کہ آپ ان میں سے جس کو بھی منتخب کرلیں، جہاں آپ رہائش اختیار کرلیں گے، وہی آپ کی ہجرت کی جگہ اور مقام ہجرت ہوگا، مگر بعد میں اللہ تعالیٰ نے ہجرت کے لیے مدینہ منورہ کو ہی متعین کر دیا تھا، اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ کی طرف ہی ہجرت فرمائی ہے، اور اس کو دار الہجرہ بنایا ہے، بحرین سے کون سا شہر مراد ہے؟ اس بارے میں تین قول ہیں: (۱) بحرین: بصرہ اور عمان کے درمیان ایک جگہ ہے۔ (۲) بعض کے نزدیک اس سے یمن کا مشہور شہر مراد ہے۔ (۳) بحر عمان کا ایک جزیرہ ہے، اور قنسرین، شام کا ایک شہر

---

(۱) أوجز المسالک علی الموطأ ۳۲/۴، کتاب الجامع باب ما جاء في تحريم المدينة،

(۲) شرح الزرقاني على الموطأ ۳۰۳/۴، شرح مسلم للنووی، ۴۴۶/۲، کتاب الحج باب فضل أحد۔

(۳) تحفة الأحوذي ۳۸۸/۱۰

(۴) المستدرک للحاکم ۳/۳۔

ہے۔(۱)

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: لَا يَصْبِرُ عَلَى لَأْوَاءِ المَدِينَةِ وَشِدَّتِهَا أَحَدٌ إِلَّا كُنْتُ لَهُ شَفِيعًا أَوْ شَهِيدًا يَوْمَ القِيَامَةِ. (۲)

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: مدینہ کی معاشی تنگی اور سختی پر جو صبر کرے گا، میں اس کے لیے قیامت کے دن گواہ اور سفارش کرنے والا ہوں گا۔

مدینہ طیبہ کی سختی برداشت کرنے کی فضیلت

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جو شخص مدینہ منورہ کی رہائش کے دوران، اس کی سختی اور معاشی تنگی پر صبر کرے گا، کوئی گلہ شکوہ اور جزع فزع نہیں کرے گا، اسے یہ سعادت حاصل ہوگی کہ قیامت کے دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس کے لیے گواہ بھی ہوں گے اور اس کے حق میں سفارش بھی کریں گے۔

اس حدیث سے متعلق مزید تفصیل چند صفحات پہلے اس عنوان میں دیکھیے: "مدینہ کی سختی اور معاشی تنگی پر صبر کی فضیلت"

بَابٌ فِي فَضْلِ مَكَّةَ

یہ باب مکہ مکرمہ کی فضیلت کے بیان میں ہے

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَدِيِّ بْنِ حَمْرَاءَ، قَالَ: رَأَيْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاقِفًا عَلَى الحَزْوَرَةِ فَقَالَ: وَاللّٰهِ إِنَّكِ لَخَيْرُ أَرْضِ اللّٰهِ، وَأَحَبُّ أَرْضِ اللّٰهِ إِلَى اللّٰهِ، وَلَوْلَا أَنِّي أُخْرِجْتُ مِنْكِ مَا خَرَجْتُ. (۳)

حضرت عبداللہ بن عدی بن حمراء زہری کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو (مکہ کے) مقام حزورہ پر کھڑے ہوئے دیکھا، آپ نے (مکہ مکرمہ سے) فرمایا: اللہ کی قسم واقعی تو اللہ کی ساری زمین سے بہتر ہے، اور اللہ کے ہاں پوری زمین سے زیادہ محبوب ہے، اگر مجھے تم سے نکالا نہ جاتا تو میں تم سے کبھی نہ نکلتا۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِمَكَّةَ: مَا أَطْيَبَكِ مِنْ بَلَدٍ، وَأَحَبَّكِ إِلَيَّ، وَلَوْلَا أَنَّ قَوْمِي أَخْرَجُونِي مِنْكِ مَا سَكَنْتُ غَيْرَكِ. (۴)

---

(۱) مرقاۃ المفاتیح ۲۳۷/۵، کتاب المناسک باب حرم المدینة

(۲) الصحیح لمسلم، کتاب الحج، باب الترغیب فی سکنی المدینة، رقم: ۱۳۷۸۔

(۳) سنن ابن ماجة، کتاب المناسک، باب فضل مکة، رقم: ۳۱۰۸۔

(۴) المستدرک للحاکم ۴۸۶/۱۔

حضرت عبداللہ بن عباس کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ سے فرمایا: تو کس قدر اچھا شہر ہے اور تو مجھے بہت ہی پیارا ہے، اگر مجھے میری قوم (قریش) کے لوگ تم سے نہ نکالتے تو میں تمہارے علاوہ کسی بھی جگہ سکونت اختیار نہ کرتا۔

مشکل الفاظ کے معنی: حزورة: (حا پر زبر، زا ساکن، واؤ اور را پر زبر) مکہ مکرمہ میں ایک جگہ ہے، بعض کہتے ہیں کہ یہ ایک چھوٹا سا ٹیلا تھا، اس پر کھڑے ہو کر آپ نے مذکورہ حدیث ارشاد فرمائی، لخیر ارض اللہ: اللہ کی ساری زمین سے بہتر، ما أطیبک: یہ تعجب کا صیغہ ہے: کس قدر تو اچھا شہر ہے، تو کتنا اچھا شہر ہے، و احبک الی: اور تو مجھے بہت ہی پیارا ہے، ماسکنت غیرک: میں تیرے علاوہ کسی اور جگہ کو رہائش کے لیے منتخب نہ کرتا۔

فتح مکہ سے واپسی پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا شہر مکہ سے خطاب

مذکورہ احادیث سے درج ذیل امور ثابت ہوتے ہیں:

۱۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ سے واپسی پر مکہ مکرمہ سے حسرت بھرا کلام فرمایا کہ تم بہت اچھے شہر ہو، اللہ کے ہاں تم سب سے بہتر شہر ہو اور مجھے بھی بہت پسند ہو، میری قریش قوم اگر یہاں سے مجھے ہجرت کرنے پر مجبور نہ کرتی تو میں کبھی یہاں سے نہ جاتا۔

۲۔ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ شہر مکہ، شہر مدینہ سے افضل ہے، اس کی تفصیل پہلے گذر چکی ہے۔(۱)

۳۔ جس شخص کو اللہ تعالی مکہ مکرمہ میں رہنے کی توفیق عطا فرمادیں تو وہ اسے بہت بڑی سعادت سمجھے، عبادات میں مشغول رہے اور گناہوں سے بچنے کا مکمل اہتمام کرے، دینی تقاضے یا قانونی مجبوری کے بغیر ہرگز وہاں سے منتقل نہ ہو، اللہ تعالی محض اپنے فضل سے مجھے بھی یہ سعادت عطا فرمادے، آمین یارب العالمین۔

بَابٌ فِي فَضْلِ العَرَبِ

یہ باب عرب کی فضیلت کے بیان میں ہے

عَنْ سَلْمَانَ، قَالَ: قَالَ لِي رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: يَا سَلْمَانُ لَا تُبْغِضْنِي فَتُفَارِقَ دِينَكَ، قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللهِ: كَيْفَ أُبْغِضُكَ، وَبِكَ هَدَانَا اللهُ؟ قَالَ: تُبْغِضُ العَرَبَ فَتُبْغِضُنِي.(۲)

حضرت سلمان فارسی کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے سلمان! مجھ سے بغض نہ رکھنا ورنہ تم اپنے دین سے جدا ہو جاؤ گے، میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! میں آپ سے کیسے بغض رکھ سکتا ہوں، حالانکہ آپ کے ذریعہ اللہ تعالی

(۱) مرقاة المفاتیح ۶۱۲/۵، کتاب المناسک، باب حرم مکة، رقم: ۲۷۲۵۔

(۲) المستدرک للحاکم ۸۶/۴۔

نے ہمیں ہدایت دی ہے (یعنی دین کا راستہ دکھایا ہے) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (اگر) تم عرب سے بغض رکھو گے تو گویا کہ مجھ سے بغض رکھو گے۔

عربوں سے بغض گویا نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بغض ہے

اس حدیث میں اہل عرب کی فضیلت کا ذکر ہے کہ ان سے دشمنی اور بغض نہ رکھو، وہ اعمال کے لحاظ سے خواہ کتنے ہی کمزور ہوں، تب بھی ان سے خیر خواہی رکھو، ان سے بغض رکھنا گویا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بغض رکھنا ہے، کیونکہ آپ بھی عرب میں سے ہیں، یوں بغض رکھنے سے تمہارے ہاتھ سے ایمان بھی جا سکتا ہے، اس لیے ہر موقع پر عربوں کا تذکرہ اچھے انداز سے ہی کیا جائے، ان سے دشمنی ہرگز نہ کی جائے۔(۱)

عَنْ عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم: مَنْ غَشَّ الْعَرَبَ لَمْ يَدْخُلْ فِي شَفَاعَتِي وَلَمْ تَنَلْهُ مَوَدَّتِي۔(۲)

حضرت عثمان بن عفان کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص عربوں کو دھوکہ دے گا، وہ میری شفاعت میں داخل نہیں ہوگا، اور اسے میری محبت حاصل نہیں ہوگی۔

مشکل الفاظ کے معنی: من غش: جو دھوکہ دے، لم تنله: اسے حاصل نہیں ہوگی، مودتی: میری محبت۔

عربوں کو دھوکہ: شفاعت سے محرومی کا سبب

یوں تو دھوکہ دینا اور فراڈ کرنا کسی بھی انسان کے ساتھ جائز نہیں مگر اس حدیث میں خاص طور پر اہل عرب کا ذکر ہے، کہ جو ان کو دھوکہ دے گا وہ دو چیزوں سے محروم ہو جائے گا:

- قیامت کے دن میری خصوصی سفارش سے وہ محروم رہے گا، ہاں عمومی شفاعت یعنی شفاعت کبریٰ میں ضرور داخل ہوگا۔
- ایسے انسان کو میری محبت اور الفت نصیب نہیں ہوگی، جو درحقیقت ایک بڑی محرومی ہے۔

علامہ مناوی فرماتے ہیں کہ غش اور دھوکہ میں یہ بھی داخل ہے کہ کوئی عربوں کو راہ راست سے ہٹا کر غلط راستے اور گمراہی پر لگا دے، انہیں اللہ اور رسول سے دور کر دے۔(۳)

عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ أَبِي رَزِينٍ، عَنْ أُمِّهِ قَالَتْ: كَانَتْ أُمُّ الْحَرِيرِ، إِذَا مَاتَ أَحَدٌ مِنَ الْعَرَبِ اشْتَدَّ عَلَيْهَا، فَقِيلَ لَهَا: إِنَّا نَرَاكِ إِذَا مَاتَ رَجُلٌ مِنَ الْعَرَبِ اشْتَدَّ عَلَيْكِ، قَالَتْ: سَمِعْتُ مَوْلَايَ، يَقُولُ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ

---

(۱) مرقاۃ المفاتیح ۱۱/۱۴۳، کتاب المناقب، باب مناقب قریش، رقم: ۵۹۹۸۔

(۲) مسند احمد ۱/۷۲۔

(۳) مرقاۃ ۱۱/۱۴۴، رقم: ۵۹۹۹، فیض القدیر للمناوی ۶/۱۸۵۔

عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: مِنِ اقْتِرَابِ السَّاعَةِ هَلَاکُ الْعَرَبِ.(۱)
حضرت محمد بن ابی رزین اپنی والدہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا کہ ام الحریر کا یہ حال تھا کہ جب کوئی عربی فوت ہو جاتا تو ان پر یہ حادثہ سخت گذرتا تھا، (یعنی بہت غمگین ہو جاتی تھیں) ان سے کہا گیا: ہم تمہیں یوں دیکھتے ہیں کہ جب کوئی عربی مر جاتا ہے تو یہ تم پر سخت گذرتا ہے، ام الحریر فرمانے لگیں: میں نے اپنے آقا طلحہ بن مالک خزاعی کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قیامت کے قریب ہونے کی ایک علامت: مسلمان عربوں کا ہلاک ہونا بھی ہے۔

حضرت طلحہ بن مالک خزاعی رضی اللہ عنہ

حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی ہیں، اور اس حدیث کی راویہ حضرت ام حریر کے آقا ہیں، ابن سکن کہتے ہیں کہ حضرت طلحہ بن مالک خزاعی یا سلمی سے صرف یہی ایک حدیث منقول ہے، جسے امام ترمذی نے یہاں ام حریر سے روایت کیا ہے، حضرت طلحہ کی رہائش بصرہ میں تھی۔(۲)

قربِ قیامت کی ایک علامت مسلمان عربوں کی ہلاکت

حضرت ام الحریر اپنے آزاد کرنے والے آقا حضرت طلحہ بن مالک خزاعی رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کر رہی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قرب قیامت میں مسلمان عرب ہلاک ہو جائیں گے، روئے زمین پر اللہ کا نام لینے والا کوئی نہیں ہوگا، ایسے میں قیامت برپا ہو جائے گی، چنانچہ جب کوئی عربی فوت ہوتا، تو ام الحریر پر سخت غم آجاتا کہ عرب مرتے جا رہے ہیں، کہیں ایسا نہ ہو کہ ابھی ہی قیامت آجائے۔(۳)

حضرت محمد بن زرین کی والدہ یعنی ام محمد اور ام الحریر دونوں ہی مجہول الحال ہیں، حضرت ام الحریر کے مولیٰ حضرت طلحہ بن مالک خزاعی ہیں۔(۴)

عَنْ أُمِّ شَرِيْکٍ أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: لَيَفِرَّنَّ النَّاسُ مِنَ الدَّجَّالِ حَتّٰى يَلْحَقُوْا بِالْجِبَالِ، قَالَتْ: أُمُّ شَرِيْکٍ يَا رَسُوْلَ اللهِ! فَأَيْنَ الْعَرَبُ يَوْمَئِذٍ؟ قَالَ: هُمْ قَلِيْلٌ۔(۵)

---

(۱) کنز العمال، رقم: ۳۸۴۷۱۔
(۲) الاصابۃ ۳/۴۳۴، حرف الطاء، رقم: ۴۲۹۲
(۳) مرقاۃ المفاتیح ۱۱/۱۴۴، کتاب المناقب، باب مناقب قریش، رقم: ۶۰۰۰۔
(۴) تقریب التہذیب ۲/۸۸۱، الکنی من النساء، رقم: ۹۰۰۹، ط: بیروت۔
(۵) الصحیح لمسلم، کتاب الفتن، باب فی بقیۃ من احادیث الدجال، رقم: ۲۹۴۵۔

حضرت ام شریک کہتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: لوگ ضرور دجال سے بھاگیں گے یہاں تک کہ وہ پہاڑوں میں جا چھپیں گے، ام شریک نے عرض کیا: یا رسول اللہ! اس دن عرب کہاں ہوں گے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: وہ تھوڑے ہوں گے۔

مشکل الفاظ کے معنی: لیفرن: ضرور لوگ بھاگیں گے، حتی یلحقوا: یہاں تک کہ وہ مل جائیں گے یعنی چھپ جائیں گے۔

حضرت ام شریک رضی اللہ عنہا

حضرت ام شریک رضی اللہ عنہا کا تعلق قبیلہ بنی عامر سے تھا، ان کو دوسیہ اور انصاریہ بھی کہا جاتا ہے، یہ صحابیہ ہیں، ابن سعد کہتے ہیں کہ ان کا نام غزیہ بنت جابر بن حکیم ہے اور بعض نے ان کا نام غزیلہ لکھا ہے، انہوں نے اپنے آپ کو نبی کریم ﷺ کے سامنے پیش کیا کہ آپ مجھے اپنے رشتہ ازواج میں قبول فرمالیں، آپ نے قبول فرمایا یا نہیں؟ اس میں دو قول ہیں:

- آپ ﷺ نے انہیں قبول نہیں فرمایا، اس غم کی وجہ سے انہوں نے پھر کسی اور جگہ شادی نہیں کی۔
- آپ نے انہیں قبول فرمالیا تھا مگر جب آپ نے ان کو دیکھا تو ان کو طلاق دے دی۔(۱)

خروج دجال کے وقت عرب تھوڑے سے ہوں گے

جس وقت دجال نکلے گا تو لوگ اس سے بھاگ کر پہاڑوں میں جا کر چھپ جائیں گے، تاکہ اس کے شر سے محفوظ رہیں، عرض کیا کہ کیا اس وقت عرب مسلمان نہیں ہوں گے جو دفاع کریں اور دجال کا مقابلہ کریں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اس وقت عرب تھوڑے ہوں گے، اس کے ساتھ مقابلہ نہیں کرسکیں گے، ایک اور روایت میں ہے کہ اصفہان کے ستر ہزار یہودی، دجال کے پیروکار ہوں گے، جن پر مخصوص چادریں ہوں گی۔(۲)

عَنْ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدَبٍ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: سَامٌ أَبُو الْعَرَبِ، وَيَافِثُ أَبُو الرُّومِ، وَحَامٌ أَبُو الْحَبَشِ.(۳)

حضرت سمرہ بن جندب کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: سام عربوں کے باپ ہیں، یافث رومیوں کے اور حام حبشیوں کے باپ ہیں۔

---

(۱) الاصابة ۸/۲۱۷، کتاب النساء، حرف الشين

(۲) شرح مسلم للنووی ۲/۴۰۵، کتاب الفتن، باب فی بقية من أحاديث الدجال، رقم: ۲۹۴۵، مرقاة المفاتيح، كتاب الفتن، باب العلامات بين يدى الساعة و ذكر الدجال، رقم: ۵۴۷۷، ۵۴۷۸

(۳) مسند احمد ۵/۹۔

عربوں کے جد امجد سام ہیں

حضرت نوح علیہا السلام کے تین صلبی بیٹے ہیں: ا۔ سام: یہ عربوں کے جد امجد ہیں۔ ۲۔ یافث: یہ رومیوں کے جد امجد ہیں، ۳۔ حام: یہ اہل حبشہ کے جد امجد ہیں۔ (۱)

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، يَقُولُ: ذُكِرَتِ الأَعَاجِمُ عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَأَنَا بِهِمْ أَوْ بِبَعْضِهِمْ أَوْثَقُ مِنِّي بِكُمْ أَوْ بِبَعْضِكُمْ.

حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے عجمیوں کا ذکر کیا گیا، تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (دین کی طلب میں) مجھے ان عجمی لوگوں پر یا ان میں سے بعض پر، تم سب عربوں سے یا تم میں سے بعض سے زیادہ اعتماد ہے۔

مشکل الفاظ کے معنی: مظہر کہتے ہیں کہ "انا" مبتدا ہے اور "اوثق" خبر ہے، "بھم او بعضھم" "اوثق" کا مفعول بہ ہے، "منی" اوثق کا صلہ ہے یعنی اس سے متعلق ہے، اوثق: (صیغہ اسم تفضیل) زیادہ اعتماد، زیادہ بھروسہ۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بعض عجمی لوگوں پر اعتماد کا اظہار

ترمذی کی مذکورہ روایت کی دو طرح سے تشریح کی گئی ہے:

۱۔ علامہ طیبی فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بکم یا ببعضکم سے اس مخصوص عرب قوم کا ذکر کیا ہے، جن کو آپ نے جہاد اور راہ خدا میں صدقہ کرنے کا فرمایا، مگر انہوں نے اس طرف کوئی خاص توجہ نہ کی، سستی اور لاپرواہی کا مظاہرہ کیا، آپ نے ان عربوں کو سمجھانے کے لیے ان کے سامنے عجمی لوگوں کی تعریف کی، تاکہ انہیں غیرت آئے اور اللہ کے راستے میں دل کھول کر خرچ کریں، جیسے اللہ تعالیٰ نے سورہ محمد کی آخری آیت میں سمجھانے کے لیے یوں فرمایا: وَإِنْ تَتَوَلَّوْا يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ ثُمَّ لَا يَكُونُوا أَمْثَالَكُمْ، (ترجمہ: اگر تم روگردانی کرو گے تو اللہ تعالیٰ تمہاری جگہ دوسری قوم پیدا کر دے گا، پھر وہ تم جیسے نہ ہوں گے) اس سے عربوں پر عجمی لوگوں کی فضیلت اور برتری بیان کرنا مقصود نہیں، یہ علامہ طیبی کی رائے ہے۔ (۲)

۲۔ ملا علی قاری فرماتے ہیں کہ اس میں تو کوئی شک اور اختلاف نہیں کہ عمومی طور پر عرب لوگ عجمی لوگوں سے افضل ہیں، مگر ایسا ہو سکتا ہے کہ بعض صفات بعض عجمی لوگوں میں بعض عربوں سے زیادہ کامل طور پر ہوں، اس سے افضل کی افضلیت میں کوئی فرق نہیں پڑتا، ہاں اس مفضول کے لیے ضرور ایک گونا فضیلت ثابت ہو جاتی ہے، اس لیے علامہ طیبی کا اس حدیث کی تشریح میں سرے سے یہ کہنا کہ اس میں عجمی لوگوں کی فضیلت کا بیان بالکل مقصود نہیں، درست نہیں، چنانچہ حدیث کا ظاہری اسلوب بھی یہی بتا رہا ہے

---

(۱) تحفۃ الاحوذی ۱۰/۳۹۸،

(۲) شرح طیبی ۱۱/۳۵۰، کتاب المناقب باب جامع المناقب، الفصل الثانی رقم: ۶۲۵۴ ط: کراچی۔

کہ بعض امور میں جیسے دین کی طلب اور اس کی حفاظت میں بعض عجمی لوگ، بعض عربوں سے زیادہ اعتماد والے ہیں، اور وہ زیادہ اہتمام کرتے ہیں، اس لیے حدیث کا صحیح مطلب یہی ہے کہ بعض غیر عرب، بعض صفات میں بعض عربوں پر فوقیت رکھتے ہیں اور زیادہ با اعتماد ہیں، یوں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عجمی لوگوں کی فضیلت بیان فرمائی ہے۔(۱)

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: كُنَّا عِنْدَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِينَ أُنْزِلَتْ سُورَةُ الْجُمُعَةِ فَتَلَاهَا، فَلَمَّا بَلَغَ {وَآخَرِينَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوا بِهِمْ} قَالَ لَهُ رَجُلٌ: يَا رَسُولَ اللهِ: مَنْ هَؤُلَاءِ الَّذِينَ لَمْ يَلْحَقُوا بِنَا؟ فَلَمْ يُكَلِّمْهُ، قَالَ: وَسَلْمَانُ الفَارِسِيُّ فِينَا، قَالَ: فَوَضَعَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَدَهُ عَلَى سَلْمَانَ، فَقَالَ: وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ: لَوْ كَانَ الإِيمَانُ بِالثُّرَيَّا لَتَنَاوَلَهُ رِجَالٌ مِنْ هَؤُلَاءِ.(۲)

حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ ہم (ایک مرتبہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے، جب آپ پر سورہ جمعہ نازل ہوئی، آپ نے اس سورت کی تلاوت کی، جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس آیت پر پہنچے: واخرین منهم لما یلحقوا بهم (اور دوسروں کے لیے بھی آپ کو مبعوث فرمایا، جو ان میں سے ہونے والے ہیں اور ابھی تک ان میں شامل نہیں ہوئے) تو ایک شخص نے پوچھا: یا رسول اللہ! وہ کون لوگ ہیں، جو ابھی تک ہم میں شامل نہیں ہوئے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے کوئی جواب نہ دیا، راوی کہتے ہیں کہ حضرت سلمان فارسی بھی ہم میں موجود تھے، راوی کہتے ہیں کہ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا دست مبارک حضرت سلمان پر رکھا اور فرمایا: اس ذات کی قسم، جس کے قبضہ میں میری جان ہے: اگر ایمان ثریا ستارے پر بھی ہوتا تو بھی اس کی قوم کے کچھ لوگ اسے حاصل کر لیتے۔

لوکان الایمان بالثریا کا مفہوم

بعینہ یہ حدیث اس سے پہلے گذر چکی ہے: ابواب التفسیر باب: ومن سورۃ الجمعۃ، لہذا اس کی تفصیل کے لیے: معارف ترمذی جلد سوم کا یہ مقام دیکھا جا سکتا ہے۔

بَابٌ فِي فَضْلِ الْيَمَنِ

یہ باب یمن کی فضیلت کے بیان میں ہے

عَنْ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَظَرَ قِبَلَ الْيَمَنِ فَقَالَ: اللَّهُمَّ أَقْبِلْ بِقُلُوبِهِمْ، وَبَارِكْ لَنَا فِي

(۱) مرقاۃ المفاتیح ۱۱/۳۸۵، کتاب المناقب باب جامع المناقب، رقم: ۶۲۵۴، الکوکب الدری ۴/۴۶۳

(۲) الصحیح للبخاری، کتاب التفسیر، باب قولہ تعالیٰ: وآخرین منهم، رقم: ۴۸۹۷۔

صاعِنا وَمُدِّنَا. (۱)

حضرت زید بن ثابت فرماتے ہیں کہ (ایک مرتبہ) نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یمن کی طرف دیکھا اور یہ دعا کی: اے اللہ ان کے دلوں کو (ہماری طرف) متوجہ فرما دے، اور ہمارے لیے ہمارے صاع اور ہمارے مد میں برکت عطا فرما دے۔

''یمن'' نام رکھنے کی وجہ

ملک یمن کا یہ نام کس وجہ سے رکھا گیا ہے، شارحین نے اس بارے میں مختلف اقوال ذکر کیے ہیں:

- امام بخاری فرماتے ہیں کہ ملک یمن چونکہ بیت اللہ کی دائیں جانب واقع ہے، اس لیے اسے یمن کہا جاتا ہے، کیونکہ یمن کے معنیٰ دائیں جانب کے ہیں، اور شام کعبہ کے بائیں جانب ہے، اس لیے اسے شام کہا جاتا ہے۔
- بعض کی رائے یہ ہے کہ لوگ جب بابل شہر سے منتشر ہوئے تو کچھ بیت اللہ کی دائیں جانب اور کچھ بائیں جانب رہنے لگ گئے، یوں دائیں جانب والوں کے ملک کو یمن اور بائیں جانب والوں کی جگہ کو شام کہا جاتا ہے۔
- عربوں کے جدامجد کا نام: یمن بن قحطان تھا، جو حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے تھے، اس طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نسبی تعلق بھی اہل یمن سے ملتا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ عربوں کے جدامجد کے نام پر اس ملک کا نام ''یمن'' رکھا گیا ہے۔ (۲)

یمن والوں کے لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعا

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مذکورہ حدیث میں یمن کی طرف دیکھ کر دو دعائیں کی ہیں:

۱۔ اے اللہ اہل یمن کے دل ہماری طرف متوجہ فرما دے، تاکہ وہ ہجرت کر کے مدینہ منورہ آجائیں، یہ دعا آپ نے اس لیے کی کہ مدینہ میں کھانے پینے کی تمام اشیاء یمن سے آتی تھیں۔

۲۔ اور اے اللہ مدینہ کے پیمائش کے آلات: مد اور صاع میں برکت ڈال دے، مقصد ان اشیاء میں برکت کی دعا ہے، جن کو ان پیمانوں میں ناپا اور تولا جاتا تھا۔

علامہ توربشتی نے اس کی شرح میں لکھا ہے کہ مدینہ میں معاشی اعتبار سے بہت مسائل تھے، انتہائی مشکل سے گذر اوقات چل رہی تھی، اب جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یمن کے لوگوں کے لیے بھی یہ دعا کر دی کہ وہ بھی ہجرت کر کے مدینہ منورہ آ

---

(۱) مسند احمد ۵/۱۸۵۔

(۲) فتح الباری ۶/۶۵۳، ۶۶۰ کتاب المناقب باب قول اللہ: یایھا الناس انا خلقناکم من ذکر وانثی....

جائیں، ان کی تعداد کافی زیادہ تھی، اس لیے آپ کو یہ فکر ہوئی کہ وہ یہاں جب ہجرت کر کے مدینہ آجائیں، تو ان کو کوئی پریشانی نہ ہو اور پہلے سے موجود مدینہ کے رہائشیوں کو بھی کوئی مشکل اور پریشانی نہ ہو، اس لیے آپ ﷺ نے دوسری دعا یہ فرمائی کہ مدینہ کے صاع اور مد میں برکت ڈال دے، تاکہ یمن سے ہجرت کر کے آنے والے مدینہ سے خوش ہو جائیں، اور مدینہ میں اشیاء خورد ونوش کی فراوانی ہو، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کی دونوں دعاؤں کو قبول فرمایا ہے۔(۱)

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَتَاكُمْ أَهْلُ الْيَمَنِ، هُمْ أَضْعَفُ قُلُوبًا، وَأَرَقُّ أَفْئِدَةً، الإِيمَانُ يَمَانٍ، وَالحِكْمَةُ يَمَانِيَةٌ.(۲)

حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تمہارے پاس یمنی لوگ آئے ہیں، وہ کمزور دل والے اور رقیق القلب یعنی نرم دل والے ہیں، ایمان تو یمن کا ہے اور حکمت (بھی) یمن کی ہے۔

مشکل الفاظ کے معنی: اضعف قلوبا: کمزور دل والے یعنی رقیق القلب ہیں، أرق: زیادہ نرم، أفئدۃ: فؤاد کی جمع ہے: دل، لفظ قلب اور فواد دونوں مترادف ہیں یا ان میں تھوڑا فرق ہے، امام نووی نے تین قول ذکر کئے ہیں: (۱) لفظ قلب اور فواد دونوں مترادف ہیں، دونوں کے ایک ہی معنی ہیں، اکثر ان کا استعمال اس طرح ہی ہے، (۲) قلب اصل دل کو اور فؤاد باطن قلب کو کہتے ہیں۔ (۳) فؤاد دل کے پردے کو کہتے ہیں، یمان اصل میں ''یمنی'' ہے، یاء کو گرا کر اس کی جگہ الف کو لایا گیا تو یمان ہو گیا۔(۳)

اہل یمن کے ایمان اور حکمت کی تعریف

مذکورہ حدیث میں نبی کریم ﷺ نے یمن کے لوگوں کے ایمان، حکمت اور ان کی دل کی نرمی کی مدح وثناء اور تعریف کی ہے، ان تین باتوں کی شرح درج ذیل ہے:

۱۔ نبی کریم ﷺ نے ان کی پہلی صفت یہ بیان فرمائی ہے: ھم اضعف قلوبا و أرق أفئدۃ، یہاں ضعف سے وہ کمزوری جسے عرف میں بزدلی کہا جاتا ہے، مراد نہیں بلکہ اس سے دل کی نرمی مراد ہے جو قساوت اور سخت دلی کی ضد ہے۔

اگر قلب اور فواد مترادف الفاظ ہوں، تب تو ان کا مفہوم بالکل واضح ہے، کلام میں جدت اور حسن کے لیے مترادف الفاظ استعمال کئے گئے ہیں، فواد کے دوسرے معنی کے لحاظ سے ان کلمات کے معنی یہ ہیں کہ ان کے دل ظاہری طور پر بھی نرم ہیں اور باطنی طور پر بھی وہ رقیق اور انتہائی نرم ہیں، اہل یمن کے مزاج میں سختی اور اکھڑ پن نہیں ہے، اور فواد کے ایک معنی دل کے پردے کے ہیں، اگر دل کا یہ پردہ باریک ہو تو وعظ ونصیحت کا اثر اس پر جلد ہی ہو جاتا ہے، اور وہ پردہ سخت ہو تو نصیحت کا اثر جلدی نہیں ہوتا،

(۱) مرقاۃ المفاتیح ۱۱/ ۴۰۴، کتاب المناقب، باب ذکر الیمن والشام، رقم: ۶۲۶۷

(۲) الصحیح للبخاری، کتاب المغازی، باب قدوم الاشعریین، رقم: ۴۳۸۸۔

(۳) شرح مسلم للنووی ۱/ ۵۳، کتاب الایمان، باب تفاضل أهل الایمان فیه۔

مطلب یہ ہے کہ یمن کے لوگوں کے دل بھی نرم ہیں اور ان کے دل کے اوپر پردہ بھی باریک ہے، اس وجہ سے وہ لوگ وعظ و نصیحت کا اثر فوراً ہی قبول کر لیتے ہیں، یہ ان کی نمایاں خوبی ہے۔

۲۔ اہل یمن سے متعلق دوسری بات آپ نے یہ ارشاد فرمائی: الایمان یمان، اس میں ایمان کی نسبت اہل یمن کی طرف کی گئی ہے، حالانکہ اسلام کا اصل مبدأ و مرکز مکہ اور مدینہ ہیں، اس لیے شارحین حدیث نے "الایمان یمان" کے مختلف مطلب بیان کیے ہیں:

۞ روایت میں یمن سے "مکہ" مراد ہے، کیونکہ مکہ ارض تہامہ میں سے ہے، اور تہامہ ارض یمن سے ہے، اس طرح مکہ بھی یمانیہ ہے، اب اس جملے کا مطلب یہ ہوگا کہ اصل ایمان تو اہل مکہ کا ہے۔(۱)

۞ نبی کریم ﷺ نے یہ ارشاد تبوک میں فرمایا ہے، مراد اس سے حرمین شریفین یعنی مکہ و مدینہ ہیں، جو تبوک سے شام کی بنسبت دائیں جانب واقع ہیں، معنی یہ ہیں کہ اصل ایمان تو اہل مکہ اور اہل مدینہ کا ہے، جنہوں نے اس پر بڑی قربانیاں دی ہیں، اس کی تائید صحیح مسلم کی ایک روایت سے بھی ہوتی ہے، جس میں آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے: والایمان فی أهل الحجاز" (ایمان تو اہل حجاز کا ہے) نیز کعبہ کے ایک رکن کو رکن یمانی اس لیے کہا جاتا ہے کہ وہ یمن کی جہت میں واقع ہے، حالانکہ وہ رکن تو مکہ مکرمہ میں ہے۔

۞ امام ابوعبید کہتے ہیں کہ الایمان یمان سے حضرات انصار مراد ہیں، ان کا سلسلہ نسب بھی یمن سے ہے، ان لوگوں نے چونکہ اسلام کی بہت خدمت کی ہے، اس لیے ان کے ایمان کی تعریف کی گئی ہے، مگر ابن صلاح اور دوسرے شارحین نے اس بات کو درست قرار نہیں دیا، کیونکہ اس حدیث میں آپ ﷺ انصار وغیرہ سے فرما رہے ہیں کہ تمہارے پاس یمن کے لوگ آئے ہیں، تو لا محالہ ان سے وہ خود مخاطبین ہی مراد نہیں بلکہ ان سے وہ لوگ ہی مراد ہیں جو حقیقت میں یمن سے ہی آئے تھے، اس لیے یہ مفہوم درست نہیں۔

۞ جمہور محدثین کے نزدیک الایمان یمان اپنے ظاہر پر ہے، اس سے اہل یمن ہی مراد ہیں، ان کی طرف خاص طور پر ایمان کی نسبت اس لیے کی گئی ہے کہ یہ لوگ از خود اسلام کی طرف بڑھے تھے، جبکہ اہل مشرق کے ساتھ جہاد کرنے کی نوبت آئی تھی مگر یمن والے خوشی سے اسلام قبول کر کے، ایمان کے اوصاف میں بہت ممتاز ہو گئے تھے، اس جملے سے ان کے ایمان کے کمال کی مدح کی گئی ہے، اس کے یہ معنی ہرگز نہیں کہ دوسروں میں کمال ایمان کا وصف نہیں، جب کوئی شخص یا جماعت کسی خاص وصف میں نمایاں ہو تو اس وصف کو اس کے ساتھ خصوصیت کے ساتھ ذکر کیا جاتا ہے، اس سے اہل مکہ اور اہل مدینہ کے کمال ایمان کی نفی کرنا مقصود نہیں، لہذا ترمذی کی یہ روایت، صحیح مسلم کی اس روایت: "الایمان فی أهل الحجاز" کے منافی نہیں ہے۔

لیکن یہ ذہن میں رہے کہ اس حدیث میں صرف ان یمنی لوگوں کے ایمان کی تعریف کی گئی ہے، جو اس وقت نبی کریم

---

(۱) فتح الباری ۱۲۵/۸، کتاب المغازی باب قدوم الاشعریین وأهل اليمن

صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں موجود تھے، اس حدیث سے ہر زمانے کے یمنی لوگ مراد نہیں(۱)، البتہ بعض حضرات نے اس میں عموم مراد لیا ہے کہ ہر زمانے کے یمنی لوگ مراد ہیں، ان کا کہنا یہ ہے کہ جب کسی خطے کے لوگوں میں کچھ خاص صفات پائی جائیں، تو زمانے کے انقلابات سے ان میں کمزوری ضرور آجاتی ہے مگر وہ ختم نہیں ہوتیں، ان کے کچھ نہ کچھ اثرات ضرور ان لوگوں میں پائے جاتے ہیں، اس لیے اس سے ہر زمانے کے یمنی لوگ مراد لیے جاسکتے ہیں۔(۲)

۳۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یمنی لوگوں کی تیسری صفت یہ بیان فرمائی: والحکمۃ یمانیۃ حکمت تو یمن کے لوگوں کی ہے، یہاں اس ''حکمت'' سے کیا مراد ہے؟ اس بارے میں مختلف اقوال منقول ہیں:

- حکمت سے تفقہ فی الدین یعنی دین کی سمجھ اور فقاہت مراد ہے۔
- اس سے وہ علم مراد ہے، جس کی روشنی میں شرعی احکام پر عمل کیا جائے، جس سے اللہ جل جلالہ کی معرفت اور قرب حاصل ہو، جو انسان میں اخلاق حسنہ پیدا کرنے اور برائیوں سے بچائے، اسی کو علم نافع بھی کہا جاتا ہے۔
- ہر وہ بات، کلام، جملہ اور شعر جو انسان کو وعظ و نصیحت کا پیغام دے، گناہوں اور ہلاکت و تباہی سے بچنے پر آمادہ کرے، وہ حکمت ہے۔(۳)

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: المُلْكُ فِي قُرَيْشٍ، وَالقَضَاءُ فِي الأَنْصَارِ، وَالأَذَانُ فِي الحَبَشَةِ وَالأَمَانَةُ فِي الأَزْدِ: يَعْنِي: اليَمَنَ.(۴)

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: خلافت و حکومت قریش میں ہے، قضاء انصار میں ہے، اذان حبشہ میں ہے، امانت ازد میں ہے یعنی یمن (کے لوگوں) میں ہے۔

امانت تو ''ازد'' یعنی یمن والوں میں ہے

اس حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے چار چیزوں کا ذکر کیا ہے:

۱۔ خلافت اور حکومت کا نظام قریش میں رہے گا، جب تک کہ وہ اسلام کے احکام پر عمل پیرا رہیں گے، اس کی مزید تفصیل ابواب الفتن، باب الخلفاء من قریش، میں گذر چکی ہے، اس کے لیے معارف ترمذی جلد دوم کو دیکھ لیجئے۔

۲۔ انصار میں قضاء ہے، اس قضاء سے یہاں کیا مراد ہے؟ اس میں دو قول ہیں:

---

(۱) فتح الباری ۶/۶۶۰، کتاب المناقب، باب قول اللہ یاایھا الناس انا خلقناکم

(۲) مرقاۃ المفاتیح ۱۱/۱۴۵، کتاب المناقب، باب مناقب قریش و ذکر القبائل، رقم: ۶۰۰۱

(۳) شرح مسلم للنووی ۱/۵۳، کتاب الایمان باب تفاضل اہل الایمان، مرقاۃ المفاتیح ۱۱/۲۰۰، کتاب المناقب، باب ذکر الیمن والشام رقم: ۶۲۶۷۔

(۴) مجمع الزوائد للہیثمی ۴/۱۹۵۔

۞ بعض کی رائے یہ ہے کہ یہاں اس قضاء سے نقابۃ (یعنی نگرانی اور دیکھ بھال) مراد ہے، نبی کریم ﷺ نے لیلۃ العقبہ میں انصار کے ہر قبیلے کا ایک نقیب اور نگران مقرر کیا تھا، جس کا ایک کام تو یہ تھا کہ وہ مدینہ منورہ میں لوگوں کو اسلام کی دعوت وتبلیغ کرے اور دوسرا یہ کہ جو لوگ مسلمان ہو جائیں، ان کے امور کی وہ نقیب دیکھ بھال بھی کرے، چنانچہ ان نقیبوں نے اپنے تمام امور بڑے خوش اسلوبی سے سرانجام دیئے، جس کی وجہ سے آپ ﷺ نے اس جملے کے ذریعہ حضرات انصار کی مدح وثناء فرمائی ہے۔

۞ بعض حضرات نے قضاء سے معروف معنی ہی مراد لیے ہیں یعنی فریقین میں جب کسی امر میں نزاع ہو جائے، اسے شرعی اصول وضوابط کی روشنی میں حل کرنا، حضرات انصار کو جزوی طور پر قضاء کا شرف حاصل تھا، ان لوگوں نے ہی ہجرت کے موقع پر نبی کریم ﷺ اور حضرات مہاجرین کی ہر طرح سے مدد کی، اسلام کی عمارت بنانے میں یہ ستون کی حیثیت رکھتے ہیں، قضاء سے معروف معنی مراد لینے کی اس حدیث سے بھی تائید ہوتی ہے، جس میں نبی کریم ﷺ نے حضرت معاذ کو، جو ایک جلیل القدر انصاری صحابی ہیں، یمن کا قاضی بنا کر بھیجا تھا، اس لیے ملا علی قاری فرماتے ہیں کہ قضاء سے یہ مفہوم مراد لینا زیادہ بہتر اور قرین قیاس ہے۔

۳۔ اذان حبشیوں میں ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ اذان دینے کی خدمت حبشہ کے لوگ زیادہ بہتر انداز سے سرانجام دینے کی صلاحیت رکھتے ہیں، ان کے سردار حضرت بلال حبشی ہیں، جو نبی کریم ﷺ کے خاص مؤذن تھے۔

۴۔ امانت ودیانت ازد میں ہے، ازد سے کیا مراد ہے؟ اس میں دو قول ہیں:

۞ اس سے یمن کا مشہور قبیلہ "ازد شنوءہ" مراد ہے، جو امانت کی ذمہ داری کو بہت عمدہ طریقے سے نبھاتے تھے، اور اس میں وہ مشہور تھے۔

۞ حدیث کے کسی راوی نے ترمذی کی اس حدیث میں "یعنی الیمن" کا اضافہ کر کے اس طرف اشارہ کیا ہے کہ یہاں ازد سے صرف ایک ہی قبیلہ ازد شنوءہ مراد نہیں ہے، بلکہ اس سے بالعموم "تمام اہل یمن" مراد ہیں، جو ایمان وحکمت اور امانت کی ادائیگی میں ضرب المثل ہیں۔

بہرحال حدیث کا یہ پیغام ہے کہ ان کاموں یعنی قضا یا نقابت، مؤذنی اور امانت کے لیے اگر ممکن ہو تو ایسے افراد کا انتخاب کرنا چاہیے، جن کا تعلق مذکورہ قبائل سے ہو، کیونکہ ان قبائل کے لوگوں میں ان امور کو سرانجام دینے کی بہترین صلاحیتیں پائی جاتی ہیں۔(۱)

عَنْ أَنَسٍ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: الأَزْدُ: أَزْدُ اللهِ فِي الأَرْضِ، يُرِيدُ النَّاسُ أَنْ يَضَعُوهُمْ، وَيَأْبَى اللهُ إِلَّا أَنْ يَرْفَعَهُمْ، وَلَيَأْتِيَنَّ عَلَى النَّاسِ زَمَانٌ يَقُولُ الرَّجُلُ: يَا لَيْتَ أَبِي كَانَ أَزْدِيًّا، يَا لَيْتَ أُمِّي كَانَتْ

---

(۱) مرقاۃ المفاتیح ۱۱/۱۴۵، کتاب المناقب باب مناقب قریش، رقم: ۶۰۰۱

أَزْدِيَّةٌ.(۱)

حضرت انس کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: قبیلہ ازد کے لوگ اللہ کے ازد ہیں (یعنی اللہ کے لشکر اور اس کے دین کے خاص معاون و مددگار ہیں) لوگ اس قبیلہ کو ذلیل وخوار کرنا چاہتے ہیں اور اللہ تعالیٰ (ان کے بر خلاف) اس قبیلہ کے لوگوں کو بلند کرنا چاہتا ہے، اور لوگوں پر ضرور ایک ایسا وقت آئے گا کہ آدمی یوں کہے گا: کاش میرا باپ ازدی ہوتا، اور کاش میری ماں قبیلہ ازد سے ہوتی۔

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ يَقُولُ: إِنْ لَمْ نَكُنْ مِنَ الأَزْدِ، فَلَسْنَا مِنَ النَّاسِ.

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اگر ہم قبیلہ ازد سے نہ ہوتے، تو کامل لوگوں میں سے نہ ہوتے۔

مشکل الفاظ کے معنی: أزد الله: اللہ کا لشکر، اس کے دین کے خاص معاون ومددگار، ان يضعوهم: یہ کہ لوگ قبیلہ ازد کے لوگوں کو گرائیں، يأبى الله الا ان يرفعهم: اور اللہ تعالیٰ ان کو سر بلند ہی کرنا چاہتا ہے، فلسنا من الناس: تو ہم کامل لوگوں میں سے نہ ہوتے۔

قبیلہ ”ازد“ تو ازد اللہ یعنی اللہ کا لشکر ہے

مذکورہ احادیث میں یمن کے قبیلہ ازد کی فضیلت کا ذکر ہے، یہ قبیلہ ازد بن غوث بن لیث بن مالک بن کہلان بن سبأ کی اولاد میں سے ہے، ان کے بارے میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ قبیلہ ازد تو ازد اللہ ہے یعنی اللہ کا لشکر اور اس کے دین کے مددگار اور خدمتگار ہیں، ان لوگوں نے اللہ اور اس کے رسول کی بہت مدد ونصرت کی ہے، کیونکہ یہی لوگ انصار مدینہ ہیں، انصار کا سلسلہ نسب بھی اسی قبیلے سے ہے،

علامہ طیبی فرماتے ہیں کہ قبیلہ ازد کو ازد اللہ کس وجہ سے کہا گیا ہے، اس کی تین وجہیں ہوسکتی ہیں:

۱۔ قاضی عیاض فرماتے ہیں کہ اس قبیلہ کو ازد اللہ کے لقب سے اس لیے متعارف کرایا گیا کہ یہ لوگ جنگ میں ثابت قدم رہتے ہیں، دشمن کے خوف سے راہ فرار اختیار نہیں کرتے۔

۲۔ ازد اللہ میں ازد کی نسبت لفظ اللہ کی طرف محض خصوصیت اور فضیلت کی وجہ سے ہے، جیسے بیت اللہ اور ناقۃ اللہ میں یہ نسبت اختصاص اور شرف واکرام کی وجہ سے ہے، معنی یہ ہیں کہ اس قبیلہ کے لوگ دین اور اللہ کے رسول کے خصوصی مددگار ہیں، یہ گویا اللہ کا لشکر ہے، جو دشمن پر بہر صورت غالب آتا ہے۔

۳۔ بعض حضرات یہ کہتے ہیں کہ حدیث میں ازد اللہ کے معنی اسد اللہ کے ہیں، مطلب یہ ہے کہ قبیلہ ازد شنوءہ کے لوگ معرکۂ حق میں شجاعت وبسالت اور جرأت وبہادری کی خوب داستانیں رقم کرتے ہیں، یہ گویا اللہ کے شیر ہیں، اس جملے میں آپ

(۱) کنز العمال للهندی، رقم: ۳۳۹۷۷۔

صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قبیلہ کے لوگوں کو بہادری میں شیر کے ساتھ تشبیہ دی ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قبیلہ کی فضیلت میں فرمایا کہ لوگ تو اس قبیلہ کو ذلیل وخوار کرنا چاہتے ہیں، اسے بلند مقام سے گرانا چاہتے ہیں، مگر اللہ تعالیٰ ان کے خلاف اس قبیلہ کو سر بلند ہی کرے گا، ان کا مقام اتنا بلند ہوگا کہ ایک وقت ایسا بھی آئے گا کہ لوگ تمنا کریں گے کہ اے کاش: میرا باپ اور میری ماں قبیلہ ازد سے ہوتے ۔(۱)

حضرت انس نے دوسری حدیث میں فرمایا ہے کہ ہم اگر قبیلہ ازد سے نہ ہوتے، تو ہم کامل انسان نہ ہوتے، حضرت انس بھی دیگر انصار کی طرح اسی قبیلے سے تعلق رکھتے ہیں، یہ بھی انصاری صحابی ہیں، گویا اس قبیلے سے تعلق انسان کو ایسے اعمال اور نیکی کے امور پر آمادہ کرتا ہے کہ آدمی کا درجہ اللہ جل جلالہ کے ہاں بلند اور کامل ہو جاتا ہے۔(۲)

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، يَقُولُ: كُنَّا عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَجَاءَهُ رَجُلٌ أَحْسِبُهُ مِنْ قَيْسٍ، فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ: الْعَنْ حِمْيَرًا، فَأَعْرَضَ عَنْهُ، ثُمَّ جَاءَهُ مِنَ الشِّقِّ الآخَرِ فَأَعْرَضَ عَنْهُ، ثُمَّ جَاءَهُ مِنَ الشِّقِّ الآخَرِ، فَأَعْرَضَ عَنْهُ، ثُمَّ جَاءَهُ مِنَ الشِّقِّ الآخَرِ، فَأَعْرَضَ عَنْهُ، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: رَحِمَ اللهُ حِمْيَرًا، أَفْوَاهُهُمْ سَلَامٌ، وَأَيْدِيهِمْ طَعَامٌ، وَهُمْ أَهْلُ أَمْنٍ وَإِيمَانٍ.(۳)

حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھے کہ ایک شخص آپ کے پاس آیا، میرا گمان ہے کہ وہ قبیلہ قیس سے تھا، کہنے لگا: یا رسول اللہ! قبیلہ حمیر پر لعنت فرما دیجئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منہ پھیر لیا، وہ شخص پھر دوسری طرف سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آیا، آپ نے پھر اس سے اعراض کیا، پھر وہ تیسری جانب سے آیا، اس مرتبہ بھی آپ نے اس سے منہ پھیر لیا، پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ قبیلہ حمیر پر رحمت نازل فرمائے، ان کے منہ سلام ہیں، ان کے ہاتھ طعام ہیں، اور وہ امن وسلامتی اور ایمان والے ہیں۔

مشکل الفاظ کے معنیٰ: احسبه من قیس: (صیغہ متکلم، اور سین پر زبر اور زیر دونوں پڑھ سکتے ہیں) میرا گمان ہے کہ وہ شخص قبیلہ قیس سے تعلق رکھتا تھا، العن: (صیغہ امر) لعنت بھیج دیجئے، قبیلہ حمیر کے خلاف بد دعا کر دیجئے، من الشق الاخر: دوسری جانب سے، اعرض عنه: آپ نے اس شخص سے منہ پھیر لیا، افواههم: فم کی جمع ہے: ان کے منہ

قبیلہ حمیر کے لئے نزول رحمت کی دعاء

حمیر (حاء کے نیچے زیر، میم ساکن اور یا پر زبر) یمن کے ایک قبیلہ کا باپ ہے، جس کا سلسلہ نسب یہ ہے: حمیر بن سبا بن

---

(۱) مرقاۃ المفاتیح ۱۱/۱۳۹، کتاب المناقب باب مناقب قریش، رقم الحدیث: ۵۹۹۱۔

(۲) تحفۃ الاحوذی ۱۰/۴۰۶

(۳) مسند احمد ۲/۲۷۸۔

نشجب بن یعرب بن قحطان، اب جب حمیر کا لفظ بولا جاتا ہے تو اس سے پورا قبیلہ مراد ہوتا ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے قبیلہ قیس کا ایک شخص آ کر کہنے لگا: یا رسول اللہ! قبیلہ حمیر کے خلاف بددعا کر دیں، ان پر لعنت فرما دیں تا کہ وہ اللہ کی رحمت سے دور کر دیئے جائیں، وہ شخص کسی وجہ سے اس قبیلہ سے ناراض تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے بار بار مطالبے کے بعد یہ دعا فرمائی: اللہ تعالیٰ قبیلہ حمیر پر رحمت نازل فرمادے، آپ نے اس قبیلے کی چار اہم صفات کا ذکر فرمایا:

۱۔ ان کے منہ سلام ہیں، یعنی ان کے ہاں ایک دوسرے کو سلام دینے کا بہت رواج ہے، جو بہت ہی اچھا عمل ہے، بطور مبالغہ کے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے منہ کو ہی سلام فرما دیا، اس طرف اشارہ کرنے کے لیے کہ وہ لوگ کثرت سے سلام کرتے ہیں۔

۲۔ ان کے ہاتھ طعام ہیں، معنی یہ ہیں کہ یہ لوگ اپنے ہاتھوں سے غرباء و مساکین کو کھانا کھلاتے ہیں، ناچار و بے بس اور بھوکے لوگوں میں اشیاء خورد و نوش بہت زیادہ تقسیم کرتے ہیں، یہاں بھی مبالغہ کے طور پر ان کے ہاتھوں کو ہی طعام کہہ دیا ہے۔

مذکورہ دونوں صفات سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ وہ خلق خدا کا بہت لحاظ کرتے ہیں، لوگوں کے حقوق بڑی خوشی اور دینی جذبے سے ادا کرتے ہیں، یہ ان کے عجز و انکسار اور متواضع ہونے کی بہت بڑی دلیل ہے۔

۳۔ قبیلہ حمیر کے لوگ امن و سلامتی والے ہیں، لوگ ان کے ہاتھوں کے شر اور ان کی زبانوں کی آفتوں سے محفوظ ہیں، وہ کسی پر ظلم و زیادتی نہیں کرتے۔

۴۔ ان میں ایمان بڑے کامل درجہ کا ہے، وہ اللہ اور اس کے بندوں کے حقوق بڑے اچھے طریقے سے ادا کرتے ہیں۔

جب قبیلہ حمیر میں اس قدر اچھی خوبیاں ہیں، جو قابل رشک ہیں تو پھر ان پر لعنت بھیجنے کے کیا معنی ہیں، اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر نزول رحمت کی دعا فرمائی ہے۔(۱)

بَابٌ فِي غِفَارٍ وَأَسْلَمَ وَجُهَيْنَةَ وَمُزَيْنَةَ

یہ باب غفار، اسلم، جہینہ اور قبیلہ مزینہ کی فضیلت کے بیان میں ہے

عَنْ أَبِي أَيُّوبَ الأَنْصَارِيِّ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: الأَنْصَارُ وَمُزَيْنَةُ وَجُهَيْنَةُ وَغِفَارُ وَأَشْجَعُ وَمَنْ كَانَ مِنْ بَنِي عَبْدِ الدَّارِ مَوَالِيَّ، لَيْسَ لَهُمْ مَوْلًى دُونَ اللهِ، وَاللهُ وَرَسُولُهُ مَوْلَاهُمْ.(۲)

حضرت ابو ایوب انصاری کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: انصار، قبیلہ مزینہ، جہینہ، اشجع، غفار اور قبیلہ بنی عبد الدار کے لوگ میرے مددگار ہیں، اللہ تعالیٰ کے علاوہ ان کا کوئی مددگار نہیں، اللہ اور اس کے رسول ہی ان کے مددگار ہیں۔

---

(۱) مرقاۃ المفاتیح ۱۱/۱۴۲، کتاب المناقب باب مناقب قریش وذکر القبائل، رقم: ۵۹۹۲

(۲) الصحیح لمسلم، کتاب فضائل الصحابة، باب: من فضائل غفار وأسلم، رقم: ۲۵۱۹۔

مشکل الفاظ کے معنی: موالی: "ی" ضمیر متکلم کی طرف مضاف ہے، اور یہ لفظ مولی کی جمع ہے، اس کے مختلف معنی ہیں مگر یہاں اس کے معنی ناصر اور مددگار کے ہیں۔

قبیلہ مزینہ، جہینہ، غفار اور قبیلہ اشجع کی فضیلت

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مذکورہ حدیث میں چھ قبائل کی فضیلت کو ذکر فرمایا ہے:

۱۔ انصار یعنی قبیلہ اوس اور خزرج کے لوگ، ان کا ذکر پہلے گذر چکا ہے۔

۲۔ قبیلہ مزینہ (میم پر پیش اور زا پر زبر) یہ عمرو بن اد، کی بیوی کا نام ہے، جو کلب بن وبرہ کی بیٹی ہے، اس کے اپنے شوہر سے دو بیٹے ہیں: اوس بن عمرو اور عثمان بن عمرو، ان دونوں کی اولاد کو بنو مزینہ اور مزنیون کہا جاتا ہے، اس قبیلہ سے ہی مشہور صحابی حضرت عبداللہ بن معقل مزنی رضی اللہ عنہ ہیں۔

۳۔ قبیلہ جہینہ (جیم پر پیش اور ہا و پر زبر ہے، تصغیر کی حالت میں ہے) یہ جہینہ بن زید کی اولاد ہے، اسی کے نام سے یہ قبیلہ مشہور ہو گیا ہے، اسی قبیلہ سے حضرت عقبہ بن عامر جہنی رضی اللہ عنہ ہیں۔

۴۔ غفار (غین کے نیچے زیر) یہ ایک قبیلہ ہے، اس کی تفصیل اگلے باب میں آ رہی ہے، اسی طرح قبیلہ اسلم کا ذکر بھی اگلے باب میں ہے۔

۵۔ قبیلہ اشجع: یہ اشجع بن ریث کی اولاد میں سے ہیں، اسی قبیلہ سے حضرت نعیم بن مسعود رضی اللہ عنہ ہیں۔

۶۔ قبیلہ بنی عبدالدار۔

ان قبائل کے مسلمانوں کی آپ نے تعریف فرمائی ہے کہ ان تمام نے مشکل وقت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد و نصرت کی ہے، لہذا اللہ اور اس کے رسول بھی ان کے مددگار ہیں، حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ یہ قبائل زمانہ جاہلیت میں بڑی شان و شوکت اور طاقت وقوت والے تھے، اسلام قبول کرنے کے بعد ان لوگوں نے اپنی تمام تر صلاحیتیں اسلام کی خدمت میں صرف کر دیں، ہر محاذ پر ان لوگوں نے اللہ اور اس کے رسول کی مدد کی ہے، اس وجہ سے انہیں یہ شرف اور فضیلت حاصل ہوئی ہے۔(۱)

بَابٌ فِي ثَقِيفٍ وَبَنِي حَنِيفَةَ

یہ باب قبیلہ ثقیف اور بنی حنیفہ کے بیان میں ہے

عَنْ جَابِرٍ، قَالَ: قَالُوا: يَارَسُولَ اللهِ: أَحْرَقَتْنَا نِبَالُ ثَقِيفٍ، فَادْعُ اللهَ عَلَيْهِمْ، قَالَ: اللَّهُمَّ اهْدِ ثَقِيفًا.

---

(۱) فتح الباری ۶/۶۷۳، کتاب المناقب باب ذکر اسلم و غفار، تکملة فتح الملہم ۵/۲۸۷، کتاب فضائل الصحابة، باب فضائل غفار و اسلم، مرقاۃ المفاتیح ۱۱/۱۳۶، کتاب المناقب باب مناقب قریش و ذکر القبائل، رقم: ۵۹۸۵

حضرت جابر بن عبداللہ کہتے ہیں کہ (غزوہ طائف کے موقع پر) کچھ صحابہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ ثقیف کے تیروں نے ہمیں جلا دیا ہے، لہذا ان کے لیے بددعا کر دیجئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے اللہ! قبیلہ ثقیف کو ہدایت عطا فرما دے۔

مشکل الفاظ کے معنی: احرقتنا: (صیغہ واحد مؤنث) ہم کو تیروں نے جلا دیا، بھون ڈالا، نبال: (نون کے نیچے زیر) نبل کی جمع ہے: تیر، یہ لفظ، احرقتنا کا فاعل ہے، فادع اللہ علیہم: لہذا آپ ان کے خلاف بددعا فرما دیں۔

قبیلہ ثقیف کے لیے ہدایت کی دعا

غزوہ طائف کے موقع پر جب مسلمانوں نے کفار کا محاصرہ کیا ہوا تھا، اس وقت کفار اپنے قلعوں سے بہت تیر پھینکتے تھے، تیروں کی بوچھاڑ سے تنگ آ کر بعض صحابہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! قبیلہ ثقیف کے خلاف بددعا فرما دیں، اس جنگی حالت میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دشمن کے لیے بددعا نہیں کی، بلکہ ان کی ہدایت کے لیے دعا فرما دی کہ اللہ جل جلالہ ان کو اسلام قبول کرنے اور ان کو اطاعت کرنے کی توفیق عطا فرما دے، اس سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی کمال شفقت ثابت ہوتی ہے کہ اپنی امت کی ہدایت کے لیے ہر وقت اللہ تعالیٰ سے دعاء مانگتے تھے۔(۱)

عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ، قَالَ: مَاتَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ يَكْرَهُ ثَلَاثَةَ أَحْيَاءٍ: ثَقِيفًا وَبَنِي حَنِيفَةَ وَبَنِي أُمَيَّةَ.(۲)

حضرت عمران بن حصین کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات اس حال میں ہوئی کہ آپ تین قبیلوں یعنی ثقیف، بنی حنیفہ اور بنی امیہ کو ناپسند کرتے تھے۔

قبیلہ ثقیف، بنی حنیفہ اور بنی امیہ سے کسی قدر اظہار ناگواری

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان تین قبائل کو پسند نہیں فرماتے تھے: (۱) قبیلہ ثقیف، ثقیف: قبیلہ ہوازن کا بڑا تھا، اس کا نام: قسی بن منبہ بن بکر بن ہوازن تھا، (۲) قبیلہ بنی حنیفہ، حنیفہ: اثال بن لجیم کا لقب تھا، یہ اس قبیلہ کا بڑا تھا، (۳) بنی امیہ، یہ قریش کا ایک قبیلہ ہے، ان قبائل کو پسند نہ کرنے کی وجہ یہ ہے کہ ان میں کچھ افراد ایسے تھے، جن سے کفریہ طاقتوں کو فائدہ پہنچا، اور مسلمانوں کو شدید اذیت، رنج والم اور طرح طرح کے مصائب سے دوچار ہونا پڑا، اور چونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو آگاہ کر دیا تھا کہ آگے چل کر ان قبائل سے کیسے کیسے فتنے اور ظالم لوگ پیدا ہوں گے، اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان قبائل کو

(۱) مرقاۃ المفاتیح ۱۱/۱۴۱، کتاب المناقب، باب مناقب قریش، رقم: ۵۹۹۵۔

(۲) مسند احمد ۴/۴۲۳۔

پسند نہیں فرماتے تھے، چنانچہ ثقیف وہ قبیلہ ہے جس میں مختار بن ابی عبید اور حجاج بن یوسف جیسا مشہور ظالم و جابر شخص پیدا ہوا، بنی حنیفہ وہ قبیلہ ہے، جس میں مسیلمہ کذاب جیسا مدعی نبوت پیدا ہوا اور بنوامیہ وہ قبیلہ ہے، جس میں عبید اللہ بن زیاد پیدا ہوا، یہ وہی ابن زیاد ہے، جو یزید بن معاویہ کی طرف سے کوفہ و بصرہ کا گورنر تھا، جس نے یزید کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو شہید کرایا، ان کے سر کی بے حرمتی کی، (۱) اس کی مزید تفصیل مناقب حسین میں گذر چکی ہے۔

کچھ فسادی لوگوں کی وجہ سے آپ ان قبائل کو پسند نہیں فرماتے تھے، مگر بعض دوسری وجوہات سے ان سے محبت بھی فرماتے تھے، جیسے اس کے بعد کی احادیث میں ہے، لہذا کچھ وجوہات سے پسند اور کچھ اسباب سے ناپسند کرتے تھے۔

عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰہِ صَلَّى اللّٰہُ عَلَيْہِ وَسَلَّمَ: فِي ثَقِيفٍ كَذَّابٌ وَمُبِيرٌ. (۲)

حضرت عبداللہ بن عمر کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: قبیلہ ثقیف میں ایک بہت بڑا جھوٹا اور ایک ہلاک کرنے والا یعنی قاتل (پیدا) ہوگا۔

قبیلہ ثقیف کے دو شخصوں کے بارے میں پیشن گوئی

حضور اکرم ﷺ نے قبیلہ ثقیف کے دو شخصوں کے بارے میں پیشن گوئی دی تھی کہ اس میں ایک کذاب اور ایک ہلاکو پیدا ہوگا، کذاب سے مختار بن ابی عبید ثقفی اور ہلاکو سے حجاج بن یوسف مراد ہے، ان دو کے تفصیلی احوال معارف ترمذی جلد دوم ابواب الفتن باب ماجاء في ثقيف كذاب و مبير میں گذر چکے ہیں، ان کو وہاں دیکھ لیا جائے۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ أَعْرَابِيًّا أَهْدَى لِرَسُولِ اللّٰہِ صَلَّى اللّٰہُ عَلَيْہِ وَسَلَّمَ بَكْرَةً، فَعَوَّضَهُ مِنْهَا سِتَّ بَكَرَاتٍ فَتَسَخَّطَهَا، فَبَلَغَ ذَلِكَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰہُ عَلَيْہِ وَسَلَّمَ، فَحَمِدَ اللّٰہَ وَأَثْنَى عَلَيْہِ، ثُمَّ قَالَ: إِنَّ فُلَانًا أَهْدَى إِلَيَّ نَاقَةً، فَعَوَّضْتُهُ مِنْهَا سِتَّ بَكَرَاتٍ، فَظَلَّ سَاخِطًا، لَقَدْ هَمَمْتُ أَنْ لَا أَقْبَلَ هَدِيَّةً إِلَّا مِنْ قُرَشِيٍّ، أَوْ أَنْصَارِيٍّ، أَوْ ثَقَفِيٍّ، أَوْ دَوْسِيٍّ. (۳)

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ ایک دیہاتی نے نبی کریم ﷺ کو ایک جوان اونٹنی ہدیہ میں دی، آپ نے اسے اس کے بدلے میں چھ جوان اونٹنیاں عنایت فرمائیں، مگر وہ ان چھ اونٹنیوں سے ناراض ہوگیا، یہ بات نبی کریم ﷺ کو پتہ چلی تو آپ نے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء بیان کی، پھر فرمایا: فلاں شخص نے مجھے ایک جوان اونٹنی ہدیہ میں دی، تو میں نے اسے اس کے بدلے میں چھ جوان اونٹنیاں دیں، مگر اس کے باوجود وہ ناراض ہوگیا، اللہ کی قسم میں نے یہ

---

(۱) مرقاۃ المفاتیح ۱۱/۱۴۰، کتاب المناقب، باب مناقب قریش، رقم: ۵۹۹۲۔

(۲) مسند احمد ۲/۲۶۔

(۳) سنن ابی داؤد، کتاب البیوع، باب: فی قبول الهدایا، رقم: ۳۵۳۷۔

ارادہ کرلیا ہے کہ قریشی، انصاری، ثقفی اور دوسی کے علاوہ کسی سے میں ہدیہ قبول نہیں کروں گا۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: أَهْدَى رَجُلٌ مِنْ بَنِي فَزَارَةَ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَاقَةً مِنْ إِبِلِهِ الَّتِي كَانُوا أَصَابُوا بِالغَابَةِ، فَعَوَّضَهُ مِنْهَا بَعْضَ العِوَضِ، فَتَسَخَّطَ، فَسَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى الْمِنْبَرِ يَقُولُ: إِنَّ رِجَالًا مِنَ العَرَبِ يُهْدِي أَحَدُهُمُ الْهَدِيَّةَ، فَأُعَوِّضُهُ مِنْهَا بِقَدْرِ مَا عِنْدِي، ثُمَّ يَتَسَخَّطُهُ، فَيَظَلُّ يَتَسَخَّطُ فِيهِ عَلَيَّ، وَايْمُ اللهِ: لَا أَقْبَلُ بَعْدَ مَقَامِي هَذَا مِنْ رَجُلٍ مِنَ العَرَبِ هَدِيَّةً إِلَّا مِنْ قُرَشِيٍّ، أَوْ أَنْصَارِيٍّ، أَوْ ثَقَفِيٍّ، أَوْ دَوْسِيٍّ.

حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ قبیلہ فزارہ کے ایک شخص نے نبی کریم ﷺ کو اپنے ان اونٹوں میں سے ایک اونٹنی ہدیہ دی، جو انہیں مقام غابہ سے ملے تھے، آپ نے اسے اس کے بدلے میں کچھ دیا، تو وہ اس سے ناراض ہوگیا، چنانچہ میں نے نبی کریم ﷺ کو اس منبر پر فرماتے ہوئے سنا: عرب کے کچھ لوگوں میں سے کوئی ایک (مجھے) ہدیہ دیتا ہے اور میں بھی جو کچھ میرے پاس دستیاب ہوتا ہے، اس کے بقدر اسے بدلہ دیتا ہوں، پھر وہ اس عوض سے ناراض ہوجاتا ہے، اور وہ اس کی وجہ سے مسلسل مجھ سے ناراض ہی رہتا ہے، اللہ کی قسم: میں اس قیام (یعنی خطاب) کے بعد قریشی، انصاری، ثقفی اور دوسی کے علاوہ، عرب کے کسی آدمی کا کوئی ہدیہ قبول نہیں کروں گا۔

مشکل الفاظ کے معنی: بکرة: (با پر زبر اور کاف ساکن) نوجوان اونٹنی، اس کی جمع بکرات ہے، فعوضته: (صیغہ متکلم) میں نے اسے بدلہ دیا، فتسخطها: پھر وہ ان چھ اونٹنیوں سے ناراض ہوگیا، فظل ساخطا: پس وہ خفا اور ناراض ہوگیا، لقد هممت: یہ جواب قسم ہے اس سے پہلے قسم مقدر ہے: واللہ: اللہ کی قسم میں نے ارادہ کرلیا، التی کانوا أصابوا: وہ اونٹ جوان کو ملے تھے، غابة: جگہ کا نام ہے، فعوضته منها: (صیغہ متکلم) میں نے اس اونٹنی کا اسے بدلہ دیا یعنی اسے ہدیہ دیا، فتسخطه: وہ اس عوض سے ناراض ہوگیا، بقدر ما عندی: اس گنجائش کے بقدر، جو میرے پاس موجود ہوتی ہے، دستیاب ہوتی ہے، یتسخط فیه علی: وہ مجھ سے مسلسل خفا ہی ہے، ناراض ہے، وایم اللہ: اور اللہ کی قسم، بعد مقامی هذا: میرے اس قیام یعنی تقریر وخطاب اور بیان کے بعد۔

چار قبیلوں کے علاوہ کسی عربی کا ہدیہ قبول نہ کرنے کا پختہ ارادہ

مسئلہ یہ ہے کہ اگر آپ کسی کو کوئی چیز ہدیہ کریں تو سنت رسول اور اخلاص کا تقاضا یہ ہے کہ آپ اس بندے سے اس ہدیے کے بدلے کی توقع نہ رکھیں، اور اگر آپ کو کوئی شخص ہدیہ دیتا ہے تو اعلیٰ ظرفی اور حسن اخلاق کی رو سے مناسب یہ ہے کہ آپ اسے بدلے میں کوئی چیز ہدیہ کریں، اس سے جانبین میں محبت اور الفت میں اضافہ ہوتا ہے۔

حضرات صحابہ میں سے جب کوئی شخص نبی کریم ﷺ کو ہدیہ دیتا تھا، تو اس کے ذہن میں واپس بدلہ کا تو تصور تک نہیں

آتا تھا، چہ جائیکہ زیادہ کی امید سے آپ کو ہدیہ دیا جائے، لیکن اس کے باوجود نبی کریم ﷺ کا معمول یہ تھا کہ جب بھی کوئی شخص آپ کی خدمت میں کوئی چیز بطور ہدیہ کے پیش کرتا، تو آپ اس کو کسی نہ کسی صورت میں اس کا بدلہ، اس کے ہدیہ سے کہیں زیادہ عطا فرماتے تھے، اس سے نبی کریم ﷺ کی اعلیٰ ظرفی اور جذبہ سخاوت ثابت ہوتا ہے۔

چنانچہ ترمذی کی مذکورہ روایت میں آپ کے اسی معمول کا ذکر ہے کہ آپ نے اس دیہاتی کو بدلے میں چھ جوان اونٹنیاں عطا فرمائیں، مگر وہ ان سے بھی خوش نہیں ہوا، ناراض ہوگیا، اس نے اپنے ذہن میں بہت زیادہ بدلہ کا سوچا ہوا تھا، نبی کریم ﷺ کو اس کے طرز عمل سے بہت دکھ ہوا، آپ نے منبر پر کھڑے ہو کر یہ اعلان فرمایا کہ میں آئندہ صرف چار عرب قبائل کے افراد سے ہدیہ قبول کیا کروں گا، ان کے علاوہ کسی بھی عربی آدمی کا ہدیہ قبول نہیں کروں گا، وہ چار قبیلے یہ ہیں (۱) قبیلہ قریش، (۲) انصار مدینہ (۳) قبیلہ ثقیف (۴) قبیلہ دوس، یہ قبائل انتہائی وسیع الظرف، بلند ہمت اور جذبہ سخاوت سے سرشار تھے، طمع اور حرص و ہوس سے یہ کوسوں دور تھے، اس لیے نبی کریم ﷺ نے ان سے ہدایا قبول کرنے کا اعلان فرمایا۔

ان احادیث سے درج ذیل فوائد ثابت ہوتے ہیں:

- سنت کی نیت سے آپس میں ایک دوسرے کو ہدیہ دیا جائے، اس سے کوئی دنیاوی مفاد پیش نظر نہ ہو۔
- اگر آدمی کو یہ یقین ہو کہ ہدیہ دینے والا شخص، اس سے کوئی اپنا مفاد اور دنیاوی مقصد حل کرائے گا تو بہتر یہ ہے کہ اس کا ہدیہ قبول کرنے سے معذرت کرلی جائے۔
- اس سے قبیلہ قریش، انصار، ثقیف اور قبیلہ دوس کی فضیلت ثابت ہوتی ہے۔ (۱)

عَنْ عَامِرِ بْنِ أَبِي عَامِرٍ الْأَشْعَرِيِّ، عَنْ أَبِيهِ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: نِعْمَ الْحَيُّ الْأَسْدُ وَالْأَشْعَرُونَ، لَا يَفِرُّونَ فِي الْقِتَالِ، وَلَا يَغُلُّونَ، هُمْ مِنِّي وَأَنَا مِنْهُمْ، قَالَ: فَحَدَّثْتُ بِذَلِكَ مُعَاوِيَةَ، فَقَالَ: لَيْسَ هَكَذَا قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: هُمْ مِنِّي وَإِلَيَّ، فَقُلْتُ: لَيْسَ هَكَذَا حَدَّثَنِي أَبِي، وَلَكِنَّهُ حَدَّثَنِي قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: هُمْ مِنِّي وَأَنَا مِنْهُمْ، قَالَ: فَأَنْتَ أَعْلَمُ بِحَدِيثِ أَبِيكَ. (۲)

حضرت عامر بن ابو عامر اشعری اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: قبیلہ اسد یعنی ازد شنوءہ اور قبیلہ اشعر بہت اچھے قبیلے ہیں، یہ قبائل نہ تو جنگ سے بھاگتے ہیں اور نہ مال غنیمت میں خیانت کرتے ہیں، وہ مجھ سے ہیں اور میں ان سے ہوں، حدیث کے راوی حضرت عامر اشعری کہتے ہیں: میں نے یہ حدیث حضرت

---

(۱) مرقاۃ المفاتیح ۱۹۱/۶، کتاب البیوع، العطایا، باب من عرض علیه ریحان، رقم الحدیث: ۳۰۲۲، بذل المجهود ۱۲۴/۱۵، کتاب البیوع، باب: فی قبول الهدایا، رقم: ۳۵۳۷، ط: بیروت

(۲) مسند احمد ۱۲۹/۴۔

معاویہ سے بیان کی تو انہوں نے فرمایا: نبی کریم ﷺ نے ایسا نہیں فرمایا، بلکہ آپ نے یہ فرمایا: ھم منی و الی (وہ مجھ سے ہیں اور میرے ہی حوالے ہیں) میں نے کہا: میرے والد نے تو میرے سامنے اس طرح حدیث بیان نہیں کی، بلکہ میرے والد نے مجھے یہ حدیث اس طرح بیان کی کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا: ھم منی و انا منھم: وہ مجھ سے ہیں اور میں ان سے ہوں، اس پر حضرت معاویہ نے فرمایا: تم اپنے والد کی حدیث کو زیادہ بہتر جانتے ہو۔

مشکل الفاظ کے معنی: نعم الحی: بہترین قبیلے، بہت اچھے قبیلے، لا یفرون: میدان جہاد سے بھاگتے نہیں، ولا یغلون: اور مال غنیمت وغیرہ میں خیانت نہیں کرتے، انت اعلم بحدیث ابیک: تم ہی اپنے باپ کی روایت زیادہ بہتر انداز سے جانتے ہو۔

قبیلہ اسد یعنی ازد شنوءہ اور قبیلہ اشعر کی تعریف

نبی کریم ﷺ نے اس حدیث میں یمن کے دو قبیلوں کی تعریف فرمائی ہے، اور انہیں بہترین قبائل میں سے قرار دیا ہے:

❁ قبیلہ اسد، یہ یمن کا ایک قبیلہ ہے، ان کے بڑے کا نام اسد تھا، اس لیے اسی کے نام سے یہ قبیلہ مشہور ہو گیا، اس قبیلہ کو ازد یعنی اسد کی سین کو زا سے بدل کر ازد بھی کہا جاتا ہے، پھر ازد، دو ہیں: ایک ازد شنوءہ اور دوسرا: ازد عمان، یہاں قبیلہ اسد سے ازد شنوءہ مراد ہے، تمام انصار مدینہ کا تعلق اسی قبیلے سے تھا۔

چنانچہ امام ترمذی نے اس حدیث کے بعد یوں فرمایا: ویقال: الاسد: ھم الازد، قبیلہ اسد کو ہی قبیلہ ازد بھی کہا جاتا ہے، اس سے دراصل امام ترمذی یہ بتانا چاہتے ہیں کہ عرب میں اسد نام کے دو قبیلے ہیں: ایک اسد یعنی ازد شنوءۃ اور دوسرا: اسد بن خزیمہ، جو قبیلہ مضر کے ایک قبیلہ کے بڑے کا نام تھا، پھر اسی سے قبیلہ کا نام بھی اسد پڑ گیا، امام ترمذی نے وضاحت کر دی کہ یہاں حدیث میں قبیلہ اسد سے ازد شنوءہ مراد ہے، قبیلہ مضر کا قبیلہ اسد مراد نہیں ہے۔(۱)

❁ قبیلہ اشعر، اسے اشعرون اور اشعریون بھی کہا جاتا ہے، "اشعر" یمن کا ایک ممتاز اور سرکردہ آدمی تھا، جس کا پورا نام عمرو بن حارثہ تھا، اور اشعر اس کا لقب تھا، پھر اسی لقب سے ہی پورے قبیلہ کو اشعر یا اشعرون یا اشعریون کہا جاتا ہے۔

ان دونوں قبیلوں کی نبی کریم ﷺ نے تعریف فرمائی کہ یہ بہت اچھے قبائل ہیں، میدان جنگ میں جب کفار کے ساتھ مسلمانوں کا معرکہ ہوتا ہے، تو اس سے ایک تو یہ بھاگتے نہیں، جم کر مقابلہ کرتے ہیں، اور دوسرا مال غنیمت وغیرہ میں یہ خیانت نہیں کرتے، اس سے دو باتیں ثابت ہوتی ہیں: ۱۔ کسی بھی دینی کام کو استقامت اور پابندی کے ساتھ کیا جائے، ۲۔ اور مالی معاملات میں خیانت اور ان میں خرد برد نہ کی جائے۔

---

(۱) الکوکب الدری ۴/۳۶۸

ھم منی و انا منھم سے کیا مراد ہے؟ اس میں دو احتمال ہیں:

- وہ مجھ سے ہیں یعنی میری اتباع کرنے والے اور میری سنت اور اسوہ کے مطابق زندگی گذارتے ہیں، اور میں ان سے ہوں یعنی میرا ان سے قریبی تعلق ہے۔
- ان قبائل کے لوگ میرے دوست اور مددگار ہیں، اسی طرح میں بھی ان کا دوست اور مددگار ہوں۔

اس سے ان قبائل کا بلند مقام ثابت ہوتا ہے کہ نبی کریم ﷺ ان کو اپنا قریبی دوست اور مددگار قرار دے رہے ہیں، اور یہ کہ یہ لوگ پرہیزگار اور متقی ہیں، اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا: ان اولیاءہ الا المتقون (سورۃ انفال/آیت:)(اور نبی کریم ﷺ کے دوست سارے کے سارے متقی اور پرہیزگار ہی ہیں)(۱)

عَنْ ابْنِ عُمَرَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: أَسْلَمُ سَالَمَهَا اللهُ، وَغِفَارٌ غَفَرَ اللهُ لَهَا.

حضرت عبداللہ بن عمر سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: قبیلہ اسلم کی اللہ جل جلالہ حفاظت فرمائے، اور قبیلہ غفار کی اللہ تعالیٰ مغفرت فرمائے۔

قبیلہ غفار اور قبیلہ اسلم کے لیے دعا

اس حدیث میں نبی کریم ﷺ نے ان دو قبیلوں کے لیے دعا فرمائی ہے، ان قبائل نے خوشی سے، بغیر کسی لڑائی کے اسلام قبول کر لیا تھا:

۱۔ قبیلہ اسلم کو اللہ تعالیٰ صحیح وسلامت رکھے اور اس کی حفاظت فرمائے، "سالمھا اللہ" اس جملے کے بارے میں دو احتمال ہیں:

- یہ جملہ دعا کا ہو، اس قبیلہ کے لوگوں نے چونکہ بغیر کسی جنگ و جدال اور لڑائی کے اسلام قبول کر لیا تھا، اس لیے نبی کریم ﷺ نے ان کے حق میں دعا فرمائی کہ اللہ تعالیٰ اس قبیلہ کے لوگوں کو امن وسلامتی اور حفاظت میں رکھے۔
- یہ بھی ہوسکتا ہے کہ یہ جملہ آپ نے ایک خبر کو بتانے کے لیے ارشاد فرمایا ہو، اس سے آپ یہ بتا رہے ہوں کہ یہ وہ قبیلہ ہے، جس نے مسلمانوں کے خلاف ہتھیار اٹھانے کو پسند نہیں کیا، اس وجہ سے اللہ تعالیٰ نے انہیں قید و بند کی ذلت اور قتل وغارت سے محفوظ رکھا، تاہم حدیث کے اسلوب سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ جملہ نبی کریم ﷺ نے دعا کے طور پر ہی ارشاد فرمایا ہے۔(۲)

یہ ذہن میں رہے کہ علامہ عینی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اسلم نام کے عرب میں تین قبائل تھے: (۱) اسلم خزاعہ (۲) اسلم

---

(۱) مرقاۃ المفاتیح ۱۱/۱۳۹، کتاب المناقب، باب مناقب قریش و ذکر القبائل، رقم: ۵۹۹۰

(۲) مرقاۃ المفاتیح ۱۱/۱۳۶، رقم الحدیث ۵۹۸۴

مذحج (۳) اسلم بجیلہ، یہ معلوم نہیں کہ حدیث میں ان میں سے کونسا قبیلہ مراد ہے۔(۱)

۲۔ قبیلہ غفار کی اللہ تعالیٰ مغفرت فرمائے، یہاں بھی غفر اللہ لھا میں دو احتمال ہیں:

- یہ بھی ممکن ہے کہ نبی کریم ﷺ قبیلہ غفار کے لیے معافی کی دعا فرما رہے ہوں، کیونکہ زمانہ جاہلیت میں یہ قبیلہ حاجیوں کا ساز وسامان چرایا کرتا تھا، اس حرکت کی وجہ سے اس قبیلہ کو دیگر قبائل میں اچھی نظروں سے نہیں دیکھا جاتا تھا، آپ نے اس داغ کو ختم کرنے کے لیے ان کے لیے دعا فرمائی کہ پہلے جو ہو چکا، سو وہ ہو چکا، ان لوگوں نے خوشی سے اسلام قبول کر لیا ہے، لہذا اب انہیں اس بات کا طعنہ نہ دیا جائے۔
- اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ آپ ﷺ ان الفاظ سے یہ بتا رہے ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے اس قبیلہ کے زمانہ جاہلیت کے جرائم کو کالعدم قرار دے دیا ہے، اور اسلام کی برکت سے ان کو معافی سے نواز دیا ہے۔(۲)

عَنْ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: أَسْلَمُ سَالَمَهَا اللّٰهُ، وَ غِفَارٌ غَفَرَ اللّٰهُ لَهَا، وَ عُصَيَّةُ عَصَتِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهُ.

حضرت عبداللہ بن عمر کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: قبیلہ اسلم کی اللہ تعالیٰ حفاظت فرمائے، اور قبیلہ غفار کی اللہ تعالیٰ مغفرت فرمائے، اور قبیلہ عصیہ نے اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کی ہے۔

قبیلہ عصیہ، رعل اور ذکوان نے بیر معونہ میں ستر قراء کو شہید کیا

نبی کریم ﷺ نے اس حدیث میں قبیلہ عصیہ کا ذکر فرمایا کہ اس نے اللہ اور رسول کی نافرمانی کی ہے، اس کا پس منظر یہ ہے کہ قبیلہ رعل، ذکوان اور عصیہ نے نبی کریم ﷺ سے درخواست کی کہ آپ ہماری طرف ستر قراء بھیج دیں، جو ہمیں اسلام کی تعلیم دیا کریں، ان کی آمد اور دعوت وتبلیغ سے ہمارے تمام لوگ مسلمان ہو جائیں گے، آپ ﷺ نے اس وقت کے حالات کے لحاظ سے یہی مناسب سمجھا کہ ان کو ان قبائل کے علاقے میں روانہ کر دیا جائے، یوں اس طرف بھی بغیر لڑائی کے اسلام پھیل جائے گا، ان قبائل نے عہد شکنی کرتے ہوئے ان تمام قراء کو شہید کر دیا، آپ کو اس حادثہ پر طبعی طور پر بہت دکھ ہوا، اس کے بعد آپ ﷺ ایک ماہ تک قبیلہ رعل، ذکوان اور عصیہ کے خلاف قنوت نازلہ پڑھتے رہے۔

اس روایت میں عصت اللہ و رسولہ سے اسی واقعہ کی طرف اشارہ ہے کہ قبیلہ عصیہ نے عہد شکنی کرنے اور صحابہ کرام کو شہید کر کے اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کی ہے، جو ان کے لیے ذلت اور رسوائی کا باعث ہے۔(۳)

---

(۱) عمدۃ القاری، ۷۶/۱۶، کتاب المناقب، باب مناقب قریش، ۸۱/۱۶، باب ذکر أسلم وغفار۔

(۲) شرح مسلم نووی ۳۰۶/۲، کتاب فضائل الصحابۃ باب فضائل غفار واسلم مرقاۃ المفاتیح ۱۳۶/۱۱، کتاب المناقب باب مناقب قریش وذکر القبائل

(۳) فتح الباری ۴۹۱/۷، کتاب المغازی باب غزوۃ الرجیع ورعل وذکوان وعصیۃ

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: وَالَّذِي نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهِ لَغِفَارٌ، وَأَسْلَمُ، وَمُزَيْنَةُ، وَمَنْ كَانَ مِنْ جُهَيْنَةَ، أَوْ قَالَ جُهَيْنَةُ، وَمَنْ كَانَ مِنْ مُزَيْنَةَ، خَيْرٌ عِنْدَ اللهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مِنْ أَسَدٍ، وَطَيِّئٍ، وَغَطَفَانَ.(۱)

حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں محمد کی جان ہے: قبیلہ غفار، اسلم، مزینہ، قبیلہ جہینہ اور مزینہ کے لوگ قیامت کے دن اللہ کے نزدیک قبیلہ اسد، طی اور غطفان کے لوگوں سے بہتر ہوں گے۔

چار بہترین قبائل

اس حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قبیلہ غفار، اسلم، مزینہ اور جہینہ کے لوگوں کو قبیلہ اسد، طی اور غطفان سے بہتر قرار دیا ہے، یہ قیامت کے دن اللہ کے ہاں ان سے بہتر ہوں گے، امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ان قبیلوں کو اس لیے افضل قرار دیا ہے کہ انہوں نے قبیلہ اسد، طی اور غطفان سے پہلے اسلام قبول کیا ہے، اور اسلامی تعلیمات پر نہایت اچھے انداز سے عمل کیا ہے۔(۲)

اور قبیلہ اسد کے بہت سے لوگ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد طلیحہ بن خویلد کے ساتھ مرتد ہو گئے تھے، اس طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بات بالکل صادق آگئی کہ قبیلہ اسد کے لوگ قیامت کے دن بہتر نہیں ہوں گے۔(۳)

عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ، قَالَ: جَاءَ نَفَرٌ مِنْ بَنِي تَمِيمٍ إِلَى رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: أَبْشِرُوا يَا بَنِي تَمِيمٍ. قَالُوا: بَشَّرْتَنَا فَأَعْطِنَا، قَالَ: فَتَغَيَّرَ وَجْهُ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَجَاءَ نَفَرٌ مِنْ أَهْلِ الْيَمَنِ فَقَالَ: اقْبَلُوا الْبُشْرَى، إِذْ لَمْ يَقْبَلْهَا بَنُو تَمِيمٍ، قَالُوا: قَدْ قَبِلْنَا.(۴)

حضرت عمران بن حصین فرماتے ہیں کہ (ایک مرتبہ) بنی تمیم کا ایک وفد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، تو آپ نے فرمایا: اے بنی تمیم! تم لوگ خوشخبری قبول کرو، وہ کہنے لگے: آپ نے ہمیں بشارت دے دی ہے، تو اب کچھ مال بھی عنایت کر دیں، راوی کہتے ہیں: اس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ بدل گیا، پھر یمن کے کچھ لوگ آپ کے پاس آئے، تو آپ نے ان سے فرمایا: تم لوگ خوشخبری قبول کر لو، بنو تمیم نے تو اس بشارت کو قبول نہیں کیا، ان لوگوں نے عرض کیا: ہم (دل وجان سے) خوشخبری کو قبول کرتے ہیں۔

---

(۱) الصحیح لمسلم، کتاب فضائل الصحابۃ، باب من فضائل غفار... رقم: ۲۵۲۱۔

(۲) شرح مسلم نووی ۳۰۷/۲، کتاب فضائل الصحابۃ باب فضائل غفار واسلم، الکوکب الدری ۴۶۸/۴

(۳) تکملۃ فتح الملہم ۲۸۸/۵، کتاب فضائل الصحابۃ، باب فضائل غفار

(۴) الصحیح للبخاری، کتاب بدء الخلق، باب ما جاء فی قول اللہ تعالی: وھو الذی یبدأ الخلق، رقم: ۳۱۹۰۔

مشکل الفاظ کے معنی: ابشروا: تم لوگ بشارت وخوشخبری قبول کرو، خوش ہو جاؤ، فاعطنا: (صیغہ امر) لہذا آپ ہمیں کچھ مال دے دیں، فتغیر وجہ رسول اللہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ بدل گیا، متغیر ہو گیا۔

یمن کے ایک وفد نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بشارت قبول کر لی

سن ۹ھ میں بنوتمیم کا ایک وفد مدینہ منورہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا، آپ نے ان سے فرمایا کہ تم لوگ ''بشارت'' قبول کرلو، بشارت سے مراد یہ تھی کہ جس نے بھی اخلاص سے اسلام قبول کرلیا ہے، وہ بالآخر جنت میں ضرور جائے گا، لہذا تمہیں اللہ نے اسلام کی دولت عطا فرما دی ہے، اب تم یہاں رہ کر علم دین سیکھو اور اس کے مطابق عمل کرنے کی کوشش کرو، اس طرح کرنے سے تم لوگ جہنم کے بجائے جنت میں داخل ہو جاؤ گے، بنوتمیم نے کہا کہ آپ نے بشارت تو دے دی ہے، مگر ہمیں کچھ مال بھی عطا فرما دیں، ابن جوزی کہتے ہیں کہ یہ بات آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے حضرت اقرع بن حابس نے کی تھی، ان کا مقصد آپ کی بشارت کو العیاذ باللہ رد کرنا نہیں تھا، مگر معاشی تنگی ان پر اس قدر سخت تھی کہ انہوں نے آپ کی بشارت کی طرف کوئی خاص توجہ نہیں کی، دنیاوی مال کا واضح الفاظ سے مطالبہ کر دیا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کا یہ انداز بہت برا لگا، آپ کا چہرہ انور ناگواری سے تبدیل ہو گیا، اتنے میں یمن کا ایک وفد حاضر خدمت ہوا، تو آپ نے ان سے فرمایا کہ تم لوگ بشارت قبول کرلو، کیونکہ بنوتمیم نے اسے قبول نہیں کیا، دیکھئے بنوتمیم نے صراحت کے ساتھ بشارت کی نفی نہیں کی، مگر انہوں نے مال کا مطالبہ کر کے، جو بشارت سے بے رخی کی، اس کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بشارت قبول نہ کرنے سے تعبیر فرمایا ہے، اور ان کے مالی مطالبہ سے چونکہ یہ ظاہر ہو رہا تھا کہ ان کی توجہ آخرت کے بجائے دنیا اور اس کے ساز و سامان کی طرف ہے، جبکہ نبی کی صحبت کا تقاضا یہ تھا کہ ان کی بناری توجہ آخرت کی طرف ہی ہو، اس لیے ان کے اس رویہ سے آپ کو دکھ ہوا اور آپ کا چہرہ متغیر ہو گیا، حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یمن کے اس وفد سے قبیلہ حمیر کے افراد مراد ہیں، جن میں حضرت نافع بن زید حمیری بھی ہیں، یمن کے اس وفد نے اس بشارت نبوی کو قبول کر لیا، ان سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم خوش ہو گئے۔

اس سے معلوم ہوا کہ مؤمن کی شان یہ ہونی چاہیے کہ اسکی ساری توجہ آخرت کی طرف ہو، اس زندگی کو سنوارنے کی شب و روز کوشش کرے، دنیا میں ایک مسافر کی طرح زندگی گذارے، اس کے ساتھ دل اور اسے اپنا مقصد حیات نہ بنائے۔

فتغیر وجہ رسول اللہ، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے کے آثار بدلنے کی دو وجہیں ہو سکتی ہیں:

۱۔ آپ کو افسوس ہوا کہ بنوتمیم نے دنیا کو کیسے ترجیح دی۔

۲۔ یا اس وجہ سے کہ اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کوئی مال دینے کے لیے نہیں تھا، اس لیے آپ کا چہرہ انور بدل گیا۔(۱)

---

(۱) فتح الباری ۶/۳۵۴، کتاب بدء الخلق باب ما جاء فی قول اللہ تعالیٰ: و هو الذی یبدأ الخلق، ایضا ۱۳/۵۰۴، کتاب التوحید باب و کان عرشه علی الماء، مرقاۃ المفاتیح ۱۰/۳۶۲، کتاب احوال القیامة باب بدء الخلق و ذکر الانبیاء۔

عَنْ ابْنِ أَبِي بَكْرَةَ، عَنْ أَبِيهِ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: أَسْلَمُ وَغِفَارٌ وَمُزَيْنَةُ خَيْرٌ مِنْ تَمِيمٍ وَأَسَدٍ وَغَطَفَانَ وَبَنِي عَامِرِ بْنِ صَعْصَعَةَ، يَمُدُّ بِهَا صَوْتَهُ فَقَالَ الْقَوْمُ: قَدْ خَابُوا وَخَسِرُوا، قَالَ: فَهُمْ خَيْرٌ مِنْهُمْ.(۱)

حضرت ابوبکرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: قبیلہ اسلم، غفار اور مزینہ کے لوگ، تمیم، اسد، غطفان اور بنی عامر بن صعصعہ کے لوگوں سے بہتر ہیں، نبی کریم ﷺ ان کلمات کے ساتھ اپنی آواز بلند کرتے تھے، لوگوں نے کہا: یہ لوگ (یعنی تمیم، اسد، غطفان اور بنی عامر) ناکام ہو گئے اور خسارے میں رہ گئے، نبی کریم ﷺ نے فرمایا: وہ یعنی قبیلہ اسلم، غفار اور مزینہ کے لوگ ان سے یعنی تمیم، اسد، غطفان اور بنی عامر سے بہتر ہیں۔

اسلم، غفار اور مزینہ بہترین قبائل ہیں

اس حدیث میں نبی کریم ﷺ نے قبیلہ اسلم، غفار اور مزینہ کے لوگوں کو قیامت کے دن اللہ کے ہاں بہتر قرار دیا ہے، اسوجہ سے کہ ان کے اکثر لوگ سابقین فی الاسلام تھے اور دینی تعلیمات پر نہایت کامل طریقے سے عمل پیرا تھے۔

اسد سے اسد بن خزیمہ مراد ہے، چنانچہ آپ ﷺ کی وفات کے بعد ان میں سے بہت سے لوگ طلیحہ بن خویلد کے ساتھ مرتد ہو گئے، اور بنو تمیم: سجاح نامی عورت کے ساتھ مرتد ہو گئے، جس نے نبوت کا دعویٰ کیا تھا۔(۲)

عَنْ ابْنِ عُمَرَ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: اللّٰهُمَّ بَارِكْ لَنَا فِي شَامِنَا، اللّٰهُمَّ بَارِكْ لَنَا فِي يَمَنِنَا، قَالُوا: وَفِي نَجْدِنَا، فَقَالَ: اللّٰهُمَّ بَارِكْ لَنَا فِي شَامِنَا، وَبَارِكْ لَنَا فِي يَمَنِنَا، قَالُوا: وَفِي نَجْدِنَا، قَالَ: هُنَالِكَ الزَّلَازِلُ وَالْفِتَنُ، وَبِهَا، أَوْ قَالَ: مِنْهَا يَخْرُجُ قَرْنُ الشَّيْطَانِ.(۳)

حضرت عبداللہ بن عمر کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: یا اللہ! ہمارے لئے ہمارے شام میں برکت عطا فرما، یا اللہ! ہمارے لیے ہمارے یمن میں برکت عطا فرما، بعض صحابہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! ہمارے نجد کے بارے میں بھی برکت کی دعا فرما دیجئے، مگر آپ ﷺ نے پھر یہی دعا فرمائی: اے اللہ! ہمارے شام اور ہمارے یمن میں ہمارے لئے برکت عطا فرما دے، بعض صحابہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! ہمارے نجد میں بھی ہمارے لیے برکت کی دعا فرما دیں، اس پر آپ ﷺ نے فرمایا: وہاں یعنی نجد میں زلزلے اور طرح طرح کے فتنے رونما ہوں گے، اور وہیں سے شیطان کا سینگ نکلے گا۔

---

(۱) کنز العمال، رقم: ۳۴۰۳۶۔
(۲) تحفۃ الاحوذی ۴۱۸/۱۰
(۳) الصحیح للبخاری، الفتن، باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم: الفتنۃ من قبل المشرق، رقم: ۷۰۹۴۔

شام اور یمن کے لیے برکت کی دعا

اس حدیث میں نبی کریم ﷺ نے بار بار شام اور یمن کے لیے برکت کی دعا فرمائی، ان دو جگہوں کو آپ نے دعا میں کیوں مخصوص کیا؟ اس کی تین وجہیں ہوسکتی ہیں:

۱۔ سرزمین شام کو مبارک زمین کہا گیا ہے، قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "الذی بارکنا حولہ" مسجد اقصیٰ کے آس پاس کی جگہ جو کہ شام ہے، اسے ہم نے بابرکت بنادیا ہے، نیز اس پر بہت سے نبی تشریف لائے، اور اب بہت سے انبیاء کی یہ آخری آرامگاہ اور مدفن ہے، ان خصوصیتوں کی وجہ سے پہلے شام کے لیے برکت کی دعا کی گئی، شام میں برکت سے مراد یہ ہے کہ وہاں کی ظاہری اور باطنی نعمتوں میں اضافہ ہوجائے، ظاہری نعمتوں سے وہاں کی کھانے پینے وغیرہ کی اشیاء مراد ہیں اور باطنی نعمتیں یہ ہیں کہ وہاں کے لوگ نیک اور اولیاء اللہ بنیں، وہاں ایسی برکت عطا فرما، جس سے تمام مسلمانوں کو بالعموم اور اہل مدینہ کو بالخصوص فوائد حاصل ہوں۔

یمن کا ذکر اس لیے کیا کہ وہاں کا ایمان اور حکمت، اللہ اور اس کے رسول کو پسند ہے، جیسا کہ اس کی تفصیل پہلے گذر چکی ہے، یہاں بھی یمن میں برکت سے ظاہری اور معنوی دونوں طرح کی برکتیں مراد ہیں، کہ اللہ تعالیٰ اس ملک کو ظاہر میں بھی خوشحال، پرامن اور ترقی یافتہ بنائے، اور معنوی اور روحانی طور پر بھی وہاں کے لوگ نیک، دیندار اور صالح رہیں، اللہ کے اولیاء اور پرہیزگار لوگ یہاں سے پیدا ہوں۔

۲۔ ان دو مقامات کے لیے برکت کی دعا اس وجہ سے بھی کی گئی کہ ان دو ملکوں سے مدینہ والوں کے لیے کھانے پینے کی چیزیں اور تجارتی سامان آتا تھا۔

۳۔ بعض نے یہ وجہ لکھی ہے کہ نبی کریم ﷺ کی ولادت اور رسالت کے ظہور کی جگہ مکہ مکرمہ ہے، اور مکہ مکرمہ یمن کے قریب ہے، اور نبی کریم ﷺ کی ہجرت، رہائش اور دفن کی جگہ مدینہ منورہ ہے جو شام کے قریب ہے، یہ دونوں ملک یعنی یمن: مکہ کے اور شام: مدینہ کے قریب ہے، یہ قربت ہی ان کی فضیلت کے لیے کافی ہے، اسی وجہ سے نبی کریم ﷺ نے یمن اور شام کی نسبت اپنی طرف کی ہے، اور ان کی عظمت شان کی وجہ سے جمع کی ضمیر لائے یعنی یہ فرمایا: ہمارے شام اور ہمارے یمن میں برکت عنایت فرمادے۔(۱)

نجد کی جانب زلزلے اور فتنے ہوں گے

اس موقع پر جب آپ ﷺ شام اور یمن کے لیے برکت کی دعا فرما رہے تھے، بعض صحابہ نے تین بار یہ درخواست کی

(۱) مرقاۃ المفاتیح ۱۱/۴۰۳، کتاب المناقب باب ذکر الیمن والشام، الکوکب الدری ۴/۴۶۹، ۴۷۰

کہ یارسول اللہ: ہمارے نجد میں بھی برکت کی دعا فرما دیجئے، آپ ہر بار شام اور یمن کے لیے ہی برکت کی دعاء فرماتے رہے، پھر آپ نے فرمایا کہ نجد میں تو زلزلے اور فتنوں کا ظہور ہوگا، وہاں سے شیطان کا سینگ نکلے گا، اس لیے میں وہاں کے لیے برکت کی دعا نہیں کر سکتا، فتنوں کی تو سرکوبی کرنی ہے، نہ کہ ان میں اضافے کے لیے برکت کی دعاء، اس لیے آپ نے نجد اور مشرق کے لیے برکت کی دعا نہیں فرمائی۔

"نجد" عربی زبان میں بلند جگہ کو کہا جاتا ہے، یہاں حدیث میں نجد سے مشرق کی جہت مراد ہے، چنانچہ ایک اور حدیث میں آپ نے نحو المشرق کے الفاظ ارشاد فرمائے ہیں کہ مشرق کی جانب فتنوں کا ظہور ہوگا، اور نجد بھی مدینہ منورہ سے مشرق کی طرف واقع ہے، یہاں حدیث میں نبی کریم ﷺ نے نجد یعنی مشرق سے متعلق تین باتیں ارشاد فرمائی ہیں:

۱۔ وہاں زلزلے آئیں گے، ان سے ظاہری زلزلے بھی مراد ہیں کہ زمین ہلنا شروع ہو جائے گی، اور باطنی طور پر بھی وہاں زلزلے ظاہر ہوں گے کہ وہاں کے لوگوں کے دل مضطرب اور پریشان ہوں گے، ان کو قلبی سکون حاصل نہیں ہوگا۔

۲۔ وہاں فتنے ہوں گے، ان سے وہ مصائب و آفات اور آزمائشیں مراد ہیں، جن کی وجہ سے وہ لوگ مزید دین میں کمزور اور اس سے دور ہو جائیں گے۔

علامہ عینی فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فتنوں کی جگہ مشرق بتائی ہے، جس میں نجد بھی واقع ہے، کیونکہ عہد رسالت میں مشرق کی جانب سارے کافر رہتے تھے، آپ نے یہ پیشن گوئی فرمائی کہ اس جانب میں فتنے ظاہر ہوں گے، چنانچہ آپ کا یہ کلام بالکل صادق ہوا، اسی علاقے میں جنگ جمل، جنگ صفین اور عراق وغیرہ میں خوارج کے فتنے سامنے آئے، اسی طرح خراسان اصفہان سے دجال کا ظہور ہوگا، یہ بھی مدینہ سے مشرق کی جہت میں ہے۔(۱)

۳۔ نجد سے شیطان کا سینگ نکلے گا، سینگ نکلنے سے کیا مراد ہے؟ اس میں شارحین کے تین قول ہیں:

- شیطان کے حقیقت میں دو سینگ ہیں، جو اس کے سر کے دونوں جانب میں ہیں۔
- اس سے شیطان کا تسلط اور غلبہ مراد ہے۔
- شیطان کے معاون اور مددگار مشرق کی جانب میں بہت ہوں گے، حضور کے زمانے میں مشرق کی جانب سارے کافر ہی رہتے تھے۔

یہ تینوں باتیں جمع بھی ہو سکتی ہیں، ان میں کوئی تضاد اور منافات نہیں، نبی کریم ﷺ نے نجد اور اہل مشرق کے لیے دعا اس لیے نہیں کی، تاکہ وہاں فتنے زیادہ نہ ہوں، اور وہاں کے لوگ ان فتنوں سے دور رہنے کی کوشش کریں۔(۲)

---

(۱) عمدة القاری ۱۹۹/۲۴، کتاب الفتن، باب قول النبی ﷺ الفتنة من قبل المشرق

(۲) فتح الباری ۱۳/۵۸، کتاب الفتن باب قول النبی ﷺ: الفتنة من قبل المشرق، الکوکب الدری ۲۶۹/۴، ۲۷۰، مرقاة المفاتیح ۴۰۳/۱۱۔

عَنْ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ، قَالَ: كُنَّا عِنْدَ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نُؤَلِّفُ الْقُرْآنَ مِنَ الرِّقَاعِ، فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: طُوبَى لِلشَّامِ، فَقُلْنَا: لِأَيٍّ ذٰلِكَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ؟ قَالَ: لِأَنَّ مَلَائِكَةَ الرَّحْمٰنِ بَاسِطَةٌ أَجْنِحَتَهَا عَلَيْهَا.(۱)

حضرت زید بن ثابت کہتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس قرآن مجید کو کاغذ وغیرہ کے ٹکڑوں سے جمع کر رہے تھے، کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: شام کے (لوگوں کے) لیے خوشخبری ہے، ہم نے پوچھا: کس وجہ سے یا رسول اللہ! آپ نے فرمایا: اس لیے کہ رحمن کے فرشتوں نے اپنے پر اس ملک پر پھیلائے ہوئے ہیں۔

مشکل الفاظ کے معنی: نؤلف: ہم جمع کر رہے تھے، رقاع: (را کے نیچے زیر) رقعۃ کی جمع ہے: ٹکڑے، وہ چیز یعنی کاغذ، چمڑے کے ٹکڑے وغیرہ، جس پر لکھا جا سکے، طوبی: خوشخبری ہے، باسطۃ: پھیلائے ہوئے ہیں اجنحۃ: جناح کی جمع ہے: پر۔

رحمت کے فرشتوں کے پر ملک شام پر

مذکورہ حدیث میں دو باتوں کا ذکر ہے:

۱۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں چمڑے اور کاغذ وغیرہ کے ٹکڑوں پر قرآن مجید لکھا جاتا تھا، ایک جگہ کتابی صورت میں اس وقت نہیں تھا۔

۲۔ ملک شام کی فضیلت بیان کی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کے فرشتوں نے اس ملک پر اپنے پر پھیلا رکھے ہیں، تاکہ وہ لوگ کفر اور کافروں سے محفوظ رہیں، (۲) اس سے ملک شام کی فضیلت ثابت ہوتی ہے، یہی وجہ ہے کہ ہر زمانے میں اولیاء کرام اور قطب ابدال وہاں ہوتے رہے ہیں۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: لَيَنْتَهِيَنَّ أَقْوَامٌ يَفْتَخِرُونَ بِآبَائِهِمْ، الَّذِينَ مَاتُوا، إِنَّمَا هُمْ فَحْمُ جَهَنَّمَ، أَوْ لَيَكُونُنَّ أَهْوَنَ عَلَى اللّٰهِ مِنَ الْجُعَلِ، الَّذِي يُدَهْدِهُ الْخِرَاءَ بِأَنْفِهِ، إِنَّ اللّٰهَ أَذْهَبَ عَنْكُمْ عُبِّيَّةَ الْجَاهِلِيَّةِ وَفَخْرَهَا بِالْآبَاءِ، إِنَّمَا هُوَ مُؤْمِنٌ تَقِيٌّ وَفَاجِرٌ شَقِيٌّ، النَّاسُ كُلُّهُمْ بَنُو آدَمَ، وَآدَمُ خُلِقَ مِنْ تُرَابٍ.

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ لوگ ضرور باز آ جائیں، جو اپنے ان باپ دادا پر فخر کرتے ہیں، جو (زمانہ جاہلیت میں) مر چکے ہیں، وہ لوگ جہنم کا کوئلہ ہیں، ورنہ وہ فخر کرنے والے لوگ یقیناً اللہ کے ہاں اس گوبر کے کالے کیڑے سے بھی زیادہ ذلیل ہو جائیں گے، جو پاخانے اور لید کو اپنی ناک سے لڑھکاتا ہے، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے تم لوگوں سے جاہلیت کے تکبر و نخوت اور آباء و اجداد پر فخر کرنے کو دور کر دیا ہے، اب لوگ یا تو

(۱) مسند احمد ۵/۱۸۴۔

(۲) مرقاۃ المفاتیح ۱۱/۴۰۵، کتاب المناقب باب ذکر الیمن والشام، رقم: ۶۲۷۳۔

ایمان والے پرہیزگار ہیں یا فاسق اور بدبخت، سب لوگ آدم علیہ السلام کی اولاد ہیں، اور آدم کو مٹی سے پیدا کیا گیا ہے۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: قَدْ أَذْهَبَ اللهُ عَنْكُمْ عُبِّيَّةَ الْجَاهِلِيَّةِ وَفَخْرَهَا بِالْآبَاءِ، مُؤْمِنٌ تَقِيٌّ، وَفَاجِرٌ شَقِيٌّ، وَالنَّاسُ بَنُو آدَمَ، وَآدَمُ مِنْ تُرَابٍ.

حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے تم سے زمانہ جاہلیت کے نخوت وتکبر اور جاہلیت کا آباؤ واجداد پر فخر کرنے کو دور کر دیا ہے، اب لوگ یا تو ایمان والے پرہیزگار ہیں، یا فاسق و بدبخت، تمام انسان آدم علیہ السلام کی اولاد ہیں، اور آدم علیہ السلام مٹی سے پیدا کئے گئے ہیں۔

مشکل الفاظ کے معنی: لینتھین: ضرور باز آجائیں، یفتخرون: جو فخر کرتے ہیں، اتراتے ہیں، فحم: (فا پر زبر اور حا ساکن) کوئلہ، لیکونن: (صیغہ جمع) اس کی ھم ضمیر "اقوام" کی طرف لوٹ رہی ہے، یعنی اپنے آباء واجداد پر فخر کرنے والے لوگ، اس کا عطف لینتھین پر ہے، جعل: (جیم پر پیش اور عین پر زبر) کالا کیڑا جو لید، گوبر اور پاخانہ کو اپنی ناک سے آگے آگے لے جاتا ہے، اسے عربی میں خنفساء بھی کہا جاتا ہے، اور اردو میں اسے "بھونرا" اور "گبریلا" بھی کہتے ہیں، یدھدہ: لڑھکاتا ہے، آگے آگے لے جاتا ہے، اس لفظ کے آخر میں "ہٗ" ضمیر نہیں بلکہ یہ حروف اصلیہ میں سے ہے، الخراء: (خاء کے نیچے زیر) لید، پاخانہ، بیٹ، بأنفه: اپنی ناک سے، اذھب عنکم: اللہ تعالیٰ نے تم سے دور کر دیا ہے، عبیۃ: (عین پر پیش، با کے نیچے زیر اور تشدید، یا باء پر زبر اور تشدید) نخوت، غرور، تکبر، فخرھا بالاباء: جاہلیت کا آباؤ واجداد پر فخر کرنا۔

حسب ونسب پر فخر کرنے کی ممانعت

امام ترمذی رحمہ اللہ نے اس سے پہلے مخصوص افراد، قبائل اور مختلف جگہوں کے مناقب اور فضائل بیان کئے ہیں، اپنی کتاب کے بالکل آخر میں مذکورہ احادیث کو ذکر کر کے، اس بات پر تنبیہ کرنا چاہتے ہیں کہ ان فضائل کی وجہ سے کوئی بھی انسان خود پسندی اور عجب میں مبتلا نہ ہو، اپنے گذشتہ آباء واجداد پر فخر کرنے سے کوئی فائدہ نہیں، اصل چیز اعمال ہیں، اگر نامہ اعمال میں اعمال صالحہ ہوئے، تو وہ اسے آخرت میں فائدہ پہنچائیں گے، خواہ اس کا نسب کچھ بھی ہو، کسی بھی رنگ و نسل اور قبیلے سے ہو، لیکن اگر اعمال سے تہی دامن ہے تو محض اپنے نسب پر فخر کرنے یا اعلیٰ نسب ہونے سے اسے ایک ذرے کا بھی فائدہ نہیں ہوگا، بلکہ الٹا اس پر وبال آسکتا ہے، چنانچہ مذکورہ روایات میں دو چیزوں کو بیان کیا ہے:

۱۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑی سختی اور تاکید سے منع فرمایا کہ جن لوگوں کے باپ، دادا، زمانہ جاہلیت میں کفر پر مر چکے ہیں، ان پر لوگ فخر وغرور اور اترانا چھوڑ دیں، وہ تو جہنم کی آگ کا ایندھن ہیں، ایسے میں ان پر فخر کرنے کے کیا معنی، اور اگر وہ اس فخر سے باز نہیں آتے تو پھر اللہ کے ہاں وہ ذلیل ورسوا ہو جائیں گے، ان کا مقام اللہ کی نظر میں اس کالے کیڑے سے بھی زیادہ ذلیل ہے،

جو کیڑا پاخانے کو اپنی ناک سے لڑھکاتا ہے، اور اسے اخروٹ کی طرح گولی بنا کر اپنے بل میں لے جاتا ہے۔

اس مثال میں اپنے آباء واجداد پر فخر کرنے والوں کو اس گوبر والے کالے کیڑے سے تشبیہ دی ہے، اور ان فوت شدہ لوگوں کو لید اور پاخانے سے، اور ان کے اس فخر کے عمل کو پاخانے کو لڑھکانے کے مشابہ قرار دیا ہے۔

۲۔ اللہ تعالیٰ نے زمانہ جاہلیت کی اس رسم کو بالکل ختم کر دیا ہے کہ انسان اپنے آباء واجداد اور نسب پر فخر کرے، خواہ انسان کے آباء واجداد مسلمان ہوں، ان کی وجہ سے شوخیاں بکھیرنا اور اترانا جائز نہیں، عصبیت کے ان بتوں کو، آپ نے ہمیشہ کے لیے تہس نہس کر دیا ہے، جاہلیت کی نخوت، تکبر اور جاہلیت کے فخر کو اسلام نے ختم کر دیا ہے۔(۱)

بس اب لوگ دو ہی قسم کے ہیں یا تو ایمان والے اور پرہیزگار ہیں، اور یا فاسق وفاجر اور بدبخت ہیں، ان میں کسی کے لیے بھی اپنے آباواجداد پر فخر کرنا جائز نہیں، اور پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات کو سمجھانے کے لیے مزید فرمایا کہ تمام لوگ حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد ہیں، اور حضرت آدم کو مٹی سے پیدا کیا گیا ہے، اور مٹی میں عجز وانکساری ہے، اس میں کوئی بڑائی نہیں تو پھر آپس میں ایک دوسرے پر فخر کرنے کے کیا معنیٰ، اور دوسروں کو حقیر کس وجہ سے سمجھا جاتا ہے، ہاں فضل وشرف کا معیار، اللہ جل جلالہ کے پاس تقوی پر ہے، سورہ حجرات میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم۔(۲)

علامہ خطابی فرماتے ہیں کہ فخر اور تکبر کرنے والا اگر تو مومن اور متقی ہے، تو اس کے لیے کسی بھی طرح جائز نہیں کہ وہ کسی کو حقیر سمجھے اور اپنی بڑائی جتائے، اور فخر کرنے والا: فاجر اور شقی ہے تو وہ اللہ کے ہاں ذلیل ہے، اور ذلیل ورسوا انسان تو تکبر کرنے کا اہل ہی نہیں، اس سے معلوم ہوا کہ تکبر کرنا کسی بھی انسان کے لیے کسی بھی وقت جائز نہیں، یہ صرف اور صرف اللہ جل جلالہ کے لیے ہی مناسب ہے، کوئی اور اس کا سزاوار نہیں، وله الكبرياء في السموات والارض وهو العزيز الحكيم۔(۳)

الحمد للہ آج بروز منگل بعد از ظہر ۲۹ رجب ۱۴۳۶ھ بمطابق ۲۰ مئی ۲۰۱۵ء کو ترمذی جلد ثانی کی شرح اللہ جل جلالہ کے فضل وکرم سے مکمل ہوگئی ہے، اس کے بعد کتاب العلل کی شرح ہے۔

❁ ❁ ❁

(۱) الکوکب الدری ۴/۴۷۲، مرقاۃ المفاتیح ۹/۱۲۲، کتاب الاداب باب المفاخرۃ، تحفۃ الاحوذی ۱۰/۴۲۲

(۲) مرقاۃ المفاتیح ۹/۱۲۲، کتاب الاداب باب المفاخرۃ والعصبیۃ

(۳) معالم السنن ۴/۱۴۸، تحفۃ الاحوذی ۱۰/۴۲۲

ابواب العلل

امام ترمذی رحمہ اللہ نے علل فی الحدیث کے موضوع پر دو کتابیں لکھی ہیں، ایک: العلل الکبیر اور دوسری: العلل الصغیر، یہ کتاب العلل: "علل صغیر" ہی ہے، یہ ایک چھوٹا سا رسالہ ہے، جسے امام ترمذی رحمہ اللہ نے ترمذی کے آخر میں اسے ذکر کیا ہے، اس میں انہوں نے یہ بتایا ہے کہ میں نے کن کن راویوں سے احادیث حاصل کی ہیں، اور کس راوی میں کونسا طعن اور عیب پایا جاتا ہے، اور بعض مقامات پر علل فی الحدیث کو بھی ذکر کیا ہے۔

اگر کسی راوی میں یہ عیب ہو کہ اسے حدیث کے روایت کرنے میں "وہم" ہوتا ہو، تو اس طرح کی حدیث کو "حدیث معلول" کہا جاتا ہے، عربی لغت اور قواعد کے لحاظ سے اس کو "حدیث معل" کہنا چاہیے، مگر خلاف قیاس اسے حدیث معَلل کہہ دیا جاتا ہے، اور حدیث معلول کہنا بھی عربی لغت کے لحاظ سے ضعیف ہے۔

حدیث معلل یا معلول کی اصطلاحی تعریف

هُوَ الْحَدِيْثُ الَّذِيْ اطُّلِعَ فِيْهِ عَلٰى عِلَّةٍ تَقْدَحُ فِيْ صِحَّتِهٖ مَعَ أَنَّ الظَّاهِرَ السَّلَامَةُ مِنْهَا۔

حدیث معلول: اس حدیث کو کہا جاتا ہے، جس میں ماہر فن کو کسی ایسی علت کا پتہ چل جائے، جو اس حدیث کی صحت پر عیب لگا دے، حالانکہ ظاہری لحاظ سے وہ حدیث اس علت اور خرابی سے صحیح سالم ہوتی ہے۔

اور "علت" کہتے ہیں: ھی سبب، غامض، خفی، قادح فی صحة الحدیث، علت: ایک انتہائی پوشیدہ سبب ہوتا ہے جو حدیث کی صحت کو داغدار اور عیب دار بنا دیتا ہے، جیسے راوی کا جھوٹا یا غافل ہونا یا اس کا حافظہ برا ہو، وغیرہ، اور امام ترمذی نے تو نسخ کو بھی علت میں شمار کیا ہے۔

اور بسا اوقات "علت" کا لفظ محض اس طعن اور عیب کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے، جو حدیث میں پایا جاتا ہے اگرچہ وہ طعن، مخفی اور باعث عیب نہ ہو جیسے حدیث متصل کو مرسلاً ذکر کرنا، اس معنی کے لحاظ سے حدیث صحیح کو "حدیث صحیح معلل" کہا جاتا ہے۔

ماہر فن جب ایک حدیث کے تمام طرق کو جمع کرتا ہے، تو اس سے اسے اس علت کا علم حاصل ہو جاتا ہے، اور یہ علت زیادہ تر سند میں پائی جاتی ہے اور بسا اوقات متن میں بھی یہ علت پائی جاتی ہے۔

اس موضوع پر اہل فن نے بہت سی کتابیں لکھی ہیں، جن میں سے چند مشہور کتب درج ذیل ہیں:

۱۔ کتاب العلل لابن المدینی

۲۔ علل الحدیث لابن ابی حاتم

۳۔ العلل و معرفۃ الرجال لاحمد بن حنبل

۴۔ العلل الکبیر للامام الترمذی

۵۔ العلل الصغیر للامام الترمذی، یہی کتاب ہمارے ہاتھوں میں ہے اور اسی کی شرح لکھی جارہی ہے۔

۶۔ العلل الواردۃ فی الاحادیث النبویۃ للدار قطنی یہ کتاب زیادہ جامع اور بہت سی اہم مباحث پر مشتمل ہے، اور قابل مطالعہ کتاب ہے۔(۱)

أخبرنا أبو عيسى التِّرمِذِيّ، قَالَ: جَمِيعُ مَا فِي هَذَا الْكِتَابِ مِنَ الْحَدِيثِ هُوَ مَعْمُولٌ بِهِ، وَبِهِ أَخَذَ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ مَا خَلَا حَدِيثَيْنِ: حَدِيثَ ابْنِ عَبَّاسٍ: أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ جَمَعَ بَيْنَ الظُّهْرِ وَالْعَصْرِ بِالْمَدِينَةِ، وَالْمَغْرِبِ وَالْعِشَاءِ مِنْ غَيْرِ خَوْفٍ وَلَا سَفَرٍ، وَلَا مَطَرٍ، وَحَدِيثَ النَّبِيِّ ﷺ أَنَّهُ قَالَ: إِذَا شَرِبَ الْخَمْرَ فَاجْلِدُوهُ فَإِنْ عَادَ فِي الرَّابِعَةِ فَاقْتُلُوهُ، وَقَدْ بَيَّنَّا عِلَّةَ الْحَدِيثَيْنِ جَمِيعًا فِي الْكِتَابِ۔

امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس کتاب (یعنی جامع ترمذی) کی تمام حدیثوں پر عمل کیا گیا ہے، اور ان کو بعض اہل علم نے لیا ہے، سوائے دو حدیثوں کے، (پہلی) ابن عباس کی حدیث ہے کہ نبی کریم ﷺ نے مدینہ میں ظہر اور عصر کو، مغرب اور عشاء کو بغیر کسی خوف کے، بغیر کسی سفر اور بغیر کسی بارش کے جمع فرمایا، (دوسری) نبی کریم ﷺ کی یہ حدیث ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب کوئی شخص شراب پیئے تو تم لوگ اسے کوڑے مارو پھر اگر وہ چوتھی بار بھی لوٹے (یعنی شراب پی لے) تو تم اسے قتل کردو، اور ہم نے دونوں حدیثوں کی علت اور وجہ کتاب ترمذی میں بیان کر دی ہے۔

دو کے علاوہ ترمذی کی تمام احادیث پر امت کا عمل ہے

امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جامع ترمذی کی تمام احادیث پر امت کا عمل ہے، سوائے دو حدیثوں کے کہ ان پر کسی بھی مشہور امام کا عمل نہیں ہے:

۱۔ پہلی حدیث ابن عباس کی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے مدینہ منورہ میں ظہر، عصر اور مغرب وعشاء کو جمع کیا، اس وقت نہ تو کسی دشمن کا خوف تھا، نہ سفر تھا اور نہ بارش تھی۔

۲۔ دوسری حضرت معاویہ کی حدیث ہے، جس میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا: شراب پینے والے کو کوڑے لگاؤ، پھر اگر چوتھی بار بھی وہ شراب پی لے، تو اسے قتل کردو۔

امام ترمذی فرماتے ہیں کہ ان دو حدیثوں پر کسی بھی امام مجتہد نے عمل نہیں کیا، چنانچہ تمام آئمہ کا مسلک یہی ہے کہ شرابی کو

(۱) تیسیر مصطلح الحدیث (ص:۹۸) ط: رحمانیہ لاہور

کوڑے ہی مارے جائیں گے، اسے قتل نہیں کیا جائے گا، اسی طرح مقیم آدمی بغیر کسی عذر کے دو نمازوں کو جمع نہیں کرسکتا، امام شافعی، امام احمد بن حنبل اور امام مالک کے نزدیک بھی سفر، بارش یا مرض کی وجہ سے دو نمازوں کو جمع کیا جاسکتا ہے، بغیر کسی عذر کے ان حضرات کے نزدیک بھی دو نمازوں کو جمع کرنا جائز نہیں ہے۔(۱)

امام ترمذی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب ترمذی میں پہلی حدیث پر عمل نہ ہونے کی دو وجہیں بیان کی ہیں:

❁ ابن عباس ہی کی دوسری روایت امام ترمذی نے اسی باب یعنی باب ما جاء فی الجمع بین الصلاتین فی الحضر میں ذکر کی ہے، جس میں نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو شخص بغیر کسی شرعی عذر کے دو نمازیں جمع کرتا ہے، تو وہ کبیرہ گناہوں کے دروازوں میں سے ایک دروازے پر آتا ہے یعنی ایسا کرنا کبیرہ گناہ ہے۔

یہ روایت اگرچہ ضعیف ہے مگر آئمہ مجتہدین نے اسے اختیار کر کے یہی کہا ہے کہ دو نمازوں کو بغیر کسی عذر کے ایک ساتھ پڑھنا جائز نہیں۔

❁ محدثین کے نزدیک یہ ضابطہ ہے کہ جب کوئی راوی اپنی روایت کے خلاف دوسری روایت بیان کرے، تو اس کی پہلی روایت سے استدلال نہیں کیا جاسکتا، وہ متروک ہو جاتی ہے، لہذا ابن عباس سے جو پہلی روایت یہ منقول ہے کہ آپ ﷺ نے مدینہ منورہ میں بغیر کسی عذر کے دو دو نمازوں کو جمع کیا ہے، اسے اس دوسری حدیث کی وجہ سے چھوڑ دیا گیا ہے۔(۲)

احناف فرماتے ہیں کہ اگر ابن عباس کی پہلی روایت کو جمع صوری پر محمول کیا جائے تو پھر وہ روایت بھی قابل عمل ہو جائے گی، جمع صوری سے مراد یہ ہے کہ ظہر کے آخر وقت میں ظہر کی نماز اور پھر عصر کے ابتدائی وقت میں ہی عصر کی نماز پڑھ لی جائے، ایسے ہی مغرب کے آخری وقت میں مغرب کی اور عشاء کے شروع وقت میں ہی عشاء کی نماز پڑھ لی جائے۔(۳)

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس روایت کے ظاہر پر کسی مشہور امام کا تو عمل نہیں، مگر ابن سیرین، ربیعہ، اشہب، ابن المنذر، قفال کبیر اور بعض اہل حدیث نے یہ موقف اختیار کیا ہے کہ محض کسی حاجت کی وجہ سے شہر کے اندر بھی ظہر و عصر، اور مغرب و عشاء کو جمع کیا جاسکتا ہے،(۴)

امام ترمذی نے حضرت معاویہ کی حدیث کے بارے میں فرمایا ہے کہ یہ حدیث ابتداء میں مشروع تھی، بعد میں اس کا حکم منسوخ ہو گیا، اس پر انہوں نے دو دلیلیں ذکر کی ہیں:

۱۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس ایک ایسا شخص لایا گیا، جس نے چوتھی بار شراب

---

(۱) جامع ترمذی ۱/۱۲۳، ابواب السفر، باب ما جاء فی الجمع بین الصلاتین۔

(۲) جامع ترمذی ۱/۴۶، ابواب الصلاۃ، باب ما جاء فی الجمع بین الصلاتین۔

(۳) الکوکب الدری ۴/۲۷۴۔

(۴) فتح الباری ۲/۳۱، کتاب مواقیت الصلاۃ، باب تاخیر الظہر الی العصر۔

پی تھی، آپ نے اسے سزا دی، مگر اسے قتل کرنے کا حکم نہیں دیا۔

۲۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کسی بھی مسلمان کو تین صورتوں کے علاوہ قتل کرنا جائز نہیں: ۱۔ قصاصاً قتل کرنا۔ ۲۔ شادی شدہ زانی کو سنگسار کرنا۔ ۳۔ مرتد کو قتل کرنا۔

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ شرابی کو حد کے طور پر سزا میں قتل کرنا جائز نہیں۔ (۱)

احناف یہ کہتے ہیں کہ شرابی کو حد کے طور پر تو قتل کرنا جائز نہیں، لیکن اگر حاکم وقت کسی مصلحت کی وجہ سے یہ مناسب سمجھے کہ شرابی کو قتل کر دیا جائے تو تعزیراً وہ ایسا کر سکتا ہے، اگر اس توجیہ کو سامنے رکھا جائے تو پھر حدیث معاویہ بھی قابل عمل ہو جائے گی، پھر اسے منسوخ قرار دینے کی ضرورت نہیں ہوگی۔ (۲)

وَمَا ذَكَرْنَا فِي هَذَا الْكِتَابِ مِنْ اخْتِيَارِ الْفُقَهَاءِ، فَمَا كَانَ فِيهِ مِنْ قَوْلِ سُفْيَانَ الثَّوْرِيِّ فَأَكْثَرُهُ مَا حَدَّثَنَا بِهِ مُحَمَّدُ بْنُ عُثْمَانَ الْكُوفِيُّ، حدثنا عُبَيْدُ اللهِ بْنُ مُوسَى عَنْ سُفْيَانَ، وَمِنْهُ مَا حدثني بِهِ أَبُو الْفَضْلِ مَكْتُومُ بْنُ الْعَبَّاسِ التِّرْمِذِيُّ، حدثنا مُحَمَّدُ بْنُ يُوسُفَ الفريابيُّ عن سفيانَ۔

امام ترمذی فرماتے ہیں کہ ہم نے اس کتاب میں فقہاء کے جو پسندیدہ اقوال ذکر کئے ہیں، ان میں جو سفیان ثوری کے اقوال ہیں، ان میں سے اکثر اقوال کو ہم سے محمد بن عثمان کوفی نے، ان سے عبید اللہ بن موسیٰ نے، سفیان ثوری سے نقل کئے ہیں، اور سفیان ثوری کے ہی بعض اقوال وہ ہیں، جو مجھ سے ابو الفضل مکتوم بن عباس ترمذی نے بیان کئے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ ان سے (یعنی مکتوم سے) محمد بن یوسف فریابی نے سفیان ثوری سے روایت کئے ہیں۔

امام ترمذی تک سفیان ثوری کے اقوال کی دو سندیں

امام ترمذی رحمہ اللہ نے اکابر فقہاء کے اقوال اپنی کتاب ترمذی میں سند کے بغیر ذکر کئے ہیں، اب یہاں سے ان اقوال کی سندیں ذکر کر رہے ہیں، فرماتے ہیں کہ میں نے سفیان ثوری سے جو اقوال اس کتاب میں نقل کئے ہیں، ان کی دو سندیں ہیں:

۱۔ محمد بن عثمان الکوفی، عن عبید اللہ بن موسیٰ، عن سفیان الثوری۔

۲۔ ابو الفضل مکتوم بن العباس الترمذی، عن محمد بن یوسف الفریابی، عن سفیان الثوری۔

وَمَا كَانَ مِنْ قَوْلِ مَالِكِ بْنِ أَنَسٍ فَأَكْثَرُهُ مَا حَدَّثَنَا بِهِ إِسْحَاقُ بْنُ مُوسَى الْأَنْصَارِيُّ، أَخْبَرَنَا مَعْنُ بْنُ عِيسَى الْقَزَّازُ، عن مَالِكِ بْنِ أَنَسٍ، وَمَا كَانَ فِيهِ مِنْ أَبْوَابِ الصَّوْمِ فَأَخْبَرَنَا بِهِ أَبُو مُصْعَبٍ الْمَدِينِيُّ، عن مَالِكِ بْنِ أَنَسٍ، وَبَعْضُ كَلَامِ مَالِكٍ مَا أَخْبَرَنَا بِهِ مُوسَى بْنُ حِزَامٍ، أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مَسْلَمَةَ الْقَعْنَبِيُّ، عن مَالِكِ بْنِ

---

(۱) جامع الترمذی ۱/۲۶۶، ابواب الحدود، باب من شرب الخمر فاجلدوہ

(۲) الکوکب الدری ۴/۴۷۶

أَنَسٍ۔

اور امام مالک بن انس کے جو اقوال اس کتاب میں ہیں، ان میں سے اکثر اقوال ہم سے اسحاق بن موسیٰ انصاری نے بیان کئے ہیں، ان سے معن بن عیسیٰ قزاز نے مالک بن انس سے روایت کئے ہیں، اور اس کتاب میں جو اقوال امام مالک کے ابواب الصوم سے متعلق ہیں، ان کو ہم سے ابو مصعب مدینی نے امام مالک بن انس سے بیان کیا ہے، اور امام مالک کے بعض اقوال وہ ہیں، جو ہم سے موسیٰ بن حزام نے بیان کئے ہیں، ان سے عبداللہ بن مسلمہ قعنبی نے امام مالک بن انس سے نقل کر کے بیان کئے ہیں۔

امام ترمذی تک امام مالک کے اقوال کی تین سندیں

امام ترمذی فرماتے ہیں کہ مجھ تک امام مالک بن انس کے جو اقوال پہنچے ہیں، ان کی تین سندیں ہیں:

۱۔ اسحاق بن موسیٰ انصاری، عن معن بن عیسی القزاز، عن مالک بن انس۔

۲۔ ابواب الصوم سے متعلق اقوال کی سند: ابومصعب المدینی، عن انس بن مالک۔

۳۔ امام مالک کے بعض اقوال کی سند: موسیٰ بن حزام، عن عبداللہ بن مسلمۃ القعنبی، عن مالک بن انس۔

وَمَا كَانَ فِيهِ مِنْ قَوْلِ ابْنِ الْمُبَارَكِ فَهُوَ مَا حَدَّثَنَا بِهِ أَحْمَدُ بْنُ عَبْدَةَ الْآمُلِيُّ عَنْ أَصْحَابِ ابْنِ الْمُبَارَكِ عَنْهُ، وَمِنْهُ مَا رُوِيَ عَنْ أَبِي وَهْبٍ عَنِ ابْنِ الْمُبَارَكِ، وَمِنْهُ مَا رُوِيَ عَنْ عَلِيِّ بْنِ الْحَسَنِ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ الْمُبَارَكِ، وَمِنْهُ مَا رُوِيَ عَنْ عَبْدَانَ عَنْ سُفْيَانَ بْنِ عَبْدِ الْمَلِكِ عَنِ ابْنِ الْمُبَارَكِ، وَمِنْهُ مَا رُوِيَ عَنْ حِبَّانَ بْنِ مُوسَى عَنِ ابْنِ الْمُبَارَكِ، وَمِنْهُ مَا رُوِيَ عَنْ وَهْبِ بْنِ زَمْعَةَ عَنْ فَضَالَةَ النَّسَوِيِّ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ الْمُبَارَكِ، وَلَهُ رِجَالٌ مُسَمَّوْنَ سِوَى مَنْ ذَكَرْنَا عَنِ ابْنِ الْمُبَارَكِ۔

اور عبداللہ بن مبارک کے جو اقوال جامع ترمذی میں ہیں، ان میں سے بعض کو ہم سے احمد بن عبدہ آملی نے بیان کیا ہے، انہوں نے عبداللہ بن مبارک کے شاگردوں سے، اور انہوں نے وہ ابن مبارک سے نقل کیے ہیں، اور ابن مبارک کے بعض اقوال وہ ہیں، جو احمد بن عبدہ نے ابو وہب محمد بن مزاحم سے روایت کیے ہیں، اور انہوں نے ابن مبارک سے نقل کیے ہیں، اور بعض اقوال وہ ہیں، جو احمد بن عبدہ آملی نے علی بن حسن سے، اور انہوں نے عبداللہ بن مبارک سے نقل کیے ہیں، اور بعض اقوال وہ ہیں، جو احمد بن عبدہ آملی نے عبدان سے، انہوں نے سفیان بن عبدالملک سے اور انہوں نے ابن مبارک سے روایت کیے ہیں، اور بعض اقوال وہ ہیں، جو احمد بن عبدہ آملی نے حبان بن موسیٰ سے اور انہوں نے ابن مبارک سے نقل کیے ہیں، اور بعض اقوال وہ ہیں جو احمد بن عبدہ آملی نے وہب بن زمعہ سے، انہوں نے فضالہ نسوی سے اور انہوں نے عبداللہ بن مبارک سے روایت کیے ہیں، اور ابن المبارک کے مذکورہ

شاگردوں کے علاوہ اور بھی متعین شاگرد ہیں، جو ان سے روایت کرتے ہیں۔

امام ترمذی تک عبداللہ بن مبارک کی سندیں

مذکورہ عبارت میں امام ترمذی رحمہ اللہ نے وہ اسناد ذکر کی ہیں، جن کے ذریعہ انہوں نے ابن مبارک کے اقوال حاصل کئے ہیں، فرماتے ہیں کہ ابن مبارک کے اقوال ہم نے احمد بن عبدہ آملی سے لیے ہیں، اور انہوں نے عبداللہ بن مبارک کے مختلف شاگردوں سے یہ اقوال حاصل کیے ہیں، اس لیے عبارت میں جو: ومنه ماروی عن ابی وھب... وماروی... کے الفاظ ہیں، یہ معروف کے صیغے ہیں، ان کی ضمیر احمد بن عبدہ آملی کی طرف لوٹ رہی ہے، ان اسانید کی تفصیل:

۱۔ احمد بن عبدہ آملی، عن ابی وھب محمد بن مزاحم، عن عبداللہ بن مبارک۔

۲۔ احمد بن عبدہ آملی، عن علی بن الحسن، عن ابن المبارک۔

۳۔ احمد بن عبدہ آملی، عن عبدان، عن سفیان بن عبدالملک، عن ابن المبارک۔

۴۔ احمد بن عبدہ آملی، عن حبان بن موسیٰ، عن ابن المبارک۔

۵۔ احمد بن عبدہ آملی، عن وھب بن زمعۃ، عن فضالۃ النسوی، عن عبداللہ بن المبارک۔

ان شاگردوں کے علاوہ ابن مبارک کے کچھ اور مخصوص شاگرد بھی ہیں، جنہوں نے ان سے اقوال روایت کیے ہیں۔

وَمَا كَانَ فِيهِ مِنْ قَوْلِ الشَّافِعِيِّ فَأَكْثَرُهُ مَا أَخْبَرَنِي بِهِ الْحَسَنُ بْنُ مُحَمَّدٍ الزَّعْفَرَانِيُّ عن الشَّافِعِيِّ، وما كان مِنَ الْوُضُوءِ وَالصَّلَاةِ، حدثنا بِهِ أَبُو الْوَلِيدِ الْمَكِّيُّ عن الشَّافِعِيِّ، وَمِنْهُ ما حدثنا أَبُو إِسْمَاعِيلَ، أخبرنا يُوسُفُ بنُ يَحيى الْقُرَشِيُّ الْبُوَيْطِيُّ عن الشَّافِعِيِّ، وَذَكَرَ فِيهِ أَشْيَاءَ عن الرَّبِيعِ عن الشَّافِعِيِّ، وَقَدْ أَجَازَ لَنَا الرَّبِيعُ ذَلِكَ وَكَتَبَ بِهِ إِلَيْنَا۔

اور امام شافعی کے جو اقوال اس کتاب ترمذی میں ہیں، ان میں سے اکثر وہ ہیں، جو مجھے حسن بن محمد زعفرانی نے بتلائے ہیں اور انہوں نے امام شافعی سے نقل کئے ہیں، اور جو اقوال وضو یعنی ابواب الطہارۃ اور ابواب الصلاۃ سے متعلق ہیں ان کو ہم سے ابوالولید مکی نے بیان کیا ہے اور انہوں نے وہ امام شافعی سے حاصل کئے ہیں، اور امام شافعی کے بعض اقوال وہ ہیں، جو ہم سے ابواسماعیل ترمذی نے بیان کئے ہیں، ان کو یوسف بن یحیی قرشی بویطی نے بتایا ہے، اور انہوں نے امام شافعی سے روایت کیے ہیں، اور ابواسماعیل نے امام شافعی کے قول میں کچھ چیزیں ربیع سے ذکر کی ہیں، اور ربیع نے امام شافعی سے نقل کی ہیں، اور ابواسماعیل یا امام ترمذی کہتے ہیں کہ ربیع نے ہمیں ان اشیاء یعنی اقوال کی اجازت دی ہے، اور ربیع نے وہ اقوال ہماری طرف لکھ کر بھی بھیجے ہیں۔

امام ترمذی تک امام شافعی کے اقوال کی سندیں

امام شافعی رحمہ اللہ کے جو اقوال امام ترمذی تک جن ذرائع اور سندوں سے پہنچے ہیں، انہیں اس عبارت میں امام ترمذی نے ذکر کیا ہے، ان کی تفصیل یہ ہے:

۱۔ امام شافعی کے اکثر اقوال کی سند: حسن بن محمد الزعفرانی عن الامام الشافعی۔

۲۔ ابواب الطہارۃ اور ابواب الصلاۃ میں امام شافعی کے اقوال کی سند: الولید المکی، عن الشافعی۔

۳۔ امام شافعی کے بعض اقوال کی سند: ابواسماعیل الترمذی، عن یوسف بن یحیی القرشی البویطی، عن الشافعی۔

۴۔ ابواسماعیل الترمذی، عن الربیع، عن الامام الشافعی۔

وذكر منه اشياء وقد أجاز لنا الربيع کی تشریح

"ذکر" کا فاعل ابواسماعیل الترمذی ہے، وقد اجاز لنا الربیع کس کا مقولہ ہے؟ اس میں دو قول ہیں:

❁ بعض کی رائے یہ ہے کہ وقد اجاز ابواسماعیل کا ہی مقولہ ہے، اس صورت میں اس عبارت کا مطلب یہ ہوگا: ابواسماعیل نے امام شافعی کے اقوال ربیع کے واسطہ سے ذکر کئے، اور ابواسماعیل کہتے ہیں کہ ہمیں ربیع نے ان اقوال کو روایت کرنے کی اجازت دی، اور ربیع نے انہیں ہماری طرف لکھ کر بھی بھیجا ہے مگر تحفۃ الاحوذی والے نے تو اس قول کو باطل قرار دیا ہے۔

❁ زیادہ صحیح یہی ہے کہ ذکر کا فاعل تو ابواسماعیل ہی ہے، لیکن "وقد اجاز لنا الربیع و کتب به الینا" یہ امام ترمذی کا کلام ہے، ابواسماعیل کا نہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ حافظ ابن حجر نے تہذیب التہذیب میں ربیع بن سلیمان کے حالات میں لکھا ہے کہ امام ترمذی نے ابواسماعیل کے واسطے سے ربیع کے وہ اقوال روایت کئے ہیں، جو ربیع نے امام ترمذی کی طرف اجازت کے ساتھ لکھ کر بھیجے تھے۔(۱)

مکاتبہ کا حکم

محدثین کے ہاں حدیث روایت کرنے کا ایک طریقہ "مکاتبہ یا کتابۃ" ہے، اس کی دو صورتیں ہوتی ہیں:

❁ ایک شیخ دوسرے آدمی کی طرف احادیث لکھ کر بھیجے اور ساتھ ہی یہ تصریح کردے کہ ان کو آگے روایت کرنے کی تمہیں اجازت ہے، ایسی صورت میں وہ آدمی بالاتفاق آگے روایت کرسکتا ہے۔

❁ صرف احادیث لکھ کر بھیجے، اس کے ساتھ اجازت بالروایۃ کی کوئی تصریح نہ ہو، اب یہ آدمی آگے روایت کرسکتا ہے یا

---

(۱) تہذیب التہذیب ۷۰/۳ الربیع بن سلیمان بن عبدالجبار، رقم:۱۹۵۶، ط: بیروت، تحفۃ الاحوذی ۳۳۰/۱۰

نہیں، اس میں علماء اصول کی دو آراء ہیں: ایک یہ کہ وہ آدمی جب تک شیخ سے اجازت نہ لے لے، اس وقت تک آگے روایت نہیں کرسکتا، دوسرا قول یہ ہے کہ ایسا آدمی اس صورت میں بھی آگے روایت کرسکتا ہے، کیونکہ احادیث کو لکھ کر دوسرے کی طرف بھیجنے میں اجازت بھی شامل ہوتی ہے، اس قول کو صحیح قرار دیا گیا ہے۔(۱)

وما كان فيه مِنْ قَوْلِ أَحْمَدَ بنِ حَنْبَلٍ وَإِسْحَاقَ بنِ إبْرَاهِيمَ فَهُوَ مَا أخبرنا بِهِ إِسْحَاقُ بنُ مَنْصُورٍ عن أَحْمَدَ وَإِسْحَاقَ إِلَّا مَا فِي أَبْوَابِ الْحَجِّ وَالدِّيَاتِ وَالْحُدُودِ، فَإِنِّي لَمْ أَسْمَعْهُ مِنْ إِسْحَاقَ بنِ مَنْصُورٍ، وَأخبرني بِهِ مُحمدُ بنُ مُوسَى الأَصَمُّ، عَنْ إِسْحَاقَ بنِ مَنْصُورٍ، عن أَحْمَدَ، وَإِسْحَاقَ، وَبَعْضُ كلامِ إِسْحَاقَ أخبرنا بِهِ مُحمدُ بنُ فُلَيْحٍ عن اسحَاقَ، وَقَدْ بَيَّنَّا هَذَا عَلَى وَجْهِهِ فِي الْكِتَابِ الَّذِي فِيهِ الْمَوْقُوفُ.

اور امام احمد بن حنبل اور اسحاق بن ابراہیم کے جو اقوال ترمذی میں ہیں، ان کو ہمیں اسحاق بن منصور نے امام احمد اور اسحاق سے روایت کر کے بیان کیا ہے، سوائے ان اقوال کے جو ابواب الحج، ابواب الدیات اور ابواب الحدود میں ہیں، ان کو میں نے اسحاق بن منصور سے نہیں سنا، یہ اقوال مجھے محمد بن موسیٰ اصم نے بتائے ہیں، انہوں نے اسحاق بن منصور سے اور انہوں نے امام احمد اور امام اسحاق سے روایت کیے ہیں، اور اسحاق بن ابراہیم کا کچھ کلام ہمیں محمد بن فلیح نے بتایا ہے، اور ہم نے یہ سندیں کامل طور پر اس کتاب میں بیان کردی ہیں، جس میں احادیث موقوفہ بھی ہیں۔

امام ترمذی تک امام احمد اور اسحاق کے اقوال کی سندیں

امام ترمذی نے امام احمد اور امام اسحاق بن ابراہیم کے اقوال کی تین سندیں اس عبارت میں ذکر کی ہیں:

۱۔ امام احمد اور امام اسحاق کے اکثر اقوال کی سند: اسحاق بن منصور عن احمد واسحاق۔

۲۔ اور جو اقوال ابواب الحج، ابواب الدیات اور ابواب الحدود میں ہیں، وہ امام ترمذی نے اسحاق بن منصور سے نہیں سنے، بلکہ وہ اقوال امام ترمذی نے محمد بن موسیٰ اصم سے سنے ہیں، وہ سند یہ ہے: محمد بن موسیٰ الاصم، عن اسحاق بن منصور، عن احمد واسحاق۔

۳۔ امام اسحاق بن ابراہیم کے بعض اقوال امام ترمذی کو محمد بن فلیح یا افلح کے ذریعہ حاصل ہوئے ہیں، سند یہ ہے: محمد بن افلح یا فلیح عن اسحاق۔

جامع ترمذی کے علاوہ امام ترمذی کی ایک اور کتاب

امام ترمذی فرماتے ہیں کہ ہم نے جو اقوال جامع ترمذی میں سند کے بغیر ذکر کئے ہیں، انہیں ہم نے کامل سند کے ساتھ اپنی اس کتاب میں ذکر کیا ہے، جس میں حدیث موقوف، مقطوع اور فقہاء کے اقوال اور دیگر مضامین بھی درج ہیں، مگر بصد افسوس

(۱) تیسیر مصطلح الحدیث (ص:۱۶۲)

کہ یہ کتاب ناپید ہے، منظر عام پر نہیں۔

وَمَا كَانَ فِيهِ مِنْ ذِكْرِ الْعِلَلِ فِي الْأَحَادِيثِ وَالرِّجَالِ وَالتَّارِيخِ فَهُوَ مَا اسْتَخْرَجْتُهُ مِنْ كِتَابِ التَّارِيخِ، وَأَكْثَرُ ذَلِكَ مَا نَاظَرْتُ بِهِ مُحَمَّدَ بْنَ إِسْمَاعِيلَ، وَمِنْهُ مَا نَاظَرْتُ عَبْدَ اللهِ بْنَ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، وَأَبَا زُرْعَةَ، وَأَكْثَرُ ذَلِكَ عَنْ مُحَمَّدٍ، وَأَقَلُّ شَيْءٍ فِيهِ عَنْ عَبْدِ اللهِ وَأَبِي زُرْعَةَ، وَلَمْ أَرَ أَحَدًا بِالْعِرَاقِ وَلَا بِخُرَاسَانَ فِي مَعْنَى الْعِلَلِ وَالتَّارِيخِ وَمَعْرِفَةِ الْأَسَانِيدِ كَبِيرَ أَحَدٍ أَعْلَمَ مِنْ مُحَمَّدِ بْنِ إِسْمَاعِيلَ۔

اور جو کچھ جامع ترمذی میں ہے یعنی احادیث کی علتیں، راویوں اور تاریخی باتوں کا تذکرہ، انہیں میں نے امام بخاری کی کتاب التاریخ سے لیا ہے، اور ان میں سے اکثر تو وہ ہیں، جن پر میں نے محمد بن اسماعیل بخاری سے مناظرہ اور بحث مباحثہ کیا ہے، اور ان میں سے کچھ باتیں وہ ہیں جن پر میں نے عبداللہ بن عبدالرحمن دارمی اور ابوزرعہ یعنی عبیداللہ بن عبدالکریم رازی سے مناظرہ کیا، اور ان میں سے اکثر باتیں تو محمد یعنی امام بخاری سے ہی منقول ہیں اور ترمذی میں بہت کم عبداللہ بن عبدالرحمن دارمی اور امام ابوزرعہ سے منقول ہیں، اور میں نے عراق وخراسان میں کسی بھی بڑے بندے کو نہیں دیکھا، جو احادیث کی علتیں جاننے، تاریخ یعنی راویوں کے حالات کی معرفت اور سندوں کے حالات جاننے میں محمد بن اسماعیل یعنی امام بخاری سے زیادہ علم رکھتا ہو۔

ترمذی کی تین چیزوں کو التاریخ الکبیر سے لیا گیا

امام بخاری رحمہ اللہ کی تاریخ میں تین کتابیں ہیں: التاریخ الکبیر، التاریخ الاوسط اور التاریخ الصغیر، امام ترمذی فرماتے ہیں کہ جامع ترمذی کی تین چیزیں (۱) احادیث کی علتیں، (۲) راویوں پر جرح اور ان کے حالات (۳) اور سندوں کی معرفت کو امام بخاری کی کتاب "التاریخ الکبیر" سے میں نے لیا ہے، اور ان میں سے اکثر باتوں پر میں نے براہ راست امام بخاری سے مناظرہ اور بحث مباحثہ بھی کیا ہے، اور کچھ باتوں میں امام دارمی عبداللہ بن عبدالرحمن اور امام ابوزرعہ یعنی عبیداللہ بن عبدالکریم رازی سے مباحثہ اور مناظرہ کیا ہے، اور حقیقت تو یہی ہے کہ ترمذی میں اکثر باتیں امام بخاری سے نقل کی گئی ہیں اور بہت کم باتیں ان دو حضرات سے اس میں منقول ہیں، اور فرماتے ہیں کہ اللہ جل جلالہ نے امام بخاری رحمہ اللہ کو مذکورہ تین چیزوں میں ایسا کامل علم اور ملکہ عطا فرمایا تھا کہ عراق وخراسان یعنی اس وقت پورے عالم اسلام میں، ان سے بڑا کوئی عالم نہیں تھا، وہ ان باتوں میں خوب مہارت رکھتے تھے۔ (۱)

وَإِنَّمَا حَمَلَنَا عَلَى مَا بَيَّنَّا فِي هَذَا الْكِتَابِ مِنْ قَوْلِ الْفُقَهَاءِ وَعِلَلِ الْحَدِيثِ، لِأَنَّا سُئِلْنَا عَنْ هَذَا فَلَمْ نَفْعَلْهُ زَمَانًا ثُمَّ فَعَلْنَاهُ لِمَا رَجَوْنَا فِيهِ مِنْ مَنْفَعَةِ النَّاسِ، لِأَنَّا قَدْ وَجَدْنَا غَيْرَ وَاحِدٍ مِنَ الْأَئِمَّةِ تَكَلَّفُوا مِنَ التَّصْنِيفِ مَا لَمْ يُسْبَقُوا إِلَيْهِ. مِنْهُمْ هِشَامُ بْنُ حَسَّانَ، وَعَبْدُ الْمَلِكِ بْنُ عَبْدِ الْعَزِيزِ بْنِ جُرَيْجٍ، وَسَعِيدُ بْنُ أَبِي عَرُوبَةَ،

---

(۱) تحفۃ الاحوذی ۱۰/۴۳۱

وَمَالِکُ بْنُ أَنَسٍ، وَحَمَّادُ بْنُ سَلَمَةَ، وَعَبْدُ اللّٰهِ بْنُ الْمُبَارَکِ، وَیَحْیَی بْنُ زَکَرِیَّا بْنِ أَبِی زَائِدَةَ، وَوَکِیعُ بْنُ الْجَرَّاحِ، وَعَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ مَهْدِیٍّ، وَغَیْرُهُمْ مِنْ أَهْلِ الْعِلْمِ وَالْفَضْلِ صَنَّفُوا، فَجَعَلَ اللّٰهُ فِی ذٰلِکَ مَنْفَعَةً کَثِیرَةً، وَلَهُمْ بِذٰلِکَ الثَّوَابُ الْجَزِیلُ عِنْدَ اللّٰهِ، لِمَا نَفَعَ اللّٰهُ الْمُسْلِمِینَ بِهِ، فَبِهِمُ الْقُدْوَةُ فِیمَا صَنَّفُوا۔

امام ترمذی فرماتے ہیں کہ ہمیں لوگوں کی درخواست نے ان باتوں پر ابھارا، جن کو ہم نے اس کتاب ترمذی میں بیان کیا ہے یعنی فقہاء کے اقوال اور حدیث کی پوشیدہ خرابیاں، اس لیے کہ ہم سے ان باتوں کو بیان کرنے کے لیے (بار بار) مطالبہ کیا گیا، مگر ہم نے اس مطالبہ پر ایک عرصہ تک عمل نہیں کیا، پھر ہم نے اس پر عمل کرلیا، اس لیے کہ ہمیں اس میں لوگوں کے نفع کی امید ہے، اور ہم نے بہت سے ائمہ حدیث کو دیکھا کہ انہوں نے ایسی ایسی کتابیں تصنیف کرنے کی مشقت اٹھائی ہے، جن میں ان ائمہ پر سبقت نہیں کی گئی (یعنی ان سے پہلے کسی نے اس طرح کی کتابیں تصنیف نہیں کیں) ان میں سے ہشام بن حسان، عبدالملک بن عبدالعزیز بن جریج، سعید بن ابی عروبہ، مالک بن انس، حماد بن سلمہ، عبداللہ بن مبارک، یحیی بن زکریا بن ابی زائدہ، وکیع بن جراح، عبدالرحمن بن مہدی اور ان کے علاوہ بھی صاحب علم وفضل حضرات ہیں، جنہوں نے تصانیف لکھی ہیں، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان میں لوگوں کے لیے بہت سے فائدے کا سامان رکھ دیا، اور ان کے لیے اللہ جل جلالہ کے ہاں (انشاء اللہ) ان کی وجہ سے بہت زیادہ اجر وثواب ہے، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی وجہ سے مسلمانوں کو فائدہ پہنچایا ہے، لہٰذا یہ حضرات اس چیز میں اقتداء کے قابل اور نمونہ ہیں، جو انہوں نے تصنیف کی ہیں۔

مشکل الفاظ کے معنی: انما حملنا علی ما بینا فی هذا الکتاب: اس میں حمل کا فاعل محذوف ہے: وہ "سوال الناس" ہے یعنی لوگوں کی درخواست اور ان کا مطالبہ، عن هذا: ای عن بیان قول الفقهاء و علل الحدیث: اس کے بارے میں یعنی فقہاء کے اقوال اور حدیث کی علتوں کے بارے میں، فلم نفعله زمانا: ہم نے ایک عرصہ تک ان کے مطالبہ پر عمل نہیں کیا، لما رجونا فیه: اس لیے کہ ہمیں اس بیان میں امید ہے، تکلفوا: انہوں نے مشقت اٹھائی، مالم یسبقوا الیه: (صیغہ مجہول) ایسی تصانیف جن کی طرف ان حضرات سے سبقت نہیں کی گئی، یعنی ان کتابوں کی اس سے پہلے کوئی نظیر نہیں تھی، فبهم القدوة: ان کی وجہ سے ایک نمونہ ہے، وہ قابل اقتداء ہیں، فیما صنفوا: ان تصانیف میں جو انہوں نے کیں۔

ترمذی میں فقہاء کے اقوال اور احادیث کی علتیں ذکر کرنے کی وجہ

تیسری صدی ہجری میں جب امام ترمذی نے اپنی یہ کتاب جامع ترمذی لکھی، تو اس میں یہ تین باتیں ا۔فقہاء کرام کے اقوال، ۲۔راویوں کے حالات۔ ۳۔اور احادیث کی علتیں ذکر نہیں کی تھیں، پیش نظر یہ تھا کہ اس کتاب میں صرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث ہی ہوں، ان کے ساتھ اور کوئی بحث نہ ہو، لیکن شائقین علوم نے امام ترمذی سے ان چیزوں کو شامل کرنے کی بار بار

درخواست کی، مگر امام ترمذی کا دل اس بات پر فوراً آمادہ نہیں ہوا، کیونکہ اس زمانے میں احادیث کی تصانیف میں ان باتوں کو ذکر کرنے کا دستور نہیں تھا، پھر جب امام ترمذی کا دل اس پر مطمئن ہوگیا تو انہوں نے دو وجہ سے ان باتوں کو اپنی کتاب میں شامل کیا:

ا۔ اگر ترمذی میں ان تین باتوں کو شامل کر دیا جائے تو اس سے لوگوں کو بہت فائدہ پہنچے گا اور ان کی علمی تشنگی دور ہوگی۔

۲۔ نیز امام ترمذی نے دیکھا کہ پہلی صدی ہجری کے آخر میں اور دوسری صدی میں حدیث کی چھوٹی بڑی بہت سی کتابیں لکھی گئیں، بلکہ دوسری صدی میں تدوین حدیث کا کام مزید آگے بڑھا اور ابواب کی ترتیب سے کتب حدیث لکھی گئیں، مثلاً امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی کتاب الاثار، الموطا للامام مالک، جامع سفیان ثوری، السنن لوکیع بن الجراح، السنن لابن جریج، کتاب الزہد لعبداللہ بن مبارک اور ان کے علاوہ ان تمام حضرات کی تصانیف، جن کے نام مصنف نے متن میں ذکر کئے ہیں، وہ سب ہی فضل اور علم والے تھے، ان حضرات نے ایسی تصانیف لکھیں، جن کی پہلے کوئی نظیر نہیں تھی، اور ان سے پہلے اس طرح کی کوئی کتاب تصنیف نہیں کی گئی، مگر لوگوں کے نفع کی خاطر انہوں نے یہ کتابیں لکھیں، ان کا یہ عمل میرے لئے قابلِ اقتدا ثابت ہوا، اس سے مجھے ہمت ہوگئی کہ میں اپنی جامع ترمذی میں فقہاء کے اقوال، راویوں کے حالات اور احادیث کی علتیں ذکر کروں، تاکہ ان مباحث سے شائقین علم حدیث کو خوب فائدہ ہو، اور میرے لئے یہ ذخیرۂ آخرت بن جائے۔

وَقَدْ عَابَ بَعْضُ مَنْ لَا يَفْهَمُ عَلَى أَهْلِ الْحَدِيثِ الْكَلَامَ فِي الرِّجَالِ، وَقَدْ وَجَدْنَا غَيْرَ وَاحِدٍ مِنَ الْأَئِمَّةِ مِنَ التَّابِعِينَ قَدْ تَكَلَّمُوا فِي الرِّجَالِ مِنْهُمُ الْحَسَنُ الْبَصْرِيُّ، وَطَاوُسٌ تَكَلَّمَا فِي مَعْبَدٍ الْجُهَنِيِّ، وَتَكَلَّمَ سَعِيدُ بْنُ جُبَيْرٍ فِي طَلْقِ بْنِ حَبِيبٍ، وَتَكَلَّمَ إِبْرَاهِيمُ النَّخَعِيُّ، وَعَامِرٌ الشَّعْبِيُّ فِي الْحَارِثِ الْأَعْوَرِ، وَهَكَذَا رُوِيَ عَنْ أَيُّوبَ السَّخْتِيَانِيِّ وَعَبْدِ اللهِ بْنِ عَوْنٍ وَسُلَيْمَانَ التَّيْمِيِّ، وَ شُعْبَةَ بْنِ الْحَجَّاجِ، وَسُفْيَانَ الثَّوْرِيِّ، وَمَالِكِ بْنِ أَنَسٍ، وَالْأَوْزَاعِيِّ، وَعَبْدِ اللهِ بْنِ الْمُبَارَكِ، وَيَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ الْقَطَّانِ، وَوَكِيعِ بْنِ الْجَرَّاحِ، وَعَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ مَهْدِيٍّ وَغَيْرِهِمْ مِنْ أَهْلِ الْعِلْمِ، تَكَلَّمُوا فِي الرِّجَالِ وَضَعَّفُوا، فَإِنَّمَا حَمَلَهُمْ عَلَى ذَلِكَ عِنْدَنَا۔ وَاللهُ أَعْلَمُ۔ النَّصِيحَةُ لِلْمُسْلِمِينَ لَا يُظَنُّ بِهِمْ أَنَّهُمْ أَرَادُوا الطَّعْنَ عَلَى النَّاسِ وَالْغِيبَةَ، إِنَّمَا أَرَادُوا عِنْدَنَا أَنْ يُبَيِّنُوا ضَعْفَ هَؤُلَاءِ لِكَيْ يُعْرَفُوا، لِأَنَّ بَعْضَ الَّذِينَ ضُعِّفُوا كَانَ صَاحِبَ بِدْعَةٍ، وَبَعْضُهُمْ كَانَ مُتَّهَمًا فِي الْحَدِيثِ، وَبَعْضُهُمْ كَانُوا أَصْحَابَ غَفْلَةٍ وَكَثْرَةِ خَطَأٍ، فَأَرَادَ هَؤُلَاءِ الْأَئِمَّةُ أَنْ يُبَيِّنُوا أَحْوَالَهُمْ شَفَقَةً عَلَى الدِّينِ وَتَثَبُّتًا، لِأَنَّ الشَّهَادَةَ فِي الدِّينِ أَحَقُّ أَنْ يُتَثَبَّتَ فِيهَا مِنَ الشَّهَادَةِ فِي الْحُقُوقِ وَالْأَمْوَالِ۔

(امام ترمذی فرماتے ہیں) اور بعض بے سمجھ لوگوں نے محدثین پر راویوں کے بارے میں کلام کرنے کی وجہ سے عیب لگایا ہے، حالانکہ ہم نے ائمہ تابعین میں سے بہت سوں کو اس طرح پایا کہ انہوں نے راویوں کے بارے میں کلام کیا ہے، ان میں سے حسن بصری اور طاؤس ہیں، ان دونوں نے معبد جہنی کے بارے میں کلام کیا ہے، اور سعید بن جبیر نے طلق بن حبیب کے بارے میں کلام کیا ہے، اور ابراہیم نخعی اور عامر شعبی نے حارث اعور کے بارے میں کلام کیا

ہے، اور اسی طرح ایوب سختیانی، عبداللہ بن عون، سلیمان تیمی، شعبہ بن حجاج، سفیان ثوری، مالک بن انس، امام اوزاعی، عبداللہ بن مبارک، یحیی بن سعید قطان، وکیع بن جراح، عبدالرحمن بن مہدی اور ان حضرات کے علاوہ دیگر اہل علم سے منقول ہے کہ انہوں نے راویوں پر کلام کیا ہے، اور ان کو ضعیف قرار دیا ہے، اور ہماری یعنی محدثین کی نظر میں (اور اللہ ہی بہتر جانتے ہیں) ان تمام حضرات کو راویوں کے بارے میں کلام کرنے پر مسلمانوں کے ساتھ خیر خواہی نے ابھارا ہے، ان کے متعلق یہ گمان نہیں کیا جاسکتا کہ انہوں نے یہ کلام لوگوں پر لعن طعن یا غیبت کے لیے کیا ہے، ہمارے نزدیک ان کا مقصود صرف یہ تھا کہ وہ ان راویوں کی کمزوری کو بیان کردیں، تاکہ ان کو پہچان لیا جائے، اس لیے کہ ان راویوں میں سے بعض جنہیں کمزور قرار دیا گیا، بدعتی تھے، اور ان میں سے بعض پر حدیث میں جھوٹ کا الزام تھا، اور ان میں سے بعض حدیث میں بہت زیادہ غافل اور کثرت سے غلطی کرنے والے تھے، لہٰذا ان اماموں نے چاہا کہ وہ دین پر شفقت ورحم اور اس میں مضبوطی وپختگی کی خاطر، ان راویوں کے حالات بیان کریں، اس لیے کہ دین کے معاملہ میں گواہی اس بات کے زیادہ لائق ہے کہ اس میں تحقیق کی جائے، بنسبت اس گواہی کے جو لوگوں کے حقوق اور اموال سے متعلق ہو۔

مشکل الفاظ کے معنی: ضعفوا: انہوں نے کمزور قرار دیا، حملھم علی ذلک: ان حضرات کو راویوں کے حالات بیان کرنے پر ابھارا، النصیحة للمسلمین: مسلمانوں کی خیر خواہی، مسلمانوں کے ساتھ خیر خواہی، یہ "حمل" کا فاعل ہے، لایظن بھم: (صیغہ مجہول) ان کے متعلق گمان نہیں کیا جاسکتا، الطعن علی الناس: لوگوں پر عیب لگانا، برائی بیان کرنا، اعتراض کرنا، لکی یعرفوا: (صیغہ مجہول) تاکہ ان کو پہچان لیا جائے، کان متھما فی الحدیث: بعض پر حدیث میں جھوٹ کا الزام تھا، أصحاب غفلة: حدیث میں بہت زیادہ غافل، شفقة علی الدین: دین پر رحم اور خیر خواہی کی وجہ سے، تثبتا: دین میں مضبوطی اور حفاظت کی خاطر، احق: زیادہ حقدار ہے، زیادہ لائق ہے، ان یثبت فیھا: (صیغہ مجہول) یہ کہ دین کے لیے گواہی میں تحقیق کی جائے، زیادہ احتیاط سے کام لیا جائے، من الشھادة فی الحقوق والاموال: بنسبت اس گواہی کے جو لوگوں کے حقوق اور اموال سے متعلق ہو۔

ضعیف راویوں پر کلام کرنا غیبت نہیں

بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ حدیث کے راویوں کی تحقیق کرنا، ان کے حالات کی انکوائری اور معلومات کرنا، اور ان میں پائے جانے والے عیب کو لوگوں کے سامنے بیان کرنا بری بات اور غیبت ہے، مگر یہ بات درست نہیں، چنانچہ امام نووی فرماتے ہیں کہ ایک مسلمان کے لیے اس بات کا جاننا ضروری ہے کہ کونسی روایت صحیح ہے اور کونسی غیر صحیح ہے، اس کے لیے راویوں کے حالات کا جاننا ضروری ہے، اس بات کا ثبوت قرآن مجید، احادیث اور فقہ اسلامی میں موجود ہے اس کی تفصیل:

۱۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں حکم دیا کہ یایها الذین امنوا ان جاء کم فاسق بنبأ فتبینوا جب تمہارے پاس کوئی خبر لائے تو تم اس کی تحقیق کرو۔

۲۔ نبی کریم ﷺ نے بعض حضرات کی تعدیل، جبکہ بعض پر جرح فرمائی ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: اِنَّ عَبْدَاللّٰہِ رَجُلٌ صَالِحٌ (عبداللہ نیک آدمی ہے)، اور جرح سے متعلق فرمایا: بِئْسَ أَخُو الْعَشِيْرَةِ (یہ فلاں خاندان کا برا بندہ ہے)۔

۳۔ بہت سے تابعین نے ضعیف راویوں پر جرح کی، جن کا ذکر امام ترمذی نے یہاں متن میں کیا ہے، ان تمام حضرات نے مسلمانوں کی خیر خواہی کے لیے ایسا کیا ہے، ان کا مقصد کسی پر لعن طعن اور کسی کی غیبت کرنا نہیں ہے، انہوں نے ایسا اس لیے کیا، تا کہ مسلمانوں کے سامنے ضعیف راویوں کی اصل حقیقت سامنے آجائے، کیونکہ بعض راوی بدعتی، بعض متہم فی الحدیث، جبکہ بعض غفلت والے اور کثرت سے غلطی کرنے والے تھے۔

۵۔ قاضی اور جج کے لیے ضروری ہے کہ وہ لوگوں کے حقوق اور اموال سے متعلق گواہوں کے حالات کا جائزہ لے، ان کی تحقیق کرے کہ کون عادل ہے، کون کس قسم کا ہے، انکوائری اور تحقیق کے بغیر اس کے لیے شہادت قبول کرنا درست نہیں، اسی طرح روایت کے بارے میں اس بات کی تحقیق ضروری ہے کہ اس کا راوی کس قسم کا ہے، اس کی عدالت اور دیانت وغیرہ کتنی ہے، کیونکہ یہ ایک دینی امر ہے، اس میں تحقیق کرنا لوگوں کے حقوق اور اموال کی شہادتوں کی تحقیق سے کہیں زیادہ ضروری ہے۔

امام نووی فرماتے ہیں کہ خبر اور شہادت چند چیزوں میں مشترک ہیں، جبکہ بعض چیزوں میں یہ آپس میں ایک دوسرے سے مختلف ہیں، چنانچہ راوی اور گواہ میں ان شرائط کا پایا جانا ضروری ہے: اسلام، عقل، بالغ ہونا، عدالت، روایت اور گواہی کو اچھی طرح ضبط اور محفوظ کر کے انہیں مخصوص مقام پر بیان کرنا، اور آزادی، مذکر ہونے، تعداد، تہمت اور اصل کی موجودگی میں نائب اور تابع کی روایت قبول کرنے کے لحاظ سے شہادت اور خبر میں فرق ہے، چنانچہ غلام، عورت، ایک آدمی کی روایت اور اصل کی موجودگی میں فرع اور تابع کی روایت کو تو قبول کر لیا جاتا ہے، مگر ان کی گواہی شرعاً قبول نہیں۔ (۱)

حدثنا مُحَمَّدُ بْنُ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ الْقَطَّانُ، حدثني أَبِي قَالَ: سَأَلْتُ سُفْيَانَ الثَّوْرِيَّ وَشُعْبَةَ وَمَالِكَ بْنَ أَنَسٍ وَسُفْيَانَ بْنَ عُيَيْنَةَ عَنِ الرَّجُلِ يَكُونُ فِيهِ تُهْمَةٌ أَوْ ضَعْفٌ، أَسْكُتُ أَوْ أُبَيِّنُ؟ قَالُوا: بَيِّنْ۔

حضرت یحییٰ بن سعید قطان کہتے ہیں کہ میں نے سفیان ثوری، شعبہ، مالک بن انس اور سفیان بن عیینہ سے اس شخص کے بارے میں پوچھا، جس میں کوئی تہمت یا کوئی کمزوری ہو، تو کیا میں خاموش رہوں یا اسے (لوگوں کے سامنے) بیان کروں؟ ان تمام حضرات نے یہ جواب دیا کہ تم (اس تہمت یا کمزوری کو) ضرور بیان کرو۔

---

(۱) شرح مسلم للنووی ۶/۱ مقدمة، باب وجوب الرواية عن الثقات و ترک الکذابین، والتحذیر من الکذب علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

راوی کے ضعف کو ضرور بیان کیا جائے

مذکورہ سوال و جواب سے یہ حکم مزید پختہ ہو جاتا ہے کہ جب کسی راوی پر کوئی الزام اور تہمت ہو یا اس میں کوئی ضعف اور کمزوری پائی جاتی ہو، جو ایک حدیث کے راوی میں نہیں ہونی چاہیے تھی، تو اسے بیان کر دینا چاہیے، تاکہ حدیث حاصل کرنے والے کو یہ معلوم ہو جائے کہ اس راوی میں یہ عیب ہے، اور اس موقع پر کسی راوی کی کمزوری اور اس کے عیب کو بیان کرنا غیبت نہیں ہے، بلکہ یہ ضروری ہے کہ اس سے متعلقہ لوگوں کو آگاہ کیا جائے۔

عَنْ يَحْيَى بْنِ آدَمَ قَالَ: قِيلَ لِأَبِي بَكْرِ بْنِ عَيَّاشٍ: إِنَّ أُنَاساً يَجْلِسُونَ وَيَجْلِسُ إِلَيْهِمُ النَّاسُ وَلَا يَسْتَأْهِلُونَ. فَقَالَ أَبُوبَكْرِ بْنُ عَيَّاشٍ: كُلُّ مَنْ جَلَسَ جَلَسَ إِلَيْهِ النَّاسُ، وَصَاحِبُ السُّنَّةِ إِذَا مَاتَ، أَحْيَى اللهُ ذِكْرَهُ وَالْمُبْتَدِعُ لَا يُذْكَرُ۔

یحییٰ بن آدم کہتے ہیں کہ ابوبکر بن عیاش سے پوچھا گیا کہ کچھ لوگ (حدیث بیان کرنے کے لیے) بیٹھتے ہیں اور ان کے پاس کچھ لوگ (حدیث سننے کے لیے) بیٹھ جاتے ہیں، حالانکہ وہ حدیث بیان کرنے کے اہل نہیں ہوتے، یحییٰ کہتے ہیں کہ ابوبکر بن عیاش نے جواب دیا کہ: جو شخص بھی حدیث بیان کرنے کے لیے بیٹھتا ہے تو ان کے پاس حدیث سننے کے لیے کچھ لوگ بھی بیٹھ جاتے ہیں (یعنی اسے شاگرد مل جاتے ہیں) اور سنت والا یعنی حدیث بیان کرنے کا اہل، جب مر جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے تذکرہ کو زندہ کر دیتے ہیں، اور بدعتی شخص کا ذکر نہیں کیا جاتا (یعنی اس کا تذکرہ باقی نہیں رہتا)۔

مشکل الفاظ کے معنی: ان اناسا یجلسون: اس سے وہ لوگ مراد ہیں، جو حدیث بیان کرنے کے لیے بیٹھ جاتے ہیں، ولا یستأھلون: حالانکہ وہ حدیث بیان کرنے کے اہل نہیں ہوتے، صاحب السنة: سنت والا یعنی وہ شخص، جو حدیث بیان کرنے کا اہل ہوتا ہے، المبتدع: بدعتی آدمی، گمراہ، لایذکر: (صیغہ مجہول) بدعتی کا ذکر نہیں کیا جاتا، اس کا تذکرہ باقی نہیں رہتا۔

حدیث بیان کرنے کے اہل اور نا اہل کے درمیان ایک فرق

حضرت ابوبکر بن عیاش سے پوچھا گیا کہ ایسے ایسے لوگ بھی حدیث بیان کرنے کے لئے بیٹھ جاتے ہیں، جو اس منصب کے اہل نہیں ہوتے، مگر ان کے پاس بھی کچھ لوگ حدیث سننے کے لیے بیٹھ جاتے ہیں، یوں ان کے شاگردوں کا بھی ایک حلقہ بن جاتا ہے، ابوبکر بن عیاش نے جواب میں حدیث بیان کرنے کے اہل اور نا اہل کے درمیان ایک فرق بتایا کہ جو صاحب سنت ہوگا یعنی جو حدیث بیان کرنے کا اہل ہوتا ہے، تو اس کا تذکرہ اللہ تعالیٰ اس کے مرنے کے بعد بھی باقی رکھتے ہیں، اس کے شاگردوں کا سلسلہ چلتا رہتا ہے، اور جو مبتدع ہو یعنی جو گمراہ، نا اہل اور بدعتی ہو تو زندگی میں تو اسے کچھ شاگرد مل جاتے ہیں، مگر اس کی وفات

کے بعد اس کا کوئی تذکرہ باقی نہیں رہتا، کوئی بھی شخص اس کے واسطہ سے حدیث حاصل نہیں کرتا، اس طرح اس کے شاگردوں کا سلسلہ ختم ہوجاتا ہے، اسے کوئی یاد بھی نہیں کرتا۔

شیخ الحدیث حضرت مولانا زکریا رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ امام ترمذی کا اس قول کو ذکر کرنے کا مقصد یہ ہے کہ اہل علم کو اس طرح کے نااہل انسان سے حدیث حاصل نہیں کرنی چاہیے، بلکہ علماء پر لازم ہے کہ وہ دوسروں کو بھی ایسے لوگوں کے بارے میں آگاہ کریں، تاکہ وہ بھی ان سے دور رہیں، اور ان کے حلقہ درس میں بیٹھ کر ان سے حدیث حاصل نہ کریں، یوں اس مبتدع آدمی کا حلقہ ختم ہوجائے گا، اور لوگ ان سے احادیث لینا چھوڑ دیں گے۔(۱)

مبتدع کی روایت کا حکم

مبتدع سے مراد وہ شخص ہے، جو کسی بدعت میں مبتلی ہو، یعنی وہ دین میں کسی ایسی چیز کا اضافہ کرے، جو عہد رسالت اور عہد صحابہ یعنی خیر القرون میں نہیں تھی، اس کو وہ ضروری سمجھے اور جو نہ کرے، اس پر وہ نکیر اور طعن کرے، پھر "بدعت" کی دو قسمیں ہیں:

۱۔ بدعۃ مکفرۃ: یعنی ایسی بدعت جس کی وجہ سے وہ آدمی کافر ہوجاتا ہے، مثلاً کسی امر متواتر کا انکار کرے، یا اس حکم کا جو نص قطعی سے ثابت ہو۔

۲۔ بدعۃ مفسقۃ: ایسی بدعت جس کا مرتکب کافر تو نہیں ہوتا، مگر فاسق ضرور ہوتا ہے۔

بدعتی شخص کی روایت قبول ہوگی یا مردود؟ اس میں دو قول ہیں:

۱۔ جمہور علماء کے نزدیک مبتدع کی روایت مردود ہے، اسے قبول نہیں کیا جائے گا۔

۲۔ بعض حضرات نے یہ تفصیل ذکر کی ہے کہ اگر بدعتی آدمی کسی ایسی بدعت کا ارتکاب کرے، جس سے انسان کافر ہوجاتا ہے، تو پھر بالاتفاق اس کی روایت قبول نہیں، اسے رد کردیا جائے گا، لیکن اگر وہ بدعت مفسقہ میں مبتلی ہو یعنی ایسی بدعت کا ارتکاب کرتا ہے، جس سے انسان فاسق ہوجاتا ہے، اس صورت میں اس کی روایت کو اس وقت قبول کیا جائے گا، جب اس میں دو شرطیں پائی جائیں:

- وہ بدعتی شخص اس روایت کے ذریعہ لوگوں کو اس بدعت کی طرف دعوت دینے والا نہ ہو۔
- اس روایت کے ذریعہ وہ اپنی گمراہ بدعت اور طریقے کو لوگوں میں مشہور اور رائج نہ کرے۔

اس سے معلوم ہوا کہ مبتدع سے روایت لینے میں بہت احتیاط کی ضرورت ہے، اسی وجہ سے جمہور اس کی روایت کو رد کر

---

(۱) الکوکب الدری ۴/۲۷۸

دیتے ہیں:(۱)

عن ابن سيرين قال: كانوا في الزمن الأول لا يسألون عن الإسناد، فلما وقعت الفتنة سألوا عن الإسناد لكي يأخذوا حديث أهل السنة، ويدعوا حديث أهل البدع، قال عبد الله بن المبارك: الإسناد عندي من الدين، لو لا الإسناد لقال من شاء ما شاء، فإذا قيل له: من حدثك؟ بقي، عن حبان بن موسى قال: ذكر لعبد الله بن المبارك حديث فقال: يحتاج لهذا أركان من آجر يعني أنه ضعف إسناده.

ابن سیرین کہتے ہیں کہ پہلے زمانے میں حدیث کی سند کے بارے میں نہیں پوچھا جاتا تھا، پھر جب فتنہ واقع ہوا تو لوگوں نے سند کے بارے میں پوچھنا شروع کر دیا، تاکہ وہ اہل سنت کی روایت کو لے لیں اور اہل بدعت کی حدیث کو چھوڑ دیں، حضرت عبداللہ بن مبارک فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک حدیث کی سند دین کا حصہ ہے، اگر سند کا سلسلہ نہ ہوتا، تو جو بھی شخص جو چاہتا، کہہ دیتا، چنانچہ جب اس سے پوچھا جاتا کہ تمہیں یہ حدیث کس نے بیان کی ہے؟ تو وہ باقی رہ جاتا ہے یعنی وہ خاموش اور ہکا بکا رہ جاتا ہے، حبان بن موسیٰ کہتے ہیں کہ عبداللہ بن مبارک کے سامنے ایک حدیث بیان کی گئی، تو انہوں نے فرمایا: اس کے لیے پختہ اینٹ کے ستونوں کی ضرورت ہے، امام ترمذی فرماتے ہیں کہ ابن مبارک نے اس حدیث کی سند کو ضعیف قرار دیا ہے۔

مشکل الفاظ کے معنی: ویدعوا: اور تاکہ وہ چھوڑ دیں، بقی: وہ باقی رہ جاتا ہے یعنی وہ خاموش کھڑا رہ جاتا ہے اور پھر حدیث بیان نہیں کرتا، اور بعض نسخوں میں یہ لفظ: یقی ہے وقی یقی سے، اس صورت میں اس کے معنی ہوں گے: وہ اپنے آپ کو سند کے بغیر حدیث بیان کرنے سے بچالیتا ہے، محفوظ کر لیتا ہے، ارکان: رکن کی جمع ہے: ستون، آجر: (ہمزے پر مد اور جیم پر پیش کے ساتھ) پختہ اینٹ۔

حدیث کی سند پوچھنے کا اہتمام

مذکورہ اقوال سے درج ذیل امور ثابت ہوتے ہیں:

۱۔ عہد رسالت میں چونکہ امانت و دیانت کا معیار بہت بلند تھا، اس میں غلط بیانی اور اپنی طرف سے حدیث گھڑنے کا کوئی سلسلہ نہیں تھا، مگر صحابہ کے دور میں طرح طرح کے فتنے رونما ہو گئے تھے خوارج وغیرہ، جس میں اہل باطل اپنے موقف اور مذہب کی تشہیر و ترویج کے لیے جھوٹی احادیث بیان کرنے لگ گئے، تب سے حدیث کی سند پوچھنے کا سلسلہ شروع ہوا، جو بھی شخص حدیث بیان کرتا تو اس سے سند کا سوال کیا جاتا، تاکہ صاحب سنت کی حدیث کو لے لیا جائے اور گمراہ لوگوں کی روایت کو چھوڑ دیا جائے۔

---

(۱) الکوکب الدری ۴/۳۷۷، تحفۃ الاحوذی ۱۰/۴۳۸، تیسیر مصطلح الحدیث (ص:۱۲۲)

۲۔ ابن مبارک فرماتے ہیں کہ حدیث کی سند بھی دین کا ایک حصہ ہے، اسے ضرور پوچھنا اور بیان کرنا چاہیے، یہ سلسلہ نہ ہوتا تو جس کے جی میں جو بات آتی، اسے وہ حدیث کے عنوان سے بیان کر دیتا، چنانچہ جب حدیث بیان کرنے والے سے پوچھا جاتا کہ یہ حدیث تمہیں کس نے بیان کی ہے، سند بیان کرو، تو اگر اس کے پاس سند ہوتی، تو وہ اسے بیان کر دیتا، ورنہ خاموش ہو جاتا، یوں من گھڑت احادیث کا دروازہ بند ہو جاتا ہے۔

۳۔ ایک مرتبہ عبداللہ بن مبارک کے سامنے ایک حدیث بیان کی گئی تو انہوں نے فرمایا کہ اس کے لیے پختہ اینٹ کے ستونوں کی ضرورت ہے، مقصد یہ ہے کہ جس طرح ایک چھت کے لیے پختہ اینٹ کے ستونوں اور مضبوط دیواروں کی ضرورت ہوتی ہے، اس کے بغیر وہ کمزور ہوتا ہے، اسی طرح حدیث کے لیے ایک صحیح اور مضبوط سند کی ضرورت ہوتی ہے، امام ترمذی فرماتے ہیں کہ ابن مبارک نے اس جواب سے اس حدیث کی سند کو کمزور قرار دیا ہے۔(۱)

ہمارا یہ زمانہ بھی چونکہ مختلف قسم کے فتنوں سے بھرا ہوا ہے، بہت سے فرقے، گروپ اور جماعتیں ہیں، ہر ایک اپنی بات کو قرآن وسنت سے درست ثابت کرنے کی کوشش کرتا ہے، اس لیے اگر حدیث بیان کرنے کا موقع ہو یا اس کے سامنے کوئی بات حدیث کے عنوان سے بیان کی جائے تو اس حدیث کے متن اور سند کی مکمل تحقیق کر لی جائے، تحقیق سے جب یہ بات ثابت ہو جائے کہ واقعۃً یہ صحیح حدیث ہے، تب اسے ایک شرعی دلیل کے طور پر لینا چاہیے، تحقیق کے بغیر محض سنی سنائی بات کو "حدیث" کے طور پر پیش کرنا جائز نہیں۔

عَنْ وَهْبِ بْنِ زَمْعَةَ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ الْمُبَارَكِ أَنَّهُ تَرَكَ حَدِيثَ الْحَسَنِ بْنِ عُمَارَةَ وَالْحَسَنِ بْنِ دِينَارٍ وَإِبْرَاهِيمَ بْنِ مُحَمَّدٍ الْأَسْلَمِيِّ وَمُقَاتِلِ بْنِ سُلَيْمَانَ وَعُثْمَانَ الْبُرِّيِّ وَرَوْحِ بْنِ مُسَافِرٍ وَأَبِي شَيْبَةَ الْوَاسِطِيِّ وَعَمْرِو بْنِ ثَابِتٍ وَأَيُّوبَ بْنِ خُوطٍ وَأَيُّوبَ بْنِ سُوَيْدٍ وَنَصْرِ بْنِ طَرِيفٍ أَبِي جَزْءٍ وَالْحَكَمِ وَحَبِيبِ الْحَكَمُ رَوَى لَهُ حَدِيثًا فِي كِتَابِ الرِّقَاقِ، ثُمَّ تَرَكَهُ وقال حبيب: لَا أَدْرِي، عَنْ عَبْدَانَ قَالَ: كَانَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ الْمُبَارَكِ قَرَأَ أَحَادِيثَ بَكْرِ بْنِ خُنَيْسٍ، وَكَانَ أَخِيرًا إِذَا أَتَى عَلَيْهَا أَعْرَضَ عَنْهَا وَكَانَ لَا يَذْكُرُهُ.

وہب بن زمعہ سے روایت ہے کہ عبداللہ بن مبارک نے حسن بن عمارہ، حسن بن دینار، ابراہیم بن محمد اسلمی، مقاتل بن سلیمان، روح بن مسافر، ابوشیبہ واسطی، عمرو بن ثابت، ایوب بن حوط، ایوب بن سوید، نضر بن طریف یعنی ابوجزء، حکم اور حبیب کی حدیث کو چھوڑ دیا، اور عبداللہ بن مبارک نے حکم کی ایک روایت کو کتاب الرقاق میں روایت کیا ہے، اور امام ترمذی فرماتے ہیں کہ حبیب کو میں نہیں جانتا (کہ وہ کون ہے؟) عبدان کہتے ہیں کہ عبداللہ بن مبارک، بکر بن خنیس کی احادیث کو پڑھا کرتے تھے یعنی انہیں روایت کیا کرتے تھے، مگر اخیر میں جب وہ اس کی احادیث پر آتے (یعنی اپنی کتاب سے روایتیں پڑھتے پڑھتے جب بکر بن خنیس کی روایتوں پر پہنچتے) تو ان سے اعراض کرتے تھے،

---

(۱) تحفۃ الاحوذی ۱۰/۴۳۸، ۴۳۹

اور بکر بن خنیس کا ذکر نہیں کرتے تھے۔

ضمائر کے مراجع

الحکم روی له حدیثا فی کتاب الرقاق ثم ترکه: اس عبارت میں "روی" اور "ترکه" کی ضمیر فاعل عبداللہ بن مبارک کی طرف لوٹ رہی ہے، اور "له" اور ترکه میں ضمیر مفعول "ہ" حکم کی طرف لوٹ رہی ہے، وحبیب لا ادری، یہ امام ترمذی کا قول ہے: میں نہیں جانتا کہ حبیب بن ثابت کون ہے، اس کے کیا حالات ہیں، مقصد یہ ہے کہ یہ ایک مجہول راوی ہے۔

فکان اخیرا اذا اتی علیها: اس میں کان اور اتی کی ضمیر عبداللہ بن مبارک کی طرف راجع ہے، اور علیها کی ضمیر احادیث بکر کی طرف لوٹ رہی ہے، و کان لا یذکره: اس میں کان اور لا یذکر کی ضمیریں عبداللہ بن مبارک، اور "ہ" ضمیر حکم کی طرف راجع ہے۔(۱)

چند ضعیف راوی

وہب بن زمعہ فرماتے ہیں کہ عبداللہ بن مبارک ابتداء میں کچھ راویوں سے احادیث روایت کرتے تھے، بعد میں جب ان کے سامنے ان کا ضعف ثابت ہو گیا، تو ان سے روایت لینا ترک کر دیا تھا، ان سب کے نام اوپر متن میں مذکور ہیں، اور ابن مبارک نے اپنی کتاب الرقاق کے اندر ایک حدیث "حکم" راوی سے نقل کی ہے، مگر پھر حکم سے روایت لینا انہوں نے چھوڑ دیا تھا، اور امام ترمذی فرماتے ہیں کہ حبیب بن ثابت ایک مجہول راوی ہے، میں اس کے بارے میں نہیں جانتا کہ وہ کون ہے، مقصد یہ ہے کہ وہ ایک ضعیف راوی ہے، اسی طرح عبداللہ بن مبارک شروع میں بکر بن خنیس کی احادیث پڑھا کرتے اور انہیں آگے روایت کرتے لیکن جب ان کے سامنے اس کے ایسے حالات سامنے آئے، جن سے ایک راوی نا قابل اعتبار ہو جاتا ہے، تو پھر آخری عمر میں شاگردوں کے سامنے کتاب سے جب احادیث پڑھتے تھے، تو بکر بن خنیس کی احادیث کو چھوڑ دیتے تھے، انہیں آگے روایت نہیں کرتے تھے، بلکہ بکر کا وہ تذکرہ بھی نہیں کرتے تھے، کیونکہ اس پر عبداللہ بن مبارک کو اعتماد نہیں رہا تھا۔

اس سے معلوم ہوا کہ اگر انسان کسی ایسے بندے سے روایت حاصل کر لے، جو حقیقت میں حدیث روایت کرنے کا اہل نہیں تھا، پھر اس کے بعد اس کی گمراہ کن باتیں مثلاً سامنے آ گئیں تو پھر اس روایت کو اس کے واسطے سے بیان کرنا چھوڑ دینا چاہیے، ہاں اگر اس کے پاس اس حدیث کی دوسری کوئی صحیح سند ہو تو اس واسطے سے اسے روایت کر سکتا ہے۔

قَالَ اَحْمَدُ: وَحَدَّثَنَا أَبُو وَهْبٍ قَالَ: سَمَّوْا لِعَبْدِ اللّٰهِ بْنِ الْمُبَارَكِ رَجُلاً يُتَّهَمُ فِي الْحَدِيثِ، فَقَالَ: لأَنْ أَقْطَعَ الطَّرِيقَ أَحَبُّ إِلَيَّ أَنْ أُحَدِّثَ عَنْهُ۔

---

(۱) تحفة الاحوذی ۱۰/۴۴۲

احمد بن عبدہ کہتے ہیں کہ ہمیں ابو وہب نے بتایا کہ لوگوں نے عبداللہ بن مبارک کے سامنے ایک شخص کا ذکر کیا، جسے حدیث میں وہم ہوتا ہے، ابن مبارک نے فرمایا: مجھے ڈاکہ مارنا اس سے زیادہ پسند ہے کہ میں اس طرح کے راوی سے حدیث بیان کروں۔

وہم فی الحدیث میں مبتلی راوی کا حکم

راوی میں ضعف کا ایک اہم سبب حدیث میں وہم کا عمل ہے، کہ وہ راوی اس وہم کی وجہ سے مثلاً مرسل اور منقطع روایت کو موصولاً ذکر کر دے، یا ایک حدیث کو دوسری حدیث میں داخل کر کے روایت کرے، وغیرہ، اس طرح کی روایت کو معلل (صیغہ مفعول) کہا جاتا ہے، جب روایت کے تمام طرق کو جمع کیا جائے، خوب بحث اور تحقیق کی جائے تو پھر ماہر فن کو پتہ چل جاتا ہے کہ اس حدیث میں راوی کو "وہم" ہوا ہے، حدیث میں وہم کا عمل چونکہ ایک نہایت قبیح کام ہے، اس کی قباحت اور برے پن کو بیان کرتے ہوئے عبداللہ بن مبارک نے فرمایا کہ مجھے ڈاکہ مارنا زیادہ پسند ہے، بنسبت اس کے کہ میں وہم میں مبتلی راوی سے روایت بیان کروں۔

عَنْ يَزِيدَ بْنِ هَارُونَ يَقُولُ: لَا يَحِلُّ لِأَحَدٍ أَنْ يَرْوِيَ عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ عَمْرٍو النَّخَعِيِّ الْكُوفِيِّ.

یزید بن ہارون کہتے ہیں کہ کسی انسان کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ سلیمان بن عمرو نخعی کوفی سے روایت کرے۔

سلیمان بن عمرو نخعی کوفی سے روایت کرنا جائز نہیں

سلیمان بن عمرو نخعی کوفی کے بارے میں تمام علماء کا اتفاق ہے کہ یہ کذاب فی الحدیث ہے، امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں کہ یہ حدیثیں اپنی طرف سے گھڑا کرتا تھا، اسی وجہ سے متقدمین اور متاخرین سب ہی سلیمان سے روایت کرنے سے اجتناب کرتے تھے۔(۱)

عَنْ أَبِي يَحْيَى الْحِمَّانِي، قَالَ: سمعتُ أبا حنيفةَ يقولُ: مَا رأيتُ أحدًا أَكْذَبَ مِنْ جَابِرٍ الْجُعْفِيِّ وَلَا أَفْضَلَ مِنْ عطاءِ بْنِ أَبِي رباحٍ. قَالَ أبو عيسى: وسمعتُ الجارودَ يقولُ: سمعتُ وكيعًا يقولُ: لَوْلَا جَابِرٌ الْجُعْفِيُّ لَكَانَ أَهْلُ الْكُوفَةِ بِغَيْرِ حديثٍ ولولا حمادٌ لَكَانَ أَهْلُ الْكُوفَةِ بِغَيْرِ فِقْهٍ.

ابو یحیی حمانی کہتے ہیں کہ میں نے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ میں نے جابر جعفی سے بڑا کوئی جھوٹا نہیں دیکھا اور عطاء بن ابی رباح سے کوئی افضل نہیں دیکھا، امام ترمذی فرماتے ہیں کہ میں نے جارود کو سنا، وہ فرماتے ہیں کہ میں نے وکیع کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ اگر (کوفہ میں) جابر جعفی نہ ہوتا، تو کوفہ والے حدیث کے بغیر ہوتے اور اگر

(۱) لسان المیزان للحافظ ۹۷/۳ (شاملۃ)، میزان الاعتدال للذہبی ۲۱۶/۲۔

حماد بن ابی سلیمان نہ ہوتے تو کوفہ والے فقہ کے بغیر ہوتے۔

جابر جعفی کوفی کی حیثیت

مذکورہ عبارت ہمارے نسخوں میں نہیں ہے، مگر مصری نسخوں میں یہ عبارت موجود ہے، اس سے درج ذیل امور ثابت ہوتے ہیں:

۱۔ جابر بن یزید جعفی کوفی ایک مشہور ضعیف راوی ہے، امام ترمذی، ابوداؤد اور ابن ماجہ کا راوی ہے، پہلے یہ شخص صحیح تھا، مگر بعد میں یہ سبائی شیعہ ہوگیا تھا، لوگوں کے سامنے ان کا کذب بھی واضح ہوگیا تھا، جن حضرات نے اس سے روایات لی ہیں، اور اسے ثقہ قرار دیا ہے، جیسا کہ وکیع کہہ رہے ہیں کہ اگر کوفہ میں جابر جعفی نہ ہوتا تو کوفہ میں احادیث کا وجود نہ ہوتا، تو یہ ان کی پہلی حالت کے اعتبار سے ہے، پھر جب ان کی حالت بدل گئی تو پھر لوگوں نے ان سے احادیث لینا چھوڑ دیا، چنانچہ امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں کہ جابر جعفی بہت بڑا جھوٹا ہے۔(۱)

۲۔ امام ابوحنیفہ کو بھی امام ترمذی نے ائمہ جرح وتعدیل میں سے شمار کیا ہے۔(۲)

قَالَ أَبُوْ عِيْسَى: وَسَمِعْتُ أَحْمَدَ بْنَ الْحَسَنِ يَقُوْلُ: كُنَّا عِنْدَ أَحْمَدَ بْنِ حَنْبَلٍ، فَذَكَرُوا مَنْ تَجِبُ عَلَيْهِ الْجُمُعَةُ، فَذَكَرُوْا فِيْهِ عَنْ بَعْضِ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنَ التَّابِعِيْنَ وَغَيْرِهِمْ، فَقُلْتُ: فِيْهِ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ حَدِيْثٌ، فَقَالَ: عَنِ النَّبِيِّ ﷺ؟ قُلْتُ: نَعَمْ، حدثنا أَحْمَدُ بْنُ الْحَسَنِ، حَدَّثَنَا حَجَّاجُ بْنُ نُصَيْرٍ، أَخْبَرَنَا الْمُعَارِكُ بْنُ عَبَّادٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ سَعِيْدٍ الْمَقْبُرِيِّ، عَنْ أَبِيْهِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ: اَلْجُمُعَةُ عَلَى مَنْ آوَاهُ اللَّيْلُ، قَالَ: فَغَضِبَ أَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ، وَقَالَ: اِسْتَغْفِرْ رَبَّكَ، اِسْتَغْفِرْ رَبَّكَ مَرَّتَيْنِ۔

وَإِنَّمَا فَعَلَ هٰذَا أَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ لِأَنَّهُ لَمْ يُصَدِّقْ هٰذَا عَنِ النَّبِيِّ ﷺ لِضُعْفِ إِسْنَادِهِ، لِأَنَّهُ لَمْ يَعْرِفْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ، وَالْحَجَّاجُ بْنُ نُصَيْرٍ يُضَعَّفُ فِي الْحَدِيْثِ، وَعَبْدُ اللهِ بْنُ سَعِيْدٍ الْمَقْبُرِيُّ ضَعَّفَهُ يَحْيَى بْنُ سَعِيْدٍ الْقَطَّانُ جِدًّا فِي الْحَدِيْثِ۔

امام ترمذی فرماتے ہیں کہ میں نے احمد بن حسن کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ ہم امام احمد بن حنبل کے پاس بیٹھے ہوئے تھے، اتنے میں لوگوں نے اس شخص کا ذکر کیا، جس پر جمعہ واجب ہوتا ہے، چنانچہ انہوں نے اس مسئلہ کے بارے میں بعض اہل علم تابعین اور دوسرے لوگوں کا ذکر کیا، میں نے کہا کہ اس بارے میں نبی کریم ﷺ سے ایک حدیث منقول ہے، امام احمد بن حنبل نے پوچھا: نبی کریم ﷺ سے حدیث مروی ہے؟ میں نے عرض کیا: جی ہاں، ہم سے حجاج بن

(۱) تهذيب التهذيب ۱۲/۲، رقم: ۹۱۸، ط: بيروت

(۲) الكوكب الدري ۴۷۹/۴، شرح العلل لابن رجب

نصیر نے حدیث بیان کی، ان سے معارک بن عباد نے، ان سے عبداللہ بن سعید مقبری نے، انہوں نے اپنے باپ سے اور انہوں نے حضرت ابوہریرہ سے روایت کی کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جمعہ اس شخص پر واجب ہوتا ہے، جس کو رات اس کے اہل وعیال میں ٹھکانہ دے دے (یعنی پیدل وہ رات تک اپنے گھر واپس پہنچ جائے) احمد بن حسن کہتے ہیں کہ یہ حدیث سن کر امام احمد مجھ پر غصہ ہو گئے، اور فرمایا: اپنے رب سے استغفار کر، اپنے رب سے توبہ کر، دو مرتبہ فرمایا۔

امام ترمذی فرماتے ہیں کہ امام احمد بن حنبل نے یہ اس لیے کیا کہ انہوں نے نبی کریم ﷺ سے یہ حدیث تسلیم نہیں کی اس کی سند کی کمزوری کی وجہ سے اور اس لیے کہ امام احمد نے اس حدیث کو (کسی اور سند سے) نبی کریم ﷺ سے نہیں جانا، اور حجاج بن نصیر کو حدیث میں ضعیف قرار دیا گیا ہے، اور عبداللہ بن سعید مقبری کو یحیی بن سعید قطان نے حدیث میں بہت زیادہ ضعیف قرار دیا ہے۔

حجاج بن نصیر اور عبداللہ بن سعید ضعیف راوی ہیں

احمد بن حسن کہتے ہیں کہ امام احمد کی موجودگی میں لوگوں نے یہ گفتگو شروع کر دی کہ جمعہ کس شخص پر واجب ہوتا ہے؟ تابعین اور دوسرے حضرات کے اقوال کا تذکرہ ہوا، میں نے کہا کہ اس سلسلے میں ایک حدیث بھی منقول ہے: الجمعة علی من اواہ اللیل (اس شخص پر جمعہ کی ادائیگی ضروری ہوتی ہے، جو جمعہ کے بعد پیدل چل کر رات تک اپنے گھر پہنچ سکے) یہ حدیث سن کر امام احمد غصہ ہو گئے اور دو بار کہا کہ اللہ سے معافی مانگو، امام احمد نے اس حدیث کو دو وجہ سے تسلیم نہیں کیا:

- اس حدیث کی سند کمزور ہے، کیونکہ اس کے راویوں میں حجاج بن نصیر اور عبداللہ بن سعید مقبری ہیں، جنہیں حدیث میں ضعیف قرار دیا گیا ہے اور عبداللہ بن سعید مقبری کو یحیی بن سعید قطان نے حدیث میں ضعیف قرار دیا ہے۔
- یہ حدیث کسی اور سند سے بھی امام احمد کی نظر میں منقول نہیں، اس وجہ سے امام احمد نے اس حدیث کو حدیث رسول تسلیم نہیں کیا۔

فَکُلُّ مَنْ رُوِیَ عَنْهُ حَدِیْثٌ مِمَّنْ یُتَّهَمُ، أَوْ یُضَعَّفُ لِغَفْلَتِهٖ وَکَثْرَةِ خَطَئِهٖ، وَلَا یُعْرَفُ ذٰلِکَ الْحَدِیْثُ إِلَّا مِنْ حَدِیْثِهٖ، فَلَا یُحْتَجُّ بِهٖ۔

امام ترمذی فرماتے ہیں کہ ہر وہ شخص جس سے کوئی حدیث منقول ہو اور وہ ان راویوں میں سے ہو، جن پر جھوٹ کا الزام ہو، یا اسے اس کی غفلت اور زیادہ غلطیوں کی وجہ سے ضعیف قرار دیا گیا ہو، اور وہ حدیث صرف اسکی سند سے ہی پہچانی جاتی ہو، تو ایسی حدیث سے استدلال نہیں کیا جائے گا۔

کس قسم کے راوی کی حدیث سے استدلال نہیں کیا جاسکتا

امام ترمذی رحمہ اللہ نے مذکورہ عبارت میں حدیث کے راوی کے تین طرح کے طعن اور عیب ذکر کئے ہیں:

۱۔ اس راوی پر جھوٹ کا الزام ہو کہ یہ حدیث کے بیان میں جھوٹ بولتا ہے۔

۲۔ یا اُسے علماء نقد نے حدیث کے حفظ وغیرہ میں زیادہ غفلت یا بہت زیادہ غلطیوں کی وجہ سے ضعیف قرار دے دیا ہو۔

۳۔ وہ راوی جس حدیث کو روایت کر رہا ہے، وہ صرف اسی کی سند سے ہی منقول ہو، اس کے علاوہ اس حدیث کی اور کوئی سند نہ ہو۔

یہ باتیں حدیث کے جس راوی میں پائی جائیں، تو پھر شرعی مسائل کے ثبوت میں اس حدیث سے استدلال نہیں کیا جا سکتا، البتہ بعض حضرات کے نزدیک اس طرح کی حدیث سے فضائل اعمال میں استدلال کیا جاسکتا ہے۔(۱)

وَقَدْ رَوَى غَيْرُ وَاحِدٍ مِنَ الْأَئِمَّةِ عَنِ الضُّعَفَاءِ، وَبَيَّنُوا أَحْوَالَهُمْ لِلنَّاسِ، أَخْبَرَنَا يَعْلَى بْنُ عُبَيْدٍ، قَالَ: قَالَ لَنَا سُفْيَانُ الثَّوْرِيُّ: اتَّقُوا الْكَلْبِيَّ، فَقِيلَ لَهُ: فَإِنَّكَ تَرْوِي عَنْهُ، قَالَ: أَنَا أَعْرِفُ صِدْقَهُ مِنْ كَذِبِهِ۔

بہت سے ائمہ حدیث نے ضعیف راویوں سے احادیث روایت کی ہیں اور لوگوں کے سامنے ان کے حالات کو بیان کیا ہے، یعلی بن عبید کہتے ہیں کہ سفیان ثوری نے ہمیں کہا کہ کلبی سے بچو (یعنی اس سے روایت حدیث نہ کرنا) تو سفیان سے کہا گیا کہ آپ خود تو کلبی سے روایت کرتے ہیں، سفیان ثوری نے جواب دیا: میں اس کے سچ اور جھوٹ کو پہچانتا ہوں۔

ضعیف راوی سے بروایت کرنے کا حکم

بعض اسباب کی بنا پر بعض اوقات ثقہ راوی، ایک ضعیف راوی سے روایت کرتا ہے، اس سے یہ نہ سمجھا جائے کہ یہ ضعیف راوی بھی ثقہ ہے، بلکہ بعض اوقات مخصوص اسباب کی وجہ سے ثقہ راوی اس سے روایت کرتا ہے، وہ کیا اسباب ہوتے ہیں، ان اسباب کی تفصیل:

۱۔ بعض اوقات کسی ضعیف راوی کی روایت، ثقہ کی نظر میں مضبوط اور قوی ہوتی ہے، اس لیے وہ ثقہ، ضعیف سے روایت کرتا ہے۔

۲۔ ضعیف سے روایت کر کے لوگوں کو یہ بتانا ہوتا ہے کہ یہ روایت اسکی ضعیف ہے، یوں اس کے ضعف کا اظہار سب کے سامنے ہوجاتا ہے۔

---

(۱) فتح الملہم ۱/۱۵۶، مقدمة، حکم الحدیث الضعیف

۳۔ مقصد یہ ہوتا ہے کہ اس کی صحیح اور ضعیف روایات لوگوں کے سامنے ممتاز ہو جائیں، تاکہ وہ اس کی صرف صحیح احادیث ہی روایت کیا کریں، اور ضعیف کو ترک کردیں۔

۴۔ یا اس وجہ سے ضعیف راوی سے وہ منفرد روایت نقل کرلی جاتی ہے کہ اس کا کوئی تابع، مشاہد اور مؤید موجود ہوتا ہے، ایک ماہر فن ثقہ راوی ہی ضعیف راوی سے مذکورہ کسی سبب کی بناء پر حدیث روایت کرسکتا ہے، ہر راوی یہ کام نہیں کرسکتا، چنانچہ امام ترمذی رحمہ اللہ نے اس بات کی وضاحت کے لیے سفیان ثوری کا قول نقل کیا ہے کہ وہ حدیث کے طلبہ کو کلبی یعنی محمد بن سائب کوفی سے حدیث لینے سے منع کیا کرتے تھے، لوگوں نے سفیان ثوری سے کہا کہ آپ خود تو کلبی سے روایت کرتے ہیں اور دوسروں کو منع کر رہے ہیں، تو انہوں نے جواب دیا کہ میں کلبی کے سچ اور جھوٹ کو پہچانتا ہوں، اس کی کونسی روایت کس درجہ کی ہے، صحیح ہے، یا صحیح نہیں، یہ بات چونکہ میں جانتا ہوں، اس لیے میرے لیے تو یہ جائز ہے کہ میں اس سے روایت کروں، مگر آپ لوگ یہ کام نہیں کر سکتے، اس لیے تم لوگ اس سے روایت نہ کیا کرو۔

اس سے معلوم ہوا کہ وہ مسلمان جسے دین کی زیادہ معلومات نہ ہوں یا وہ ابتدائی دینی طالب علم جس کا ذہن ابھی پختہ نہیں، ایسے لوگوں کو کسی بھی ایسی کتاب کا مطالعہ نہیں کرنا چاہیے، جو ان کی ذہنی سطح سے بلند ہو، اور جس سے وہ راہ راست سے بھٹک سکتے ہوں، ہاں جب انسان کی تعلیم مکمل ہو جائے، نظریاتی طور پر اس کا ذہن مضبوط اور راسخ ہو جائے تو پھر کسی بھی کتاب کا مطالعہ کیا جا سکتا ہے۔(۱)

عَنْ أَبِي عَوَانَةَ قال: لَمَّا مَاتَ الْحَسَنُ الْبَصْرِيُّ، اشْتَهَيْتُ كَلَامَهُ، فَتَتَبَّعْتُهُ عَنْ أَصْحَابِ الْحَسَنِ، فَأَتَيْتُ بِهِ أَبَانَ بنَ أَبِي عَيَّاشٍ فَقَرَأَ عَلَيَّ كُلَّهُ عَنِ الْحَسَنِ، فَمَا أَسْتَحِلُّ أَنْ أَرْوِيَ عَنْهُ شَيْئًا، قَالَ أَبُو عِيسَى: وَقَدْ رَوَى عن أَبَانِ بن أَبِي عَيَّاشٍ غَيْرُ وَاحِدٍ مِنَ الأَئِمَّةِ وَإِنْ كَانَ فِيهِ مِنَ الضَّعْفِ وَالْغَفْلَةِ مَا وَصَفَهُ أَبُو عَوَانَةَ وَغَيْرُهُ، فَلَا يُغْتَرُّ بِرِوَايَةِ الثِّقَاتِ عن النَّاسِ، لأَنَّهُ يُرْوَى عن ابنِ سِيرِينَ أَنَّهُ قال: إِنَّ الرَّجُلَ لَيُحَدِّثُنِي فَمَا أَتَّهِمُهُ، وَلَكِنْ أَتَّهِمُ مَنْ فَوْقَهُ، وقد رَوَى غَيْرُ وَاحِدٍ عن ابراهِيمَ النَّخَعِيِّ، عَنْ عَلْقَمَةَ، عن عبدِ اللهِ بنِ مَسْعُودٍ: أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ يَقْنُتُ فِي وِتْرِهِ قَبْلَ الرُّكُوعِ۔

وَرَوَى أَبَانُ بنُ أَبِي عَيَّاشٍ، عن ابراهِيمَ النَّخَعِيِّ، عن عَلْقَمَةَ، عن عَبْدِ اللهِ بنِ مَسْعُودٍ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ يَقْنُتُ فِي وِتْرِهِ قَبْلَ الرُّكُوعِ، هَكَذَا رَوَى سفيانُ الثَّوْرِيُّ عن أَبَانِ بنِ أَبِي عَيَّاشٍ، وَرَوَى بَعْضُهُمْ عن أَبَانِ بنِ أَبِي عَيَّاشٍ بِهَذَا الإِسْنَادِ نَحْوَ هَذَا، وَزَادَ فِيهِ: قَالَ عبدُ اللهِ بنُ مَسْعُودٍ: أخبرتني أُمِّي أَنَّهَا بَاتَتْ عِنْدَ النبيِّ ﷺ فَرَأَتِ النَّبِيَّ ﷺ: قَنَتَ فِي وِتْرِهِ قَبْلَ الرُّكُوعِ۔

قَالَ أَبُو عِيسَى: وَأَبَانُ بنُ أَبِي عَيَّاشٍ وَإِنْ كَانَ قَدْ وُصِفَ بالعِبَادَةِ وَالاجْتِهَادِ، فَهَذَا حَالُهُ فِي الحديثِ،

---

(۱) الکوکب الدری ۴/۴۸۰

وَالْقَوْمُ كَانُوا أَصْحَابَ حِفْظٍ، فَرُبَّ رَجُلٍ وَإِنْ كَانَ صَالِحاً لَا يُقِيمُ الشَّهَادَةَ وَلَا يَحْفَظُهَا، فَكُلُّ مَنْ كَانَ مُتَّهِماً فِي الْحَدِيثِ بِالْكَذِبِ، أَوْ كَانَ مُغَفَّلاً يُخْطِئُ الْكَثِيرَ، فَالَّذِي اخْتَارَهُ أَكْثَرُ أَهْلِ الْحَدِيثِ مِنَ الْأَئِمَّةِ أَنْ لَا يُشْغَلَ بِالرِّوَايَةِ عَنْهُ، أَلَا تَرَى أَنَّ عَبْدَ اللهِ بْنَ الْمُبَارَكِ حَدَّثَ عَنْ قَوْمٍ مِنْ أَهْلِ الْعِلْمِ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهُ أَمْرُهُمْ تَرَكَ الرِّوَايَةَ عَنْهُمْ.

ابوعوانہ کہتے ہیں کہ جب حسن بصریؒ کا انتقال ہوا تو مجھے ان کے کلام کی خواہش ہوئی (یعنی میں نے ان کے اقوال کو جمع کرنا چاہا) چنانچہ میں نے حسن بصری کے شاگردوں سے ان کے کلام کو تلاش کیا، پھر میں اس کلام کو ابان بن عیاش کے پاس لایا، تو ابان نے وہ سارا کلام حسن سے روایت کر کے میرے سامنے پڑھ دیا، اس لیے میں ابان سے کچھ بھی روایت کرنے کو حلال نہیں سمجھتا۔

امام ترمذی فرماتے ہیں کہ ابان بن ابی عیاش سے بہت سے اماموں نے روایت کیا ہے، اگرچہ اس میں وہ کمزوری اور غفلت موجود تھی، جس کو ابوعوانہ اور دوسرے حضرات نے ذکر کیا ہے، لہذا ثقہ لوگوں کی (ضعیف) لوگوں (یعنی راویوں) سے روایت کرنے کی وجہ سے دھوکا نہ کھایا جائے، اس لیے کہ ابن سیرین سے منقول ہے کہ انہوں نے فرمایا: ایک آدمی مجھ سے حدیث بیان کرتا ہے، میں اسے متہم نہیں سمجھتا (یعنی وہ ہر لحاظ سے ثقہ اور با اعتماد ہوتا ہے، اس پر جھوٹ وغیرہ کا کوئی الزام نہیں ہوتا) مگر میں اس سے اوپر کے راوی کو متہم قرار دیتا ہوں (یعنی اس کا استاد یا اس کے استاد کا استاد ضعیف ہوتا ہے) بہت سے حضرات نے ابراہیم نخعی سے، انہوں نے علقمہ سے اور انہوں نے عبداللہ بن مسعود سے روایت کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے وتر میں رکوع سے پہلے قنوت پڑھا کرتے تھے۔

اور ابان بن ابی عیاش نے ابراہیم نخعی سے، انہوں نے علقمہ سے، اور انہوں نے عبداللہ بن مسعود سے روایت کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے وتر میں رکوع سے پہلے دعا قنوت پڑھا کرتے تھے، سفیان ثوری نے ابان بن ابی عیاش سے اسی طرح روایت کیا ہے، اور بعض حضرات نے ابان بن ابی عیاش سے اسی مذکورہ سند کے ساتھ اسی طرح روایت کیا ہے، اور ابان نے اس روایت میں یہ اضافہ کیا کہ عبداللہ بن مسعود نے فرمایا: میری امی نے مجھے بتایا کہ انہوں نے ایک رات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں گذاری تو انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ نے اپنے وتر میں رکوع سے پہلے دعاء قنوت پڑھی۔

امام ترمذی فرماتے ہیں کہ ابان بن ابی عیاش کی اگرچہ عبادت اور عبادت میں محنت وکوشش کے اعتبار سے تعریف کی گئی ہے، مگر حدیث میں ان کا یہ حال ہے، اور لوگ یعنی محدثین حفظ والے تھے، اور بسا اوقات ایک آدمی ہوتا تو نیک ہے، لیکن وہ گواہی نہیں دے سکتا، اور نہ شہادت کو یاد رکھ سکتا ہے، یہی وجہ ہے کہ ہر وہ راوی، جس پر حدیث میں جھوٹ کا الزام ہو، یا وہ مغفل ہو یعنی بہت زیادہ غلطیاں کرتا ہو، تو ائمہ حدیث میں سے اکثر نے یہ پسند کیا ہے کہ اس طرح کے

راوی سے روایت کرنے میں مشغول نہ ہوا جائے، کیا آپ دیکھتے نہیں کہ عبداللہ بن مبارک نے اہل علم کی ایک جماعت سے حدیثیں بیان کیں، لیکن جب ان کے سامنے ان کا حال واضح ہوا تو پھر ان سے روایت کرنا چھوڑ دیا۔

مشکل الفاظ کے معنی: **اشتهيت:** میں نے چاہا، میری خواہش ہوئی، **فتتبعته:** میں نے حضرت حسن بصری کے کلام کو تلاش کیا، **فأتيت به:** پھر میں وہ کلام لایا، **فما استحل:** (صیغہ متکلم) چنانچہ میں حلال نہیں سمجھتا، جائز نہیں سمجھتا، **ان اروی عنه:** یہ کہ میں ابان سے روایت کروں، **ما وصفه ابو عوانه وغیره:** وہ ضعف جس کو ابوعوانہ اور ان کے علاوہ دوسرے حضرات جیسے امام احمد، یحیی بن معین، علی بن مدینی، امام نسائی، دارقطنی اور ابوحاتم وغیرہ نے بیان کیا ہے، **فلا يُغتَرّ:** (صیغہ مجہول) لہذا دھوکا نہ کھایا جائے، **ان لا يُشتغل بالروايۃ عنه:** (صیغہ مجہول) یہ کہ متہم اور مغفل راوی سے روایت کرنے میں مشغول نہ ہوا جائے۔

ابان بن ابی عیاش ایک کمزور راوی ہیں

امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ابان بن ابی عیاش گو کہ وہ ایک نیک بزرگ اور دینی امور میں محنت وکوشش کیا کرتے تھے، مگر روایت حدیث میں وہ ایک کمزور راوی ہیں؛ کیونکہ یہ ضروری نہیں کہ جو شخص نیک ہو تو وہ ضرور ثقہ بھی ہو، بہت سے لوگ نیک ہوتے ہیں مگر وہ نہ تو گواہی دینے کے اہل ہوتے ہیں اور نہ ہی گواہی کو یاد رکھ سکتے ہیں، لہذا جو شخص حدیث میں متہم ہو یعنی اس پر حدیث میں جھوٹ کا الزام ہو، یا وہ مغفل ہو یعنی بہت زیادہ غلطیاں کرتا ہو، تو محدثین اس طرح کے راوی سے اجتناب کرتے ہیں، چنانچہ عبداللہ بن مبارک پہلے ایک جماعت سے روایت کیا کرتے تھے، پھر جب ان کا ضعف ان کے سامنے واضح ہوا تو پھر ان سے حدیث روایت کرنا انہوں نے چھوڑ دیا، امام ترمذی رحمہ اللہ نے مذکورہ عبارت میں ابان بن ابی عیاش کے ضعف کو مختلف اقوال سے ثابت کیا ہے:

۱۔ ابوعوانہ کہتے ہیں کہ میں ابان بن ابی عیاش کے سامنے حضرت حسن بصری کی احادیث کو ان کے شاگردوں سے جمع کر کے لایا تو ابان نے وہ تمام احادیث حضرت حسن کی طرف منسوب کر کے بیان کر دیں، اس میں بعض باتیں درست بھی نہیں تھیں، ان کا یہ عمل دیکھ کر میں ان سے دل برداشتہ ہو گیا پھر میں نے ابان سے روایت کرنا چھوڑ دیا، ابن حبان فرماتے ہیں کہ ابان ایک عبادت گذار انسان تھا، حسن بصری کی مجلس میں بیٹھ کر ان سے احادیث سنتا تھا، پھر جب ان سے پوچھا جاتا تو وہ حدیثیں حسن بصری کے واسطے سے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتا تھا، محدثین کی نظر میں تقریباً پندرہ سو احادیث ابان نے اس طرح بیان کی ہیں، اور ابان یہ سارا کام غفلت میں کیا کرتا تھا۔(۱)

۲۔ ابان بن ابی عیاش کے ضعف اور غفلت کے باوجود، ثقہ حضرات نے بعض اسباب کی وجہ سے ابان سے روایات نقل کی ہیں، جن کی تفصیل پچھلے عنوان میں گذر چکی ہے، اس لیے اس سے یہ دھوکا نہ کھایا جائے کہ ضعیف راوی بھی ثقہ ہو گیا ہے، کیونکہ اس

---

(۱) تهذيب التهذيب ۱/۱۲۲، ابان بن ابی عیاش، ط: بیروت

سے ثقہ راوی نے روایت کیا ہے، چنانچہ محمد بن سیرین فرماتے ہیں کہ میں بعض دفعہ ایک راوی سے روایت کرتا ہوں، وہ ضعیف نہیں ہوتا، اس پر کوئی الزام نہیں ہوتا، مگر اس کے اوپر کا کوئی راوی ضعیف ہوتا ہے۔

۳۔ ابان بن ابی عیاش ایک ضعیف راوی ہے، چنانچہ ابوعوانہ، امام احمد بن حنبل، یحیی بن معین، علی بن مدینی، امام نسائی، دار قطنی اور ابو حاتم وغیرہ نے اس کی تصریح کی ہے، مگر اس کے باوجود اس سے ثقہ حضرات نے روایات نقل کی ہیں مثلاً سفیان ثوری، معمر اور یزید بن ہارون وغیرہ نے اس سے احادیث نقل کی ہیں۔

امام ترمذی نے مذکورہ عبارت میں ایک حدیث عبداللہ بن مسعود سے موقوف ذکر کی ہے: ان النبی ﷺ کان یقنت فی وترہ قبل الرکوع، ثقہ راویوں نے یہ حدیث اسی طرح ذکر کی ہے، مگر ابان بن ابی عیاش نے اسی سند کے ساتھ یہ روایت ذکر کر کے اس میں یہ اضافہ کیا ہے: قال عبداللہ بن مسعود: واخبرتنی أمی أنہا باتت عند النبی صلی اللہ علیہ وسلم فرأت النبی صلی اللہ علیہ وسلم قنت فی وترہ قبل الرکوع یہ اضافہ صرف ابان بن ابی عیاش نے ذکر کیا ہے، اور اس میں وہ منفرد ہے، کوئی دوسرا راوی یوں اسے روایت نہیں کرتا، اس لیے ابان اس میں متہم قرار پائے۔

اس پوری تفصیل سے دو باتیں ثابت ہوتی ہیں:

۞ ابان بن ابی عیاش زہد و تقوی اور نیکی میں مشہور تھے، مگر حدیث کے بیان میں وہ مغفل اور متہم تھے، اس لیے ثقہ حضرات نے ان سے روایت کرنا ترک کر دیا تھا۔

۞ ثقہ راوی اگر کسی ضعیف راوی سے روایت کرے، تو اس سے وہ ضعیف راوی ثقہ نہیں ہو جاتا اور نہ وہ ضعف سے نکلتا ہے، بلکہ وہ بدستور ضعیف ہی رہتا ہے، اس لیے اس سے روایت لینے سے اجتناب کیا جائے۔

وَقَدْ تَكَلَّمَ بَعْضُ أَهْلِ الْحَدِيثِ فِي قَوْمٍ مِنْ أَجِلَّةِ أَهْلِ الْعِلْمِ، وَضَعَّفُوهُمْ مِنْ قِبَلِ حِفْظِهِمْ، وَوَثَّقَهُمْ آخَرُونَ مِنَ الْأَئِمَّةِ بِجَلَالَتِهِمْ وَصِدْقِهِمْ، وَإِنْ كَانُوا قَدْ وَهِمُوا فِي بَعْضِ مَا رَوَوْا، وَقَدْ تَكَلَّمَ يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ الْقَطَّانُ فِي مُحَمَّدِ بْنِ عَمْرٍو ثُمَّ رَوَى عَنْهُ، أَخْبَرَنَا عَلِيُّ بْنُ الْمَدِينِيِّ قَالَ: سَأَلْتُ يَحْيَى بْنَ سَعِيدٍ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَمْرِو بْنِ عَلْقَمَةَ، فَقَالَ: تُرِيدُ الْعَفْوَ أَوْ تُشَدِّدُ؟ قُلْتُ: لَا، بَلْ أُشَدِّدُ، فَقَالَ: لَيْسَ هُوَ مِمَّنْ تُرِيدُ، كَانَ يَقُولُ: أَشْيَاخُنَا أَبُو سَلَمَةَ وَيَحْيَى بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ حَاطِبٍ، قَالَ يَحْيَى: سَأَلْتُ مَالِكَ بْنَ أَنَسٍ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَمْرٍو، فَقَالَ فِيهِ نَحْوَ مَا قُلْتُ، قَالَ عَلِيٌّ: قَالَ يَحْيَى: وَمُحَمَّدُ بْنُ عَمْرٍو أَعْلَى مِنْ سُهَيْلِ بْنِ أَبِي صَالِحٍ، وَهُوَ عِنْدِي فَوْقَ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ حَرْمَلَةَ، قَالَ عَلِيٌّ: فَقُلْتُ لِيَحْيَى: مَا رَأَيْتَ مِنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ حَرْمَلَةَ؟ قَالَ: لَوْ شِئْتُ أَنْ أُلَقِّنَهُ لَفَعَلْتُ، قَالَ: كَانَ يُلَقَّنُ؟ قَالَ: نَعَمْ، قَالَ عَلِيٌّ: وَلَمْ يَرْوِ يَحْيَى عَنْ شَرِيكٍ، وَلَا عَنْ أَبِي بَكْرِ بْنِ عَيَّاشٍ، وَلَا عَنِ الرَّبِيعِ بْنِ صَبِيحٍ، وَلَا عَنِ الْمُبَارَكِ بْنِ فَضَالَةَ.

قَالَ أَبُو عِيسَى: وَإِنْ كَانَ يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ قَدْ تَرَكَ الرِّوَايَةَ عَنْ هٰؤُلَاءِ، فَلَمْ يَتْرُكِ الرِّوَايَةَ عَنْهُمْ أَنَّهُ

اتَّهَمَهُمْ بِالْكَذِبِ، وَلٰكِنَّهُ تَرَكَهُمْ لِحَالِ حِفْظِهِمْ، وَذُكِرَ عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ أَنَّهُ كَانَ إِذَا رَأَى الرَّجُلَ يُحَدِّثُ عَنْ حِفْظِهِ مَرَّةً هٰكَذَا وَمَرَّةً هٰكَذَا، لَا يَثْبُتُ عَلَى رِوَايَةٍ وَاحِدَةٍ تَرَكَهُ، وقد حَدَّثَ عَنْ هٰؤُلَاءِ الَّذِيْنَ تَرَكَهُمْ يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ الْقَطَّانُ: عَبْدُ اللهِ بْنُ الْمُبَارَكِ وَوَكِيعُ بْنُ الْجَرَّاحِ وَعَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ مَهْدِيٍّ وَغَيْرُهُمْ مِنَ الْأَئِمَّةِ۔

بعض محدثین نے بڑی عظمت والے علماء کی ایک جماعت کے بارے میں کلام کیا ہے، اور ان کو ان کے حافظہ کی وجہ سے ضعیف قرار دیا ہے، جبکہ بعض دوسرے ائمہ کرام نے ان کی عظمت شان اور صداقت کی وجہ سے انہیں بااعتماد قرار دیا ہے، اگرچہ انہیں بعض روایات میں وہم (بھی) ہوا ہے، چنانچہ یحیی بن سعید قطان نے محمد بن عمرو بن علقمہ کے بارے میں کلام کیا ہے پھر ان سے (احادیث کو) روایت (بھی) کیا ہے، علی بن مدینی کہتے ہیں کہ میں نے یحیی بن سعید قطان سے محمد بن عمرو کے بارے میں پوچھا تو یحیی نے فرمایا: تم درگذر چاہتے ہو یا سختی کرنا چاہتے ہو؟ (یعنی نرم جواب چاہیے یا سخت) میں نے کہا: نہیں، بلکہ میں سختی کرنا چاہتا ہوں (یعنی میں ان کے بارے میں صاف اور کھری بات سننا چاہتا ہوں)، یحیی نے کہا: محمد بن عمرو ان لوگوں میں سے نہیں، جو آپ چاہتے ہیں، (یعنی بااعتماد راوی نہیں) محمد بن عمرو کہا کرتا تھا: ہمارے شیوخ ابوسلمہ اور یحیی بن عبدالرحمن بن حاطب ہیں، یحیی کہتے ہیں: میں نے امام مالک بن انس سے محمد بن عمرو کے بارے میں پوچھا (کہ وہ کس قسم کے راوی ہیں)؟ تو امام مالک نے محمد بن عمرو کے بارے میں اسی طرح کی بات کی جو میں نے کہی، علی بن مدینی کہتے ہیں کہ یحیی بن سعید قطان نے کہا: محمد بن عمرو، سہیل بن ابی صالح سے زیادہ عمدہ راوی ہیں، اور وہ یعنی محمد بن عمرو میرے نزدیک عبدالرحمن بن حرملہ سے بڑھ کر ہے، علی مدینی کہتے ہیں کہ میں نے یحیی سے پوچھا: آپ نے عبدالرحمن بن حرملہ میں کیا بات دیکھی؟ یحیی نے کہا: اگر میں اسے (حدیث میں) تلقین کرنا چاہتا تو کر لیتا، میں نے عرض کیا: کیا اسے تلقین کی جاسکتی تھی؟ یحیی نے کہا: جی ہاں، علی مدینی کہتے ہیں: یحیی بن سعید قطان: شریک بن عبداللہ، ابوبکر بن عیاش، ربیع بن صبیح اور مبارک بن فضالہ سے روایت نہیں کرتے تھے۔

امام ترمذی فرماتے ہیں کہ یحیی بن سعید قطان نے اگرچہ ان راویوں سے روایت کرنا ترک کر دیا تھا، لیکن اس وجہ سے ان سے روایت کرنا ترک نہیں کیا کہ یحیی نے ان پر جھوٹ کا الزام لگایا ہے، بلکہ ان کے حافظہ (کی کمزوری کی وجہ سے) ان سے روایت کرنا چھوڑ دیا تھا، یحیی بن سعید قطان کے بارے میں یہ ذکر کیا گیا ہے کہ جب وہ کسی راوی کو دیکھتے کہ وہ اپنی یادداشت سے ایک حدیث کو ایک بار اس طرح بیان کرتا اور دوسری بار دوسری طرح بیان کرتا، ایک ہی روایت پر ثابت نہ رہتا، تو یحیی اس راوی کو چھوڑ دیتے تھے، اور ان چاروں راویوں سے جن کو یحیی نے چھوڑ دیا تھا: ابن المبارک، وکیع بن جراح، عبدالرحمن بن مہدی اور بعض دوسرے ائمہ روایت کیا کرتے تھے۔

مشکل الفاظ کے معنی: أجلة: جلیل کی جمع ہے، عظیم، عظمت شان والا، قد وهموا: انہیں وہم ہوا، ان سے غلطیاں ہوئیں، ترید العفو: تم درگذر چاہتے ہو یعنی تم نرم جواب سننا چاہتے ہو، أو تشدد: یا تم سختی کرنا چاہتے ہو یعنی صاف ستھرا سخت جواب سننا چاہتے ہو، کھری بات، لیس هو ممن ترید: وہ ایسا نہیں، جو تم چاہتے ہو یعنی وہ بااعتماد راوی نہیں، کان یلقن: کیا اسے تلقین کی جا سکتی ہے، اسے سکھایا جا سکتا ہے، کسی بات پر اس کی ذہن سازی کی جا سکتی ہے۔

متکلم فیہ راویوں کا تذکرہ

امام ترمذی رحمہ اللہ یہاں سے اب متکلم فیہ راویوں کا ذکر کر رہے ہیں، متکلم فیہ رواۃ سے حدیث کے وہ راوی مراد ہیں، جو اپنے طور پر ہیں تو بڑے علم وفضل اور زہد وتقوی والے ہیں، مگر حافظہ کی کمزوری کی وجہ سے انہیں بعض احادیث میں وہم ہوا ہے، اس لئے ان پر جرح اور کلام کیا گیا ہے، اس سے ان کی صفت عدالت پر فرق پڑا ہے، امام ترمذی نے اس طرح کے تیرہ راویوں کا ذکر کیا ہے، اور اگر جرح کی وجہ سے ان کی عدالت میں فرق نہ پڑا ہو تو وہ مختلف فیہ راوی کہلاتے ہیں، امام ترمذی نے تھوڑا آگے اس طرح کے تین راویوں کا تذکرہ کیا ہے۔

یہ ذہن میں رہے کہ جرح وتعدیل کرنے والے ائمہ کرام کا اس میں مختلف طرز عمل ہے، بعض اس میں بہت سخت ہیں، معمولی سی بات، جو درگذر کے قابل ہوتی ہے، اسے بھی وہ اس قدر اہمیت دے دیتے ہیں کہ اس راوی کی احادیث کو ترک کر دیتے ہیں اور بعض ائمہ اس میں چشم پوشی سے کام لیتے ہیں، معمولی باتوں کی وجہ سے اس راوی کی حدیثوں کو روایت کرنا ترک نہیں کرتے، اور بعض دفعہ ایک ہی امام جرح، جب سختی کرتا ہے تو اس راوی کی روایت کو چھوڑ دیتا ہے، اور جب اس پر نرمی اور درگذر کرنے کی کیفیت طاری ہوتی ہے تو پھر اسی راوی سے روایت کرنا شروع کر دیتا ہے جیسے امام ترمذی نے یحیی بن سعید قطان کا ذکر کیا ہے،

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ائمہ جرح وتعدیل کے سختی اور نرمی کے اعتبار سے چار طبقے ہیں:

۱۔ شعبہ اور سفیان ثوری دونوں جرح وتعدیل میں سخت مزاج ہیں، اور شعبہ، سفیان ثوری سے زیادہ سخت ہیں۔

۲۔ یحیی بن سعید قطان اور عبد الرحمن بن مہدی، دونوں متشدد ہیں، مگر یحیی، عبد الرحمن سے زیادہ سخت ہیں۔

۳۔ یحیی بن معین اور امام احمد بن حنبل دونوں سخت ہیں، اور یحیی، امام احمد سے زیادہ سخت ہیں۔

۴۔ ابو حاتم اور امام بخاری دونوں متشدد ہیں، اور ابو حاتم امام بخاری سے زیادہ سخت ہیں۔(۱)

اس کے بعد ان تیرہ متکلم فیہ راویوں کے مختصر سے حالات ترتیب وار ذکر کیے جا رہے ہیں:

---

(۱) الکوکب الدری ۴/۴۸۲، تنکیت الحافظ علی ابن الصلاح ۱/۷۵، الفصل الاول

۱۔محمد بن عمرو بن علقمہ لیثی

محمد بن عمرو بن علقمہ لیثی صدوق راوی ہیں مگر حافظہ کی وجہ سے ان کو حدیث میں وہم ہوجاتا تھا، یہ صحاح ستہ کے راوی ہیں، یحییٰ بن سعید قطان نے ان پر کلام کیا ہے، سختی کی تو ان سے یحییٰ بن سعید نے روایت کرنا ترک کردیا، اور جب بعض اسباب کی وجہ سے نرمی کی تو ان سے روایت کرنا شروع کردیا۔

علی بن مدینی نے محمد بن عمرو کے بارے میں یحییٰ بن سعید قطان سے پوچھا تو انہوں نے کہا کہ تم سخت جواب چاہتے ہو یا نرم، انہوں نے کہا کہ میں سخت یعنی صاف بات سننا چاہتا ہوں، تو یحییٰ نے کہا کہ محمد بن عمرو ثقہ اور با اعتماد راوی نہیں، وہ کہتے تھے: ہمارے شیوخ ابوسلمہ اور یحییٰ بن عبدالرحمن بن حاطب ہیں، حالانکہ یہ ممکن نہیں کہ محمد بن عمرو نے ساری کی ساری روایات ان دو حضرات سے ہی حاصل کی ہوں، امام مالک نے بھی محمد بن عمرو کے بارے میں یہی کہا ہے اور بہت سے حضرات نے ان کو ثقہ اور صالح راوی کہا ہے، واقدی کہتے ہیں کہ ۱۴۴ھ میں ان کی وفات ہوئی۔(۱)

۲۔عبدالرحمن بن حرملہ

یحییٰ بن سعید نے کہا کہ محمد بن عمرو: سہیل بن ابی صالح اور عبدالرحمن بن حرملہ سے زیادہ عمدہ ہیں، اس لیے کہ عبدالرحمن بن حرملہ تلقین کو قبول کرتے تھے، تلقین قبول کرنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ دوسرے کی بات قبول کرکے اپنی روایت میں تبدیلی کردیتے تھے، حدیث مرفوع کو موقوف یا مقطوع بنادیتے، یا موقوف ومقطوع کو مرفوع بنادیتے، یا حدیث کے الفاظ میں تبدیلی کردیتے تھے، اور اصول یہ ہے کہ جو راوی تلقین کو قبول کرتا ہے، تو اسے صحیح طرح حدیث یاد نہیں ہوتی، اس لیے ایسا راوی غیر معتبر اور متکلم فیہ ہوجاتا ہے اور بعض حضرات نے ان کو ثقہ قرار دیا ہے۔

عبدالرحمن بن حرملہ قبیلہ اسلم کے تھے، مدینہ منورہ میں ان کی رہائش تھی، ایک صادق راوی تھے مگر انہیں حدیث میں وہم ہوجاتا تھا، جس کی وجہ سے وہ کبھی غلطی کرجاتے تھے، صحیح مسلم اور سنن اربعہ کے راوی ہیں، ابن سعد کہتے ہیں کہ ۱۴۵ھ میں ان کا انتقال ہوا۔(۲)

۳۔شریک ۴۔ابوبکر بن عیاش ۵۔ربیع ۶۔اور مبارک بن فضالہ

امام ترمذی فرماتے ہیں کہ یحییٰ بن سعید قطان نے شریک بن عبداللہ کوفی، ابوبکر بن عیاش، ربیع بن صبیح اور مبارک بن

(۱) تہذیب التہذیب ۷/۳۵۲، حرف المیم، من اسمہ: محمد، رقم: ۶۴۴۰

(۲) تہذیب التہذیب ۵/۷۳، من اسمہ عبدالرحمن رقم: ۳۹۴۸

نضالہ سے ان کے حافظہ کی کمزوری کی وجہ سے روایت کرنا ترک کر دیا تھا، اور یحیی چونکہ اس بارے میں انتہائی سخت تھے، اس لیے جب یہ دیکھتے کہ ایک راوی حدیث کو ایک مرتبہ ایک انداز سے ذکر کرتا ہے اور دوسری بار دوسرے انداز سے تو اس سے بھی روایت نہیں کرتے تھے، جبکہ بعض حضرات چشم پوشی کرتے تھے، اس لیے وہ ان حضرات سے روایت کرتے تھے، چنانچہ ان چاروں حضرات سے عبداللہ بن مبارک، وکیع بن جراح، عبدالرحمن بن مہدی اور بعض دوسرے ائمہ روایت کیا کرتے تھے، ان چاروں سے متعلق کچھ تفصیل:

۱۔ قاضی شریک بن عبداللہ کوفہ کے رہنے والے اور قبیلہ نخع کے تھے، سچے راوی تھے، مگر غلطیاں بھی بہت کرتے تھے، کوفہ کے قاضی بنے تو اس سے ان کے حافظہ پر اثر پڑ گیا تھا، جس کی وجہ سے پھر وہ حدیث میں غلطیاں کر جاتے تھے، امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں کہ شریک کی ولادت سن ۹۰ھ میں اور ۱۷۷ھ میں ان کی وفات ہوئی۔ (۱)

۲۔ ابوبکر بن عیاش کوفہ کے باشندے، عابد و زاہد اور پرہیز گار تھے، حدیث کے اچھے راوی تھے، بڑھاپے میں ان کی یادداشت خراب ہوگئی تھی سن ۱۹۴ھ میں ان کی وفات ہوئی۔ (۲)

۳۔ ربیع بن صبیح سعدی بصری ہیں، بہت زیادہ عبادت گذار اور پرہیز گار تھے، بصرہ میں ان کا گھر زیادہ نماز تہجد کی وجہ سے "بیت النحل" کے نام سے مشہور تھا، مگر ان کا حافظہ کمزور تھا، اس لیے انہیں حدیث میں وہم ہو جاتا تھا، ابن سعد کہتے ہیں کہ ربیع بن صبیح جہاد کے لیے سندھ میں آئے تھے، سمندر میں ان کی وفات ہوگئی، اور پھر انہیں ایک جزیرے میں دفن کر دیا گیا، محمد بن مثنی کہتے ہیں کہ ۱۶۰ھ میں ان کی وفات ہوئی، (۳)

۴۔ مبارک بن فضالہ ایک صادق راوی تھے، مگر بسا اوقات یہ اپنی حدیث کی سند کو عالی کرنے کے لیے تدلیس کر لیتے تھے، بخاری میں تعلیقاً اور نسائی کے علاوہ سنن ثلاثہ میں ان کی روایت ہے، ابن سعد کہتے ہیں کہ ۱۶۵ھ میں ان کا انتقال ہوا۔ (۴)

وَهٰكَذَا تَكَلَّمَ بَعْضُ أَهْلِ الْحَدِيثِ فِي سُهَيْلِ بْنِ أَبِي صَالِحٍ، وَ مُحَمَّدِ بْنِ إِسْحَاقَ، وَ حَمَّادِ بْنِ سَلَمَةَ، وَ مُحَمَّدِ بْنِ عَجْلَانَ، وَ أَشْبَاهِ هٰؤُلَاءِ مِنَ الأَئِمَّةِ، إِنَّمَا تَكَلَّمُوا فِيهِمْ مِنْ قِبَلِ حِفْظِهِمْ فِي بَعْضِ مَا رَوَوْا، وَقَدْ حَدَّثَ عَنْهُمُ الأَئِمَّةُ، عَنْ عَلِيِّ بْنِ الْمَدِينِيِّ، قَالَ: قَالَ سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ: كُنَّا نَعُدُّ سُهَيْلَ بْنَ أَبِي صَالِحٍ ثَبْتًا فِي الْحَدِيثِ، قَالَ سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ: كَانَ مُحَمَّدُ بْنُ عَجْلَانَ ثِقَةً مَأْمُونًا فِي الْحَدِيثِ، قَالَ: إِنَّمَا تَكَلَّمَ يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ الْقَطَّانُ عِنْدَنَا فِي رِوَايَةِ مُحَمَّدِ بْنِ عَجْلَانَ عَنْ سَعِيدٍ الْمَقْبُرِيِّ، قَالَ يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ: قَالَ مُحَمَّدُ بْنُ

---

(۱) تهذيب التهذيب ۲۲۳/۳، من اسمه شريك، رقم: ۲۸۶۴

(۲) تقريب التهذيب ۴۰۰/۲، باب الكنى، حرف الباء، رقم: ۸۲۶۵

(۳) تهذيب التهذيب ۲/۳، من اسمه الربيع، رقم: ۱۹۵۷

(۴) تهذيب التهذيب ۳۱/۸، من اسمه مبارك، رقم: ۶۴۲۷

عجلانَ: أحاديثُ سعيدِ المقبريِّ بعضُها: سعيدُ عن أبي هُريرةَ، وبعضُهَا: سعيدُ عن رجلٍ، عن أبي هُريرةَ، فاختلطَتْ عليَّ، فصيَّرْتُهَا عن سعيدٍ، عن أبي هُريرةَ، وَإنّما تكلَّمَ يَحيَى بنُ سعيدٍ عِندَنا في ابنِ عِجلانَ لِهٰذَا، وقد رَوَى يَحيَى، عن ابنِ عِجلانَ الكَثِيرَ.

اور اسی طرح بعض محدثین نے سہیل بن ابی صالح، محمد بن اسحاق، حماد بن سلمہ، محمد بن عجلان اور اس طرح کے بڑے درجہ کے دیگر راویوں میں کلام کیا ہے، انہوں نے ان راویوں کے حافظہ کی وجہ سے ان کی بعض روایتوں میں کلام کیا ہے، جبکہ ان سے ائمہ حدیث نے روایتیں بھی نقل کی ہیں، علی بن مدینی کہتے ہیں کہ سفیان بن عیینہ نے فرمایا: ہم سہیل بن ابی صالح کو حدیث میں مضبوط شمار کرتے تھے، سفیان بن عیینہ فرماتے ہیں: محمد بن عجلان با اعتماد اور حدیث میں محفوظ تھے، امام ترمذی فرماتے ہیں: ہمارے نزدیک یحیی بن سعید قطان نے محمد بن عجلان کی ان روایتوں پر کلام کیا ہے، جو سعید مقبری سے منقول ہیں، یحیی بن سعید قطان فرماتے ہیں کہ محمد بن عجلان کہتے ہیں: سعید مقبری کی بعض روایتیں حضرت ابو ہریرہ سے بغیر کسی واسطہ کے منقول ہیں، اور بعض، حضرت ابو ہریرہ سے کسی راوی کے واسطہ سے مروی ہیں، مگر یہ احادیث مجھ پر خلط ملط اور گڈ مڈ ہو گئیں تو پھر میں نے ان تمام کو سعید المقبری، عن ابی ھریرہ کی سند سے کر دیا، ہمارے نزدیک یحیی بن سعید قطان نے ابن عجلان کے بارے میں اسی وجہ سے کلام کیا ہے، اور یحیی بن سعید قطان نے محمد بن عجلان سے بہت سی احادیث روایت (بھی) کی ہیں۔

مشکل الفاظ کے معنی: ثبت: (ثاء پر زبر اور باء ساکن) مضبوط، مأمون في الحديث: حدیث میں محفوظ، قابل اعتماد، با اعتماد فاختلطت علي: (صیغہ واحد مؤنث) پھر وہ احادیث مجھ پر خلط ملط اور گڈ مڈ ہو گئیں یعنی مجھے یہ امتیاز نہ رہا کہ کون سی روایت براہ راست ابو ہریرہؓ سے ہے اور کونسی رجل کے واسطے سے ہے، فصيرتها: (صیغہ متکلم) تو میں نے ان تمام احادیث کو کر دیا، بنا دیا۔

۷۔ سہیل بن ابی صالح ۸۔ محمد بن اسحاق ۹۔ حماد بن سلمہ ۱۰۔ اور محمد بن عجلان

مذکورہ عبارت میں امام ترمذی رحمہ اللہ نے ان چار راویوں کا ذکر کیا ہے: سہیل بن ابی صالح، محمد بن اسحاق، حماد بن سلمہ اور محمد بن عجلان یہ سب ہی ثقہ راوی ہیں، مگر ان کے حافظہ کی کمزوری کی وجہ سے ان پر کلام کیا گیا ہے، لیکن ان کا حافظہ چونکہ پہلے صحیح تھا، اس لیے حدیث کے بڑے ائمہ نے ان سے روایات بھی نقل کی ہیں:

۷۔ سہیل بن ذکوان ابی صالح: مدینہ منورہ کے رہائشی تھے، صدوق اور با اعتماد راوی ہیں، مگر آخری عمر میں ان کا حافظہ کمزور ہو گیا تھا، بخاری میں تعلیقاً ان کی روایت ہے۔(۱)

۸۔ محمد بن اسحاق بن یسار: مدینہ کے باشندے تھے، آپ فن مغازی کے امام ہیں، امام احمد فرماتے ہیں کہ محمد بن اسحاق

(۱) تهذيب التهذيب ۳/۵۴۹، من اسمه: سهيل، رقم: ۲۷۵۰

حدیث میں تدلیس کرتے تھے، اسی وجہ سے امام مالک نے ان پر جرح کی ہے۔(۱)

۹۔ حماد بن سلمہ بن دینار: بصرہ کے باشندے اور نہایت عبادت گذار تھے، بڑھاپے میں ان کا حافظہ خراب ہوگیا تھا، اس لیے امام بخاری نے ان سے احادیث روایت نہیں کیں، ان کی وفات ۱۶۷ھ میں ہوئی۔(۲)

۱۰۔ محمد بن عجلان: مدینہ منورہ کے رہنے والے تھے، یحیی بن سعید قطان نے ان پر کلام کیا ہے، اس کی وجہ محمد بن عجلان نے یہ بتائی کہ سعید مقبری نے حضرت ابوہریرہ سے بعض روایتیں تو بغیر کسی واسطہ کے براہ راست روایت کی ہیں اور بعض ایک رجل کے واسطے سے روایت کی ہیں، مگر بعد میں یہ احادیث محمد بن عجلان پر خلط ملط اور گڈ مڈ ہوگئیں، وہ یہ فرق نہ کر سکتے تھے کہ حضرت ابوہریرہ کی کونسی روایت سعید مقبری کے واسطہ سے براہ راست ہے اور کونسی روایت میں سعید مقبری اور حضرت ابوہریرہ کے درمیان رجل کا واسطہ ہے، اس لیے محمد بن عجلان نے ان تمام روایات کو سعید المقبری عن ابی ھریرۃ کے واسطہ سے کر دیا، اس وجہ سے یحیی بن سعید قطان نے ان پر کلام کیا ہے، اگرچہ یحیی بن سعید قطان نے محمد بن عجلان سے بہت سی احادیث بھی نقل کی ہیں، کہتے ہیں کہ محمد بن عجلان کی وفات ۱۴۹ھ میں ہوئی۔(۳)

یہاں دو باتیں پیش نظر رہیں:

❁ محمد بن عجلان نے جو سعید مقبری اور حضرت ابوہریرہ کے درمیان رجل کا واسطہ حذف کر دیا، اسے ذکر نہیں کیا، اس میں کوئی حرج نہیں، سند میں کسی راوی کا اضافہ کر دیا جائے، تب تو وہ سند کمزور ہو جاتی ہے، مگر کسی راوی کو سند کے آخر سے چھوڑ دیا جائے تو اس سے زیادہ سے زیادہ وہ حدیث مرسل ہو جاتی ہے، اور جمہور کے نزدیک حدیث مرسل حجت اور معتبر ہے۔

❁ عن رجل عن ابی ھریرۃ، اس کے یہ معنی نہیں کہ وہ رجل کوئی مجہول راوی تھا، یہ واسطے سارے ہی با اعتماد تھے، مگر اس راوی کا نام یاد نہیں رہا، اس لیے محمد بن عجلان نے ان تمام روایات کو سعید المقبری عن ابی ھریرۃ کی سند سے ذکر کر دیا، اور اصول یہ ہے کہ اگر ثقہ راوی اس طرح کرے، تو اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا، اور محمد بن عجلان بھی چونکہ ثقہ راوی ہیں، اس لیے انہوں نے جو اس طرح کیا ہے، اس سے وہ سند کمزور شمار نہیں ہوگی۔(۴)

وَهٰكَذَا مَنْ تَكَلَّمَ فِي ابنِ أَبِي لَيْلَى إِنَّمَا تَكَلَّمَ فِيهِ مِنْ قِبَلِ حِفْظِهِ، قَالَ عَلِيٌّ: قَالَ يَحْيَى بنُ سَعِيدٍ القطان: رَوَى شُعْبَةُ، عن ابنِ أَبِي لَيْلَى، عن أَخِيهِ عِيسَى، عن عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بنِ أبي ليلى، عن أبي أيوب، عن النبيِّ صلى الله عليه وسلم في العُطَاسِ، قَالَ يَحْيَى: ثُمَّ لَقِيتُ ابنَ أَبِي لَيْلَى، فَحَدَّثَنَا عن أَخِيهِ عِيسَى، عن عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بنِ

---

(۱) تهذيب التهذيب ۳۵/۷ من اسمه محمد، رقم: ۵۹۲۹

(۲) تهذيب التهذيب ۴۲۳/۲ من اسمه حماد، رقم: ۱۵۵۸

(۳) تهذيب التهذيب ۳۲۳/۷ من اسمه محمد، رقم: ۶۳۸۷

(۴) الكوكب الدري ۲۸۳/۴

أَبِي لَيْلَى، عَنْ عَلِيٍّ، عن النَّبِيِّ ﷺ. قَالَ أَبُوْ عِيسَى، وَيُرْوَى عن ابنِ أَبِي لَيْلَى نَحْوُ هَذَا غَيْرَ شَيْءٍ، كَانَ يَرْوِي الشَّيْءَ مَرَّةً هٰكَذَا، وَمَرَّةً هٰكَذَا، يُغَيِّرُ الإِسْنَادَ، وَإِنَّمَا جَاءَ هَذَا مِنْ قِبَلِ حِفْظِهِ، لِأَنَّ أَكْثَرَ مَنْ مَضَى مِنْ أَهْلِ الْعِلْمِ، كَانُوا لَا يَكْتُبُوْنَ، وَمَنْ كَتَبَ مِنْهُمْ، إِنَّمَا كَانَ يَكْتُبُ لَهُمْ بَعْدَ السَّمَاعِ، وَ سَمِعْتُ أَحْمَدَ بْنَ الْحَسَنِ يَقُوْلُ: سَمِعْتُ أَحْمَدَ بْنَ حَنْبَلٍ يَقُوْلُ: ابنُ أَبِي لَيْلَى لَا يُحْتَجُّ بِهِ.

اسی طرح جس نے ابن ابی لیلیٰ میں کلام کیا ہے تو اس نے ان کے حافظہ کی وجہ سے کلام کیا ہے، یحییٰ قطان کہتے ہیں: امام شعبہ نے ابن ابی لیلیٰ سے، انہوں نے اپنے بھائی عیسیٰ سے، انہوں نے اپنے والد عبدالرحمن بن ابی لیلیٰ سے، انہوں نے حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے، انہوں نے نبی کریم ﷺ سے چھینک سے متعلق روایت نقل کی ہے، یحییٰ کہتے ہیں: پھر میں نے ابن ابی لیلیٰ سے ملاقات کی تو انہوں نے اپنے بھائی عیسیٰ سے، انہوں نے اپنے والد عبدالرحمن بن ابی لیلیٰ سے، انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے، انہوں نے نبی کریم ﷺ سے حدیث بیان کی، امام ترمذی فرماتے ہیں: ابن ابی لیلیٰ سے اس طرح کی بہت سی چیزیں روایت کی جاتی ہیں، وہ ایک روایت کو ایک بار اس طرح روایت کرتے اور دوسری بار دوسری طرح روایت کرتے، سند کو تبدیل کر دیتے تھے، یہ سارا ان کے حافظہ کی کمزوری کی وجہ سے ہوتا تھا اور گذشتہ علماء میں سے اکثر حدیث کو نہیں لکھتے تھے اور ان علماء میں سے جس نے احادیث لکھی ہیں تو وہ شاگردوں کے لیے سماع کے بعد ہی حدیثیں لکھا کرتا تھا، اور میں نے احمد بن حسن کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ میں نے امام احمد کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ ابن ابی لیلیٰ کی حدیثوں سے استدلال نہیں کیا جائے گا۔

۱۱۔ ابن ابی لیلیٰ

امام ترمذی فرماتے ہیں کہ یحییٰ بن سعید قطان یا ان کے علاوہ اور جس نے بھی ابن ابی لیلیٰ کے بارے میں کلام کیا ہے تو اس نے ان کے حافظہ کی وجہ سے ہی کلام کیا ہے، کیونکہ اس دور میں احادیث کو زیادہ تر یاد ہی کیا جاتا تھا، اور جو لکھتا بھی تو وہ اپنے شیخ سے سننے کے بعد اپنے حافظہ کے بل بوتے پر ہی لکھتا تھا، چنانچہ ابن ابی لیلیٰ کا حافظہ بھی بہت کمزور تھا، اس لیے ان کی روایت کردہ احادیث میں تغیر وتبدل اور اضطراب بہت پائے جاتے ہیں، یحییٰ قطان فرماتے ہیں کہ عطاس سے متعلق ایک حدیث مجھے ابن ابی لیلیٰ نے حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے واسطہ سے بیان کی، اس روایت کو امام ترمذی نے باب کیف یشمت العاطس میں نقل کیا ہے، یحییٰ کہتے ہیں کہ پھر میں ایک دفعہ ابن ابی لیلیٰ سے ملا تو انہوں نے یہی روایت حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کر کے بیان کی، اور وہ ایسا بہت کرتے تھے کہ ایک مرتبہ ایک حدیث کو ایک انداز سے بیان کرتے اور دوسری بار دوسری طرح روایت کرتے، اسی لیے امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ابن ابی لیلیٰ کی اس روایت سے استدلال نہیں کیا جا سکتا، جس میں وہ منفرد

ہوں، اس میں ان کا اور کوئی متابع اور شاہد نہ ہو۔(۱)

ابن ابی لیلیٰ سے کون مراد ہے

ابن ابی لیلیٰ کا لفظ چار شخصوں کے لیے بولا جاتا ہے:

۱۔ محمد بن عبدالرحمن بن ابی لیلیٰ، یہ کوفہ کے قاضی اور فقہ کے امام تھے، ہدایہ میں بھی ان کے اقوال مذکور ہیں، صادق راوی ہیں، مگر ان کا حافظہ بہت کمزور تھا، اس لیے ان کی روایتوں میں اضطراب بہت پایا جاتا ہے، ان کو ابن ابی لیلیٰ صغیر بھی کہا جاتا ہے، یہاں یہی مراد ہیں۔

۲۔ ابن ابی لیلیٰ صغیر کے والد محترم عبدالرحمن بن ابی لیلیٰ، ان کو ابن ابی لیلیٰ کبیر کہا جاتا ہے، یہ ایک ثقہ راوی ہیں۔

۳۔ ابن ابی لیلیٰ صغیر کے بھائی عیسیٰ بن عبدالرحمن بن ابی لیلیٰ، یہ بھی ایک ثقہ راوی ہیں۔

۴۔ ابن ابی لیلیٰ کے بھتیجے عبداللہ بن عیسیٰ کو بھی ابن ابی لیلیٰ کہا جاتا ہے، یہ بھی ایک ثقہ راوی ہیں۔

امام ترمذی کی مراد ابن ابی لیلیٰ سے محمد بن عبدالرحمن بن ابی لیلیٰ ہیں، ان کو ابن ابی لیلیٰ صغیر بھی کہا جاتا ہے۔(۲)

وَكَذٰلِكَ مَنْ تَكَلَّمَ مِنْ اَهْلِ الْعِلْمِ فِي مُجَالِدِ بْنِ سَعِيْدٍ، وَعَبْدِاللّٰهِ بْنِ لَهِيْعَةَ، وَغَيْرِهِمْ، اِنَّمَا تَكَلَّمُوْا فِيْهِمْ مِنْ قِبَلِ حِفْظِهِمْ وَكَثْرَةِ خَطَئِهِمْ، وَقَدْ رَوٰى عَنْهُمْ غَيْرُ وَاحِدٍ مِنَ الْاَئِمَّةِ۔

اسی طرح اہل علم میں سے جس نے مجالد بن سعید اور عبداللہ بن لہیعہ یا ان کے علاوہ اور کسی کے بارے میں کلام کیا ہے تو انہوں نے ان راویوں میں ان کے حافظہ کی کمزوری اور ان کی زیادہ غلطیوں کی وجہ سے کلام کیا ہے، اور ان سے بہت سے آئمہ نے احادیث روایت کی ہیں۔

۱۲۔ مجالد بن سعید اور ۱۳۔ عبداللہ بن لہیعہ

ان دو راویوں پر بھی ان کے حافظہ کی کمزوری کی وجہ سے کلام کیا گیا ہے:

۱۔ مجالد بن سعید: قبیلہ ہمدان کے تھے، اور کوفہ میں رہتے تھے، یہ تلقین کو قبول کرتے تھے، اور آخری عمر میں ان کا حافظہ بہت کمزور ہو گیا تھا، ان کی وفات ۱۴۴ھ میں ہوئی۔(۳)

۲۔ عبداللہ بن لہیعہ: یہ مصر کے رہنے والے تھے اور ایک صادق راوی ہیں، مگر ۱۷۰ھ میں ان کے گھر میں آگ لگنے کی وجہ

---

(۱) تحفۃ الاحوذی ۱۰/۴۴۸، تہذیب التہذیب ۵/۱۶۶، من اسمہ: عبدالرحمن، رقم: ۴۱۰۵

(۲) الکوکب الدری ۴/۴۸۴

(۳) تہذیب التہذیب ۸/۴۵، من اسمہ مجالد، رقم: ۶۷۴۲

سے احادیث کا ذخیرہ ضائع ہوگیا تھا، پھر یہ محض حافظہ کی بنیاد پر روایت کرتے تھے، جس میں تسامح بھی پایا گیا، اس لیے علماء کے نزدیک آگ کے اس حادثے سے پہلے جو احادیث، ابن لہیعہ نے روایت کی ہیں، وہ تو معتبر اور مقبول ہیں، بعد کی روایات پر کلام کیا گیا ہے، تاہم بہت سے علماء حدیث نے ان دو حضرات سے روایتیں نقل کی ہیں، حضرت عبداللہ بن لہیعہ کی ۱۷۵ھ میں وفات ہوئی۔(۱)

فَإِذَا تَفَرَّدَ أَحَدٌ مِنْ هٰؤُلَاءِ بِحَدِيْثٍ وَلَمْ يُتَابَعْ عَلَيْهِ، لَمْ يُحْتَجَّ بِهِ، كَمَا قَالَ أَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ: ابْنُ أَبِي لَيْلَى لَا يُحْتَجُّ بِهِ، إِنَّمَا عَنَى إِذَا تَفَرَّدَ بِالشَّيْءِ، وَ أَشَدُّ مَا يَكُوْنُ هٰذَا إِذَا لَمْ يَحْفَظِ الإِسْنَادَ، فَزَادَ فِي الإِسْنَادِ، أَوْ نَقَصَ، أَوْ غَيَّرَ الإِسْنَادَ، أَوْ جَاءَ بِمَا يَتَغَيَّرُ فِيْهِ الْمَعْنَى۔

جب ان مذکورہ (تیرہ) متکلم فیہ راویوں میں سے کوئی راوی کسی حدیث میں منفرد ہو، اس پر اس کا کوئی متابع نہ ہو تو اس حدیث سے استدلال نہیں کیا جائے گا، جیسے امام احمد بن حنبل نے فرمایا: ابن ابی لیلیٰ کی حدیث سے استدلال نہیں کیا جائے گا، امام احمد کی مراد یہ ہے کہ جب ابن ابی لیلیٰ اس حدیث میں اکیلے ہوں، اور راوی کا سب سے سخت ضعف یہ ہے کہ جب اسے حدیث کی سند یاد نہ ہو، پھر وہ سند میں اضافہ یا کمی کر دے، یا سند کو تبدیل کر دے، یا حدیث کی متن میں ایسے الفاظ لائے، جن سے معنیٰ ہی بدل جائیں۔

کیا متکلم فیہ راوی کی حدیث سے استدلال کیا جاسکتا ہے

مذکورہ عبارت میں امام ترمذی رحمہ اللہ نے دو باتیں ذکر کی ہیں:

۱۔ جس راوی پر اس کے حافظہ کی کمزوری کی وجہ سے کلام کیا گیا ہے، اگر وہ کسی روایت میں منفرد ہو، اس کے ساتھ اس کا اور کوئی متابع نہ ہو تو اس روایت سے استدلال نہیں کیا جاسکتا، ہاں اگر وہ اس کے علاوہ دوسری صحیح اسانید کے ساتھ بھی منقول ہو تو پھر اس سے استدلال کیا جاسکتا ہے۔

۲۔ اگر راوی کا حافظہ اس قدر کمزور ہو کہ اسے حدیث کی سند یاد نہ ہو، اس نے اس سند میں اضافہ یا کمی کر دی، یا سند کو تبدیل کر دیا، یا حدیث کے اصل الفاظ میں اس طرح تبدیلی کر دی، جس سے حدیث کے معنیٰ ہی بدل جائیں، ان تمام صورتوں میں اس راوی کی اس حدیث سے استدلال نہیں کیا جاسکتا، البتہ اگر اس مفہوم کی روایت دیگر صحیح طرق سے منقول ہو، تو پھر یہ قابل استدلال ہو جاتی ہے۔(۲)

فَأَمَّا مَنْ أَقَامَ الإِسْنَادَ، وَحَفِظَهُ، وَغَيَّرَ اللَّفْظَ، فَإِنَّ هٰذَا وَاسِعٌ عِنْدَ أَهْلِ الْعِلْمِ إِذَا لَمْ يَتَغَيَّرِ الْمَعْنَى، عَنْ وَاثِلَةَ

---

(۱) تهذيب التهذيب ۴۴۹/۴، من اسمه عبدالله، رقم: ۳۶۵۵
(۲) فتح الملهم ۳۳/۱، المقدمة، المتابعات والشواهد۔

بنِ الأَسْقَعِ، قَالَ: إِذَا حَدَّثْنَاكُمْ عَلَى الْمَعْنَى فَحَسْبُكُمْ، عن مُحَمَّدِ بنِ سِيرِينَ، قَالَ: كُنْتُ أَسْمَعُ الْحَدِيثَ مِنْ عَشَرَةٍ، اللَّفْظُ مُخْتَلِفٌ وَالْمَعْنَى وَاحِدٌ. عَنْ ابنِ عَوْنٍ، قَالَ: كَانَ إِبْرَاهِيمُ النَّخَعِيُّ، وَالْحَسَنُ، وَالشَّعْبِيُّ، يَأْتُونَ بِالْحَدِيثِ عَلَى الْمَعَانِي، وَكَانَ الْقَاسِمُ بنُ مُحَمَّدٍ، وَمُحَمَّدُ بنُ سِيرِينَ، وَرَجَاءُ بنُ حَيْوَةَ يُعِيدُونَ الحدِيثَ عَلَى حُرُوفِهِ. عَنْ عَاصِمٍ الأَحْوَلِ، قَالَ: قُلْتُ لِأَبِي عُثْمَانَ النَّهْدِيِّ: إِنَّكَ تُحَدِّثُنَا بِالحديثِ، ثُمَّ تُحَدِّثُنَا بِهِ عَلَى غَيْرِ مَا حَدَّثْتَنَا؟ قَالَ: عَلَيْكَ بِالسَّمَاعِ الأَوَّلِ، عَنِ الْحَسَنِ قَالَ: إِذَا أَصَبْتَ الْمَعْنَى أَجْزَأَكَ، عَنْ مُجَاهِدٍ يَقُولُ: أَنْقِصْ مِنَ الْحَدِيثِ إِنْ شِئْتَ وَلَا تَزِدْ فِيهِ، عَنْ رَجُلٍ قَالَ: خَرَجَ إِلَيْنَا سُفْيَانُ الثَّوْرِيُّ، فَقَالَ: إِنْ قُلْتُ لَكُمْ إِنِّي أُحَدِّثُكُمْ، كَمَا سَمِعْتُ فَلَا تُصَدِّقُونِي إِنَّمَا هُوَ الْمَعْنَى، عَنْ وَكِيعٍ يَقُولُ: إِنْ لَمْ يَكُنِ الْمَعْنَى وَاسِعاً، فَقَدْ هَلَكَ النَّاسُ۔

اور جو شخص سند کو صحیح طریقے سے بیان کرے اور اسے وہ یاد بھی رکھے تو اس کی (یعنی روایت بالمعنیٰ کی) اہل علم کے ہاں گنجائش ہے بشرطیکہ حدیث کے معنیٰ میں کوئی تبدیلی نہ آئے، واثلہ بن اسقع کہتے ہیں: جب ہم تم سے حدیث کے معنیٰ بیان کریں، (یعنی روایت بالمعنیٰ کریں) تو یہ تمہارے لیے کافی ہے، محمد بن سیرین کہتے ہیں: میں ایک حدیث دس شیوخ سے سنتا تھا، ان کے الفاظ تو مختلف ہوتے مگر معنیٰ ایک ہی ہوتے، ابن عون کہتے ہیں: ابراہیم نخعی، حسن بصری، اور امام شعبی روایت بالمعنیٰ کیا کرتے تھے، اور قاسم بن محمد، محمد بن سیرین اور رجاء بن حیوہ حدیث کو اس کے اصل الفاظ کے ساتھ لوٹایا کرتے تھے، عاصم احول کہتے ہیں: میں نے ابوعثمان نہدی سے عرض کیا: آپ ہمارے سامنے ایک حدیث بیان کرتے ہیں پھر (دوسری بار) آپ اس حدیث کو ان الفاظ کے علاوہ دوسرے الفاظ کے ساتھ بیان کرتے ہیں (کونسے الفاظ ہم محفوظ کریں) ابوعثمان نہدی نے فرمایا: حدیث کے جو الفاظ تم نے پہلی مرتبہ سنے ہیں، ان کو لازم پکڑلو، حضرت حسن بصری فرماتے ہیں: جب تم حدیث کے معنیٰ کو پالو (یعنی حاصل کرلو) تو یہ تمہارے لیے کافی ہے (اصل الفاظ یاد رکھنا ضروری نہیں) مجاہد کہتے ہیں: اگر تم چاہو تو حدیث میں کمی کرسکتے ہو (یعنی اس میں اختصار کرسکتے ہو) مگر اس میں تم اضافہ نہیں کرسکتے، ایک شخص کہتا ہے: ہمارے پاس سفیان ثوری آئے اور فرمایا: اگر میں تم سے یہ کہوں کہ میں حدیث کو تمہارے سامنے اسی طرح بیان کرتا ہوں، جس طرح میں نے اسے سنا ہے (یعنی اصل الفاظ کے ساتھ) تو تم میری تصدیق مت کرنا، کیونکہ وہ حدیث روایت بالمعنیٰ ہوتی ہے، وکیع کہتے ہیں: اگر روایت بالمعنیٰ کی گنجائش نہ ہوتی تو لوگ یقیناً تباہ ہوجاتے۔

روایت بالمعنیٰ کا حکم

اس میں کوئی شک نہیں کہ اگر آدمی کو حدیث کے اصل الفاظ یاد ہوں، تو ان الفاظ کے ساتھ حدیث کو روایت کرنا سب

سے افضل ہے، لیکن اگر آدمی کو حدیث کے اصل الفاظ یاد نہ ہوں، صرف اس کے معنیٰ اور مفہوم ذہن میں ہو تو کیا وہ حدیث کے معنیٰ کو اپنے الفاظ میں بیان کرسکتا ہے یا نہیں؟ اس میں اہل علم کا اختلاف ہے:

۱۔ بعض حضرات کا موقف یہ ہے کہ حدیث کو انہی الفاظ کے ساتھ بیان کرنا ضروری ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام سے منقول ہیں، اپنے الفاظ میں یعنی روایت بالمعنیٰ کرنا جائز نہیں، تا کہ حدیث کے مفہوم میں کوئی فرق واقع نہ ہو۔

۲۔ ائمہ اربعہ، حسن بصری، اکثر فقہاء اور محدثین یعنی جمہور علماء کے نزدیک درج ذیل شرائط کے ساتھ روایت بالمعنیٰ جائز ہے:

- روایت بالمعنیٰ کرنے والا حدیث کا مفہوم اس انداز سے بیان کرے کہ حدیث کا اصلی مفہوم اس میں واضح ہوجائے۔
- روایت بالمعنیٰ میں اصل حدیث سے نہ تو اضافہ ہو اور نہ اس میں کمی ہو۔
- جو بات اصل حدیث میں جس انداز سے بیان کی گئی ہے، اسی طرح اسے روایت بالمعنیٰ میں بیان کیا جائے، یعنی اگر کوئی بات اصل حدیث میں واضح طور پر آئی ہے تو روایت بالمعنیٰ میں بھی اسے واضح طور پر بیان کیا جائے، اور جو بات اصل روایت میں ذرا اخفاء اور غیر واضح اسلوب میں ہے تو اسے روایت بالمعنیٰ میں بھی اسی کیفیت میں ہی رکھا جائے، کیونکہ بسا اوقات ایک بات کو محکم اور متشابہ طریقے سے بیان کیا جاتا ہے، ایسے میں اس روایت کو انہی اوصاف کے ساتھ ہی بیان کیا جائے، تا کہ وہ حکمت فوت نہ ہو جو شارع علیہ السلام کی نظر میں تھی، چنانچہ امام ترمذی رحمہ اللہ نے مذکورہ عبارت میں اس بات کو بیان کیا ہے کہ جو شخص حدیث کی سند کو اچھی طرح روایت کرسکتا ہو اور اسے وہ یاد رکھتا ہو، وہ اگر حدیث کے الفاظ میں تبدیلی کردے تو یہ علماء کے نزدیک جائز ہے، بشرطیکہ اس میں حدیث کے معنیٰ میں کوئی تبدیلی نہ آئے۔

جمہور علماء نے اپنے جواز کے اس موقف پر بہت سے دلائل سے استدلال کیا ہے:

۱۔ ابن مندہ نے "معرفۃ الصحابۃ" میں اور طبرانی نے المعجم الکبیر میں ایک مرفوع حدیث ذکر کی ہے، جس میں حضرت عبداللہ بن سلیمان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا: میں آپ سے احادیث سنتا ہوں، لیکن پھر انہی الفاظ کے ساتھ بیان نہیں کرسکتا، اس میں کسی لفظ کا اضافہ یا کمی ہوجاتی ہے، اس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: إِذَا لَمْ تُحِلُّوْا حَرَامًا وَلَمْ تُحَرِّمُوْا حَلَالًا وَأَصَبْتُمُ الْمَعْنٰى فَلَا بَأْسَ (جب تم کسی حرام کو حلال نہ کرو اور حلال کو حرام نہ کرو اور تم حدیث کے معنیٰ تک پہنچ جاؤ تو پھر روایت بالمعنیٰ میں کوئی حرج نہیں) حضرت حسن بصری کے سامنے اس حدیث کا تذکرہ کیا گیا تو انہوں نے فرمایا: لَوْلَا هٰذَا مَا حَدَّثْنَا اگر اس کی گنجائش نہ ہوتی تو ہم حدیث بیان ہی نہ کرتے۔(۱)

اس حدیث سے صراحۃً یہ حکم ثابت ہوتا ہے کہ روایت بالمعنیٰ جائز ہے، مگر شرط یہ ہے کہ حدیث کے اصل معنیٰ، روایت بالمعنیٰ کے الفاظ میں پوری طرح سما جائیں۔

---

(۱) تدریب الراوی ۹۹/۲، النوع السادس والعشرون: صفۃ روایۃ الحدیث، المعجم الکبیر للطبرانی ۲۱۳/۶ (الشاملۃ)

۲۔ امام شافعی رحمہ اللہ نے روایت بالمعنیٰ کے جواز پر: أُنْزِلَ الْقُرْآنُ عَلٰى سَبْعَةِ أَحْرُفٍ، فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنْهُ سے استدلال کیا ہے کہ جب قرآن مجید کو الفاظ کے لحاظ سے سات مختلف قراءتوں میں پڑھا جاسکتا ہے، جبکہ اصل معنیٰ میں کوئی تبدیلی واقع نہ ہو، تو قرآن کے علاوہ احادیث میں تو بطریق اولیٰ الفاظ کا اختلاف اور ردوبدل جائز ہے، بس شرط یہی ہے کہ روایت بالمعنیٰ میں حدیث کے اصل معنیٰ اور مفہوم میں کوئی فرق نہ آئے۔

۳۔ حماد بن سلمہ نے روایت بالمعنیٰ کے جواز پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ایک واقعہ سے استدلال کیا ہے، اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ایک مفہوم کو مختلف الفاظ سے بیان کیا ہے: ایک جگہ فرمایا: بشھاب قبس، ایک اور جگہ "بقبس" اور ایک اور مقام پر فرمایا: او جذوۃ من النار، جس طرح قرآن مجید میں ایک ہی معنیٰ کو مختلف الفاظ سے بیان کیا گیا ہے تو اسی طرح حدیث کے معنیٰ اور مفہوم کو سامنے رکھ کر اسے بھی اپنے الفاظ میں روایت کیا جاسکتا ہے۔

۴۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس پر اجماع ہے کہ احادیث کا دوسری عجمی زبانوں میں ترجمہ کرنا جائز ہے، تو جس طرح دوسری زبانوں میں ترجمہ و تشریح کی جاسکتی ہے، تو اسی طرح حدیث کے اصلی معنیٰ کی روشنی میں اس کا عربی زبان میں بھی ترجمہ کیا جاسکتا ہے، یعنی روایت بالمعنیٰ جائز ہے۔(۱)

امام ترمذی نے اس بات کو ثابت کرنے کے لیے آٹھ روایتیں ذکر کی ہیں، ان کی تفصیل یہ ہے:

۵۔ صحابہ کرام عموماً احادیث کو روایت بالمعنیٰ کے طور پر روایت کرتے تھے، امام ترمذی نے مکحول کی روایت یہاں مختصراً ذکر کی ہے، بیہقی نے اسے تفصیل سے ذکر کیا ہے: مکحول اور ابوالازہر کہتے ہیں کہ ہم دونوں حضرت واثلہ بن اسقع کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: ہمیں آپ ایک ایسی حدیث سنائیں، جو آپ نے براہ راست نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہو، اس میں کوئی کمی بیشی نہ ہو، حضرت واثلہ نے ان سے فرمایا: کیا تم قرآن مجید کی تلاوت نہیں کرتے، انہوں نے کہا: جی ہاں کرتے ہیں، ہر طرح کا اہتمام کرتے ہیں کہ اس کے الفاظ میں کوئی تبدیلی نہ ہو، مگر پھر بھی تھوڑی بہت الفاظ کی تبدیلی ہو جاتی ہے، ہم کبھی "واؤ" یا "الف" کا اضافہ کر دیتے ہیں یا ان میں کمی کر دیتے ہیں، حضرت واثلہ نے فرمایا: جب تم قرآن میں ایسا کرتے ہو، حالانکہ اس کے الفاظ کو یاد رکھنے کا پورا اہتمام بھی کیا جاتا ہے، تو پھر احادیث کے الفاظ میں تبدیلی کیوں نہیں ہوسکتی، ہوسکتا ہے کہ ہم نے وہ حدیث نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے صرف ایک ہی بار سنی ہو، لہذا: حسبکم اذا حدثنا کم بالحدیث علی المعنیٰ، جب ہم تمہارے سامنے حدیث بالمعنیٰ روایت کریں تو یہی تمہارے لیے کافی ہے۔(۲)

۶۔ ابن سیرین کہتے ہیں: میں ایک حدیث کو دس شیوخ سے سنتا ہوں، ان کے الفاظ مختلف ہوتے ہیں، مگر ان کے معنیٰ ایک ہی ہوتے ہیں، اس سے معلوم ہوا کہ وہ شیوخ روایت بالمعنیٰ کیا کرتے تھے، جس کی وجہ سے روایت کے الفاظ میں اختلاف واقع

(۱) مقدمۃ فتح الملہم ۱/۲۲۰، الروایۃ بالمعنی، شرح نخبۃ الفکر (ص:۹۷) اما روایۃ المعنی۔
(۲) مقدمۃ فتح الملہم ۱/۲۲۰، الروایۃ بالمعنی۔

ہوتا تھا۔

۷۔ ابراہیم نخعی، حسن بصری اور عامر شعبی حدیث کو بالمعنی روایت کیا کرتے تھے۔

۸۔ ابوعثمان نہدی نے اپنے شاگردوں سے فرمایا: حدیث کے جو الفاظ تم مجھ سے پہلی مرتبہ سنو، تو ان کو محفوظ کرلو، کیونکہ وہ احادیث کو مختلف الفاظ سے بیان کرتے تھے یعنی روایت بالمعنی کرتے تھے۔

۹۔ حضرت حسن بصری فرماتے ہیں: جب حدیث کو ان الفاظ کے ساتھ بیان کرو، جس میں اس کے اصلی معنی آگئے ہوں تو بس یہی تمہارے لیے کافی ہے، اصل الفاظ کے ساتھ آگے بیان کرنا ضروری نہیں۔

۱۰۔ امام مجاہد فرماتے ہیں: اگر تم چاہو تو حدیث کو مختصراً بیان کردو، لیکن اس میں اضافہ کرکے بیان نہ کرنا، مگر اختصار فی الحدیث اس آدمی کے لیے جائز ہے جو عالم ہو، ایسا شخص ہی موقع کی مناسبت سے حدیث کے صرف اس حصے کو مختصر کرکے بیان کرسکتا ہے، جو اس مجلس کے لیے فائدہ مند ہے، ہر کس وناکس کے لیے ایسا کرنا درست نہیں ہے۔

۱۱۔ سفیان ثوری فرماتے ہیں: میں تمہارے سامنے روایت بالمعنی ہی بیان کرتا ہوں، اگر میں یہ کہوں کہ حدیث کے یہ اصل الفاظ ہیں، جو میں بیان کررہا ہوں، تو اس کی تصدیق مت کرنا۔

۱۲۔ امام وکیع فرماتے ہیں: اگر روایت بالمعنی کی گنجائش نہ ہوتی تو لوگ تباہ ہوجاتے یعنی علم کا ایک بہت بڑا حصہ ضائع ہوجاتا کیونکہ تمام احادیث کو ان کے اصل الفاظ کے ساتھ یاد رکھنا ناممکن ہے، اس لیے شرعاً روایت بالمعنی کی گنجائش ہے۔(۱)

وَإِنَّمَا تَفَاضَلَ أَهْلُ الْعِلْمِ بِالْحِفْظِ، وَالْإِتْقَانِ، وَالتَّثَبُّتِ عِنْدَ السَّمَاعِ، مَعَ أَنَّهُ لَمْ يَسْلَمْ مِنَ الْخَطَإِ وَالْغَلَطِ كَبِيرُ أَحَدٍ مِنَ الْأَئِمَّةِ مَعَ حِفْظِهِمْ۔

اور اہل علم، حدیث کو محفوظ کرنے، اس میں پختگی اور شیخ سے سننے کے وقت احتیاط سے کام لینے کے اعتبار سے آپس میں ایک دوسرے پر برتری رکھتے ہیں، اور حقیقت تو یہ ہے کہ حدیث کے بڑے بڑے امام بھی خطا اور غلطی سے محفوظ نہیں باوجود اس کے کہ ان کو حدیثیں خوب یاد تھیں۔

مشکل الفاظ کی وضاحت: تفاضل: آپس میں ایک دوسرے پر فضیلت اور برتری رکھتے ہیں، الحفظ: یاد کرنا، خواہ حدیث کو زبانی یاد کیا جائے یا اسے شیخ سے سن کر لکھ لیا جائے، الاتقان: پختگی، مضبوطی، مہارت، التثبت: احتیاط سے کام لینا، خوب غور وفکر اور تحقیق سے کسی چیز کو سننا اور حاصل کرنا۔

ثقہ راویوں کا بیان

امام ترمذی رحمہ اللہ نے پہلے ضعیف اور پھر متکلم فیہ راویوں کو بیان کیا، اب یہاں سے ثقہ رواۃ کا ذکر کررہے ہیں، مذکورہ

---

(۱) تحفۃ الاحوذی ۵۴۹/۱۰، مقدمۃ فتح الملہم ۲۲۰/۱، الروایۃ بالمعنی۔

عبارت میں دو باتیں بیان کی گئی ہیں:

۱۔ حدیث کو یاد رکھنے، اس میں پختگی و مہارت اور شیخ سے روایت سننے کے وقت احتیاط اور تحقیق سے کام لینے میں اہل علم ایک دوسرے سے مختلف ہیں بلکہ ایک دوسرے پر برتری رکھتے ہیں، مگر ان میں سے بعض میں یہ صفات نہایت اعلیٰ درجہ کی پائی جاتی ہیں، اور بعض میں اس سے کم، اس طرح یہ حضرات ایک دوسرے پر برتری اور فضیلت رکھتے ہیں: وفوق کل ذی علم علیم۔ اور حدیث کو محفوظ رکھنے کے دو طریقے تھے: (۱) زبانی یاد رکھنا۔ (۲) کاغذ پر ان احادیث کو مکمل طریقے سے لکھ لینا، محدثین کے ہاں یہ دونوں طریقے رائج ہیں۔

۲۔ بڑے بڑے حدیث کے ائمہ سے تھوڑی بہت غلطیاں ہو جاتی ہیں، بلکہ ہوئی ہیں، اس معمولی بھول چوک سے ان کی روایت کردہ احادیث میں کوئی فرق نہیں پڑتا، وہ بدستور مقبول ہوتی ہیں، اس لیے ان معمولی غلطیوں سے صرف نظر کرنی چاہیے۔

امام ترمذی رحمہ اللہ نے مثال کے طور پر یہاں صرف سولہ ثقہ راویوں کا تذکرہ کیا ہے۔

عَنْ عُمَارَةَ بنِ القَعْقَاعِ، قَالَ: قَالَ لِي إِبْرَاهِيمُ النَّخَعِيُّ: إِذَا حَدَّثْتَنِي فَحَدِّثْنِي عَنْ أَبِي زُرْعَةَ بنِ عَمْرِو بنِ جَرِيرٍ، فَإِنَّهُ حدثني مَرَّةً بِحَدِيثٍ، ثُمَّ سَأَلْتُهُ بَعْدَ ذَلِكَ بِسِنِينَ، فَمَا أَخْرَمَ مِنْهُ حَرْفاً۔

عمارہ بن قعقاع کہتے ہیں کہ مجھ سے ابراہیم نخعی نے فرمایا: جب آپ مجھے حدیث بیان کریں تو ابو زرعہ کی حدیث بیان کیا کریں، اس لیے کہ ابو زرعہ نے ایک مرتبہ مجھ سے ایک حدیث بیان کی پھر میں نے وہی حدیث کئی سال گذرنے کے بعد ان سے پوچھی تو انہوں نے اس حدیث سے ایک حرف بھی کم نہ کیا۔

فما اخرم کے معنی ہیں: ما نقص یعنی کم نہیں کیا۔

ابو زرعہ بجلی کوفی

حضرت ابو زرعہ بن عمرو بن جریر بن عبداللہ بجلی کوفہ کے رہنے والے ایک اعلیٰ درجہ کے ثقہ راوی اور تابعی ہیں، انہوں نے اپنے دادا حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ اور حضرت ابو ہریرہ سے احادیث نقل کی ہیں، کتب ستہ میں ان کی روایت موجود ہے، یہ احادیث میں حفظ و اتقان اور بہت زیادہ احتیاط کرتے تھے، (۱) چنانچہ ابراہیم نخعی فرماتے ہیں کہ میں نے کئی سال بعد ایک حدیث دوبارہ حضرت ابو زرعہ سے پوچھی، تو انہوں نے اسی طرح بیان کی، جیسے انہوں نے کئی سال پہلے روایت کی تھی، اس میں ایک حرف بھی کم نہیں کیا۔

عن مَنصُورٍ، قالَ قُلْتُ لإبْرَاهِيمَ: مَا لِسَالِمِ بنِ أَبِي الجَعْدِ أَتَمَّ حَدِيثاً مِنكَ؟ قالَ: لأَنَّهُ كَانَ يَكْتُبُ۔

منصور کہتے ہیں کہ میں نے ابراہیم نخعی سے پوچھا: سالم بن ابی الجعد آپ کے مقابلے میں زیادہ کامل طریقے سے

---

(۱) تقریب التہذیب ۲/ ۷۲۲، باب الکنی، حرف الزای

احادیث کیسے بیان کرتے ہیں؟ ابراہیم نخعی نے فرمایا: اس لیے کہ سالم احادیث کو لکھا کرتے تھے۔

سالم بن ابی الجعد

حضرت سالم بن ابی الجعد کوفہ میں رہتے تھے، نہایت ثقہ راوی ہیں، اکابر محدثین نے ان سے احادیث روایت کی ہیں، ان کی وفات ۱۰۱ھ میں ہوئی۔(۱)

مذکورہ عبارت میں دو باتیں بیان کی گی ہیں:

- حضرت سالم احادیث کو رجسٹر پر لکھ لیا کرتے تھے، اس لیے پھر وہ ان احادیث کو انہی الفاظ کے ساتھ آگے روایت کرتے تھے، اس سے معلوم ہوا کہ روایت کو اس کے اصلی الفاظ کے ساتھ کامل طریقے سے بیان کرنا افضل ہے۔
- حضرت ابراہیم نخعی احادیث کو لکھتے نہیں تھے، اس لیے ان کی احادیث میں الفاظ کا فرق آجاتا تھا، اگرچہ معنیٰ میں کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوتی تھی، اس سے معلوم ہوا کہ روایت بالمعنیٰ جائز ہے۔

قَالَ عَبْدُ الْمَلِكِ بنُ عُمَيْرٍ: إِنِّي لَأُحَدِّثُ بِالْحَدِيثِ، فَمَا أَدَعُ مِنْهُ حَرْفاً۔

عبد الملک بن عمیر کہتے ہیں کہ میں حدیث بیان کرتا ہوں اور اس کا ایک حرف بھی نہیں چھوڑتا۔

عبد الملک بن عمیر

حضرت عبد الملک بن عمیر ایک ثقہ راوی ہیں، بہت سے محدثین ان سے روایت کرتے ہیں، احادیث کو ان کے اصل الفاظ کے ساتھ محفوظ رکھتے تھے، روایت سے ایک حرف بھی کم نہ کرتے بلکہ مکمل طور پر اسے بیان کرتے تھے، فصاحت و بلاغت میں بھی بہت مشہور تھے، ان کی وفات ۱۳۶ھ میں ہوئی۔(۲)

قَالَ قَتَادَةُ: مَا سَمِعَتْ أُذُنَايَ شَيْئاً قَطُّ، إِلَّا وَعَاهُ قَلْبِي۔

حضرت قتادہ فرماتے ہیں: میرے کانوں نے کبھی کوئی چیز نہیں سنی، مگر یہ کہ میرے دل نے اسے محفوظ کر لیا۔

حضرت قتادہ بن دعامہ

حضرت قتادہ بن دعامہ بصرہ کے رہنے والے ایک انتہائی ذہین تابعی ہیں، مادرزاد نابینا تھے، جو بات سنتے تھے، اسے فوراً یاد کر لیتے تھے، حضرت سعید بن مسیب نے جب ان کا حافظہ اور علم حدیث میں ذوق وشوق دیکھا تو بے ساختہ بول پڑے: میرے

---

(۱) تهذيب التهذيب ۳/۴۴۳، من اسمه سالم، رقم: ۲۲۴۴

(۲) تهذيب التهذيب ۵/۳۱۰، من اسمه عبد الملک، رقم: ۴۳۲۴

پاس قتادہ جیسا کوئی بھی عراقی شاگرد آج تک ایسا نہیں آیا، جس نے قتادہ سے زیادہ احادیث یاد کی ہوں، حضرت قتادہ، حضرت سعید بن مسیب کے پاس صرف آٹھ دن ٹھہرے، ان سے اتنی زیادہ حدیثیں حاصل کیں کہ تیسرے دن ابن مسیب نے ان سے کہا کہ تم نے تو مجھے تھکا دیا ہے، اب تم چلے ہی جاؤ۔

ایک دفعہ قتادہ نے سورہ بقرہ سنائی، اس میں ان کی ذرا بھی غلطی نہیں آئی، تو لوگوں نے ان سے کہا کہ آپ کو تو قرآن خوب پختہ یاد ہے، حضرت قتادہ نے فرمایا کہ صحیفہ جابر جس میں احادیث درج تھیں، سورہ بقرہ سے کہیں زیادہ مجھے یاد ہے، جبکہ دیگر محدثین صحیفہ جابر کو یاد کرنے میں بڑا وقت لگایا کرتے تھے، حضرت قتادہ جب کسی حدیث کو ایک دفعہ سن لیتے تو جب تک اسے یاد نہ کر لیتے اس وقت تک بے چین رہتے تھے، محدثین کی نظر میں یہ ایک نہایت ثقہ راوی ہیں، ان کی وفات ۱۱۷ھ میں ہوئی۔(۱)

عَنْ عَمْرِو بْنِ دِينَارٍ، قَالَ: مَا رَأَيْتُ أَحَدًا، أَنَصَّ لِلْحَدِيثِ مِنَ الزُّهْرِيِّ۔

عمرو بن دینار فرماتے ہیں کہ میں نے کسی راوی کو نہیں دیکھا، جو امام زہری سے زیادہ بہتر انداز میں حدیث کی سند وغیرہ کو بیان کرنے والا ہو۔

انص فی الحدیث: حدیث کی سند وغیرہ کو زیادہ بہتر انداز سے بیان کرنے والا۔

امام زہری محمد بن مسلم بن شہاب

امام زہری کا نام محمد، والد کا نام مسلم بن شہاب ہے، قریش کی شاخ زہرہ سے ان کا تعلق تھا، اس لیے ان کو امام زہری کہا جاتا ہے، آپ ایک اعلیٰ درجہ کے محدث اور ثقہ راوی ہیں، احادیث کی تدوین میں بھی ان کا اہم کردار ہے، انہیں بھی بعض نے حدیث کے مدونین میں شمار کیا ہے، حدیث کو نہایت اچھے انداز سے بیان کرتے تھے، جس سے اس کی سند اور متن کے الفاظ بالکل واضح ہو جاتے، ان میں کسی بھی طرح کا ابہام نہیں رہتا تھا، ان کی وفات ۱۲۵ھ رمضان میں ہوئی۔(۲)

قَالَ أَيُّوبُ السَّخْتِيَانِيُّ: مَا عَلِمْتُ أَحَدًا كَانَ أَعْلَمَ بِحَدِيثِ أَهْلِ الْمَدِينَةِ بَعْدَ الزُّهْرِيِّ، مِنْ يَحْيَى بْنِ أَبِي كَثِيرٍ۔

ایوب سختیانی کہتے ہیں: میں کسی ایسے آدمی کو نہیں جانتا، جو امام زہری کے بعد، یحییٰ بن ابی کثیر سے زیادہ، اہل مدینہ کی حدیثوں کا علم رکھتا ہو۔

یحییٰ بن ابی کثیر

یحییٰ بن ابی کثیر کا تعلق قبیلہ طی سے تھا، اس لیے ان کو "طائی" بھی کہا جاتا ہے، جمہور کے نزدیک ان کی روایات معتبر ہیں،

(۱) تهذيب التهذيب ۶/۳۸۲، من اسمه قتادة، رقم: ۵۷۰۶۔

(۲) تهذيب التهذيب ۷/۴۲۰، من اسمه محمد، رقم: ۶۵۴۸۔

البتہ یحییٰ بن سعید قطان اور امام احمد بن حنبل نے ان کی مرسل روایات کو ضعیف قرار دیا ہے، ان کی وفات ۱۲۹ھ میں ہوئی۔(۱)

عَنْ حَمَّادِ بْنِ زَيْدٍ قَالَ: كَانَ ابْنُ عَوْنٍ يُحَدِّثُ، فَإِذَا حَدَّثْتُهُ عَنْ أَيُّوبَ بِخِلَافِهِ تَرَكَهُ، فَأَقُولُ: قَدْ سَمِعْتَهُ، فَيَقُولُ: إِنَّ أَيُّوبَ كَانَ أَعْلَمَنَا بِحَدِيثِ مُحَمَّدِ بْنِ سِيرِينَ.

حماد بن زید کہتے ہیں: ابن عون، (محمد بن سیرین سے) حدیث بیان کرتے تھے، پھر جب میں اُن سے ایوب سختیانی کی سند سے اس حدیث کے خلاف حدیث بیان کرتا تو ابن عون، ابن سیرین کی اس حدیث کو چھوڑ دیتے تھے، میں ان سے کہتا: آپ نے تو خود اس حدیث کو محمد بن سیرین سے سنا ہے؟ (پھر اس حدیث کو کیوں چھوڑ دیا اور ایوب کی روایت کو کیوں لے لیا) تو ابن عون جواب دیتے: ایوب ہم سے زیادہ محمد بن سیرین کی حدیثوں کو جانتے تھے۔

ایوب بن ابی تمیمہ سختیانی

حضرت ایوب بن تمیمہ بصرہ کے رہنے والے تھے، سختیان کی نسبت سے مشہور ہیں، آپ اعلیٰ درجہ کے محدث اور حافظ حدیث تھے، محمد بن سیرین کی احادیث ان کو خوب یاد تھیں، شعبہ کہتے ہیں کہ یہ سید الفقہاء تھے، ان کی وفات ۱۳۱ھ میں ہوئی۔(۲)

حماد بن زید کہتے ہیں کہ عبداللہ بن عون بن ارطبان بصری اور ایوب سختیانی دونوں ہی محمد بن سیرین کے شاگرد تھے، مگر ایوب سختیانی کو ابن سیرین کی احادیث خوب اچھی طرح یاد تھیں، اس لیے ابن عون کے سامنے جب ابن سیرین کی کوئی حدیث ایوب کے واسطہ سے آتی تو ابن عون اپنی اس روایت کو ترک کردیتے تھے، جو انہوں نے براہ راست ابن سیرین سے سنی ہوتی تھی، اور وہ یہ کہتے تھے کہ ایوب کو ابن سیرین کی احادیث خوب اچھی طرح یاد تھیں۔(۳)

عَنْ عَلِيِّ بْنِ عَبْدِ اللهِ، قَالَ: قُلْتُ لِيَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ: أَيُّهُمَا أَثْبَتُ؟ هِشَامٌ الدَّسْتَوَائِيُّ، أَوْ مِسْعَرٌ؟ قَالَ: مَا رَأَيْتُ مِثْلَ مِسْعَرٍ، كَانَ مِسْعَرٌ مِنْ أَثْبَتِ النَّاسِ.

علی بن عبداللہ کہتے ہیں: میں نے یحییٰ بن سعید قطان سے پوچھا: ہشام دستوائی اور مسعر میں سے کون حدیث میں زیادہ قابل اعتماد ہے؟ یحییٰ نے کہا: میں نے مسعر جیسا آدمی دیکھا ہی نہیں، مسعر تمام راویوں سے زیادہ مضبوط اور با اعتماد تھے۔

مسعر بن کدام

حضرت مسعر بن کدام کوفہ کے باشندے تھے، محدثین کے ہاں ان کا بڑا مقام تھا، نہایت ثقہ اور با اعتماد راوی تھے، ان کو

---

(۱) تہذیب التہذیب ۹/۲۸۵، من اسمہ: یحیی، رقم: ۷۹۱۱۔

(۲) تہذیب التہذیب ۱/۳۱۳، من اسمہ: ایوب، رقم: ۶۴۷

(۳) تحفۃ الاحوذی ۱۰/۴۵۳

بہت سی احادیث یاد تھیں، بڑے بڑے محدثین ان سے احادیث حاصل کرتے تھے، ان کی وفات ۵۵ھ یا ۵۳ھ میں ہوئی۔(۱)

عَنْ حَمَّادِ بِنْ زَيْدٍ يَقُوْلُ: مَا خَالَفَنِي شُعْبَةُ فِي شَيْءٍ إِلَّا تَرَكْتُهُ.

حماد بن زید کہتے ہیں کہ جب بھی شعبہ نے مجھ سے کسی حدیث میں اختلاف کیا، تو میں نے اپنی حدیث کو چھوڑ دیا۔

قَالَ أَبُو الْوَلِيْدِ، قَالَ: قَالَ لِي حَمَّادُ بْنُ سَلَمَةَ: إِنْ أَرَدْتَ الْحَدِيْثَ فَعَلَيْكَ بِشُعْبَةَ، عَنْ أَبِي دَاوُدَ، قَالَ شُعْبَةُ: مَا رَوَيْتُ عَنْ رَجُلٍ حَدِيْثًا وَاحِدًا إِلَّا أَتَيْتُهُ أَكْثَرَ مِنْ مَرَّةٍ، وَالَّذِي رَوَيْتُ عَنْهُ عَشْرَةَ أَحَادِيْثَ، أَتَيْتُهُ أَكْثَرَ مِنْ عَشْرَةٍ، وَالَّذِي رَوَيْتُ عَنْهُ خَمْسِيْنَ حَدِيْثًا، أَتَيْتُهُ أَكْثَرَ مِنْ خَمْسِيْنَ مَرَّةً، وَالَّذِي رَوَيْتُ عَنْهُ مِائَةً، أَتَيْتُهُ أَكْثَرَ مِنْ مِائَةِ مَرَّةٍ، إِلَّا حَيَّانَ الْكُوفِيَّ الْبَارِقِيَّ، فَإِنِّي سَمِعْتُ مِنْهُ هَذِهِ الْأَحَادِيْثَ، ثُمَّ عُدْتُ إِلَيْهِ فَوَجَدْتُهُ قَدْ مَاتَ.

ابوالولید کہتے ہیں کہ مجھ سے حماد بن سلمہ نے کہا: اگر تو احادیث کا علم حاصل کرنا چاہتا ہے تو شعبہ کو لازم پکڑ لے (یعنی ان کی صحبت اختیار کر) ابوداؤد سے روایت ہے کہ شعبہ کہتے ہیں: میں نے جس راوی سے ایک حدیث نقل کی ہے، میں اس کے پاس ایک سے زیادہ بار حاضر ہوا ہوں، اور جس شیخ سے میں نے دس حدیثیں روایت کی ہیں، میں اس کے پاس دس بار سے زیادہ حاضر ہوا ہوں، اور جس استاذ سے میں نے پچاس حدیثیں حاصل کی ہیں، میں اس کے پاس پچاس بار سے زیادہ گیا ہوں، اور جس سے میں نے سو احادیث نقل کی ہیں، میں اس کے پاس سو بار سے زیادہ گیا ہوں، سوائے حیان بن ایاس کوفی بارقی کے، میں نے ان سے یہ احادیث سنیں پھر میں دوبارہ ان کے پاس گیا، تو وہ وفات پا چکے تھے۔

عَنْ سُفْيَانَ يَقُوْلُ: شُعْبَةُ أَمِيْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ فِي الْحَدِيْثِ، عَنْ عَلِيِّ بْنِ عَبْدِ اللهِ، قَالَ: سَمِعْتُ يَحْيَى بْنَ سَعِيْدٍ يَقُوْلُ: لَيْسَ أَحَدٌ أَحَبَّ إِلَيَّ مِنْ شُعْبَةَ، وَلَا يَعْدِلُهُ أَحَدٌ عِنْدِي، وَإِذَا خَالَفَهُ سُفْيَانُ أَخَذْتُ بِقَوْلِ سُفْيَانَ، قَالَ عَلِيٌّ: قُلْتُ لِيَحْيَى: أَيُّهُمَا كَانَ أَحْفَظَ لِلْأَحَادِيْثِ الطِّوَالِ: سُفْيَانُ أَوْ شُعْبَةُ؟ قَالَ: كَانَ شُعْبَةُ أَمَرَّ فِيْهَا، قَالَ يَحْيَى بْنُ سَعِيْدٍ: وَكَانَ شُعْبَةُ أَعْلَمَ بِالرِّجَالِ فُلَانٌ عَنْ فُلَانٍ، وَكَانَ سُفْيَانُ صَاحِبَ أَبْوَابٍ.

سفیان ثوری فرماتے ہیں: شعبہ حدیث میں امیر المؤمنین ہیں، علی بن عبداللہ کہتے ہیں کہ میں نے یحییٰ بن سعید قطان کو کہتے ہوئے سنا: مجھے شعبہ سے زیادہ کوئی پسند نہیں اور میرے نزدیک ان کے برابر کا بھی کوئی نہیں، اور جب سفیان ثوری رحمہ اللہ شعبہ سے (کسی حدیث میں) اختلاف کریں تو میں سفیان کا قول لے لیتا ہوں، علی بن عبداللہ مدینی کہتے ہیں: میں نے یحییٰ بن سعید سے پوچھا: ان دو یعنی سفیان ثوری اور شعبہ میں سے کس کو لمبی حدیثیں زیادہ یاد ہیں؟ یحییٰ نے فرمایا: شعبہ ان میں زیادہ ذمہ دار اور پختہ کار تھے، یحییٰ بن سعید قطان نے یہ بھی فرمایا: اور شعبہ رجال کے

---

(۱) تهذيب التهذيب ۱۳۶/۸، من اسمه: مسعر، رقم: ۶۸۷۷

احوال سے زیادہ واقفیت رکھتے تھے یعنی اچھی طرح جانتے تھے کہ فلاں حدیث، فلاں نے فلاں راوی سے نقل کی ہے، جبکہ سفیان ثوری رحمہ اللہ ابواب والے تھے (یعنی فقہی ابواب اور شرعی مسائل میں ان کو خوب مہارت تھی، کیونکہ یہ مجتہد تھے، اور شعبہ مجتہد نہیں تھے، ہاں محدث ضرور تھے)۔

مشکل الفاظ کے معنی: الا تر کته: (صیغہ متکلم) مگر یہ کہ میں اپنی روایت کردہ حدیث کو چھوڑ دیتا ہوں، فعلیک بشعبة: تم پر لازم ہے کہ شعبہ کی مجلس اختیار کرو، ثم عدت الیه: پھر میں حیان بارقی کی طرف لوٹ کر آیا، امیر المؤمنین فی الحدیث: وہ حدیث میں تمام محدثین کے سردار، پیشوا اور رہنما ہیں، ولا یعدل له احد عندی: میرے نزدیک شعبہ کے برابر کا کوئی محدث نہیں، الطوال: (طا کے نیچے زیر) طویل کی جمع ہے: لمبی احادیث، کان شعبة امر فیھا: امر صیغہ اسم تفضیل مرور سے ہے، لفظی ترجمہ یہ ہے: شعبہ ان احادیث میں زیادہ جلدی گذرنے والے تھے، وہ انہیں بہت جلد پڑھ لیتے تھے، مراد یہ ہے کہ وہ احادیث میں بہت ذمہ دار اور پختہ تھے، صاحب ابواب: سفیان ثوری فقہی ابواب والے تھے، یعنی انہیں فقہی مسائل میں خوب مہارت تھی۔

شعبہ بن حجاج ازدی بصری

امام شعبہ بن حجاج کی کنیت ابو بسطام ہے، یہ بصرہ کے بہت بڑے محدث تھے، ان کا شمار ائمہ جرح و تعدیل میں ہوتا ہے، بلکہ عراق میں تو راویوں کے حالات کی چھان بین اور تحقیق کی بنیاد ہی انہوں نے ڈالی ہے، اسماء الرجال کے فن میں ان کو کمال حاصل تھا، اور حدیث کی علل یعنی پوشیدہ خرابیوں کی معرفت ان کو سب سے زیادہ حاصل تھی، بعد کے محدثین جرح و تعدیل وغیرہ میں ان کی پیروی کرتے ہیں، امام ترمذی رحمہ اللہ نے ان کی حیثیت اور مدح و ثناء سے متعلق چھ قول ذکر کئے ہیں، ان کی تشریح درج ذیل ہے:

۱۔ حماد بن زید کہتے ہیں کہ شعبہ چونکہ اعلیٰ درجہ کے ثقہ اور متقن راوی ہیں، اس لیے جب میں دیکھتا ہوں کہ شعبہ کسی حدیث میں مجھ سے اختلاف کر رہے ہیں، تو میں اپنی روایت کو ترک کر دیتا ہوں، کیونکہ میری نظر میں یہ نہایت ثقہ ہیں۔

۲۔ حماد بن سلمہ اپنے شاگردوں سے فرمایا کرتے کہ تم حدیث کا صحیح علم حاصل کرنا چاہتے ہو تو شعبہ کی مجلس کو لازم پکڑ لو، ان کے حلقۂ درس کا التزام کرو، اس سے معلوم ہوا کہ شعبہ کا مقام دوسرے محدثین کی نظر میں بھی بہت اونچا تھا۔

۳۔ ابو داؤد نے شعبہ سے نقل کیا ہے کہ شعبہ کا یہ طریقہ تھا کہ جس شیخ سے وہ کوئی حدیث حاصل کرتے، تو اس سے کئی بار ملاقات کرتے، تاکہ مختلف موقعوں میں ان سے وہ حدیث سن سکیں، فرماتے ہیں کہ اگر میں نے ایک محدث سے ایک حدیث حاصل کی ہے، تو میں اس سے ایک بار سے زیادہ مرتبہ ملا ہوں، اگر پانچ احادیث حاصل کی ہیں تو اس سے دس بار سے زیادہ بار ملا ہوں سوائے ایک محدث کے یعنی حیان بارقی کے کہ میں نے یہ احادیث ان سے حاصل کیں، مگر دوبارہ جب میں ان سے ملنے گیا، تو وہ اس دنیا سے جا چکے تھے، اس سے معلوم ہوا کہ امام شعبہ حدیث کو شیخ سے سننے اور حاصل کرنے میں بہت احتیاط کرتے تھے، تاکہ

حدیث کے معاملے میں کوئی غلطی نہ ہو پائے۔

۴۔ سفیان ثوری فرماتے ہیں کہ شعبہ حدیث کے امیر المؤمنین تھے، یعنی تمام محدثین کے رہبر و رہنما تھے، چنانچہ محدثین فن حدیث اور اسماء الرجال میں ان کی اتباع کرتے تھے۔

۵۔ یحییٰ بن سعید قطان فرماتے ہیں کہ اس میں کوئی شک نہیں کہ شعبہ مجھے بہت پسند ہیں، میری نظر میں ان کے پایہ کا کوئی آدمی نہیں، میں ان کی بات کو اختیار کرتا ہوں، لیکن اگر شعبہ اور سفیان کی حدیث میں اختلاف واقع ہو جائے تو اس وقت میں سفیان ثوری کی حدیث کو لیتا ہوں، کیونکہ میرے نزدیک سفیان ثوری، شعبہ سے زیادہ احادیث کو ضبط اور محفوظ کرنے والے تھے، اس بات کا اعتراف خود شعبہ نے بھی کیا ہے، چنانچہ وہ فرماتے ہیں: سفیان احفظ منی (سفیان مجھ سے زیادہ احادیث کو محفوظ کرنے والے ہیں) اس لیے محدثین کے ہاں یہ طے ہے کہ جب شعبہ سفیان ثوری کی کسی قول میں مخالفت کریں، تو سفیان ثوری کے قول کو اختیار کیا جائے گا۔

۶۔ شعبہ لمبی لمبی احادیث کو خوب محفوظ کرتے تھے، اور ان کو جلدی پڑھ لیتے تھے، اس میں وہ بہت محتاط اور ذمہ داری سے کام لیتے تھے، ایسے ہی اسماء الرجال اور روایت حدیث میں ان کو بہت واقفیت تھی، وہ یہ اچھی طرح جانتے تھے کہ فلاں حدیث کو فلاں راوی نے فلاں راوی سے نقل کیا ہے، جبکہ سفیان ثوری صاحب الابواب تھے، یعنی سفیان ثوری کو فقہی مسائل اور شرعی احکام میں خوب دسترس حاصل تھی، انہیں فقہ میں ایک مجتہد کا مقام حاصل تھا، جبکہ شعبہ کو اسماء الرجال میں زیادہ کمال حاصل تھا، صالح جزرہ فرماتے ہیں کہ رجال میں سب سے پہلے شعبہ نے کلام کیا، پھر یحیی بن سعید قطان نے ان کی پیروی کی، پھر امام احمد نے ان کی اتباع کی، ابن سعد کہتے ہیں کہ شعبہ کی وفات بصرہ میں ۱۶۰ھ میں ہوئی۔ (۱)

عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ مَهْدِيٍّ يَقُوْلُ: اَلْأَئِمَّةُ فِي الْأَحَادِيْثِ أَرْبَعَةٌ: سُفْيَانُ الثَّوْرِيُّ، وَمَالِكُ بْنُ أَنَسٍ، وَالْأَوْزَاعِيُّ، وَحَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ۔

عبدالرحمن بن مہدی کہتے ہیں: چار حضرات احادیث میں رہبر و رہنما اور امام ہیں: سفیان ثوری، امام مالک، امام اوزاعی اور حماد بن زید رحمہم اللہ۔

امام اوزاعی اور حماد بن زید

۱۔ امام اوزاعی کا نام: عبدالرحمن بن عمرو ہے، اوزاعی ان کی نسبی نسبت ہے، اور ملک شام ان کا وطن ہے، بہت بڑے محدث اور اجتہاد کے مقام پر فائز تھے، امام مالک فرماتے ہیں کہ یہ اس قابل ہیں کہ حدیث میں ان کی پیروی کی جائے، چنانچہ امام مالک، ان کو سفیان ثوری پر ترجیح دیتے تھے، ملک شام میں علم حدیث کو پھیلانے میں ان کا اہم کردار ہے، بیروت میں ان کی ۱۵۸ھ میں

(۱) تھذیب التھذیب ۶۲۸/۳، من اسمہ شعبة، رقم: ۲۸۶۷، تحفة الاحوذی ۴۵۳/۱۰

وفات ہوئی۔(۱)

۲۔ حماد بن زید بن درہم ازدی بصرہ شہر کے رہنے والے ہیں، وہ نابینا تھے مگر انہیں اپنی تمام احادیث یاد تھیں، امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے انہیں حدیث کے ائمہ میں شمار کیا ہے، ابن مہدی کے مذکورہ قول میں بھی ان کو حدیث کے چار اماموں میں شمار کیا گیا ہے، ان کی وفات ۱۷۹ھ رمضان میں ہوئی۔(۲)

عَنْ وَكِيعٍ، يَقُولُ: قَالَ شُعْبَةُ: سُفْيَانُ أَحْفَظُ مِنِّي، مَا حَدَّثَنِي سُفْيَانُ عَنْ شَيْخٍ بِشَيْءٍ فَسَأَلْتُهُ، إِلَّا وَجَدْتُهُ كَمَا حَدَّثَنِي۔

وکیع کہتے ہیں کہ شعبہ نے فرمایا: سفیان ثوری مجھ سے بڑے حافظ حدیث ہیں، سفیان نے جب بھی مجھ سے کسی شیخ سے کوئی حدیث بیان کی پھر میں نے اس شیخ سے وہی روایت پوچھی، تو میں نے اس حدیث کو اسی طرح ہی پایا، جس طرح کہ سفیان ثوری نے مجھ سے بیان کی تھی۔

حضرت سفیان بن سعید ثوری

حضرت سفیان بن سعید ثوری کوفہ کے رہنے والے تھے، بہت بڑے محدث اور فقہ حنفی کے امام تھے، شعبہ اور دوسرے کئی محدثین نے ان کو حدیث میں امیر المؤمنین شمار کیا ہے، بہت زیادہ ورع وتقویٰ والے اور عبادت گذار تھے، اہل علم کے حلقہ میں سفیان ثوری کی بات اور حدیث کو حجت سمجھا جاتا تھا، ان پر تمام محدثین کو اعتماد تھا، اس عبارت میں امام شعبہ فرماتے ہیں کہ سفیان ثوری مجھ سے بڑے حافظ حدیث تھے، میں ان سے بعض دفعہ کوئی روایت سنتا پھر اسی شیخ سے براہ راست، وہ حدیث سنتا، جس سے سفیان ثوری نے روایت کی ہوتی، تو میں اس روایت میں کوئی فرق نہ پاتا، جس طرح سفیان ثوری مجھ سے روایت کرتے، اسی طرح ان کے شیخ بھی مجھ سے وہ حدیث بیان کرتے، وہ احادیث کو بہت اچھی طرح ضبط کرتے تھے، بصرہ میں ۱۶۱ھ میں ان کی وفات ہوئی۔(۳)

عَنْ مَعْنِ بْنِ عِيسَى الْقَزَّازِ، يَقُولُ: كَانَ مَالِكُ بْنُ أَنَسٍ يُشَدِّدُ فِي حَدِيثِ رَسُولِ اللهِ ﷺ فِي الْيَاءِ وَالتَّاءِ وَنَحْوِ هَذَا، حَدَّثَنِي إِبْرَاهِيمُ بْنُ عَبْدِ اللهِ بْنِ قُرَيْمٍ الْأَنْصَارِيُّ، قَاضِي الْمَدِينَةِ، قَالَ: مَرَّ مَالِكُ بْنُ أَنَسٍ عَلَى أَبِي حَازِمٍ وَهُوَ جَالِسٌ يُحَدِّثُ، فَجَازَهُ، فَقِيلَ لَهُ: لِمَ لَمْ تَجْلِسْ؟ فَقَالَ: إِنِّي لَمْ أَجِدْ مَوْضِعاً أَجْلِسُ فِيهِ، فَكَرِهْتُ أَنْ آخُذَ حَدِيثَ رَسُولِ اللهِ ﷺ وَأَنَا قَائِمٌ، قَالَ يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ: مَالِكٌ عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيِّبِ

(۱) تهذیب التهذیب ۱۴۸/۵، من اسمه عبد الرحمن، رقم: ۴۰۷۸

(۲) تهذیب التهذیب ۴۲۱/۲، من اسمه حماد، رقم: ۱۵۵۷

(۳) تهذیب التهذیب ۳۹۷/۳، من اسمه سفیان، رقم: ۲۵۱۹

أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْ سُفْيَانَ الثَّوْرِيِّ عَنْ إِبْرَاهِيمَ النَّخَعِيِّ، قَالَ يَحْيَى: مَا فِي الْقَوْمِ أَحَدٌ أَصَحُّ حَدِيثًا مِنْ مَالِكِ بْنِ أَنَسٍ، كَانَ مَالِكٌ إِمَامًا فِي الْحَدِيثِ۔

معن بن عیسی قزاز کہتے ہیں: امام مالک بن انس رحمہ اللہ رسول اللہ ﷺ کی حدیث میں یاء اور تاء اور اس طرح کی چیزوں میں سختی کرتے تھے، امام ترمذی فرماتے ہیں کہ مدینہ منورہ کے قاضی ابراہیم بن عبداللہ انصاری فرماتے ہیں: (ایک مرتبہ) امام مالک بن انس رحمہ اللہ ابو حازم سلمہ بن دینار کی مجلس درس کے پاس سے گذرے، وہ بیٹھ کر احادیث بیان کر رہے تھے، (امام مالک نہیں بیٹھے) بلکہ ان سے آگے بڑھ گئے، ان سے پوچھا گیا: آپ ابو حازم کے درس حدیث میں کیوں نہیں بیٹھے؟ امام مالک نے فرمایا: میں نے وہاں ایسی کوئی جگہ نہیں پائی، جس پر میں بیٹھتا (اور احادیث سنتا) اور میں نے پسند نہیں کیا کہ میں رسول اللہ ﷺ کی احادیث کو کھڑے ہو کر لوں (یعنی سنوں) یحیی بن سعید فرماتے ہیں: امام مالک کی وہ روایات، جو سعید بن مسیب سے منقول ہیں، مجھے سفیان ثوری کی ان روایات سے زیادہ پسند ہیں، جو انہوں نے ابراہیم نخعی سے روایت کی ہیں، یحیی نے یہ بھی فرمایا: محدثین میں ایسا کوئی شیخ نہیں، جو امام مالک سے زیادہ صحیح حدیث بیان کرنے والا ہو، امام مالک حدیث میں رہبر و رہنما اور امام تھے۔

امام مالک بن انس رحمہ اللہ

امام مالک بن انس رحمہ اللہ: حدیث اور فقہ میں امام تھے، فقہ کے چار مشہور ائمہ میں سے ہیں، ان کا لقب "امام دار الهجرة" تھا، سولہ سال کی عمر میں مسجد نبوی میں درس دینا شروع کر دیا تھا، اور پھر سالہا سال حدیث کا درس دیتے رہے، امام مالک رحمہ اللہ حدیث کو شیخ سے سننے اور پھر اسے آگے شاگردوں کے سامنے بیان کرتے وقت بہت زیادہ ادب و احترام اور احتیاط کرتے تھے، حدیث میں ایک معمولی سی غلطی پر بھی گرفت فرماتے، یا، تا، واؤ اور فا کی غلطی بھی نکالتے، کھڑے کھڑے حدیث نہ تو سنتے اور نہ بیان کرتے، مسند حدیث پر بیٹھنے کے لیے روزانہ غسل کر کے نیا لباس پہنتے، خوشبو لگاتے اور پھر حدیث روایت کرتے، اور پھر وہ لباس صدقہ کر دیتے، حدیث بیان کرنے کے دوران جو بات بھی پیش آجاتی، اسے برداشت کرتے، مجلس برخاست نہ کرتے۔

چنانچہ عبداللہ بن مبارک فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ دوران درس ایک بچھو نے امام مالک کو سولہ مرتبہ ڈسا، جس سے انہیں بہت درد پہنچتا رہا، چہرے کے رنگ بدلتے رہے، مگر انہوں نے سبق کو جاری رکھا، بعد میں ان سے پوچھا گیا کہ آپ نے ایسا کیوں کیا؟ کہنے لگے کہ میں نے حدیث کے ادب و احترام میں یہ سب کچھ برداشت کیا، میں نے مناسب نہیں سمجھا کہ اس کی وجہ سے حدیث کا درس متاثر ہو، حدیث میں انہیں امام مانا جاتا ہے، ان کی روایت کردہ حدیث کو سب سے صحیح شمار کیا جاتا ہے، امام بخاری

رحمہ اللہ سے پوچھا گیا کہ "اصح الاسانید" یعنی کونسی سند سب سے زیادہ صحیح ہے، امام بخاری نے فرمایا: مالک عن نافع، عن ابن عمر، امام مالک رحمہ اللہ کی وفات ۱۷۹ھ میں ہوئی۔(۱)

سمعت أحمد بن حنبل يقول: ما رأيت بعيني مثل يحيى بن سعيد القطان.

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ فرماتے ہیں: میری آنکھوں نے یحیی بن سعید قطان جیسا آدمی نہیں دیکھا۔

یحیی بن سعید قطان

یحیی بن سعید قطان، جرح وتعدیل کے فن میں امام ہیں، امام احمد، علی بن عبد اللہ مدینی اور ابن معین نے یہ فن آپ ہی سے حاصل کیا ہے، چنانچہ امام احمد ان کی شان میں فرماتے ہیں کہ میری ان آنکھوں نے یحیی قطان جیسا آدمی نہیں دیکھا، جو جرح و تعدیل اور علوم حدیث میں ان سے زیادہ ماہر اور باکمال ہو، ان کی وفات ۱۹۸ھ میں ہوئی۔(۲)

قال: وسئل أحمد عن وكيع، وعبد الرحمن بن مهدي، فقال أحمد: وكيع أكبر في القلب، وعبد الرحمن امام، عن علي بن المديني، يقول: لو حلفت بين الركن والمقام، لحلفت أني لم أر أحدا أعلم من عبد الرحمن بن مهدي.

امام احمد بن حنبل سے وکیع اور ابن مہدی کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا: وکیع دل میں بہت بڑے ہیں اور عبد الرحمن بن مہدی امام ہیں، ابن مدینی کہتے ہیں: اگر مجھ سے حجر اسود اور مقام ابراہیم کے درمیان قسم لی جائے، تو میں یہ قسم اٹھالوں گا کہ میں نے عبد الرحمن بن مہدی سے بڑا کوئی عالم نہیں دیکھا۔

عبد الرحمن بن مہدی اور وکیع بن جراح

یہ دونوں حضرات بہت بڑے محدث ہیں، علماء نے ان کی مدح میں کئی اقوال ذکر کئے ہیں، وکیع بن جراح حدیث کی طرح فقہ میں بھی امام تھے، فقہ حنفی کے مطابق فتوی دیتے تھے، بہت زیادہ عبادت گذار تھے، روزانہ رات کو قرآن مجید کا ختم کرتے تھے، ان کی وفات ۱۹۶ھ میں ہوئی۔(۳) امام ترمذی نے کچھ اقوال کا یہاں تذکرہ کیا ہے، امام احمد نے جو یہ فرمایا: وکیع اکبر فی القلب وعبد الرحمن امام، اس سے کیا مراد ہے؟ اس میں دو احتمال ہیں:

- امام احمد کی نظر میں دونوں برابر ہیں، وکیع دل میں بہت بڑے ہیں، معنی یہ ہیں کہ علم کا ایک وافر حصہ انہوں نے دل میں

(۱) تہذیب التہذیب ۶/۸ من اسمہ مالک، رقم: ۶۶۸۵، الکوکب الدری ۳۸۵/۴۔
(۲) تہذیب التہذیب ۲۳۳/۹، من اسمہ یحیی، رقم: ۷۸۳۶
(۳) تہذیب التہذیب ۱۳۹/۹، من اسمہ وکیع، رقم: ۷۶۹۵

محفوظ کررکھا ہے، اور عبدالرحمن بن مہدی تو حدیث میں امام ہیں۔

✿ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس سے عبدالرحمن بن مہدی کو وکیع پر ترجیح دینا پیش نظر ہو، مطلب یہ ہے کہ ابن مہدی تو امام فی الحدیث ہیں، اور وکیع کا بھی ہمارے دلوں میں بڑا مقام ہے، اگرچہ وہ امام تو نہیں مگر علم کا بہت سا حصہ اللہ نے ان کو عطا کیا ہے، ورع وتقویٰ اور پرہیزگاری میں ان کا بلند مقام ہے، اس لیے ہمارے دلوں میں ان کا بہت احترام ہے۔

علی مدینی فرماتے ہیں کہ میں حجر اسود اور مقام ابراہیم کے درمیان قسم کھا کر یہ کہہ سکتا ہوں کہ عبدالرحمن بن مہدی سے بڑا کوئی عالم نہیں، حدیث میں ان کو بہت مہارت تھی، نہایت ثقہ اور با اعتماد راوی تھے، ۱۹۸ھ میں ان کی وفات ہوئی۔(۱)

قَالَ أَبُوْ عِيسَى: وَالْكَلَامُ فِيْ هٰذَا وَالرِّوَايَةُ عَنْ أَهْلِ الْعِلْمِ تَكْثُرُ، وَإِنَّمَا بَيَّنَّا شَيْئاً مِنْهُ عَلَى الاخْتِصَارِ، لِيُسْتَدَلَّ بِهِ عَلَى مَنَازِلِ أَهْلِ الْعِلْمِ، وَتَفَاضُلِ بَعْضِهِمْ عَلَى بَعْضٍ فِي الْحِفْظِ وَالإِتْقَانِ، فَمَنْ تُكُلِّمَ فِيْهِ مِنْ أَهْلِ الْعِلْمِ لِأَيِّ شَيْءٍ تُكُلِّمَ فِيْهِ۔

امام ترمذی فرماتے ہیں: اور کلام اس میں یعنی اہل علم کے تفاضل میں اور اس بارے میں اہل علم سے روایتیں کثرت سے منقول ہیں، ہم نے ان میں سے کچھ اختصار کے طور پر بیان کی ہیں، تاکہ ان کے ذریعہ اہل علم کے مراتب اور حفظ واتقان یعنی مہارت میں ان میں سے بعض کی بعض پر فضیلت پر استدلال کیا جاسکے، اور اہل علم میں سے جس کے بارے میں بھی کلام کیا گیا ہے، تو کس وجہ سے اس کے بارے میں گفتگو کی گئی ہے۔

حفظ واتقان میں راویوں کے مختلف مراتب

امام ترمذی رحمہ اللہ ثقہ راویوں کے تذکرے کے بعد خلاصہ کے طور پر فرمارہے ہیں کہ اہل علم کے حفظ، اتقان اور مہارت کے کیا مراتب اور درجات ہیں، اس بارے میں اہل علم کے بہت سے اقوال اور روایتیں ہیں، ہم نے یہاں پر اختصار کے پیش نظر چند روایتیں ذکر کی ہیں، تاکہ ان سے یہ استدلال کیا جاسکے کہ حفظ واتقان میں راویوں کے مختلف درجے ہیں، بعض کا مقام بعض پر فائق ہے، اور تاکہ یہ بھی واضح ہوجائے کہ جس راوی پر کلام کیا گیا ہے، تو اس کا کیا داعیہ اور سبب پیش آیا تھا، اس کا حافظہ کمزور تھا، یا اس پر کوئی الزام اور تہمت تھی، وہ جرح کے کس درجہ پر ہے، چنانچہ راویوں پر بحث کرتے ہوئے امام ترمذی نے ان پر جرح کے اسباب کو بھی ذکر کیا ہے، یہ ایک وسیع باب ہے، مگر امام ترمذی نے مثال کے طور پر چند حضرات کا یہاں ذکر کیا ہے۔

وَالْقِرَاءَةُ عَلَى الْعَالِمِ إِذَا كَانَ يَحْفَظُ مَا يُقْرَأُ عَلَيْهِ، أَوْ يُمْسِكُ أَصْلَهُ فِيمَا يُقْرَأُ عَلَيْهِ إِذَا لَمْ يَحْفَظْ، هُوَ صَحِيحٌ عِنْدَ أَهْلِ الْحَدِيثِ مِثْلَ السَّمَاعِ، عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ، قَالَ: قَرَأْتُ عَلَى عَطَاءِ بْنِ أَبِيْ رَبَاحٍ، فَقُلْتُ لَهُ: كَيْفَ أَقُوْلُ: فَقَالَ: قُلْ: حَدَّثَنَاهُ، عَنْ عِكْرِمَةَ أَنَّ نَفَراً قَدِمُوْا عَلَى ابْنِ عَبَّاسٍ مِنْ أَهْلِ الطَّائِفِ بِكِتَابٍ مِنْ

(۱) تهذيب التهذيب، ۱۸۲/۵ من اسمه عبدالرحمن، رقم: ۴۱۳۳

كُتُبِهِ، فَجَعَلَ يَقْرَأُ عَلَيْهِمْ، فَيُقَدِّمُ، وَيُؤَخِّرُ، فَقَالَ: إِنِّي بَلِهْتُ لِهٰذِهِ الْمُصِيبَةِ، فَاقْرَأُوا عَلَيَّ، فَإِنَّ إِقْرَارِي بِهِ كَقِرَاءَتِي عَلَيْكُمْ۔

امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اور عالم یعنی محدث کے سامنے (احادیث کو) پڑھنا، جب اسے وہ احادیث یاد ہوں، جو اس کے سامنے پڑھی جارہی ہیں، یا وہ عالم اپنی اس اصل کتاب کو لے لے، جس سے اس کے سامنے حدیثیں پڑھی جارہی ہیں، اگر وہ حدیثیں اسے زبانی یاد نہ ہوں، یہ طریقہ محدثین کے نزدیک صحیح ہے جس طرح کہ شیخ سے سننا درست ہے، ابن جریج کہتے ہیں: میں نے عطاء بن ابی رباح کے سامنے (حدیثیں) پڑھیں، پھر میں نے ان سے دریافت کیا کہ میں ان احادیث کو آگے (شاگردوں کے سامنے) کن الفاظ سے بیان کروں؟ تو انہوں نے فرمایا: حدثنا کہہ کر بیان کرو، عکرمہ فرماتے ہیں: طائف کے کچھ لوگ حضرت عبداللہ بن عباس کے پاس ان کی کتابوں میں سے ایک کتاب لے کر آئے، چنانچہ ابن عباس اس کتاب سے ان کے سامنے احادیث پڑھنے لگے، مگر وہ (نظر کی کمزوری کی وجہ سے بعض احادیث کو پڑھنے میں) آگے اور بعض کو مؤخر کرنے لگے، تب حضرت عبداللہ بن عباس نے فرمایا: میں اس مصیبت (یعنی نگاہ کی کمزوری) کی وجہ سے (کتاب سے احادیث) پڑھنے سے عاجز ہوں، لہذا آپ لوگ مجھے یہ احادیث پڑھ کر سنائیں، اس لیے کہ (ان احادیث کو سن کر) میرا اقرار کرنا بھی، ایسا ہی ہے جیسا میرا تمہارے سامنے، احادیث کو پڑھنا۔

مشکل الفاظ کے معنی: **یمسک اصله**: یہ لفظ امساک سے ہے،: وہ شیخ اپنی اصل کتاب کو لے لے، یعنی اسے سامنے رکھے، **یقدم و یؤخر**: ابن عباس بعض احادیث کو پڑھنے میں آگے اور بعض کو مؤخر کرنے لگے، **انی بلهت**: یہ لفظ باب سمع سے ہے: بیشک میں عاجز آگیا پڑھنے سے، **لهذه المصیبة**: اس مصیبت کی وجہ سے یعنی نگاہ کی کمزوری کی وجہ سے، **فان اقراری به**: اس لیے کہ میرا اس حدیث کو سن کر اقرار کرنا۔

تحمل حدیث یعنی حدیث کو حاصل کرنے کے مختلف طریقے

امام ترمذی رحمہ اللہ اب اس عبارت سے تحمل حدیث یعنی حدیث کو حاصل کرنے کے مختلف طریقے ذکر کررہے ہیں، یہ کل آٹھ طریقے ہیں: السماع من لفظ الشیخ (شیخ سے حدیث کو سننا) قراءة علی الشیخ (شاگرد استاد کے سامنے حدیث پڑھے) الاجازة، المناولة، الکتابة، الاعلام، الوصیة، اور الوجادة۔

شیخ سے حدیث سننا

السماع من لفظ الشیخ: کی صورت یہ ہوتی ہے کہ شیخ حدیث پڑھتا ہے، اور شاگرد اسے سنتا ہے، وہ شیخ خواہ زبانی

احادیث بیان کرے، یا اپنی کتاب سے دیکھ کر، اور طالب علم چاہے وہ احادیث اپنے پاس کاپی میں لکھ لے یا صرف زبانی ہی یاد کر لے، اس صورت میں شاگرد جب وہ احادیث آگے بیان کرے گا تو وہ حدثنی، یا سمعت کے الفاظ استعمال کرے گا، حدیث کو حاصل کرنے کا یہ طریقہ سب سے اعلیٰ ہے۔

شیخ کے سامنے حدیث پڑھنا

دوسرا طریقہ القراءة علی الشیخ ہے یعنی شاگرد حدیث پڑھے اور استاد اسے سنے، اس قسم میں: اخبرنی، انبأنی اور قرأت علی فلان کے الفاظ استعمال کیے جاتے ہیں، اگر افراد زیادہ ہوں تو پھر جمع کا صیغہ یعنی اخبرنا وغیرہ استعمال ہوں گے۔

اس میں علماء کا اختلاف ہے کہ "سماع" اور "قرأت علی الشیخ" ان دونوں میں سے کونسا طریقہ افضل ہے، چنانچہ علامہ سیوطی نے اس سلسلے میں تین قول ذکر کیے ہیں:

۱۔ امام مالک، علماء مدینہ وحجاز، علماء کوفہ، اور امام بخاری رحمہم اللہ کے نزدیک یہ دونوں طریقے برابر ہیں، کسی ایک کو دوسرے پر کوئی فضیلت نہیں ہے۔

۲۔ جمہور اہل مشرق کے نزدیک "شیخ سے سننا" اس کے سامنے پڑھنے سے بہتر اور راجح ہے، حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ سماع کا طریقہ قراءة علی الشیخ پر اس وقت افضل ہوتا ہے، جب استاد اور شاگرد دونوں فضل وکمال اور مرتبہ میں برابر ہوں یا شاگرد افضل ہو، اور اگر استاذ کا مقام شاگرد سے بلند ہو تو پھر استاذ کے سامنے احادیث کو پڑھنا بہتر ہے، تاکہ اس میں کوئی غلطی سامنے آئے، تو اس کی اصلاح کی جاسکے۔

۳۔ امام ابوحنیفہ، اور ابن ابی ذئب وغیرہ کے نزدیک استاذ کے سامنے احادیث کو پڑھنا، استاذ سے سننے کی بنسبت بہتر ہے، کیونکہ اگر استاذ شاگرد کے سامنے احادیث پڑھے اور شاگرد سنے تو شاگرد غلطی کی اصلاح نہیں کرسکتا اور جب شاگرد استاذ کے سامنے پڑھے اور اس میں وہ کوئی غلطی کرلے تو استاذ اس کی اصلاح کرلے گا، اس لیے امام ابوحنیفہ کے نزدیک حدیث کو حاصل کرنے کا یہ طریقہ سب سے افضل ہے۔(۱)

امام ترمذی رحمہ اللہ کا موقف بھی مساوات اور برابری کا ہے کہ شیخ سے سننا یا شیخ کے سامنے احادیث کو پڑھنا دونوں میں کوئی فرق نہیں، دونوں برابر ہیں کسی کو دوسرے پر فضیلت نہیں، ہاں ان کے نزدیک بھی یہ شرط ہے کہ اگر شیخ اور استاذ کو وہ احادیث زبانی یاد نہ ہوں، تو پھر اسے چاہیے کہ اپنے سامنے وہ کتاب رکھے، جس سے شاگرد وہ احادیث اس شیخ کے سامنے پڑھ رہا ہے، اس بات کی تائید کے لیے امام ترمذی نے بعض صحابہ اور تابعین کے چند اقوال یہاں ذکر کیے ہیں:

---

(۱) فتح الملہم ۱/۲۰۵، اقسام تحمل الحدیث، تدریب الراوی، ۲/۱۵، بیان اقسام طرق تحمل الحدیث: ط: میر محمد کتب خانہ کراچی، تحفة الاحوذی ۱۰/۴۶۱

❁ ابن جریج نے عطاء بن ابی رباح کے سامنے احادیث پڑھیں اور پھر پوچھا کہ اب میں ان احادیث کو آگے اپنے شاگردوں کے سامنے کن الفاظ سے بیان کروں، تو عطاء نے فرمایا کہ تم حدثنا کے لفظ سے بیان کرنا، اس سے معلوم ہوا کہ ان کے نزدیک حدیث حاصل کرنے کے مذکورہ دونوں طریقے برابر ہیں، اس لیے یہ فرمایا کہ تم ان احادیث کو حدثنا سے بیان کرنا، اس موقع پر ان کے نزدیک حدثنا اور اخبرنا دونوں الفاظ استعمال کیے جاسکتے ہیں۔

❁ حضرت عبداللہ بن عباس کی بعض احادیث کا مجموعہ کتابی صورت میں اہل طائف کو کسی طرح حاصل ہوگیا، اپنی سند کو عالی کرنے کے لیے انہوں نے سوچا کہ ابن عباس سے براہ راست یہ احادیث سنتے ہیں، ابن عباس نے اس کتاب سے احادیث پڑھنا شروع کیں، تو نظر کی کمزوری کی وجہ سے انہیں بڑی مشکل پیش آئی، پڑھنے میں بعض احادیث کو آگے اور بعض کو مؤخر کرنے لگے تو پھر خود فرمایا کہ میں اس مصیبت یعنی نگاہ کی کمزوری کی وجہ سے کتاب سے احادیث نہیں پڑھ سکتا، تم لوگ میرے سامنے یہ احادیث پڑھو، میں سنتا ہوں، کیونکہ میں جب سن کر ان کی تصدیق اور اقرار کرلوں (یا یہ کہ میں خاموش رہوں) تو یہ ایسا ہی ہے: جیسا کہ میں نے خود تمہارے سامنے یہ احادیث پڑھی ہیں، اس سے معلوم ہوا کہ ابن عباس کی نظر میں بھی شیخ سے حدیث حاصل کرنے کے مذکورہ دونوں طریقے ایک ہی طرح کے ہیں، ان میں ایک کو دوسرے پر کوئی برتری نہیں۔

بعض حضرات نے ابن عباس کی اس کتاب سے نہ پڑھ سکنے کی وجہ یہ بتائی ہے کہ ابن عباس کو وہ احادیث اس ترتیب سے یاد نہیں تھیں، جس طرح وہ اس کتاب میں لکھی ہوئی تھیں، اسی وجہ سے وہ بعض احادیث کو مقدم اور بعض کو مؤخر کرنے لگے، اور پھر اپنے شاگردوں سے فرمایا کہ تم میرے سامنے یہ احادیث پڑھو، ان کو سن کر میرا اقرار کرلینا، ایسا ہے جیسا میں نے وہ احادیث تمہارے سامنے پڑھی ہیں، ان دونوں باتوں میں کوئی تعارض نہیں، نہ پڑھ سکنے کی دونوں ہی وجہیں ہوسکتی ہیں، نگاہ بھی کمزور ہو، اور ساتھ ہی وہ احادیث اس وقت انہیں اس طرح یاد نہ ہوں، جس طرح انہوں نے یہ احادیث پہلے بیان کی تھیں، اس لیے شاگردوں سے پڑھنے کا فرمایا۔(۱)

عَنْ مَنْصُوْرِ بْنِ الْمُعْتَمِرِ، قَالَ: إِذَا نَاوَلَ الرَّجُلُ كِتَابَهُ آخَرَ، فَقَالَ: ارْوِ هٰذَا عَنِّي فَلَهُ أَنْ يَرْوِيَهُ.

منصور بن معتمر کہتے ہیں: جب کوئی شخص کسی دوسرے کو اپنی (حدیث کی) کتاب دے اور ساتھ ہی یہ کہے: تم اس کتاب کی احادیث کو میری طرف منسوب کر کے روایت کر لینا، تو کتاب لینے والے کے لیے جائز ہے کہ وہ اس (کتاب کی احادیث) کو کتاب دینے والے شیخ سے روایت کرے۔

روایت بالمناولۃ

"مناولہ" یہ ہے کہ شیخ اپنی حدیث کی کتاب شاگرد کے حوالہ کردے، اور ساتھ ہی یہ بھی کہہ دے کہ تم ان احادیث کو مجھ

---

(۱) الکوکب الدری ۴/۴۸۵

سے روایت کر کے بیان کر دینا، پھر مناولہ کی دو قسمیں ہیں:

۱۔ شیخ صراحت کے ساتھ کتاب دیتے وقت ان احادیث کی روایت کرنے کی اجازت بھی دے دے، ایسی صورت میں تمام حضرات کے نزدیک وہ شاگرد ان روایات کو اس شیخ سے روایت کر کے آگے بیان کر سکتا ہے۔

۲۔ شیخ صرف کتاب دے، اور اجازت کی وضاحت نہ کرے، اب یہ آدمی ان احادیث کو اس شیخ سے روایت کر سکتا ہے یا نہیں؟ بعض نے تو اجازت نہیں دی، مگر دوسرے بہت سے ائمہ حدیث فرماتے ہیں کہ مناولہ میں صریح اجازت ضروری نہیں، اگر شاگرد کو یہ اعتماد ہو کہ استاذ نے احادیث کا یہ مجموعہ روایت کے لیے ہی دیا ہے، تو پھر وہ اس شیخ کی طرف منسوب کر کے ان احادیث کو آگے روایت کر سکتا ہے، مناولہ کے ذریعہ حاصل ہونے والی حدیث کو آگے ان الفاظ سے روایت کرنا چاہیے: ناولنی، یا "ناولنی و أجازلی" یا حدثنا مناولة، یا اخبرنا مناولة، صرف حدثنی یا اخبرنی سے اس روایت کو آگے بیان کرنا جائز نہیں۔(۱)

سَمِعْتُ مُحَمَّدَ بْنَ إِسْمَاعِيلَ، يَقُولُ: سَأَلْتُ أَبَا عَاصِمٍ النَّبِيلَ، عَنْ حَدِيثٍ، فَقَالَ: اقْرَأْ عَلَيَّ، فَأَحْبَبْتُ أَنْ يَقْرَأَ هُوَ فَقَالَ: أَأَنْتَ لَا تُجِيزُ الْقِرَاءَةَ؟ وَقَدْ كَانَ سُفْيَانُ الثَّوْرِيُّ، وَمَالِكُ بْنُ أَنَسٍ يُجِيزَانِ الْقِرَاءَةَ، قَالَ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ وَهْبٍ: مَا قُلْتُ: حَدَّثَنَا فَهُوَ مَا سَمِعْتُ مَعَ النَّاسِ، وَمَا قُلْتُ: حَدَّثَنِي فَهُوَ مَا سَمِعْتُ وَحْدِي، وَمَا قُلْتُ: أَخْبَرَنَا: فَهُوَ مَا قُرِئَ عَلَى الْعَالِمِ وَأَنَا شَاهِدٌ، وَمَا قُلْتُ: أَخْبَرَنِي فَهُوَ مَا قَرَأْتُ عَلَى الْعَالِمِ، يَعْنِي وَأَنَا وَحْدِي، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ الْقَطَّانِ، يَقُولُ: حَدَّثَنَا وَأَخْبَرَنَا وَاحِدٌ، قَالَ أَبُو عِيسَى: كُنَّا عِنْدَ أَبِي مُصْعَبٍ الْمَدِينِيِّ، فَقُرِئَ عَلَيْهِ بَعْضُ حَدِيثِهِ، فَقُلْتُ لَهُ: كَيْفَ نَقُولُ؟ فَقَالَ، قُلْ: حَدَّثَنَا أَبُو مُصْعَبٍ.

امام ترمذی فرماتے ہیں کہ میں نے محمد بن اسماعیل یعنی امام بخاری کو سنا، وہ فرماتے ہیں کہ میں نے ابوعاصم نبیل سے ایک حدیث پوچھی تو انہوں نے فرمایا: تم میرے سامنے وہ حدیث پڑھو، مگر میں یہ چاہ رہا تھا کہ ابوعاصم ہی وہ حدیث پڑھ کر سنائیں، اس پر ابوعاصم نے فرمایا: کیا تم استاذ کے سامنے حدیث پڑھنے کو جائز نہیں سمجھتے؟ حالانکہ سفیان ثوری اور امام مالک دونوں استاذ کے سامنے حدیث پڑھنے کو جائز قرار دیتے تھے، عبداللہ بن وہب کہتے ہیں: جب میں حدثنا (جمع متکلم کا لفظ) بولوں تو وہ حدیث میں نے شیخ سے اور لوگوں کے ساتھ سنی ہوتی ہے اور جب میں کہوں: حدثنی (مجھے بیان کیا) تو وہ حدیث میں نے استاذ سے اکیلے سنی ہوتی ہے، اور جب میں کہوں: اخبرنا، تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ حدیث اس عالم کے سامنے پڑھی گئی ہے، اور میں بھی وہاں موجود تھا اور جب میں کہوں: اخبرنی تو اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ حدیث میں نے اکیلے اس شیخ کے سامنے پڑھی ہے، یحیی بن سعید قطان کہتے ہیں کہ حدثنا اور اخبرنا دونوں ایک ہی طرح کے الفاظ ہیں (ان میں کوئی فرق نہیں) امام ترمذی فرماتے ہیں کہ ہم ابومصعب مدینی کے پاس تھے،

(۱) فتح الملہم ۲۱۲/۱، المقدمة، المناولة، تیسیر مصطلح الحدیث (ص:۱۶۱)، شرح النخبة (ص:۱۲۶) (مکتبة البشری)

ان کے سامنے ان کی کچھ حدیثیں پڑھی گئیں تو میں نے ان سے پوچھا کہ ہم ان احادیث کو آگے کن الفاظ کے ساتھ روایت کریں تو انہوں نے فرمایا: تم یوں کہنا: حدثنا ابو مصعب (ہمیں ابو مصعب نے یہ احادیث بیان کیں)۔

امام ترمذی کی نظر میں حدثنا اور اخبرنا میں کوئی فرق نہیں

امام ترمذی رحمہ اللہ کے نزدیک روایت حاصل کرنے کے مذکورہ دونوں طریقوں یعنی استاذ سے احادیث کو سننا اور شاگرد کا استاذ کے سامنے پڑھنا، ان میں کوئی فرق نہیں، پہلے طریقے میں شاگرد جب اس روایت کو آگے بیان کرتا ہے تو حدثنا کا لفظ استعمال کرتا ہے اور دوسرے طریقہ میں اخبرنا کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے، امام ترمذی کے نزدیک تحدیث کے دونوں طریقے چونکہ مساوی ہیں، اس لیے ان دونوں صورتوں میں حدثنا اور اخبرنا کے الفاظ استعمال کیے جاسکتے ہیں، اس کا تذکرہ پہلے بھی آچکا ہے، درمیان میں امام ترمذی نے مناولہ کا ذکر کیا اور پھر دوبارہ حدیث حاصل کرنے کے دونوں طریقوں کی برابری کا ذکر کیا ہے، اس بات کی تائید میں چار اقوال ذکر کیے ہیں:

۱۔ امام بخاری نے حضرت ابو عاصم نبیل سے ایک حدیث کی درخواست کی، انہوں نے امام بخاری سے فرمایا کہ تم وہ حدیث پڑھ کر سناؤ، امام بخاری کی منشا یہ تھی کہ شیخ ابو عاصم خود ہی پڑھیں، اس پر انہوں نے امام بخاری سے فرمایا کہ کیا تم استاذ کے سامنے پڑھنے کو جائز نہیں قرار دیتے، جبکہ سفیان ثوری اور امام مالک تو اسے جائز سمجھتے تھے، اس سے معلوم ہوا کہ سماع من الشیخ اور قراءۃ علی الشیخ دونوں برابر ہیں۔

۲۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ متقدمین کے نزدیک تحدیث، اخبار، انباء اور سماع میں کوئی فرق نہیں تھا، بعد میں متاخرین کے ہاں ان کے استعمال میں فرق کیا گیا، (۱) چنانچہ عبداللہ بن وہب کہتے ہیں کہ اگر میں نے شیخ سے کئی لوگوں کے ساتھ مل کر حدیث سنی ہو تو اسے آگے بیان کرتے وقت میں حدثنا کا لفظ بولتا ہوں اور اکیلے میں سنی ہو تو حدثنی کا لفظ بولتا ہوں، اور ایسے ہی ایک جماعت کی موجودگی میں، میں نے استاذ کے سامنے حدیث کو پڑھا ہو تو اسے اخبرنا کے لفظ سے اور استاذ کے سامنے میں نے اکیلے پڑھی ہو تو میں اخبرنی کے لفظ سے اسے روایت کرتا ہوں۔

۳۔ یحیی بن سعید قطان کے نزدیک حدثنا اور اخبرنا میں کوئی فرق نہیں یعنی شیخ سے سننا اور شیخ کے سامنے احادیث کو پڑھنا ان میں برابری ہے، ایک کو دوسرے پر کوئی ترجیح نہیں۔

۴۔ امام ترمذی رحمہ اللہ ابو مصعب مدینی کے پاس بیٹھے ہوئے تھے، اس دوران ابو مصعب کے سامنے کچھ حدیثیں پڑھی گئیں، تاکہ شاگرد ان کی سند سے وہ احادیث روایت کرسکیں، امام ترمذی نے ابو مصعب سے پوچھا کہ ہم ان احادیث کو آگے کن الفاظ کے ساتھ روایت کریں، تو انہوں نے فرمایا کہ یوں کہہ کر روایت کرنا: حدثنا ابو مصعب، اس سے معلوم ہوا کہ ابو مصعب کے

(۱) فتح الباری ۱۹۲/۱، کتاب العلم باب قول المحدث حدثنا، اخبرنا

نزدیک بھی شیخ سے حدیث کو سننے اور شیخ کے سامنے احادیث کو پڑھنے میں کوئی فرق نہیں، ایسے میں حدثنا اور اخبرنا دونوں الفاظ کسی بھی صورت میں استعمال کئے جاسکتے ہیں۔

قَالَ أَبُو عِيسَى: وَقَدْ أَجَازَ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ الإِجَازَةَ إِذَا أَجَازَ الْعَالِمُ أَنْ يَرْوِيَ عَنْهُ لِأَحَدٍ شَيْئاً مِنْ حَدِيثِهِ أَنْ يَرْوِيَ عَنْهُ، عن بَشِيرِ بنِ نَهِيكٍ، قَالَ: كَتَبْتُ كِتَاباً عن أَبِي هُرَيْرَةَ، فَقُلْتُ: أَرْوِيهِ عَنْكَ؟ قَالَ: نعم، عَنْ مُحَمَّدِ بنِ الْحَسَنِ، عن عَوْفٍ الأَعْرَابِيِّ، قَالَ: قَالَ رَجُلٌ لِلْحَسَنِ: عِنْدِي بَعْضُ حَدِيثِكَ أَرْوِيهِ عَنْكَ، قَالَ: نَعَمْ، قَالَ أَبُو عِيسَى: وَ مُحَمَّدُ بْنُ الْحَسَنِ إِنَّمَا يُعْرَفُ بِمَحْبُوبِ بْنِ الْحَسَنِ، وَقَدْ حَدَّثَ عَنْهُ غَيْرُ وَاحِدٍ مِنَ الأَئِمَّةِ، عَنْ عُبَيْدِ اللهِ بنِ عُمَرَ، قَالَ: أَتَيْتُ الزُّهْرِيَّ بِكِتَابٍ، فَقُلْتُ لَهُ: هَذَا مِنْ حَدِيثِكَ أَرْوِيهِ عَنْكَ؟ قَالَ: نَعَمْ۔

امام ترمذی فرماتے ہیں: بعض اہل علم نے اجازت کو اس وقت معتبر قرار دیا ہے، جب محدث کسی کو اجازت دے کہ وہ اس کی طرف سے اس کی احادیث میں سے کچھ روایت کرے، تو اس کے لیے جائز ہے کہ وہ اس شیخ کی سند سے روایت کرے، بشیر بن نہیک کہتے ہیں کہ میں نے ابوہریرہ کی احادیث کا ایک مجموعہ لکھا، پھر میں نے ابوہریرہؓ سے پوچھا: کیا میں ان احادیث کو آپ کی سند سے روایت کرسکتا ہوں؟ انہوں نے فرمایا: جی ہاں (روایت کرسکتے ہیں) محمد بن حسن واسطی کہتے ہیں کہ عوف اعرابی نے کہا کہ ایک شخص نے حضرت حسن بصری سے پوچھا: میرے پاس آپ کی کچھ احادیث ہیں، کیا میں انہیں آپ کی سند سے روایت کرسکتا ہوں؟ حسن بصری نے فرمایا: جی ہاں (روایت کرسکتے ہیں) امام ترمذی فرماتے ہیں کہ اس روایت کی سند میں جو محمد بن حسن راوی ہیں، ان کی شہرت محبوب بن حسن سے ہے، ان سے حدیث کے بہت سے ائمہ نے احادیث روایت کی ہیں، عبیداللہ بن عمر کہتے ہیں: میں امام زہری کے پاس ایک کتاب لے کر آیا اور میں نے ان سے عرض کیا: یہ آپ کی حدیثوں کا ایک مجموعہ ہے، اسے میں آپ کی سند سے روایت کرسکتا ہوں؟ انہوں نے فرمایا: جی ہاں (روایت کرسکتے ہیں)

روایت بالاجازۃ

اجازۃ: یہ ہے کہ کوئی شیخ دوسرے کو زبانی یا تحریری طور پر اپنی احادیث روایت کرنے کی اجازت دے دے، مثلاً شیخ اپنے کسی شاگرد سے یوں کہے کہ میں تمہیں صحیح بخاری کی اجازت دیتا ہوں کہ تم اسے میری سند سے روایت کرلو، یا یوں کہے کہ میں اپنی تمام احادیث کی روایت کی تمہیں اجازت دیتا ہوں، ایسی صورت میں وہ شاگرد اس شیخ کی سند سے، وہ احادیث آگے روایت کرسکتا ہے، جیسے حضرت ابوہریرہ نے بشیر بن نہیک کو، حسن بصری نے ایک شخص کو اور امام زہری نے عبیداللہ بن عمر کو ان کی سند سے

احادیث روایت کرنے کی اجازت دی ہے۔(۱)

عَنْ يَحْيَى بنِ سَعِيْدٍ قَالَ: جَاءَ ابنُ جُرَيْجٍ إِلَى هِشَامِ بنِ عُرْوَةَ بِكِتَابٍ، فَقَالَ: هٰذَا حَدِيْثُكَ، أَرْوِيْهِ عَنْكَ؟ فَقَالَ: نَعَمْ، قَالَ يَحْيَى: فَقُلْتُ فِي نَفْسِي، لَا أَدْرِي أَيُّهُمَا أَعْجَبُ أَمْرًا۔

یحییٰ بن سعید کہتے ہیں: ابن جریج، ہشام بن عروہ کے پاس ایک کتاب لائے، اور کہا: یہ آپ کی احادیث کا مجموعہ ہے، میں اسے آپ کی سند سے روایت کرسکتا ہوں؟ انہوں نے فرمایا: جی ہاں، یحییٰ کہتے ہیں: میں نے دل میں کہا: میں نہیں جانتا کہ ان دو طریقوں (یعنی استاذ کے سامنے پڑھنے اور اجازت) میں سے کونسا طریقہ زیادہ اچھا اور پسندیدہ ہے۔

یحییٰ قطان کی نظر میں قراءۃ اور اجازۃ برابر ہیں

اس عبارت میں دو باتیں بیان کی گئی ہیں:

- ہشام بن عروہ نے ابن جریج کو احادیث روایت کرنے کی اجازت دی۔
- یحییٰ بن سعید قطان کی نظر میں قراءۃ علی الشیخ اور اجازۃ میں کوئی فرق نہیں، "ایہما اعجب" میں ھما ضمیر قراءۃ علی الشیخ اور اجازۃ کی طرف لوٹ رہی ہے۔(۲)

وَقَالَ عَلِيٌّ: سَأَلْتُ يَحْيَى بنَ سَعِيْدٍ، عن حَدِيثِ ابنِ جُرَيْجٍ عن عَطَاءٍ الْخُرَاسَانِيِّ، فَقَالَ: ضَعِيفٌ، فَقُلْتُ: إِنَّهُ يَقُولُ: أَخْبَرَنِي، قَالَ: لَا شَيْءَ، إِنَّمَا هُوَ كِتَابٌ دَفَعَهُ إِلَيْهِ۔

علی مدینی کہتے ہیں: میں نے یحییٰ قطان سے ابن جریج کی ان حدیثوں کے بارے میں پوچھا، جو وہ عطاء خراسانی سے روایت کرتے ہیں، انہوں نے کہا: وہ احادیث ضعیف ہیں، میں نے کہا کہ ابن جریج تو اخبرنی کہہ کر انہیں بیان کرتے ہیں، یحییٰ بن سعید نے کہا: کچھ نہیں، بس وہ ایک کتاب ہے، جو عطاء نے ابن جریج کو دی ہے۔

عطاء خراسانی سے ابن جریج کی روایات کا حکم

یحییٰ بن سعید قطان فرماتے ہیں کہ عطاء خراسانی نے ابن جریج کو صرف احادیث کا ایک مجموعہ دیا تھا، انہیں آگے روایت کرنے کی اجازت نہیں دی تھی، یہ مناولہ ہے جس میں شیخ کی طرف سے اجازت شامل نہیں، یحییٰ قطان کے نزدیک ایسی صورت

---

(۱) فتح الملہم ۱/۲۱۴، الاجازۃ

(۲) تحفۃ الاحوذی ۱۰/۴۶۵۔

میں انسان آگے ان احادیث کو اس شیخ کی سند سے روایت نہیں کرسکتا،(۱) اس کی مزید تفصیل روایۃ بالمناولہ کے تحت گذر چکی ہے۔

امام ترمذی رحمہ اللہ نے تحمل حدیث کے صرف چار طرق بیان کئے ہیں، جن کی تفصیل گذر چکی ہے، باقی چار طریقوں کا مختصر تعارف درج ذیل ہے:

المکاتبۃ یا الکتابۃ

مکاتبۃ، کتابہ کی صورت یہ ہوتی ہے کہ شیخ اپنی روایات لکھ کر شاگرد کو دے دے، اگر شیخ ساتھ ہی انہیں آگے روایت کرنے کی اجازت بھی دے دے تب تو اس شیخ کی سند سے ان روایات کو بیان کرنے میں کوئی اشکال نہیں، اور اگر اجازت کی تصریح نہ ہو تو بعض حضرات کے نزدیک اگر وہ شاگرد اس شیخ کے خط کو پہچانتا ہو تو بھی انہیں آگے ان کی سند سے بیان کرسکتا ہے۔ (۲)

الاعلام

اعلام: شیخ اپنے شاگرد کو بتادے کہ یہ میری احادیث ہیں یا یہ میری روایات کا مجموعہ ہے، اگر شیخ ان کو آگے روایت کرنے کی اجازت دے دے تو پھر اس شیخ کی سند سے ان کو آگے روایت کیا جاسکتا ہے۔

الوصیۃ

الوصیۃ: یہ ہے کہ شیخ اپنی وفات یا سفر پر جانے کے وقت کسی شخص کے لیے اپنی روایات کی وصیت کرجائے، اجازت کی بھی تصریح ہو تو اگلا بندہ پھر ان کو آگے روایت کرسکتا ہے۔

الوجادۃ

وجادۃ: ایک شیخ کی روایات کا مجموعہ کسی طرح طالب علم کو مل جائے، جسے وہ طالب علم پہچانتا ہو، اس کے لکھنے کے انداز یا دستخط سے یا لوگوں کی شہادت سے یہ یقین ہوجائے کہ یہ فلاں شیخ کی تحریر ہے، اکثر حضرات کے نزدیک اس طالب علم کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ اس مجموعہ سے احادیث کو آگے روایت کرے، جبکہ بعض حضرات اس سے بھی روایت کرنے کو جائز قرار دیتے ہیں، وہ

---

(۱) تحفۃ الأحوذی ۱۰/۴۶۵۔

(۲) فتح الملہم ۱/۲۱۰، المکاتبۃ والمراسلۃ

کہتے ہیں کہ اگر شیخ کے خط پر مکمل اعتماد ہو تو وجدت بخط فلان کے الفاظ سے وہ احادیث آگے روایت کی جاسکتی ہیں۔(۱)

قَالَ أَبُو عِيسَى: وَالْحَدِيثُ إِذَا كَانَ مُرْسَلاً، فَإِنَّهُ لَا يَصِحُّ عِنْدَ أَكْثَرِ أَهْلِ الْحَدِيثِ، قَدْ ضَعَّفَهُ غَيْرُ وَاحِدٍ مِنْهُمْ، سَمِعَ الزُّهْرِيُّ إِسْحَاقَ بْنَ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي فَرْوَةَ، يَقُولُ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ. فَقَالَ الزُّهْرِيُّ: قَاتَلَكَ اللهُ يَا ابْنَ أَبِي فَرْوَةَ: تَجِيئُنَا بِأَحَادِيثَ، لَيْسَ لَهَا خُطُمٌ وَلَا أَزِمَّةٌ، قَالَ يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ: مُرْسَلَاتُ مُجَاهِدٍ أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْ مُرْسَلَاتِ عَطَاءِ بْنِ أَبِي رَبَاحٍ بِكَثِيرٍ، كَانَ عَطَاءٌ يَأْخُذُ عَنْ كُلِّ ضَرْبٍ، قَالَ عَلِيٌّ: قَالَ يَحْيَى: مُرْسَلَاتُ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْ مُرْسَلَاتِ عَطَاءٍ. قُلْتُ لِيَحْيَى: مُرْسَلَاتُ مُجَاهِدٍ أَحَبُّ إِلَيْكَ أَمْ مُرْسَلَاتُ طَاوُسٍ؟ قَالَ: مَا أَقْرَبَهُمَا، قَالَ عَلِيٌّ: وَسَمِعْتُ يَحْيَى بْنَ سَعِيدٍ يَقُولُ: مُرْسَلَاتُ أَبِي إِسْحَاقَ عِنْدِي شِبْهُ لَا شَيْءَ وَالْأَعْمَشِ وَالتَّيْمِيِّ، وَيَحْيَى بْنِ أَبِي كَثِيرٍ، وَمُرْسَلَاتُ ابْنِ عُيَيْنَةَ شِبْهُ الرِّيحِ، قَالَ إِي وَاللهِ وَسُفْيَانُ بْنُ سَعِيدٍ، قُلْتُ لِيَحْيَى: مُرْسَلَاتُ مَالِكٍ؟ قَالَ: هِيَ أَحَبُّ إِلَيَّ، ثُمَّ قَالَ يَحْيَى: لَيْسَ فِي الْقَوْمِ أَحَدٌ أَصَحَّ حَدِيثاً مِنْ مَالِكٍ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ الْقَطَّانِ، يَقُولُ: مَا قَالَ الْحَسَنُ فِي حَدِيثِهِ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ إِلَّا وَجَدْنَا لَهُ أَصْلاً إِلَّا حَدِيثاً، أَوْ حَدِيثَيْنِ۔

امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: جب کوئی حدیث مرسل ہو، تو اکثر محدثین کے نزدیک صحیح نہیں (یعنی وہ حجت نہیں) ایسی حدیث کو بہت سے محدثین نے ضعیف قرار دیا ہے، امام زہری نے اسحاق بن عبداللہ بن ابی فروۃ کو قال رسول اللہ ﷺ کہتے ہوئے سنا (یعنی صحابی کا نام لیے بغیر ہی حدیث بیان کردی) تو امام زہری نے فرمایا: اللہ تعالیٰ تیرے علم میں برکت دے، اے ابن فروہ (یا یہ ترجمہ: اللہ کی تجھ پر مار ہو، اے ابن ابی فروہ)، تو ہمارے پاس ایسی احادیث لاتا ہے، جن کی نہ نکیلیں ہیں اور نہ ہی لگامیں (یعنی جن کی قابل اعتماد سندیں نہیں)، یحیی بن سعید قطان فرماتے ہیں: امام مجاہد کی مرسل روایتیں مجھے حضرت عطاء کی مرسل روایتوں سے بہت زیادہ پسند ہیں، حضرت عطاء ہر قسم کے راوی سے ہر طرح کی روایت لے لیتے تھے۔

علی بن عبداللہ مدینی کہتے ہیں کہ یحیی بن سعید قطان فرماتے ہیں: مجھے سعید بن جبیر کی مرسل روایتیں، عطاء بن ابی رباح کی مرسل احادیث سے زیادہ پسند ہیں، علی بن عبداللہ مدینی کہتے ہیں: میں نے یحیی قطان سے پوچھا: آپ کو امام مجاہد کی مرسل روایتیں زیادہ پسند ہیں یا طاؤس کی؟ انہوں نے فرمایا: ان دونوں کی مرسل روایتیں ایک دوسرے کے کس قدر قریب ہیں، یحیی بن سعید قطان کہتے ہیں: میرے نزدیک ابو اسحاق ہمدانی کی مرسل روایتیں کچھ نہیں (یعنی معتبر نہیں) اور اعمش، تیمی، اور یحیی بن ابی کثیر کی مرسل روایتیں بھی اسی طرح غیر معتبر ہیں، اور ابن عیینہ کی مرسل روایتیں ہوا کی مانند ہیں (یعنی وہ بھی ضعیف ہیں) پھر یحیی نے فرمایا: اللہ کی قسم سفیان بن سعید ثوری کی مرسل روایتیں

---

(۱) فتح الملہم ۱/۲۱۶ الوجادۃ

ہوا کی طرح ہیں (یعنی غیر معتبر ہیں) علی مدینی کہتے ہیں: میں نے یحیی قطان سے امام مالک کی مرسل روایتوں کے بارے میں پوچھا کہ وہ کیسی ہیں؟ یحیی قطان نے فرمایا: وہ مجھے بہت زیادہ پسند ہیں، پھر یحیی نے فرمایا: قوم یعنی محدثین میں امام مالک سے زیادہ صحیح حدیثیں بیان کرنے والا کوئی نہیں، یحیی قطان فرماتے ہیں: حضرت حسن بصری نے جو حدیث بھی قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہہ کر بیان کی ہے (یعنی مرسل روایت بیان کی ہے) ہم نے ضرور اس کی اصل پائی ہے سوائے ایک یا دو حدیثوں کے (کہ ان کی اصل ہمیں معلوم نہیں)۔

مشکل الفاظ کے معنی: قاتلک اللہ: یہ جملہ یا تو تعجب کے طور پر ہے: اللہ کی تجھ پر مار ہو، اور یا دعا کے معنی میں ہے: اللہ تعالیٰ تیرے علم میں برکت دے، خطم: (خاء اور طاء پر پیش) خطام کی جمع ہے: نکیل، ازمة: زمام کی جمع ہے: لگامیں، ما أقرب بهما: کس چیز نے ان دونوں کی مرسل حدیثوں کو قریب کر دیا، یعنی ان کی روایتیں قریب قریب ہیں، مقبول ہیں، شبه الريح: ہوا کی مانند، یعنی ضعیف اور غیر معتبر ہیں، ای و اللہ: اللہ کی قسم، والاعمش والتيمي ويحيى بن ابى كثير، اس جملے کی ترکیب کے لحاظ سے دو احتمال ہیں: (۱) یا تو اعمش... کا عطف ابی اسحاق پر ہو یعنی مرسلات الاعمش... شبه لا شی، (۲) یا الاعمش... یہ مبتدا ہے اور مثلہ اس کی خبر محذوف ہے، ای و اللہ و سفيان بن سعيد، اس کی خبر بھی محذوف ہے یعنی مرسلات سفيان بن سعيد ايضا شبه الريح: سفیان بن سعید کی مرسل روایتیں بھی ہوا کی مانند ہیں یعنی ضعیف اور غیر معتبر ہیں۔(۱)

حدیث مرسل اور اس کے قبول ہونے کی شرائط

حدیث مرسل کی تعریف: مرسل وہ روایت ہوتی ہے جس کی سند میں تابعی کے بعد صحابی کا نام مذکور نہ ہو، جس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ تابعی براہ راست قال رسول اللہ ﷺ کذا أو فعل کذا او فعل بحضرته کذا کہہ کر روایت کر دیتا ہے۔

مرسل روایت قبول ہے یا نہیں، اس سے استدلال کیا جا سکتا ہے یا نہیں؟ اس میں علماء حدیث کے تین نقطہ نظر ہیں:

۱۔ حدیث مرسل میں چونکہ صحابی کا نام مذکور نہیں ہوتا، یوں یہ سند متصل نہیں رہتی بلکہ منقطع ہو جاتی ہے، جس میں اس بات کا بھی امکان ہے کہ صحابی کے علاوہ کوئی اور راوی بھی محذوف ہو، اس لیے جمہور محدثین اور بعض فقہاء کے نزدیک حدیث مرسل حجت نہیں، لہذا یہ ایک ضعیف روایت ہے۔

۲۔ ائمہ ثلاثہ یعنی امام مالک، امام احمد بن حنبل اور امام ابوحنیفہ کے نزدیک حدیث مرسل ایک صحیح روایت ہے، اس سے استدلال کیا جا سکتا ہے، شرط یہ ہے کہ ارسال کرنے والا ثقہ ہو، اور جس سے ارسال کر رہا ہو، وہ بھی ثقہ راوی ہو۔

۳۔ امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک درج ذیل شرائط کے ساتھ حدیث مرسل مقبول ہے:

۞ مرسل یعنی حدیث کو مرسلاً ذکر کرنے والا کبار تابعین میں سے ہو۔ ۞ ثقہ سے ارسال کرے۔ ۞ ثقہ حضرات، مرسلا

---

(۱) تحفة الاحوذی ۱۰/۴۶۷

ذکر کرنے والے راوی کی مخالفت نہ کریں۔ ✿ یہ روایت دوسرے طریق سے مسنداً بھی منقول ہو۔ ✿ یا یہ مرسل حدیث، دوسرے طریق سے بھی مرسلاً منقول ہو۔ ✿ یا یہ کسی صحابی کے قول کے موافق ہو۔ ✿ یا اکثر اہل علم نے اس روایت کے مطابق فتویٰ دیا ہو۔(۱)

امام ترمذی رحمہ اللہ نے مذکورہ عبارت میں ان بعض لوگوں کا ذکر کیا ہے، جن میں سے اکثر حضرات کے نزدیک مرسل روایت حجت نہیں، اور اس کے تحت سات اقوال ذکر کیے ہیں، جن میں سے بعض سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ حدیث مرسل ایک ضعیف روایت ہے، ان اقوال کی تفصیل یہ ہے:

۱۔ امام زہری نے ابن ابی فروہ سے فرمایا کہ تو ہمارے پاس ایسی احادیث لاتا ہے، جن کی نہ نکیلیں ہوتی ہیں اور نہ لگامیں اور قال رسول اللہ کہہ کر انہیں بیان کرتا ہے، مطلب یہ ہے کہ ان کی ایسی کوئی سند نہیں ہوتی، جس پر اعتماد کیا جائے، اس سے معلوم ہوا کہ امام زہری کی نظر میں مرسل احادیث قابل استدلال نہیں۔

۲۔ یحیی کہتے ہیں کہ مجھے مجاہد کی مرسل روایتیں زیادہ پسند ہیں بنسبت عطاء بن ابی رباح کی مرسلات کے، کیونکہ عطاء ہر قسم کے راوی سے روایت کر لیتے تھے، خواہ وہ ضعیف ہو یا ثقہ، اس سے معلوم ہوا کہ ثقہ کی مرسل مقبول ہے، اور جو ثقہ نہیں، اس کی مرسل معتبر نہیں۔

۳۔ یحیی بن سعید کے نزدیک مجاہد اور طاؤس کی مرسل روایتیں آپس میں قریب قریب ہیں، یعنی دونوں ہی مقبول اور معتبر ہیں، کیونکہ یہ دونوں ہی ثقہ راویوں میں سے ہیں۔

۴۔ یحیی بن سعید کہتے ہیں کہ ابو اسحاق ہمدانی، اعمش یعنی سلیمان بن مہران، تیمی یعنی ابو المعتمر سلیمان بن طرخان بصری، یحیی بن ابی کثیر، سفیان بن عیینہ، اور سفیان بن سعید ثوری کی مرسل روایتیں ہوا کی طرح ہیں، یعنی یہ ضعیف ہیں، اس لیے یہ مقبول نہیں۔

۵۔ یحیی بن سعید قطان فرماتے ہیں کہ امام مالک کی مرسل روایتیں مجھے زیادہ پسند ہیں، کیونکہ یہ اعلیٰ درجہ کے ثقہ راوی ہیں، محدثین کی جماعت میں ان سے زیادہ صحیح حدیث بیان کرنے والا کوئی نہیں۔

۶۔ یحیی بن سعید قطان فرماتے ہیں کہ حضرت حسن بصری کی تمام مرسل روایتیں مقبول ہیں، ان تمام کی اصل موجود ہوتی ہیں، سوائے ایک یا دو حدیثوں کے کہ ان کی اصل ہمیں معلوم نہیں۔

۷۔ ابوزرعہ کہتے ہیں کہ حسن بصری جب بھی قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہہ کر روایت بیان کرتے ہیں تو ہمیں ان کی اصل معلوم ہوتی ہے، البتہ چار روایتیں حسن بصری کی ایسی ہیں کہ ان کی اصل ہمیں معلوم نہیں، (۲) حضرت حسن بصری مرسلا روایتیں کیونکر بیان

---

(۱) فتح الملهم ۱/۸۷ المقدمة، المرسل، تيسير مصطلح الحديث (ص: ۷۰)

(۲) تهذيب التهذيب ۲/۲۴۸ من أسمه الحسن، رقم: ۱۲۸۳، فتح الملهم ۱/۹۷، المقدمة، التفاصل بين مراسيل الاعيان۔

کرتے تھے؟ اس کی وجہ انہوں نے خود یہ بتائی ہے کہ میرا یہ زمانہ حجاج بن یوسف کا ہے، میں جب قال رسول اللہ کہہ کر حدیث کو مرسلاً بیان کروں تو اس سے میری مراد یہ ہوتی ہے کہ یہ روایت میں نے حضرت علی سے سنی ہے، مگر میں فتنہ سے بچنے کے لیے اس زمانہ میں حضرت علی کا نام نہیں لیتا، اس وجہ سے میں یہ روایتیں مرسلاً ذکر کرتا ہوں۔(۱)

قَالَ أَبُوْ عِيْسَى: وَمَنْ ضَعَّفَ ~~المرسل~~ فَإِنَّهُ ضَعَّفَهُ مِنْ قِبَلِ أَنَّ هٰؤُلَاءِ الأَئِمَّةَ قَدْ حَدَّثُوا عَنِ الثِّقَاتِ، وَعَنْ غَيْرِ الثِّقَاتِ، فَإِذَا رَوَى أَحَدُهُمْ حَدِيثاً وَأَرْسَلَهُ لَعَلَّهُ أَخَذَهُ عَنْ غَيْرِ ثِقَةٍ، قَدْ تَكَلَّمَ الْحَسَنُ الْبَصرِيُّ فِي مَعْبَدٍ الْجُهَنِيِّ، ثُمَّ رَوَى عَنْهُ، وعَنِ الْحَسَنِ يَقُوْلُ: اِيَّاكُمْ وَمَعْبَداً الْجُهَنِيَّ، فَإِنَّهُ ضَالٌّ، مُضِلٌّ، قال ابو عِيسَى: وَيُرْوَى عَنِ الشَّعْبِيِّ، قَالَ: أَخْبَرَنَا الْحَارِثُ الأَعْوَرُ، وَكَانَ كَذَّاباً، وَقَدْ حَدَّثَ عَنْهُ، وَأَكْثَرُ الْفَرَائِضِ الَّتِيْ تَرْوُنَهَا عَنْ عَلِيٍّ وَغَيْرِهِ، هِيَ عَنْهُ، وَقَدْ قَالَ الشَّعْبِيُّ: الْحَارِثُ الأَعْوَرُ عَلَّمَنِي الْفَرَائِضَ، وَكَانَ مِنْ أَفْرَضِ النَّاسِ۔

قَالَ: وَسَمِعْتُ مُحَمَّدَ بنَ بَشَّارٍ يَقُوْلُ: سَمِعْتُ عَبْدَ الرَّحْمٰنِ بنَ مَهْدِيٍّ يَقُوْلُ: أَلَا تَعْجَبُوْنَ مِنْ سُفْيَانَ بنِ عُيَيْنَةَ؟ لَقَدْ تَرَكْتُ لِجَابِرٍ الْجُعْفِيِّ بِقَوْلِهِ لَمَّا حَكَى عَنْهُ أَكْثَرَ مِنْ أَلْفِ حَدِيثٍ، ثُمَّ هُوَ يُحَدِّثُ عَنْهُ، قَالَ مُحَمَّدُ بنُ بَشَّارٍ: وَتَرَكَ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بنُ مَهْدِيٍّ حَدِيثَ جَابِرٍ الْجُعْفِيِّ۔

امام ترمذی فرماتے ہیں: اور جس نے مرسل روایات کو ضعیف قرار دیا ہے، تو اس نے اس وجہ سے ضعیف قرار دیا ہے کہ ان اماموں نے ثقہ اور غیر ثقہ دونوں قسم کے راویوں سے احادیث کو بیان کیا ہے، اس لیے کہ جب ان میں سے کوئی کسی روایت کو بیان کرے اور اسے مرسلاً ذکر کرے، تو ہوسکتا ہے کہ اس نے یہ روایت کسی غیر ثقہ راوی سے لی ہو، حضرت حسن بصری نے معبد جہنی کے بارے میں کلام کیا ہے، پھر اس سے روایت بھی نقل کی ہے، چنانچہ حسن بصری فرماتے ہیں کہ معبد جہنی سے بچو، کیونکہ وہ گمراہ ہے اور گمراہ کرنے والا ہے، امام ترمذی فرماتے ہیں: اور شعبی سے روایت کیا گیا ہے کہ انہوں نے کہا: ہمیں حارث اعور نے حدیث بیان کی اور وہ بہت بڑا جھوٹا تھا، جبکہ شعبی نے حارث اعور سے حدیثیں بھی روایت کی ہیں، اور فرائض یعنی میراث کے اکثر وہ احکام جن کو تم حضرت علی اور دوسرے حضرات سے روایت کرتے ہو، وہ تمام حارث اعور سے منقول ہیں، اور خود شعبی فرماتے تھے کہ حارث اعور نے مجھے میراث کے مسائل سکھلائے ہیں اور وہ علم میراث میں تمام لوگوں سے زیادہ ماہر تھے۔

امام ترمذی فرماتے ہیں کہ میں نے محمد بن بشار کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ عبدالرحمن بن مہدی کہتے ہیں: آپ لوگوں کو سفیان بن عیینہ (کے طرز عمل) پر تعجب نہیں ہوتا، میں نے سفیان کی بات کی وجہ سے، جو انہوں نے جابر جعفی کے بارے میں نقل کی (کہ وہ عقیدہ رجعت کا قائل تھا) تو میں نے (اس وجہ سے) جابر جعفی کی ایک ہزار سے زیادہ

(۱) تحفۃ الاحوذی ۴۶۹/۲

احادیث چھوڑ دیں، (مگر) پھر سفیان بن عیینہ خود جابر سے روایت کرتے ہیں، محمد بن بشار کہتے ہیں کہ عبدالرحمن بن مہدی نے جابر جعفی کی روایت کو ترک کر دیا تھا۔

حدیث مرسل کے ضعیف ہونے کی ایک وجہ

امام ترمذی رحمہ اللہ نے مذکورہ عبارت میں حدیث مرسل کے ضعیف ہونے کی ایک وجہ کا ذکر کیا ہے، کہ جو حضرات حدیث مرسل کو ضعیف قرار دیتے ہیں تو اس کی وجہ یہ ہے کہ ائمہ حدیث نے ثقہ اور غیر ثقہ دونوں سے اخذ حدیث کیا ہے، جس میں اس بات کا قوی امکان ہے کہ انہوں نے جس حدیث کو مرسلاً ذکر کیا ہے، اسے ان لوگوں نے غیر ثقہ راوی سے لیا ہو، یوں اس روایت میں ضعف پیدا ہو جاتا ہے، اس کی تائید میں امام ترمذی نے تین روایات ذکر کی ہیں:

۱۔ حضرت حسن بصری رحمہ اللہ ایک ثقہ راوی ہیں، انہوں نے معبد جہنی کے بارے میں کلام کیا ہے اور اس سے دور رہنے کی تاکید کی ہے، کیونکہ وہ خود بھی گمراہ ہے اور دوسروں کو بھی گمراہ کرتا ہے، یہ وہ شخص ہے جس نے سب سے پہلے تقدیر کا انکار کیا ہے، اور جمہور اہل سنت کے خلاف موقف اختیار کیا ہے، اس سب کے باوجود حضرت حسن بصری نے خود معبد جہنی سے احادیث بھی روایت کی ہیں۔

۲۔ امام عامر بن شراحیل شعبی کوفہ کے بڑے مجتہد تھے، وہ حارث اعور کو بڑا جھوٹا اور کذاب کہتے تھے، پھر بھی اس سے احادیث روایت کرتے تھے، حارث بن عبداللہ اعور حضرت علی کے شاگردوں میں سے ہیں، میراث کے مسائل جو حضرت علی اور دوسرے حضرات سے منقول ہیں، وہ سب حارث اعور کے واسطے سے مروی ہیں، اور امام شعبی کہتے ہیں کہ حارث اعور علم میراث میں بہت ماہر تھے، اور میں نے میراث کے مسائل انہی سے سیکھے ہیں۔

۳۔ عبدالرحمن بن مہدی کہتے ہیں کہ سفیان بن عیینہ نے ہمیں یہ بتایا کہ جابر جعفی رافضی تھا، اور اس کا عقیدہ بھی رجعت کا ہے یعنی یہ عقیدہ تھا کہ حضرت علی اور بعض دوسرے امام دوبارہ قیامت سے پہلے زندہ ہوں گے، ابن مہدی کہتے ہیں کہ میں جابر جعفی سے متعلق یہ بات سن کر ان سے دور ہو گیا، ایک ہزار سے زیادہ جابر جعفی کی حدیثیں میں نے چھوڑ دیں، پھر پتہ چلا کہ سفیان بن عیینہ خود جابر جعفی سے احادیث روایت کرتے ہیں، اس پر بڑا تعجب ہوا۔

مذکورہ اقوال سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ بسا اوقات ثقہ راوی بھی غیر ثقہ راویوں سے روایتیں حاصل کر لیتا ہے، اس لیے حدیث مرسل علی الاطلاق حجت نہیں، بلکہ اس سے متعلق چند شرائط ہیں، جن کی تفصیل اس سے پہلے عنوان میں گذر چکی ہے۔

لقد ترکت لجابر الجعفی بقولہ لما حکی عنہ اکثر من الف حدیث، بعض نسخوں میں ''بقولہ'' کا لفظ نہیں، یہ صحیح ہے، مگر ہمارے نسخہ میں چونکہ یہ لفظ موجود ہے، اس لیے اس کا مفہوم سمجھنا ضروری ہے، بقولہ میں ''ہ'' ضمیر جابر جعفی کی طرف لوٹ رہی ہے، اور لما حکی عنہ میں ''لام'' با کے معنی میں ہے، حکی کی ضمیر سفیان بن عیینہ کی طرف اور عنہ کی ضمیر جابر جعفی کی طرف لوٹ

زاہی ہے، اور اکثر یہ ترکت کا مفعول بہ ہے؟ ترجمہ یہ ہے: میں نے جابر جعفی کی بات کی وجہ سے، جو سفیان نے اس کے متعلق نقل کی (یعنی عقیدہ رجعت کی) میں نے جابر کی ایک ہزار سے زیادہ احادیث چھوڑ دیں، انہیں روایت نہیں کیا۔(۱)

وَقَدِ احْتَجَّ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ بِالْمُرْسَلِ أَيْضاً، عَنْ سُلَيْمَانَ الْأَعْمَشِ، قَالَ: قُلْتُ لِإِبْرَاهِيمَ النَّخَعِيِّ: أَسْنِدْ لِي عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ مَسْعُودٍ، فَقَالَ إِبْرَاهِيمُ: إِذَا حَدَّثْتُكُمْ عَنْ عَبْدِ اللهِ، فَهُوَ الَّذِي سَمِعْتُ، وَإِذَا قُلْتُ: قَالَ عَبْدُ اللهِ، فَهُوَ عَنْ غَيْرِ وَاحِدٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ۔

اور بعض اہل علم نے حدیث مرسل سے بھی استدلال کیا ہے، چنانچہ سلیمان اعمش کہتے ہیں کہ میں نے ابراہیم نخعی سے عرض کیا: آپ میرے سامنے عبداللہ بن مسعود سے روایت کردہ احادیث کی سند بیان کردیجئے؟ تو انہوں نے فرمایا: جب میں آپ کے سامنے کسی راوی کا نام لے کر ابن مسعود کی روایتیں بیان کروں تو وہ روایت میں نے اس شخص سے سنی ہے، جس کا میں نے نام لیا ہے، اور جب میں قال عبداللہ کہوں (یعنی درمیان کا واسطہ ذکر نہ کروں) تو وہ روایت میں نے ابن مسعود کے بہت سے شاگردوں سے سنی ہوتی ہے۔

حدیث مرسل قابل استدلال ہے

امام ترمذی فرماتے ہیں کہ جمہور علماء کے نزدیک حدیث مرسل حجت اور قابل استدلال ہے، اس کی تائید میں یہاں ایک قول ذکر کیا ہے کہ سلیمان اعمش نے ایک مرتبہ ابراہیم نخعی سے کہا کہ آپ جو عبداللہ بن مسعود کی روایتیں ہمارے سامنے بیان کرتے ہیں، ان کی سند بیان کردیں، کیونکہ آپ کی ملاقات تو ابن مسعود سے براہ راست نہیں ہوئی تو ابراہیم نخعی نے جواب میں دو باتیں ارشاد فرمائیں:

❁ اگر میں حدیث میں عبداللہ بن مسعود سے پہلے کسی ایک راوی کا نام لوں تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ یہ روایت میں نے اسی راوی سے سنی ہے، جس کا میں نے نام لیا ہے، ترمذی کی مذکورہ عبارت: اذا حدثتکم عن عبداللہ میں "عن رجل" کا لفظ رہ گیا ہے، اصل عبارت اس طرح ہے: عن رجل عن عبداللہ، اس کی تصریح تہذیب التہذیب میں ابراہیم بن یزید النخعی کے حالات میں ہے۔(۲)

❁ اور جب میں کسی راوی کا نام نہ لوں، اور حدیث کو مرسلاً روایت کرکے یوں کہوں: قال عبداللہ بن مسعود، تو اس کے معنی یہ ہیں کہ میں نے یہ حدیث ایک جماعت سے سنی ہے، جو ابن مسعود کی سند سے روایت کررہے تھے۔

اس سے معلوم ہوا کہ ابراہیم نخعی نے ابن مسعود کی جو روایتیں مرسلاً ذکر کی ہیں، درمیان میں واسطہ کا ذکر نہیں کیا اور قال

(۱) تہذیب التہذیب ۱۲/۲، من اسمہ جابر، رقم: ۹۱۸، تحفۃ الاحوذی ۴۶۹/۱۰

(۲) تہذیب التہذیب ۱۹۴/۱، رقم: ۲۹۳، ذکر من اسمہ ابراہیم۔

عبداللہ کہہ کر حدیثیں روایت کی ہیں، وہ مرسلاً روایتیں حجت ہیں، ان سے استدلال کیا جاسکتا ہے، کیونکہ ابراہیم نخعی ایک ثقہ راوی ہیں، وہ ان روایات کو مرسلاً تب ہی روایت کرتے ہیں، جب ان کی نظر میں ان کی سند صحیح ہوتی ہے، اس سے امام ترمذی نے اس بات پر استدلال کیا ہے کہ حدیث مرسل حجت ہے۔(۱)

وَقَدِ اخْتَلَفَ الْأَئِمَّةُ مِنْ أَهْلِ الْعِلْمِ فِي تَضْعِيفِ الرِّجَالِ، كَمَا اخْتَلَفُوا فِيمَا سِوَى ذَلِكَ مِنَ الْعِلْمِ، ذُكِرَ عَن شُعْبَةَ أَنَّهُ ضَعَّفَ أَبَا الزُّبَيْرِ الْمَكِّيَ، وَعَبْدَ الْمَلِكِ بْنَ أَبِي سُلَيْمَانَ، وَ حَكِيمَ بْنَ جُبَيْرٍ، وَتَرَكَ الرِّوَايَةَ عَنْهُمْ، ثُمَّ حَدَّثَ شُعْبَةُ عَمَّنْ هُوَ دُوْنَ هَؤُلَاءِ فِي الْحِفْظِ وَ الْعَدَالَةِ، حَدَّثَ عَن جَابِرِ الْجُعْفِيِّ، وَ إِبْرَاهِيمَ بْنِ مُسْلِمٍ الْهَجَرِيِّ، وَ مُحَمَّدِ بْنِ عُبَيْدِ اللهِ الْعَرْزَمِيِّ، وَ غَيْرِ وَاحِدٍ مِمَّنْ يُضَعَّفُونَ فِي الْحَدِيثِ۔

امام ترمذی فرماتے ہیں: اہل علم میں سے ائمہ حدیث نے راویوں کو ضعیف قرار دینے میں اختلاف کیا ہے، جس طرح انہوں نے اس کے علاوہ دیگر کئی ساری علمی باتوں میں اختلاف کیا ہے، شعبہ سے یہ منقول ہے کہ انہوں نے ابوزبیر مکی، عبدالملک بن ابی سلیمان اور حکیم بن جبیر کو ضعیف قرار دیا ہے، اور ان سے روایت کرنا چھوڑ دیا ہے، پھر شعبہ نے ایسے راویوں سے احادیث بیان کی ہیں، جو حفظ اور عدالت میں مذکورہ تین راویوں سے کم تر ہیں، چنانچہ شعبہ نے جابر جعفی، ابراہیم بن مسلم ہجری، محمد بن عبیداللہ عزرمی اور دیگر بہت سے ایسے راویوں سے احادیث روایت کی ہیں، جنہیں حدیث میں ضعیف قرار دیا گیا ہے۔

راویوں کو ضعیف اور ثقہ قرار دینے میں ائمہ حدیث کا اختلاف

امام ترمذی فرماتے ہیں کہ جس طرح اہل علم کے درمیان دیگر بہت سے مسائل میں علمی اختلاف ہوا ہے، اسی طرح راویوں کو ضعیف اور ثقہ قرار دینے میں بھی ائمہ حدیث میں اختلاف واقع ہوا ہے، بعض حضرات کچھ راویوں کو ضعیف، جبکہ دیگر بعض محدثین انہی راویوں کو ثقہ قرار دیتے ہیں، مثلاً شعبہ نے ابوزبیر مکی، عبدالملک بن سلیمان اور حکیم بن جبیر کو ضعیف قرار دیا اور ان سے روایت لینا ترک کر دیا، جبکہ دیگر محدثین ان تین راویوں کو ثقہ اور با اعتماد قرار دیتے ہیں، شعبہ نے ان تین حضرات کو ضعیف قرار دے کر ان سے روایت کرنا چھوڑ دیا، مگر ان کے علاوہ ایسے حضرات سے روایات حاصل کی ہیں، جو حفظ و اتقان اور عدالت میں ان سے کم تر ہیں، مثلاً جابر جعفی، ابراہیم بن مسلم ہجری اور محمد بن عبیداللہ عزرمی وغیرہ ان تمام کو سب ہی نے حدیث میں ضعیف قرار دیا ہے، اس کے باوجود شعبہ نے ان سے روایت نقل کی ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ راویوں کو ضعیف اور ثقہ قرار دینے میں ائمہ حدیث کے درمیان اختلاف پایا جاتا ہے، ضعف کی کیا وجہ ہے، اکثر محدثین کا نقطہ نظر اس راوی کے بارے میں کس قسم کا ہے، اس بات کو دیکھ کر پھر کسی راوی پر ضعف کا حکم لگایا جاسکتا

(۱) فتح الملہم ۱/۹۴، المرسل، تحفۃ الاحوذی ۱۰/۴۷۰

ہے، لہٰذا اگر راوی کو ضعیف قرار دینے کی کوئی صحیح وجہ ہو، اور اکثر اہل علم نے اسے ضعیف ہی قرار دیا ہو، تب اس راوی کو ضعیف قرار دیا جائے گا، صرف بعض حضرات کسی کو ضعیف قرار دیں، جبکہ جمہور اس کی تائید نہ کریں، تو اس وجہ سے اس پر ضعف کا حکم نہیں لگایا جائے گا۔(۱)

عَنْ أُمَيَّةَ بْنِ خَالِدٍ، قَالَ: قُلْتُ لِشُعْبَةَ: تَدَعُ عَبْدَ الْمَلِكِ بْنَ أَبِي سُلَيْمَانَ، وَتُحَدِّثُ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عُبَيْدِ اللهِ الْعَرْزَمِيِّ؟ قَالَ: نَعَمْ، قَالَ أَبُو عِيسَى: وَقَدْ كَانَ شُعْبَةُ حَدَّثَ عَنْ عَبْدِ الْمَلِكِ بْنِ أَبِي سُلَيْمَانَ ثُمَّ تَرَكَهُ، وَيُقَالُ إِنَّمَا تَرَكَهُ لَمَّا تَفَرَّدَ بِالْحَدِيثِ الَّذِي رَوَى عَنْ عَطَاءِ بْنِ أَبِي رَبَاحٍ، عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: الرَّجُلُ أَحَقُّ بِشُفْعَتِهِ يُنْتَظَرُ بِهِ وَإِنْ كَانَ غَائِبًا، إِذَا كَانَ طَرِيقُهُمَا وَاحِدًا، وَقَدْ ثَبَّتَ غَيْرُ وَاحِدٍ مِنَ الأَئِمَّةِ وَحَدَّثُوا عَنْ أَبِي الزُّبَيْرِ وَعَبْدِ الْمَلِكِ بْنِ أَبِي سُلَيْمَانَ، وَحَكِيمِ بْنِ جُبَيْرٍ۔

امیہ بن خالد کہتے ہیں: میں نے شعبہ سے کہا کہ آپ عبد الملک بن سلیمان کو چھوڑتے ہیں اور محمد بن عبید اللہ عزرمی سے روایت کرتے ہیں؟ انہوں نے فرمایا: جی ہاں (ایسا ہی ہے)، امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ شعبہ (پہلے) عبد الملک بن ابی سلیمان سے روایت کرتے تھے پھر انہوں نے روایت کرنا چھوڑ دیا، اور کہا جاتا ہے کہ شعبہ نے ان کو اسی حدیث کی وجہ سے چھوڑا ہے، جس کو وہ تنہا روایت کرتے ہیں عطاء بن ابی رباح سے، وہ جابر بن عبد اللہ سے اور وہ نبی کریم ﷺ سے، آپ ﷺ نے فرمایا: آدمی اپنے شفعہ کا زیادہ حقدار ہوتا ہے، اس میں اس کا انتظار کیا جائے گا اگرچہ وہ غائب ہو، جبکہ ان دونوں (پڑوسیوں یا گھروں) کا راستہ ایک ہی ہو، حالانکہ حدیث کے بہت سے ائمہ نے عبد الملک بن ابی سلیمان کو مضبوط اور با اعتماد راوی قرار دیا ہے، اور انہوں نے ابو الزبیر، عبد الملک بن ابی سلیمان اور حکیم بن جبیر سے احادیث روایت کی ہیں۔

مشکل الفاظ کے معنی: الرجل أحق: آدمی زیادہ حقدار ہے۔ اذا کان طریقهما واحد: جب ان دونوں پڑوسیوں یا ان دونوں گھروں کا راستہ ایک ہو۔ و قد ثبت: یہ تثبیت سے ہے، اس میں مفعول کی ضمیر ”ہ“ محذوف ہے ای ثبتہ، اور یہ ضمیر عبد الملک بن ابی سلیمان کی طرف لوٹ رہی ہے: عبد الملک بن ابی سلیمان کو مضبوط اور با اعتماد قرار دیا۔

عبد الملک بن ابی سلیمان رحمہ اللہ

عبد الملک کے والد کا نام میسرہ ہے اور کنیت ابو سلیمان ہے، کوفہ کے ثقہ راویوں میں سے ہیں، ۱۴۵ھ میں ان کی وفات ہوئی ہے، شعبہ کے علاوہ تمام محدثین نے عبد الملک کو ثقہ قرار دیا ہے، اور شعبہ نے انہیں اس وجہ سے ضعیف قرار دیا ہے کہ یہ الجار احق بشفعتہ والی روایت میں منفرد ہیں، عبد الملک نے عطاء بن ابی رباح سے یہ روایت نقل کی ہے، اور وہ اس میں منفرد ہیں، اس

---

(۱) فتح الملہم ۱/۱۸۲، الجرح والتعدیل

ہیں ان کے ساتھ اور کوئی راوی شریک نہیں، شعبہ ان سے پہلے روایت کرتے تھے، بعد میں اس حدیث کی وجہ سے انہوں نے عبدالملک سے روایت کرنا چھوڑ دیا تھا، جبکہ دیگر تمام محدثین نے ان سے احادیث روایت کی ہیں، اور انہیں ایک ثقہ راوی قرار دیا ہے، امام ترمذی نے باب ما جاء فی الشفعة میں اور اسی طرح اس کے بعد آنے والی عبارت میں حضرت ابوزبیر کے تذکرے میں حضرت عبداللہ بن مبارک کا قول نقل کیا ہے کہ سفیان ثوری فرماتے ہیں کہ عبدالملک بن ابی سلیمان علم میں میزان اور ترازو تھے، اس لیے شعبہ کا ان کو ضعیف قرار دینا درست نہیں، کیونکہ اگر کوئی ثقہ راوی کسی حدیث میں متفرد ہو تو اس کی وہ روایت بھی مقبول ہوتی ہے، محض اس تفرد کی وجہ سے اسے ضعیف نہیں قرار دیا جا سکتا۔(۱) احناف اس حدیث سے پڑوسی کے لیے شفعہ کا جواز ثابت کرتے ہیں۔(۲)

عَنْ عَطَاءِ بنِ أَبِي رَبَاحٍ، قَالَ: كُنَّا إِذَا خَرَجْنَا مِنْ عِنْدِ جَابِرِ بنِ عَبْدِ اللّٰهِ تَذَاكَرْنَا حَدِيثَهُ، وَكَانَ أَبُو الزُّبَيْرِ أَحْفَظَنَا لِلْحَدِيثِ، قَالَ أَبُو الزُّبَيْرِ: كَانَ عَطَاءٌ يُقَدِّمُنِي إِلَى جَابِرِ بنِ عَبْدِ اللّٰهِ أَحْفَظُ لَهُمُ الْحَدِيثَ، أخبرنا سُفْيَانُ قَالَ: سَمِعْتُ أَيُّوبَ السَّخْتِيَانِيَّ يَقُولُ: حدثني أَبُو الزُّبَيْرِ، وَأَبُو الزُّبَيْرِ، أَبُو الزُّبَيْرِ، قَالَ سُفْيَانُ بِيَدِهِ يَقْبِضُهَا، قَالَ أَبُو عِيسَى: إِنَّمَا يَعْنِي بِذٰلِكَ الْإِتْقَانَ وَالْحِفْظَ، وَيُرْوَى عن عَبْدِ اللّٰهِ بنِ الْمُبَارَكِ، قَالَ: كَانَ سُفْيَانُ الثَّوْرِيُّ، يَقُولُ: كَانَ عَبْدُ الْمَلِكِ بنُ أَبِي سُلَيْمَانَ مِيزَانًا فِي الْعِلْمِ۔

عطاء بن ابی رباح کہتے ہیں: جب ہم حضرت جابر بن عبداللہ کے پاس سے حدیثیں پڑھ کر نکلتے تو ہم آپس میں ان حدیثوں کو دہراتے تھے اور ابوزبیر ہم میں سب سے زیادہ حدیثوں کو یاد کرنے والے تھے، ابوزبیر کہتے ہیں کہ عطاء بن ابی رباح مجھے حضرت جابر کی مجلس میں آگے کیا کرتے تھے، تاکہ میں ان کے لیے احادیث کو یاد کرلوں، اور سفیان بن عیینہ کہتے ہیں کہ میں نے ایوب سختیانی کو سنا، وہ فرمایا کرتے: میرے سامنے ابوزبیر نے حدیثیں بیان کیں، اور ابوزبیر تو ابوزبیر ہیں، سفیان بن عیینہ نے اپنے ہاتھ کو بند کر کے اشارہ کیا، امام ترمذی فرماتے ہیں کہ سفیان بن عیینہ کی ہاتھ بند کر کے اشارہ کرنے کی مراد یہ ہے کہ ابوزبیر ایک مضبوط راوی اور حدیثوں کو خوب یاد کرنے والے تھے، عبداللہ بن مبارک فرماتے ہیں کہ سفیان ثوری کہا کرتے تھے: عبدالملک بن ابی سلیمان علم میں ترازو تھے (یعنی ثقہ راوی تھے)۔

مشکل الفاظ کے معنی: تذاکرنا حدیثه: ہم آپس میں حضرت جابر کی حدیثوں کو دہراتے، یاد کرتے، احفظنا للحدیث: (صیغہ اسم تفضیل) ابوزبیر ہم میں سب سے زیادہ احادیث کو یاد کرنے والے تھے، احفظ بهم الحدیث (صیغہ واحد متکلم): تا کہ میں ان کے لیے حدیثوں کو یاد کرلوں، حدثنی ابو الزبیر: مجھے ابوزبیر نے احادیث بیان کیں، وابو الزبیر ابو الزبیر: اور

(۱) تہذیب التہذیب ۲۹۸/۵، من اسمہ عبدالملک، رقم: ۴۳۱۰۔
(۲) تحفة الاحوذی ۴/۲ ۰ ۷، کتاب الاحکام باب ما جاء فی الشفعہ للغائب، رقم الحدیث: ۱۳۶۹۔

ابوزبیر تو ابو زبیر ہیں، یہ جملہ اسمیہ ہے، صحیح نسخہ میں ان کے درمیان واؤ نہیں(۱)، پہلا ابوالزبیر مبتدا ہے اور دوسرا خبر ہے، قال سفیان: سفیان نے اشارہ کیا، یقبضھا: ضمیر فاعل سفیان کی طرف لوٹ رہی ہے: سفیان نے اپنے ہاتھ کو بند کر کے، انما یعنی: ضمیر فاعل سفیان کی طرف لوٹ رہی ہے: ان کی مراد یہ ہے، بذلک: اس سے یعنی سفیان کی اپنے ہاتھ کو بند کر کے اشارہ کرنے سے مراد یہ ہے۔

محمد بن مسلم بن تدرس ابوزبیر مکی اسدی رحمہ اللہ

ابوالزبیر محمد بن مسلم بن تدرس اسدی مکی ایک ثقہ راوی ہیں، صحاح ستہ میں ان کی روایتیں منقول ہیں، شعبہ نے ایک دفعہ ان کو دیکھا کہ وہ کوئی چیز تول رہے تھے اور کم تول رہے تھے، اس لیے شعبہ نے انہیں غیر معتبر قرار دے دیا، حالانکہ وہ اپنے لیے کوئی چیز تول رہے تھے، دوسرے کو کم تول کر دینا تو گناہ ہے، مگر اپنے لیے کسی وجہ سے کم تولنا کوئی برا نہیں، لہذا اس وجہ سے انہیں ضعیف قرار دینا اور ان کی روایات کو ترک کر دینا درست نہیں۔

جمہور علماء کے نزدیک ابوزبیر ایک ثقہ اور با اعتماد راوی ہیں، چنانچہ ابن عدی کہتے ہیں کہ امام مالک رحمہ اللہ نے بھی ابو زبیر مکی سے روایات نقل کی ہیں، یہی بات ابوزبیر کے ثقہ اور صادق ہونے کے لیے کافی ہے، کیونکہ امام مالک رحمہ اللہ صرف ثقہ سے ہی روایت کرتے تھے۔(۲)

امام ترمذی رحمہ اللہ نے ابوزبیر کی صداقت، ثقہ اور حافظ حدیث ہونے پر تین بزرگوں کے اقوال ذکر کئے ہیں:

- عطاء بن ابی رباح کہتے ہیں کہ ہم حضرت جابرؓ سے احادیث حاصل کرتے اور پھر انہیں یاد کرتے، تو ابوزبیر ہم میں سب سے زیادہ حدیث کو یاد کرنے والے تھے۔
- عطاء بن ابی رباح حضرت جابر کے حلقہ درس میں ابوزبیر کو آگے بٹھاتے، تاکہ یہ ان کے لیے احادیث کو یاد کرلیں۔
- سفیان بن عیینہ کہتے ہیں کہ ایوب سختیانی کہا کرتے: حدثنی ابوالزبیر، مجھے ابوزبیر نے احادیث بیان کیں۔

حدثنی ابوالزبیر و ابوالزبیر ابوالزبیر، اس جملے میں ابوالزبیر کو تین مرتبہ ذکر کیا گیا ہے، اس میں دوسرے اور تیسرے ابوزبیر سے کیا مراد ہے؟ یہ محض تکرار ہے یا اس کے اور کوئی معنی ہیں؟ اس بارے میں شارحین حدیث کے دو نقطہ نظر ہیں:

۱۔ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ سفیان بن عیینہ، ابوزبیر کے تکرار سے ایوب سختیانی کی روایات اپنی انگلیوں سے شمار کر رہے تھے اور اپنی انگلیوں کو ایک ایک کر کے بند کر رہے تھے، مطلب یہ ہے کہ ابوزبیر سے ایوب سختیانی نے بہت سی روایات نقل کی ہیں، ابوالزبیر کے تکرار سے احادیث کی کثرت کو بیان کیا جا رہا ہے، جو ایوب سختیانی نے ابوزبیر سے نقل کی

---

(۱) تہذیب التہذیب ۷/۱۶ ۴، رقم: ۶۵۴۳، میزان الاعتدال للذہبی ۴/۳۷، ط: بیروت۔

(۲) تہذیب التہذیب ۷/۱۵ ۴، رقم ۶۵۴۳، من اسمہ محمد۔

ہیں۔(۱)

۲۔ عام شارحین فرماتے ہیں کہ روایت میں ابوزبیر کے لفظ کا محض تکرار ہے، پھر اس تکرار سے کیا مراد ہے؟ اس میں دو قول ہیں:

❁ امام ترمذی فرماتے ہیں کہ اس تکرار سے ابوزبیر کی مدح کی جارہی ہے، کہ وہ حفظ واتقان والے ثقہ راوی ہیں، سفیان بن عیینہ نے مٹھی بند کرکے ابوزبیر کے مضبوط راوی ہونے کی طرف اشارہ کیا ہے۔

❁ بعض حضرات یہ کہتے ہیں کہ سفیان بن عیینہ نے ایوب سختیانی کے اس تکرار سے یعنی ابوالزبیر ابوالزبیر کے الفاظ سے ابوزبیر کے ضعف کو سمجھا اور اس کے لیے اپنی انگلیوں کو بند کرکے اشارہ کیا، مگر اس رائے کو دیگر محدثین نے رد کردیا ہے، ائمہ حدیث نے پہلی رائے کو تسلیم کیا کہ الفاظ کے اس تکرار سے ابوزبیر کی تعریف کی گئی ہے، اور اسے ایک عمدہ، با اعتماد اور ثقہ راوی قرار دیا ہے۔(۲)

انما یعنی بذلک الاتقان والحفظ، "یعنی" کی ضمیر فاعل کس طرف لوٹ رہی ہے، اس میں دو احتمال ہیں:

❁ یہ ضمیر سفیان بن عیینہ کی طرف لوٹ رہی ہے اور بذلک سے ان کا اشارہ مراد ہے، مطلب یہ ہے کہ انگلیوں کو بند کرکے سفیان بن عیینہ، ابوزبیر کے حفظ واتقان کو بیان کررہے تھے۔(۳)

❁ ضمیر فاعل ایوب سختیانی کی طرف لوٹ رہی ہے، اور بذلک سے ابوالزبیر کے الفاظ کا تکرار مراد ہے، معنی یہ ہیں کہ ایوب سختیانی نے ابوالزبیر کے الفاظ کا جو تکرار کیا ہے، اس سے ان کی مراد یہ ہے کہ ابوزبیر حفظ واتقان والے ہیں، اس سے ان کی توثیق کو بیان کیا گیا ہے۔

عَنْ عَلِيِّ بنِ عَبْدِ اللهِ، قَالَ: سَأَلْتُ يَحْيَ بنَ سَعِيْدٍ عن حَكِيْمِ بنِ جُبَيْرٍ، قَالَ: تَرَكَهُ شُعْبَةُ مِنْ أَجْلِ هَذَا الْحَدِيْثِ الَّذِي رَوَاهُ فِي الصَّدَقَةِ، يَعْنِي حَدِيْثَ عَبْدِ اللهِ بنِ مَسْعُوْدٍ، عن النبيِّ ﷺ، قَالَ: مَنْ سَأَلَ النَّاسَ وَلَهُ مَا يُغْنِيْهِ، كَانَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ خُمُوشاً فِي وَجْهِهِ، قِيْلَ يَا رَسُوْلَ اللهِ: وَمَا يُغْنِيْهِ؟ قَالَ: خَمْسُوْنَ دِرْهَماً، أَوْ قِيْمَتُهَا مِنَ الذَّهَبِ، قَالَ عَلِيٌّ: قَالَ يَحْيَى: وَقَدْ حَدَّثَ عن حَكِيْمِ بنِ جُبَيْرٍ سُفْيَانُ الثَّوْرِيُّ وَزَائِدَةُ، قَالَ عَلِيٌّ: ولَمْ يَرَ يَحْيَى بِحَدِيْثِهِ بَأْساً۔

عَنْ يحيى بن آدَمَ، عن سفيانَ الثوريِّ عن حكيمِ بنِ جُبيرٍ بحديثِ الصَّدقةِ، قال يحيى بن آدم: فقال عبدُ اللهِ بنُ عثمانَ صاحبُ شعبةَ، لسفيانَ الثوريِّ: لَوْ غيرُ حكيمٍ حدَّثَ بهذا؟ فقال له سفيانُ: وما لِحكيمٍ، لا

(۱) الكوكب الدرى ۴۹۲/۴

(۲) الكوكب الدرى ۴۹۲/۴، تحفة الاحوذى ۴۷۲/۱۰۔

(۳) تحفة الاحوذى ۴۷۲/۱۰

يحدِّثُ عنه شعبةُ؟ قال: نعم، فقال سفيانُ الثوريُّ: سمعتُ زُبيداً يحدِّثُ بهذا، عَن محمدِ بنِ عبدِ الرحمن بن يزيد۔

علی بن عبداللہ مدینی نے یحیی بن سعید سے حکیم بن جبیر کے بارے میں پوچھا: انہوں نے فرمایا: حکیم کو شعبہ نے اس حدیث کی وجہ سے چھوڑ دیا ہے، جو انہوں نے صدقہ کے بارے میں روایت کی ہے، یعنی عبداللہ بن مسعود کی حدیث ہے، جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو لوگوں سے مانگتا ہے، حالانکہ اس کے پاس اتنا مال ہے، جو اسے بے نیاز کرتا ہے، تو وہ سوال قیامت کے دن اس کے چہرے پر خراشیں ہوگا، پوچھا گیا کہ یا رسول اللہ: مال کی وہ مقدار کیا ہے، جو آدمی کو سوال سے بے نیاز کر دیتی ہے؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پچاس درہم یا اس کی قیمت کے بقدر سونا، یحیی بن سعید قطان فرماتے ہیں: حکیم بن جبیر سے سفیان ثوری اور زائدہ روایت کرتے ہیں، علی مدینی فرماتے ہیں کہ یحیی قطان بھی حکیم کی روایت میں کوئی حرج نہیں سمجھتے تھے۔

یحیی بن آدم کہتے ہیں کہ (ایک مرتبہ) سفیان ثوری نے حکیم بن جبیر کی سند سے صدقہ کی حدیث بیان کی، یحیی بن آدم کہتے ہیں: شعبہ کے ایک شاگرد عبداللہ بن عثمان نے سفیان ثوری سے کہا: کاش حکیم کے علاوہ کوئی اور اس حدیث کو روایت کرتا، سفیان ثوری نے ان سے فرمایا: حکیم سے متعلق کیا بات ہے، کیا شعبہ حکیم بن جبیر سے روایت نہیں کرتے؟ عبداللہ بن عثمان نے کہا: جی ہاں (روایت نہیں کرتے) اس پر سفیان ثوری نے (اس حدیث کی دوسری سند بیان کرتے ہوئے) فرمایا: میں نے زبید یامی کو محمد بن عبدالرحمن بن یزید سے یہ حدیث روایت کرتے ہوئے سنا ہے۔

مشکل الفاظ کے معنی: مایغنیه: وہ مال جو اسے سوال سے بے نیاز کر دے، خموش: خمش کی جمع ہے: خراشیں، رگڑ، لو غیر حکیم حدث بهذا: کاش حکیم کے علاوہ کوئی اور اس حدیث کو بیان کرتا۔

حکیم بن جبیر رحمہ اللہ

حکیم بن جبیر ایک ثقہ راوی ہیں یا ضعیف، اس بارے میں علماء جرح وتعدیل کے دونوں طرح کے اقوال ہیں، امام ترمذی نے مذکورہ عبارت میں ذکر کیا ہے کہ حکیم سے سفیان ثوری اور زائدہ روایت کرتے تھے، یحیی بن سعید قطان بھی حکیم کی حدیثوں میں کوئی حرج نہیں سمجھتے تھے، جبکہ بعض دیگر محدثین نے ان کو ضعیف قرار دیا ہے اور ان کی روایات کو منکر کہا ہے، شعبہ بھی حکیم بن جبیر سے روایت نہیں کرتے تھے، روایت نہ کرنے کی وجہ حدیث صدقہ ہے، جس کو حکیم نے نقل کیا ہے، شعبہ کا خیال یہ ہے کہ اس حدیث میں غنا کی جو مقدار پچاس درہم بتائی گئی ہے، یہ مقدار زیادہ ہے، اس میں حکیم نے تصرف اور رد و بدل کیا ہے، حالانکہ ان کا یہ خیال درست نہیں، شعبہ کے شاگرد نے سفیان ثوری سے کہا کہ کیا اچھا ہوتا کہ حدیث صدقہ کی حکیم کے علاوہ اور کوئی سند ہوتی،

کیونکہ شعبہ حکیم سے روایت نہیں کرتے تھے، سفیان ثوری نے حدیث صدقہ کی دوسری سند سنادی کہ میں نے زبید بن حارث یامی کوئی کو محمد بن عبدالرحمن بن یزید سے یہ حدیث روایت کرتے ہوئے سنا ہے۔(۱)

اس تفصیل سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ بعض ائمہ کچھ راویوں کو ضعیف قرار دیتے ہیں، جبکہ بعض دوسرے حضرات انہی راویوں کو ثقہ قرار دیتے ہیں، یوں علماء میں کسی کو ضعیف اور ثقہ قرار دینے میں اختلاف واقع ہوا ہے، اس بارے میں مزید تفصیل پہلے گذر چکی ہے۔

قَالَ أَبُوْ عِيْسٰى: وَمَا ذَكَرْنَا فِي هٰذَا الْكِتَابِ حَدِيْثٌ حَسَنٌ، فَإِنَّمَا أَرَدْنَا حُسْنَ اسناده عندنا، كُلُّ حديثٍ يُرْوٰى، لَا يَكُوْنُ فِي اسناده من يُتَّهَمُ بِالْكَذِبِ، وَلَا يَكُوْنُ الْحَدِيْثُ شَاذًّا، وَيُرْوٰى مِنْ غَيْرِ وَجْهٍ نَحْوُ ذٰلِكَ فَهُوَ عندنا حديث حسن۔

امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ہم نے اس کتاب (ترمذی) میں جو حدیث حسن ذکر کیا ہے، اس سے ہماری مراد یہ ہے کہ اس حدیث کی سند ہمارے نزدیک اچھی اور عمدہ ہے، (لہذا) ہر وہ حدیث جسے روایت کیا جائے، اس کی سند میں ایسا کوئی راوی نہ ہو، جس پر جھوٹ کا الزام ہو، اور وہ حدیث شاذ بھی نہ ہو، اور وہ حدیث ایک سے زیادہ سندوں سے اسی طرح منقول ہو، تو وہ حدیث ہمارے نزدیک حسن ہے۔

امام ترمذی کے نزدیک ''حدیث حسن'' کی ایک مخصوص اصطلاح

جمہور محدثین نے حدیث حسن کی جو تعریف کی ہے، امام ترمذی نے اسے اختیار نہیں کیا، بلکہ انہوں نے حدیث حسن سے متعلق اپنی ایک الگ اصطلاح مقرر کی ہے، چنانچہ امام ترمذی کے نزدیک حدیث حسن میں تین باتوں کا پایا جانا ضروری ہے:

- اس روایت کی سند میں ایسا کوئی راوی نہ ہو، جس پر جھوٹ کا الزام ہو۔
- وہ حدیث شاذ نہ ہو، یعنی وہ حدیث ثقہ راویوں کی روایت کے خلاف نہ ہو۔
- اس حدیث کا مضمون متعدد طرق اور سندوں سے منقول ہو، جن میں کسی راوی پر نہ تو جھوٹ کا الزام ہو اور نہ اس حدیث میں شذوذ ہو۔

امام ترمذی رحمہ اللہ اپنی کتاب ترمذی میں جب کسی حدیث کے بارے میں ھذا حدیث حسن کہتے ہیں تو اس سے ان کی مراد یہی حسن حدیث ہوتی ہے، جس کی انہوں نے اپنی اصطلاح مقرر کی ہے، لیکن اگر وہ یوں کہیں کہ ھذا حدیث حسن صحیح یا حدیث حسن غریب تو اس سے ان کے نزدیک کیا مراد ہوتا ہے، اس کی تفصیل آگے آرہی ہے۔

---

(۱) تھذیب التھذیب ۲/۴۰۶، رقم: ۱۵۲۷، تحفۃ الاحوذی ۳/۳۵۲، کتاب الزکاۃ باب ماجاء من تحل لہ الزکاۃ

امام ترمذی کے نزدیک حدیث حسن صحیح سے کیا مراد ہے

امام ترمذی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب میں بکثرت یہ لفظ استعمال کیا ہے: هذا حدیث حسن صحیح، اس پر اشکال یہ ہوتا ہے کہ علم اصول حدیث کے لحاظ سے حسن اور صحیح دو الگ الگ حدیثیں ہیں، ان کے مفہوم میں فرق ہے بلکہ تضاد ہے، کیونکہ صحیح کی تعریف یہ ہے: مَا رَوَاهُ الْعَادِلُ التَّامُّ الضَّبْطِ مِنْ غَيْرِ انْقِطَاعٍ فِيْ الْإِسْنَادِ وَلَا عِلَّةٍ وَلَا شُذُوْذٍ (حدیث صحیح اسے کہا جاتا ہے، جسے ایک ایسا عادل راوی نقل کرے، جو مکمل ضبط والا ہو، اس کی سند متصل ہو، اس میں کوئی انقطاع نہ ہو، اس میں کوئی علت یعنی پوشیدہ خرابی نہ ہو اور وہ روایت شاذ بھی نہ ہو)

اور حسن وہ حدیث ہے جس کی سند میں کوئی راوی تام الضبط نہ ہو، اسے حدیث اچھی طرح یاد نہ ہو، اور صحیح کی باقی تمام شرطیں اس میں موجود ہوں، یعنی تمام راوی عادل ہوں، سند متصل ہو، سند میں کوئی علت خفیہ نہ ہو اور روایت شاذ بھی نہ ہو، اس سے معلوم ہوا کہ کوئی حدیث ایک ہی وقت میں حسن اور صحیح دونوں نہیں ہو سکتی، پھر امام ترمذی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب میں ان دونوں کو ایک ساتھ کیسے جمع کیا ہے؟

شارحین حدیث نے اس اشکال کے مختلف جواب دیئے ہیں، جن میں سے چند اہم درج ذیل ہیں:

۱۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ امام ترمذی جب کہتے ہیں: هذا حدیث حسن صحیح، تو اس کے دو مطلب ہو سکتے ہیں:

❁ اگر حدیث کی سندیں دو یا اس سے زیادہ ہوں تو پھر اس کا مطلب یہ ہوگا کہ یہ حدیث ایک سند کے اعتبار سے حسن ہے اور دوسری سند کے لحاظ سے یہ صحیح ہے، لیکن یہ جواب درست نہیں، اس لیے کہ امام ترمذی نے اس حدیث کے بعد بھی یہ لکھا ہے جس کی صرف ایک سند ہوتی ہے مثلاً یوں کہتے ہیں: هذا حدیث حسن صحیح و لا نعرف الا من هذا الوجه.

❁ اور اگر حدیث کی صرف ایک ہی سند ہو تو پھر اس کے معنی یہ ہوں گے: بعض حضرات کے نزدیک حسن اور دیگر بعض کے نزدیک یہ صحیح ہے، اس سے معلوم ہوا کہ امام ترمذی رحمہ اللہ گویا ان دو الفاظ کے ذریعہ اس طرف اشارہ کر رہے ہیں کہ اس حدیث کو حسن کہا جائے یا صحیح، اس میں علماء کا اختلاف ہے، یا یہ کہ امام ترمذی کو جزم نہیں، بلکہ شک اور تردد ہے کہ اس حدیث پر کیا حکم لگایا جائے۔

یہ جواب کمزور ہے، کیونکہ امام ترمذی رحمہ اللہ نے بہت سی احادیث کے بارے میں یہ الفاظ استعمال کئے ہیں، اور ان کی شان سے یہ بات بعید ہے کہ انہیں ہر حدیث کے بارے میں شک اور تردد ہو، جس کی وجہ سے وہ حتمی طور پر اس حدیث پر صحیح یا حسن کا حکم نہ لگائیں۔(۱)

۲۔ بعض حضرات فرماتے ہیں کہ یہاں حسن سے حسن لذاتہ اور صحیح سے صحیح لغیرہ مراد ہے، یہ دونوں جمع ہو سکتی ہیں، کیونکہ جو

---

(۱) تیسیر مصطلح الحدیث (ص: ۴۷)

روایت راوی کے ضبط میں نقص کی وجہ سے حسن لذاتہ ہو تو وہ اگر ایک سے زیادہ سندوں سے منقول ہو تو وہ صحیح لغیرہ بن جاتی ہے۔

۳۔ حافظ عماد الدین ابن کثیر فرماتے ہیں کہ امام ترمذی نے "حسن صحیح" ایک مستقل اصطلاح مقرر کی ہے، اس سے مراد وہ حدیث ہے جو صحیح سے ذرا نیچے اور حسن کے درجہ سے اوپر ہو، یہ جواب بھی درست نہیں کیونکہ اس سے تو یہ لازم آتا ہے کہ امام ترمذی کے نزدیک کوئی بھی حدیث صحیح نہ ہو، یہ بات امام ترمذی کی شان سے بہت بعید ہے۔

نیز اس جواب پر یہ اشکال بھی ہوتا ہے کہ امام ترمذی نے بہت سی ان احادیث کو بھی حسن صحیح قرار دیا ہے جو صحیح بخاری اور صحیح مسلم دونوں میں موجود ہیں، جو اس بات کی واضح علامت ہے کہ وہ صحیح کے معیار پر پوری اترتی ہیں، پھر انہیں صحیح کے مقام سے نیچے "حسن صحیح" قرار دینا کیسے درست ہو سکتا ہے اور ہر جگہ امام ترمذی نے صحیح کے ساتھ حسن کی قید بھی لگائی ہے، اس لیے شارحین حدیث نے اس جواب کو ضعیف قرار دیا ہے۔

۴۔ سب سے بہتر جواب علامہ ابن دقیق العید نے دیا ہے: وہ فرماتے ہیں کہ "حدیث حسن صحیح" یہ امام ترمذی کی اپنی اصطلاح ہے، ان کی نظر میں صحیح اور حسن اپنے مفہوم اور تعریف کے لحاظ سے تو جدا جدا ہیں، مگر مصداق یعنی صادق آنے کے اعتبار سے متحد ہیں یعنی اکثر دونوں ایک ہی مقام پر جمع ہو جاتی ہیں، حقیقت میں یہ ادنی اور اعلیٰ درجے کے دو نام ہیں، ادنی درجہ حسن ہے، اور اعلیٰ درجہ صحیح ہے اور یہ اصول ہے کہ ہر اعلیٰ درجہ، ادنی درجہ کو شامل ہوتا ہے، اگر حدیث ضعیف نہ ہو، تو وہ حسن ہے اور اگر اس میں صحیح کی شرائط بھی پائی جائیں تو وہ ساتھ ہی صحیح بھی ہوں گی۔

امام ترمذی رحمہ اللہ جمہور کی طرح راوی کے حافظہ کے نقصان کو حدیث حسن کے لیے شرط قرار نہیں دیتے، یوں امام ترمذی کی حدیث حسن، حدیث صحیح کے قریب قریب ہو جاتی ہے، اس سے معلوم ہوا کہ حسن اور صحیح میں عام خاص کی نسبت ہے، تباین کی نہیں، حسن عام اور صحیح خاص ہے، لہذا جس روایت پر امام ترمذی کی حدیث حسن کی تعریف صادق آ رہی ہو، اگر وہ ساتھ ہی مکمل ضبط والے افراد سے منقول ہو، اور اس میں کوئی علت بھی نہ ہو تو وہ حسن کے ساتھ ساتھ صحیح بھی ہو گی، اور اگر راوی مکمل ضبط والا نہ ہو یا اس روایت میں کوئی علت پائی جا رہی ہو تو ایسی صورت میں وہ حدیث صرف حسن ہو گی، صحیح نہیں ہو گی۔(۱)

وما ذكرنا في هذا الكتابِ حديثٌ غريبٌ، فإنَّ أهلَ الحديثِ يَستغرِبونَ الحديثَ لِمعَانٍ: رُبَّ حديثٍ يكونُ غريباً لا يُروَى إلاَّ من وجوٍ واحدٍ، مثلُ حديثِ حَمَّادِ بنِ سَلَمَةَ عن أبي العُشَرَاءِ، عن أبيه قالَ: قلتُ يا رسولَ اللهِ: أَمَا تكونُ الذَّكَاةُ إلاَّ في الحلْقِ وَ اللَّبَةِ؟ فقالَ: لو طعَنتَ في فخذِها أجزَأَ عَنكَ، فهذا حديثٌ تفرَّدَ بِهِ حمَّادُ بنُ سلمةَ، عن أبي العُشَراءِ، ولا يُعرفُ لأبي العُشَرَاءِ إلاَّ هذا الحديثُ، وَإنْ كانَ هذا الحديثُ عندَ أهلِ العلمِ مَشهُوراً، فإنَّما اشتُهِرَ من حديثِ حَمَّادِ بنِ سلمةَ لا نعرِفُهُ إلاَّ من حديثِهِ، يَعْنِي وَ

---

(۱) العرف الشذی علی جامع الترمذی ۱/۴، ابواب الطهارة، باب ما جاء فی فضل الطهور، فتح الملهم ۱/۸۰، قول الترمذی: حسن صحيح، معارف السنن ۱/۴۳، ابواب الطهارة، باب ما جاء فی فضل الطهور، شرح قول الترمذی: حسن صحيح۔

رُبَّ رَجُلٍ من الأئمة يُحَدِّثُ بالحديثِ، لا يُعْرَفُ إلاّ من حديثه، فيَشْتَهِرُ الحديثُ لِكثرة من رَوِیَ عنه، مثلُ ما روی عبدُ اللهِ بنُ دينارٍ، عن ابنِ عمرَ أنَّ النبی ﷺ نهی عن بیعِ الولاء، وعن هبتِه، لا يُعْرَفُ إلاّ من حديثِ عبدِ اللهِ بن دينارٍ، رواه عنه عبيدُ اللهِ بنُ عُمَرَ و شعبةُ، و سفيانُ الثوریُّ و مالِکُ بنُ انسٍ، و ابْنُ عُيينَةَ، وَ غيرُ واحدٍ مِنَ الأئمةِ، و روی يَحْيی بنُ سُلَيمٍ هٰذَا الْحَدِيثَ، عَنْ عُبَيْدِ اللهِ بنِ عُمَرَ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ فَوَهِمَ فِيهِ يَحْيی بْنُ سُلَيمٍ، والصحيحُ هو عن عُبَيدِ اللهِ بنِ دينارٍ، عَن ابنِ عُمَرَ هٰكَذَا رَوَی عَبْدُ الْوَهَّابِ الثَّقَفِیُّ، وَ عَبْدُاللهِ بْنُ نُمَيرٍ، عَنْ عُبَيدِ اللهِ بن عُمَرَ، عن عبدِ اللهِ بن دينارٍ، عَن ابنِ عُمَرَ، و روی المؤمّلُ هذا الْحَدِيثَ عَنْ شُعْبَةَ، فقال شعبةُ: لو ددتُ أنَّ عبدَ اللهِ بن دينارٍ أذِنَ لی حتی كُنتُ أقُومُ اليه فأُقَبِّلُ رأسَهُ۔

امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ہم نے اس کتاب (ترمذی) میں جو حدیث غریب ذکر کیا ہے تو (جاننا چاہیے کہ) محدثین بہت سے معانی اور وجوہ کی وجہ سے حدیث کو غریب قرار دیتے ہیں:

بعض احادیث اس وجہ سے غریب ہوتی ہیں کہ انہیں ایک ہی سند سے نقل کیا جاتا ہے، جیسے حماد بن سلمہ کی حدیث ابوالعشراء سے، وہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ سے عرض کیا یارسول اللہ! کیا ذبح گلے اور سینہ کے سرے کے درمیانی حصہ میں ہوتا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اگر تو جانور کی ران پر نیزہ مارے (اور اسے زخمی کردے) تو بس تیرے لیے یہی کافی ہے (یعنی ذبح اضطراری ہی کافی ہے) یہ ایک ایسی حدیث ہے جس میں حماد بن سلمہ، ابوالعشراء سے روایت کرنے میں منفرد ہیں اور ابوالعشراء کی اپنے والد سے اس حدیث کے علاوہ اور کوئی روایت معروف نہیں، اگرچہ یہ حدیث محدثین کے ہاں مشہور ہو چکی ہے، اور وہ بھی حماد بن سلمہ کی حدیث سے ہی مشہور ہوئی ہے (کیونکہ) ہم اس حدیث کو حماد کی حدیث (یعنی اس کی سند) سے ہی جانتے ہیں، یعنی بسا اوقات ایک امام کوئی حدیث بیان کرتا ہے، جو صرف اسی کی حدیث یعنی سند سے پہچانی جاتی ہے، پھر وہ حدیث اس وجہ سے مشہور ہو جاتی ہے کہ اس امام سے روایت کرنے والے بہت ہوتے ہیں۔

جیسے وہ روایت ہے جو عبداللہ بن دینار نے عبداللہ بن عمر سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ولاء کے بیچنے اور اسے ہبہ کرنے سے منع فرمایا ہے، یہ ایک ایسی حدیث ہے، جو عبداللہ بن دینار کی حدیث اور سند سے ہی پہچانی جاتی ہے، اس حدیث کو عبیداللہ بن عمر، شعبہ، سفیان ثوری، مالک بن انس، ابن عیینہ اور دیگر بہت سے محدثین نے عبداللہ بن دینار سے ہی روایت کیا ہے۔

اور اس حدیث کو یحیی بن سلیم نے عبیداللہ بن عمر سے، انہوں نے نافع سے اور انہوں نے ابن عمر سے روایت کیا ہے مگر یحیی بن سلیم کو اس سند میں وہم ہوا ہے (یعنی ان سے غلطی ہوئی ہے) اس حدیث کی صحیح سند: عبیداللہ بن عمر، عن

عبداللہ بن دینار، عن عبداللہ بن عمر ہے، اسی طرح عبدالوہاب ثقفی اور عبداللہ بن عمیر نے عبیداللہ بن عمر سے، انہوں نے عبداللہ بن دینار سے اور انہوں نے عبداللہ بن عمر سے اس حدیث کو روایت کیا ہے۔

اور مؤمل نے اس حدیث کو شعبہ سے روایت کیا ہے اور شعبہ کہتے ہیں کہ میری خواہش تھی کہ عبداللہ بن دینار مجھے اجازت دیتے، یہاں تک کہ میں ان کے پاس جاتا اور ان کے سر کو چوم لیتا۔

مشکل الفاظ کے معنی: یستغربون: محدثین غریب قرار دیتے ہیں، اسے حدیث غریب سمجھتے ہیں، لمعان: بہت سے معنی اور وجوہ کی وجہ سے، الذکاۃ: ذبح، الحلق: گلا، اللبۃ: (لام پر زبر اور با پر زبر و تشدید) سینہ اور گردن کے درمیان ہار پہننے کی جگہ، بعض نے اس کا ترجمہ "سینہ کے سرے" سے کیا ہے، لو طعنت: اگر تو نیزہ مارے، فی فخذھا: اس میں ہا ضمیر ذکاۃ کی طرف لوٹ رہی ہے جو لفظ ذکاۃ سے معلوم ہو رہا ہے یعنی اس ذبح ہونے والے جانور کی ران میں، أجزأ عنک: یہ نیزہ مارنا ہی تیرے لیے کافی ہے، اشتھر: (صیغہ مجہول) وہ حدیث مشہور ہوئی، حتی اقوم الیہ: یہاں تک کہ میں عبداللہ بن دینار کے پاس آتا۔

حدیث غریب اور اس کی دو قسمیں

امام ترمذی رحمہ اللہ مذکورہ عبارت سے حدیث غریب سے متعلق کچھ اہم باتیں بیان کر رہے ہیں، ان کی تشریح سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ غریب حدیث کی تعریف اور اس کی دو اقسام ذکر کر دی جائیں، تاکہ یہ مباحث اچھی طرح سمجھی جا سکیں۔

حدیث غریب: ھو ما ینفرد بروایتہ راو واحد، حدیث غریب: اس حدیث کو کہتے ہیں کہ جسے روایت کرنے میں ایک راوی منفرد ہو، یہ انفراد خواہ سند کے تمام طبقات میں ہو یا بعض حصے میں ہو۔

حدیث غریب کے لیے "فرد" کا لفظ بھی استعمال ہوتا ہے، غریب اور فرد دونوں مترادف الفاظ ہیں، البتہ بعض نے ان میں فرق کیا ہے، کہ فرد کا لفظ "فرد مطلق" کے لیے اور غریب کا لفظ "فرد نسبی" کے لیے استعمال ہوتا ہے، پھر اس غریب میں تفرد کس جگہ واقع ہوتا ہے، اس اعتبار سے اس کی دو قسمیں ہیں:

۱۔ غریب مطلق یا فرد مطلق: وہ غریب حدیث جس کی اصل سند یعنی سند کے ابتدائی حصہ میں غرابت ہو، جیسے یہ حدیث: انما الاعمال بالنیات، اس میں حضرت عمر فاروق منفرد ہیں، اور جیسے حماد بن سلمہ کی ابوالعشراء سے روایت ہے، اس میں حماد بن سلمہ ابوالعشراء سے نقل کرنے میں منفرد ہیں، اور جیسے ابن عمر کی حدیث: نھی رسول اللہ ﷺ عن بیع الولاء وعن ھبتہ، اس میں عبداللہ بن دینار، ابن عمر سے روایت کرنے میں اکیلے ہیں۔

۲۔ غریب نسبی یا فرد نسبی: وہ حدیث جس کی سند کے درمیان کوئی راوی منفرد ہو، اگرچہ وہ حدیث حقیقت میں مشہور ہوتی ہے، مگر اس مخصوص راوی کی وجہ سے اس میں انفراد اور غرابت پیدا ہو جاتی ہے، اس لیے اسے غریب نسبی کہا جاتا ہے، جیسے مالک عن الزہری عن انس رضی اللہ عنہ : أن النبی صلی اللہ علیہ وسلم دَخَلَ مَكَّةَ وَعَلَى رَأْسِهِ الْمِغْفَرُ ،

اس میں امام مالک امام زہری سے روایت کرنے میں منفرد ہیں پھر اس غریب نسبی کی مختلف صورتیں ہوتی ہیں، جن کو اصول حدیث کی کتابوں میں دیکھا جا سکتا ہے۔(۱)

سنن ترمذی میں حدیث غریب سے کیا مراد ہوتا ہے

امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے جامع ترمذی میں جہاں حدیث غریب کہا ہے تو اس سے غریب حدیث کے تین معنی میں سے کوئی ایک معنی مراد ہوتے ہیں، کیونکہ محدثین ان معنی کی وجہ سے ہی کسی حدیث کو غریب قرار دیتے ہیں:

۱۔　وہ حدیث جس کی صرف ایک ہی سند ہو، یعنی اس کا مدار ایک ہی راوی پر ہو، اس کے علاوہ اور کوئی اسے روایت نہ کرتا ہو اور پھر وہ روایت اسی راوی کی سند سے ہی مشہور ہوگئی ہو۔

۲۔　بسا اوقات ایک حدیث متعدد طرق سے منقول ہوتی ہے، مگر ان میں سے کسی ایک طریق میں متن کے اندر کسی راوی نے ایسی کوئی زیادتی کی ہوتی ہے جو اور کسی طریق میں موجود نہیں ہوتی، ایسی صورت میں اصل حدیث تو غریب نہیں ہوتی، لیکن جس طریق میں زیادتی پائی جا رہی ہے، اس کو اس زیادتی کی وجہ سے غریب کہہ دیتے ہیں۔

۳۔　ایک حدیث مشہور و معروف ہوتی ہے، اس کے متن کو متعدد صحابہ نے روایت کیا ہوتا ہے اور ان کی سندیں بھی صحیح ہوتی ہیں، مگر وہ ایک سند کی وجہ سے غریب ہو جاتی ہے، وہ اس طرح کہ ایک راوی اس حدیث کو کسی دوسرے ایسے صحابی سے روایت کرتا ہے کہ اس کے علاوہ اور کوئی راوی اس صحابی سے روایت نہیں کرتا، یوں وہ حدیث سند کے اعتبار سے غریب ہو جاتی ہے، متن کے لحاظ سے نہیں۔

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ امام ترمذی رحمہ اللہ جب اپنی کتاب میں ھذا حدیث غریب کہتے ہیں تو اس سے حدیث غریب کی مذکورہ تین قسموں میں سے کوئی ایک قسم مراد ہوتی ہے۔

حدیث غریب کے پہلے معنی اور اس کی پہلی مثال

امام ترمذی رحمہ اللہ نے مذکورہ عبارت میں غریب کے پہلے معنی کی دو مثالیں ذکر کی ہیں، پہلی مثال کی وضاحت درج ذیل ہے:

پہلے معنی یہ ہیں کہ غریب اس حدیث کو کہتے ہیں جس کا مدار صرف ایک ہی راوی پر ہو، اس کے علاوہ کسی اور سے وہ منقول نہ ہو، اگرچہ بعد میں وہ اسی راوی کی سند سے مشہور ہوگئی ہو، اس کی مثال: جیسے حماد بن سلمہ، ابو العشراء سے روایت کرتے ہیں اور وہ

---

(۱)　فتح الملہم ۱/۷۷، ۲۴ اقسام الحدیث الافراد والغرائب، تیسیر مصطلح الحدیث (ص:۲۷) الغریب، شرح النخبۃ (ص:۵۷) مکتبۃ البشریٰ

اپنے والد سے کہ نبی کریم ﷺ سے انہوں نے عرض کیا: یا رسول اللہ: کیا ذبح صرف گلے اور سینہ کے گڑھے سے ہی ہوتا ہے؟ آپ نے جواب دیا کہ اگر تم جانور کی ران پر نیزہ مارو اور اسے زخمی کر دو تو یہ نیزہ مارنا ہی کافی ہوگا، یعنی ذبح اضطراری ہی کافی ہے، اس حدیث میں حماد بن سلمہ، ابو العشراء سے روایت کرنے میں منفرد ہیں، اور ابو العشراء کی اپنے والد سے صرف یہی ایک حدیث معروف ہے، یہ فرد مطلق کی مثال ہے، حماد بن سلمہ حدیث کے بڑے امام ہیں، وہ اس روایت میں منفرد ہیں، اس حدیث کی سند ان کے بغیر منقول نہیں، سند کے ابتدائی حصہ میں یہ حدیث غریب ہے، بعد میں اہل علم کے ہاں یہ روایت مشہور ہوگئی، چنانچہ حماد بن سلمہ سے بہت سے حضرات نے یہ روایت نقل کی ہے مثلاً عفان، ہدبہ بن خالد، ابراہیم بن حجاج اور حوثرہ بن اشرس نے، اس لیے یہ روایت حماد کی سند سے مشہور ہوگئی۔

اس حدیث سے متعلق چند فوائد: ا۔ شکاری جانور یا وہ پالتو جانور جسے ذبح کے عام طریقے کے مطابق ذبح کرنا ممکن نہ ہو تو ایسی صورت میں ذبح اضطراری جائز ہوتا ہے یعنی تیز دھار والے آلے سے، یا کلاشنکوف کی نوک دار گولی سے، اسے بسم اللہ پڑھ کر مار دیا جائے، تو پھر وہ جانور حلال ہو جاتا ہے، ۲۔ ابو العشراء کا نام کیا ہے؟ امام ترمذی فرماتے ہیں کہ اس میں علماء کے مختلف اقوال ہیں: (۱) اسامہ بن قھطم (۲) یسار بن برز (۳) صاحب مشکاۃ فرماتے ہیں کہ ان کا مشہور نام یہ ہے: اسامہ بن مالک دارمی (۱)

غریب کے پہلے معنیٰ کی دوسری مثال

غریب کے پہلے معنیٰ کی دوسری مثال: عن عبد اللہ بن دینار عن عبد اللہ ابن عمر ان رسول اللہ ﷺ نھی عن بیع الولاء وعن ھبتہ، اس حدیث میں عبد اللہ بن دینار منفرد ہیں، ابن عمر سے ان کے علاوہ کسی اور نے اس حدیث کو روایت نہیں کیا، یوں یہ روایت بھی ابتدائی سند میں غریب ہے، بعد میں یہ روایت عبد اللہ بن دینار کی سند سے ہی مشہور ہوگئی، چنانچہ عبد اللہ بن دینار سے عبید اللہ بن عمر، شعبہ، سفیان ثوری، مالک بن انس، ابن عیینہ اور دیگر بہت سے محدثین نے اس روایت کو نقل کیا ہے۔

یحیی بن سلیم نے اس حدیث کی سند میں غلطی کی ہے، انہوں نے عبد اللہ بن دینار کی جگہ نافع کا ذکر کیا ہے، یہ صحیح نہیں، صحیح سند میں عبد اللہ بن دینار عن ابن عمر ہی ہے، چنانچہ عبد اللہ ثقفی اور عبد اللہ بن نمیر نے اس روایت کو عبید اللہ بن عمر، عن عبد اللہ بن دینار، عن عبد اللہ بن عمر کی سند سے ہی روایت کیا ہے، امام ترمذی نے اس حدیث کو کتاب البیوع میں ذکر کیا ہے۔(۲)

اس روایت کو ابن عمر سے عبد اللہ بن دینار ہی نقل کرتے ہیں اس کی مزید تائید کے لیے امام ترمذی فرماتے ہیں کہ مؤمل نے شعبہ سے یہ روایت بیان کی تو شعبہ نے کہا کہ میری خواہش ہے کہ عبد اللہ بن دینار مجھے اجازت دیتے تو میں ان کے پاس جا کر

---

(۱) تحفة الاحوذی ۳۱/۵، کتاب الأطعمة، باب ما جاء فی الزکاة فی الحلق واللبة، رقم: ۱۴۸۱، مرقاة المفاتیح ۱۹/۸، کتاب الصید والذبائح رقم الحدیث: ۴۰۸۲، الفصل الثانی

(۲) تحفة الاحوذی ۴۹۵/۴، کتاب البیوع باب ما جاء فی کراھیة بیع الولاء وھبته

ان کا سر چوم لیتا، یہ بات شعبہ نے عبداللہ بن دینار کے ادب و احترام کے طور پر کہی ہے، کیونکہ اس حدیث کا مدار عبداللہ بن دینار پر ہے، انہی سے یہ روایت مشہور ہوئی ہے، ان کے علاوہ اور کوئی راوی ابن عمرؓ سے یہ حدیث روایت نہیں کرتا، اس سے معلوم ہوا کہ ابن عمر سے اس حدیث کو روایت کرنے والے نافع نہیں بلکہ عبداللہ بن دینار ہی ہیں، یحیی بن سلیم نے اس مقام پر جو نافع کا ذکر کیا ہے، اسے جمہور محدثین نے وہم اور غلطی قرار دیا ہے۔

حق ولاء کو بیچنا یا اسے ہبہ کرنا جائز نہیں

''ولاء'' کے معنی ہیں: ''آزاد کردہ غلام کی میراث کا حق'' لہذا اگر کسی نے کوئی غلام آزاد کیا، تو اب جب وہ مرے گا، تو اس کی میراث کا حق پہلے تو ذوی الفروض اور اس کے عصبہ کو ملے گا، وہ نہ ہوں تو اس کی ساری میراث آزاد کرنے والے آدمی کو ملے گی، اس میراث پانے کے حق کو ہی ''ولاء'' کہا جاتا ہے، اب اگر یہ چاہے کہ وہ اس حق ولاء کو کسی کے ہاتھ فروخت کر دے یا کسی کو ہبہ کر دے، تو یہ جائز نہیں، کیونکہ حضرت عبداللہ بن عمر کی مذکورہ روایت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حق کو بیچنے یا ہبہ کرنے سے منع کیا ہے، کیونکہ ولاء کوئی مال نہیں کہ اسے بیچا یا ہبہ کیا جا سکے، تمام ائمہ اور علماء کا اس پر اتفاق ہے۔(۱)

قَالَ اَبُوْ عِیْسٰی: وَ رُبَّ حدیثٍ اِنَّما یُستغربُ لزیادةٍ تَکُوْنُ فِی الْحَدِیْثِ، و انما یَصِحُّ اذا کانتِ الزیادةُ ممن یُعتمدُ علی حفظِہ مثلُ مَا رَوٰی مالکُ بنُ انسٍ، عَنِ نافعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ: فرضَ رسولُ اللہِ صلی اللہ علیہ وسلم زکاةَ الفطرِ من رمضانَ علی کُلِّ حُرٍّ أو عبدٍ، ذکرٍ أو أُنثیٰ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ، صَاعاً من تمرٍ، أو صاعاً من شعیرٍ، قال: و زادَ مالکٌ فی ھذا الحدیث: مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ، و روی أیُّوبُ السِّختیانیُّ، و عبیدُ اللہِ بنُ عمرَ، و غیرُ واحدٍ مِنَ الائمةِ ھٰذَا الْحَدِیْثَ، عن نافعٍ، عن ابنِ عمرَ، و لَمْ یَذْکُرُوْا فِیْہِ: مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ، وَ قَدْ رَوٰی بَعْضُھُمْ، عن نافعٍ مثلَ روایةِ مالکٍ ممنْ لا یُعتمدُ علی حفظِہ، و قد أخذ غیرُ واحدٍ من الائمةِ بحدیثِ مالکٍ، واحتجُّوا بہ، منھم الشافعیُّ و أحمدُ بنُ حنبلٍ، قالَا: اذا کانَ للرَّجُلِ عبیدٌ غیرُ مسلمین، لم یُؤَدِّ عنھم صَدَقَةَ الْفِطْرِ، و احتجَّا بحدیثِ مالکٍ، فَإِذَا زادَ حافظٌ ممنْ یُعتمدُ علی حفظِہ قُبِلَ ذلکَ عنہ.

امام ترمذی فرماتے ہیں: اور بعض احادیث کو اس زیادتی اور اضافہ کی وجہ سے غریب قرار دیا جاتا ہے، جو زیادتی کہ حدیث میں ہوتی ہے، اور یہ زیادتی درست ہوتی ہے جب وہ کسی ایسے راوی کی طرف سے ہو، جس کے حفظ پر اعتماد کیا جاتا ہو جیسے وہ حدیث جسے امام مالک بن انس نے نافع سے اور انہوں نے ابن عمر سے روایت کیا ہے، ابن عمر فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان کے روزے ختم ہونے کا صدقہ مقرر کیا ہر آزاد یا غلام پر، مذکر اور مؤنث پر، جو

(۱) مرقاة المفاتیح ۶/۸۸، کتاب البیوع، باب: من ابتاع نخلا، رقم الحدیث: ۲۸۷۸

مسلمان ہوں، کھجور یا جو کا ایک صاع، امام ترمذی فرماتے ہیں کہ امام مالک نے اس حدیث میں "من المسلمین" کا اضافہ کیا ہے، جبکہ ایوب سختیانی، عبید اللہ بن عمر اور دیگر بہت سے حدیث کے اماموں نے اس حدیث کو نافع عن ابن عمر کی سند سے ہی روایت کیا ہے، انہوں نے اس حدیث میں من المسلمین کا ذکر نہیں کیا، اور بعض راویوں نے اس حدیث کو نافع سے امام مالک کی طرح (اضافے کے ساتھ) روایت کیا ہے، مگر وہ ایسے راویوں میں سے، ہیں جن کی یادداشت پر اعتماد نہیں کیا جاتا، اور بہت سے ائمہ مجتہدین نے امام مالک کی حدیث کو اختیار کیا ہے اور اس سے استدلال (بھی) کیا ہے، ان میں سے امام شافعی اور امام احمد بن حنبل ہیں، یہ دونوں حضرات فرماتے ہیں: جب کسی مسلمان کے پاس غیر مسلم غلام ہوں، تو وہ ان کی طرف سے صدقہ فطر ادا نہیں کرے گا اور ان دونوں نے امام مالک کی حدیث سے استدلال کیا ہے، لہذا جب کوئی ایسا حافظ حدیث اضافہ کرے، جس کی یادداشت پر بھروسہ کیا جاتا ہو، تو اس کی اس زیادتی کو قبول کرلیا جائے گا۔

مشکل الفاظ کے معنی: فرض: مقرر کیا، لازم کیا، صاع: غلہ ناپنے کا ایک پیمانہ، قبل ذلک منه: (صیغہ مجہول) حافظ کی اس زیادتی کو قبول کرلیا جائے گا۔

غریب کے دوسرے معنی اور اس کی مثال

امام ترمذی رحمہ اللہ نے مذکورہ عبارت میں غریب حدیث کے دوسرے معنی بیان کئے ہیں کہ بعض دفعہ ایک حدیث مشہور ہوتی ہے، لیکن اس کے متن میں کوئی ثقہ آدمی ایسا اضافہ کر دیتا ہے، جو کسی اور طریق میں موجود نہیں ہوتا، اس وجہ سے اس حدیث کو غریب قرار دے دیا جاتا ہے، جیسے امام مالک نے صدقہ فطر سے متعلق مذکورہ حدیث میں "من المسلمین" کا اضافہ کیا ہے، جبکہ اس حدیث کے دیگر راوی مثلاً ایوب سختیانی اور عبید اللہ بن عمر وغیرہ نے اس میں یہ اضافہ ذکر نہیں کیا، ہاں بعض حضرات نے امام مالک کی طرح اس حدیث میں اضافہ روایت کیا ہے، مگر امام ترمذی فرماتے ہیں کہ وہ ایسے راوی ہیں، جن کے حفظ اور یادداشت پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا۔

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ امام ترمذی کی یہ بات درست نہیں، امام مالک "من المسلمین" کے اضافہ میں منفرد نہیں بلکہ ان کے ساتھ دو ثقہ راوی بھی اس اضافے میں موافقت رکھتے ہیں: (۱) ضحاک بن عمر، ان کی روایت صحیح مسلم میں ہے، (۲) عمر بن نافع، ان کی روایت صحیح بخاری میں ہے۔(۱)

---

(۱) شرح مسلم للنووی، کتاب الزکاۃ، باب زکاۃ الفطر علی المسلمین من التمر والشعیر، تحفۃ الاحوذی ۲۹۷/۳، کتاب الزکاۃ، باب ما جاء فی صدقۃ الفطر۔

حدیث میں ثقہ کی زیادتی کا حکم

امام ترمذی رحمہ اللہ نے اس عبارت میں حدیث میں زیادتی اور اضافے کا حکم بیان کیا ہے کہ حدیث کے متن میں یہ زیادتی جب کسی ایسے راوی کی طرف سے ہو، جس کے حفظ اور یادداشت پر محدثین اعتماد کرتے ہوں، تو اس کی زیادتی کو قبول کرلیا جائے گا اور امام مالک چونکہ ایک نہایت ثقہ اور حافظ الحدیث راوی ہیں، اس لیے ان کے اس اضافے کو قبول کرلیا گیا ہے، جمہور علماء کا بھی یہی موقف ہے، اس شرط کے ساتھ کہ وہ زیادتی دیگر ثقہ راویوں کی حدیث کے مخالف نہ ہو، ورنہ اسے رد کردیا جائے گا۔ (۱)

کیا کافر غلام کا صدقہ فطر آقا پر لازم ہوتا ہے

ترمذی کی روایت میں ''من المسلمین'' کے لفظ سے استدلال کر کے ائمہ ثلاثہ یہ فرماتے ہیں کہ صدقہ فطر صرف مسلمان غلاموں کا ان کے آقا پر واجب ہوتا ہے، کافر غلاموں کی طرف سے نہیں، جبکہ احناف کے نزدیک کافر غلام کا صدقہ فطر دینا بھی آقا پر لازم ہے۔

احناف کا استدلال نبی کریم ﷺ کے ارشاد: لیس علی المسلم فی عبدہ صدقۃ الا صدقۃ الفطر کے عموم سے ہے، اس میں کافر اور مسلمان دونوں طرح کے غلام داخل ہیں، اس کی مزید تائید ائمہ ثلاثہ کی حدیث کے راوی عبداللہ بن عمر کے عمل سے بھی ہوتی ہے، وہ اپنے مسلمان اور کافر دونوں قسم کے غلاموں کی طرف سے صدقہ فطر دیتے تھے اور حدیث کا راوی اس حدیث کے مفہوم کو خود اچھی طرح جانتا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ کافر غلام کی طرف سے بھی اس کے آقا پر صدقہ فطر دینا ضروری ہوتا ہے۔ (۲)

احناف نے ائمہ ثلاثہ کے استدلال کا یہ جواب دیا ہے کہ حدیث میں ''من المسلمین'' کے الفاظ کا تعلق غلاموں کے ساتھ نہیں، بلکہ اس کا تعلق ''فرض'' کے ساتھ ہے، اصل عبارت یوں ہو جائے گی: فَرَضَ عَلَى النَّاسِ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ، یعنی نبی کریم ﷺ نے صدقہ فطر مسلمانوں پر واجب کیا ہے، کافروں پر نہیں۔ (۳)

وَرُبَّ حَدِيْثٍ يُرْوٰى مِنْ أَوْجُهٍ كَثِيْرَةٍ، وَإِنَّمَا يُسْتَغْرَبُ لِحَالِ الْإِسْنَادِ، حدثنا أبو كُريب وأبو هشام

---

(۱) فتح الملہم ۱/۲۶ زیادات الثقات۔

(۲) فتح الباری ۳/۴۷۲، ۴۷۳، کتاب الزکاۃ باب صدقۃ الفطر علی العبد وغیرہ من المسلمین

(۳) معارف السنن ۵/۳۱۲، أبواب الزکاۃ، باب ماجاء فی صدقۃ الفطر، شرح مشکل الآثار للامام الطحاوی ۶/۳۲، باب بیان مشکل ماروی عن رسول اللہ ﷺ من قولہ: لیس علی المسلم فی عبدہ ولا فی فرسہ صدقۃ۔ (الشاملۃ)

الرِّفَاعِيُ، وَأَبُو السَّائِبِ، والحسينُ بنُ الأسودِ، قالوا: أخبرنا أبو أسامةَ عن بُريدِ بنِ عبدِ اللّٰهِ بنِ أبي بُرْدَةَ، عن جدهِ أبي بُرْدَةَ، عَنْ أبي موسى، عن النبيِّ ﷺ قالَ: الكافِرُ يأكلُ في سبعةِ أمعاءٍ والمؤمِنُ يأكُلُ في معيٍ واحدٍ، هذا حديثٌ غريبٌ من هذا الوجهِ من قِبلِ إسنادِه، وقد رُوِيَ هذا الحديثُ من غيرِ وجهٍ عن النبيِّ ﷺ، وإنما يُستغرَبُ من حديثِ أبي موسى، سألتُ محمودَ بنَ غَيلانَ عن هذا الحديثِ، فقالَ: هذا حديثُ أبي كريبٍ عن أبي أسامةَ، وسألتُ محمدَ بنَ اسماعيلَ عن هذا الحديثِ، فقالَ: هذا حديثُ أبي كريبٍ عن أبي أسامةَ، ولَمْ نعرفْهُ إلاّ مِن حديثِ أبي كريبٍ، عَنْ أبي أسامةَ، فقلتُ لَهُ: حدثنا غيرُ واحدٍ عن أبي أسامةَ بهذا فَجَعَلَ يَتَعَجَّبُ، وقالَ: ما علمتُ أنَّ أحداً حَدَّثَ بهذا غيرَ أبي كريبٍ، قال محمدٌ: وَكُنَّا نرى أن أبا كُرَيْبٍ أَخَذَ هَذَا الْحديثَ عَنْ أبي أسامةَ فِي الْمُذَاكَرَةِ۔

بعض دفعہ کوئی حدیث بہت سی سندوں سے منقول ہوتی ہے مگر وہ سند کی کسی خاص حالت کی وجہ سے غریب قرار دے دی جاتی ہے، (امام ترمذی فرماتے ہیں) ہمیں ابوکریب، ابوہشام رفاعی، ابوسائب اور حسین بن اسود نے حدیث بیان کی، یہ کہتے ہیں کہ ہمیں، ابواسامہ نے برید بن عبداللہ سے روایت بیان کی، انہوں نے اپنے دادا ابوبردہ سے اور انہوں نے حضرت ابوموسیٰ اشعری سے روایت کی کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: کافر سات آنتوں میں کھاتا ہے اور مؤمن ایک ہی آنت میں کھاتا ہے۔

امام ترمذی فرماتے ہیں: یہ حدیث اس سند سے اپنی سند کی جانب سے ہی غریب ہے، حالانکہ یہ حدیث نبی کریم ﷺ سے بہت سی سندوں سے روایت کی گئی ہے، مگر ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی حدیث یعنی سند سے اسے غریب سمجھا جاتا ہے، امام ترمذی فرماتے ہیں: میں نے محمود بن غیلان سے اس حدیث کے بارے میں پوچھا (کہ کیا اس کی اور بھی کوئی سند ہے)؟ انہوں نے فرمایا: یہ ابوکریب کی ابواسامہ سے روایت ہے (یعنی اس کی اور کوئی سند نہیں) (امام ترمذی فرماتے ہیں) میں نے محمد بن اسماعیل یعنی امام بخاری سے اس حدیث کے بارے میں پوچھا (کہ کیا اس کی اور کوئی سند ہے؟) تو انہوں نے فرمایا: یہ ابوکریب کی حدیث ہے ابواسامہ سے، اور ہم اس حدیث کو ابوکریب عن ابی اسامہ کی سند سے ہی جانتے ہیں، (امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں) پھر میں نے امام بخاری سے عرض کیا: ہم سے بہت سے حضرات نے ابواسامہ سے روایت کرتے ہوئے یہ حدیث بیان کی ہے، اس پر امام بخاری تعجب اور حیرت میں پڑ گئے اور فرمایا: میں نہیں جانتا کہ اس حدیث کو ابوکریب کے علاوہ کسی اور نے اس سند کے ساتھ روایت کیا ہو اور محمد یعنی امام بخاری نے یہ بھی فرمایا کہ ابوکریب نے یہ حدیث ابواسامہ سے مذاکرہ یعنی احادیث یاد کرنے کے وقت میں لی ہے (باقاعدہ سبق میں نہیں لی)۔

مشکل الفاظ کے معنی: أمعاء: معیٰ کی جمع ہے: آنتیں، من هذا الوجه: اس سند سے، اس طریق سے، من قبل اسناده:

(قاف کے نیچے زیر اور یا پر زبر) طرف، جانب، جہت: اپنی سند کی جانب سے، اپنی سند کے لحاظ سے، من غیر وجہ: متعدد طرق سے، بہت سی سندوں سے، من حدیث ابی موسی: ابوموسیٰ اشعری کی سند سے، و لم نعرفہ: اور ہم اس حدیث کو نہیں پہچانتے، فجعل یتعجب: اس پر امام بخاری تعجب کرنے لگے، ورطۂ حیرت میں پڑ گئے، و کنا نری: نری کو معروف اور مجہول دونوں طرح پڑھا جا سکتا ہے: (۱) اگر معروف پڑھیں تو ترجمہ یوں ہوگا: ہم یقین کرتے ہیں، ہمارا یقین ہے کہ یہ۔ (۲) مجہول کی صورت میں یہ ظن کے معنی میں ہوگا: یعنی ہمارا خیال ہے، مذاکرہ: سبق یاد کرنا، اسے دہرانا اور تکرار کرنا، مطالعہ کرنا۔

امام ترمذی کے نزدیک غریب کے تیسرے معنیٰ اور اس کی پہلی مثال

حدیث غریب کے تیسرے معنیٰ: امام ترمذی فرماتے ہیں کہ بسا اوقات ایک حدیث متعدد طرق سے بہت سے صحابہ سے روایت کی جاتی ہے، اور اس کا متن مشہور ہوتا ہے، مگر سند کی ایک خاص حالت کی وجہ سے اسے غریب قرار دے دیا جاتا ہے، وہ خاص حالت یہ ہے کہ ایک راوی اس حدیث کو کسی دوسرے ایسے صحابی سے روایت کر دیتا ہے کہ اس کے علاوہ اور کوئی راوی اس صحابی سے وہ حدیث روایت نہیں کرتا، سند کی اس مخصوص حالت کی وجہ سے امام ترمذی اس حدیث کو سند کے لحاظ سے غریب کہتے ہیں، متن کے لحاظ سے وہ حدیث غریب نہیں ہوتی، کیونکہ اس کا متن تو متعدد طرق سے منقول ہونے کی وجہ سے مشہور ہوتا ہے، چنانچہ امام ترمذی رحمہ اللہ اس بات کو بیان کرنے کے لیے حدیث کے بعد یوں لکھتے ہیں: "غریب من ھذا الوجہ" اور کبھی اس کے ساتھ یہ بھی لکھ دیتے ہیں: من قبل اسنادہ، جیسا کہ مذکورہ عبارت میں اسی طرح لکھا ہے یعنی ھذا حدیث غریب من ھذا الوجہ من قبل اسنادہ، امام ترمذی اس جملے سے غریب کے یہی تیسرے معنیٰ مراد لیتے ہیں۔

امام ترمذی نے اس کی مثال یہ دی ہے: عن أبی موسی الاشعری ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال: الکافر یأکل فی سبعة أمعاء والمؤمن یأکل فی معی واحد، یہ روایت نبی کریم ﷺ سے عبداللہ بن عمر، ابوہریرہ، ابوسعید خدری، ابوبصرہ غفاری، جہجاہ غفاری، میمونہ، اور حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص نے روایت کی ہے، ان کی روایات صحیح سندوں سے منقول ہیں۔ (۱) مگر ابوبردہ نے جو ابوموسیٰ اشعری کی سند سے حدیث بیان کی ہے، یہ سند غریب ہے، اس کی اور کوئی سند نہیں ہے، اس سند میں ابوکریب، ابواسامہ سے روایت کرنے میں منفرد ہیں، چنانچہ یہ حدیث ابوکریب عن ابی اسامہ سے ہی پہچانی جاتی ہے، امام ترمذی نے محمود بن غیلان اور امام بخاری سے اس حدیث کی سند کے بارے میں پوچھا کہ اس کی اور کوئی سند ہے، ان دونوں حضرات نے یہی جواب دیا کہ یہ حدیث ابوکریب عن ابی اسامہ سے ہے، اس کی اور کوئی سند نہیں، امام ترمذی نے امام بخاری سے عرض کیا کہ ہم سے ابوکریب کے علاوہ ابوہشام رفاعی، ابوسائب اور حسن بن اسود بھی ابواسامہ سے روایت کرتے ہیں، یہ بات سن کر امام بخاری بڑے حیران ہوئے اور فرمایا کہ میرے علم کے مطابق ابواسامہ سے ابوکریب کے علاوہ کسی اور نے اس سند کے ساتھ اس

حدیث کو بیان نہیں کیا اور ابو کریب نے بھی ابو اسامہ سے باقاعدہ درس میں بیٹھ کر یہ حدیث حاصل نہیں کی، بلکہ ابو اسامہ جب اس سے مذاکرہ کر رہے تھے، اسے یاد کرنے کے لیے بار بار پڑھ رہے تھے، اس وقت ابو کریب نے ان سے یہ حدیث حاصل کی ہے، اس لیے اس حدیث کی اور کوئی سند نہیں ہے۔(۱)

لہٰذا یہ حدیث ابو موسیٰ کی سند سے غریب ہے، اس کا متن غریب نہیں ہے، جبکہ اس کے دیگر تمام طرق صحیح ہیں، اسی وجہ سے امام ترمذی نے اس حدیث کے بعد لکھا ہے: هذا حديث غريب من هذا الوجه من قبل اسناده۔

حضرت ابو موسیٰ اشعری کی حدیث سے متعلق مزید تفصیل کے لیے دیکھیے: معارف ترمذی جلد اوّل، ابواب الاطعمة، باب ما جاء ان المؤمن ياكل في معى واحد۔

حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ أَبِي زِيَادٍ وَغَيْرُ وَاحِدٍ، قَالُوا: أَخْبَرَنَا شَبَابَةُ بْنُ سَوَّارٍ، أَخْبَرَنَا شُعْبَةُ، عَنْ بُكَيْرِ بْنِ عَطَاءِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ يَعْمَرَ: أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ نَهَى عَنِ الدُّبَّاءِ وَالْمُزَفَّتِ، هٰذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ مِنْ قِبَلِ إِسْنَادِهِ، لَا نَعْلَمُ أَحَدًا حَدَّثَ بِهِ عَنْ شُعْبَةَ غَيْرَ شَبَابَةَ، وَقَدْ رُوِيَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ مِنْ أَوْجُهٍ كَثِيرَةٍ أَنَّهُ نَهَى أَنْ يُنْتَبَذَ فِي الدُّبَّاءِ وَالْمُزَفَّتِ، وَحَدِيثُ شَبَابَةَ إِنَّمَا يُسْتَغْرَبُ لِأَنَّهُ تَفَرَّدَ بِهِ عَنْ شُعْبَةَ، وَقَدْ رَوَى شُعْبَةُ، وَسُفْيَانُ الثَّوْرِيُّ بِهٰذَا الْإِسْنَادِ، عَنْ بُكَيْرِ بْنِ عَطَاءٍ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ يَعْمَرَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ: الْحَجُّ عَرَفَةُ، فَهٰذَا الْحَدِيثُ الْمَعْرُوفُ، صَحَّ عِنْدَ أَهْلِ الْحَدِيثِ بِهٰذَا الْإِسْنَادِ۔

امام ترمذی فرماتے ہیں: ہم سے عبداللہ بن ابی زیاد اور بہت سے لوگوں نے حدیث بیان کی، یہ کہتے ہیں کہ ہم سے شبابہ بن سوار نے بکیر بن عطاء سے روایت بیان کی، انہوں نے عبدالرحمن بن یعمر سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کدو کے برتن اور اس مٹکے کے استعمال سے منع فرمایا، جس پر تارکول نما تیل ملا گیا ہو، امام ترمذی فرماتے ہیں: یہ حدیث اپنی سند کی جانب سے غریب ہے، ہم کسی ایسے راوی کو نہیں جانتے، جس نے اس حدیث کو شبابہ کے علاوہ شعبہ سے روایت کیا ہو، حالانکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کدو کے تونبے اور تارکول نما تیل لگے ہوئے مٹکے میں نبیذ بنانے سے منع کیا ہے، اور شبابہ کی حدیث صرف اس وجہ سے غریب قرار دی گئی ہے کہ شبابہ، شعبہ سے روایت کرنے میں اکیلے ہیں، اور شعبہ اور سفیان ثوری اس سند سے یعنی عن بکیر بن عطاء، عن عبدالرحمن بن یعمر، عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ حدیث روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: حج تو عرفہ ہی (کا نام) ہے، یہ مشہور حدیث محدثین کے نزدیک اس سند کے ساتھ زیادہ صحیح ہے۔

مشکل الفاظ کے معنی: الدباء: (دال پر پیش اور تشدید، باء پر زبر اور تشدید) کدو کو خشک کر کے اور اس میں سے گودہ نکال کر جو برتن بنایا جاتا ہے، اسے دباء کہتے ہیں، یہ برتن چونکہ قدرتی طور پر موسمی اثرات سے محفوظ ہوتا ہے اور اس کے مسام کم ہوتے ہیں،

---

(۱) تحفۃ الاحوذی ۱۰/۲۷۹۔

اس لیے اس میں جلد ہی نشہ پیدا ہو جاتا ہے، مزفت: (میم پر پیش، زا پر زبر اور فا پر زبر و تشدید) وہ مٹکا، جس پر تارکول نما تیل ملا جاتا ہے، تا کہ اس کے مسام بند ہو جائیں، ینتبذ: (صیغہ مجہول) نبیذ بنایا جائے، بھذا الاسناد عن بکیر بن عطاء، عن عبدالرحمن بن یعمر: اس عبارت میں "بھذا الاسناد" مبدل منہ ہے، اور عن بکیر سے یعمر تک اس سے بدل ہے، لہذا بھذا الاسناد سے یہی سند یعنی عن بکیر بن عطاء، عن عبدالرحمن بن یعمر ہی مراد ہے، اصح عند اھل الحدیث بھذا الاسناد: یہاں بھی بھذا الاسناد سے عن بکیر بن عطاء، عن عبدالرحمن بن یعمر مراد ہے۔

غریب کے تیسرے معنی کی دوسری مثال

مذکورہ عبارت میں امام ترمذی رحمہ اللہ نے غریب کے تیسرے معنی کی دوسری مثال ذکر کی ہے: نھی عن الدباء و المزفت، اسے بکیر بن عطاء نے حضرت عبدالرحمن بن یعمر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، بکیر سے شعبہ نے اور پھر شعبہ سے شبابہ بن سوار نے روایت کیا ہے، اس حدیث کا مضمون نبی کریم ﷺ سے بہت سے صحابہ کرام نے نقل کیا ہے، جن کے نام امام ترمذی نے ابواب الاشربة، باب ما جاء فی کراھیة ان ینتبذ فی الدباء میں ذکر کئے ہیں: حضرت عمر، علی، عبداللہ بن عباس، ابوسعید خدری، ابوہریرہ، سمرہ، انس، عائشہ، عمران بن حصین، عائذ بن عمرو، حکم غفاری اور حضرت میمونہ رضی اللہ عنہم۔

مگر عبدالرحمن بن یعمر کی مذکورہ حدیث کی سند میں شبابہ بن سوار چونکہ شعبہ سے روایت کرنے میں تنہا ہیں، ان کا اور کوئی متابع نہیں، اس لیے اس سند کو غریب قرار دیا گیا ہے اور مجازاً حدیث کو بھی غریب کہہ دیا جاتا ہے، اگر شبابہ کا اس میں کوئی متابع ہوتا تو پھر یہ حدیث غریب نہ سمجھی جاتی، جیسے ایک اور حدیث: الحج عرفة، عن بکیر بن عطاء عن عبدالرحمن بن یعمر کی سند سے منقول ہے، اور بکیر سے روایت کرنے والے دو حضرات ہیں: شعبہ اور سفیان ثوری، اس وجہ سے محدثین نے اس سند کو صحیح قرار دیا ہے، اور مذکورہ حدیث کو شعبہ سے شبابہ کے تفرد کی وجہ سے غریب قرار دیا گیا ہے۔

حدیث کی مزید تفصیل کے لیے دیکھیے: معارف ترمذی جلد اوّل، ابواب الاشربة، باب ما جاء فی کراھیة ان ینبذ فی الدباء۔

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ، حَدَّثَنَا مُعَاذُ بْنُ هِشَامٍ، حدثنی أبی، عن يَحْيَى بْنِ أَبِي كَثِيرٍ، قَالَ: حدثنی أَبُو مُزَاحِمٍ أَنَّهُ سَمِعَ أَبَا هُرَيْرَةَ يَقُولُ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: مَنْ تَبِعَ جَنَازَةً، فَصَلَّى عَلَيْهَا، فَلَهُ قِيرَاطٌ، وَمَنْ تَبِعَهَا حَتَّى يُقْضَى قَضَاؤُهَا، فَلَهُ قِيرَاطَانِ، قَالُوا: يَا رَسُولَ اللَّهِ: مَا الْقِيرَاطَانِ؟ قَالَ: أَصْغَرُهُمَا مِثْلُ أُحُدٍ، حدثنا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ، أخبرنا مَرْوَانُ بْنُ مُحَمَّدٍ، عَنْ مُعَاوِيَةَ بْنِ سَلَّامٍ، حدثنی يَحْيَى بْنُ أَبِي كَثِيرٍ، أَخْبَرَنَا أَبُو مُزَاحِمٍ سَمِعَ أَبَا هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: مَنْ تَبِعَ جَنَازَةً، فَلَهُ قِيرَاطٌ فَذَكَرَ نَحْوَهُ بِمَعْنَاهُ۔

قَالَ عَبْدُ اللَّهِ: وَأخبرنا مَرْوَانُ، عَنْ مُعَاوِيَةَ بْنِ سَلَّامٍ، قَالَ: قَالَ يَحْيَى: وحدثنی أَبُو سَعِيدٍ مَوْلَى الْمَهْرِيِّ، عن

حَمْزَةَ بْنِ سَفِينَةَ، عَنِ السَّائِبِ، سَمِعَ عَائِشَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ نَحْوَهُ، قُلْتُ لأَبِي مُحَمَّدٍ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ: مَا الَّذِي اسْتَغْرَبُوا مِنْ حَدِيثِكَ بِالْعِرَاقِ، فَقَالَ: حَدِيثُ السَّائِبِ عَنْ عَائِشَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ فَذَكَرَ هَذَا الْحَدِيثَ، وَسَمِعْتُ مُحَمَّدَ بْنَ إِسْمَاعِيلَ يُحَدِّثُ بِهَذَا الْحَدِيثِ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ، قَالَ أَبُو عِيسَى: وَهَذَا حَدِيثٌ، قَدْ رُوِيَ مِنْ غَيْرِ وَجْهٍ عَنْ عَائِشَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ، وَإِنَّمَا يُسْتَغْرَبُ هَذَا الْحَدِيثُ لِحَالِ إِسْنَادِهِ لِرِوَايَةِ السَّائِبِ عَنْ عَائِشَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ۔

امام ترمذی فرماتے ہیں: ہمیں محمد بن بشار نے معاذ بن ہشام سے حدیث بیان کی، معاذ سے ان کے باپ نے، ان سے یحییٰ بن کثیر نے، ان سے ابومزاحم نے، انہوں نے حضرت ابوہریرہ کو فرماتے ہوئے سنا کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو شخص جنازے کے ساتھ جائے، اور اس کی نماز پڑھے تو اس کے لیے ایک قیراط ہے، اور جو شخص جنازے کے پیچھے چلے (اور ساتھ ہی رہے) یہاں تک کہ اس کا پورا فیصلہ کر دیا جائے (یعنی اسے دفنا دیا جائے) تو اس کے لیے دو قیراط اجر ہے، صحابہ نے پوچھا: یا رسول اللہ! دو قیراط کیا ہیں؟ (یعنی آخرت میں ان کا کتنا اجر وثواب ہے)؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ان دونوں میں سے جو چھوٹا ہے، وہ احد پہاڑ کے برابر ہے، امام ترمذی فرماتے ہیں: ہم سے عبداللہ بن عبدالرحمن دارمی نے مروان بن محمد سے حدیث بیان کی، ان سے معاویہ بن سلام نے، ان سے یحییٰ بن ابی کثیر نے، وہ کہتے ہیں کہ ہمیں ابومزاحم نے خبر دی کہ انہوں نے ابوہریرہ کو سنا: وہ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو شخص جنازے کے ساتھ چلے تو اس کے لیے ایک قیراط ہے، پھر انہوں نے اوپر والی حدیث کی طرح حدیث بیان کی۔

امام ترمذی فرماتے ہیں: عبداللہ بن عبدالرحمن دارمی کہتے ہیں: ہمیں مروان بن محمد نے معاویہ بن سلام سے حدیث بیان کی، وہ کہتے ہیں کہ یحییٰ بن ابی کثیر نے کہا ہے کہ مجھے ابوسعید مولی المہری نے حمزہ بن سفینہ سے روایت کر کے بیان کیا، ان سے سائب نے، انہوں نے حضرت عائشہ کو نبی کریم ﷺ سے سابقہ حدیث کی طرح حدیث کو بیان کرتے ہوئے سنا، امام ترمذی فرماتے ہیں: میں نے ابومحمد عبداللہ بن عبدالرحمن دارمی سے پوچھا: آپ کی وہ کون سی حدیث ہے، جس کو عراق میں لوگوں نے غریب قرار دیا تھا؟ امام دارمی نے فرمایا: سائب کی حضرت عائشہ سے حدیث، پھر انہوں نے یہ حدیث ذکر کی، اور میں نے امام بخاری کو سنا، وہ بھی اس حدیث کو عبداللہ بن عبدالرحمن کی سند سے روایت کرتے تھے، امام ترمذی فرماتے ہیں: یہ حدیث حضرت عائشہ سے متعدد سندوں سے مرفوعاً روایت کی گئی ہے، مگر یہ حدیث اپنی سند کی مخصوص حالت کی وجہ سے غریب قرار دی گئی ہے یعنی سائب کی حضرت عائشہ سے روایت کرنے کی وجہ سے۔

مشکل الفاظ کے معنی: قیراط: وزن اور پیمائش کی ایک مقدار، جو مختلف زمانوں میں بدلتی رہی ہے، اب وزن میں چار دانے

گندم کے برابر ہے، حتی یقضی قضاءها: (صیغہ مجہول) یہاں تک کہ اس جنازے کا پورا فیصلہ کر دیا جائے یعنی اسے دفنا دیا جائے، ما الذی استغربوا من حدیثک بالعراق: آپ کی وہ کون سی حدیث ہے، جس کو لوگوں نے عراق میں غریب قرار دیا ہے۔

غریب کے تیسرے معنی کی تیسری مثال

امام ترمذی رحمہ اللہ نے تیسری مثال میں یہ حدیث ذکر کی ہے: من تبع جنازۃ فصلی .... الی اخرہ، اس حدیث کی تین سندیں یہاں ذکر کی ہیں:

۱۔ محمد بن بشار کی سند، جس میں آخری راوی حضرت ابو ہریرہ ہیں۔

۲۔ عبداللہ بن عبدالرحمن دارمی کی سند عن ابی هريرة، محدثین کے نزدیک یہ دونوں سندیں درست ہیں، ان میں کوئی غرابت نہیں۔

۳۔ تیسری سند بھی امام دارمی یعنی عبداللہ بن عبدالرحمن کی سند سے ہے، اس سند میں سائب حضرت عائشہ سے روایت کرتے ہیں، یہ سند غریب ہے، کیونکہ اس میں حمزہ بن سفینہ، سائب سے روایت کرنے میں منفرد ہیں۔

یوں تو یہ حدیث حضرت عائشہ سے متعدد طرق سے منقول ہے، اور وہ ساری سندیں صحیح ہیں، مگر سائب عن عائشہ کی سند سے یہ غریب ہے، امام دارمی سے امام ترمذی نے پوچھا کہ اہل عراق نے آپ کی کونسی حدیث کو غریب قرار دیا ہے؟ امام دارمی نے بتایا کہ اس تیسری سند یعنی حمزۃ بن سفینہ، عن السائب، عن عائشہ کو غریب قرار دیا ہے، اور امام ترمذی فرماتے ہیں کہ امام بخاری بھی اس حدیث کو اس تیسری سند یعنی عبد اللہ بن عبد الرحمن ... عن السائب عن عائشہ سے بیان کرتے تھے، کیونکہ ان کے پاس بھی اس حدیث کی اور کوئی سند نہیں تھی۔

حاصل یہ کہ یہ حدیث تو مشہور ہے اور محدثین کے ہاں صحیح ہے، مگر اس کی یہ ایک سند عن السائب عن عائشہ غریب ہے، کیونکہ اس میں حمزہ بن سفینہ، سائب سے روایت کرنے میں اکیلے ہیں، ان کا اور کوئی متابع نہیں، لہذا یہ حدیث اس سند کے لحاظ سے غریب ہے، متن کے اعتبار سے غریب نہیں ہے۔

حدثنا أبو حفص عمرو بن عليٍّ، أخبرنا يحيى بن سعيد القطان، أخبرنا المغيرة بن أبي قرة السدوسي، قال: سمعت أنس بن مالك يقول: قال رجل يا رسول الله: أعقلها وأتوكل، أو أطلقها وأتوكل؟ قال: اعقلها وتوكل، قال عمرو بن علي: قال يحيى بن سعيد: هذا عندي حديث منكر، قال أبو عيسى: هذا حديث غريب من هذا الوجه، لا نعرفه من حديث أنس بن مالك إلا من هذا الوجه، وقد روي عن عمرو، عن أمية الضمري، عن النبي صلى الله عليه وسلم نحو هذا.

امام ترمذی فرماتے ہیں: ہمیں یہ حدیث ابوحفص عمرو بن علی نے یحییٰ بن سعید قطان سے روایت کرکے بیان کی، وہ کہتے ہیں: ہمیں مغیرہ بن ابی قرۃ سدوسی نے حدیث بیان کی، وہ کہتے ہیں: میں نے انس بن مالک کو سنا: وہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے عرض کیا یارسول اللہ: میں (پہلے) اونٹ کا پاؤں باندھوں اور (پھر) توکل کروں؟ یا (پہلے) میں اسے آزاد چھوڑ دوں اور (پھر) توکل کروں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس (کے پاؤں) کو (پہلے) باندھو اور (پھر) توکل کرو، عمرو بن علی کہتے ہیں کہ یحییٰ بن سعید قطان نے فرمایا ہے کہ میرے نزدیک یہ حدیث منکر (یعنی ضعیف) ہے، امام ترمذی فرماتے ہیں: یہ حدیث اس سند سے غریب ہے، ہم اس حدیث کو صرف حضرت انس کی اس سند سے ہی جانتے ہیں، اور یہ حدیث حضرت عمرو بن امیہ ضمری کی سند سے مرفوعاً منقول ہے۔

مشکل الفاظ کے معنی: اعقلها: (صیغہ متکلم) اس کے شروع میں ہمزہ استفہام کا محذوف ہے، اور ''ھا'' ضمیر ناقہ یعنی اونٹنی کی طرف لوٹ رہی ہے: کیا میں اس اونٹ یا اونٹنی کو پہلے باندھوں، أو اطلقها: یا میں اسے آزاد چھوڑ دوں، حدیث منکر: (میم پر پیش، نون ساکن، کاف پر زبر، صیغہ اسم مفعول) یہ لفظ لغت کے لحاظ سے اقرار کی ضد ہے، اور محدثین نے اس کی اصطلاحی تعریف مختلف انداز سے کی ہے، ان میں سے دو تعریفیں زیادہ مشہور ہیں:

۱۔ هُوَ الْحَدِيْثُ الَّذِيْ فِيْ إِسْنَادِهٖ رَاوٍ فَحُشَ غَلَطُهٗ أَوْ كَثُرَتْ غَفْلَتُهٗ أَوْ ظَهَرَ فِسْقُهٗ۔

وہ حدیث جس کی سند میں ایسا کوئی راوی ہو، جس کی غلطی فحش ہو، یا اس کی غفلت زیادہ ہو یا اس کا فسق ظاہر ہو جائے۔

۲۔ هُوَ مَا رَوَاهُ الضَّعِيْفُ مُخَالِفًا لِمَا رَوَاهُ الثِّقَةُ، منکر: وہ حدیث ہے، جس کو ضعیف راوی ذکر کرتا ہے اور وہ ثقہ کی روایت کردہ حدیث کے مخالف ہوتی ہے۔(۱)

غریب کے تیسرے معنیٰ کی چوتھی مثال

امام ترمذی رحمہ اللہ نے غریب کے تیسرے معنیٰ کی چوتھی مثال یہ دی ہے: قال رجل یارسول اللہ.... اس روایت کو دو سندوں سے روایت کیا گیا ہے، ایک سند: عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ عنہ کی ہے، یہ صحیح سند ہے، غریب نہیں، اسے ابن حبان نے اپنی صحیح میں اور طبرانی نے اپنی معجم میں سند جید کے ساتھ روایت کیا ہے، دوسری سند: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی ہے، جس میں امام ترمذی نے اس حدیث کو اس سند کی وجہ سے غریب کہا ہے، اس کے علاوہ حضرت انس سے اس حدیث کی اور کوئی سند منقول نہیں، سعید بن قطان کہتے ہیں کہ یہ حدیث منکر ہے، کیونکہ اس کی سند میں مغیرہ بن ابی قرہ سدوسی ایک ضعیف راوی ہے، اس کا حال معلوم نہیں، اور بعض حضرات نے یہ کہا ہے کہ مغیرہ بن ابی قرہ سدوسی، یزید بن مہلب کا کاتب تھا، اور سلیمان بن عبدالملک کے

(۱) تیسیر مصطلح الحدیث (ص: ۹۴)

زمانے میں مغیرہ، یزید کے ساتھ جرجان کی فتح میں شریک تھا، امام ترمذیؒ نے اس وجہ سے اسے غریب قرار دیا ہے۔(۱)

اس تفصیل سے یہ بات واضح ہوگئی کہ غریب کے تیسرے معنیٰ میں ایک حدیث متعدد صحابہ کرام سے صحیح سندوں کے ساتھ منقول ہوتی ہے، مگر سند کی ایک خاص حالت کی وجہ سے اسے غریب قرار دیا گیا ہے، وہ خاص حالت یہ ہے کہ ایک راوی تنہا کسی اور صحابی سے اس حدیث کو نقل کرتا ہے، اس میں اس صحابی سے روایت لینے میں اس کے ساتھ اور کوئی راوی شریک نہیں ہوتا، اس وجہ سے ان چاروں مثالوں میں ان احادیث کی وہ مخصوص سندیں غریب ہیں، اصل میں تو ان کی سندیں غریب ہیں، مگر مجازاً ان احادیث کو بھی غریب کہہ دیا جاتا ہے۔(۲)

امام ترمذی کے نزدیک ھذا حدیث حسن غریب کے معنیٰ

امام ترمذی رحمہ اللہ نے سنن ترمذی میں بہت سے مقامات پر حسن اور غریب کو جمع کر کے یہ کہا ہے: ھذا حدیث حسن غریب، اس پر اشکال یہ پیدا ہوتا ہے کہ امام ترمذی نے یہاں کتاب العلل میں جو حدیث حسن کی تعریف کی ہے، اس کی رو سے حدیث حسن اور حدیث غریب جمع نہیں ہوسکتیں، کیونکہ امام ترمذی کے نزدیک حدیث حسن کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ ایک سے زیادہ سندوں سے منقول ہو، اور غریب کی تعریف امام ترمذی نے یہ کی ہے: رب حدیث یکون غریبا لا یروی الا من وجه واحد یعنی غریب وہ حدیث ہے، جو صرف ایک ہی سند سے منقول ہو، اس سے معلوم ہوا کہ امام ترمذی کے نزدیک حسن اور غریب میں منافات ہے، یہ دونوں جمع نہیں ہوسکتیں، پھر امام ترمذی ایک حدیث کے بعد ھذا حدیث حسن غریب کیسے کہتے ہیں، جبکہ ان میں تعریف کے لحاظ سے تضاد ہے۔

البتہ جمہور نے جو حسن اور غریب کی تعریفیں کی ہیں، ان کے لحاظ سے اس میں کوئی اشکال پیدا نہیں ہوتا، کیونکہ ان کے نزدیک حدیث کے حسن ہونے کا تعلق راوی کے حفظ اور عدالت سے ہے اور غریب کا تعلق راوی کے منفرد ہونے سے ہے، اس طرح ایک ہی حدیث حسن اور غریب دونوں ہوسکتی ہے۔

تو سوال یہ ہے کہ جب امام ترمذی کے نزدیک حسن اور غریب میں تضاد اور منافات ہے تو پھر انہوں نے اپنی کتاب میں ان دونوں کو ایک ساتھ کیوں جمع کیا؟ شارحین حدیث نے اس کے مختلف انداز سے جواب دیئے ہیں:

۱۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ امام ترمذی نے کتاب العلل میں صرف اس حدیث حسن کی تعریف کی ہے، جس کے ساتھ غریب کا لفظ نہ ہو، اور جس مقام پر امام ترمذی حسن غریب کہتے ہیں، وہاں ان کی اپنی اصطلاح مراد نہیں ہوتی، بلکہ جمہور کی اصطلاح مراد ہوتی ہے، اور جمہور علماء کی اصطلاح کے مطابق ایک ہی حدیث حسن اور غریب دونوں ہوسکتی ہے، ان میں کوئی تعارض

---

(۱) تحفة الاحوذی ۲۶۳/۷، کتاب صفة القیامة رقم الحدیث: ۲۵۱۷

(۲) الکوکب الدری ۴۹۹/۴

نہیں۔(۱)

یہ جواب کمزور ہے، اس لیے کہ امام ترمذی نے کتاب العلل میں حسن کی تعریف تو کی ہے لیکن اس بات کی انہوں نے کوئی تصریح نہیں کی کہ میری یہ اصطلاح اس وقت مراد ہوگی، جب حدیث حسن کے ساتھ اور کوئی صفت صحیح یا غریب نہ ہو۔

۲۔ بعض حضرات نے یہ جواب دیا کہ بعض مرتبہ سند میں ایک راوی تنہا ہوتا ہے اور وہ مدار اسناد ہوتا ہے، پھر اس مدار اسناد راوی سے بہت سے راوی حدیث روایت کرنے والے ہو جاتے ہیں، تو مدار اسناد کے لحاظ سے اس حدیث کو غریب کہا جاتا ہے، اور مدار اسناد سے نیچے اس کی سندیں بہت ہو جاتی ہیں، اس بناء پر اسے حسن بھی کہہ دیا جاتا ہے۔

لیکن اس جواب پر یہ اشکال ہوتا ہے کہ امام ترمذی کے نزدیک تو حدیث حسن وہ ہوتی ہے جو ایک سے زیادہ سندوں سے منقول ہو، اور جب کسی سند میں مدار اسناد صرف ایک ہی راوی ہو، اس میں تفرد ہو، تو اس پر امام ترمذی کی حدیث حسن کی تعریف کیسے صادق آئے گی، اس لیے اس جواب کو بھی ضعیف قرار دیا گیا ہے۔

۳۔ حافظ ابن صلاح فرماتے ہیں کہ امام ترمذی نے کتاب العلل میں جس حدیث حسن کی تعریف کی ہے اس سے حسن لغیرہ مراد ہے، اور جس جگہ وہ حسن کے ساتھ غریب کو جمع کرتے ہیں، وہاں حسن سے حسن لذاتہ مراد ہوتا ہے۔

یہ جواب بھی بعید ہے اس لیے کہ امام ترمذی رحمہ اللہ نے بہت ہی ان احادیث کو بھی حسن کہا ہے جو صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی ہیں، اور یہ طے ہے کہ صحیحین کی احادیث، حسن لذاتہ کے مرتبہ سے کم نہیں، اس لیے ابن صلاح کا یہ جواب درست نہیں۔(۲)

۴۔ سب سے بہتر اور صحیح جواب یہ ہے کہ امام ترمذی نے یہاں کتاب العلل میں غریب کے تین معنیٰ بیان کئے ہیں، جن کی تفصیل پہلے گذر چکی ہے، اس کا حاصل یہ ہے کہ امام ترمذی کے نزدیک غریب کے تین معنیٰ ہیں:

۱۔ وہ حدیث جس کی صرف ایک ہی سند ہو، یعنی اس کا مدار ایک ہی راوی پر ہو، اور کوئی اسے نقل نہ کرتا ہو۔

۲۔ ایک حدیث متعدد طرق سے منقول ہو مگر کسی ایک سند میں ایک راوی نے حدیث کے متن میں ایسا اضافہ کر دیا ہو، جو اور کسی سند میں نہ ہو، امام ترمذی اس وجہ سے اسے غریب کہتے ہیں۔

۳۔ بعض دفعہ اصلاً ایک حدیث مشہور و معروف ہوتی ہے، متعدد صحابہ کرام سے صحیح سندوں سے اسے روایت کیا گیا ہوتا ہے، مگر سند کی ایک مخصوص حالت کی وجہ سے اسے امام ترمذی غریب شمار کرتے ہیں، یعنی اس وجہ سے کہ ایک راوی تنہا ایک اور ایسے صحابی سے روایت کرتا ہے کہ اس کے علاوہ اور کوئی راوی اس صحابی سے روایت نہیں کرتا، اس کی امام ترمذی نے چار مثالیں ذکر کی ہیں، جس کی تفصیل پہلے بیان کی جا چکی ہے، اس تفرد کی وجہ سے امام ترمذی اس سند کو غریب کہتے ہیں، اگرچہ اس کا متن غریب نہیں ہوتا۔

---

(۱) فتح الملهم ۸۳/۱، ۸۴، قول الترمذی: حسن صحیح، شرح النخبة: (ص: ۷۶) مكتبة البشری

(۲) العرف الشذی علی الترمذی ۷/۱، ابواب الطهارة، باب مایقول: اذا خرج من الخلاء

امام ترمذی رحمہ اللہ جب اپنی کتاب میں کسی حدیث کے بعد حسن غریب کہتے ہیں تو اس سے ان کے بیان کردہ غریب کے تین معنیٰ میں سے پہلے معنیٰ مراد نہیں ہوسکتے، البتہ دوسرے یا تیسرے معنیٰ مراد ہوتے ہیں یعنی اصل حدیث تو ایک سے زیادہ سندوں سے منقول ہونے کی وجہ سے حسن ہوتی ہے، مگر اس کے متن میں کوئی ثقہ راوی اضافہ کردیتا ہے، یا ایک روایت متعدد صحابہ سے صحیح سندوں سے منقول ہوتی ہے، لیکن اس کی سند میں ایک مخصوص حالت کی وجہ سے امام ترمذی اس حدیث کو حسن کے ساتھ غریب بھی کہہ دیتے ہیں، امام ترمذی کی اس بحث کو سامنے رکھا جائے جو انہوں نے غریب سے متعلق یہاں کتاب العلل میں ذکر کی ہے تو حدیث غریب اور حسن کو ایک ساتھ ذکر کرنے سے متعلق جو اشکال پیدا ہوتا ہے، وہ اچھی طرح خود بخود حل ہوجاتا ہے، پھر کسی اور جواب اور توجیہ کی ضرورت باقی نہیں رہتی، واللہ اعلم بالصواب۔(۱)

وَقَدْ وَضَعْنَا هٰذَا الْكِتَابَ عَلَى الْإِخْتِصَارِ لِمَا رَجَوْنَا فِيهِ مِنَ الْمَنْفَعَةِ، نَسْأَلُ اللهَ النَّفْعَ بِمَا فِيهِ، وَأَنْ يَجْعَلَهُ لَنَا حُجَّةً بِرَحْمَتِهِ، وَأَنْ لَا يَجْعَلَهُ عَلَيْنَا وَبَالًا بِرَحْمَتِهِ، اٰخِرُ الْكِتَابِ۔

ہم نے اس کتاب کو اختصار کے ساتھ لکھا ہے، اس لیے کہ ہمیں اس میں نفع کی امید ہے، ہم اللہ جل جلالہ سے ان احادیث سے نفع پہنچانے کی درخواست کرتے ہیں جو اس کتاب میں ہیں، اور یہ کہ اس کتاب کو اپنی رحمت سے (آخرت میں) ہماری فلاح ونجات کی حجت، دلیل اور باعث بنائے، اور اپنی رحمت سے اسے ہمارے لیے وبال نہ بنائے، یہ کتاب کا آخر ہے (یعنی یہاں یہ کتاب اختتام پذیر ہوتی ہے)۔

وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَحْدَهُ عَلَى إِنْعَامِهِ وَأَفْضَالِهِ، وَصَلَاتُهُ وَسَلَامُهُ عَلَى سَيِّدِ الْمُرْسَلِينَ الْأُمِّيِّ وَصَحْبِهِ وَآلِهِ، وَحَسْبُنَا اللهُ وَنِعْمَ الْوَكِيلُ، وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيمِ، وَلَهُ الْحَمْدُ عَلَى التَّمَامِ، وَعَلَى النَّبِيِّ وَآلِهِ وَصَحْبِهِ أَفْضَلُ الصَّلَاةِ وَأَزْكَى السَّلَامِ، وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ۔

اور تمام تعریفیں صرف اللہ جل جلالہ ہی کے لیے ہیں اس کے انعام اور مہربانی واحسان کی وجہ سے، اور اللہ تعالیٰ کی رحمت اور سلامتی ہو تمام رسولوں کے سردار پر جو امی ہے، اور آپ کے صحابہ اور آل پر، اور ہمیں اللہ ہی کافی ہے، وہی بہترین کارساز ہے، اور ہمیں گناہ سے بچنے کی طاقت وہمت اور عبادت وطاعت کی قوت وتوفیق حاصل نہیں ہوتی مگر اللہ تعالیٰ ہی سے، جو بلند وبرتر اور عظمت والا ہے، اور اللہ ہی کے لیے تمام تعریفیں ہیں، اور نبی پر اور آپ کے آل اور صحابہ پر، نہایت فضیلت والا درود اور پاکیزہ وعمدہ سلام ہو اور تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہیں، جو تمام جہانوں کا پالنے والا ہے۔

مشکل الفاظ کے معنیٰ: وضعنا: ہم نے تصنیف کی، ہم نے لکھی، علی الاختصار: مختصراً، اختصار کے ساتھ، لما رجونا فیه: اس لیے کہ ہمیں اس کتاب میں امید ہے، بما فیه: ان احادیث سے نفع کی جو اس کتاب میں ہیں، حجة: دلیل، سبب، باعث،

(۱) معارف السنن ۱/۸۶، أبواب الطهارة، باب مايقول: اذا خرج من الخلاء قوله: حسن غريب۔

ویل، اخر الکتاب ای ھذا اخر الکتاب: یہ کتاب کا آخر ہے یعنی یہاں پر یہ کتاب اختتام پذیر ہو رہی ہے، علی انعامہ و افضالہ: یہ دونوں باب افعال سے مصدر ہیں: اللہ تعالیٰ کے انعام اور اس کی مہربانی و احسان کرنے پر، الامی: ان پڑھ، ناخواندہ، نعم الوکیل: وہ بہترین کارساز ہے، ولا حول: ہمیں گناہوں سے بچنے کی طاقت نہیں ولا قوۃ: اور ہمیں نیکی وطاعت کی قوت و توفیق نہیں ہو سکتی، الا باللہ مگر اللہ تعالیٰ ہی سے، و لہ الحمد علی التمام: اس کے دو ترجمے ہو سکتے ہیں: (۱) اور تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہیں۔ (۲) اور اس کتاب کی تکمیل پر تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہیں، افضل الصلاۃ: نہایت فضیلت والا درود، واز کی السلام: پاکیزہ اور عمدہ سلام ہو۔

کتاب کا اختتام

مذکورہ عبارت میں امام ترمذی رحمہ اللہ نے کتاب کے اختتام کا ذکر کیا ہے، اس میں ھذا الکتاب سے کیا مراد ہے؟ اس میں دو احتمال ہیں:

۞ بعض حضرات کے نزدیک اس سے کتاب العلل الصغری مراد ہے، یہ کہہ کر دراصل امام ترمذی یہ بتانا چاہتے ہیں کہ علل کی یہ کتاب تو مختصر ہے مگر اس موضوع پر میری ایک دوسری کتاب بھی ہے، اس کا نام العلل الکبیر ہے، جس میں طویل مباحث ہیں۔(۱)

۞ اس کتاب سے کتاب ترمذی مراد ہے، مقصد یہ ہے کہ ترمذی میں احادیث کو مختصر لکھا گیا ہے، ہر باب میں ساری حدیثیں نہیں لکھی گئیں، بلکہ وفی الباب سے ان کی طرف صرف اشارہ کر دیا گیا ہے، اگرچہ فقہی مذاہب اور سندوں پر کلام کی وجہ سے کتاب تھوڑی لمبی ہو گئی ہے، مگر احادیث کے مجموعہ کے لحاظ سے یہ مختصر ہے، اس سے ہمارا مقصد یہ ہے کہ اس مختصر کتاب سے لوگ فائدہ اٹھائیں، اسے پڑھیں، پڑھائیں اور اس پر عمل کی کوشش کریں۔(۲)

اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان احادیث پر عمل پیرا ہونے کی توفیق عطا فرمائیں، اسے قبول فرما کر ہمارے لیے آخرت میں ذخیرہ بنائیں اور اسے ہمارے لیے گرفت اور وبال کا ذریعہ نہ بنائیں واخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین والصلاۃ والسلام علی سید المرسلین و علی آلہ وصحبہ و من تبعھم باحسان الی یوم الدین اللھم انی أسئلک أن تجعل ھذا الشرح "معارف ترمذی" خالصا لوجھک الکریم، و تعفو عما وقع فیہ من الخطأ والزلل، انک عفو کریم، غفور، رحیم، اللھم وفقنی لخدمۃ دینک الاسلام، و لخدمۃ القرآن الکریم والسنۃ النبویۃ لیلا و نھاراً بالاخلاص و النیۃ الخالصۃ، ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم، واغفر لی ولوالدی ولشیوخی ولأساتذتی ولسائر المسلمین، و

---

(۱) تحفۃ الاحوذی ۴۸۲/۱۰

(۲) الکوکب الدری ۵۰۱/۴

صلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ محمد النبی الامی وعلی آلہ واصحابہ اجمعین آمین یا رب العالمین۔

ویلیہ شرح "شمائل الترمذی" فی المجلد الخامس، ان شاء اللہ تعالیٰ،

۱۹ ذی الحجہ ۱۴۳۶ھ بمطابق ۴ اکتوبر ۲۰۱۵ء

مصادر ومراجع

معارف ترمذی جلد چہارم

کتاب	مصنف	ناشر
قرآن مجید		
الادب المفرد	محمد بن اسماعیل البخاری	لاہور
ارشاد الساری	احمد بن محمد قسطلانی	بیروت
الاستیعاب	ابن عبد البر	بیروت
اُسد الغابۃ	ابن الاثیر	بیروت
الأشباہ والنظائر	ابن نجیم	بیروت
الاصابہ فی تمییز الصحابۃ	حافظ ابن حجر	بیروت
الاکمال فی اسماء الرجال		
اعلاء السنن	ظفر احمد عثمانی	ادارۃ القرآن کراچی
امداد الفتاوی	محمد اشرف علی تھانوی	مکتبہ دار العلوم کراچی
انعام الباری	محمد تقی عثمانی	مکتبہ الحراء کراچی
اوجز المسالک	محمد زکریا	حقانیہ ملتان
آپ کے مسائل اور ان کا حل	محمد یوسف لدھیانوی	مکتبہ لدھیانوی کراچی
البدایۃ والنھایۃ	اسماعیل بن عمر بن کثیر	بیروت
البحر الرائق	ابن نجیم	بیروت
الدعاء	سلیمان بن احمد طبرانی	بیروت
بذل المجہود	خلیل احمد سہارنپوری	بیروت
تاریخ الخمیس	حسین بن محمد دیار بکری	ایچ ایم سعید کراچی
تاریخ ابن عساکر	ابن عساکر	بیروت
تاریخ الطبری	محمد بن جریر طبری	بیروت
تاریخ بغداد	خطیب بغدادی	بیروت
تاریخ الخلفاء	للسیوطی	بیروت
تاریخ ملت		ادارہ اسلامیات لاہور
تحفۃ الاحوذی	عبد الرحمن مبارکپوری	قدیمی کراچی

تدریب الراوی	علامہ سیوطی	قدیمی کراچی
الترغیب والترہیب	امام منذری	بیروت
تفسیر مظہری	ثناء اللہ پانی پتی	دارالاشاعت کراچی
تفسیر قرطبی	محمد بن احمد قرطبی	بیروت
تفسیر روح البیان	الامام اسماعیل الحقی	بیروت
تفسیر کبیر	محمد بن عمر رازی	بیروت
تفسیر ابن کثیر	حافظ ابن کثیر	بیروت
تفسیر عثمانی	علامہ شبیر احمد عثمانی	سعودی عرب
تقریب التھذیب	حافظ ابن حجر	بیروت
التقریب مع التدریب	امام سیوطی	نور محمد کراچی
تکملہ فتح الملہم	محمد تقی العثمانی	مکتبہ دارالعلوم کراچی
تنزیہ الشریعۃ	لابن العراق	بیروت
تنکیت الحافظ علی ابن الصلاح	حافظ ابن حجر	بیروت
تھذیب التھذیب	حافظ ابن حجر	بیروت
التیسیر فی شرح الجامع الصغیر		بیروت
تیسیر مصطلح الحدیث	دکتور محمود الطحان	مکتبہ رحمانیہ لاہور
الحدیث الحثیث	للغزی	بیروت
جمع الجوامع	امام سیوطی	بیروت
حق الیقین	محمد باقر مجلسی	قم ایران
حضرت معاویہ اور تاریخی حقائق	محمد تقی عثمانی	مکتبہ دارالعلوم کراچی
حلیۃ الاولیاء	احمد بن عبداللہ اصبہانی	بیروت
خصائل نبوی	شیخ الحدیث زکریا صاحب	مکتبہ رحمانیہ لاہور
دلائل النبوۃ	للبیہقی	بیروت
الدر المنثور	سیوطی	بیروت
ذکر جہر کے متعلق معتدل فیصلہ	مفتی رضاء الحق	زمزم کراچی
روح المعانی	علامہ آلوسی	امدادیہ، ملتان
ردالمحتار	علامہ شامی	ایچ ایم سعید کراچی
الریاض النضرۃ فی مناقب العشرۃ	محب الطبری	بیروت

دحر الربی		بیروت
الزوائد علی المسند	عبداللہ بن احمد	بیروت
سنن ابن ماجۃ	ابن ماجہ	قدیمی کراچی
سنن اللنسائی	امام نسائی	قدیمی کرای
سنن ابی داؤد	سلیمان بن اشعث	قدیمی کراچی
سنن دارمی	امام دارمی	بیروت
سنن بیہقی	احمد بن حسن امام بیہقی	بیروت
سیرت النبی	شبلی نعمانی	ادارہ اسلامیات لاہور
سیرت المصطفی	مولانا ادریس کاندھلوی	مکتبہ الحسن لاہور
سیر اعلام النبلاء	امام ذہبی	بیروت
سیرت علی	مولانا محمد نافع	دار الکتاب لاہور
سنن نسائی	احمد بن شعیب نسائی	بیروت
سنن النسائی الکبری	امام نسائی	بیروت
السلسلۃ الصحیحۃ	شیخ البانی	بیروت
شرح مسلم	نووی	قدیمی کراچی
شمائل ترمذی	امام ترمذی	قدیمی کراچی
شرح الاکبر	ملا علی قاری	بیروت
شرح العقیدۃ الطحاویۃ	امام تحاوی	بیروت
شرح الطیبی	حسین بن محمد طیبی	ادارۃ القرآن کراچی
شرح الزرقانی	علامہ زرقانی	بیروت
شرح نخبۃ الفکر	حافظ ابن حجر	مکتبہ رحمانیہ لاہور
شرح مشکل الآثار	امام طحاوی	بیروت
شرح السنۃ	حسین بن مسعود بغوی	بیروت
الصارم المسلول علی شاتم الرسول	ابن تیمیہ	بیروت
الصحیح للبخاری	محمد بن اسماعیل بخاری	قدیمی کراچی
الصحیح لمسلم	امام مسلم	قدیمی کراچی
صحیح ابن خزیمۃ	ابن خزیمہ	بیروت
صحیح ابن حبان	ابن حبان	بیروت

طبقات ابن سعد	ابن سعد	بیروت
الطبقات الکبریٰ	علامہ سبکی	بیروت
عارضۃ الاحوذی	ابن العربی المالکی	بیروت
عقیدۂ امامت اور حدیث غدیر	مولانا محمود اشرف عثمانی	مکتبہ دار العلوم کراچی
العرف الشذی	مولانا انور شاہ کشمیری	قدیمی کراچی
عمدۃ القاری	علامہ بدر الدین عینی	رشیدیہ کوئٹہ
عمل الیوم واللیلۃ	امام نسائی	بیروت
فتاوی دار العلوم دیوبند		دار الاشاعت کراچی
فتاوی رحیمیہ		دار الاشاعت کراچی
فتاوی زکریا	سنن رضاء الحق	زمزم پبلشرز کراچی
فتاوی محمودیہ	مفتی محمود الحسن	دار الاشاعت کراچی
فتاوی عثمانی	محمد تقی عثمانی	مکتبہ دار العلوم کراچی
الفتاوی الخیریۃ		بیروت
حاشیۃ الطحطاوی		قدیمی کراچی
امداد الفتاوی		مکتبہ دار العلوم کراچی
فتح الباری	لابن رجب	بیروت
فتح الباری	حافظ ابن حجر	بیروت
فتح الملہم	علامہ شبیر احمد عثمانی	مکتبہ دار العلوم کراچی
الفوائد المجموعۃ	للشوکانی	بیروت
فیض القدیر	للمناوی	بیروت
فیض الباری	علامہ انور شاہ کشمیری	بیروت
قاموس الفقہ	مولانا خالد سیف اللہ	زمزم پبلشرز کراچی
کشف الباری	مولانا سلیم اللہ خان	مکتبہ فاروقیہ کراچی
کشف الخفاء	اسماعیل بن محمد عجلونی	بیروت
کنز العمال	علی المتقی الھندی	مکتبہ رحمانیہ لاہور
الکنز المتواری	شیخ الحدیث زکریا صاحب	بیروت
کشف اسرار خمینی	خمینی	قم، ایران
کشف الغمی عن عرام الامیۃ	حکیم نیاز احمد	کراچی

کتاب الدعاء		بیروت
کفایت المفتی	مفتی کفایت اللہ	دارالاشاعت کراچی
الکوکب الدری	رشید احمد گنگوہی	ادارۃ القرآن کراچی
لسان المیزان		بیروت
مجمع الزوائد		بیروت
مجموعہ رسائل لکھنوی	عبدالحی لکھنوی	بیروت
المعجم الوسیط		بیروت
المعجم الصغیر	للطبرانی	بیروت
المعجم الکبیر	للطبرانی	بیروت
مرقاۃ المفاتیح	ملاعلی قاری	رشیدیہ کوئٹہ
مسند احمد	امام احمد بن حنبل	بیروت
المستدرک	للحاکم	بیروت
مصنف عبدالرزاق	عبدالرزاق	بیروت
مظاہر حق	نواب محمد قطب الدین دہلوی	دارالاشاعت کراچی
مشکاۃ المصابیح	خطیب تبریزی	قدیمی کراچی
معارف القرآن	مفتی محمد شفیع	ادارۃ المعارف کراچی
معالم السنن	حمد بن محمد خطابی	بیروت
معارف السنن	محمد یوسف بنوری	کراچی
ملتقی اھل التفسیر		بیروت
الموطأ	للامام مالک	قدیمی کراچی
الموضوعات الکبری	ملاعلی قاری	بیروت
منھاج السنۃ	ابن تیمیۃ	بیروت
میزان الاعتدال	شمس الدین ذہبی	بیروت
النھایۃ فی غریب الاثر	محمد بن اثیر	بیروت

اسلامی عبادات

قرآن وسنت اور فقہ اسلامی کی روشنی میں

ایمان، نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ

مؤلف
مفتی محمد طارق
استاذ الحدیث جامعہ فریدیہ، اسلام آباد

مکتبہ شیخ الہند
اقبال روڈ، اعظم مارکیٹ کمیٹی چوک راولپنڈی فون: 0333-5375336

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم

شیخ الحدیث، ونائب صدر جامعہ دارالعلوم کراچی

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی رسولہ الکریم وعلی آلہ وصحبہ اجمعین وعلی من تبعھم باحسان الی یوم الدین۔

برادر عزیز ومکرم جناب مولانا محمد طارق صاحب فاضل جامعہ دارالعلوم کراچی واستاد حدیث جامعہ فریدیہ اسلام آباد نے جامع ترمذی جلد ثانی کی شرح اردو میں ''معارف ترمذی'' کے نام سے لکھی ہے جس کی بحمد اللہ تعالیٰ دو جلدیں شائع ہوئی ہیں جو فاضل مؤلف حفظہ اللہ تعالیٰ نے بندہ کے پاس بھیجی ہیں۔ بندہ کو اس شرح کے مکمل مطالعہ کا تو موقع نہیں مل سکا، لیکن جستہ جستہ مقامات سے دیکھ کر اندازہ ہوا کہ ماشاء اللہ انہوں نے مستند مآخذ سے استفادہ کر کے احادیث کی تشریح دلنشین انداز میں کی ہے، انداز بیان بھی آسان، عام فہم اور شگفتہ ہے جو علماء وطلبہ کے علاوہ عام مسلمانوں کے لئے بھی مفید ہے۔ باقی مقامات جو میرے مطالعے سے نہیں گذرے، ان کے بارے میں ذمہ دارانہ رائے دینی تو ممکن نہیں ہے، لیکن فاضل مؤلف کی قابلیت اور مآخذ، مستند ہونے کی بنا پر باقی کے بارے میں یہی امید ہے۔

جامع ترمذی کی بیشتر شروح جامع ترمذی جلد اوّل ہی تک پہنچی ہیں، اور جلد ثانی کی مفصل شروح، بالخصوص حنفیہ کی طرف سے بہت کم ہیں۔ اس لئے امید ہے کہ انشاء اللہ تعالیٰ یہ شرح اس کمی کو پورا کرے گی۔ اللہ تعالیٰ فاضل مؤلف کو اس کی بہترین جزا عطا فرما کر اسے نافع اور مقبول بنائیں، اور ان کی عمر، علم اور عمل میں برکت عطا فرمائیں۔ آمین

بندہ

محمد تقی عثمانی عفی عنہ

۲۵ ربیع الاوّل ۱۴۳۴ھ

سیکٹر F-10/3 سٹریٹ 7-C ہاؤس 172 اسلام آباد